امام ابو حنیفہؒ بحیثیت محدث

مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی اسلامیات

جلد اوّل

مقالہ نگار

حافظ محمد خان

اسسٹنٹ پروفیسر

فیڈرل گورنمنٹ ڈگری کالج، اوکاڑہ کینٹ

نگران تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

چیئرپرسن

شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف پشاور

شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف پشاور

پاکستان

1998ء

موضوع تحقیق کی منظوری

اس تحقیقی مقالہ کے عنوان "امام ابو حنیفہ بحیثیت محدث" کی منظوری مورخہ 25 نومبر 1996ء بذریعہ A. S. R. B یونیورسٹی آف پشاور سے ہوئی جس میں مراسلہ نمبر 66- M- Phil / Ph.D / Acad -III 9236 مورخہ 20 اکتوبر 1998 کو توسیع کی اجازت دی گئی۔

7

انتساب

میں اپنی اس لوتی علمی کاوش کو اپنے والدین کے نام معنون کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔
جن کی دعاؤں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قابل بنایا ہے۔

حافظ محمد خان
اوکاڑہ
یکم مئی۔1998ء

اظہار تشکر

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ تحقیقی کام اساتذہ کرام اور علماء کرام کی قیمتی راہنمائی اور اہل علم کے پر خلوص تعاون کے بغیر پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتے۔

آج سے چھ سال پہلے 1992ء میں جب مجھے پشاور یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ میں داخلہ ملا۔تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ کام واقعی پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہو گیا۔

میرے اساتذہ کرام جن میں سے جناب ڈاکٹر جمیلہ سڈل صاحبہ چیئرپرسن شعبہ اسلامیات ہیں جو مقالہ ہذا میں میری نگران بھی رہی ہیں میں ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے قدم قدم پر مقالہ کی تکمیل میں اصلاح فرمائی اور میرا یہ کام ان ہی کا مرہون منت ہے۔

جناب ڈاکٹر سعید اللہ قاضی ڈائریکٹر شیخ زید اسلامک سنٹر کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس ریسرچ کے کام میں میرا حوصلہ بڑھایا استاذ محترم جناب ڈاکٹر قبلہ ایاز صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔جنہوں نے کورس ورک کے دوران ریسرچ تکنیک کا موضوع پڑھایا۔سابق چیئر مین شعبہ اسلامیات جناب ڈاکٹر میاں سعیداللہ جان صاحب اور ڈاکٹر محمد شفیق صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ ان دونوں نے ہر لحاظ سے میرے ساتھ تعاون فرمایا۔اور مفید رائے سے نوازتے رہے۔

شعبہ علوم اسلامیہ کے استاذ جناب ڈاکٹر عبدالقادر سلیمان صاحب کا بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے مقالہ ہذا کے انتیار کرنے میں اور بعد میں اس کی تیاری کے مراحل میں میری مدد فرمائی۔

ڈاکٹر محمد خالد مسعود پروفیسر ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی ذاتی توجہ' خوش اخلاقی اور کوششوں سے میری اہم کتب تک رسائی ممکن ہوئی۔

کتب خانہ ادارہ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد کے ناظم جناب سید احمد ظفر صاحب اور کتب خانہ اسلامیہ کالج پشاور کے ناظم عبدالحمید خان صاحب کتب خانہ شعبہ علوم اسلامیہ پشاور کے ناظم جنت نعیم صاحب اور کتب خانہ جامعہ علوم شرعیہ راولپنڈی کے ناظم حافظ محمد اسحاق صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جن کی راہنمائی نے مجھے اپنا کام مکمل کرنے میں مدد دی۔

یہ کلمات تشکر نامکمل رہیں گے۔جب تک میں اپنے شیخ حضرت مولانا محمد اکرم بن محمد دین الفتح فاضل خیرالمدارس ملتان کا ذکر خیر نہ کروں جن کے زیر سایہ مجھے دین کو سمجھنے کا موقع ملا اور تحقیق ہذا کے دوران خصوصی شفقت اور مہربانی فرماتے رہے۔

آخر میں رفیقہ حیات میمونہ بیگم' بھائی عبدالکریم خان فاضل کنگ سعود یونیورسٹی ریاض اور اولاد ڈاکٹر شاہد سعید محمد خان' ڈاکٹر آمنہ محمد خان' ڈاکٹر اظہر مسعود محمد خان اور حافظ سعد عثمان خان کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے تعاون سے مقالہ ہذا کی تکمیل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

9

حافظ محمد خان

خلیفہ مجاز حضرت خواجہ نصیر الدین غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ

ایم۔ اے عربی۔ایم۔ او۔ ایل عربی۔ڈپلوما ان عربی۔

ایم۔ اے علوم اسلامیہ۔ایم۔ فل قانون شریعت

بی ایڈ۔ ڈپلوما ان انگلش

فاضل عربی۔ مولوی فاضل۔فاضل وفاق المدارس

فاضل قرات سبعہ عشرہ۔

صدر شعبہ علوم اسلامیہ۔

فیڈرل گورنمنٹ کالج اوکاڑہ کینٹ

کیم مئی۔1998ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

دیباچہ

الحمد للہ رب العلمین ○ والصلوۃ والسلام علی محمد خیر خلقہ و خاتم النبیین و علی آلہ و اصحابہ الذین هم هداۃ الدین و علی من تبعۃ من الفقہاء و المحدثین۔ اما بعد

اللہ جل شانہ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے سردار انبیاء کو قرآن عزیز جیسے انعام کے ساتھ فریضہ رسالت پورا کرنے کے لئے مخلوق پر احسان فرما کر بطور اسوۃ حسنہ کا عملی نمونہ دنیا میں مبعوث فرمایا۔

قرآن عزیز کی تعلیمات کو آسان بنانے کے لئے آپ کی حدیث کو بطور تشریح مقرر کیا اور حدیث کی حفاظت اور اس کی قیود و حدود بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے حضرات کو مختلف طریقوں سے حدیث نبوی ﷺ کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔

جن خوش نصیب ہستیوں کو حدیث کی خدمت کا موقع ملا۔ان میں سے ائمہ سراج الامت' راس الاتقیاء' محدث کبیر' حافظ الحدیث' سید الفقہاء' مجاہد عظیم' حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔

آپ چونکہ تابعی تھے۔اس لئے قرآن مجید کی اس آیت کے مصداق ہیں۔

والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ و اعد لھم جنت تجری تحتھا الانھر خلدین فیھا ابدا" ۔ذلک الفوز العظیم ○

ترجمہ : اور وہ لوگ جنہوں نے اتباع کی اُن (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کی احسان کے ساتھ۔اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے اور تیار کیا ان کے لئے جنتوں کو ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خاندان کا تعلق عجمی تھا۔اور وہ خطہ فارس کے باشندے تھے۔

چنانچہ کتاب الفردوس میں ہے۔ فی ثناء عن علی رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه قال خیر العجم الفارس۔ اور حضور ﷺ نے اہل فارس کے لئے پیش گوئی بھی فرمائی تھی۔جس کو صاحب عقود الجمان نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

لو کان العلم عند الثریا لتناولہ رجل من ابناء فارس۔

ترجمہ : اگر علم ثریا میں پہنچ جائے تو فارس کے جواں مردوں میں سے ایک اس تک پہنچ جائے گا۔(عقود الجمان۔ص 45 بحوالہ ابو نعیم حلیہ الاولیاء بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

جو امام صاحب کے حق میں ثابت ہوتی ہے۔

ح

چنانچہ مشہور عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں کہ

ھم امام دراں داخل است و ھم جملہ محدثین فرس۔

ترجمہ: امام صاحب بھی اس حدیث کے مصداق ہیں اور جملہ محدثین فارس بھی۔(اتحاف النبلاء المتقین نواب صدیق حسن خان ص 224)

اس حدیث کا مصداق بالاتفاق محدثین ابو حنیفہ نعمان بن ثابت ہیں۔بحوالہ ابو حنیفہ۔مفتی عزیز الرحمٰن ص 24 مکتبہ رحمانیہ۔لاہور۔

مصنف عقود الجمان کی تحقیق کے مطابق امام اعظم نے چھ صحابہ کرام اور ایک صحابیہ سے حدیث روایت کی ہے۔جن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ، حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بن عجرد شامل ہیں۔

اور یہ سعادت کسی دوسرے محدث کو نصیب نہیں ہوئی۔نہ صحاح ستہ کے محدثین کو اور نہ غیر کو۔ عقود الجمان فی مناقب النعمان شمس الدین محمد بن یوسف شافعی۔ص 56 تا 61۔مکتبہ الایمان مدینہ المنورہ۔(سن طباعت درج نہیں)

حافظ المزی کے مطابق امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی 72 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات ثابت ہے۔ معجم المصنفین شیخ محمود حسن خان ص 23' ج 2' مطبوعہ حیدر آباد دکن 1935ء

حضرت امام اعظم کی جائے پیدائش اور حصول علم کوفہ ہے۔اور کوفہ میں علم کیسے آیا یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس خط سے پتہ چلتا ہے۔جو انہوں نے اہل کوفہ کو لکھا۔چنانچہ لکھتے ہیں "میں نے تمہارے پاس عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بحیثیت امیر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بحیثیت معلم اور وزیر روانہ کیا ہے۔یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں صرف صحابی نہیں بلکہ شرکاء بدر میں سے ہیں۔تم ان کی اقتداء کرو۔دیکھو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں میں نے تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔(تذکرۃ الحفاظ ذہبی۔ص 14' ج 1)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا دورہ کیا۔ لوگ پڑھنے میں مشغول دیکھے اور دیکھا کہ چار سو دواتیں لکھنے کے لئے رکھی ہوئی ہیں فرمایا لقد ترک ابن ام عبداللہ ھولاء سرج الکوفۃ ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے یہ تمام کوفے کے چراغ چھوڑے ہیں۔(مناقب موفق۔ص 13' ج 2)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کوفی صحابہ کے نام ریکارڈ کئے ہیں۔

جو صحابہ کوفہ تشریف لائے تھے۔انکی تعداد 1500 تھی۔ان میں 29 صحابہ کا نام الگ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کوفی صحابہ کی بخاری میں روایت ہے۔بلکہ طرق کے اعتبار سے ان کی تعداد تین سو راویوں کی ہے۔جو کوفہ سے تعلق رکھتے تھے۔اور یہ بخاری کے راوی ہیں۔(مقدمہ فتح الباری ابن حجر عسقلانی۔ص 194)

علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں حافظ ابو بکر بن ابی داود کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب میں کوفہ آیا تو ایک ماہ میں تیس ہزار حدیثیں لکھ لیں۔جن میں مقطوع اور مرسل بھی شامل تھیں۔(طبقات الشافعیہ سبکی۔ص 130)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ علم حدیث کا مرکز تھا اور محدثین حدیث کی اکثریت اس شہر سے تعلق رکھتی تھی۔

امام زہری لکھتے ہیں علماء چار ہیں۔سعید رحمۃ اللہ علیہ مدینہ میں شعبی رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں' حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بصرہ میں اور مکحول رحمۃ اللہ علیہ شام میں۔(تذکرۃ الحفاظ ذہبی۔ص 318)

محدث عاصم الاحول لکھتے ہیں۔ ما رایت احداً اعلم بحدیث اہل الکوفۃ والبصرہ و الحجاز من الشعبی۔ ترجمہ:۔ میں نے کوفیوں' بصریوں اور حجازیوں کی حدیث کا امام شعبی سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔(تذکرۃ الحفاظ ذہبی۔ص 179' ج 1) اور شیوخ کے علاوہ شعبی امام اعظم کے شیوخ فی الحدیث تھے۔

خطیب بغدادی نے امام علی المدینی سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا علم تین پر ختم ہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علوم ان چھ حضرات میں منتقل ہوئے ہیں۔حضرت علقمہ' حضرت اسود' حضرت عبیدہ' حضرت حارث' حضرت سروق' حضرت عمرو اور ان چھ اکابر کی میراث ان دو کو ملی۔حضرت امام ابراہیم نخعی اور حضرت امام شعبی۔(تاریخ بغداد۔خطیب بغدادی۔ص 80' ج 7)

حافظ ذہبی نے خود امام شعبی کی زبانی یہ انکشاف فرمایا ہے کہ ادرکت خمسمائة من الصحابة میں نے پانچ سو صحابہ سے ملاقات کی۔(تذکرۃ الحفاظ۔ص 76 تا 79' ج 1)

ڈاکٹر فلپ حتی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب تاریخ العرب میں لکھا ہے کہ کان من ابرز الذین تخرجوا علی الشعبی الامام ابو حنیفه المشہور۔ امام شعبی کے بلند پایہ تلامذہ میں سے مشہور امام ابو حنیفہ ہیں۔(تاریخ العرب مطول۔ڈاکٹر فلپ حتی۔ص 311' ج 1)

امام اعظم پر اس سے پہلے بہت کچھ لکھا گیا ہے۔جن میں سے درج ذیل کا ذکر ضروری ہے۔

1- امام اعظم۔مفتی عزیز الرحمن
2- ابو حنیفہ اور ان کے ناقدین۔حبیب الرحمن خان شروانی۔
3- تذکرۃ حضرت امام اعظم۔میاں جمیل احمد شرقپوری۔
4- دفاع امام اعظم۔عبدالقیوم حقانی۔
5- مقام ابی حنیفہ۔مولانا محمد سرفراز خان۔
6- ابو حنیفہ۔محمد ابو زہرہ مصری۔
7- امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی۔مناظر احسن گیلانی۔
8- سیرت النعمان۔مولانا شبلی نعمانی۔

اور ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات شامل ہیں۔جنہوں نے امام اعظم کی ہستی کو اپنا موضوع سخن بنایا۔

لیکن "امام اعظم بحیثیت محدث" کے عنوان سے مقالہ ہذا میں جو تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے وہ بہت سے عشاق اور فدایان حدیث کے

دسترخوان سے چنے ہوئے ٹکڑے ہیں جو موضوع ہذا سے متعلق ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹریٹ کے اس مقالہ کی تیاری رب کریم کی اس ناچیز پر مہربانیوں کا ظہور ہے۔کہ مجھ جیسے حقیر اور کوتاہ فہم سے اس نے اردو زبان میں تاریخ میں پہلی دفعہ اس تحقیق کا کام لیا۔

مقالہ ہذا کے مطالعہ سے امام اعظم کا وہ مقام امت مسلمہ میں عموما" اور علماء میں خصوصا" متعین ہو گا جو امام صاحب نے حدیث کی خدمت کر کے پایا ہے۔

امید ہے کہ یہ مقالہ خدمت حدیث کا وسیلہ اور ترویج اور اشاعت سنت رسول اللہ ﷺ کا سبب بنے گا۔خصوصا" دین کے علماء و طلباء اور مدرسین جو حدیث' اصول حدیث' تدوین حدیث اور محدثین فن حدیث میں امام صاحب کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہیں۔

مقالہ ہذا کی تیاری کے دوران پوری کوشش رہی کہ عنوان کے ساتھ انصاف ہو' ماخذ اصلی ہوں اور ثانوی ماخذ کا سہارا انتہائی مجبوری کی صورت میں لیا جائے۔پھر بھی بندہ خطا کا پتلا ہے۔اہل علم اگر کہیں غلطی اور خطا پائیں تو بندہ معافی کا خواستگار اور طلبگار ہے۔

مقالہ ہذا کا انتخاب ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کے لئے کیا گیا ہے جو یونیورسٹی آف پشاور کے شعبہ علوم اسلامیہ کی مایہ ناز پروفیسر اور چیئرپرسن ڈاکٹر جمیلہ سنڈل کی زیر نگرانی پایہ تکمیل کو پہنچا۔

موضوع ہذا کو اختیار کرنے کے اسباب

احمد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بعد میں نے یہ موضوع اس سبب سے اختیار نہیں کیا کہ 1- میں حنفی ہوں بلکہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ احناف اور غیر احناف دونوں کو امام اعظم کی حدیثی دسترس سے آگاہی ہو اور امام صاحب کے بارے میں محدثین کے الفاظ، القاب اور اصول حدیث اور عمل بالحدیث کو منظر عام پر لایا جائے۔

2- وہ سبب جس نے مجھے یہ موضوع اختیار کرنے کی دعوت دی ہے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی ہے کہ میں نے دیکھا کہ جن حضرات نے سیرت امام سے واقفیت حاصل کی انہوں نے "عادل" کہا اور ساتھ ساتھ جرح بھی کی اور وہ حضرات جنہوں نے جرح اور تنقید ہی پر قلم اٹھایا ساتھ ساتھ ان کی عدالت اور علمی شان کا ذکر بھی کر دیا۔ یہ دوہرا معیار ذہنی تشویش کا سبب بنا یا ان پر جو الزامات لگائے گئے وہ تحقیق وتدقیق کے بغیر ہی نقل ہوتے چلے آئے اور دونوں گروہوں (جارحین اور مادحین) میں سے کسی ایک نے بھی ان الزامات اور تنقید کی اسناد کی صحت کی طرف تحقیق کی زحمت گوارا نہ کی۔

3- ان میں یہ سبب بھی ہے کہ موجودہ پندرھویں صدی میں تعصب پہلے سے کہیں زیادہ پایا جاتا ہے اور فتنے انتشار پکڑ رہے ہیں باوجود اس بات کے کہ ہم سب مسلمان یہ بات جانتے ہیں کہ چار ائمہ وقت اور علم دونوں کے لحاظ سے ایک دوسرے کے بہت قریب گزرے ہیں بلکہ ایک دوسرے کی عظمت اور بزرگی کا احترام اور پاس کرتے تھے اور بعض بعض کے شاگرد ہوئے ہیں انہیں یہ خطرہ نہ تھا کہ انکے اتباع کرنے والے ایک دوسرے پر طعن کریں گے۔ یہ جھگڑا کریں گے۔

4- اور ان میں یہ سبب بھی ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ ان چاروں مذاہب کا منکر ہے اور اس گروہ کا نعرہ ہے کہ "فقہ چھوڑو حدیث پکڑو" جس طرح کہ پہلے مسلمان حدیث پکڑے ہوئے تھے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی اقرار کرتے جاتے ہیں کہ امام مالک حدیث کے امام تھے اور بے شک وہی فقہ مالکی کے بانی تھے اور بے شک امام احمد بن حنبل شیخ المحدثین ہیں اور جرح والتعدیل کے امام اور حنبلی مذہب کے بانی ہیں اور یہی حال امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ جو گروہ یا شخص فقہی مذاہب کو نہیں مانتا اسے چاہیے کہ وہ امام مالک اور امام احمد سے "احسن" حدیث پیش کرے۔

5- جب ہمیں ایک ایسا شخص مل جائے جس کے دائیں ہاتھ میں حدیث ہو بائیں ہاتھ میں فقہ ہو عربی زبان کی واقفیت ہو اور اس کے ساتھ ساتھ عقل سلیم بھی رکھتا ہو تو ہم پہلے مقلد اور اتباع کرنے والے ہیں لیکن اگر کوئی اصول حدیث سے عدم واقفیت کی بنا پر حدیث پیش کرتا ہے یا فقہ سے دور رہ کر اسلام کی واقفیت کا مدعی ہے تو ایسی قیادت تسلیم نہیں۔ اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تعصب اور جاہلیت سے دور رکھے۔ آمین۔ واللہ المستعان۔

تحقیق مقالہ ہذا کے اہم مقاصد درج ذیل ہیں

1- محدثین صحابہ کرام کا اجمالی تعارف کرانا۔

2- حیات امام اعظم کا اجمالی تعارف کرانا۔

3- صحابہ کوفہ، تابعین کوفہ اور محدثین کوفہ کا خاکہ پیش کرنا اور امام اعظم کا صحابہ سے روایت اور تابعین سے حدیث کا تعلق پیش کرنا۔

4- تلامذہ محدثین امام اعظم کا تذکرہ کرنا۔

5- کتابیات امام اعظم کی تفصیل پیش کرنا۔

6- اہل حدیث اہل الرائے اور اصول قیاس میں امام اعظم کا نظریہ پیش کرنا۔

7- صحت حدیث کے جملہ اصول حدیث اور ان کی اصطلاحات کا ذکر کرنا۔

8- امام اعظم پر جرح و تنقید کا ذکر کرنا اور پھر جواب دینا۔

9- امام اعظم کے متعلق کبار محدثین کے نظریات پیش کرنا۔

10 رجال الحدیث صحیحین اور رجال مسند امام اعظم پر کتاب الآثار اور موطا امام محمد کا تقابل کرنا۔

11- متقدمین اور متاخرین محدثین کے ساتھ امام اعظم کا علمی رشتہ بتانا۔

12- احناف مقلدین کا حوصلہ بڑھانا کہ فقہ حنفی کی تدوین کی بنا حدیث پر ہے۔

نتائج تحقیق

دنیا کے مسلمانوں نے اتفاق اور اجماع کیا ہے کہ چار مذاہب حق ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر عمل کرنا جائز ہے۔پانچ سے زیادہ صدیوں میں عباسی حکومت کا حنفی مسلک پر عمل رہا ہے۔پھر عثمانی حکومت میں تقریباً" سات صدیوں تک حنفی مذہب پر عمل ہوتا رہا ہے۔ لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ احناف میں سے کئی حضرات حنفی مذہب کے اندر چھوٹے چھوٹے گروہ بنانے میں کامیاب ہوئے اور ہر ایک گروہ اسی شخصیت کے ساتھ منسوب ہوا جس نے یہ فرقہ نکالا۔یہاں تک کہ عوام الناس کو یہ سمجھنا بھی مشکل ہو گیا کہ دین میں اتباع کی کیا ترتیب ہے اور اختلاف کی صورت میں ترجیح کی سمت کیا ہونی چاہیے۔

نتائج درج ذیل ہیں۔

1- یہ کہ امام اعظم حدیث میں ثقہ تھے۔

2- یہ کہ امام اعظم محدث تھے اور علم جرح و تعدیل کے عالم تھے۔

3- امام اعظم پر جرح بغیر علم کے کی گئی ہے اور ان کی جرح تشریح کی محتاج ہے یعنی جرح مفسر نہیں اور جرح مبہم قابل قبول نہیں۔

الف۔ ہم عصر حضرات کی جرح بھی غیر مقبول ہے۔جب تک مفسر نہ ہو۔

ب۔ دوسرے حضرات نے مذہبی تعصب کی وجہ سے جرح کی ہے۔

حالانکہ امام صاحب کی عدالت، حفظ، ضبط اور علم ثابت ہو چکا ہے۔

4- جن محدثین نے امام اعظم کو ثقہ کہا ہے وہ بھی سب کے سب ائمہ حدیث ہیں اور بڑے درجے کے حضرات ہیں۔

5- جن حضرات نے امام اعظم کی مخالفت میں تنقید کی ہے ان کی تنقید حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ دلائل سے انکی تنقید کو رد کیا گیا ہے۔

6- امام اعظم کے مسانید محدثین کے ہاں مسلم ہیں اور ان کے راوی سب کے سب ثقہ ہیں۔

7- یہ کہ ضعیف حدیث امام اعظم کے ہاں اصل ہے اور وہ مسائل کی بنیاد مانی گئی ہے اور قیاس کا درجہ بعد کا ہے۔

8- یہ کہ امام اعظم حدیث کو نہیں چھوڑتے تھے۔مگر وہی صورت حدیث جو شاذ ہو اور وہ اس کے نہ قبول کرنے میں اکیلے نہیں تھے بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مسئلہ میں ان کے ہم خیال تھے۔

9- یہ کہ امام اعظم رائے میں تعصب نہیں کرتے تھے بلکہ ضعیف حدیث اور مرسل حدیث کو رائے یعنی قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔

10- یہ کہ امام اعظم کے دوسرے ائمہ کے اختلاف قواعد اور اصول کے تطبیق سے ہوئے ہیں جو اصول ائمہ نے رد اور قبول کے لئے خود وضع کئے تھے۔

11- آخری بات یہ ہے کہ امام اعظم کا درجہ بطور محدث بہت اعلیٰ اور اونچا ہے۔۔ اکثر محدثین کا یہ فیصلہ ہے جیسا کہ ان کی تعداد سے ظاہر ہے اور ان محدثین کا زمانہ تقریباً" اتنا ہی طویل ہے جتنا کہ دوسری صدی سے لے کر آج تک کا زمانہ ہے اور ان میں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی سب مذاہب سے تعلق رکھنے والے محدثین نے امام اعظم کو محدث تسلیم کیا ہے اور ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

ابواب کے اعتبار سے تحقیقی کام کا تجزیہ

دیباچہ میں اس نقطہ کی وضاحت کی گئی کہ قرآن عزیز کی تعلیمات کو آسان کرنے کے لئے آپ ﷺ کی حدیث کو تفسیر مانا گیا۔حدیث کے حفاظ اور حدیث کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ میں سے بہت سے حضرات کو توفیق بخشی۔محدثین کے طبقات صحابہ کرام، تابعین کرام، اتباع تابعین کرام اور سلف صالحین میں بے شمار گزرے ہیں۔

محدثین کی اصطلاح میں ان حضرات کو حافظ حدیث، محدث حدیث، حاکم حدیث اور امیرالمومنین فی الحدیث کہتے ہیں۔جن خوش نصیب ہستیوں کو حدیث کی خدمت کا موقع ملا۔ان میں سے ایک حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

ہر عقل مند شخص اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ فقہ بغیر حدیث کے مستنبط نہیں ہوتا اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو فقہ میں "امام اعظم" ہونے کا لقب دوسری صدی ہجری میں مل چکا تھا کیونکہ آپ پہلی صدی ہجری میں اپنی تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے اور ائمہ اربعہ میں سے تابعی ہونے کا شرف بھی صرف آپ کے حصے میں آیا ہے۔کیونکہ آپ ترتیب کے لحاظ سے بھی پہلے امام تھے۔

امام اعظمؒ حدیث فہمی کو دس ابواب پر مشتمل مواد میں بیان کیا گیا ہے۔

جس کی ترتیب، موضوع کی ضرورت، موجودہ مواد کا جائزہ، کام کرنے کی ضرورت، تمہیدی باب وغیرہ کو بنیاد قرار دیا۔لیکن تفصیلی مطالعہ کے ساتھ ساتھ اس میں بھی وسعت پیدا ہوئی۔حالانکہ کوشش یہی تھی کہ کام کو مختصر کیا جائے۔جب بار بار اختصار کے باوجود بھی موضوع سے انصاف نہ ہوا تو دائرہ کار دس ابواب تک بڑھ گیا۔آئندہ صفحات میں ان ابواب کا الگ الگ تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

باب اول (تمہیدی باب)

یہ تمہیدی بات ہے۔اس باب میں صحابہ کرام کا تعارف اور ان کی حدیثی خدمات کا تذکرۃ کیا گیا۔

اس باب میں صحابہ کرام کی خدمت حدیث میں کردار اور اخذ حدیث میں ان کی سعی جمیلہ کا مختصر تذکرۃ کیا گیا۔

نشر حدیث میں صحابہ کرام کا حصہ۔روایت حدیث میں طرز استدلال اور حدیث کے اولین مؤلفین کے طور پر ان کا ذکر کیا گیا۔

محدثین صحابہ اور محدثین تابعین کے ابتدائی کام کا تعارف پیش کیا گیا اور خصوصاً ان صحابہ اور تابعین کا تذکرۃ کیا گیا جن کا تعلق کوفہ سے رہا ہے۔

مختصر طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس باب میں ان عنوانات کو بیان کیا گیا۔

ضرورت حدیث، تدوین حدیث، کتابت حدیث، علوم الحدیث، تاریخ الحدیث، حجیت حدیث، خدمات حدیث، حفاظت حدیث اور محدثین کا عمومی تعارف جب کہ کوفہ کے محدثین صحابہ اور تابعین کا تعارف خصوصی طور پر پیش کیا گیا۔

باب دوم

اس باب میں امام اعظم کے خاندان کا تعارف پیش کیا گیا ہے ان کی پیدائش نام و نسب۔ زندگی کے ابتدائی حالات۔ **حضور ﷺ** کی پیش گوئی۔ اس پیش گوئی کا امام اعظم کے حق میں پورا ہونا۔ امام اعظم کا تابعی ہونا۔ صحابہ کرام سے اخذ حدیث۔ تابعین کی بزرگی۔ **تعمیر کوفہ**۔ کوفہ میں محدثین کا وجود۔ اس دور کے دار الحدیث صحابہ کوفہ، فقہاء کوفہ، محدثین کوفہ اور ان کی خدمات کا جائزہ پیش کیا گیا۔

مختصر طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس باب میں ان عنوانات کو پیش کیا گیا۔

اصطلاحات حدیث، معرفت حدیث، آداب الحدیث، اخذ الحدیث، نشر حدیث، محدث حدیث، حافظ حدیث، حاکم حدیث، امیر المومنین فی الحدیث، مولفین حدیث، معرفت تابعین، رحلت علمیہ، محدثین تابعین اور محدثین صحابہ کا تذکرہ بیان کیا گیا۔

باب سوم

اس باب میں امام اعظم کے اساتذہ اور شیوخ کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔ان اساتذہ میں صحابہ کرام اور تابعین دونوں طبقوں کے حضرات شامل تھے۔امام صاحبکے اساتذہ میں پہلا اور دوسرا طبقہ شامل تھے۔صحابہ سے امام اعظم کی روایت کے بارے میں معتمد ثبوت۔امام ابو حنیفہ کا حصول علم کے لئے سفر۔

ان سفروں کا ذکر اور اس وقت کے دارالحدیث کا تعارف پیش کیا گیا۔

امام اعظم کی روایت کردہ حدیث کی تعداد کو بیان کیا گیا۔

مختصر طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس باب میں ان عنوانات کو بیان کیا گیا۔

محدث صحابہ۔تذکرۃ الحفاظ میں ذکر شدہ امام اعظم کے اساتذہ کا ذکر خیر۔

دارالحدیث کا تعارف۔

شیوخ الحدیث، مولفات حدیث، دارالحدیث، حصول حدیث، تفقہ فی الحدیث، درجات فی الحدیث، صحابہ سے روایت کا شرف، ضبط حدیث، طبقات مذاہب فی الحدیث کو بیان کیا گیا ہے۔

ق

باب چہارم

اس باب میں امام اعظم کے تلامذہ یعنی شاگردوں کا تعارف پیش کیا گیا۔ان تلامذہ میں سے بعض زیادہ مشہور و معروف تھے اور بعض ان میں مصنفین بھی ہوئے ہیں۔

اسی طرح ان محدثین حفاظ حدیث کا تذکرۃ بھی پیش کیا گیا جو امام اعظم کے اصحاب حدیث تھے۔امام اعظم نے "دستور اسلامی" کی تدوین کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی اس کمیٹی کی ممبران کی تعداد اور ان کا تعارف بھی پیش کیا گیا۔

بعض محدثین نے مسانید لکھیں۔ان کی تفصیل کو بھی پیش کیا گیا۔مختصریوں کہا جا سکتا ہے کہ اس باب میں ان عنوانات کو بیان کیا گیا۔

تلامذہ حدیث، حصول حدیث، سماع حدیث، مولفین حدیث، احناف اصحاب الحدیث، فقہاء حدیث، مولفات فی الحدیث کا تذکرہ کیا گیا۔

لہ

باب پنجم

اس باب میں امام اعظم کی تصانیف کا جائزہ پیش کیا گیا۔

کتاب الآثار سب سے پہلی تصنیف۔کتاب الآثار کا طریقہ املائی۔املائی طریقہ میں تلامذہ کے لئے محدثین کی تعبیری زبان۔کتاب الآثار کے نسخوں کی تحقیق۔امام اعظم کی طرف منسوب دیگر کتب کا تعارف۔نیز موطا امام محمد کے نسخوں کی وضاحت امتیازی حیثیت' روایتی حیثیت اور مسند امام اعظم کی تحقیق۔اسی طرح مسانید کے راویوں کے حالات۔ابوٓب اور مسانید کا فرق' تعداد حدیث مسند امام اعظم۔کل تعداد حدیث' طرق حدیث سے تعداد حدیث میں فرق' امام صاحب کی احادیث' ثنایات' ثلاثیات' رباعیات' ار۔جینیات کی تفصیل اور دیگر کتب کے شرحوں کا ذکر کیا گیا۔

مختصریوں کہا جا سکتا ہے کہ اس باب میں ان عنوانات کو بیان کیا گیا۔

حفاظ حدیث کا تذکرہ جن کی مرویات کو مسند امام اعظم میں جمع کیا گیا اور تصنیفات فی الحدیث' مسانید فی الحدیث' مرویات حدیث' وحدانیات حدیث' ثنایات حدیث' ثلاثیات حدیث' ار۔جینیات حدیث' شروح حدیث' اطراف حدیث' زوائد حدیث' مستدرکات حدیث' مستخرجات حدیث' مختصرات حدیث' تبویب اور ترتیب حدیث کے عنوانات کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا۔

سش

باب ششم

اس باب میں امام اعظم پر اعتراضات کا جائزہ لیا گیا۔

بعض نا معلوم معترضین کی نسبت سے خطیب نے نقل کیا جو نقل بحوالہ بعد میں آنے والوں نے لئے مشغلہ بنا اور اسی کو پیش کرتے گئے۔ان اعتراضات کا جواب یوں دیا گیا کہ پہلے اعتراض اور بعد میں جواب پیش کیا گیا۔

ان معترضین کے جواب میں بعض حضرات نے مستقل کتب کو بھی تصنیف کیا ہے۔ان کی فہرست بھی لکھ دی گئی۔

معترضین کو جواب دینے میں انتہائی نرم زبان استعمال کی گئی تاکہ معترضین کی دل شکنی نہ ہو اور ان کو جواب بھی مل جائے۔

مختصر یوں کہا جا سکتا ہے کہ جن عنوانات کا جواب پیش کیا گیا وہ یہ ہیں۔

ضعیف فی الحدیث عدم واقفیت حدیث' قلت روایت' عدم واقفیت حج' قلت عربیت' بے نور حدیث' تہمت ارجاء اور آخر میں معترضین کے جواب نقل کرنے کے بعد تائیدی خواب کا سلسلہ بھی بیان کیا گیا اور خواب کی شرعی حقیقت بھی پیش کی گئی۔

باب ہفتم

اس باب میں سب سے پہلے اجتہاد بالرائے پر گفتگو ہوئی۔قیاس رائے اور ان کا مقام پیش کرنے کے بعد ثبوت اور مثالوں سے وضاحت کی گئی۔اقسام رائے' حدیث اور قیاس میں تعارض اور پھر ان دونوں میں ترجیح کی صورت بیان کی گئی۔

اس کے ساتھ ساتھ امام اعظم کا اپنا نقطہ نظر بھی پیش کیا گیا۔

استنباط احکام حد تحقیقکے لئے قیاس' رائے اور حدیث سے جن اصولوں کے تحت ترجیح ہوئی ان کو بھی بیان کیا گیا۔

مختصر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس باب میں ان عنوانات کو بیان کیا گیا۔

احکام حدیث' مشکلات حدیث' تاویل حدیث' اختلاف حدیث' علل الحدیث' نسخ فی الحدیث' غریب الحدیث' اغلاط فی الحدیث' تعارض و ترجیح فی الحدیث' ضعیف حدیث اور قیاس میں ترجیح کے لئے ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم رکھا گیا۔

ث

باب ہشتم

اس باب میں اصول حدیث اور صحت حدیث کے مسئلے کو بیان کیا گیا۔اقسام حدیث میں سے مجہول، ضعیف اور علم الاسناد کو بیان کیا گیا۔تحمل حدیث، سماع کا طریقہ۔روایت بالمعنی۔شاذ اور مناولہ۔سند اور متن کی شرائط۔قرآن سے متصادم حدیث۔وجوہ ترجیح۔تطبیق کا طریقہ۔اعمال و اقوال صحابہ کا مقام۔حدیث اور فتاوی صحابہ میں مفاہمت۔احتیاط فی الروایات۔مسئلہ قلت حدیث، راوی کی ذاتی قابلیت اور شرائط کو بیان کیا گیا۔

امام اعظم کی قبولیت اور رد کے اصول بھی بیان کئے گئے اور ان کو مثالوں سے واضح کیا گیا۔

مختصریوں کہا جا سکتا ہے کہ اس باب میں ان عنوانات کو بیان کیا گیا۔

صحت حدیث، اسناد حدیث، روایت حدیث، حفاظ حدیث، محدث حدیث، اصول حدیث، قبول حدیث، تخریج حدیث، ترجیح و تعارض حدیث، موضوع حدیث، ضعیف حدیث، تحمل حدیث، نسخ فی الحدیث، مرجوعات امام اعظم فی بعض المسائل اور آخر میں عمل بالحدیث اور اس کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

٤

باب نہم

اس باب میں امام اعظم کے ہم عصر اور بعد کے محدثین کے خیالات پیش کئے گئے۔جو امام اعظم کو محدث جانتے اور مانتے ہیں۔مادحین ابو حنیفہ کا ذکر ان کے اپنے الفاظ میں کیا گیا۔ پہلے ان کا مختصر تعارف بھی پیش کیا گیا۔ جن محدثین حضرات نے امام اعظم کو محدث مانا ہے ان میں حنفی' مالکی' شافعی اور حنبلی سب مذاہب کے مقلد شامل ہیں۔

ان مداحین میں ایسے معتبر محدثین بھی شامل ہیں۔جو اپنے اپنے وقتوں کے انتہائی ثقہ اور کبار حضرات تھے اور پورے عالم اسلام کو ان کی حدیثی خدمات سے انکار نہیں۔

مختصر یوں کہا جا سکتا ہے کہ امام اعظم کے حق میں وہ تمام الفاظ بولے گئے جو ایک محدث کے لئے بولے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر ثبت' حجت' حافظ' متقی' ثقہ ثقہ' ثقہ ثبت' صدوق' لا باس بہ' محلہ الصدق' جید الحدیث' صالح الحدیث' ثیقق' یحتج بہ' محدث' حدیثہ قوی' شیخ کبیر فی الحدیث' قوی الحفظ' کان ضابطا' ثقہ فی الحدیث' حافظ الحدیث وغیرہ۔

باب دہم

اس باب میں علم اسماء الرجال کا تعارف کرایا گیا اور علم جرح و تعدیل میں مشہور حضرات کا تعارف بھی پیش کیا گیا۔

مسند امام اعظم، کتاب الاثار، موطا امام محمد اور عقود الجواہر المنیفہ سید مرتضیٰ زبیدی کی احادیث کی تعداد اور ان کے رجال کا تعارف بھی پیش کیا گیا۔

بخاری اور مسلم کے راویوں کے مندرجہ بالا کتب سے موازنہ بھی کیا گیا اور کوفہ کے راویوں کا خصوصی تذکرہ بھی پیش کیا گیا۔

اس باب کے آخر میں امام اعظم کا سلسلہ روایت اور ان کے تلامذہ کے ساتھ علمی نسب نامہ، چارٹ اور جدول کی شکل میں پیش کیا گیا اور امام اعظم کا دیگر محدثین کے ساتھ علمی رشتہ عام فہم اور آسان بنا کر پیش کیا گیا۔

مختصر یہ کہ اس باب میں رجال الحدیث، تعارض فی الحدیث، نسخ فی الحدیث، اختلاف الحدیث، جرح و تعدیل فی الحدیث، کتب رجال الحدیث، قرابت مع المحدثین، علمی شجرنامہ بین المحدثین بیان کیا گیا۔

فہرست مضامین (اجمالی)

فہرست مضامین (تفصیلی)

باب اول

صفحہ

CENTRAL LIBRARY

فہرست مضامین

باب دوم

فہرست مضامین

باب سوم

فہرست مضامین

باب چہارم

فہرست مضامین

باب پنجم

فہرست مضامین

باب ششم

فہرست مضامین

باب ہفتم

فہرست مضامین

باب ہشتم

فہرست مضامین

باب نہم

فہرست مضامین

باب دہم

محدثینِ صحابہ کی خدمات پر ایک نظر

فہرست مضامین

باب اول

محدثین کا تعارف اور روایات

صحابی کی تعریف:۔ الف۔ لغوی:۔ لفظ "صحابہ" اصلاً ساتھ رہنے کے معنی میں ہے اس سے لفظ "صحابی" اور "صاحب" ماخوذ ہے ۔ معنی "ساتھ رہنے والا" "اصحاب" اور "صحب" اسی لفظ کی جمع ہے۔ اور لفظ "صحابہ" بھی بکثرت بطور جمع اس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بلکہ اردو میں تو یہی لفظ رائج و معروف ہے۔

ب۔ اصطلاحی:۔ وہ شخص جس کو حضور ﷺ پر ایمان کی حالت میں حضور کی ملاقات کا شرف حاصل ہو اور اسلام پر ہی اس کی موت آئی ہو۔

توضیح:۔ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے اسلام سے پہلے حضور ﷺ کو دیکھا اور ملا تو اس کو "صحابی" نہیں کہیں گے۔ اور

اگر کسی کو حالت اسلام میں زیارت و ملاقات کا شرف حاصل ہوا مگر اس کی موت کفر پر ہوئی تو وہ بھی "صحابی" نہیں کہلائے گا۔

لیکن اگر حالت اسلام میں ملاقات کے بعد کفر کو اختیار کر لے اور پھر توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جائے اور اسی حال میں اس کی موت آئے تو اصح قول کے مطابق وہ اس شرف سے محروم نہیں قرار دیا جائے گا۔

اور خواہ دیکھنے کا قصد کیا گیا ہو یا نہیں؟ یا یہ کہ حضور ﷺ کو ہی دیکھنے کا قصد کیا گیا ہو یا کسی دوسرے کو اور خواہ حضور ﷺ کی نظر اس پر پڑی ہو' یا صحابی کی نظر آپ پر پڑی ہو ہر حال میں صحابیت شمار ہوں گی۔!

اہمیت و فائدہ:۔ اہمیت اور فن حدیث کی رو سے اس علم کے فائدہ کی عظمت ظاہر ہے کہ مرفوع روایات میں "متصل" روایات کو امتیازی درجہ حاصل ہے۔ یعنی جو پوری سند کے ساتھ منقول ہوں اور جب تک یہ علم نہ ہو کہ کون کون حضرات صحابہ میں سے ہیں؟ یا کہ فلاں و فلاں صحابی ہیں یا نہیں؟ کسی حدیث کے متعلق یہ نہیں معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ "متصل" ہے یا یہ کہ "مرسل" ہے

صحبت و صحابیت کو جاننے کے ذرائع:۔ پانچ ہیں۔

الف:۔ تواتر:۔ عہد نبوی سے لے کر آج تک امت کے ہر عہد و طبقے میں ایک معتمد بڑی جماعت کا کسی کے متعلق یہ بیان کہ وہ حضرت ﷺ کے صحابی تھے جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' وغیرہ چند اکابر صحابہ۔

ب:۔ شہرت:۔ یعنی تواتر کی حد کو پہنچے بغیر کسی کے حق میں اس کی شہرت جیسے ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ' عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اور وہ بہت سے صحابہ جن کا تذکرہ روایات میں بکثرت آتا ہے۔

ج:۔ خبر صحابی:۔ یعنی کسی صحابی کا بیان و تصریح کہ فلاں کو یہ شرف حاصل ہے۔

د:۔ معتمد تابعی کا بیان:۔ کہ فلاں کو یہ شرف حاصل ہے۔

ھ:۔ خود:۔ کسی کی اپنے متعلق اس کی تصریح بشرطیکہ وہ معتمد ہو اور قرائن کی رو سے اس کے دعوی کی صحت ممکن ہو۔ مثلاً بعض حضرات کی تصریح کے مطابق حضور ﷺ کی وفات کو سو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد اگر کوئی اس قسم کا دعوی کرے گا تو معتبر نہیں ہو گا۔[3]

صحابہ کی عدالت:۔ جمہور اہل سنت جماعت کا اتفاقی عقیدہ ہے کہ صحابہ سارے کے سارے چھوٹے ہوں یا بڑے' حضور ﷺ کی زیارت و ملاقات کا شرف انہیں جس حال میں حاصل ہوا ہو' حضور ﷺ کی صحبت میں انہوں نے ایک دو گھڑیاں گزاری ہوں یا چند سال۔ اور خواہ فتنہ و فساد کے زمانے سے پہلے وفات پا چکے ہوں یا اس زمانے میں رہے ہوں باہمی اختلافات میں کسی ایک طرف وابستہ ہوں یا نہ ہوں سب عادل و معتمد ہیں اور ہر ایک کی روایت ان کی عدالت کے متعلق کسی بھی قسم کی تفتیش و جستجو کے بغیر مقبول و معتبر ہے ان کے حق میں قرآنی تصریحات نبوی ارشادات اور دین کی نقل و حفاظت میں ان کے توسط و شرکت نیز ان کو حاصل مراتب و شرافت سب کا یہی تقاضا ہے ان کے عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے نقل روایت کے حق میں کذب بیانی یا کسی دوسری ایسی چیز کو جس سے روایت کی صحت و مقبولیت متاثر ہو قصداً" اختیار نہیں کیا۔[4]

مفسرین صحابہ کرام کا تعارف:۔ اکابر علماء' صحابہ کی ایک جماعت کو تفسیر کے سلسلے میں بھی امتیاز رہا ہے اس جماعت میں حضرات خلفائے راشدین اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سر فہرست ہیں اور ان میں بھی خلفائے راشدین میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ و حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا نمایاں مقام ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تو ترجمان القرآن و امام تفسیر شمار ہوتے ہی تھے۔ک

مؤلفین صحابہ:۔ حدیث کی تحریر و کتابت کے بحث کے تحت آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ حضرات صحابہ میں سے متعدد حضرات نے احادیث کے مجموعے تیار کئے تھے ان حضرات کے اسماء گرامی اسی موقع پر آ رہے ہیں حدیث کے علاوہ دیگر بعض امور کی بابت بھی ان حضرات کی تالیفات کا ذکر ملتا ہے۔ یعنی حضرات صحابہ کی صف میں ایک جماعت "مولفین" کی بھی ہے۔ مثلاً

الف) حضرت جابر بن عبداللہ، مسائل حج کی بابت ان کا مجموعہ مسلم میں شامل ہیں۔ ب) حضرت زید بن ثابت، فرائض پر ان کا رسالہ طبرانی کی المعجم الکبیر میں منقول ہے۔

ج) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، مغازی پر ان کی ایک کتاب ہے۔

د) حضرت عمر بن خطاب، صدقات کی احادیث کا جامع ان کا ایک رسالہ تھا۔

ھ) حضرت عمر بن حزم، انہوں نے مکاتب نبویہ کا مجموعہ ترتیب دیا تھا۔ک

عبادلہ:۔ کتب حدیث و فقہ میں بکثرت "عبادلہ" کا لفظ آیا ہے کہ عبادلہ سے یہ مروی ہے، یہ منقول ہے تو اصلاً یہ لفظ عبداللہ کی جمع کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ صحابہ کرام ہیں جن میں سے ہر ایک عبداللہ کے نام سے موسوم تھا لیکن کتابوں میں اس لفظ سے محض چار ایسے صحابہ کرام مراد لئے جاتے ہیں۔

الف) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

ب) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

ج) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

د) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

حدیث کی نقل کے حق میں یہی چاروں مراد ہوتے ہیں اور اگر کوئی شرعی حکم و فقہی مسئلہ کا بیان ہو تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مراد ہوتے ہیں۔ اور اکثر و بیشتر فقہا عبادلہ ثلاثہ کا ذکر کرتے ہیں جن سے ابن عمر ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مراد لیتے ہیں۔۔۔ اور اگر صرف لفظ عبداللہ ذکر کیا جائے

تو حضرت عبداللہ بن مسعود مراد ہوتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ کسی حکم کے بیان میں یہ لفظ لایا جاتا ہے۔ اور ان میں سے کسی کا استثناء بھی ہوتا ہے کہ وہ سب کے ساتھ نہیں ہوتا ہے۔

خصوصیت سے ان حضرات کے مصداق قرار پانے کی وجہ احادیث اور احکام و مسائل کی نقل و بیان میں ان کا امتیاز و تفوق ہے اور حضور ﷺ کے بعد ایک مدت دراز تک باحیات رہنا ہے اسی لئے نقل روایات کے سلسلے میں ابن مسعود ؓ کو نہیں مراد لیا جاتا کہ اگرچہ ان کو بھی امتیاز حاصل ہے مگر ان کا انتقال حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت میں ہی ہو گیا تھا۔

تعداد صحابہ کرام :- صحابہ کرام کی کوئی قطعی تعداد منقول نہیں اس لئے کہ نہ ان کو شمار کیا جا سکا اور نہ ہی یہ ممکن تھا۔ البتہ بعض اکابر کے قول سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ مشہور ترین قول ابو زرعہ رازی کا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی وفات کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ آپ ﷺ کی باتوں کے سننے و روایت کرنے والے چھوڑ کر وفات فرمائی۔

لیکن ان میں سے جن حضرات کے کچھ بھی حالات جمع کئے جا سکے ہیں ان کی تعداد دس ہزار سے اوپر نہیں جب کہ ان میں بچے' بوڑھے' اور آپ ﷺ کی حیات میں ہی وفات پانے والے بھی شامل ہیں۔

طبقات مراتب صحابہ کرام :- چونکہ طبقات کو بیان کرنے والوں نے طبقات کی تقسیم کے لئے مختلف امور کو بنیاد بنایا ہے اس لئے تعداد طبقات میں اختلاف ہے۔

حاکم نے اسلام و ہجرت میں سبقت اور اہم غزوات میں شرکت کو بنیاد قرار دیتے ہوئے بارہ طبقات ذکر کئے ہیں۔ اور ابن سعد ؒ نے محض اہم غزوات میں شرکت کے پیش نظر پانچ طبقات قرار دئے ہیں۔

الف) طبقات حاکم:- بارہ ہیں ترتیب وار' سب سے پہلا "اعلیٰ" اور آخری سب سے "ادنیٰ" ہے۔

1) مکہ مکرمہ میں اولین اسلام لانے والے جیسے چاروں خلفاء
2) دارالندوہ میں جمع ہونے والے۔
3) مہاجرین حبشہ (رجب سنہ 5ھ نبوی)
4) اصحاب عقبہ اولیٰ' (یعنی مدینہ کے اولین مومنین جنہوں نے سنہ 11ھ نبوی کے حج کے موقع پر ایمان قبول کیا)
5) اصحاب عقبہ ثانیہ (حج نبوی سنہ 12ھ کے موقع پر ایمان لانے والے)

6) اولین مہاجرین جنہوں نے قباء میں قیام کیا

7) اہل بدر

8) واقعات بدر و حدیبیہ کے درمیان ہجرت کرنے والے

9) بیعت رضوان کے شرکاء (حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان ﷛ کی شہادت کی غلط شہرت ہو جانے پر ان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے لی جانے والی بیعت کے شرکاء جس کو بیعت رضوان کہتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان شرکاء کے لئے اپنی رضا کا اعلان فرمایا ہے)

10) واقعات حدیبیہ و فتح مکہ کے درمیان ہجرت کرنے والے

11) فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والے

12) وہ بچے و لڑکے جنہوں نے حضور ﷺ کو فتح مکہ اور حجۃ الوداع وغیرہ کے مواقع پر دیکھا۔

عام طور سے لوگوں نے حاکم کے طبقات کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

عشرہ مبشرہ صحابہ کرام:۔ صحابہ میں وہ دس مہاجرین "عشرہ مبشرہ" کہلاتے ہیں جنکے متعلق حضور ﷺ نے ایک ہی مجلس میں جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی وہ ہیں' خلفاء اربعہ' اور سعد بن ابی وقاص' سعید بن زید بن عمرو بن نفیل' طلحہ بن عبید اللہ' زبیر بن عوام' عبدالرحمن بن عوف' ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم ہے۔

اولین اسلام لانے والے:۔ تمام انسانوں میں سب سے پہلے حضور ﷺ پر ایمان لانے کا شرف محققین کی ایک جماعت کے نزدیک حضرت خدیجہ ﷝ کا حاصل ہے اور احتیاطی بات یوں ذکر کی جاتی ہے۔

الف) آزاد مردوں میں حضرت ابو بکر ﷛

ب) بچوں میں حضرت علی بن ابی طالب ﷛

ج) عورتوں میں حضرت خدیجہ ام المومنین ﷝

د) آزاد غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ ﷛

ہ) غلاموں میں حضرت بلال بن رباح ﷛

آخری وفات پانے والے:۔ حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ لیثی' جنہوں نے مکہ مکرمہ میں سنہ 100ھ یا

اس کے بعد وفات پائی۔ سیوطی نے مختلف ممالک و شہروں کی نسبت سے سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔[12]

مشہور و اہم مصنفات در باب معرفت صحابہ:۔ صحابہ کے تذکروں پر مشتمل مشہور و اہم کتب حسب ذیل ہیں۔

الف) ابن حبان م سنہ354ھ ابن مندم سنہ 355ھ ابو موسی مدینی م سنہ 234ھ وغیرہ کی کتابیں۔

ب) "الاستیعاب فی اسماء الاصحاب" مصنف عبدالبرم سنہ 630ھ ساڑھے تین ہزار صحابہ کے حالات پر مشتمل ہے اور بڑی تعداد میں نہایت قیمتی فوائد پر مشتمل ہے البتہ صحابہ کے باہمی اختلافات کی بابت اس کا پہلو یوں کمزور ہے کہ ادھر ادھر کے لوگوں سے بہت کچھ لے لیا گیا ہے۔

ج) "اسد الغابہ فی معرفہ الصحابہ" مصنف علی بن اثیرم سنہ 630ھ سات ہزار پانچ سو چالیس صحابہ کے حالات پر مشتمل ہے اور معقول اضافہ کے ساتھ ان سے پہلے کے لوگوں کی تصنیف کردہ کتابوں کی جامع ہے یعنی جن کتابوں کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔[12]

د) "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" مصنف احمد بن علی بن حجر عسقلانی م سنہ 852ھ اس موضوع پر نہایت مشہور و جامع کتاب ہے پہلی چھ جلدوں میں صحابہ کے اسماء ہیں جن کی تعداد 9477 ساتویں میں کنیتوں کا ذکر ہے جو 1257 ہیں اور آٹھویں جلد میں 1545 صحابیات کے حالات مذکور ہیں۔

ھ) "تجرید اسماء الصحابہ" ابو عبداللہ ذہبی م سنہ 748ھ اس میں صحابہ کرام کے صرف اسماء جمع کئے گئے ہیں۔

و) "عین الاصابہ" مصنف جلال الدین سیوطی م سنہ 911 یہ کتاب ابن حجر کی کتاب کی تلخیص ہے۔[13]

اسلام میں صحابہ کا مقام:۔ صحابہ اور تابعین کو قرآن حکیم میں اللہ سبحانہ نے اپنی دائمی خوشنودی کا پروانہ عنایت فرمایا ہے۔

والسابقون الاولون من المهاجرين و الانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم و رضوا عنه[14]

اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور وہ لوگ جنہوں نے ان کی خوبی کے ساتھ پیروی کی۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

اس آیت میں اللہ سبحانہ نے بتایا ہے کہ جن مہاجرین نے ہجرت میں اولیت اور سبقت کا شرف حاصل کیا اور جن انصار نے نصرت و اعانت میں پہل کی اور وہ لوگ جنہوں نے نیکو کاری اور حسن نیت سے ان پیش روان اسلام کی پیروی کی ہے۔ ان سب کو اللہ سبحانہ کی خوشنودی کا پروانہ مل چکا ہے۔ قرآن کی یہ آیت صحابہ کی عدالت' ثقاہت' صداقت اور دیانت کی کھلی شہادت ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر مدار اسلام ہے اور ان پر جرح کرنا دین کی پوری عمارت گرانے کے مترادف ہے۔

چنانچہ ملا علی القاری فرماتے ہیں۔

الصحابہ کلھم عدول مطلقا" لظواھر الکتاب و السنہ و اجماع من یعتد بہٖ

ترجمہ :- تمام صحابہ بلا قید عادل ہیں قرآن و سنت اور امت کی اجتمائی قوت کا تقاضا یہی ہے۔

امام ابن الاثیر عزالدین علی بن محمد الجزری سنہ 630ھ فرماتے ہیں۔

الصحابہ یشارکون سائر الرواۃ فی جمیع ذلک الا فی الجرح و التعدیل فانھم کلھم عدول

ترجمہ :- صحابہ ان تمام راویوں میں شریک ہیں لیکن ان کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ عادل ہیں۔

معرفت الصحابہ:- صحابہ کی معرفت کے سلسلے میں علماء نے بہت کثرت سے تالیفات کی ہیں چنانچہ ابو حاتم بن حبان البستی نے ایک جلد تیار کی اگرچہ مختصر ہے۔ اسی سلسلہ میں ابو عبداللہ بن مندہ کی کتاب معرفۃ الصحابہ ایک بڑی کتاب ہے۔ جس ذیل میں ابو موسی مدینی نے ذیل الکبیر تصنیف کی۔ اسی سلسلہ کی تصنیفات میں سے ابو نعیم اصبہانی کی کتاب (الصحابہ) اور ابن عبدالبر کی (الاستیعاب) اور عسکری کی (معرفۃ الصحابہ) جیسی کتب ہیں۔ اس کے بعد پھر معاجم ضبط تحریر میں لائے گئے جن مصنفین میں ابو القاسم بغوی اور ابن قانع و طبرانی وغیرہ ہیں ابو الحسن بن علی اور ابن محمد بن اثیر الجزری نے ایک بہت ضخیم کتاب تصنیف کی جس کا نام اسد الغابہ فی اسماء الصحابہ رکھا! اس تصنیف میں انہوں نے ابن مندہ و ذیل ابو موسی و ابو نعیم کی کتاب (الصحابہ) و استیعاب تمام تصنیفات کو جمع کر کے مزید اضافہ کیا ہے او غیرہ وغیرہ'

صحابی کی تعریف میں علماء امت کا اختلاف ہے۔ پہلی تعریف جو تمام اہل حدیث میں مشہور ہے یہ ہے کہ جس

نے نبی ﷺ کو اسلام کی حالت میں دیکھا ہو وہ صحابی ہے۔ اس تعریف میں دیکھنا صرف اس شخص کے حق میں مراد ہے جس کی بینائی موجود ہو لیکن اگر ایک شخص نابینا ہے جیسے کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم تھے ان کے حق میں اسلام لا کر حضور ﷺ کی ملاقات اور خدمت میں حاضری دیکھنے ہی کے درجہ میں خیال کی جائے گی اسی وجہ سے بلا اختلاف آپ صحابہ میں داخل ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ جس شخص نے آپ کو ایک سال ایک ماہ یا ایک دن یا ایک ساعت بھی حالت اسلام میں دیکھ لیا وہ صحابی ہے امام بخاری نے صحیح بخاری میں صحابی کی اس طرح تعریف کی ہے (جس نے مسلمانوں میں سے نبی ﷺ کو دیکھ لیا وہ صحابی ہے) لیکن تمام تعریفات کے مقابلہ میں اعتراضات سے سالم اور جامع تعریف یہ ہے (صحابی وہ شخص ہے جس نے نبی ﷺ سے اسلام کی حالت میں ملاقات کی اور پھر اسلام ہی پر وفات پائی) کیونکہ جو شخص مرتد ہو کر کفر کی حالت میں مرگیا ہو صحابہ سے خارج ہے جیسے کہ ابن خطل و ربیعہ بن امیہ و مقیس ابن صبابہ وغیرہ۔ باقی رہا ایسا شخص جو اسلام لا کر مرتد ہوا پھر نبی ﷺ کی وفات کے بعد اسلام لے آیا اس کے صحابی ہونے میں بڑا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ردت تمام سابقہ عمل کو باطل کر دیتی ہے امام شافعیؒ نے بھی کتاب الام میں اسی تصریح فرمائی ہے اگرچہ امام رافعی نے شافعیؒ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ عمل کے باطل ہونے کا حکم اس وقت دیا جائے گا جب کہ ردت کی حالت ہی میں موت ہو جائے۔ جیسے قرہ بن ہبیرہ اور اشعث بن قیس، لیکن اگر اپنی زندگی میں دوبارہ مسلمان ہو گیا جیسے عبداللہ بن ابی سرح تو پھر یہ صحابہؓ شمار کیا جائے گا۔

اور آنحضرت ﷺ کی روایت سے مراد یہ ہے کہ آپ کی حیات مبارک میں آپ کو دیکھا ہو لیکن آپ کی وفات کے بعد دفن کرنے سے قبل یا قبر مبارک میں رکھے جانے کے بعد دیکھا تو یہ مشہور مسلک پر صحابہ میں داخل نہ ہو گا۔ نیز وہ شخص جس نے آنحضرت ﷺ کو کفر کی حالت میں دیکھا لیکن اسلام اس وقت لایا جب آپ وفات پا چکے تھے صحابی نہیں کہلائے گا۔ اگرچہ امام احمد نے اپنی مسند میں ایسے شخص سے روایت کیا ہے اور عبداللہ بن صیاد کو بشرطیکہ وہ دجال نہ ہو ابن فتحون نے ذیل الاستیعاب میں صحابہ میں داخل کر کے ترجمہ کیا ہے اور طبری نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے اب یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ نبی ﷺ کا دیکھنا دو حالتوں میں ہو سکتا ہے اول قبل نبوت دوم بعد نبوت۔ آیا اس دیکھنے سے بعد نبوت کا دیکھنا مراد ہے۔ یا زعم ازیں کہ قبل نبوت دیکھا ہو یا بعد نبوت اگر عام معنی مراد ہے تو پھر صحابہ میں وہ شخص بھی داخل ہو گا جس نے حضور ﷺ کو قبل نبوت دین حنیفی اختیار کرتے ہوئے دیکھا اور قبل نبوت ہی فوت ہو گیا۔ جیسے کہ زید بن عمرو بن نفیل جن کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا تھا انہ یبعث امۃ واحدۃ☆ ابن مندہ نے ان

کو صحابہ ہی میں ذکر کیا ہے۔ لیکن اگر ایک شخص حضور ﷺ کو قبل نبوت دیکھے اور پھر کہیں غائب ہو جائے اور بعثت کے زمانے تک زندہ رہے اسلام لے آئے لیکن اس کے بعد آپ ﷺ کو دیکھنا میسر نہ ہوا ہو ایسے شخص کے متعلق اصحاب حدیث میں سے کسی نے کوئی تصریح نہیں کی روایت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس وقت عقل و تمیز بھی موجود ہو چنانچہ وہ تمام بچے جو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک میں پیدا ہوئے اور آپ نے ان کی تحنیک بھی فرمائی لیکن سن تمیز کو پہونچنے پر حضور ﷺ وفات پا چکے تھے تا.جی سمجھا جائے گا صحابہ میں شمار نہ ہو گا۔

دوسرا قول صحابی کی تعریف میں ابو المظفر سمعانی نے اصولیین سے نقل کیا ہے کہ صحابی وہ شخص ہے جس کی آنحضرت ﷺ سے طویل صحبت و مجالست آپ کا طابع ہو کر حاصل رہی ہو اور آپ کی ذات سے دین حدیث حاصل کیا ہو۔

تیسری تعریف حضرت سعید بن مسیب ؓ سے مروی ہے کہ صحابی وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک سال یا دو سال رہا ہو اور آپ کے ہمراہ کسی غزوے میں بھی شرکت کی ہو عراقی نے فتح المغیث میں کہا ہے کہ ابن مسیبؓ کا یہ قول کسی صحیح سند سے مروی نہیں ہے کیونکہ اس قول کی سند میں محمد بن عمرواقدی موجود ہیں جو کہ ضعیف الحدیث ہیں اس روایت کو خطیب نے نقل کیا ہے۔[17]

چوتھا قول یہ ہے کہ طویل صحبت کی شرط کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ آنحضرت سے علم حاصل کیا ہو۔ آمدی نے عمرو بن یحییٰ سے اس قول کو نقل کیا ہے جو غیر صحیح ہے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ جس نے عقل و بلوغ و اسلام سے متصف ہوتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو دیکھا وہ صحابی ہے واقدی نے اس کو دیگر اہل علم سے روایت کیا ہے۔[18]

چھٹا قول یہ ہے کہ جس نے اسلام کی حالت میں آنحضرت کو پا لیا خواہ دیکھا یا نہ دیکھا وہ صحابی ہے یہ یحییٰ بن عثمان بن صالح المصری کا قول ہے۔ یہ تمام وہ اقوال ہیں جو صحابی کی تعریف میں منقول ہیں لیکن اس بحث کی ابتدا میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ تمام اقوال میں معروف و مشہور و معمول بہ اہل حدیث میں اول قول ہے۔ دیگر اقوال میں یا تو اتنی زیادہ وسعت ہے کہ جو صحابی کہلانے کے قابل نہیں صحابہ میں داخل ہو جاتا ہے یا اتنی تنگی ہے کہ بعض صحابی جو در حقیقت صحابی ہیں۔ وہ صحابہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔

اب اس امر میں کلام کرنا ہے کہ یہ کس طرح معلوم ہو کہ فلاں صاحب کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل ہوئی

تھی اور فلاں صاحب کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ اہل اصول حدیث کا فرمانا ہے کہ اس کی معرفت یا تو شہرت سے حاصل ہوئی ہے یا تواتر کے ذریعہ یا دیگر بعض صحابہ کے کہنے سے کہ فلاں کو صحبت حاصل تھی۔ تواتر کی مثال میں حضرت ابو بکر و عمرؓ اور باقی عشرہ مبشرہ صحابہ داخل ہیں جن کی صحبت بادر شہرت حاصل ہوئی ان کی مثال جیسے عکاشہ بن محصن اور ضمام بن ثعلبہ وغیرہ۔ لیکن جن کی صحبت کی اطلاع بعض صحابہ نے دی جیسے حمہ بن ابی حمہ الدوسی جن کا انتقال اصبہان میں ہوا ان کے متعلق ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے شہادت دی تھی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے احادیث سنی اور حضور ﷺ نے ان کے حق میں شہادت کی اطلاع دی تھی۔ چنانچہ اصبہان میں طاعون سے آپ کا انتقال ہوا۔ کبھی صحبت کا ثبوت خود صحابی کے اپنے قول سے بھی تسلیم کر لیا جاتا ہے جبکہ ان کی عدالت ان کی اس اطلاع سے قبل ثابت ہو چکی ہو۔ اس قول کو ابن صلاح نے خطیب سے نقل کیا ہے۔ لیکن یہاں ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان کے قول کی تائید ظاہر حال بھی کرتا ہو۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ان کا قول صحبت کے سلسلہ میں قابل اعتبار نہ ہوگا۔ مثلاً وہ اس حدیث کی سماعت کا ایسا وقت بیان کریں کہ اس سماعت کے بعد سے ان کے بیان کی مدت تک انسان کا زندہ رہنا ممکن نہ ہو یا شاذ و نادر ہو۔(1)

کثیر تعداد میں روایات کے ناقلین:۔ صحابہ میں سے چھ حضرات ایسے ہیں جن سے بہت بڑی تعداد میں روایات منقول ہیں ان سے منقول روایات کی تعداد کے اعتبار سے ترتیب وار وہ حضرات حسب ذیل ہیں۔

الف:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:۔ کل روایات 5374- ان سے روایات کو نقل کرنے والے تین سو سے اوپر ہیں۔

ب:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:۔ کل روایات 2630-

ج:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:۔ 2286-

د:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین:۔ 2210-

ہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:۔ 1660-

و:۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:۔ 1540 ہے۔(2)

صحابہ کی عدالت:۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا (وکذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس)(3) یہ ان لوگوں کو خطاب ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں موجود تھے۔ اور فرمایا ہے (کنتم خیر امہ

اخرجت للناس ؐ تم لوگوں میں ظاہر ہونے والی بہترین امت ہو۔ کہا گیا ہے کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتیں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے بارے میں ہیں۔ نیز حضرت ابو سعید خدری ؓ سے ایک صحیح متفق علیہ حدیث مروی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے (لا تسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لوانفق احدکم مثل احد ذھبا" ما ادرک مد احدھم و لا نصیفہ) نیز اسی درجہ کی ایک حدیث عبداللہ بن مسعود ؓ سے منقول ہے (خیر الناس قرنی) اس لئے تمام علماء و فقہاء و فضلاء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ عادل ہیں یعنی (الصحابہ کلھم عدول) علامہ ابن صلاح نے لکھا ہے (اس پر بھی تمام امت کا اجماع ہے کہ وہ تمام صحابہ جو فتنوں سے علیحدہ رہے ان میں مبتلا نہ ہوئے وہ سب بھی عدول ہیں لیکن وہ صحابہ جو حضرت عثمان ؓ کے عہد میں ان کی شہادت تک فتنے میں ملوث ہوئے ان حضرات کے حق میں بھی بڑے بڑے علماء فقہاء کا یہی قول ہے کہ سب عادل ہی متصور ہوں گے۔ کیونکہ اس فتنہ کے موقعہ پر جس سے بھی جو کچھ واقع ہوا وہ درحقیقت اجتہادی غلطی کی بنا پر واقع ہوا جو کہ قابل مواخذہ نہیں اور آمدی و ابن حاجب نے ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ ایسے اصحاب کی عدالت کے متعلق اسی طرح تفتیش کی جائے گی جس طرح ان سے نیچے طبقہ کے راویوں کے متعلق کی جاتی ہے۔ نیز ایک قول یہ بھی ہے کہ فتنہ کے وقوع سے قبل کے حالات میں یہ عدول ہیں اور اس کے بعد کے حالات میں جرح و تعدیل کا محل ہیں۔ ایسے اصحاب کے متعلق دیگر اقوال بھی منقول ہیں لیکن جمہور کا صحیح مذہب یہی ہے کہ تمام صحابہ عادل ہی متصور ہوں گے ان کی عدالت کے متعلق کسی غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے۔

مقلین روایت:۔ (کم روایت والے) حضرت ابو بکر صدیق ؓ' حضرت زبیر العوام ؓ' حضرت طلحہ ؓ' حضرت زید بن ارقم ؓ' عمران بن حصین ؓ اور دوسرے کئی صحابہ ؓ تھے جن کے پاس آنحضرت ﷺ کی احادیث کی دولت بے پایاں تھی۔ لیکن وہ روایت حدیث میں زیادہ محتاط رہے۔ اور بہت کم حدیثیں انہوں نے روایت کیں۔ ان کی قلت روایت سے ان کی قلت علم پر استدلال کرنا اسی طرح ایک نادانی ہے جیسے کوئی امام ابو حنیفہ" کی قلت روایت پر نظر کرتے ہوئے ان کے قلت علم کا دعوٰے کرنے لگے امام صاحب کی شروط روایت بھی تو بہت سخت تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ؓ نے روایت حدیث کی بجائے فقہ حدیث کو اپنا موضوع بنایا اور اسی پر ہی اپنی ساری عمر صرف کر دی۔ گو اس ضمن میں بھی آپ کو ہزاروں احادیث روایت کرنی پڑیں۔

عبداللہ بن زبیر ؓ کہتے ہیں میں نے اپنے والد زبیر ؓ سے پوچھا آپ ؓ حضور ﷺ سے اس طرح احادیث

روایت کیوں نہیں کرتے جس طرح فلاں فلاں صحابہ ﷺ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

اما انی لم افارقه و لكن سمعته يقول من كذب على متعمدا" فليتبوا مقعده من النار۔

ترجمہ:۔ میں حضور ﷺ سے جدا تو کبھی نہیں ہوا لیکن میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اسے جنہم میں ٹھکانہ کرنا ہے۔

آپ کی احتیاط کا منشاء یہ تھا کہ حضور ﷺ کی بات روایت بالمعنی میں بدلتے ہوئے کوئی بے احتیاطی نہ ہو جائے۔ سو آپ کی قلت روایت قلت علم کی وجہ سے نہ تھی۔

کثیر تعداد میں روایات کے ناقلین:۔ صحابہ میں سے چھ حضرات ایسے ہیں جن سے بہت بڑی تعداد میں روایات منقول ہیں ان سے منقول روایات کی تعداد کے اعتبار سے ترتیب وار وہ حضرات حسب ذیل ہیں۔

الف:۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ:۔ کل روایات 5374- ان سے روایات کو نقل کرنے والے تین سو سے اوپر ہیں۔

ب:۔ حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ:۔ کل روایات 2630-

ج:۔ حضرت انس بن مالک ﷺ:۔ 2286-

د:۔ حضرت عائشہ ﷺ ام المومنین:۔ 2210-

ھ:۔ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ:۔ 1660-

و:۔ حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ:۔ 1540

مکثرین صحابہ:۔ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حدیث روایت کرنے والے چھ صحابی ہیں۔ 1) انس بن مالک ﷺ 2) عبداللہ بن عمر ﷺ 3) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا 4) عبداللہ بن عباس ﷺ 5) جابر بن عبداللہ ﷺ 6) ابو ہریرہ ﷺ۔ پھر ان چھ میں سب سے زیادہ احادیث کی روایت کرنے والے حضرت ابو ہریرہ ﷺ ہیں تقی بن مخلد کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے 5374 احادیث روایت کی ہیں ان کے بعد حضرت ابن عمر ﷺ کا درجہ ہے انہوں نے 2630 احادیث روایت کی ہیں۔ پھر حضرت انس ﷺ ہیں جن کی روایت کی تعداد 2286 ہے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں آپ کی روایت کی تعداد 2210 ہے پھر حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہ ہیں آپ نے 1660 حدیثیں روایت کیں ہیں۔ ان کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے آپ سے 1540 روایات مروی ہیں ہزاروں کی تعداد میں روایات نقل کرنے والے صحابہ صرف یہی حضرات ہیں صحابہ میں اور کوئی صحابی ایسا نہیں ہے جس کی روایات کی تعداد ہزار تک پہونچی ہو البتہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی تعداد روایت بھی 1170 تک پہونچی ہے [3]

افتاء میں فائق:۔ بکثرت فتاوی کے بیان کرنے میں بھی ایک جماعت فائق ہے جن میں سر فہرست حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے فتنوں سے الگ تھلگ مکہ مکرمہ میں قیام کرکے یہ عظیم و وسیع خدمت انجام دی ان کے بعد چھ اکابر علماء صحابہ یعنی حضرت عمر و علی و ابی بن کعب و زید بن ثابت و ابو الدرداء و ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین اور مشہور تابعی فقیہ و محدث حضرت مسروق کے قول کے مطابق "یہ چھ حضرات سارے صحابہ کے علوم کے جامع تھے اور ان کے علوم کے جامع حضرت علی و حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے"۔ ابن حزم نے حضرت ابو الدرداء، حضرت ابی کے بجائے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ذکر کیا ہے۔

مفتیین صحابہ کرام کا تعارف:۔ فتوی دینے والے صحابہ میں سب سے زیادہ فتوی دینے والے حضرت ابن عباس ہیں آپ کے فتاوے کی تعداد کی برابر کسی صحابی کے فتاوے کی تعداد نہیں ہے۔ حضرت امام حنبل ؒ سے کسی نے سوال کیا کہ عبادلہ میں سے کون کون حضرات مفتی تھے فرمایا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ۔ اس نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آپ نے کیوں چھوڑ دیا فرمایا وہ (عبادلہ) کے لفظ میں داخل نہیں ہیں۔ (نوٹ) جن حضرات صحابہ کے ابتدا نام میں لفظ عبداللہ آتا ہے ان کے مجموعہ کو عبادلہ کہتے ہیں امام بیہقی کا فرمانا ہے (چونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مذکورہ صحابہ سے پہلے انتقال فرما گئے تھا اور یہ حضرات ان کے بعد ایک زمانے تک زندہ رہے۔ لوگ استفتاء میں کثرت سے ان حضرات ہی کی طرف رجوع کرتے رہے اس لئے عبداللہ بن مسعود عبادلہ کے لفظ میں شامل نہیں کیئے جاتے) اگر صرف لفظ عبداللہ کا لحاظ کرتے ہوئے عبادلہ کے لفظ کا اطلاق کیا جائے تو پھر عبداللہ بن مسعود کے ساتھ تقریباً 220 صحابی اور بھی ایسے ہیں کہ جن کے اسماء کا پہلا جزء عبداللہ کا لفظ ہے۔ ان سب کو بھی عبادلہ کے کلمہ میں داخل کرنا ہوگا۔ اہل حدیث وغیرہ میں اس لفظ کا استعمال ان چار حضرات ہی میں مشہور ہے۔۔۔ اور جوہری نے صحاح میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اس مذکورہ کلمہ سے خارج کرکے صرف تین صحابہ کو بیان کیا ہے۔ اور رافعی نے شرح کبیر کتاب الدیات میں زمخشری نے مفصل میں (ابن مسعود و ابن عمرو

و ابن عباس رضی اللہ عنہم) کو عبادلہ کہا ہے۔ لیکن محدثین اس قول کو تسلیم نہیں کرتے[1]

میرے نزدیک امام رافعی و علامہ زمخشری کا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو عبادلہ کے لفظ میں شامل کرنا مرجح و صحیح ہے۔ کیونکہ تمام محدثین نے جب فقہاء صحابہ کو بیان کرنا شروع کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی انتہا جن کے علم کو قرار دیا ہے ان صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود شامل ہیں چنانچہ علی بن مدینی نے فقہاء صحابہ کو بیان کرتے ہوئے سب سے اول درجہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ فتوی کا مدار فقاہت علم پر ہوا کرتا ہے۔ خواہ فتاوی کی تعداد کم ہو یا زیادہ ایک مفتی دوسرے کی نسبت سے قلیل مدت زندہ رہے یا کثیر اس لئے مفتی صحابہ کی فہرست میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شامل ہو کر عبادلہ کے لفظ میں داخل ہونا مرجح ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد:۔ صحابہ کرام کی تعداد کا صحیح اندازہ لگایا بہت مشکل ہے اس لئے کہ کچھ تعداد دوسرے شہروں میں پھیل گئی تھی کچھ تعداد دیہاتوں میں آباد ہو گئی تھی اسی طرح مختلف مقامات پر متفرق ہو گئے تھے ابو زرعہ رازی سے ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ آپ کی رحلت کے وقت صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زائد تھی دوسرے قول میں منقول ہے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار کی تعداد تھی۔ بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت کعب بن مالک کی تبوک والے قصہ کی حدیث میں حضرت کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ کے عہد میں کوئی ایسا رجسٹر نہ تھا جس میں صحابہ کا اندراج کیا جاتا ان کی تعداد کی کثرت بعض غزوات میں دیکھی گئی مثلاً غزوہ تبوک و حجۃ الوداع خلاصہ یہ کہ جو تعداد بھی بیان کی جائے گی وہ تخمینی ہی ہو گی حقیقی نہیں ہو لیکن جن مصنفین نے صحابہ کے بیان کرنے میں تصنیفات کی ہے ان تصنیفات میں بیس ہزار سے زائد صحابہ کی تعداد نہیں ہے۔ اس تعداد میں وہ بھی شامل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی فوت ہو گئے اور وہ بھی جو صغیر السن تھے[2]

طبقات صحابہ رضی اللہ عنہم:۔ محدثین نے صحابہ کرام کے طبقات مقرر فرمائے ہیں جن کے مقرر کرنے میں سبقت فی الاسلام یا ہجرت یا مشاہد یعنی غزوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حاضر رہنے کا لحاظ کیا گیا ہے۔ ابو عبداللہ حاکم نے اپنی کتاب علوم الحدیث میں ان حضرات کے بارہ طبقات (درجات) بیان فرمائے ہیں۔ اول وہ صحابہ جو مکہ مکرمہ میں ہی اسلام لے آئے تھے۔ جیسے خلفاء اربعہ، دوم وہ جو اصحاب دارالندوہ کہلاتے ہیں۔ ان حضرات سے وہ صحابہ مراد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت تھے جب آپ کوہ صفا میں ایک مکان کے اندر پوشیدہ تھے جس کو دار ارقم کہا جاتا ہے۔ تیسرے وہ جو مہاجرین حبشہ کہلاتے ہیں۔ چوتھے اصحاب عقبہ اولی۔ پانچواں اصحاب عقبہ ثانیہ جن میں انصار کی

اکثریت تھی۔ چھٹے وہ ابتدائی مہاجرین جو ہجرت کر کے اور قبا ہی میں آنحضرت ﷺ سے جا ملے تھے۔ ساتویں اہل بدر آٹھویں وہ صحابہ جو حدیبیہ اور بدر کے درمیانی عرصہ میں ہجرت کر کے مدینہ میں حاضر خدمت ہوئے نویں وہ جو بیعت رضوان میں شامل تھے۔ دسویں وہ جو حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی مدت میں ہجرت کر کے حاضر خدمت ہوئے جیسے کہ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما۔ گیارہویں وہ لوگ جو فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لائے۔ بارہویں وہ چھوٹے بچے اور لڑکے جنہوں نے فتح مکہ کیدن اور حجۃ الوداع وغیرہ میں حضور انور ﷺ کو دیکھا جیسے سائب بن یزید اور عبداللہ بن ثعلبہ بن ابی صعیر اور ابو طفیل و ابو جحیفہ بن صلاح نے کہا ہے کہ بعض محدثین نے اس سے زیادہ طبقات بھی مقرر کیے ہیں لیکن ابن سعد نے صرف پانچ درجے ہی رکھے ہیں۔[۲۲]

افاضل صحابہ:۔ باتفاق اہل سنت۔ افضل ترین حضرت ابو بکر ؓ ان کے بعد حضرت عمر ؓ پھر حضرت عثمان ؓ' پھر حضرت علی ؓ پھر باقی عشرہ مبشرہ پھر اصحاب احد پھر اہل بیعت رضوان پھر اہل فتح مکہ پھر بعد کے لوگ' اس ترتیب کے علاوہ الگ الگ متفرق اوصاف و کمالات میں' بعض حضرات کی افضلیت منقول ہے' جیسے رحم میں ابو بکر ؓ' دین میں شدت کے لحاظ سے عمر ؓ' حیاء و شرم میں حضرت عثمان ؓ' قضا اور صحیح فیصلہ کرنے کی قدرت میں حضرت علی ؓ' حلال و حرام کا علم زیادہ رکھنے میں حضرت معاذ بن جبل ؓ' میراث اور علم فرائض کے مسائل میں زید بن ثابت ؓ' قراءت و تجوید میں ابی بن کعب امانت میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم۔

صحابہ میں افضل صحابی:۔ تمام علما اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام صحابہ میں مطلقاً" ابو بکر ؓ افضل اور ان کے بعد حضرت عمر ؓ۔ چنانچہ ابو العباس قرطبی نے تمام علماء امت کا اجماع نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ائمہ سلف و خلف میں سے اس امر میں ۔کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ کہ مذکورہ دونوں صحابی تمام صحابہ میں افضل تھے۔ اب رہا شیعہ اور دیگر اہل بدعت فرقوں کا اختلاف تو یہ دیگر علماء حق بلکہ خود دیگر صحابہ کے اجماع کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ چنانچہ امام شافعیؒ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ امام رحمہ اللہ فرمایا صحابہ اور تابعین میں سے اس امر میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر تمام صحابہ میں مقدم و افضل تھے۔ البتہ اگر کچھ علماء کا اختلاف ہوا ہے تو وہ حضرت علی ؓ اور حضرت عثمان ؓ کے سلسلہ میں ہے جریر بن عبدالحمید سے منقول ہے کہ کسی نے یحیی بن سعید انصاری سے اس کے متعلق دریافت کیا' فرمایا جتنے صحابہ و تابعین سے میری ملاقات ہوئی ہے ان میں سے حضرت ابو بکر و عمر کے افضل ہونے میں میں نے کسی کو اختلاف کرتے نہ پایا۔ البتہ حضرت علی و عثمان کے درمیان

اختلاف کرتے دیکھا۔ حضرت عمرؓ کے بعد افضلیت میں خطابی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ اکثر اہل سنت علماء کا یہ قول ہے کہ حضرت عثمانؓ کو حضرت علی پر فضیلت ہے ان حضرات کی ترتیب افضلیت میں اسی طرح ہے جو کہ خلافت میں ہے یہی مذہب امام شافعی و احمد بن حنبل کا ہے۔ اور یہی مشہور قول امام مالک و سفیان ثوری وغیرہم تمام ائمہ حدیث کا ہے۔ اسی کے قائل تمام فقہا اور اکثر متکلمین ہیں ابو الحسن اشعری اور ابو بکر باقلانی بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ ان دونوں کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ افضلیت کا حکم قطعی ہے یا ظنی چنانچہ اشعری قطعی خیال کرتے ہیں اور مدونہ میں امام مالک کا قول بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ اور قاضی ابوبکر باقلانی کا میلان اس حکم کے ظنی ہونے کی طرف ہے۔ امام الحرمین نے بھی کتاب الارشاد میں اسی کو پسند کیا ہے۔ اور حسب نقل خطابی اہل کوفہ کا مسلک یہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں اور علماء اہل سنت بصریین حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر فضیلت دیتے ہیں چونکہ خطابی نے سفیان ثوری سے یہ روایت مذکورہ نقل کی ہے خود حضرت سفیان سے جب پوچھا گیا کہ خود آپ کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے۔ تو انہوں نے فرمایا۔ میں اہل کوفہ میں سے ایک آدمی ہوں۔ بعض علماء نے دونوں کی باہمی فضیلت کے سلسلہ میں توقف اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق امام مالک کا بھی یہی قول ہے لیکن ثانی کے مقابلہ میں اول قول صحیح ہے انشاء اللہ تعالیٰ آخر میں جس امر پر اہل سنت کا استقرار ہوا ہے۔ وہ یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ کا درجہ حضرت عمرؓ کے بعد ہے جیسا کہ امام بخاری و ابو داود و ترمذی کی حضرت ابن عمر والی حدیث سے ثابت ہے۔ (کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی ابو بکر و عمر و عثمان) یعنی ہم آنحضرت ﷺ کی حیات مبارک میں اس ترتیب کے ساتھ بولا کرتے تھے۔ ابو بکر و عمر و عثمان۔ یہ خلفاء اربعہ کی ترتیب کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اب ان حضرات کے بعد دیگر صحابہ کے درمیان میں افضلیت کے متعلق ابو منصور عبدالقاہر تمیمی بغدادی فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے تمام اصحاب کا اس پر اجماع تھا کہ خلفاء اربعہ کے بعد باقی چھ صحابی عشرہ مبشرہ دیگر صحابہ سے افضل ہیں پھر اہل بدر پھر اصحاب احد۔ پھر اہل بیعت رضوان یعنی اہل حدیبیہ۔

ابن صلاحؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں مہاجرین و انصار سابقین اولین کی فضیلت نصاً مذکور ہے۔ ان حضرات سابقین اولین من المہاجرین کے متعلق سعید بن مسیب اور ایک جماعت جن میں حضرت محمد بن الحنفیہ و محمد بن سیرین و قتادہ بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز ادا کی اور امام شعبی کہتے ہیں کہ اہل بیعت رضوان ہیں اور محمد بن کعب القرظی و عطاء بن یسار کا قول ہے کہ یہ اہل بدر ہیں۔ اور حضرت حسن

بصری کا قول یہ ہے کہ فتح مکہ سے قبل کے تمام صحابہ سابقین اولین میں داخل ہیں۔

اسلام لانے کی حیثیت سے سب صحابہ میں اول کون صحابی ہے۔ اس میں بھی سلف کا اختلاف منقول ہے۔ ابن عباس و حسان بن ثابت و شعبی و نخعی و دیگر ایک جماعت کا قول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی عمرو ابن عبسہ رضی اللہ عنہ والی روایت اور مستدرک حاکم کی مجالد بن سعید کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت زید بن ارقم و ابو ذر و مقداد بن اسود و ابو ایوب و انس بن مالک و یعلی بن مرہ و عفیف الکندی و خزیمہ بن ثابت و سلمان فارسی و خباب بن الارت و جابر بن عبداللہ و ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم اس کے قائل ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں مسلم الملائی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ پیر کے دن حضرت محمد ﷺ کو نبوت عطا فرمائی گئی اور منگل کو حضرت علی اسلام لائے حاکم نے اپنی کتاب علوم الحدیث میں کہا ہے کہ اہل تاریخ میں سے مجھے کسی کے متعلق اس کا علم نہیں کہ اس نے حضرت علی کے اول الاسلام ہونے میں اختلاف کیا ہو۔ البتہ حضرت علی کے بالغ ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن صلاح نے فرمایا ہے کہ حاکم کا یہ قول پسندیدہ نہیں خیال کیا گیا۔ پھر حاکم نے اس مذکورہ اجماع کے بعد یہ بھی نقل کیا ہے کہ اہل سنت و الجماعت کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اسلام لانے میں بالغین حضرات میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو تقدم حاصل ہے۔

تیسرا قول۔ معمر نے زہری ؒ سے روایت کیا ہے کہ زید بن حارثہ سب سے اول اسلام لائے ہیں چوتھا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اول الاسلام ہونے کا ہے۔ یہ قول ابن عباس و زہری و قتادہ و محمد بن اسحق و دیگر ایک جماعت سے منقول ہے۔ امام نووی نے فرمایا ہے کہ محققین کے نزدیک یہی قول صواب ہے اور تفسیر ثعلبی میں ثعلبی نے اس قول پر علماء کا اجماع نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام کون لایا۔ اس میں اختلاف ہے نہ حضرت خدیجہ کے اول الاسلام ہونے میں۔ بعض علماء نے اس اختلاف میں جمع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت ابو بکر اسلام کے ظاہر کرنے میں حضرت علی سے اول ہیں کیونکہ حضرت علی نے ابی طالب سے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا تھا اور حضرت ابو بکر ظاہر فرما چکے تھے اسی لئے لوگوں پر حضرت علی و ابوبکر کے اول اسلام کا واقعہ مشتبہ ہو گیا۔ ابن صلاح نے فرمایا ہے کہ سب سے بہتر اور بچاؤ کا طریقہ اس قول میں پوشیدہ ہے کہ یوں کہا جائے آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر اسلام لائے اور نو عمر بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی۔ عورتوں میں سب سے اول خدیجہ اور آزاد شدہ غلاموں میں سب سے اول حضرت زید اور غلاموں میں سب سے اول حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔ پھر حضرت ابو بکر

صدیق ؓ کے بعد آپ کی دعوت پر حضرت عثمان بن عفان اور زبیر بن عوام و عبدالرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص و طلحہ بن عبید رضی اللہ عنہم اسلام لائے۔ یہ وہ آٹھ نفر ہیں جو تمام صحابہ میں پہلے اسلام لانے والے ہیں۔[67]

وفات میں سب سے آخری صحابی:۔ وفات کے متعلق سلسلہ گفتگو دو طریقہ پر کیا جا سکتا ہے اول یہ کہ کسی شہر یا آبادی کی قید کے لحاظ کئے بغیر مطلقاً" آخری وفات کس صحابی کی ہے۔ دوم یہ کہ شہر یا آبادی کی قید کے لحاظ سے کس صحابی نے آخر میں وفات پائی چنانچہ ابو طفیل عامر بن واثلہ لیثی نے مطلقاً" تمام صحابہ سے آخر میں وفات پائی۔ آپ کی وفات 100 ہجری میں ہوئی۔ ایک قول کے مطابق سنہ 102 ہجری میں اور ایک قول کے مطابق 107 ہجری میں اور وہب بن جریر بن حزم کی روایت کے لحاظ سے 110 ہجری میں واقع ہوئی۔ امام ذہبی نے وفیات میں اسی قول کو صحیح کہا ہے۔ امام مسلم و مصعب بن عبداللہ زبیری و ابو ذکریا بن مندہ و ابو الحجاج المزی وغیرہم کے نزدیک صحابہ میں آپ کی وفات کا مطلقاً" آخری ہونا ایک قطعی امر ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ان کی سند سے حضرت ابو طفیل ؓ سے مروی ہے آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے دیکھنے والوں میں سے اس وقت روئے زمین پر میرے علاوہ کوئی باقی نہیں ہے۔ آپ کا انتقال مکہ میں ہوا لیکن وہ حضرات جو شہر یا کسی قریہ کے لحاظ سے وفات میں آخری درجہ رکھتے ہوں لہذا مدینہ مبارکہ میں جن صحابہ کا انتقال ہوا ان کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ ابوبکر بن داؤد فرماتے ہیں کہ وہ سائب بن یزید ؓ ہیں اب ان کے سنہ وفات میں اختلاف ہے بعض کا قول ہے سنہ 80ھ میں ہوئی بعض کا قول ہے سنہ 82ھ میں بعض کا ہے کہ سنہ 88ھ میں۔ جعد بن عبدالرحمن اور فلاس کہتے ہیں سنہ 91ھ میں انتقال فرمایا۔ اسی طرح آپ کی ولادت کے سنہ میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک سنہ 2ھ ہے۔ اور بعض کے نزدیک سنہ 3ھ ہے۔ دوسرا قول علی بن مدینی اور واقدی و ابراہیم بن منذر حزامی و محمد بن سعد و ابن حبان و ابن قانع و ابو ذکریا بن مندہ کا ہے کہ مدینہ میں سب صحابہ سے آخر میں حضرت سہل بن سعد انصاری ؓ کا انتقال ہو۔ ابن سعد نے حضرت سہل کی وفات کے آخری ہونے میں یہ دعوی کیا ہے۔ کہ کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ آپ مدنی صحابہ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ اب آپ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے۔ سنہ 88ھ میں وفات پائی۔ ابو نعیم۔ بخاری اور ترمذی کا یہی قول ہے۔ واقدی و مدائنی و یحیی بن بکیر و ابن نمیر و ابراہیم بن منذر الحزامی کا قول ہے۔ کہ سنہ 91ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد ان کے محل وفات میں بھی اختلاف ہے۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ مدینہ میں انتقال ہوا۔ قتادہ کہتے ہیں مصر میں۔ ابو بکر بن ابی داؤد کہتے ہیں اسکندریہ میں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مدینہ میں سب صحابہ کے آخر میں حضرت

جابر بن عبداللہ ﷛ نے وفات پائی۔ احمد بن حنبل ؒ نے یہ قول قتادہ ؒ سے نقل کیا ہے۔ علامہ ابن صلاح نے حضرت جابر ﷛ کی وفات سے ہی اپنے کلام کو شروع کیا ہے یہ امر اس بات کا مقتضی ہے کہ ابن اصلاح کے نزدیک بھی مرجح حضرت جابر ﷛ کی وفات کا آخری ہونا ہے ابو نعیم کا قول بھی یہی ہے۔ عراقی فرماتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ ضعیف قول ہے کیونکہ حضرت سائب کے مدینہ میں فوت ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور یہ مذکورہ سنہ کے بعد ہوئی ہے۔ پھر حضرت جابر ﷛ کے مدینہ میں انتقال کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ جمہور علماء مدینہ میں فوت ہونے کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں قبا میں انتقال ہوا بعض کہتے ہیں مکہ میں فوت ہوئے۔ سنہ وفات بعض کے نزدیک سنہ 72ھ ہے۔ اور بعض کے خیال میں سنہ 73ھ علی ھذا سنہ 74ھ' سنہ 77ھ' سنہ 78ھ' سنہ 79ھ کے اقوال بھی منقول ہیں۔ ان تمام اقوال میں سنہ 78ھ کا قول زیادہ مشہور ہے۔ مذکورہ تین اقوال کے علاوہ ایک چوتھا قول اس صحابی کے متعلق جس نے مدینہ میں بالکل آخر میں انتقال کیا حضرت محمود بن الربیع کے متعلق منقول ہے ان کی عمر حضور انور ﷺ کی سامنے پانچ سال کی تھی اور آپ نے آنکے چہرے پر کلی کی تھی۔ 99ھ میں انتقال فرمایا اس حیثیت سے آپ کی وفات تمام مدنی صحابہ کے آخر میں واقع ہوئی ان کے اور مذکورہ صحابہ کے انتقال کی درمیانی مدت میں حضرت محمود بن لبید کی وفات کی روایات بھی موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمود بن لبید کی وفات سنہ 95ھ یا سنہ 96ھ میں واقع ہوئی۔ امام مسلم اور ایک جماعت نے آپ کو تابعین میں شمار کیا ہے۔ لیکن بخاری و ابن حبان نے ان کو صحابی تسلیم کیا ہے۔ حضرت جابر ﷛ کی وفات مکہ میں ہوئی اس طرح مکہ میں فوت ہونے والے آخری صحابہ میں آپ کا شمار ہو گا۔ لیکن مشہور قول یہ ہے کہ آپ کی وفات مدینہ میں ہوئی جیسا کہ بیان کیا گیا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ مکہ میں حضرت عبداللہ بن عمر الخطاب کی وفات صحابہ میں آخری وفات ہے۔ قتادہ' شیخ ابن حبان کا یہی قول ہے۔ علامہ ابن صلاح نے بھی اپنے بیان میں آپ ہی کی وفات کا ذکر ابتداء میں کیا ہے جو ان کے نزدیک ترجیح کا مقتضی ہے۔ آپ کے سنہ انتقال کے متعلق دو قول ہیں۔ سنہ 73ھ و سنہ 74ھ' ابن زبیر نے سنہ 74ھ کو ترجیح دی ہے۔ مقام دفن کے متعلق ابن حبان و زبرقان کہتے ہیں سخ میں مدفون ہوئے اور مصعب بن عبداللہ زبیری کا قول ہے کہ ذی طوی میں دفن کیا گیا۔

قتادہ و ابوہلال و فلاس و ابن مدینی و ابن سعد و ابو زکریا بن مندہ وغیرہ کا بیان ہے کہ بصرے میں سب سے آخر جس صحابی کی وفات ہوئی وہ حضرت انس بن مالک ﷛ ہیں۔ آپ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ یعنی سنہ 90ھ سے سنہ 93ھ تک کے اقوال موجود ہیں۔ کوفہ میں سب سے آخر میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ﷛ کا انتقال ہوا یہ قول

قتادہ و دیگر مذکورۃ الصدر حضرات کا ہے۔ اور ابن مدینی آخر وفات ابو جحیفہ ؓ کی بتاتے ہیں۔ لیکن صحیح پہلا قول ہے۔ کیونکہ حضرت ابو جحیفہ کا انتقال سنہ 86ھ یا سنہ 87ھ یا سنہ 88ھ میں ہو چکا تھا۔ البتہ عبداللہ بن ابی اوفی اور عمرو بن حریث ان دونوں کی وفات کے سلسلہ میں غور کرنا پڑے گا۔ کیونکہ عمرو بن حریث کا انتقال بھی کوفہ میں ہوا ہے۔ لہذا اگر عمرو بن حریث کا انتقال سنہ 85ھ میں ہو گیا تھا تو عبداللہ بن ابی اوفی وفات میں ان سے قطعی متاخر ہیں اور اگر خطیب کی روایت بواسطہ محمد بن حسن زعفرانی کے لحاظ سے سنہ 95ھ میں ہوا تو پھر آپ عبداللہ بن ابی اوفی سے متاخر ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ان صحابہ میں آخری صحابی ہیں جو حضور انور ﷺ کے ہمراہ بیعت رضوان میں حاضر تھے۔

احواص بن حکیم اور ابن مدینی و ابن حبان و ابن قانع و ابن عبدالبر و مزی و ذہبی کہتے ہیں شامی صحابہ میں آخری وفات پانے والے صحابی عبداللہ بن بسر مازنی ؓ ہیں۔ مشہور تو یہ ہے کہ آپ کا انتقال سنہ 86ھ میں ہوا۔ لیکن عبدالصمد بن سعید اور ابو عبداللہ بن مندہ و ابو زکریا بن مندہ کا قول ہے کہ سنہ 96ھ میں انتقال ہوا ان کا قول ہے کہ یہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز ادا کی تھی۔ اس طرح یہ ان صحابہ میں آخری متوفی قرار پاتے ہیں۔ اور حضرت حسن بصری و ابن عیینہ سے منقول ہے کہ شام میں جس صحابی کی آخری وفات ہے وہ حضرت ابو امام صدی بن عجلان باہلی ہیں۔ بخاری نے تاریخ کبیر میں اول قول کی تصحیح کی ہے۔ اب ابو امامہ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سنہ 81ھ میں ہوئی اور بعض کہتے ہیں سنہ 82ھ میں ہوئی۔ ملک شام کے مضافات دمشق و حمص و فلسطین میں رہنے والے صحابہ میں حضرت واثلہ ابن اسقع کا انتقال آخر میں ہوا۔ مکان وفات میں اختلاف ہے۔ قتادہ و دحیم اور ابو زکریا بن مندہ کہتے ہیں دمشق میں انتقال فرمایا۔ ابو حاتم رازی کہتے ہیں بیت المقدس میں اور ابو قانع کہتے ہیں کہ حمص میں سنہ وفات میں تین قول ہیں یعنی سنہ 83ھ یا سنہ 85ھ یا سنہ 86ھ۔ مخصوص طور پر حمص میں عبداللہ ابن بسر مازنی ؓ نے آخر میں انتقال فرمایا۔ اور مقام الجزیرہ میں عرس کندی ؓ نے اور فلسطین میں۔ ابن ابی عبداللہ بن ام حرام نے یہ حضرت عبادہ بن صامت ؓ کے سوتیلے بیٹے تھے۔ ان کے نام میں بھی اختلاف ہے ایک قول ہے کہ آپ کا نام عبداللہ بن عمرو بن قیس تھا۔ اور بعض کا قول ہے کہ عبداللہ بن ابی تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ابن کعب کہا جاتا تھا۔ بعض کا نزدیک آپ کا انتقال دمشق میں ہوا اور بعض کے نزدیک بیت المقدس میں۔ مصر میں آخری وفات پانے والے اصحاب میں عبداللہؓ بن الحارث بن جزار سیدی ؓ ہیں۔ بعض کہتے ہیں سنہ

وفات آپ کا سنہ 82ھ ہے اور یہی مشہور ہے لیکن اس کے علاوہ سنہ 85ھ و سنہ 87ھ و سنہ 88ھ و سنہ 89ھ بھی منقول ہیں۔ طحاوی" فرماتے ہیں کہ آپ کا انتقال مقام سفط القدور میں ہوا جس کو سنہ 80ھ سفط ابی تراب کہا جانے لگا اور اب یہ مقام سفط التاجر کے نام سے مشہور ہے بعض کا بیان ہے کہ یمامہ میں انتقال ہوگا۔ ابن مندہ نے کہا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ بدر میں تھے۔ ایسی صورت میں بدر-یین صحابہ میں آپ وفات کے لحاظ سے آخری بدری ہیں یمامہ میں آخری وفات حضرت گہراس بن زیاد باہلی رضی اللہ عنہ کی ہوئی۔ عکرمہ بن عمار کہتے ہیں کہ سنہ 102ھ میں۔ میں نے آپ کو حیات دیکھا تھا۔ مقام برقہ میں رویفع بن ثابت انصاری تھے اگرچہ ایک قول کے مطابق آپ نے افریقہ میں انتقال فرمایا ہے لیکن یہ قول اول کے مقابلہ میں غیر صحیح ہے۔ کیونکہ برقہ میں آج تک آپ کی قبر مبارک معروف مشہور ہے۔ آپ نے سنہ 56ھ میں وفات پائی۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ آپ کا مدینہ میں انتقال ہوا۔ سنہ وفات میں بعض کا قول ہے کہ سنہ 74ھ میں وفات پائی۔ اور بعض کا یہ کہ سنہ 64ھ میں وفات پائی۔ ابن مندہ کا بیان ہے کہ خراسان میں آخری وفات پانے والے حضرت بریدہ بن حصیب ہیں اور رخج میں واء بن خالد بن ہوذہ ہیں۔ (رخج بجستان کا ایک صوبہ تھا) ابو شیخ نے طبقات اصبہانیین میں ابو نعیم نے تاریخ اصبہان میں لکھا ہے۔ کہ اصبہان میں آخر الوفات حضرت نابغہ جعدی ہیں اور طائف میں وفات پانے والوں میں آخر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ[23]

تراجم ائمہ حدیث:- یہ بات تفصیل سے آپ کے سامنے آ چکی ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے علم دین کا اعلیٰ درجہ خیر علم فقہ کو قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے خیر کا ارادہ کریں۔ اسے فقہ سے حظ وافر عطا فرما دیتے ہیں۔ دوسرے درجہ میں رواتِ حدیث ہیں۔ جو آنحضرت ﷺ کی حدیث کو آگے نقل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ حدیث آگے کسی ایسے شخص کو پہنچ جائے جو اس سے پورا پورا فائدہ پالے اور اس کے معلوم کی حفاظت کرے۔

جہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق ہے وہ فقہائے حدیث بھی تھے۔ اور رواۃِ حدیث بھی۔ تاہم جن کا فقہ ان کی روایت پر غالب رہا انہیں فقہائے حدیث کے عنوان سے اور جو روایت میں زیادہ معروف ہوئے ہم انہیں رواۃِ حدیث کے عنوان سے ذکر کریں گے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ روایت میں سبقت لے جانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم فقہ پر دسترس نہ رکھتے تھے۔

فقہاء صحابہ کرام کا تعارف :- ابن صلاح نے مقدمہ میں کہا ہے کہ علی بن عبداللہ مدینی نے فرمایا اصحاب نبی ﷺ میں سب سے بڑے فقیہ صرف تین حضرات تھے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ فقاہت میں ان ہی تین صحابی کی طرف رجوع کیا جاتا ان حضرات میں سے ہر ایک کے متبعین اصحاب تھے جو ان حضرات کی فقہ پر عامل اور اسی کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔ نیز کہا ہے کہ مسروق" سے ہم کو روایت پہونچی ہے آپ نے فرمایا تمام اصحاب نبی ﷺ کا علم میں نے ان چھ صحابہ میں مجتمع پایا عمرو علی و ابی و زید و ابو درداء و عبداللہ و ابن مسعود پھر ان چھ کا علم سمٹ کر حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود کی طرف منتقل ہو گیا تھا امام مطرف و شعبی رحمھا اللہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے اتنا فرق ہے کہ ابو درداء کی بجائے ان حضرات کی روایت میں ابو موسی اشعری کا نام لیا گیا ہے امام شعبی سے یہ بھی منقول ہے کہ علم فقہ رسول اللہ ﷺ کے چھ اصحاب سے حاصل کیا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ و زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تینوں علم میں ایک دوسرے کے قریب قریب تھے اور حضرت علی اور ابو موسٰی و ابی بن کعب باہم ایک دوسرے کے مشابہ تھے۔[29]

صحابہ رضی اللہ عنہم میں فقہائے حدیث:- صحابہ کرام رضی اللہ عنہ فقہائے حدیث بڑی تعداد میں تھے۔ لیکن بطور نمونہ یہاں دس (10) بزرگوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ فقہ حدیث کی ریاست ان پر تمام تھی۔ یہی قمر رسالت کا علمی اور علم رسالت کا عملی اجالا تھے۔ حضرت معاذ بنجبل رضی اللہ عنہ (م 18ھ) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (م 19ھ) فقیہ عراق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (م 32ھ) فقیہ شام حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ (م 36ھ) فقیہ عراق حضرت علی رضی اللہ عنہ (م 40ھ) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (م 45ھ) حضرت ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ (م 52ھ) فقیہ مکہ ترجمان القران حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (م 68ھ) فقیہ مدینہ حبر الامہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (م 74ھ) اور حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ (م 78ھ)

نوٹ:- پیشتر اس کے کہ ہم ان فقہائے حدیث کا علیحدہ علیحدہ ذکر کریں۔ ناانصافی ہو گی۔ اگر اس شخصیت کریمہ کا ذکر نہ کیا جائے جن کی طرف کل فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہ اپنی مشکلات میں رجوع کرتے تھے اور انھیں بلا تامل فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہ کا علمی مرکز سمجھا جاتا تھا۔ ہماری مراد یہاں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں جو اہل بیت رسالت میں اس نوعمری میں لائی گئیں کہ معارف رسالت کو اس عمر میں پوری طرح حفظ کرنے کی ان سے بجا طور پر امید کی جا سکے۔ اس عمر میں آپ ﷺ نے علم رسالت کو اپنے پاس اس طرح محفوظ کر لیا کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد دنیائے

اسلام نصف صدی تک ان کے علوم سے منور ہوتی رہی۔ ہم نے دوسرے فقہائے صحابہ ؓ کی فہرست میں ان کا ذکر نہیں کیا کہ ماں ہر جہت سے بچوں میں ممتاز رہے اور یہ مرکز علم اپنے تمام اطراف میں برابر ضیاء بار رہے۔

حافظ شمس الدین الذہبی (م 748ھ) حفاظ حدیث کے تذکرہ میں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ام عبداللہ حبیبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ من اکبر فقہاء الصحابہ و کان فقہاء اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرجعون الیہا[31]

ترجمہ:۔ ام عبداللہ حضور پاک ﷺ کی حبیبہ' رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کی بیٹی بڑے فقہائے صحابہ ؓ میں سے تھیں۔ فقہائے صحابہ ؓ (اپنے مسائل میں) ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ان ہم فقہائے صحابہ ؓ کا مندرجہ بالا ترتیب سے ذکر کریں گے۔ یہ ترتیب ان کے مراتب کی نہیں۔ سن وفات سے لی گئی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (م 18ھ) ابو عبدالرحمن الانصاری:۔ آپ ان ستر (70) صحابہ ؓ میں سے ہیں جو بیعت عقبہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صحابہ ؓ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ اعلمھم بالحلال و الحرام معاذ بن جبل ۔ ان میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل ؓ ہیں[31]

آپ کی فقہی شان کی ایک یہ بھی شہادت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور انہیں مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کرنے کی اجازت دی۔ آپ کی نظر میں حضرت معاذ بن جبل ایک مجتہد کی پوری اہلیت رکھتے تھے اور بجا طور پر ایک حاذق مجتہد تھے۔ حضور ﷺ نے اس سلسلہ میں آپ ؓ کو رسول رسول اللہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ[32]

ترجمہ:۔ سب تعریف اس خدا کی جس نے اپنے رسول کے رسول کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہو۔

حضرت عمرؓ نے جابیہ میں جو تاریخی خطبہ دیا تھا اس میں فرمایا تھا کہ:۔

من اراد ان یسال عن الفقه فلیات معاذا" و من اراده ان یسال عن المال فلیاتنی فان اللہ جعلنی له خازنا" و قاسما"۔[33]

ترجمہ:۔ جو شخص فقہ کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے وہ معاذؓ کے پاس آئے اور جو شخص مال کے بارے میں سوال کرنا چاہے۔ وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا خازن اور تقسیم کنندہ بنایا ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے۔ کہ عہد صحابہ میں علم فقہ کی کیا عظمت تھی اور مجتہد صحابہ کی اجتہادی شان کے کیا چرچے ہوتے تھے۔

حافظ ذہبیؒ حضرت معاذؓ کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

کان من نجباء الصحابه و فقهائهم۔[34]

ترجمہ:۔ آپ بلند شان صحابہ اور ان کے فقہا میں سے تھے۔

حضرت ابی بن کعب (م 19ھ) ابوالمنذر الانصاری:۔

حضرت ابو بکر الصدیقؓ سید المہاجرین ہیں تو حضرت ابی بن کعب سیدالانصار تھے آپ سے بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے روایات لی ہیں۔ اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ، عبداللہ بن عباسؓ، سوید بن غفلہ اور حضرت ابو ہریرہؓ جیسے اکابر نے آپ سے کتاب و سنت کی تعلیم پائی۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ حملوا عنه الکتاب و السنۃ[35] آپ سے ان صحابہ نے کتاب و سنت کا علم حاصل کیا ہے۔

آپؓ کی شخصیت اتنی اونچی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی بعض دفعہ علمی مسائل میں آپ کی طرف رجوع فرماتے۔ آپؓ صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

اقرء هم ابی بن کعب رضی اللہ عنه۔[36]

ترجمہ:۔ صحابہؓ میں سب سے زیادہ قرآن پڑھے ہوئے ابی بن کعبؓ ہیں۔

حضرت مسروقؓ تابعی (م 62ھ) نے جن چھ بزرگوں کو مرکز فتوے تسلیم کیا ہے ان میں حضرت ابی بن کعبؓ بھی ہیں۔[37]

حافظ ذہبیؒ آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

اقرء الصحابه و سید القراء شهد بدراً و جمع بین العلم و العمل[38]

ترجمہ:۔ صحابہ ؓ میں سب سے زیادہ قاری، قاریوں کے سردار، جنگ بدر میں شامل ہونے والے اور علم و عمل کے جامع تھے۔

آنحضرت ﷺ نے رمضان شریف میں صرف تین راتیں تراویح کی نماز پڑھائی اور پھر تراویح کے لئے مسجد میں تشریف نہ لائے کہ آپ ﷺ کی مواظبت سے یہ نماز امت پر واجب نہ ٹھہرے۔ حضور ﷺ کی عدم موجودگی میں صحابہ ؓ مسجد میں تراویح کی نماز علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں ادا کرتے رہے۔ ایک رات حضور ﷺ اتفاقاً" وہاں آ نکلے تو دیکھا کہ حضرت ابی بن کعب ؓ مسجد کے ایک طرف تراویح پڑھا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا اور جواب ملنے پر ان کے عمل کی تصویب فرمائی۔ ارشاد فرمایا:۔ اصابوا و نعم ما صنعوا[39] انہوں نے درست کیا اور اچھا ہے جو انہوں نے کیا۔

اس سے پتہ چلا کہ تراویح کی نماز ان دنوں میں بھی جماعت سے جاری تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بات جب حضور ﷺ کے نوٹس میں آئی تو آپ ﷺ نے اسے صحیح عمل قرار دیا۔ اس سے منع نہیں کیا۔

حضور ﷺ کے مسجد میں تراویح نہ پڑھانے کو فسخ تراویح نہ سمجھنا اور امت میں اس عمل کو پورا مہینہ باقی رکھنا یہ حضرت ابی بن کعب ؓ کا ہی اجتہاد تھا۔ جس نے آنحضرت ﷺ سے شرف تائید پایا اور امت میں یہ عمل آج تک جاری ہے۔ حضرت عمر ؓ نے جن دو صحابہ ؓ کو تراویح پڑھانے پر مامور کیا تھا۔ وہ حضرت ابی بن کعب ؓ اور حضرت تمیم داری ؓ ہی تھے۔

خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں:۔

احد الفقهاء الذین کانوا یفتون علی عهد رسول اللهﷺ[40]

ترجمہ:۔ آپ ؓ ان فقہائے صحابہ ؓ میں سے تھے جو آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بھی فتوے دیتے تھے۔

حضور ﷺ نے ایک مرتبہ آپ ؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم پر قرآن پڑھوں، حضرت ابی ؓ نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ حضرت ابی ؓ پر رقت

طاری ہوئی اور رونے لگے۔ جس دن آپ ؓ کی وفات ہوئی حضرت عمر ؓ نے فرمایا:۔

الیوم مات سید المسلمین"آج مسلمانوں کے سردار چل بسے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ (م 32ھ):- خلفائے راشدین ؓ کے بعد افضل ترین صحابی سمجھے جاتے ہیں۔ سابقین اولین اور کبار بدریین سے ہیں۔ جنگ بدر میں ابو جہل آپ ؓ کی تلوار سے ہی واصل جہنم ہوا۔ حضرت عمر ؓ نے جب کوفہ کی چھاؤنی قائم کی اور وہاں بڑے بڑے روسائے عرب آباد کئے تو ان کی دینی تعلیم کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو وہاں مبعوث فرمایا اور انہیں لکھا۔ اے کوفہ میں نے تمہیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے کہ عبداللہ بن مسعود ؓ کو تمہارے پاس بھیج دیا ہے۔ ورنہ میں انہیں اپنے لئے رکھتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت عمر ؓ جیسے بزرگ بھی اپنے آپ کو عبداللہ بن مسعود ؓ کے علم سے مستغنی نہ سمجھتے تھے۔ حضرت عمار بن یاسر ؓ جب کوفہ کے امیر بنائے گئے تو حضرت عمر ؓ نے کوفہ والوں کو لکھا:۔

قد بعثت الیکم عمار بن یاسر امیراً و عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ معلماً و وزیراً و ھما من النجباء من اصحاب محمد من اہل بدر فاقتدوا بھما واسمعوا و قد اثرتکم بعبد اللّٰہ علی نفسی"

ترجمہ:- میں نے تمہاری طرف عمار بن یاسر ؓ کو امیر اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ اور دونوں حضور ﷺ کے اعلیٰ درجہ کے صحابہ ؓ میں سے ہیں اور اہل بدر میں سے ہیں تم ان دونوں کی پیروی کرنا اور بات ماننا۔ اور عبداللہ بن مسعود ؓ کو بھیج کر میں نے تمہیں اپنے آپ پر ترجیح دی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں میں بھی مجتہد صحابہ ؓ کی پیروی جاری تھی۔ جو صحابہ ؓ اس اجتہادی شان پر نہ سمجھے جاتے تھے انہیں ان مجتہدین صحابہ ؓ کی پیروی کا حکم تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی علمی شہرت تو اس قدر اونچی تھی کہ آپ ؓ کے شاگرد کسی صحابی ؓ کو بھی علم میں ان سے آگے نہ سمجھتے تھے بلکہ بڑے بڑے صحابہ ؓ مشکلات مسائل میں آپ ؓ کے تلامذہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آپ ؓ حدیث کم روایت کرتے تھے۔ حضور ﷺ کی طرف الفاظ کی نسبت کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے۔ امام ابو حنیفہ ؒ کوفہ میں آپ ؓ کی ہی مسند علمی کے وارث ہوئے۔ اور آپ ؒ نے آپ ؓ کی مسند کو اپنے فیض علم سے اور شہرت بخشی۔ امام ابو حنیفہ ؒ کے مشہور فقہی

مختارات مثلاً نماز میں رکوع کرتے وقت رفع یدین نہ کرنا' امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنا' نماز میں آمین آہستہ آواز سے کہنا۔ وغیرہ یہ سب سنن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہی مختارات ہیں اور حق یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ہی ذات کریمہ تحقیق کی دنیا میں حنفی مذہب کی اصل قرار پاتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کتاب دیکھی گئی۔ جس کے بارہ میں وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاتھ لکھی ہوئی ہے۔[43]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حدیث لکھنے کے خلاف نہ تھے اور وہ روایات جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو روایت حدیث سے روکنا اور قید کرنا مذکور ہے وہ روایہ ہرگز صحیح نہیں۔ ان کے راوی ابراہیم بن عبدالرحمن (ولادت 20ھ) نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ کوفہ صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہی مرکز علمی نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ' حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ' حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی یہاں تشریف لا چکے تھے۔ اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے وہاں سکونت اختیار کی وہ بھی ایک ہزار پچیس کے قریب تھے جن میں چوبیس حضرات رضی اللہ عنہم بدری بھی تھے۔ ابو الحسن احمدؒ عجلی کی روایت میں وہاں بسنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے قریب تھی۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ (م 32ھ) عویمر بن زید الانصاری:۔ حافظ ذہبیؒ انہیں الامام الربانی اور حکیم الامت کہتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اہل شام کے عالم فقیہ اور قاضی تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں چار انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم یاد تھا۔ 1) ابو الدرداء رضی اللہ عنہ' 2) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ' 3) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' 4) ابی زید رضی اللہ عنہ۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ مات النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و لم یجمع القرآن غیر اربعہ ابی الدرداء و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابی زید[44] حضرت مسروق تابعیؒ کہتے ہیں:۔

وجدت علم اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم انتھی الی ستہ الی عمر و علی و عبداللّٰہ و معاذ و ابی الدرداء و زید بن ثابت رضی اللّٰہ عنہم[45]

ترجمہ:۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے علم کو ان چھ میں تمام ہوتے پایا۔ 1۔ حضرت عمر۔ 2۔ حضرت علی۔ 3۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ 4۔ حضرت معاذ۔ 5۔ حضرت ابو الدرداء 6۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین

حدیث میں آپ کی علمی عظمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک شخص ایک لمبے سفر سے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اسے دمشق آنے میں سوائے آپ ﷺ سے حدیث سننے کے اور کوئی غرض نہ تھی۔ وہ حدیث سنتا ہے اور واپس چل دیتا ہے۔ آپ ﷺ یقیناً اپنے وقت میں اپنے پورے حلقہ کے مرجع اور معلم تھے۔ کثیر بن قیس ﷺ اس وقت حضرت ابو الدرداء ﷺ کے پاس بیٹھے تھے وہ بیان کرتے ہیں:-

> کنت جالساً مع ابی الدرداء فی مسجد دمشق فجاء رجل فقال یا ابا الدرداء انی جئتک من مدینہ الرسول لحدیث بلغنی انک تحدثہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماجئت لحاجۃ
>
> ترجمہ:- میں دمشق کی مسجد میں حضرت ابو الدرداء ﷺ کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک شخص نے آپ ﷺ کے پاس آیا اس نے کہا اے ابو درداء ﷺ میں مدینہ شریف سے آپ ﷺ کے پاس صرف ایک حدیث کے لئے آیا ہوں مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپ ﷺ اسے حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ میں اور کسی غرض کے لئے آپ ﷺ کے پاس نہیں آیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ ﷺ کی شخصیت کریمہ اس وقت اکناف عالم مرجع علم تھی حضرت علقمہ بن قیس، سعید المسیب، خالد بن معدان، ابو ادریس خولانی جیسے اکابر تابعین اور آپ ﷺ کے بیٹے حضرت بلال نے آپ ﷺ سے روایات لی ہیں اور انھیں روایت کیا ہے۔ امام اوزاعی آپ ﷺ کی ہی علمی مسند کے وارث تھے۔ آپ ﷺ کی اہلیہ ام الدرداء بھی علم فقہ میں بہت اونچا مقام رکھتی تھیں۔

حضرت علی المرتضیٰ ﷺ (م 40ھ):- آپ ﷺ بلا شبہ شہر علم کا دروازہ تھے۔ کوفہ آپ ﷺ کی سند علمی تھا۔ اور وہیں آپ ﷺ کی مسند خلافت تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ (32) پہلے سے ہی کوفہ میں فقہ و حدیث کا درس دے رہے تھے۔ ان کی وفات سے کوفہ میں جو علمی خلا پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت علی ﷺ کے وہاں جانے سے کسی حد تک پورا ہو گیا۔ لیکن حضرت علی ﷺ کے گرد کچھ ایسے لوگ بھی جمع تھے جو عبداللہ بن سبا یہودی کے ایجنٹ تھے اور سبائی سازش کے پروگرام کے تحت مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے حضرت علی ﷺ کے نام سے ایسی روایات بنائیں کہ ان کی ہر روایت مشتبہ ہونے لگی کہ حضرت علی ﷺ نے ایسا کہا ہو گا یا نہ کہا ہو گا۔ سو احتیاط اسی میں سمجھی جاتی رہی کہ حضرت علی ﷺ کی وہی روایات سبائی سازش سے محفوظ سمجھی جائیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کریں۔ کوفہ کا یہی علمی حلقہ قابل اعتماد رہ گیا تھا۔ اس علمی حلقہ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بھی جلا بخشی تھی اور وہاں کے لوگوں کو ان حضرات سے علمی استفادہ کا پورا موقع مل چکا تھا۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:۔

کان اہل الکوفہ قبل ان یاتیہم (علی) قد اخذ و الدین عن سعد بن ابی وقاص و ابن مسعود و حذیفہ و عمار و ابی موسی وغیرہم ممن ارسلہ عمر الی الکوفہ[4]

یہ وہ نابغہ روزگار ہستیاں تھیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس سر زمین میں اتری تھیں۔ اور کوفہ کو دارالفضل و محل الفضلاء[5] بنا دیا تھا۔ افسوس کہ یہ سرزمین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علوم کو اچھی طرح محفوظ نہ رکھ سکی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے بہت سی روایات یونہی وضع کر لی گئیں۔ سبائیوں نے اپنی مذکورہ سازش سے مسلمانوں کو جو سب سے بڑا نقصان پہنچایا وہ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے روایات گھڑ کر ان کی اصل روایات کو بھی بہت حد تک مشتبہ کر دیا۔ اور اس طرح امت علم کے ایک بہت بڑے ذخیرے سے محروم ہو گئی۔ محققین کے نزدیک فقہ جعفری حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی تعلیمات نہیں ہیں۔ بلکہ یہ وہ ذخیرہ ہے جو سواد اعظم سے اختلاف کرنے کے لئے ان حضرات کے نام سے وضع کیا گیا ہے۔ تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرویات اور ان کے اپنے فقہی فیصلے اہلسنّت کی کتب فقہ اور حدیث میں بڑی مقدار میں موجود ہیں اور ان کے ہاں حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک عظیم مرتبہ رکھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنتے تو اسے قسم دیتے، بغیر قسم اسے قبول نہ کرتے تھے۔ لیکن قسم لینا محض مزید اطمینان کے لئے ہوتا تھا نہ اس لئے کہ ان کے نزدیک اخبار احاد قابل قبول نہیں تھیں۔ ہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسی شخصیت ہیں کہ ان کی روایت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے شہرہ آفاق صدق کے باعث فوراً قبول کر لیتے۔[6] حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی آپ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ بغیر قسم لئے قبول کر لی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی قوت فیصلہ خدا تعالیٰ کا ایک بڑا عطیہ تھا۔ کہ کسی امت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اقضی ھم علی[7] کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک مرتبہ یمن کا قاضی بھی بنایا تھا۔[8] علامہ تابعین عامر بن شرجیل شعبیؒ (103ھ) کہتے ہیں کہ اس عہد میں علم ان چھ

حضرات سے لیا جاتا تھا۔ 1- حضرت عمرؓ' 2- حضرت علیؓ' 3- حضرت ابی بن کعبؓ' 4- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' 5- حضرت زید بن ثابتؓ' 6- حضرت موسی اشعریؓ۔ یاد رکھئے کہ حضرت علیؓ کو حضور ﷺ نے انتظامیہ (خلافت) کی بجائے عدلیہ (قضاء) کے زیادہ مناسب ٹھہرایا تھا۔

کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ (45ھ) الانصاری:- آپؓ کی علمی شخصیت کے تعارف میں یہ جاننا ہی کافی ہے کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن کریم ان سے پڑھا تھا۔ اور حضرت انس بن مالکؓ نے احادیث آپؓ سے روایات کیں۔ آپؓ کی وفات پر حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا تھا:۔

مات حبر الامه و لعل اللّٰہ یجعل فی ابن عباس رضی اللّٰہ عنه منه خلفا[52]

ترجمہ:- امت کے بہت بڑے عالم (حبر الامہ) زید بن ثابتؓ چل بسے۔ اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن عباسؓ کو ان کا جانشین بنا دیں گے۔

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کو ان کی شخصیت کریمہ پر اتنا اعتماد تھا کہ دونوں حضرات نے اپنے اپنے عہد میں جمع قرآن کی خدمت ان ہی سے لی۔ حضرت عمرؓ کی رائے حضرت سلیمان بن یسارؓ نے (107ھ) جو بہت بڑے فقیہ اور فاضل تھا اس طرح نقل کی ہے:۔

ما کان عمر و عثمان یقدمان علی زید احدا فی الفتوی و الفرائض و القراءة[53]

ترجمہ:- حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ فقہ' علم وراثت اور قرأت میں حضرت زید بن ثابتؓ پر کسی کو فوقیت نہ دیتے تھے۔

خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

افرضهم زید بن ثابت۔[54]

ترجمہ:- ان میں علم و فرائض کے سب سے بڑے ماہر زید بن ثابتؓ ہیں۔

جب یہ سوار ہوتے یا سواری سے اترتے تو حضرت ابن عباسؓ ان کی رکاب پکڑنے کو اپنے لئے بڑی عزت سمجھتے تھے۔ حضرت مسروق تابعی'' کہتے ہیں:۔

کان اصحب الفتوٰی من الصحابه عمر و علی و عبداللّٰہ و زید و ابی و ابو موسی[55]

خطیب تبریزی'' لکھتے ہیں:۔

کان احد فقہاء الصحابۃ[7]

ترجمہ:۔ آپ رضی اللہ عنہ فقہائے صحابہ میں سے تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کے دور میں مدار شہرت و فضل علم و فقہ تھا۔ روات حدیث فقہاء کے بعد دوسرے درجے میں آتے تھے۔

قرآن خلف الامام جیسے معرکۃ الاراء مسئلے میں امام مسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے۔

عن عطاء بن یسار انہ اخبرہ انہ سال زید بن ثابت عن القراۃ مع الامام فقال القراہ مع الامام فی شئی[7]

ترجمہ:۔ عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھا جا سکتا ہے۔؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی حصے میں قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں۔

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ (44ھ) ذہبی - خطیب تبریزی نے سن وفات 52ھ لکھا ہے۔:۔ مکہ مکرمہ میں اسلام لائے۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کا والی بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بصریٰ کا والی بنایا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت حزیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے کی آمد سے عراق مرکز علم بن چکا تھا۔ ان دنوں علم سے مراد حدیث اور فقہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معرکہ تحکیم میں آپ رضی اللہ عنہ (حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ) کو اپنا نمائندہ بنایا تھا۔ یہ مسلسل واقعات آپ رضی اللہ عنہ کی عظمت معنوی اور آپ رضی اللہ عنہ کی فقہ و فضیلت کے تاریخی شواہد ہیں۔ قرآن کریم بہترین آواز سے پڑھنا آپ رضی اللہ عنہ پر ختم تھا۔ تاہم آپ رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کے قائل نہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی۔

اذا قرء فانصتوا۔[8]

ترجمہ:۔ امام جب قرآن پڑھے تو تم چپ رہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو چار صحابہ رضی اللہ عنہم فتوے دینے کے مجاز تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بھی ان میں تھے۔ صفوان بن سلیم (132ھ) کہتے ہیں:۔

لم یکن یفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمر و معاذ و علی و ابی

موسیٰ[59]

حافظ ذہبیؒ آپ رضی اللہ عنہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

کان عالماً، عاملاً، صالحاً، تالیاً لکتاب اللہ الیہ المنتھی فی حسن الصوت بالقرآن روی علماً طیباً مبارکاً۔[60]

ترجمہ:۔ آپ عالم تھے نیک تھے اللہ کی کتاب کو پڑھنے والے تھے قرآن کو اچھی آواز سے پڑھنے میں چوٹی کے تھے آپ نے علم پاکیزہ اور بابرکت روایت کیا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث سنائی۔ اذا سلم احدکم ثلثاً فلم یجب فلیرجع۔ جب تم میں سے کوئی (کسی کے دروازے پر) تین دفعہ سلام کہے اور اسے جواب نہ ملے تو اسے واپس لوٹ جانا چاہئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر مزید شہادت طلب کی۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بہت گھبرائے یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ کو ایک انصاری کے ہاں اس کی تائید ملی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ میں اپنے اکابر کی تعمیل حکم کا جذبہ کس درجہ کار فرما تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ رضی اللہ عنہ پر معاذاللہ کوئی الزام نہ لگا رہے تھے۔ صرف دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو احتیاط فی الروایہ کا سبق دینا مقصود تھا۔ نہ آپ رضی اللہ عنہ کی غرض یہ تھی کہ خبرواحد کا اعتبار نہ کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا:۔

اما انی لم اتھمک ولکنی خشیت ان یتقول الناس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[61]

ترجمہ:۔ میں آپ رضی اللہ عنہ کو متہم نہیں کر رہا تھا میں صرف اس سے ڈرا ہوا تھا کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی طرف سے باتیں نہ لگانے لگیں۔

-1 یاد رکھئے کسی صحابیؓ پر جھوٹ کا الزام نہیں لگتا۔ صحابہ سب عادل ہیں۔

فقیہ مکہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (68ھ):۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اللہ انہیں علم و فقہ سے مالا مال کرے اور فہم قرآن کی شان بخشے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر تیرہ سال تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے تعلیم حاصل کی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو ترجمان القرآن کا عظیم لقب دیا۔[62] اعمشؒ سے روایت

ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو امیر حج کی ذمہ داری سپرد کی۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا خطبہ حج دیا کہ اگر اسے ترک اور اہل روم سن لیتے تو سب کے سب مسلمان ہو جاتے۔ نعیم بن حفص ؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہمارے ہاں بصرہ میں آئے۔ تو عرب میں علم و فضل میں ان کا ثانی نہ تھا۔

و ما فی العرب مثله جسما و علما و بیانا و جمالا و کمالا[43]

امام ترمذیؒ کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی حضور ﷺ کی احادیث آپ ﷺ کے بعد جمع کرنی شروع کر دی تھیں اور وہ تحریریں لوگوں تک پہنچی ہوئی تھیں۔ ایک مرتبہ طائف سے کچھ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے پاس آپ رضی اللہ عنہ کی کچھ تحریرات تھیں۔ اور انہوں نے انہیں آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا[44]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (74ھ) ابو عبدالرحمن العدوی المدنیؒ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہؒ انہیں حبر هذه الامه (اس امت کے بڑے عالم) کہا کرتے تھے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں:۔

> لا تعدلن برای ابن عمر فانه اقام ستین سنه بعد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فلم یخف علیه شئی من امره و لا من امر اصحابه[45]
>
> ترجمہ:۔ نہ برابر سمجھ ابن عمر کے ساتھ کسی کو رائے میں اس لئے کہ وہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے اس لئے مخفی نہیں رہا آپ رضی اللہ عنہ پر حضور ﷺ کے امر سے اور نہ ہی آپ ﷺ کے صحابہ کے امر سے۔

اہل الرائے ہونا کوئی عیب نہیں جو امام زہریؒ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں یہ علم کا وہ درجہ ہے جو مجتہد کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے کثیر تعداد احادیث منقول ہیں لیکن علامہ ذہبیؒ نے انہیں الفقیہ کے پر اعزاز لقب سے ذکر کیا ہے۔ جن دنوں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف جاری تھا اور اچھی خاصی تعداد اس بات کی حامی ہو گئی تھی۔ کہ یہ دونوں بزرگ قیادت سے کنارہ کش ہو جائیں تو جو شخصیت ان دنوں لوگوں کی نظر میں اس لائق تھی کہ اس پر امت جمع ہو جائے اور اس میں علم و عمل کی پوری استعداد ہو تو وہ آپ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ اس میدان میں آگے آنے کے لئے قطعاً تیار نہ ہوئے۔ حضرت سفیان ثوریؒ

(161ھ) کہا کرتے تھے:

یقتدی بعمر فی الجماعه و بابنه فی الفرقه 46

ترجمہ:- لوگوں سے مل کر چلنے میں عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کی جائے اور لوگوں سے کنارہ کشی میں ان کے بیٹے کو نمونہ بنایا جائے۔

حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ (78ھ):- ستر (70) انصاری جو بیعت عقبہ میں شامل ہوئے آپ رضی اللہ عنہ ان میں سے تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے انہیں فقیہ اور مفتی مدینہ کے نام سے ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے:-

حمل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علما" کثیرا" نافعا" ۔

ترجمہ:- آپ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سا نافع علم پایا۔

حدیث کے اتنے شیدائی تھے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے بارے میں سنا کہ ان کے پاس ایک حدیث ہے جو انہوں نے (عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ) نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ وہ ان دنوں ملک شام میں مقیم تھے۔ ان پر آپ رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ خریدا اور اس پر ایک ماہ تک سفر کرتے کرتے ملک شام پہنچے۔ پیغام بھیجا کہ جابر رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑا ہے۔ انہوں نے پوچھا جابر بن عبداللہ ہیں؟ فورا" باہر آئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ان سے حدیث پوچھی۔ انہوں نے سنائی 47 انہوں نے سنی اور چل دیئے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں وہ حدیث غالبا" یہ تھی۔

عن جابر رضی اللہ عنه عن عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنه سمعت النبی یقول یحشر اللہ العباد فیناديهم بصوت یسمعه من بعد کما یسمعه من قرب انا الملک الدیان 48

ترجمہ:- حضرت جابر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ اللہ بندوں کو حشر میں ایسی آواز سے بلائے گا۔ جس کو قریب اور بعید والے سب یکساں سنیں گے۔ فرمائے گا' میں ہوں بادشاہ انصاف والا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کریمہ کس طرح جمع حدیث اور طلب علم میں منہمک تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ مجتہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے اور حدیث کے مناط کلام پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا صلوه لمن لم یقرء بفاتحه الکتاب۔ کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے

فرمایا یہ اس شخص سے متعلق ہے جو اکیلے نماز پڑھے۔ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے اس پر سورہ فاتحہ پڑھنا لازم نہیں۔ حدیث میں مراد رسول کو پہنچنا انتہائی گہرا علم ہے۔ امام احمد بن حنبل ؒ جو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں کے استاد تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس شرح حدیث سے بہت متاثر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ مگر یہ صاف فرماتے تھے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں۔

و اما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا صلوہ لمن لم یقراء بفاتحہ الکتاب اذا کان وحدہ و احتج بحدیث جابر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ عنہ قال من صلیٰ رکعۃً لم یقراء فیھا بام القران فلم یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تاول قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا صلوہ لمن لم یقراء بفاتحہ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ [69]

ترجمہ:- امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی حدیث لا صلوہ لمن لم یقراء بفاتحہ الکتاب۔ کا معنی یہ ہے کہ نمازی جب اکیلا نماز پڑھے تو فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی اور آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس نے ایک رکعت پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمدؒ کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے صحابی ہیں وہ حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ بیان کر رہے ہیں کہ حدیث لا صلوہ لمن لم یقراء۔ سے مراد یہ ہے کہ نمازی جب اکیلا ہو۔

یہ دس مشاہیر کا تذکرہ ہے جو فقہا صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت ممتاز تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی مجتہد صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ جنہیں فقیہ تسلیم کیا گیا ہے۔ جیسے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ (52ھ)' حضرت ابو ہریرہ (58ھ) اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (60ھ) ان کے علم پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پورا اعتماد نہ ہوتا تو کبھی خلافت ان کے سپرد نہ کرتے۔

محدثین صحابہ کرامؓ میں رواۃ حدیث:۔ ویسے تو ہر صحابی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے سنی بات کو آگے پہنچانے کا مکلف تھا۔ لیکن جو صحابہ رضی اللہ عنہم کثرت روایت میں معروف ہوئے ان میں سے دس زیادہ ممتاز رواۃ حدیث کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ حضرات گو اپنی جگہ فقہ میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ لیکن ان کی شہرت فقہ و حدیث کی بجائے روایات حدیث میں زیادہ رہی ہے۔ رواۃ حدیث میں کچھ صحابہ مکثرین روایت تھے اور کچھ مقلین روایت۔

جن حضرات نے صحاح ستہ میں کثرت سے احادیث روایت کیں ان میں سے ہم دس مشاہیر کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔ گو ان کے علاوہ بھی ایک کثیر تعداد ان صحابہ رضی اللہ عنہ کی ہے جن سے بہت سی احادیث مروی ہیں اور کتب صحاح ان کی مرویات سے پر ہیں تاہم یہاں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صرف چند رواۃ حدیث کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں رواۃ حدیث (محدثین کرام):۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ (32ھ)' حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ (52ھ)' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (57ھ)' حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (59ھ)' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (65ھ)' حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ (72ھ)' حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ (74ھ)' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (93ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ (32ھ):۔ سابقین اولین میں سے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' زید بن وہب رضی اللہ عنہ' جبیر بن نضیر رضی اللہ عنہ' احنف بن قیس رضی اللہ عنہ اور قدمائے تابعین رحمہم اللہ سے ایک کثیر تعداد نے روایات لی ہیں۔ حافظ ذہبی؀ لکھتے ہیں و کان یوازی ابن مسعود فی العلم۔ علم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر اترتے تھے۔ حدیث روایت کرنا سب سے بڑا فرض جانتے تھے۔ خود فرماتے ہیں:۔

> قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم تلوار میری گردن پر رکھ دو اور مجھے گمان ہو کہ پیشتر اس کے کہ تم اس تلوار کو چلا دو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات جو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی روایت کر سکتا ہوں تو میں ضرور اسے روایت کر گزروں گا۔[7]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ایک علمی امانت سمجھتے تھے اور انہیں آگے پہنچانے کی ان حضرات رضی اللہ عنہم کو کتنی فکر تھی۔ اتفاق دیکھیے کہ آپ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک ہی سال فوت ہوئے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ (35ھ) ابو عبداللہ العبسی:۔ آپ رضی اللہ عنہ سر رسول اللہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دان صحابی رضی اللہ عنہ) کے طور پر معروف تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابی نے احادیث روایت کی ہیں اور تابعین؀ کی تو ایک بڑی تعداد نے آپ رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ (52ھ) ابو نجید الخزاعی:۔ خیبر کے سال اسلام لائے آپ رضی اللہ عنہ کا اور حضرت ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے کا ایک ہی سال ہے۔ کان من فضلاء الصحابہ و فقھاءھم[71]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بصرہ روانہ فرمایا۔ تاکہ وہاں کے لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں[72]۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بھرپوری زندگی وہیں بسر کر دی۔ آپ رضی اللہ عنہ سے حسن بصریؒ، امام محمد بن سیرینؒ اور علامہ شعبیؒ جیسے اکابر تابعینؒ نے روایات لی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:۔

و له احادیث عدۃ فی الکتب و کان من الکبار الصحابہ و فضلائھم[73]

آپ رضی اللہ عنہ ان پانچ ممتاز صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو صفین کے معرکہ میں اہل شام اور اہل عراق میں سے کسی کے ساتھ شامل نہیں ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (55ھ):۔ آپ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنگ بدر میں شامل ہوئے۔ پہلے فرد ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی روایات لی ہیں حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت علقمہؒ، ابو عثمان النہدیؒ اور حضرت مجاہدؒ جیسے اکابر تابعین آپ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ معرکہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے کنارہ کش رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے اس موقف میں آپ رضی اللہ عنہ پر رشک کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ الدوسی الیمانی (58ھ):۔ جاہلیت میں نام عبدالشمس تھا۔ والد نے کنیت ابو ہریرہ رکھی۔ اسلام لانے کے بعد عبدالرحمن سے موسوم ہوئے۔ خیبر کے سال اسلام لائے مدینہ ہجرت کی۔ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کثیر پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات لیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ سے آٹھ سو کے قریب لوگوں نے روایات لیں۔ ممتاز شاگردوں میں ہمام بن منبہ (110ھ) سعید بن المسیبؒ (93ھ) علامہ شعبیؒ (103ھ) ابن سیرین (110ھ) عطاء بن ابی رباح (115ھ) عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ابو صالح السمان کہتے ہیں کان ابو ہریرہ من احفظ اصحاب محمد صلعم۔ اور وہ خود فرماتے ہیں:۔

لا اعرف احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احفظ لحدیثہ منی[74]

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا زیادہ یاد کرنے والا ہو۔

جہاں تک روایت کا تعلق آپ ؓ سوائے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ کے باقی سب صحابہ ؓ سے آگے تھے اور وجہ یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمرو حضور ﷺ سے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔ اور ابو ہریرہ ؓ لکھتے نہ تھے۔[75]

آنحضرت ﷺ نے آپ ؓ کو قوت حافظہ کا دم کیا تھا۔ حضرت ابوہریرہ اس کے بعد کبھی نہ بھولے آپ ؓ سے ساڑھے پانچ ہزار کے قریب حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے صحیح بخاری میں 448 اور صحیح مسلم میں 546 حدیثیں مروی ہیں۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بھی احادیث لکھنی شروع کر دی تھی۔ آپ ؓ کے تلامذہ کو یہ تحریرات گاہے بگاہے دکھا بھی دیتے تھے۔[76] آپ ؓ کے شاگردوں نے جو حدیثی مجموعے تیار کئے ان میں ہمام بن منبہؒ کا صحیفہ بہت معروف ہے اور چھپ بھی چکا ہے۔

اس درجہ کے عظیم محدث ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ؓ بلند پایہ فقیہ بھی تھے۔ امام ذہبیؒ نے "الفقیہ صاحب رسول اللہ" کہہ کر آپ ؓ کا تعارف کرایا ہے اور لکھا ہے:۔

کان من اوعیۃ العلم و من کبار ائمۃ الفتوٰی مع الجلالہ و العبادہ و التواضع۔[77]

ترجمہ:۔ علم کا محفوظ خزانہ تھے فتوے دینے والے بڑے ائمہ میں سے تھے۔ جلالہ، عبادت اور تواضع والے تھے۔

حضرت سمرہ بن جندب ؓ (59ھ) الفزاری:۔ خطیب تبریزیؒ آپ ؓ کے تعارف میں لکھتے ہیں۔

کان من الحفاظ المکثرین عن رسول صلی اللہ علیہ وسلم وروی عنہ جماعۃ۔[78]

ترجمہ:۔ آپ ؓ ان حفاظ حدیث میں سے تھے جنھوں نے حضور ﷺ سے کثرت سے روایت کی ہے اور ان سے تابعین کی ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

آپ ؓ نے خود بھی ایک مجموعہ حدیث جمع کر رکھا تھا۔ ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ اس میں علم کثیر موجود ہے۔[79] حضرت حسن بصریؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔[80] حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (852ھ) نے اس مجموعہ حدیث کو نسخہ کبیرہ کہہ کر ذکر کیا ہے۔[81] جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کثیر حدیثی مواد موجود تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ (65ھ):۔ ان خواص صحابہ ؓ میں سے ہیں جنہیں حضور ﷺ نے

حدیث لکھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ آپ ؓ نے خود ایک مجموعہ حدیث لکھا تھا جسے الصادقہ کہتے ہیں۔ ان کے والد ان سے عمر میں صرف تیرہ سال بڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ انہیں ان کے والد عمرو بن العاص ؓ فاتح مصر پر بھی فضیلت دیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے صرف ان کے بارے میں اعتراف کیا ہے۔ کہ ان کی روایت کردہ احادیث میری مرویات سے زیادہ ہیں۔

سعید بن المسیبؒ، عروہ بن الزبیرؒ، وہب بن منبہؒ، عکرمہؒ وغیرہم سب آپ ؓ کے شاگرد تھے۔ تابعی کبیر حضرت مجاہدؒ (100ھ) ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کے تکیے کے نیچے رکھا دیکھا تھا۔[82]

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی کل مرویات 5374 ہیں اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو ؓ کی مرویات مجھ سے زیادہ ہیں اس لئے کہ وہ حضور ﷺ سے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔

حضرت براء بن عازب ؓ (72ھ) ابو عمارہ الانصاری:۔ عبداللہ بن بجش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براء ؓ کے پاس لوگوں کو قلمیں ہاتھ میں لئے حدیثیں لکھتے پایا۔[83] آپ ؓ کوفہ میں رہتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ ان دنوں کس طرح علم حدیث کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ آپ ؓ جنگ جمل، صفین اور نہروان تینوں میں حضرت علی ؓ کے ساتھ رہے۔

خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں۔

روی عنہ خلق کثیر۔[84]

ترجمہ:۔ آپ ؓ سے بہت لوگوں نے احادیث روایت کیں۔

حضرت ابو سعید سعد بن مالک الخدری ؓ (74ھ) الانصاری الخزرجی:۔ بیعت رضوان کے شاملین میں سے تھے۔ اہل صفہ میں سے تھے آپ ؓ نے حدیث کثرت سے روایت کی۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔

روی حدیثاً کثیراً وافتی مدۃً و ابوہ من شھداء احد عاش ابو سعید ستاً و ثمانین سنہ و حدث عنہ ابن عمر و جابر بن عبداللہ و غیرہما من الصحابہ۔[85]

ترجمہ:۔ آپ ؓ نے بہت احادیث روایت کی ہیں اور مدتوں فتوے دیتے رہے۔ آپ ؓ کے والد شہداء احد میں سے تھے۔ ابو سعید 82 سال زندہ رہے۔ آپ ؓ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ

حضرت جابر بن عبداللہ' اور دوسرے کئی صحابہ ؓ نے روایت کی ہے۔
صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ ؓ کی متفق علیہ تینتالیس 43 حدیثیں اور علی الانفراد دونوں کتابوں کی سولہ اور باون حدیثیں ملتی ہیں۔ خلیب تبریزی ؒ لکھتے ہیں۔

کان من الحفاظ المکثرین و العلماء الفضلاء العقلاء روی عنه جماعه من الصحابه و التابعین[86]

ترجمہ :- آپ ؓ کثرت سے احادیث بیان کرنے والے حفاظ میں سے تھے اور علماء و عقلاء میں سے تھے۔ آپ ؓ سے کئی صحابہ و تابعین نے روایت کی ہے۔

حضرت انس بن مالک ؓ (93ھ) ابو حمزہ الانصاری الخزرجی :- آپ ؓ آنحضرت ﷺ کے نو سال کے قریب خادم رہے۔ اور سفر و حضر میں حضور ﷺ کی احادیث سنیں۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر ؓ' حضرت عمر ؓ' حضرت عثمان ؓ' حضرت ابی بن کعب ؓ اور کئی دوسرے اکابر صحابہ ؓ سے فیض علم پایا۔[87] آپ ؓ بعض اوقات حضور سے حدیثیں لکھ بھی لیتے تھے۔ بلکہ حضور ؓ کو سنا بھی دیتے تھے۔ آپ ؓ کے شاگرد سعید بن ہلال کہتے ہیں۔

کنا اذا اکثرنا علی انس بن مالک رضی اللّٰه عنه فاخرج الینا مجال عنده فقال هذه سمعتها من النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فکتبتها و عرضتها۔[88]

ترجمہ :- ہم جب حضرت انس ؓ سے زیادہ روایات پوچھتے تو آپ ؓ اپنے مجلات (بیاضیں) نکال لیتے اور فرماتے یہ وہ روایات ہیں جو میں نے حضور ﷺ سے سنیں۔ میں نے انہیں لکھا اور انہیں آپ ؓ کو پڑھ کر بھی سناتا رہا۔

حافظ ذہبی ؒ لکھتے ہیں و له صحبه طویله و حدیث کثیر و ملازمه للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم۔ آپ ؓ نے حضور ﷺ کی لمبی صحبت پائی۔ بہت حدیث سنی اور آپ ؓ کی مجلس کو لازم پکڑا۔ - - آپ ؓ صحابہ ؓ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔

آپ ؓ کے شاگردوں میں حضرت حسن بصری ؒ، امام زہری ؒ، قتادہ ؒ، ثابت بنانی ؒ، حمید الطویل زیادہ معروف ہیں۔ امام ابو حنیفہ ؒ نے بھی آپ ؓ کو دیکھا ہے۔ حضرت امام ؒ نے آپ ؓ سے روایات لی ہیں۔ یہ بات میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر ؓ نے اپنے دور خلافت میں انہیں بصرہ بھیج دیا۔[89] تاکہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں۔ اس صورت

جاتی ہے پتہ چلتا ہے کہ عراق کی درسگاہیں کس طرح علم وحدیث و فقہ سے مالا مال ہو رہی تھیں۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی 128 حدیثیں بالاتفاق روایت کی ہیں۔ اور ہر دو اماموں نے آپ رضی اللہ عنہ کی 80 اور 70 دیگر روایات علی الانفراد روایت کی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ابنا بن یزید نے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے ہی آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات لکھنی شروع کر دی تھیں۔

نوٹ:۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت حدیث میں بھی امتیازی شان رکھتی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے 228 صحیح بخاری میں 232 صحیح مسلم میں مروی ہیں اور ان میں سے 174 روایات پر شیخین کا اتفاق ہے۔ جس طرح دس فقہائے حدیث میں ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ذکر نہیں کیا کہ وہاں امتیازی شان رکھتی ہے اس طرح ہم نے ان دس رواۃ حدیث میں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں کیا تاکہ یہاں بھی ان کی امتیازی حیثیت قائم رہے۔

ان دس ممتاز رواۃ حدیث کے ساتھ ساتھ جو اور صحابہ رضی اللہ عنہم روایت حدیث میں پیش پیش رہے۔ ان میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ (20ھ)' حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ (32ھ)' حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (34ھ)' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (35ھ)' حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (43ھ)' حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ (53ھ)' مولود کعبہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ (54ھ)' حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ (58ھ) زیادہ روایات کے راوی ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ ہر ایک صحابہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اپنی بساط اور اپنی اپنی یاد کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم احادیث سنیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھی ہر بات کو آگے پہنچانے اور پھیلانے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہاں تک کہ علم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان مقدس راویان حدیث (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے آگے تابعینؒ کو منتقل ہوا۔۔۔جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فقہاء حدیث اور رواۃ حدیث امتیازی صورتوں میں علم حدیث کی خدمت کرتے رہے تھے۔ تابعین کرامؒ میں بھی خدمت حدیث کا وہی رنگ ابھرا۔ کچھ بزرگ فقہاء حدیث کی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہوئے تو کچھ حضرات نے رواۃ حدیث کی حیثیت سے اس فن کی زیادہ خدمت کی۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ بیشتر حضرات ان میں سے بھی فقہ اور حدیث دونوں کے جامع تھے۔ فجزاهم الله احسن الجزاء☆

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جن صحابہ کرام کے ذریعے احادیث کا ذخیرہ امت کو ملا ہے اور تاریخ احکام یا تاریخ سنت کی

معلومات کا سرمایہ جن اکابر کی وساطت سے کتابوں میں آیا ہے ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے صرف چار ہزار مرد و زن ہیں۔ چنانچہ امام حاکم لکھتے ہیں۔

قد روی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم من الصحابہ اربعۃ آلاف رجل و امرأۃ؟

ترجمہ:- صحابہ میں سے صرف چار ہزار مرد و زن نے نبی کریم ﷺ سے روایات بیان کی ہیں۔

اتنی بڑی تعداد میں سے اس قلیل عدد ہی کے ذریعے علوم نبوت ہم تک پہنچنے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ میں ہر شخص یہ کام نہ کرتا تھا بلکہ خاص خاص وہ حضرات ہی کرتے تھے جن کو اپنی قوت حافظہ پر پورا پورا اعتماد تھا اور یہ بھی بہت احتیاط کے ساتھ روایت کرتے تھے چنانچہ شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے۔

فاروق اعظم عبداللہ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن معقل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن الصامت و ابو الدرداء را بشام و معاویہ بن ابی سفیان را کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نکنند۔؟

ترجمہ:- فاروق اعظم نے عبداللہ بن مسعود کو ایک جماعت دے کر کوفہ روانہ کیا۔ معقل بن یسار، عبداللہ بن معقل اور عمران بن حصین کو بصرہ اور عبادہ بن الصامت ابو الدرداء کو شام، معاویہ ابن ابی سفیان کو جو کہ شام کے امیر تھے پوری تاکید فرمائی کہ ان کی حدیث سے تجاوز نہ کریں۔

یہ بات اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ صحابہ میں یہ کام ہر شخص نہیں کرتا تھا اور جو کرتے تھے ان میں بے حد فرق مراتب تھا۔ اس فرق مراتب کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سب سے زیادہ احادیث کی تعداد جن حضرات سے آئی ہے وہ صرف چار ہیں۔ مثلاً

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کے بعد اس سے کم تعداد والے تین ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، جن صحابہ کی روایات ہزار سے زیادہ نہیں وہ صرف دس ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن الخطاب

رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ

وہ صحابہ جن کی روایات سو سے زیادہ ہیں وہ تعداد میں انیس ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ

ان کے بعد سینکڑوں سے نیچے احادیث بیان کرنے والے صرف چوراسی ہیں۔

انیس حدیثیں بیان کرنے والے صرف دو صحابی ہیں۔

اٹھارہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف چھ صحابی ہیں۔

سترہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف تین صحابی ہیں۔

سولہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف تین صحابی ہیں۔

پندرہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف چار صحابی ہیں۔

چودہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف گیارہ صحابی ہیں۔

تیرہ حدیثیں بیان کرنے والے صرف سات صحابی ہیں۔

سب سے زیادہ تعداد ایک ارشاد بیان کرنے والے صحابہ کی ہے۔ اس کے بعد پھر تین۔ بالترتیب ہزاروں تک ہے[9]

اور جن صحابہ کے ذریعے امت کو اپنے پیغمبر سے یہ علم کی میراث ملی ہے علماء نے ان کی زندگیوں پر مفصل اور مبسوط کتابیں لکھی ہیں۔ سب سے قدیم کتاب اس موضوع پر اگرچہ سیوطی کے خیال میں امام بخاری کی تاریخ ہے۔ لیکن اس سے زیادہ قدیم کتاب اس موضوع پر طبقات ابن سعد ہے۔ صحابہ کے حالات میں اس سے پہلے اتنی بڑی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب عرصہ سے مفقود تھی۔ اب یورپ میں چھپ گئی ہے۔ اس کے بعد دوسری کتابیں وجود میں آئی ہیں۔ طبع شدہ کتابوں میں سب سے مبسوط حافظ ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ فی تمیز الصحابہ ہے۔ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے۔ اس میں کل صحابہ 12278 کے تراجم آئے ہیں۔ ابن سعد نے طبقات میں تمام صحابہ کو

پانچ طبقوں اور امام حاکم نے بارہ طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ طبقات صحابہ یہ ہیں۔

1- وہ لوگ جنہوں نے مکہ میں مسلمان ہونے میں پہل کی جیسے خلفاء راشدین۔

2- وہ لوگ جو مشرکین مکہ کے دارالندوہ میں مشاورت سے پہلے مسلمان ہوئے۔

3- مہاجرین حبشہ۔

4- اصحاب عقبہ اولی۔

5- اصحابہ عقبہ ثانیہ۔

6- وہ مہاجرین جو حضور انور ﷺ سے مدینہ جاتے ہوئے قبا میں ملے۔

7- اصحاب بدر۔

8- وہ صحابہ جنہوں نے بدر اور حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی ہے۔

9- اصحاب بیعۃ رضوان۔

10- صحابہ جو حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان مہاجر ہوئے۔

11- وہ صحابہ جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے۔

12- وہ بچے جنہوں نے حضور انور ﷺ کی فتح مکہ کے دن اور حجۃ الوداع میں زیارت کی ہے۔[۹۶]

صحابہ کرام میں حفاظ و فقہاء:۔ پھر صحابہ کرام میں خدمت دین کا کام علمی طور پر دو حصوں میں تقسیم تھا۔

کچھ تو وہ تھے جن کا کام صرف محفوظ سرمایہ کو آگے پہنچانا تھا یہ احادیث روایت کرتے تھے کچھ وہ تھے جن کا کام قرآن و حدیث کے محفوظ سرمائے سے مسائل کا استنباط اور ان میں تفقہ اور تدبر تھا۔ اس سلسلے میں حدیث ابی موسیٰ اشعری پر حافظ ابن القیم کی تصریحات آپ پڑھ چکے ہیں۔

ان دونوں طبقوں میں باہم علمی مسائل پر اپنے اپنے فن کے لحاظ سے گفتگو بھی ہوتی اور فقہاء کی جانب سے ان حفاظ پر فقہی اعتراض بھی ہوتے تھے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور انور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی پیش کیا۔

لوگو! اس چیز سے وضو کرو جسے آگ نے بدل دیا یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تو گرم پانی سے وضو کرتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے بھائی !

جب تم حضور انور ﷺ کا ارشاد گرامی سنو تو اس کے لئے مثالیں نہ تراشو۔ مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ ابوحسان الاعرج کہتے ہیں کہ دو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انہوں نے ان کو بتایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بیان کرتے ہیں کہ

انما الطیرہ فی المرأۃ و الدابۃ و الدار [94]

ترجمہ:- بے شک شگون عورت، سواری اور گھر میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے قرآن ابو القاسم ﷺ پر اتارا ایسا نہیں ہے۔ حضور ﷺ تو یوں فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ شگون عورت، گھر اور گھوڑے میں ہے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب [95]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بات کا آخری حصہ سنا آغاز نہیں سنا جتنا سنا بیان کر دیا۔

مسند ابی داؤد طیالسی میں ہے کہ حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! کیا تم یہ حدیث بیان کرتے ہو کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت کو بلی کے باندھنے، کھانا پینا بند کرنے کی پاداش میں عذاب ہوا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں میں نے حضور ﷺ سے ایسا ہی سنا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پتہ ہے کہ یہ عورت کون تھی؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ یہ عورت کافرہ تھی۔ خوب یاد رکھو اللہ سبحانہ کے نزدیک مومن کا اس سے کہیں زیادہ اکرام ہے کہ وہ اسے صرف ایک بلی کی وجہ سے عذاب دے۔

یاد رہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ان تعقبات سے یہ شبہ ہرگز نہ کرنا چاہیے کہ اس سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شان فقاہت پر کوئی حرف آتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تعقبات صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان کی جانب سے ایسے تعقبات تو ان پر بھی ہیں جو فقاہت میں معروف اور کثیر الفتاوی ہیں۔ مثلاً فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

ابن سعد نے طبقات میں، ابن القیم نے اعلام میں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان صحابہ میں شمار کیا ہے جو بیان فتوی و مسائل میں درمیانے درجہ پر تھے۔ کسی صحابی کے کثیر الحدیث اور ضبط و حفظ میں شہرت پا لینے کا مطلب یہ نہیں ہے

کہ وہ عدیم الفقاہت ہے۔ اگر کثرت حدیث اور اسناد و روایت کی فن کاری کی وجہ سے ارباب طبقات نے امام احمد اور امام بخاری کو فقہاء میں شمار نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام احمد اور امام بخاری فقیہ نہ تھے۔ یقیناً" تھے۔ لیکن دوسرے ارباب فن کی طرح ان کا یہ فن نہ تھا۔ ایسے ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یقیناً" فقیہ تھے مگر فاروق اعظم، علی بن ابی طالب اور ابن مسعود کی طرح فنکار نہ تھے ان کی فنکاری تحدیث و روایت تھی۔ علامہ عبدالعزیز بخاری نے کشف الاسرار میں، حافظ ابن الھمام نے تحریر میں، حافظ عبدالقادر نے الجواہر المنیہ میں یہ بات پوری قوت کے ساتھ واضح کی ہے۔ حافظ ابن الھمام لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ ہیں اور اسباب اجتہاد سے مالا مال تھے۔[47]

حافظ عبدالقادر قریشی لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ فقیہ تھے ان کو حافظ ابن حزم نے فقہاء صحابہ میں شمار کیا ہے۔ شیخ تقی الدین السبکی نے ان کے فتاوی کتابی صورت میں جمع کئے ہیں[92] یہ امر آخر ہے کہ دوسرے صحابہ کے مقابلے میں ان کو فنی شہرت نہ ہو جیسا کہ الوابل الصیب میں ابن القیم حافظ ابن حزم کے حوالہ سے رقم طراز ہیں۔

ابن عباس کے فتاوی، تفسیر اور مسائل کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتاوی سے کیا مقابلہ اور کیا نسبت؟ بے شک حضرت ابو ہریرہ حفظ میں صاحب مقام ہیں بلکہ علی الاطلاق پوری امت میں حافظ ہیں۔ حدیث کو جیسا سنا ہے آگے پیش کرتے ہیں۔ ان کی ساری توجہات کا مرکز حفظ حدیث اور ان محفوظ حدیثوں کو آگے پہنچانا ہے اور ابن عباس کی توجہ کا مرکز تفقہ اور استنباط مسائل ہے لیجئے خود ان کے الفاظ پڑھا لیجئے۔

> فکانت همته مصروفه الی الحفظ و تبلیغ و حفظه کما سمعه و همه ابن عباس مصروفه الی التفقه و الاستنباط۔[93]

> ترجمہ :- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ساری توجہ حدیثوں کے یاد کرنے اور یاد شدہ حدیثوں کے پہنچانے پر لگی تھی اور ابن عباس کی ہمت و توجہ کا مرکز فقہ فتاوی اور استنباط مسائل تھا۔

اسی بنا پر اصول کی کتابوں میں یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ان اصحاب کی حدیثوں کو جو فقہ و اجتہاد میں معروف ہیں ترجیح دی جائے۔ برخلاف ان کے جو فقہ و اجتہاد میں نہیں بلکہ صرف عدالت و حفظ میں ممتاز و مشہور ہیں۔ ان کی حدیث کو راجح نہیں قرار دیا جائے گا۔ فقہ و اجتہاد میں شہرت رکھنے والوں کی مثال میں خلفاء راشدین، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے اور حفظ و عدالت میں شہرت رکھنے والوں

کی مثال میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

ان عرف بالفقه والتقدم فی الاجتهاد کالخلفاء الراشدین کان حدیثه حجة وان عرف بالعدالة و الضبط دون الفقه کانس و ابی ہریرہ رضی اللہ عنهم

ترجمہ:۔ اگر فقہ اور اجتہاد میں مشہور ہو جیسے خلفاء راشدین تو اس کی حدیث حجت ہے اور اگر کوئی عدالت، ضبط و حفظ حدیث میں مشہور ہو مگر فقہ میں شہرت نہ رکھتا ہو۔ جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ۔

اب سابقہ بیانات کی روشنی میں آپ ہی فیصلہ فرمائیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو کس چیز میں شہرت حاصل ہے تو یقیناً" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حفظ میں اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو فقہ و اجتہاد میں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ نہیں ہیں۔ حاشا ثم حاشا فقیہ ہیں مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ... اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح فقہ میں معروف نہیں اور کسی فن میں شہرت نہ ہونا کوئی عیب نہیں یہ تو فرق مراتب ہے۔

حافظ زرکشی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایسے تعقبات کو ایک رسالہ نامی "الاجابۃ فی ما استدرکتہ عائشہ علی الصحابہ" میں جمع کر دیا ہے۔ یہ رسالہ مصر میں طبع ہو چکا ہے۔ حافظ سیوطی نے اپنی عادت کے مطابق اس کی تلخیص "عین الاجابہ فی استدراک عائشہ علی الصحابہ" کے نام سے کی ہے۔ یہ مطبع معارف اعظم گڑھ ہندوستان میں 1345ھ طبع ہوا ہے۔

الغرض بتانا یہ چاہتا ہوں کہ صحابہ میں اس لحاظ سے فرق مراتب تھا اور فرق مراتب کی یہی میراث تابعین اور تبع تابعین کو بھی صحابہ سے ملی ہے۔

اور یہاں سے یہ حقیقت بھی الم نشرح ہو گئی کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق جو یہ تصریحات ملتی ہیں کہ

اقلوا الروایه عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرو۔

یا حضرت قرظہ کا یہ کہنا کہ نهانا عمر ☆ (منع کیا ہم کو عمر نے) اور یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ابو سلمہ کے سوال پر یہ کہنا کہ

لو کنت احدث فی زمان عمر مثلها احدثکم بضر بنی بمخفقته[101]

ترجمہ:- اگر میں زمانہ عمر میں ایسے حدیث بیان کرتا جیسے تم سے کرتا ہوں تو مجھے وہ درے لگاتے۔

تو ان کا منشاء وہ نہیں جو عموماً آج سمجھ لیا گیا ہے۔ بلکہ اس کا پس منظر یہ ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تحدیث اور اشاعت سنت کے لئے سرکاری طور پر شخصیتیں مقرر کی تھیں۔ ہر کس و ناکس کو یہ کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔ امام دارمی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ منشاء تھا کہ غزوات اور جنگی سرگرمیوں کے واقعات رائے عامہ کے سامنے نہ بیان کیے جائیں۔ صرف فرائض و سنن سے ان کو روشناس کیا جائے۔ اور حکیم الامت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں جن کا تعلق عادات و شمائل سے ہے وہ نہ بیان کی جائیں کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں یا وہ حدیثیں مقصود ہیں' جن کے حفظ و ضبط کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ ان تاویلات کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف خود ان کے طرز عمل سے متعین ہو سکتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تمام ممالک محروسہ میں معلمین مقرر کیے تھے اور ہر جگہ تاکیدی احکام روانہ کیے تھے کہ ان معلمین سے فرائض اور سنن سیکھو۔ جیسا کہ قرآن سیکھتے ہو۔ چنانچہ مسند دارمی میں ہے۔ تعلموا الفرائض و السنن کما تتعلمون القرآن۔ (فرائض اور سنن کو سیکھو جیسے تم قرآن سیکھتے ہو) [102]

اور قرآن کے ساتھ صحت الفاظ و اعراب بھی سیکھو۔ ان کے خاص الفاظ حسب روایت ابن الانباری یہ ہیں۔ تعلموا اعراب القران کما تعلمون حفظه اعراب قرآن سیکھو جیسے کہ اس کو یاد کرنا سیکھتے ہو۔

مورخین نے چونکہ زمانہ فاروق اعظم میں تعلیمی نظم کے لئے کوئی خاص عنوان قائم نہیں کیا اس لئے ان معلموں کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی مگر جستہ جستہ تصریحات سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہر شہر میں متعدد صحابہ اس کام پر مامور تھے۔ قرۃ العینین میں ہے کہ

در ہر شہرے مقرئے و محدثے را فرستاد۔[103]

ترجمہ:- آپ نے ہر شہر میں ایک قاری اور ایک محدث بھیجا۔

اور روضۃ الاحباب کے حوالے سے لکھا ہے کہ زمانہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں ایک ہزار چھتیس شہر فتح ہوئے۔ اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ فاروق اعظم نے اپنے دور خلافت میں ایک ہزار چھتیس صحابہ کرام کو حدیث کی اشاعت

کے لئے مقرر فرمایا۔ آپ چاہیں تو تذکرۃ الحفاظ' اسد الغابہ اور الاصابہ جیسی کتابوں سے ایسے صحابہ کی فہرست مرتب کر سکتے ہیں۔ جن کو حضرت عمرؓ نے معلمین سنن اور محدثین کی حیثیت سے روانہ کیا۔ ایک بار مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے یہ بات واشگاف لفظوں میں فرمائی۔

انی اشھدکم علی امراء الامصار انی لم ابعثھم الا لیفقھوا الناس فی دینھم[103]

ترجمہ:- میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے امراء کو شہروں میں دین سکھانے کے لئے روانہ کیا ہے۔

ایک اور تقریر میں اس سے زیادہ وضاحت ہے۔

انی واللہ ما ابعث الیکم عمالی لیضربوا ابشارکم ولکنی ابعثھم الیکم لیعلموا دینکم و سنہ نبیکم[104]

ترجمہ:- میں بقسم کہتا ہوں کہ میں نے امراء کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ تمہیں دین اور تمہارے نبی ﷺ کی سنت سکھائیں۔

گویا فاروق اعظمؓ کے زمانے میں ہر ملکی افسر انتظامی سربراہی کے ساتھ محدث اور معلم فقہ ہوتا تھا اور یہ التزام صرف انتظامیہ تک محدود نہ تھا۔ بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا خاص لحاظ ہوتا تھا قاضی ابو یوسف رقم طراز ہیں۔

ان عمر بن خطاب کان اذا اجتمع الیہ جیش من اہل الایمان بعث علیھم رجلاً من اہل الفقہ و العلم

حضرت عمرؓ کے پاس فوجی آتے تو ان پر اہل فقہ اور علم کو امیر بناتے۔ یاد رہے کہ صدر اول میں فقہ سے مراد سنت ہوتی تھی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

مسلمین درزمان شیخین متفق بودند باخذ بہ سنت ظاہر کہ معتبر بفقہ است[105]

ترجمہ:- مسلمان شیخین کے زمانے میں سنت کو اپنانے پر متفق تھے جسے فقہ کہتے ہیں۔

اس تمام تفصیل سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ تاریخ کی اتنی بڑی شہادت ہوتے ہوئے روایت حدیث سے ممانعت کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ کام ہر کس و ناکس کے کرنے کا نہیں بلکہ سرکاری طور پر اس کے لئے خاص

شخصیتیں مقرر تھیں۔

ملک عراق کے شہر کوفہ کی تعمیر

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بہت سے شہر آباد ہوئے اور جن ضرورتوں سے وہ آباد کئے گئے اور جو خصائص ان میں پیدا کئے گئے ان کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک روشن صفحہ ہے۔

ان شہروں میں سب سے زیادہ شہرت کا مالک کوفہ ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مدائن وغیرہ فتح فرما چکے تو انہوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں تحریر کیا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ و روپ بدل گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواباً" تحریر فرمایا۔ وہاں کی آب و ہوا اہل عرب کو راس نہیں آ سکتی۔ ایسی جگہ تلاش کرو جو بری و بحری دونوں حیثیتیں رکھتی ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت حذیفہؓ کو زمین کے انتخابات پر مامور فرمایا۔ چنانچہ ان حضرات نے سرزمین کوفہ کو منتخب فرمایا۔ یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اسی لئے اس جگہ کا نام کوفہ تجویز ہوا۔ [106]

اسلام سے قبل نعمان بن منذر کے خاندان جو عراق عرب کا فرمانروا تھا کا صدر مقام یہی تھا۔ اور ان کی مشہور عمارات خورنق و سدیر وغیرہ اسی کے قریب واقع تھیں۔ یہاں کا منظر نہایت خوشنما تھا اور دریائے فرات سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ اہل عرب اس مقام کو خدا لعذرا یعنی عارض محبوب کہتے تھے۔ کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقحوان' شقائق اور قیصوم وغیرہ کا چمن زار تھا۔ [107]

الغرض سنہ 17ھ میں سعد بن ابی وقاصؓ' حذیفہ بن الیمانؓ اور سلمان فارسیؓ کے متبرک ہاتھوں سے اس کی بنیاد شروع ہوئی۔ اور چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبائل جدا جدا محلوں میں آباد کئے گئے۔ شہر کی وضع و ساخت کے لئے خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا کہ شارع عام 40' 40 ہاتھ اور چھوٹی سڑکیں تیس تیس اور بیس ہاتھ اور گلیاں سات سات ہاتھ چوڑی رکھی جائیں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترے پر بنائی گئی تھی وہ اس قدر وسیع تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آ سکتے تھے۔ اس کے ہر چہار جانب دور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ عمارات اول گھاس پھوس کی تھیں لیکن

جب آگ لگنے کا وقوعہ پیش آیا، تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اینٹ اور گارے کی عمارات تیار کی جائیں۔

جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا تھا جو دو سو ہاتھ لمبا تھا اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم تھا۔ یہ ستون نوشیروانی عمارات سے نکال کے لائے گئے تھے جن کی قیمت جزیہ میں وضع کی گئی تھی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا جس میں بیت المال یعنی خزانہ بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ بھی تعمیر کیا گیا جس میں باہر سے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے۔ اور انہیں بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔ چند روز بعد بیت المال میں چوری ہو گئی تو ایوان حکومت کو مسجد سے ملانے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ روز بہ نامی معمار نے جو اپنے فن میں یکتائے زمانہ تھا۔ نہایت خوبی اور موزونی سے ایوان حکومت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ جس کے صلہ میں دربار خلاف سے اس کے لئے روزینہ مقرر ہوا۔ جامع مسجد کے علاوہ ہر ہر قبیلے کے لئے جداگانہ مساجد قائم کی گئیں اور مختلف قبائل آباد کئے گئے۔ جن میں بارہ ہزار یمنی اور آٹھ ہزار نزاری تھے۔ ان کے علاوہ سلیم، ثقیف، تیم اللات، بجیلہ، ہمدان، کندہ، تمیم، نزار، تغلب، بنو اسد، مزینہ، تمیم، ازد، مذحج، ہوازن، جدیلہ، اخلاط، جہینہ، بجالہ اور اسد و عامر وغیرہ تھے۔

یہ شہر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اتنی ترقی کر گیا کہ حضرت عمرؓ اسے راس الاسلام فرماتے۔ اور درحقیقت وہ عربی لیاقت کا اصلی مرکز بن گیا اس شہر کی علمی حیثیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ نحو کی ابتداء یہیں سے ہوئی اور ابو الاسود دوئلی نے اول اول یہیں بیٹھ کر نحو کے قواعد منضبط کئے۔ فقہ کی باقاعدہ بنیاد یہیں رکھی گئی۔ زمانہ عمرؓ میں یہ سب سے بڑی چھاؤنی تھی جہاں ہمہ وقت چالیس ہزار فوج سکونت پذیر رہتی اور اس میں سے دس ہزار محاذ پر بھیجی جاتی۔

یہاں آباد ہونے والوں میں ستر وہ صحابہ تھے جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت فرمائی تھی۔ تین سو اصحاب شجرہ اور تین سو فتح مکہ میں شریک ہونے والے تھے۔ اور سات سو تابعین تھے جو صحابہ کی اولاد تھے۔ [102]

کوفہ کا اعلیٰ مقام

بلا شک و شبہ نبی کریم ﷺ کی جائے ولادت مکہ معظمہ ہے۔ اور آپ ﷺ کی نبوی زندگی کے تیرہ سال بھی وہیں گزرے۔ اس لحاظ سے سب سے زیادہ علمی حیثیت مکہ معظمہ کو حاصل ہونی چاہیے تھی۔ لیکن ہجرت نبوی کے باعث

مدینہ منورہ مکہ معظمہ پر گویا سبقت لے گیا۔ تمام مکی و مدنی اور بیرونی اصحاب کبار کا مرکز یہی تھا۔ اور یہیں سے قرآن و حدیث کا سرچشمہ پھوٹا۔ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں دین اسلام کا مدینہ ہی مرکز رہا۔

حضور ﷺ کی رحلت کے بعد جنگ مرتدین اور جنگ فارس و روم کی بنا پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مختلف اطراف میں لشکر روانہ فرمائے اور چونکہ حضور ﷺ کی رحلت کو کوئی خاص زمانہ نہ گزرا تھا اس لئے یہ تمام لشکر صحابہ کی اکثریت پر مشتمل تھے۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح' عمرو بن العاص' یزید بن ابی سفیان' شرجیل بن حسنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہ کو شام کی جانب روانہ فرمایا گیا۔ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عراق کی جانب روانہ کئے گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح فرمائے جس میں حیرہ بھی شامل تھا۔ اور یہ حیرہ وہی مقام ہے جس کے قرب و جوار میں بعد میں کوفہ آباد کیا گیا۔ یہ اولین قدم تھے جو صحابہ کرام کے سرزمین کوفہ میں پہنچے۔ (109)

ربیع الثانی سنہ 13ھ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو شام کی جانب روانہ فرما دیا۔ اور ان کے جاتے ہی فتوحات عراق کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اور اسی دوران حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دنیا سے کوچ فرما گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا بار سنبھالتے ہی سب سے قبل مہمات عراق کی جانب توجہ فرمائی۔ اور ابو عبید ثقفی کی ماتحتی میں صحابہ کی ایک جمعیت روانہ فرمائی جنہوں نے حیرہ میں قیام فرمایا۔ بعد میں ایک جنگ میں جو فرات کے مشرقی کنارے پر واقع ہوئی ابو عبید اور ان کے ساتھ چھ ہزار لشکر نے جام شہادت نوش کیا۔ اور مشہور صحابہ میں سے یہ حضرات شہید ہوئے۔ سلیط' ابو زید الانصاری' عقبہ بن القبطی' عبداللہ بن القبطی' یزید بن قیس الانصاری اور ابو امیہ الفزاری رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ یہ صحابہ کرام کے دوسرے قدم تھے جو سرزمین کوفہ پہنچے اور اس سرزمین کو یہ شرف حاصل ہوا کہ یہاں صحابہ اور تابعین کی چھ ہزار کی جماعت نے جام شہادت نوش کیا۔

اس شکست نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہایت برہم کیا اور نہایت زور و شور سے حملہ کی تیاریاں فرمائیں اور ایک لشکر کثیر حضرت سعد بن ابی وقاص کی ماتحتی میں عراق کی جانب بھیجا گیا جن کے ساتھ مشہور صحابہ میں سے عدی بن حاتم طائی' جریر بن عبداللہ البجلی' عبداللہ بن عمر' مخنف بن سلیم' زہرہ بن عبداللہ بن القتادہ' سلمان فارسی اور حذیفہ بن الیمان' خنساء بنت خدام' خالد بن عرفطہ' قعقاع' مغیرہ بن شعبہ' عاصم بن عمر' اشعث بن قیس اور ہاشم بن عتبہ تھے۔ اور بعد میں وہ عراقی فوج جو حضرت خالد کے ساتھ شام چلی گئی تھی اسے بھی روانہ کر دیا گیا۔ اس طرح یہ تیسرے قدم تھے جو صحابہ کرام کے سرزمین کوفہ میں پہنچے۔ (110)

فتوحات عراق کے بعد حضرت سعد کی رائے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہر کوفہ بسوایا اور وہ پورے صوبہ کا دارالسلطنت بنا۔ اور عراق کے سب سے پہلے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح عراق متعین ہوئے۔ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ اور جن حضرات نے ان کے ساتھ یہاں سکونت اختیار فرمائی ان میں ستر بدر یین، تین سو اصحاب شجرہ، تین سو وہ حضرات جو فتح مکہ میں شریک تھے اور ان کے علاوہ اور دیگر صحابہ تھے جن کی مجموعی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی۔

ان فتوحات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تعلیم کی طرف توجہ فرمائی تو اسے دو حصوں پر تقسیم فرمایا۔ ایک حفظ قرآن اور دوسرے مسائل فقیہہ اور حدیث

حفظ قرآن کے لئے مختلف مقامات پر مکاتب قائم کئے گئے اور جبریہ تعلیم نافذ کی گئی۔ اور حکم دیا گیا کہ ان سورتوں کا یاد کرنا ضروری ہے جس میں مسائل کا بیان ہے۔ مثلاً بقرہ، نساء، مائدہ، حج اور نور اور تمام گورنروں کو احکام لکھ کر بھیجے کہ تمام فوج تعلیم قرآن ضرور حاصل کرے اور جو قرآن مجید سیکھیں ان کے وظائف مقرر کر دیئے جائیں۔ اور ہر سال تمام گورنروں سے قرآن خوانوں کے رجسٹر طلب کئے جاتے تھے ایک بار گورنروں کو حکم بھیجا کہ تمام حافظوں کو میرے پاس روانہ کر دو۔ جس کے جواب میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا کہ میری فوج میں اس وقت تین سو حافظ موجود ہیں۔ یہ کوفہ کا ابتدائی علمی مقام ہے جو حضرت سعد کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا۔

مسائل فقیہہ اور تعلیم حدیث کے لئے ہر جگہ صحابہ کی ایک جماعت روانہ کی گئی اور کوفہ کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود اور عمار بن یاسر کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ صرف عبداللہ بن مسعود سے فقہ و حدیث حاصل کرنے والوں کی تعداد چار ہزار سے متجاوز ہو گئی۔ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فیض حاصل کرنے والے ان کے علاوہ تھے۔ اسی طرح حفاظ و قراء بھی ان کے علاوہ تھے۔ حتیٰ کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ میں داخل ہوئے تو یہاں کے لوگوں کو دیکھ کر فرمایا۔

رحم اللّٰہ ابن ام عبد قد ملاء ھذہ القریہ علما[1]

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ عبداللہ بن مسعود پر رحمت نازل فرمائے جنہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا۔

اور جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کا علم دیکھا تو فرمایا

اصحاب ابن مسعود سرج هذه القریہ [11]

ترجمہ:- ابن مسعود کے شاگرد اس شہر کے چراغ ہیں۔

یہ کوفہ کا وہ اعلیٰ مقام تھا جو اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حاصل ہوا۔ اور مدینہ منورہ کے علاوہ کسی اور جگہ کو یہ فخر حاصل نہ تھا۔ اور یہ ممکن بھی نہ تھا اس لئے کہ جس کا سنگ بنیاد سعد جیسے مستجاب الدعوات' حذیفہ جیسے صاحب الاسرار اور سلمان جیسے اصدق القول کے ہاتھوں رکھا گیا ہو۔ جس کی تعمیر روحانی میں ابن مسعود' عمار بن یاسر' ابو موسیٰ اشعری اور پندرہ سو صحابہ شریک ہوں اس کا مقام اگر مدینہ سے بلند نہ تھا تو کم بھی ہرگز نہ تھا لیکن مدینہ کی یہ بلندی صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیات تک رہی۔ کیونکہ مدینہ کے بہت سے کبار صحابہ خلافت عمری اور خلافت عثمانیہ میں رحلت فرما چکے تھے۔

یہ سنہ 17ھ میں آباد ہونے والا شہر صرف اٹھارہ سالہ عرصہ میں اس مقام علمی پر پہنچا۔ لیکن چونکہ قدرت نے اس کے حق میں خیر لکھی تھی اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کے بعد اس شہر کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور اس طرح مدینے کے صحابہ کوفہ چلے آئے۔ اور مدینہ میں صرف صغار صحابہ رہ گئے۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' اور ابن عمر رضی اللہ عنہ لیکن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گویا مدینہ میں ایک مفتی کی حیثیت صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل تھی۔ رہے ابن عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ وہ کثیر الروایات ہیں لیکن وہ فقہائے صحابہ میں شمار نہ تھے' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر ان کی غلطیاں پکڑتی رہتی تھیں اصحاب مکہ کا علمی دارومدار صرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ذات تھی۔ لیکن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اور ان کا علم براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کم اور بالواسطہ صحابہ کے زیادہ تھا' یعنی ان کا جتنا علمی مقام تھا اس کا دارومدار عمر رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ' ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ بن ثابت تھے۔ اب صرف ایک مقام تھا جسے مرکز علم قرار دیا جا سکتا تھا اور وہ صرف کوفہ تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ علمی مقام چھ صحابہ کو حاصل تھا۔ امام مسروق بن الاجدع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وجدت علم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ینتھی الی ستنه الی علی و عبداللہ بن مسعود و عمر و زید بن ثابت و ابی الدرداء و ابی بن کعب ثم وجدت علم ھولاء الستنه انتھی الی علی و عبداللہ [13]

ترجمہ:۔ میں نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے علم کو چھ شخصوں میں منتھی پایا۔ علی بن ابی طالب ؓ، عبداللہ بن مسعود ؓ، عمر بن الخطاب ؓ، زید بن ثابت ؓ، ابو الدرداء ؓ، ابی بن کعب ؓ، پھر ان چھ کا علم دو میں منتہی ہو گیا۔ علی ؓ اور عبداللہ بن مسعود ؓ میں۔

اس طرح تمام صحابہ کا علم دو شخصوں پر منتہی ہوا۔ یعنی حضرت علی ؓ اور عبداللہ بن مسعود ؓ اور یہ دونوں حضرات کوفہ کی روحانی تعمیر میں مصروف نظر آتے ہیں لیکن حضرت علی ؓ کو ایسے شاگرد میسر نہ آئے جو ان کے علوم کو پھیلاتے اور ان کے فتاوی جمع کرتے۔ بلکہ ان کے نام نہاد شیعوں نے انھیں بدنام کرنے کی سعی کی جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ جو اشخاص ان سے روایت کرتے تھے محدثین اسے اس وقت تک قبول نہ کرتے جب تک صحابہ یا اصحاب ابن مسعود اسے نقل نہ کرتے۔ اس طرح تمام صحابہ کا علم صرف عبداللہ بن مسعود ؓ کی ذات پر محدود ہو کر رہ گیا۔ امام محمد نے کتاب الاثار میں روایت کی ہے۔

ستته من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یتذکرون الفقه بینهم علی بن ابی طالب و ابی موسی و ابی علیحده و عمر و زید و ابن مسعود علیحده۔ [111]

ترجمہ:۔ نبی کریم ﷺ کے چھ صحابہ باہم فقہ کا مذاکرہ کرتے علی ابن ابی طالب، ابو موسی اور ابی بن کعب جداگانہ اور عمرؓ زید بن ثابت اور ابن مسعود جداگانہ۔

گویا کہ علمائے صحابہ کی دو جماعتیں تھیں جن میں سے ابی حضرت عمر ہی کے زمانہ میں وفات پا گئے۔ اور بقیہ پانچ حضرات میں سے تین حضرات نے تعمیر کوفہ میں حصہ لیا یعنی علی، عبداللہ، ابو موسیٰ لیکن شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے صحابہ میں اصل فتوی کا مرجع صرف چار صحابہ کو قرار دیا ہے۔ یعنی عمرؓ علیؓ عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس۔ اور ان چاروں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

و اما غیر هولاء الاربعه فکانوا یرون دلالة و لکن ما کانوا یمیزون الرکن و الشرط و الاداب و السنن و لم یکن لهم قول عند تعارض الاخبار و تقابل الدلائل الا قلیلا" کابن عمر و عائشةؓ زید بن ثابت [112]

ترجمہ:۔ اور چاروں صحابہ کے علاوہ بقیہ صحابہ دلالت ظاہرہ کو تو پہچان لیا کرتے تھے لیکن وہ رکن و شرط اور آداب و سنن میں فرق نہ کر سکتے تھے اور جب روایات باہم متعارض اور مقابل ہوتیں

تو وہ اس معاملے میں کچھ نہ بولتے۔ مگر جزوی طور پر کوئی ان کا قول صادر ہو تو وہ ایک جداگانہ امر ہے۔ جیسے ابن عمرؓ عائشہ اور زید بن ثابت

جب صحابہ سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ اسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیتے' اور ان سے حصول علم کی وصیت کرتے' جیسا کہ اس پر ہم انشاء اللہ تعالیٰ آگے تفصیلی بحث کریں گے۔

صحابہ کوفہ کی فہرست

ہم اس سرخی کے تحت ان چند صحابہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ جو کوفہ میں آ کر آباد ہوئے اور جنہوں نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اور یہ پہلے تحریر کیا جا چکا کہ مستقلاً کوفہ میں سکونت اختیار کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈیڑھ ہزار تھے۔ ہم ان میں سے چند حضرات کے فضائل اور ان کا علمی مقام پیش کرنا چاہتے ہیں ورنہ اگر ان تمام صحابہ کے حالات درج کئے جائیں جنہوں نے کوفہ میں قدم رنجہ فرمائے تو اس کے لئے خود ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہو گی۔ حالانکہ ہمیں یہ حق پہنچتا تھا کہ ہم پورے عراق کے صحابہ کو اس فہرست میں شامل کرتے اس لئے کہ ہم اصحاب عراق اور اہل عراق کے نام سے مشہور ہیں اور اگر ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت پر تبصرہ کریں تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔

سعد بن مالک رضی اللہ عنہ

ابن وہب بن عبد مناف بن زہرہ الزہری۔

ان کے والد کا نام مالک اور کنیت ابو وقاص ہے۔ اور سعد کے دادا وہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ کے چچا ہیں اسی لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اپنا ماموں فرماتے۔ اور ان کے ماموں ہونے پر فخر بھی فرماتے۔ ارشاد فرمایا۔

هذا خالي فليرني امرء خاله ﷺ

ترجمہ: یہ میرے ماموں ہیں۔ مجھے کوئی ان جیسا ماموں لا کر دکھلائے۔

آپ ابتدائے اسلام میں سترہ سال کی عمر میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ اور بقول مورخین آپ ساتویں اسلام

لانے والے ہیں۔ لیکن بخاری میں خود ان سے یہ روایت مروی ہے کہ میں تیسرا اسلام لانے والا ہوں۔ اور یہ تیسرا درجہ بھی باعتبار ایمان وہ اپنا پہلا درجہ بیان فرماتے ہیں۔ بخاری کی روایت ہے۔

عن سعد قال رایتنی و انا ثالث الاسلام و ما اسلم احد الا فی الیوم الذی اسلمت فیہ و لقد مکثت سبعہ ایام و انی لثلث الاسلام۔ [117]

ترجمہ:- سعد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو اس حال میں پایا کہ میں تیسرا اسلام لانے والا تھا لیکن میں نے اسلام کو سات روز تک مخفی رکھا اس وجہ سے میرا اسلام میں تیسرا نمبر ہوا۔

ممکن ہے کہ کچھ حضرات کا اسلام سعد پر ظاہر نہ ہو۔ اس لئے انہوں نے خود کو اول اور ثالث الاسلام قرار دیا۔ الغرض حضرت سعد رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان حضرات نے تمام زندگی سفر و حضر میں حضور کے ساتھ گزاری۔ اور یہ وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ اسلام میں تیر چلایا۔ اور راہ اسلام میں سب سے قبل انہوں ہی نے کافر کا خون بہایا۔ اور مدینہ منورہ آنے کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا راتوں کو پہرہ دیا کرتے تھے۔ اسی لئے آپ رضی اللہ عنہ کا لقب حارس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو حارس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے بھی نوازا ہے۔ مال غنیمت کا حکم آپ ہی کی بنا پر نازل ہوا۔ شراب کی حرمت آپ ہی کے باعث ہوئی۔ کفر اور نافرمانی خداوندی کی صورت میں ماں باپ کی اطاعت نہ کرنے کا حکم بھی آپ ہی کے بارے میں نازل ہوا۔ جنگ احد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے گھیر لیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کفار کو تیر مار مار کر ہٹا رہے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے ارشاد فرما رہے تھے۔

یا سعد ارم فداک ابی و امی [118]

ترجمہ:- اے سعد تیر مار۔ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔

اور کبھی محبت میں ارشاد فرماتے۔

ارم فداک ابی و امی یا ایھا الغلام الحزور [119]

ترجمہ:- اے نوجوان لڑکے تیر مار۔ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔

دعاؤں کا ایک سمندر تھا جو ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جاری تھا کبھی فرماتے۔

اللھم اشدد رمیتہ و اجب دعوتہ [120]

ترجمہ:- اے اللہ اس کا نشانہ درست فرما اور اس کی دعا قبول فرما۔

اور کبھی ارشاد ہوتا۔

اللھم استجب لسعد اذا دعاک [121]

ترجمہ:۔ اے اللہ سعد جب بھی تجھ سے دعا کرے تو اسے قبول فرما۔

اسی لئے یہ صحابہ کرام ﷺ میں مستجاب الدعوات کے لقب سے موسوم تھے اور لوگ ان کی بددعاؤں سے گھبراتے تھے۔ حضرت عمر ﷺ نے انہیں افواج عراق کا سالار منتخب فرمایا اور انہی کی کوششوں سے عراق فتح ہوا۔ فتوحات عراق کے بعد انہیں عراق کا گورنر متعین کیا۔ اور کوفہ انہی کی کوششوں سے آباد ہوا۔ بعد میں حضرت عمر ﷺ نے کچھ لوگوں کی شکایات کی بنا پر انہیں معزول کیا۔ اور فرمایا میں نے سعد ﷺ کو اس لئے معزول نہیں کیا کہ سعد ﷺ میں کوئی خامی ہے لیکن میں بڑے صحابہ ﷺ کو بدنام کرنا نہیں چاہتا۔ جب حضرت عمر ﷺ زخمی ہوئے تو وصیت فرمائی کہ میرے بعد جو شخص بھی خلیفہ وہ اسے چاہیے کہ وہ سعد ﷺ کی خدمت سے فائدہ اٹھائے۔ اور آپ ان چھ حضرات میں بھی شریک تھے جنہیں حضرت عمر ﷺ نے خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔ اور آخر میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

لو استخلفتم سعداً لاحسنتم [122]

ترجمہ:۔ اگر تم سعد کو خلیفہ بنالو تو بہت بہتر کام کرو گے۔

لیکن حضرت سعد ﷺ نے مجلس شوریٰ میں خلافت قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔ جب حضرت عثمان ﷺ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے دوبارہ انہیں عراق کا والی متعین فرمایا۔ حضرت علی ﷺ اور معاویہ کے اختلاف کے دوران انہوں نے عقیق میں گوشہ نشینی اختیار فرمالی تھی۔ جو مدینہ سے دس میل تھا۔ سنہ 58ھ کی ابتدا میں وفات فرمائی۔ اور لوگ ان کے جنازے کو کاندھوں پر رکھ کر عقیق سے مدینہ لے کر گئے اور بقیع میں دفن ہوئے۔ یہ بھی ان کی خصوصیات میں ہے کہ ازواج مطہرات نے ان کا جنازہ مسجد میں منگوایا اور پردہ کرا کر نماز جنازہ پڑھی۔

یہ وہ ہستی تھی جس نے کوفہ کی آباد کاری میں بھی حصہ لیا۔ اور روحانی تعمیر میں بھی سب سے اول انہی کا حصہ ہے۔ آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ ایک سال میں ان کی فوج میں تین سو اشخاص نے حفظ قرآن مجید فرمایا تھا اور ہزاروں صحابہ کی جمیعت ان کے ساتھ تعلیم و تعلم اور جہاد میں مصروف تھی۔ تو جس شہر کی تعمیری اور روحانی آباد کاری حضور ﷺ کے خادم کے ہاتھوں انجام پائے اس شہر کی عظمت کا کیا ٹھکانا ہے۔ اور جہاں ایک سال میں تین سو حفاظ تیار ہوتے ہوں وہاں سنہ 17ھ سے سنہ 35ھ تک ان کی سعی سے حفاظ و علماء کا کیا ایک لشکر عظیم تیار نہ ہوا ہو

گا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ :

مشہور جلیل القدر عظیم الشان صحابہ ہیں۔ بڑے عابد و زاہد اور فقیہ و عاقل بزرگ تھے۔ اولاً مجوسی تھے۔ پھر دین حق کی جستجو میں نصرانی ہو گئے۔ لیکن نصرانی ہونے کے بعد بھی دین حق کی جستجو جاری رہی۔ یہاں تک کہ مدینہ کا رخ کیا اور لوگوں نے انھیں غلام بنا کر یہودیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ اسلام سے مشرف ہوئے لیکن غلامی کی بنا پر ہر وقت حاضر خدمت نہ رہ سکتے تھے۔ حضور ﷺ نے مال کثیر کے معاوضہ میں انھیں آزاد کرایا۔ یہ غزوہ خندق اور اس کے بعد دیگر تمام غزوات میں شریک رہے۔ خندق انھیں کے مشورے سے تیار ہوئی تھی۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فتوحات عراق پر مامور کیا گیا تو یہ بھی ان کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے۔ فتوحات عراق کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہی کو شہر آباد کرنے کے لئے زمین منتخب کرنے کا حکم دیا تھا۔ کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ مدائن کے والی رہے۔ اور سنہ 31ھ یا سنہ 34ھ میں وفات پائی۔ ڈھائی سو یا ساڑھے تین سو سال عمر ہوئی۔ ان کے فضائل بھی بے شمار ہیں۔ لیکن بطور نمونہ ہم چند ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تلا ھذہ الایہ وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم قالوا یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ھولاء الذین اذکر اللّٰہ ان تولینا استبدلوا بنا ثم لا یکونوا امثالنا فضرب علی فخذ سلمان الفارسی ثم قال ھذا و قومہ و لو کان الدین عند الثریا لتنا و لہ رجل من الفرس (123)

ترجمہ :۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "اگر تم دین سے پھر جاؤ تو اللہ تمہارے علاوہ دوسری قوم تبدیل فرما دیں گے۔ اور وہ قوم تم جیسی نہ ہو گی" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر فرمایا کہ انھیں ہماری جگہ تبدیل فرمائے گا۔ پھر وہ ہم جیسی نہ ہو گی۔ نبی کریم ﷺ نے سلمان کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا

وہ یہ اور اس کی قوم ہے۔ اور اگر دین ثریا کے قریب بھی ہوتا تو فارسیوں میں سے ایک شخص اسے حاصل کر لیتا۔

ابو حنیفہ اور اکثر اہل کوفہ و عراق آخر کون تھے۔ یہ سب فارسی النسل تھے اور اس سرزمین کوفہ کے منتخب کنندہ بھی فارسی۔ اور ان کے روحانی معلم بھی فارسی اور وہ معلم جس کے لئے حضور ﷺ یہ ارشاد فرمائیں۔

ان الجنه تشتاق الی ثلثه علی و عمار و سلمان [124]

ترجمہ:۔ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے۔ علی' عمار اور سلمان۔

اور ان تینوں محبوبان جنت کا مقام سرزمین کوفہ ہے۔ علی کا دارالسلطنت بھی یہی کوفہ۔ عمار و سلمان کی زندگی بھی یہیں گزری اور جو ان کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ اور جنہوں نے ان حضرات سے کسب علم کیا۔ ان کا مقام کتنا بلند و بالا ہو گا۔ اسے تو اہل بصیرت ہی سمجھ سکتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

و آخرین منهم لما یلحقوا بهم۔ [125]

ترجمہ:۔ اور ان سے دوسرے جو ان سے نہیں ملے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس وقت ہمارے ساتھ سلمان بھی موجود تھے آپ ﷺ نے سلمان پر اپنا ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا۔

لو کان الایمان عند الثریا لناله رجال من هولاء۔ (بخاری و مسلم) [126]

ترجمہ:۔ اگر ایمان ثریا کے قریب ہوتا تو ان میں سے کچھ آدمی حاصل کر لیتے۔

یہ وہ سلمان رضی اللہ عنہ ہیں جن کی قوم کے لئے حضور ﷺ بار بار یہ بشارت فرما رہے ہیں اور فی الحقیقت حضور ﷺ کی یہ بشارتیں ان کی قوم کے حق میں قبول ہوئیں اور دنیا کی اکثر آبادی انہیں عراقین و فارسین کی تابع نظر آتی ہے۔

ابو سفیان دشمن رسول ایک بار مدینہ آتا ہے۔ اور سلمان و بلال اور صہیب رضی اللہ عنہم کے سامنے سے گزرتا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں اللہ کی تلواروں نے کیوں نہ اب تک اس دشمن خدا کی گردن اتاری۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان حضرات کو منع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم سردار قریش کے لئے ایسی بات نہ کہو۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور تمام واقعہ عرض کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر رضی اللہ عنہ کیا تو نے ان تین

شخصوں کو ناراض کر دیا ہے اگر تو نے ایسا کیا ہے تو تو نے خدا تعالیٰ کی ناراضگی مول لی ہے۔ ابو بکرؓ الٹے پاؤں ان کی خدمت میں پہنچے اور فرمایا اے میرے بھائیو کیا تم مجھ سے ناراض ہو گئے۔ ان لوگوں نے عرض کیا نہیں۔ اے ہمارے بھائی خدا آپ ؓ کی مغفرت کرے۔ سلمان کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے۔ جن سے ابو بکرؓ جیسی ہستی بھی معافی مانگتی ہے۔ اور یہ سلمان کوفہ کے روحانی پیشوا اور اس کے معمار ہیں۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چار شخصوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ خدا بھی ان سے محبت کرتا ہے اور وہ چار شخص علی' ابو ذر' مقداد اور سلمان رضی اللہ عنہم ہیں۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہر نبی کے سات رفیق اور محافظ ہوتے تھے اور مجھے چودہ (14) رفیق کار عطا کئے گئے۔

علی' حسن' حسین' حمزہ' ابو بکر' عمر' مصعب بن عمیر' بلال' سلمان' عمار' عبداللہ بن مسعود' ابو ذر' مقداد' ان چودہ حضرات میں سے علی' سلمان' عمار اور عبداللہ بن مسعود کا مقام عراق و کوفہ ہے۔ اور حسن و حسین کے قدوم سے بھی خلافت علی میں یہ زمین مشرف ہوئی۔

الغرض سلمان فارسی سرزمین کوفہ کے دوسرے معمار ہیں اور انہی کی کوششوں اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ کہ آج تک ان کی قوم کا نام روشن ہے اور ابو حنیفہ اور اہل عراق کی صورت میں حضور انور ﷺ کی بشارت تکمیل کو پہنچی۔

عبداللہ بن مسعودؓ

یہ سرزمین کوفہ کے اصلی معمار ہیں۔ حضرت عمرؓ نے انہیں تعلیم و تعلم کی غرض سے کوفہ روانہ فرمایا اور اہل کوفہ کو تحریر کیا۔ میں نے عمار بن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم و وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کے شریف ترین بدری صحابی ہیں ان کی پیروی اور اطاعت کرو۔ اور پھر خصوصیت سے عبداللہ بن مسعود کے بارے میں تحریر فرمایا۔

وقد آثرتکم بعبد اللہ علی نفسی [127]

ترجمہ:- میں نے عبداللہ کو بھیج کر اپنی جان پر تمہیں ترجیح دی ہے۔

جن کے علم قرآن و حدیث اور فقہ سے کوئی صحابی بھی مستغنی نہ تھا۔ تمام صحابہ ان سے کسب فیض کرتے تھے حتیٰ کہ بقول صاحب مشکوۃ یعنی شیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب خلفائے اربعہ بھی ان کے علوم سے بے نیاز نہ تھے وہ فرماتے ہیں۔

روی عنہ ابو بکر و عمر و عثمان و علی و من بعدھم من الصحابۃ و التابعین [128]

ترجمہ:- ان سے ابو بکر و عمر اور عثمان و علی اور ان کے بعد کے صحابہ اور تابعین نے روایت کی ہے۔

جن کے لئے عمر جیسی ہستی یہ ارشاد فرمائے۔

کنیف ملی فقھا و علما [129]

ترجمہ:- ایک چھوٹا سا تھیلا ہے جو علم و فقہ سے بھرا ہوا ہے۔

جس کا طریقہ کار اختیار کرنے اور جس کی احادیث کی تصدیق کرنے کا زبان نبوت سے یہ ارشاد ہو۔

تمسکوا بعھد ابن ام عبد [130]

ترجمہ:- ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود کے عہد کو لازم پکڑو۔

اور

ما حدثکم ابن مسعود فصدقوہ [131]

ترجمہ:- تم سے جو ابن مسعود حدیث بیان کریں اس کی تصدیق کرو۔

یہ وہ ذات گرامی ہے جس کے لئے صاحب اسرار رسول اللہ ﷺ یعنی حذیفہ بن الیمان کی زبان مبارک سے یہ الفاظ صادر ہوں۔

ان اشبہ الناس دلاً و سمتاً و ھدیاً برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابن ام عبد من حین یخرج من بیتہ الی ان یرجع الیہ لا ندری ما یصنع فی اھلہ اذا خلا۔ [132]

ترجمہ:- دلالت و ہدایت اور طریقہ کار میں نبی کریم ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ عبداللہ بن مسعود ہیں۔ جس وقت سے وہ گھر سے نکلتے ہیں اور گھر واپس جاتے ہیں (یعنی یہ باہر کی حالت ہے) اور گھر میں کیا کرتے ہیں یہ ہم نہیں جانتے۔

یہ وہ ذات ہے جسے صحابہ کرام ﷺ حضور ﷺ کے اہل بیت میں شمار کرتے تھے۔ ابو موسی اشعری ﷺ فرماتے ہیں جب ہم یمن سے آئے تو ایک مدت مدید تک اسی خیال میں رہے کہ عبداللہ بن مسعود ﷺ حضور ﷺ کے اہل بیت میں شامل ہیں۔ کیونکہ عبداللہ اور ان کی والدہ ہر وقت حضور ﷺ کی خدمت میں آتے جاتے رہتے تھے۔ بلکہ حضور انور ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا تھا اے عبداللہ ﷺ تمہیں گھر آنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں۔ تمہارے لئے ہمہ وقت اجازت ہی اجازت ہے۔ جس کے لئے یہ حکم نبوی ﷺ ہو۔

من اراد ان یقراء القرآن غضا" کما انزل فلیقراءہ علی قراءۃ ابن ام عبد۔ [133]

ترجمہ:- جو شخص قرآن ایسا پڑھنا چاہے جیسا کہ نازل ہوا ہے تو وہ ابن ام عبد کی قرات پر پڑھے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:-

خذو القرآن من اربعۃ من عبداللہ بن مسعود و سالم مولی ابی حذیفہ و ابی بن کعب و معاذ بن جبل۔ [134]

ترجمہ:- قرآن چار شخصوں سے حاصل کرو۔ عبداللہ بن مسعود، سالم مولی ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل ﷺ۔

اور جس کے لئے ارشاد ہو۔

وما اقرانکم عبداللہ فاقرؤہ [135]

ترجمہ:- اور ابن مسعود جس طرح پڑھائیں اس طرح پڑھو۔

اور جس شخص کے لئے نبی کریم ﷺ امارت کے خواہاں ہوں۔ ارشاد فرمایا:-

لو کنت مؤمرا" من غیر مشورہ لامرت علیھم ابن ام عبد۔ [136]

ترجمہ:- اگر میں بغیر مشورے کے کسی کو امیر بناتا تو ابن مسعود کو ان پر امیر بناتا۔

اور جس کی حیات میں صحابہ کرام ﷺ فتوے دینے سے گریز کرتے ہوں۔ اور سائلین اور طالبین علم کو ان کی خدمت میں جانے اور ان سے فیض حاصل کرنے کی وصیت کرتے ہوں۔ اس ذات کا مقام علمی صحابہ سے پوچھئے۔

خیثمہ بن ابی ہبیرہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار مدینہ گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دل میں دعا کی کہ خداوندا مجھے کوئی

Th-58

نیک ساتھی عطا فرما۔ خدا تعالیٰ نے مجھے وہ ساتھی ابو ہریرہ ؓ عنایت فرمائے۔ میں ان کی خدمت میں پہنچا اور ان سے عرض کیا میں نے مدینہ پہنچ کر یہ دعا کی تھی۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کی ذات کے ساتھ وہ دعا قبول فرمائی۔ ابو ہریرہ ؓ نے مجھ سے دریافت فرمایا تم کہاں سے آئے ہو۔ میں نے عرض کیا طلب علم کے لئے کوفہ سے دور دراز کا سفر کر کے مدینہ پہنچا ہوں جس پر ابو ہریرہ ؓ نے یہ جواب دیا۔

الیس فیکم سعد بن مالک مجاب الدعوہ و ابن مسعود صاحب طہور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و نعلیہ و حذیفہ صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و عمار الذی اجارہ اللہ من الشیطان علی لسان نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم و سلمان صاحب الکتابین یعنی الانجیل و القران۔ ترمذی

ترجمہ :۔ کیا تم میں سعد بن مالک موجود نہیں جو مستجاب الدعوات ہیں۔ کیا ابن مسعود موجود نہیں جو نبی کریم ﷺ کے وضو کا پانی اور جوتے اٹھایا کرتے تھے کیا حذیفہ موجود نہیں جو نبی کریم ﷺ کے رازوں کو جاننے والے ہیں۔ کیا عمار موجود نہیں جنہیں اللہ نے حضور ﷺ کی زبان مبارک کے ذریعہ شیطان سے پناہ دی کیا دو کتابوں یعنی انجیل اور قرآن والے سلمان موجود نہیں۔

ان حضرات میں سے سعد بن مالک اور سلمان کا حال اوپر گزر چکا۔ اور عمار و حذیفہ کا حال آئندہ صفحات میں آئے گا۔

علقمہ ؓ جو عبداللہ بن مسعود ؓ کے شاگردوں میں سب سے بڑا مقام رکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں میں جب شام گیا تو میں نے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا کی کہ اے اللہ مجھے کوئی نیک ساتھی عطا فرما۔ اس کے بعد میں ایک مجلس میں پہنچا۔ کچھ دیر بعد ایک شخص آیا اور میرے پہلو میں بیٹھ گیا میں نے لوگوں سے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا یہ ابو الدرداء ؓ ہیں۔ میں نے عرض کیا جب میں یہاں پہنچا تھا تو میں نے خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی جو خدا نے آپ ؓ کی صورت میں قبول فرمائی اور مجھے یہ توفیق بخشی کہ میں آپ ؓ سے کسب علم کر سکوں۔ انہوں نے دریافت فرمایا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا میں کوفے کا باشندہ ہوں۔ ابو الدرداء نے فرمایا۔

اولیس عندکم ابن ام عبد صاحب النعلین و الوسادہ و المطھرہ اولیس فیکم الذی اجارہ اللہ من الشیطان علی لسان نبیہ یعنی عمار اولیس فیکم صاحب السر

الذی لا یعلمہ غیرہ یعنی حذیفہ [138]

ترجمہ:- کیا تمہارے پاس ابن مسعود نہیں جو حضور ﷺ کے جوتے بستر اور وضو کا پانی اٹھاتے ہیں
کیا تم میں عمار موجود نہیں جنہیں اللہ نے حضور کی زبان مبارک کے ذریعے شیطان سے پناہ دی۔
اور کیا تم میں وہ حذیفہ موجود نہیں جو حضور ﷺ کے ان رازوں سے واقف تھے جن سے کوئی اور واقف نہ تھا۔

ان احادیث سے یہ امر خوب واضح ہو گیا کہ علم کا اصلی ماٰوٰی و مرجع کون کون صحابہ تھے۔ اور اتفاق سے یہ تمام صحابہ کوفہ میں سکونت پذیر تھے۔ اور ان احادیث سے عمار و حذیفہ کی فضیلت بھی ظاہر ہو گئی۔

حضرت سعد ؓ فرماتے ہیں ہم ایک بار حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اور ہم چھ آدمی تھے جن میں ایک میں خود تھا۔ ایک عبداللہ بن مسعود تھے۔ اور ایک بلال تھے۔ آپ کی خدمت میں مشرکین مکہ آئے اور کہنے لگے ان لوگوں کو پہلے یہاں سے ہٹا دیجئے۔ اس کے بعد ہم کچھ گفتگو کریں گے۔ حضور ﷺ نے ان کی تالیف قلوب اور اس تمنا کی خاطر کی شاید وہ اسلام سے مشرف ہوں ہمیں ہٹا دینے کا دل میں کچھ خیال ہی کیا تھا اور سوچ ہی رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

و لا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوہ و العشی یریدون وجھہ۔۔ [139]

ترجمہ:- اور آپ ان لوگو کو دھکے نہ دیجئے جو صبح و شام اللہ کی رضا مندی کے لئے اللہ کو پکارتے ہیں۔

حضرت سعد ؓ فخریہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگوں کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور یہ بات قابل فخر بھی تھی کہ جن لوگوں کی مدح خود خداوند عز و جل فرمائے ان کا مقام کون حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ تمام عبادات کا مقصود رضائے خداوندی ہے۔ اور جن حضرات کو دنیا ہی میں رضا کا پروانہ عطا کر دیا گیا ہو اور جن کی عبادت اور عمل کا خداوند عز و جل مقر ہو ان کا مقام فضیلت عقل و خیال سے بھی بالاتر ہے۔ حضرت سعد ؓ کا حال اوپر گزر چکا۔ حضرت معاذ ؓ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو لوگوں کو وصیت فرمائی۔

التمسوا العلم عند اربعہ عند عویمر ابی الدرداء و عند سلمان و عند ابن مسعود و عند عبداللہ السلام۔ [140]

ترجمہ :- علم چار شخصوں کے پاس تلاش کرو عویمر ابو الدرداء رضی اللہ عنہ' سلمان رضی اللہ عنہ' ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سلام کے پاس۔

علقمہ جب ابو الدرداء کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے خود عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا حوالہ دیا۔ آپ کے کچھ فضائل سلمان کے حال میں نقل کیے جا چکے ہیں' آپ کے فضائل حد و شمار سے باہر ہیں۔

آپ بنو ہذیل خاندان سے ہیں اور بنو زہرہ کے حلیف تھے۔ از روئے اسلام آپ کا چھٹا نمبر ہے۔ آپ سب سے پہلے شخص ہیں کہ جنھوں نے قریش کے مجمع میں بلند آواز سے تلاوت کلام اللہ فرمائی۔ جس کا واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں گفتگو ہوئی کہ کوئی ایسا شخص بھی ہے کہ جو قریش کو قرآن سنائے جس کے سننے سے وہ منکر ہیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کام میں کر سکتا ہوں۔ صحابہ نے جواب دیا بہتر یہ ہے کہ یہ کام کوئی ایسا شخص انجام دے جس کی کفار قریش سے کچھ نہ کچھ قرابت ہو تاکہ وہ اسے ایذا نہ پہنچا سکیں۔ لیکن عبداللہ بن مسعود نے جانے پر اصرار کیا اور خانہ کعبہ میں پہنچ کر مجمع قریش کے سامنے سورہ رحمن کی تلاوت شروع کی۔ ایک شخص نے انھیں روکا لیکن یہ باز نہ آئے اس نے ان کے گالوں پر تھپڑ مارنے شروع کئے وہ تھپڑ مارتا جاتا تھا اور یہ قرات کرتے جاتے حتی کہ پوری سورت ختم فرمائی۔ طمانچے اس قدر لگے کہ ان کے گال سرخ ہو گئے اور ان پر نشانات بن گئے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود نے تین ہجرتیں فرمائیں دو حبشہ کی جانب اور ایک مدینہ کی جانب۔ غزوہ بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ بدر میں ابو جہل کا سر انہوں نے اتارا تھا۔ اور اس کی تلوار آپ ہی کو ملی تھی۔ آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت خیال فرماتے حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں اٹھاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک' وضو کا برتن اور عصا اپنے پاس رکھتے اسی لئے صحابہ انہیں رضی اللہ عنہ صاحب المسواک' صاحب النعلین اور صاحب المطہرہ کے لقب سے یاد کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر بھی یہی درست کرتے اور اپنے پاس رکھتے اسی لئے آپ کا لقب صاحب الوسادہ بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل فرماتے تو یہ پردہ لے کر کھڑے ہو جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آمد و رفت کا یہ عالم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اجازت بھی معاف فرما دی تھی۔ حتی کہ ناواقف انہیں اہل بیت میں شمار کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طریقہ ہدایت پر چلنے کے لئے لوگوں کو حکم دیا تھا اور فرمایا تھا۔

رضیت الامتی ما رضی لها ابن ام عبد و سخطت لها ما سخط ابن ام عبد [141]

ترجمہ :- میں اپنی امت کے لئے اس بات کو پسند کرتا ہوں جو ان کے لئے ابن مسعود پسند

کریں۔ اور جسے ابن مسعود ان کے لئے ناپسند کریں میں بھی اسے ناپسند کرتا ہوں۔

صحابہ ﷡ اسی بنا پر ان کی بہت تعظیم و توقیر کرتے۔ اور علی الخصوص حضرت عمر﷜ جو ان کی رائے کے مقابلے میں اپنی رائے کو ترک فرما دیتے۔ حضرت عمر﷜ نے انھیں اہل کوفہ کی تعلیم کے لئے روانہ فرمایا اور بیت المال بھی ان کے سپرد کیا۔ حضرت عثمان ﷜ کے زمانہ میں بھی اسی خدمت پر مامور رہے۔ جب حضرت عمر﷜ نے صحابہ ﷡ کے وظائف متعین کئے اور ان کا وظیفہ بھی متعین ہوا تو انہوں نے لینے سے انکار کیا اور فرمایا اے عمر کیا تم ہمیں دنیا میں مبتلا کرنا چاہتے ہو۔

جب حضرت عثمان ﷜ نے ایک قرات پر قرآن جمع کرایا تو انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ اور فرمایا' وہ زید جس کے یہ کام سپرد کیا جا رہا ہے جب وہ بچوں کے ساتھ ننگے پھرا کرتے تھے اس وقت میں حضور ﷺ کی زبان مبارک سے ستر سے زیادہ سورتیں یاد کر چکا تھا۔ اور اسی بنا پر حکومت کی خدمت سے استعفاء دے کر مدینہ تشریف لے گئے۔ اور وہیں سنہ 32ھ یا سنہ 33ھ میں رحلت فرمائی۔ حضور انور ﷺ انھیں اپنے پاس بٹھا لیتے اور فرماتے اے عبداللہ ہمیں قرآن سناؤ۔

ام عبد آپ کی والدہ کی کنیت ہے جو مومنات مہاجرات میں سے تھیں آپ انہی کی جانب منسوب تھے۔ روایت حدیث میں بہت محتاط تھے۔ اگر کبھی زبان سے قال رسول اللہ ﷺ کے الفاظ نکل جاتے تو پریشان ہو جاتے اور آنکھوں میں آنسو جاری ہو جاتے۔ مبادا کہیں حضور ﷺ پر کوئی لفظ جھوٹ نہ نکل جائے۔ اسی لئے جب کوئی ان سے مسئلہ دریافت کرتا تو اسے اپنی جانب منسوب کرتے اور فرماتے' یہ میری رائے ہے اگر حق ہے تو اللہ کی جانب سے ہے' اور اگر غلط ہے تو میری جانب سے ہے۔ اسی لئے ان کے فتاوی کی تعداد ان کی مرویات سے بہت زیادہ ہے۔

امام نسائی نے اپنی سنن میں یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر متعین نہیں کیا اور مقاربت سے پہلے مر گیا۔ جب صحابہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تو ہر ایک نے عبداللہ ﷜ کی جانب رجوع کرنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے ان سے آ کر دریافت کیا۔ آپ لوگوں کو ایک ماہ تک ٹالتے رہے اور فرماتے رہے کہ کسی اور سے دریافت کرو۔ لیکن جب لوگوں نے شدت سے مجبور کیا تو فرمایا عورت کے لئے مہر مثل ہو گا۔ اور فرمایا اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی جانب سے ہے۔ اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی جانب سے ہے۔ خدا اور اس کے رسول اس کے ذمہ دار نہیں۔ معقل بن اسنان الا شجعی صحابی کھڑے ہوئے اور فرمایا خدا کی قسم آپ نے وہی فیصلہ کیا جو نبی کریم

ﷺ نے بروع بنت واشق الاشجعیہ کے معاملے میں کیا تھا۔ چونکہ آپ کا فتویٰ حضور ﷺ کے فتوے کے مطابق تھا۔ اس لئے آپ اس قدر خوش ہوئے کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوئے تھے۔ [142]

اور آپ کی کوششوں کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ کوفہ قراء، فقہاء و محدثین سے معمور ہو گیا۔ حتیٰ کہ آپ سے اور آپ کے شاگردوں سے فقہ حاصل کرنے والوں کی تعداد چار ہزار کے قریب تھی۔ اور دیگر صحابہ یعنی سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، حذیفہ بن الیمان، عمار بن یاسر اور ابو موسیٰ اشعری وغیرہ سے علم حاصل کرنے والوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔

تمام صحابہ اور ان سے کسب فیض کرنے والوں کو اگر آپ بنظر غائر دیکھیں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ طلاب کی یہ کثرت اور علم کے یہ بے بہا موتی تمام صحابہ کی تاریخ میں بے مثال ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسی ہستی جب کوفہ پہنچی تو وہ بھی اس اقرار پر مجبور ہوئے اور فرمایا:۔

رحم اللّٰہ ابن ام عبد قد ملا ھذہ القریہ علما" [143]

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ ابن مسعود پر رحمت نازل فرمائے انہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا ہے۔

اور جب اصحاب ابن مسعود ؓ کا علم دیکھا تو انہیں یہ تمغہ عنایت فرمایا۔

اصحاب ابن مسعود سرج ھذہ القریہ [144]

ترجمہ:۔ ابن مسعود ؓ کے شاگرد اس شہر کے چراغ ہیں۔

یہی عبداللہ ؓ اور ان کے شاگرد ہیں جن کے فتاویٰ پر اہل عراق کے فتووں کا دارومدار ہے۔ اور تمام فقہ حنفی انہی کی ذات گرامی پر گردش کرتا نظر آتا ہے۔ اور اسی باعث ہم نے ان کے حالات بالتفصیل تحریر کئے ہیں۔

عبداللہ ؓ کی ذات وہ ذات ہے جن کے مقابلے میں ابو بکر ؓ و عمر ؓ، عثمان ؓ و علی ؓ، سعد ؓ و معاذ ؓ اور حذیفہ ؓ کو تو پیش کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے مقابلہ میں ابن عمر ؓ، ابن عباس ؓ، زید بن ثابت ؓ اور عائشہ ؓ کو ہرگز پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ سب صغار صحابہ ؓ ہیں اور وہ کبار کی جماعت ہے۔ اسی لئے تو امام ابو حنیفہ ؒ نے ایک مختصر سا جملہ فرمایا ہے جو معنی سے معمور ہے۔

ان عبداللّٰہ فعبداللّٰہ [145]

ترجمہ:۔ عبداللہ تو عبداللہ ہی ہیں۔

اگر کبار صحابہ ﷺ کے علم کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ صاف نظر آئے گا کہ علم صحابہ ﷺ' بقول مسروق دو شخصوں پر منتہی ہے۔ علی ﷺ اور عبداللہ ﷺ اور اگر آپ کا ذہن اسے قبول نہ کرے تو ایک عالی نظر رکھنے والا بھی یہ پہچان لے گا کہ تین شخصوں پر علم قرآن و سنت کی انتہا ہے۔ علی ﷺ' عبداللہ ﷺ اور عمر ﷺ بقیہ حضرات سب انہی سے کسب فیض کرتے نظر آئیں گے۔

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کی نظروں میں ان کے فضائل اور عزت و توقیر کا یہ عالم ہے اور دوسری جانب ایک "بے مہاروں کی جماعت" ہے جو اس بات کی قائل ہے کہ عبداللہ بن مسعود ﷺ حضور ﷺ کی نمازوں سے واقف نہ تھے۔ کیونکہ یہ پست قد تھے۔ اور حسن اتفاق یہ کہ حضرت علی ﷺ اور سعد ﷺ بھی پست قد تھے۔ اوران سب حضرات نے تئیس سالہ زندگی حضور ﷺ کے ساتھ گزاری تھی اور پھر بھی نماز تک سے ناواقف۔ من یضلل اللہ فلا ھادی لہ☆

عمار بن یاسر العنسی رضی اللہ عنہ

مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت عمر ﷺ سے قبل اوائل بعثت میں اسلام سے مشرف ہوئے ان کے والدین بھی ان کے ساتھ ایمان لائے۔ ابو جہل اور کفار قریش نے انہیں ایمان لانے پر سخت تکلیف اور اذیتیں پہنچائیں حتیٰ کہ مشرکین مکہ انہیں آگ میں جلاتے تاکہ یہ ایمان سے پھر جائیں۔ حضور ﷺ وہاں سے گزرتے تو انہیں صبر کی تلقین کرتے اور فرماتے۔

یانار کونی برداً و سلاماً علی عمار کما کنت علی ابراہیم۔ [196]

ترجمہ:۔ اے آگ تو عمار پر ایسی ہی ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا جیسے ابراہیم پر بنی تھی۔

اور فرماتے اے آل یاسر صبر کرو تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔ ان کی والدہ ماجدہ انہیں تکالیف کے ساتھ شہید کی گئیں اور یہ راہ اسلام میں سب سے اول شہید ہیں۔ آپ مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ اور غزوہ بدر سے آخر تک حضور ﷺ کی معیت میں تمام جہادوں میں شرکت فرمائی۔ حضور عمر ﷺ نے انہیں کوفہ کا عامل بنایا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کے لئے پیشین گوئی فرمائی تھی۔

فقتلک الفئۃ الباغیہ یا عمار۔ [147]

ترجمہ:- اے عمار تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔

حضرت عمار ؓ تمام زمانہ فتنہ میں حضرت علی ؓ کے ساتھ رہے اور جنگ صفین میں امیر معاویہ کے لشکریوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ بہت سے صحابہ جو اب تک اس جنگ سے جدا تھے وہ حضرت علی ؓ کے ساتھ شریک جنگ ہوئے اور انہیں یقین آگیا کہ علی ؓ حق پر ہیں۔ ان کی شہادت کے بعد دو شخص امیر معاویہ کے پاس پہنچے اور ہر ایک نے انعام لینے کے لئے دعوی کیا کہ میں نے عمار ؓ کو قتل کیا ہے عمرو بن عاص نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا یہ دونوں دوزخ کے حصے کے لئے لڑ رہے ہیں کاش میں یہ واقعہ دیکھنے سے بیس برس قبل مرگیا ہوتا۔ ان کے فضائل بے شمار ہیں جن میں سے بعض سلمان و عبداللہ کے حالات میں گزر چکے۔

حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ ایکبار حضرت عمار ؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے اجازت دو اور فرمایا۔

مرحبا بالطیب المطیب [148]

ترجمہ:- پاک و صاف کے لئے مرحبا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا۔

اھتدوا بھدی عمار [149]

ترجمہ:- عمار کے طریقے سے ہدایت حاصل کرو۔

ایک اور حدیث میں فرمایا۔

ما خیر عمار بین امرین الا اختار اشدھما۔ [150]

ترجمہ:- جب بھی عمار دو کاموں میں سے ایک کا اختیار دیئے گئے تو انہوں نے سخت ترین کام کو پسند کیا۔

حتی کہ ایک حدیث میں ان کی ناراضگی کو خدا کی ناراضگی فرمایا۔

من عادی عمارا عاداہ اللہ و من ابغض عمارا ابغضہ اللہ [151]

ترجمہ:- جو عمار سے عداوت رکھتا ہے اللہ بھی اس سے عداوت رکھتا ہے اور جو عمار سے بغض

رکھتا ہے اللہ بھی اس سے بغض رکھتا ہے۔
حضرت عمار کے کچھ فضائل سلمان اور عبداللہ کے حالات میں گزر چکے۔ یہ ایک عرصہ تک کوفہ میں مقیم رہے اس لئے اہل کوفہ ان کے علم سے بھی مستفیض ہوئے۔

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

آپ خود بھی صحابی ہیں اور آپ کے والد بھی صحابی تھے۔ آپ کے والد کا نام حیل اور یمان لقب تھا۔ یہ غزوۂ بدر کے زمانہ میں مع اپنے والد کے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ راہ میں انہیں کفار نے پکڑ لیا اور ان سے قسم لی کہ حضور انور ﷺ کی مدد نہ کریں گے۔ جب یہ دونوں حضرات حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو اپنے پکڑے جانے اور اپنی قسم کا واقعہ حضور ﷺ سے عرض کیا۔ آپ نے انہیں قسم پر برقرار رہنے کا حکم دیا۔ اس لئے غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت کی۔

جنگ احد میں یہ خود اور ان کے والد شریک جنگ تھے۔ جب مسلمانوں میں حضور ﷺ کی شہادت سے گھبراہٹ پھیلی تو گھبراہٹ میں ان کے والد کو بھی شہید کر دیا اور یہ کہتے رہے کہ یہ میرے والد ہیں' یہ میرے والد ہیں۔ لیکن صحابہ کی گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے گھبراہٹ میں ان کی آواز تک نہ سنی۔ آپ نے قاتلوں سے اس کے علاوہ کچھ نہ کہا کہ اللہ تمہاری خطائیں معاف کرے۔

نبی کریم ﷺ نے انہیں قیامت تک پیش آنے والے تمام فتنوں سے مطلع کیا تھا حتیٰ کہ انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت تک کا علم تھا۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فتنوں کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا اے امیر المومنین آپ کو فتنوں کی کیا فکر ہے۔ اس لئے آپ کے اور فتنوں کے درمیان ایک دروازہ ہے جو بند ہے۔ عنقریب وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔ کیا واقعتا" وہ دروازہ توڑا جائے گا۔ یا کھولا جائے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں وہ توڑ دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کف افسوس مل کر فرمانے لگے کاش وہ دروازہ توڑا نہ جاتا بلکہ کھولا جاتا تاکہ شاید ہم اسے مل کر بند کر سکتے۔ بعد میں جب لوگوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا وہ دروازہ کون سا ہے جو ہمارے اور فتنوں کے درمیان حائل ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں' یعنی جس روز دنیا سے

اٹھ جائیں گے فتنوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور توڑا جانا ان کی شہادت ہے۔

نبی کریم ﷺ جب جنگ تبوک میں تشریف لے گئے تو عبداللہ بن ابی سلول منافق نے یہ سازش کی کہ راہ میں فلاں گھاٹی پر حضور ﷺ کو شہید کر دیا جائے۔ اور اتفاق سے وہاں سے ایک آدمی سے زیادہ کا گزر ممکن نہ تھا۔ جب حضور ﷺ اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو آپ نے آواز دی اے حذیفہ ؓ' اے عبداللہ ادھر آؤ' تم میں سے ایک میرے پیچھے رہے اور ایک آگے۔ اور اس وقت حضور ﷺ نے حذیفہ ؓ سے ایک ایک منافق کا حال نام بنام بیان کیا اور فرمایا اے حذیفہ ؓ یہ بات کسی کو بتانا نہیں۔ اس طرح حذیفہ ؓ تمام منافقین سے واقف تھے۔ اسی لئے جس کی نماز جنازہ میں حذیفہ ؓ شریک نہ ہوتے حضرت عمر ؓ بھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھتے۔ اور سب کو یہ یقین ہو جاتا کہ یہ منافق تھا۔

ایک دفعہ حضرت عمر ؓ نے حذیفہ ؓ کو بلایا اور دریافت کیا کہ بتاؤ میرے متعین کردہ حاکموں میں کوئی منافق تو نہیں ہے۔ حذیفہ ؓ نے فرمایا ہاں موجود ہے۔ حضرت عمر ؓ نے دریافت کیا وہ کون ہے؟ حذیفہ ؓ نے فرمایا مجھے نام بتانے کی ممانعت ہے۔حذیفہ ؓ فرماتے ہیں عمر ؓ نے اگلے روز اپنی فراست سے اس شخص کو معزول کر دیا۔

جب حضرت سعد ؓ کو فتوحات عراق پر مامور کیا گیا تو حذیفہ ؓ بن الیمان بھی ان کے ساتھ عراق تشریف لے گئے اور جہاد میں مصروف رہے۔ فتح مدائن کے بعد حضرت سعد ؓ نے حضرت عمر ؓ کو وہاں کی آب و ہوا کی ناسازگاری کے بارے میں تحریر کیا۔ جس پر حضرت عمر ؓ نے حذیفہ ؓ اور سلمان فارسی ؓ کو اس کام پر مامور کیا کہ ایسی زمین تلاش کرو جو بری و بحری ہر دو حیثیتیں رکھتی ہو۔ تاکہ فوج وہاں مقیم ہو۔ حذیفہ ؓ اور سلمان ؓ نے سرزمین کوفہ کو پسند کیا۔ اس طرح سعد بن ابی وقاص ؓ' حذیفہ بن الیمان ؓ اور سلمان فارسی ؓ کے متبرک ہاتھوں سے کوفہ عالم وجود میں آیا جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

حضرت عمر ؓ نے انہیں مدائن کا گورنر منتخب فرمایا اور یہ تا وفات اسی عہدے پر برقرار رہے۔ حتیٰ کہ سنہ 35ھ میں اوائل خلافت علی میں رحلت فرمائی۔

آپ صاحب اسرار رسول اللہ ﷺ کے لقب سے موسوم تھے۔ آپ سے احادیث روایت کرنے والے بے شمار ہیں لیکن ان میں خاص خاص لوگ حضرت عمر ؓ' حضرت علی ؓ اور ابو الدرداء ؓ وغیرہ ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کی فضیلت میں ارشاد فرمایا تھا۔

ما حدثکم حذیفہ فصدقوہ۔

ترجمہ:- حذیفہ ﷺ جو تم سے حدیث بیان کریں اس کی تصدیق کرو۔

آپ کے کچھ فضائل ابن مسعود کے ساتھ گزر چکے ہیں۔ اس لئے اسی قدر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو الحسن اور ابو تراب القرشی ہے۔ آپ حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپ بچوں میں سب سے قبل اسلام سے مشرف ہوئے۔ حضور ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ صرف تبوک سے غیر حاضر تھے۔ اس میں حضور ﷺ نے مدینہ پر انہیں اپنا جانشین متعین فرمایا تھا' جس پر منافقین نے انہیں غیرت دلائی شروع کی اور کہا حضور ﷺ تمہیں کمزور سمجھ کر چھوڑ گئے ہیں۔ یہ مدینہ سے چل کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور تمام واقعہ عرض خدمت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

یا علی انت منی بمنزلہ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی

ترجمہ:- اے علی تو میری جگہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہارون موسی کی جگہ تھے۔ مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

غزوہ بدر میں جن حضرات کو نبی کریم ﷺ نے کفار کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ ان میں ایک آپ بھی تھے اور ولید بن مغیرہ کے قاتل آپ ہی ہیں۔ آپ کے فضائل حد و شمار سے باہر ہیں جن سے دنیا واقف ہے۔

آپ حضرت عثمان غنی ﷺ کے بعد 18 ذی الحجہ سنہ 35ھ میں جمعہ کے روز خلیفہ منتخب ہوئے۔ اور کوفہ کو آپ نے اپنا دار الخلافہ بنایا۔ اور وہیں عبدالرحمن بن ملجم خارجی کے ہاتھوں 18 رمضان سنہ 40ھ میں جمعہ کی صبح کو زخمی ہوئے اور تین دن بعد شہادت فرمائی۔ آپ کو حسن و حسین اور عبداللہ بن جعفر ﷺ نے غسل دیا۔

ہم نے عمداً" حضرت علی ﷺ کے حالات تفصیلاً" ذکر نہیں کئے جس کی چند وجوہات ہیں۔

اولاً" حضرت علی ﷺ کے حالات سے دنیا واقف ہے۔ لیکن سابقہ حضرات کے حالات سے عوام واقف نہیں اس لئے ہم نے ان کے حالات کچھ تفصیلاً" تحریر کئے۔ اگرچہ ان حضرات میں سے ہر ایک کے حالات زندگی کے لئے ایک

کتاب درکار ہے۔ علی الخصوص حضرت علی ؓ کے لئے۔

ثانیاً" حضرت علی ؓ کے حالات اردو کی بہت سے کتابوں میں تفصیلاً" و مجملاً" مذکور ہیں۔ لیکن بقیہ حضرات کے حالات کالعدم ہیں اس لئے ضروری تھا کہ ان کے کچھ حالات تفصیلاً" نقل کئے جاتے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت علی ؓ کے حالات سے عوام و خواص سب واقف ہیں لیکن دیگر حضرات کے حالات سے بجز خواص کے کوئی واقف نہیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اولاً" باعتبار رتبہ حضرت علی ؓ کا ذکر کرتے اور اس کے بعد دیگر صحابہ کا۔ لیکن ہم نے کوفہ میں صحابہ کی آمد کو بالترتیب ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ اور چونکہ حضرت علی ؓ سابقہ حضرات کے بعد کوفہ پہنچے اسی بناء پر ہم نے حضرت علی ؓ کا بعد میں ذکر کیا۔

عبداللہ بن مسعود ؓ اور دیگر صحابہ ؓ کی سعی و کوشش سے کوفہ میں جو علم کا دریا بہ رہا تھا حضرت علی ؓ کی آمد نے اس میں ایک گونہ اضافہ کر دیا۔ اہالیان کوفہ جو عبداللہ ؓ اور دیگر صحابہ کے تربیت یافتہ تھے اب انہوں نے حضرت علی ؓ کی ہم نشینی اختیار کی' جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ باعتبار علم و فضل کوفہ مدینہ و مکہ پر بھی گویا سبقت لے گیا اور مدینہ میں صغار صحابہ ؓ باقی رہ گئے۔ حضرت علی ؓ کی آمد کے ساتھ دیگر صحابہ ؓ بھی کوفہ پہنچے اور ان کے علوم سے بھی اہل کوفہ فیضیاب ہوئے' مثلاً عبداللہ بن عباس ؓ' حسن بن علی ؓ' حسین بن علی ؓ وغیرہ اس طرح مدینہ کا علم خود بخود چل کر اہل کوفہ کے پاس پہنچ گیا۔

ان صحابہ ؓ کے حالات زندگی اور ان کے علم و فضل سے کوفہ کی علمی قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ تاہم اب بھی ہم چند اور معروف صحابہ کا بھی مجملاً" اور مختصراً" تذکرہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ قارئین کرام اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ مستفیض ہو سکیں اور انہیں فقہ حنفیہ کی بنیاد کا کلی طور پر علم ہو جائے۔ ورنہ کوفہ میں قیام کرنے والے صحابہ کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی۔ اگر ان سب کی سیرت پر تبصرہ کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں درکار ہیں۔ اور اگر ان کے ساتھ پورے اہل عراق کو شامل کر لیا جائے یا ان اصحاب کے حالات بھی درج کئے جائیں جو عارضی طور پر کوفہ میں آ کر رہے تو یہ ایک اچھی خاصی پوری تاریخ ہوگی۔ کاش خدا تعالیٰ اس امر کی کسی کو توفیق عطا فرمائے۔

دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بن عبداللہ الطائی:۔ مشہور سخی حاتم طائی۔
مشہور سخی حاتم طائی کے صاحبزادے ہیں سنہ 9ھ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ زمانہ ردت میں انہوں نے اپنی قوم کو ارتداد سے روکے رکھا اور زکوٰۃ لے کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ اپنے باپ کی طرح نہایت سخی و جواد تھے۔ خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں برابر جہاد میں مصروف رہے۔ فتوحات عراق میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ جمل و صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر رہے۔ کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اور سنہ 68ھ میں وہیں پر وفات پائی۔ ایک سو بیس برس کی عمر ہوئی۔ شکار کے اکثر مسائل انہی سے مروی ہیں۔

عدی بن عمیرہ الکندی الحضرمی رضی اللہ عنہ:۔ یہ بھی صحابی ہیں کوفہ میں سکونت پذیر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ چھوڑ کر جزیرہ چلے گئے۔ اور وہیں سنہ 40ھ میں انتقال فرمایا۔

جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند ماہ قبل اسلام سے مشرف ہوئے۔ حجۃ الوداع میں حاضر تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے فرمایا تھا یہ ہمارے اہل بیت ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کے قبیلے کا سردار کر کے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ فتوحات عراق پر روانہ کیا۔ فتوحات عراق کے بعد کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ اور وہیں سنہ 51ھ میں انتقال فرمایا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انعام کے طور پر ایک عصا دیا تھا کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان جنت ہو گا۔ یہ عصا ان کے ساتھ دفن کیا گیا۔ آپ کثیر الروایت صحابی ہیں۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ:۔ مشہور کثیر الروایت صحابی ہیں آپ کی کنیت ابو عبداللہ العامری ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہیں۔ کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں سنہ 64ھ میں وفات پائی۔

ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ:۔ ان کا نام وہب بن عبداللہ العامری ہے۔ صغار صحابہ میں سے ہیں۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں سنہ 74ھ میں انتقال فرمایا۔

سعید بن زید العدوی رضی اللہ عنہ:۔ آپ کی کنیت ابو الاعور ہے۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی

تھے۔ اور یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا سبب بنے تھے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ فتوحات شام و عراق میں بھی شریک رہے۔ اور ایک عرصہ دراز تک کوفہ میں اقامت کی اور سنہ 51ھ میں کوفہ یا عقیق میں انتقال کیا۔

اشعث بن قیس بن معدیکرب رضی اللہ عنہ۔ آپ کی کنیت ابو محمد الکندی ہے۔ یہ بنو کندہ کے سردار تھے۔ سنہ 10ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد لے کر حاضر ہوئے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی اور سنہ 40ھ میں وہیں انتقال کیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

براء بن عازب الانصاری الحارثی رضی اللہ عنہ۔ آپ کی کنیت ابو عمار ہے۔ صحابی بن صحابی ہیں۔ غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک تھے۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں فتح رے اور عسکر میں شریک رہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کی۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی اور سنہ 72ھ میں وفات پائی۔

ابو بردہ ہانی بن نیار البلوی رضی اللہ عنہ۔ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ عقبہ ثانیہ' بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ سنہ 41ھ میں وفات پائی۔

ایمن بن فریم الاسدی رضی اللہ عنہ۔ صحابی ہیں ان کے والد و چچا بھی صحابی تھے۔ کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ۔ ان کے والد کا نام علقمہ بن قیس الاسلمی ہے۔ وہ بھی صحابی تھے۔ دونوں باپ بیٹے صلح حدیبیہ' خیبر اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے پھر کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ اور عبداللہ نے سنہ 87ھ میں انتقال کیا۔ کوفہ کے صحابہ میں سب سے آخر میں ان کا انتقال ہوا۔

اعز بن یسار المزنی رضی اللہ عنہ۔ صحابی ہیں اعز الجہنی بھی کہا جاتا ہے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ اعز المازنی کے لقب سے بھی مشہور ہیں۔ ان سے ابن عمر اور معاویہ بن قرہ نے روایت کی ہے۔

بدیل بن ورقاء۔ یہ خود بھی صحابی ہیں۔ ان کے صاحبزادے عبداللہ بھی صحابی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ۔ صحابی ہیں۔ ایک عرصہ تک کوفہ میں سکونت پذیر رہے۔ پھر بصرہ منتقل ہو گئے۔ اور سنہ 64ھ میں وفات پائی۔

حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ:۔ حجۃ الوداع میں شریک تھے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔

حارثہ بن وہب الخزاعی رضی اللہ عنہ:۔ صحابی ہیں ان کی والدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

ابو رمثہ بن رفاعہ رضی اللہ عنہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مع اپنے والد کے حاضر ہوئے۔ دونوں حضرات نے کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ:۔ ان کی کنیت ابو عمرو الانصاری الخزرجی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سترہ غزوات میں شرکت کی۔ کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی شریک تھے۔ سنہ 66ھ یا سنہ 68ھ میں وفات پائی۔

زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ:۔ صلح حدیبیہ میں شریک تھے۔ فتح مکہ میں اپنے قبیلے کے علمبردار تھے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی اور سنہ 78ھ میں پچاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

زاہر بن الاسود الاسلمی رضی اللہ عنہ:۔ صلح حدیبیہ اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ وفات کا حال معلوم نہیں۔

سعید بن العاص القرشی:۔ سنہ 0ھ میں پیدا ہوئے۔ قریش کے شرفاء میں ان کا شمار تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمع قرآن میں شامل تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا گورنر بنایا۔ طبرستان کے فاتح یہی ہیں۔ سنہ 59ھ میں وفات پائی۔

سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ:۔ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ سنہ 3ھ میں پیدا ہوئے ان کا شمار صغار صحابہ میں ہے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ اور وہیں انتقال ہوا۔

زیاد بن لبید الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ:۔ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ مدینہ سے مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ ہجرت کے بعد پھر مدینہ ہجرت کر کے آئے۔ یہ اکیلے انصاری مہاجر صحابی ہیں۔ غزوہ بدر اور تمام غزوات میں شریک تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی حضرموت کا عامل بنایا۔ یہ فقہائے صحابہ میں سے تھے۔ کوفہ

میں سکونت اختیار کی اور سنہ 41ھ میں وہیں وفات پائی۔

سعید بن حرث القرشی المخزومی رضی اللہ عنہ۔ حضور کے ساتھ فتح مکہ میں حاضر تھے۔ کوفہ میں سکونت پذیر اور وہیں وفات پائی۔

سہل بن حنیف الانصاری الاوسی رضی اللہ عنہ۔ بدر و احد اور تمام مشاہد میں حاضر رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں مدینہ پر اپنا قائم مقام بنایا پھر فارس کے والی بنائے گئے۔ کوفہ میں سنہ 38ھ میں انتقال فرمایا۔

سلیمان بن صرد الخزاعی رضی اللہ عنہ۔ انتہائی فاضل و عابد صحابی تھے۔ بنیاد کوفہ کے وقت کوفہ آ کر آباد ہوئے۔

سلمہ بن قیس الاشجعی رضی اللہ عنہ۔ یہ بھی کوفہ میں سکونت پذیر تھے۔

سالم بن عبید الاشجعی رضی اللہ عنہ۔ ان کا اہل صفہ میں شمار ہے۔ کوفہ میں سکونت پذیر تھے۔

سوید بن قیس رضی اللہ عنہ۔ ان کی کنیت ابو سفیان ہے۔ صحابی ہیں۔ انہوں نے بھی کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

شداد بن الہاد اللیثی رضی اللہ عنہ۔ غزوہ خندق اور اس کے بعد تمام غزوات میں حاضر رہے۔ ان کی بیوی سلمٰی بنت عمیس ام المومنین میمونہ اور اسماء بنت عمیس کی بہن تھیں۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

شکل بن حمید رضی اللہ عنہ۔ بنو عبس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

صفوان بن عسال المرادی رضی اللہ عنہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ غزوات میں شرکت کی۔ ان کا اہل کوفہ میں شمار ہے۔

طارق بن شہاب البجلی رضی اللہ عنہ۔ حضور کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جہاد میں مصروف رہے۔ یہ بھی اہل کوفہ میں شمار ہیں۔

عثمان بن حنیف الانصاری رضی اللہ عنہ۔ غزوہ احد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے اور بقول ترمذی بدر میں بھی حاضر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں عراق کی پیمائش پر مقرر کیا تھا۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

عبدالرحمن بن ربزی الخزاعی رضی اللہ عنہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے خراسان کے عامل رہے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

عبدالرحمن بن عمر رضی اللہ عنہ:۔ صحابی ہیں۔ کوفہ میں مقیم تھے۔

عبداللہ بن یزید الخطمی الانصاری رضی اللہ عنہ:۔ حدیبیہ میں حاضر تھے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے امیر رہے۔ امام شعبی الکوفی ان کے کاتب تھے۔

عروہ بن ابی الجعد رضی اللہ عنہ:۔ صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک بار بکری خرید کر لانے کے لئے ایک دینار دیا۔ انہوں نے ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں۔ پھر ایک بکری ایک دینار میں فروخت کر دی۔ اور حضور رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بکری مع دینار لے کر حاضر ہوئے۔ انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وعظ کہنے کے لئے کوفہ روانہ کیا تھا۔

عمرو بن حارث الخزاعی رضی اللہ عنہ:۔ ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ یعنی حضور رضی اللہ عنہ کے سالے۔ ان کا شمار اہل کوفہ میں ہے۔

عمرو بن حریث القرشی المخزومی رضی اللہ عنہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لئے دعائے برکت فرمائی۔ کوفہ میں سکونت پذیر تھے۔

عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ:۔ ثقفی ہیں۔ کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

عقبہ بن عمرو ابو مسعود الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ:۔ مشہور صحابی ہیں۔ عقبہ ثانیہ' بدر اور تمام غزوات میں شریک تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے وقت انہیں کوفہ کا اپنا قائم مقام کیا تھا۔ سنہ 40ھ میں وفات پائی۔

عطیہ القرظی رضی اللہ عنہ:۔ یہ وہ صحابی ہیں جو قریظہ کے واقعہ میں قتل ہونے سے بچ گئے تھے اور قید ہو کر مدینہ آئے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

عبید بن خالد السلمی رضی اللہ عنہ:۔ مہاجر صحابی ہیں۔ کوفہ میں سکونت پذیر تھے۔

عبداللہ بن مطیع القرشی العدوی رضی اللہ عنہ:۔ صغیر صحابی ہیں۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے امیر تھے۔

عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ:۔ ان کی کنیت ابو موسیٰ ہے۔ اوائل بعثت میں ایمان سے مشرف ہوئے۔ اور فتح خیبر کے وقت ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ ان کے فضائل بے شمار ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے کچھ عرصہ کوفہ کے

والی رہے۔ ان کے شمار بلحاظ عمر و علی کے ساتھ ہے۔ حضرت علی ﷜ کے زمانہ میں کوفہ میں گوشہ نشینی اختیار کی۔

عمرو بن الحمق الخزاعی ﷜:۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام سے مشرف ہوئے۔ کچھ عرصہ تک کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

فجیع بن عبداللہ البکائی العامری ﷜:۔ اپنی قوم کا وفد لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

فروہ بن مسیک المرادی ﷜:۔ سنہ 9ھ میں وفد کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے انہیں صدقات کا عامل بنایا تھا۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

قیس بن غرزہ الغفاری ﷜:۔ صحابی ہیں۔ کوفہ میں سکونت پذیر تھے۔

ابو قتادہ الانصاری ﷜:۔ ان کا نام حارث بن ربعی ہے۔ یہ فارس رسول اللہ کے لقب سے ممتاز تھے۔ کوفہ میں انتقال کیا۔

قرظہ بن کعب الانصاری الخزرجی ﷜:۔ احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں حاضر رہے۔ حضرت علی ﷜ نے انہیں کوفہ کا امیر مقرر کیا تھا۔ حضرت علی ﷜ کی خلافت میں کوفہ میں وفات پائی۔

لبید بن ربیعہ العامری ﷜:۔ بنو کلاب کے وفد کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ مشہور سبعہ معلقہ کے شاعر ہیں۔ سنہ 41ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

ثعلبہ بن مالک الثعلبی ﷜:۔ صحابی ہیں۔ کوفہ میں سکونت پذیر تھے۔

مالک بن التیہان ﷜:۔ عقبہ اولیٰ میں شریک تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں نقیب متعین فرمایا تھا۔ بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے۔ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

مجمع بن جاریہ الانصاری ﷜:۔ حضور کی حیات میں اکثر قرآن یاد کر چکے تھے۔ حضرت عمر ﷜ نے انہیں تعلیم قرآن کے لئے کوفہ روانہ فرمایا تھا۔

محمد بن حاطب الحارث ﷜:۔ ان کے والدین ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے تھے۔ یہ راہ ہی میں کشتی پر پیدا

ہوئے۔ حضرت جعفر کی بیوی اسماء بنت عمیس نے دودھ پلایا۔ اس طرح حضور ﷺ ان کے رضاعی چچا ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ یہ سب سے پہلے شخص ہیں جن کا نام حضور ﷺ کے نام پر رکھا گیا۔ سنہ 74ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

مخارق بن سلیم الشیبانی ؓ:۔ صحابی ہیں ان کا شمار بھی اہل کوفہ میں ہے۔

مخنف بن سلیم العامدی ؓ:۔ حجۃ الوداع میں حاضر تھے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ حضرت علیؓ کی جانب سے اصفہان کے والی رہے۔ سنہ 74ھ میں شہید ہوئے۔

مزیدہ بن جابر ؓ:۔ ایک عرصہ تک کوفہ کے قاضی رہے۔

مستورد بن شداد الفہری القرشی ؓ:۔ صحابی بن صحابی ہیں۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ فتح مصر میں بھی شریک رہے۔ سنہ 45ھ میں وفات ہوئی۔

مطر بن عکامس السلمی ؓ:۔ صحابی ہیں۔ کوفہ میں سکونت پذیر تھے۔ ترمذی میں ان کی روایت موجود ہے۔

معقل بن سنان الاشجعی ؓ:۔ فتح مکہ اور غزوہ حنین میں حاضر تھے۔ اور اپنے قبیلہ کے علمبردار تھے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ ذی الحجہ سنہ 63ھ میں شہید ہوئے۔

مغیرہ بن شعبہ الثقفی ؓ:۔ مشہور عقلائے روزگار میں سے تھے۔ غزوہ خندق اور اس کے بعد تمام غزوات میں حاضر رہے حضرت سعد ؓ کے ساتھ جنگ فارس میں شریک تھے۔ حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں کچھ عرصہ کوفہ کے والی رہے۔ پھر ایک عرصہ تک حضرت عثمان ؓ کے زمانہ میں بھی والی رہے۔ سنہ 41ھ میں امیر معاویہ کی جانب سے کوفہ کے والی متعین ہوئے۔ اور تا وفات یعنی سنہ 50ھ تک اس عہدے پر برقرار رہے۔

مہاجر بن خالد بن ولید ؓ:۔ حضرت خالد ؓ کے صاحبزادے ہیں۔ صغار صحابہ میں ان کا شمار ہے۔ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

معن بن یزید بن اخنس السلمی ؓ:۔ یہ خود اور ان کے باپ اور دادا تینوں صحابی ہیں۔ یہ جنگ بدر میں حاضر تھے۔ اہل کوفہ میں ان کا شمار ہے۔

مرداس بن مالک السلمی رضی اللہ عنہ۔ بیعت رضوان میں شریک تھے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

مطلب بن ابی وداعہ السہمی القرشی رضی اللہ عنہ۔ فتح مکہ کے روز اسلام لائے۔ کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

نعمان بن بشیر الانصاری رضی اللہ عنہ۔ انصار میں ہجرت نبوی کے بعد سب سے قبل یہی پیدا ہوئے۔ یہ خود بھی صحابی ہیں اور ان کے والدین بھی صحابی ہیں۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ کچھ عرصہ امیر معاویہ کی جانب سے کوفہ کے والی رہے۔

نعمان بن عمرو بن مقرن المزنی رضی اللہ عنہ۔ یہ قبیلہ مزینہ کا چار سو آدمیوں کا وفد لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں نہاوند کی جنگ پر مامور کیا۔ اور عین فتح کے بعد جام شہادت نوش کیا۔

ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص الزہری رضی اللہ عنہ۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں اپنے چچا کے ساتھ جنگ فارس میں شریک تھے۔ ان کا اہل کوفہ میں شمار ہے۔

وابصہ بن معبد الاوسی رضی اللہ عنہ۔ ان کی کنیت ابو شداد ہے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ۔ ان کی کنیت ابو وہب القرشی ہے۔ ماں کی جانب سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ فتح مکہ کے روز اسلام سے مشرف ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا گورنر بنایا تھا۔

یزید بن الاسود السوائی رضی اللہ عنہ۔ صحابی ہیں۔ ان کی روایات اہل کوفہ میں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ یہ خود طائف میں سکونت پذیر تھے۔

وائل بن حجر الحضرمی الکندی رضی اللہ عنہ۔ یمن کے سردار تھے۔ حضر موت کے بادشاہوں کی اولاد سے تھے۔ جب یہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو حضور ﷺ نے انہیں ممبر پر چڑھایا اور فرمایا یہ سردار وائل ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں آیا ہے۔ حضور ﷺ نے انہیں کچھ زمینیں عطا کی تھیں۔ اور قبضہ دلانے کے لئے امیر معاویہ کو ساتھ کیا۔ جب معاویہ ان کے ساتھ اونٹ پر سوار ہونے لگے تو انہوں نے فرمایا کہ تم بادشاہوں کے ساتھ بیٹھنے کے لائق نہیں۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

یعلی بن مرہ الثقفی رضی اللہ عنہ۔ بیعت رضوان میں شریک تھے اور اس کے بعد تمام غزوات میں حاضر رہے۔ اہل کوفہ

میں شمار ہوتے ہیں۔

ہلب الطائی رضی اللہ عنہ:- فتح مکہ کے روز اسلام لائے۔ یہ گنجے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا جس کی برکت سے لمبے لمبے بال نکل آئے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

یہ ان صحابہ کا مختصر سا خاکہ ہے جنہوں نے کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ اور جن کے علوم سے اہل کوفہ فیض یاب ہوئے۔

نوٹ:- کل صحابی کوفہ 1500- بدری صحابی کوفہ 24- شریک بیعت رضوان کوئی صحابی 300-

شہر پیدائش امام اعظم

آپ کا مولد کوفہ ہے۔ اس وقت کوفہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ علامہ کوثری نے نصب الرایہ کے مقدمہ میں کوفہ کا تعارف اس طرح کرایا ہے۔

> کوفہ عہد فاروقی سنہ 17ھ میں بحکم امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تعمیر کیا گیا۔ اور اس کے اطراف میں فصحائے عرب آباد کئے گئے اور سرکاری طور پر یہاں کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا۔ ان کی علمی منزلت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا: "ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجھے یہاں خاص ضرورت تھی، لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھتے ہوئے ان کو بھیج رہا ہوں"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخر وقت تک لوگوں کو قرآن پاک اور مسائل دینیہ کی تعلیم دی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس جدوجہد اور کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس شہر میں چار ہزار علماء اور محدثین پیدا ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو اس شہر کے علمی ماحول کو دیکھ کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ بھلا کرے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہ انہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا"۔ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ یہاں ایسے تھے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کوفہ کا کوئی آدمی مسئلہ دریافت کرتا تو فرماتے: "کیا تمہارے یہاں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نہ تھے جو

یہاں دریافت کرنے آئے"۔ اسی کوفہ میں مشہور تابعی "امام شعبی" رہتے تھے۔ ان کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "باوجودیکہ ہم غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک رہے لیکن ان کی یادداشت جتنی ان کو ہے ہم کو نہیں"۔ حضرت ابراہیم نخعی کا قیام بھی کوفہ ہی میں رہا ان کے بارے میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اصحاب نقد کے نزدیک ان کے مراسیل صحیح سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ پایا ہے۔ ابو عمران نے ان کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ: "ابراہیم نخعی اپنے زمانے کے تمام علماء سے افضل ہیں"۔ سنہ 95ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو ابو عمران نے ایک شخص سے کہا کہ آج تم نے سب سے زیادہ فقیہ انسان کو سپرد خاک کر دیا ہے' اس نے کہا کیا حسن بصری" سے بھی زیادہ ! فرمایا بلکہ تمام اہل بصرہ اور اہل کوفہ' اہل شام' اہل حجاز سے بھی زیادہ

کوفہ کی علمی قدر و منزلت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس شہر میں پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کا قیام رہا ہے جن میں ستر اصحاب بدری تھے علاوہ ازیں حضرت علقمہ کا قیام بھی اسی شہر میں تھا۔ رامہرمزی نے اپنی کتاب الفاصل میں قابوس سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ اصحاب رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر حضرت علقمہ کے پاس جایا کرتے ہیں اور یہ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ فرمایا جان پدر! میں خود ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو مسائل دریافت کرنے کے لئے آتے جاتے دیکھتا ہوں۔

قاضی شریح یہاں کے مشہور قاضی رہ چکے ہیں ان کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے' شریح اٹھو! اور فیصلہ کرو! کیونکہ تم عرب میں سب سے بڑھ کر قاضی ہو۔ ان کے علاوہ 33 حضرات اور بھی یہاں رہتے تھے جو اصحاب رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اصحاب فتویٰ تھے

اس دور کے بعد ان حضرات کے شاگردوں کا زمانہ آتا ہے ان کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز تھی۔ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ دیر جماجم میں حجاج سے جنگ کرنے کے لئے تنہا عبدالرحمن ابن الاشعث کے ساتھ چار ہزار کی تعداد میں قراء تابعین تھے۔ رامہرمزی انس بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں کوفہ پہنچا تو اس وقت وہاں چار ہزار محدثین اور چار سو فقہاء موجود

تھے۔ عفان بن مسلم سے روایت ہے کہ جب ہم کوفہ پہنچے تو وہاں ہم نے چار ماہ قیام کیا حدیث کا وہاں اس قدر چرچا تھا کہ اگر ہم حدیثیں لکھنا چاہتے تو ایک لاکھ لکھ سکتے تھے۔ لیکن ہم نے صرف 50 ہزار پر اکتفا کیا اور یہ حدیثیں وہ ہیں جو جمہور کے نزدیک مسلم ہیں۔

کوفہ کی اس مختصر علمی اور تاریخی داستان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ حدیث اور رجال کی کتابوں میں بیشتر راوی کوفہ ہی کے کیوں ہیں؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں متعدد بار حدیث حاصل کرنے کوفہ گیا ہوں۔ اہل کوفہ کی علمیت سے متاثر ہو کر امام ترمذی نے اکثر جگہ اہل کوفہ کے مذہب کا ذکر کیا ہے۔ یہی شہر امام صاحب کا مولد ہے جہاں سے ہمیشہ علوم نبوت کی نشر و اشاعت ہوئی ہے۔ لہٰذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حنفی فقہ احادیث کے خلاف ہے یا محض قیاس پر مبنی ہے وہ ان مشہور تاریخی حقائق پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

امام صاحب نے اپنے زمانہ میں کوفہ کا کوئی تابعی اور صحابی ایسا نہیں چھوڑا جس سے ملاقات نہیں کی۔ پھر آپ سے بہت سے تابعین نے روایات نقل کی ہیں۔

فقہاء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

اس بات میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرف صحبت نبوی کے فیض اور برکت سے سب سے عادل، ثقہ، متقی، خدا پرست اور پاکباز تھے مگر فہم قرآن، تدبر حدیث اور تفقہ فی الدین میں سب یکساں نہ تھے بلکہ اس لحاظ سے ان کے آپس میں مختلف درجات اور متفاوت مراتب تھے۔ چنانچہ امام مسروق رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ 63ھ جو الامام الفقیہ اور احد العلام تھے، تذکرہ الحفاظ جلد 1، ص 46) فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فیض صحبت اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ان سب کا علم سمٹ سمٹا کر چھ بزرگوں کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، پھر میں نے ان چھ حضرات سے شرف صحبت حاصل کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ختم ہو گیا ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت نقل کی ہے' اس میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا ہے[1] و سکت عنہ الحاکم رحمۃ اللہ علیہ ثم الذہبی رحمۃ اللہ علیہ)

اور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ 103ھ) جو امام' حافظ' فقیہ' متقن اور علامہ التابعین تھے[2] کا بیان ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دینی مسائل کے بارے میں فیصلہ صادر کرنے والے چھ حضرات تھے۔ مدینہ طیبہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ ہے[3]

حافظ ابن القیم الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی سنہ 751ھ) لکھتے ہیں کہ امت مرحومہ میں بالعموم دین فقہ اور علم اصحاب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' اصحاب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' اصحاب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور اصحاب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پھیلا ہے۔ اہل مدینہ کا علم اصحاب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور اصحاب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اور اہل مکہ کا علم اصحاب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پھیلا ہے۔

و اما اہل العراق فعلمہم عن اصحاب عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ

ترجمہ :- اور اہل عراق کا علم اصحاب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے توسط سے پھیلا ہے۔

اور نواب صدیق حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ 1307ھ) لکھتے ہیں کہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دین' علم اور فقہ کی اشاعت ہوئی ہے ان میں حضرات ابن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے[4]

مولانا مبارک پوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ 1353ھ) لکھتے ہیں کہ دینی مسائل کی ترویج و اشاعت کے لحاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تین طبقات ہیں۔ پہلا طبقہ وہ ہے جس سے مسائل کی ترویج تو ہوئی ہے مگر نسبتاً کم اور دوسرا طبقہ متوسط رہا ہے اور تیسرا طبقہ وہ ہے جس سے دین کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی ہے' ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں[5]

عاصم الاحول رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھے اہل کوفہ' بصرہ اور حجاز کی حدیثوں کا امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا

کوئی عالم معلوم نہیں ہے[15] محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد کے سامنے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ابو حصین رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا ایضاً[16] ص 76- علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ و ھو اکبر شیخ لابی حنیفہ کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے شیخ اور استاد یہی تھے) کا ارشاد ہے کہ:۔

> كان الفقهاء بعد اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بالكوفه فى اصحاب عبدالله بن مسعود رضى الله عنه[17]

ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد فقہاء کا طبقہ کوفہ میں اصحاب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں بٹا ہوا تھا۔

اور پھر ان کے نام یہ بیان کئے ہیں۔ علقمہ رحمۃ اللہ علیہ، عبیدہ بن قیس المرادی رحمۃ اللہ علیہ، شریح بن الحارث الکندی رحمۃ اللہ علیہ اور مسروق بن اجدع الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ۔

اور امام ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب جو قرآن پڑھتے پڑھاتے اور جن کی رائے پر لوگ مطمئن ہو کر تشفی حاصل کرتے تھے، یہ چھ حضرات تھے، علقمہ رحمۃ اللہ علیہ، اسود رحمۃ اللہ علیہ، مسروق رحمۃ اللہ علیہ، عبید رحمۃ اللہ علیہ، عمرو رحمۃ اللہ علیہ بن شرجیل رحمۃ اللہ علیہ اور الحارث رحمۃ اللہ علیہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ۔

اور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ ہی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ:۔

> ما كنت اعرف فقهاء الكوفه الا اصحاب عبدالله[18]

ترجمہ:۔ میں کوفہ میں اصحاب عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کے سوا اور کسی کو فقہاء نہیں جانتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اصحاب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں میں دین اور تفقہ کا جذبہ پیدا کرنے کی سعی کر رہے ہیں اور مسجد کوفہ میں جب چار سو کے قریب دواتیں رکھی ہوئی دیکھیں جن سے طلبہ کرام کتابت علم میں مصروف تھے، تو ان سے خوش ہو کر یہ فرمایا کہ:

> لقد ترك ابن ام عبد يعنى ابن مسعود هولاء سرج الكوفه[19]

ترجمہ:۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کے روشن چراغ بنا کر چھوڑا ہے۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے۔ کہ فقہ میں جن حضرات کو مقام بلند حاصل رہا ہے، ان

میں خصوصیت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب شامل ہیں اور ان کی فقہ تمام مجتہدین کی فقہ پر مقدم اور ان پر فائق ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

قول زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور فرائض باید ساخت براقوال مجتہدین و قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راور قرات و فقہ

کوفہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ورود۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جب اہل حل و عقد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد تسلیم اور منتخب کر لیا تو کچھ ایسے ناگفتہ بہ حالات اٹھ کھڑے ہوئے جب کی وجہ سے خلیفہ چہارم کو خاصی پریشانی اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور عراق کے اندر اس انداز سے شورش اور فتنہ برپا ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیاسی طور پر خلاف کے استحکام کے لئے ضروری سمجھا کہ مدنیہ طیبہ سے دارالخلافہ منتقل کر کے عراق کے کسی موزوں شہر کو مرکز بنا لیا جائے۔ چنانچہ یہ شرف کوفہ کو حاصل ہوا اور انہوں نے اپنی خلافت کا بیشتر حصہ جو چار سال تھا وہیں گزارا تھا اور اس اثناء میں علاوہ دیگر علمی ضیاء پاشیوں کے جو ان کی دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وجہ سے خوب پھیلیں۔ جتنے بھی اہم قضایا اور فیصلے صادر ہوئے وہ کوفہ ہی میں ہوتے رہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

و انما ظهر علم علی رضی اللّٰه عنه و فقهه فی الکوفه یحسب مقامه فیها عندهم مدة خلافته (۱۶۰)

ترجمہ:۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم اور ان کی فقہ کوفہ میں ان کی خلافت کی مدت میں ظاہر ہوتی رہی۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ۔

کان اغلب قضایاه بالکوفه (۱۶۱)

ترجمہ:۔ ان کے بیشتر فیصلے کوفہ ہی میں صادر ہوتے رہے۔

اور یہ کوئی معدودے چند فیصلے نہ تھے بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

قضایائے بسیار در ایام خلافت بر دست او ظاہر شدند (۱۶۲)

مگر یہ یاد رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے پہلے بھی وہاں علم و عرفان کی بارش برستی رہی ہے۔ چنانچہ

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیشتر علم کوفہ ہی میں رہا تاہم اہل کوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وقت تو کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے بھی پیشتر قرآن و سنت کا علم رکھتے تھے۔"(1)

اور لکھتے ہیں کہ "جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لے گئے تو ان سے پہلے ہی اہل کوفہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وغیرہ سے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ بھیجا تھا، دین و علم حاصل کر چکے تھے۔"(2)

اور جو علوم اہل کوفہ نے حاصل کئے تھے وہ بھی سن لیجئے کہ

فان اہل الکوفہ التی کانت دارہ کانوا قد تعلموا الایمان و القران و تفسیرہ و الفقہ و السنہ عن ابن مسعودؓ وغیرہ قبل ان یقدم علیؓ الی الکوفہ (3)

ترجمہ:- اس کوفہ نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ایمان، قران، تفسیر، فقہ اور سنت کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوفہ میں تشریف آوری سے پہلے ہی حاصل کر لیا تھا۔

اور ان اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ عراق کے اس بابرکت شہر کوفہ میں تشریف لے گئے تھے۔ چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ جو الحافظ امام المحدثین تھے نے انچاس 49 صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے نام مع ولدیت بیان کئے ہیں جو کوفہ میں نزیل ہوئے۔

علامہ ابن سعد جو الحافظ العلامہ کثیر العلم تھے لکھتے ہیں کہ "ستر(70) بدری اور تین سو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔

اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جو کوفہ میں فروکش ہو کر اس کو بابرکت کر چکے ہوں گے ان کی تعداد کیا ہو گی۔؟

امام ابو بشیر الدولابی الحنفی 311ھ جو الحافظ اور العالم تھے سند کے ساتھ مشہور تابعی حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ

نزل الکوفه الف و خمسون رجلا من اصحب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و اربع عشرون من اہل بدر [173]

ترجمہ:- آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہزار اور پچاس (دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم) اور چوبیس بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔

امام احمد بن عبداللہ العجلی رحمہ اللہ جو الامام الحافظ اور القدوہ تھے کا بیان ہے کہ کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نازل ہوئے تھے۔

امام شمس الدین السخاوی الشافعی رحمہ اللہ 902ھ کوفہ میں فروکش ہونے والے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام لکھ کر آگے فرماتے ہیں کہ

وَ خَلْقٌ مِنَ الصَّحابۃ [174]

ترجمہ:- اور بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں اترے۔

غور فرمایئے کہ جو مقام خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ ہوا اور جس میں عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ بدری اور اصحاب الشجرہ (جن کو رضائے الٰہی کی سند بذریعہ قرآن پاک اور مغفرت کا پروانہ بتوسط جناب نبی کریم ﷺ حاصل ہو چکا ہو۔) نازل ہوئے ہوں اور جس میں فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے علی الخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیر فصل خصومات اور تعلیم کے ذریعہ علم دین' ایمان اور فقہ سے لوگوں کے دلوں کو مالا مال کر چکے ہوں اس کی فضیلت کے لئے یہ مناقب بھلا کیا کم ہیں؟ امام نووی الشافعی رحمہ اللہ 676ھ جو الامام الحافظ الاوحد القدوہ اور شیخ الاسلام تھے' لکھتے ہیں کہ:- [175]

و ھی دار الفضل و محل الفضلاء [176]

ترجمہ:- کوفہ فضیلت کا گھر اور فضلاء کا محل ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کوفہ کو معدن العلم و الفقہ فرمایا ہے۔ [177]

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ 198ھ جو العلامہ الحافظ اور شیخ الاسلام تھے [178] نے فرمایا کہ افعال حج اور مناسک تو تم اہل مکہ سے حاصل کرو اور قرات اہل مدینہ سے سیکھو لیکن:-

خذوا الحلال و الحرام عن اہل الکوفہ۔ [179]

ترجمہ:- حلال اور حرام کے مسائل تم اہل کوفہ سے لو۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ کوفہ صرف فقہ ہی کے لئے مشہور نہ تھا بلکہ وہ علم حدیث کا بھی اچھا خاصا مرکز تھا اور ہزاروں طلبہ وہاں حاضر ہو کر اپنی آتش شوق بجھایا کرتے تھے' چنانچہ مشہور تابعی حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ 110ھ جو الامام الربانی' امام' غزیز العلم' ثقہ' ثبت اور فن تعبیر کے علامہ تھے[120] فرماتے ہیں کہ

قدمت الکوفہ و بہا اربعہ آلاف یطلبون الحدیث۔[121]

ترجمہ:- میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبہ حدیث موجود تھے۔

محدث بغداد عفان رحمہ اللہ بن مسلم ابو حاتم رحمہ اللہ 220ھ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور امام تھے[122] اور عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ' ثبت اور صاحب سنت تھے۔ اور یعقوب رحمہ اللہ بن شیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ثقہ' ثبت اور متقن تھے۔ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ ان کو الحافظ اور محدث بغداد لکھتے ہیں[123] فرماتے ہیں کہ:-

فقد منا الکوفہ فاقمنا لربعہ اشہر ولو اردنا ان نکتب مأۃ الف حدیث لکتبناھا فما کتبنا الا قدر خمسین الف حدیث الی ان قال و ما راینا بالکوفہ لحانۃ مجوزۃ[124]

ترجمہ:- ہم کوفہ پہنچے اور چار ماہ وہاں قیام کیا۔ اگر ہم چاہتے تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ حدیث لکھ سکتے تھے مگر ہم نے (کمال احتیاط کے ساتھ) صرف پچاس ہزار حدیثیں لکھیں (پھر فرمایا) کہ ہم نے کوفہ میں عربی زبان میں غلطی کرنے والا اور اس کو روا سمجھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

امام ابو بکر عبداللہ بن ابی داود رحمہ اللہ جو الحافظ العلامہ اور قدوۃ المحدثین تھے' اور وہ اپنے دور کے بڑے زاہد اور عابد تھے' تین لاکھ سے زیادہ لوگ ان کے جنازہ میں شریک ہوئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ

وقال دخلت الکوفہ ومعی درہم واحد فی اشتریت بہ ثلاثین مدۃ باقلا فکنت آکل منہ و اکتب عن الاشج فما افرغ عن الباقلاء حتی کتبت عنہ ثلاثین الف حدیث ما بین مقطوع و مرسل۔[125]

ترجمہ:- میں جب کوفہ میں داخل ہوا تو میرے پاس صرف ایک ہی درہم تھا جس کا میں نے تیس مد (تقریباً ایک رطل اور پونڈ کا مد ہوتا ہے) باقلا خرید لیا۔ پھر میں اس کو کھاتا رہا اور محدث

الشیخ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیثیں لکھتا رہا۔ اس طرح میں نے باقلا کے ختم ہونے سے پہلے تیس ہزار حدیثیں لکھ لیں جن میں مقطوع اور مرسل بھی شامل تھیں۔

اس عبارت میں جس الاشج رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ آیا ہے وہ ابو سعید عبداللہ بن سعید بن حصین الکندی رحمۃ اللہ علیہ 257ھ الکوفی ہیں جو الامام' شیخ الاسلام' الحافظ اور محدث الکوفہ تھے۔ امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ هو اعلم اہل زمانہ۔(۱۸۷)

امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ 256ھ نے طلب حدیث کے سلسلہ میں بہت سے اسلامی شہروں کا سفر اختیار کیا تھا لیکن کوفہ اور بغداد تو وہ بار بار حاضر ہوتے رہے۔ چنانچہ خود ان کا اپنا ارشاد ہے کہ

لا احصی دخلت الی الکوفہ و بغداد مع المحدثین (۱۸۸)

ترجمہ:۔ میں یہ نہیں گن سکتا میں محدثین کے ساتھ کوفہ اور بغداد کتنی مرتبہ گیا۔

امام عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ 290ھ جو الامام الحافظ اور الحجہ تھے انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ طلب علم کے لئے ایک ہی استاد کی خدمت میں رہنا چاہیے' یا دیگر مقامات میں بھی جا کر علم حاصل کرنا چاہیے؟ تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

یرحل و یکتب من الکوفیین و البصریین و اہل المدینہ و مکہ۔ (189)

ترجمہ:۔ سفر اختیار کرنا چاہیے اور کوفیوں' بصریوں' اہل مدینہ اور اہل مکہ سے علم لکھنا چاہیے۔

ملاحظہ کیجئے کہ امام اہل سنت اور مقتدائے ملت نے جن مقامات اور جن حضرات سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے' ان میں اہل کوفہ کا ذکر سب سے پہلے نمبر پر کیا ہے'

شہر کوفہ میں حدیث کا وجود:۔ چونکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوفی تھے' اس لئے سابق زمانہ حاسدین اور متعصبین اور کچھ حقیقت ناشناس حضرات نے اور اس دور میں غیر مقلدین حضرات نے خاصی قوت صرف کر کے یہ مہم شروع کر رکھی ہے کہ اہل کوفہ کو تو حدیث کا علم ہی نہ تھا اور کوفہ والوں کی حدیث میں نور ہی نہیں اور کوفہ والوں کی نقل ہی معتبر نہیں اور اگر جابر جعفی کذاب نہ ہوتا تو کوفہ والے علم حدیث ہی سے تہی دست ہوتے وغیرہ وغیرہ تعبیرات سے وہ اس عنوان کو ادا کرتے ہیں چنانچہ مصنف حقیقت الفقہ حصہ اول ص 80 میں یہ سرخی قائم کرتے ہیں کہ اہل کوفہ کی حدیث دانی اور پھر کچھ تو دعوی سے بالکل غیر متعلق حوالے نقل کئے ہیں ہمیں ان کے جواب دینے کی ضرورت ہی

نہیں اور ایک حوالہ ابو داود ج 2، ص 350 طبع مجتبائی کا یوں نقل کیا ہے۔ (ہم صرف ان کے ترجمہ ہی پر اکتفا کرتے ہیں):۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں ہے۔

مگر صد افسوس ہے کہ مصنف مذکور بات کو بالکل نہیں سمجھا اور اگر سمجھا ہے تو خیانت سے کام لیا ہے، ہم ابو داود کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

قال ابو علی سمعت ابا داوٗد قال قال الجفیلی حیث حدث بھذا الحدیث واللّٰہ انہ عندی احلی من العسل یعنی قولہ حدثنا و حدثنی قال ابو علی سمعت ابا داود یقول سمعت احمد یقول لیس لحدیث اہل الکوفہ نور قال و ما رایت مثل اہل البصرہ کانوا تعلموہ من شعبہ۔ (120)

ترجمہ:۔ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو داوٗد سے سنا کہ جفیلی رحمۃ اللہ علیہ جب یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے تو یہ بھی فرماتے تھے کہ بخدا یہ حدیث جس میں حدثنا اور حدثنی کا فرق ملحوظ رکھا گیا ہے مجھے شہد سے بھی زیادہ لذیذ معلوم ہوتی ہے۔ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو داود رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ میں نے احمد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں اور میں نے اہل بصرہ کی طرح اور کوئی نہیں دیکھا جو یہ فرق ملحوظ رکھتا ہو۔ کیونکہ انہوں نے شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حاصل کیا ہے۔

بات صرف اتنی ہے کہ اہل بصرہ حدثنا و حدثنی وغیرہ کے الفاظ میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں اور اہل کوفہ اس فرق کو اہمیت نہیں دیتے۔ اور اسی عدم فرق پر قاضی عیاض المالکی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ عراقی الشافعی نے اجماع نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ، ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ، یحییٰ القطان رحمۃ اللہ علیہ اکثر اہل حجاز اور اہل کوفہ اور اسی طرح اہل مغاربہ کا یہ مسلک ہے اور اسی کو ابن الحاجب رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر میں ترجیح دی ہے اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب بتایا ہے کہ ان الفاظ کا ایک ہی معنی ہے۔ اور بعض نے ان الفاظ کی پابندی کو صرف مستحسن قرار دیا ہے۔ (121)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فن روایت کے اس دقیق فرق کے پیش نظر یہ فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ کی حدیث اس فرق کو واضح کرنے کے لئے اتنی روشن نہیں جتنی کہ اہل بصرہ کی روشن اور واضح ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے یہ

فرق امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوفہ والوں کی حدیث متن کے لحاظ سے بے نور ہوتی ہے۔ جیسا کہ مولف حقیقت الفقہ کا یہ باطل اور بے بنیاد دعویٰ ہے۔ اور مولف نتائج التقلید نے تو اس سے بھی بڑھ کر غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ رئیس المحدثین امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قطعی و ناطق فیصلہ بھی سنتے چلئے۔ لو لا جابر الجعفی لکان اہل الکوفہ بغیر حدیث و لو لا حماد لکان اہل الکوفہ بغیر فقہ[۱۸۲] اگر جابر جعفی ایسا کذاب نہ ہوتا تو حنفی مذہب کے پاس کوئی حدیث نہ ہوتی اور اگر حضرت حماد کوئی نہ ہوتے تو حنفیت فقہ سے تہی دست ہوتی۔ جابر جعفی کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سب سے بڑا کذاب فرماتے ہیں اور حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ بھی متکلم فیہ یعنی غیر معتبر ہیں۔ لطف یہ کہ فقہ حنفیہ کا سرمایہ حیات لے دے کر بقول امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جابر جعفی اور حماد رحمۃ اللہ علیہ کوفی ہی ہیں۔

مگر حیرت ہے کہ مولف مذکور بھی کئی وجوہ سے جہالت کا شکار ہو گیا۔ اولاً اس لئے یہ قول امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں بلکہ وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور وہ جابر بن یزید جعفی کی توثیق کر رہے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

> و قال وکیع مهما شککتم فی شئی فلا تشکوا فی ان جابرا ثقه حدثنا عنه مسعر و سفیان و شعبه و حسن بن صالح۔[۱۸۳]

ترجمہ:۔ وکیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم اگر کسی اور چیز میں شک کرتے ہو تو شوق سے کرو مگر اس میں بالکل شک نہ کرنا کہ جابر ثقہ ہے۔ ہم سے مسعر رحمۃ اللہ علیہ' سفیان رحمۃ اللہ علیہ' شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حدیث بیان کی ہے۔

اور ترمذی کی اس عبارت میں بھی مقصود بالذات یہی نکتہ ہے۔ و ثانیاً مولف نے اہل کوفہ سے کیوں کر علی التعین حنفی ہی سمجھ لیے ہیں' کیا کوفہ میں اور حضرات نہ تھے؟ اگر ہماری بات پر یقین نہ آئے تو مولانا مبارک پوری صاحب ہی کو سن لیجئے۔

> قلت الصحیح ان الترمذی اراد باہل الکوفه من کان فیها من اہل العلم کالامام ابی حنیفه رحمته اللّٰه علیه و السفیانین و غیرهم و اراد ببعض اہل الکوفه بعضهم و لم یرد باہل الکوفه او ببعض اہل الکوفه الامام ابا حنیفه رحمته اللّٰه علیه وحده[۱۹۴]

ترجمہ:۔ میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل کوفہ سے وہ حضرات مراد لیے ہیں جو اہل علم

وہاں رہتے تھے۔ مثلاً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اور بعض اہل کوفہ سے بعض مراد لئے ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل کوفہ یا بعض اہل کوفہ سے صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی مراد نہیں لئے

کیا اس حوالہ کے پیش نظر ہم یہی سمجھ لیں کہ جملہ اہل کوفہ کی حدیث دانی جابر بن یزید جعفی پر قائم ہے؟ اور بقول مولف نتائج التقلید لے دے کر اہل کوفہ کی حدیث دانی کا سرمایہ حیات ہی جابر جعفی ہیں؟ و حاشا امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کو علی الاطلاق متکلم فیہ سمجھنا اور متکلم فیہ کا معنی غیر معتبر کرنا بالکل غلط ہے۔ ورنہ اکثر رواۃ متکلم فیہم ٹھہریں گی۔[2] اور کیا امام حماد رحمۃ اللہ علیہ محمد رحمۃ اللہ علیہ بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے بھی زیادہ متکلم فیہ ہیں؟ جنکی روایت پر قرأت خلف الامام کے مسئلہ کی عمارت کھڑی ہے۔ اور غیر مقلدین حضرات کے دور حاضر میں سب سے بڑے محدث اور جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث ایک مقام پر یوں ارقام فرماتے ہیں۔

ترجمہ:- "پھر یہ مرسل کیسے حجت ہو سکتی ہے، جب اہل کوفہ کی نقل صحیح نہیں تو تطبیق کی بھی ضرورت نہیں"۔[1]

لیجئے اہل کوفہ کی نقل اور روایت سے گلو خلاصی کے لئے کیا ہی تیر بہدف اور زود اثر نسخہ دستیاب کر لیا گیا ہے کہ جب اہل کوفہ کی نقل ہی صحیح نہیں تو پھر تطبیق کی کیا ضرورت ہے؟ بتایئے کہ اس جواب کے تریاق، مجرب اور اکسیر اعظم ہونے میں کیا کسر باقی ہے؟ جہاں سند میں کوئی کوفی راوی ملے وہاں جھٹ سے یہ اکسیر اس کی روایت کو سونگھا دو اور یقین جانیے کہ کلوفارم سے بھی پہلے اس کا اثر نمایاں ہو گا۔ اور اہل کوفہ کی حدیث و روایت جہاں بھی ہو گی وہیں خفتہ و بے ہوش ہو جائے گی۔ مگر یہ خیال رہے کہ مسئلہ رفع یدین، آمین بالجہر اور فوق الصدر وغیرہ میں کہیں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ایسے ہی دیگر کوئی نہ ہوں، ورنہ یہ سودا سراسر مہنگا پڑے گا

محدثین کوفہ کی فہرست:- راقم الحروف نے امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سن وفات سنہ 256ھ تک جب محدثین کوفہ کی تلاش تاریخ خطیب رحمۃ اللہ علیہ، طبقات سبکی رحمۃ اللہ علیہ، تذکرہ الحفاظ، معرفت علوم تہذیب التہذیب اور البدایہ و النہایہ وغیرہ وغیرہ کتب اسماء الرجال و طبقات میں شروع کی تو ان کی تعداد سینکڑوں سے بھی متجاوز نکلی، خوف طوالت سے سب کو نظر انداز کر دیا۔ البتہ غیر مقلدین حضرات کو دعوت فکر دینے کے لئے تذکرہ الحفاظ کی صرف پہلی جلد سے ان محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرنا بڑا ضروری معلوم ہوتا ہے جب کو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے الکوفی یا

زین الکوفہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔ عام اس سے کہ وہ مولداً" کوفی ہوں یا مسکناً"۔ اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ میں مستقل عنوان صرف انہی حضرات کے ناموں سے قائم کیے ہیں جو حفاظ حدیث ہیں کسی کے نام کے ساتھ انہوں نے الامام' القدوہ' المحدث اور کسی کے نام کے ساتھ الحافظ' الحجہ' الثقہ اور کسی کے نام کے ساتھ شیخ الاسلام اور محدث الکوفہ وغیرہ کے توصیفی کلمات لکھ کر اپنی حسن عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے۔ اور ان کا صحیح مقام بھی بتایا ہے۔ ہم صرف ان حضرات کا ذکر کریں گے جن کو مستقل عنوان کے ساتھ انہوں نے ذکر کا ہے اور حتی الوسع ہر ایک کا سن وفات بھی عرض کر دیں گے۔

1-	علقمہ بن قیسؒ	المتوفی	62ھ	2-	مسروق بن الاجدع	المتوفی	63ھ
3-	عبیدہؒ بن عمرو المرادیؒ	=	72ھ	4-	اسود بن یزیدؒ	=	75ھ
5-	سویدؒ بن غفلہؒ	=	81ھ	6-	زر بن حبیشؒ	=	82ھ
7-	ربیع بن الخیثم	=	63ھ	8-	عبدالرحمنؒ بن ابی لیلیٰؒ	=	73ھ
9-	ابو عبدالرحمن السلمیؒ	=	73ھ	10-	شریحؒ بن الحارث	=	78ھ
11-	ابووائل شقیقؒ بن سلمہؒ	=	82ھ	12-	قیسؒ بن ابی حازمؒ	=	97ھ
13-	عمروؒ بن میمونؒ	=	75ھ	14-	زیدؒ بن وہب الجہنیؒ	=	84ھ
15-	معرورؒ بن سویدؒ	=	ھ	16-	ابو عمرو الشیبانی	=	98ھ
17-	ربعی بن خراشؒ	=	101ھ	18-	ابراہیم التیمی	=	92ھ
19-	ابراہیم النخعی	=	95ھ	20-	سعیدؒ بن جبیرؒ	=	=
21-	امام شعبیؒ	=	103ھ	22-	ابو اسحق السبیعی	=	120ھ
23-	حبیبؒ بن ابی ثابتؒ	=	119ھ	24-	الحکمؒ بن عتیبہؒ	=	115ھ
25-	عمروؒ بن مرہؒ	=	116ھ	26-	قاسم بن مخیمرہؒ	=	111ھ
27-	عبدالملک بن عمیرؒ	=	126ھ	28-	منصورؒ بن معتمرؒ	=	132ھ
29-	مغیرہؒ بن مقسمؒ	=	136ھ	30-	حصین بن عبدالرحمنؒ	=	=
31-	ابو اسحاق الشیبانیؒ	=	138ھ	32-	اسمٰعیل بن ابی خالدؒ	=	147ھ

نام	سن وفات	نام	سن وفات
33- سلیمان بن مہران اعمش =	148ھ	34- عبدالملک بن سلیمان العزمیؒ =	145ھ
35- محمدؒ بن عبدالرحمنؒ بن ابی لیلیٰؒ =	148ھ	36- حجاجؒ بن ارطاۃؒ =	149ھ
37- مسعرؒ بن کدامؒ =	175ھ	38- المسعودیؒ =	160ھ
39- سفیانؒ بن سعید ثوریؒ =	61ھ	40- اسرائیل بن یونس =	=
41- زائدہ بن قدامہؒ =	161ھ	42- الحسنؒ بن صالحؒ بن حیؒ =	167ھ
43- شیبان بن عبدالرحمنؒ =	164ھ	44- قیس بن الربیعؒ =	167ھ
45- ورقاء بعمروؒ بن کلب =	160ھ	46- شریک بن عبداللہ القاضیؒ =	177ھ
47- زہیرؒ بن معاویہؒ =	173ھ	48- قاسمؒ بن معنؒ =	175ھ
49- ابوالاحوص سلامؒ بن سلیمؒ =	197ھ	50- مبشر بن القاسم =	178ھ
51- سفیانؒ بن عیینہ =	198ھ	52- ابوبکرؒ بن عیاش =	193ھ
53- یحییٰؒ بن زکریاؒ بن ابی زائدہ =	182ھ	54- عبدالسلامؒ بن حربؒ =	187ھ
55- جریرؒ بن عبدالحمیدؒ =	188ھ	56- ابو خالد الاحمرؒ =	198ھ
57- ابواسحاق الفزاریؒ =	185ھ	58- عیسیٰؒ بن یونسؒ =	187ھ
59- عبداللہؒ بن ادریسؒ =	192ھ	60- یحییٰؒ بن یمانؒ =	189ھ
61- حمیدؒ بن عبدالرحمنؒ =	190ھ	62- علیؒ بن مسہرؒ =	189ھ
63- عبدالرحیمؒ بن سلیمانؒ =	187ھ	64- ابومعاویہؒ =	195ھ
65- مروانؒ بن معاویہؒ =	193ھ	66- حفص بن غیاث =	194ھ
67- وکیعؒ بن الجراحؒ =	197ھ	68- الاشجعیؒ =	182ھ
69- عبدۃؒ بن سلیمانؒ =	188ھ	70- المحاربیؒ =	195ھ
71- محمدؒ بن فضیلؒ بن غزوانؒ =	=	72- ابو اسامہؒ =	201ھ
73- محمدؒ بن بشرؒ =	203ھ	74- یحییٰؒ بن سعیدؒ بن ابانؒ =	194ھ
75- یونسؒ بن بکیرؒ =	199ھ	76- عبداللہؒ بن نمیرؒ =	=

نمبر	نام		وفات	نمبر	نام		وفات
-77	شجاعؒ بن الولیدؒ	=	204ھ	-78	محمدؒ بن عبیدؒ	=	=
-79	علیؒ بن عبیدؒ	=	209ھ	-80	عبداللہؒ بن داؤد الربعیؒ	=	213ھ
-81	حسینؒ بن علی الجعفیؒ	=	203ھ	-82	زیدؒ بن الحبابؒ	=	203ھ
-83	زیدؒ بن الحبابؒ	=	203ھ	-84	عبیداللہؒ بن موسیٰؒ	=	213ھ
-85	اسحاقؒ بن سلیمان القیسیؒ	=	200ھ	-86	ابو احمد الزبیریؒ	=	202ھ
-87	یحییٰؒ بن آدمؒ	=	203ھ	-88	داؤد بن یحییٰؒ بن یمان	=	203ھ
-89	ابو عبدالرحمنؒ بن یزیدؒ	=	213ھ	-90	ابو نعیم فضلؒ بن دکینؒ	=	219ھ
-91	قبیصہؒ بن عقبہؒ	=	215ھ	-92	موسیٰؒ بن داؤد الضبیؒ	=	217ھ
-93	خلفؒ بن تمیمؒ	=	206ھ	-94	یحییٰ بن ابی بکیرؒ	=	208ھ
-95	زکریاؒ بن عدیؒ	=	212ھ	-96	احمدؒ بن عبداللہؒ بن یونس	=	227ھ
-97	ابو غسانؒ	=	219ھ	-98	خالدؒ بن مخلد قطوانیؒ	=	213ھ

یہ یاد رہے کہ ہم نے تذکرۃ الحفاظ جلد اول ہی سے کوفہ کے ان حفاظ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اور ان میں بھی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ابو ایوب رحمۃ اللہ علیہ کا (باوجودیکہ ان کو تذکرۃ الحفاظ جلد اول میں مستقل عنوان دے کر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے) تذکرہ نہیں کیا تاکہ ان کے نام سے مزاج یار کہیں برہم نہ ہو جائے۔

اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ تذکرۃ الحفاظ کی بقیہ تین جلدوں اور بیسیوں دیگر اسماء الرجال کی کتابوں میں محدثین کوفہ یا بالفاظ دیگر کوفہ کے حدیث دانوں کی تعداد اور گنتی کا کیا حال ہو گا؟ کیا ہم مصنف حقیقت الفقہ سے دریافت کر سکتے ہیں کہ کیا ان محدثین کوفہ یا کوفہ کے حدیث دانوں کی بیان کردہ حدیثوں میں نور کی کوئی کرن اور جھلک ہے یا نہیں؟ صحاح ستہ اور خصوصیت سے صحیحین میں تو ان میں سے اکثر حضرات کی حدیثیں آفتاب نیمروز کی طرح چمک رہی ہیں۔ اور کیا ہم مولف نتائج التقلید اور ان کے جملہ مصدقین حضرات سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ کیا ان تمام حضرات کا نام جعفر جعفی ہے؟ اور کیا ان سب بزرگوں کو روائتیں صرف جابر جعفی کے طریق ہی سے حاصل ہوئی ہیں؟ اور کیا ان تمام حضرات کا سرمایہ حیات لے دے کر جابر جعفی پر ہی ختم ہو جاتا ہے؟ اور کیا ہم جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث صاحب سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا آپ کے نزدیک ان اہل کوفہ حضرات کی نقل صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا ان

اکابر حفاظ حدیث کی روایت کی دوسرے رواۃ حدیث کی بیان کردہ حدیثوں سے تطبیق کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور کیا ان کی نقل اور پیش کردہ روایات و احادیث پر کوئی اعتماد و اعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

قارئین کرام! آپ نے بخوبی یہ ملاحظہ کر لیا کہ غیر مقلدین حضرات کا اصل اختلاف تو صرف حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوفی سے ہے' لہٰذا ان کے لئے صرف یہی کہہ دینا کافی تھا کہ ہم نہ تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو (معاذ اللہ) ثقہ مانتے ہیں اور نہ ان کی نقل کو اور اگر اس سے بھی آگے نوازش کرنا چاہتے تھے تو یہ کہہ دیتے کہ ان اہل کوفہ کی نقل کو بھی ہم نہیں مانتے جو حنفی ہیں۔ اگرچہ کلی طور پر یہ بھی قطعاً" باطل ہے۔ مگر صد افسوس تو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کی عداوت کے پردہ میں سب اہل کوفہ کو کوسا جا رہا ہے۔ اور سب پر سے اعتماد ہٹایا جا رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر تعصب کی مثال بھی دنیا میں کوئی ہو سکتی ہے؟ اور اگر کوئی یہ تاویل کرے کہ اہل کوفہ سے ہماری مراد ہی حنفی ہیں تو یہ بھی باطل ہے۔ ہم مقدمہ تحفۃ الاحوذی کے حوالہ سے اس کی تردید لکھ کر آئے ہیں۔ اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے تو کیا غیر مقلدین حضرات کے نزدیک امام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ' امام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ بن معین رحمۃ اللہ علیہ' امام عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ' امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ' امام لیث رحمۃ اللہ علیہ بن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور امام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سب کی نقل صحیح نہیں؟ اگر ان کی نقل صحیح نہیں تو محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہ میں کس کی نقل صحیح ہے؟

ہم نے اپنی کتاب "طائفہ منصورہ" میں تاریخ کے ٹھوس حوالجات سے ان اکابر کا حنفی ہونا ثابت کیا ہے۔ الغرض غیر مقلدین حضرات کا اہل کوفہ کی حدیث دانی کا انکار کرنا چودھویں رات کے نصف السماء چاند اور آفتاب نیمروز کا انکار کرنا ہے۔ جس کو کوئی بھی منصف مزاج تسلیم کرنے پر کبھی بھی آمادہ نہیں ہو سکتا' ہاں البتہ متعصبین کی بات ہی الگ اور جدا ہے۔ اس کا اس جہاں میں کسی کے پاس کوئی علاج نہیں اور اس کے بارے میں ہم صرف یہی عرض کر سکتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کل 47 رواۃ میں سے 33 رواۃ کوفی صحابی تھے۔ ان کی فہرست ملاحظہ کیجئے۔

صرف کتاب بخاری کے کل 47 راوی ہیں جن میں سے 33 راوی کوفی تھے اور تمام کے تمام ثقہ تھے۔ اور 47 راویوں میں سے صرف 14 راوی دوسرے شہروں سے تعلق رکھتے تھے۔ بخاری کے کوفی راویوں کی فہرست یہ ہے۔

1- حضرت اشعث رضی اللہ عنہ ابن قیس الکندی   2- حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم کوفی

3- حضرت ہیمان رضی اللہ عنہ بن اوس الاسلمی   4- حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بن عمرو کوفی

5- حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بن معیب   6- حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کوفی

7- حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن سمرہ	8- حضرت عمران رضی اللہ عنہ بن الحصین
9- حضرت جریر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ	10- حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن حریث
11- حضرت جندب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ	12- حضرت مرداس رضی اللہ عنہ بن مالک
13- حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ بن وھب	14- حضرت سیب رضی اللہ عنہ بن حزن
15- حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان	16- حضرت محسن رضی اللہ عنہ بن یزید
17- حضرت خباب رضی اللہ عنہ بن الارت 37ھ	18- حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ ...ھ
19- حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم 66ھ	20- حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بن بشیر
21- حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ بن صرد	22- حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بن مقرن
23- حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بن جنادہ	24- حضرت شبیح رضی اللہ عنہ بن الحارث
25- حضرت سین رضی اللہ عنہ ابو جمیلہ	26- حضرت وھب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ
27- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی اوفی 87ھ	28- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن یزید
29- حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن ابزی	31- حضرت زید بن خالد جہنی 78ھ
30- حضرت ابو جحیفہ	32- حضرت عمار بن یاسر
	33- حضرت معن بن یزید

تیسری صدی ہجری کے نصف تک کوفہ میں 110 محدث موجود تھے۔ جن کے نام بھی ذکر ہوئے ہیں (مقدمہ تجرید البخاری سے اخذ کیا گیا)

D

تمہیدی باب

1. نزھۃ النظر، مطبع العربیہ قاہرہ 1975ء، ص 55
2. تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 206، ج 2، دار العربیہ بیروت، 1378ھ
3. نزھۃ النظر۔ ص 56، مطبع العربیہ قاہرہ 1975ء،
4. تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 216، ج 2، دار العربیہ بیروت، 1378ھ
5. التفسیر والمفسرون۔ ص 63، ج 1، دار النہضہ، قاہرہ 1975ء
6. تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 221، ج 2، دار العربیہ بیروت، 1378ھ
7. ایضاً
8. ایضاً۔ ص 224
9. ایضاً۔ ص 223
10. ایضاً۔ ص 225 تا 222
11. ایضاً۔ ص 228 تا 232
12. ایضاً۔ ص 207
13. المشتبہ فی اسماء الرجال۔ حافظ ذہبی ص 85، دار النہضہ، قاہرہ، 1948ء
14. آیت نمبر 100، سورۃ التوبہ
15. مرقات شرح مشکوۃ ملا علی قاری۔ ص 517، ج 5، مطبع العربیہ، قاہرہ، 1945ء
16. عدول عادل کی جمع اور عدالت عربی زبان کا مصدر ہے۔ اصطلاحی زبان میں اس کے خاص معنی ہیں۔ یعنی بالارادہ جھوٹ سے بچنے کے ہیں۔ اور یہ اصطلاح محدثین ہے۔
17. الکفایہ خطیب بغدادی۔ ص 50، قاہرہ، مطبع الخیریہ، 1935ء
18. ایضاً۔ ص 50
19. مرقات شرح مشکوۃ ملا علی قاری۔ ص 206، ج 1، دار النہضہ، بیروت، 1965ء
20. فتح المغیث سخاوی۔ ص 35، ج 4، دار الحدیث، قاہرہ، 1945ء
21. آیت 143، سورۃ البقرۃ

20 آیت 110' سورة آل عمران

21 مقدمہ ابن ماجہ بروایت ابوھریرہ

22 بخاری - کتاب بدا الخلق بروایت عبداللہ بن عمر

23 فتح المغیث سخاوی- ص 36' ج 4' دار الحدیث' قاہرہ' 1945ء

24 مقدمہ ابن صلاح- ص 261' دار الکتب العربیہ' قاہرہ' 1945ء

25 ایضا"- 164

26 ایضا"- ص 262

27 فتح المغیث سخاوی- ص 45' ج 4' دار الحدیث' قاہرہ' 1945ء

28 فتح المغیث سخاوی- ص 46 تا 52' ج 4' دار الحدیث' قاہرہ' 1945ء

29 مقدمہ ابن صلاح ص 162

30 تذکرة الحفاظ ذہبی- ص 26' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

31 مشکوٰۃ المصابیح- ص 526' رواہ احمد و الترمذی-

32 ایضا"- ص 324' رواہ ابو داؤد الدارمی

33 تذکرة الحفاظ ذہبی- 20' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

34 ایضا"- ص 18

35 ایضا"- ص 16

36 مشکوٰۃ- ص 556' رواہ احمد والترمذی

37 تذکرة الحفاظ- ص 30' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

38 ایضا"- ص 16

39 سنن ابی داؤد- ص 138' ج 1

40 الاکمال فی مشتبہ الانساب و الرجال من الرواۃ' ابن ماکولا سعد سمعانی- ص 590' دار النہضہ' بیروت' 1941ء

41 تذکرة الحفاظ ذہبی- ص 16' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

42 تذکرة الحفاظ ذہبی- ص 14' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

43 جامع بیان العلم ابن عبدالبر- ص 17' ج 1' دار النہضہ' بیروت 1945ء

44 تذکرة الحفاظ ذہبی- ص 24' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

45۔ ایضاً۔ ص 24

46۔ مشکوۃ المصابیح۔ ص 34

47۔ منہاج السنہ ابن تیمیہ۔ ص 157' ج 4' دار الحدیث' حلب' سوریہ' 1942ء

48۔ شرح صحیح مسلم نووی۔ ص 158' ج 1

49۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ص 10' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

50۔ مشکوۃ المصابیح۔ ص 365

51۔ ایضاً۔ ص 366

52۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ص 30' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

53۔ مشکوۃ المصابیح۔ ص 566

54۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ص 30' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

55۔ ایضاً۔ ص 30

56۔ الاکمال فی مشتبہ النساب و الرجال و الرواۃ۔ ابن ماکولا سعد سمعانی۔ ص 599' دار النہضہ' بیروت' 1955ء

57۔ صحیح مسلم۔ ص 215' ج 1

58۔ ایضاً۔ ص 174' ج 1

59۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ص 23' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

60۔ ایضاً۔ ص 22

61۔ موطا امام مالک۔ ص 380

62۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ص 38' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

63۔ ایضاً۔ ص 36

64۔ کتاب العلل' امام ترمذی۔ ص 77

65۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ص 38' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

66۔ ایضاً۔ ص 38

67۔ ایضاً۔ ص 38

68۔ الادب المفرد بخاری۔ ص 525' نیز بخاری۔ ص 17' ج 1

69۔ جامع الترمذی۔ ص 42' ج 1

70۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 18' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

71۔ الاکمال فی مشتبۃ الانساب و الرجال من الرواۃ۔ ابن ماکولا سعد سمعانی۔ ص 61' دار النہضہ' بیروت' 1955ء

72۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 28' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

73۔ ایضاً۔ ص 28

74۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 34' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

75۔ صحیح بخاری۔ ص 37' ج 1

76۔ جامع بیان العلم۔ ص 74' ج 1' دار النہضہ' بیروت' 1933

77۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 31' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

78۔ الاکمال فی مشتبۃ الانساب و الرجال من الرواۃ۔ ابن ماکولا سعد سمعانی۔ ص 601' دار النہضہ' بیروت' 1945ء

79۔ تہذیب التہذیب۔ ص 23' ج 4' دار العلم' بیروت' 1936ء

80۔ ایضاً۔ ص 269' ج 2

81۔ ایضاً۔ ص 268' ج 2

82۔ جامع بیان العلم ابن عبدالبر۔ ص 72' ج 1' دار النہضہ' بیروت' 1978

83۔ سنن دارمی۔ ص 106۔ ج 1

84۔ الاکمال فی مشتبۃ الانساب و الرجال من الرواۃ۔ ابن ماکولا۔ سعد سمعانی۔ ص 591' دار النہضہ' بیروت' 1955ء

85۔ ایضاً۔ ص 589

86۔ ایضاً۔ ص 602

87۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ذہبی۔ ص 42۔ ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

88۔ مستدرک حاکم۔ ص 68' ج 1

89۔ الاکمال فی مشتبۃ الانساب و الرجال من الرواۃ ابن ماکولا۔ سعد سمعانی۔ ص 602' دار النہضہ' بیروت' 1945ء

90- المدخل فی اصول الفقہ۔ محمد معروف دوالیبی۔ دار النہضہ' بیروت۔ ص 7' 1945ء

91- ازالۃ الخفاء عن سیرت الخلفاء۔ شاہ ولی اللہ۔ ص 6' حیدر آباد دکن' 1948ء

92- تلقیح فہوم اہل الاثر۔ ص 184 تا 197' دار العلم' بیروت' 1942ء

93- طبقات ابن سعد

94- موطا امام محمد ص 73 دار القران کراچی

95- آیت 22' سورۃ الحدید

96- تحریر ابن الھمام۔ ص 4' ج 4' حیدر آباد' دکن 1918ء

97- الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ۔ عبدالقادر قرشی ص 418' ج 2' دار النہضہ' بیروت' 1955

98- ایضاً"۔ 418

99- ''

100- تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 218' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

101- مسند داری باب الوراثت

102- قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین شاہ ولی اللہ۔ ص 131' حیدر آباد دکن' 1978ء

103- کتاب الخراج امام ابو یوسف۔ ص 118' قران محل کراچی 1962ء

104- ایضاً"۔ ص 115

105- ایضاً"۔ ص 116

106- امام اعظم ابو حنیفہ ۔مفتی عزیز الرحمٰن ص 31 مکتبہ رحمانیہ لاہور 1979ء

107- ایضاً" 13

108- تاریخ طبری ص 141 ج 4

109- کتاب الفاصل رامہرمزی بحوالہ قابوس ص 73 طبع مصر 1935ء

110- ایضاً" ص 75

111- عقود الجمان یوسف شافعی ص 2206 طبع مصر 1937ء

112- ایضاً" 210

113- تذکرہ الحفاظ شمس الدین ذہبی ص [illegible] ج 2 طبع مصر 1932ء

114- کتاب الآثار امام محمد ص [illegible] آرام باغ کراچی 1971ء

115- الانصاف فی سبب الاختلاف شاہ ولی اللہ ص 36ں مجلس علمی کراچی۔ 1965ء

116- تذکرہ الحفاظ ص 306 ج 2

117- بخاری باب الایمان

118- ایضاً" باب الایمان

119- ایضاً" باب الایمان

120- ایضاً" باب الایمان

121- ایضاً" باب الایمان

122- ایضاً" باب الایمان

123-

124-

125- سورہ الجمعہ آیت 3

126- بخاری باب الفضائل اہل الفارس

127- اسد الغابہ ص 2 ج 1

128- مشکوٰۃ المصابیح شیخ ولی الدین ابی عبداللہ۔ فضائل صحابہ

129- تذکرہ ص 320

130- داری باب فضائل صحابہ

131- ایضاً" باب فضائل صحابہ

132- ایضاً" باب فضائل صحابہ

133- منہاج السنہ ابن تیمیہ ص 156 ج 4

134- ایضاً" ص 157

135- ایضاً" ص 157

136۔ الاتقان فی علوم القرآن سیوطی ص 189 ج 2

137۔ ایضاً 189

138۔ ایضاً 190

139۔ سورہ الانعام آیت 52

140۔ طبرانی باب فضائل صحابہ

141۔ ایضاً

142۔ نسائی باب النکاح

143۔ ایضاً

144۔ ایضاً

145۔ ایضاً

146۔ سورہ الانبیاء آیت 69

147۔ اسد الغابہ فی معرفت صحابہ ص 77

148۔ ایضاً

149۔ ایضاً

150۔ ایضاً

151۔ ایضاً

152۔ اسد الغابہ ص 106

153۔ تذکرۃ الحفاظ ص 506

154۔ ص نمبر 75 تا ص 83 تک صحابہ کوفہ کی فہرست تذکرۃ الحفاظ تاریخ بغداد تہذیب التہذیب اور البدایہ و النہایہ سے تلاش کر کے مرتب کیا گیا (مقالہ نگار)

155۔ کتاب الکنی و الاسماء۔ ص 174' ج 1' دار العلم' 1918ء

156۔ طبقات ابن سعد۔ ص 25' ج 2' مطبع العلوم الدینیہ قاہرہ' 1948ء

157۔ مستدرک حاکم۔ ص 465' ج 3

158- تذکرۃ الحفاظ' ذہبی- ص [illegible]' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

159- مستدرک حاکم- ص 465

160- ایضاً"- ص 665

161- تحفہ الاحوذی شرح ترمذی' عبدالرحمٰن مبارکپوری- ص 11' ج 1' لکھنؤ' 1936ء

162- تذکرۃ الحفاظ' ذہبی- ص 79' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

163- ایضاً"- ص 75

164- تاریخ بغداد- خطیب بغدادی- ص 299' ج 1' دار النشر بیروت 1918ء

165- البدایہ والنہایہ ابن کثیر ص 302

166- ایضاً" ص 305

167- منہاج السنہ- ابن تیمیہ- ص 137' ج 4' دار الکتب العربیہ' قاہرہ 1978ء

168- حجۃ اللہ البالغہ- شاہ ولی اللہ- ص 132' ج 1' مطبع مجتبائی' دہلی' 1933

169- قرۃ العینین- فی فضیلۃ الشیخین- شاہ ولی اللہ- ص 140' مجتبائی پریس' دہلی' 1933ء

170- منہاج السنہ- ابن تیمیہ- ص 139' ج 4' دار النشر' بیروت 1937ء

171- ایضاً"- ص 157

172- ایضاً"- ص 143

173- تاریخ طبری ص 141 ج 4 مطبوعہ مصر 1945ء

174- الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ سخاوی- ص 129' طبع دمشق' مکتبہ ثنائیہ' 1945

175- تذکرۃ الحفاظ' ذہبی- ص 250' ج 4' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

176- شرح مسلم نووی- ص 185' ج 1

177- مناقب موفق- ص 56' ج 1' حیدر آباد دکن' 1936

178- تذکرۃ الحفاظ' ذہبی- ص 242' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

179- معجم البلدان یاقوت حموی "لفظ کوفہ" دار النشر' 1968

180- تذکرۃ الحفاظ' ذہبی- ص 73' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

181- تدریب الراوی- جلال الدین سیوطی- ص 275' طبع مصر' 1936

۱۶۰۔ تاریخ بغداد' خطیب بغدادی۔ ص 12' ج 12' دار الفکر' بیروت 1941

۱۶۱۔ ایضاً۔ ص 334

۱۶۲۔ ایضاً۔ ص 302

۱۶۳۔ ایضاً۔ ص 299' ج 2

۱۶۴۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 77' ج 2' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

۱۶۵۔ ھدی الساری مقدمہ فتح الباری۔ ص 479' ج 2' دار المعارف حیدر آباد دکن' 1938ء

۱۶۶۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 213' ج 2' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

۱۶۷۔ تدریب الراوی' جلال الدین سیوطی۔ ص 77' حلب' مکتبہ ثانیہ' 1936ء

۱۵۹ـ ابو داؤد۔ ص 341' ج 2

۱۶۰ـ فتح الباری۔ ص 118' ج 1

۱۶۱ـ ترمذی۔ ص 29

۱۶۲ـ تہذیب التہذیب۔ ص 47' ج 2' دار الحدیث بیروت' 1936

۱۶۳ـ مقدمہ تحفۃ الاحوذی' عبدالرحمٰن مبارک پوری۔ ص 209' لکھنؤ' مکتبہ اہل حدیث' 1948

۱۶۴ـ تعلیق المغنی۔ ص 115' ج 1' دار الکتب العربیہ' قاہرہ' 1936

۱۶۵ـ خیر الکلام۔ ص 294' دار الکتب العربیہ' بیروت 1946

۱۶۶ تذکرۃ الحفاظ شمس الدین ذہبی ص 602 ج 2 مطبوعہ مصر 1936ء

۱۶۷ مقدمہ فتح الباری، ابن حجر عسقلانی ج ۱ سے اصحاب کرام کو راقم الحروف نے تلاش کر کے یہ فہرست مرتب کی ہے۔

حیاتِ امام اعظم کے مراحل
اور کوفہ کا تعارف

فہرست مضامین

باب دوم

نام و نسب:۔ نام نعمان، کنیت ابو حنیفہ، لقب بالاتفاق امام اعظم ہے۔ آپ کی کنیت "ابو حنیفہ" کسی اولاد کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ کنیت وصفی ہے۔ یعنی "ابا الملة الحنیفه" اور بوجہ آیہ مبارکہ

واتبع ملة ابراہیم حنیفا

ترجمہ:۔ ابراہیم حنیف کی ملت کا اتباع کرو۔

آپ نے کنیت "ابو حنیفہ" اختیار فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اسے شرف قبولیت بخشا جس کی وجہ سے اصل اسم "نعمان" پر غالب آ گئی۔ قبولیت اور پسندیدگی اسی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے کنیت کے ساتھ ایک اور لقب "امام اعظم" کو بھی شہرت دوام بخشی۔

ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء

ترجمہ:۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

آپ کا سن ولادت متفق علیہ اور مشہور روایت کی بنا پر سنہ 80ھ ہے۔ علامہ موفق اور دیگر مورخین و محدثین اور اصحاب سیر اور اصحاب الرجال نے مختلف اسناد سے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ دوسری روایت سنہ 61ھ کی ہے لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ اول الذکر روایت کے متعلق فرماتے ہیں۔

الصحیح الروایة الاولی و ھی المجمع علیھا۔

ترجمہ:۔ صحیح روایت پہلی ہے اور اسی پر سب کا اتفاق ہے۔

امام صاحب ؒ نسلاً فارسی ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔

نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان بن قیس بن یزدگرد بن شہریار بن نوشیرواں

بعض نے آپ کو عربی النسل بتلایا ہے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ آپ فارسی ہیں۔

( ) مروی الخطیب عن عمر بن حماد بن الامام ابی حنیفة قال۔ ان الامام ابا حنیفة النعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ و کان زوطی من اھل کابل۔ کابل بکاف فالف فموحدة مضمومه تغرمن ثغور طخارستان اقلیم متاخم للھند۔

( ) اسی طرح احمد بن حجر مکی لکھتے ہیں۔

اکثر محققین کے ہاں آپ عجمی تھے۔ جیسا کہ خطیب نے کہا ہے۔ عن عمر

نقشہ افغانستان

جہاں سے امام اعظم کا خاندان ہجرت کر کے عراق منتقل ہوا۔ نقشہ میں تیر کا نشان کابل کی نشاندھی کرتا ہے

بن حماد ان والده ثابت بن زوطی بن ماہ من اهل کابل اقلیم بناحیة الهند۔

( ) اخبرنا ابو عبداللہ احمد بن محمد الصبرفی قال حدثنا ابوبکر احمد بن محمد المکی قال حدثنا علی بن محمد بن کاس النخعی قال حدثنا محمد بن علی بن عفان العامری قال حدثنا محمد بن اسحاق، السبکائی عن عمر بن حماد بن ابی حنیفہ قال ابو حنیفہ النعمان بن ثابت بن زوطی فاما زوطی فانہ من اهل کابل۔

مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ غلام خاندان سے تعلق رکھتے ہیں یا آپ کے اجداد غلام تھے۔ اس کے ثبوت میں حافظ ابن حجر مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خیرات الحسان میں ایک روایت آپ کے پوتے یعنی اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ سے اس طرح نقل کی ہے۔

واللہ ما وقع لنارق قط

ترجمہ:۔ خدا کی قسم ہم کبھی غلام نہیں تھے۔

اسی روایت کو جمہور علما و مورخین نے اختیار کیا ہے علامہ شبلی کی تحقیق بھی بہت خوب ہے فرماتے ہیں۔

خطیب مورخ بغدادی نے امام صاحب کے پوتے اسماعیل کی زبانی روایت نقل کی ہے کہ میں اسماعیل ابن حماد بن نعمان بن ثابت بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ نسل فارس سے ہیں کبھی کسی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سنہ 80ھ میں پیدا ہوئے ثابت بچپن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ان کے اور ان کے خاندان کے حق میں دعا کی۔ امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں ہے۔

اسماعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتلایا ہے اور پردادا کا نام مرزبان حالانکہ زوطی اور ماہ مشہور ہے غالباً" جب زوطی ایمان لائے تو ان کا نام نعمان سے بدلا دیا گیا اسماعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا زوطی کے باپ کا نام غالباً" کچھ اور ہو گا' ماہ اور مرزبان لقب ہوں گے کیونکہ اسماعیل کی روایت سے اس قدر اور بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارس کا ایک مشہور اور معزز خاندان تھا۔ فارسی میں رئیس خاندان کو مرزبان کہتے ہیں اسی لئے قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں امام حافظ ابو المحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہوں گے کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن میں یقیناً" کہتا ہوں کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک ہی معنی ہیں دراصل وہی "مہ" ہے جس کے معنی "بزرگ" اور سردار کے ہیں مشہور

مصرعہ ہے۔

نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

عربی لہجہ نے مہہ کو ماہ کر دیا ہے۔[15]

لیکن وہ روایات کہ جنکو بعض مورخوں نے بیان کیا ہے "زوطی کابل سے گرفتار ہو کر آئے تھے۔ اور قبیلہ تیم اللہ کی ایک عورت نے ان کو خرید لیا تھا" محل نظر ہے۔ روایات سے اس قدر تو ثابت ہے کہ خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں جب لشکر اسلام نے لشکر فارس کو شکست دی تو اس وقت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور امام ابن سیرین کے والد گرفتار کر لئے گئے تھے بالفرض اگر صاحب اتحاف النبلاء کے اعتراض کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کیا ہوا کیونکہ معیار شرافت تقوی ہے نہ کہ نسب' قرآن میں ارشاد ہے۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقکم[9]

ترجمہ :۔ تم میں شریف ترین اللہ کے نزدیک تمہارے سب سے زیادہ متقی ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اولی بی المتقون من کانوا و حیث کانوا[11]

ترجمہ :۔ مجھ سے نزدیک تر متقی ہیں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔

پھر بقول علامہ جلال الدین سیوطی کہ حدیث "لو کان الدین" کے مصداق امام صاحب ہیں۔ اب کسی مزید دلیل ذکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی پھر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کرام میں بہت سے صحابہ غلام تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں امت کے کس آزاد کو پیش کیا جا سکتا ہے؟ یا کفار مکہ کے سرداروں میں کس کا نام لیا جا سکتا ہے؟

ابو لہب فی فائق الحسن لم یجکن = ... بلال الاسود الدرن حالک

ترجمہ :۔ ابو لہب حسین ترین ہونے کے با .. حضرت بلال رضی اللہ عنہ سیاہ ترین پر فوقیت نہ لے سکا۔

حضرات تابعین اور ائمہ کرام کی ایک کثیر تعداد غلام تھی۔ عطاء بن ابی رباح ربیعۃ الرائے' نافع' طاؤس' ابن کیسان' ابن ابی کثیر' میمون بن مہران' مکحول' ضحاک بن مزاحم' حسن ابن سیرین یہ سب غلام ہی تھے لہٰذا اب اس اعتراض کی حقیقت کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مولیٰ ہیں تار عنکبوت کے سوا کچھ نہیں ہاں اس میں شک نہیں کہ بعض روایات میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام کے ساتھ لفظ "مولیٰ" ملتا ہے لیکن اس کا تاریخی پس منظر ہے۔

لفظ مولیٰ اور اس کا پس منظر:۔ اہل عرب اس کا استعمال بہت سے معنی میں کرتے ہیں۔ مثلاً مولیٰ بمعنی آقا' مولیٰ بمعنی غلام۔' مولیٰ بمعنی حلیف' لیکن اصطلاحاً" مورخین نے اس کا اطلاق غیر عرب پر کیا ہے۔

هو الاسم الذی اطلقه المورخون علی غیر العرب۔[12]

ترجمہ :۔ مولیٰ ایک اسم ہے جس کا اطلاق مورخوں نے عجمیوں پر کیا ہے۔

اور حضرات تابعین کے زمانہ میں یہ لفظ فقہائے کرام کے لئے بھی مستعمل تھا۔

هم حمله الفقه فی عصر التابعین۔[13]

ترجمہ :۔ موالی عصر تابعین میں اہل فقہ تھے۔

لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ تابعین کے زمانہ میں تمام اہل فقہ کو موالی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا؟ غالباً" اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں اہل عرب فتوحات میں زیادہ مشغول تھے اور اسلامی سلطنت کی حدود روز بروز وسیع تر ہو رہی تھیں۔ عربوں کی عجمی شہروں اور اہل عجم کو عربی امصار میں آنے جانے کے مواقع کثرت سے پیش آتے تھے اور اسی ضمن میں فریقین کے دوستانہ تعلقات بھی قائم ہو گئے تھے ایسے تعلق کو اہل عرب ولا اور ایسے اشخاص کو موالی کہتے تھے۔ لہٰذا اگر زوطی (امام کے دادا) نے بھی کسی عرب سے یہی رشتہ قائم کر لیا ہو تو کیا بعید ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ اس زمانہ میں علماء و فقہاء ہی موالی کیوں تھے؟ وجہ اس کی صاف ظاہر ہے کہ اہل عرب کو فتوحات اور امور حکمرانی سے فرصت نہیں تھی جو وہ علم کی طرف توجہ کرتے اور اس وقت تک علم حدیث' فقہ اہل عرب کے نزدیک فن کے درجہ میں شمار نہیں ہوتے تھے مگر اہل عجم کے نزدیک ان کی حیثیت ایک مستقل فن کی تھی اور وہ ان کو فن ہی کی طرح سیکھتے تھے لہٰذا اس وقت اہل عجم کو اسی علمی شرافت کی وجہ سے اگر "موالی" سردار کہا گیا ہو تو قرین قیاس ہے۔

علامہ نووی[14] نے تہذیب الاسماء و اللغات کے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ لفظ مولیٰ[15] زیادہ دوستی کے عہد و پیمان یعنی مولی الموالات کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مولیٰ چونکہ غلام کو بھی کہتے ہیں اس لیے امام اعظم کے بارے میں

بعض لوگوں کو دھوکہ ہوا ہے اور وہ مولی کے معنی غلام کے سمجھ بیٹھے لیکن چونکہ خود امام صاحب کی اپنی تصریح موجود ہے کہ یہ نسبت دوستی کے عہد و پیا کی نسبت ہے اس لئے اب دوسرے احتمال کی گنجائش نہیں ہے چنانچہ امام طحاوی مشکل الآثار میں جو فن حدیث میں اپنے موضوع پر بے مثال کتاب ہے۔ عقد مولالات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> عبد اللہ بن یزید کہتے ہیں میں امام ابو حنیفہ کے پاس گیا انہوں نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو' میں نے عرض کیا کہ ایسا شخص جس پر اللہ نے اسلام کے ذریعے احسان کیا یعنی نو مسلم۔ امام صاحب نے فرمایا یوں نہ کہو بلکہ ان قبائل میں سے کسی سے تعلق پیدا کرلو پھر تمہاری نسبت بھی ان کی طرف ہو گی میں خود بھی ایسا ہی تھا۔

یہ عبداللہ بن یزید امام اعظم کے شاگرد ہیں چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ سمع من ابن عون و ابی حنیفۃ' یہ ابن عون اور ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں[16] فن حدیث میں ان کا شمار امام بخاری کے اساتذہ میں ہے[17] خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ بتا یہ رہا تھا کہ امام اعظم کو تیمی غلامی کی وجہ سے نہیں بلکہ دوستی کے عہد و پیان کی وجہ سے کہتے ہیں۔ الصیمری[18] نے مناقب میں اور الخطیب نے تاریخ بغداد میں امام صاحب کو پوتے اسماعیل بن حماد کا یہ بیان لکھا ہے کہ

> میں اسماعیل پسر حماد پسر نعمان پسر ثابت پسر نعمان پسر مرزبان ابناء فارس سے ہوں اور ہم آزاد ہیں واللہ ہم پر غلامی کا دور کبھی نہیں آیا ہے[19]

اس تاکیدی اور قسم۔ والے بیان سے اس غلط شہرت کی تردید ہوتی ہے جو امام صاحب کے دادا کے بارے میں پیدا ہو گئی ہے۔ کہ وہ بنی تیم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور اس غلط فہمی کا سرچشمہ ابو حازم عبدالحمید کا وہ بیان ہے جو حافظ ذہبی نے مناقب میں درج کیا ہے۔

رخ انور اور سراپائے امامت:۔ اس اور اکثر مؤرخین کی ترجیح کہ امام اعظم کی ولادت سنہ 80ھ بمطابق سنہ 699ء بمقام کوفہ ہوئی حافظ مزی نے تہذیب الکمال میں اور ابن خلکان نے تاریخ میں اسے راجح قرار دیا ہے۔ لیکن ایک روایت میں حافظ سمعانی اور ان کے ساتھ حافظ ابن حبان نے کتاب الجرح و التعدیل میں اور ابو القاسم سمعانی نے روضۃ الصفا میں سنہ 61ھ کو راجح بتایا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر کے رائے میں یہی صحیح ہے ان کا دعوی ہے کہ آپ معمرین میں سے ہیں۔

جاوز التسعین فی العمر[20]

ترجمہ :- عمر نوے سے زیادہ ہے۔

حافظ ذہبی نے مشہور محدث ابو نعیم الفضل بن دکین سے نقل کیا ہے کہ امام اعظم خوش رو، خوش پوش، خوش مجلس، کریم النفس، خوشبو پسند اور اپنے رفقاء کے بڑے ہی ہمدرد تھے۔[21] امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قد میانہ تھا نہ بہت لمبے قد کے تھے اور نہ کوتاہ، نہایت شیریں زبان، بڑے دلکش اور قادر الکلام تھے۔[22]

امام اعظم کے پوتے اسماعیل بن حماد فرماتے ہیں کہ امام اعظم کسی قدر دراز قد تھے۔ آپ کے رنگ پر گندم گونی تھی۔ اچھا لباس پہنتے، عام زندگی میں اچھی حالت میں رہتے، خوشبو کا اتنا استعمال کرتے تھے کہ آپ کی نقل و حرکت کا اندازہ خوشبو کی مہک سے ہوتا تھا۔[23]

تحصیل علم کی ابتداء:- امام صاحب کا آبائی پیشہ تجارت تھا، اسی لئے آپ نے بھی اسی کو اختیار کیا اور اسی کو ذریعہ معاش بنائے رکھا۔ ائمہ میں کسب معاش اور اشاعت علم دو متضاد راہوں پر بیک وقت گامزن ہونے کی سب سے پہلی مثال آپ نے قائم کی آپ نے اپنے علم کو امراء و سلاطین کے عطیات کا کبھی شرمندہ احسان نہیں بنایا۔ اور نہ تلامذہ اور عقیدت مندوں کا ہی مرہون کرم بنایا بلکہ تلامذہ اور غرباء و مساکین کو اپنے مال میں شریک بنائے رکھا اور ہمیشہ ایسے ضرورت مندوں کی تربیت و پرورش فرمائی جو لاوارث اور نادار تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ آپ ہی کے پرورش کردہ اور تربیت یافتہ ہیں۔

ریشمی کپڑے کی تجارت کا کام تھا، ہزاروں اور لاکھوں کا کاروبار تھا اور عراق و شام ایران و عرب کو مال سپلائی کیا جاتا تھا اتنے پھیلاؤ اور وسعت کے باوجود کیا مجال کہ ایک درہم مشتبہ آ جائے یہی وجہ تھی کہ آپ کی تجارت صدق و امانت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تجارت کا نمونہ تھی۔[24]

تجارت امور کی وجہ سے شہروں اور بازاروں میں آپ کی بکثرت آمد و رفت رہتی تھی۔ ایک دن گزرتے ہوئے اما شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہو گئی۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا، صاحبزادے کیا کرتے ہو؟ کہاں آتے جاتے رہتے ہو؟ جواب دیا تجارت مشغلہ ہے۔ اسی مشغلے میں لگا رہتا ہوں۔ سوداگروں کے پاس آمد و رفت رہتی ہے، پوچھا علماء کے پاس بھی آتے جاتے ہو؟ جواب دیا

انا قليل الاختلاط اليهم

ترجمہ :- میں ان کے پاس کم آتا جاتا ہوں۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ گوہر نایاب دیکھ کر علم کی ترغیب دی جس کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں

فوقع فی قلبی من قوله فترکت الاختلاط بالسوق و اخذت فی العلم[25]

ترجمہ:- میرے قلب میں امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی بات بیٹھ گئی اور میں نے بازار کی آمد و رفت چھوڑ کر علم کو حاصل کرنا شروع کر دیا۔

اس وقت امام صاحب کی عمر کیا تھی؟ اس کے متعلق آپ کے قدیم و جدید دونوں سوانح نگاروں نے سکوت اختیار کیا ہے' حد یہ ہے کہ ابو زہرہ مصری جیسے محقق اور علامہ شبلی جیسے مورخ بھی سکوت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے اس کا حل قطعیات سے تو ممکن نہیں لہذا ظنیات اور قیاسات سے کام لینا پڑ رہا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ نے سنہ 96ھ تک حصول علم کی طرف توجہ نہیں کی تھی اس وقت ولید حیات تھا۔ سنہ 96ھ کے اواخر میں ولید کا انتقال ہوا اس کے بعد سلیمان تخت پر بیٹھا اور اس کا سنہ 99ھ میں انتقال ہوا اس وقت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے اور وہ سنہ 101ھ میں وفات پا گئے لہذا آپ نے سنہ 96ھ لغایت سنہ 101ھ کے کسی حصہ میں تحصیل علم کی ابتداء فرمائی ہو گی اس لئے کہ سنہ 120ھ میں امام حماد کا انتقال ہوا۔[26] اس وقت امام صاحب کی عمر 40 سال کی تھی۔[27] اور آپ کو ان کی شاگردی اختیار کئے ہوئے 18 سال ہو چکے تھے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب کا قول نقل فرماتے ہیں۔

قدمت البصره فظننت انی لا اسئل عن شئی الا اجبته فسالونی عن اشیاء و لم یکن عندی فیها جواب فجعلت علی نفسی لا افارق حماد حتی یموت فصحبته ثمانی عشره سنه۔[28]

ترجمہ:- میں بصرہ اس خیال سے آیا کہ جس چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھا جائے گا میں اس کا جواب دوں گا چنانچہ چند چیزوں کے بارے میں مجھ سے پوچھا گیا تو ان کا جواب میرے پاس موجود نہ تھا چنانچہ میں نے تاحیات امام حماد کی صحبت میں رہنے کا فیصلہ کر لیا لہذا میں 18 سال تک ان کی مجلس میں رہا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے 18 سال طالب علمی کی اور اس کے بعد اپنا حلقہ درس شروع کر دیا تھا اس طرح سنہ 102ھ کو ابتداء مان کر سنہ 120ھ (18ھ سال) کو سن فراغت مانا جائے گا لیکن یہ 18 سال مدت

تحصیل علم فقہ و حدیث کے لئے قرار دی جائے گی کیونکہ ابتداء" آپ نے علم کلام حاصل کیا تھا جیسا کہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرنا اور مدتوں علم کلام اور مناظروں میں شرکت کرنا پھر ایک عورت سائلہ کی وجہ سے فقہ کی طرف متوجہ ہونا یہ سب قرائن ایسے ہیں جن سے ابتداء سنہ 103 سے چشم پوشی برتنی پڑے گی اس کے متعلق تحقیق آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا طلب علم کے لئے سفر:۔ اس میں شک نہیں ہے کہ امام اعظم کے اپنے گھر اتنا ذخیرہ وافر تھا کہ اگر صرف اسی جگہ کا علم حاصل کرتے تو علم میں کمی نہ آتی۔ امام یحییٰ بن معین جو سید الحفاظ اور ناقد فن کہلاتے ہیں کوفہ کے مشہور امام مسعر بن کدام کے متعلق فرماتے ہیں کہ

لم یرحل مسعر فی حدیث قط۔[29]

لیکن اس کے باوجود صرف کوفہ ہی رہ کر علم حدیث میں ان کی معلومات کا حال یہ تھا کہ امام شعبہ جیسا امام حدیث ان کو علم حدیث کی ترازو کہتا تھا اور محمد بن بشر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دس کم ایک ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔[30] صحابہ و تابعین اگرچہ تمام اسلامی شہروں میں گئے ہیں مگر روایت و حدیث کے باب میں جو مرکزیت کوفہ اور مکہ و مدینہ کو حاصل تھی وہ دوسرے شہروں کو نہ تھی۔ حافظ ابن عبدالبر نے بسند متصل امام ابن وہب کی زبانی نقل کیا ہے کہ ایک بار امام مالک سے کسی نے مسئلہ پوچھا آپ نے اس کا جواب دیا اس پر پوچھنے والے کے منہ سے نکل گیا کہ شام والے تو اس مسئلہ میں کچھ اور ہی بتاتے ہیں اور آپ کے خلاف ہیں۔ آپ نے فرمایا متی کان ھذا الشان فی الشام؟ شام والوں کو یہ مقام کب سے ملا ہے؟ امنا ھذا الشان وقف علی اہل المدینہ و اہل الکوفہ☆ یہ شان تو صرف کوفہ اور مدینہ کی ہے۔۔ شاید اسی لئے امام مالک نے بھی کبھی طلب علم کے لئے سفر نہیں کیا کیونکہ مدینہ دارالعلم تھا۔ اس کے باوجود امام اعظم نے حدیث کی خاطر رخت سفر باندھا تاکہ آپ کے خزانہ علمی میں صرف مقامی نہیں بلکہ بیرونی معلومات کا بھی سرمایہ ہو۔

علم کی خاطر اسلام میں سفر کی اہمیت:۔ علم دین حاصل کرنے کے لئے جو سفر کیا جاتا ہے اسے رحلہ کہتے ہیں۔ قرآن و سنت میں اس مبارک سفر کی بہت زیادہ ترغیب ہے۔

ارشاد ہے:

فلو لا نفر من کل فرقہ منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین و لینذروا قومهم اذا رجعوا

الیھم لعلھم یحذرون۔ [31]

ترجمہ :- پھر کیوں نہ نکلے ان کی ہر جماعت میں سے چند لوگ تاکہ تفقہ پیدا کریں دین میں اور تاکہ لوگوں کو بیدار کریں جب پلٹ کر جائیں۔۔

قرآن کی اس آیت میں جس مقصد کی خاطر رخت سفر تیار کرنے اور گھر سے بے گھر ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ دین میں تفقہ ہے اسی کو علم الشرعیہ، علم الفقہ اور علم قانون کہتے ہیں۔ علوم شرعیہ میں علم فقہ کا مقام بالکل انتہائی اور آخری ہے۔ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں کہ یہ آیت فقاہت کی تلاش کے لئے ہے۔ قرآن میں جس موقعہ پر یہ آیت آئی ہے وہاں جہاد کا تذکرہ ہے جہاد اور طلب فقہ میں مناسبت جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ بتائی ہے کہ طالب فقہ اور مجاہد دونوں کا نکلنا اللہ کی راہ میں نکلنا ہے۔ اور دونوں کا مقصد اللہ کے دین کی برتری ہے۔

اور فقیہہ مخاطب ہے ایسا ہی محدث بھی ہے کیونکہ قران و حدیث ہی فقہ کا سرچشمہ اور مرکز ہیں۔۔

قرآن میں علم کی خاطر موسی کے سفر کا تذکرہ ہے چنانچہ امام بخاری نے حضرت موسی علیہ السلام کے سفر علمی کے لئے اپنی صحیح میں ایک مستقل عنوان قائم کیا اور عنوان کی بنیاد ہی حضرت موسی علیہ السلام کی اس درخواست پر رکھی ہے جو اللہ سبحانہ نے قران حکیم میں نقل کی ہے۔۔

ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا۔ [32]

ترجمہ :- کیا میں تیرے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھ کو سکھلا دے کچھ جو تجھ کو سکھلائی ہے بھلی راہ۔

صرف اسی باب پر امام بخاری نے اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے بعد امام صاحب نے ایک اور باب الخروج فی طلب العلم کے عنوان سے قائم کیا ہے۔ اور دونوں میں ایک حدیث یعنی حضرت موسی علیہ السلام کا بھی واقعہ کہ آپ نے طلب علم کے لئے مجمع البحرین کا سفر نقل کیا ہے۔ اور ان دو بابوں کے بعد پھر احتیاط در علم و حکمت کا عنوان لائے ہیں گویا ان دونوں عنوانوں میں حضرت موسی علیہ السلام کے سفر علمی کا تذکرہ چھیڑ کر امام بخاری یہ ترغیب دے رہے ہیں کہ طلب علم کی راہ میں کسی حال میں کسی مشقت سے منہ نہ پھیرنا چاہیے کیونکہ حضرت موسی علیہ السلام نے سیادت و نبوت کے مقام اعلی پر پہنچنے کے باوجود بھی طلب علم کے لئے سفر کیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

لان موسی لم یمنعہ بلوغہ من السیادہ المحل الاعلی من طلب العلم و رکوب

البحر والبر لاجلمہ[33]

ترجمہ:۔ حضرت موسی علیہ السلام کا بزرگ ترین مقام پر پہنچنا طلب علم اور اس کی خاطر بحری و بری سفر سے مانع نہیں ہوا ہے۔

امام مسلم نے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے۔

من سلک طریقاً یلتمس فیہ علماً سہل اللہ لہ طریقاً الی الجنہ۔[34]

ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کے حوالہ سے جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع

ترجمہ:۔ جو بھی طلب علم کے لئے نکلتا ہے وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں ہے۔[35]

ابو داود میں کثیر بن قیس کی زبانی یہ واقعہ آیا ہے۔

کثیر بن قیس کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک شخص آیا اور بولا کہ اے ابو الدرداء! میں آپ کے پاس مدینۃ الرسول سے آیا ہوں اور آیا بھی صرف اس لئے ہوں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی بیان کرتے ہیں۔ میرے آنے کا مقصد صرف یہ ارشاد گرامی سننا ہے۔ اور کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ابو الدرداء نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص طلب علم کی خاطر راہ چل کر آئے اللہ پاک اس کو جنت کے راستہ پر چلائے گا۔ اور اللہ کے فرشتے طالب علم کی خاطر اپنے بازو بچھاتے ہیں اور آسمان و زمین والے تاآنکہ سمندر کی گہرائی میں مچھلیاں اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہیں۔ عالم عابد پر ایسی ہی برتری رکھتا ہے۔ جیسے چودھویں رات کا چاند عام ستاروں پر' اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے میراث میں درہم و دینار نہیں چھوڑے ہیں بلکہ انبیاء کی میراث تو علم ہے جو اسے لیتا ہے خوب لیتا ہے۔[36]

امام بخاری نے اپنی مشہور کتاب الادب المفرد میں' امام احمد نے اپنے مسند میں اور حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں بحوالہ عبداللہ بن محمد بن عقیل حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا طلب علم کے لئے سفر اختیار کرنے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

مجھے ایک صاحب کے متعلق اطلاع ملی ہے۔ انہوں نے حضور انور ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے۔ میں نے فوراً" اونٹ خریدا اس پر کجاوہ کسا اور ان صاحب کی طرف ایک ماہ کا سفر اختیار کر کے سیدھا ملک شام پہنچا۔ یہ صاحب عبداللہ بن انیس تھے۔ میں نے ان کے دربان سے کہا کہ جا کر کہو جابر دروازے پر کھڑا ہے۔ انہوں نے سنتے ہی پوچھا کیا ابن عبداللہ! میں نے کہا ہاں فوراً" باہر تشریف لائے اور مجھ سے بغلگیر ہوئے۔ میں نے کہا کہ مجھے ایک حدیث کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ آپ نے آنحضرت ﷺ سے سنی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میری زندگی ایسی حالت میں ختم نہ ہو جائے کہ میں حضور انور ﷺ کے ارشاد گرامی سے محروم رہوں۔ اس کے بعد عبداللہ ابن انیس نے وہ حدیث بیان کی۔ یہ حدیث آخرت میں قصاص سے متعلق ہے۔

ابو داود میں حضرت عبداللہ بن بریدہ کے حوالے سے منقول ہے کہ۔

ایک صحابی ایک حدیث کی خاطر سفر کر کے فضالہ بن عبید کے پاس گئے یہ اس وقت اپنی اونٹنی کو چارہ ڈال رہے تھے دیکھتے ہی بولے مرحبا! مسافر صحابی نے کہا میں ملاقات کے لئے نہیں بلکہ ایک حدیث کی خاطر آیا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے وہ حدیث سنی ہے۔ فضالہ نے پوچھا وہ کون سی حدیث ہے؟ میں نے کہا کہ فلاں حدیث جس میں یہ آیا ہے۔

امام دارمی نے بسند صحیح بسر بن عبداللہ سے یہ روایت کی ہے کہ میں صرف ایک حدیث کی خاطر شہر شہر کا سفر کرتا تھا۔ حضرت سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ ایک ایک حدیث کے لئے دن رات چلتا تھا۔[37]

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ اسلام میں علمی سفر کا مقام بہت بلند ہے۔ اور اس کے فضائل بے شمار ہیں اور قرآن حکیم کی اس ترغیب کی وجہ سے اس کا رواج صدر اول میں ہو چکا تھا۔ امام شافعی کے حدود سفر میں حافظ ابن حجر نے توالی التاسیس میں حسب ذیل مقامات بتائے ہیں۔ مدینہ' یمن' عراق اور مصر' امام احمد نے طلب حدیث کے لئے کوفہ' بصرہ' شام اور جزیرہ کا سفر کیا ہے۔[38] امام ابو یوسف نے عراق' حجاز' شام اور دیگر ممالک کے بہت سے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے۔[39] اور امام محمد نے کوفہ' بصرہ' مکہ' شام اور بلاد عراق میں جاکر حدیث سنی تھی۔[40] حافظ ذہبی نے مناقب میں خود امام محمد کی زبانی نقل کیا ہے۔ کہ والد محترم نے تیس ہزار درہم چھوڑے تھے ان میں سے میں نے پندرہ ہزار نحو اور شعر کی تحصیل پر خرچ کئے اور باقی پندرہ ہزار حدیث و فقہ کی تکمیل پر۔

بہر حال علم حدیث کے لئے سفر کرنا اور اس کی دھن میں ملک ملک پھرنا سلف کا معمول تھا۔ اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے خلف[41] بن ایوب سے ایک مسئلہ دریافت کیا وہ کہنے لگے' مجھے تو معلوم نہیں ہے نووارد نے کہا کہ پھر کسی ایسے شخص کا مجھے پتہ بتایئے جسے یہ مسئلہ معلوم ہو' فرمایا ایسے تو حسن بن زیاد ہیں جو کوفہ میں ہیں۔ اس پر پوچھنے والے نے کہا کہ کوفہ تو بہت دور ہے۔ امام خلف بن ایوب نے فرمایا کہ من همه الدين فالكوفه اليه قريبة☆ یعنی جسے دین کی فکر ہو اس کے لئے کوفہ نزدیک ہے۔ اسی بنا پر اصول حدیث کی کتابوں میں اس علمی سفر کے لئے خاص خاص ہدایات آئی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

> رحلت یہ ہے کہ اپنے شہر کی حدیثوں کو پہلے معلوم کرے اور ان کو یاد کرے پھر دوسرے شہروں کا سفر کرے سفر میں وہ کچھ حاصل کرے جو اس کے پاس نہ ہو۔[42]

امام اعظم نے جب علم حدیث پر توجہ کی تو اسی قاعدے کے مطابق سب سے پہلے اپنے شہر کے اساتذہ فن کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور ایک عرصہ تک وطن عزیز ہی میں تحصیل علم میں مصروف رہے اور جن جن اساتذہ سے کوفہ میں استفادہ کیا اس کا ایک چھوٹا سا خاکہ آپ کے سامنے آ چکا ہے۔ جب آپ کوفہ سے سیراب ہو چکے تو دوسرے مقامات کا رخ کیا۔

رحلت علمیہ کی تاریخ:۔ امام اعظم کی رحلت علمیہ کی تاریخ تو معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ جامع بیان العلم میں حافظ ابن عبدالبر نے خود امام صاحب کا جو بیان درج کیا ہے۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے پہلا سفر اپنے والد محترم کی معیت میں مکہ کا کیا ہے۔ اور اسی سفر میں آپ کی جناب رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن الحارث سے ملاقات ہوئی ہے اس میں تصریح ہے:

> میری عمر اس وقت سولہ سال تھی کہ میں نے سنہ 96ھ میں اپنے والد کی ہمرکابی میں حج کا سفر کیا۔[43]

حج اس زمانے میں افادہ و استفادہ کا سب سے بڑا ذریعہ تھا کیونکہ ممالک اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال حرمین میں آ کر جمع ہوتے تھے اور درس و افتاء کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ابو الحسن مرغینانی نے بسند متصل نقل کیا ہے کہ امام اعظم نے ایک بار نہیں بلکہ 55 بار حج کیا ہے[44] نیز آپ نے طلب علم کی خاطر بصرہ کا بیس مرتبہ سے زیادہ سفر کیا ہے۔ اور اکثر پورا پورا سال وہاں قیام بھی کیا ہے۔[45]

ان تاریخی روایات سے یہ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے طلب علم کی خاطر مکہ' مدینہ اور بصرہ کا سفر کیا ہے۔ لیکن آغاز سفر کے بارے میں جامع بیان العلم کی روایت کے علاوہ کوئی مثبت تصریح نہیں ہے اس لئے قیاس یہی ہے کہ آغاز اگرچہ سنہ 96ھ میں ہو چکا تھا مگر ان علمی سفروں میں باقاعدگی اور تسلسل سنہ 104ھ کے بعد ہوا ہے۔ الیافعی کی تصریح کے مطابق امام شعبی کا سال وفات سنہ 104ھ ہے۔ اسی کے بعد آپ نے سفر کا باقاعدہ آغاز شروع کیا ہے۔ کیونکہ آپ یہ پہلے سن چکے ہیں کہ امام صاحب امام حماد کے پاس علم الشرائع کی خاطر اٹھارہ سال رہے ہیں۔ امام حماد کی تاریخ وفات سنہ 120ھ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام اعظم نے سنہ 104ھ سے مسلسل علمی سفر کئے ہیں۔ اور آخر عمر تک حج سے تو کوئی سال بھی خالی نہیں ہے کیونکہ اگر آپ نے 55 حج کئے ہیں جیسا کہ امام ابوالحسن مرغینانی نے بیان کیا ہے تو پہلا حج سنہ 96ھ میں ہی آتا ہے۔ اور یہ وہی حج ہے جب آپ اپنے والد محترم کے ساتھ پہلی بار حج کو تشریف لے گئے ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن الحارث ؓ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اس کے بعد آپ کی عمر کا کوئی سال بھی حج سے خالی نہیں ہے۔

اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ذہبی نے امام لیث بن سعد کی ملاقات کے سلسلے میں لکھا ہے۔

> امام لیث فرماتے ہیں کہ میں امام اعظم کی شہرت سنتا تھا ملنے کا بے حد مشتاق تھا۔ حسن اتفاق سے مکہ میں اس طرح ملاقات ہوئی کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص پر ٹوٹے پڑے جا رہے ہیں۔ مجمع میں میں نے ایک شخص کی زبان سے کلمہ سنا کہ اے ابو حنیفہ! میں نے جی میں کہا لو تمنا بر آئی یہی امام ابو حنیفہ ہیں۔[46]

تذکرۃ الحفاظ میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ امام لیث بن سعد انیس سال میں حج کو تشریف لے گئے اور یہ بھی بتایا ہے کہ امام لیث کی اکاسی سال عمر تھی۔ سنہ 175ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔[47] یہ ان کا ملاقاتی حج ہے۔ ورنہ اس کے بعد بھی صرف امام اعظم کی ملاقات ہی کے لئے لیث بن سعد حج کو گئے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلے کا ایک واقعہ الحافظ ابو محمد الحارثی بسند متصل فقیہ مصر عبدالرحمن بن القاسم کی زبانی نقل کرتے ہیں:

> میں نے لیث بن سعد سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ مجھے ایک بار امام اعظم کا برائے حج ارادے کا علم ہوا۔ میں صرف امام اعظم سے ملاقات کی خاطر حج کو گیا۔ مکہ میں آپ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے آپ سے مختلف عنوانوں پر بہت سے مسائل دریافت کئے۔ میں نے آپ سے

دیوانی و فوجداری مسائل میں قتل خطا اور ... کے بارے میں پوچھا[48]

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ انیس سال کی عمر میں یعنی سنہ 113ھ میں امام لیث نے پہلا حج کیا ہے۔ جیسا کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے[49] اور امام اعظم کو اس موقعہ پر اس طرح پایا کہ

الناس متقصفین علیہ

ترجمہ:۔ لوگ ان پر ٹوٹے پڑے ہیں۔

اور بعد میں نام لینے پر معلوم ہوا کہ یہی امام اعظم ہیں۔

سنہ 113ھ میں ہجوم کا یہ ٹوٹ پڑنا بتا رہا ہے کہ یہ امام اعظم کا پہلا سفر نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے متعدد بار آ چکے ہیں اور ذات گرامی جانی پہچانی ہے ورنہ ایک اجنبی کے گرد ہجوم کہا ہوتا ہے اس لئے قرین قیاس یہی ہے کہ آپ نے شعبی کی وفات کے بعد حجوں کا لگاتار سلسلہ شروع کر دیا تھا اور امام لیث نے تو یہ بات جلوت کے متعلق بتائی ہے کہ

رایت الناس متقصفین علیہ

مگر امام ابو عاصم النبیل نے جو مکہ ہی کا واقعہ بتایا ہے اس میں تو بات یہاں تک کھول دی ہے کہ لوگوں کی عقیدت امام اعظم کو مکہ میں صرف جلوت ہی میں نہیں بلکہ گھر کی خلوت میں بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ اور صرف اصحاب حدیث نہیں بلکہ ارباب فقہ کا بھی آپ کے گرد ہجوم رہتا تھا چنانچہ امام ابو جعفر طحاوی نے بکار بن قتیبہ کے حوالہ سے امام ابو عاصم کی زبانی نقل کیا ہے کہ

> ہم مکہ میں امام اعظم کے پاس رہتے تھے آپ کے پاس ارباب فقہ اور اصحاب حدیث کا ہجوم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو صاحب خانہ کو کہہ کر ہم سے ان لوگوں کو ہٹوائے۔[50]

اس سے ایک طرف اگر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ امام اعظم مستقل طور پر مکہ جاتے تھے اور وہاں آپ نے بود و باش بھی اختیار کی تھی تو دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں امام اعظم سے دونوں مدرسے یکساں فائدہ اٹھاتے تھے اور امام صاحب کی علم الفقہ اور علم الحدیث دونوں فنون میں لوگوں کو جلالت قدر کا یکساں اقرار تھا اس مقصد کی خاطر لوگ دور دور سے چل کر آتے تھے ۔

حج کے عام سفروں کے علاوہ اموی حکومت کے آخری دور میں حکومت کے جور و ستم اور ظلم و تعدی سے تنگ آ

کر آپ نے حجاز کا رخ کیا۔ کردری ر ز ہیں۔

فھرب الی مکہ و اقام بھا سنہ مائہ و ثلاثین۔[1]

ترجمہ:۔ مکہ روانہ ہو گئے اور وہاں سنہ 130ھ تک قیام فرمایا۔

اسی زمانے میں اموی حکومت کے خلاف سازش شروع ہوئی عباسیوں کے اشارے سے ابو مسلم نے بغاوت کرائی جب تک عباسی تحریک اموی حکومت کا خاتمہ کر کے عباسیوں کو تخت حکومت دلانے میں کامیاب نہیں ہوئی' امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حجاز ہی میں رہے اور بالآخر

قدم ابو حنیفہ الکوفہ فی زمن ابی جعفر المنصور۔[2]

ترجمہ:۔ امام ابو حنیفہ ابو جعفر منصور کے زمانے میں کوفہ آئے۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ سفاح کی حکومت کا پورا زمانہ چار سال نو ماہ امام اعظم نے کوفہ سے باہر حجاز میں گزارے۔

حجاز میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مشاغل:۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اس زمانے کے دستور کے مطابق حجاز کے علماء محدثین سے فائدہ اٹھانے کا یہ زریں موقعہ ملا اور صرف استفادے کا نہیں بلکہ حجاز میں لوگوں کی مجلسیں قائم کرنے پر مجبور کر دیا۔ وزیر بن عبداللہ کا بیان ہے۔

> میں نے مکہ میں یاسین زیات کو دیکھا کہ سامنے ایک جماعت ہے اور وہ چلا چلا کر کہہ رہے ہیں لوگو! ابو حنیفہ کے پاس آیا جایا کرو اور ان کی مجالس کو غنیمت سمجھو' ان کے علم سے فائدہ اٹھاؤ کیونکہ ایسا آدمی پھر بیٹھنے کے لئے نہیں ملے گا اور حلال و حرام کے ایسے عالم پھر نہیں پاؤ گے اگر اس شخص کو تم نے کھو دیا تو علم کی بہت بڑی مقدار کھو دو گے۔[3]

اسلام کے اس سب سے بڑے مرکز میں ایک ممتاز عالم' محدث یاسین الزیات کی طرف سے اس قسم کے اعلان کا اس کے سوا کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا تھا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر مکہ میں دنیا ٹوٹ پڑے۔ الموفق نے ان کی یہ روایت نقل کی ہے۔

> ابو حنیفہ حرم کعبہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان پر خلقت کا ہجوم تھا ہر علاقے کے لوگ ہوتے تھے سب کو جواب دیتے اور فتوی بتاتے تھے۔

امام عبداللہ بن المبارک نے امام اعظم کے اس علمی اڈے کے تماشے کو مکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان کا خود بیان ہے۔

میں نے حرم کعبہ میں ابو حنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں اور مشرق و مغرب کے باشندوں کو فتویٰ دے رہے ہیں[4]

امام اعظم کی اس مجلس میں کس قسم کے لوگ شریک ہوتے تھے۔ یہ عبداللہ بن المبارک ہی کی زبانی سنیئے۔

و الناس یومئذ ناس

صدر الائمہ نے عبداللہ بن المبارک کے اس جملے کا مطلب یہ بتایا ہے کہ

یعنی الفقہائی الکبار و خیار الناس

ترجمہ:۔ عبداللہ کی مراد یہ ہے کہ بڑے بڑے فقہاء اور بہترین لوگوں کا مجمع تھا۔

الغرض حجاز میں امام اعظم کی ذات گرامی سے دونوں مدرسے محدثین اور فقہاء مستفید ہو رہے تھے یہ دونوں مدرسے الگ الگ ہیں دونوں میں بڑا جوہری فرق ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا زمانہ علوم کے لئے نہیں بلکہ فنون کے لئے باغ و بہار کا زمانہ تھا۔ آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو سنہ 86ھ مطابق سنہ 705ء میں ولید بن عبدالملک سریر آرائے حکومت ہوا' بنو امیہ کا آفتاب اقبال اس وقت نصف النہار پر تھا۔ عہد ولید خلافت اموی کے اوج شباب کا زمانہ ہے اور یہ واقعہ ہے فتوحات ملکی اور رفاہ عامہ کے کاموں کی جو سرپرستی ولید نے اپنے دور حکومت میں کی ہے۔ بنو امیہ میں سے کسی نے کم ہی کی ہو گی۔ ولید کی حکومت کا دائرہ مشرق و مغرب' شمال و جنوب میں حجاز و عراق سے افریقہ' شام' ایشیائے کوچک' ترکستان' ایران' افغانستان اور پاکستان میں شہر ملتان تک پھیلا ہوا تھا۔ حسن اتفاق سے ولید کو تین کارآمد اور مفید سپہ سالار مل گئے تھے قتیبہ بن مسلم الباہلی جس کے ذریعے ایشیا کے قلب تک اسلامی فتوحات پہنچیں۔ موسیٰ بن نصیر جس کے ذریعے اندلس میں جبرالٹر تک اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا' اور محمد بن قاسم جس کے ذریعے پاکستان میں ملتان تک اسلامی فتوحات کا پھریرا لہرایا۔

غرض ایک ہی وقت میں مسلمانوں کی فوجیں مشرق و مغرب' شمال و جنوب میں فتح و نصرت کے پرچم اٹھا رہی تھیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو ایسا کامیاب دور دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ ولید کا زمانہ حکومت سنہ 86ھ سے سنہ 96ھ

تک ہے اور یہی دور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے لڑکپن کا دور ہے' یہ سارا زمانہ امام اعظم نے کوفہ میں گزارا ہے۔

اگرچہ لکھنے والوں نے لکھا ہے۔ کہ امام اعظم کی علمی طلب گاریوں کی محرک علامہ التابعین امام شعبی کی ذات گرامی ہے اور اس سے سمجھنے والوں نے یہی سمجھا ہے کہ امام صاحب نے طلب علم کا سلسلہ بچپن میں نہیں بلکہ بڑے ہو کر شروع کیا ہے' لیکن یہ محض اندازہ اور خیال ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ علمی طلب گاریوں کا آغاز تو بچپن ہی میں ہو گیا تھا مگر امام شعبی کی ذات گرامی نے امام اعظم کو علم الشرائع کی طرف مائل کیا ہے چونکہ امام اعظم کو دوسرے فنون کے ساتھ علم الکلام سے خاص دلچسپی تھی اور اس دلچسپی کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ علم کلام میں اصول دین سے بحث ہوتی ہے اس لئے یہ علم تمام علوم سے برتر ہے۔ اس علم کی تکمیل اور صرف تکمیل ہی نہیں بلکہ اس میں درجہ امامت اور مہارت پیدا کر لی کہ:

بلغ فیہ مبلغا" یشار الیہ بالاصابع

ترجمہ :- اس مقام پر پہنچ گئے کہ انگلیاں ان ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔

اور اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جو صدر الائمہ نے یحییٰ بن بکیر کے حوالہ سے امام اعظم کی زبانی لکھا ہے۔

> میں ایک روز بازار جاتے ہوئے امام شعبی کے پاس سے گزرا' امام شعبی نے مجھے بلایا اور دریافت کیا کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ بازار' آپ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ علمی مشغلہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں علماء کے پاس [illegible] جاتا ہوں فرمایا کہ اس بارے میں غفلت کو راہ نہ دو۔ مطالعہ اور اہل علم کی صحبت کو اپنے لئے ضروری کر لو۔ مجھے تم میں ہونہاری اور بیداری نظر آ رہی ہے۔

یہ واقعہ خود کہہ رہا ہے کہ یہ آغاز طلب کا مشورہ نہیں بلکہ نظر فی العلم اور مجالست علماء کا مشورہ دے رہے ہیں۔ آپ خود ہی سوچئے کہ ایک شخص کو جو علم کی راہ سے واقف نہیں ہے' علماء سے ربط و ضبط نہیں رکھتا ہے صرف دکاندار ہے۔ اس میں ایک اجنبی شخص کے لئے کون سی کشش ہے جو اسے یہ کہنے پر مجبور کر رہی ہے کہ تم میں مجھے علمی بیداری نظر آتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام شعبی کو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی کلامی مسائل میں ہونہاری' بیداری کی داستان معلوم تھی۔ اس

بناء پر انہوں نے امام اعظم کو الشرائع کی طرف لگنے کا مشورہ دیا۔ اس کے نتیجے میں خود امام صاحب فرماتے ہیں کہ امام شعبی کی بات دل میں گھر کر گئی اور بازار چھوڑ کر بس علم ہی کا ہو رہا۔

گویا علم ہی کے ہو رہنے کا معاملہ اب پیش آیا ورنہ طلب علم کا آغاز تو اب سے بہت پہلے ہو چکا ہے خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو ایک غلطی کے ازالہ کی خاطر لکھنا پڑا۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے طلب علم کی داستان میں علم کلام کو بہت بڑی خصوصیت حاصل ہے۔

بشارت نبوی ﷺ اور محدثین کی تشریحات

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جن علمی کمالات، مجتہدانہ صفات، حفظ احادیث، فہم قرآن، تفقہ یعنی مبصرانہ فکر اور مجتہدانہ فیصلوں، عظیم فطرتی صلاحیتوں، سیاسی و اقتصادی، معاشی و عمرانی اور معاشرتی معاملات سے واقفیت اور تجربات کی جس وافر دولت سے نوازا تھا دراصل اس کے پس منظر میں پیغمبر اسلام آخر الزماں النبی ﷺ الصادق المصدوق کی بشارت اور پیش گوئی کو واقعاتی دنیا میں سچ کر دکھانا تھا گویا امام اعظم ابو حنیفہ کے وجود، علم و تفقہ، دینی خدمات و اجتہادات کو بھی بشارت نبوی کی صداقت اور حضور اقدس ﷺ کی پیشین گوئی کی واقعاتی دلیل بنانا تھا۔ صحیحین اور جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

۱- عن ابی هریرة قال کنا جلوساً عند النبی صلی الله علیه وسلم اذ نزلت علیه سورة الجمعه فلما قرء وآخرین منهم لما یلحقوا بهم قالوا من هؤلاء یا رسول الله صلی الله علیه وسلم فلم یراجعه النبی صلی الله علیه وسلم حتی سائله مرة او مرتین او ثلاثاً قال و فینا سلمان الفارسی قال فوضع النبی صلی الله علیه وسلم یده علی سلمان ثم قال لو کان الایمان عند الثریا لناله رجال من هؤلاء۔

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اسی مجلس میں سورہ جمعہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی "و آخرین منهم لما یلحقوا بهم☆ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ دوسرے لوگ کون ہیں

جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے ہیں حضور اقدس ﷺ نے جواب میں سکوت فرمایا۔ مگر پوچھنے والے نے دوبارہ سہ بارہ یہی سوال دہرایا۔ تو حضور اقدس ﷺ نے حضرت سلمان فارسی ؓ کے کاندھے پر ہاتھ مبارک رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا اگر ایمان ستاروں کی جھرمٹ اور آسمانی کہکشاں میں بھی ہو گا تو ان کے کچھ آدمی اسے ضرور پالیں گے۔[58]

2- مسند احمد میں ایک دوسری سند کے ساتھ یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

لو كان العلم بالثريا لتناوله ناس من ابناء فارس[59]

ترجمہ:- اگر علم ثریا میں بھی ہو تو فارس کے لوگ اسے پالیں گے۔

3- جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر دین ثریا ستارے کے قریب بھی ہو گا تو اس کو وہاں سے فارسیوں کا ایک آدمی حاصل کر لے گا۔

یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے بعض میں دین، بعض میں ایمان بعض میں علم کا لفظ ہے۔ اور اس کو بخاری، مسلم، شیرازی، طبرانی نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے قدرے مشترک حدیث کی صحت سے کسی کو انکار نہیں ہے بخاری و مسلم کی تخریج کے بعد تو تنقید کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ حدیث امام ابو حنیفہ ؓ کی فضیلت اور بشارت میں اصل صحیح ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف کے تلمیذ جناب محمد یوسف دمشقی نے مواہب کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

وما جزم أنه شيخنا تعالى ان ابا حنيفه هو المراد من هذا الحديث[60]

ترجمہ:- ہمارے شیخ نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ اس حدیث میں امام ابو حنیفہ مراد ہیں۔

علامہ ابن العابدین الشامی نے در المختار میں یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے اس میں شک نہیں ہے کہ ابنائے فارس میں امام ابو حنیفہ کے مبلغ علم کو کوئی نہیں پہنچا۔ لہٰذا یہ حدیث قطعاً" امام صاحب پر محمول ہے۔[61] اسی قسم کے الفاظ ملا علی قاری نے مرقاۃ کے مقدمہ میں ذکر فرمائے ہیں۔ مولانا خرم علی صاحب نے نیل الاوطار میں بھی اسی قسم کے الفاظ ذکر کئے ہیں ممکن ہے بعض کو یہ خیال ہو کہ اس سے تو امام ابو حنیفہ کی حضرت سلمان فارسی پر فوقیت اور فضیلت ثابت ہو گئی لیکن گذارش یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسی ؓ کو فضیلت صحبت حاصل ہے۔ اور یہ ایسی فضیلت ہے جس کو قیامت تک امت کا کوئی فرد نہیں پا سکتا۔ تمام فضیلتیں اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ لیکن علم و اجتہاد میں امام

صاحب ہی فوقیت رکھتے ہیں۔۔۔ اور جزوی فضیلت حاصل ہونا کوئی امرِ غیر مشروع بھی نہیں ہے کہ جس کی بناء پر اعتراض قائم کیا جائے۔

محدث کبیر علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بشارت دی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ "اگر علم ثریا پر بھی ہوتا تو کچھ لوگ ابناء فارس کے اس کو ضرور حاصل کرلیں گے"۔[62]

4- شیرازی نے "القاب" میں قیس بن سعد بن عبادہ سے ان الفاظ میں روایت کیا کہ "اگر علم ثریا پر بھی معلق ہوگا تو اس کو ابناء فارس کی ایک قوم ضرور حاصل کرلے گی"۔

5- حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مذکور کی اصل صحیح بخاری و مسلم میں ان الفاظ سے ہے کہ "اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو فارس کے کچھ لوگ اس کو وہاں سے حاصل کرلیں گے"۔[63]

6- مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو ابناء فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے بھی حاصل کرلے گا"۔

7- قیس بن سعد سے معجم طبرانی کبیر میں اس طرح ہے کہ "اگر ایمان ثریا پر بھی معلق ہوگا عرب اس کو نہ پہنچ سکیں تب بھی رجال فارس اس کو حاصل کرلیں گے"۔

8- حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے معجم طبرانی میں اس طرح ہے کہ "اگر دین ثریا پر بھی معلق ہوگا تو اس کو کچھ لوگ ابناء فارس میں سے ضرور حاصل کرلیں گے"

9- حافظ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان[64] میں حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض تلامذہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ہمارے استاذ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یقین کیا ہے کہ

یہ سب تفصیل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کرکے تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث اصل کے اعتبار سے صحیح ہے۔ بشارت و فضیلت کے باب میں معتمد ہے اور اس کے ہوتے ہوئے امام صاحب کی منقبت میں کسی غیر معتمد حدیث کی ضرورت نہیں۔ جس طرح امام مالک اور امام شافعی کے بارے میں بھی دو حدیثیں بشارت و فضیلت کے طور پر ائمہ نے ذکر کی ہیں۔ اور وہ کافی ہیں۔

اس حدیث سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی مراد ہیں کیونکہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ امام اعظم کے زمانے میں

اہل فارس میں سے کوئی بھی امام صاحب کے علمی مقام اور فقہی قدر و منزلت کو نہیں پہنچ سکا اور آپ تو آپ بلکہ آپ کے تلامذہ کا مقام بھی کوئی نہ پا سکا۔

اساتذہ و طلبہ علم حدیث یہ بات جانتے ہیں کہ اکثر ائمہ فن اور اساتذہ و شارحین حدیث نے حضور اقدس ﷺ کی اس پیشین گوئی کا صحیح مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کو قرار دیا ہے۔ تبییض الصحیفہ میں علامہ جلال الدین سیوطی نے تحریر فرمایا ہے کہ

فھذا اصل صحیح یعتمد علیہ فی البشارہ

ترجمہ :- بشارت میں یہ روایت اصل صحیح اور قابل اعتماد ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر گفتگو کے دوران اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے

"ایک روز اس حدیث پر ہم نے گفتگو کی۔ میں نے عرض کیا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس حکم میں داخل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علم فقہ کی اشاعت ان کے ہاتھوں سے کرائی۔ اور اہل اسلام کی ان کے ذریعہ اصلاح فرمائی۔ بالخصوص اس آخری دور میں کہ ملک میں یہی مذہب ہے سارے شہر میں بادشاہ حنفی ہیں۔ قاضی حنفی ہیں اور مدرسین حنفی ہیں"۔ [62]

نواب صدیق حسن خان' اس معاملہ میں بہت پیچ و تاب کھاتے رہے مگر حدیث کے مصداق میں تحریف کب کر سکتے تھے انہی کے قلم سے نکلے ہوئے لفاظ ہیں۔

ہم امام دراں داخل است و ہم جملہ محدثین فرس [63]

ترجمہ :- امام ابو حنیفہ بھی اس حدیث کے مصداق ہیں اور جملہ محدثین فارس بھی۔

ابو حنیفہ نبوت کا اعجازی کارنامہ ہیں:- کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں امام اعظم ابو حنیفہ کے نام سے چڑ ہے۔ نام سنتے ہی چیں بجبیں ہو جاتے ہیں سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔ حقیقت منہ دیکھتی رہ جاتی ہے۔ جب اس کے نام لیوا' اس کے دیکھنے سے کنی کترا جاتے ہیں۔ مگر قربان جائیے ائمہ اسلاف اور محدثین عظام کے جنہوں نے صرف حدیث کے الفاظ ہی نہیں بلکہ مراد' معانی' اشارات اور مقتضیات تک کی حفاظت کر کے امت کے حوالے کر دیا ہے۔ اور بتانے والوں نے تو یہاں تک ڈنکے کی چوٹ پر بتا دیا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ لسان نبوت کی پیش گوئی کے اولین مصداق ہونے کی وجہ سے خاتم النبیین ﷺ کے ختم نبوت کی صداقت کی ایک دلیل اور نبوت کا ایک اعجازی کارنامہ ہیں۔

چنانچہ خیرات الحسان میں علامہ ابن حجر ہیثمی سے منقول ہے کہ

فیہ معجزۃ ظاہرۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبر بما سیقع۔[67]

ترجمہ:۔ اس میں حضور اقدس ﷺ کا کھلا معجزہ ہے کہ آپ نے ہونے والی بات کا پتہ دیا ہے۔

نہ ماننے والے اور صرف انکار ہی کی ڈگر پر چل پڑنے کا فیصلہ کر لینے والوں کے لئے جبرئیل بھی ناکافی ہے اور اگر فطرت سلیم ہو تو ایک سچے مومن مسلمان کی بات کا بھی یقین کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر ایک پیغمبرایک ایسا پیغمبر جس کے بعد کسی دوسرے پیغمبر نے نہیں آنا جو زمانہ نبوت سے قبل ہی الصادق الامین کے لقب سے معروف اور مشہور تھا۔ نظام کائنات کے بدیہی حقائق کے وجود میں شک ہو سکتا ہے مگر محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد' تعلیم و حکمت اور پیش گوئی میں محض بطور وسوسہ بھی شک کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ حضور اقدس ﷺ "من ابناء فارس" کے الفاظ سے آنے والی جس عظیم شخصیت کا مژدہ سنا رہے ہیں تاریخ کی کھلی شہادت' واقعات' اکابر ائمہ حدیث اور شارحین کی تصریحات کی روشنی میں کیا امام اعظم ابو حنیفہ کے سوا بھی کوئی ایسی شخصیت ہے جسے حدیث رسول ﷺ کا صحیح محمل اور مصداق قرار دیا جا سکے۔

امام صاحب کے شیوخ و اساتذہ:۔ امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد دیگر ائمہ کرام کے اساتذہ و تلامذہ سے زیادہ ہے۔ اساتذہ میں سب سے پہلے حماد کا نام آتا ہے۔ (جو کوفہ کے مشہور امام اور استاد وقت تھے:۔ حضرت انس ؓ اور بڑے بڑے تابعین کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی فقہ کا مدار آپ ہی تھے۔ حماد کی خدمت میں امام ابو حنیفہ ؒ نے 18 برس گزارے۔ امام صاحب کو حماد کی صحبت' ان کی فقہی تربیت اور عمر کی پختگی نے یہ بات ذہن میں پختہ کرا دی کہ فقہ کی مجتہدانہ تحقیق' حدیث کی تکمیل کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے امامصاحب نے حد درجہ سعی و اہتمام کے ساتھ حدیث کی تحصیل و تکمیل کی طرف توجہ دی اور تقریباً" کوفہ (جس کو فاروق اعظم ؓ کنزن الایمان ' ایمان کا خزانہ 'اسلام کا سر اور عرب کا سر۔ راس الاسلام اور راس عرب کہا کرتے تھے) میں کوئی ایسا محدث نہ رہا جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی طے نہ کیا ہو۔ آپ کے مشائخ و اساتذہ کی گنتی تو دشوار اور ناممکن ہے۔ تاہم صحابہ کرام ؓ میں سے انس بن مالک ؓ' حضرت عبداللہ بن اوفی ؓ اور دیگر شیوخ حدیث میں سے[33] (جن میں اکثر تابعی تھے) خاص کوفہ کے رہنے والے تھے۔ پھر شیوخ کوفہ میں بھی خاص کر امام شعبی' مسلمہ بن کہیل' ابو اسحق سبیعی' عون بن عبداللہ' سماک بن حرب' عمرو بن مرہ' منصور بن المعمر اعمش' ابراہیم

بن محمد، عدی بن ثابت الانصاری، عطاء بن سائب، موسیٰ بن ابی عائشہ، علقمہ بن مرشد جو بڑے محدث اور سند روایت کے مرجع عام تھے زیادہ مشہور ہیں۔[68]

امام صاحب کی تحصیل حدیث کی دوسری بڑی درسگاہ بصرہ تھی جو حسن بصری، شعبہ اور قتادہ کے فیض تعلیم سے مالا مال تھی۔ آپ نے تکمیل حدیث کے لئے علوم مذہبی کے اصل مرکز حرمین شریفین کا سفر بھی کیا۔ مکہ معظمہ میں، عطاء بنائی رباح اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام شاگرد و عکرمہ کا حلقہ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔

علامہ ذہبی نے دو سو نوے (290) اور علامہ شامی نے در مختار میں آپ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔ صدر الائمہ مکی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام ابو حفص صغیر کے زمانے میں ایک بار احناف اور شوافع میں بحث چھڑ گئی۔ کہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ میں افضل کون ہے؟ امام ابو حفص صغیر نے فرمایا کہ دونوں کے اساتذہ کو شمار کر لو۔ چنانچہ امام شافعی کے اساتذہ گنے گئے تو اسی ہوئے۔ پھر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ کا حساب لگایا گیا تو چار ہزار نکلے۔ امام ابو حفص نے فرمایا کہ

هذا اوفى من فضائل ابو حنيفه[69]

ترجمہ:- یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی برتری کی ادنیٰ شہادت ہے۔

آپ کے شیوخ اور مایہ ناز محدثین اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔ لہذا امام اعظم کے اساتذہ کا ذکر تفصیل کے ساتھ آئندہ باب میں کیا جائے گا۔

فقہ اور حدیث:- مجلس فقہ اور حدیث میں کچھ زیادہ مغائرت نہیں بلکہ تنہا فقہ کا درس تمام چیزوں کا جامع ہے۔ فقہ کے لئے حدیث کی اہمیت ایک مسلم امر ہے۔ کیونکہ مجتہد جب الفاظ حدیث پر بحث کرتا ہے تو اسکے ہاں معنی حدیث کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ محدثین کے ہاں صرف الفاظ حدیث ہی مقصود بالذات ہوتے ہیں۔ ایک محدث کے لئے اجتہاد و فقہ شرط نہیں جب کہ ایک فقیہ کے لئے قرآن و حدیث پر عبور تام ضروری ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:-

ان يكون صاحب حديث له معرفه بالفقه ليعرف معانى الاثار و اصحب فقه له معرفه بالحديث لئلا يشتغل بالحديث نحنط ۔[70]

ترجمہ:- مجتہد ایسا صاحب حدیث ہو کہ اس کو فقہ بھی آتی ہو احادیث کا معنی جان سکے اور

صاحب فقہ کے لئے معرفت حدیث ضروری ہے تاکہ قیاس میں مبتلا نہ ہو۔)

ایک فقیہ تمام نصوص سامنے رکھتا ہے۔ اور حوادثات کی نزاکتوں پر بھی اس کی نظر ہوتی ہے۔ تاکہ حدود شریعت میں ذرہ برابر بھی بال نہ آنے پائے۔ فقہ سے حدیث کا تعلق اور اس کی اہمیت کے پیش نظر امام ترمذی نے اپنے جامع میں بیان فرمایا ہے۔

وکذالک قال الفقہاء وھم اعلم بمعنی الحدیث[12]

ترجمہ:۔ فقہا نے یوں ہی فرمایا ہے وہ ہی حدیث کے معنی زیادہ جانتے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی سائل کا جواب نہ دے سکنے کی بناء پر محدث اعمش امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے طالب جواب ہوئے۔ جب امام صاحب نے درست جواب دیا۔ تو اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا۔ کہاں سے کہتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا۔ اسی حدیث سے جو آپ نے ہم سے بیان کی تھی۔ اس پر اعمش نے فرمایا:۔

نحن العیاد و انتم اطباء

ترجمہ:۔ ہم عطار ہیں اور آپ اطباء ہیں۔

اہل عقل و بصیرت اور کچھ بھی دینی شعور رکھنے والے عام مسلمان کے نزدیک بھی فقہ بغیر حدیث کے اور محدث بغیر حدیث دانی کے ایک ناممکن العمل امر اور خلاف واقعہ بات ہے۔ جس کو تسلیم کرنا عقل کا فتور اور روحانی مرض کی واضح دلیل ہے۔

فقہ حنفی صحیح حدیث کے موافق ہے:۔ امت مسلمہ کے متاخرین علماء میں مسلم اور مایہ ناز شخصیت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بریں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلافیات کلام حق بجانب حنفی است و در خلافیات فقہی در اکثر مسائل حق بجانب حنفی و در اقل متردد[13]

ترجمہ:۔ اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے کہ خلافیات علم کلام میں حق حنفی مسلک کی جانب ہے اور خلافیات فقہی کے اکثر مسائل میں حق بجانب حنفی ہے اور بہت کم میں تردد ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقہ انیقہ ھی اوفق الطریق

بالسنه المعروفه التی جمعت　　　فی زمان البخاری ـ [73]

ترجمہ:۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ مذہب حنفی میں عمدہ راستہ ہے اور جو سنت بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں جمع ہوئی ہے اس سے زیادہ موافق ہے یعنی صحیح حدیث ہے۔

گو حوالہ جات مذکورہ کی حیثیت کشف ہی کی ہے مگر جناب نواب صدیق حسن صاحب فرماتے ہیں:۔

اگر کشف دو کس باہم متوافق شود ظن غالب شود ـ [74]

ترجمہ:۔ دو بزرگوں کے کشف اگر موافق ہو جائیں تو ظن غالب کا حکم رکھتے ہیں۔

گویا فقہ حنفیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے تمام مسائل جہاں ایک طرف عقل کے معیار پر پورے اترتے ہیں وہاں قرآن و حدیث سے بھی پورے طور پر وابستہ ہیں اور یہ حقیقت تب ہی مانی جا سکتی ہے جب امام صاحب کی کامل حدیث دانی اور حدیث فہمی کا اعتراف اور اقرار کیا جائے۔

حضرت امام اعظم کی بشارت نبوی کا حال پیچھے گزرا۔ چونکہ امام اعظم تابعی بھی تھے اس لیے تابعین کا تعارف کرایا جائے گا اور ان کے بعد حضرت امام اعظم کی تابعیت کا مفصل حال لکھا جائے گا۔

معرفت تابعین

تعریف:۔ الف) لغوی:۔ تابعین۔ "تابع" یا "تابعی" کی جمع ہے۔ تابعی و تابع بمعنی پیچھے پیچھے چلنے والا۔

ب) اصطلاحی:۔ وہ شخص جو کسی صحابی سے اسلام کی حالت میں ملے اور اسلام کی ہی حالت میں مرے۔

توضیح:۔ تابعی کے سلسلہ میں بھی وہی تفصیلات ہیں جو "معرفت صحابہ" کے تحت "توضیح" کے عنوان سے آپ کے سامنے آ چکی ہیں۔ حتیٰ کہ جو لوگ حضور ﷺ کی حیات میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر انہیں حضور ﷺ کی ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا وہ بھی تابعین میں شریک ہیں اور وہ سیکڑوں کی تعداد میں ہیں ایسے لوگوں کو "مخضرم" اور "مخضرمین" کہتے ہیں۔[75]

فائدہ:۔ اس دھوکہ سے حفاظت کہ کسی تابعی کو صحابی نہ سمجھ لیا جائے اور نتیجہ "مرسل" حدیث کو "متصل" قرار دیا جائے۔[76]

طبقات:۔ بنیاد میں اختلاف کی وجہ سے تعداد طبقات میں اختلاف ہے۔ (الف) مسلم نے تین۔ (ب) ابن سعد نے چار۔ (ج) حاکم نے پندرہ طبقات قرار دیئے ہیں۔ تین طبقات یوں ہے۔ اکابر تابعین عموماً اکابر صحابہ سے روایت کرنے والے، متوسطین صحابہ و تابعین دونوں سے روایت کرنے والے، اصاغر تابعین اصاغر صحابہ سے روایت کرنے والے۔

طبقات حاکم:۔ صحابہ کے طبقات و فضائل کے پیش نظر ان سے ملاقات و استفادہ کرنے والوں کے طبقات قائم کئے ہیں۔ اولین ان کو قرار دیا ہے جن کی عشرہ مبشرہ سے ملاقات ہوئی۔ اور آخری جنہوں نے اپنے شہر و علاقہ کے آخری وفات پانے والے صحابی سے ملاقات کی۔[77]

افضل ترین تابعی:۔ الف) حضرات تابعین میں افضل ترین کے متعلق متعدد اقوال ہیں۔

1) نزد اہل مدینہ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ
2) نزد اہل کوفہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ
3) نزد اہل بصرہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

عراقی کا قول ہے کہ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت "اویس" کی تعریف منقول ہے اس لئے' اہل کوفہ کا ہی قول صحیح ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ زہد و تقوی کے اعتبار سے "حضرت اویس قرنی" اور علم کے اعتبار سے حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ فائق ہیں۔

ب) حضرات تابعیات میں "حفصہ بنت سیرین" اور "عمرہ بنت عبدالرحمن" کو افضل شمار کیا گیا ہے۔ اور ایاس بن معاویہ کا قول ہے کہ میں کسی کو حفصہ سے بہتر نہیں سمجھتا حتی کہ حسن بصری اور خود ان کے والد حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کو بھی۔

فقہاء سبعہ:۔ اکابر تابعین میں امتیازی مقام مدینہ کے تابعین میں سے ان سات حضرات کو حاصل ہے جو "فقہاء سبعہ" (سات فقہاء) کے لقب سے معروف ہیں یعنی

سعید بن مسیب' قاسم بن محمد ابی بکر صدیق' عروہ بن زبیر' خارجہ بن زید بن ثابت' ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف' عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود' سلیمان بن یسار رحمہم اللہ تعالیٰ' ابن مبارک نے ابو سلمہ کے بجائے سالم بن عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو ذکر کیا ہے[78]

آخری وفات پانے والے:۔ خلیفہ بن ابوب رحمۃ اللہ علیہ م 180ھ یا 181ھ ہیں[79]

مشہور مصنفات در باب تابعین:۔ (الف) معرفۃ التابعین:۔ ابو المطرف بن فطیس الاندلسی م 402ھ

(ب) طبقات التابعین:۔ امام مسلم م 261ھ

(ج) کتاب التابعین:۔ مصنف ابن حبان م 354ھ۔[80]

اتباع تابعین:۔ حاکم نے حضرت تابعین کے تلامذہ و مستفیدین جن کو "اتباع تابعین" اور "تبع تابعین" کہتے ہیں' ان کا بھی تذکرہ کیا ہے اور ان سے متعلق اہم کتابوں میں ابن حبان کی "اتباع التابعین" اور "اتباع

التابعین" ہیں۔ جو پندرہ پندرہ جلدوں پر مشتمل تھیں![82]4

مخضرمین:۔ جو حضور ﷺ کی حیات میں اسلام لایا لیکن آپ کی ملاقات کا شرف نہ حاصل کر سکا۔۔۔۔ وہ "مخضرمین" کہلاتا ہے۔ اور ایسے لوگ اصلاً" تابعین میں سے ہیں۔ اسی لئے ان کے ضمن میں ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ امام مسلم اور عراقی نے مجموعی طور پر ایسے تقریباً" چالیس اشخاص کا ذکر کیا ہے ابو اسحق ابراہیم بن محمد سبط ابن العجمی نے ایسے لوگوں سے متعلق مستقل ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے۔

تذکرہ الطالب العلم بمن یقال انہ مخضرم۔[82]

معرفت التابعین:۔ تابعی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے صحابہ میں سے کسی ایک صحابی یا اس سے زیادہ سے ملاقات کی ہو۔ (حاکم) چنانچہ سلیمان ابن مہران الاعمش کو امام مسلم و ابن حبان نے تابعین میں داخل کیا ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ضرور ہوئی اگرچہ سماع ثابت نہیں لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی آراء ان کو بخوبی حفظ تھیں۔ علی بن مدینی نے کہا ہے کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ مکہ میں نماز ادا کرتے دیکھا تھا۔ اور صحاح ستہ میں سے کسی صحابی سے ان کی روایت مروی نہیں البتہ ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کا استخراج کیا گیا ہے۔ ابو حاتم رازی نے حضرت عبداللہ سے سماعت کا انکار کیا ہے ترمذی کا بیان ہے کہ اعمش نے کسی صحابی سے بھی سماعت حاصل نہیں کی ہے۔ پھر عبدالغنی بن سعید نے بھی ان کو تابعین ہی میں شمار کیا ہے۔ نیز یحیٰی بن کثیر کو بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ملاقات کی بنا پر تابعین میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح موسیٰ بن ابی عائشہ کو حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کی ملاقات کی بنا پر اور جریر بن ابی حازم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ملاقات کی بنا پر تابعین میں شامل کیا ہے۔ ان چند واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ان اصحاب حدیث کے نزدیک وہ شخص تابعی کہلائے گا جس نے کسی صحابی کو صرف دیکھ لیا ہو۔ لیکن ابن حبان نے اس روایت کے لئے شرط رکھی ہے کہ سمجھداری کے زمانے میں دیکھا ہو تاکہ روایات لے سکے۔ لہٰذا اگر اتنی چھوٹی عمر میں دیکھا ہو کہ حدیث کا لینا اس سے ممکن نہ تھا تو یہ تابعی نہ ہو گا۔ جیسے کہ خلف بن خلیفہ کہ انہوں نے حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا لیکن بہت زیادہ چھوٹی عمر میں اس لئے ان کا ذکر تبع تابعین میں کیا جاتا ہے۔

خطیب نے تابعی کی تعریف اس طرح بیان کی ہے۔ (تابعی وہ شخص ہے جس نے کسی صحابی کی صحبت

حاصل کی ہو) عراقی نے اول تعریف کو صحیح کہا ہے۔ ابن صلاح نے بھی اول ہی کو ترجیح دی ہے۔ نووی نے التقریب و التیسیر میں اول تعریف کے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ (ھو الاظھر) یہ تعریف زیادہ واضح ہے۔ منصور بن معتمر کو خطیب نے تابعین میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ ان کو کسی صحابی سے سماعت حاصل نہ تھی صرف دیکھا تھا۔ ان کے علاوہ بھی کسی کو ایسا نہ پایا کہ اس نے منصور کا ذکر تابعین میں کیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے "طوبی لمن رآنی و آمن بی و طوبی لمن رآنی من رآنی" اس لئے ثبوت تابعیت کیلئے صرف رؤیت کافی تصور کی گئی۔

پھر تابعین کے متعدد طبقے ہیں۔ امام مسلم نے کتاب الطبقات میں تین طبقے بیان کئے ہیں۔ اسی طرح طبقات ابن سعد میں خود ابن سعد نے اتنے ہی بیان کئے ہیں لیکن ان کی عبارت سے ایک طبقہ اور بھی مستخرج کیا جا سکتا ہے اس طرح چار طبقے ہو جاتے ہیں۔ حاکم نے علوم الحدیث میں پندرہ طبقے بیان کئے ہیں۔ آخری طبقہ وہ ہے جس نے اہل بصرہ سے حضرت انس ؓ کو دیکھا اور اہل کوفہ میں سے جس نے عبداللہ بن ابی اوفی ؓ کو دیکھا۔ اور اہل مدینہ میں سے جس نے حضرت سائب ؓ بن یزید کو دیکھا۔

طبقہ اول میں وہ تابعین ہیں جنہوں نے عشرہ مبشرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے سماعت حاصل کر کے روایت کیا۔ لیکن ایسے تابعین میں صرف ایک ہی شخص حضرت قیس بن ابی حازم ہی ہیں۔ ابو عبید نے ابو داود سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ انہوں نے عشرہ مبشرہ میں سے صرف نو صحابہ سے سماعت حاصل کی تھی اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم سے کوئی روایت نہیں کی ہے۔ حاکم نے کتاب علوم الحدیث کی نوع سابع میں کہا ہے کہ حضرت سعید بن مسیبؒ نے خلفاء اربعہ اور حضرت طلحہ ؓ و زبیر ؓ آخر عشرہ مبشرہ تک کو دیکھا ہے لہٰذا دو شخص تابعین کے طبقہ اول میں شامل ہیں۔ ایک قیس بن ابی حازم اور دوسرے سعید بن مسیب ؒ عراقی کا فرمانا ہے کہ یہ قول حاکم کا صریح غلط ہے کہ حضرت سعید نے ان حضرات کو دیکھا ہے۔ اسی طرح حاکم نے اسی کتاب کی چودھویں نوع میں جن دیگر حضرات کو تابعین کے طبقہ اول میں بیان کیا ہے وہ بھی غلط ہے مثلاً انہوں نے مزید حسب ذیل افراد کے نام لئے ہیں ابو عثمان نہدی و قیس بن عباد و ابو ساسان و حضیر بن منذر و ابو وائل و ابو رجاء عطاردی۔ حاکم کے اس قول کا دیگر ائمہ حدیث نے انکار کیا ہے کیونکہ تسلیم شدہ امر ہے کہ حضرت سعید بن المسیب حضرت عمر بن الخطاب رضی

اللہ عنہ کے خلافت کے زمانے میں پیدا ہوئے پھر ان کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کس طرح سماعت حاصل ہو سکتی ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت سعید نے کثیر تعداد عشرہ مبشرہ سے سماعت نہ کی ابن صلاح تو فرماتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ میں سے صرف ایک صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص سے ان کی روایت ثابت ہے باقی کسی سے ثابت نہیں ہے[83]

ابن صلاح نے طبقہ اولی کے ساتھ ایسے افراد کو بھی شامل کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے تھے۔ جیسے عبداللہ بن ابی طلحہ و ابو امامہ' سعد بن سہل بن حنیف و ابو ادریس خولانی وغیرہم[84] لیکن تدریب میں سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے بلقینی سے نقل کیا ہے کہ ابن صلاح کا یہ قول "معنی" و "نقلا" کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ "معنی" تو اس لئے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہو چکے تھے بلکہ بہتر یہ ہے کہ مولدین حیات کو ان سے مقدم رکھا جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوئے اور ان کو اول کے تابع و لاحق بنایا جائے۔ "نقلا" اس لئے درست نہیں ہے کہ حاکم نے پندرہ طبقات مقرر کرنے کے بعد طبقہ اولیٰ اور پھر مخضرمین کا ذکر کرنے کے بعد ایسے لوگوں کو بیان کیا ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ مخضرمین کے طبقہ کے بعد ایک اور طبقہ ہے یہ وہ لوگ ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت حاصل نہ کی جیسے کہ ابو امامہ و محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ حاکم نے عبداللہ بن طلحہ اور ابو ادریس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ نیز حاکم نے طبقہ اولیٰ کے عنوان کے بغیر ہی طبقہ ثانیہ کو بیان کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ طبقہ ثانیہ میں اسود بن یزید و علقمہ بن قیس مسروق و ابو سلمہ بن عبدالرحمن و خارجہ بن زید وغیرہم ہیں۔ اور طبقہ ثالثہ میں شعبی و شریح بن حارث و عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور ان کے ہمزمان افراد داخل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حاکم نے پندرہ کی تعداد و شمار کا ذکر تو کیا ہے لیکن بیان کرنے میں صرف تین طبقہ اول اور پھر ایک آخری طبقہ کو بیان کیا ہے جس کا ذکر ہم نے پہلے کر دیا ہے[85]

افضل تابعین:۔ عثمان حارثی نے حضرت احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا تمام تابعین میں افضل حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ ہیں اس موقعہ پر کسی نے امام سے کہا کہ حضرت علقمہ اور اسود کے متعلق کیا خیال ہے تو فرمایا سعید و علقمہ و اسود تینوں ایک درجہ میں ہیں۔ علی بن مدینی و ابن حبان

کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ قیس بن ابی حازم و ابو عثمان نہدی و مسروق تمام تابعین میں افضل ہیں۔ امام ابو عبداللہ محمد بن خفیف الشیرازی نے فرمایا کہ تابعین میں افضل کون ہے؟ اس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ اہل مدینہ کے نزدیک سعید بن مسیب ہیں اور اہل بصرہ کے نزدیک حسن بصری و اہل کوفہ کے نزدیک اویس قرنیؒ ہیں اس قول کو ابن صلاح نے بھی پسند کیا ہے۔ عراقی کہتے ہیں مجھے بھی اہل کوفہ کا قول پسند ہے۔ کیونکہ اویس قرنی کی بہتری کے سلسلہ میں امام مسلمؒ کی روایت موجود ہے۔ لیکن اس افضلیت کے بھی دو سبب ہیں اولاً" افضلیت فی الدین و التقویٰ و زہد دوم افضلیت فی العلم امام احمد ؒ کا قول حضرت سعید بن المسیب کے بارے میں غالباً" باعتبار افضلیت فی العلم کے ہے۔ میرا خیال ہے کہ علم الحدیث میں افضلیت کا سبب فضیلت فی العلم و الفقہ ہونا بھی چاہیے نہ کہ محض فضل فی الدین۔ علی ہذا القیاس تابعات کی افضلیت کے سلسلہ میں ایاس بن معاویہ حضرت حفصہ بنت سیرین سے افضل کسی کو نہیں خیال کرتے۔ اور ابو بکر بن ابی داود کہتے ہیں کہ میرے نزدیک تمام تابعات میں افضل یہ دو عورتیں ہیں۔ حفصہ بنت سیرین و عمرہ بنت عبدالرحمن اور تیسرے درجہ میں ان دونوں سے کم ام الدرداء (ہجیمہ) ہیں۔ بعض حضرت نے ان کا نام ہجیمہ بتلایا ہے یہ وہ ام الدرداء نہیں جو صحابیہ تھیں ان کا نام خیرہ تھا۔

اکابر تابعین:۔ میں مدینہ کے وہ تابعین ہیں ہیں جن کو فقہاء سبعہ کہا جاتا ہے یعنی خارجہ بن زید بن ثابت و قاسم بن محمد بن ابی بکر و عروہ بن زبیر و سلیمان بن یسار و عبیداللہ بن عبداللہ عتبہ و سعید بن مسیب۔ و ابو سلمہ بن عبدالرحمن۔ بعض محدثین نے سالم بن عبداللہ بن عمر کو سلمہ بن عبدالرحمن کی جگہ دی ہے۔ اور ابو الزناد نے ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث کو یحییٰ بن سعید نے اس تعداد میں کچھ زیادتی کر کے بارہ کی تعداد بیان کی ہے۔ چنانچہ مذکورہ فقہاء سبعہ میں سے حضرت عروہ بن زبیر اور سلیمان ابن یسار کو چھوڑ کر حسب ذیل ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ سالم بن عبداللہ بن عمرؓ و حمزہؓ و زیدؓ و بلال جو کہ عبداللہ بن عمر کی اولاد ہیں۔ اور ابان بن عثمان بن عفان و قبیصہ ابن ذویب و اسماعیل بن زید بن ثابت[86]

بلقینی نے کہا ہے کہ تابعین میں اول وفات پانے والے ابو زید معمر بن زید ہیں جن کا انتقال سنہ

30ھ میں خراسان یا آذر بائیجان میں ہوا۔ اور سب سے آخری وفات پانے والے خلف بن خلیفہ ہیں جن کا انتقال سنہ 180ھ میں ہوا۔[87]

مخضرمین:۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے جاہلیت و اسلام دونوں زمانوں کو پایا اور رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں موجود تھے۔ لیکن صحبت حاصل نہ کی مخضرم (ر) کے زبر کے ساتھ مفرد لفظ ہے۔ اور اس کی جمع مخضرمین و مخضرمون آتی ہے۔ جس کے خلاصہ معنی متردد۔ بین بین کے آتے ہیں یعنی ایسا شخص جو نہ صحابی ہی ہے اور نہ تابعی ہے بلکہ اس کے صحابی و تابعی ہونے میں تردد ہے۔ یا وہ شخص جو صحابی و تابعی کے بین بین ہے۔ اہل حدیث اس لفظ کو (ر) کے زبر کے ساتھ کے ساتھ پڑھتے ہیں ابن خلکان نے زیر کے ساتھ ہونا بھی نقل کیا ہے۔ مسلم بن حجاج نے ان کی تعداد شمار کی ہے جو بیس افراد تک پہنچی ہے۔ ابو عمرو۔ سعد بن ایاس شیبانی و سوید بن غفلہ و شریح بن ہانی و بسیر بن عمرو بن جابر و عمرو بن میمون اودی و اسود بن یزید النخعی و اسود بن ہلال المحاربی و معرور بن سوید و عبد خیر بن یزید خیوانی و شبیل بن عوف الاحمسی و مسعود بن حراش ربعی۔ و مالک بن عمیرو ابو عثمان نہدی و ابو رجاء عطاردی و غنیم بن قیس و ابو رافع الصائغ و ابو الحلال العتکی ان کا نام ربیعہ بن زرارہ تھا و خالد بن عمیر العدوی۔ و ثمامہ بن حزن القشیری و جبیر بن نفیر الحضرمی۔ مسلم بن حجاج نے جن لوگوں کا ذکر نہیں کیا ہے وہ حضرات یہ ہیں۔ ابو مسلم الخولانی۔ احنف بن قیس و عبداللہ بن حکیم و عمرو بن عبداللہ بن الاصم و ابو امیہ شعبانی۔

تابعین کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جس کو تبع تابعین میں شمار کر لیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جماعت عموماً تابعین ہی سے احادیث کی روایت کرتی ہے۔ اور اکثر احادیث کا حصول تابعین ہی سے کیا ہے۔ مثلاً ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان کہ ان کی ملاقات عبداللہ بن عمرو انس بن مالک و ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے ہوئی تھی لیکن سماعت حدیث کا ثبوت قطعی نہیں ہو سکا۔ اس لئے بعض محدثین نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے کیونکہ علامہ عجلی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان کی سماعت کو بیان کیا ہے۔ ایک طبقہ ایسا بھی ہے کہ جو درحقیقت تبع تابعی ہیں لیکن بعض محدثین نے ان کا ذکر تابعین میں کر دیا ہے۔ مگر یہ غلط طریقہ ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس کو تابعین میں شمار کر لیا گیا ہے حالانکہ ان کا سماع کسی صحابی سے کسی طرح ثابت نہیں جیسے کہ ابراہیم بن سوید نخعی کہ انہوں نے صحابہ میں سے

کسی صحابی کو نہ پایا۔ اسی طرح بکیر بن ابی سمیط' ان کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث سننا ثابت نہیں بلکہ ان کے درمیان میں واسطہ حضرت قتادہ ہیں۔ اور بکیر بن عبداللہ بن الاشج کی سماعت حضرت عبداللہ بن حارث ابن جزء سے ثابت نہیں بلکہ یہ تابعین سے روایت کرتے ہیں اور ثابت بن عجلان انصاری کہ ان کی سماعت حضرت ابن عباس سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ان کی روایت عطاء اور سعید بن جبیر عن بن عباس کے طریقہ پر ہوا کرتی ہے۔ نیز سعید بن عبدالرحمن الرقاشی اور ان کے برادر۔ واصل ابو حرہ ہرود کی سماعت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ عراقی نے فتح المغیث میں کہا ہے کہ بکیر بن اشج کے متعلق حاکم کا کہ کہنا کہ ان کو کسی صحابی سے سماعت حاصل نہیں غلط ہے کیونکہ انہوں نے حضرت سائب بن یزید اور ابو امامہ اسعد ابن سہل بن حنیف و محمد بن وسید رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ اور یہ تمام حضرات صحابی تھے۔ الخ اور ثابت بن عجلان نے حضرت ابو امامہ باہلی و حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ لیکن ابن حبان نے حضرت انس سے ان کی سماعت کا انکار کرتے ہوئے ان کو تبع تابعین میں ذکر کیا ہے۔

بعض مصنفین نے اپنی غلط فہمی کی بنا پر بعض صحابہ کو تابعین میں شمار کر لیا ہے۔ جیسے کہ نعمان بن مقرن و سوید بن مقرن کہ یہ دونوں مشہور مہاجر صحابی ہیں۔ بعض صحابہ کے تابعین کے عہد سے قریب ہونے کی بنا پر ان کو تابعین میں خیال کر لیا گیا ہے۔ جیسے یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور محمد بن رسید رضی اللہ عنہ وغیرہم[88]

تابعین کوفہ

۱) علقمہ بن قیس النخعی رحمۃ اللہ علیہ[89]:۔ کبار ائمہ دین میں سے جلیل القدر اور عظیم الشان عابد و زاہد' محدث وفقیہ اور قاری ثقہ تابعی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ لیکن دیدار سے محروم رہے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا۔ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اسے علقمہ بھی جانتے ہیں۔ ایک بار عبداللہ رضی اللہ عنہ نے

انہیں مخاطب کر کے فرمایا اے علقمہ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔ صحابہ کرام تک ان سے مسائل دریافت کرتے۔ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ خراسان کے جہاد میں بھی شرکت کی۔ حدیث میں نہایت محتاط مستند اور نہایت نیک و پرہیز گار تھے۔ طرز و روش میں عبداللہ بن مسعود کے مشابہ تھے۔ سنہ 63ھ میں وفات پائی۔

2) مسروق بن الاجدع الہمدانی الفقیہ رحمۃ اللہ علیہ:۔ عمرو بن معدی کرب کے بھانجے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو مسروق سے زیادہ علم کا طلب گار ہو۔ وہ شریح سے زیادہ فتوے کے عالم تھے۔ شریح ان سے مشورہ کرتے تھے اور مسروق شریح کے محتاج نہ تھے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن بھیجا تو انہوں نے ان سے علم حدیث حاصل کیا۔ پھر یمن سے چل کر مدینہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما چکے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ اتنے عابد و زاہد تھے کہ کثرت قیام کی بنا پر پاؤں پر ورم آ جاتا۔ جنگ قادسیہ میں ان کا ایک ہاتھ بیکار ہو گیا تھا۔ یہ بچپن میں چوری ہو گئے تھے اس لئے ان کا نام مسروق پڑ گیا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کسی گھر والے جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں تو وہ یہ تین حضرات ہیں۔ اسود' علقمہ اور مسروق۔

ایک دفعہ بصرے کے عامل خالد بن عبداللہ نے تیس ہزار اشرفیاں ان کی خدمت میں بھیجیں لیکن محتاج ہونے کے باوجود انہوں نے قبول نہ فرمائیں۔ مرہ بن شرجیل کا قول ہے کہ کسی ہمدانی عورت نے مسروق جیسا بچہ نہیں جنا۔ سنہ 62ھ میں وفات پائی۔

3) اسود بن یزید النخعی رحمۃ اللہ علیہ:۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ علقمہ بن قیس کے بھتیجے اور ابراہیم نخعی کے ماموں ہیں۔ انہوں نے معاذ بن جبل سے اس وقت کی احادیث روایت کی ہیں جب کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یمن کے عامل تھے۔ خلفاء اربعہ اور اکابر صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ مکثرین حدیث میں سے ہیں۔ انتہائی فقیہ و زاہد تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں یہ مفتی و فقیہ شمار کئے جاتے تھے۔ سنہ 74ھ یا سنہ 75ھ میں وفات پائی۔

4) شریح بن الحارث الکندی رحمۃ اللہ علیہ:۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ اس کے بعد

وہ حجاج بن یوسف کے زمانہ تک رہے۔ ان کے علاوہ تاریخ میں کوئی ایسا قاضی نہیں جو متواتر ساٹھ سال تک قاضی رہا ہو۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ سنہ 78ھ میں وفات پائی۔

5) عبیدہ بن قیس السلمانی رحمۃ اللہ علیہ:۔ شریح جب کسی فیصلے میں مشتبہ ہوتے تو انہیں کے پاس فیصلہ بھیجا کرتے تھے۔ ان کی وفات سنہ 72ھ میں ہوئی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہاء میں عبیدہ شریح کے مد مقابل ہیں۔ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جانب سے لوگوں کو پڑھاتے اور فتوے دیتے تھے۔

6) عمرو بن میمون الاودی رحمۃ اللہ علیہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہو چکے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یمن میں معاذ سے علم حاصل کیا تھا۔ معاذ نے انہیں وصیت کی تھی کہ علم چار شخصوں سے حاصل کرنا۔ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے احادیث کی روایت کی۔ سو عمرو رضی اللہ عنہ نے ساٹھ حج فرمائے اور سنہ 74ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

7) زر بن حبیش رحمۃ اللہ علیہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے۔ ایک سو بیس سال کی عمر ہوئی۔ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت پڑھا کرتے تھے اور تراویح کے امام تھے۔ کوفہ کے قاری امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ انہی کے شاگرد ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ سنہ 83ھ میں وفات پائی۔

8) عبداللہ بن حبیب السلمی رحمۃ اللہ علیہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قرأت میں اتنے ماہر تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ عبداللہ بن حبیب سے قرأت کی تعلیم حاصل کرو۔ اور چالیس سال تک یہ کوفہ میں قرأت کی تعلیم دیتے رہے۔ امام عاصم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قرأت انہی سے حاصل کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی قرأت حاصل کی تھی۔ ان کی کنیت ابو ابو عبدالرحمن ہے۔ سنہ 74ھ میں وفات پائی۔

9) سوید بن غفلہ المذحجی رحمۃ اللہ علیہ:۔ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے علم حاصل

گیا۔ عبداللہ بن مسعود ؓ کے شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ سنہ 82ھ میں وفات پائی۔

10) عبدالرحمن بن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ:۔ ایک سو بیس صحابہ کے دیدار سے مشرف تھے۔ حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں پیدا ہوئے یہ صحابہ کرام کی موجودگی میں بھی درس حدیث دیتے تھے عبداللہ بن حارث بن نوفل کا قول ہے کہ عورتیں ایسے لڑکے کم جنتی ہیں جیسا کہ عبدالرحمن کی ماں نے جنا ہے۔ سنہ 83ھ میں واقعہ حجاجم میں نہر بصرہ میں غرق ہوئے۔

11) عبدالرحمن بن ابزی رحمۃ اللہ علیہ:۔ حضور ﷺ کی حیات میں پیدا ہوئے۔ بعض علماء نے انھیں تابعی شمار کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ صحابی ہیں۔ حضور ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔ حضرت علی ؓ نے انھیں خرسان کا امیر متعین کیا تھا۔ حضرت عمر ؓ' ابی بن کعب ؓ اور عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت کرتے ہیں۔

12) سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ:۔ ابن عمر ؓ اور ابن عباس ؓ سے احادیث سنیں۔ جب اہل کوفہ حج کو جاتے اور عبداللہ بن عباس ؓ سے مسائل دریافت کرتے تو وہ فرماتے کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں۔ میمون بن مہران کا قول ہے کہ سعید بن جبیر مرے۔ مگر روئے زمین پر کوئی ایسا انسان نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔ حجاج بن یوسف نے انھیں ابن اشعث کی بغاوت کے جرم میں سنہ 95ھ میں قتل کیا' ان کا واقعہ قتل انتہائی دردانگیز ہے۔ جسے امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا۔ اور ان کے قتل کے بعد حجاج کے پیٹ میں کیڑے پڑ گئے تھے۔ اور جب وہ سونے لیتا تھا تو کوئی سعید کی شکل میں آکر اٹھا دیتا تھا۔ حجاج کف افسوس ملتا تھا اور کہتا تھا ہائے سعید مجھے کھا گیا۔ یہ تابعین میں سے سب سے بڑے مفسر قرآن تھے۔

13) عمر بن شراحیل الشعبی رحمۃ اللہ علیہ:۔ سنہ 17ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت علی ؓ' ابو ہریرہ ؓ' عائشہ ؓ' ابن عباس ؓ اور ابن عمر ؓ سے روایت کی۔ یہ کوفہ کے قاضی رہ چکے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے شیخ تھے۔ ابو حصین کا قول ہے کہ میں نے کسی کو شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔ یہ صحابہ کی موجودگی میں فتوی دیا کرتے تھے۔

ایک بار شعبی رحمۃ اللہ علیہ مغازی کی روایت بیان کر رہے تھے سامنے سے ابن عمر ؓ گزرے۔ سن کر فرمایا ہم قوم کے ساتھ تھے لیکن یہ مجھ سے زیادہ مغازی کے حافظ و عالم ہیں۔ شعبی کا جب کوئی مسئلہ آتا تو وہ اس سے اجتناب کرتے

لیکن ابراہیم نخعی اس کی تفصیل کرتے۔ شعبی شگفتہ رو اور ابراہیم ترش رو تھے۔ لیکن جب فتویٰ آتا تو ابراہیم شگفتہ رو اور شعبی ترش رو بن جاتے۔ شعبی فرماتے ہیں ہم فقہا نہیں ہیں بلکہ جب حدیث سن لیتے تو اس کی روایت کر دیتے ہیں شعبی قیاس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ سنہ 114 میں وفات پائی۔

14) ابراہیم بن یزید النخعی رحمۃ اللہ علیہ:۔ علقمہ' اسود اور مسروق وغیرہ سے روایت کی ۔ حماد بن ابی سلیمان فقیہ کے استاد تھے۔ شہرت سے بچتے تھے اور ستون کے پاس نہیں بیٹھتے تھے۔ وہ علم کے متعلق اسی وقت گفتگو کرتے جب ان سے سوال کیا جاتا سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ مجھ سے فتوے لیتے ہو حالانکہ تم میں ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں۔ سنہ 95ھ میں وفات پائی۔ ابو عمران کا قول ہے کہ ابراہیم نخعی تمام شہروں کے علماء سے بڑھ کر ہیں۔ جب ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو عمران نے فرمایا آج تم دنیا کے سب سے بڑے فقیہ کو دفن کر رہے ہو۔ لوگوں نے دریافت کیا کیا حسن بصری سے بھی بڑھ کر۔ فرمایا تمام اہل کوفہ و بصرہ' اور تمام اہل شام و حجاز سے بڑھ کر۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے پرکھنے والے ہیں۔ اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ' ابو الضحیٰ اور ابراہیم اور دیگر علماء مسجد میں جمع ہوتے اور حدیث کا مذاکرہ کرتے لیکن جب فتوے آتا تو کسی کے پاس جواب نہ ہوتا سب ابراہیم کی جانب نگاہ اٹھاتے۔

15) عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ:۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں صغیر صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ بہت بڑے عالم اور زبردست فقیہ تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ سنہ 74ھ یا سنہ 73ھ میں وفات پائی۔

16) حارث بن سوید التیمی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ:۔ کبار ثقات تابعین سے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کبار اصحاب میں ان کا شمار تھا۔ امام احمد ان کی مدح میں رطب اللسان تھے۔ زمانہ ابن الزبیر میں وفات پائی۔

17) خیثمہ بن عبدالرحمن الجعفی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ:۔ ثقات تابعین سے ہیں ان کے والد کا نام عزیز تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کر دیا۔ ان کے والد اور دادا دونوں صحابی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی۔ انھیں دو لاکھ روپیہ وراثتاً ملا تھا۔ جو انہوں نے علماء پر خرچ کر ڈالا۔

18) ہمام بن الحارث النخعی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ:۔ ثقہ تابعی ہیں۔ انتہائی عابد و زاہد تھے۔ سالہا سال زمین کو پیٹھ نہیں

گئی۔ ابن مسعود ؓ اور عائشہ ؓ وغیرہ سے احادیث ہیں۔ سنہ 63ھ یا سنہ 65ھ میں وفات پائی۔

19) ابو وائل شقیق بن سلمہ ؒ:۔ حضور ﷺ کی حیات میں پیدا ہوئے۔ اکثر کبار صحابہ سے روایت کی۔ ابن مسعود ؓ کی صحبت میں زیادہ رہے تھے اور ان کے خاص اصحاب میں شمار تھے۔ یہ ثقہ ثبت و حجت ہیں۔ حجاج کے زمانہ میں وفات پائی۔

20) اسود بن بلال المحاربی ؒ:۔ عمرو بن معاذ اور ابن مسعود سے علم حاصل کیا۔ حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ یہ بھی ابن مسعود ؓ کے اصحاب میں ہیں۔ سنہ 84ھ میں وفات پائی۔

21) عوف بن مالک بن نفیلہ ؒ:۔ اپنے والد اور عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت علی ؓ کے ساتھ جنگ نہروان میں شریک تھے۔ حجاج کے زمانہ میں انھیں خوارج نے شہید کیا۔

22) ابو بردہ ؒ:۔ ان کا نام عامر بن عبداللہ ہے۔ یہ ابو موسی اشعری ؓ کے صاحبزادے ہیں۔ اپنے والد اور حضرت علی ؓ سے روایت کرتے ہیں کثیرین روایت میں سے ہیں کوفہ کے قاضی بھی رہے۔

23) ابو الجویریہ ؒ:۔ ان کا نام حطان بن خفاف الجرمی ہے۔ ابن مسعود ؓ اور معن بن یزید ؓ سے روایت کرتے ہیں۔

24) خارجہ بن الصلت البرجمی ؒ:۔ مشہور تابعی ہیں اپنے چچا اور عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام شعبی نے روایت کی ہے۔

25) حارثہ بن مضرب ؒ:۔ تابعی ہیں حضرت علی ؓ اور عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

26) حماد بن ابی سلیمان ؒ:۔ تابعی ہیں ابراہیم نخعی کے فتاوی کے سب سے زیادہ عالم تھے۔ امام ابو حنیفہ ؒ کے اصل استاد یہی ہیں۔ سنہ 120ھ میں وفات پائی ہے۔

27) جمیع بن عمیر التیمی ؒ:۔ کوفی تابعی ہیں۔ حضرت عمر ؓ اور عائشہ ؓ سے روایت کرتے ہیں۔

28) زیاد بن حدیر الکوفی ؒ:۔ ان کی کنیت ابو مغیرہ ہے۔ حضرت عمر ؓ اور حضرت علی ؓ سے علم حاصل کیا اور ان سے شعبی ؒ اور ایک بڑی جماعت روایت کرتی ہے۔

29) سالم بن ابی الجعد رحمۃ اللہ علیہ:۔ کوفہ کے باشندہ اور تابعین کے امام ہیں۔ ابن عمرؓ جابر اور انس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

30) ابو الشعثاء الکوفی رحمۃ اللہ علیہ:۔ ان کا نام سلیم بن اسود المحاربی ہے۔ مشہور تابعی ہیں۔ حجاج کے زمانہ میں وفات پائی۔

31) عبداللہ بن عصم الکوفی رحمۃ اللہ علیہ:۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ اور ابن عمر وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

34) عبدالرحمن بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ:۔ ان کی والدہ کا نام ام حکم ہے۔ جو ابو سفیان کی بیٹی تھیں۔ امیر معاویہ نے انہیں کوفہ کا امیر بنایا۔

35) عبداللہ بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ:۔ ان کی کنیت ابو الحرب الخولانی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور ان سے اہل کوفہ نے روایت کی ہے۔

36) عبدالعزیز بن رفیع الاسدی المکی رحمۃ اللہ علیہ:۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ مشہور ثقہ تابعی ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔

37) عبد خیر بن یزید رحمۃ اللہ علیہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ ہو سکی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی ایک سو بیس سال کی عمر ہوئی۔

38) فروہ بن نوفل الاشجعی رحمۃ اللہ علیہ:۔ اپنے والد اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا شمار اہل کوفہ میں ہے۔

39) قیس بن ابی حازم الاحمسی البجلی رحمۃ اللہ علیہ:۔ زمانہ جاہلیت پایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ لیکن جب مدینہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام عشرہ مبشرہ اور کثیر صحابہ سے روایت کرتے ہیں جنگ نہروان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اہل کوفہ میں شمار ہیں۔

40) محمد بن منتشر الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ:۔ مسروق رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

41) محمد بن ابی المجالد رحمۃ اللہ علیہ:۔ کوفہ کے تابعی ہیں۔ صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں۔

42) مختار بن فلفل المخزومی رحمۃ اللہ علیہ:۔ کوفی۔ تابعی ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

43) مصعب بن سعد رحمۃ اللہ علیہ:۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ اپنے والد' علی رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

44) ابو الہیاج رحمۃ اللہ علیہ:۔ ان کا نام حیان بن حصین ہے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے کاتب تھے۔ عمار رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

45) ہزیل بن شرجیل الازدی رحمۃ اللہ علیہ:۔ کوفہ کے باشندہ ہیں۔ نابینا شخص تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

یہ چند مشہور کوفہ کے تابعین ہیں ورنہ بقول امام ابو بکر جصاص رازی جب عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث نے حجاج کے خلاف بغاوت کی اور سنہ 83ھ میں دیر جماجم کے میدان میں جنگ ہوئی تو عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث کے ساتھ کوفہ سے لشکر روانہ ہوا۔ اس لشکر میں چار ہزار فقہاء اور قراء تھے۔

تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہ میں فقہاء حدیث:۔ حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ (62ھ)' مسروق بن اجدع رحمۃ اللہ علیہ (63ھ)' سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ (93ھ)' حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ (95)' ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (96ھ)' مکحول رحمۃ اللہ علیہ (101ھ)' علامہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ (103ھ)' حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ (106ھ)' حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ (107ھ)' حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ (120ھ) کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

1- حضرت علقمہ بن قیس النخعی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (62ھ):۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ الحفاظ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکروں کے بعد کبرائے تابعین کا آغاز آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کرتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نصف صدی تک زندہ رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فقیہ عراق ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں اور مرکز علم کوفہ ابو عمرو اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ کے چچا تھے۔ علقمہ اور اسود دونوں حضرات فقہ حنفی کی اساس سمجھے جاتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فضل کا اندازہ امام ربانی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے دیکھئے۔

ما اقراء شیئا و ما اعلم شیئا الا و علقمہ یقروہ و یعلمہ[95]

ترجمہ:۔ جو کچھ میں پڑھتا ہوں اور جانتا ہوں علقمہ بھی اسے پڑھ چکے اور جان چکے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس کہنے کا اثر تھا کہ حضرت علقمہ باوجود یہ کہ صحابی رضی اللہ عنہ نہ تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ رحمۃ اللہ علیہ سے مسائل پوچھنے آتے تھے ان کی زبان سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا علم بولتا تھا قابوس بن ابی ظبیان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

ادرکت ناسامن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ھم یسالون علقمہ و یستفتونہ۔[9]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث پڑھی۔ فقہ کی تعلیم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پائی۔

2- حضرت مسروق بن اجدع رحمۃ اللہ علیہ (63ھ) ابو عائشہ الھمدانی الکوفی الفقیہ:۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو متبنیٰ بنایا ہوا تھا۔ فقیہ عراق ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ [illegible] رحمۃ اللہ علیہ، ابو الضحیٰ رحمۃ اللہ علیہ، ابو اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ اور ایک کثیر تعداد لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یاب ہوئے۔ فقہ میں قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے مشہور قاضی) سے فائق سمجھے جاتے ہیں۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وکان [illegible] بالفتوی من شریح، وکان شریح یستشیرہ وکان مسروق لا یحتاج الی شریح [illegible]

ترجمہ:۔ آپ فقہ میں شریح سے فائق تھے شریح آپ سے پوچھتے تھے لیکن آپ شریح کے محتاج نہ تھے۔

3- حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ (94ھ) الفقیہ الکوفی:۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیث پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مفتی ہونے کی سند دی۔ حضرت قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ (118ھ) کہتے ہیں لا اعلم فی التابعین اوسع علماً من سعید و ھو عندی اجل التابعین ○ آپ رحمۃ اللہ علیہ خود کہتے ہیں میں

نے حضور اکرم ﷺ کے فیصلوں اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں کو جاننے والا اپنے سے زیادہ کسی کو نہیں پایا۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عدالتی فیصلوں کا بھی زیادہ علم انہی کو تھا۔

طلب حدیث کا یہاں تک شوق تھا کہ ایک ایک حدیث کے لئے کئی کئی دنوں اور راتوں کا سفر اختیار فرماتے۔ سو یہ گمان نہ کیا جائے کہ فقہا حدیث کے مخالف ہوتے ہیں۔ علم فقہ حدیث کے بغیر کیسے چل سکتا ہے۔

4- حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ (95ھ الفقیہ الکوفی)۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا اندازہ اس سے کیجئے کہ موسم حج میں اہل کوفہ حضرت ابن عباسؓ سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتے تو آپؓ کہتے۔ الیس فیکم سعید بن جبیر؟ کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں ہیں؟ عبادت میں یہ سعادت ملی کہ کعبہ میں داخل ہو کر جوف کعبہ میں ایک قرآن ختم کیا۔[93] یہ سعادت کسی اور کو نہیں ملی۔

5- حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (96ھ) فقیہ کوفہ:۔ حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ، مسروق رحمۃ اللہ علیہ، اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم پائی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مسند علمی کے وارث ٹھہرے۔ بچپن میں حضرت ام المومنینؓ کی زیارت کی۔ مشہور محدث اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کان ابراہیم صیرفیا فی الحدیث و کان یتوفی الشھرہ و لا یجلس الی اسطوانہ۔[94]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ کس طرح علم حدیث کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اگر دیگر محدثین کی طرح مرکز روایت بن کر نہ بیٹھتے تو اس کی وجہ ان کی عزلت گزینی تھی۔ ورنہ علم میں تو یہ حال تھا کہ جب فوت ہوئے علامہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

ما خلف بعدہ مثلہ۔

ترجمہ:- آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعد کوئی اپنا مثل نہیں چھوڑا۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ (95ھ) کے بارے میں کوفہ والوں کو حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے کہ کیا تم میں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہیں؟ یعنی ان کے ہوتے ہوئے تم مجھ سے مسائل پوچھتے ہو؟ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا یہ حال تھا کہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو کہتے:۔

تستفتونی و فیکم ابراہیم النخعی۔

ترجمہ:- مجھ سے پوچھتے ہو اور تم میں ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں۔

6- حضرت ابو عبداللہ مکحول الہذلی (101ھ) الحافظ فقیہ الشام:- ابو امامہ الباہلی ؓ' واثلہ بن الاسقع ؓ' انس بن مالک ؓ' محمود بن الربیع ؓ' عبدالرحمن بن غنم ؒ' ابو ادریس الخولانی ؒ سے حدیث پڑھی۔ حدیث کو مرسل بھی روایت کرتے اور ابی بن کعب ؓ' عبادہ بن الصامت ؓ اور حضرت ام المومنین ؓ سے بھی درمیانے راوی کو ذکر کئے بغیر روایت کر دیتے تھے۔ آپ ؒ سے ایوب بن موسیٰ ؒ' علا بن حارث ؒ' زید بن واقد ؒ' سعد بن یزید ؒ' حجاج بن ارطاۃ ؒ' امام اوزاعی ؒ اور سعید بن عبدالعزیز ؒ نے روایات لی ہیں۔ آپ ؒ نے مصر' عراق اور حجاز ہر جگہ طلب علم میں سفر کیا۔

امام زہری ؒ فرمایا کرتے تھے علماء تین ہی ہیں۔ ان میں آپ ؒ مکحول ؒ کو بھی ذکر کرتے۔[95]

ابو حاتم ؒ کہتے ہیں۔ ما اعلم بالشام افقہ من مکحول۔[96] شام میں ان سے بڑا فقیہ میں نے نہیں دیکھا۔

خطیب تبریزی ؒ کہتے ہیں۔

لم یکن فی زمان مکحول ابصر بالفتیا منہ و کان لا یفتی حتی یقول لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ ھذا رای و الرای یُخطیٔ و یُصیب۔[97]

ترجمہ:- حضرت مکحول کے زمانہ فتوی دینے کی بصیرت سب سے زیادہ آپ میں تھی۔ اور آپ فتوے نہ دیتے جب تک لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ☆ نہ پڑھ لیتے اور فرماتے یہ میری رائے ہے اور رائے خطا بھی کرتی ہے۔ اور درست بھی ہوتی ہے۔

نوٹ:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لفظ رائے ان دنوں کسی پہلو سے معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔

7- ابو عمرو علامہ شعبی ؒ (103ھ) الہمدانی الکوفی:- آپ ؒ علامہ تابعین کے لقب سے معروف تھے۔

علامہ ذہبی ؒ فرماتے ہیں۔

کان اماماً حافظاً فقیہا متقنا

آپ ؒ نے حضرت عمران بن حصین ؓ' جریر بن عبداللہ ؓ' حضرت ابو ہریرہ ؓ' ابن عباس ؓ' عبداللہ بن عمر ؓ' عدی بن حاتم ؓ' مغیرہ بن شعبہ ؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ ؓ سے احادیث لی ہیں۔ آپ امام ابو حنیفہ ؒ کے سب سے بڑے استاد تھے۔[98]

علامہ شعبی ؒ سے اسماعیل بن ابی خالد' اشعث بن سواء' داود بن ابی ہند' زکریا بن ابی زائدہ' مجالد بن سعید

اعمش، امام ابو حنیفہ، ابن عون، یونس بن ابی اسحٰق، سری بن یحیٰی نے احادیث روایت کی ہیں۔ کوفہ کے قاضی بھی رہے۔ پانچ سو کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا۔ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الزم الشعبی فلقد رایتہ یستفتی و الصحابہ متوافرون۔[13]

ترجمہ:۔ تم شعبی کی مجلس کو لازم پکڑو۔ میں نے لوگوں کو ان سے مسائل پوچھتے دیکھا۔ حالانکہ صحابہ بڑی تعداد میں موجود ہوتے تھے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

قدمت الکوفہ و للشعبی حلقہ و اصحاب رسول اللہ صص یومئذ کثیر۔

ترجمہ:۔ میں کوفہ آیا اور وہاں علامہ شعبی کا ایک بڑا حلقہ دیکھا۔ حالانکہ ان دنوں صحابہ کثیر تعداد میں موجود تھے۔

ابو مجلز کہتے ہیں۔

ما رایت افقہ من الشعبی لا سعید بن المسیب و لا طاؤس و لا عطاء و لا الحسن و لا ابن سیرین۔[14]

ترجمہ:۔ میں نے علامہ شعبی سے بڑا کوئی فقیہ کسی کو نہیں پایا نہ حضرت سعید بن المسیب کو نہ طاؤس کو نہ عطاء ابن ابی رباح کو نہ حسن بصری کو اور نہ امام ابن سیرین کو۔

مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں علم فقہ کی اتنی عظمت تھی کہ کھلے بندوں فرماتے ہم فقیہ نہیں ہم تو محدث ہیں جو روایت ملے اسے آگے پہنچا دیتے ہیں۔

قال الشعبی انا لسنا بالفقہاء و لکنا سمعنا الحدیث فرویناہ الفقہاء۔[15]

ترجمہ:۔ شعبی کہتے ہیں ہم فقہاء نہیں ہیں بات صرف یہ ہے کہ ہم نے حدیث سنی اور اسے فقہاء تک پہنچا دیا۔

وہ کون سے فقہاء کرام ہیں جن تک آپ نے حدیثیں پہنچا دیں اور ان کے سامنے آپنے آپ کو فقیہ نہ جان سکے؟ ان میں سرفہرست امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ نے اگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو نہ دیکھا ہوتا تو شاید اتنی بات نہ کہتے۔

8- سالم بن عبداللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ (106ھ) فقیہ مدینہ:۔ حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے، علم و عمل

کے جامع اور اپنے زمانہ کے الفقیہ اور الحجہ تھے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ام المومنینؓ، حضرت ابوہریرہؓ، رافع بن خدیجؓ، حضرت سفینہؓ اور افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ سے علم حاصل کیا اور حدیث پڑھی۔ آپؒ سے عمرو بن دینارؒ، امام زہریؒ، صالح بن کیسانؒ، موسیٰ بن عقبہؒ اور حضرت حنظلہ بن ابی سفیانؒ نے تعلیم پائی۔ خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں۔

احد فقہاء المدینہ من سادات التابعین و علمائہم و ثقاتہم[102]

ترجمہ:- مدینہ کے فقہاء میں سے ایک تھے سادات تابعین میں سے تھے ان کے علماء اور ثقہ لوگوں میں سے تھے۔

9- قاسم بن محمدؒ (107ھ) فقیہ مدینہ:- حضرت قاسمؒ حضرت ابو بکرؓ کے پوتے، علم و عمل کے جامع اور مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک تھے۔ اپنی پھوپھی حضرت ام المومنینؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے حدیث پڑھی اور تعلیم حاصل کی۔ اور آپؒ سے آپؒ کے بیٹے عبدالرحمٰنؒ، امام زہریؒ، ابن المنکدرؒ، ربیعہ الرایؒ، افلح بن حمیدؒ، حنظلہ بن ابی سفیانؒ، ایوب السختیانیؒ جیسے ائمہ علم نے روایات لیں اور اکتساب علم کیا۔ آپؒ سے دو سو کے قریب حدیثیں مروی ہیں۔ ابو الزناد عبدالرحمٰن (131ھ) کہتے ہیں۔

ما رایت فقیہاً اعلم من القاسم و ما رایت احداً اعلم بالسنہ منہ[103]

ترجمہ:- میں نے قاسم سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا اور نہ کسی کو دیکھا جو ان سے زیادہ سنت جاننے والا ہو۔

ابن سعد کہتے ہیں۔ کان اماما فقیہاً ثقۃً رفیعاً ورعاً کثیر الحدیث☆

یحیٰی بن سعیدؒ کہتے ہیں۔

ما ادرکنا بالمدینہ احداً نفضلہ علی القاسم من محمد[104]

ترجمہ:- ہم نے مدینہ شریف میں کسی نہ پایا جسے قاسم بن محمد پر فضیلت دے سکیں۔

10- حماد بن ابی سلیمان (120ھ):- حضرتﷺ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد تھے امیر المومنین فی الحدیث شعبہ (160ھ) اور حضرت سفیان ثوریؒ نے آپ سے حدیث روایت کی ہے[105] آپ ابراہیم

شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلوں اور ان کی فقہی آراء کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ ہی سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس مسند علمی کے وارث ہوئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ سے روایات لی ہیں۔

نوٹ:۔ تابعین میں فقہاء حدیث صرف یہی دس حضرات نہیں۔ ان کے علاوہ بھی اس طبقہ میں بہت سے فقہاء اعلام ہوئے جو فقہ اور حدیث کے جامع تھے ان میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (110ھ)' امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (110ھ)' قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ (118ھ)' بھی بے شک فقہ حدیث اور استنباط مسائل میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔

تابعین کرام میں اساتذہ روایت:۔ ابو بردہ رحمۃ اللہ علیہ (104ھ)' طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ (105ھ)' عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ (107ھ)' حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (110ھ)' ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (110ھ)' عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ (115ھ)' امام نافع رحمۃ اللہ علیہ (117ھ)' میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ (117ھ)' امام زہری رحمۃ اللہ علیہ (124ھ)' عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ (126ھ)' ابو اسحق السبیعی رحمۃ اللہ علیہ (127ھ)' عبدالرحمن ابو الزناد رحمۃ اللہ علیہ (131ھ)' سلیمان التیمی رحمۃ اللہ علیہ (143ھ)' ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ (146ھ)' اعمش رحمۃ اللہ علیہ (147ھ)'

ابو بردہ بن ابی موسی الاشعری (104ھ):۔ اپنے والد حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث پڑھی۔ قاضی شریح کے بعد کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے بیٹے بلال الامیر رحمۃ اللہ علیہ' پوتے بزید بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ' حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ' قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ' بکیر بن الاشج رحمۃ اللہ علیہ' ابو اسحق شیبانی رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دوسرے حضرات نے روایت کی ہے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

كان علامه كثير الحديث۔

ترجمہ:۔ آپ بڑے عالم تھے اور کثیر الحدیث تھے۔[105]

11- طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ (105ھ) ابو عبدالرحمن الیمانی:۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے حدیث پڑھی اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ' امام زہری' ابراہیم بن میسرہ' ابو الزبیر مکی' عبداللہ بن ابی نجیح اور حنظلہ بن ابی سفیان نے حدیث سنی۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں۔

ما رایت احدا مثل طاوس۔

ترجمہ:- میں نے طاؤس جیسا کسی کو نہیں پایا۔

آپ اہل یمن کے شیخ اور مفتی تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ فن حدیث میں اس جلالت شان کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے۔

12- حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ (107ھ):- آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایات لی ہیں۔ آپ سے کثیر تعداد لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں فتوے دینے لگے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا آپ نے کسی کو اپنے سے بڑا عالم پایا۔ آپ نے کہا ہاں عکرمہ کو۔ علامہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے علم قرآن کے معترف تھے آپ پر یہ الزام بھی ہے کہ کچھ خارجیت کا ذہن تھا۔ اس لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت نہیں لی۔ لیکن اس میں شک نہیں ان هذا الامام من بحور العلم○ کہ یہ امام علم کا ایک سمندر ہے۔

13- ابو سعید حسن بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ (110ھ) یسار البصری:- حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا الامام اور شیخ السلام کہہ کر تعارف کرایا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنی ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ، ایوب رحمۃ اللہ علیہ، ابن عون رحمۃ اللہ علیہ، یونس رحمۃ اللہ علیہ، خالد الحذاء رحمۃ اللہ علیہ، ہشام بن حسان رحمۃ اللہ علیہ، حمید الطویل رحمۃ اللہ علیہ، جریر بن حازم رحمۃ اللہ علیہ، ربیع بن الصبیح رحمۃ اللہ علیہ اور ابان بن یزید وغیرہم نے روایات لی ہیں۔ امام حسن بصری ثقہ، حجہ، مامون، عابد و زاہد اور کثیر العلم ہیں۔ خطیب تبریزی لکھتے ہیں۔

هو امام وقته فی کل فن و علم و زہد و ورع و عبادۃ[57]

ترجمہ:- آپ اپنے وقت میں ہر فن ہر علم کے امام تھے۔ زہد پرہیزگاری اور عبادت میں بھی۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

حافظ، علامہ، من بحور العلم، فقیہ النفس، کبیر الشان عدیم النظیر ملیح التذکیر بلیغ الموعظہ رأس فی انواع الخیر[58]

ترجمہ:- حافظ تھے، علامہ تھے، علم کے سمندر تھے، فقیہ النفس تھے، بڑی شان تھی، ان کی نظیر نہ

تھی' وعظ بہت اچھا کہتے نصیحت موثر ہوتی' انواع خیر کا مرکز تھے۔

البتہ آپ کی مرسل روایات کو محدثین نے قبول نہیں کیا۔

و مالرسلہ فلیس ھو بحجة

ترجمہ :- مشہور بات چلی آتی ہے کہ آپ کی مرسل روایت حجت نہیں۔

14- امام ربانی محمد بن سیرین (110ھ) :- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث پڑھی۔ آپ سے ایک خلق کثیر نے فیض علم پایا۔ انہیں حدیث میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اثبت مانا گیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

کان فقیھاً اماماً غزیر العلم ثقہ ثبتاً علامہ فی التعبیر راساً فی الودع و امہ صفیہ مولاۃ لابی بکر الصدیق۔[109]

ترجمہ :- آپ فقیہ تھے' امام تھے' ماہر علم تھے' ثقہ تھے' اچھے ضبط والے تھے' علم تعبیر کے ماہر تھے' پرہیزگاری میں بہت اونچے تھے' آپ کی والدہ صفیہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آزاد کردہ باندی تھیں۔

15- عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ (114ھ) :- ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث پڑھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے ایوب رحمۃ اللہ علیہ' ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ' امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ' امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ' ہمام بن یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ' جریر بن حازم رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے ائمہ علم نے روایات لی ہیں۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

قال ابو حنیفہ ما رایت احداً افضل من عطاء۔[110]

ترجمہ :- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے عطاء سے کسی کو بہتر نہیں پایا۔

یہاں مطلق دیکھنا مراد نہیں' آپ صرف اپنے اساتذہ میں انہیں سب سے افضل کہہ رہے ہیں۔ حضرت امام باقر بھی فرماتے ہیں۔

ما بقی علی وجہ الارض اعلم بمناسک و الحج من عطاء

ترجمہ :- مناسک حج جاننے والا کوئی روئے زمین پر عطاء سے بڑھ کر نہ تھا۔

آپ کی بعض علمی اور فقہی آراء امام بخاری ؒ نے اپنی صحیح میں بھی نقل کی ہیں۔ آپ کی وجاہت علمی دنیائے اسلام میں ہر جگہ مسلم رہی ہے۔ مکہ کے لوگ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے جب کوئی مسئلہ پوچھتے تو آپ فرماتے۔ تجمعون علی و عندکم عطاء ۔۔۔۔۔ میرے پاس چلے آتے ہو حالانکہ عطاء تمہارے پاس موجود ہیں۔

16- امام نافع المدنی ؒ (117ھ):- حضرت ابن عمر ؓ ' حضرت ابو ہریرہ ؓ ' حضرت رافع بن خدیج ؓ ' حضرت ابو لبابہ ؓ ' ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ اور ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ سے حدیث پڑھی۔ آپ ؒ سے امام اہل مکہ ابن جریج ؒ ' امام اہل شام امام اوزاعی ؒ ' امام اہل مدینہ امام مالک ؒ ' امام مصر لیث مصری ؒ ' عقیل بن خالد ؒ ' ایوب ؒ اور ابن عون ؒ نے احادیث روایت کی ہیں۔

جس طرح بخاری کو اصح الکتب کہا گیا ہے عام محدثین کے ہاں مالک عن نافع عن ابن عمر کو اصح الاسانید کہا گیا ہے۔ حضرت نافع ؒ کہتے ہیں میں حضرت ابن عمر ؓ کی خدمت میں تیس سال رہا۔ اس سے ان کی علمی عظمت کی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ روایت حدیث میں آپ ایک مرکزی شخصیت ہیں۔

17- میمون بن معدان ؒ (117ھ) عالم اہل الجزیرہ:- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ ' حضرت ابو ہریرہ ؓ ' حضرت ابن عباس ؓ ' حضرت ابن عمر ؓ اور دوسرے صحابہ ؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت عمر ؓ اور حضرت زبیر ؓ سے بھی مرسل روایات لی ہیں۔ آپ سے ابو بشرؒ ' خصیف ' جعفر بن برقان ' حجاج بن ارطاۃ ' سالم بن ابی الجعد ' امام اوزاعی ' ابو الملیح ' معقل بن عبیداللہ اور ایک خلق کثیر نے حدیث روایت کی ہے ۔۔۔۔ مشہور فقیہ سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں خلافت ہشام میں چار ہی عالم تھے۔ حسن بصری ' مکحول ' میمون بن مدعان اور زہری ۔۔۔۔ امام احمد کہتے ہیں آپ عکرمہ سے زیادہ ثقہ ہیں امام نسائی بھی آپ کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔

18- امام زہری ؒ (124ھ):- اعلم الحفاظ ابن شہاب زہری حدیث اور تاریخ کے بڑے امام تھے۔ آپ نے حدیث صحابہ ؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ' سہل بن سعد ؓ ' حضرت انس بن مالک ؓ سے اور تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیب ؒ ' ابو امامہ ؒ اور ابو سہل ؒ وغیرہم من الائمۃ الاعلام سے پڑھی۔ آپ سے صالح بن کیسان ؒ معمر ؒ ' شعیب بن ابی حمزہ ؒ ' امام ابو حنیفہ ؒ ' امام مالک ؒ ' امام اوزاعی ؒ ' ابن ابی ذئب ؒ ' لیث مصری ؒ ' سفیان بن عیینہ ؒ اور دیگر کئی ائمہ علم نے روایت لی ہے۔ ابن المسیب ؒ کے پاس آٹھ سال کے

قریب رہے۔ لیث مصری ؒ کہتے ہیں میں نے زہری سے جامع علم کسی کو نہیں دیکھا۔ ترغیب و ترتیب کی احادیث ہوں کہ انساب عرب کی' قرآن و سنت کی بات ہو یا حلال و حرام کی۔ ہر موضوع میں سبقت لے گئے ہیں۔ ابو الزناد ؒ کہتے ہیں۔

كنا نطرف مع الزہری علی العلماء و معه الالواح و الصحف يكتب كلما سمع[11]

ترجمہ:- ہم امام زہری کے ساتھ علماء حدیث کے ہاں گھوما کرتے تھے۔ آپ کے پاس کاغذات اور تختیاں ہوتیں آپ جو کچھ سنتے لکھتے جایا کرتے تھے۔

ابن المدینی ؒ کہتے ہیں ثقہ راویوں کا علم حجاز میں زہری ؒ اور عمرو بن دینار ؒ پر بصرہ میں قتادہ ؒ اور یحییٰ بن کثیر ؒ پر' کوفہ میں ابو اسحٰق السبیعی ؒ اور اعمش ؒ پر گردش کرتا ہے۔ اکثر صحیح حدیثیں ان چھ رواۃ حدیث سے باہر نہیں۔ محدثین امام زہری ؒ کی مرسل روایات کا اعتبار نہیں کرتے۔ آپ کہیں کہیں روایت حدیث کے دوران شرح الفاظ بھی کر دیتے تھے۔ علماء بعض اوقات ان کے ادراج کو حدیث کا جزو سمجھ لیتے اور اسے حدیث کے طور پر آگے روایت کر دیتے۔ تاہم ان کی علمی عظمت اور حدیثی عبقریت ہر دائرہ علم میں مسلم رہی ہے۔ آپ جب اپنے شیخ کا نام نہ لیں اور اس سے اوپر کے شیخ سے صیغہ عن سے روایت کرتے تو اس سے آپکی ثقاہت مجروح نہیں ہوتی۔ البتہ اس سے روایت کی صحت مشکوک ہو گی۔ شیعہ علماء نے اس تدلیس کو تقیہ سمجھ کر انھیں اپنے ہاں شیعہ شمار کر لیا تھا۔ سو جب کبھی وہ ان کی روایت پیش کریں تو یہ استدلال ان کے ہاں بر سبیل مناظرہ نہیں بر سبیل مجادلہ ایک الزامی دلیل سمجھا جائے گا۔

19- امام حرم عمرو بن دینار الحافظ (126ھ):- صحابہ میں سے حضرت ابن عباس ؓ' حضرت ابن عمر ؓ' حضرت جابر ؓ' حضرت انس بن مالک ؓ کے اور تابعین میں سے ابو الشعثاء اور طاؤس' کریب' مجاہد کے شاگرد تھے۔ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ' ابن جریج' سفیان الثوری' حضرت حماد بن سلمہ' سفیان بن عیینہ اور حماد بن ابی سلیمان آپ کے شاگرد تھے۔ شعبہ ؒ کہتے ہیں میں نے حدیث میں عمرو بن دینار ؒ سے اثبت کسی کو نہیں پایا۔ آپ صرف محدث نہیں فقیہ بھی تھے عبداللہ بن ابی نجیح ؒ کہتے ہیں میں نے عمرو بن دینار ؒ' عطاء بن ابی رباح ؒ' مجاہد ؒ اور طاؤس ؒ سے کسی کو فقہ میں زیادہ نہیں پایا۔

ان ائمہ روایت میں پانچ اور حضرات کا بھی ترجمہ شامل کر لیجئے۔ اس دور میں روایت پر توجہ زیادہ تھی۔ اس لئے اس طبقہ میں ہم یہ نام بھی اضافہ کئے دیتے ہیں۔

20- ابو اسحٰق السبیعی ؒ (127ھ) عمرو بن عبداللہ:- کثرت روایت میں امام زہری ؒ کے اقران میں سے ہیں۔ حضرت علی ؓ کو دیکھا ہے۔ حضرت زید بن ارقم ؓ' عبداللہ بن عمرو ؓ' عدی بن حاتم ؓ' براء بن عازب ؓ' جریر بجلی ؓ' جابر بن سمرہ ؓ سے حدیث پڑھی۔ تین سو کے قریب اساتذہ سے روایت لی۔ آپ سے قتادہ ؒ' سلیمان التیمی ؒ' اعمش ؒ' شعبہ ؒ' سفیان الثوری ؒ' ابو الاحوص ؒ' زائدہ ؒ' شریک ؒ اور سفیان بن عیینہ ؒ اور آپ کے بیٹے یونس اور پوتے اسرائیل نے روایت کی ہے۔ ابو داود الطیالسی کہتے ہیں چار شخصوں میں علم حدیث نمایاں رہا ہے۔ زہری' قتادہ' ابو اسحاق اور اعمش میں۔ قتادہ اختلاف رواۃ میں' زہری اسناد میں' ابو اسحاق ؓ' حضرت علی ؓ اور عبداللہ بن مسعود ؓ کی مرویات میں اور اعمش ان میں سے ہر ایک باب میں آگے تھے۔

21- ابو عبدالرحمن ابو الزناد (131ھ) عبداللہ بن ذکوان ؒ فقیہ المدینہ:- حضرت انس ؓ بن مالک سے حدیث پڑھی۔ تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیب جیسے اکابر سے علم حاصل کیا۔ آپ سے امام مالک ؒ' سفیان ثوری ؒ' لیث مصری ؒ' سفیان بن عیینہ ؒ اور دوسرے کئی اکابر نے روایت لی ہیں۔ لیث بن سعد ؒ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے پیچھے تین سو کے قریب فقہ کے طالب علم چلتے دیکھے۔ امام ابو حنیفہ ؒ جیسے فقیہ فرماتے ہیں میں نے ربیعۃ الرائےؒ اور ابو الزناد دونوں کو دیکھا ہے اور ابو الزناد کو افقہ (علم فقہ میں زیادہ ماہر پایا ہے)۔

قال ابو حنیفہ رایت ربیعۃ و ابو الزناد افقہ الرجلین[12]

حضرت اماؒ جیسے نادر روزگار فقیہ کا ان کی فقاہت پر شہادت دینا پتہ دیتا ہے کہ آپ کس درجہ کے عالم تھے۔ اگر ہم انہیں فقہاء تابعین میں ذکر کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔ لیکن چونکہ سفیان بن عیینہ ؒ آپ کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں اس لئے ہم نے انہیں رواۃ حدیث میں ذکر کیا ہے۔

22- سلیمان بن طرفان التیمی ؒ (143ھ) البصری:- حافظ ذہبی ؒ انہیں الحافظ' الامام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک ؓ اور دیگر محدثین کبار سے حدیث پڑھی۔ آپ سے شعبہ' حضرت عبداللہ بن مبارک' حضرت سفیان الثوری' یزید بن ہارون' سفیان بن عیینہ اور دیگر کئی ائمہ کبار نے روایت لی۔ حدیث بڑے ادب سے روایت کرتے۔ کان اذا حدث عن رسول اللہ تغیر لونہ[13] سفیان کسی بصری محدث کو سلیمان تیمی پر

ترجیح نہ دیتے تھے۔ شعبہ کہتے ہیں میں نے ان سے زیادہ راست گو کسی کو نہیں دیکھا۔

23- ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ (146ھ):- حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو الامام' الحافظ' الحجہ اور الفقیہ کے القاب سے ذکر کرتے ہیں۔ ان دنوں حدیث اور فقہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ بہت سے حفاظ حدیث فقیہ بھی ہوتے تھے۔ ہشام بن عروہ بھی انہی میں سے تھے۔ ابن سعد آپ کے بارے میں کہتے ہیں "کان ہشام ثقہ' ثبتا" کثیر الحدیث' حجہ۔۔۔۔۔۔ ابو حاتم الرازی آپ کو امام فی الحدیث لکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور بچپن میں آپ کے لئے برکت کی دعا کی تھی۔ شعبی' ایوب' امام مالک' سفیان الثوری' سفیان بن عیینہ' حماد بن سلمہ' حماد بن ابی سلیمان' یحییٰ بن سعید القطان جیسے اکابر آپ کے شاگرد تھے۔ امام یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا آپ ہشام کو بہتر جانتے ہیں یا زہری کو؟ آپ نے کہا دونوں کو' اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی۔ آپ حضرت حسن بصری اور امام ابن سیرین کے اقران میں سے تھے۔

24- ابو محمد سلیمان الاعمش الکوفی رحمۃ اللہ علیہ (147ھ) الحافظ و الثقہ:- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حدیث سنی۔ آپ سے امیر المومنین فی الحدیث شعبہ' سفیان الثوری' سفیان بن عیینہ' وکیع بن الجراح' زائدہ' ابو نعیم اور بہت سے لوگوں نے روایت لی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے بھی استاد تھے۔ ابن المدینی کہتے ہیں آپ سے تیرہ سو کے قریب احادیث مروی ہیں۔ صدق مقال کا یہ حال تھا کہ لوگ آپ کو مصحف (قرآن) کہتے تھے۔ یحییٰ بن القطان آپ کو علامہ الاسلام کہتے تھے۔ ستر سال تک آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہوئی۔ سفیان بن عیینہ نے آپ کے بارے میں لکھا:

اقرأهم لكتاب الله و احفظهم للحديث و اعلمهم بالفرائض[4]

ترجمہ:- سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے سب سے زیادہ حدیث یاد رکھنے والے اور علم وراثت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

نوٹ:- اس درجہ کے عالی مرتبت محدثین کوفہ میں بہت ہوئے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ کوفہ ان دنوں کس طرح علم و فضل کا مرکز تھا۔ سو یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ عراق علم حدیث میں حجاز سے پیچھے تھا۔ عراق نے علم حدیث کے وہ جلیل القدر اور جہاں روزگار محدث پیدا کئے کہ چشم فلک نے ان کی نظیر نہ دیکھی۔ تذکرہ الحفاظ کے

مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ کوفہ علم حدیث کا گہوارہ تھا۔ یہ تابعین کے اساتذہ روایت کا ذکر تھا۔ اب ہم ان ائمہ اصول کا ذکر کرتے ہیں جن کی علمی بلندی انہیں ورجہ اجتہاد پر لے آئی۔ اور امت میں ان کی پیروی جاری ہوئی یا وہ اس مرتبہ پر ٹھہرے کہ ان کی پیروی کی جا سکے۔

تابعیت امام اعظم

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے سوانح نگاروں کے درمیان آپ کی تابعیت کا مسئلہ بہت اہم شمار کیا گیا ہے۔ اور مخالفین و موافقین نے بھی اس کے نفی و اثبات میں بہت کافی زور صرف کیا ہے۔

یہ معرکہ اگرچہ آج کل کی روشنی خصوصاً غیر قوموں میں لفظی منازعت کی حیثیت رکھتا ہو تو ہو لیکن اس سے مسلمانوں کی اپنے پیغمبر سے والہانہ عقیدت اور محبت اور قرآن کریم سے بے پناہ تعلق کا پتہ چلتا ہے ارشاد باری ہے۔

والسابقون الاولون من المهاجرين و الانصار و الذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم و رضوا عنه[61]

ترجمہ:- سب سے، پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار اور ان کی نیکیوں میں جنہوں نے اتباع کی اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

آخر جن ... کو خداوند عالم کی طرف سے یہ شرافت اور بزرگی حاصل ہوئی ہے ان کے اعزاز و اکرام ... کو کون پہنچ سکتا ہے۔ حدیث شریف میں پیغمبر خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

طوبى لمن رآنى و لمن رأى من رآنى (الحديث)[62]

ترجمہ:- مبارک ہو جس نے مجھے دیکھا اور میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

آخر اس نسبت میں کچھ تو خیر و برکت ہے۔ جس کی طرف آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے۔

خير القرون قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم[63]

ترجمہ:- مبارک تر میرا زمانہ ہے اور پھر اس سے متصل اور پھر اس سے متصل۔

اسی قسم کی آیات و احادیث سے حضرات صحابہ کرام و تابعین کے مقام کی رفعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسی مرتبہ

کی رفعت کی طرف حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے اپنے مکتوبات میں اشارہ کیا ہے۔

فضیلت میں اویس قرنی ؒ حضرت معاویہ ؓ کے گھوڑے کی ناک میں اس گرد کے برابر نہیں جو حضور ﷺ کی ساتھ جہاد کی شرکت میں بیٹھ گئی تھی۔

حضرات صحابہ کرام ؓ کے بعد حضرات تابعین ہی کا مرتبہ ہے حضرت امام ابو حنیفہ ؒ تابعی ہیں یا نہیں۔ یہ مسئلہ اس وجہ سے پیدا ہوا کہ آپ کا سن پیدائش سنہ 80ھ اور دوسری روایت کی بنا پر سنہ 61ھ ہے۔ اور حضرات صحابہ ؓ کی جماعت میں سب سے آخر وفات پانے والے ابو الطفیل (مکہ معظمہ) سنہ 110ھ ہیں اور امام صاحب کا سن وفات سنہ 150 ھ غالباً ہے۔ لہذا سنہ 80ھ یا سنہ 110ھ یا سنہ 61ھ یا سنہ 110ھ تیس 30 اور 51 سال کی مدت میں کتنے صحابہ ؓ موجود ہوں گے جن سے امام صاحب کی ملاقات کے قوی امکانات ہیں۔ پہلی روایت (تیس سالہ مدت) میں مندرجہ ذیل حضرات صحابہ کرام ؓ کی ملاقات کے قوی امکانات موجود ہیں۔

1-	حضرت انس بن مالک ؓ	متوفی سنہ 93ھ
2-	حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ	" سنہ 87ھ
3-	حضرت سہل بن سعد ؓ	" سنہ 88ھ
4-	حضرت ابو الطفیل ؓ	" سنہ 110ھ
5-	حضرت واثلہ بن الاسقع ؓ	" سنہ 85ھ
6-	حضرت مقدام بن معدیکرب ؓ	" سنہ 87ھ
7-	حضرت ابو امامہ باہلی ؓ	" سنہ 86ھ
8-	حضرت عمرو بن حریث ؓ	" سنہ 85ھ
9-	حضرت عبداللہ بن بشر ؓ	" سنہ 88ھ یا سنہ 96ھ
10-	حضرت بسر بن ارطاۃ ؓ	" سنہ 86ھ
11	حضرت عبداللہ بن حارث ؓ بن جزء {	" سنہ 85ھ یا سنہ 86ھ یا سنہ 87ھ یا سنہ 88ھ یا سنہ
12-	حضرت عتبیٰ بن عبدالسلمی ؓ	" سنہ 87ھ یا سنہ 90ھ
13-	حضرت اسعد بن سہل ؓ	" سنہ 100ھ

-14	حضرت سائب بن یزید ؓ	" سنہ 91ھ
-15	حضرت طارق بن شہاب بجلی کوفی ؓ	" سنہ 82ھ یا سنہ 83ھ
-16	حضرت عبداللہ بن ثعلبہ ؓ	" سنہ 87ھ یا سنہ 89ھ
-17	حضرت عبداللہ بن الحارث بن نوفل ؓ	" سنہ 99ھ
-18	حضرت عمر بن ابی سلمہ ؓ	" سنہ 83ھ
-19	حضرت مالک بن حویرث ؓ	" سنہ 94ھ
-20	حضرت محمود بن لبید ؓ	" سنہ 96ھ
-21	حضرت مالک بن اوس ؓ	" سنہ 92ھ
-22	حضرت قیسہ بن ذویب ؓ	" سنہ ھ (تقریباً)

جناب حافظ المزی نے بیان فرمایا ہے کہ امام صاحب کی ملاقات 72 صحابہ ؓ سے ہوئی ہے[118] تاہم بعید سن وفات حضرات کی فہرست ہم نے پیش کی ہے[119]

ابن حجر ؒ فرماتے ہیں

فھو بھذا الاعتبار من التابعین[120]

ترجمہ:۔ اس وجہ سے امام صاحب تابعین میں سے ہیں۔

علامہ عسقلانی نے بخاری کی شرح میں "باب الصلوٰۃ فی الشیاب" کے تحت بیان فرمایا ہے کہ یہی جمہور کا مسلک ہے۔

حافظ ذہبی ؒ فرماتے ہیں

انہ رای انس بن مالک مرارا[121]

ترجمہ:۔ امام صاحب نے انس بن مالک کو چند بار دیکھا ہے۔

غرض کہ ائمہ فن مثلاً خطیب بغدادی، ابن الجوزی، مزی، یافعی، عراقی، ذہبی، ابن حجر سیوطی وغیرہ حضرات امام صاحب کی تابعیت پر متفق ہیں ۔ علامہ ابن حجر مکی نے شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا ہے۔

ادرک الامام الاعظم ثمانیہ من الصحابہ[122]

ترجمہ:۔ امام صاحب نے آٹھ صحابہ سے ملاقات کی ہے۔

جن آٹھ یا دس صحابہ رضی اللہ عنہ سے امام صاحب نے ملاقات کی ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

-1	انس بن مالک رضی اللہ عنہ	متوفی سنہ 93ھ
-2	عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ	" سنہ 87ھ
-3	سہل بن سعد رضی اللہ عنہ	" سنہ 88ھ
-4	ابو طفیل رضی اللہ عنہ	" سنہ 110ھ
-5	عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ	سنہ 82ھ
-6	عبداللہ بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ	" سنہ 99ھ
-7	جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	" سنہ 94ھ
-8	عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا	" سنہ
-9	واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ	" سنہ 85ھ
-10	معقل بن یسار رضی اللہ عنہ	" سنہ

دار قطنی نے کہا ہے کہ آپ نے صرف انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ ابو طفیل وغیرہ کو نہیں دیکھا۔ لیکن دار قطنی کی یہ رائے انصاف اور تحقیق پر مبنی نہیں ہے۔ کیونکہ صاحب در مختار کے بقول آپ نے 55 حج کئے ہیں۔ پندرہ حج حضرت طفیل (مکہ مکرمہ) کی حیات میں کئے ہیں۔ اور حضرت ابو طفیل کا انتقال سنہ 110ھ میں ہوا ہے اور امام صاحب کی پیدائش سنہ 80ھ وفات سنہ 150ھ ہے۔ یعنی آپ ستر (70) سال حیات رہے 15 سال کی عمر میں پہلا حج اپنے والد کی معیت میں کیا ہے لہٰذا کوئی عقلمند دارقطنی کے قول کو کس طرح تسلیم کرلے کہ حضرت ابو طفیل مسجد حرام میں تشریف رکھتے ہوں، امام صاحب بالغ بھی ہوں اور پھر بھی صحابی کی ملاقات سے گریز کرتے رہیں؟ اس مدت میں تو سماع حدیث بھی یقینی ہے۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

ان وجوہات کی بناپر ابن سعد کی رائے نہایت قیمتی ہے۔

فھو بھذ الاعتبار من طبقہ التابعین و لم یثبت ذلک لاحد من ائمۃ الامصار

المعاصرین له کالاوزاعی بالشام و الحمادین بالبصره و الثوری بالکوفه و مالک بالمدینه و مسلم بن خالد الزنجی بمکه واللیث بن سعد بمصر[123]

ترجمہ :- امام صاحب اس اعتبار سے تابعین کے طبقہ میں سے ہیں یہ خصوصیت آپ کے معاصر ائمہ میں سے کسی کو حاصل نہیں مثلاً اوزاعی کو شام میں حماد بن زید اور حماد بن سلمہ (بصرہ) ثوری (کوفہ) مالک (مدینہ) مسلم بن خالد (مکہ) لیث بن سعد (مصر) میں۔

یعنی جس قدر امام صاحب کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے مواقع حاصل ہوئے دوسروں کو نہیں' حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ملاقات کا معاملہ تو مخالفین کو بھی تسلیم ہے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں امام صاحب کا قول سند کے ساتھ نقل کیا ہے[124] علامہ کردری اور علامہ موفق نے اپنی اپنی کتابوں میں امام صاحب کے مرویات کو بھی ذکر کیا ہے۔ اور ان کی تعداد پچاس بتلائی ہے۔ علامہ خوارزمی فرماتے ہیں۔

اتفق العلماء علی انه روی عن اصحاب رسول الله صص لکنهم اختلفوا فی عددهم[125]

ترجمہ :- علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ امام صاحب نے صحابہ رضی اللہ عنہ سے روایات نقل کی ہیں لیکن ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔

بعض حضرات نے 6' بعض نے 7 اور بعض نے مرویات کی تعداد 8 بتلائی ہے۔ علامہ کردری نے ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کے نام بھی شمار کرائے ہیں۔ مثلاً انس بن مالک رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ' حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ' حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ' حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ' حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ' حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ علامہ موصوف نے ان روایات کو درایۃ" بھی ثابت کیا ہے۔ اور قرائن بھی ذکر کر دیئے ہیں کہ جن کی وجہ سے صاحب فہم کو اعتراف ہی کرنا پڑتا ہے۔ اس میں بھی شک نہیں ہے کہ محدثین کرام نے ان مرویات پر اعتراض بھی قائم کئے ہیں لیکن

قد بینا ان الامکان ثابت والناقل عدل المثبت اولی من المنافی[126]

ترجمہ :- ہم نے بیان کر دیا کہ امکان موجود ہے اور ناقل عادل ہے اور منفی کے مقابلہ میں مثبت کو قوت حاصل ہوتی ہے۔

اور ہم مثبت کی پوزیشن میں ہیں۔ اس لئے ہمارے دلائل کو زیادہ تقویت حاصل ہے۔[127] 5۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جن کو امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے۔ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

کفیٰ نعمان فخراً ما رواہ　　　　من الاغبار عن غرر الصحابہ

روایت کی شرط کے مطابق بھی امام صاحب کی تابعیت سے انکار محال ہے ورنہ متفق علیہ تعریف کی رو سے کوئی اشکال ہی باقی نہیں رہتا امام صاحب نے حضرت عبداللہ بن جزء الحارث سے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔

قال ابو حنیفہ ولدت سنہ ثمانین سنہ و حججت سنہ ستہ و تسعین و انا ابن ست عشرہ سنہ فلما دخلت مسجد الحرام ورائیتُ حلقہ عظیمہ فقلت لابی حلقہ من ھذہ فقال حلقہ عبداللّٰہ بن الحارث بن جزء الزبیدی صاحب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فتقدمت و ھو یقول سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول من تفقہ فی دین اللّٰہ کفاہ اللّٰہ مھمہ ریرزقہ من حیث لا یحتسب[128]

ترجمہ:۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں میں سنہ 80ھ میں پیدا ہوا اور اپنے والد کے ہمراہ سنہ 96ھ میں میں نے حج ادا کیا اس وقت میری عمر 16 سال کی تھی جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے ایک بڑا حلقہ دیکھا تب میں نے اپنے والد سے دریافت کیا یہ حلقہ کن کا ہے تو میرے والد نے کہا حضرت عبداللہ بن حارث صحابہ ﷛ کا ہے میں آگے بڑھا اور ان کو میں نے یہ کہتے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے جس نے تفقہ فی الدین حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے مقاصد کا ذمہ دار ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچائے گا جہاں سے اس کو گمان نہ ہو گا۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کو مختلف اسناد سے دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے اور جیسا کہ گذشتہ حاشیہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ حضرت عبداللہ بن الحارث کی وفات سنہ 99ھ میں ہوئی اور اس وقت امام صاحب کی عمر 16 سال کی تھی۔ دوسری حدیث صاحب اعلام الاخیار نے نقل کی ہے جس کو انہوں نے حضرت انس ﷛ سے روایت کیا ہے وہ حدیث یہ ہے:۔

طلب العلم فریضہ علی کل مسلم و مسلمۃ[129]

ترجمہ:۔ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

تیسری حدیث بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ ہے۔

لو وثق العبد باللّٰہ تعالٰی ثقہ لطیر لیرزقہ کما یرزق الطیر تغد خماصا و تروح بطانا

ترجمہ:- اگر بندہ خدا پر پرندوں کی طرح اعتماد کرے تو وہ اس کو پرندہ کی طرح رزق دیتا ہے کہ صبح کو خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس ہوتے ہیں۔

چوتھی حدیث حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ یہ ہے:۔

من بنی للّٰہ مسجدا بنی اللّٰہ لہ بیتا فی الجنہ

ترجمہ:- جو اللہ کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔

ان احادیث میں امام صاحب پر ایک اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی عمر 5 یا 9 سال یا 11 سال کی تھی لیکن اہل اصول کے نزدیک 5 سال کی عمر میں سماع حدیث درست ہے چنانچہ امام بخاری نے محمود بن ربیع کی روایت پانچ برس کی عمر میں قبول کی ہے۔ علاوہ ازیں حدیث طلب العلم کے بارے میں محدثین نے بہت زیادہ کلام کیا ہے ابن جوزی نے تو موضوع تک کہ دی ہے۔ تاہم مرتبہ حسن سے اس حدیث کا ساقط نہیں کیا جا سکتا اور اگر ضعیف یا معلل قرار دیا جائے تو اس کا یہی جواب زیادہ مناسب ہے کہ امام صاحب کے بعد کے رواۃ میں ضعف ہو سکتا ہے اور دوسروں کا ضعف امام صاحب پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے ابن مسعود سے' ابن عدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے' طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور خطیب اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور کسی نے بھی اس کے درجہ حسن سے انکار نہیں کیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے تو اس کو حدیث متواتر میں شمار کیا ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کو میں نے کم و بیش پچاس طرق سے جمع کیا ہے۔ وہ سب کے سب صحیح ہیں لیکن ان تمام طرق میں سب سے زیادہ صحیح سند یہی ہے جو مسند امام اعظم میں ہے۔

آپ کی تعلیمی زندگی اور طویل داستان کو اس مختصر طریقہ سے بھی سمیٹا جا سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ میں کوفہ کا کوئی صحابی رضی اللہ عنہ اور تابعی ایسا نہیں چھوڑا جس سے ملاقات اور کسب فیض نہ کیا ہو۔

علامہ خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اتفق العلماء علی انه روی عن اصحابه رسول الله صلی الله علیه وسلم لکنهم اختلفوا فی عددهم[130]

ترجمہ :۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام صاحب نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایات نقل کی ہیں لیکن اس کی تعداد میں اختلاف ہے۔

عبداللہ بن مبارک اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

کفیٰ نعمان فخراً ما رواہ من الاخبار عن غرر الصحابہ

صحابہ رضی اللہ عنہم سے شرف روایت یقیناً بہت بڑی سعادت ہے۔ مگر جانتے ہوئے بھی نہ ماننے والوں کو کس طرح منوایا جائے۔ جب ان کی نگاہوں میں امام صاحب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلم شرف تابعیت بھی کوئی وقعت نہ رکھتا ہو۔

تابعی کی تعریف:۔ حالانکہ امام صاحب کی تابعیت قطعی اور یقینی ہے۔ صاحب " تبۃ الفکر" لکھتے ہیں۔

التابعی هو من لقی الصحابی

ترجمہ :۔ تابعی وہ ہے جس نے صحابی سے ملاقات کی ہو۔

حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعریف کو اکثر محدثین کا مسلک قرار دیا ہے۔[131]

شیخ ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا۔

"یہی تعریف معتبر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں اس جانب اشارہ کیا ہے۔ "طوبی لمن رآنی و آمن بی طوبی لمن رای من رآنی"۔ میں کہتا ہوں اس حدیث کی رو سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعین کے رشتہ سے منسلک ہیں۔ (اس کے بعد فرماتے ہیں) جن لوگوں نے امام صاحب کے تابعی ہونے کا انکار کیا ہے وہ متعصب اور کم فہم ہیں"۔[132]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

ادرک الامام ابی حنیفه جماعة من الصحابه لانه ولد بالکوفه سنه ثمانین من الهجرة و بها یومئذٍ من الصحابه عبدالله بن ابی اوفی فانه مات بعد ذلک بالاتفاق و بالبصره یومئذ انس بن مالک و مات سنه تسعین فهو بهذا الاعتبار من

التابعین۔[133]

ترجمہ:۔ امام صاحب نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے اور اس وقت تک کوفہ میں عبداللہ بن ابی اوفی موجود تھے اس لئے کہ بالاتفاق ان کا انتقال 80 ھ کے بعد ہوا ہے اور بصرہ میں اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ موجود تھے اور ان کا انتقال 90ھ میں یا اس کے بعد ہوا ہے۔ اس وجہ سے امام صاحب تابعین میں سے ہیں۔

بلکہ علامہ ابن حجر مکی تو شرح مشکوٰۃ میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ادرک الامام الاعظم ثمانیہ من الصحابہ۔[134]

ترجمہ:۔ امام صاحب نے آٹھ صحابہ سے ملاقات کی ہے۔

حافظ المزی صاحب کو سنئے۔ فرماتے ہیں۔

امام صاحب کی ملاقات 72 صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہوئی ہے۔[135]

غرض یہ کہ ائمہ فن خطیب بغدادی' ابن الجوزی' مزی' یافعی' عراقی' ذہبی' ابن حجر اور علامہ سیوطی وغیرہ حضرات امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تابعیت پر متفق ہیں۔[136]

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحابہ رضی اللہ عنہم سے مرویات ثابت ہیں:۔ امام صاحب کی "تابعیت یقینا" بہت بڑا شرف ہے۔ نہ ماننے والوں نے جان کر بھی نہ مانا۔ بھلا ضد کا بھی کوئی علاج ہے؟ جن کے دل کدورت سے پاک ہیں انہوں نے نہ جانتے ہی مان لیا۔ یہاں تک مانا کہ امام ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد شافعی نے تو امام اعظم کی صحابہ سے مرویات کو بھی ایک مستقل رسالہ میں لکھ دیا۔ علامہ جلال سیوطی نے بھی ان تمام روایات کو اپنے ایک رسالہ "تبییض الصحیفہ" میں جمع کیا ہے۔

1۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ "تبیض الصحیفہ" کے ص 6 سے ص 9 تک تین روایات قاضی ابو یوسف (جو ابو حنیفہ کے مشہور تلامذہ اور قابل فخر شاگردوں میں سے ہیں۔ اور علامہ شبلی کی دی ہوئی تلامذہ کی فہرست میں بھی موجود ہیں) سے اس طرح نقل کرتے ہیں۔

عن ابی یوسف عن ابی حنیفہ سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ :- امام ابو یوسف' امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے سنا۔

2- ملا علی قاری علامہ کردری کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

و اصحابه اثبتوه بالاسانید اصحاح الحسان و هم اعرف باحواله منهم والمثبت العدل اولى من النافی[137]

ترجمہ :- اور ان کے شاگردوں نے اس بات (صحابہ رضی اللہ عنہ سے روایت امام) کو صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور ثبوت روایت نفی سے بہتر ہے۔

مشہور محدث شیخ محمد طاہر ہندی' گجراتی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

و اصحابه یقولون انه لقی جماعه من الصحابة و روی عنهم[138]

ترجمہ :- امام اعظم کے تلامذہ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے اور ان سے سماع بھی کیا ہے۔

اللہ سبحانہ کی مخلوقات میں سب سے برتر حضور انور ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ کے بعد اولوالعزم من الرسل[139] ہیں ان کے بعد باقی انبیاء کا مقام ہے۔ انبیاء کے بعد صحابہ کرام اور صحابہ کے بعد تابعین عظام سے اونچا کوئی مقام نہیں ہے۔

تابعین کی بزرگی:- صحابہ کرام کے بعد تابعین بھی اسلام میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ چند ارشادات نبوی ہدیہ ناظرین ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یجیئی اقوام تسبق شهاده احدهم یمینه و یمینه شهادته[140]

ترجمہ :- حضور انور ﷺ فرماتے ہیں کہ بہترین لوگ میرے زمانہ کے ہیں بعد ازیں وہ جو ان کے بعد آئیں گے پھر جو ان کے بعد آئیں گے اس کے بعد ایسی قومیں رونما ہوں گی جن کی شہادت' قسم سے آگے اور قسم' شہادت سے پیش پیش ہو گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

سال رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الناس خیر قال القرن الذی انا فیہ ثم الثانی ثم الثالث

ترجمہ :- ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ فرمایا میرے زمانے کے پھر دوسرے پھر تیسرے کے۔[141]

حضرت امام محی الدین ابو زکریا النووی خیر القرون کی حدیث پر نوٹ لکھتے ہیں۔

درست یہی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا دور صحابہ کا زمانہ ہے دوسرا تابعین کا تیسرا اتباع تابعین کا۔[142]

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:۔

حضور انور ﷺ کے قرن سے صحابہ کرام ﷺ کا زمانہ مراد ہے۔[143]

جناب علامہ مولانا صدیق حسن خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

یہی صدر اول اور سلف صالح ہیں۔ ان ہی کو ہر موضوع پر بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے ان ہی پر دین کی زندگی میں اعتماد ہے۔ دینی زندگی کے سارے احوال' اعمال' اخلاق اور احکام میں یہی سند ہیں۔[144]

ان تینوں دوروں میں دور اول یعنی زمانہ صحابہ (جو سنہ 110ھ تک ہے) کمال علم' کمال ایمان کے لحاظ سے دوسرے اور تیسرے دور سے افضل ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

قرن اول کمال علم اور کمال ایمان میں ایسے مقام پر تھا کہ قرن ثانی اور قرن ثالث کی وہاں تک رسائی نہیں ہوئی۔[145]

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں۔

ان تینوں دوروں میں بہترین دور ان لوگوں کا ہے جن کی نگاہوں نے جمال جہاں آرا کا بحالت ایمان مشاہدہ کیا ہے یہی لوگ حق و باطل میں فرق کو سب سے زیادہ جاننے والے' حق کے سب سے زیادہ ماننے والے' حق کے سب سے زیادہ فریفتہ' باطل کے بیری اور حق کی خاطر سب

سے زیادہ جان کھپانے والے ہیں۔ بعد میں آنے والوں کے مقابلے میں علم و دیانت، سرفروشی و حق آشنائی، حق پذیری اور حق کی خاطر مصائب کے استقبال میں سب سے پیش پیش ہیں (۔ 146

حضرت امام اعظم کی پیدائش دور نبوت یعنی سنہ 80ھ مطابق سنہ 699ء میں ہوئی ہے۔ آخری صحابی کی وفات کے وقت یعنی سنہ 110ھ میں آپ کی عمر تیس سال ہے۔ اور اگر حافظ سمعانی، حافظ ابن حبان، حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر کی پیش فرمودہ تاریخ ولادت سنہ 61ھ پر اعتماد کیا جائے تو آپ کی عمر 51 سال ہو چکی ہے۔ اگر سنہ 80ھ ہی کو مان لیا جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ عمر کی تیس بہاریں دیکھنے کے باوجود آپ نے کسی صحابی کی زیارت نہیں کی جب کہ ابو الطفیل جنگ احد والے دن پیدا ہوئے آٹھ سال زمانہ نبوت پایا کوفہ میں قیام کیا۔ حضرت علی ﷛ کے ساتھ تمام مشاہد میں شریک رہے۔ اور حافظ ذہبی ﷬ کی تصریح کی مطابق سنہ 110ھ میں وفات ہوئی۔ حافظ ابن حجر بھی امام ذہبی کے تقریب میں ہمنوا ہیں۔

مات سنه عشر و مائة[147]

ترجمہ :۔ سنہ 110ھ میں وفات پائی ہے۔

اس وقت حضرت امام اعظم کی عمر تیس سال تھی۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ابو الطفیل شہادت علی مرتضیٰ ﷛ کے بعد مکہ تشریف لے گئے اور وہیں انتقال ہوا تو حضرت امام اعظم سولہ سال کی عمر کو حج کو تشریف لے گئے، وہاں ابو الطفیل موجود تھے زیارت نہ ہونا ایک حیرت والی بات ہے کہ ایک شخص ایک شہر میں پورے تیس سال گزارے اور اس شہر میں حضور انور ﷺ کے صحابی موجود ہوں مگر زیارت نہ ہو۔

محدثین کی زبان میں تابعی:۔ سب مانتے ہیں کہ امام اعظم نے زمانہ صحابہ کا پایا ہے اور حافظ ذہبی، حافظ عسقلانی، حافظ قسطلانی، حافظ دار قطنی، ابن الجوزی، خطیب بغدادی، ابن سعد، قاضی بن خلکان، امام یافعی، شیخ ابن حجر مکی، شیخ جزری کی شہادتوں سے ثابت ہے کہ امام اعظم نے حضور انور ﷺ کے صحابی حضرت انس ﷛ بن مالک کو دیکھا ہے اور جیسا کہ صحابی ہونے کے لئے بحالت ایمان ذات نبوت کا دیدار کافی ہے ایسا ہی تابعی ہونے کے لئے صرف صحابی کا دیکھ لینا کافی ہے۔ روایت نہ تابعی ہونے کے لئے شرط ہے اور نہ صحابی ہونے کے لئے، خود امام بخاری نے صحیح میں صحابی کی یہ تعریف کی ہے کہ

من صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم راہ من المسلمین فھو من اصحابہ۔[148]

ترجمہ:۔ جسے حضور انور ﷺ کی صحبت یا دید کا شرف بحالت ایمان حاصل ہو وہ صحابی ہے۔
اور یہ تعریف ارشادات نبوت سے لی گئی ہے۔ ترمذی میں ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور انور ﷺ سے سنا ہے کہ کسی ایسے مسلمان کو آگ نہ لگے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔[149]

صحیح مسلم میں ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بحوالہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کی ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ ان میں سے لشکر روانہ کیا جائے گا وہ کہیں گے دیکھو کیا تم میں حضور انور ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی ہے اگر ہو گا تو اس کی برکت سے ان کو فتح ہو گی۔ پھر دوسرا لشکر روانہ کیا جائے گا وہ کہیں گے هل فيهم من راى اصحابه النبى صلى الله عليه وسلم کیا ان میں کوئی حضور انور ﷺ کے صحابہ کو دیکھنے والا ہے پس ان کی فتح ہو گی، پھر تیسرا لشکر روانہ کیا جائے گا کہا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا شخص موجود ہے جس نے اصحاب نبوت کی زیارت کرنے والوں کو دیکھا ہو۔[150]

اس ارشاد نبوت سے صحابی اور تابعی کی تعریف واضح ہو کر سامنے آگئی کہ نبوت کی دید کا جسے بحالت ایمان شرف حاصل ہو وہ صحابی ہے اور اس میں تمام محدثین یک زبان ہیں۔ اس موضوع پر محدثین میں کبھی بھی دو رائیں نہیں ہوئی ہیں ایسے ہی جن آنکھوں نے صحابہ کو مسلمان ہونے کی حالت میں دیکھا ہو وہ تابعی ہے۔[151]

یہ بات کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو شرف دید حاصل ہے ایک بے غبار حقیقت ہے۔ اور اسی بنا پر ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ محدثین کا فیصلہ ہے کہ امام اعظم تابعی ہیں۔ ان اکابر کے نام آپ سن چکے ہیں جنہوں نے صحابہ کی دید کی تصریح کی ہے۔ ان کے اسمائے گرامی سن لیجئے جنہوں نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے کا واشگاف لفظوں میں اقرار کیا ہے۔ امام ابوالبرکات عبداللہ نسفی، حافظ بدر الدین عینی، حافظ ابن الھمام، حافظ ولی الدین العراقی، حافظ زین الدین العراقی، ابو معشر عبدالکریم شافعی، حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ جلال الدین السیوطی، شیخ ابن حجر مکی، علامہ قسطلانی، شیخ عبدالحق دہلوی، امام بزاز کردری، ملا علی القاری، حافظ عبدالقادر قرشی وغیرہم نے تصریح کر دی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں۔ سب کا شمار تو مشکل ہے لیکن گلے از گلزار چند تصریحات ہدیہ ناظرین ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے:۔ حافظ ابن حجر عسقلانی سے کسی نے دریافت کیا کہ امام اعظم تابعی ہیں یا نہیں؟ حافظ صاحب نے اس کا جو جواب دیا ہے حافظ ابن حجر مکی نے الخیرات الحسان ص 21 پر' ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مسند امام اعظم ص 284 پر اور حافظ جلال الدین السیوطی نے تبییض الصحیفہ ص 504 پر نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

> امام اعظم نے صحابہ کی ایک جماعت کو پایا ہے کیونکہ آپ کی تاریخ ولادت سنہ 80ھ کوفہ میں ہے۔ کوفہ میں اس وقت حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ موجود تھے کیونکہ ان کی وفات بالاتفاق بعد میں ہوئی۔ بصرے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تھے ان کی وفات سنہ 90ھ میں ہوئی' ابن سعد نے ایک بے غبار سند سے یہ بیان درج کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ ان دو کے علاوہ اور بھی صحابہ بقید حیات تھے' بعض اکابر نے صحابہ سے امام صاحب رحمہ اللہ کی روایت کے موضوع پر کچھ رسائل بھی لکھے ہیں لیکن ان کی سندیں ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ بہر حال اتنی بات معتمد اور طے شدہ ہے کہ آپ نے زمانہ صحابہ پایا ہے اور ابن سعد کی تصریح کے مطابق یہ بھی امر واقعہ ہے کہ کچھ صحابہ کرام کی زیارت کا امام ابو حنیفہ کو شرف حاصل ہے اس لحاظ سے امام صاحب رحمہ اللہ کا شمار طبقہ تابعین میں ہے اور یہ شرف امام صاحب رحمہ اللہ کے ہم عصروں میں کسی کو نصیب نہیں ہے۔ نہ امام اوزاعی کو شام میں' نہ حماد بن زید اور حماد بن سلمہ کو بصرہ میں' نہ سفیان ثوری کو کوفہ میں' نہ امام مالک کو مدینہ میں' نہ امام مسلم بن خالد کو مکہ میں' اور نہ لیث بن سعد کو مصر میں[152]

اسی قسم کا ایک اور سوال حافظ ولی الدین[153] عراقی کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا اور پوچھا گیا کہ کیا امام اعظم رحمہ اللہ تابعی ہیں؟ حافظ عراقی نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ حافظ سیوطی نے تبییض الصحیفہ میں نقل کیا ہے۔ اس میں حافظ عراقی نے صاف اقرار کیا ہے کہ اگر صحابی کے دیکھنے کا نام تابعیت ہے تو امام ابو حنیفہ کا شمار بلاریب تابعین میں ہے اور کوئی نہیں جو اس بنیاد کو مان کر امام اعظم کی تابعیت کا انکار کر سکے۔

حافظ زین الدین عراقی کا تبصرہ:۔ علامہ محی الدین نووی نے تقریب میں نوع الحادی و الاربعون میں روایہ الاکابر عن الاصاغر پر تبصرہ کرتے ہوئے بڑوں کا چھوٹوں سے استفادہ کی ایک قسم یہ بتائی ہے کہ ایک شخص تابعی ہو کر کسی ایسے شخص سے روایت لے جو تابعی نہیں ہے جیسے عمرو بن شعیب کہ یہ تابعی نہیں ہیں لیکن تابعین نے

ان سے روایات لی ہیں۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے باوجود تابعی ہونے کے عمرو بن شعیب سے استفادہ کیا ہے ان کی تعداد حافظ عراقی نے پچاس سے زائد بتائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ

وعدهم الحافظ العراقی ابو الفضل نیفاد خمسین۔[171]

ترجمہ:- حافظ عراقی نے ان کو پچاس سے زیادہ شمار کیا ہے

ان تابعین کی فہرست جو غیر تابعی کی روایت لیتے ہیں۔

اس کے بعد حافظ عراقی کے بیان کردہ تابعین کے ناموں کی یہ فہرست دی ہے ابراہیم بن میسرہ ایوب السختیانی، بکیر بن الاشج، ثابت بن عجلان، ثابت البنانی، جریر بن حازم، حیان بن عطیہ حبیب بن ابی موسیٰ، جریر بن عثمان، الحکم بن عتیبہ حمید الطویل، داود بن ابی ہند الزبیر بن عدی، سعید بن ابی ہلال، سلمہ ابن دینار سلیمان الشیبانی، سلیمان الاعمش، عاصم الاحوال، عبداللہ بن عبدالرحمن الطائفی، عبداللہ بن عون، عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبدالرحمن بن حرملہ عبدالعزیز بن رفیع عبدالملک بن جریج، عبداللہ العمری، عطاء بن ابی رباح عطاء ابن السائب، عطاء الخراسانی، العلا بن الحارث، علی بن الحکم، عمرو بن دینار، ابو اسحاق السبیعی، قتادہ، محمد بن اسحق، محمد بن مجادہ، محمد بن عجلان ابو الزبیر، زہری، مطرالوراق، مکحول، موسیٰ ابن ابی عائشہ، ابو حنیفہ النعمان بن ثابت، ہشام بن عروہ، ہشام بن الغاز، وہب بن منبہ، یحیٰی بن ابی کثیر، یزید بن ابی حبیب نے عمرو بن شعیب سے روایت کی ہے ان تابعین میں امام اعظم کا بھی اسم گرامی موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم حافظ عراقی کے نزدیک تابعی ہیں۔ یاد رہے کہ حافظ عراقی فن حدیث میں بڑے پائے کی شخصیت ہیں۔

علامہ قسطلانی کی رائے:- علامہ قسطلانی نے امام اعظم کو تابعین کے زمرے میں شمار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

ہذا مذہب الجمہور من الصحابہ کابن عباس و علی و معاویہ و انس بن مالک و خالد و ابی ہریرہ و عائشہ و ام ہانی و من التابعین الحسن البصری و ابن سیرین و الشعبی و ابن المسیب و عطاء و ابو حنیفہ و من الفقہاء ابو یوسف و محمد و الشافعی و مالک و احمد۔[172]

یہ تمام صحابہ تابعین اور فقہاء کا مذہب ہے صحابہ جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ، خالد رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، ام ہانی رضی اللہ عنہا، تابعین میں جیسے حسن بصری، ابن سیرین، شعبی، ابن المسیب، عطاء اور ابو حنیفہ اور فقہاء میں جیسے ابو یوسف، محمد، شافعی، مالک اور احمد

اس میں امام اعظم کا تابعین کے زمرے میں صاف تذکرہ موجود ہے۔

محدثین میں سے حافظ ابو عمرو بن عبدالبر کی شخصیت سے کون ناواقف ہے۔ موصوف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ کے دوسرے صحابی عبداللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے۔

ان ابا حنیفہ رای انس ابن مالک و عبداللہ بن الحارث بن جزء[156]

ترجمہ :- امام ابو حنیفہ کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دیدار کا شرف ہے (-

عبداللہ بن حارث کی حدیث پر تفصیلی کلام انشاء اللہ آئندہ آئے گا۔ یہاں صرف یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حافظ ابو بکر الجعانی نے اپنی بیش بہا تصنیف الانتصار میں لکھا ہے کہ

مات عبداللہ بن الحارث بن جزء سنہ سبع و تسعین[157]

یاد رہے کہ حافظ ابو بکر الجعانی اپنے وقت میں علل حدیث اور تاریخ رجال کے بہت بڑے امام گزرے ہیں۔ مشہور محدث دار قطنی ان کے شاگرد ہیں۔ ابو علی نیشا پوری کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا۔ ان کو چار لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کے درس حدیث میں اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ گھر، گلی، شاہراہوں پر انسان ہی انسان ہو جاتے تھے۔ ابو الفضل القطان کہتے ہیں کہ میں نے خود امام ابو بکر الجعانی کی زبانی سنا ہے کہ میں جب رقہ پہنچا وہاں میرے پاس حدیث کی کتابوں کا گٹھا تھا۔ ایک ملازم غمگین صورت بنائے ہوئے آیا، بولا کہ آپ کی ساری کتابیں ضائع ہو گئیں۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں ان میں صرف دو لاکھ حدیثیں تھیں وہ سب مجھے زبانی یاد ہیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ علل و رجال کے امام تھے۔

یہ امام اعظم کے بارے میں دید کی شہادت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ایک مثبت دعوی ہے اس کے مقابلے میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ ایک منفی چیز ہے۔ اصولی طور پر مثبت کو منفی پر مقدم ہونا چاہیے۔ امام بخاری نے جزء رفع یدین میں، بڑے پتے کی بات لکھی ہے۔ کہ ایک بات کے بیان کرنے والے دو شخص ہوں۔ ایک کہے میں نے کرتے دیکھا ہے دوسرا کہے میں نے نہیں دیکھا ہے۔ ان میں مثبت شاہد ہے منفی میں جواب دینے والا شاہد نہیں ہے کیونکہ اسے کوئی چیز محفوظ نہیں ہے۔ عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں دو شاہدوں نے گواہی دی ایک نے کہا حمید نے اقرار کیا ہے کہ اس کے ذمہ ایک ہزار روپئے ہے۔ دوسرا کہتا ہے کوئی اقرار نہیں کیا جو شخص مثبت کا اظہار کر رہا ہے وہ شاہد ہے اسی کو اپنایا جائے گا۔ یا مثلاً بلال کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اور فضل بن عباس کہتے ہیں کہ آپ نے نماز نہیں پڑھی۔ بلال کی بات کو قبول کیا جائے گا کیونکہ یہ شہادت ہے اور نافی کی بات ناقابل التفات ہے[158]

لیجئے اسی ترازو میں امام اعظم کی تابعیت کے معاملے کو تول کر دیکھ لیجئے۔ ایک طرف حافظ ذہبی اور ابن سعد سید ابن جابر کی زبانی یہ دعوی کر رہے ہیں کہ امام اعظم نے انس بن مالک کو دیکھا ہے اور دوسری طرف یہ کہنے والا کوئی نہیں کہ نہیں دیکھا' اگر بالفرض ایسی کوئی بات ہوتی ہو تو پھر بھی کہا جا سکتا تھا کہ مثبت شاہد ہے اسی ترازو میں روایت کے مسئلہ کو بھی تول لیجئے۔ ایک طرف کہنے والے کہ رہے ہیں کہ امام اعظم نے صحابہ سے روایت کی ہے اس کے مقابلے میں دار قطنی صدیاں گزرنے پر کہتے ہیں کہ امام اعظم نے روایت نہیں کی' فرمایئے امام بخاری کے پیش کردہ ضابطہ کے مطابق شاہد کون ہے؟ وہ جو وجود کا پتہ دے رہا ہے یا وہ جو نہیں' نہیں کر رہا ہے۔ آپ ہی انصاف فرمایئے۔

الغرض امام اعظم کا زمانہ صحابہ میں ہونا اور حضرت انس بن مالک ﷺ کا دیکھنا محدثین کے یہاں متفق علیہ ہے۔ اس لئے وہ یقیناً" تابعی ہیں۔ اور تابعی ہونے کی وجہ سے اللہ سبحانہ کے اس ارشاد کا مصداق ہیں۔ والسابقون الاولون من المهاجرين و الانصار و الذين اتبعوهم باحسان○[159] کیونکہ اس آیت میں مہاجرین و انصار سے جمیع صحابہ مراد ہیں چنانچہ حمید بن زیاد کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے محمد بن کعب قرظی سے صحابہ کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اللہ سبحانہ نے قرآن حکیم میں تمام صحابہ کی بخشش کا اعلان کیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کہاں؟ فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا' قرآن میں ہے و السابقون ...الخ ○ اس آیت نے تمام صحابہ کرام کو بخشش کا سرٹیفکیٹ دیا ہے البتہ تابعین کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ احسان کے ساتھ صحابہ کے پیروکار ہوں' اس لئے اس آیت نے مسلمانوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک صحابہ دوسرے وہ جو احسان کے ساتھ صحابہ کے تابعین ہوں اور دونوں کے لئے اس آیت میں چار عظیم الشان وعدے کئے گئے ہیں۔

اول یہ کہ اللہ سبحانہ ان سے راضی ہو گیا۔

دوم یہ کہ صحابہ اور تابعین اللہ سے راضی ہو گئے۔

سوم یہ کہ وہ جنتی ہیں۔

چہارم یہ کہ وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

امام اعظم تابعی ہونے کی وجہ سے ان تمام وعدوں کے مصداق ہیں اور یہ شرف آپ کے سوا ائمہ اربعہ میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر نے امام اعظم کو دوسرے اماموں پر مقدم کرنے کی وجہ یہ لکھی ہے۔

لانه ادرک عصر الصحابه ورای انس بن مالک[160]

امام صاحب تابعی ہیں:۔ علامہ ابن حجر مکی شافعی نے شرح مشکوۃ شریف میں تصریح کی ہے کہ امام صاحب نے آٹھ صحابہ کا زمانہ پایا ہے۔ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں حافظ بن حجر عسقلانی شافعی نے تہذیب التہذیب ج 10' ص 449 میں تصریح کی ہے کہ امام صاحب نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو جب وہ کوفہ میں تشریف لائے تو امام صاحب نے ان کو کئی بار دیکھا ہے نواب صدیق حسن خان صاحب پیشوائے غیر مقلدین نے باوجود تعصب و مخالفت کے "التاج المکلل" میں رویت حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اقرار کیا ہے۔ اور خطیب کی تاریخ بغداد سے اس کو نقل کیا۔

غرض حافظ ذہبی' امام نووی' ابن سعد' خطیب بغدادی' دار قطنی' حافظ بن حجر' ابن الجوزی' حافظ جلال الدین سیوطی' حافظ ابن حجر مکی' حافظ زین عراقی' حافظ سخاوی' ابن مقری شافعی' امام یافعی' امام جزری' ابو نعیم اصفہانی ابن عبدالبر' سمعانی' عبدالغنی مقدسی' سبط ابن الجوزی' فضل اللہ تور بشتی' ولی عراقی' ابن الوزیر' حافظ بدرالدین عینی' قسطلانی وغیرہ محدثین کبار نے رویت انس رضی اللہ عنہ کو تسلیم کی ہے۔ جو حدیث صحیح کے مطابق اور محققین محدثین کے اصول پر بھی تابعی ہونے کے لئے کافی ہے۔

اسی لئے حافظ ذہبی نے امام صاحب کو تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ خامسہ میں ذکر کیا ہے اور تقریب میں طبقہ سادسہ میں ذکر کرنے کی لغزش قلم قرار دیا گیا ہے۔

تاریخ خطیب ص 208' ج 4 میں ایک قول دار قطنی کی طرف بروایت حمزہ سہمی یہ بھی منسوب کیا گیا ہے کہ جب دار قطنی سے دریافت کیا گیا کہ امام صاحب کا سماع حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح ہے یا نہیں؟ تو کہا "نہیں اور نہ رویت ہی صحیح ہے"۔ حالانکہ دار قطنی نے کہا یہ تھا کہ "نہیں مگر رویت صحیح ہے"۔

شاطر کاتبین نے لا الا رؤیتہ کو لا و لا رؤیتہ بنا دیا۔ چنانچہ امام سیوطی کی "تبییض الصحیفہ" میں حمزہ سہمی سے ہی دار قطنی کا جواب تفصیل سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یقیناً" اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر روایت نہیں سنی۔

علامہ ابو القاسم بن ابی العوام نے اپنی کتاب "فضائل ابی حنیفہ و اصحابہ" میں بڑی تفصیل سے امام صاحب کے معاصرین صحابہ کا تذکرہ کیا ہے۔ مکتبہ ظاہریہ دمشق میں یہ کتاب موجود ہے۔

اس کے علاوہ مسند حصکفی میں ایک روایت بھی امام صاحب کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے یعنی "

الدال علی الخیر کفاعلہ" اور یہ حدیث مسند بزاز میں بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور ابن ابی الدنیا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

نیز حافظ موفق نے مناقب الامام میں اپنی مسند سے بھی امام ابو یوسف کے واسطہ سے امام صاحب سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے سنا کہ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الدال علی الخیر کفاعلہ واللہ یحب اغاثۃ اللھفان (یعنی جو شخص نیکی کا راستہ بتلائے وہ بھی نیکی کرنے والے کے برابر اجر و ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی مظلوم و مصیبت زدہ کی مدد و فریاد رسی کو پسند فرماتے ہیں)۔"

اسی طرح امام موفق نے کئی روایات امام یوسف رحمہ اللہ وغیرہ کے واسطہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کی زبانی نقل کی ہیں اس سے مخالفین معاندین کی یہ بات بھی رد ہو گئی کہ اگر امام صاحب رحمہ اللہ کی روایت کسی صحابی سے ثابت ہوتی تو آپ کے اصحاب ضرور اس کو روایت کرتے۔ ملاحظہ کر لیجئے کہ ایک امام ابو یوسف ہی سے کتنی روایات منقول ہیں۔

واضح ہو کہ حدیث میں طوبی لمن رأٰنی و آمن بی و طوبی لمن رأٰی من رأٰنی (الخ) وارد ہے جس سے ایمان کے ساتھ محض رویت پر صحابیت اور اسی طرح محض رویت پر تابعیت کا ثبوت واضح ہے۔ اسی لئے جمہور محدثین نے رویت کے ساتھ روایت وغیرہ کی شرط نہیں لگائی ہے۔ امام بزازی نے مقدمہ مناقب الامام میں اس پر بحث کی ہے وہ دیکھ لی جائے۔[162]

یہاں اس امر کی صراحت بھی غالباً" بے محل نہ ہو گی کہ امام اعظم رحمہ اللہ' امام مالک رحمہ اللہ سے کم از کم پندرہ سال بڑے تھے کیونکہ امام صاحب سنہ 80ھ میں پیدا ہوئے (اگرچہ اقوال اس سے قبل پیدائش کے بھی ہیں) اور امام مالک رحمہ اللہ سنہ 95ھ میں پیدا ہوئے۔

گویا امام صاحب رحمہ اللہ کا زمانہ امام مالک رحمہ اللہ سے بہت مقدم ہے پھر بھی صاحب مشکوۃ شیخ ولی الدین خطیب شافعی نے " الکمال فی اسماء الرجال" کے باب ثانی میں ائمہ متبوعین کا تذکرہ کیا تو امام مالک رحمہ اللہ کو سب سے پہلے ذکر کیا اور یہ بھی لکھا کہ ہم نے امام مالک رحمہ اللہ کا ذکر سب سے پہلے اس لئے کیا ہے کہ وہ زمانہ اور مرتبہ کے اعتبار سے مقدم ہیں۔

ملاحظہ کیجئے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کو صاحب مشکوۃ نے امام مالک رحمہ اللہ سے عمر اور مرتبہ دونوں میں کم قرار دیا۔ یہ ایسے ایسے جلیل القدر محدثین کا امام صاحب کے ساتھ انصاف ہے۔

زمانہ کے تقدم و تاخر کو تو ناظرین خود ہی دیکھ لیں کہ پیدائش میں بھی امام صاحب مقدم ہیں، اور پھر وفات میں بھی کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سنہ 150ھ میں ہو جاتی ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی سن ء 179ھ میں ہوئی۔

اس کے بعد مرتبہ کو دیکھئے کہ حافظ ابن حجر شافعی کی تصریح ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ امام صاحب تابعی تھے اور آپ کے معاصرین حتیٰ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی تابعی نہیں تھے تو مرتبہ تابعی کا بڑا ہے یا تبع تابعین کا۔

پھر امام مالک کو علامہ ابن حجر مکی شافعی نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو الخیرات الحسان ص 6 تو مرتبہ استاد کا زیادہ ہے یا شاگرد کا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت حدیث پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور امام صاحب کی روایت امام مالک سے مشکوک ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام صاحب کی روایت امام مالک سے ثابت نہیں ہے اور دار قطنی نے جو روایتیں ذکر کی ہیں ان میں کلام ہے کیونکہ وہ بطور مذاکرہ تھیں بطور تحدیث بالقصد روایت نہ تھیں۔

علامہ ابن حجر مکی نے تصریح کی ہے کہ امام صاحب نے آٹھ صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تہذیب التہذیب" میں تصریح کی ہے کہ حضرت امام صاحب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کوفہ میں جب تشریف لائے تو امام صاحب نے ان کو کئی بار دیکھا۔

نواب صدیق حسن خان صاحب مقتدائے غیر مقلدین نے باوجود تعصب اور مخالفت کے "التاج المکلل" میں رؤیت حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اعتراف کیا ہے اور خطیب کی تاریخ بغداد سے اس کو نقل کیا ہے۔

الغرض بڑے سے بڑے محدثین نے رویت انس رضی اللہ عنہ کو تسلیم کیا ہے جو حدیث صحیح کے مطابق اور محققین و محدثین کے اصول پر بھی تابعی ہونے کے لئے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ذہبی نے امام صاحب کو محدثین کے طبقہ خامسہ میں ذکر کیا ہے اور تقریب میں ان کو طبقہ سادسہ میں ذکر کرنے کو لغزش قلم قرار دیا ہے۔

نیز حافظ موفق نے "مناقب الامام" میں اپنی مسند سے بھی امام یوسف کے واسطہ سے امام صاحب سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الدال علی الخیر کفاعلہ و اللہ یحب اغاثۃ اللھفان

ترجمہ:۔ یعنی جو شخص نیکی کا راستہ بتلائے وہ بھی نیکی کرنے والے کے برابر اجر و ثواب کا مستحق

ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ مظلوم و مصیبت زدہ کی مدد و فریاد رسی کو پسند فرماتے ہیں۔

"ھدایہ المہتدی" جلد دوم میں مولانا وحیدالزمان پیشوائے غیر مقلدین نے لکھا ہے کہ تابعی وہ ہے جو کسی صحابی سے حالت ایمان میں ملا ہو' لہذا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بھی اس لحاظ سے تابعین میں سے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی کو دیکھا ہے جس کو ابن سعد رضی اللہ عنہ نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔

اسی طرح فتاوی حافظ ابن حجر میں بھی تصریح ہے کہ امام صاحب نے ایک جماعت صحابہ کو پایا جو کوفہ میں تھے لہذا وہ طبقہ تابعین میں سے تھے اور یہ فضیلت کسی کو آپ کے سوا ائمہ امصار میں سے حاصل نہ ہوئی۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی نے "الخیرات الحسان" میں لکھا ہے کہ "امام صاحب اجل تابعین میں سے تھے جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے"۔

والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ و اعد لھم جنت تجری تحتھا الانھر خلدین فیھا ابدا ذلک الفوز العظیم ○ (63)

ترجمہ :- "اور جن لوگوں نے نیک کرداری میں ان کی پیروی کی' اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اس نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں کہ ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی' ان میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے"۔

یہاں تک امام صاحب کے حالات' ان کے حق میں حضور علیہ السلام کی خوشخبری' تابعین اور خصوصاً تابعین کوفہ کا حال اور حضرت امام اعظم کا تابعی ہونا معلوم ہوا۔

آئندہ کے باب میں حضرت امام اعظم کے شیوخ اور اساتذہ کا ذکر کیا جائے گا۔

باب دوم

1. آیت 125' سورۃ نساء

2. آیت 54' سورۃ المائدہ

3. مناقب موفق۔ ص 5' ج 1' حیدر آباد دکن' 1936

4. علامہ زاہد الکوثری نے سنہ 70ھ کو ترجیح دی ہے۔ اس لئے کہ امام صاحب سنہ 87ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گئے۔ اور حضرت عبداللہ بن حارث صحابی سے ملے۔ مسند خوارزمی ص 21' ج 1 نیز تذکرۃ الحفاظ۔ ص 110' ج 2۔ قاہرہ' دار العلم' 1941ء

5. حدائق الحنفیہ۔ فقیر محمد جہلمی۔ ص 55' سنگ میل پبلیکشنز' لاہور' 1978

6. خیرات الحسان ص 30 ج ۔ ایضاً

8. خیرات الحسان۔ ص 110' قرآن محل کراچی' 1991

9. آیت 13' سورۃ الحجرات

10. سیرت النعمان شبلی نعمانی۔ ص 13' 113۔ پنجاب پریس لاہور' 1945

11. [illegible]

12. ابو حنیفہ ابو زہرہ۔ ص 14' طبع قاہرہ' 1962

13. ایضاً۔ ص 14

14. ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن اشرف دمشقی۔ سنہ 676ھ' مؤلف ریاض الصالحین

15. حافظ ابن صلاح نے اسلام کے تعلقات والوں کو موالی کہا ہے۔ مشکل الاثار۔ ص 54' ج 4

16. ایضاً ~~ص~~

17. تذکرۃ الحفاظ۔ ص 334' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

18. حسین بن علی بن محمد بن جعفر امام محمد کے پانچ واسطوں سے شاگرد ہیں۔ سنہ 436ھ

19. التعلیقات علی المناقب۔ ص 8' ج 3' دار الکتب العربیہ قاہرہ' 1948

20. الروض الباسم' حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر' یمنی الصنعاء یمن' 1938

21. المناقب الکردری۔ ص 8' ج 3' حیدر آباد دکن' 1945

22. مناقب موفق مکی۔ ص 18' حیدر آباد دکن' 1936

23. خیرات الحسان ابن حجر مکی۔ ص 20' قرآن محل' کراچی' 1991

ب

24 ابو حنیفہ ابو زہرہ۔ ص 28' دار الفکت' قاہرہ' 1962

25 مناقب موفق۔ ص 59' ج 1' حیدر آباد دکن' 1936

26 ابو حنیفہ ابو زہرہ' ایضاً"۔ ص 28' طبع قاہرہ' 1962

27 ایضاً"۔ ص 28

28 ابو حنیفہ ابو زہرہ۔ ص 30' طبع قاہرہ' 1962

29 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 178' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

30 جامع بیان العلم۔ ص 158' ج 2' دار الدینیہ' بیروت' 1931

31 آیت 122' سورۃ التوبہ

32 آیت 66 سورۃ الکہف

33 مناقب ابن حجر عسقلانی۔ ص 55' دار الدینیہ' بیروت' 1937ء

34 دارمی۔ ص 39' 2

35 ابو داؤد۔ ص 48' باب 24

36 جامع العلوم و الحکم۔ حافظ ابن رجب۔ ص 36' ج 1' بیروت' 1918

37 مناقب موفق احمد مکی۔ ص 22' حیدر آباد دکن' 1936

38 حسن التقاضی۔ ص 54' دار العلم قاہرہ' 1952

39 نیل الامانی۔ ص 6' دار الکتب العربیہ' بیروت' 1951

40 مناقب ذہبی۔ ص 45' دار العلم' قاہرہ' 1942

41 خلف بن ایوب بلخی تھا۔ جس کا دارالخلافہ مزار شریف افغانستان ہے۔

42 شرح نخبۃ الفکر۔ ابن حجر عسقلانی۔ ص 40' قران محل کراچی' 1950

43 جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبر۔ ص 143' ج 1' دار الکتب العربیہ' بیروت' 1948

44 مناقب صدر الائمہ موفق۔ ص 254' ج 1' دار المعارف' حیدر آباد دکن' 1947

45 الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ۔ ص 53' ج 1' حیدر آباد دکن' 1956

46 مناقب ابی حنیفہ' ذہبی۔ ص 22' دار الکتب العربیہ' بیروت' 1946

ح

47. تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 208' قاہرہ' دار العلم' 1941ء
48. صدر الائمہ موفق۔ ص 153' ج 2' دار المعارف حیدر آباد دکن' 1947
49. تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 208' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء
50. مقدمہ اعلاء السنن ظفر احمد عثمانی۔ ص 72' قران محل کراچی' 1970
51. مناقب ابی حنیفہ بزاز۔ ص 27' حیدر آباد دکن' 1976
52. ایضاً۔ ص 75
53. صدر الائمہ موفق۔ ص 38' ج 1' دار المعارف' حیدر آباد دکن' 1947
54. ایضاً۔ ص 57
55. مناقب موفق۔ ص 64' ج 1' دار المعارف' حیدر آباد دکن' 1936
56. مناقب موفق۔ ص 64' ج 1' دار المعارف' حیدر آباد دکن' 1936
57. صحیح مسلم۔ ص 303' ج 2
58. ایضاً۔ ص 303
59. ایضاً۔ ص 303
60. رد المختار۔ ص 29' ج 1' مکتبہ مجتبائی دہلی' 1964
61. ایضاً۔ ص 29
62. اخرجہ ابو نعیم فی الحلیہ الاولیاء۔ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ
63. بخاری باب [illegible] فارس
64. خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 55' قران محل کراچی' 1978
65. مکتوبات شاہ ولی اللہ۔ ص 168' مجتبائی پریس دہلی' 1964
66. اتحاف النبلاء المتقین۔ نواب صدیق حسن خان۔ ص 244' لکھنؤ' 1955
67. خیرات الحسان فی مناقب النعمان ابن حجر مکی۔ ص 6' قران محل کراچی' 1978
68. سیرت النعمان شبلی نعمانی۔ ص 14' 113۔ پنجاب پریس لاہور' 1967
69. مناقب موفق احمد مکی۔ ص 38' دار المعارف حیدر آباد دکن' 1936
70. ہدایہ مرغینانی باب کتاب القاضی' مکتبہ مجتبائی دہلی' 1935

7

71 جامع ترمذی۔ باب العلم

72 فیوض الحرمین شاہ ولی اللہ۔ ص 100، مکتبہ مجتبائی دہلی، 1936

73 ایضاً۔ ص 100

74 ریاض المرتاض نواب صدیق حسن خان۔ ص 21، لکھنؤ، 1955

75 تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 234، ج 2، حیدر آباد دکن، 1945

76 نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر۔ ص 56، قران محل کراچی، 1955

77 معرفۃ علوم الحدیث حاکم نیشا پوری۔ ص 52، 53، حیدر آباد دکن، 1938

78 تدریب الراوی۔ ص 140، ج 2، حیدر آباد دکن، 1945

79 ایضاً۔ ص 244، ج 2

80 الرسالہ المستطرفہ ابو جعفر کتانی۔ ص 105، بیروت، دار العلم، 1948

81 تدریب الراوی۔ ص 234، ج 2، حیدر آباد دکن، 1945

82 علم رجال الحدیث محمد مظاہری ندوی۔ ص 75، ندوۃ العلماء لکھنؤ، 1976

83 مقدمہ ابن صلاح۔ ص 275، فتح المغیث سخاوی۔ ص 53، ج 4، بیروت دار العلم 1936

84 ایضاً۔ ص 178

85 تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 203، حیدر آباد دکن، 1945

86 فتح المغیث سخاوی۔ ص 56، ج 4، بیروت، 1948

87 تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 215، حیدر آباد دکن، 1945

88 تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 78، حیدر آباد دکن، 1945

89 ایضاً۔ ص 167 تا 220۔ نیز تابعین کوفہ کو تبییض الصحیفہ میں" الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ میں بھی ذکر کیا گیا ہے

90 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 45، ج 1، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

91 ایضاً۔ ص 45

92 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 47، ج 1، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

93 ایضاً۔ ص 72

94 ایضاً۔ ص 69

95 دوسرے دو، حضرات سعید بن المسیبؒ اور علامہ شعبی ہیں۔

96 ایضاً۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ص 102، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

97 ایضاً۔ ص 75

98 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 75، ج 1، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

99 ایضاً۔ ص 76

100 ایضاً۔ ص 79

101 ایضاً۔ ص 80

102 ایضاً۔ ص 91

103 ایضاً۔ ص 91

104 الاکمال فی اسماء الرجال شیخ ولی الدین خطیب۔ ص 618، دار النہضہ، بیروت 1941

105 ایضاً۔ ص 596

106 ایضاً۔ ص 596

107 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 67، ج 1، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

108 ایضاً۔ ص 67، ج 1

109 ایضاً۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ص 73، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

110 ایضاً۔ ص 92

111 ایضاً۔ ص 103

112 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 127، ج 1، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

113 ایضاً۔ ص 142

114 ایضاً۔ ص 143

115 آیت 100، سورۃ التوبہ

116 کنز العمال علی متقی باب فضائل الصحابہ، لکھنؤ، 1948

117 مسلم - باب - فتح [illegible]

9

118 حضرت عبداللہ بن حارث کی وفات سنہ 99ھ میں ہوئی۔ (مقدمہ مسند امام اعظم ص 69- کراچی) جو کہ امام صاحب کو پہلے حج پر ملے تھے۔ اور امام صاحب کی عمر اس وقت 19 سال تھی۔

119 معجم المصنفین۔ ص 23' ج 2' دار المعارف' حیدر آباد دکن' 1947

120 خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر کی۔ ص 68' قرآن محل کراچی' 1936

121 ایضاً"۔ ص 68

122 تنسیق النظام شرح مسند الامام حسن سنبھلی۔ ص 10' ندوۃ العلماء لکھنؤ' 1976

123 تنسیق النظام شرح مسند الامام حسن سنبھلی۔ ص 10' ندوۃ العلماء لکھنؤ' 1976

124 مناقب ذہبی۔ ص 8' دار العلم قاہرہ' 1942

125 تنسیق النظام۔ ص 10' ندوۃ العلماء لکھنؤ' 1976

126 مناقب کردری۔ ص 13' ج 1' دار المعارف حیدر آباد دکن' 1945

127 معجم المصنفین۔ ص 26' ج 2' دار المعارف حیدر آباد دکن' 1948

128 مقدمہ مسند امام اعظم۔ عبدالرشید نعمانی۔ ص 55' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1980

129 مسلم باب فضائل العلم

130 تنسیق النظام شرح مسند الامام حسن سنبھلی۔ ص 29' ندوۃ العلماء' لکھنؤ' 1976

131 خیرات الحسان فی مناقب النعمان ابن حجر کی۔ ص 45' قرآن محل کراچی' 1936

132 نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر۔ ص 18' قرآن محل کراچی' 1945

133 تنسیق النظام ص 10' ندوۃ العلماء لکھنؤ' 1980

134 ایضاً"۔ ص 10

135 معجم المصنفین۔ ص 23' ج 2' دار المعارف حیدر آباد دکن' 1968

136 اوثق الجید۔ ص 45' دار العلم' بیروت' 1970

137 شرح مسند ملا علی قاری۔ ص 295' دار المعارف حیدر آباد دکن' 1972

138 المغنی شیخ محمد طاہر پٹنہ ہندی' بحوالہ کرمانی۔ ص 80' آگرہ' 1356ھ

139 حضور علیہ السلام۔ نوح علیہ السلام۔ موسیٰ علیہ السلام۔ ابراہیم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام۔

ز

140 ۔ اسد الغابہ فی طبقات الصحابہ۔ ص 6' ج 1' دار العلم بیروت' 1947

141 صحیح مسلم۔ ص 310 ج 2

142 شرح مسلم۔ ص 309' ج 2

143 فتح الباری شرح بخاری۔ ص 44' ج 1

144 الحد فی ذکر اصحاب الستہ۔ نواب صدیق حسن خان۔ ص 22' لکھنؤ' 1976

145 شرح العقیدہ الاصفہانیہ۔ ص 137' حلب' 1938

146 ازالۃ الخفائی سیرۃ الخلفاء شاہ ولی اللہ۔ ص 287' ج 1' مجتبائی پریس دہلی' 1936

147 تقریب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 187' دار العلم بیروت' 1950

148 صحیح بخاری۔ ص 287' ج 2

149 ترمذی۔ ص 148

150 صحیح مسلم۔ ص 424' ج 2

151 من لقی النبی و مات علی الاسلام

152 ضعیف کا مطلب ہے ضعیف الاسناد نہ کہ حدیث کے ہونے کا انکار۔

153 احمد بن عبدالرحیم بن حسین ولی الدین عراقی نے اپنے والد زین الدین عراقی سے پڑھا۔ سنہ 826ھ کو وفات پائی۔

154 عبدالرحیم بن حسین بن عبدالرحمن الکردی' سنہ 806ھ میں قاہرہ میں وفات پائی۔

155 ارشاد الساری شرح بخاری۔ ص 282' ج 1' دار العلم بیروت' 1944

156 جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبر۔ ص 47' ج 2' دار العلم بیروت' 1918

157 المناقب موفق احمد مکی۔ ص 26' ج 1' حیدر آباد دکن' 1936

158 جزء رفع یدین امام بخاری۔ ص 8

159 آیت 100 سورۃ التوبہ

160 البدایہ و النہایہ۔ حافظ ابن کثیر۔ ص 107' ج 10' حلب' 1978

161 کنز العمال باب فضائل الصحابہ' مجتبائی پریس دہلی' 1977

162۔ امام رازی نے مقدمہ مناقب الامام ابو حنیفہ میں اس موضوع پر بحث کی ہے۔

163۔ آیت 100' سورۃ التوبہ

شیوخ حدیث امام اعظم

فہرست مضامین

باب سوم

شیوخ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

۱- **حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:-** حضور ﷺ کے زمانہ خیرالقرون کے مشاہیر اصحاب فضل و کمال میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے تھے اور ایمان لانے کا واقعہ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں اس طرح ہے۔

ایک روز وہ عقبہ کی بکریاں چرا رہے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کا اس طرف گزر ہوا' حضور ﷺ نے ایک بانجھ بکری کا دودھ دوہا' خود بھی نوش فرمایا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی پلایا۔ اس وقت عبداللہ ایمان لائے اور عرض کیا کہ مجھے قرآن کی تعلیم فرمایئے! آپ نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا یرحمک اللہ فانک علیم معلم☆ (اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے تو دنیا میں علم پھیلانے والا لڑکا ہے) پھر حضور ﷺ نے ان کو اپنے پاس ہی رکھ لیا تاکہ کسی وقت علیحدہ نہ ہوں اور فرمایا کہ تمہیں اندر آنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں جب چاہو پردہ اٹھا کر بلا روک ٹوک چلے آیا کرو اور ہماری ہر قسم کی باتیں سنو۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی وقت سے دنیا کے اس مربی اعظم اور سردار اولین و آخرین کی خدمت عالی کو لازم پکڑ لیا۔ ہر وقت خدمت اقدس میں حاضر رہتے اور علوم نبوت سے دامن مراد بھرتے۔

پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اختصاص اس حد تک ترقی کر گیا تھا کہ صحابہ ان کو خاندان نبوت ہی کا ایک فرد سمجھنے لگے تھے۔ اور حضور اکرم ﷺ کی توجہ خاص اور خود موصوف کے طلب و شوق علم نے ان کو اس درجہ پر پہنچایا کہ جب عبدالرحمٰن بن یزید نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ صحابی سے دریافت کیا کہ صحابہ میں سے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اخلاق' اعمال و سیرت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اشبہ کون ہیں؟ تاکہ ہم ان سے استفادہ کریں۔ تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی صحابی ان باتوں میں آپ کے ساتھ مشابہت نہیں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تکمیل علوم کے بعد حضور ﷺ نے اپنی حیات طیبہ ہی میں ان کو درس و تعلیم کی اجازت عطا فرما دی تھی اور قرآن و حدیث و تعلیم مسائل ہر ایک کے لئے صراحت سے صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ ابن مسعود سے حاصل کرو' استیعاب میں ہے کہ ابن مسعود قرآن مجید کے سب سے بڑے عالم اس لئے بھی تھے کہ حضرت

جبرائیل کا معمول تھا کہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک بار قرآن مجید کا دور کرتے تھے لیکن وفات کے سال اسی ماہ میں دو بار دور کیا اور ان دونوں دوروں میں حضرت ابن مسعود ؓ موجود تھے۔

اور پھر ایک بار یہ بھی فرمایا کہ ابن مسعود جن امور کو پسند کریں میں ان کو اپنی ساری امت کے لئے پسند کرتا ہوں اور جن امور کو وہ ناپسند کریں میں بھی انہیں ناپسند کرتا ہوں۔

اور علم و فضل، سیرت کردار کی ان عالی اسناد کے ساتھ حضور ﷺ نے ان کو کمال فہم و فراست، اعلیٰ قابلیت، انتظام ملکی، علم سیاست و تدبیر منزل اور معاملہ فہمی کی سند بھی اس طرح عطاء فرمائی۔

"اگر میں کسی کو بلا مشورہ امیر المومنین بناتا تو بیشک ابن مسعود ؓ اس کے مستحق تھے"۔

کوفہ والوں نے ایک دفعہ فاروق اعظم ؓ سے شکایت کی کہ اہل شام کے وظائف میں ترقی کر دی گئی اور ہم محروم رہے۔ تو انہوں نے فرمایا:

> اہل شام کے وظائف میں ترقی کی گئی لیکن تمہارے علوم میں ترقی کی گئی ہے کیونکہ تمہاری تعلیم کے لئے ابن مسعود کو بھیج دیا گیا ہے جن کے فضل و کمال کا اندازہ اس سے کرو کہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس وقت بھی حاضر رہتے تھے جب ہم لوگ اپنے کاروبار میں ہوتے تھے، اور جب ہم لوگ پردہ کی وجہ سے اندر نہیں جا سکتے تھے اور وہ اندر ہوتے تھے"۔

یہ ابن مسعود ؓ کے لئے فاروق اعظم ؓ کی طرف سے علوم قرآن و حدیث سے واقفیت تامہ کی بڑی سند ہے ظاہر ہے کہ جو ہمہ وقت حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر باش رہا اس نے نبوت سے کتنا بڑا استفادہ کیا ہو گا۔

اور ایک دفعہ فاروق اعظم نے فرمایا کہ "ابن مسعود مجسم علم ہیں"۔

حضرت علی ؓ سے جب حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے علم کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:۔

ابن مسعود ؓ نے تمام قرآن پڑھا اور احادیث رسول ﷺ کو جانا، یہی کافی ہے۔

علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں امام مسروق (جلیل القدر تابعی) سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دیکھا تو ان سب کے علوم کا سرچشمہ چھ صحابہ کو پایا۔ علی، بن مسعود، عمر، زید،

ابو الدرداء اور ابی' اس کے بعد پھر دیکھا تو ان چھ کے علم کا خزانہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو پایا۔ ان دونوں اکا بر علم مدینہ المنورہ کی پہاڑیوں سے اٹھا اور کوفہ کی وادیوں میں برسا ان دونوں آفتاب و ماہتاب نے ریگستان کوفہ کے ذرہ ذرہ کو چمکا دیا تھا۔

پھر اس آفتاب نبوت و رسالت اور نیز علم و فضل سے علمی دنیا نے کس قدر استفادہ کیا اس کا اندازہ اسرار الانوار کے اس اقتباس سے کیا جائے کہ:۔

کوفہ میں ابن مسعود کے حلقہ درس میں بیک وقت چار چار ہزار طلبہ شریک ہوتے تھے' جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کو لے کر استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے' تمام میدان طلبہ سے بھر گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ کر فرط مسرت سے فرمایا۔ "ابن مسعود! تم نے تو کوفہ کو علم و فقہ سے مالا مال کر دیا اور یہ شہر تمہاری وجہ سے علم کا مرکز ہو گیا"۔

علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا کہ:۔

"فن تاریخ کے امام ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اسلام میں کوئی شخص ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سوا ایسا نہیں ہوا جس کے درس سے نامور علماء نکلے ہوں۔ اور اس کے مذہب و فتوی کے ساتھ یہ اعتناء کیا گیا ہو"۔[3]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء ص 158 میں لکھا ہے کہ:۔

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں اور اپنی امت کے لئے اپنے بعد' قراۃ قرآن اور فقہ و تفسیر میں انہیں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا اور تمام اصحاب میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و صحبت کا شرف ان کو زیادہ تھا"۔[4]

انبیاء کے بعد انسانی ترقی کا یہ سب سے اعلی مرتبہ ہے کہ ایک شخص علوم انبیاء کا جانشین ہو اور آگے چل کے معلوم ہو گا کہ یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علمی خاندان کے نامور مورث اعلی ہوئے۔

2- حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ (فقیہ عراق):۔ جلیل القدر تابعی تھے سنہ 63ھ میں

وفات پائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' عثمان رضی اللہ عنہ' علی رضی اللہ عنہ' سعد رضی اللہ عنہ' حذیفہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ کی زیارت سے مشرف اور ان کے علوم سے فیض یاب ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کامل و مکمل استفادہ علوم و کمالات کیا اور ان کے بعد ان کی جگہ تعلیم و رشد و ہدایت کی مسند پر بٹھائے گئے۔ علامہ ذہبی نے ان کے تذکرہ میں لکھا۔

"انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن پڑھا' تجوید سیکھی اور فقہ حاصل کیا اور ان کے تمام شاگردوں میں سب سے زیادہ ممتاز ہیں"۔

جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم' اعمال' اخلاق و عادات کا نمونہ تھے اسی طرح ان امور میں علقمہ رحمۃ اللہ علیہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نمونہ تھے' تہذیب التہذیب میں اعمش سے نقل ہے کہ:

"عمارہ سے ابو معمر نے کہا۔ مجھے ایسے شخص کے پاس لے چلو جو اخلاق' عادات و اعمال میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نمونہ ہو۔ تو عمارہ رحمۃ اللہ علیہ اٹھے اور ان کو لے کر علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جا بیٹھے"۔

ابو المثنی نے فرمایا کہ:۔

"جس نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھا ہو وہ علقمہ کو دیکھ لے۔ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں"۔

علقمہ فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو مندرجہ ذیل الفاظ میں سند فضیلت عطا کی۔

"میں نے جو کچھ پڑھا اور جو مجھے آتا ہے وہ سب علقمہ پڑھ چکے اور ان کو آگیا ہے"۔

پہلے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن و حدیث کے عالم تھے اور انہوں نے اپنے تمام علوم علقمہ کو ودیعت فرمائے تو ظاہر ہے کہ تابعین میں علقمہ سے زیادہ قرآن و حدیث کا عالم نہ تھا علقمہ سے کتب احادیث میں ہزاروں احادیث مروی ہیں۔

3- حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (فقیہ عراق):۔ ولادت سنہ 50ھ وفات سنہ96ھ۔ چند صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے فن حدیث کے امام ہیں اور اس قدر کمال و تبحر حاصل تھا کہ "امیر فی الحدیث" کے خطاب سے مشہور ہوئے۔

ان کے علمی عظمت و جلال کا رعب سلاطین جیسا تھا' حالانکہ شہرت سے بہت بچتے تھے' درس میں

بھی ممتاز جگہ نہ بیٹھتے تھے۔ علامہ التہذیب کے حاشیہ میں ابن شعیب سے نقل ہے کہ بصرہ' کوفہ' حجاز اور شام میں ابراہیم سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری بھی علم میں ان سے زیادہ نہ تھے۔

ان کے انتقال پر علامہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ "انہوں نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے زیادہ عالم نہیں چھوڑا" کوفہ میں بعدہ اتنا ممتاز تھے اور حضرت علقمہ کے افضل ترین شاگرد تھے' ان کی جگہ یہ مسند علم پر بیٹھے۔

تہذیب التہذیب میں ابوالمثنی سے نقل ہے کہ "علقمہ ابن مسعود کے فضل و کمال اور اعمال کا نمونہ ہیں اور ابراہیم نخعی تمام علوم میں علقمہ کا نمونہ ہیں۔ ان کی وفات کے وقت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عمر 26 سال تھی۔ امام صاحب نے ان سے بھی روایت کی ہے۔ امام صاحب کے سال ولادت میں اختلاف ہے علامہ کوثری نے سنہ 70ھ کو ترجیح دی ہے۔

4- **حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ (فقیہ عراق):۔** خادم خاص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ اور کبار محدثین زید بن وہب سعید بن جبیر' سعید بن المسیب' عکرمہ' ابو وائل' حسن بصری' عبدالرحمن بن بریدہ' عبدالرحمن بن سعید اور علامہ شعبی سے روایت کی اور ان کے بھی بڑے بڑے محدثین عاصم' شعبہ' ثوری' حماد بن سلمہ' مسعر بن کدام اور ہشام جیسے ائمہ فن شاگرد ہیں۔

امام بخاری نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ اور سنن اربعہ میں تو بکثرت ان کی روایات ہیں' حضرت ابراہیم نخعی کے تمام شاگردوں سے افقہ ہیں۔

تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ ابراہیم کی حدیثوں کا حماد سے زیادہ کوئی واقف نہ تھا۔ چنانچہ ابراہیم کے بعد ان مسند تعلیم پر وہی بٹھائے گئے اور فقیہ العراق مشہور ہوئے۔ (وفات سنہ 120ھ)

5- **عامر بن شراحیل الشعبی رحمۃ اللہ علیہ (علامہ التابعین):۔** ولادت سنہ 17ھ وفات سنہ 103ھ۔ ان کو پانچ سو صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔ عاصم کہتے ہیں کہ کوفہ' بصرہ اور حجاز میں شعبی سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ بیس سال سے آج تک کوئی روایت کسی محدث سے ایسی نہیں سنی جس کا مجھے علم نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صحابی نے ایک بار شعبی کو مغازی کا درس دیتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ تمام

محدثین سے اور مجھ سے بھی زیادہ یہ مغازی کو جانتے ہیں۔ یہ صحابہ کے سامنے درس دیتے تھے اور صحابہ بھی شریک ہوتے تھے۔

ابو مجاز نے کہا کہ "حضرت سعید بن المسیبؒ مفتی مدینہ' عطاء محدث مکہ'حسن بصری و ابن سیرین محدث بصرہ سب کو میں نے دیکھا مگر شعبی کو ان سب سے زیادہ افقہ پایا۔

ابن عیینہ محدث کہا کرتے تھے کہ ابن عباس' شعبی' سفیان ثوری اپنے وقت میں بے مثل ہوئے ہیں۔ ابو اسحاق کہا کرتے تھے کہ شعبی تمام علوم میں بے نظیر ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا۔

سب سے پہلے علامہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ کر کے ان کو علم حاصل کرنے کا شوق دلایا تھا اور امام صاحب برسوں ان کے حلقہ درس میں شریک رہے' اسی لئے امام صاحب کے بڑے شیوخ میں ان کا شمار ہے۔

امام صاحب نے دس سال حضرت حماد کی خدمت میں رہ کر فقہ کی تحصیل کی اور دوسرے بزرگوں سے بھی استفادہ کیا اس کے بعد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور کوفہ میں کوئی محدث ایسا نہ تھا جس سے آپ نے احادیث نہ سنی ہوں۔ ابوالحاسن نے امام صاحب کے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں جن میں سے 93 کوفہ کے ساکن یا نزیل کوفہ تھے' جن میں سے امام شعبی کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور چند دوسرے حسب ذیل ہیں۔

سلمہ بن کہیل رحمۃ اللہ علیہ:۔ مشہور محدث و تابعی تھے۔ سفیان (استاد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ سلمہ ایک رکن ہیں ارکان میں سے۔ ابن مہدی کا قول ہے کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایہ تھے۔ منصور' سلمہ' عمرو بن مرہ' ابو حصین۔

6- **سلیمان بن مہران ابو محمد الاعمش الکوفی رحمۃ اللہ علیہ:۔** کوفہ کے جلیل القدر محدث و فقیہ تابعی تھے باوجود یہ کہ امام صاحب کے اساتذہ کے طبقہ میں تھے اور امام صاحب نے ان سے روایات بھی کی ہیں' مگر امام صاحب کے فقہ و اجتہاد کے بڑے مداح تھے۔

ایک بار امام صاحب بھی آپ کی مجلس میں تھے' کسی نے سوال کیا تو آپ نے امام صاحب ہی کو

جواب کے لئے ارشاد فرمایا۔ امام صاحب نے جواب دیا تو اس کو بہت پسند فرمایا اور پوچھا کہ یہ جواب آپ نے کس دلیل سے دیا؟ امام صاحب نے فرمایا کہ فلاں حدیث سے جو آپ ہی سے میں نے سنی ہے امام اعمش اس پر اور متحیر ہوئے اور فرمایا کہ "اے گروہ فقہاء! واقعی ہم لوگ تو صرف دوا فروش ہیں اور تم طبیب ہو"۔

اسی طرح کا واقعہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ ہی کا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا کہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہ حدیث مجھ کو اس وقت سے یاد ہے کہ تمہاری پیدائش کے آثار بھی نہ تھے لیکن اس کے معانی پر آج متنبہ ہوا۔ بے شک ہم لوگ دوا فروش ہیں اور آپ لوگ اطباء ہیں۔

یعنی دوا فروش تو دواؤں کے نام اور ان کے اچھے برے اقسام وغیرہ سب جانتا پہچانتا ہے لیکن طبیب نہ صرف ان چیزوں کا عالم ہوتا ہے بلکہ وہ ان کے خواص و تاثیرات اور طریق استعمال وغیرہ سب کو بھی جانتا ہے۔

امام اعمش کی ولادت باختلاف روایت سنہ 59ھ یا سنہ 61ھ میں ہوئی اور وفات میں بھی تین قول ہیں۔ سنہ 145ھ' سنہ 147ھ اور سنہ 148ھ۔

ان ہی اعمش سے منقول ہے کہ ابراہیم نخعی (استاذ استاذ الامام اعظم) کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ابراہیم کے سامنے جب بھی حدیث پیش کی تو اس کا علم ضرور ان کے پاس پایا اور اعمش ان کو حدیث کا صیرفی (کھرا کھوٹا پہچاننے والے) کہا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اسی لئے میں جب کسی سے حدیث سنتا ہوں تو ابراہیم پر ضرور پیش کرتا ہوں (تاکہ اس کی صحت کے بارے میں اطمینان کر لوں)۔ نیز اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو حدیث فقہاء میں دائر و سائر ہو وہ اس سے بہتر ہے جو شیوخ (محدثین و رواۃ) میں دائر و سائر ہو۔

حسب تصریح ابن عبدالبر فی التمہید اہل نقد ابراہیم نخعی کے مراسیل کو صحیح احادیث کے درجہ میں سمجھتے تھے بلکہ ان کے مراسیل کو اپنے مسانید پر بھی ترجیح دیتے تھے۔

ایسے ہی اسمٰعیل بن ابی خالد کا قول ہے کہ امام شعبی' ابو الضحیٰ' ابراہیم اور ہمارے دوسرے شیوخ مسجد میں جمع ہو کر حدیث کا مذاکرہ کرتے تھے جب ان کے پاس کوئی ایسا مسئلہ آ جاتا تھا جس کو وہ حل نہ کر سکتے

تھے تو ابراہیم نخعی کی طرف محول کر دیا کرتے تھے کہ ان سے معلوم کرو۔ اور امام شعبی نے فرمایا کہ ابراہیم نے فقہی گھرانہ میں تعلیم و تربیت پائی ہے' اس لئے فقہ تو ان کے گھر کی چیز تھی۔ پھر ہمارے پاس پہنچے تو ہمارے پاس کی تمام اعلیٰ درجہ کی احادیث لے کر اپنے حاصل کردہ فقہ کے ساتھ ملا لیں۔

حضرت سعید بن جبیر علمی حدیثی سوال کرنے والوں سے فرمایا کرتے تھے کہ حیرت کی بات ہے تم مجھ سے سوالات کرتے ہو حالانکہ تمہارے پاس ابراہیم نخعی موجود ہیں۔ امام اعمش یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ ابراہیم کبھی کوئی بات اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے' معلوم ہوا کہ ابراہیم نخعی سے جتنے فقہی اقوال نقل کئے جاتے ہیں خواہ وہ امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار میں ہوں یا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار میں یا ابن ابی شیبہ کی مصنف میں وہ سب آثار مرفوعہ کے حکم میں ہیں۔

روایت و درایت:۔ حق یہ ہے کہ ابراہیم نخعی روایت بھی کرتے تھے اور درایت سے بھی کام لیتے تھے جب وہ روایت کرتے تھے تو علم حدیث کے امام بلکہ حجت تھے اور جب اجتہاد و استنباط کرتے تھے تو وہ ایسے دریائے صافی تھے کہ اس میں شائبہ تکدر نہ تھا کیونکہ تمامی اسباب و شرائط اجتہاد ان میں موجود تھے۔ اسی لئے حسب روایت ابی نعیم وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ "نہ کوئی رائے بغیر حدیث کے مستقیم ہے اور نہ کوئی حدیث بغیر رائے کے"۔

اور یہ بہترین طریقہ ہے حدیث و رائے کو جمع کرنے کا۔ خطیب نے بھی "الفقه و المنفقه" میں ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ جب حدیث صریح مل جاتی ہے تو اس سے مسائل کا جواب دیتا ہوں۔ اور جب حدیث نہیں ملتی تو میں دوسری احادیث کی روشنی میں قیاس کر کے جواب دیتا ہوں' غرض یہی صحیح فقہ ہے۔

7- **شیخ حماد:۔** یہی امام جلیل ابراہیم نخعی تھے جن سے حدیث و فقہ حماد بن ابی سلیمان نے حاصل کیا اور ان کے جانشین ہوئے۔

امام اعظم:۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ان حماد سے حدیث و فقہ کا علم حاصل کر کے ان کے جانشین ہوئے۔ خود شیخ حماد کی موجودگی میں امام صاحب کا طرز یہ تھا کہ جب کوئی آ کر سوال کرتا تو جواب دینے پر فرماتے کہ ٹھیرو! میں آتا ہوں' پھر حماد کی خدمت میں جاتے اور فرماتے کہ میں نے ایک شخص کو اس طرح جواب دیا ہے' آپ کیا فرماتے ہیں؟ شیخ حماد فرماتے کہ ہمیں اس بارے میں حدیث اس طرح پہنچی ہے' ہمارے اصحاب کا قول اس طرح ہے' ابراہیم کا قول یہ ہے'

امام صاحب دریافت کرتے کہ کیا میں آپ سے اس حدیث کی روایت کروں؟ حماد فرماتے کہ ہاں۔

اللہ اکبر! یہ تھا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ورع و تقوی اور احتیاط' کس کس طرح ایک ایک مسئلہ کی تحقیق اپنے شیخ سے کرتے تھے اور حدیث کو روایت کرنے کی اجازت لیتے تھے۔ حدیث کی صحیح عظمت و قدر ان کے اور ان کے شیوخ کے دلوں میں کس قدر تھی۔ کہنے والوں نے امام صاحب کو کیا کچھ نہیں کہا۔ مگر واقعات و حقائق پر پوری نظر کرنے والے کبھی وہ جھوٹی باتیں امام صاحب کی طرف منسوب نہیں کر سکتے جو امام صاحب کے دشمنوں و حاسدوں نے کی ہیں۔

امام صاحب اس طرح مسئلہ کی تحقیق کرنے کے بعد باہر آ کر پھر اس سائل کا مزید اطمینان کر دیا کرتے تھے پھر اس طرح سے حاصل کئے ہوئے علم میں جو خیر و برکت تھی وہ سب نے دیکھ لی۔

تفقہ و تحدیث:۔ ابن عدی نے کامل میں بطریق یحیی بن معین نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ شیخ حماد نے فرمایا۔ "میں قتادہ' طاوس اور مجاہد سے ملا ہوں تمہارے بچے ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں بلکہ بچوں کے بچے بھی زیادہ علم والے ہیں۔ اور یہ انہوں نے کسی شیخی یا بڑائی سے نہیں کہا بلکہ بطور تحدیث نعمت کہا اور اس وجہ سے کہا کہ اس زمانہ کے بعض اہل حدیث جن کو فقہ سے مناسبت نہ تھی' فقہاء پر بے جا تنقید کرتے تھے' مسجد کوفہ میں بیٹھ کر غلط فتوی دیتے تھے اور ساتھ ہی بطور تسلی یہ بھی کہا کرتے تھے کہ شاید یہاں کے کچھ بچے ان مسائل میں ہماری مخالفت کریں گے۔ بچوں سے ان کی مراد وہ طلبہ و تلامذہ ہوتے تھے جو ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ تصریح ابن عدی منقول ہے کہ ابراہیم سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد ہم کس سے تحقیق مسائل کریں؟ تو فرمایا حماد سے۔

شیخ حماد کی جانشینی:۔ عقیلی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ابراہیم کی وفات کے بعد پانچ اشخاص نے مل کر چالیس ہزار روپے جمع کئے ان میں ایک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے اور یہ رقم لے کر حکم بن عتبہ کے پاس گئے کہ آپ ہماری جماعت کی سرپرستی کریں اور یہ رقم اپنے پاس رکھیں (غالباً اس رقم سے جماعت اہل علم کی ضروریات کا تکفل پیش نظر ہو گا) انہوں نے انکار کیا تو شیخ حماد کی خدمت میں پہنچے انہوں نے اس خدمت کو قبول کر لیا۔

اختصاراً" امام صاحب کے شیوخ میں مندرجہ ذیل حضرات مشہور ہیں

حماد بن سلیمان' سلمہ بن کہیل' سماک بن حرب' عبداللہ بن دینار' عطاء بن ابی رباح' عطاء بن السائب' عکرمہ

مولیٰ ابن عباس، نافع مولیٰ بن عمرؓ، علقمہ بن مرثد، محمد بن السائب، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، ہشام بن عروہ، قتادہ، عمرو بن دینار، عبدالرحمن بن ہرمز وغیرہم ممازکر و الحافظ المزی نے تہذیب الکمال مفتاح السعادت میں چار ہزار بتلائے ہیں۔

بعض رواۃ و تلامذہ، عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن یزید مقری، عبدالرزاق محمد زفر، حسن داؤد طائی، وکیع، حفص بن غیاث، حماد بن ابی حنیفہ وغیرہم ممازکرہم المزی

اور علامہ سیوطی اور علی قاری نے آپ کے مشائخ و تلامذہ کو بسط سے لکھا ہے اور چونکہ حسب حدیث المرأ علی دین خلیلہ اصحاب متبوعین و تابعین کے احوال بھی ایک قسم کی علامت ہے لہٰذا شیوخ و تلامذہ کا ایراد مناسب سمجھا گیا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ طالب علم حدیث کی حیثیت سے:۔ سنہ 96ھ میں امام اعظم نے پہلا حج کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر اور خوارزمی نے تصریح کی ہے اور اسی حج میں تفقہ فی الدین کے موضوع پر جناب رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے یہ ارشاد سنا ہے یہ گویا علم حدیث کی ابجد ہوئی ہے۔

من تفقہ فی دین اللہ کفاہ اللہ ھمہ ورزقہ من حیث لا یحتسب

ترجمہ:۔ جس نے اللہ کے دین میں فقاہت پیدا کر لی۔ اللہ اس کے رنج و غم میں کافی ہے اور اس کو ایسے مقام سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو گا۔[7]

امام شعبی کے کہنے سے دل پہلے ہی مائل ہو چکا تھا۔ اس ارشاد نبوت سے اثر لے گئے اور سنہ 96ھ ہی سے علم الشرائع کی طرف رخ کر لیا۔ اور زندگی کے اس موڑ پر آپ نے تمام علوم کا باہم موازنہ کیا مگر علم الشرائع کے لئے چونکہ علم الحدیث ناگزیر تھا اس لئے آغاز یہیں سے کیا اور سنہ 98ھ سے علم حدیث کے طالب علم کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور سنہ 98ھ سے شروع ہو کر سنہ 104ھ تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ اگرچہ کام کا آغاز تو علم حدیث میں سنہ 98ھ میں ہو چکا تھا مگر پوری باقاعدگی کے ساتھ پورا وقت سنہ 100ھ سے لگایا ہے۔ سنہ 104ھ تک یہ سلسلہ قائم رہا اور سب سے پہلے اپنے شہر کے مشہور محدث علامۃ التابعین سے استفادہ کیا۔ امام شعبی کی حدیث میں جلالت شان کا اندازہ کرنا ہو تو امام زہری کا حسب ذیل بیان پڑھئے۔

علماء چار ہیں، سعید مدینے میں، شعبی کوفہ میں، حسن بصری بصرہ میں اور مکحول شام میں۔[8]

فن حدیث میں یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر شیوخ میں شمار کئے جاتے ہیں چنانچہ تذکرہ الحافظ میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں امام شعبی کے تلامذہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی تصریح کر دی ہے و ھو اکبر شیخ لابی حنیفہ۔[9]

اور معلوم ہوا کہ امام شعبی متکلم نہ تھے ان سے امام اعظم کا تلمذ صرف ان کے فن ہی میں ہو سکتا ہے اور ان کا فن علم حدیث کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

امام عبداللہ بن عون البصری سنہ 151ھ جو امام شعبی کے بھی شاگرد ہیں اور جن کے بارے میں امام عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں ماکان بالعراق اعلم بالسنہ☆ عراق میں ان سے زیادہ حدیث کا عالم کوئی نہ تھا۔ ان کا امام شعبی کے بارے میں یہ بیان ہے۔

اذا وقعت الفتوی انقبض الشعبی

ترجمہ:۔ جب کوئی فتویٰ آجاتا تو امام شعبی کو گھٹن ہوتی تھی۔[10]

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ بھی امام شعبی کا فن نہ تھا خود ان کے اعتراف کے مطابق حدیث اور صرف حدیث تھا چنانچہ وہ فرماتے ہیں

انا لسنا بالفقہاء ولکنا سمعنا الحدیث فروینا الفقہاء

ترجمہ:۔ ہم فقہاء نہیں ہیں ہم تو احادیث سن کے فقہاء کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔[11]

امام شعبی کا اپنا فن حدیث تھا اور اس میں اس قدر جامعیت تھی کہ مشہور محدث عاصم الاحوال جو امام الحافظ شعبہ بن الحجاج' امام المحدثین یزید بن ہارون' امیرالمومنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک کے استاد ہیں فرماتے ہیں

ما رایت احداً اعلم بحدیث اہل الکوفہ والبصرہ والحجاز من الشعبی

ترجمہ:۔ میں نے کوفیوں' بصریوں اور حجازیوں کی حدیث کا امام شعبی سے زیادہ عالم کوئی نہیں دیکھا۔[12]

حافظ ذہبی الامام الحافظ مسعر بن کدام سے جو زمانہ طالب علمی میں کوفہ کے اندر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق ہیں نقل کرتے ہیں:

میں امام اعظم کا رفیق درس تھا وہ علم حدیث کے طالب علم بنے تو حدیث میں ہم سے
آگے نکل گئے یہی حال زہد و تقوی میں ہوا اور فقہ کا معاملہ تو تمہارے سامنے ہے۔ 13

کوفہ ہی میں رہتے ہوئے امام صاحب کا علم حدیث میں مسعر بن کدام اور ان کے ساتھیوں سے آگے نکل جانا اس بات کی عملی شہادت ہے کہ سب سے پہلے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں جس قدر علم حدیث تھا اس کی تحصیل کی کیونکہ مسعر بن کدام کی علمی رفاقت امام اعظم کو کوفہ ہی میں حاصل ہوئی ہے۔ علم کی خاطر مسعر بن کدام کا کوفہ سے باہر جانا ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ

امام مسعر بن کدام نے حدیث کی خاطر کبھی کوفہ سے باہر کا سفر نہیں کیا۔ 14

امام ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں مسعر بن کدام کا مفصل اور مبسوط چہرہ قلم بند کیا ہے علم حدیث میں ان کا پایہ معلوم کرنا ہو تو حافظ ابو محمد رامہرمزی کا یہ بیان پڑھئے کہ امام شعبہ اور سفیان ثوری میں جب کسی حد میں اختلاف ہوتا تو دونوں کہا کرتے تھے۔

ہم دونوں کو مسعر کے پاس لے چلو جو اس حدیث کی ترازو ہیں۔ 15

امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ کہتے ہیں کہ ہم نے بہت زیادہ تقدس کی وجہ سے ان کا نام ہی مصحف رکھا ہوا تھا۔

غور فرمایئے کہ امام شعبہ اور سفیان ثوری امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ ان کا علم جس شخص کے بارے میں یہ فیصلہ دے کہ وہ علم حدیث کی ترازو ہے۔ علم حدیث میں اس کی جلالت قدر کا کیا حال ہو گا؟ اور پھر خود یہ میزان علم حدیث جس شخص کے بارے میں یہ انکشاف کرے کہ وہ علم حدیث میں مجھ سے بھی آگے ہے تو پھر اس کا علم حدیث میں کیا مقام ہو گا۔ اس کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ کوفہ ہی میں جس قدر علم حدیث پھیلا ہوا تھا اسے امام اعظم نے سمیٹ لیا تھا۔ اسی بنا پر امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ

بخدا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کے اس دنیا میں سب سے بڑے عالم تھے۔ 16

اور جس کی علمیت کا نہیں بلکہ اعلمیت کا بھی دعوی کریں علم حدیث میں اس کی جلالت قدر کا اندازہ

کون کر سکتا ہے؟ یاد رہے کہ خطیب نے بحوالہ یحییٰ بن معین تصریح کی ہے کہ یحیی بن سعید القطان فتوی میں امام اعظم کے قول کو اپناتے تھے اور اہل کوفہ میں سے امام صاحب ہی کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ کبھی فرماتے کہ ابو حنیفہ نے بے شمار باتیں بہترین فرمائی ہیں اور کبھی کہتے کہ بخدا ہم نے ابو حنیفہ سے زیادہ بہتر رائے والا کوئی نہیں سنا ہے۔ ہم ان کی اکثر و بیشتر باتوں کو اپناتے ہیں۔۔ 17

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حدیث میں اساتذہ:۔ امام اعظم کے اساتذہ حدیث میں صحابہ' تابعین اور اتباع تابعین تینوں ہیں۔ ان سے باہر کوئی نہیں ہے۔ یعنی سب اساتذہ اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جس کی خیریت کی زبان نبوت نے شہادت دی ہے۔ حافظ ابوالحجاج المزی نے تہذیب الکمال میں اگرچہ اساتذہ کا شمارہ صرف 74 بتایا ہے جن کی تفصیل حافظ سیوطی نے تبییض الصحیفہ میں پوری درج کر دی۔ لیکن حافظ ذہبی نے عدد کثیر من التابعین کہ کر مشہور محدث ملا علی قاری کے دہان قلم سے نکلی ہوئی اس بات کو سچا کر دیا جو انہوں نے شرح مسند امام میں لکھی ہے کہ:

> امام اعظم کے اساتذہ صحابہ' تابعین اور اتباع تابعین میں سے بہت ہیں جن کی مجموعی تعداد چار ہزار ہے۔۔ 18

اور اس کی حافظ ابن حجر مکی نے بھی یہ لکھ کر تصدیق کی ہے کہ:

> اور بعض کبیر نے ان میں سے چار ہزار اساتذہ حدیث ذکر کئے ہیں۔

حافظ ابو بکر البطلی نے اپنی کتاب الانتصار میں ان مشائخ کا مبسوط ترجمہ لکھا ہے اور ان سے صدر الائمہ نے مناقب میں نقل کیا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ حدیث کی عظمت:۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اساتذہ کے معاملے میں سب ائمہ حدیث سے ممتاز کرنے والی چیز صحابہ کرام کے سامنے زانوئے ادب طے کرنا ہے۔ یہ اساتذہ ہی کی عظمت ہے جس کا اظہار خود امام صاحب نے سربراہ حکومت عباسیہ ابو جعفر منصور دوانیقی کے سامنے برسر دربار کیا ہے۔

ربیع بن یونس کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ امیر المومنین ابو جعفر منصور کے پاس آئے اس وقت دربار میں امیر کی خدمت میں عیسی بن موسی بھی موجود تھے۔ عیسی نے امیر المومنین کو

مخاطب کر کے کہا اے امیر المومنین هذا عالم الدنیا الیوم☆ یہ آج تمام دنیا کے عالم ہیں۔ ابو جعفر منصور نے امام اعظم سے دریافت کیا کہ اے نعمان! تم نے کن لوگوں کا علم حاصل کیا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ امیر المومنین! میں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ' علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا علم حاصل کیا ہے۔ ابو جعفر نے کہا کہ آپ تو علم کی ایک مضبوط چٹان پر کھڑے ہیں۔۔ 19

تلامذہ کی عظمت کا اندازہ ان کے اساتذہ کی عظمت سے ہوتا ہے۔ اسی بنا پر حافظ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ میں امام بخاری کے اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے اولین طبقہ تابعین کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

الطبقة الاولی ممن حدثه عن التابعین

اور پھر ان تابعین کے یہ نام بتائے ہیں۔ مکی بن ابراہیم' ابو عاصم النبیل' عبیداللہ بن موسیٰ' ابو نعیم الفضل بن دکین اور خلاد بن یحییٰ' مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ جن اساتذہ پر امام بخاری کے لئے طبقہ اولیٰ ہونے پر حافظ ابن حجر عسقلانی کو فخر ہے وہ خلاد بن یحییٰ کو چھوڑ کر سب کے سب امام اعظم کے شاگرد ہیں۔۔ 20

صدر الائمہ مکی شمس الائمہ زرنجری سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حفص صغیر کے زمانے میں ایک بار احناف و شوافع میں بحث چھڑ گئی کہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ میں افضل کون ہے؟ امام ابو حفص صغیر نے فرمایا کہ دونوں کے اساتذہ کو شمار کر لو۔ چنانچہ امام شافعی کے اساتذہ گنے گئے تو اسی ہوئے' پھر امام اعظم کے مشائخ کا حساب لگایا گیا تو چار ہزار نکلے۔ امام ابو حفص نے فرمایا کہ هذا ادنی من فضائل ابی حنیفه☆ یہ امام اعظم کی برتری کی ادنیٰ شہادت ہے۔۔ 21

امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں عبداللہ بن المبارک کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں نے چار ہزار اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا ہے۔ اور پھر ایک ہزار سے روایت کی۔ عباس کہتے ہیں کہ ان میں سے آٹھ سو کی روایات مجھے بھی ملی ہیں۔ 22 حافظ کبیر ابو داود طیالسی سنہ 204ھ کا بیان ہے کہ میں نے ایک ہزار اساتذہ سے احادیث لکھی ہیں۔۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔

میں نے ایک ہزار اسی حضرات سے حدیث لکھی ان میں ہر ایک محدث تھا۔ 23

حافظ ابو یوسف۔ یعقوب بن سفیان کا بیان ہے کہ میں نے پورے تیس سال رحلت میں بسر کیے اور ایک ہزار سے زائد اساتذہ سے حدیثیں سنی ہیں۔ جو سب کے سب ثقاہت کی ترازو میں پورے تھے مگر سوچنے کی بات ہے کہ امام بخاری' امام ابو داؤد اور امام یعقوب کے اساتذہ کی یہ تعداد کوئی قابل تعجب نہیں ہے کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کچھ محدثین اطراف و آفاق عالم اسلامی میں پھیل چکے تھے اور جا بجا اسناد و روایت کے دفاتر کھلے ہوئے تھے۔ اتباع تابعین میں سے ایک شخص کے ہزارہا شاگرد اور پھر ہر شاگرد کے ہزارہا شاگرد تھے۔ تمام بلاد اسلامیہ میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں درسگاہیں قائم تھیں اور بڑے زور و شور سے درس حدیث ہو رہا تھا۔ اس زمانے کی شہری زندگی میں علم حدیث اس قدر رائج تھا کہ ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں ہزار طلبہ کی شرکت ایک معمولی بات تھی۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں مسند عراق امام علی بن عاصم واسطی کے مشہور شاگرد کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے حلقہ درس میں تیس ہزار سے زیادہ طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا۔ اور[24] ان ہی کے صاحبزادے امام ابو الحسین عاصم بن علی سنہ 220ھ جو امام بخاری کے بھی استاد ہیں اور جن سے انہوں نے اپنی صحیح میں روایات بھی لی ہیں ان کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے --- بغداد آئے ان کے املائی درس میں لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا ابو الحسین[25] بن المبارک کا بیان ہے کہ ان کی مجلس درس میں طلبہ کا انداز ایک لاکھ انسانوں سے اوپر لگایا جاتا تھا۔ عمر بن حفص کہتے ہیں کہ معتصم باللہ نے ایک بار اپنے کارندوں کو رحبہ النخل میں صرف اس مقصد کی خاطر روانہ کیا تھا کہ اندازہ لگائیں کہ امام عاصم کے درس حدیث میں کتنی تعداد ہے؟ امام عاصم چھت پر بیٹھ کر لوگوں کو سناتے تھے میں نے ایک روز سنا ہے کہ فرما رہے تھے حدثنا اللیث بن سعد ہجوم اتنا تھا کہ آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی[26] آپ نے اسی روز ایک کلمہ چودہ بار کہا اس مجلس کے شرکاء کا انداز لگایا گیا تو ایک لاکھ بیس ہزار تھے۔ امام اعظم ہی کے ایک اور شاگرد خاص ہیں یزید بن ہارون' جو فن حدیث میں[27] مشہور امام ہیں ان کے متعلق یحیٰی بن طالب کا بیان ہے کہ ان کی مجلس میں ستر ہزار کی حاضری ہوتی تھی۔ بلکہ امام محمد کے بارے میں حضرت امام شافعی کا بیان ہے کہ امام محمد جب کوفہ میں موطا کا درس دیتے تو ان کی درگاہ پر لوگوں کا اتنا ہجوم ہوتا تھا کہ جگہ تنگ ہو جاتی اسی زمانے میں امام شافعی تحصیل علم کی خاطر کوفہ تشریف لائے تھے کیونکہ یہ بتانے سے پہلے امام شافعی نے امام محمد کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے کہ امام محمد فرماتے ہیں کہ میں امام مالک کی خدمت

میں تین سال رہا ہوں اور اس عرصہ میں میں نے ان سے سات سو حدیثیں سنی ہیں۔[28] اور یہ ساری داستان امام مالک کی وفات کے بعد کی ہے اس کی پوری تفصیل اسد بن فرات نے اس طرح بتائی ہے کہ:

ہم ایک روز امام محمد کے حلقہ درس میں موجود تھے دفعتہ ایک شخص گردنیں پھلانگتا ہوا امام محمد کے پاس آیا اور ہم نے امام محمد کی زبان سے یہ الفاظ سنے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون مصیبہ ما اعظمھا مات مالک بن انس امیر المومنین فی الحدیث انا للّٰہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث امام مالک کی وفات ہو گئی ہے۔ امام محمد جب اس کے بعد امام مالک سے حدیثیں بیان کرتے تو لوگ امام مالک کی حدیثوں کے شوق میں اس کثرت سے آپ کی خدمت میں آتے کہ آپ کے سوا یہاں آنے کے راستے بند ہو جاتے اور جب امام مالک کے سوا کسی اور کی حدیثیں بیان کرتے تو خواص ہی خواص آتے۔[29]

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اس دور میں جب گھر گھر حدیث کا چرچا تھا محدثین کے لئے اساتذہ کی یہ تعداد حیرت انگیز نہیں ہے تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس وقت امام اعظم کے لئے اساتذہ کی یہ تعداد کیسے پیدا ہو گئی جب کہ علم حدیث کی ابھی صبح صادق ہی طلوع ہوئی ہے۔ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے سنہ 101ھ میں سرکلر جاری کیا گیا کہ احادیث جمع کی جائیں جیسا کہ آپ انشاء اللہ آئندہ اوراق میں اس کی تفصیل پڑھیں گے۔ اس سرکلر کے بارے میں حافظ ابو نعیم نے بتایا ہے کہ یہ آفاق یعنی اطراف مملکت میں روانہ کیا گیا۔ اس آفاق سے مراد مکہ' مدینہ' کوفہ' بصرہ اور دمشق ہیں۔ کیونکہ اس زمانے میں یہی وہ مقامات تھے جہاں سے علم نبوی ﷺ کے چشمے ابل ابل کر سارے عالم میں رواں ہوئے چنانچہ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

یہ پانچ شہر مکہ' مدینہ' کوفہ' بصرہ اور شام ہی ہیں جن سے علوم نبوت یعنی ایمانی' قرآنی اور شرعی علوم نکلے ہیں۔[30]

ورنہ علم حدیث کی تدوین' فن روایت و اسناد کے لحاظ سے دور تابعین کے آخر میں وجود پذیر ہوئی ہے۔ چنانچہ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں۔

زمانہ تابعین کے آخر میں تدوین آثار کا کام رونما ہوا ہے۔[31]

الغرض اس دور میں جب کہ روایت و اسناد کی فنی طور پر ابھی صبح صادق ہی طلوع ہوئی ہے۔ اساتذہ کی یہ تعداد کثیر اس بات کی شہادت ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث حاصل کرنے میں بہت بڑی محنت' عرق ریزی اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔ الغرض امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث میں کمال درجہ پیدا کر لیا تھا اور ایسی محنت کی کہ امام علی بن عاصم جیسا نامور محدث امام اعظم کے بارے میں یہ اقرار چھوڑ گیا۔

اگر ابو حنیفہ کے علم کو دوسروں کے علم کے مقابلے میں تولا جائے تو ابو حنیفہ کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔[32]

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں پہلا طبقہ: امام اعظم کے ان اساتذہ میں سب سے پہلا طبقہ صحابہ کرام کا ہے۔ محدثین کے ایک طبقہ نے مثلاً حافظ ولی الدین عراقی' حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ سخاوی نے خالص اسنادی اور روایتی نقطہ نظر سے امام اعظم کے صحابہ کے تلمذ پر لم نصح روایتہ روایت صحیح نہیں ہے لکھ دیا ہے۔ اس سے بعضوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ امام اعظم کو صحابہ سے شرف تلمذ ثابت نہیں بلکہ اس کا عدم ثابت ہے اور صحابہ کے نام سے امام کی روایات موضوع ہیں حالانکہ اصول محدثین کی رو سے ایسا سمجھنا خطرناک غلطی ہے اور نہ صرف غلطی بلکہ فن روایت کے مسلمہ اصول و قواعد سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں کہ

محدثین بسا اوقات لا یصح اور لا یثبت کا لفظ بولتے ہیں نادان اس کا مطلب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ حدیث محدثین کے یہاں موضوع یا ضعیف ہے ایسا سوچنا ان کی اصطلاح سے جہالت اور ان کی تصریحات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔[33]

مشہور محدث ملا علی قاری نے تذکرۃ الموضوعات میں لکھا ہے کہ 'صحیح نہیں ہے' کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ بات گھڑی ہوئی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حسن یا ضعیف ہے۔ علامہ نور الدین جواہر العقدین فی فضل الشرفین' میں فرماتے ہیں کہ امام احمد کے حدیث عاشوراء پر لا یصح کے ریمارکس سے یہ لازم نہیں آتا کہ باطل ہے۔ ممکن ہے کہ صحیح تو نہ ہو لیکن قابل استدلال ہو کیونکہ صحیح اور ضعیف کا درمیانی درجہ حسن ہی ہے۔ امام زرکشی نکت علی ابن الصلاح میں فرماتے ہیں کہ محدثین کی دونوں تعبیروں موضوع اور لا یصح میں بہت بڑا فرق ہے۔ موضوع کہنے کا مطلب یہ ہے کہ راوی کا جھوٹ اور بات گھڑی ہوئی ہونا ثابت ہو گیا

ہو۔ اور لا یصح میں صرف صحیح نہ ہونے کی خبر ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا عدم بھی ثابت ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی "القول المسدد فی الکذب عن مسند احمد" میں لکھتے ہیں کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔ علامہ محمد بن عبدالباقی شرح مواہب لدنیہ میں حدیث

يطلع الله ليلة النصف من شعبان فيغفر لجميع خلقه الا المشرك او المشاحن

پر ابن دحیہ کا کلام لم یصح فی لیلۃ نصف شعبان شئی نقل کرکے رقم طراز ہیں کہ

شاید ابن دحیہ کی مراد الطلاقی صحت ہے کیونکہ یہ حدیث حسن ہے اگرچہ درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔[32]

مولانا عبدالحی فرماتے ہیں۔

کسی حدیث پر محدثین کا عدم ثبوت اور عدم صحت کا حکم لگانا عرف محدثین کے مطابق حدیث کے ضعیف اور موضوع ہونے کو لازم نہیں بلکہ ممکن ہے کہ حدیث حسن لذاتہ یا لغیرہ ہو۔[33]

اسی بنا پر امام ترمذی اپنی جامع میں ایک حدیث لاتے ہیں اور خود اس کی تضعیف بھی کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ والعمل علی ھذا عند اہل العلم اس کا مطلب یہی ہے کہ اسنادی اور روایتی طور پر صحیح نہ ہونے سے اصل بات کا نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ دراصل یہاں حدیث ضعیف بھی دو قسم کی ہیں ایک وہ جس میں شرائط صحت میں سے کوئی شرط نہ ہو اور دوسری وہ جس میں شرائط قبول میں سے کوئی شرط نہ ہو۔ اس لئے امام اعظم کے صحابہ سے تلمذ کے موقعہ پر محدثین کے یہاں لا یصح کو دیکھ کر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جانا کہ ان اکابر کے نزدیک یہ داستان گویا بناوٹی ہے۔ بہت بڑی جرات اور بے باکی ہے۔ مشہور حدیث افتراق امت کے متعلق مجد الدین فیروز آبادی نے سفر السعادہ کے خاتمہ میں یہ لکھا ہے کہ لم یثبت فیہ شئی (اس موضوع پر کوئی بھی حدیث ثابت نہیں ہے) حالانکہ چند در چند طرق سے آنے کی وجہ سے درجہ صحت کے قریب قریب ہے جیسا کہ امام حاکم لکھتے ہیں کہ ایک سے زیادہ طرق سے اس حدیث کا آنا اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں کہ:

صاحب قاموس علامہ مجد الدین نے سفر السعادہ میں ایک سے زیادہ احادیث کے بارے میں

یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہیں۔ اس سے ہمارے زمانے کے ناواقفوں کو دھوکا ہو گیا ہے۔ اور انہوں نے احادیث ثابتہ پر موضوع، ضعیف اور ناقابل اعتبار ہونے کا فتوی لگا دیا۔[36]

صحابہ سے روایت کا شرف:۔ ذرا اس پر بھی تو غور فرمایئے کہ امام اعظم کی صحابہ سے روایت کی حیثیت واقعات کی دنیا اور قانون کی نظر میں کیا ہے؟ یہی نا کہ امام اعظم کے لئے ایک جزوی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ ،، فضل و بزرگی ہے جس میں ائمہ میں سے امام اعظم کا شریک کوئی نہیں ہے۔ اگر صرف اتنی بات ہے تو اس میں روایتی و اسنادی کمزوریوں سے صرف نظر تو خود محدثین کی طے کردہ پالیسی ہے حلال و حرام میں اسنادی کمزوریوں کو تلاش کرنا محدثین نے ناگزیر بتایا ہے۔ لیکن جہاں تک فضائل اور سیر کا میدان ہے اس میں وہ ضعیف روایات کو بھی شرف قبول عطا کر دیتے ہیں۔ مشہور محدث علی الحلبی "انسان العیون فی سیرہ الامین و المامون" میں رقم طراز ہیں کہ ---- سیرت میں صحیح، ضعیف، موضوع، مرسل، منقطع اور معضل سب قسم کی روایات ہوتی ہیں۔ امام احمد نے فرمایا ہے کہ جب ہم حلال و حرام کو موضوع بحث بناتے ہیں تو ہم متشدد ہوتے ہیں اور فضائل میں ہم متساہل ہوتے ہیں۔ خطیب بغدادی نے اس موضوع پر الکفایہ میں ایک مستقل عنوان قائم کر کے ائمہ کی تصریحات جمع کر دی ہیں۔ علامہ ابن سید الناس نے "عیون الاثر فی فنون المغازی و السیر" میں مشہور مورخ محمد بن اسحاق کی توثیق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> کلبی سے زیادہ تر روایات انساب ایام عرب اور لوگوں کے احوال سے متعلق ہیں اس موضوع پر علماء چشم پوشی سے کام لیتے ہیں ان لوگوں سے بھی روایات لے لیتے ہیں۔ جن کی احکام میں احادیث معتبر نہیں ہوتی ہیں اس میں رخصت ہے اور یہ رخصت امام احمد سے منقول ہے۔[37]

ملا علی قاری نے مشہور رسالہ "الحظ الاوفر فی الحج الاکبر" میں اس حدیث پر کہ

افضل الایام یوم عرفہ اذا وافق یوم الجمعہ فھو افضل من سبعین حجہ

یہ نوٹ لکھا ہے کہ

> کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث ضعیف فضائل میں تمام علماء کے نزدیک قابل اعتبار ہے۔[38]

حافظ سیوطی نے بھی یہ بات طلوع الثریا' التنظیم والمنہ اور القامہ السندسیہ میں لکھی ہے۔
حافظ عراقی نے شرح الفیہ میں' امام نووی نے تقریب میں اور سیوطی نے اس کی شرح تدریب میں اس بات کو بار بار صاف کیا ہے۔ اگر صورت حال یہی ہے تو پھر امام اعظم کی اس جزوی فضیلت کے موضوع پر یہ رد و کد کچھ بے معنی سی بات ہے۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے سب سے پہلے دار قطنی نے صدیاں گزرنے پر یہ بات لوگوں کو بتائی ہے کہ:

> امام ابو حنیفہ نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی البتہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مگر ان سے کوئی بات نہیں سنی۔

دار قطنی کے بعد خطیب بغدادی نے بھی تاریخ بغداد میں یہی بات دہرادی ہے۔ چنانچہ سعید بن ابی سعید نیشاپوری کے ترجمہ میں امام اعظم کی ایک حدیث کو بواسطہ امام یوسف بلاسناد نقل کرنے کے بعد کہ جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام اعظم کے سماع کی تصریح موجود ہے لکھتے ہیں۔

> امام ابو حنیفہ کا حضرت انس سے سماع صحیح نہیں ہے۔[39]

اور امام ابو حنیفہ کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

> امام ابو حنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا ہے۔[40]

اس کے بعد شوافع میں زین الدین عراقی اور ابن حجر عسقلانی بھی ان کے ہی ہم زبان ہو گئے ورنہ اس سے پہلے اس موضوع پر متقدمین میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا اسی بنا پر ملا علی قاری شرح مسند امام میں فرماتے ہیں

> والمعتمد ثبوتها
> پائدار بات یہی ہے کہ امام اعظم کا صحابہ سے تلمذ ثابت ہے۔

8- امام اعظم کا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے تلمذ:- صحابہ میں جن اکابر کے سامنے امام اعظم نے زانوئے ادب تہ کیا ہے ان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا نام سب سے اونچا ہے۔ ان کی کنیت ابو حمزہ ہے۔ انصار مدینہ میں بنی نجار سے تعلق کی وجہ سے نجاری ہیں۔ ان کی والدہ کا نام ملکہ بنت ملحان اور کنیت ام حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص ہیں۔ خود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میری عمر دس سال تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرمائے دار بقا ہوئے۔ تو میں بیس سال کا تھا ان کو ان کی والدہ ہی خدمت اقدس میں لائی تھیں اور

عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ ! خدمت کے لے خادم لائی ہوں۔ حضور انور ﷺ نے شرف قبول عطا فرمایا۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے ایک بار دعا کی درخواست کی آپ نے دعا فرمائی اللهم أكثر ماله و ولده فرماتے ہیں کہ مال کی اتنی فراوانی ہوئی کہ میرے نخلستان میں سال بھر میں دوبار پھل آتا' اولاد کا حال یہ ہے کہ میری اولاد اور اولاد کی اولاد کو اگر اس وقت شمار کیا جائے تو ایک سو کے قریب ہیں۔ حضرت ثابت ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے ہاتھوں نے حضور انور کے ہاتھوں کو چھوا ہے؟ فرمایا کہ ہاں! حضرت ثابت ؓ نے فرمایا ذرا ہاتھ دیجئے میں اس کو بوسہ دوں۔ مسند امام احمد میں ہے نضر بن انس کہتے ہیں کہ حضرت انس ؓ نے روز قیامت کے لئے حضور ﷺ سے شفاعت کی درخواست کی حضور انور ﷺ نے وعدہ فرمایا حضرت انس ؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ! میں آپ سے قیامت کے روز کہاں ملوں؟ فرمایا پل صراط پر دیکھنا وہاں نہ ملوں تو میزان عمل پر دیکھنا وہاں بھی نہ ملوں تو حوض کوثر پر ملنا۔[41]

حافظ ابن کثیر نے ابو بکر بن عیاش کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت انس ؓ نے عبدالملک بن مروان کے پاس حجاج بن یوسف ثقفی گورنر حجاز کے متعلق ایک شکایتی خط بھیجا اور لکھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو اگر کہیں اپنے نبی کا خادم مل جائے تو وہ اس کا حد درجہ اکرام کریں۔ میں نے پورے دس سال حضور انور ﷺ کی خدمت میں گزارے ہیں۔ اور آپ کی خدمت کی ہے لکھا ہے کہ عبدالملک نے حجاج کو خط لکھا خط میں یہ درج تھا:

جب میرا خط تم کو ملے تو ابو حمزہ کے پاس جاؤ ان کو راضی کرو ورنہ تم کو میری جانب سے ایسی سزا ملے گی جس کے تم مستحق ہو۔[42]

خط پہنچتے ہی حجاج نے حضرت انس ؓ کے پاس جانے کا ارادہ کیا لیکن حجاج ہی کے ایک دوست نے صلح کر دی۔ امام ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت انس رسول اللہ ﷺ کی خدمت گرامی میں عرصہ دراز تک رہے آپ بے شمار احادیث کے امین تھے۔ عمر طویل پائی ہے بصرہ میں دنیا سے روانہ ہونے والے صحابہ میں آخری صحابی تھے۔ امام بخاری نے ان سے اسی حدیثیں لی ہیں۔[43]

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سنہ 93ھ میں بصرہ میں آپ کا انتقال ہوا ہے هذا هو المشهور و عليه الجمهور اس وقت امام اعظم ؒ کی عمر تیرہ سال تھی۔ علامہ خوارزمی نے جامع المسانید میں' صدر الائمہ مکی نے مناقب میں' حافظ جلال الدین سیوطی نے تبییض الصحیفہ میں حضرت انس کی یہ حدیث بحوالہ امام اعظم درج کی ہے۔

ابو حنیفہ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول طلب العلم فریضہ علی کل مسلم۔[3]

جیسا کہ امام اعظم کی داستان علم میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ امام اعظم کا زمانہ طلب علم اور بچپن ہے اور آپ کی علمی طلب گاریوں کا آغاز علم کلام سے ہوا۔ بصرہ اس زمانے میں علم کلام کی منڈی تھی۔ علم کلام کی تحصیل کے لئے امام اعظم کا کوفہ سے بصرہ جانا اور بصرہ میں قیام کرنا مشہور ہے۔ امام صاحب خود فرماتے ہیں کہ میں بصرہ میں بیس سے زیادہ بار گیا ہوں۔ اسی زمانے میں آپ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ حافظ ابو نعیم نے بالتصریح لکھا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ اور ان سے حدیثیں سنی ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عبداللہ بن الحارث سے تلمذ:۔ یہ بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ان کی بود و باش مصر میں تھی۔ ارشادات پیغمبر کے امین تھے اہل مصر نے ان سے ارشادات کو سن کے آگے نقل کیا ہے۔[4]

حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم و فضلہ میں بسند متصل خود امام اعظم کی زبانی نقل کیا ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں سولہ سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ کے ارد گرد لوگوں کا ہجوم ہے میں نے والد محترم سے دریافت کیا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ والد صاحب نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ان کا نام نامی عبداللہ بن الحارث ہے۔ میں نے والد صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ انہوں نے نے بتایا کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنا رہے ہیں۔ میں نے والد صاحب سے درخواست کی کہ مجھے بھی آگے لے چلئے تاکہ میں بھی ان کی زبان مبارک سے ارشاد گرامی سنوں۔ والد محترم لوگوں کو چیرتے پھاڑتے آگے آگے ہو گئے تاآنکہ میں حضرت عبداللہ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے دین میں فقاہت بہم پہنچائی اللہ اس کو اس کے غم میں کافی ہو گا اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچائے گا جہاں کا اس کو وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔[5]

سبط بن الجوزی نے الانتصار و الترجیح میں حافظ ابو نعیم اصفہانی کے حوالے سے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں

امام اعظم کی دید و شنید کو مانا ہے ان میں حضرت عبداللہ بن الحارث بن جز بھی ہیں۔ نیز اس روایت کو الحافظ الاستاذ ابو محمد حارثیؒ الحافظ ابو عبداللہ الحسین بن محمد اور حافظ ابو بکر محمد بن عبدالباقی نے اپنے مسانید میں باسانید متصلہ درج کیا ہے۔ تاج الاسلام حافظ عبدالکریم سمعانی فرماتے ہیں کہ حافظ ابو بکر الجعابی نے اپنی کتاب الاختصار میں سند متصل اس کی تخریج کی ہے۔[47]

حافظ ابن عبدالبر جو خطیب بغدادی کے معاصر بھی ہیں جامع بیان العلم میں حضرت عبداللہ کی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد جس میں امام اعظم نے اپنے سماع کی تصریح کی ہے سماع کے ثبوت میں لکھا ہے کہ ابن سعد کا بیان ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن الحارث کو دیکھا ہے۔ اگرچہ حضرت عبداللہ کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ وہ ہی ہے جو حافظ ذہبی نے اپنی تاریخ کبیر کے مقدمہ میں بتائی ہے کہ متقدمین نے ضبط تاریخ ہائے وفات کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے صرف اپنے حافظہ پر ہی بھروسہ کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے صحابہ کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی اور یہی صورت حال زمانہ شافعی تک تابعین کے بارے میں رہی۔ لیکن حضرت عبداللہ کی اسی حدیث کو حافظ ابو بکر الجعابی نے نقل کرنے کے بعد تصریح کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن الحارث کی تاریخ وفات سنہ 97ھ ہے۔ واضح رہے کہ حافظ ابو بکر الجعابی علل حدیث اور تاریخ رجال میں بہت بڑے امام گزرے ہیں۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی' حافظ ابو عبداللہ الحاکم اور حافظ دار قطنی نے فن حدیث میں ان کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا ہے۔ چار لاکھ حدیثوں کو نوک زبان کئے ہوئے تھے حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔

کان بارعا فی معرفہ العلل و ثقات الرجال و تواریخھم۔[48]

ترجمہ:- حدیثوں کی علل شناسی رجال اور ان کی تاریخ میں بڑے ہی ماہر تھے۔

تذکرہ الحفاظ میں ان کے چہرے کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے۔ الحافظ البارع فرید زمانہ ---- اگرچہ حافظ ابو بکر الجعابی نے اپنی کتاب الاختصار میں صرف ان دو صحابہ ہی کا تذکرہ کیا ہے مگر امام ابو معشر عبدالکریم نے ان دو کے ساتھ چار کے اور نام بھی بتائے ہیں۔ صدرالائمہ مکی بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی نے جن کے آگے فن حدیث میں خطیب بغدادی نے بھی زانوئے شاگردی طے کیا ہے لکھا ہے کہ امام اعظم نے صحابہ میں سے حسب ذیل حضرات کو دیکھا اور ان سے حدیثیں سنی ہیں۔ حضرت انس بن مالک' حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ' ملک الحفاظ یحیٰ بن

معین جو فن جرح و تعدیل میں مسلم الثبوت امام اور علم حدیث کے ایک رکن خیال کئے جاتے ہیں اپنی تاریخ میں رقم طراز ہیں:-

ان ابا حنیفۃ صاحب الرای سمع عائشہ رضی اللہ عنہا بنت عنز و تقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جند اللہ فی الارض الجر لا آکلہ ولا احرمہ[49]

9- **حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تلمذ:-** ان کی کنیت کچھ کی رائے میں ابو معاویہ اور کچھ کہتے ہیں کہ ابو ابراہیم ہے۔ حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ سنہ 87ھ میں کوفہ تشریف لائے اور حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ کوفہ کے رہنے والے صحابہ میں یہ آخری صحابی ہیں اور امام بخاری کے حوالے سے ان کی تاریخ وفات سنہ 89ھ بتائی ہے۔[50] اگر ان کی تاریخ فی الواقع سنہ 89ھ ہے۔ تو اس وقت امام اعظم کی عمر نو سال ہے اس عمر میں نہ دیکھنا مستبعد ہے اور نہ سننا۔ اور جب کہ امام اعظم کے خاندان میں اس کا مزید اہتمام بھی تھا کہ بچوں کو صحابہ کی خدمت میں لے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ کے والد ماجد ثابت بھی بچپن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ان کے اور ان کی اولا کے حق میں دعا فرمائی تھی۔[51] ایسی صورت میں اگر امام اعظم نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی نو سال کی عمر میں زیارت کی اور حدیثیں سنی ہیں تو اس میں انکار کی کیا بات ہے۔ اس عمر میں جہاں تک روایت سننے کا معاملہ ہے وہ محدثین کے یہاں اتفاقی ہے۔

تحمل روایت کی عمر اور محدثین:- تحمل روایت کے لئے نو سال تو بڑی عمر ہے۔ امام بخاری نے کتاب العلم میں متی تصح سماع الصغیر کا عنوان قائم کر کے محمود بن الربیع کی زبانی ایک واقعہ نقل کیا ہے اس واقعہ میں خود ان صحابی کا بیان ہے کہ میری عمر پانچ سال تھی اور الخطیب نے بھی لکھا ہے کہ محمود کی عمر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پانچ سال تھی۔[52] حافظ ابن عبدالبر نے اس عمر میں روایت لینے پر محدثین کا اتفاق نقل کیا ہے حافظ ابن الصلاح نے مقدمہ میں محمود کی اس روایت کی وجہ سے پانچ سال پر محدثین کا عمل بتایا ہے۔

و ھو الذی استقر علیہ اہل الحدیث[53]

اسی پر محدثین کا عمل ہے۔

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ امام اعظم کی عمر حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کے دنیا سے رحلت فرمانے اور بقا ہونے کے وقت

تو سال تھی اور یہ محدثین کی قائم کردہ اس تحدید سے کہیں زیادہ ہے جو انہوں نے تحمل روایت کے لئے ضروری قرار دی ہے جیسا کہ حافظ ابن الصلاح نے قاضی عیاض کے حوالے سے بتایا ہے۔

محدثین نے اس میں ضابطہ یہی بتایا ہے کہ تحمل روایات کی کم از کم عمر محمود کی ہے۔ اس لئے اس کی پذیرائی ہر شک و شبہ سے قطعی طور پر بالا ہے فاذن لا ینکر سماع الامام من عبداللّٰه بن ابی اوفیٰ ﷺ اس لئے امام اعظم کا سماع حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے ناقابل انکار ہے۔

حافظ ابو معشر عبدالکریم نے اپنے رسالہ میں ان کے حوالے سے امام اعظم کی یہ روایت نقل کی ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے سنا ہے وہ کہ رہے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے مسجد بنائی خواہ وہ چیل کے آشیانے جتنی ہو اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

ان مذکورہ صحابہ کے علاوہ حضرت سہل بن سعد الساعدی سنہ 91ھ اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ سنہ 102ھ میں مکہ میں بقید حیات تھے۔ محدثین نے ان سے بھی امام اعظم کی دید و شنید بتائی ہے۔ اگر امام اعظم نے ان سے بھی کچھ حدیثیں سنی ہیں اور ان کے سامنے بھی زانوئے ادب طے کیا ہو تو اس میں انکار کی کیا بات ہے؟

صحابہ میں سے عبداللہ بن مسعود ﷜' عبداللہ بن عباس ﷜ اور زید بن ثابت ﷜۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ کے سارے علوم چھ حضرت کی طرف منتقل ہوئے ہیں۔ علقمہ' اسود' عبیدہ' الحارث' مسروق' عمرو۔ اور ان اکابر کی علمی میراث صرف دو کو ملی ہے۔ ابراہیم نخعی اور امام شعبی۔

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں:۔

حضور انور ﷺ کے صحابہ کے بعد لوگوں میں محدث کی حیثیت سے صرف دو ہیں۔ امام شعبی اور سفیان ثوری ۔

حافظ ذہبی نے خود امام شعبی کی زبانی یہ انکشاف فرمایا ہے کہ:۔

ادرکت خمسه مائه من الصحابه۔

ترجمہ:۔ میں نے پانچ سو صحابہ سے ملاقات کی ہے۔

ان کی علمیت کا اندازہ کرنا ہو تو عبدالملک بن عمری کا وہ بیان پڑھئے جو حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔

ایک بار امام شعبی جناب رسول اللہ ﷺ کے غزوات بیان فرما رہے تھے حضرت عبداللہ بن عمرپاس سے گزرے سن کر فرمایا کہ میں خود ان غزوات میں شریک ہوا ہوں۔ لیکن شعبی کو غزوات زیادہ محفوظ ہیں اور مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔[57]

امام شعبی کا دور حدیث کی زبانی یادداشت کا زمانہ ہے۔ اس عہد میں حدیثوں کو سن کر زبانی یاد کرنے کا ایسا ہی رواج تھا جیسا کہ اس گئے گزرے آج کے زمانے میں مسلمانوں میں قرآن کو یاد کرنے کا معمول ہے۔ اس دور کے لوگوں کا فیشن ہی یہ تھا کہ سب کچھ زبانی یاد ہو کتابت کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ امام شعبی بھی کتابت حدیث کے قائل نہ تھے خود فرماتے ہیں۔

ما کتبت سوداً فی بیضاء الی یومی ھذا۔[58]

ترجمہ:- میں نے کبھی بھی روشنائی اور کاغذ سے کام نہیں لیا۔

قوت حافظہ اس قدر غضب کا تھا کہ جو کچھ بھی سنتے فوراً یاد ہو جاتا۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ روایات شعری مجھے کم یاد ہیں مگر کم یاد ہونے کے باوجود حال یہ ہے:

ان شئت لانشدتکم شہراً ولا اعید۔[59]

ترجمہ:- اگر میں چاہوں تو ایک ماہ تک اشعار پڑھتا رہوں اور تکرار نہ ہو۔

ابن شبرمہ کی زبانی منقول ہے کہ امام شعبی فرماتے تھے۔

اے شباک میں تم سے دوبارہ حدیث بیان کر رہا ہوں حالانکہ میں نے کبھی کسی سے حدیث سن کر تکرار کی درخواست نہیں کی۔ لا احببت ان یعیدہ علی مجھے تکرار پسند نہیں ہے۔[60]

علم حدیث میں اس قدر اونچا مقام رکھتے تھے کہ عاصم احول فرماتے ہیں کہ:

میں نے بصرہ، کوفہ اور حجاز والوں کی حدیث کا امام شعبی سے زیادہ عالم کوئی نہیں دیکھا ہے۔[61]

خطیب نے لکھا ہے کہ حدیث کے مشہور امام زہری کا کہنا ہے۔

علماء چار ہیں مدینے میں سعید بن المسیب، کوفہ میں شعبی، بصرہ میں حسن بصری اور شام میں مکحول۔[62]

امام اعظم نے شعبی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے جیسا کہ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ امام اعظم سنہ 100ھ میں عمر بیس سال امام شعبی کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرے میں امام شعبی کے تلامذہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور نہ صرف نام ہی لیا ہے بلکہ یہ بتایا ہے کہ:

هو اکبر شیخ لابی حنیفة[63]

اور تو اور دور جدید کے بہت بڑے محقق ڈاکٹر فلپ حتی نے بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب تاریخ العرب میں اس کا اقرار کیا ہے کہ

کان من ابرز الذین تخرجوا علی الشعبی الامام ابو حنیفه المشهور[64]

ترجمہ:- امام شعبی کے بلند پایہ تلامذہ میں سے مشہور امام ابو حنیفہ ہیں۔

عبداللہ بن داود الخریبی کہتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے دریافت کیا کہ کبراء تابعین میں سے آپ نے کس کس سے استفادہ کیا ہے؟ فرمایا

قاسم بن محمد، طاوس، عکرمہ، عبداللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابو الزبیر، عطاء بن ابی رباح، قتادہ، ابراہیم، شعبی اور امام نافع اور ان جیسوں سے ملا ہوں۔[65]

مسند امام میں خود ان کے حوالہ سے احادیث آئی ہیں۔ چنانچہ خوارزمی نے جامع المسانید کے نام سے جو مجموعہ ترتیب دیا ہے اس میں بحوالہ امام شعبی ایک سے زیادہ حدیثیں موجود ہیں اور علامہ حصکفی نے اس مسند میں امام شعبی کے حوالہ سے روایات درج کی ہیں جس کی شرح ملا علی قاری نے لکھی ہے۔

ابو حنیفه عن الشعبی عن المغیره بن شعبه قال رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یمسح علی الخفین

ترجمہ:- حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم موزوں پر مسح فرماتے تھے۔

اس روایت کی تخریج بحوالہ امام اعظم الحافظ الحارثی کے علاوہ حافظ ابو محمد بخاری، حافظ طلحہ بن محمد، حافظ حسین بن محمد

' حافظ ابو بکر بن عبدالباقی اور خود امام محمد نے کتاب الآثار میں کی ہے ویسے تو جیسا بزاز فرماتے ہیں اس حدیث کو روایت کرنے والے حضرات کی تعداد ساٹھ ہے مگر اسی روایت کو جو امام بخاری نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

انه خرج لحاجته فاتبعه المغيره بالدلوا فيها ماء فصب عليه حين فرغ۔ من حاجته فتوضا و مسح على الخفين۔[66]

ترجمہ:۔ آپ ضرورت سے گئے مغیرہ پانی کا برتن پیچھے سے لے کر آئے پانی آپ نے ضرورت سے فراغت کے بعد استعمال کیا۔ وضو فرمایا اور خفین پر مسح فرمایا۔

اسی روات کو امام مسلم نے بھی اپنے مخصوص انداز میں کئی طریقوں سے بیان کیا ہے ان میں سے ایک طریق میں حضرت امام شعبی نے بھی حدیث بحوالہ عروہ بن مغیرہ اپنے شاگرد عمر بن زائدہ سے بیان کی اس طرح ہے۔

عن آبيه انه وضا النبى صلى الله عليه وسلم فتوضا و مسح على الخفين فقال له انى ادخلتهما طاہر تين۔[67]

ترجمہ:۔ حضرت مغیرہ نے حضور انور ﷺ کو وضو کرایا۔ آپ نے وضو فرمایا خفین پر مسح فرمایا اور فرمایا کہ میں نے موزے بحالت طہارت پہنے تھے۔

واضح رہے کہ حافظ ذہبی نے امام شعبی کو حفاظ حدیث کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے اس طبقے میں کم و بیش تیس حفاظ حدیث ہیں۔ امام ذہبی کی تصریح کے مطابق امام اعظم حضرت شعبی کے شاگرد ہیں۔ اور یہ بھی ذہبی نے ہی لکھا ہے کہ وکیع بن الجراح' امام یزید بن ہارون' امام ابو عاصم النبیل' امام عبدالرزاق بن موسیٰ' امام ابو نعیم بن دکین اور امام ابو عبدالرحمن المقری جیسے ائمہ حدیث نے امام ابو حنیفہ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا ہے۔ شجرہ علم حدیث کے تمام بزرگ و بار ہی اکابر سے نکلے ہوئے ہیں۔ امام عبدالرزاق' امام عبیداللہ بن موسیٰ' امام ابو نعیم اور امام عبدالرحمن المقری کے تلامذہ میں آپ کو امام احمد اور امام بخاری ملیں گے چنانچہ حافظ ذہبی نے جہاں امام مقری کے ترجمہ میں یہ بتایا ہے کہ

سمع من ابن عون و ابی حنیفه۔[68]

وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ روی عنه البخاری و احمد۔ امام مقری بخاری اور احمد کے استاد ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ جیسے مسلم اور ابو داود امام احمد کے شاگرد ہیں۔ ایسے ہی ترمذی اور ابن خزیمہ حضرت امام بخاری کے شاگرد ہیں۔

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ امام شعبی کی ذات گرامی بواسطہ امام اعظم علم حدیث میں **ایک** مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

10- امام حماد بن سلیمان سے تلمذ:۔ والد کا نام مسلم اور کنیت ابو سلیمان ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حماد حدیث میں حضرت انس بن مالک ؓ' زید بن وہب ؓ' سعید بن المسیب ؒ' سعید بن جبیر ؒ' عکرمہ مولی ابن عباس ؒ' ابو وائل ؒ' ابراہیم نخعی ؒ' عبداللہ بن بریدہ ؒ اور عبدالرحمن ؒ بن سعد کے شاگرد ہیں۔ اور مشہور محدث عاصم الاحول' امام شعبہ ؒ' امام سفیان ثوری ؒ' امام حماد بن سلمہ ؒ' امام مسعر بن کدام ؒ' امام ابو حنیفہ ؒ اور سلیمان بن مہران ؒ کے استاد ہیں۔ امام مسلم' ابو داود' ترمذی اور ابن ماجہ نے اپنی کتابوں میں ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حافظ عسقلانی اور حافظ ذہبی دونوں اس پر متفق ہیں کہ حماد ابراہیم نخعی کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔

ابو الشیخ نے تاریخ اصفہان میں لکھا ہے کہ ایک روز ان کو ان کے استاد ابراہیم نخعی نے ایک درہم کا گوشت لانے کے لئے روانہ کیا۔ زنبیل ان کے ہاتھ میں تھی۔ ادھر ان کے والد کہیں سے گھوڑے پر سوار آ رہے تھے۔ صورت حال دیکھ کر حماد کو ڈانٹا او زنبیل لے کر پھینک دی جب ابراہیم کی وفات ہو گئی تو حدیث کے طالب علم ان کے گھر آئے' دستک دی' ان کے والد چراغ لے کر باہر آئے' طلبہ نے دیکھ کر کہا ہمیں آپ کی نہیں آپ کے صاحبزادے کی ضرورت ہے۔ یہ شرمندہ ہو کر اندر تشریف لے آئے اور حماد سے کہا باہر جاؤ۔ اب مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ مقام تمہیں ابراہیم کی زنبیل کے صدقے میں ملا ہے۔[69]

علامہ خوارزمی نے امام بخاری کے حوالہ سے بسند متصل نقل کیا ہے: ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ

لقد سالنی هذا یعنی حمادا مثل ما سالنی جمیع الناس[70]

حافظ عبداللہ بن وہب دینوری کہتے ہیں کہ

ایک بار حافظ ابو زرعہ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ ایک خراسانی ان کے سامنے موضوع حدیثیں بیان کر رہا ہے اور یہ ان روایات کو غلط بتا رہے ہیں۔ وہ شخص ان کی باتوں پر ہنس رہا ہے کہ واہ کیا خوب! جو روایت تم کو یاد نہیں اس کو غلط بتا رہے ہو۔ اس پر میں نے اس شخص سے پوچھا ما اسند ابو حنیفہ عن حماد؟ بتاؤ امام ابو حنیفہ کی بواسطہ حماد کیا روایات

ہیں؟ بے چارہ چپ ہو گیا۔ پھر میں نے حافظ ابو زرعہ سے دریافت کیا ما تحفظ لابی حنیفہ؟ آپ کو حماد کی سند سے امام ابو حنیفہ کی کتنی حدیثیں یاد ہیں؟ اس پر حافظ ابو زرعہ نے حدیثوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔[71]

یاد رہے کہ امام حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ امام اعظم چار ہزار حدیثیں روایت کرتے تھے جن میں دو ہزار حماد کی تھیں۔ چنانچہ امام حافظ زکریا نیشاپوری ،سند متصل امام موصوف سے ناقل ہیں:

امام ابو حنیفہ کی کل روایات چار ہزار تھیں۔ ان میں دو ہزار حماد کی اور دو ہزار تمام اساتذہ کی ہیں۔[72]

نقد و رجال کے امام حضرت شعبہ امام حماد کی صداقت کا لوہا مانتے ہیں۔ اور سید الحفاظ یحیٰی بن معین ان کی ثقاہت کو سراہتے ہیں۔ امام ابو عبداللہ الحاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں جہاں ان ائمہ حدیث کا تذکرہ کیا ہے جن کی علم حدیث میں امامت مسلم ہے اور جن کی ثقاہت پر فن حدیث کا اعتماد ہے۔ ائمہ حدیث کی اس فہرست میں حماد بن ابی سلیمان کا بھی ان میں تذکرہ کیا ہے[73] حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اور حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں ارباب فتوی کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت حماد کا بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا تذکرہ باوجود عدالت' صداقت اور ثقاہت کے اس معذرت کے ساتھ کیا ہے۔

لو لا ذکر ابن عدی فی الکامل لما اوردتہ[74]

ترجمہ:۔ اگر ابن عدی ذکر نہ کرتا تو میں میزان میں ان کا ترجمہ نہ لکھتا۔

در اصل بتانا یہ چاہتے ہیں کہ امام حماد اپنی جلالت قدر کی وجہ سے اس قدر اونچے مقام پر ہیں کہ ان کا ذکر میزان میں آنا چاہیے کیونکہ یہ امام ذہبی کی اس پالیسی کے خلاف ہے جس کا تذکرہ خود امام ذہبی نے کتاب کے دیباچے میں کیا ہے۔

میزان الاعتدال میں ائمہ متبوعین کا ذکر:۔ میرا اشارہ اس وعدے کی طرف ہے جو امام موصوف نے میزان کے مقدمہ میں کیا ہے کہ:

لا اذکر فی کتابی من الائمہ المتبوعین فی الفروع احداً لجلالتہم فی الاسلام و عظمتہم فی النفوس مثل ابی حنیفہ و الشافعی۔[75]

ترجمہ :- میں اپنی کتاب میں ان اماموں کا ذکر نہ کروں گا جن کی فروع میں تقلید کی جاتی ہے۔ کیونکہ اسلام میں ان کی جلالت اور لوگوں میں ان کی عظمت موجود ہے جیسے ابو حنیفہ اور شافعی۔

ظاہر ہے کہ امام حماد صرف امام نہیں بلکہ امام الائمہ ہیں پھر ان کا میزان میں تذکرہ اس وعدے کی خلاف ورزی ہے۔ امام ذہبی نے اسی سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ میں نے میزان میں ان کا تذکرہ ان کی ثقاہت' صداقت اور عدالت کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ صرف اس لئے کیا ہے کہ امام عدی نے الکامل میں ان کا ذکر کیا ہے۔

شاید آپ خلش محسوس کریں کہ خیر الامام حماد کی حد تک تو یہ بات درست ہے لیکن اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ جن کا نام لے کر کہا جا رہا ہے کہ ان جیسوں کا میزان میں ذکر نہ ہو گا خود ان کا بھی میزان میں ذکر ہے اور ذکر بھی طویل نہیں بلکہ صرف ایک سطری۔

یہ تاریخی صحافت کا بڑا ہی المناک اور دردناک حادثہ ہے دراصل میزان الاعتدال اولا" جب ہندوستان میں چھپی تو امام صاحب کا تذکرہ تضلیع نون کتاب کے اندر نہیں بلکہ کتاب کے حاشیہ پر پریس والوں نے چھاپ دیا اور خود پریس والوں نے ایسا کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ میزان کے کئی نسخوں میں سے ایک کے حاشیہ پر چونکہ ایسا ہی درج تھا اس لئے اس کو اصل کتاب میں جگہ نہیں دی گئی اس کے بعد مصر کے پریس سے جو میزان چھپ کر آئی تو یار لوگوں نے کتاب کے اندر داخل کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ میزان میں امام اعظم کا کوئی ذکر نہ تھا غالبا" کسی نے مطالعہ میں اپنی یادداشت حاشیہ میں درج کر دی تھی اور بعد کو مطابع والوں نے اسے اصل کتاب ہی میں داخل کر دیا۔

مولانا عبدالحی صاحب غیث الغمام میں فرماتے ہیں کہ میزان کے جن نسخوں کا میں نے مطالعہ کیا ہے ان میں اس عبارت کا نام تک نہیں ہے اور نہ ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حافظ عراقی شرح الفیہ میں فرماتے ہیں کہ ابن عدی نے کامل میں ان سب حضرات کا تذکرہ کیا ہے جن پر کسی نہ کسی درجے میں کلام ہے چاہے وہ ثقہ ہی ہوں لیکن امام ذہبی نے میزان اس التزام کے ساتھ لکھی ہے کہ اس میں کسی صحابی اور ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کا ذکر نہ ہو گا۔ حافظ سخاوی نے شرح الفیہ میں بھی یہ بات لکھی ہے کہ امام ذہبی نے ائمہ متبوعین کے ذکر نہ کرنے کا التزام کیا ہے اور حافظ سیوطی نے بھی تدریب الراوی میں میزان کی اسی خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔ ان اکابر کی یہ تصریحات کھلے بندوں کہہ رہی ہیں کہ میزان میں امام اعظم کا ترجمہ نہیں ہے۔ مشہور محدث علامہ محمد بن اسٰعیل الیمانی توضیح الافکار میں رقم طراز ہیں۔ کہ امام ذہبی نے میزان میں امام اعظم کا ترجمہ نہیں لکھا ہے لیکن امام نووی نے تہذیب الاسماء میں امام

صاحب کا تذکرہ لکھا ہے اور اس سے زیادہ یہ کہ خود حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لسان المیزان میں امام اعظم کا کوئی ترجمہ نہیں لکھا حالانکہ لسان "المیزان الاعتدال" ہی کا چربہ ہے۔ یہ اس بات کی صریح شہادت ہے کہ میزان میں امام اعظم کا ترجمہ نہ تھا۔ خیر یہ ایک ضمنی بات تھی۔ بتا یہ رہا تھا کہ امام حماد کی ذات گرامی اپنی ثقاہت کی وجہ سے بہت اونچے مقام پر ہے۔ قلم کو روکنا چاہتا ہوں مگر کیا کروں رکتا نہیں ہے۔ بزرگان دین کی عدالت و ثقاہت تو اپنی جگہ ہے افسوس تو اس پر آتا ہے کہ لوگ اکابر کے منہ سے نکلی ہوئی بات کا منشا خود نہیں سمجھتے اور بات کا خواہ مخواہ بتنگڑ بنا دیتے ہیں۔ انا للہ فالی اللہ المشتکیٰ ذرا غور فرمایئے کہ ایک بار امام حماد حج کر کے کوفہ واپس آئے لوگ ملاقات کی خاطر حاضر ہوئے۔ آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے کوفہ والو! تم اللہ سبحانہ کا شکر ادا کرو میں عطاء بن ابی رباح، طاوس اور مجاہد سے ملا ہوں لیکن تمہارے بچے اور بچوں کے بچے بھی علم میں ان سے آگے ہیں اس میں کون سی توہین کی بات ہے یہ تو کوفہ میں علم کی بہتات پر تحدیث نعمت ہے۔

امام حماد پر ارجاء کی تہمت:۔ ظلم بالائے ظلم یہ کہ ان کے متعلق رجال کی کتابوں میں یہ فقرہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

تکلم فیہ للارجاء

حالانکہ امام حماد کا دامن اس تہمت سے بالکل پاک ہے صرف امام حماد نہیں بلکہ ان کی طرح بخاری اور مسلم کے کتنے ہی راویان حدیث ہیں جن کی ثقاہت اور عدالت مسلم ہے مگر ان پر صرف فکری اختلاف کی وجہ سے ارجاء کی تہمت جڑ دی ہے۔ خدا بھلا کرے شہرستانی کا کہ انہوں نے رجال المرجئہ کے عنوان سے مختلف اکابر مثلاً الحسن بن محمد، سعید بن جبیر، طلق بن حبیب، محارب بن دثار، حماد بن ابی سلیمان، امام اعظم، قاضی ابو یوسف، امام محمد وغیرہ کا نام لکھ کر یہ بات لکھ دی ہے کہ

ھولاء کلھم ائمہ الحدیث۔76

حافظ سیوطی نے تدریب الراوی میں جہاں بخاری و مسلم کے ان راویوں کی فہرست دی ہے جن کو کہنے والے مرجئہ کہ گئے ہیں وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ ان کی طرف جس ارجاء کی نسبت کی گئی ہے اس سے مقصود مرجئہ کا وہ ارجاء نہیں ہے جو اہل السنہ کی اپوزیشن ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے۔

تاخیر القول فی الحکم علی مرتکب الکبائر۔77

اگر ارجاء یہی ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہے لیکن اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے خواہ بخش دے خواہ سزا

دیے۔ تو سب اہل السنہ ہی ارجاء کے شکار ہیں۔ سب یہی کہتے ہیں:

مرجی امرہ و مفوض مصیرہ الی ربہ ان شاء عذبہ و ان شاء عفا عنہ۔[78]

امام اعظم' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد سب کا یہی مسلک ہے۔ ابن الجوزی نے مناقب میں امام احمد کی یہی رائے لکھی ہے کہ

اہل توحید میں سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا چاہے اس نے کبائر ہی کا ارتکاب کیوں نہ کیا ہو۔

خود امام بخاری نے صحیح میں یہ عنوان قائم کر کے کہ

المعاصی من امر الجاہلیہ لا یکفر صاحبہا بارتکابہا الا بالشرک۔[79]

یہی بتایا ہے کہ شرک سوا گناہ خواہ کیسا ہی سنگین ہو مگر گنہگار کافر نہیں ہوتا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ حافظ بدرالدین عینی نے امام بخاری کے دعوی اور دلائل کی توضیح کے بعد لکھا ہے کہ:

ھذا ھو مذہب اہل السنہ و الجماعہ۔[80]

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ مرجئہ جو کہتے ہیں کہ گناہ سے کچھ نہیں ہوتا اور خوارج جو کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے اور معتزلہ کی رائے میں مرتکب کبیرہ کی ہرگز بخشش نہ ہوگی ان میں سلامتی کی راہ وہی ہے جو اہل السنہ نے اختیار کی ہے اور جس کی قانونی تعبیر یہ ہے کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی اور اقرار زبانی کا۔ جس طرح ایک تندرست آدمی بیمار ہو سکتا ہے اسی طرح ایک مسلمان سے بھی گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔

اگر اسی کا نام ارجاء ہے جو آپ حافظ سیوطی کی زبانی سن آئے ہیں تو پھر مرجئہ ہونے کی پھبتی کیوں ہے؟ اور زبان و قلم کے یہ سارے ہنگامے کیوں ہیں؟ غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ غصہ صرف اس پر ہے کہ ایمان کے بارے میں قانونی تعبیر فقہاء محدثین نے الگ کیوں اختیار کی ہے۔ اور فقہاء نے اس موضوع پر وہی زبان کیوں اختیار نہیں کی جو بعد میں محدثین نے کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے فقہاء کو مرجئہ کہا ہے اس نے عقائد کے لحاظ سے نہیں بلکہ صرف ان الفاظ کی وجہ سے کہا ہے جن سے مرجئہ کی موافقت کی بو آتی ہے۔[81]

یہاں تفصیل کا موقعہ نہیں ہے اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ آئندہ اوراق میں آئے گی۔ بتانا صرف یہ چاہتا ہوں کہ امام حماد حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے استاد فقہاء ہونے کے ساتھ استاد حدیث بھی ہیں۔

قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار میں امام حماد کے حوالہ سے امام ابو حنیفہ کی روایات موجود ہیں۔

عن ابی یوسف عن ابی حنیفه عن حماد عن ابراہیم انه قال لم یجمع اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم علی شئی کما اجتمعوا علی التنویر بالفجر و التبکیر بالمغرب و لم یتابروا علی شئی من التطوع کما تابروا علی لربع قبل الظهر و رکعتی الفجر۔[82]

ترجمہ:۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کے صحابہ کا کسی کام پر اتنا اتفاق نہیں ہوا جتنا صبح کی نماز کو چاندنا کر کے پڑھنے اور مغرب کی نماز کو سویرے پڑھنے پر ہوا ہے اور کسی بھی نفل پر اتنی ہیشگی نہیں کی جتنی ظہر سے پہلے چار سنتوں اور صبح کی نماز سے پہلے دو سنتوں پر کی ہے۔

امام محمد نے موطا میں امام مالک کے ساتھ کچھ امام اعظم کی روایات بھی درج کی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

محمد اخبرنا ابو حنیفه عن حماد عن ابراہیم ان بن مسعود سئل عن الوضوء من مس الذکر فقال ان کان فاقطعه۔[83]

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے دریافت کیا گیا کہ پیشاب گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو کا حکم کیا ہے؟ فرمایا اگر ناپاک ہے تو کاٹ دو۔

امام محمد نے کتاب الآثار میں بھی بحوالہ امام اعظم از حماد بے شمار روایات درج کی ہیں۔

محمد عن ابی حنیفه عن حماد عن ابراہیم قال ثلاثه یوجر فیهن المیت بعد موته ولد یدعو له بعد موته فهو یوجر فی دعائه و رجل علم علماً یعمل به و یعلمه الناس فهو یوجر علی ما عمل و علم و رجل ترک صدقه۔[84]

ترجمہ:۔ تین چیزوں سے مرنے کے بعد مرنے والا فائدہ اٹھاتا ہے۔ بیٹا جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا مانگے، عالم جس نے علم حاصل کیا عمل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی لوگوں کے علم و عمل کا میت کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ تیسرے وہ زمین جسے خیراتی کاموں کے لئے صدقہ بنا کر چھوڑ دیا گیا۔

ایسے ہی حافظ ابو محمد حارثی نے اپنے مسند میں بحوالہ حماد امام اعظم کی بہت سی روایات درج کی ہیں۔

ابو حنیفه عن حماد عن ابراہیم عن علقمه عن عبدالله بن مسعود قال لم یقنت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الفجر الا شہرا حارب حیا من المشرکین فقنت یدعوا۔85

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں صرف ایک ماہ قنوت کی جب کہ مشرکین کے ایک قبیلہ سے جنگ تھی۔

امام اعظم ہی کا جو مسند براویت حصکفی موجود ہے اس میں حضرت حماد کے حوالہ سے روایات موجود ہیں۔

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ و الاسود عن بن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوہ و لا یعود لشئی من ذالک۔86

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

بطور گلے از گلزار چند روایات ہیں۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ امام حماد حضرت امام اعظم کے استاد حدیث ہیں اور استاد بھی ایسے شفیق کہ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ امام صاحب کے والد بزرگوار نے امام حماد سے ایک مسئلہ دریافت کیا حماد نے جواب دیا۔ امام صاحب نے جواب پر ایک اور سوال کر دیا۔ بات لمبی ہو گئی۔ حضرت حماد خاموش ہو گئے۔ امام صاحب جب مجلس سے رخصت ہو گئے تو امام حماد نے فرمایا:۔

هذا مع فقهه يحيى الليل۔87

ترجمہ:۔ یہ صرف فقیہ نہیں بلکہ شب زندہ دار بھی ہیں۔

امام حماد کے فرزند کہتے ہیں کہ ایک بار میرے والد محترم سفر میں تشریف لے گئے واپسی پر میں نے دریافت کیا کہ اس دوران میں زیادہ کون یاد آیا؟ میرا خیال تھا کہ وہ یہی فرمائیں گے کہ تو! لیکن انہوں نے امام ابو حنیفہ کا نام لیا اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ قدرت ہوتی کہ میں ابو حنیفہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی نظر جدا نہ کروں تو نہ کرتا۔88

11- ابو اسحاق السبیعی سے تلمذ:۔ ان کا نام عمرو بن عبداللہ اور کنیت ابو اسحاق ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرہ میں ان کو علم حدیث میں امام اعظم کا استاد لکھا ہے یہ خود علم حدیث میں صحابہ کرام یعنی زید بن ارقم، عبداللہ بن عمرو، عدی بن حاتم طائی اور براء بن عازب کے شاگرد ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ:

حدث عن ثلاثمائه شیخ۔[89]

ترجمہ:۔ ان کے تین سو استاد ہیں۔

ان میں اڑتیس صحابہ کرام ہیں۔ امام ابو داؤد طیالسی کہتے ہیں کہ حدیث ہمیں چار شخصوں سے ملی ہے۔ زہری' قتادہ' ابو اسحاق السبیعی اور امام اعمش۔ پھر سب کے بارے میں ایک ایک فن کی امامت کا ذکر کرتے ہوئے ابو اسحاق کے متعلق دعوی کیا ہے کہ

اعلمهم بحديث علی و ابن مسعود۔۔[90]

انہوں نے قرآن حکیم امام ابو عبدالرحمن السلمی سے پڑھا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام اعمش فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ ان کو دیکھتے تو پکار اٹھتے۔

هذا عمرو القاری۔[91]

ابو عبدالرحمن السلمی حضرت عبداللہ بن مسعود کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں

ابو عبدالرحمن السلمی اور ان کے علاوہ کوفہ کے دوسرے علماء جیسے علقمہ' اسود' حارث اور زربن حبیش اسدی نے قرآن عبداللہ بن مسعود سے حاصل کیا ہے۔[92]

صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ یہ لوگ مدینے جا کر حضرت عمر' حضرت عائشہ ؓ سے بھی استفادہ کرتے تھے۔

ابو اسحاق السبیعی کی وفات سنہ 137ھ میں ہوئی ہے۔ امام شعبی فرماتے ہیں کہ امام ابو اسحاق السبیعی مجھ سے سال یا دو سال بڑے ہیں ان سے امام اعظم نے بہت احادیث روایت کی ہیں۔ چنانچہ کتاب الآثار میں قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں۔

ابو يوسف عن ابی حنيفه عن ابی اسحاق السبيعی عن شريح انه قال اذا مضت اربعه اشهر بانت بالايلاء

ترجمہ:۔ شریح کہتے ہیں کہ چار ماہ گزرنے پر عورت ایلاء سے بائنہ ہو جائے گی۔[93]

حافظ ابو محمد حارثی اپنے مسند میں فرماتے ہیں۔

ابو حنیفہ عن ابی اسحاق السبیعی عن الاسود عن عائشہ قالت لم یکن بین الاذان بلال و ابن ام مکتوم الا قدر ما ینزل ھذا و یصعد ھذا۔

ترجمہ :- بلال اور ام مکتوم کی اذانوں میں صرف دونوں موذنوں کے اترنے اور چڑھنے کا فرق ہوتا تھا۔94

حافظ موسیٰ بن زکریا نے اپنے مسند میں بھی بحوالہ ابو اسحاق السبیعی بہت روایات لکھی ہیں۔

ابو حنیفہ عن ابی اسحاق السبیعی عن البراء ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعلمنا التشھد کما یعلم السورۃ من القرآن

ترجمہ :- حضور انور ﷺ ہمیں تشہد ایسے ہی سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت۔95

12- الامام الحافظ شیبان سے امام اعظم کا تلمذ:- حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔ الامام' الحافظ' الحجہ' اصل میں بصرہ کے رہنے والے ہیں مگر کوفہ میں اقامت فرمائی تھی۔ حکم بن عتیبہ' زیاد بن علاقہ' منصور بن المعتمر' عبدالملک بن عمیر' سماک بن حرب' سلیمان بن مہران اور حسن بصری سے حدیث کی تعلیم پائی۔ سید الحفاظ یحیٰی بن معین سے ان کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا کہ ہر پہلو سے ثقہ ہیں۔ تمام ائمہ نقد و جرح ان کی ثقاہت و صداقت پر متفق ہیں۔ حافظ عسقلانی نے جن ائمہ فن سے ان کی ثقاہت و صداقت نقل کی ہے۔ ان میں ابو القاسم البغوی' یعقوب بن شیبہ' ابو حاتم' العجلی' النسائی اور یحیٰی بن سعید خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ زائدہ بن قدامہ' ابو داوٗد طیالسی' الحسن بن موسیٰ' عبدالرحمن بن مہدی علم حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں آپ کے شاگردوں کی فہرست میں امام اعظم کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ذہبی نے امام صاحب کی شاگردی کا ان لفظوں میں تذکرہ کیا ہے۔

حدث الامام ابو حنیفہ عنہ96

حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ عبدالرحمن بن مہدی کو ان کے سامنے زانوئے ادب طے کرنے پر بڑا ہی ناز تھا منجملہ اور شاگردوں کے مشہور امام المسند علی بن الجعد جوہری بھی ان کے شاگرد ہیں۔ امام بخاری' امام مسلم' امام ابو داوٗد اور امام ترمذی نے اپنی کتابوں میں ان سے کافی روایات لی ہیں اور امام اعظم کے مسانید میں بھی ان کے حوالہ سے احادیث آئی ہیں۔

ابو حنیفہ عن شیبان عن یحیی عن المہاجر عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال
نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم الصمت و الوصال

ترجمہ :- حضور انور ﷺ نے چپ رہنے اور ہمیشہ روزے سے منع فرمایا ہے۔[97]

یہی روایت بحوالہ عکرمہ الحافظ الحارثی بخاری نے بھی اپنی مسند میں بیان کی ہے۔

13- **الحکم بن عتیبہ سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تلمذ:-** حافظ ذہبی نے ان کو شیخ کوفہ لکھا ہے۔ قاضی شریح' ابو وائل' ابراہیم نخعی' عبدالرحمن بن ابی لیلی اور سعید بن جبیر سے علم حدیث پڑھا ہے۔ خلاصہ میں ان کو احدالاعلام بتایا ہے۔ امام اوزاعی' امام مسعر بن کدام' حمزہ الزیات' امام شعبہ اور ابو عوانہ نے خلاصہ میں امام اعظم کو ان کا شاگرد قرار دیا ہے۔ ان کے بارے میں سفیان بن عیینہ کا تاثر یہ تھا کہ حکم اور حماد جیسا کوئی نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ حدیث نے اپنی کتابوں میں ان کی سند سے حدیثیں لی ہیں۔ امام اعظم نے بھی ان کے حوالہ سے ایک سے زیادہ روایات لی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعی سے احادیث میں حکم زیادہ پائیدار کوئی نہیں ہے۔ امام ابو یوسف نے کتاب الآثار میں بحوالہ حکم یہ روایت درج کی ہے۔

عن ابی حنیفہ عن الحکم عن القاسم بن مخیمرہ عن شریح انہ قال سالت عائشہ عن المسح فقال سل علیاً فانہ کان یسافر مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسالت علیاً فقال امسح

ترجمہ :- شریح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھا فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھو وہ حضور انور ﷺ کے رفیق ہوتے تھے۔ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا فرمایا مسح کر لو۔[98]

الامام الحافظ ابو محمد حارثی اپنے مسند میں ایک سے زیادہ حدیثیں لائے ہیں:

ابو حنیفہ عن الحکم بن عتیبہ عن القاسم عن شریح عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب

ترجمہ :- حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہیں جو قرابت سے حرام ہیں۔[99]

تذکرہ الحفاظ کا مقام:۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں ہے اور دائرہ المعارف حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ صحابہ سے لے کر امام ذہبی کے زمانے تک کے حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

هذه تذكره باسماء معدلى حملة العلم النبوى و من يرجع الى اجتهادهم فى التوثيق والتضعيف والتصحيح و التزييف

ترجمہ:۔ یہ ان حاملان علم نبوی کا تذکرہ ہے جن کی بارگاہ علم سے راویان حدیث کو ثقاہت اور عدالت کا سرٹیفکیٹ ملتا ہے اور جن کی رائے راویوں کے ثقہ ہونے، ضعیف ہونے، کھرا ہونے اور کھوٹا ہونے میں فیصلہ کن ہے۔

حافظ صاحب نے اس کتاب میں یہ اصول پیش نظر رکھا ہے اور اس کتاب میں کسی ایسے شخص کا تذکرہ نہیں کیا جس میں ان کی بیان فرمودہ حیثیت موجود نہ ہو بلکہ کم از کم درجے میں کسی ایسے شخص کا بھی ترجمہ نہیں لکھا جو عالم فقیہ ہونے کے باوجود حافظ نہیں ہے۔ چنانچہ خارجہ بن زید اگرچہ فقہاء سبعہ میں ہیں مگر ان کے متعلق صاف لکھ دیا۔

انه قليل الحديث فلهذا لم اذكره فى الحفاظ۔[۵۰]

ترجمہ:۔ یہ قلیل الحدیث ہیں اسی لئے میں نے ان کا حفاظ میں تذکرہ نہیں کیا۔

اسی طرح امام ذہبی نے اس کتاب میں ان لوگوں کا بھی تذکرہ نہیں کیا جو اگرچہ حافظ حدیث تھے مگر ارباب حدیث کی بارگاہ میں متروک الروایۃ خیال کیے جاتے تھے چنانچہ ہشام بن محمد کلبی کے بارے میں جو بہت بڑے محدث اور حافظ تھے لکھتے ہیں:

هشام بن محمد الكلبى الحافظ احد المتروكين ليس بثقه فلهذا لم ادخله بين حفاظ الحديث۔[۵۱]

ترجمہ:۔ یہ متروک ہیں، ثقہ نہیں ہیں اسی لیے میں نے ان کو حدیث حفاظ میں داخل نہیں کیا۔

ان تصریحات سے آپ کے سامنے نتائج خود بخود آ جائیں گے۔

الف:۔ امام اعظم کے تمام اساتذہ ان ائمہ حدیث میں سے ہیں جن کی حیثیت صرف محدث کی نہیں بلکہ ان معدلین کی ہے جن کی گراں قدر رائے راویان حدیث کی توثیق و تضعیف میں محدثین کے یہاں میزان و معیار ہے۔

ب:۔ یہ قلیل الحدیث نہیں بلکہ کثیر الحدیث ہیں۔ اگر یہ قلیل الحدیث ہوتے تو پھر امام ذہبی ان کا ذکر نہ

کرتے۔

ج:۔ یہ وہ حفاظ ہیں جن کا مقام علم حدیث میں اعتباری اور استدلالی ہے اگر وہ متروک ہوتے تو ہشام کی طرح تذکرہ الحفاظ ان کے تراجم سے خالی ہوتا۔ اور اگر ایک طرف ان تصریحات سے امام اعظم کے اساتذہ کے متعلق یہ ثابت ہو رہا ہے' تو دوسری طرف خود امام اعظم ؒ کے بارے میں بھی یہ حقائق بے نقاب ہو کر سامنے آ گئے۔

تذکرہ الحفاظ میں امام اعظم کے مشائخ:۔ آیئے اب امام اعظم کے مشائخ میں ان اکابر پر ایک نظر ڈال لیجئے جن کو حافظ ذہبی نے حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔[102]

-1	ایوب بن ابی تیمیہ ابو بکر السختیانی	طبقہ رابعہ	سنہ 131ھ
-2	الحکم بن عتیبہ ابو محمد الکوفی	"	سنہ 115ھ
-3	ربیعہ بن عبدالرحمن	"	سنہ 136ھ
-4	زید بن ابی انیسہ	"	سنہ 125ھ
-5	سالم بن عبداللہ	طبقہ ثالثہ	سنہ 106ھ
-6	شیبان بن عبدالرحمن ابو معاویہ	طبقہ خامسہ	سنہ 164ھ
-7	طاؤس بن کیسان ابو عبدالرحمن الیمانی	طبقہ ثالثہ	سنہ 106ھ
-8	عامر الشعبی ابو عمرا الہمدانی	"	سنہ 110ھ
-9	عبداللہ بن دینار ابو عبدالرحمن	طبقہ اربعہ	سنہ 127ھ
-10	عبدالرحمن بن ہرمز	طبقہ ثالثہ	سنہ 117ھ
-11	عبدالملک بن عمیر	"	سنہ 136ھ
-12	عطاء بن ابی رباح	"	سنہ 114ھ
-13	عطاء بن یسار	"	سنہ 113ھ
-14	عکرمہ مولی ابن عباس	"	سنہ 107ھ
-15	عمرو بن دینار الحافظ ابو محمد	طبقہ رابعہ	سنہ 126ھ
-16	عمرو بن عبداللہ ابو اسحاق	"	سنہ 127ھ

-17	القاسم بن معن بن عبدالرحمن	طبقہ خامسہ سنہ 175ھ
-18	قتادہ بن دعامہ	" سنہ 117ھ
-19	مبارک بن فضالہ القرشی	" سنہ 124ھ
-20	محمد بن المنکدر ابو عبداللہ القرشی	" سنہ 130ھ
-21	مسلم بن تدرس ابو الزبیر المکی	طبقہ رابعہ سنہ 128ھ
-22	محمد بن مسلم بن شہاب الزہری	" سنہ 124ھ
-23	منصور بن المعتمر ابو عتاب الکوفی	" سنہ 132ھ
-24	نافع مولیٰ بن عمر ابو عبداللہ	طبقہ ثالثہ سنہ 117ھ
-25	ہشام بن عروہ القرشی	طبقہ رابعہ سنہ 146ھ
-26	یحیٰ بن سعید الانصاری	" سنہ 143ھ

-14 امام صاحب کے دیگر اساتذہ:۔ فقہ میں اگرچہ آپ امام حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں لیکن آپ نے دوسروں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مثلاً امام جعفر صادق ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وما رایت افقه من جعفر بن محمد الصادق[103]

ترجمہ:۔ میں نے امام جعفر صادق سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔

امام جعفر الصادق اہل بیت اور خاندان رسالت سے ہیں اپنے زمانہ میں ہر اعتبار سے امام فن اور صاحب کمال سمجھے جاتے تھے' صحاح ستہ میں متعدد روایات ان سے منقول ہیں۔

فقہ کے کمال کو پہنچنے اور درجہ اجتہاد حاصل کرنے کے لئے لازمی ہے کہ کتاب اللہ پر نظر عمیق کے ساتھ احادیث نبویہ کے تمام ذخیرہ پر نظر ہو اور کم از کم حافظ حدیث ہو' لہذا جو ہر کس و ناکس کے لئے اجتہاد کے دروازے کو ہر دم کھلا رکھتے ہیں اور اجتہاد کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں میرے نزدیک ان کی بات کا دعوی بلا دلیل ہے یقیناً" ایسی حرکت فکر رات میں لکڑیاں چننا" کا مصداق ہوتی ہیں۔

امام صاحب کے تمام مجتہدات چونکہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں اس لئے ایسے شخص کو صرف سترہ حدیثوں کا حافظ قرار دینا ایک طفلانہ قول ہے۔ حق یہ ہے کہ امام صاحب حفاظ کے طبقے میں شمار ہوتے ہیں' اس کے بارے میں

ائمہ فن کی بے شمار شہادتیں ہیں اور آپ کے مایہ ناز اساتذہ ائمہ حدیث کی ایک طویل فہرست موجود ہے لہذا کیسے باور کر لیا جائے کہ اتنے اساتذہ کے ہوتے ہوئے بھی آپ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔

علامہ شامی نے شرح درمختار میں بیان فرمایا ہے کہ امام صاحب کے چار ہزار اساتذہ تھے ایک دفعہ حنفیہ اور شافعیہ میں مناظرہ ہوا کہ امام شافعی افضل ہیں یا امام ابو حنیفہ؟ جب اساتذہ کا شمار کیا گیا تو امام شافعی کے 80 اساتذہ شمار میں آئے اور امام صاحب کے چار ہزار۔[104]

-1 حضرت ابراہیم بن محمد -2 حضرت ابراہیم بن زید

-3 " اسماعیل بن حماد -4 " اسماعیل بن ابی خالد

-5 " اسماعیل بن عبدالملک -6 " ایوب سختیانی

-7 " بیان بن بشر -8 " جبلہ بن سحیم

-9 " الحارث بن عبدالرحمن -10 " الحسن بن الزراد

-11 " الحسن بن عبیداللہ -12 " الحسن البصری

-13 " الحکم بن عتیبہ -14 " حماد بن ابی سلیمان

-15 " حمید الاعرج -16 " خالد بن علقمہ

-17 " ذر بن عبداللہ -18 " ربیعہ بن عبدالرحمن

-19 " زبید -20 " زیاد بن علاقہ

-21 " سالم بن عبداللہ -22 " سعید بن مسروق

-23 " سلمہ بن کہیل -24 " سلمہ بن نبیط

-25 " سلیمان بن عبدالرحمن -26 " سلمان بن یسار

-27 " سماک بن حرب -28 " شداد بن عبدالرحمن

-29 " شیبان بن عبدالرحمن -30 " طاؤس بن کیسان

-31 " طریف بن شہاب -32 " طلحہ بن نافع الواسطی

-33 " عاصم بن سلیمان -34 " عاصم بن کلیب

-35 • عامر بن شراجیل الشعبی 36- • عامر بن ابی موسی

-37 • عبداللہ بن الاقمر 38- • عبداللہ بن حبیب

-39 • عبداللہ بن دینار 40- • عبدالرحمن بن حزم

-41 • عبدالرحمن بن ہرمز 42- • عبدالعزیز بن رفیع

-43 • عبدالکریم بن ابی المخارق 44- • عبدالمالک بن عمیر

-45 • عثمان بن عاصم 46- • عدی بن ثابت

-47 • عطاء بن ابی رباح 48- • عطاء بن السائب

-49 • عطاء بن الیسار الہلالی 50- • عطیہ بن سعد

-51 • عکرمہ بن عبداللہ 52- • علقمہ بن مرثد

-53 • علی بن الاقمر 54- • علی بن الحسن الزراد

-55 • عمرو بن دینار 56- • عمرو بن عبداللہ الہمدانی

-57 • عون بن عبداللہ 58- • قاسم بن عبدالرحمن

-59 • قاسم بن محمد 60- • قاسم بن معن

-61 • قتادہ بن دعامہ 62- • قیس بن مسلم

-63 • محارب بن دثار 64- • محمد بن الزبیر حنظلی

-65 • محمد بن السائب 66- • محمد بن السائب

-67 • محمد بن علی بن الحسین 68- • محمد بن میس الهمدانی

-69 • محمد بن مسلم بن تدرس 70- • محمد بن مسلم بن عبیداللہ

-71 • محمد بن منصور 72- • محمد بن المنکدر

-73 • مکحول بن راشد 74- • مسلم بن سالم

-75 • مسلم بن عمران 76- • مسلم بن کیسان

-77 • معن بن عبدالرحمن 78- • مقسم بن بجرہ ۔

79- * مکحول 80- * مکی بن ابراہیم
81- * منصور بن المعمر 82- * منہال بن خلیفہ
83- * موسیٰ بن ابی عائشہ 84- * ناصح بن عبداللہ
85- * نافع 86- * وقدان
87- * ہیثم بن حبیب 88- * یحییٰ بن ابی حبہ
89- * یحییٰ بن سعید بن قیس 90- * یحییٰ بن عبداللہ
91- * یحییٰ بن عبداللہ الکندری 92- * یزید بن صہیب
93- * یزید بن عبدالرحمن 94- * یزید بن اللوی
95- * یونس بن عبداللہ 96- * ابو اسحاق السبوعی
97- * ابو بردہ 98- * ابو بکر بن ابی الجہم
99- * ابو حصین 100- * ابو الزبیر
101- * ابو سفیان السعدی 102- * ابو سفیان
103- * ابو السوار 104- * ابو عسال
105- * ابو عمر 106- * ابن شہاب
107- * ابو عون 108- * ابو فروہ
109- * ابو کثیر 110- * ابو المالک
111- * ابو الہیثم 112- * ابو یعفور

کوفہ کی مرکزی حیثیت:۔ کوفہ کی علمی حیثیت کیا ہے؟ اس پر تفصیلی بحث تو امام اعظم کے اساتذہ حدیث کے سلسلہ میں آئے گی مگر اتنی بات ضرور یاد رکھنی چاہیے۔ کہ وادی دجلہ اور فرات کا جنوبی حصہ جسے علماء جغرافیہ عراق کہتے ہیں ایک خوشگوار' سرسبز و شاداب علاقہ اور تین ہزار سالہ مدنیت و تہذیب کا علمی گہوارہ ہے بابلیوں آشوریوں' کلدانیوں' فارسیوں اور یونانیوں کی جولا نگاہ رہا ہے۔ زمانہ خلافت فاروقی میں اس پر پرچم اسلام لہرایا تو مسلمانوں نے اپنے عہد تمدن میں دو نئے شہر بسائے' کچھ تو اس لئے کہ مدائن دارالخلافہ کی آب و ہوا ان کو راست نہ آئی[۲۰] اور کچھ

اس لئے کہ ممالک محروسہ کا تعلق مدینہ طیبہ سے انتظامی طور پر حمل و نقل کے وسائل نہ ہونے کی وجہ سے مشکل رہتا۔ حضرت فاروق اعظم نے شہربسانے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل فرمائی اس کمیٹی کے حسب ذیل ارکان تھے۔ حضرت سعد بن وقاص اللیثی ؓ، حضرت سلمان فارسی ؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ، ان حضرات نے شعبہ قبضے دریائے فرات کا کنارہ تجویز کیا۔ رپورٹ مرکزی حکومت کو پیش ہونے پر شہربسانے کی اجازت ملی۔ منظوری ہو جانے پر محرم الحرام سنہ 17ھ جنوری سنہ 638ء کو حضرت سعد بن وقاص ؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں مدائن چھوڑ کر کوفہ آئے اور آپ کے ساتھ چالیس ہزار نفوس کوفہ میں آباد ہوئے۔

عددھم اربعون الفا

ترجمہ:۔ ان کی تعداد چالیس ہزار ہے۔[106]

اولین رہائش کے لئے خیمے اور چھپر اختیار کئے گئے۔ لیکن خیموں اور چھپروں کے یہ گھروندے آئے دن آگ کی تباہ کاریوں کا شکار رہتے تھے اس لئے کچھ عرصہ بعد حضرت فاروق اعظم ؓ نے پختہ عمارات کی اجازت دے دی۔ اجازت ملنے پر عراقی تمدن کے مطابق حضرت ابو الہیاج الاسدی کو پورے شہر کا سروے کرنے پر مقرر کیا گیا۔ آپ نے بڑی محنت سے شاہراہوں، کوچوں، گورنمنٹ ہاؤس اور جامع مسجد کے لئے پلاٹ مقرر کئے۔ نقشہ اس طرح ترتیب دیا کہ شہر کے مرکزی مقام پر جامع مسجد ہو، جامع مسجد سے چاروں طرف چوڑی چوڑی سڑکیں ہوں۔ حافظ ابن کثیر نے سڑکوں کی چوڑائی چالیس ہاتھ یعنی ساٹھ فٹ اور گلیوں کی گیارہ فٹ لکھی ہے[107] اور جامع مسجد کے بڑے دروازے کے سامنے کافی فاصلہ پر گورنمنٹ ہاؤس بنایا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایسی عظیم الشان ترقی کی کہ مدائن کے خزانے، بابل و بصرہ کا تمدن اور عربی تہذیب یہاں امنڈ کر آگئی حتیٰ کہ لفظ عراق کا مفہوم ہی کوفہ بن گیا[108] اور صرف یہی نہیں بلکہ الطبری نے لکھا ہے کہ کوفہ کے تمدن جدید اور تمول کی داستانیں سن کر تمام عرب میں یہاں آبادکاری کے لئے ایک ولولہ پیدا ہوا۔ حضرت عتبہ نے انس بن حجبہ کو حضرت فاروق اعظم ؓ کے پاس روانہ کیا۔ حضرت فاروق نے ان سے پوچھا کہ کوفہ میں مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ اس کا جواب جو انہوں نے دیا وہ سننے کے لائق ہے فرمایا کہ

انثالت علیہم الدنیا رفھم یھیلون الذہب و الفضہ

ترجمہ:۔ ان پر دنیا بہ پڑی اس لئے وہ سونا اور چاندی بہا رہے ہیں۔[109]

یہ تو آپ سن چکے ہیں کہ کوفہ میں آبادکاری کے وقت حضرت سعد بن ابی وقاص کے ساتھ چالیس ہزار حضرات

تھے۔ ان میں صحابہ کس قدر تھے' تصریح تو نہیں ملتی ہے مگر حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں مدائن چھوڑنے کے اسباب بتاتے ہوئے جو یہ فقرہ لکھ دیا ہے کہ

ان الصحابہ استوخموا المدائن

ترجمہ:- صحابہ کو مدائن کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔

تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری تعداد ہی صحابہ کرام پر مشتمل تھی لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اس پوری تعداد نے کوفہ کو وطن بنالیا ہو۔ اگرچہ کوفہ کے تمدن اور تمول کو دیکھ کر زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ صحابہ کا یہ جم غفیر اسی جگہ آباد ہوا ہو۔ لیکن اس کا بھی احتمال ہے کہ ان میں سے کچھ حضرات واپس ہو گئے ہوں مگر حافظ سخاوی کے بیان سے پہلے احتمال کی تائید ہوتی ہے وہ حافظ ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ' حضرت علی بن ابی طالب جیسے حضرات نیز صحابہ کرام کی ایک خلقت یہاں اتری۔[10]

اس موضوع پر ان بزرگوں نے یہ اپنے علم کی حد بتایا ہے اور اسی لئے خیالات مختلف ہیں۔ چنانچہ امام حاکم نے اپنی مشہور کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں ان مشاہیر کے نام لکھے ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ طیبہ سے دوسرے اسلامی شہروں میں منتقل ہو گئے۔ اس سلسلے میں انہوں نے سب سے پہلے کوفہ سے ابتدا کی ہے اور سب سے زیادہ اسی جگہ آنے والوں کی تعداد بتائی ہے۔ حافظ ابو بشر دولابی نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص اور پچاس وہ بزرگ کہ جو غزوہ بدر میں آپ کے ہمرکاب تھے کوفہ میں فروکش ہوئے۔[11]

امام ابو الحسن احمد بن عبداللہ نے اپنی تاریخ میں اس سے زیادہ تعداد بتائی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ آ کر آباد ہوئے۔[12]

حافظ ذہبی' حافظ ابن کثیر' حافظ ابو بشر دولابی اور امام ابو الحسن عجلی کے بیانات میں کوئی تضاد نہیں ہے' صحابہ کی تعداد تو زیادہ ہی ہے مگر تعیین عدد ہے ہر شخص نے اپنے علم کے مطابق کی ہے۔ خود صحابہ کی تعداد کے بارے میں علماء کی ایسا ہی اختلاف ہے۔ حافظ ابو زرعہ نے ایک لاکھ چودہ ہزار بتائی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے حجۃ الوداع میں شریک ہونے والے صحابہ کی تعداد 90 ہزار لکھی ہے۔ حافظ ابن حزم نے ایک لاکھ بتیس ہزار لکھی ہے اور شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں جو تعداد بتائی ہے وہ بھی سن لیجئے۔

ثم خرج الی الحج و حضر معه نحو من مائة الف و اربعة و عشرین الفا۔(113)
اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہر شخص نے اپنے علم کے مطابق تعدد لکھی ہے۔ صحابہ کی اس کثرت کے ساتھ احمد امین نے کوفہ کا علمی نسب نامہ جو لکھ دیا ہے وہ ان کی زبانی سن لیجئے۔

کوفہ میں بے حد و حساب صحابہ کرام کا ورود ہوا۔ علم میں ان میں زیادہ مشہور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔ حضرت علی کو علمی نشر و اشاعت کے لئے سیاسی جھمیلوں کی وجہ سے وہ فراغت نہیں ہوئی جو حضرت عبداللہ بن مسعود کو نصیب ہوئی ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود کی شخصیت صحابہ میں سب سے بڑی علمی اور اثری شخصیت تھی۔' مسلمان ہونے میں ان کا چھٹا نمبر تھا۔ مہاجرین حبشہ کے ساتھ حبشہ بھی ہجرت کی اور بعد ازیں مدینہ المنورہ حضور انور ﷺ کے خادم تھے۔ آپ کو حضور ﷺ کے گھر میں جانے کی اجازت تھی۔ قرآن خوانی اور قرآن دانی سے بے حد شغف تھا۔ اسلامی تعلیم' تفسیر قرآن میں امتیازی مقام کی وجہ سے آپ کا کبار علماء صحابہ میں شمار تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کے شہریوں کا معلم بنا کر بھیجا تھا۔ اہل کوفہ نے ان سے علم حاصل کیا اور ان کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا۔

اور صرف علم ہی نہیں بلکہ اخلاق و آداب بھی ان سے ہی لئے۔ ان کے شاگردوں کے بارے میں سعید بن جبیر کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ ہی اس شہر کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ لوگوں کو قرآن بھی پڑھاتے' تفسیر بھی سکھاتے اور حضور انور ﷺ کی احادیث بھی بیان کرتے اور پیش پا افتادہ حالات میں فتاویٰ بھی کتاب و سنت سے یا پھر اپنے اجتہاد سے دیتے۔ آپ کے مدرسہ کے چھ شاگرد مشہور ہیں۔ علقمہ' اسود' مسروق' عبیدہ' حارث اور عمرو بن شرجیل۔ یہ حضرات کوفہ میں تعلیم و افتاء میں حضرت عبداللہ کے جانشین ہیں لیکن سب علماء کوفہ کا علمی مرکز صرف حضرت عبداللہ ہی کی شخصیت نہ تھی بلکہ ان میں سے بہتوں نے مدینہ جا کر حضرت فاروق اعظم' حضرت علی مرتضیٰ' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت معاذ بن جبل اور دوسرے صحابہ سے علمی استفادہ کیا ہے اس کے نتیجے میں کوفہ کو ایک علمی گھرانہ کی حیثیت بھی حاصل ہو گئی۔ کوفہ کے علماء میں شریح' شعبی' نخعی اور سعید بن جبیر بہت مشہور ہیں۔ اس بستی میں علمی ترقی

ہوتی رہی تا آنکہ علم کا یہی تاج امام اعظم کے سر رکھا گیا۔[114]

فی الواقع صحابہ کی اس کثرت کے باوجود علماء کوفہ نے صرف حضرت عبداللہ ہی پر علمی استفادہ میں قناعت نہیں کی بلکہ ان سے شوق طلب کا عالم یہ تھا کہ وہ اس کی خاطر مدینہ کا سفر کرتے تھے حافظ ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں۔

ابو عبدالرحمن السلمی اور دیگر علماءِ کوفہ جیسے علقمہ' اسود' حارث' زر بن حبیش کہ جن کے پاس عاصم بن ابی النجود نے قرآن پاک کی قرأت ہے۔ ان سب لوگوں نے حضرت ابن مسعود سے سیکھا۔ نیز یہی حضرات مدینہ جاتے اور حضرت عمرؓ حضرت عائشہ ؓ سے علم حاصل کرتے تھے اور کوفہ کے قاضی شریح نے فقہ کی تعلیم یمن میں حضرت معاذ بن جبل سے لی تھی۔[115]

اور پھر چند اوراق کے بعد لکھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ حضرت عمرؓ علی اور ابوالدرداء سے علم حاصل کرتے تھے۔

اس پر تفصیلی تبصرہ آئندہ اوراق میں آ رہا ہے یہاں مجھے صرف یہ دکھانا ہے کہ امام اعظم کی یہ بستی علمی بستی ہے۔ خلاصہ کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ فن قرات و تجوید کے اگر سات امام ہیں جن کو قراء سبعہ کہتے ہیں تو ان میں سے تین عاصم' حمزہ اور کسائی کوفی ہیں۔ علم التفسیر میں خود عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں کو اعلم الناس بالتفسیر بتایا ہے[116]۔ حضرت سعید بن جبیر جن کو حضرت قتادہ تفسیر کا سب سے بڑا عالم مانتے ہیں وہ کوفہ ہی کے رہنے والے ہیں۔ عربیت اور نحو کی تدوین بھی کوفہ اور بصرہ ان دو شہروں میں ہوئی ہے۔ چنانچہ لغت اور نحو کی کتابوں میں ان دو شہروں کے سوا کسی اور شہر کے علماء کا اختلاف ذکر نہیں کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے کیسی اچھی بات لکھی ہے۔

کہ علم نحو نے کوفہ و بصرہ کے ان دو شہروں میں نشو و نما پائی ہے۔ جو پہلی صدی ہجری میں اسلامی ثقافت کا سب سے اہم مرکز تھے جہاں علم کلام اور علم فقہ کی اساس رکھی گئی ہے اور جہاں ادب اور فنون کے مدرسے قائم ہوئے۔[117]

الغرض امام اعظم نے جس بستی میں آنکھ کھولی اور جس میں بچپن اور لڑکپن گزارا ہے وہ صرف تمدن و تمول ہی کا گہوارہ نہیں بلکہ علوم و فنون کی نگری ہے۔

مدینہ کی طرح کوفہ میں بھی فقہ کا دائرہ علمیہ زمانہ صحابہ ہی سے کام کر رہا تھا۔ عہد مرتضٰی سے لے کر بغداد کی تعمیر تک وسعت اور کثرت فقہ و حدیث میں تمام بلاد اسلامیہ میں کوفہ ممتاز تھا۔ علامہ نووی نے اسے دار الفضل و الفضلاء مجد الدین فیروز آبادی نے قبۃ الاسلام لکھا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

> اہل کوفہ نے حضرت علی کے آنے سے پہلے سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر اور ابو موسی اشعری سے علم حاصل کیا تھا۔ نیز کوفہ والوں نے قرآن کا عبداللہ بن مسعود سے استفادہ کیا ہے۔ یہ لوگ مدینہ جا کر حضرت عائشہ اور حضرت عمر سے بھی علم حاصل کرتے تھے۔[18]

کوفہ کا یہ دائرہ علمیہ صحابہ کے بعد جن حضرات پر مشتمل تھا حافظ ابن القیم اور حافظ ابن حزم نے ان کے نام لکھے ہیں، جو یہ ہیں

> علقمہ بن قیس النخعی، اسود بن یزید النخعی، عمرو بن شراحیل الھمدانی، مسروق بن الاجدع الھمدانی، عبیدہ السلمانی، شریح بن الحارث القاضی، سلیمان بن ربیعہ الباہلی، زید بن صوحان، سوید بن غفلہ، الحارث بن قیس الجعفی، عبدالرحمن بن یزید النخعی، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود القاضی، خیثمہ بن عبدالرحمن سلمہ بن صہیب، مالک بن عامر، عبداللہ بن سنجرہ زر بن حبیش، خلاس بن عمرو، عمرو بن میمون الاودی، ہمام بن الحارث، الحارث بن سوید، یزید بن معاویہ النخعی، الربیع بن خثیم، عتبہ بن فرقد، صعہ بن زفر، شریک بن حنبل، ابو وائل شقیق بن سلمہ، عبید بن نضلہ۔

یہ نام لکھنے کے بعد حافظ ابن حزم اور حافظ ابن القیم نے ان سب کے بارے میں لکھا ہے کہ

هولاء اصحاب علی و ابن مسعود

اور ان میں اکثر کے بارے میں یہ بھی دعوی کیا ہے کہ:

أكثرهم اخذ عن عمر و عائشه و علی

ان کے بعد کوفہ ہی کے فقہاء میں ابراہیم نخعی، امام شعبی، سعید بن جبیر، القاسم بن عبدالرحمن، ابوبکر بن ابی موسی، محارب بن دثار، حکم بن عتبہ اور جبلہ بن سحیم کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ کوفہ میں فقہ و افتاء میں ان کی جانشینی کا

شریف، حماد بن ابی سلیمان، سلیمان بن المعتمر، سلیمان بن الاعمش، مسعر بن کدام
کو حاصل ہے اور پھر حماد و سلیمان کی وراثت علمی اس شیخ میں ابن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن شبرمہ، سعید بن اشوع، قاضی شریک، القاسم بن معن، سفیان ثوری اور ابو حنیفہ اور الحسن بن صالح کو ملی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے بعد ان کے اور سفیان ثوری کے جانشین یہ ہیں۔

حفص بن غیاث، وکیع بن الجراح، قاضی ابو یوسف، زفر بن الہذیل، حماد بن ابی حنیفہ، الحسن بن زیاد، محمد بن الحسن عافیہ، اسد بن عمرو، نوح بن دراج او امام ثوری کے ساتھی اشجعی معافی بن عمران، یحییٰ بن آدم[119]

یہ گویا کوفہ میں علماء کوفہ کا وہ فقہی نسب نامہ ہے جو حافظ ابن حزم اور حافظ ابن القیم نے درج کیا ہے۔ شاید اسی نسبی جلالت قدر کی وجہ سے امام اعظم نے عباسی حکومت کے سربراہ ابو جعفر منصور کے اس پوچھنے پر کہ اے ابو حنیفہ تم نے کن لوگوں سے علم حاصل کیا ہے؟ امام اعظم نے سربراہ مملکت کو جواب دیا تھا کہ میرا علمی نسب نامہ یہ ہے کہ بحوالہ حماد از ابراہیم میں فاروق اعظم، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس کے علمی چشموں سے سیراب ہوا ہوں۔ امام اعظم کا یہ جواب سن کر ابو جعفر نے کیا کہا۔ یہی سنانا چاہتا ہوں۔ بولا واہ واہ تم نے ابو حنیفہ اپنا علمی رشتہ الطیبین، الطاہرین اور المبارکین صلوات اللہ علیہم اجمعین سے مضبوط قائم کیا ہوا ہے[120]

اس کے بعد حافظ ابن حزم اور حافظ ابن القیم نے دوسرے شہروں کے مدارس فقہ کا بھی تذکرہ کیا ہے لیکن ہم نے مدینہ اور کوفہ کو خصوصیت سے اس لئے ذکر کیا ہے کہ ان دونوں شہروں کو اس میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں بسند متصل امام ابن وہب کی زبانی یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار امام مالک سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا آپ نے اس کا جواب دیا اس پر پوچھنے والے کی زبان سے نکل گیا کہ شام والے تو آپ سے اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ

متى كان هذا الشان بالشام؟ انما هذا الشان وقف على اہل المدينة و الكوفة[121]

ترجمہ:- یہ شان شام والوں کی کب سے ہوئی؟ یہ شان تو صرف مدینہ اور کوفہ والوں کی ہے۔

ان دونوں شہروں کے فقہاء سبعہ مدینہ اور فقہاء کوفہ اصحاب ابن مسعود کے دور کا کوئی قلمی سرمایہ ہماری معلومات میں نہیں ہے اور بروکلمان کی یہ بات درست ہے:

کہ ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ جس کی مدد سے ہم اس دور میں فقہ کی کتابی خدمت کا پتہ لگا سکیں۔[122]
لیکن موصوف نے ابن سعد کے حوالے سے یہ انکشاف کیا ہے کہ:

فقہاء سبعہ میں سے عروہ نے فقہ و تشریع کے موضوع پر قلمی کام کیا ہے۔[123]

عروہ کے صاحبزادے ہشام کا بیان ہے کہ:

میرے والد کی حرہ والے دن فقہ کی کتابیں نذر آتش ہو گئیں۔ ہشام افسوس سے کہتے ہیں کہ اگر میرے پاس یہ کتابیں ہوتیں تو مجھے اپنے مال اور اہل و عیال سے زیادہ محبوب ہوتیں۔[124]

دارالحدیث کوفہ:۔ فتوح البلدان میں امام احمد بن یحییٰ بغدادی نے بحوالہ نافع بن جبیر بن مطعم حضرت عمر کا کوفہ کے بارے میں یہ تاثر لکھا ہے بالکوفہ وجوہ الناس (کوفہ میں بڑے لوگ ہیں)۔
ظاہر ہے کہ حضرت فاروق اعظم یہاں جس وجاہت کا تذکرہ فرما رہے ہیں وہ دینی اور علمی وجاہت کے سوا کچھ نہیں اس کی تائید خود حضرت فاروق اعظم کے اس خط سے ہوتی ہے جو انہوں نے کوفہ والوں کے نام لکھا ہے اور جسے حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔

میں نے تمہارے پاس عمار بن یاسر کو بحیثیت امیر اور عبداللہ بن مسعود کو بحیثیت معلم اور وزیر روانہ کیا ہے۔ یہ دونوں حضور انور ﷺ کے صحابہ ہیں منتخب اور برگزیدہ ہیں صرف صحابی نہیں بلکہ شرکاء بدر میں سے ہیں تم ان کی اقتداء کرو' دیکھو عبداللہ کے معاملے میں میں نے تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔[125]

اس خالص علمی وجاہت کی وجہ سے حضرت فاروق اعظم نے امام ربانی حضرت عبداللہ بن مسعود کو ایک بار کھڑا دیکھ کر فرمایا تھا۔

کنیف ملئی علما"

ترجمہ:۔ علم سے بھرا ہوا برتن ہے۔[126]

اور اسی علمی وجاہت اور جلالت قدر کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی وفات کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو آپ نے یہاں کی فضا کو علم سے معمور پایا۔ چنانچہ مشہور امام ابو بکر عتیق بن داود فرماتے ہیں کہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود کی وفات کے بعد جب حضرت علی کوفہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہ کے تلامذہ لوگوں کو فقہ پڑھانے میں مشغول تھے جناب امیر نے کوفہ کی جامع مسجد میں آکر دیکھا کہ چار صد کے قریب دواتیں رکھی ہوئی تھیں۔ اور طلبہ لکھنے میں ہمہ تن مصروف تھے یہ دیکھ کر حضرت علی ہجھ نے فرمایا کہ:

لقد ترک ابن ام عبد ھولاء سرج الکوفہ[127]

یہ فقہ یعنی علم قانون جو علوم شرعیہ کا آخری درجہ ہے اس کے طلبہ کی تعداد یہ تھی تو ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کے طلبہ کی تعداد تو اس سے کئی گنا زائد ہو گی۔ چنانچہ امام ابو بکر الجصاص رازی نے احکام القرآن میں حجاج کے خلاف عبدالرحمن بن الاشعث کی قیادت میں اٹھی ہوئی تحریک کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

اس تحریک میں نکلنے والوں میں چار ہزار قاریوں کی تعداد تھی[128]

اور حافظ جلال الدین سیوطی نے تدریب الراوی میں امام ابن سیرین سے جو اکابر تابعین سے ہیں حدیث کے طالب علموں کے بارے میں یہ بیان نقل کیا ہے کہ:

قدمت الکوفہ و بہا اربعہ آلاف یطلبون الحدیث[129]

ترجمہ:۔ میں کوفہ آیا تو وہاں چار ہزار حدیث کے طالب علم تھے۔

طبقات ابن سعد کی ایک پوری جلد میں کوفہ کے علماء کا تذکرہ ہے۔ ان میں صحابہ، تابعین، اتباع تابعین کے علماء کا ایک طویل تذکرہ ہے ہم نے سرسری طور پر طبقات میں کوفہ کے علماء کو شمار کیا ہے۔ ان کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ نکلی جب کہ اسی کتاب میں دوسرے شہروں کے علماء کا شمار اس کے عشر عشیر بھی نہیں ہے۔

مشہور محدث حاکم نے معرفتہ علوم الحدیث میں اسلامی شہروں کے نامور محدثین کا تذکرہ کیا ہے مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ تمام شہروں میں یہ شرف کوفہ ہی کو حاصل ہے کہ اس کے ائمہ حدیث کا تذکرہ کتاب کے پورے ساڑھے ساتھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جب کہ دوسرے شہروں میں سے کسی بھی شہر کے محدثین کا تذکرہ اسی کتاب میں ایک صفحہ سے زائد نہیں ہے۔

حافظ ابو محمد رامہرمزی نے اپنی کتاب "المحدث الفاصل" میں کوفہ میں علم حدیث کے موضوع پر مشہور محدث عفان بن مسلم سے بسند متصل نقل کیا ہے۔

عفان بن مسلم کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے ہم فلاں کتابیں نقل کر چکے ہیں۔ اس پر فرمانے لگے کہ ہماری رائے میں اس قسم کے لوگ کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ ہمارا دستور تو یہ تھا کہ جب ایک استاد کے پاس جاتے تو اس سے وہ روائتیں سنتے جو کسی اور سے نہ سنی ہوتیں اور دوسرے سے وہ سنتے جو پہلے سے نہ سنی ہوتیں۔ چنانچہ جب ہم کوفہ آئے تو چار ماہ ٹھہرے اگر ہم چاہتے کہ ایک لاکھ حدیثیں لکھ لیں تو لکھ سکتے تھے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔ ہم نے کوفہ میں کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو عربیت میں غلطی کرتا ہو۔[130]

اور علامہ تاج الدین سبکی نے الطبقات الشافعیہ الکبریٰ میں حافظ ابو بکر بن ابی داود کی زبانی یہ بیان لکھا ہے کہ:

جب میں کوفہ آیا تو میرے پاس ایک درہم تھا میں نے اس درہم سے تیس مد باقلا خرید لیا۔ ایک مد کھاتا اور ابو اشج سے ایک ہزار حدیثیں لکھتا۔ اس طرح ایک ماہ میں میں نے تیس ہزار حدیثیں جن میں مقطوع اور مرسل بھی شامل تھیں لکھ لیں۔[131]

ذرا غور فرمایئے اس شہر میں حدیث کی بہتات کا کیا حال ہو گا۔ عفان[132] بن مسلم جیسا امام، عالم، حافظ چار ماہ میں پچاس ہزار حدیثیں لکھ لے۔ کیا حدیث کی اس بستی کو کوئی ذہین آدمی قلیل الحدیث بستی کہہ سکتا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل سے جب ان کے صاحب زادے عبداللہ نے دریافت کیا کہ آپ کی رائے میں طالب علم کو کیا کرنا چاہیے آیا ایک ہی استاد کی خدمت میں برابر حاضر رہ کر اسی سے حدیثیں لکھتا رہے یا ان مقامات کا رخ کرے جہاں علم کا چرچا ہے اور وہاں جا کر علماء سے حدیثیں سے استفادہ کرے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اسے سفر کرنا چاہیے اور دوسرے مقامات کے علماء سے حدیثیں لکھنی چاہیں اور ان علماء میں سب سے پہلے امام احمد نے کوفیین ہی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

یرحل و یکتب من الکوفیین و البصریین و اہل المدینہ و مکہ۔[133]

ترجمہ:۔ سفر کرے اور کوفیوں، بصریوں اور مدینہ اور مکہ والوں سے احادیث لکھے۔

امام بخاری نے طلب حدیث میں بخارا سے لے کر مصر تک تمام اسلامی شہروں کا سفر کیا تھا۔ دو دفعہ جزیرہ گئے چار بار بصرہ جانا ہوا چھ سال تک حجاز میں مقیم رہے مگر اس کے باوجود مکہ و بغداد کو اتنی اہمیت تھی کہ فرماتے ہیں:

میں شمار نہیں کر سکتا کہ محدثین کی ہمرکابی میں کوفہ اور بغداد کتنی بار مجھے جانے کا اتفاق

ہوا ہے۔[134]

آج بھی اگر رجال کی کتابیں کھول کر بیٹھیں تو ہزاروں راوی آپ کو کوفہ کے نظر آئیں گے جن کی روایات سے صحیحین اور غیر صحیحین بھری پڑی ہیں۔ صرف بخاری شریف کو اٹھا لیجئے ور اس میں جس قدر صحابہ سے احادیث منقول ہو کر آئی ہیں ان پر ایک سرسری نظر ڈالئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بترتیب حروف تہجی مقدمہ فتح الباری میں تمام صحابہ کو نام بنام لکھ دیا ہے۔ ان صحابہ میں سے جو خاص کوفہ میں آکر جاگزین ہوئے ذرا ان کی نام پڑھ لیجئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ امام بخاری کے ان گنت بار کوفہ جانے کا کیا باعث تھا اور پتہ لگ جائے کہ کوفہ کا حدیث میں کیا مقام ہے۔

حضرت اشعث بن قیس الکندی رضی اللہ عنہ' حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ' حضرت اہبان بن اوس الاسلمی رضی اللہ عنہ' حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ' حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ' حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ' حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ' حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ' حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ' حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ' حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ' حضرت مرداس بن مالک رضی اللہ عنہ' حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ' حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ' حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ' حضرت معن بن یزید رضی اللہ عنہ' حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ' حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ' حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ' حضرت سلمان بن صو رضی اللہ عنہ' حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ' حضرت سمرہ بن جنادہ رضی اللہ عنہ' حضرت ضمیح بن الحارث رضی اللہ عنہ' حضرت سین ابو جمیلہ رضی اللہ عنہ' حضرت وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ' حضرت عبدالرحمن بن انبری رضی اللہ عنہ۔

یہ ان 29 کوفی صحابہ کے اسمائے گرامی ہیں جن کے حوالے سے امام بخاری نے صحیح میں ارشادات نبوت لئے ہیں اسی پر تمام صحاح ستہ کو قیاس کر لیجئے۔

ذرا ایک قدم اور آگے بڑھایئے اور بخاری شریف ہی کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ اس کے راویوں میں سب سے زیادہ تعداد جس شہر کے راویوں کی ہے وہ کوفہ ہی ہے۔ راقم الحروف نے اس ارادے سے بخاری شریف کے راویوں کا جائزہ لیا تو صرف شہر کوفہ کے راویوں کی تعداد صحیح بخاری میں تین سو سے زائد ملی ہے۔ اگر کتاب کی ضخامت کے زائد ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ان کے نام ہدیہ ناظرین کرتے۔

علماء محدثین نے حفاظ حدیث کے حالات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو

اپنے وقت میں حفاظ حدیث تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور کتاب تذکرۃ الحفاظ ہے۔ یہ حافظ شمس الدین الذہبی سنہ 728ھ کی تصنیف ہے۔ حافظ موصوف نے اس کتاب میں کسی ایسے شخص کا تذکرہ نہیں لکھا ہے جس کا شمار حفاظ حدیث میں نہ ہو۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

> ابن تیمیہ علم کا خزانہ ہیں لیکن حدیث میں ان کا کام تھوڑا ہے اس لئے میں نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔[135]
>
> اور خارجہ بن زید اگرچہ فقہاء سبعہ میں سے ہیں مگر ان کے بارے میں صاف تصریح کر دی ہے کہ چونکہ وہ قلیل الحدیث تھے اس لئے میں نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار نہیں کیا۔[136]

دارالحدیث بصرہ

کوفہ کے بعد امام صاحب نے بصرہ کا رخ کیا اور قتادہ سے حدیث حاصل کی جو بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے۔ عقود الجمان میں ہے کہ امام صاحب نے شعبی سے روایت کی اور انہوں نے اپنے سامنے ہی امام صاحب کو فتویٰ و روایت کی اجازت بھی دے دی تھی۔

14- **قتادہ:-** حضرت قتادہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن سرجیس رضی اللہ عنہ، ابو الطفیل وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت کی۔

15- **شعبہ (متوفی سنہ 160ھ):-** بڑے مرتبے کے محدث تھے، سفیان ثوری نے ان کو فن حدیث میں امیر المومنین مانا ہے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا۔ حضرت شعبہ امام صاحب کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے اور غائبانہ تعریف و توصیف کیا کرتے تھے۔

ایک روز فرمایا:- جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے، اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابو حنیفہ ہم نشین ہیں۔ یحییٰ بن معین سے کسی نے پوچھا کہ آپ کا ابو حنیفہ کے بارہ میں کیا خیال ہے۔ فرمایا کہ اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے ان کو حدیث و روایت کی اجازت دی۔ اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں۔[137]

بصرہ کے دوسرے شیوخ عبدالکریم، ابو امیہ اور عاصم بن سلیمان الاحول وغیرہ سے بھی امام صاحب نے احادیث

سنیں۔

امام مالک کو امام اعظم کی فقاہت اور مجتہدانہ شان کا اقرار تھا اور اتنا اقرار تھا کہ اپنے اعمال میں امام اعظم کے کردار کی کاپی کو اپنے لئے فخر محسوس کرتے تھے چنانچہ امام لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ:

> میں مدینہ میں امام مالک سے ملا۔ ان سے میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے کہ آپ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہیں فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کے سامنے عرق آلود ہو جاتا ہوں کیونکہ وہ فقیہ ہیں۔ امام لیث کہتے ہیں کہ بعد ازیں میں امام ابو حنیفہ کے پاس گیا میں نے ان سے عرض کیا کہ امام مالک کی نظر میں آپ کا مقام بہت بلند ہے امام اعظم نے فرمایا کہ میں نے سچے اور کھرے جواب میں مالک سے زیادہ تیز اور کھرا کوئی نہیں دیکھا۔138

الغرض امام مالک امام اعظم کے استاد نہیں چنانچہ جمال الدین المزی نے تھذیب الکمال میں اور امام ذہبی نے اپنی تصانیف میں امام اعظم کے مشائخ میں امام مالک کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیۃ میں' علامہ خوارزمی نے جامع المسانید میں اور حافظ بن حجر نے امام صاحب کے تلامذہ میں شمار کیا ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ حضرت امام شافعی نے عبدالعزیز بن محمد دراوردی کے حوالہ سے یہ انکشاف کیا ہے کہ

> کان مالک ینظر فی کتب ابی حنیفہ و ینتفع بہ۔139
>
> ترجمہ:- امام مالک امام اعظم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور ان سے استفادہ فرماتے۔

بصرہ:- مشہور اسلامی شہر جو تیسری صدی تک علوم اسلامیہ کا گہوارہ رہا اور وسعت علم' کثرت حدیث اور دوسری خوبیوں کے لحاظ سے اس کا ایک امتیازی مقام تھا۔ امام حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں بصرے کے اندر سکونت اختیار کرنے والے صحابہ کی ایک فہرست دی ہے اور ایسے ہی کتاب کی نوع 49 میں جہاں امام حاکم نے مختلف شہروں کے ان ائمہ ثقات کا تذکرہ کیا ہے۔ جن کی احادیث پر حفظ و مذاکرہ کی حدود میں اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ بصرہ کے ائمہ ثقات اور حفاظ حدیث کا بھی ایک طویل تذکرہ کیا ہے اور تقریباً" نصف صدی سے زیادہ حفاظ حدیث کے نام بتائے ہیں حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔

> بصرے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری' حضرت عمران بن حصین' حضرت ابن عباس اور متعدد صحابہ آکر فروکش ہوئے ان میں سب سے آخری حضرت انس رسول اللہ ﷺ کے خادم

خاص، ان کے بعد حسن بصری، ابن سیرین، ابو العالیہ، پھر قتادہ، ایوب، ثابت البنانی یونس بن عون، پھر حماد بن سلمہ، حماد بن زید اور ان کے تلامذہ ہوئے ہیں۔

اس کے بعد امام ذہبی نے لکھا ہے۔

ما زال ھذا الشان وافر الی راس المائۃ الثالثہ و تناقص جدا الی ان تلاشی۔[140]

بصرے میں حدیث کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ حافظ ذہبی نے حماد بن سلمہ بصری کے تذکرے میں حافظ ابن المدینی کے حوالے سے لکھا ہے:

کان عند یحیی بن خریس عن حماد عشرہ آلف حدیث۔[141]

بصرے میں محدثین کی اس قدر فراوانی تھی کہ مسند وقت حافظ بن ابراہیم بصری کہتے ہیں کہ میں آٹھ سو شیوخ سے حدیثیں قلم بند کیں اور دجلہ کا پل جو بصرہ سے دس میل ہے نہیں گیا۔[142] ائمہ مجتہدین میں سے امام حسن بصری ہی کے رہنے والے ہیں جن کے متعلق امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق سے سنا ہے کہ عراق میں حسن بصری جیسا کوئی نہیں ہے[143] اور الامام الربانی محمد بن سیرین جو علم الرویا کے امام ہیں، بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ اور جن کے پاس امام اعظم نے اپنے ایک خواب کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے ایک دوست کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے خواب میں دیکھا کہ آپ نبی ﷺ کی قبر کھود رہے ہیں۔ کھود کر آپ کی ہڈیوں کو جمع کر رہے ہیں۔ اور ان کو جوڑ رہے ہیں۔ آنکھ کھلی تو آپ بہت گھبرائے۔ آپ نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ بصرہ جاؤ تو امام ابن سیرین سے خواب کی تعبیر دریافت کرنا اور جا کر خواب کی تعبیر پوچھی، آپ نے فرمایا کہ یہ خواب دیکھنے والا احیائے سنت کا کام کرے گا۔[144]

امام اعظم ابو حنیفہ طلب علم حدیث کے لئے بصرہ تشریف لے گئے ایک بار نہیں بلکہ بیس مرتبہ سے زیادہ آپ کو بصرہ جانے کا اتفاق ہوا ہے وہاں سال بھر قیام کیا ہے۔ چنانچہ حافظ عبدالقادر قرشی نے بحوالہ یحییٰ بن شیبان خود امام صاحب کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

میں بیس بار سے زیادہ بصرہ گیا ہوں اور اکثر سال سے زیادہ وہاں قیام بھی کیا ہے۔[145]

حضرت امام اعظم کے اسفار علمیہ میں بصرہ ابتدائی اور آخری منزل ہے جیسا کہ آپ پہلے حافظ ابن تیمیہ کی زبانی سن چکے ہیں کہ اسلامی مملکت میں علوم نبوت کے لئے پانچ شہروں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ کوفہ میں عبداللہ بن مسعود کے شاگرد، بصرہ میں عبداللہ بن عباس کے شاگرد، مکہ و مدینہ میں فاروق اعظم کے تلامذہ علوم نبوت کے حامل تھے۔ بصرہ میں عبداللہ بن عباس کے علوم کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خود ابو بکر بصری کا بیان ہے کہ:

ابن عباس بصرہ تشریف لائے تو تمام عرب میں جسم، علم، بیان، جمال اور کمال میں کوئی ان کی مثال نہ تھا۔146

علامہ کمال الدین البیاضی نے امام اعظم کے علوم کی سند اور ان کے علمی سفرنامے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

فهو اخذ عن اصحاب عمر عن عمرو عن اصحاب ابن مسعود عن ابن مسعود عن اصحاب ابن عباس عن ابن عباس فمن يبلغ العدد المذكور بالكوفه و البصره و الحجاز فى حجه سنته ست و تسعين و بعده

ترجمہ:- امام اعظم کے علوم کا ماخذ بواسطہ اصحاب عمرؓ حضرت فاروق اعظم اور بواسطہ اصحاب ابن مسعودؓ خود حضرت عبداللہ بن مسعود اور بحوالہ تلامذہ ابن عباسؓ حضرت ابن عباس ہیں ان ہی لوگوں کی مذکورہ بالا تعداد سے امام اعظم نے کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ میں سنہ 96ھ اور اس کے بعد علوم حاصل کئے تھے۔147

بصرہ میں جن حفاظ حدیث سے امام اعظم نے علم حدیث حاصل کیا ہے ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔

-17 الامام ابو بکر ایوب بن ابی تیمیہ السختیانیؒ:- علم حدیث کے مشہور امام ہیں۔ امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ نے ان کو سید العلماء کہا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ ہم ان پاس جاتے تھے جب ان کے سامنے حضور انور ﷺ کا کوئی ارشاد گرامی بیان کیا جاتا تو بے اختیار رو پڑتے۔ امام ذہبی نے ان کو الحافظ، احد الاعلام لکھا ہے۔ امام اشعث ان کو جہبذ العلماء فرماتے ہیں۔ ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ انہوں نے 45 حج کیے ہیں۔ علم حدیث میں جن اساتذہ کے سامنے انہوں نے زانوئے ادب تہ کیا ہے وہ بڑے بڑے جلیل القدر ائمہ ہیں۔ مثلاً عمرو بن سلمہ، القاسم بن محمد، نافع، عطاء، عکرمہ، عمرو بن دینار اور جن

تلامذہ نے ان سے علمی استفادہ کیا ہے ان میں سے حماد بن زید' حماد بن سلمہ' امام اعمش' امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ' امام مالک اور حضرت امام اعظم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[148]

امام شعبہ نے ایک بار ان کی طرف نسبت کر کے حدیث بیان کی تو فرمایا حدثنی ایوب وکان سید الفقہاء۔[149] ابو عمر کہتے ہیں کہ ایک بار آپ حج کو تشریف لے گئے۔ راستہ میں رفقاء سفر کو پیاس کی سختیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ حضرت ایوب نے فرمایا کہ دوستو! کسی سے نہ کہنا' وعدہ کرو سب نے ہاں کی۔ ہاتھ سے زمین پر گول دائرہ بنایا اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے دیکھتی آنکھوں پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ خوب پیا' جانوروں کو سیراب کیا۔ بعد ازیں حضرت ایوب نے اس پر ہاتھ پھیر دیا زمین ہموار ہو گئی اور پانی ختم ہو گیا۔ ابو الربیع کہتے ہیں کہ میں نے ابو عمر کی زبانی یہ واقعہ رے میں سنا تھا۔ بصرہ آیا تو حماد بن زید سے بیان کیا۔ حماد کہتے ہیں کہ میرے لئے عبدالواحد بن زیاد نے یہی واقعہ اس طرح بیان کیا۔[150]

حافظ ابن المدینی فرماتے ہیں کہ حدیث کے ذخیرے میں ان کی آٹھ سو حدیثیں ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ امام حماد بن زید فرماتے ہیں کہ میں نے حج کا ارادہ کیا حج کی خاطر رخصت ہونے کے لئے امام ایوب کے پاس گیا۔ آپ نے مجھے بتایا کہ معلوم ہوا ہے کہ امام اعظم بھی حج کو جا رہے ہیں تمہاری ان سے ملاقات ہو تو ان سے میرا سلام کہنا۔[151]

علامہ نووی نے تہذیب الاسماء و اللغات میں لکھا ہے کہ امام ایوب کی علمی جلالت' امامت' حافظ' ثقاہت' علمی بہتات' فہم و فراست اور سیادت پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ اما اعظم نے ان سے جو حدیثیں سنی ہیں وہ قاضی ابو یوسف نے کتب الآثار میں اور اصحاب مسانید میں سے حافظ طلحہ بن محمد اور حافظ ابو عبداللہ الحسین نے درج کی ہیں۔ مثلاً

> ابو حنیفہ عن ابی بکر ایوب البصری ان امرأۃ ثابت بن قیس بن شماس اتت الی النبی صص فقالت لا یجمعنی و ثابتا سقف ابدا فقالت اتختلعین منہ بحد یقتہ النبی اصدقک قالت اجل و زیادہ قال صص اما الزیادہ فلا و اشار الی ثابت ففعل۔[152]

امام ابو ایوب کا تذکرہ امام حاکم نے ان ائمہ حدیث میں کیا ہے جن پر حدیث کے معاملے میں بھروسہ کیا جا سکتا

مجھے تفصیل میں جانا مقصود نہیں ہے صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ امام اعظم کی علمی طلبگاریوں کے وقت ان شہروں کی رونق کا کیا حال تھا۔

امام ایوب کے علاوہ بصرہ کے جن محدثین سے امام اعظم نے علم حدیث حاصل کیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔ بہز بن حکیم، بکر بن عبداللہ المزنی، عطاء بن عجلان، قتادہ بن دعامہ، مبارک بن فضالہ، یزید بن ابی یزید، محمد بن الزبیر، شداد بن عبدالرحمن، ابو سفیان طریف بن سفیان، نصر بن سعد، یزید بن ابی حبیب۔

دارالحدیث مکۃ المکرمہ

بصرہ کے بعد امام صاحب نے تکمیل علم حدیث کے لئے مکہ معظمہ کے شیوخ حدیث سے استفادہ کیا۔

عطاء بن ابی رباح:۔ مشہور تابعی اور مکہ معظمہ کے ممتاز ترین محدث تھے۔ اکابر صحابہ سے استفادہ علوم کیا اور درجہ اجتہاد کو پہنچے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں دو سو اصحاب رسول اللہ ﷺ سے ملا ہوں۔ عطاء سنہ 115ھ تک زندہ رہے اور امام صاحب جب بھی مکہ معظمہ حاضر ہوتے تھے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ فرماتے تھے۔

عکرمہ:۔ عطاء کے علاوہ امام صاحب نے مکہ معظمہ دوسرے محدثین سے بھی حدیث حاصل کی جن میں سے حضرت عکرمہ و شاگرد حضرت عبداللہ بن عباس، خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جنہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے علم حدیث حاصل کیا تھا اور کم و بیش ستر مشہور تابعین تفسیر و حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔

مکہ مکرمہ کی علمی حیثیت:۔ وہ حرم پاک جہاں سے علم وحی و نبوت کا آغاز ہوا اور حضور انور ﷺ نے رسول ہونے کے بعد تیرہ سال کا عرصہ گزارا۔ امام اعظم کے زمانہ میں یہ بھی کوفہ کی طرح دار العلم تھا۔ حافظ ذہبی الامصار ذوات الاثار میں فرماتے ہیں۔

عہد صحابہ میں یہاں علم کم تھا پھر صحابہ کے آخری دور میں علم کی کثرت ہوئی اور اس

طرح عہد تابعین میں مجاہد' عطاء' سعید بن جبیر اور ابن ابی ملیکہ اور پھر ان کے شاگردوں کے دور میں عبداللہ بن ابی نجیح۔ قاری ابن کثیر' حنظلہ بن ابی سفیان اور ابن جریج اور ہارون رشید کے وقت میں مسلم زنجی' فضیل بن عیینہ' ابو عبدالرحمن ازرقی' حمیدی اور سعید بن منصور جیسے علماء ہوئے ہیں۔[154]

امام بخاری کو حرمین کے عمل پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے اپنی صحیح میں اس موضوع پر ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے۔

باب ما ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و حض علی اتفاق اہل العلم و ما اجتمع علیہ الحرمان مکہ و المدینہ

علامہ کرمانی شارح صحیح بخاری لکھتے ہیں۔

امام بخاری کا انداز بیان کہ رہا ہے کہ اہل حرمین کا اتفاق و اجماع حجت ہے۔

مگر حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ

لعلہ اراد الترجیح لا الاجماع۔[155]

ترجمہ:۔ غالباً مراد ترجیح ہے اجماع نہیں۔

امام بخاری کی عبارت کا خواہ مطلب کچھ ہو مگر اتنا معلوم ہے کہ اختلافی مسائل میں ان کے نزدیک وہی مسئلہ قابل ترجیح ہے جس پر علماء حرمین متفق ہوں[156]

بہرحال دوسری صدی کے آغاز میں اور پہلی صدی کے آخر میں مکہ مکرمہ علم کی منڈی۔ بلاد اسلامیہ میں مکہ کے علمی جلال کا لوہا مانا جاتا تھا اتنا کہ علامہ سحنون نے تصریح کی ہے کہ اگر ابن عباس اہل مدینہ سے کسی مسئلہ میں اختلاف کر جائیں تو مدینہ کی اجماعی طاقت علمی بھی بے جان ہو جاتی تھی۔

اذا خالف ابن عباس اہل المدینہ لم ینعقد لھم اجماع۔[157]

ترجمہ:۔ جب اہل مدینہ کی ابن عباس مخالفت کریں تو اہل مدینہ کا اجماع منعقد نہیں ہوتا۔

مکہ میں امام اعظم نے جن حفاظ حدیث سے علمی استفادہ کیا ہے ان کی تفصیل بتانا تو دشوار ہے یہاں صرف چند گرامی قدر ہستیوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین کو مکہ کے گلستان کی باغ و بہار کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

81- **امام اعظم کا عطاء بن ابی رباح سے تلمذ:-** حافظ ذہبی نے ان کے ترجمہ کا آغاز مفتی اہل مکہ' محدث مکہ' القدوہ اور علم کے زرین القاب سے کیا ہے اور ان کو علم حدیث میں امام اعظم کا استاد بتایا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

عنه ایوب و حسین المعلم و ابن جریج و ابن اسحق و الاوزاعی و ابو حنیفه۔158

ترجمہ:- عطاء کے تلامذہ میں ایوب' حسین بن جریج' ابن اسحق اوزاعی اور ابو حنیفہ ہیں۔

بلکہ امام ذہبی نے اپنی مشہور تاریخ کے خلاصہ میں بالتصریح یہ بھی لکھا ہے کہ:

اکبر شیوخه عطاء بن ابی رباح۔159

ترجمہ:- ابو حنیفہؒ اساتذہ میں سب سے بڑے عطاء ابن ابی رباح ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حیثیت امام مالک کی اسانید میں مالک عن نافع عن ابن عمر کی ہے جسے امام بخاری وغیرہ اجل الاسانید اور اصح الاسانید کہتے ہیں یہی حیثیت امام اعظم کی اسانید میں ابو حنیفہ عن ابن عباس کی ہے۔ چنانچہ امام شعرانی نے اس کو اسی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے مناقب میں لکھا ہے۔

و سمع الحدیث من عطاء بمکه۔160

حضرت عطاء بن ابی رباح کی جلالت قدر کا اندازہ کرنا ہو تو ان اکابر کے یہ بیانات پڑھئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اے اہل مکہ تم میرے پاس بھیڑ رکھتے ہو حالانکہ تمہارے پاس تو عطاء موجود ہیں۔ بعینہٖ یہی الفاظ حافظ ذہبی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی نقل کئے ہیں۔ حضرت سعید فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ مکہ میں تشریف لائے۔ لوگوں نے ان سے مسائل دریافت کئے آپ نے فرمایا کہ مسائل کی خاطر تم میرے پاس جمع ہوتے ہو حالانکہ تم میں عطاء موجود ہیں۔161

ذرا غور فرمایئے کہ اس شخص کی جلالت علمی کا کیا حال ہو گا جس کی علمیت کا لوہا ابن عباس اور ابن عمر جیسے جلیل القدر اور اساطین حدیث صحابہ مانتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ:

عطاء بن ابی رباح نے سترحج کئے ہیں۔ اموی دور حکومت میں زمانہ حج آتا تو سرکاری طور پر منادی ہوتی۔ لا یفتی الناس فی الحج الا عطاء۔ 162

حافظ ابن کثیر ہی نے سعید بن سلام البصری کے حوالہ سے ان سے امام اعظم کی پہلی ملاقات کا پورا حال لکھا ہے

وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے خود امام اعظم سے سنا ہے کہ جب امام موصوف سے ان کی
ملاقات ہوئی تو انہوں نے عطاء سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ دریافت کرتے ہی جواب دینے سے
پہلے امام صاحب کی طرف مخاطب ہو کر بولے بتاؤ کہاں کے رہنے والے ہو؟ امام صاحب نے فرمایا
کہ کوفہ کا شہری ہوں۔ فرمایا کہ اس بستی کے جہاں دینی فرقہ بندی کی بنیاد پڑی؟ امام صاحب نے
جواباً" فرمایا جی ہاں! فرمایا اچھا بتاؤ کہ کن لوگوں سے تعلق رکھتے ہو؟ یعنی کس مدرسہ خیال کے ہو۔
امام صاحب نے جواباً" کہا کہ الحمد للہ ان لوگوں سے تعلق رکھتا ہوں جو سلف کو برا نہیں کہتے یعنی
نہ رافضی ہوں نہ خارجی اور نہ قدری۔ اور اہل قبلہ کی بربنائے معصیت تکفیر نہیں کرتے۔ یعنی
نہ مرجئہ ہوں نہ جہمی اور نہ معتزلی' حضرت نے جواب باصواب سن کر فرمایا عرفت پہچان گیا
ہوں' ۔ 163

الغرض امام عطاء بن ابی رباح اپنے وقت میں جلالت علمی کا سب سے بڑا نمونہ تھے۔ محدثین میں اجلہ حفاظ حدیث کو ان کی بارگاہ علمی میں زانوئے تلمذ تہ کرنے کا شرف حاصل ہے۔ مثلاً امام ابو بکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری' قتادہ بن دعامہ' یحیٰی بن کثیر' مالک بن دینار' سلیمان بن مہران اور امام ایوب السختیانی' حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

کان من السادات التابعین علماً و فقہاً۔ 164

صرف علم و فقہ ہی میں نہیں بلکہ زہد و تقویٰ' پاکبازی اور پارسائی میں بھی اپ کی زندگی ایک مثالی نمونہ تھی۔ اور ہر شخص کے لئے آپ کا یہی وعظ ہوتا تھا۔ حافظ ابن کثیر نے ۔علی بن عبید کے حوالہ سے جو واقعہ لکھا ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعلی بن عبید محمد کہتے ہیں کہ ہم فقہا کے پاس گئے انہوں
نے ہم سے مخاطب ہو کر کہا آؤ میں تمہیں ایک مفید بات سناؤں مجھے عطاء بن ابی رباح نے بتایا
ہے کہ عزیز من! بزرگان سلف لایعنی اور فضول باتوں کو بہت ہی ناپسند کرتے تھے' بلکہ فضول کو
گناہ سمجھتے تھے۔ صرف اللہ کی کتاب کی تلاوت' نیکی کا پرچار' برائی پر روک ٹوک یا پھر اپنی
ضروریات معیشت سے متعلق باتیں کہتے تھے۔ کیا تم اللہ پاک کے اس ارشاد گرامی کو نہیں مانتے
و ان علیکم لحافظین کراماً کاتبین اور ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید۔ 165

اگر تمہارے سامنے تمہارا وہ اعمال نامہ آ جائے جس میں وہ باتیں درج ہیں جو نہ دنیا سے متعلق ہیں اور نہ دین سے کیا تمہیں اس پر شرم نہ آئے گی؟ [167]

امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داود، امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام نسائی نے اپنی کتابوں میں ان سے روایات لی ہیں۔

قاضی ابو یوسف نے بحوالہ امام اعظم ان سے احادیث نقل کی ہیں۔ مثلاً

عن ابی حنیفه عن عطاء عن ابن عمر انه قال لیس فی القبله الوضوء [168]

ترجمہ:۔ بوسہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

ایسے ہی امام موسیٰ بن زکریا الحصکفی نے اپنے مسند میں، حافظ ابو محمد حارثی نے اپنے مسند میں اور امام محمد نے موطا اور کتاب الآثار میں حضرت عطاء سے بحوالہ امام اعظم روایت کی تخریج کی ہے۔

ایک ضروری تنبیہہ:۔ یہاں یہ بات یاد رکھئے کہ امام عطاء بن ابی رباح کو حافظ ذہبی نے حفاظ حدیث کے طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ اور یہ بات پہلے صاف ہو چکی ہے کہ موصوف مکہ میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علم الحدیث میں سب سے بڑے اور مہربان شفیق استاد ہیں۔ شفقت کا اور شفقت کے ساتھ اکرام و اجلال کا اندازہ کرنا ہو تو وہ واقعہ پڑھئے جو حافظ ابن عبدالبر نے بسند متصل بحوالہ حارث لکھا ہے:۔

> ہم عطاء بن ابی رباح کے پاس ہوتے کچھ ہم میں سے کچھ کے پیچھے ہوتے جب امام ابو حنیفہ مجلس میں آتے تو حضرت عطاء امام صاحب کے لئے جگہ بناتے اور ان کو اپنے قریب کر لیتے۔ [169]

عطاء بن ابی رباح نے کن صحابہ کے علوم سے خوشہ چینی کی ہے۔ اس کی ایک معمولی سی جھلک حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب کے مطالعہ سے نظر آتی ہے۔ حافظ صاحب موصوف نے پورے ایک صفحہ پر ان کے اساتذہ میں اجلہ صحابہ کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ حافظ ابن حجر نے البدایہ میں اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں حضرت عطاء کا اپنا بیان نقل کیا ہے کہ:

ادرکت مائتی صحابی [169]

اس کا مطلب یہ ہے کہ حرم پاک میں صحابہ کا پھیلا ہوا علم حضرت عطاء کے ذریعے امام ابو حنیفہ میں منتقل ہوا

ہے۔ اسی بنا پر امام خلف بن ایوب کا امام اعظم کے بارے میں یہ تاثر تھا کہ علم کی دولت اللہ سبحانہ کی جانب سے نبی کریم ﷺ کے پاس آئی۔ حضور انور ﷺ سے یہ دولت صحابہ کو وراثت میں ملی اور صحابہ سے تابعین کو اور تابعین سے امام ابو حنیفہ کو ملی ہے۔

19- حافظ عمرو بن دینار سے امام اعظم کا تلمذ:- حافظ ذہبی نے ان کا تعارف لکھتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ الامام' الحافظ' عالم الحرم' حافظ جلال الدین السیوطی نے حافظ جلال الدین المزی کے حوالہ سے بتایا ہے کہ عمرو بن دینار امام اعظم کے علم حدیث میں شاگرد ہیں۔ حافظ ذہبی' حافظ کردری اور صدر الائمہ نے بھی تصریح کی ہے الخزرجی نے ان کو خلاصہ میں احد الاعلام لکھا ہے۔ مشہور محدث سفیان بن عیینہ متوفی سنہ 198ھ کی ان کے بارے میں رائے یہ تھی کہ ہمارے نزدیک عمرو بن دینار سے زیادہ فقیہ زیادہ عالم اور زیادہ حافظ کوئی نہیں ہے۔[170]

امام عمرو بن دینار ان لوگوں میں سے ہیں جو وقت کی ناپسندیدہ حکومت سے کسی درجے میں تعاون نہ کرتے تھے یعنی ان کے نزدیک حکومت میں عدالت ضروری تھی۔ چنانچہ اموی حکومت کے سربراہ ہشام کا واقعہ حافظ کردری نے لکھا ہے کہ سرکاری طور پر ان کو پیش کش کی گئی کہ منصب افتاء سنبھالو سرکاری خزانہ سے تنخواہ طے گی۔ صاف اور کھلے طور پر انکار کر دیا۔[171]

حکومت اور عدالت:- یہ موضوع بہت طویل الذیل ہے' مگر یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ الامام ابو بکر الجصاص نے احکام القرآن میں زیر آیت لا ینال عھدی الظلمین' سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس آیت کے منطوق اور مدلول سے اس مسئلہ کے دونوں مثبت و منفی پہلو واضح کیے ہیں۔ مثبت پہلو کے بارے میں فرماتے ہیں۔

> افادت الایہ ان شرط جمیع من کان فی محل الایتمام بہ فی امر العدالہ و الصلاح۔[172]
>
> ترجمہ :- آیت نے بتایا ہے کہ ایسے تمام عہدوں کی جن کا تعلق قیادت سے ہو بنیادی شرط امیدوار میں صلاحیت اور عدالت کا ہونا ہے۔

اور منفی پہلو کو اسی آیت کے مدلول سے ثابت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

> فثبت بدلالہ ھذہ الایہ بطلان امامہ الفاسق و انہ لا یکون خلیفہ۔[173]
>
> ترجمہ :- اس آیت سے فاسق کی امامت کا غلط ہونا معلوم ہو گیا اور یہ بات بھی کہ فاسق تخت

خلافت کا اہل نہیں ہے۔

اسی سلسلے میں الجصاص نے اس غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دیا ہے۔ جو بعض معتزلہ کی جانب سے امام اعظم کے بارے میں پھیلائی گئی ہے اور بتایا ہے کہ

لا فرق عند ابی حنیفه بین القاضی و بین الخلیفه فی ان شرط کل واحد منهما العدالہ 174

ترجمہ:- ابو حنیفہ کے نزدیک خلیفہ اور قاضی کے درمیان بلحاظ عدالت شرط ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہاں تفصیل کا موقعہ نہیں ہے بہرحال امام عمرو بن دینار نے سرکاری منصب افتا؟ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ انکار افتاء سے نہیں افتاء کا کام تو وہ پہلے بھی کرتے تھے انکار تو حکومت کا اجیر بننے سے ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں اجلہ صحابہ کو ان استاد بتایا ہے۔ مثلاً ابن عباس' ابن الزبیر' ابن عمرؓ ابن عمرو بن العاص' ابو ہریرہ' جابر بن عبداللہ' ابو الطفیل اور سائب بن یزید رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور تابعین کی ایک بڑی تعداد کا بھی اسی سلسلے میں تذکرہ کیا ہے۔ ان کے شاگردوں میں امام اعظم کے ساتھ امام شعبہ' امام ابن جریج' حماد بن زید' حماد بن سلمہ' امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی کے اسماء گرامی نمایاں ہیں۔

امام عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ مجھ سے خود امام شعبہ نے بتایا ہے کہ میں نے عمرو بن دینار جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ 175

امام سفیان ثوری کہتے ہیں کہ میں کوفہ آیا تو امام ابو حنیفہ نے میرے تعارف میں یہ جملہ بول کر مجھے معاشرے میں کہیں کا کہیں پہنچا دیا کہ

هذا اعلمهم بحدیث عمرو بن دینار۔ 176

لوگوں نے میرے پاس آمد و رفت شروع کر دی۔ امام اعظم نے عمرو بن دینار سے دو حدیثیں بلا واسطہ روایت کی ہیں۔ امام علی بن المدینی کے حوالہ سے خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کی علمی وراثت چھ حضرات کو ملی ہے۔ سعید بن جبیر' عطاء بن ابی رباح' عکرمہ' جابر' زید' طاؤس۔ اور ان چھ اکابر کا علم حضرت عمرو بن دینار کو وراثت میں ملا ہے 177 ---- ائمہ ستہ نے ان سے روایات لی ہیں۔

عمرو بن دینار مکی اور عمرو بن دینار بصری:۔ مشہور محدث ملا علی قاری حدیث و رجال میں معلوماتی شخصیت ہونے کے باوجود ایک سنگین غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> عمرو بن دینار کی کنیت ابو یحییٰ ہے۔ سالم بن عبداللہ وغیرہ کے شاگرد ہیں حماد بن زید' حماد بن سلمہ اور معمر نے ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے اور محدثین نے ان کی تضعیف کی ہے۔[178]

یہ غلط ہے اور بہت بڑا سہو ہے۔ غلط فہمی کا سرچشمہ یہ ہے کہ ملا علی قاری نے امام عمرو بن دینار مکی کو عمرو بن دینار بصری سمجھ لیا ہے۔ اول الذکر صحاح کے راویوں میں سے ہیں۔ امام اعظم کے شیخ اور کبار تابعین میں سے امام اور مجتہد ہیں۔ اور موخر الذکر طبقہ سادسہ میں سے ہیں اور ان کا شمار ضعفاء میں ہوتا ہے۔ الغرض امام کے شیوخ میں عمرو بن دینار بصری نہیں ہیں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الآثار میں بحوالہ امام اعظم ان سے روایات لی ہیں۔

> عن ابی حنیفه عن عمرو بن دینار عن جابر عن زید انه قال اذا خیرت المراة نفسها فقامت من مجلسها قبل ان تختار فلیس بشئی۔[179]
>
> ترجمہ:۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ جب عورت اپنے لئے اختیار کرے پھر وہ اپنی جگہ سے اختیار ملنے سے پہلے کھڑی ہو جائے تو کچھ نہیں ہے۔

20- حافظ ابو الزبیر محمد بن مسلم سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تلمذ:۔ حافظ ذہبی نے ان کو حفاظ حدیث کے طبقہ رابعہ میں شمار کیا ہے۔ حافظ جلال الدین نے اسعاف المبطاء میں' صدر الائمہ' علامہ جزری اور امام ذہبی نے مناقب میں ان کو امام اعظم کا علم حدیث میں استاد قرار دیا ہے۔ یعلی بن عطاء فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن مسلم حدیث بیان کرتے تھے ہمارا اندازہ ان کے بارے میں یہ تھا کہ سب سے زیادہ زیرک اور سب سے زیادہ قوت حافظ کے مالک ہیں۔ عطاء بن ابی رباح یہ کہہ کر ان کو خراج تحسین ادا کرتے تھے کہ ہم سب حضرت جابر بن عبداللہ کے پاس جا کر حدیثیں سنتے' سننے کے بعد باہم مذاکرہ کرتے تو حضرت ابو الزبیر کو سب سے زیادہ احادیث یاد ہوتی تھیں۔ امام ایوب السختیانی جب ان کے حوالے سے کوئی ارشاد نبوت نقل کرتے تو فرماتے کہ ہم سے ابو الزبیر نے بیان کیا اور ابو الزبیر تو ابو الزبیر ہی ہیں۔[180]

سب ائمہ حدیث نے ان سے روایات لی ہیں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الآثار میں بحوالہ امام اعظم ان کی

روایات کو پیش کیا ہے۔

ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن جابر ان سراقہ بن مالک قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لرایت عمر تنا ھذا لعامنا ام للابد قال للابد۔[181]

ترجمہ :- سراقہ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ عمرہ ہمارا اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے، فرمایا ہمیشہ کے لئے ہے۔

حافظ ابو الزبیر کے اساتذہ میں عبادلہ اربعہ، حضرت عائشہ، حضرت جابر، ابو الطفیل رضی اللہ عنہم صحابہ ہیں۔ ان کے علاوہ باقی جلیل القدر ائمہ تابعین ہیں۔ ان کے شاگردوں میں امام اعظم کے علاوہ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام زہری، امام اعمش، امام یحییٰ بن سعید الانصاری، امام ابراہیم بن طہمان، امام حماد بن سلمہ، امام ہیثم، امام سفیان ثوری، امام سفیان بن عیینہ شامل ہیں۔[182]

امام مالک نے بھی ان سے روایات لی ہیں۔ امام اعظم نے ان سے جس قدر احادیث سنی ہیں ان سب کا مرکز حضرت جابر بن عبداللہ ہے۔ سید الحفاظ امام یحییٰ ابن معین کہتے ہیں کہ امام شعبہ نے حافظ محمد بن مسلم کو رکن و مقام کے درمیان اس بات پر قسم دی تھی کیا تم نے یہ احادیث حضرت جابر بن عبداللہ سے سنی ہیں؟ فرمایا

واللہ انی سمعتھا من جابر

ترجمہ :- بخدا میں نے یہ احادیث حضرت جابر سے سنی ہیں۔ ایک بار نہیں بلکہ یہی جملہ آپ نے تین بار دہرایا۔[183]

مکہ میں امام اعظم کے دوسرے شیوخ کو ان ہی پر قیاس کر لیجئے کچھ کے اسماء یہ ہیں۔ عبداللہ بن ابی زیاد، ابو الحصین المکی سنہ 150ھ، حمید بن قیس الاعرج ابو صفوان القاری المکی سنہ 130ھ، ابو عثمان عبداللہ بن عثمان القاری المکی سنہ 124ھ، عبداللہ بن عبدالرحمن النوفلی المکی، ابراہیم بن میسرہ الطائفی نزیل مکہ سنہ 132ھ، اسماعیل بن امیہ بن عمرو بن سعید الاموی سنہ 144ھ، اسماعیل بن مسلم ابو اسحاق المکی، ابو عبداللہ عبدالعزیز بن رفیع الاسدی المکی سنہ 130ھ، حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے حوالہ سے حافظ عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے۔

دارالحدیث مدینہ المنورہ

مکہ معظمہ کے بعد امام صاحب نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ فرمایا' مختصر حالات ان شیوخ کے ملاحظہ کیجئے۔

21- سلیمان:- امام صاحب ؒ نے تحصیل حدیث میں علماء و محدثین مدینہ طیبہ سے بھی استفادہ کیا جن میں سے ایک حضرت سلیمان تھے جو ام المومنین حضرت میمونہ ؓ کے غلام تھے اور مدینہ طیبہ کے مشہور فقہائے سبعہ میں سے تھے۔

22- سالم:- دوسرے حضرت سالم امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ کے پوتے تھے۔ یہ بھی وہاں اس وقت علم فقہ و حدیث اور مسائل شرعیہ میں مرجع عام و خاص تھے۔

یہاں چند شیوخ کے اسماء گرامی ہم نے ذکر کر دیئے ہیں ورنہ امام صاحب کے شیوخ حدیث کثیر تھے۔ امام ابو حفص کبیر (تلمیذ امام محمد ؒ و شیخ امام بخاری) نے تو دعوی کیا ہے کہ امام صاحب نے کم سے کم چار ہزار چار ہزار اشخاص سے احادیث روایت کی ہیں۔ صرف شیخ حماد ہی سے دو ہزار حدیث کی روایت منقول ہے۔

علامہ ذہبی نے بھی تذکرہ الحفاظ میں شیوخ کے نام گنا کر آخر میں "وخلق کثیر" لکھا ہے۔ اور حافظ ابو المحاسن شافعی نے عقود الجمان میں کئی سو حضرات شیوخ کے نام بقید نسب لکھے ہیں۔

خاص بات قابل ذکر یہ بھی ہے کہ امام صاحب کے اساتذہ اکثر تابعین ہیں اور رسول اکرم ﷺ تک صرف ایک واسطہ ہے۔ یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل' دیانت و پرہیز گاری کے اعلی نمونہ خیال کئے جاتے تھے۔ ان دو قسموں کے سوا بہت کم ہیں۔ حدیث نبوت کے نقل کرنے والے صحابہ مرد و زن کی تعداد کے بارے میں امام حاکم نے المدخل میں لکھا ہے کہ:

قد روی عنه صص من الصحابه اربعه آلاف رجل و امراة۔184

ترجمہ:- یعنی صرف چار ہزار مرد و زن نے احادیث روایت کی ہیں۔

ایسے ہی سارے صحابہ فقہاء بھی نہ تھے بلکہ ان کی تعداد جیسا کہ حافظ ابن القیم نے اعلام میں بتائی ہے۔

و الذی حفظت عنهم الفتوی من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم مائه و نیف ثلاثون نفساً ما بین رجل و امرأة۔ 185

ترجمہ :- یعنی صرف ایک سو تیس مرد و زن سے کچھ زائد ہے۔

اور یہ تعداد بھی ایک جگہ نہیں بلکہ حضرت عمر کے زمانے میں حضرت عمر کی کوششوں کے صدقے مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی تھی۔ اسی بنا پر زمانہ صحابہ ہی میں مختلف شہروں میں فقہ کے ایک سے زیادہ علمی ادارے قائم ہو گئے تھے۔ ان شہروں میں مشہور ترین شہر یہ ہیں۔ مدینہ' کوفہ' دمشق' مکہ ---- مدینہ کے فقہا کا حافظ ابن حزم نے تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> مدینے میں صحابہ کے بعد فقہا میں سعید بن المسیب ہیں۔ ان کا ازدواجی تعلق ابو ہریرہ کی صاحب زادی سے ہوا۔ انہوں نے ابو ہریرہ اور سعد بن ابی وقاص سے علمی استفادہ کیا۔ دوسرے عروہ بن الزبیر بن العوام تیسرے القاسم بن محمد۔ یہ دونوں حضرت عائشہ کے تلامذہ خاص میں سے ہیں۔ چوتھے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود۔ یہ ابن مسعود کے خاص شاگرد ہیں۔ پانچویں خارجہ بن زید۔ انہوں نے اپنے والد زید بن ثابت سے علمی استفادہ کیا۔ چھٹے ابو بکر بن عبدالرحمٰن۔ ساتویں سلیمان بن یسار۔ یہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ کے خاص شاگرد ہیں۔ یہی لوگ فقہاء سبعہ کے نام سے مدینہ میں مشہور ہیں۔[196]

حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے فقہ کی تاریخ پر تبصرہ کرتے ہوئے مدینہ کی فقہی اکلوی کا اس طرح تعارف کرایا ہے۔

> علم الفقہ اور فتاویٰ کا دار و مدار خلفاء راشدین کے زمانے میں حضرت فاروق اعظم کی ذات گرامی تھی۔ پھر فقہاء صحابہ حضرت عائشہ' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر وغیرہ اس دائرہ علمیہ کے مرکز تھے۔ صحابہ کے بعد اس عمل جلیل کی ذمہ داری کا بار فقہاء سبعہ کے کاندھوں پر تھا۔ ان کے بعد ان کے تلامذہ نے اس دائرہ علمیہ میں کام کیا جیسے امام زہری' یحییٰ بن سعید الانصاری' زید بن اسلم وغیرہ۔ ان سب کی علمی وراثت امام مالک کو ملی انہوں نے ان کی احادیث اور فتاویٰ کو سینوں سے نکال کے صحیفوں میں جمع و مدون کر دیا۔[197]

نبی کریم ﷺ کا دار الہجرہ اور آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ علوم نبوت کا اصلی مخزن اور منبع ہونے کا اس شہر کو فخر حاصل ہے۔ مکہ کے ساتھ اس کو بھی حرم کہا جاتا ہے وہ بنائے خلیل ہے یہ بنائے حبیب ہے۔ عہد نبوی سے لے کر حضرت علی مرتضیٰ کے ابتدائے زمانے تک ساری دنیائے اسلام کا علمی مرکز یہی تھا۔ سنہ 108 تک مدینے کی علمی بہار پر فقہاء سبعہ آفتاب و ماہتاب بن کر تاباں رہے ہیں۔ یہ سات شخصیتیں یعنی سعید بن المسیب' عروہ بن الزبیر' قاسم بن محمد' خارجہ بن زید' عبیداللہ بن عبداللہ' سلیمان بن یسار' ساتویں شخصیت کی تعیین میں علماء کا قدرے اختلاف ہے۔ حافظ عبدالقادر قرشی اور علامہ نووی نے تین شخصیتوں کا ذکر کیا ہے۔

سالم بن عبداللہ' ابو بکر بن عبدالرحمٰن' ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن۔

مدینہ کے فقہاء سبعہ: امام ذہبی نے ابو بکر بن عبدالرحمٰن کو ہی احد الفقہاء السبعہ لکھا ہے[188] اور حافظ ابن حجر عسقلانی بھی ان کے ہم زبان ہیں[189] اسی رائے کے مطابق محمد بن یوسف شاعر نے ان ساتوں کو دو شعروں میں جمع کر دیا ہے۔

الا کل من لا یقتدی بائمہ — قسمتہ ضیزی عن الحق خارجہ

فخذھم عبیداللہ عروہ قاسم — سعید ابو بکر و سلیمان خارجہ[190]

ابن العماد حنبلی نے ان کو ہی قابل اعتماد قرار دیا ہے[191] حافظ ابن حزم اندلسی نے ان ہی اکابر کو ابو بکر کے ساتھ فقہاء سبعہ بتایا ہے فرماتے ہیں۔

ھولاء ھم الفقہاء السبعہ المشہورون فی المدینہ ۔ [192]

حافظ ابن القیم الجوزی نے مدینہ کے مفتوں کے تذکرے میں ان اکابر کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

ھٰولاء ھم الفقہاء [193]

فقہاء سبعہ کے نام گو تاریخ میں شہرت کا شرف ان ہی اکابر کو حاصل ہے لیکن مورخین میں سے ابو الفدا نے فقہاء مدینہ کی تعداد دس بتائی ہے۔ جرجی زیدان مورخ ابو الفداء کے حوالے سے رقم طراز ہے:

و بعض المورخین یحسبھم عشرہ۔ [194]

لیکن یہ محض اختلاط ہے اور شاید اس اختلاط و التباس کی وجہ یہ ہے جیسا کہ ابو حنیفہ دینوری نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے زمانہ گورنری میں مدینہ میں جن اکابر پر مشتمل مشاورتی کونسل بنائی تھی۔ اس کے اراکین کی تعداد دس تھی اور اس میں ان فقہاء میں سے چھ کو رکن بنایا گیا تھا۔[195]

حافظ ابن کثیر نے اس مشاورتی کونسل کے ارکان کے نام یہ بتائے ہیں۔

عروہ بن الزبیر، عبیداللہ بن عبداللہ، ابو بکر بن عبدالرحمن، ابوبکر بن سلیمان، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، عبیداللہ بن عمر، عبیداللہ بن عامر، خارجہ بن زید۔[196]

ان کا کام پیش پا افتادہ معاملات میں مشورہ دینا اور شہریوں کی پیدا شدہ شکایات کو گورنر تک پہنچانا تھا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے کہا تھا کہ

انی لا ارید ان اقطع امراً الا برأیکم

ترجمہ:- میں نہیں چاہتا کہ تمہارے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ کروں۔

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ مشاورتی کونسل کے افراد ہیں۔ تاریخ میں فقہاء مدینہ کے نام سے جو مشہور ہوئے ہیں وہ صرف سات ہی ہیں۔

ابن العماد حنبلی نے ان اکابر کو فقہاء سبعہ کہنے کی وجہ یہ لکھی ہے:

یہ فقہاء سبعہ ہیں کیونکہ یہ سب ایک ہی دور میں ہوئے ہیں۔ مدنیہ میں ان کے ذریعے علم و فتوی کی بیش از بیش نشرواشاعت ہوئی ہے۔ حالانکہ ان کے ہی زمانے میں دوسرے فقہاء تابعین بھی موجود تھے۔ لیکن ان کا علم کی اشاعت میں وہ حصہ نہیں ہے جو فقہاء سبعہ کا ہے۔[197]

حافظ سخاوی نے ان ہی سات کے بارے میں عبداللہ بن المبارک کا یہ بیان نقل کیا ہے:

جب کوئی مسئلہ درپیش آتا یہ سب ایک ساتھ مل کر اس پر غور کرتے اور جب تک وہ ان کے سامنے پیش ہو کر طے نہ ہو جاتا عدالت اس کی بابت کوئی فیصلہ صادر نہ کرتی۔[198]

اس دور میں مدینہ کی علمی بہار ان ہی فقہاء کے دم قدم سے قائم تھی۔ علم حدیث کا سارا دارومدار یہی فقہاء سبعہ ہیں۔ ان میں خارجہ بن زید کو چھوڑ کر کہ ان کو امام ذہبی نے قلیل الحدیث لکھا ہے باقی چھ کا نام سرفہرست ہے۔ امام ذہبی نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ مشہور استاد علامہ ابو منصور عبدالقادر بغدادی نے فقہاء سبعہ کو ائمہ

حدیث بتایا ہے فرماتے ہیں:

و الفقہا و السبعہ من التابعین من ھذہ الجملہ فانھم کانوا مع فقھھم ائمہ فی الحدیث۔[199]

اس دور میں مختلف شہروں میں حدیث کے مدرسے کھل گئے تھے ان مدرسوں کا اجمالی خاکہ یہ ہے۔

(1) مدینے میں مدرسہ حدیث کے مشہور امام سعید بن المسیب سنہ 94ھ' عروۃ بن الزبیر سنہ 94ھ' ابو بکر بن عبدالرحمن سنہ 94ھ' عبیداللہ بن عبداللہ سنہ 106ھ' سلیمان بن یسار سنہ 93ھ' قاسم بن محمد سنہ 112ھ' نافع مولیٰ بن عمر سنہ 117ھ' امام زہری سنہ 112ھ' ابو الزناد سنہ 130ھ۔

(2) مکے میں حدیث کے مشہور امام عکرمہ سنہ 105ھ' عطاء بن ابی رباح سنہ 115ھ' ابو الزبیر سنہ 128ھ۔

(3) کوفہ میں امام شعبی' عامر بن شراجیل سنہ 104ھ' ابراہیم نخعی سنہ 96ھ' علقمہ سنہ 62۔

(4) بصرہ میں حسن بصری سنہ 110ھ' ابن سیرین سنہ 110ھ

(5) شام میں عمر بن عبدالعزیز سنہ 101ھ' مکحول سنہ 118ھ' اور قبیصہ سنہ 86ھ۔[200]

مدینے کے علم و عمل پر اعتماد:۔ مدینے کے علم و عمل پر کتنا اعتماد ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حافظ ابن القیم نے لکھا ہے کہ

عمل اہل المدینہ الذی یحتج بہ ما کان فی زمن الخلفاء الراشدین۔[201]

ترجمہ:۔ زمانہ خلافت راشدہ میں اہل مدینہ کا عمل دین میں حجت ہے۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اہل مدینہ کا کسی مسئلہ پر جمع ہونا یقیناً تمام مسلمانوں کے نزدیک اس مسئلہ کو بھاری بنا دیتا ہے لیکن بحث اس میں ہے کہ جب صحابہ کرام بڑی کثرت کے ساتھ دوسرے شہروں میں جا بسے اس وقت بھی کسی مسئلہ کے متعلق مدینے والوں کا عمل حجت ہے یا نہیں۔ اس موضوع پر امام بخاری کی رائے پہلے بتائی جا چکی ہے کہ بقول حافظ ابن حجر امام بخاری کے نزدیک حرمین کے اتفاق سے ترجیح ہو سکتی ہے حافظ صاحب فرماتے ہیں۔

و فضل المدینہ ثابت لا یحتاج الی اقامہ دلیل خاص۔[202]

ترجمہ:۔ مدینے کی بزرگی اور فضیلت کے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

اگر مقصد صرف یہ ہے کہ مدینہ والوں کی علمی برتری دوسروں پر ثابت ہو تو اگر کسی خاص زمانے میں ان کی فوقیت مقصود ہے۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ نبوت اور صحابہ کے اس دور میں جب کہ صحابہ مدینہ سے دوسرے شہروں میں نہ گئے تھے مدینے کو یہ شرف حاصل ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہر زمانے میں علمی لحاظ سے فوقیت حاصل ہے تو یہ بات محل تامل ہے اور اس قسم کے جذباتی نعروں کی تحقیق کے بازار میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔[203]

حافظ ابن القیم نے اس موضوع پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

جمہور کی رائے میں مدینہ اور دوسرے شہروں کے عمل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ جن کے پاس سنت ہے اس ہی مقام کا عمل بھی قابل اتباع ہے ورنہ اختلاف کے وقت ایک کا عمل دوسروں کے لئے حجت نہیں ہے حجت تو صرف اتباع سنت ہے سنت کو صرف اس لئے نہیں چھوڑا جائے گا کہ کسی کا عمل اس کے خلاف ہے اگر اسے مان لیا جائے تو بہت سی سنتیں متروک ہو جائیں گی اور سنت کی معیاری حیثیت ختم ہو جائے گی کسی بھی شہر کو عظمت کا مقام حاصل نہیں ہے۔ دیواروں' مکانوں اور زمینوں کا کسی بات کے راجح قرار دینے میں کوئی اثر نہیں ہے۔ موثر تو شہروں کے مکین ہیں اور معلوم ہے کہ حضور انور ﷺ کے صحابہ کرام ہی دوسروں پر علم و عمل میں مقدم ہیں جیساکہ وہ فضیلت اور دین میں مقدم ہیں۔ اور صحابہ کا عمل ہی ناقابل مخالفت ہے۔ اور صحابہ کرام کی اکثریت مدینہ سے رخت سفر باندھ کر دوسرے شہروں میں چلی گئی بلکہ صحابہ کے اکثر علماء کوفہ' بصرہ اور شام چلے گئے مثلاً علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ' ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ' ابی الدرداء رضی اللہ عنہ' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ' معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔ بلکہ کوفہ' بصرہ میں تقریباً" تین سو سے زائد صحابہ آ گئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ اکابر جب تک مدینہ میں رہے ان کا عمل حجت تھا اور جب یہی لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے تو ان کا عمل حجت نہ رہا۔[204]

بہرحال زمانہ نبوت سے لے کر خلافت راشدہ تک مدینہ کو علم میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ حضرت علی مرتضیٰ

کے زمانے میں دارالخلافہ کے کوفہ اور پھر دمشق منتقل ہو جانے پر گو اس کی وہ علمی شان باقی نہ رہی تھی تاہم امام مالک کے زمانے تک مدینے کی علمی رونق برقرار تھی۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

مدینہ طیبہ درزمان او پیشتر از زمان متاخر مرجع علماء و محط رجال علماء است۔[205]

حافظ ذہبی کے حوالہ سے حافظ سخاوی نے لکھا ہے کہ:

مدینہ دارالہجرہ میں عہد صحابہ میں قرآن و سنت کا علم بہت زیادہ تھا اور زمانہ تابعین میں فقہاء سبعہ جیسے حضرات موجود تھے اور صغار تابعین کے دور میں بھی قرآن و سنت کا علم تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ ابن ابی ذئب' ابن عجلان' جعفر صادق' مالک' امام نافع قاری' ابراہیم بن سعد' سلیمان بن بلال اور اسماعیل بن جعفر سب کے سب مدنی ہیں۔

اس کے بعد امام ذہبی فرماتے ہیں کہ:

پھر ان کے بعد وہاں علم بہت کم ہو گیا اور بعد ازیں تو بالکل ہی ناپید ہو گیا۔

مدینہ طیبہ میں علم کب ناپید ہوا' یہ بھی امام ذہبی کی زبانی سن لیجئے۔

خصوصاً اس وقت جب کہ روافض کی ایک جماعت نے مدینہ میں ڈیرا لگا لیا اور مدینہ پر ان کی حکومت ہو گئی۔[206]

امام عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں:

السنہ المتقدمہ من اہل المدینہ خیر من الحدیث۔ [207]

مدینہ کی علمی وسعتوں کی اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ میں قاضی ابو بکر بن حزم کو جمع سنن کے کام پر مامور کیا۔ اس وقت مدینہ میں علمی شخصیتیں موجود تھیں جن کے بارے میں امیرالمومنین نے خصوصی ہدایات دی تھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں لکھا ہے کہ امیرالمومنین نے لکھا تھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمن اور قاسم بن محمد کے پاس جو علم ہے اسے قلم بند کر کے روانہ کیا جائے اور ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے:

کتب عمر الی ابن حزم ان یکتب لہ احادیث عمرہ۔ [208]

ترجمہ:۔ عمر نے ابو بکر بن حزم کو عمرہ کی احادیث قلم بند کرنے کے لئے لکھا۔

قاضی ابو بکر بن حزم مدینہ طیبہ میں اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں قضاء کے بارے میں جس قدر ان کو علم تھا اتنا کسی کو نہ تھا۔ بڑے عابد شب زندہ دار تھے۔ صرف قاضی ابو بکر نہیں بلکہ ان کے علاوہ مدینے ہی کے دوسرے اکابر کو بھی عمر بن عبدالعزیز نے یہ کام کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آ رہی ہے یہاں تو میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مدینے میں علمی وسعتوں کی وجہ سے عمرنے یہ حکم روانہ کیا تھا۔ بہرحال امام اعظم کے زمانہ طالب علمی تک مدینہ کا علمی جلال مانا ہوا تھا اور امام اعظم کو فقہاء سبعہ کی علمی بہاروں سے متمتع ہونے کا موقعہ ملا ہے۔ کیونکہ فقہاء سبعہ میں سے قاسم بن محمد کی وفات سنہ 112ھ میں ہوئی اور امام اعظم نے حجوں کا سلسلہ سنہ 29ھ سے شروع کیا ہے۔ واضح رہے کہ امیرالمومنین عمرنے تدوین حدیث کے لئے سرکلر سنہ 100ھ میں جاری کیا تھا اور امام اعظم نے علم حدیث کے طالب علم کی حیثیت سے اسفار علمی کا آغاز سنہ 104ھ میں کیا تھا۔

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اسناد و روایت میں اطمینان چاہتا ہے اسے مدینہ والوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

امام اعظم حج کے علمی سفروں میں مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے تھے۔ آپ نے اگر پچپن حج کئے ہیں تو پچپن ہی بار مدینہ طیبہ تشریف لے گئے ہیں۔ اولاً" اس لئے کہ چونکہ امام صاحب کے یہ سفر علمی ہوتے تھے اور مدینہ اپنی علمی بزرگی میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ ایوب بن زید سے حافظ سخاوی نے نقل کیا ہے کہ علم کو مدینے میں رسوخ حاصل ہوا ہے اور یہیں سے اس کا ظہور ہوا ہے۔[209]

دارالحدیث شام

ملک شام کے مشہور و معروف امام حدیث و فقہ اوزاعی سے بھی امام صاحب مکہ معظمہ میں ملے ہیں اور دونوں میں علمی مذاکرات جاری رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک (تلمیذ خاص امام اعظم ؒ) کا بیان ہے کہ میں امام اوزاعی کی خدمت میں شام حاضر ہوا تو انہوں نے پہلی ہی ملاقات میں دریافت کیا کہ کوفہ میں ابو حنیفہ کون ہیں جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہے۔ اس پر میں خاموش رہا اور امام اوزاعی کو امام صاحب کے خاص خاص مشکل استنباطی مسائل

سناتا رہا اور جب وہ پوچھتے کہ یہ کس کی تحقیق ہے تو کہتا کہ عراق کے ایک عالم ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ تو بڑے فقیہ معلوم ہوتے ہیں۔

ایک روز کچھ لکھے ہوئے اجزاء لے گیا جن میں امام صاحب کے ملفوظات قیمہ تھے اور سرنامہ پر ہی قال نعمان بن ثابت تحریر تھا۔ غور سے پڑھا' پھر پوچھا کہ یہ نعمان کون بزرگ ہیں؟

میں نے کہا کہ عراق کے ایک شیخ ہیں جن کی صحبت میں میں رہا ہوں فرمایا کہ یہ بڑے پایہ کا شخص ہے۔ میں نے کہا کہ یہ وہی ابو حنیفہ ہیں جن کو آپ مبتدع بتلاتے تھے۔ امام اوزاعی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا اور جب حج کے لیے گئے تو امام صاحب سے ملاقات ہوئی اور ان ہی مسائل پھر کا ذکر آیا اور امام صاحب نے اس خوبی سے تقریر فرمائی کہ امام اوزاعی حیران رہ گئے اور امام صاحب کے جانے کے بعد مجھ سے کہا کہ "اس شخص کے کمال نے اس کو لوگوں کی نظر میں محسود بنا دیا ہے۔ بے شبہ میری بدگمانی غلط تھی جس کا مجھے افسوس ہے۔" معلوم ہوتا ہے کہ امام اوزاعی اور امام صاحب کے درمیان مذاکراتی افادہ و استفادہ کا تعلق رہا ہے۔

شام کے مدارس حدیث میں امام اوزاعی (157ھ) کی درسگاہ زیادہ معروف ہوئی۔ صحابہ میں حضرت ابوالدرداء ﷜ (32ھ) اور حضرت امیر معاویہ ﷜ (60ھ) جیسے جبال علم اس علاقہ میں قیام فرما رہے اور ان کی وجہ سے یہ سرزمین علم کا گہوارہ بن گئی۔ مشہور تابعی امام مکحول ﷫ (118ھ) کی قدر و منزلت سے کون واقف نہیں۔ آپ کا علمی میدان یہی سرزمین شام تھی۔ امام اوزاعی آپ کے ہی شاگرد و رشید تھے۔ اہل کوفہ اور اہل مدینہ کے مقابل میں اہل شام حدیث اور اصول فقہ کے اپنے مستقل نظریات رکھتے تھے۔ اس علاقے میں چھٹی صدی ہجری تک امام اوزاعی کی تقلید جاری رہی۔ پھر یہ لوگ امام شافعی کے پیرو ہو گئے۔[210]

دارالحدیث بصرہ

صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو ﷜ (67ھ) مکثرین حدیث میں سے ہیں۔ اور آپ کی حدیثی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ آپ نے کثرت سے حدیث روایت کی ہے۔ کثرت روایت میں آپ حضرت ابو ہریرہ ﷜ کے پایہ کے ہیں۔ آپ حضرت عمرو بن عاص ﷜ فاتح مصر کے بیٹے تھے اور اسی تعلق سے یہ زمین آپ کے فیض کا گہوارہ بنی۔ مصر ابتداء میں ہی علم حدیث کا گہوارہ بن چکا تھا۔ تبع تابعین کے عہد میں امام لیث مصری (175ھ) یہاں علم کا مرکز تھے۔

مسلمانوں کی سب سے بڑی درسگاہ جامع ازہر اسی ملک میں ہے۔ جو آج بھی اپنی ہزار سالہ روشن تاریخ کے ساتھ قاہرہ میں قائم ہے۔

فضائل زیارت روضہ رسول ﷺ:- مدینہ طیبہ میں خواب گاہ نبوت کی زیارت اور مسجد نبوی میں نماز کو اسلام میں بہت بڑی اہمیت ہے۔ وفاء الوفاء میں ہے کہ:

عمر بن عبدالعزیز صرف سلام کی خاطر دمشق سے مدینہ قاصد روانہ کرتے تھے۔ علامہ السبکی فرماتے ہیں کہ یہ بات امیر المومنین سے روایتی لحاظ سے درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے۔[211]

حضرت عبداللہ بن عمر سے جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے۔

من جاء نی زائرا لا یھمه الا زیارتی کان حقا علی ان آکون له شفیعا۔

ترجمہ:- جو شخص میری زیارت کو آیا اور میری زیارت اس کا مقصد ہو۔ مجھ پر حق ہے کہ میں اس کی شفاعت کروں۔

یہ حدیث طبرانی میں ہے۔ علامہ عراقی نے حافظ ابو السکن کے حوالہ سے اس کی تصحیح فرمائی ہے[212] حضرت عبداللہ بن عمر سے جناب رسول اللہ ﷺ کا ایک اور ارشاد آیا ہے۔

من زار قبری وجبت له شفاعتی

ترجمہ:- جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی میری شفاعت کا وہ حق دار ہو گیا۔

علامہ شوکانی اس حدیث کی تصحیح حافظ عبدالحق، حافظ تقی الدین السبکی اور حافظ ابن السکن سے نقل کی ہے[213]

حافظ طلحہ بن محمد نے مسند ابی حنیفہ میں زیارت کا مسنون طریق بھی حضرت عبداللہ بن عمر سے بحوالہ امام اعظم روایت کیا ہے:

ابو حنیفه عن نافع عن ابن عمر قال من السنه ان تاتی قبر النبی صلی الله علیه وسلم من قبل القبله و تجعل ظهرک الی القبله و تستقبل القبر لوجهک ثم تقول السلام علیک ایها النبی و رحمه الله و برکاته

ترجمہ:- زیارت کا مسنون طریق یہ ہے کہ تم نبی ﷺ کی قبر پر آؤ قبلہ کی جانب سے اور پشت قبلہ کی طرف کر کے چہرہ قبر کی طرف کرو اور یوں کہو اسلام علیک ۔۔۔ الخ[214]

مشہور محدث علی قاری لکھتے ہیں۔

اعلم ان زیارہ سید المرسلین باجماع المسلمین من اعظم القربات و افضل الطاعات و الحج الساعی ونیل الدرجات قریبہ من درجہ الواجبات لمن لہ سعہ و ترکہ غفلۃ و جفوۃ کبیر۔[215]

ترجمہ:۔ نبی کریم ﷺ کی زیارت مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ کے مطابق بہت بڑی قربت بزرگ ترین طاعت حصول درجات کی بہترین کوشش ہے بشرط یہ کہ اس کی گنجائش ہو اسے چھوڑنا غفلت ہے۔

امام اعظم کی مدینہ المنوّرہ میں حاضری:۔ بہرحال امام اعظم حج کے موقع پر مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے اور امام مالک سے بھی ملاقات آپ کی ہوتی چنانچہ انتصار السالک للامام الکبیر مالک میں ہے کہ جب امام اعظم سے مدینہ کی علمی حیثیت کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس بستی میں علم پھیلا ہوا اور بکھرا ہوا دیکھا ہے اگر اسے کوئی سمیٹے گا تو یہ سرخ و سپید رنگ کا لڑکا ہے یعنی امام مالک۔[216]

اس بستی میں جس میں علم پھیلا ہوا ہے امام اعظم نے جب مشائخ حدیث کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے ان کی تفصیل تو از بس دشوار ہے لیکن میں بطور گلے از گلزار چند گرامی قدر ہستیوں کا تعارف ہدیہ ناظرین کرتا ہوں تاکہ اندازہ کرنے والے اندازہ کر سکیں۔

الحافظ ابو عبداللہ نافع العدوی سنہ 118ھ:۔ آپ علم حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ اور آپ کے سامنے الثقات النبلاء اور الائمہ الاجلہ مثلاً امام اعظم، امام مالک، امام لیث بن سعد، قاضی ابو بکر بن حزم اور امام زہری نے زانوئے ادب تہ کیا ہے۔[217] حافظ عسقلانی نے آپ کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی پورے تیس سال خدمت کی ہے[218] حضرت عبداللہ امام نافع کو اپنے لئے اللہ سبحانہ کا انعام فرماتے تھے۔ ان کی علم میں جلالت قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کو بھی امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانہ حکومت میں سنن کی تعلیم کے لئے سرکاری طور پر مصر روانہ کیا تھا۔[219] سید الحفاظ امام یحیٰی بن معین سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ کے نزدیک نافع عن ابن عمر اور سالم عن ابن عمر میں کون سا طریق دلربا ہے؟ تو آپ نے دونوں

میں سے کسی ایک کو بھی راجح نہ بتایا۔[220] 7 حافظ ابن الصلاح اور حاکم کے حوالہ سے حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے امام بخاری کے متعلق تو تنقیح الانظار میں حتماً دعویٰ کیا ہے کہ امام بخاری کی رائے ہے کہ جس قدر اسانید موجود ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح صرف وہ سلسلہ سند ہے جو بحوالہ امام مالک از نافع از عبداللہ بن عمر آتا ہے بلکہ علامہ محمد بن اسماعیل الیمانی نے توضیح الافکار میں حافظ ابن الصلاح کی بیان فرمودہ قید اصح الاسانید کلہا سے یہ بات پیدا کرلی ہے کہ " کل سند فی الدنیا" یعنی دنیا میں جس قدر روایتی اور تاریخی سلاسل موجود ہیں ان میں سب سے زیادہ معتبر نافع از ابن عمر ہے۔

ان کے علاوہ مدینے کے باقی شیوخ کے سامنے امام اعظم نے زانوئے ادب تہ کیا ہے یہ ہیں --- ابو عبداللہ محمد بن المنکدر سنہ 120ھ' الحافظ یحییٰ بن سعید الانصاری سنہ 120ھ' ہشام بن عروہ سنہ146ھ' واصل بن داود' ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص' موسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ سنہ 104ھ' ابو عبداللہ عکرمہ مولیٰ ابن عباس سنہ 107ھ' عبداللہ بن دینار' عطاء بن یسار' عبدالرحمٰن بن ہرمز سنہ 117ھ' عطاء بن السائب سنہ 146ھ' عدی بن ثابت' عبداللہ بن علی بن الحسین' سالم بن عبداللہ سنہ 106ھ۔[221]

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اصحاب

23- **محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ:-**[222] تبع تابعی ہیں۔ کوفہ کے قاضی تھے۔ نہایت متدین قاضیوں میں ان کا شمار تھا۔ بہت بڑے فقیہ اور علم قرآن کے ماہر تھے۔ روایت حدیث میں گو سچے تھے لیکن حافظ خراب ہونے کی بنا پر اکثر غلطیاں کرتے اور اس بنا پر امام صاحب سے ان کی نوک جھونک رہتی تھی۔ امام صاحب ان کی غلطیاں پکڑتے اور ایک بار قاضی صاحب نے منصور سے شکایت کر کے امام صاحب کو فتویٰ دینے سے رکوا دیا تھا۔ قاضی صاحب کی وفات سنہ 148ھ میں ہوئی۔

اصول فقہ:- یہ اور ان کے والد ابن ابی لیلی کی کنیت سے مشہور تھے۔ لیکن فقہ میں جب بھی ابن ابی لیلی آتا ہے تو محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی مراد ہوتے ہیں۔ اور احادیث میں ابن ابی لیلی سے مراد عبدالرحمن بن ابی لیلی رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں۔

24- شریک بن عبداللہ النخعی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ:- سنہ 95ھ میں پیدا ہوئے۔ نہایت عالم و فقیہ اور زاہد تھے۔ مہدی کی خلافت میں کوفہ کے قاضی رہے قضات میں عادل' حاضر جواب اور کثیر الصواب تھے۔ سنہ 177ھ میں وفات پائی۔ یہ امام صاحب سے اس قسم کی معاصرانہ چشمک رکھتے تھے جیسا کہ امام مالک اور ابن ابی ذئب میں تھی۔ لیکن فرق مراتب اسی سے عیاں ہے کہ جس شے کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پسند نہ فرمایا کہ جیل کے کوڑے کھانا گوارا کئے اسی شے کو محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی شریک نے قبول کیا۔ اس چشمک کی اصل غرض یہی تھی۔ ورنہ قاضی شریک خود امام صاحب کی مدح میں رطب اللسان ہیں جیسا کہ اوپر قول گزرا۔

25- سفیان بن سعید بن مسروق الثوری رحمۃ اللہ علیہ:- ثور ان کے جد اعظم کا نام تھا۔ سنہ 97ھ میں پیدا ہوئے۔ تبع تابعین میں سے جلیل القدر عظیم الشان امام' مجتہد وقت' قطب الاسلام' فقیہ و محدث اور عابد و زاہد اور امیر المومنین فی الحدیث تھے۔ یہ بھی امام صاحب کی طرح قضاء سے متنفر تھے۔ مہدی کے زمانہ قضا کے خوف سے روپوش رہے۔ آپ کو بھی امام صاحب سے کچھ مسائل میں اختلاف تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ امام سفیان زیادہ تر ظاہر حدیث پر عامل تھے اور قیاس و رائے کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ ورنہ خود سفیان فرماتے ہیں۔

ابو حنیفہ افقہ الناس۔

ترجمہ:- لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ ابو حنیفہ ہیں۔

یہ تینوں حضرات امام صاحب کے ہم عصر اور کوفہ کے باشندہ تھے اور دیگر آپ کے ہم عصر چونکہ کوفہ کے باشندہ نہ تھے اسی لئے ہم انہیں نظر انداز کرتے ہیں۔

مثلاً یحییٰ بن سعید الانصاری المدنی رحمۃ اللہ علیہ' امام جعفر صادق المدنی رحمۃ اللہ علیہ' قتادہ بصری رحمۃ اللہ علیہ' امام مالک مدنی رحمۃ اللہ علیہ' سفیان بن عیینہ المکی رحمۃ اللہ علیہ اور امام لیث بن سعد المصری رحمۃ اللہ علیہ۔

1- یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ:- فن جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ سب سے اول فن رجال میں انہوں نے کتابیں تصنیف کیں اور ان کے بعد ان کے شاگردوں یعنی یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ' علی بن المدنی رحمۃ اللہ علیہ' احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ' ابو خیثمہ رحمۃ اللہ علیہ اور عمرو بن فلاس رحمۃ اللہ علیہ نے۔

حدیث میں ان کا یہ مقام تھا کہ جب حلقہ درس میں بیٹھتے تو امام احمد بن حنبل اور علی بن المدنی مودب کھڑے

ہو کر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے۔ حلقہ عصر سے مغرب تک جاری رہتا۔ اور یہ دونوں حضرات اسی حالت پر کھڑے رہتے۔

محدثین کا قول ہے کہ جس راوی حدیث کو قطان ترک کر دیں گے ہم بھی اسے ترک کر دیں گے۔ امام احمد فرماتے ہیں۔

ما رایت بعینی مثل یحیی بن سعید القطان

ترجمہ:۔ میں نے اپنی آنکھوں سے یحیٰی بن سعید القطان جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔

یحیٰی بن سعید القطان امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔ خود ان کا قول ہے۔

قد اخذنا باکثر اقواله

ترجمہ:۔ ہم نے ابو حنیفہ کے اکثر اقوال لئے ہیں۔

علامہ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں جہاں وکیع بن الجراح الکوفی کا ذکر فرمایا ہے وہاں تحریر فرماتے ہیں۔

یفتی بقول ابی حنفیه و کان یحیی القطان یفتی بقوله ایضا"

ترجمہ:۔ وکیع ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے اور یحیٰی بن سعید القطان بھی انہی کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے۔

سنہ 130ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ 198ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔

2- امام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمۃ اللہ علیہ۔ سنہ 118ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ 181ھ میں وفات پائی۔ ہشام بن عروہ، مالک، ثوری، شعبہ اور اوزاعی وغیرہ سے حدیث حاصل کی۔ امام مالک استاد ہونے کے باوجود ان کی عزت فرماتے اور انہیں فقیہ خراسان فرماتے ہیں۔ آپ حدیث کے امام، فقیہ، حافظ الحدیث، سخی، مجاہد، عابد و زاہد، شاعر و فصیح اور روئے زمین پر اللہ کی جانب سے ایک حجت تھے۔ آپ جیسا ولی اللہ آپ کے بعد کوئی نہ گزرا۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کو عبداللہ بن المبارک پر جو فضیلت حاصل ہے وہ ان کے صحابی اور حضور ﷺ کی معیت میں جہاد کرنے کی بنا پر ہے۔ امام سفیان ثوری کے سامنے کسی نے انہیں عالم الشرق کہ کر خطاب کیا، ثوری نے فرمایا نہیں یہ عالم الشرق و الغرب ہیں۔

انہیں امام صاحب کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ خود فرماتے ہیں۔

بن معین رحمۃ اللہ علیہ اور ابو بکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے۔ ان کے حلقہ درس میں ستر ہزار اشخاص بیک وقت شریک ہوتے۔ علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ حافظ الحدیث کوئی نہیں دیکھا یہ امام صاحب کے شاگردوں میں داخل تھے اور امام صاحب سے فقہ کے علاوہ حدیث کی سماعت بھی کی ہے۔ خود فرماتے ہیں میں نے بہت سے لوگوں کی صحبت اٹھائی لیکن کسی کو ابو حنیفہ سے بڑھ کر نہیں پایا۔ سنہ 117ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ 206ھ میں وفات پائی۔

6- حفص بن غیاث القاضی رحمۃ اللہ علیہ:- آپ حافظ الحدیث تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور علی ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے تلامذہ میں داخل ہیں۔ آپ جو کچھ روایت کرتے زبانی کرتے۔ آپ کی مرویات کی تعداد چار ہزار ہے۔ امام صاحب کے خاص شاگرد ہیں۔ امام صاحب ان کے لئے فرماتے تم میرے دل کی تسکین اور میرے غم کے مٹانے والے ہو۔

مدت تک دنیوی تعلقات سے آزاد رہے۔ لیکن جب قرض سے زیر بار ہو گئے۔ تو عہدہ قضا قبول کیا۔ سنہ 117ھ میں پیدا ہوئے۔ تیرہ برس کوفہ میں اور دو برس بغداد میں قاضی رہے۔ سنہ 196ھ میں وفات پائی۔

7- ابو عاصم النبیل رحمۃ اللہ علیہ:- ان کا نام ضحاک بن مخلد ہے۔ مشہور محدث ہیں۔ ان کی توثیق پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ ایک بار امام شعبہ نے حدیث روایت نہ کرنے کی قسم کھالی۔ ابو عاصم رحمۃ اللہ علیہ شعبہ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا آپ قسم توڑ دیجئے اور درس حدیث دیجئے میں آپ کی قسم کے کفارے میں اپنا غلام آزاد کرتا ہوں۔ شعبہ نے یہ سن کر فرمایا انت نبیل☆ تو معزز آدمی ہے۔ اسی روز سے یہ آپ کا لقب ہو گیا۔ یہ امام صاحب کے خاص شاگردوں میں تھے۔ خطیب نے اپنی تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ زیادہ فقیہ ہیں یا ابو حنیفہ' فرمایا موازنہ تو ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی بنیاد ڈالی اور سفیان صرف فقیہ ہیں۔ سنہ 212ھ میں وفات پائی۔

8- عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ:- تبع تابعین میں مشہور امام اور حافظ الحدیث ہیں۔ امام احمد اور یحییٰ بن معین کو ان کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ حدیث میں ان کی ایک کتاب جامع عبدالرزاق ہے جس کے بارے میں امام بخاری کا قول ہے کہ میں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ انہیں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ سنہ 126ھ میں

پیدا ہوئے اور سنہ 211ھ میں انتقال فرمایا۔

9- داؤد الطائی رحمۃ اللہ علیہ:۔ صوفیہ انھیں مرشد کامل اور فقہا ان کے حفظ اور اجتہاد کے قائل ہیں۔ محدثین کا قول ہے۔

ثقہ بلا نزاع

ترجمہ:۔ بلا کسی اختلاف کے ثقہ ہیں۔

یہ امام صاحب کے مشہور شاگرد ہیں۔ اور امام صاحب کی مجلس علم کے معزز رکن تھے۔ سنہ 160ھ میں وفات پائی۔

10- ابو نعیم فضل بن وکین رحمۃ اللہ علیہ:۔ مشہور محدث ہیں۔ امام صاحب سے بکثرت روایات کرتے ہیں۔ سنہ 219ھ میں وفات پائی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ کا اسم گرامی یعقوب بن ابراہیم القاضی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ فقیہ و عالم اور حافظ الحدیث تھے۔ امام صاحب کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ یہی ہیں۔ اور انہی کی کوششوں سے فقہ حنفی کی اشاعت ہوئی۔ سنہ 113ھ یا سنہ 117ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ اور بروز جمعرات 5 ربیع الاول بوقت ظہر سنہ 182ھ میں وفات پائی۔

11- امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ:۔ یہ فقہ حنفیہ کے دوسرے بازو ہیں۔ فقہ حنفیہ میں انھوں نے بہت سی کتابیں تحریر فرمائیں۔ سنہ 135ھ میں پیدا ہوئے۔ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیل فقہ کی۔ اور اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، ثوری رحمۃ اللہ علیہ، مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ، مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ اور مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث حاصل کی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

ما یبذا لابی حنیفہ افقہ منی

ترجمہ:۔ ابو حنیفہ کے شاگرد مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

امام شافعی ان کے شاگرد ہیں۔ فرماتے ہیں میں نے محمد بن الحسن سے اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا۔ سنہ 189ھ میں وفات پائی۔

12- زفر بن ہذیل البصری رحمۃ اللہ علیہ:۔ سنہ 110ھ میں پیدا ہوئے۔ فقہ میں ان کے مقام امام محمد سے بڑھ کر سمجھا جاتا ہے۔ امام صاحب ان کی نسبت فرماتے تھے۔ اقیس اصحابی۔ بعض محدثین نے اگرچہ ان کی تضعیف کی

ہے۔ لیکن امام یحیٰی بن معین جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں فرماتے ہیں۔

زفر صاحب الرای ثقه مامون

ترجمہ:۔ زفر صاحب الرائے' ثقہ اور معتبر تھے۔

عہدہ قضاء پر مامور تھے اور سنہ 158ھ میں وفات پائی۔

13- **حسن بن زیاد اللولوی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ:۔** اولاً امام صاحب سے فقہ حاصل کیا پھر امام ابو یوسف اور اس کے بعد امام محمد سے۔ یحیٰی بن آدم کا قول ہے۔

ما رایت افقه منه

ترجمہ:۔ میں نے حسن سے زیادہ کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔

انہیں بارہ ہزار احادیث یاد تھیں۔ جو انہوں نے ابن جریج سے سنی تھیں۔ لیکن محدثین کے نزدیک ان کا درجہ پست ہے۔ سنہ 211 میں وفات پائی۔

14- **قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ:۔** انہیں فقہ و حدیث میں کمال حاصل تھا۔ صحاح ستہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے خاص الفت تھی۔ سنہ 175ھ میں وفات پائی۔

15- **اسد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ:۔** یہ پہلے شخص ہیں جنہیں امام صاحب کی مجلس میں تحریر کا کام سپرد ہوا۔ امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کی ہے۔ یحیٰی بن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ بغداد میں قضا کے عہدہ پر مامور تھے۔ سنہ 188ھ میں انتقال کیا۔

16- **علی بن المسہر رحمۃ اللہ علیہ:۔** فن حدیث امام اعمش اور ہشام بن عروہ سے حاصل کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ان کے فضل و کمال کے معترف تھے۔ بخاری و مسلم نے ان سے روایت لی ہے۔ سنہ 189ھ میں وفات پائی۔

17- **عافیہ بن یزید رحمۃ اللہ علیہ:۔** یہ وہی بزرگ ہیں جن کے بارے میں امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب تک عافیہ نہ آئیں کوئی مسئلہ قلم بند نہ کرو۔

18- **حبان رحمۃ اللہ علیہ:۔** کثیر الروایات ہیں۔ ابن ماجہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کی قوت حافظہ کے بہت مداح تھے سنہ 172ھ میں وفات پائی۔

19- مندل رحمۃ اللہ علیہ:- حبان کے بھائی تھے۔ اعمش، ہشام بن عروہ، عاصم الاحول اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت حدیث کی۔ سنہ 160ھ میں وفات پائی۔

20- امام لیث بن سعد المصری رحمۃ اللہ علیہ:- قاضی زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں اور دیگر علماء نے انھیں حنفی قرار دیا ہے اور یہ مکہ میں امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ فقہ کے امام اور حافظ الحدیث تھے۔ امام شافعی ان کا درجہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔ سنہ 94ھ میں پیدا ہوئے اور پندرہ شعبان بروز جمعہ۔ سنہ 175ھ میں وفات پائی۔

21- ابراہیم بن طہمان الہروی رحمۃ اللہ علیہ:- حدیث میں حافظ و امام تھے۔ ان کی روایات بکثرت ہیں۔ سنہ 163ھ میں وفات پائی۔

22- مکی بن ابراہیم الحنظلی رحمۃ اللہ علیہ:- خراسان کے شیخ تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بکثرت روایات کی ہیں۔ حافظ الحدیث اور امام الوقت تھے۔ امام بخاری ان کے شاگرد ہیں اور بخاری کی ثلاثیات اکثر ان ہی سے مروی ہیں۔ سنہ 215ھ میں وفات پائی۔

23- اسد بن الفرات القیروانی رحمۃ اللہ علیہ:- انہوں نے فقہ عراق و حجاز اور حدیث و فقہ کو جمع کیا ہے۔ سنہ 213ھ میں وفات پائی۔

24- ابو عبدالرحمن المقری رحمۃ اللہ علیہ:- ان کا نام عبداللہ بن یزید الکوفی ہے۔ امام صاحب سے بکثرت روایات کرتے ہیں۔ سنہ 213ھ میں وفات پائی۔

25- حافظ یعلی بن منصور الرازی رحمۃ اللہ علیہ:- انہوں نے بھی فقہ اور حدیث کو جمع کیا ہے۔ سنہ 211ھ میں وفات پائی۔

26- حافظ عبداللہ بن داؤد الخریبی رحمۃ اللہ علیہ:- یہ فقہ و حدیث میں امام الوقت تھے۔ سنہ 213ھ میں وفات پائی۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات ہیں کہ جنہیں امام صاحب سے تلمذ کا فخر حاصل ہے اور علی

الخصوص محدثین میں فضل بن موسیٰ، فضل بن وکین اور حمزہ بن حبیب الزیات وغیرہ۔ لیکن یہاں اصحاب ابی حنیفہ کا احصاء مقصود نہیں۔ بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اہل کوفہ اور اہل عراق سے کون کون لوگ مراد ہیں۔

ایسا نہیں ہے جیسا کہ مخالفین نے مشہور کر رکھا ہے کہ اہل عراق سے صرف ابو حنیفہ رحمہ اللہ، ابو یوسف رحمہ اللہ، محمد رحمہ اللہ اور زفر رحمہ اللہ مراد ہیں۔ اور نہ اس امر سے دھوکا کھائیں کہ اہل مدینہ کے مقابلہ میں اہل کوفہ کی کوئی وقعت نہیں۔ کیونکہ ہم یہ ظاہر کر چکے ہیں کہ اہل کوفہ نے کن کن اصحاب سے علم حاصل کیا ہے اور ان لوگوں کے قول کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے کہ جن کا عقیدہ یہ ہو کہ ہمارا اور صحابہ کا قول مساوی ہے جیسے وہ عقل رکھتے تھے ہم بھی رکھتے ہیں اور جیسے وہ علم رکھتے تھے ہم بھی رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس صد افسوس ان بیچاروں کو صحابہ کی طرح شرف صحبت حاصل نہ ہوا اگر ایسا ہوتا تو کیا ہوتا؟

معجم البلدان میں کوفہ کے بیان میں امام احمد سے سفیان ثوری رحمہ اللہ کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔ "احکام حج کے لئے مکہ، قرات کے لئے مدینہ اور حرام و حلال کے لئے کوفہ مرکز ہے"۔

مرکز علم کوفہ کے دار العلوم سے فارغ شدہ محدثین کے طبقات

ابن قیم نے امام صاحب رحمہ اللہ کے زمانہ تک ایسے محدثین، فقہاء، مفتیین و قضاۃ کے پانچ طبقے گنائے ہیں۔

طبقہ اول میں:۔ علامہ شعبہ کوفی، علقمہ بن قیس کوفی، اسود بن یزید کوفی، مسروق الاجدع (متبنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) عمرو بن میمون کوفی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، عبیدہ بن عمر کوفی، قاضی شریح کوفی، قاضی سلیمان بن ربیعہ کوفی، عبدالرحمن بن یزید کوفی، ابو وائل کوفی وغیرہ یہ اکابر محدثین اکابر تابعین سے ہیں جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے۔

طبقہ دوم میں:۔ ابراہیم نخعی، قاسم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ، ابو بکر بن موسیٰ، محارب بن وثار، حکم بن عتبہ، جبلہ بن سہیم وغیرہ

طبقہ سوم میں:۔ حماد بن ابی سلیمان، سلیمان اصغر، سلیمان اعمش، مسعر بن کدام وغیرہ

طبقہ چہارم میں:۔ محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ' عبداللہ بن شبرمہ' قاسم بن معن' سفیان ثوری' امام ابو حنیفہ' حسن بن صالح وغیرہ

طبقہ پنجم میں:۔ اصحاب ابی حنیفہ' حفص بن غیاث' وکیع بن الجراح' زفر بن ہذیل' حماد بن ابی حنیفہ' حسن بن زیاد' محمد بن الحسن عافیہ القاضی' اسد بن عمرو' نوح بن دراج القاضی' یحییٰ بن آدم اور اصحاب سفیان ثوری وغیرہ

تہذیب التہذیب میں ہے کہ جب حماد فقیہ العراق حج سے واپس آئے تو فرمایا:۔ "اے اہل کوفہ! میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ کوفہ کے کمسن لڑکے عطاء' طاؤس' مجاہد محدثین مکہ سے افقہ ہیں"۔

صحیح حاکم میں شعبی سے روایت ہے کہ صحابہ میں چھ قاضی تھے' جن میں سے تین مدینہ میں تھے عمرؓ' ابی بن کعب' زید اور تین کوفہ میں علی' ابن مسعود اور ابو موسیٰ۔

علامہ عبد بن رجب سے نقل ہے کہ آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا' جواب دیا تو سائل نے کہا کہ اہل شام تو آپ کی اس بات کے خلاف بتاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "اہل شام کو ایسا مرتبہ کہاں سے حاصل ہوا؟ یہ مرتبہ تو صرف اہل مدینہ و اہل کوفہ کا ہے۔ (کہ ان کے اقوال سے حجت پکڑی جائے")۔[1]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تحصیل علم کے لئے مختلف شہروں میں گیا ہوں لیکن کوفہ و بغداد تو اتنی بار گیا ہوں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا

باب سوئم

1. الاستیعاب فی معرفۃ الحدیث حافظ ابن عبدالبرمالکی۔ ص 35' دار العلم بیروت' 1988
2. کنزالعمال علی متقی۔ ص 314' مطبع دیوبند' 1965
3. اعلام الموقعین ابن القیم۔ ص 375' بیروت' 1957
4. ازالۃ الخفائی سیرۃ الخلفاء۔ شاہ ولی اللہ۔ ص 185' مجتبائی پریس دہلی' 1958
5. تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 21' قاہرہ' دار العلم' 1941ء
6. الفقہ المتفقہ خطیب بغدادی۔ ص 326' بیروت' 1958
7. جامع بیان العلم ابن عبدالبرمالکی۔ ص 218' بیروت' 1958
8. تذکرۃ الحفاظ۔ ص 107' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء
9. ایضاً۔ ص 75' ج 1
10. ایضاً۔ ص 79' ج 1
11. ایضاً ص 79' ج 1
12. تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 179' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء
13. مناقب ذہبی۔ ص 27' دار الکتب العربیہ' بیروت' 1956
14. ایضاً
15. ایضاً
16. ما تمس الیہ الحاجہ شرح ابن ماجہ۔ عبدالرشید نعمانی۔ ص 10' ادارہ نشرالقران کراچی' 1992
17. تاریخ بغداد۔ ص 344' ج 13' دار العلم بیروت' 1956
18. شرح مسند احمد۔ ص 200' مطبع العلوم آگرہ' 1942
19. تاریخ بغداد خطیب بغدادی بحوالہ جامع المسانید۔ ص 49' دار المعارف الاسلامیہ حیدر آباد دکن' 1965
20. مناقب ذہبی۔ ص 12811' مجتبائی پریس دہلی' 1970
21. ایضاً

23 مناقب موفق۔ ص 38، حیدر آباد 1936

25 مقدمہ فتح الباری۔ ص 524

24 ایضاً

25 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 359، ج 1

26 ایضاً

27 ایضاً۔ ص 292، ج 1

28 الانتقاء فی فضل الثلاثۃ الفقہاء۔ ابن عبدالبر۔ ص 53 بیروت 1956ء

29 نیل الامانی حلب 1956ء

30 منہاج السنہ۔ ابن تیمیہ۔ ص 142، ج 4 دار العلم، بیروت، 1941ء

31 مقدمہ فتح الباری۔ ص 4

32 مناقب امام اعظم الذہبی۔ ص 4، نیز الرفع و التکمیل عبدالحی لکھنوی۔ ص 86 لکھنؤ 1956ء

33 ایضاً ص 84

34 شرح مواہب اللدنیہ۔ ص 473، ج 7 دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

35 تحفہ اکملہ علی حواشی تحفہ الطلبہ۔ ص 5 دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

36 ایضاً

37 عیون الاثر فی فنون المغازی و السیر علامہ سمعانی۔ ص 15، ج 1 دارالحدیث قاہرہ 1918ء

38 الحظ الاوفر فی الحج الاکبر ملا علی قاری۔ ص 88 قاہرہ، دار العلم، 1941ء

39 تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 111، ج 9 دارالعلم، بیروت 1957ء

40 ایضاً۔ ص 324، ج 13

41 البدایہ و النہایہ۔ ابن کثیر۔ ص 97، ج 9 دارالعلم بیروت 1956ء

42 ایضاً

43 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 42، ج 1 قاہرہ، دار العلم، 1941ء

44 تبییض الصحیفہ جلال الدین سیوطی۔ ص 6 قاہرہ، دار العلم، 1941ء

45 الاصابہ فی تمییز الصحابہ ابن حجر عسقلانی۔ ص 5، ج 2 قاہرہ، دار العلم، 1941ء

46 جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبر مالکی۔ ص 45، ج 1 دار العلم، بیروت 1957ء

47 جامع بیان العلم حافظ ابن عبدالبر۔ ص 38 دار العلم، بیروت 1957ء

48 تذکرہ الحفاظ، ذہبی۔ ص 130، ج 1 قاہرہ، دار العلم، 1941ء

49 لسان المیزان۔ ترجمہ عائشہ قاہرہ، دار العلم، 1941ء

50 البدایہ و النہایہ۔ ابن کثیر۔ ص 75، ج 2 دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

51 تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 339، ج 13 دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

52 الکفایہ فی علوم الروایہ خطیب بغدادی۔ ص 89 دار الکتب العربیہ بیروت 1948ء

53 مقدمہ ابن صلاح۔ ص 11 قاہرہ 1992ء

54 شرح مسند امام اعظم حسن سنبھلی۔ ص 289 ندوۃ العلماء لکھنؤ 1970ء

55 تلقیح فہوم اہل الاثر۔ ص 236 بیروت 1952ء

56 ایضاً

57 ایضاً

58 ایضاً

59 تذکرہ الحفاظ، ذہبی۔ ص 76، ج 1 قاہرہ، دار العلم، 1941ء

60 ایضاً

61 ایضاً

62 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 76، ج 1 قاہرہ، دار العلم، 1941ء

63 ایضاً، ذہبی۔ ص 75، ج 1

64 تاریخ العرب۔ ص 311، ج 1، بیروت 1960ء

65 شرح مسند الامام۔ ص 56 حیدر آباد دکن 1978ء

66 جامع الصحیح البخاری۔ ص 128، ج 1

67 صحیح مسلم۔ ص 424، ج 1

68 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 234، ج 1 قاہرہ، دار العلم، 1941ء

19۔ تقدمہ نصب الرایہ۔ ص 55 دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

20۔ جامع المسانید خوارزمی۔ ص 525' ج 2' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

21۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 258 قاہرہ' دار العلم' 1941ء

22۔ مناقب الموفق۔ ص 96' ج 1 دار العلم' بیروت 1957ء

23۔ معرفت علوم الحدیث حاکم نیشاپوری۔ ص 210' حیدر آباد دکن 1956ء

24۔ میزان الاعتدال۔ ص 379' ج 1 دار العلم' بیروت 1957ء

25۔ میزان الاعتدال حافظ ابن حجر عسقلانی۔ ص 279' ج 1 دار العلم' بیروت 1957ء

26۔ الملل و النحل علامہ شہرستانی۔ ص 234' ج 1 دارالحدیث قاہرہ 1968ء

27۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔۔۔ ص 219 بیروت' 970ء

28۔ ایضاً۔ ص 112

29۔ بخاری۔ ص 7' ج 1

80۔ عمدۃ القاری شرح بخاری۔ ص 80' ج 1

81۔ عمدۃ القاری کتاب الایمان۔ ص 161

82۔ کتاب الاثار امام محمد۔ ص 56 ادارہ نشرالقرآن کراچی 1995ء

83۔ موطا امام محمد۔ ص 54

84۔ کتاب الاثار امام محمد۔ ص 18 ادارہ نشرالقرآن کراچی 1995ء

85۔ مسند خوارزمی۔ ص 211' ج 1 حیدر آباد دکن 1968ء

86۔ شرح مسند ملا علی قاری۔ ص 80 حیدر آباد دکن 1970ء

87۔ الانتقائی فضائل الثلاثۃ ابن عبدالبر۔ ص 72 دار العلم' بیروت 1941ء

88۔ ایضاً ص 72

89۔ تاریخ بغداد ترجمہ حماد دار العلم' بیروت 1931ء

90۔ ایضاً

91۔ تذکرہ الحفاظ' ذہبی۔ ص 108' ج 1 قاہرہ' دار العلم' 1941ء

92۔ منھاج السنہ ابن تیمیہ۔ ص 142' ج 4 دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

93۔ کتاب الاثار امام محمد۔ ص 80 ادارہ نشر القرآن کراچی 1995ء

94۔ جامع المسانید خوارزی۔ ص 304 حیدر آباد دکن 1968ء

95۔ شرح مسند احمد۔ ص 120

96۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی ترجمہ شیبانی قاہرہ' دار العلم' 1941ء

97۔ کتاب الاثار امام محمد۔ ص 99' ادارہ نشر القرآن کراچی 1995ء

98۔ ایضاً"

99۔ ایضاً"

100۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 82' ج 1 قاہرہ' دار العلم' 1941ء

101۔ ایضاً"

102۔ تذکرۃ الحفاظ حافظ ذھبی ص 82 قاہرہ دار العلم 1941ء

103۔ مناقب موفق ناحمد مکی۔ ص 53' ج 1 دار العلم' بیروت 1957ء

104۔ شرح درمختار شامی ص 377 ج 1 بیروت 1951ء

105۔ البدایہ و النھایہ۔ ابن کثیر۔ ص 71' ج 7۔ ان الصحابہ استر خمو المدائن۔ دارالکتب العربیہ بیروت 1955ء

106۔ طبری۔ ص 141' ج 4 دار نفنہ' قاہرہ' 1977ء

107۔ البدایہ و النھایہ۔ ص 75' ج 7 دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

108۔ تاریخ اسلام۔ ص 410 ج 1۔ نیز فجر الاسلام احمد امین مصری۔ ص 180 قاہرہ 1976ء

109۔ تاریخ طبری۔ ص 141۔ ج 4 دار نفنہ' قاہرہ 1977ء

110۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ شمس الدین سخاوی۔ ص 92 دار العلم' بیروت 1980ء

111۔ کتاب الکنی والاسماء۔ ابو البشر دوالبی۔ ص 174' ج 1 دار العلم' بیروت 1978ء

112۔ فتح القدیر۔ ص 42' ج 1 دار العلم' بیروت 1957ء

113۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ ولی اللہ۔ ص 210' ج 2 مجتبائی پریس دہلی 1956ء

114۔ فجر الاسلام احمد امین مصری۔ ص 184 دار الحدیث قاہرہ 1986ء

115۔ منھاج السنہ ابن تیمیہ۔ ص 156' ج 4 دار العلم بیروت 1955ء

116۔ الاتقان فی علوم القرآن جلال الدین سیوطی۔ ص 189' ج 2 دار العلم' بیروت 1946ء

117۔ مناقب کردری۔ ص 64' ج 1 دار المعارف حیدر آباد دکن 1957ء

118۔ منھاج السنہ ابن تیمیہ۔ ص 122' ج 4 دار العلم' بیروت 1956ء

119۔ اعلام الموقعین ابن القیم۔ ص 25' 26۔ ج 1 دار العلم' بیروت 1957ء

120۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 334' ج 4 دار العلم' بیروت 1956ء

121۔ جامع بیان العلم ابن عبدالبر۔ ص 158' ج 2 دار العلم' بیروت 1957ء

122۔ ایضاً"

123۔ تاریخ ادب العربی حسن زیات۔ ص 232' ج 2 قاہرہ' 1970ء

124۔ طبقات ابن سعد۔ ص 179' ج 1۔ نیز جامع بیان العلم ابن عبدالبر۔ ص 75' ج 1۔ مقالا ھذا میں میں نے جامع بیان کی روایت کو ترجیحاً" اختیار کیا ہے۔

125۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 12' ج 1 قاہرہ' دار العلم' 1941ء

126۔ ایضاً"۔ ص 14

127۔ مناقب موفق۔ ص 13' ج 2 دار المعارف حیدر آباد دکن 1957

128۔ احکام القرآن جصاص رازی۔ ص 71' ج 1' دار العلم' بیروت 1957ء

129۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 275' دار العلم' بیروت 1957ء

130۔ مقدمہ نصب الرایہ۔ ص 35 دار العلم' بیروت 1960ء

131۔ طبقات ابن سعد۔ ص 130 دار العلم' بیروت 1958ء

132۔ عفان بن مسلم امام احمد اور امام بخاری کے استاد ہیں۔ امام یحیٰ بن معین کہتے ہیں کہ محدث پانچ ہیں۔ امام مالک' ابن جریج' ثوری' شعبہ اور عفان۔ سنہ 220ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ ص 345' ج 1)

133۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 177' دار العلم' بیروت 1957ء

ل

134 مقدمہ فتح الباری۔ ص 194

135 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 12' ج 1 قاہرہ' دار العلم' 1941ء

136 ایضاً۔ ص 12

137 عقود الجمان محمد یوسف دمشقی۔ ص 52' دمشق 1986ء

138 التعلیقات الانتقاقی نضائل الثلاثۃ الفقہا زاہد کوثری

139 اقوام المسالک شرح موطا امام مالک زاہد الکوثری۔ ص 22' قاہرہ 1976ء

140 الاعلان بالتوبیخ شمس الدین سخاوی۔ ص 30' قاہرہ 1972ء

141 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی ترجمہ حماد بن سلمہ قاہرہ' دار العلم' 1941ء

142 ایضاً ترجمہ مسلم بن ابراہیم

143 کتاب الاثار امام محمد۔ ص 109' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

144 مناقب ذہبی۔ ص 22' حیدر آباد دکن 1945ء

145 الجواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 468 حیدر آباد' دکن' 1962ء

146 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 28' ج 1 قاہرہ' دار العلم' 1941ء

147 اشارات المرام۔ ص 20 دار العلم' بیروت 1957ء

148 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 97' ج 2 قاہرہ' دار العلم' 1941ء

149 تہذیب الاسماء و اللغات۔ ص 73 دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

150 الانتقاء فی ثلاثۃ الفقہاء۔ ابن عبدالبر۔ ص 125' دار العلم' بیروت 1957ء

151 ایضاً۔ ص 125

152 کتاب الاثار امام محمد۔ ص 33' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

153 معرفت علوم الحدیث حاکم نیشاپوری۔ ص 92' دار الحدیث' قاہرہ' 1946

154 الاعلان بالتوبیخ شمس الدین سخاوی۔ ص 136' دار العلم' بیروت 1957ء

155 ایضاً"۔ ص 136

156 فتح الباری۔ ص 257۔ ج 13

157 بظاہر ترجیح کی وجہ معلوم نہیں ہوتی شاید مکۃ المکرمہ اور مدینہ المنورہ کی تکریم وجہ ہو۔

158 عمدۃ القاری۔ ص 202' ج 5

159 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 92' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

160 مناقب ذہبی۔ ص 11' حیدر آباد' دکن' 1962ء

161 تذکرۃ الحفاظ۔ ص 93' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

162 البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ص 306' ج 8' دار العلم' بیروت 1946ء

163 البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ص 307' ج 8' دار العلم' بیروت 1957ء

164 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 303' ج 7' دار الحدیث قاہرہ 1948ء

165 [illegible]

166 البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ص 308' ج 8 دار العلم' بیروت 1957ء

167 مسند امام اعظم باب الوضو۔

168 الانتقاء فی فضائل الائمہ الثلاثہ الفقہاء ابن عبدالبر۔ ص 67' دار الحدیث قاہرہ 1956ء

169 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 303' ج 7' دار الحدیث' قاہرہ' 1942ء

170 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 107' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

171 مناقب کردری۔ ص 97' ج 2' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

172 احکام القرآن جصاص رازی۔ ص 80' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

173 ایضاً"۔ ص 80

174 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 108' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

175 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 108' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

176 تلقیح فہوم اہل الاثر۔ ص 234' دار العلم' بیروت 1957ء

177 تذکرۃ الائمہ موفق۔ ص 82' ج 1' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

178 شرح مسند الامام حسن سنبھلی۔ ص 186' لکھنؤ' 1977ء

179۔ کتاب الاثار امام محمد۔ ص 87' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

180۔ تذکرہ الحفاظ' ذہبی۔ ص 119' ج' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

181۔ کتاب الاثار امام محمد۔ ص 126' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

182۔ ایضاً

183۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 441' ج 9' دار الحدیث قاہرہ 1952ء

184۔ المدخل فی اصول الحدیث۔ ص 7 دار العلم' بیروت 1957ء

185۔ اعلام الموقعین ابن القیم۔ ص 12' ج 1' دار العلم' بیروت 1951ء

186۔ احکام الاحکام الآمدی۔ ص 517' ج 2' دار الحدیث' قاہرہ' 1980ء

187۔ الانصاف فی سبب الاختلاف شاہ ولی اللہ [illegible] پریس 1966ء

188۔ تذکرہ الحفاظ' ذہبی۔ ص 59' ج 'قاہرہ' دار العلم' 1941ء

189۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 212' ج 2' دار العلم' بیروت 1957ء

190۔ الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 422' دار العلم' بیروت 1941ء

191۔ شذرات الذھب ص 114' ج 1' دار الحدیث قاہرہ' 1958

192۔ الاحکام فی اصول الاحکام۔ ص 268' ج 5' دار العلم' بیروت 1957ء

193۔ اعلام الموقعین ابن القیم۔ ص 9' ج 1' دار العلم' بیروت 1957ء

194۔ ایضاً

195۔ ایضاً

196۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ص 71' ج 9' دار العلم' بیروت 1945ء

197۔ شذرات الذھب ابن العماد حنبلی۔ ص 104' ج 1' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

198۔ فتح المغیث سخاوی۔ ص 399' دار الحدیث' قاہرہ' 1940ء

199۔ اصول الدین۔ ص 313' دار العلوم' قاہرہ' 1940

200۔ الحدیث والمحدثون ابو زہرہ مصری۔ ص 122' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

201۔ زاد المعاد۔ ابن القیم۔ ص 76' ج 1' دار الحدیث' قاہرہ' 1956ء

202۔ ایضاً

ی

203 - فتح الباری۔ ص 263، ج 3

204 - اعلام الموقعین ابن القیم ص 361، ج 2، دار الحدیث، قاہرہ، 1952ء

205 - مصفی شرح مؤطا شاہ ولی اللہ۔ ص ۷، ج ۱، مجتبائی پریس، دہلی، 1955ء

206 - الاعلان بالتوبیخ سخاوی۔ ص 136، دار المعارف حیدر آباد دکن 1951ء

207 - تزئین الممالک۔ بحوالہ حدیث و المحدثون۔ ص 52، دار السنہ قاہرہ، 1956ء

208 - طبقات ابن سعد۔ ص 355، دار العلم، بیروت 1942ء

209 - الاعلان بالتوبیخ سخاوی۔ ص 127، حیدر آباد، دکن، 1962ء

210 - طبقات ابن سعد ص ۲۵۵ دار العلم بیروت ۱۹۴۲ء

211 - وفاء الوفا۔ ص 409، حیدر آباد، دکن، 1961ء

212 - شرح الاحیاء زین الدین عراقی۔ ص 416، ج 4، دار النشر، قاہرہ، 1936ء

213 - نیل الاوطار محمد علی شوکانی۔ ص 325، ج 4، دار العلوم، بیروت، 1942ء

214 - [illegible] اعلام العلم باب زیارت مدینہ المنورہ ۔ ص ۱۰۹ [illegible]

215 - ایضاً۔ ص 97

216 - التعلیق علی الانتقاء فی فضائل الثلاثہ۔ ص 29، دار الحدیث، قاہرہ، 1952ء

217 - ایضاً۔ ص 29

218 - تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 412، ج 11، دار الحدیث، قاہرہ، 1952ء

219 - ایضاً۔ ص 414، ج 11

220 - تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 94، ج 1، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

221 - ایضاً

222 - تذکرۃ الحفاظ ذہبی ص 152 تا 180 (29) [illegible] ترجمہ لیا گیا

223 - عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ ابو حنیفہ مرتضی زبیدی۔ حیدر آباد، دکن، 1962ء

تلامذہ حدیث امام اعظم

فہرست مضامین

باب چہارم

تلامذہ امام اعظم

حافظ عبدالقادر قرشی نے کتاب التعلیم کے حوالہ سے امام اعظم کے تلامذہ کی تعداد چار ہزار بتائی ہے اور امام حافظ الدین محمد بن محمد الکردری نے امام اعظم کے خاص تلامذہ کا ذکر کرنے کے بعد من روی عنہ الحدیث والفقہ کا عنوان قائم کر کے ان کا شہوار تذکرہ کیا ہے۔

امام طحاوی نے ان چار ہزار میں سے چالیس کو مدونین اور مصنفین کتب میں شمار کیا ہے۔ حافظ عبدالقادر نے اسد بن عمرو کے ترجمہ میں لکھا ہے۔

کان من اصحاب ابی حنیفہ الذین دونوا الکتب اربعین رجلا۔[1]

ترجمہ:- اصحاب ابوحنیفہ میں جو ارباب تصنیف ہیں ان کی تعداد چالیس ہے۔

اسد بن عمرو کا شمار بھی ان چالیس حضرات میں ہے ان کے بارے میں حافظ ابو نعیم کی بھی تصریح موجود ہے کہ اول من کتب کتب ابی حنیفہ اسد بن عمرو۔[2]

حافظ ابو جعفر طحاوی نے چالیس کی جو تعداد بسند متصل اسد بن الفرات کے حوالہ سے بتائی ہے۔ ان کی تعداد اگلے صفحہ میں لکھی جاتی ہے۔ اسد بن الفرات قیروان کے قاضی ہیں' قیروان میں امام ابوحنیفہ کی ان کتابوں کی وجہ سے علمی جلال ہے جو انہوں نے عبداللہ بن وھب کی خدمت میں پیش کی تھیں۔ ان کتابوں کی ایک نقل موصوف نے ابن القاسم مالکی کی درخواست پر ان کو بھی دی تھی۔[3]

مصنفین تلامذہ امام اعظم کی فہرست

1- قاضی ابویوسف
2- امام محمد
3- امام زفر
4- وکیع بن الجراح
5- یحیٰی بن زکریا
6- عبداللہ بن المبارک

7- امام داؤد نصیر الطائی 160ھ

8- امام حفص بن غیاث 194ھ

9- امام یوسف بن خالد السمتی 189ھ

10- امام عافیہ بن یزید 180ھ

11- امام حبان بن علی 172ھ

12- امام مندل بن علی 168ھ

13- امام علی بن مسہر 189ھ

14- امام القاسم بن معن 175ھ

15- امام اسد بن عمرو 188ھ

16- امام فضل بن موسی السیانی 192ھ

17- امام علی بن ظبیان 192ھ

18- امام ہشام بن یوسف 197ھ

19- امام یحیی بن سعید القطان 98ھ

20- امام شعیب بن اسحاق الدمشقی 198ھ

21- امام حفص بن عبدالرحمن بلخی 199ھ

22- امام حکم بن عبداللہ بلخی 199ھ

23- امام خالد بن سلیمان بلخی 199ھ

24- امام عبدالحمید بن عبدالرحمن 202ھ

25- امام ابو عاصم ضحاک بن مخلد 212ھ

26- امام مکی بن ابراہیم 215ھ

27- امام حماد بن دلیل

28- امام عبداللہ بن ادریس

29- امام فضیل بن عیاض 187ھ

30- امام ہشیم بن بشیر 183ھ

31- امام نوح بن دراج الجامع 183ھ

32- امام زہیر بن معاویہ 175ھ

33- امام شریک بن عبداللہ قاضی

34- امام نضر بن عبدالکریم 169ھ

35- امام مالک بن مقول 159ھ

36- امام جرید بن حازم 170ھ

37- امام جرید بن عبدالحمید 175ھ

38- امام الحسن بن زیاد 204ھ

39- امام حماد بن ابی حنیفہ 174ھ

40- امام ابو عصمہ نوح بن مریم 173ھ

وہ مشہور شہر جہاں امام اعظم کے شاگرد تھے

1- مکہ مکرمہ   2- مدینہ منورہ   3- دمشق   4- بصرہ

5- واسط   6- موصل   7- جزیرہ   8- رقہ

9- نصیبین　10- رملہ　11- مصر　12- یمن

13- یمامہ　14- بحرین　15- بغداد　16- اھواز

17- کرمان　18- اصبھان　19- حلوان　20- استر آباد

21- ھمدان　22- نہاوند　23- ر ۔　24- قومس

25- دامغان　26- طبرستان　27- جرجان　28- نیشاپور

29- سرخس　30- نساء　31- مرو　32- بخارا

33- سمرقند　34- صغانیان

35- ترمذ　36- ہراۃ　37- قہستان　38- زم

39- خوارزم　40- سجستان　41- مدائن　42- مصیصہ

43- حمص　44- کوفہ　45- بلخ　46- سیستان

47- صفار　48- نہستار　49- کس (رن کچھ۔ پاکستان)　50- ازم !

امام اعظم کے تلامذہ

ایشیائی ملکوں میں اگرچہ شاگردی اور استادی کا تعلق عموماً نہایت قوی ہوتا ہے۔ لیکن شاگردوں کو مختلف وجوہ سے کچھ ایسی خصوصیات ہو جاتی ہے کہ جہاں استاد کا نام آتا ہے۔ ممکن نہیں کہ ان کا نام نہ آئے امام ابو حنیفہ کے درس و تدریس کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ خلیفہ وقت کی حدود حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھیں۔ چنانچہ حافظ ابوالحاسن (محمد بن یوسف الصالحی) الشافعی نے نو سو اٹھارہ شخصوں کے نام بقید نام و نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے تھے۔ جن کی بیلوگرافی کے بغیر امام اعظم کی علمی تاریخ ناتمام رہتی ہے۔

اس کے بعد مولانا شبلی نے ان میں سے نو کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اسی طرح جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب تبییض الصحیفہ میں امام اعظم کے پچانوے شاگردوں کے نام درج کئے ہیں۔۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کی تعداد آٹھ سو تھی۔

علامہ موفق نے بحساب حروف تہجی ان کے وطن کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تعداد سات سو لکھی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ یہ سب آپ کے بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ صاحب جواہر نے کہا ہے کہ آپ کے چار ہزار شاگرد تھے۔ یہ تعداد مبالغہ آمیز نہیں کیونکہ آج کل کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کی تعداد بھی چند برسوں میں سیکڑوں سے تجاوز کر جاتی ہے۔

صاحب جواہر مزید لکھتے ہیں کہ سمرقند میں ایسے قبرستان موجود ہیں جن میں چار سو سے زائد "محمد" نام کے فقہاء موجود ہیں۔ اور ایک قبرستان ایسا ہے جسے "قبرستان اصحاب ابی حنیفہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اس کے مدفونین کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ یہاں امام ابو حنیفہ کے پچانوے شاگردوں کی فہرست نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کی روایت کردہ احادیث صحاح ستہ میں ہیں اور جامع المسانید میں بھی ہیں۔ یہ طویل فہرست تنسیق النظام کے مقدمہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

فہرست محدثین عظام جو امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں

1- ابراہیم بن طہمان
2- ابیض بن الاغر بن الصباح المنقری
3- اسباط بن محمد القرشی
4- اسحاق بن یوسف الازرق
5- اسد بن عمرو البجلی القاضی
6- اسماعیل بن یحیی الصیرفی
7- ایوب بن ہانی الجعفی
8- جارود بن یزید نیشاپوری
9- جعفر بن عون
10- حارث بن نبہان

-11 حبان بن علی العنزی

-12 حسن بن زیاد اللؤلوی

-13 حسن بن فرات القزاز

-14 حسین بن حسن بن عطیہ العوفی

-15 حفص بن عبدالرحمن البلخی القاضی

-16 دکام بن سلم الرازی

-17 ابو مطیع الحکم بن عبداللہ بن عبدالرحمن البلخی

-18 حماد بن ابی حنیفہ

-19 حمزہ بن حبیب الزیات

20 خارجہ بن مصعب السرخسی

-21 داؤد بن نصیر الطائی

-22 ابوالہذیل زفر بن الہذیل التیمی العنبری

-23 زید بن الحباب العکلی

-24 سابق الرقی

-25 سعد بن الصلت قاضی شیراز

-26 سعید بن ابی الجہم القابوسی

-27 سعید بن سلام بن ابی الہیفاء العطار البصری

-28 سلم بن سالم البلخی

-29 سلیمان عمر النخعی

30 مقاتل بن مزاحم

-31 شعیب بن اسحاق الدمشقی

-32 صباح بن محارب

33- صلت بن الحجاج الکوفی
34- ابو عاصم الضحاک بن مخلد
35- عام بن الفرات
36- عائذ بن الحبیب
37- عباد بن العوام
38- عبداللہ بن المبارک
39- عبداللہ بن یزید المقری
40- ابو یحییٰ عبدالحمید بن عبدالرحمن الحمانی
41- عبدالرزاق بن ہمام
42- عبدالعزیز بن خالد الترمذی
43- عبدالکریم بن محمد الجرجانی
44- عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی داؤد
45- عبدالوارث بن سعید
46- عبید اللہ بن عمرو الرقی
47- عبیداللہ بن موسیٰ
48- عتاب بن محمد بن شوزان
49- علی بن ظبیان الکوفی القاضی
50- علی بن عاصم الواسطی
51- علی بن مسہر
52- عمرو بن محمد العنقزی
53- ابو قطن عمرو بن الہیثم القطعی
54- ابو نعیم الفضل بن دکین

55- الفضل بن موسیٰ السینانی

56- قاسم بن الحکم العرنی

57- قاسم بن معن المسعودی

58- قیس بن ربیع

59- محمد بن ربان العنبری الکوفی

60- محمد بن بشر العبدی

61- محمد بن الحسن بن آتش الصنعانی

62- محمد بن الحسن شیبانی

63- محمد بن خالد الوھبی

64- محمد بن عبداللہ الانصاری

65- محمد بن الفضل بن عطیہ

66- محمد بن قاسم الاسدی

67- محمد بن مسروق الکوفی

68- محمد بن یزید الواسطی

69- مروان بن سالم

70- مصعب بن المقدام

71- المعافی بن عمران الموصلی

72- مکی بن ابراہیم البلخی

73- ابو سھل نصر بن عبدالکریم البلخی المعروف بالصیقل

74- نصر بن عبدالملک العتکی

75- ابو غالب النضر بن عبداللہ الازدی

76- نضر بن محمد المروزی

77- نعمان بن عبد السلام الاصبہانی

78- نوح بن دراج القاضی

79- ابو عصمہ نوح بن ابی مریم

80- ہُریم بن سفیان

81- ہوذہ بن خلیفہ

82- ہیاج بن بسطام

83- وکیع بن الجراح

84- یحییٰ بن ایوب المصری

85- یحییٰ بن نصر بن حاجب

86- یحییٰ بن یمان

87- یزید بن زریع

88- یزید بن ہارون

89- یونس بن بکیر

90- ابو اسحاق الفزاری

91- ابو حمزة السکری

92- ابو سعد الصاغانی

93- ابو شہاب الحناط

94- ابو مقاتل السمرقندی

95- قاضی ابو یوسف

تلامذہ امام اعظم شرکاء تدوین فقہ

نسائی میں حافظ ابن حجر کے حوالہ سے بعض ائمہ کا قول نقل ہے کہ اسلام کے مشہور ائمہ میں سے کسی کے اتنے

اصحاب و شاگرد ظاہر نہیں ہوئے جتنے امام ابوحنیفہ کے تھے اور جس قدر علماء نے آپ سے اور آپ نے اصحاب سے تفسیر آیات مشکلہ، حل احادیث مشتبہ، تحقیق مسائل مستنبطہ، نوازل، قضایا اور احکام وغیرہ میں استفادہ کیا ہے اور کسی سے نہیں کیا۔

بعض محدثین نے آپ کے خصوصی تلامذہ میں سے آٹھ سو تلامذہ کا تذکرہ مع ذکر نسب و مقام و غیر تفصیل سے کیا ہے اور جنہوں نے آپ کی مسند کو روایت کیا ان کی تعداد پانچ سو لکھی ہے۔

حافظ ذہبی نے امام صاحب کو حفاظ حدیث میں ذکر کیا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ امام صاحب سے تحصیل علم کرنے والے دو قسم پر تھے ایک وہ جو حدیث آپ سے اخذ کرتے تھے دوسرے وہ جو فقہ کے لئے زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔

حافظ محمد بن یوسف الصالحی شافعی مولف "السیرۃ الکبریٰ الشامیہ" نے عقود الجمان میں لکھا ہے کہ "امام ابوحنیفہ اعیان و کبار، حفاظ حدیث میں سے تھے اور اگر ان کی غیر معمولی توجہ و شغف حدیث کے ساتھ نہ ہوتی تو وہ استنباط مسائل فقہ نہیں کر سکتے تھے اور اسی کثرت اعتناء بالحدیث کی وجہ سے ان کو حافظ ذہبی نے "طبقات الحفاظ" میں ذکر کیا ہے اور ان کا یہ فعل نہ صرف درست وصواب بلکہ قابل تحسین ہے۔"

پھر 23 ویں باب میں لکھا کہ "باوجود امام صاحب کے وسعت حافظہ کے جو ان سے روایت حدیث کم ہوئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استنباط مسائل میں زیادہ مشغول رہے اور اسی طرح امام مالک و امام شافعی سے بھی روایت حدیث بہ نسبت ان کے کثیر الحدیث ہونے کے کم ہوئی ہے۔

جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے بہ نسبت ان کے کثرت علم حدیث کے روایت کم ہوئی ہے۔ پھر علامہ موصوف نے امام صاحب کی کثرت علم حدیث کے بھی کچھ واقعات پیش کئے ہیں اور اس کے بعد امام صاحب کی 17 مسانید کی اسانید کو پوری تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

علامہ کوثری نے نقل مذکور کے بعد تحریر فرمایا کہ امام صاحب کی یہ مسانید بطریق خیر رملی بھی امام صاحب سے مروی ہیں اور حافظ الحدیث شمس بن طولون نے بھی ان کی اسانید "فہرست اوسط" میں ذکر کی ہیں اور ہماری سند امام صاحب تک "التحریر الوجیز" میں ہے۔ خطیب بغدادی نے جس وقت دمشق کا سفر کیا تو وہ اپنے ساتھ مسند امام اعظم دار قطنی اور مسند امام لابن شاہین اور ایک مسند خود اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

حافظ بدرالدین عینی حنفی نے اپنی تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے مسند ابن عقدہ میں ایک ہزار حدیث سے زیادہ ہیں۔ علامہ حافظ سیوطی شافعی نے تعقیبات میں لکھا کہ ابن عقدہ کبار حفاظ حدیث میں سے تھے جن کی سب نے توثیق کی ہے۔ بجز کسی متعصب کے۔

ان کے علاوہ امام زفر نے بھی کتاب الاثار تالیف کی تھی جس میں امام صاحب سے بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔ اس نسخہ کا ذکر حاکم نے "معرفتہ علوم الحدیث" میں کیا ہے۔ ۸؎

مسند خوارزمی میں ہے کہ امام صاحب جس وقت اپنے استاد امام حماد کی جگہ جامع مسجد کوفہ میں مسند درس پر رونق افروز ہوئے تو ایک ہزار شاگرد آپ کے پاس جمع ہو گئے جن میں چالیس ایسے محدثین و فقہاء تھے جن کو اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ ان پر آپ کو فخر تھا اور ان کو دیکھ کر اکثر یہ جملہ فرمایا کرتے تھے۔

> "تم سب میرے راز دار اور غم گسار ہو' میں نے اس فقہ کے اسپ تازی کو زین و لگام کے ساتھ بنا سنوار کر تیار کر دیا ہے اس پر تم اپنا دینی' علمی سفر طے کرو' تم میری مدد کرو کیونکہ لوگوں نے مجھ کو جہنم کا پل بنایا ہے۔ وہ سب اس پر سے گزر کر پار ہوتے ہیں اور سب بار بوجھ میری پیٹھ پر ہے۔ یعنی وہ لوگ تو تقلید سے نجات پالیں گے لیکن اگر اجتہاد و استنباط احکام میں زرا سا بھی تساہل رونما ہوا تو اس کا مواخذہ مجھ سے ہو گا۔

چنانچہ امام صاحب نے تدوین فقہ کی ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی جس میں علاوہ 40 فقہائے مذکورین کے دوسرے سینکڑوں محدثین و فقہاء بھی وقتاً فوقتاً شرکت کیا کرتے تھے جو امام صاحب کی خدمت میں دور دراز ملکوں سے تحصیل حدیث و فقہ کے لئے حاضر ہونے رہتے تھے۔ کیونکہ تدوین فقہ کا یہ عظیم الشان کام تقریباً 25-30 سال تک جاری رہا ہے۔ ۹؎

دستور اسلامی کی تاریخ و تدوین

جناب رسول اللہ صلعم کے زمانہ تک "اسلام" میں زندگی گزارنے کے طریقوں (عقائد' عبادات و معاملات) کے لئے اصطلاحات کی کثرت اور شیوع نہیں تھا' ہاں فرض' واجب' سنت' مکروہ' حرام وغیرہ اصطلاحی اسماء کا وجود تھا' حضرات

صحابہ ؓ جیسے حضور صلعم کو کرتے دیکھتے یا جو کچھ آپ سے سنتے اس کو "عملاً" اختیار کر لیتے تھے۔

عہد نبوی میں اسلام پورے جزیرۃ العرب میں پھیل چکا تھا حجاز کے علاوہ جو قبائل زیادہ فاصلے پر آباد تھے وہ دین کی باتیں سیکھنے آتے اور واپس آ کر اپنے قبیلوں میں ان ہی تعلیمات کو سکھاتے تھے۔ حضور صلعم بھی مدینہ منورہ سے عمال کو مختلف قبیلوں میں اسی غرض سے بھیجتے تھے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان قبائل میں اسی غرض سے بھیجا گیا تھا۔

اس کے بعد خلافت راشدہ کا زمانہ آیا جس میں اسلام دوسرے ملکوں میں بھی پہنچ گیا جہاں کا رنگ ڈھنگ' طرز معاشرت اور زبان مختلف تھی وہاں پہنچ کر اسلامی تعلیمات' عقائد' معاملات' عبادات کی اہمیت کو مختلف الفاظ مثلاً" فرض' واجب' سنت' مکروہ' حرام وغیرہ سے ظاہر کرنا پڑا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو وہ لوگ امور دینیہ کی اہمیت سمجھنے سے قاصر رہتے۔

چونکہ ان مفتوحہ ممالک (ایران' شام' عراق' مصر' ایشیائے کوچک) تک حضرات صحابہ ؓ پہنچ چکے تھے اور انہوں نے وہاں کی بودوباش بھی اختیار کر لی تھی۔ اس لئے احکامات اسلامی کے لئے یہی لوگ مرجع قرار پائے۔ ان حضرات نے قرآن و سنت کی خوب اشاعت کی اور اسی کو احکامات میں اپنا مرجع بنایا لیکن اختلاف ادوار اور ضروریات زندگی کے ابھار کے باعث انہیں جو چیزیں پیش آئیں ان کا جواب انہوں نے قرآن و حدیث کی علل مستنبطہ کے ذریعہ دیا خلیفہ وقت کی طرف سے بھی اپنے مقررہ عمال کو یہی حکم تھا حضرت عمر ؓ نے اپنے ایک عامل کو تحریر فرمایا:

> "اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کرو اس مسئلہ میں جو تمہارے دل میں موجب تردد ہو۔ اگر قرآن و سنت سے تم کو وہ بات نہ معلوم ہو تو ایسے موقعہ پر ملتے جلتے ایک دوسرے سے مشابہ مسائل کو پہچانو پھر مسائل میں قیاس سے کام لو اور جو جواب تم کو اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور حق سے زیادہ قریب نظر آئے اس کو اختیار کرو"[۱۵]

لہٰذا حضرات صحابہ ؓ نے یہی کیا اور یہ ظاہر ہے قیاس میں اختلاف ضرور پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں سب کا ایک ہی قیاس ہو۔ اگر پورا قرآن پاک تمام صحابہ ؓ کو یاد بھی ہو لیکن سنن نبویہ کے بارے میں تو یہ نہیں کہا جا سکتا اس لئے جوابات میں اختلاف ناگزیر تھا پھر احکامات اور مسائل بتلانے والے ایک دو صحابی نہیں تھے بلکہ ایک بڑی جماعت تھی جن میں سے بعض کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بعض کے بہت ہی کم' سطور ذیل میں ان حضرات

صحابہ رضی اللہ عنہ کی ایک فہرست پیش کی جا رہی ہے جو کثیر الفتاوی تھے یہ وہ حضرات ہیں کہ اگر ان کے تمام فتاوے کو یکجا کر لیا جائے تو بڑی بڑی کتابیں بن جائیں گی۔

حضرات صحابہ میں اہل افتاء:-

1- حضرت عمر رضی اللہ عنہ
2- حضرت علی رضی اللہ عنہ
3- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
4- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
5- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
6- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ
7- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ

ان سات حضرات کے فتاوی کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کے علاوہ بیس صحابہ رضی اللہ عنہم وہ ہیں کہ جن کے فتاوی کی تعداد بہت زیادہ تو نہیں لیکن کم بھی نہیں ہے۔ مثلاً"

1- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
2- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا
3- حضرت انس رضی اللہ عنہ
4- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
5- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
6- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص
7- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ
8- حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ
9- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
10- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
11- حضرت جابر رضی اللہ عنہ
12- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
13- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ
14- حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ
15- حضرت زبیر رضی اللہ عنہ
16- حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
17- حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ
18- حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ
19- حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ
20- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔[1]

ان حضرات کے علاوہ 123 صحابہ رضی اللہ عنہم وہ ہیں جن میں سے بعض حضرات کے صرف ایک یا دو ہی فتوے ہیں اسی وجہ سے ان کو اس فہرست میں داخل نہیں کیا گیا۔

یہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پوری اسلامی قلمرو میں پھیلے ہوئے تھے اور تعلیم دین' احکامات دین کی نشرو اشاعت میں لگے

ہوئے تھے۔ 110ھ میں ان کے آخری فرد حضرت ابوالطفیل نے انتقال کیا اب احکامات کی نشرواشاعت کا کام ان کے شاگردوں (تابعین) نے شروع کر دیا چنانچہ اس زمانہ میں سات مقامات ایسے تھے جہاں تعلیمات دین کے لئے بڑی درس گاہیں اور دارالافتاء قائم تھے ان مقامات پر بڑے بڑے جید تابعی موجود تھے اور کام کر رہے تھے وہ سات مقامات یہ ہیں۔

1- مدینہ منورہ 2- مکہ معظمہ 3- کوفہ 4- بصرہ 5- دمشق (شام) 6- مصر 7- یمن

کوفہ کی درسگاہ:- کوفہ کے متعلق تفصیلی حالات تو ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے اس لئے ان کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ 120ھ سے قبل امام ابوحنیفہ کی حیثیت ایک طالب علم کی تھی' لیکن 120ھ میں امام حماد کے انتقال کے بعد امام صاحب ایک مستقل معلم اور مفتی اور کوفہ کی درسگاہ کے صدر نشین ہو گئے۔

امام صاحب چونکہ نہایت فہیم و ذکی تھے انہوں نے سوچا اب علم کسی ایک جگہ اور ایک فرد کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ اطراف عالم میں منتشر ہو چکا ہے اس کو اگر یکجا کیا گیا تو وہ ضائع ہو جائے گا یا پہلی امتوں کی طرح اس کی اصل صورت بدل جائے گی۔ پھر ان کی نظروں کے سامنے واضعین حدیث کے تصرفات موجود تھے امام صاحب یہ بھی جانتے تھے کہ اختلاف زمان واحوال اور حوائج کی وجہ سے ایک صدی میں بڑا تغیر ہو چکا ہے تو آئندہ ادوار میں یہ تغیر نہیں رک سکتا اس لیے اس علم کو یکجا کرنا چاہیے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے ایسا دستور العمل مرتب کر دینا چاہیے جس میں تمام چیزوں کی رعایت ہو اس لئے اسلامی قانون کی تدوین اور اس کے اصول کا متعین کرنا ضروری ہوا۔

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آج سے پہلے جو افراد تھے وہ آج نہیں ہیں زمانہ انحطاط کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے آج جو جبال العلوم ہیں ان سے استفادہ کرنا چاہیے اور جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کے آثار سے استفادہ کرنا چاہیے اور اس کو اصول و ضوابط کے تحت مبوب' مرتب' مدون کر دینا چاہیے لہٰذا امام صاحب نے 120ھ ہی سے اپنی درس گاہ کو اس نہج پر چلایا اور تدوین کا کام شروع کر دیا درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے اس کام کو بند بھی کر دیا تھا لیکن 132ھ سے پھر پابندی کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا اور بالآخر 150ھ تک اس کام کو پورا کر دیا

فجزاہ اللّٰہ عنی و عن جمیع المسلمین الی یوم القیامۃ خیرا واحسن الجزاء

ضرورت تدوین فقہ:- سطور بالا سے اجمالاً اگرچہ ضرورت تدوین فقہ پر کچھ روشنی پڑ چکی ہے لیکن قدرے تفصیل اس جگہ کی جا رہی ہے۔

حضرات شیخین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تمام مسلمان متحد تھے۔ مذہبی

اختلافات بھی زیادہ نہیں تھے بلکہ نفی کے درجہ میں تھے لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری عہد خلافت میں سیاسی فتنے شروع ہو گئے جنہوں نے آگے چل کر مذہبی صورت اختیار کر لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان فتنوں نے خونی صورت اختیار کر لی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت راشدہ کے بعد ہی مسلمانوں میں سیاسی بنیاد پر مذہبی فرقہ بندیاں پیدا ہو گئیں۔ چنانچہ خارجی اور شیعہ ان دونوں فرقوں کا وجود عمل میں آ گیا۔

بنی امیہ کے وسطی دور حکومت میں علمائے اسلام کی بھی دو جماعتیں بن گئیں۔ ایک اہل حدیث جو صرف ظاہر حدیث پر عمل کرنے کو واجب اور ضروری سمجھتے تھے۔ قیاس اور رائے ان کے یہاں حرام کا درجہ رکھتے تھے۔ اس خیال کے تین گروہ تھے۔ (1) معتزلہ (2) امامیہ شیعہ' (3) ظاہری' اس کا سربراہ داؤد بن علی الظاہری ہے۔ نظام پہلا شخص ہے جس نے قیاس کا انکار کیا' ابوالقاسم بغدادی لکھتے ہیں۔

"جہاں تک مجھے علم ہے نظام سے پہلے کسی نے قیاس کا انکار نہیں کیا تھا"۔[12]

ان کے علاوہ دیگر تمام علماء قیاس کو دلیل شرعی مانتے ہیں اس کے لئے ان حضرات نے اصول مرتب کئے اس باب میں عراق میں ابراہیم نخعی اور حجاز میں امام مالک کے استاد ربیعۃ الرائے اس زمانے کے مشہور عالم ہیں ابراہیم نخعی کے بعد امام حماد اور ان کے بعد امام ابو حنیفہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی ان حضرات نے روایت اور درایت کو یکجا کر دیا۔

پہلی صدی کے آخر میں روایت حدیث کی کثرت اور وضاعین کے فتنے نے بھی مسائل میں اختلاف پیدا کر دیا تھا۔ یہ فتنہ اتنا بڑا تھا کہ جس میں احادیث کے ضائع ہونے کا اندیشہ پیدا ہو چلا تھا۔ عین اسی موقعہ پر عمر بن عبدالعزیز نے اس خطرہ کو محسوس کیا اور فوراً ہی تدوین حدیث کا کام شروع کر کے تحفظ حدیث کا بندوبست کر دیا۔

دوسری صدی کے شروع میں اہل حدیث اور اہل الرائے کے درمیان ایک سخت نزاع پیدا ہو گیا' چنانچہ سوال پیدا ہوا کہ "حدیث" فقہ اسلام کی اصل اور قرآن کی [illegible] ہے یا نہیں پھر کثرت احادیث کی وجہ سے احادیث کی نوعیت میں اختلاف پیدا ہوا' قیاس اور استحسان کے ذریعہ استخراج مسائل میں اختلاف پیدا ہوا' اجماع کے اصل شرعی ہونے میں اختلاف' نہی اور امر کے صیغوں سے استنباط احکام میں اختلاف' غرض کہ دوسری صدی ہجری کے ربع الاول میں علم کے ہر گوشہ میں اختلاف موجود تھا۔

عام مسلمان قاضیوں کے مختلف فیصلوں کی وجہ سے سخت پریشان تھے چنانچہ ابن المقفع نے خلیفہ ابو جعفر منصور

کو اپنے خط میں لکھا ہے:-

> "عدالتوں میں بد نظمی پھیلی ہوئی ہے' ان میں کسی مشہور قانون کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا ہے بلکہ ان فیصلوں کا دارومدار قاضیوں کے اپنے اجتہاد پر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی شہر میں متضاد احکام صادر ہوتے رہتے ہیں چنانچہ ایک قاضی کے حکم کے مطابق اگر کوفہ کے ایک علاقہ میں بعض لوگوں کی جان و مال اور عصمت کے خلاف فیصلہ دیا جاتا ہے تو دوسرے علاقہ میں دوسرے قاضی کے فیصلہ کے مطابق اس کی حمایت میں فیصلہ صادر ہوتا ہے۔"[13]

وجہ اس کی یہی تھی کہ کوئی قانون مدون نہیں تھا۔ امام صاحب نے اسی قسم کی موجودہ اور آئندہ ضروریات کو محسوس کیا اور قانون اسلامی کو مدون کرنا شروع کر دیا اور امت مسلمہ پر ہی نہیں بلکہ تمام دنیا پر بڑا احسان فرمایا اسی وجہ سے قانون سازی کی تاریخ میں امام ابو حنیفہ کا نام سرفہرست ہے اور قانون ساز اسمبلیوں کے لیے اس فرزند جلیل کی ہدایات منارہ نور ہیں۔

کیفیت تدوین فقہ:- تدوین فقہ کا کام شروع کرنے سے پہلے یہ مسئلہ زیر غور آیا کہ اس مجلس کو کس جگہ قائم کرنا چاہیے بہت غور و فکر کرنے کے بعد کوفہ کو ترجیح دی گئی کیونکہ کوفہ اس کام کے لئے بہت عمدہ صلاحیت رکھتا تھا مختلف عربی و عجمی تہذیبیں وہاں موجود تھیں قسم قسم کے مسائل وہاں اٹھتے رہتے تھے۔ اہل علم بھی بہت تھے اس کے علاوہ عرب کے دوسرے شہروں کی تہذیب خالص عربی و سادہ تھی اور ایک قانون ساز کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا کی تہذیبوں کو بہ نظر غائر مطالعہ کرے اور ان سے پیدا شدہ مسائل و ضروریات و حوائج کے ابھار کو ہرگز نظر انداز نہ کرے۔ آج بھی جو لوگ بسم اللہ کے گنبد میں محصور ہو کر پرانی لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں اور عرف عامہ اور رواجات زمانہ سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں وہ دین کا مذاق اڑا رہے ہیں انہیں ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کی زندگیوں پر حرام حلال کے فتوے صادر کریں۔ میرے نزدیک وہ فقہ حنفی کے مزاج سے یکسر جاہل ہیں وہ وقت دور نہیں ہے کہ ان نام نہاد مفتیوں کے ہاتھوں سے قلم لے کر توڑ دیا جائے گا۔

بہر حال کوفہ میں یہ سب چیزیں موجود تھیں اور امام صاحب نے جس کام کا بیڑہ اٹھایا تھا اس کے لئے بھی ضرورت ایسی ہی جگہ اور ہوشیار افراد کی تھی اس لئے انہوں نے ایک مجلس شوری جو مجلس مباحثہ تھی کو مرتب کیا علامہ موفق فرماتے ہیں۔

فوضع ابو حنیفه مذہب شوری بینهم لم یستبدل فیه بنفسه دونهم .[1]

ترجمہ :- امام صاحب نے اپنے مسلک کو مشورہ پر رکھا اور مجلس سے کٹ کر فقہ کو صرف اپنی ذات پر موقوف نہیں رکھا۔

چنانچہ امام صاحب نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس ماہر فن اشخاص منتخب کئے۔ امام طحاوی نے بہ سند متصل بیان کیا ہے کہ اس مجلس کے اراکین کی تعداد چالیس تھی یہ سب کے سب حضرات درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان چالیس میں سے دس بارہ حضرات کی ایک اور مجلس خصوصی تھی جس کے رکن امام ابویوسف' امام زفر' داؤد طائی' احمد بن عمر' یوسف بن خالد' یحیی بن زائدہ' امام محمد عبداللہ بن مبارک اور خود امام ابوحنیفہ تھے۔ مجلس تدوین فقہ کے متعلق وکیع بن الجراح مشہور محدث فرماتے ہیں :-

"امام ابو حنیفہ کے کام میں کس طرح غلطی باقی رہ سکتی تھی جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ابو یوسف' زفر' محمد جیسے لوگ قیاس و اجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحیی بن زکریا بن زائدہ' حفص بن غیاث' حبان' مندل جیسے ماہرین حدیث ان کے ساتھ تھے اور لغت اور عربیت کے ماہر قسم بن معن یعنی عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے شریک تھے اور داؤد بن نصیر طائی فضیل بن عیاض' زہد اور تقوی اور پرہیزگاری رکھنے والے حضرات موجود تھے' لہذا جس کے رفقاء کار اور ہمنشین ایسے لوگ ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا' کیونکہ غلطی کی صورت میں صحیح امر کی طرف یہ لوگ واپس کرنے والے تھے۔"[2]

امام ابو حنیفہ نے استنباط مسائل کا یہ طریقہ مقرر کیا کہ اولاً کتاب اللہ پھر سنت نبویہ پھر آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور اس کے بعد قیاس' امام صاحب کی نظر احادیث کے بارے میں بہت دور بین تھی وہ حدیث کے قوی' ضعیف' مشہور' احاد کے علاوہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ آخری امر جس پر جناب رسول اللہ صلعم کا وصال ہوا ہے وہ کیا تھا۔ اگر حجازی اور عراقی صحابہ رضی اللہ عنہم کی احادیث میں اختلاف ہوتا تو بر بنائے فقہ افقہ کی روایت کو ترجیح دیتے تھے۔

مسائل کے استنباط میں امام صاحب اسی مذکورہ ترتیب کے ساتھ استحسان' مصالح مرسلہ ضروریات کو بھی پیش نظر رکھتے تھے اور سوچ سوچ کر اس قسم کے جزئیات پر بحث کرتے تھے کہ جن کا اب تک وجود نہیں ہوا تھا۔ امام صاحب فرماتے ہیں :-

"اہل علم کو چاہیے کہ جن باتوں میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا امکان ہے ان کو بھی سوچ لیں۔ تا کہ اگر واقعہ ہی ہو جائے تو انھیں انوکھی بات نظر نہ آئے کہ جس سے لوگ پہلے سے واقف نہ ہوں بلکہ معلوم رہنا چاہیے کہ ان امور میں اگر کسی کو مبتلا ہی ہونا پڑے تو شرعاً" ابتلا کے وقت کیا کرنا چاہیے اور مبتلا ہونے کے وقت شریعت نے کیا صورت بتلائی ہے۔"[۱۶]

اسی وجہ سے قیس بن ربیع مشہور محدث کہتے ہیں:۔

کان ابو حنیفه اعلم الناس بمالم یکن۔[۱۷]

ترجمہ:۔ امام صاحب ان مسائل کو بھی سب سے زیادہ جانتے تھے کہ جن کا وجود نہیں ہوا تھا۔

اسی وجہ سے امام صاحب نے مجلس تدوین میں ان تمام مسائل پر بحث فرمائی ہے کہ جن کے وقوع کا امکان ہو سکتا تھا۔ آپ کے گرد تلامذہ کا مجمع ہوتا تھا اور آپ جزئیات پیش کیا کرتے اور جواب حاصل کرتے اگر سب کا جواب ایک ہی ہوتا تو مسئلہ اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا تھا ورنہ پھر بحث کا سلسلہ جاری رہتا اور جو بھی آخر میں فیصلہ ہوتا وہی بات قرار پا جاتی۔

خدمت کتابت اسد بن عمرؒ یحیی بن زکریا بن زائدہ اور امام یوسف کے سپرد تھی اختلافات کے ساتھ بحث کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا کبھی کبھی ایک ایک مسئلہ پر مہینے گزر جاتے تھے۔ امام صاحب خاموش رہتے اور تقریریں سنا کرتے تھے البتہ کبھی کبھی بیچ میں یہ آیت پڑھ دیا کرتے تھے۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول و فیتبعون احسنه الآیته[۱۸]

ترجمہ:۔ آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیں جو بات سنتے ہیں اور احسن قول کا اتباع کرتے ہیں۔

جب کلام بہت طویل ہو جاتا تو امام صاحب اپنی تقریر شروع فرماتے تھے اور ایسا محکم فیصلہ فرماتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض اراکین اپنی رائے پر قائم رہتے تھے تو اس صورت میں سب کے اقوال قلم بند کر لئے جاتے تھے اس کا بھی التزام تھا کہ جب تک شوریٰ کے خصوصی اراکین جمع نہ ہوں کوئی مسئلہ طے نہ کیا جائے چنانچہ الجواہر المفیہ کے مصنف عافیہ بن یزید کے تذکرے میں اسحاق سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد آپس میں کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوتے اور عافیہ موجود نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ ذرا عافیہ کو آنے دو

جب وہ آ جاتے اور مسئلہ سے اتفاق کرتے تب مسئلہ قلم بند کیا جاتا تھا اور جب کوئی مسئلہ حل ہو جاتا تو فرط مسرت سے سب مل کر نعرہ تکبیر بلند کرتے تھے۔

تقریباً" 22 سال کی مدت میں امام صاحب نے قانون اسلامی کو مدون کر لیا تھا یہ کتابیں کتب فقہ ابی احنیفہ کے نام سے مشہور ہوئیں یہ مجموعہ 83 ہزار دفعات پر مشتمل تھا جس میں سے 38 ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے باقی 45 ہزار مسائل کا تعلق معاملات و عقوبات سے تھا ان ہی مسائل کے ضمن میں دقائق نحو اور حساب بھی مذکور تھے جن کے سمجھنے کے لئے عربیت اور حساب کے ماہر کی ضرورت ہے۔[19]

اس مجموعہ کی ترتیب اس طرح تھی باب الطہارت' باب الصلوۃ' عبادات کے بعد دوسرے ابواب اور ان کے بعد معاملات اور عقوبات کے ابواب تھے آخر میں باب المیراث تھا۔ چنانچہ مروجہ تمام کتب حنیفہ اسی ترتیب پر آج بھی موجود ہیں۔

یہ مجموعہ اگرچہ 144ھ سے پہلے مرتب ہو چکا تھا مگر بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے کیونکہ جب امام صاحب کو کوفہ سے بغداد جیل میں منتقل کر دیا گیا تو یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور امام محمد کا امام صاحب کی مجلس سے تعلق وہیں سے ہوا ہے۔ اضافہ کے بعد اس مجموعہ کی تعداد 50 لاکھ مسائل ہو گئی تھی۔۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں :-

كتبت كتب ابى حنيفة غير مرة كان يقع فيها زيادات فاكتبها۔[20]

ترجمہ :- میں نے امام صاحب کی کتابوں کو متعدد بار لکھا ہے ان میں اضافے بھی ہوتے رہے میں ان اضافوں کو بھی لکھتا تھا۔

اس مجموعہ کو امام صاحب کے زمانے ہی میں شہرت حاصل ہو گئی تھی اس کے جس قدر اجزاء تیار ہو جاتے تھے ہاتھوں ہاتھ چلے جاتے تھے عدالتوں میں قضاۃ نے سرکاری طور پر ان اجزاء کو رکھوالیا تھا۔ جب یہ مجموعہ بالکل تیار ہو گیا تو امام صاحب نے اپنے شاگردوں کے سامنے ایک تقریر فرمائی۔

امام صاحب کی تقریر :- میرے دل کی مسرتوں کا سارا سرمایہ صرف تم لوگوں کا وجود ہے تمہاری ہستیوں میں میرے حزن و غم کے ازالہ کی ضمانت پوشیدہ ہے۔ فقہ (قانون اسلامی) کی زین تم لوگوں کے لئے تیار کر چکا ہوں اس کے منہ پر تمہارے لئے لگام بھی چڑھا چکا ہوں۔ اب تمہارا جس وقت جی چاہے اس پر سوار ہو سکتے ہو میں نے ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقش قدم کی جستجو کریں گے اور اسی پر چلیں گے تمہارے ایک ایک لفظ کو لوگ تلاش

کریں گے میں نے گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا اور ہموار کر دیا اب وقت آ گیا ہے کہ تم سب لوگ علم کی حفاظت میں میری مدد کرو تم سب میں سے چالیس آدمی ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک عہدہ قضاء کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور ان میں سے دس آدمی ایسے ہیں جو قاضی نہیں۔ بلکہ ان کے معلم بھی بن سکتے ہیں۔ میں تم سب کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور علم کو جو کہ تم کو ملا ہے اس کی عظمت و جلالت کا حوالہ دیتا ہوں۔ میری تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچاتے رہنا اور اگر تم میں سے کسی کو قضا کی ذمہ داریوں میں مبتلا ہونا پڑے تو میں یہ کہے دیتا ہوں کہ ایسی کمزوریوں کا جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں جان بوجھ کر اپنے فیصلوں میں جو لحاظ کرے گا اس کا فیصلہ جائز نہ ہو گا نہ اس کے لئے خدمت قضا حلال ہے اور نہ اس کی تنخواہ لینا حلال۔ قضا کا عہدہ اس وقت درست ہے جب قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو اسی قضاء کی تنخواہ حلال ہے بہر حال ضرورت کو دیکھ کر اس عہدے کی ذمہ داریوں کو تم سے جو قبول کرے میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کی عام مخلوق اور اپنے درمیان روک کی چیزوں مثلاً" دربان وغیرہ کو حائل نہ ہونے دینا۔ پانچ وقت کی نماز مسجد میں پڑھنا ہمیشہ لوگوں کی حاجت پوری کرنے کو تیار رہنا۔ امام یعنی مسلمانوں کا امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ غلط رویے کو اختیار کر لے تو اس امام سے قریب ترین قاضی کا فرض ہو گا کہ اس سے باز پرس کرے۔[21]

امام صاحب کا یہ مدون شدہ قانون اس وقت کے تمام علماء اور والیان ریاست کے کام آیا۔ عدالتوں میں سرکاری طور سے اس کو داخل کر لیا گیا۔ یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں :-

قضی به الخلفاء والائمة والحکام واستقر علیه الامر[22]

ترجمہ :- خلفاء، حکام، ائمہ، امام صاحب کے مدون کردہ فقہ کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے بالآخر اسی پر عمل ہونے لگا۔

شرکاء و تدوین فقہ کی فہرست :-

1	امام زفر	م	158ھ
2	امام مالک بن مغول	"	159ھ
3	امام داؤد طائی	"	160ھ
4	امام مندل بن علی	"	168ھ

5	امام نصر بن عبدالکریم	169ھ
6	امام عمرو بن میمون	171ھ
7	امام حبان بن علی	172ھ
8	امام ابو عصمہ	173ھ
9	امام زہیر بن معاویہ	173
10	امام قاسم بن معین	175ھ
11	امام حماد بن الامام اعظم	176ھ
12	امام ہیاج بن بسطام	177ھ
13	امام شریک بن عبداللہ	187ھ
14	امام عافیہ بن یزید	180ھ
15	امام عبداللہ بن مبارک	181ھ
16	امام ابو یوسف	182ھ
17	امام محمد بن نوح	182ھ
18	امام ہشیم بن بشیر السلمی	183ھ
19	امام ابو سعید یحییٰ بن زکریا	184ھ
20	امام فضیل بن عیاض	187ھ
21	امام اسد بن عمرو	188ھ
22	امام محمد بن الحسن	189ھ
23	امام علی بن مسہر	189ھ
24	امام یوسف بن خالد	189ھ
25	امام عبداللہ بن ادریس	192ھ
26	امام فضل بن موسیٰ	192ھ

27	امام علی بن مسہر	192ھ
28	امام حفص بن غیاث	194ھ
29	امام وکیع بن الجراح	197ھ
30	امام ہشام بن یوسف	197ھ
31	امام یحیی بن سعید القطان	198ھ
32	امام شعیب بن اسحاق	198ھ
33	امام ابو حفص بن عبدالرحمن	199ھ
34	امام ابو مطیع بلخی	199ھ
35	امام خالد بن سلیمان	199ھ
36	امام عبدالحمید	203ھ
37	امام حسن بن زیادہ	204ھ
38	امام ابو عاصم النبیل	212ھ
39	امام مکی بن ابراہیم	215ھ
40	امام حماد بن دلیل	215ھ-[23]

ان حضرات پر مختصراً بھی کچھ لکھنا ایک مستقل تصنیف کو دعوت دینا ہے۔ اس لئے ان کے حالات سے گریز کیا جا رہا ہے ہاں اتنا عرض ہے کہ ان حضرات کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

کتب فقہ ابی حنیفہ:- اس میں شک نہیں کہ فقہ حنفی یا دستور اسلام کے مؤلف اول امام ابو حنیفہ ہی ہیں اور دیگر ائمہ آپ کے خوشہ چیں ہیں اور سب ہی نے آپ کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ دور تدوین کے ان آثار علمیہ کے بارے میں علامہ شبلی نے فرمایا ہے:-

> ''غالباً'' یہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔ قلائدعقود الجمان کے مصنف نے کتاب الصیانۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام صاحب نے جس قدر مسائل مدون کیے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے یہ مسائل 6 لاکھ

تھے یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں ان سے ان کی تصدیق ہو سکتی ہے۔"۔[24]

لیکن افسوس کہ اس مجموعہ کا کیا نام تھا یہ معلوم نہ ہو سکا' البتہ اقدمین کی کتابوں میں امام صاحب کی کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ علامہ کوثری نے لکھا ہے کہ کتاب الرائے' کتاب اختلاف الصحابہ رضی اللہ عنہ' کتاب الجامع' کتاب السیر' کتاب الاوسط' الفقہ الاکبر' العالم والمتعلم' کتاب الرد علی القدریہ' رسالۃ الامام الی عثمان البتی' چند مکتوبات بطور وصایا' امام صاحب کے علمی تحفے ہیں اور امام صاحب کا فقہی مجموعہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قلم سے آج بھی بعینہٖ موجود ہے ان کتابوں کا نام جو کتب فقہ ابی حنیفہ کے نام سے موسوم ہیں سطور ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

کتب ظاہر الروایۃ

اس میں چھ کتابیں شمار ہوتی ہیں:۔

1- جامع صغیر:۔ اس کتاب میں امام محمد نے امام ابو یوسف کی روایت سے امام صاحب کے تمام مسائل جمع کئے ہیں اس کتاب کے مسائل کی تعداد 533 ہے جن میں سے 170 مسائل سے امام محمد نے اختلاف بھی کیا ہے اس کتاب کی چالیس شروحات لکھی گئی ہیں۔[25]

جن میں سے خاص شرح یہ ہیں۔

1- ابو اللیث سمرقندی 2- صدر الاسلام بزودی 3- فخر الاسلام علی بزودی 4- شمس الائمہ سرخسی 5- الصدر الشہید حسام الدین 6- علامہ الاسبیجانی 7- برہان الدین صاحب المحیط 8- ابوبکر رازی 9- علامہ العتابی 10- علامہ تمرتاشی 11- احمد بن اسماعیل 12- علامہ المحبوبی 13- ابو المعین النسفی 14- فخر الدین خاں 15- بدر الدین عمر 16- صاحب الہدایہ۔[26]

جامع صغیر کو محمد بن سماعہ اور عیسیٰ بن ابان نے امام محمد سے روایت کیا ہے اس کتاب کی تبویب قاضی ابو طاہر محمد بن محمد الدباسی نے کی ہے ہندوستان میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے حاشیہ کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

2- جامع کبیر:۔ یہ کتاب بھی جامع صغیر کی طرح ہے مگر اس میں مسائل زیادہ ہیں اس کتاب میں امام صاحب کے اقوال کے علاوہ امام ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال بھی موجود ہیں۔ ہر مسئلہ کی دلیل بھی موجود ہے۔ بعد کے فقہاء

نے اصول فقہ کے مسائل اس کتاب سے اخذ کئے ہیں اس کتاب کے شراح بھی بہت ہیں۔ مثلاً

1۔ قاضی ابوخازم 2۔ الامام علی القمی 3۔ امام ابوبکر بلخی 4۔ شیخ ابوبکر رازی حصاص 5۔ ابوعبداللہ جرجانی 6۔ ابوالیث سمرقندی 7۔ الامام المسعودی 8۔ امام ابوالفضل کرمانی 9۔ قاضی ابوزیدالدبوسی 10۔ امام برہان الدین 11۔ شمس الائمہ حلوائی 12۔ الصدر الشہید حسام الدین 13۔ شمس الائمہ 14۔ فخر الاسلام البزودی 15۔ صدرالاسلام البزودی 16۔ قاضی الارسانیدی 17۔ امام العتابی 18۔ شیخ الاسلام علاؤالدین سمرقندی 19۔ فخرالدین قاضی خاں 20۔ امام ظہیرالدین 21۔ جمال الدین الحصیری 22۔ صدرالاسلام مجدالدین 23۔ الامام السیمانی۔[27]

اسی جامع کبیر کو پڑھ کر ایک نصرانی مسلمان ہو گیا تھا اس نے کہا تھا کہ جب مسلمانوں کے چھوٹے محمد کا یہ حال ہے تو بڑے محمد ﷺ کا کیا حال ہو گا۔

3۔ مبسوط:۔ یہ امام محمد کی سب سے پہلی کتاب ہے اصل کے نام سے مشہور ہے اس میں امام محمد نے ایسے ہزاروں مسائل جمع کئے ہیں جن کا امام صاحب نے جواب دیا ہے اور وہ مسائل بھی ہیں جن میں امام ابو یوسف اور امام محمد نے اختلاف کیا ہے۔ اس کتاب میں امام محمد کی یہ عادت ہے کہ پہلے آثار پھر ان سے ماخوذ مسائل اور آخر میں ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلے کا اختلاف بھی ذکر کرتے ہیں۔

4۔ زیادات:۔ اس کتاب میں وہ مسائل ہیں جو جامع صغیر اور جامع کبیر میں درج ہونے سے رہ گئے تھے۔

5۔ السیر الصغیر:۔ اس کتاب میں حکومت و سیاست اور جہاد کے مسائل ہیں جب اس کتاب کو امام اوزاعی نے دیکھا تو پسند کیا اور طنز بھی کیا اور کہا اہل عراق کو سیر سے کیا واسطہ۔ امام محمد نے جب یہ جملہ سنا تو سیر کبیر لکھ ڈالی۔

6۔ السیر الکبیر:۔ یہ کتاب 160 اجزاء پر مشتمل ہے جب امام محمد اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تو خلیفہ وقت اور امام اوزاعی نے اس کتاب کو بہت زیادہ پسند کیا۔ علامہ ابن القیم نے فرمایا ہے کہ یہ امام محمد کی سب سے آخری کتاب ہے۔

اعلم ان السیر الکبیر اخر تصنیف صنعہ محمد فی الفقہ۔[28]

ترجمہ:۔ سیر کبیر امام محمد کی فقہ میں آخری کتاب ہے۔

یہ کتابیں مذہب حنفیہ کی اصل ہیں۔ چوتھی صدی کے آغاز میں ابوالفضل محمد بن احمد مروزی المعروف بحاکم شہید نے کافی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں کتب ظاہرالروایۃ کے تمام مسائل جمع کر دیئے ہیں۔ امام سرخسی نے اس کتاب کی 30 جلدوں میں شرح لکھی جو اب مبسوط کے نام سے مشہور ہے۔

کتب نوادر:۔ کتب ظاہرالروایۃ کے علاوہ امام محمد کی دیگر کتب فقہ کو نوادرات کہتے ہیں۔ اس میں کیسانیات' جرجانیات' ہارونیات' امالی امام محمد نوادر ابن رستم وغیرہ داخل ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث و فقہ میں حضرات صاحبین کی متعدد کتابیں مثلاً" کتاب الاآثار' کتاب الحجج' اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلے الرد علی سیرالاوزاعی' کتاب امام ابو یوسف' موطاء امام محمد وغیرہ داخل ہیں۔

۞ ۞ ۞

تلامذہ حدیث اور امام اعظم

اگر یہ صحیح ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو پھر جیسا کہ امام ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ امام اعظم کی عظمت شان کو سمجھنے کے لیے یہ کافی ہے کہ بڑے بڑے ائمہ کو ان کے سامنے زانوئے شاگردی طے کرنے کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

> "مشائخ ائمہ مجتہدین اور علماء راسخین میں سے بڑے بڑے لوگوں نے امام اعظم کی شاگردی اختیار کی ہے۔ مثلاً" امام جلیل عبداللہ بن المبارک جن کی جلالت قدر پر اتفاق عام ہے اور جیسے امام لیث بن سعد اور مالک بن انس۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ ناھیک بھؤلاء الائمۃ ابوحنیفہ کو سمجھنے کے لیے بس یہ ائمہ کافی ہیں۔[21]

امام بخاری نے تاریخ کبیر میں حدیث میں امام اعظم کے یہ تلامذہ بتائے ہیں۔

روی عنہ ۔۔ عباد بن العوام ۔۔ ابن المبارک، ہشیم و وکیع ۔۔ و مسلم بن خالد ۔۔ وابو معاویہ ۔۔۔ والمقری۔[30]
شیخ الاسلام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم رازی نے ان پر عبدالرزاق بن ہمام اور ابونعیم کا اضافہ اور کیا ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان ناموں کا اور اضافہ کیا ہے۔[31]

حماد۔ ابراہیم بن طہمان، حمزۃ بن حبیب الزیات، زفر بن الہذیل، ابو یوسف القاضی، ابو یحیی الحمانی، عیسیٰ بن یونس، یزید بن زریع، اسد بن عمرو البجلی، حکام بن یعلی الرازی، خارجہ بن مصعب، عبدالمجید بن ابی رواد، علی بن مسہر، محمد بن بشیر العبدی، مصعب بن المقدام، یحیی بن یمان، نوح بن ابی مریم، ابو عاصم۔[32]

حافظ عسقلانی نے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ آخرون یعنی ابوحنیفہ کے حدیث میں صرف یہی نہیں بلکہ اور بھی تلامذہ ہیں۔

خطیب بغدادی نے ان ناموں کی اور نشاندہی کی ہے۔

یزید بن ہارون، علی بن عاصم، یحیی بن نصر، عمرو بن محمد، ہوذہ بن خلیفہ[33]

حافظ ذہبی نے تصریح کی ہے کہ امام صاحب کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے والے دو قسم کے تلامذہ ہیں۔ ایک وہ ہیں جنھوں نے فقہ میں امام صاحب سے استفادہ کیا ہے اور دوسرے وہ ہیں جنھوں نے حدیث میں امام صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے اور دونوں کے لیے حافظ ذہبی نے جو تعبیری زبان اختیار کی ہے وہ الگ الگ ہے۔ قسم اول کے لیے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

تفقه به جماعة من الكبار منهم زفر بن الهذيل و ابو يوسف القاضی الی اخره

اور قسم ثانی کے لیے وہ فرماتے ہیں:۔

روی عنه من المحدثين والفقهاء عدة لا يحصون

اس کے بعد ان گنت محدثین میں سے چند محدثین کا بطور مشتے از خروارے تذکرہ کیا ہے۔ خود ان کی زبانی یہ نام گوش گزار فرمالیجیے۔

فمن اقرانہ مغیرۃ بن مقسم و زکریا بن ابی زائدہ و مسعر بن کدام و سفیان الثوری و مالک بن مغول و یونس بن ابی اسحاق و من بعد ہم زائدہ و شریک والحسن بن صالح وابوبکر بن عیاش و حفص

بن غیاث، جریر بن عبدالحمید الحارثی، ابواسحاق الفزاری، اسحاق بن یوسف الازرق، المعافی بن
عمران، زید بن الحباب، سعد بن الصلت، حفص بن عبدالرحمن، عبیداللہ بن موسیٰ، محمد بن عبداللہ
الانصاری، ابواسامہ، ابن نمیر، جعفر بن عون، اسحاق بن سلیمان الرازی۔[34]

ہم نے بالا ارادہ تکرار سے بچنے کے لیے ان ناموں کو چھوڑ دیا ہے جو پہلے آ چکے ہیں۔ حافظ ابوالحجاج المزی نے تہذیب الکمال میں اگرچہ سارے تلامذہ کا شمار نہیں کیا ہے۔ اس کے باوجود انھوں نے جن تلامذہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں تلامذہ کی بہتات کا تذکرہ کرنے اور نمونہ کے چند نام ذکر کرنے کے بعد "وبشر کثیر" اور مناقب میں "وخلائق" فرما کر تلامذہ کی کثرت کو بتایا ہے۔

اس بہتات کے اجمالی تذکرے کو حافظ عبدالقادر قرشی نے یہ کہہ کر بے نقاب کیا ہے کہ روی عن ابی حنیفه...... نحو من اربعة الاف نفر۔[35]

تلامذہ کی اسی کثرت اور بہتات کے تذکرے میں حاشیہ نسائی میں حافظ ابن حجر کے حوالہ سے بعض ائمہ کا یہ تاثر نقل کیا ہے کہ

"اسلام کے مشہور اماموں میں سے کسی کے اتنے اصحاب اور شاگرد نہیں ہوئے جس قدر امام ابو حنیفہ کے ہوئے اور جس قدر علماء نے آپ سے استفادہ کیا ہے اور کسی سے نہیں کیا۔"

حافظ الدین بن البزاز الکردری نے ان ائمہ کے جن خاص خاص تلامذہ کا تذکرہ زیر عنوان

من روی عنہ الحدیث والفقہ شرقا و غربا بلدا بلدا۔[36]

لکھا ہے ان کی تعداد سات سو تیس مشاہیر علماء ہیں۔

علامہ ابن الندیم نے الفہرست میں اسی بہتات کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے۔

العلم برا و بحرا شرقا و غربا بعدا و قربا تدوینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[37]

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دوسری صدی کے نصف ثانی میں امام اعظم کے تلامذہ اسلامی دنیا کے چپہ چپہ پر پھیل چکے تھے اور ہر جگہ علم کی اشاعت میں مصروف تھے۔ زندگی کا کوئی گوشہ بھی ایسا نہ تھا جہاں ان کا پرچم نہ لہراتا ہو۔ اقتدار حکومت سے مدرسوں اور خانقاہوں تک ان ہی کا پھریرا اڑ رہا تھا۔ بلکہ بہتوں کے لیے ان کی یہ مقبولیت اور ہر گوشہ حیات پر قبضہ سامان بنا ہوا تھا۔ اس کا کچھ اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان شہروں میں آپ نے مرو کا نام پڑھا

ہے۔ یہاں عرصہ سے فقہ حنفی کی حکمرانی تھی اور امام اعظم کے تلامذہ کی ایک بڑی جماعت یہاں قضا' افتاء اور تدریس میں مشغول تھی۔ علامہ نضر بن شمیل جب بصرہ سے مامون کی علمی قدر دانیوں کی شہرت سن کر یہاں آئے تو امام اعظم کے علوم کی یہ قبولیت عام اور اشاعت عام دیکھ نہ سکے اور کچھ نو عمر محدثین کو اپنے ساتھ ملا کر امام اعظم کے علوم کے خلاف ایک منظم اسکیم بنالی۔ چنانچہ صدر الائمہ نے بہ سند لکھا ہے کہ فتح بن عمر کہتے ہیں :۔

"نضر بن شمیل جس زمانے میں مرو میں مقیم تھے میں وہیں تھا۔ انہوں نے امام اعظم کی کتابوں کو آب رواں میں بھیج کر دھونا شروع کیا۔ خالد بن صبیح نے جو ان دنوں مرو کے قاضی تھے۔ یہ کہانی سنی' تو وہ خود اور خانوادہ صبیح کے دیگر افراد فضل بن سہل کے پاس پہنچے۔ یہ مامون کا وزیر اعظم تھا۔ وراق کہتے ہیں کہ اس زمانے میں خانوادہ صبیح میں پچاس یا اس سے بھی زائد ایسے علماء موجود تھے جو عدلیہ میں کام کرنے کی صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ خالد کے ساتھ ابراہیم بن رستم اور سہل بن مزاحم بھی تھے ان سب حضرات نے آ کر فضل بن سہل کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ فضل نے واقعہ سن کر جواب دیا کہ میں اس وقت تک اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتا جب تک کہ صورت واقعہ کو خلیفہ کے روبرو پیش نہ کروں۔ یہ کہہ کر فضل مامون الرشید کے پاس گیا اور اسے سارے واقعہ سے آگاہ کیا۔ مامون نے فریقین کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ فضل نے بتایا کہ یہ نوخیز تو اسحاق بن راہویہ اور احمد بن زہیر ہیں مگر نضر بن شمیل ان کے ساتھ ہیں اور دوسرے خالد بن صبیح' سہل بن مزاحم اور ابراہیم بن رستم ہیں۔ مامون نے دوسرے روز دونوں کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ اسحاق اور ان کے ساتھیوں کو مامون کی گفتگو معلوم ہوئی تو اسحاق بن راہویہ کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ مامون سے گفتگو کون کرے گا۔ آخر مشورے سے یہ طے پایا کہ احمد بن زہیر مامون سے گفتگو کریں۔ چنانچہ دوسرے روز دربار میں حاضری ہوئی۔ مامون نے آتے ہی سلام کیا اور نضر بن شمیل سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ امام ابو حنیفہ کی کتابوں کے متعلق آپ لوگوں نے یہ کیا رویہ اختیار کیا ہے؟ نضر تو خاموش رہے مگر احمد بن زہیر بولے کہ امیرالمومنین اگر اجازت دیں تو میں کچھ عرض کروں۔ مامون نے کہا ہاں فرمایئے۔ وہ بولے امیرالمومنین! ہم نے ان کی کتابوں کو کتاب اللہ و سنت کے خلاف پایا ہے۔ مامون نے کہا کتاب و سنت کے خلاف کیسے؟

اتنا کہہ کر خالد بن صبیح سے ایک مسئلہ دریافت کیا کہ اس کے بارے میں ابو حنیفہ نے کیا کہا ہے؟ خالد نے امام موصوف کے قول کے مطابق فتوی بتایا۔ احمد بن زہیر اس کے خلاف روایت بیان کرنے لگے مگر مامون نے امام ابو حنیفہ کی تائید میں وہ احادیث پیش کیں جو ان لوگوں کے علم میں نہ تھیں۔ آخر میں مامون نے کہا کہ لوو جدناها مخالفا لکتاب اللہ و سنت رسول ما استعلناه " اگر ہم ان کو کتاب و سنت کے خلاف پاتے تو ان پر عمل کرانے کے خواہش مند ہی کیوں ہوتے۔ خبردار اب آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔ اگر نضر بن شمیل تم میں نہ ہوتے تو میں تم کو ایسی سزا دیتا کہ یاد رکھتے۔[32]

الغرض امام اعظم کے تلامذہ کی دیکھی نہ جا سکی۔ ان تلامذہ میں ایسی گرامی قدر شخصیتیں ہیں جو اپنے وقت میں نہ صرف حافظ حدیث بلکہ علم حدیث کے آفتاب ہوئے۔ ان کا دائرہ اگرچہ بہت وسیع ہے مگر ہم یہاں صرف تقریب کی خاطر چند کا تعارف بطور گلے از گلزار لکھتے ہیں۔

(1) الامام الحجہ حافظ الحدیث ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

(ولادت 93ھ وفات 182ھ عمر 89 سال)

نام و نسب :- الامام الحافظ المتقن المجتہد المطلق ابویوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن بحیر بن معاویہ بن قحافہ بن نفیل الانصاری البجلی رضی اللہ عنہ۔

حضرت سعد، والد حبیب، صحابی تھے، غزوہ احد میں شرکت کے متمنی تھے، مگر چھوٹے تھے، حضرت رافع بن خدیج اور ابن عمر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوٹا بتلایا۔ اس لئے شریک نہ ہو سکے۔ پھر غزوہ خندق اور بعد کے غزوات میں شرکت فرمائی پھر کوفہ میں سکونت کی اور وہیں وفات ہوئی، حضرت زید بن ارقم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں ملاحظہ فرمایا کہ میدان قتال میں سعد، بڑی بے جگری سے جاں بازی و جاں سپاری میں منہمک ہیں۔ حالانکہ بہت ہی کم عمر تھے۔ یہ ادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا پسند ہوئی، محبت سے اپنے پاس بلایا اور پوچھا اے عزیز نوجوان تو کون ہے؟ کہا سعد بن حبتہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تجھ کو نیک بخت کرے۔ مجھ سے اور قریب ہو جا، وہ قریب ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے کہ دادا جان کے سر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پھیرنے کی برکات میں برابر محسوس کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ تفصیل نسب و تحقیق سن ولادت وغیرہ محدث کبیر علامہ کوثری کی کتاب "حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ [39]

صحیح سنہ ولادت :- کوثری صاحب نے تاریخی دلائل سے امام موصوف کا سنہ ولادت 93ھ قرار دیا ہے۔ وہ جو عام طور سے مشہور ہے یعنی 113ھ، وہ لوگوں نے ظن و تخمین سے 93ھ سے تصحیف کر کے سمجھا اور لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام مالکؒ سے دو سال بڑے تھے، چنانچہ امام ابو یوسفؒ امام مالکؒ سے معاملہ بھی اقران ہی کا سا کرتے تھے، اور امام اعظم کے شرکاء تدوین فقہ میں بھی ان کو سب "عشرہ متقدمین" میں ذکر کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اول سے آخر تک شریک رہے ہیں اور تصفیہ شدہ مسائل و احکام کو دفاتر میں لکھنے کی خدمت بھی ان

سے متعلق رہی ہے۔ وغیرہ۔

تحصیل علم:۔ امام ابو یوسفؒ خود فرماتے ہیں کہ میں پہلے ابن ابی لیلی کی خدمت میں آیا جایا کرتا تھا اور وہ میری بڑی قدر کرتے تھے۔ جب کوئی علمی اشکال ان کو پیش آتا تو امام ابو حنیفہ کے ذریعہ اس کو حل کرتے تھے' اسی لئے میرے دل میں خواہش تھی کہ میں بھی امام صاحب کے پاس آنے جانے لگوں' مگر مجھے خیال ہوتا کہ ابن ابی لیلی کو ناگوار ہو گا۔ اس لئے رکتا تھا۔

ایک دفعہ ایک مسئلہ کی بحث کے دوران ان کو گرانی ہوئی' (اس کی تفصیل بھی کوثری صاحب نے لکھی ہے) اور میں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر امام صاحب کی خدمت میں حاضری کا سلسلہ شروع کر دیا۔

مالی امداد:۔ والد صاحب کو اس کا علم ہوا تو کہا کہ "امام صاحب' مالدار مستغنی آدمی ہیں' تو محتاج مفلس ہے' تیرا ان سے کیا جوڑ؟ تجھے فکر معاش کرنی چاہیے۔" والد صاحب کی اطاعت بھی ضروری تھی' میں فکر معاش میں لگ گیا۔ امام صاحب نے میری غیر حاضری محسوس کی اور بلایا' سبب پوچھا' میں نے پوری بات عرض کی' درس میں شرکت کی' جب سب چلے گئے تو امام صاحب نے مجھے ایک تھیلی دی کہ اس سے اپنی گھر کی ضرورتیں پوری کرو اور جب ختم ہو جائے' مجھے بتلانا' اس تھیلی میں ایک سو درہم تھے۔ میں التزام کے ساتھ درس میں شریک رہنے لگا۔

چند ہی دن گزرے کہ امام صاحب نے خود ہی مجھے دوسری تھیلی دی اور پھر اسی طرح میری امداد فرماتے رہے۔ جیسے ان کو پہلے روپوں کے ختم ہونے کی اطلاع خود بخود ہو جاتی تھی کیونکہ مجھے ایک دفعہ کے بعد پھر کبھی عرض کرنے کا موقع نہیں ہوا۔

امام صاحب کی توجہ سے نہ صرف میرے گھر والے فکر معاش سے بے نیاز ہو گئے' بلکہ ہمیں ایک قسم کا تمول حاصل ہو گیا اور امام صاحب کی مجلس میں رہ کر مجھ پر علوم کے دروازے بھی کھل گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ والد نے کچھ نہ کہا تو ان کی والدہ درس سے اٹھا کر لے جاتی تھیں۔ امام صاحب نے ایک دن کہا۔ نیک بخت! جا یہ علم پڑھ کر فالودہ روغن پستہ کے ساتھ کھائے گا۔ یہ سن کر وہ چلی گئیں۔

جب قاضی القضاۃ ہوئے تو ایک بار خلیفہ ہارون رشید کے دستر خوان پر فالودہ مذکور پیش ہوا۔ خلیفہ نے کہا کہ یہ کھاؤ۔ یہ روز روز نہیں تیار ہوتا۔ پوچھا کیا ہے؟ خلیفہ نے کہا کہ فالودہ اور روغن پستہ۔ اس پر امام ابو یوسف مسکرائے۔ خلیفہ نے باصرار سبب دریافت کیا تو امام صاحب کا واقعہ بالا سنایا۔ خلیفہ کو سن کر حیرت ہوئی اور کہا۔

"علم دین و دنیا میں عزت دیتا ہے' اللہ تعالیٰ ابو حنیفہ پر رحمت فرمائے' وہ عقل کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔"

سترہ برس تک امام صاحب کی خدمت میں رہے' ایک بار سخت بیمار ہو گئے' امام صاحب نے آ کر دیکھا تو واپسی میں ان کے دروازہ پر متفکر کھڑے ہو گئے' کسی نے پوچھا تو کہا "یہ جوان مرگیا تو زمین کا سب سے بڑا عالم اٹھ جائے گا"۔

امام ابو یوسف کا قول ہے کہ دنیا میں کوئی چیز مجھ کو ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کی مجلس سے زیادہ محبوب نہ تھی۔ امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر فقیہ اور ابن ابی لیلیٰ سے اچھا قاضی میں نے نہیں دیکھا۔

امام ابو یوسف پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ کا علم زمین کے گوشہ گوشہ تک پہنچایا۔ اصول فقہ کی کتابیں لکھیں۔ مسائل کا نشر املاء کے ذریعہ کیا۔ سترہ برس تک قاضی القضاۃ رہے۔ ابن عبدالبر کا قول ہے کہ میرے علم میں کوئی قاضی سوا ابو یوسف کے نہیں' جس کا حکم مشرق سے مغرب تک سارے آفاق میں رواں ہوا ہو۔[47]

قاضی ہونے کے زمانہ میں ایک بار خلیفہ وقت ہادی کے ایک باغ پر کسی نے ان کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ بظاہر بادشاہ وقت کا پہلو زبردست تھا مگر واقعہ اس کے خلاف تھا۔ خلیفہ نے کسی موقع پر ان سے پوچھا کہ تم نے فلاں باغ کے معاملہ میں کیا کیا؟ جواب دیا مدعی کی درخواست ہے کہ امیرالمومنین کی حلفیہ شہادت اس امر پر لی جائے کہ ان کے گواہوں کا بیان سچا ہے۔ ہادی نے پوچھا کیا ان کو اس مطالبہ کا حق ہے؟ جواب دیا کہ ابن ابی لیلیٰ کے فیصلہ کے مطابق صحیح ہے۔ خلیفہ نے کہا اس صورت میں باغ مدعی کو دلا دو یہ امام ابو یوسف کی ایک تدبیر تھی۔

ہلال بن یحییٰ کا قول ہے کہ ابو یوسف' تفسیر' مغازی اور ایام عرب کے حافظ تھے' فقہ ان کے علوم میں اقل العلوم تھی۔ ایک بار امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کی بابت کہا:۔

"یہ چھتیس مرد ہیں۔ ان میں سے اٹھارہ عہدہ قضا کی اہلیت رکھتے ہیں۔ چند فتویٰ دینے کی' دو ایسے ہیں جو قاضیوں کو پڑھا سکتے ہیں"۔ یہ کہہ کر امام ابو یوسف اور زفر کی طرف اشارہ کیا۔

ایک بار امام ابو حنیفہ نے داؤد طائی سے کہا کہ تم عبادت کے لئے پیدا ہوئے۔ ابو یوسف سے کہا تم دنیا کی طرف مائل ہو گئے۔ اسی طرح زفر وغیرہ کی نسبت رائے ظاہر کی جو کہا تھا' واقعات نے وہی ثابت کیا۔

وفات سے پہلے کہتے تھے کہ سترہ برس ابو حنیفہ کی صحبت میں رہا۔ سترہ برس دنیا کے کام میں رہ چکا۔ میرا گمان

ہے کہ اب میری موت قریب ہے۔ اس قول کے چھ ماہ بعد وفات پائی۔

غیر معمولی علمی شغف اور امام صاحب سے خصوصی استفادہ:- امام ابو یوسفؒ امام صاحب کے علوم کے اس قدر گرویدہ تھے کہ خود ہی بیان کیا کہ ایک دفعہ میرے بیٹے کا انتقال ہوا تو میں نے اس وقت بھی امام صاحب کی مجلس سے غیر حاضری پسند نہیں کی، بلکہ اپنے احباب اعزہ اور پڑوسیوں ہی کو تجہیز و تدفین کی خدمت پر مامور کر دیا۔ اس ڈر سے کہ امام صاحب کے علمی ارشادات و فیوض سے محروم نہ ہو جاؤں اور اس کی حسرت و افسوس میرے دل میں ہمیشہ رہے۔

امام ابو یوسف کا یہ ارشاد مبالغہ نہیں ہے، کیونکہ امام صاحب کے انتقال کے بعد بعض اوقات بڑی حسرت سے فرمایا کرتے تھے کہ "کاش امام صاحب کی ایک علمی صحبت مجھے پھر مل جاتی اور میں ان سے اپنے علمی اشکال حل کر لیتا۔ خواہ مجھے اس ایک مجلس پر اپنی آدھی دولت قربان کرنی پڑتی۔" لکھا ہے کہ اس وقت امام صاحب بیس لاکھ روپے کے مالک تھے، گویا دس لاکھ روپے صرف کر کے ایک مجلس کی تمنا کرتے تھے۔ درحقیقت علم اور صحیح علم کی قدر و قیمت ایسی ہی ہے۔ من لم یذق لم یدر

نقل ہے کہ امام ابو یوسف اپنے دونوں شیخ ابن ابی لیلی اور امام صاحب دونوں کی انتہائی تعظیم کیا کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کو علمی برکات سے حظ وافر حاصل ہوا۔

قاضی ابن ابی لیلی:- قاضی ابن ابی لیلی عہد اموی و عباسی میں کافی مدت تک قاضی رہے، جن کو حضرت قاضی شریح کے قضایا سے پوری واقفیت تھی جو حضرت عمرؓ کے زمانہ سے حجاج کے زمانہ تک قاضی رہے اور حضرت علیؓ کے قضایا بھی ان کے معمول بہا رہے تھے۔ اسی طرح امام ابو یوسف نے امام صاحب کے علوم فقہ و حدیث کے ساتھ قضایائے صحابہ و تابعین کا بھی پورا علم جمع کر لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف نے سب سے پہلے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز ہو کر پوری اسلامی دنیا کے قاضیوں پر وہ علمی اثرات ڈالے کہ ان کی نظیر اول و آخر میں نہیں ملتی۔

بے نظیر حافظہ:- علامہ ابن الجوزی نے باوجود اپنی شدت و عصبیت خاصہ کے امام ابو یوسف کو قوۃ حفظ کے اعتبار سے ان سو افراد میں شمار کیا ہے، جو اس امت کے مخصوص و بے نظیر صاحب حفظ ہوئے ہیں۔[1]

علامہ ابن عبدالبر نے انتقاء میں لکھا کہ امام ابویوسف بڑے حافظ الحدیث تھے۔ ملکہ حفظ ایسا تھا کہ کسی محدث کی

ملاقات کو جاتے۔ دوران گفتگو میں 50' 60 حدیثیں سنتے' باہر آ کر ان سب کو پورے حفظ و ضبط کے ساتھ بے کم و کاست بیان کر دیتے تھے۔

امام ابو یوسف کے حج کا واقعہ :- امام حدیث حسن بن زیاد نے بیان کیا کہ ایک دفعہ امام ابو یوسف کے ساتھ حج کو گئے' راستہ میں وہ علیل ہو گئے۔ ہم بیر میمون پر اتر گئے۔ حضرت سفیان بن عیینہ عیادت کو آئے۔ امام ابویوسف نے (جو عاشق حدیث تھے) ہم سے فرمایا' ابو محمد سے حدیثیں سن لو' انہوں نے اشارہ پا کر چالیس حدیثیں سنائیں جب سفیان چلے گئے تو فرمایا۔ لو مجھ سے پھر سن کر ان حدیثوں کو محفوظ کر لو اور باوجود اپنی کبر سنی' ضعف' حالت سفر اور بیماری کے وہ سب حدیثیں اپنی یاد سے ہمارے سامنے دہرا دیں۔ اس واقعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف کی وفات کبرسن میں ہوئی ہے۔ کیونکہ پچاس پچپن سال کے آدمی کو کبیرالسن نہیں کہا جاتا۔

ذکر محدث ابو معاویہ :- موفق میں حسن بن ابی مالک سے نقل کیا کہ ہم لوگ محدث ابو معاویہ کے پاس جاتے تھے تا کہ ان سے حجاج بن ارطاۃ کی احادیث میں سے احادیث احکام منتخب حاصل کریں تو وہ ہم سے فرماتے تھے "کیا تمہارے پاس قاضی ابو یوسف نہیں ہیں؟ ہم کہتے' کہ ہیں۔ وہ فرماتے تم لوگ بھی عجیب ہو تم ابو یوسف کو چھوڑ کر میرے پاس آتے ہو۔" ہم لوگ جب حجاج بن ارطاۃ کے پاس جاتے تھے تو جس وقت وہ املاء حدیث کرتے تھے تو ابو یوسف سب حدیثیں یاد رکھتے تھے۔ پھر جب ان کی مجلس سے نکل آتے تھے تو ابویوسف کے حافظہ سے ہی وہ سب احادیث لکھ لیا کرتے تھے۔

علامہ موفق نے اپنی سند سے یحییٰ بن آدم سے نقل کیا کہ ہارون رشید سے' جو خود بھی بڑے فقیہ عالم تھے کہا گیا کہ آپ نے ابو یوسف کو ان کے علم و مرتبہ سے زیادہ بلند کر دیا اور بہت اونچے مقام پر فائز کر دیا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ خلیفہ ہارون رشید نے جواب دیا :- "میں ان کو خوب جانتا ہوں اور کافی تجربہ کے بعد ایسا کیا ہے۔ واللہ! میں نے جس علمی مسئلہ میں بھی ان کی جانچ کی' اس میں ان کو کامل ہی پایا۔ ہمارے ان کے حدیثی مذاکرات بھی طویل طویل ہوتے تھے اور ہم لکھتے تھے' وہ بغیر لکھے یاد رکھتے تھے پھر جب مجلس سے اٹھتے تھے تو ان کے پاس محدثین ورواۃ جمع ہو جاتے تھے اور وہ اپنے پاس کی لکھی ہوئی احادیث ان کی یادداشت سے صحیح کر لیا کرتے تھے اور فقہ میں تو وہ ایسے درجہ پر پہنچے ہیں کہ اس تک کوئی دوسرا ان کے طبقہ کا پہنچا ہی نہیں۔

بڑے بڑے اہل علم ان کے سامنے چھوٹے ہیں اور بڑے بڑے فقیہ ان کے مقابلہ میں کم حیثیت ہیں۔ لوگوں کو

درس دیں تو بغیر کتاب اور یادداشت کے' دن کو ہمارے کاموں میں مشغول (یعنی قضا کی خدمات) کے ساتھ رات کو درس کے لیے تیار' آنے والے لوگوں سے پوچھتے ہیں۔ کیا چاہتے ہو؟ وہ کہتے کہ فلاں فلاں فقہی ابواب و احکام میں افادہ کیجئے! بس فوراً" بالبداہت ایسے جوابات بتاتے ہیں جن سے علماء زمانہ عاجز ہیں اور ان سب کمالات علمی کے ساتھ عملی طور سے مذہبی استقامت اور دینی پرہیزگاری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اب ان جیسا کوئی لا کر مجھے دکھلاؤ"۔

خلیفہ ہارون رشید نے واقعی امام ابو یوسف کے خاص خاص کمالات بہت موزوں پیرایہ میں جمع کر دیئے۔ داؤد بن رشید کا قول ہے کہ :۔

"اگر امام اعظم کا کوئی شاگرد بھی امام ابو یوسف کے سوا نہ ہوتا تو یہی ان کے فخر کے لئے کافی تھے' میں جب کبھی ان کو کسی علمی موضوع پر بحث کرتے ہوئے دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے کسی بڑے سمندر میں سے نکال نکال کر علم کے دریا بہا رہے ہیں۔ علم حدیث' علم فقہ اور علم کلام سب ان کے روبرو تھے' ان علوم کی تمام مشکلات ان کے لئے آسان ہو چکیں تھیں۔"

بلال بن یحییٰ بصری کا قول ہے کہ امام ابویوسف تفسیر' مغازی' ایام العرب کے حافظ تھے اور ان کے علوم متعارفہ میں سے ایک فقہ بھی تھا۔ بروایت ذہبی یحییٰ بن خالد کا قول ہے کہ "ہمارے یہاں امام ابو یوسف تشریف لائے جب کہ بہ نسبت دوسرے علوم کے ان کا فقہی امتیاز نمایاں نہ تھا' حالانکہ اس وقت بھی ان کی فقہ زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ چکی تھی۔"

ابن ابی العوام نے بواسطہ' امام طحاویؒ امام یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا کہ "اصحاب الرای میں امام ابویوسف سے زیادہ اثبت فی الحدیث اور ان سے بڑا حافظ حدیث اور زیادہ صحت کے ساتھ حدیث کی روایت کرنے والا میں نے نہیں دیکھا"۔

امام ابو یوسف کے ذکاوت و دقت نظر کے واقعات بہت ہیں' علامہ کوثریؒ نے "حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی" میں امام موصوف کے علمی و عملی کمالات و واقعات کا بہترین مرقع پیش کیا ہے جو ہر حنفی عالم کو حرزجان بنانا چاہیے۔ کوثری صاحب کی تمام تصانیف اعلیٰ علمی جواہر و نوادر کا ذخیرہ اور حقائق و واقعات کا بے مثل خزینہ ہیں۔

شیوخ فقہ و حدیث :۔ امام ابو یوسف نے احکام قضا میں زیادہ تر قاضی ابن ابی لیلیٰ سے استفادہ کیا اور فقہ و حدیث میں امام اعظم سے کلی استفادہ کیا۔ رات دن امام صاحب ہی کی خدمت گزارتے تھے' خود فرماتے ہیں کہ میں انتیس سال

برابر امام صاحب کی خدمت میں رہا کہ صبح کی نماز ہمیشہ ان کے ساتھ ہی پڑھی۔

دوسری روایت صیمری کی ہے کہ 17 سال امام صاحب کے ساتھ اس طرح گزارے کہ بجز حالت مرض کے عید فطر اور عیدالاضحی میں بھی ان ہی کے پاس حاضر رہا۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دنیا کی کوئی مجلس امام ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلی کی مجلس علمی سے زیادہ محبوب نہ تھی۔ دوسرے چند شیوخ یہ ہیں:۔

ابان بن ابی عیاش، احوص بن حکیم، ابواسحاق شیبانی، اسماعیل بن امیہ، اسماعیل بن علیہ، اسماعیل بن مسلم (وغیرہ رجال ترمذی میں سے)

ابن جریج عبدالملک، حجاج بن ارطاۃ، حسن بن دینار، اعمش، عبدالرحمن بن ثابت، عطاء بن السائب، عطاء بن عجلان، عمرو بن دینار، عمرو بن میمون، عمر بن نافع، قیس بن الربیع، لیث بن سعد، مالک بن انس، مالک بن مغول، مجالد بن سعید، محمد بن اسحاق (صاحب مغازی) مسعر بن کدام، نافع مولی ابن عمر، یحیٰی بن سعید انصاری وغیرہ۔ حجاز عراق و دیگر شہروں کے مشاہیر اہل فضل و کمال، علامہ کوثری نے زیادہ نام تحریر کئے ہیں اور یہ بھی تنبیہہ کی ہے کہ بعض ناقدین رواۃ حدیث نے اپنی قلت علم اور کمی درک مدارج اجتہاد یا تعصب وغیرہ سے اور بعض نے کسی غلط فہمی سے ان میں سے بعض اکابر شیوخ پر نقد و جرح بھی کی ہے۔ جو بوجوہ مذکورہ قابل اعتناء نہیں۔

امام ابو یوسف کا تعلیمی و تدریسی شغف:۔ امام صاحب باوجودیکہ علم و فضل کے اعلی مراتب پر فائض تھے، دنیوی وجاہت کا بھی طرہ امتیاز اوج پر تھا۔ خلفاء عباسیہ کا جاہ و جلال، عظمت و رعب دنیا پر چھایا ہوا تھا لیکن دربار خلافت کے وزراء کی تو امام ابو یوسف کے سامنے حیثیت ہی کیا تھی۔ خود خلیفہ ہارون رشید امام صاحب موصوف کا انتہائی ادب و احترام کرتا تھا۔

امام صاحب قصر شاہی میں نہ صرف یہ کہ بے روک ٹوک ہر وقت جا سکتے تھے۔ بلکہ اپنے گھوڑے پر سوار ہی خلیفہ کے دربار خاص تک جایا کرتے تھے اور خلیفہ دربار خاص کا پردہ ہٹا کر خود کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے امام موصوف کا استقبال کرتا اور پہلے خود سلام کرتا اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا تھا۔ کتب تاریخ میں ایک عربی شعر کا بھی ذکر آتا ہے جو ہارون رشید امام صاحب موصوف کی آمد پر بصد اظہار مسرت واعزاز پڑھا کرتا تھا۔ آج کے حالات میں کون یقین کرے گا کہ ہمارے دین کے پیشواؤں کی ایسی آن بان بھی رہی ہے، پھر کتب تاریخ میں کچھ اسے غلط و بے اصل بھونے راویوں کے چلائے ہوئے قصے بھی لکھے گئے، جن کی وجہ سے بڑوں بڑوں کی صحیح پوزیشن نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

امام ابو یوسف کے قبول عہدہ قضا کو ان کی دنیا طلبی سے تعبیر کیا گیا اور ایسے قصے بھی گھڑے گئے کہ امام صاحب نے خدانخواستہ خلفاء کی رضا جوئی اور انعامات کی خاطر شرعی مسائل بتلائے' ہمارے اہل مناقب نے بھی بے تحقیق ایسے چند واقعات نقل کر دیئے۔ جن سے امام موصوف کی ذہانت و ذکاوت و وسعت علمی ثابت ہو۔

اللہ تعالٰی جزائے خیر دے علامہ کوثری صاحب کو کہ حسن التقاضی میں ایسے واقعات کی بھی ولائل سے تغلیط کر دی۔ اگرچہ امام صاحب کے مجموعی حالات سے بھی ایسے قصے مشکوک معلوم ہوتے تھے۔ یہاں عرض کرنا یہ تھا کہ امام موصوف اتنی مشغولیتوں کے ساتھ بھی آخر وقت تک درس تعلیم کا کام کرتے رہے اور اس سے کبھی سیر نہ ہوتے تھے' نہ کسی وقت پڑھانے' سمجھانے اور علمی مذاکرہ سے اکتاتے تھے۔

حسن بن زیادہ کا بیان ہے کہ میں تحصیل علم کے زمانہ میں امام زفر کے پاس بھی جاتا تھا اور امام ابو یوسف کے پاس بھی لیکن میں نے امام ابو یوسف کو زیادہ باحوصلہ پایا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ میں پہلے امام زفر کے پاس پہنچتا اور مشکل مسائل پوچھتا' وہ مجھے سمجھاتے میں نہ سمجھتا اور بار بار سوال کر کے ان کو عاجز کر دیتا۔ وہ کہتے۔ کم بخت جا! تجھے کیا علم آئے گا؟ کوئی پیشہ دیکھ' کھیتی وغیرہ کر' ان کے اس طرح فرمانے سے مجھے بڑا غم ہوتا اور بڑی مایوسی ہوتی' کیونکہ مجھے بغیر علم کے کسی چیز کی پیاس نہ تھی۔ امام ابو یوسف کے پاس جاتا اور وہی مسائل مشکلہ پیش کرتا۔ وہ ان کے جوابات فرماتے اور سمجھانے کی کوشش فرماتے پھر بھی میری پوری طرح تشفی نہ ہوتی تو فرماتے :۔ اچھا ٹھہرو! ذرا صبر کرو' پھر فرماتے تم کچھ تھوڑا بہت سمجھے بھی یا ابھی ابتدائی حالت ہی ہے؟ میں کہتا کہ کچھ فائدہ تو مجھے ہوا مگر جس طرح چاہتا ہوں تسلی نہیں ہوئی۔ فرماتے کچھ حرج نہیں' ہر ناقص چیز کامل ہو سکتی ہے۔ ٹھہرو! انشاء اللہ تم سمجھ لو گے۔

حسن فرماتے ہیں میں ان کے اس قدر صبر و تحمل پر بڑی حیرت کرتا تھا۔ وہ اپنے تلامذہ و اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے یہ قدرت ہوتی کہ اپنے دل کی ساری باتیں تمہارے دلوں میں اتار دوں تو مجھے ایسا کرنے میں بڑی ہی خوشی ہوتی۔

یہ واقعہ میں نے اس لیے بھی ذکر کیا ہے کہ آج کل کے طلبہ و اساتذہ دونوں اس سے سبق حاصل کریں اور اپنی زندگی کے رخ کو بدلیں تاکہ ان کو بھی علم و حکمت کے وہی سابقہ انوار و برکات حاصل ہوں۔ پہلے ہارون رشید کے قول سے بھی معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف عہدہ قاضی القضاۃ کی غیر معمولی مصروفیتوں کے باوجود راتوں میں درس و تعلیم دیا کرتے تھے اور تاریخ نے ہی یہ بھی بتایا کہ آخری وقت وصال میں بھی علمی مسائل کی تحقیق ہی فرماتے رہے۔

ابراہیم بن الجراح کا بیان ہے کہ مرض موت میں عیادت کے لئے حاضر تھا' اس وقت بھی علمی گفتگو تھی' کچھ دیر غشی رہی' افاقہ ہوا تو مجھ سے کہنے لگے ابراہیم! رمی جمار سوار ہو کر کرنا افضل ہے یا پیدل؟ میں نے کہا پیدل! فرمایا غلط' میں نے کہا سوار' فرمایا غلط' پھر خود فرمانے لگے کہ جس جمرہ کے پاس دعا کرے گا وہاں پیدل افضل ہے اور جہاں نہیں وہاں سوار ہو کر۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ میں اٹھ کر دروازہ تک ہی آیا تھا کہ ان کی وفات کی خبر سن لی۔

مناقب صیمری میں اتنا اضافہ اور بھی ہے کہ میں نے عرض کیا آپ اس حالت میں بھی مسائل بیان کر رہے ہیں؟ فرمایا کیا حرج ہے؟ کیا عجب ہے خدا اسی درس مسائل کے صدقہ میں نجات بخش دے۔ پھر دونوں جگہ کے فرق کی بھی توجیہ فرمائی۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ و رضی عنہ وارضاہ

امام ابو یوسف کے تلامذہ :- علامہ کوثری نے بہت لوگوں کے نام تحریر فرمائے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں :-

امام احمد بن حنبل صاحب مذہب' احمد بن منیع (شیخ امام بخاری) اسد بن فرات (مدون مذہب امام مالک) اسماعیل بن حماد (ابن الامام اعظم)' بشر بن غیاث' جعفر بن یحیٰی' البرمکی' حسن بن زیاد دلولوی' حماد بن دلیل' خالد بن صبیح' خلف بن ایوب بلخی' شجاع بن مخلد' شقیق بن ابراہیم بلخی' علی بن الجعد (صاحب الجعدیات)' علی بن حرملہ' علی بن المدینی (شیخ بخاری)' فضیل بن عیاض' امام محمدؒ محمد بن سماعہ' معلی بن منصور' وکیع بن الجراح' ہشام ابن عبدالملک ابوالولید الطیالسی' ہلال بن یحیٰی الرائی (صاحب احکام الوقف) یحیٰی بن آدم' یحیٰی بن معین (شیخ البخاری) امام شافعی بواسطہ امام محمد' امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں۔ اور کتاب الام اور اپنی مسند میں امام ابو یوسف سے بواسطہ امام محمد نے روایت بھی کی ہے۔ جیسے حدیث بیع الولاء میں۔

امام ابو یوسف اور امام شافعی کا اجتماع ایک جگہ نہیں ہوا۔ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ' حافظ ابن حجر اور حافظ سخاوی نے بھی تصریح کی ہے۔ باقی بعض مسانید امام اعظم میں جو امام شافعی کی روایت امام ابو یوسف سے منقول ہے' وہ غلط ہے کہ یوسف کی جگہ ابو یوسف تحریر ہو گیا ہے اور وہ یوسف بن خالد سمتی ہیں' واللہ اعلم ج 42

امام ابو یوسف نے اگرچہ اپنا انتساب اپنے استاذ محترم امام اعظم کے ساتھ ہمیشہ باقی رکھا۔ مگر ان کے علمی کمالات اور قوت اجتہاد و استنباط و جمع شروط اجتہاد کے پیش نظر ان کو مجتہد مطلق ماننا ضروری ہے' وہ امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کے رکن رکین اور فرد اعظم تھے اور امام صاحب کی وفات تک تقریباً 29 سال تدوین کے کام میں مشغول رہے۔ چنانچہ امام اعظم نے خود بھی ان کو ان کے طبقہ میں اعلم اہل الارض فرمایا تھا جیسا کہ تاریخ خطیب میں بواسطہ امام

طحاوی اسد بن فرات سے منقول ہے اور ابن ابی عمران شیخ امام طحاوی نے فرمایا کہ حافظ فقیہ علی بن الجعد (صاحب البعدیات المشہور) ایک روز درس حدیث دے رہے تھے اور مجلس لوگوں سے بھری ہوئی تھی' آپ نے اخبرنا ابو یوسف ہی کہا تھا کہ ایک شخص بولا کیا آپ ابویوسف کا ذکر فرما رہے ہیں؟ حضرت الاستاذ نے اس طرح کے سوال سے امام کی تحقیر محسوس کی اور بارعب و جلال لہجہ میں فرمایا کہ "جب تم امام ابو یوسف کا ذکر مبارک کرنا چاہو تو پہلے اپنے منہ کو اشنان اور گرم پانی سے اچھی طرح پاک و صاف کر لینا۔ پھر فرمایا کہ واللہ میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔" جب کہ وہ امام ثوری' امام مالک' حسن صالح' ابن ابی ذئب لیث بن سعد اور شعبہ بن الحجاج ایسے اکابر ائمہ و مجتہدین کو دیکھ چکے تھے۔ لہٰذا وہ امام صاحب موصوف کو ان سب پر فضیلت دیتے تھے اور امام اعمش نے امام ابو یوسف کی شرح معانی حدیث بریرہ پر "انتم الاطباء ونحن الصیادلة" فرمایا تھا۔ علامہ کوثری نے اس موقع پر مجتہدین کی اس تقسیم کو راجح ثابت کیا ہے جو ابن حجر مکی نے "شن الغارہ" میں درج کی ہے جس کو مولانا عبدالحی مرحوم لکھنوی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے نقل و اختیار کیا ہے اور ابن کمال الوزیر کی تقسیم کی غیر صحیح و مرجوح قرار دیا ہے۔ یہ بحث اہم و قابل مطالعہ ہے۔ امام ابو یوسف کی مدح میں علاوہ مذکورہ بالا اقوال اکابر کے چند اقوال اور بھی ملاحظہ کیجئے۔ یحییٰ بن معین نے یہ بھی فرمایا کہ امام ابو یوسف صاحب حدیث تھے۔ صاحب سنت تھے۔

عبداللہ بن داؤد خریبی کا قول ہے کہ امام ابو یوسف تمام فقہی علمی مسائل پر ایسا عبور کامل رکھتے تھے کہ وہ سب ان کے سامنے کف دست تھے۔ عمرو بن محمد ناقد (جو اہل رائے محدثین سے تعصب رکھتے تھے) فرماتے کہ میں اصحاب رائے میں سے کسی سے روایت حدیث پسند نہیں کرتا مگر ابو یوسف سے' کیونکہ وہ صاحب سنت تھے۔

محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ 180ھ میں امام ابو یوسف بصرہ آئے تو ہم ان کی خدمت میں جایا کرتے تھے' ان کا طریقہ تھا کہ دس احادیث روایت کرتے' پھر دس فقہی آراء ساتھ بیان کرتے' اس عرصہ میں مجھے صرف ایک حدیث میں وہ منفرد معلوم ہوئے' جو ہشام بن عروہ سے حجر میں روایت کی اور وہ صدوق تھے۔

علامہ کوثری نے اس مقام پر تحریر فرمایا کہ جو شخص "التلخیص الحبیر" ص 249 اور سنن بیہقی ص 61 مطالعہ کرے گا وہ معلوم کرے گا کہ اس حدیث میں بھی امام ابو یوسف منفرد نہ تھے کیونکہ متابع موجود ہے۔

یہ تمام اقوال علامہ ذہبی کی کتاب مناقب الامام ابی یوسف سے "حسن التقاضی" میں لکھے گئے ہیں۔ حارثی نے اپنی سند سے حسین بن ولید سے یہ نقل کیا کہ امام ابویوسف جب کسی مسئلہ پر کلام کرتے تھے تو سننے والے ان کی

کلام سے متحیر ہو جاتے تھے اور ایک روز میں نے ایسا بھی دیکھا کہ وہ کسی خاص مسئلہ پر تقریر کرنے لگے تو تیر کی طرح تیزی سے اس مسئلہ کے تمام متعلقات بیان کر گئے۔ جس کی وجہ سے اور بھی زیادہ حاضرین مجلس کو اس مسئلہ کی باریکیاں مفہوم نہ ہو سکیں اور ہم سب متحیر ہوئے کہ حق تعالیٰ نے ان کو کس قدر قدرت کلام اور فہم معانی دقیقہ کا ملکہ عطا فرمایا ہے۔

چونکہ امام ابو یوسف کو یہ سارے مناقب و محامد اور کمالات امام اعظم رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے حاصل ہوئے تھے اس لیے یہ بھی "قلائد عقود العقیان" میں امام ابو یوسف سے ہی منقول ہوا ہے کہ میں نے کبھی کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس کے بعد امام اعظم کے حق میں دعا اور استغفار نہ کی ہو۔

حضرت علی بن صالح جب کبھی امام ابو یوسف سے روایت کرتے تو اس طرح کہتے :- "میں نے یہ حدیث افقہ الفقہا' قاضی القضاۃ' سید العلماء امام ابویوسف سے سنی ہے۔" محدث بشر بن الولید کے سامنے ایک شاگرد نے امام ابویوسف کا نام بغیر القاب کے لیا تو اس کو تنبیہہ فرمائی کہ تم ان کی تعظیم نہیں کرتے' ان کی توقیر نہیں کرتے' میں نے تو ان کا مثل اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا (حالانکہ انہوں نے ابن ابی ذئب اور شعبہ وغیرہ اکابر محدثین کو دیکھا تھا)۔

امام نسائی نے بھی جو نقد رجال میں بہت متشدد تھے' امام ابو یوسف کی توثیق کی ہے اور احمد بن کامل شجری (مولف اخبارالقضاۃ اور صاحب ابن جریر) نے کہا کہ امام یحیٰی بن معین' امام احمد اور علی بن مدینی تینوں نے بالاتفاق امام ابویوسف کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یہ تینوں امام بخاری کے کبار شیوخ میں تھے۔

اسی طرح شیخ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کو شیخ متقن کہا پھر کہا کہ ہم کسی کے فضل و شرف کو چھپانا نہیں چاہتے۔ ہمارے نزدیک امام ابویوسف اور امام زفر کی عدالت و ثقاہت ثابت ہو چکی ہے۔ ملاحظہ کیجئے یہ ابن حبان وہ ہیں جو بہت سے محدثین احناف بلکہ اکابر ائمہ احناف کے خلاف بھی بہت کچھ لکھنے کے عادی ہیں۔ مگر امام ابو یوسف و زفر کی یہ بھی مدح کر گئے اور بقول خود حق انصاف ادا کر گئے۔ مگر اس کے باوجود بھی حیرت اس پر بالکل نہ کیجئے کہ امام بخاری اپنے استاذ الاساتذہ امام ابویوسف کو بھی متروک فرما گئے۔ آپ نے لکھا کہ امام بخاری جن بزرگوں کے اقوال سے جابجا اپنی کتاب الضعفاء وغیرہ میں استدلال کرتے ہیں وہ سب تو امام موصوف کو ثقہ فرما گئے۔ ثقہ وہ ہے جس کی حدیث لینی چاہیے۔ مگر امام بخاری کا فیصلہ ہے کہ وہ متروک الحدیث تھے جس کی احادیث لوگوں نے ترک کیں۔ معلوم نہیں اس بارے میں وہ کن بزرگوں سے متاثر ہوئے شاید وہ شیخ حمیدی وغیرہ ہوں جن کی وجہ سے انہوں نے امام اعظم

سے بھی سوء ظن اختیار کر لیا تھا۔ مگر شیخ حمیدی کا قول تو وہ ساری کتاب الضعفاء میں کہیں بطور سند ذکر بھی نہیں کرتے۔ غرض یہ معمہ ہمارے لئے تو ابھی تک "کس نکشو دونکشاید" ہی کے مرحلہ میں ہے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا [46]

مولفات امام ابو یوسف :- امام صاحب کی تالیفات کتب تاریخ و مناقب میں بہت بڑی تعداد میں مذکور ہیں۔ مگر ہم تک ان میں سے بہت کم پہنچی ہیں۔ مثلا

(1) **کتاب الآثار :-** اولہ وقہ میں نہایت قیمتی ذخیرہ ہے' جس کا اکثر حصہ امام اعظم سے مروی ہے۔ حضرت مولانا العلام ابوالوفاء صاحب نعمانی دامت مآثرہم کے حواشی قیمہ نے اس کو بہت زیادہ مفید بنا دیا ہے۔ یہ کتاب مدارس عربیہ کے درس حدیث کا جزو ہونی چاہیے۔ ورنہ کم سے کم زائد مطالعہ میں لازمی ہونی چاہیے "ادارہ احیاء المعارف النعمانیہ" حیدر آباد سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ امام صاحب موصوف کا ایک مسند بھی ہے مگر وہ ہم تک نہیں پہنچا [46]

(2) **اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلی :-** یہ کتاب بھی ادارہ مذکور سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں امام ابو یوسف نے اپنے دونوں اساتذہ کے مختلف فقیہ مسائل کو جمع کر دیا ہے اور دلائل سے اپنے اجتہاد کی روشنی میں کسی ایک قول کو ترجیح دی ہے۔ حاشیہ میں تحقیق رجال' تخریج احادیث و حل لغات وغیرہ کی گئی ہے [47]

(3) **الرد علی سیر الاوزاعی :-** امام اوزاعی نے اپنی کتاب مسائل جہاد میں امام اعظم کی کتاب الجہاد کے بعض مسائل پر اعتراض کیا تھا ان مسائل پر امام ابو یوسف نے دونوں کے اقوال جمع کر کے ہر ایک کی دلیل بیان کی ہے اور پھر محاکمہ کیا ہے یعنی کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی بصیرت کے موافق کسی ایک قول کو ترجیح دی ہے۔ ادارہ مذکور ہی سے چھپی ہے [48]

(4) **کتاب الخراج :-** خلیفہ ہارون رشید کی طلب پر احکام اموال میں رسالہ تصنیف فرمایا تھا۔ اس کے مقدمہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسف حق بات کہنے میں کسی سے نہیں ڈرتے تھے' ان کے طبقہ میں سے کسی نے ایسی کتاب نہیں لکھی بلکہ یہ کہنے میں بھی مبالغہ نہیں کہ ایسی کتاب لکھی ہی نہیں گئی۔ اس باب میں جو کتابیں دوسروں نے لکھی ہیں ان کے ساتھ موازنہ کرنے پر یہ بات بالکل واضح ہو گی۔ اس کتاب کی شروح بھی لکھی گئیں جن سے اس کی خوبیاں اور بھی نمایاں ہو گئیں۔

(5) کتاب المخارج والحیل :- یہ بھی امام ابو یوسف کی طرف منسوب ہے' اس کا قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ میں اور مکتبہ علی پاشا آستانہ میں موجود ہے اور اس کو جوزف شخت مستشرق المانی نے امام محمد کے نام سے طبع کر دیا ہے۔

ابن ندیم نے لکھا کہ امام ابو یوسف کی کتب اصول و امالی میں سے حسب ذیل ہیں :-

(6) کتاب الصلوۃ (7) کتاب الزکوۃ (8) کتاب الصیام (9) کتاب الفرائض (10) کتاب البیوع (11) کتاب الحدود (12) کتاب الوکالۃ (13) کتاب الوصایا (14) کتاب الصیدوالذبائح (15) کتاب الغصب (16) کتاب الاستبراء (17) مجموعہ امالی مرتبہ و مرویہ قاضی بشربن الولید جو 36 کتابوں پر مشتمل ہے۔ جو سب امام ابو یوسف کی اپنی تصنیف کردہ ہیں۔

(53) کتاب اختلاف علماء الامصار (54) کتاب الرد علی مالک بن انس (55) کتاب الجوامع جو آپ نے یحییٰ بن خالد کے لئے لکھی تھی چالیس کتابوں پر مشتمل تھی۔ ان میں آپ نے لوگوں کے اختلاف کی تفصیل اور رائے مختار کی نشاندہی کی ہے۔ طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد نے کہا کہ امام ابویوسف کے حالات مشہور ہیں' ان کا فضل و برتری ظاہر ہے۔ وہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں سے تھے اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں سے سب سے بڑے فقیہ تھے کہ ان سے آگے کوئی نہ ہو سکا۔ علم و حلم' ریاست اور قدر و منزلت کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے تھے۔ امام ابوحنیفہ کے مذہب پر اصول فقہ کو سب سے پہلے تصنیف کیا۔ مسائل احکام کو املاء کرایا اور امام صاحب کے علوم اجتہادیہ کو زمین کے تمام حصوں میں پھیلایا اور نشر کیا۔ جیسا کہ خطیب نے بھی تنوخی سے اس کی تصریح نقل کی ہے۔

لہٰذا امام ابویوسف کی اولیت تصنیف اصول فقہ حنفی' امام شافعی کی اولیت تصنیف اصول فقہ شافعی کے منافی نہیں۔ بلکہ امام شافعی کا جو طریق مناقشہ سابقہ مسائل اصول پر ہے' وہ خود اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ ان کی اولیت صرف ان کے اپنے مذہب کے اعتبار سے ہے۔ حافظ ذہبی نے ابو ـعلی موصلی کے تذکرہ میں لکھا ہے۔ "ابو علی کا قول ہے کہ اگر ابو ـعلی بشربن ولید کے پاس ٹھہر کر امام ابو یوسف کی کتابوں کو نقل کرنے میں مصروف نہ ہوتے تو بصرہ پہنچ کر سلیمان بن حرب اور ابوالولید عباسی کو ضرور پا لیتے"۔ (جس سے ان کی سند عالی ہو جاتی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف کی تصانیف بہت ہی زیادہ تھیں کہ ان کو لکھنے میں کافی وقت صرف ہو گیا اور ان کو بشر تلمیذ امام موصوف کے پاس رکنا پڑا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف کے علوم کی اس وقت بڑی شہرت تھی' ورنہ علوسند کو ہر زمانہ میں بڑی اہمیت رہی ہے اور لوگ اس کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر ابو ـعلی

جیسے مشہور محدث کبیر نے نقل کتب امام موصوف میں وقت صرف کر کے بتصریح ذہبی علو سند کی فضیلت کو نظر انداز کر دیا۔

واضح ہو کہ ابو یعلی کی مسند و معجم مشہور ہیں۔ وہ جزیرہ کے بڑے پایہ کے محدث تھے' محدث علی بن الجعد اور امام یحییٰ بن معین کے واسطہ سے امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں۔ محدث ابن حبان اور اسماعیلی جیسے محدث ان کے شاگرد ہیں۔ اس زمانہ میں محدثین تیز لکھنے کے بڑے مشاق ہوتے تھے' اسی طرح تلقی کتب اور سماع میں سرعت کے واقعات بہ کثرت منقول ہیں۔ چنانچہ بہت سے محدثین ایسے گزرے ہیں جنہوں نے صرف تین روز میں بخاری شریف پوری کر لی ہے۔ ایسے حالات میں محدث ابو یعلی کا زیادہ وقت صرف اسی لیے صرف ہوا ہو گا کہ امام کی تصانیف بہت زیادہ تھیں اور امام احمد کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ میں نے تین سال میں امام ابو یوسف کے پاس رہ کر بقدر تین الماریوں کے کتابیں نقل کیں۔ قماطر کا ترجمہ بستوں سے ٹھیک نہیں' قاموس وغیرہ میں ہے قمطرہ وہ ہے جس میں کتابیں محفوظ کی جائیں پھر یوں بھی امام احمد ایسے مشہور و معروف محدث نے تین سال کی مدت میں بہت بڑی مقدار نقل کی ہو گی۔

صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے امالی تین سو مجلد میں تھے۔

علامہ ابوالقاسم شرف الدین بن عبدالعلیم القرشی (یاشاء) مولف قلائد العقیان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان) نے دوسری فصل کتاب مذکور میں (جو امام ابویوسف کے مناقب میں ہے) فرمایا :۔ امام ابو یوسف کے مناقب میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے بڑی بڑی مبسوط کتابیں تصنیف کیں جن میں سے املاء امالی' ادب القاضی (جو بشر بن الولید کو املاء کرائی تھی) المناسک وغیرہ تھیں۔ علامہ شیخ یحییٰ غزی نے 108ھ میں زبید پہنچ کر بیان کیا تھا کہ انہوں نے امام ابویوسف کی امالی کو خود دیکھا ہے جو تین سو مجلد میں تھیں اور شام کے شہر غزہ کے مدرسہ میں ایک مستقل الماری میں محفوظ تھیں۔ افسوس ہے کہ اب اس عظیم و جلیل کتاب کا کہیں وجود نہیں ہے اور غالباً" وہ دسویں صدی کی مشہور جنگ میں ضائع ہوئی ہے۔[49]

اس وقت کے متنازع فیہ مسائل کلامیہ میں امام ابو یوسف کی آراء بہت ہی جچی تلی' متوازن اور معتدل تھیں اور اس زمانہ کے فرق باطلہ کے زیغ والحاد کا امام موصوف نے بڑی حکمت' دانائی سے مقابلہ کیا۔ امام اعظم کے مناظرے اہل زیغ کے ساتھ مشہور ہیں۔

امام ابو یوسف چونکہ بر سر اقتدار بھی تھے اور حکومت کے سب سے بڑی مذہبی عہدہ قاضی القضاۃ پر فائز تھے پھر

اپنی جلالت علمی و امتیازات خاصہ کے باعث خلفاء وقت سے بھی مرعوب و متاثر ہونے والے نہ تھے' اس لئے ان کی خدمات اور بھی زیادہ نمایاں ہوئیں۔

خلیفہ ہارون رشید پر ان کے اثرات کا کچھ ذکر ہو چکا ہے اور امام اعظم کے تذکرہ میں قضاۃ کے سلسلہ میں بھی ان کے بے جھجک فیصلوں اور اہم اقدامات کا تذکرہ آ چکا ہے۔ یہاں اہل زیغ کے بارے میں ان کے طرز فکر و طریق عمل کے ایک دو نمونے ملاحظہ کیجئے۔

(1) برسراقتدار حضرات میں سے کسی کے صاحبزادے بھی خیال کے ہو گئے تھے' امام صاحب موصوف نے بلوا کر 35 کوڑے لگوائے' تاکہ اس کو تنبیہہ ہو اور دوسروں کو حوصلہ نہ ہو۔

(2) خلیفہ ہارون رشید کے سامنے ایک زندیق پیش ہوا' خلیفہ نے امام ابو یوسف کو بلوایا تاکہ دلائل سے قائل معقول کریں' امام صاحب پہنچے تو خلیفہ نے کہا کہ اس سے بات کیجئے اور مناظرہ کر کے اس کی اصلاح کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا:۔ امیرالمومنین! ابھی ابھی تلوار اور چمڑا منگوایئے اور اس پر اسلام پیش کیجئے! اگر اسلام کو صحیح طور پر سے مانے تو خیر' ورنہ اس کا قصہ ختم کیجئے! ایسے ملحد زندیق مناظروں سے درست ہونے والے نہیں۔ شکر

ایک دفعہ دشمنوں اور حاسدوں نے مشہور کر دیا کہ امام ابویوسف خود ہی "القرآن مخلوق" کے قائل ہیں۔ امام صاحب کے خاص تعلق والے پہنچے اور عرض کیا کہ آپ ہمیں تو اس چیز سے روکتے ہیں اور دوسروں کو اس طرح بتلاتے ہیں پھر سارا قصہ ذکر کیا کہ اس طرح شہرت ہے۔ امام صاحب نے فرمایا:۔ آپ لوگ بھی بڑے سادہ لوح ہیں کہ ان کی باتوں میں آ گئے' وہ پاگل دیوانے تو خدا پر جھوٹ بولتے ہیں مجھ پر جھوٹ لگانا ان کے لئے کیا مشکل ہے؟ پھر فرمایا کہ اہل بدعت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے دل کی باتیں دوسروں پر رکھ کر چلاتے ہیں' حالانکہ وہ لوگ ان کے جھوٹ سے بری ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ لوگوں نے آ کر عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ ایسے شخص کی شہادت بھی قبول کر لیتے ہیں جو کہے کہ خدا کو واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے قبل تک ان کا علم نہیں ہوتا۔ (اس زمانہ کے بعض اہل زیغ فلسفی مزاج لوگوں کی طرف اشارہ تھا) امام نے فرمایا:۔ بالکل غلط ہے ایسا شخص میرے سامنے آ جائے تو اس سے فوراً" توبہ کراؤں' اگر توبہ نہ کرے تو حکم قتل کروں۔ لـکه

ایک بار امام صاحب کے کسی جلیس نے کہا کہ آپ کے بارے میں عام لوگ یہ شہرت دے رہے ہیں کہ آپ

ایسے شخص کی شہادت قبول کر لیتے ہیں جو کسی تاویل کے ساتھ صحابہ کو سب و شتم کرتا ہو۔ فرمایا۔ افسوس لوگ ایسی بات کہتے ہیں۔ میں تو ایسے شخص کو قید کر دوں اور تازیانوں کی سزا مقرر کروں' یہاں تک کہ توبہ کرے[1]۔

سیکڑوں واقعات میں سے یہ چند واقعات ذکر ہوئے ہیں' ان حضرات کے اس قسم کے واقعات روح ایمان کو تازہ کرنے والے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ لکھے جائیں مگر یہاں گنجائش کم ہے۔ اس لئے معذرت کی جاتی ہے۔ مگر اتنا ضرور یاد رکھئے کہ یہ امام ابو یوسف اسی ذات مکرم کے تربیت یافتہ اور تلمیذ خاص ہیں جو حسب تحقیق امام بخاری یری السیف فی الائمہ کا نظریہ رکھتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ برسراقتدار ہو کر بھی اگر سیف کا استعمال کرنا چاہا تو صرف ان اعضاء فاسدہ پر جن کی اصلاح ناممکن کے درجہ میں پہنچی ہو اور جن سے دوسروں کو گمراہی کا ظن غالب ہوا۔

ایک طرف اگر امام اعظم ایسے علم والے جن کے علم سے بقول ابن ندیم مشرق سے مغرب تک ساری فضا معمور و منور ہو گئی اور جن کی ایک عقل سارے عقلاء روزگار کے ہم پلہ سمجھی گئی' اگر وہ چاہتے تو اپنے علم و عقل کے زور سے دوسروں کو کس کس طرح مجروح نہ کر جاتے اور ابن حزم وغیرہ کی طرح قلمی سیف و سنان کا استعمال دل کھول کر کرتے' مگر وہ خود جانتے تھے کہ بڑے اور اہل علم و تقویٰ تو ایک طرف معمولی کم سے کم درجہ کے مومن کی عزت بھی لائق صد احترام ہے۔ اسی لئے ان کی اور ان کے تمام اصحاب و تلامذہ کی غیر معمولی احتیاط و نزاہت لسان قابل تقلید ہے۔ دوسری طرف امام ابو یوسف اگر اپنے اقتدار سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تو اپنے مخالفین سے کیا کچھ انتقام نہ لے سکتے تھے جو رات دن ان کو بدنام کرتے تھے۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ سب صحابہ تک کو بھی وہ کسی تاویل کے ساتھ بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھے جب کہ دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ حافظ ابن حجر مروان بن الحکم کے "رجال بخاری" میں سے ہونے کی وجہ سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کو بھی تاویل کے ساتھ وجہ جواز دینے کو تیار ہیں۔ جو نہ صرف بلند پایہ صحابی تھے' بلکہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور الزام پھر بھی یری السیف کا ہم غریبوں کے سر[3]۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام　　　وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

یہ تو امام ابو یوسف کی رائے تھی اور جو کلمات انہوں نے عقائد حقہ اور عقائد زائغہ کے سلسلہ میں ارشاد فرمائے ہیں وہ تو آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ علامہ کوثری نے حسن التقاضی میں وہ بھی کچھ نقل کئے ہیں ان کا یہاں ترجمہ ہم خوف طوالت سے ترک کرتے ہیں۔ درحقیقت پوری کتاب ایک سو صفحہ کی علمی جواہر پاروں کا گنجینہ

امام صاحب اور ان کے اصحاب کے حالات زندگی پڑھنے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان ابتدائی حالات میں جب کہ نئے نئے علمی و مذہبی فتنے سر اٹھا رہے تھے' ان حضرات نے کن کن تدابیر سے ان کی روک تھام کی ہے۔ علمی مناظرے' مباحثے بھی کئے' حکومت کے اثرات سے بھی کام لیا اور تدوین فقہ کی اہم بالشان مہم سر کر کے مسلمانوں اور اسلامی حکومتوں کے واسطے اسلامی قوانین پر چلنے کا میدان بھی ہموار کیا۔

امام ابو یوسف نے جہاں ملحدوں' زندیقوں پر سخت گرفت کی وہاں ان کو بے گناہ عام مسلمانوں کی حفاظت جان و مال کی فکر بھی ہمہ وقت اپنے استاذ معظم امام اعظم کی طرح رہتی تھی۔ اس کا بھی ایک واقعہ پیش ہے:۔

ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے' ایک شخص نے کہا کہ واللہ! نہ تم نے تقسیم میں انصاف کیا اور نہ رعیت کے ساتھ عدل کیا اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ سے سخت تنقید کی۔ خلیفہ کو غصہ آیا' اس شخص کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ نماز کے بعد اس کو پیش کیا گیا تو خلیفہ نے امام ابو یوسف کو بلوایا' آگے خود امام ابو یوسف کے ہی الفاظ میں قصہ سنیے! فرمایا۔ میں گیا تو دیکھا کہ خلیفہ بیٹھے ہیں۔ سامنے ایک شخص بطور مجرم جلادوں اور سزا دینے والوں کے درمیان کھڑا ہے۔ خلیفہ نے مجھ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص نے مجھے ایسی سخت باتیں کہیں جو آج تک کسی نے نہیں کہی تھیں۔ میں نے کہا۔ امیرالمومنین! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی ایک موقع پر کہ آپ نے خود تقسیم فرمائی تھی کہا گیا کہ اس تقسیم سے خدا کی رضا جوئی کا ارادہ نہیں کیا گیا' لیکن حضور ﷺ نے یہ سن کر بھی اس کو معاف کر دیا اور کوئی سزا نہیں دی' ایک دوسرے موقع پر آپ نے تقسیم فرمائی تو کہا گیا کہ آپ نے عدل نہیں کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں بھی عدل نہ کروں تو کون کرے گا؟ اس کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا اور درگزر کی اور اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ حضور ﷺ کو اس وقت کہے گئے کہ حضرت زبیر ؓ اور ایک شخص انصاری کا جھگڑا آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوا' غلطی چونکہ اسی کی تھی' اس لئے حضور ﷺ نے زبیر ؓ کے حق میں فیصلہ کیا' انصاری نے کہا یارسول اللہ! کیا یہ فیصلہ ان کے حق میں اس لئے ہوا کہ وہ آپ کی پھوپی کے لڑکے ہیں؟ اس کو بھی حضور اکرم ﷺ نے کچھ نہ فرمایا اور معاف کر دیا۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اتنا سننے کے بعد خلیفہ کا غصہ ختم ہو گیا اور اس شخص کو چھوڑنے کا حکم دے دیا۔[۶۵]

امام ابو یوسف اور امام مالک کا اجتماع ہوا ہے اور بعض مسائل میں مذاکرہ بھی ہوا ہے مگر جو واقعہ سہو سے نماز

نفل نہ پڑھنے پر حلف کا منقول ہے اور ایسی ہی سلمی سے اشتراء جاریہ کے حلف والا قصہ ناقابل اعتبار ہے کیونکہ سمی و سلمی و کابلی و عبدالعزیز غیر ثقہ تھے۔ک ک۔

امام ابو یوسف نے مغازی و سیر محمد بن اسحاق سے بھی حاصل کیے۔ مگر جہاں تک خیال ہے ان کا بڑا اور اہم حصہ امام اعظم سے ہی حاصل کیا ہو گا۔ کیونکہ امام صاحب نے مغازی کا علم امام شعبی سے حاصل کیا تھا جن کی وسعت علم مغازی و سیر کا اعتراف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی کیا تھا۔

اس سلسلہ میں مورخ ابن خلکان نے "الجلیس الصالح" معافی جزیری سے بغیر نقل سند کے ایک قصہ نقل کر دیا ہے۔ جو قطعاً" جھوٹ ہے اس میں اس طرح ہے کہ امام ابو یوسف محمد بن اسحاق سے مغازی و سیر کا علم حاصل کرنے کے لئے کچھ دن امام صاحب کی مجلس سے غیر حاضر رہے' واپسی پر امام صاحب نے گویا بطور طنز کہا کہ ابو یوسف! ذرا بتلاؤ تو کہ جالوت کے لشکر میں جھنڈا کس کے ہاتھ میں تھا؟ امام ابو یوسف نے کہا۔ آپ امام ہیں (اس لئے لحاظ ہے) لیکن اگر آپ۔ اس (طنز) سے نہ رکیں گے تو میں بڑے مجمع میں آپ سے پوچھوں گا کہ بدر کی لڑائی پہلے تھی یا احد کی؟ اور آپ نہ بتلا سکیں گے کہ کون سی اول تھی' اس پر امام صاحب خاموش ہو گئے۔

اس روایت کو نقل کرنے والا محمد بن الحسن بن زیادہ المقری جھوٹ گھڑنے میں مشہور تھا۔ تاریخ خطیب میزان الاعتدال' لسان' المیزان وغیرہ میں اس کا ترجمہ مذکور ہے۔ کسی نے کذاب کہا' کسی نے منکرالاحادیث' اس کے علاوہ یہ قصہ روایت کے بھی خلاف ہے' کیونکہ امام ابو حنیفہ کے مسانید میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فروض دیوان میں شرکاء غزوہ بدر کو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر ترجیح دیتے تھے جو بعد کے غزوات میں شریک ہوئے اور امام صاحب روزانہ ختم قرآن مجید میں آیت ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ بھی ضرور پڑھتے تھے۔ جس کا نزول غزوہ احد کے بارے میں مشہور و معروف ہے۔ ادنی لوگ بھی واقف تھے کہ کون سا غزوہ پہلے تھا اور کون سا بعد۔ تو کیا امام الائمہ' شیخ فقہاء الامہ اس کو بھی نہ جانتے تھے۔

پھر امام صاحب نے اپنے اصحاب کو کتاب "السیر الصغیر" لکھائی جس پر امام اوزاعی نے رد لکھا' اور آپ کے تلامذہ میں سے امام ابو یوسف ہی نے اس کے رد میں الرد علی سیر الاوزاعی مشہور عالم کتاب لکھی۔ ایسی حالت میں کوئی سمجھدار آدمی یہ تصور کر سکتا ہے کہ امام ابو یوسف ہی کی نظر میں امام صاحب اس امر سے بھی جاہل تھے کہ بدر پہلے ہے یا احد؟ وہ امام ابو یوسف جو اپنے محسن اعظم اور مربی اکرم استاد کا بے نظیر ادب کرتے تھے اور جو زندگی بھر امام صاحب کی علمی

مجالس میں حاضر رہ کر علوم امام کے لاتعداد روحانی ساغر نوش فرما کر بھی ایسے بے نظیر عاشق امام نکلے۔ کہ جب کبھی وصال امام کے بعد کسی علمی مشکل میں مبتلا ہوئے۔ تمنا یہی کی کہ کاش امام کی ایک مجلس مجھے پھر نصیب ہو جائے کہ اپنی علمی پیاس کو ایک بار پھر بجھا لوں اور بعض اوقات اس کے لئے آدھی دولت بھی نثار کرنے کو آمادہ ہوئے جس کا اندازہ دس لاکھ روپیہ کیا گیا ہے۔ یہاں اس قصہ کو پوری تفصیل سے بیان صرف اس لیے کیا گیا کہ ابن خلکان جیسے بلند پایہ مورخ کی مثال سامنے رکھ کر آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ بعض اوقات کس کدو عصبیت کی وجہ سے بڑے بڑے لوگ بھٹک جاتے ہیں۔ ورنہ موصوف کی کتاب وفیات الاعیان کا ہم سب پر بڑا احسان ہے اور ان کی اس علمی تاریخی تصنیف کی بڑی قدر ہے۔ نہ ایسے چند واقعات کی وجہ سے کتاب کو درجہ اعتبار سے ساقط کہہ سکتے ہیں۔ البتہ خطاء و غلطی سے انبیاء علیہم السلام کے سواء کوئی معصوم نہیں' اس لئے جو بات بھی جس کی غلط ہو خواہ وہ کتنا ہی بڑا امام اور علامہ بھی ہو' اس کی چند غلطیوں کو الگ کر کے ہمیں چاہیے کہ اس کی باقی پوری خدمت کو بنظر استحسان دیکھیں' قدر کریں اور فائدہ اٹھائیں۔

علامہ ابن خلکان بھی دوسرے بعض اکابر کی طرح امام صاحب کے بارے میں تعصب کی روش پر چل گئے۔ صلوۃ قفال کو بھی وہ اسی نزغہ سے نقل کر گئے۔ حالانکہ وہ بھی اسی طرح کذب محض ہے۔ یہاں ایسے واقعات کا ذکر اس لئے بھی ضروری ہوا کہ بہت سے اپنے حضرات بھی ان کی کتابوں کی عظمت و قدر سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ایک بزرگ علامہ شبلی نے سیرۃ النعمان میں امام صاحب کے بارے میں ص 134 (مطبوعہ مجتبائی) میں تحریر کیا:-

> "اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغازی' قصص' سیر وغیرہ میں ان کی (امام صاحب کی) نظر چنداں وسیع نہ تھی۔ امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی حال تھا' لیکن احکام و عقائد کے متعلق امام ابوحنیفہ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی اس سے انکار کرنا صرف کم نظری و ظاہر بینی کا نتیجہ ہے' ان کی تصنیفات یا روایتوں کا مدون نہ ہونا قلت نظر کی دلیل نہیں ہو سکتا"۔ ملخصاً

بڑے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ علامہ شبلی مرحوم کا مطالعہ امام صاحب کے بارے میں بہت ناقص تھا' خیال فرمایئے' جس نے مغازی و سیر کا علم امام شعبی ایسے اہل نظر سے حاصل کیا ہو جن کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو اعتراف تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ وہ مغازی و سیر کے عالم تھے' اس کو مغازی و سیر میں کم نظر کہنا کتنا بڑا ظلم ہے اور پھر وغیرہ کا اضافہ بھی ساتھ رکھیے تو بات کچھ بھی نہ رہی۔ امام صاحب تو خیر امام تھے جن کے بارے میں ہمیں پورا یقین

ہے کہ مغازی، سیر اور قصص دور نبوت و صحابہ میں سے شاید ہی کوئی چیز ان سے مخفی رہی ہو' اور انشاء اللہ کسی موقع پر ہم اس کو دلائل و واقعات سے ثابت بھی کریں گے۔ مگر ہمیں تو امام مالک و امام شافعی کے بارے میں بھی ان علوم میں کم نظری کا تصور کرنے سے وحشت ہو رہی ہے۔ درحقیقت ابن خلکان اور صاحب جلیس صالح جیسے لوگوں کی کتابیں پڑھنے سے علامہ شبلی کو یہ خیال ہو گیا ہو گا جس طرح انہوں نے غیروں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر امام صاحب کی تصنیفات یا روایتوں کا مدون نہ ہونا بھی تسلیم کر لیا۔ حالانکہ تحقیق سے یہ امر بھی کسی طرح قابل تسلیم نہیں' چنانچہ امام صاحب کے حالات میں آپ پڑھ چکے کہ علاوہ مسانید کثیرہ امام کے امام ابو یوسف اور امام محمد کی کتاب میں کس قدر روایات ان سے ثابت ہیں اور وہ کتنے زمانہ سے مدون ہیں۔

امام شافعی کی ملاقات امام ابو یوسف سے اگرچہ معاصرۃ کی وجہ سے ممکن تھی' مگر واقعات سے ثابت نہیں ہوتی اور جامع المسانید خوارزمی میں جو امام شافعی کے امام موصوف سے نبیذ کے بارے میں سوال کا ذکر ہے' وہ سند سے خالی ہے۔ دوسرے حسن بن ابی مالک (جو اس روایت کے لئے بطور راوی ہیں) ان کا ذکر کتب مناقب امام شافعی میں ان کے تلامذہ میں نہیں ہے اور امام شافعی کے شیوخ روایت بھی ان دونوں کے عدم اجتماع پر یقین کا اظہار کرتے ہیں۔ کوئی سند بھی قابل اعتماد اگر واقعہ مذکور کی ہوتی' تو ہم امکان لقاء کو دوسرے مواقع میں بھی تسلیم کر لیتے۔ اس لئے بظاہر سوال مذکور امام ابو یوسف سے نہیں بلکہ یوسف سے ہو گا غلطی سے ابو کا اضافہ ہو گیا اور یوسف سے مراد یوسف بن خالد سمتی ہوں گے' جو بالاتفاق شیوخ شافعی میں سے ہیں۔

باقی امام الحرمین ابن جوینی شافعی کا یہ دعوی کرنا کہ امام شافعی کا مناظرہ امام ابو یوسف سے خلیفہ ہارون رشید کی موجودگی میں چند مسائل میں مدینہ منورہ کے قیام میں اور ایک مسئلہ پر مکہ معظمہ میں ہوا جس کا ذکر انہوں نے مغیث الخلق اور مسعری دونوں کتابوں میں کیا ہے وہ دونوں مناظرے اور اجتماع بے اصل اور جھوٹ ہیں۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام ابو یوسف کا اجتماع ثابت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ امام شافعی کا 184ھ میں زمانہ طلب و تحصیل کا تھا۔ 195ھ تک انہوں نے فقہ عراق اور فقہ حجاز کے موازنہ و ممارست سے اپنے مذہب قدیم کا آغاز کیا جو پانچ سال تک ان کا معمول یہ رہا۔ اس کے بعد وہ مصر کے قیام میں مذہب جدید پر عامل ہوئے اور پانچ سال اس پر قائم رہ کر 204ھ میں راہی دارالبقاء ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ لہٰذا ہر دو مناظروں مذکور کے افسانے من گھڑت ہیں۔

اس کے علاوہ ایک رسالہ مکذوبہ عبداللہ بن محمد بلوی اور احمد بن موسی النجار کی روایت سے کتابوں میں گھوم رہی

ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی 184ھ میں عراق آئے تو خلیفہ ہارون رشید کی مجلس میں امام ابو یوسف اور ان کا اجتماع ہوا اور بعض نے یہ ہذیان بھی چلتا کر دیا کہ امام ابو یوسف کو دربار سے نکلوایا گیا اور توہین کی گئی' حالانکہ امام ابو یوسف کی وفات 182ھ میں امام شافعی کے عراق آنے سے بھی دو سال قبل ہو چکی تھی۔

اسی سفر کے سلسلہ میں ایک قصہ یہ بھی گھڑا گیا کہ امام محمد اور امام ابو یوسف نے مل کر سازش کی کہ امام شافعی کو قتل کرایا جائے' حالانکہ 184ھ میں امام محمد بھی بغداد میں نہ تھے' بلکہ رقہ کے قاضی تھے اور امام شافعی اس وقت متہم ہو کر لائے گئے تھے۔ امام محمد ہی نے ان کو خلیفہ سے سفارش کر کے بری کرایا۔ اس کے مقابلہ میں یہ الٹی بات گھڑی گئی۔ اس کے علاوہ شافعی نے امام محمد کے پاس رہ کر خود اپنے اعتراف سے بقدر ایک اونٹ کے بوجھ کے کتابیں پڑھیں۔ چنانچہ امام شافعی نے امام محمد کے احسانات کا ہمیشہ اعتراف کیا ہے اور نہایت تعظیم کی ہے۔ یہ زمانہ امام شافعی کے طلب علم کا تھا۔ امامت و سیادت کا نہ تھا کہ ان پر حسد کر کے کوئی سازش ان کے خلاف کی جاتی' بلکہ امام شافعی کے اجتہاد و امامت کا دور امام محمد کی وفات سے بھی چھ سال کے بعد شروع ہوا ہے۔ جب کہ وہ 195ھ میں دوبارہ عراق آئے ہیں۔ غرض یہ روایت اول تو روایت کے بالکل خلاف' پھر راویوں کا یہ حال کہ حافظ ذہبی نے لکھا کہ دار قطنی نے عبداللہ بن محمد بلوی کو واضع حدیث کہا ہے اور ابو عوانہ نے اس کے واسطہ سے اپنی صحیح میں استسقاء کے بارے میں موضوع حدیث نقل کر دی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لسان میں کہا کہ وہ رحلتہ شافعی کا مصنف ہے جس کا اکثر حصہ جھوٹ ہے۔ توالی التاسیس میں کہا کہ جو رحلتہ امام شافعی کی طرف منسوب کر کے عبداللہ بن محمد بلوی نے بیان کی ہے اور اس کو آبری و بیہقی وغیرہ نے بھی نقل کر دیا ہے کسی نے مفصل کسی نے مختصر' اور فخرالدین رازی نے بھی پہلوں پر اعتماد کر کے بغیر ذکر سند ہی مناقب امام شافعی میں ذکر کر دیا۔ وہ جھوٹ ہے اس کا اکثر حصہ تو گھڑا ہوا ہے اور بعض حصے دوسری روایات کے ٹکڑے جوڑ کر بنا لئے گئے ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں (ص 182) فرمایا کہ جس نے یہ دعوی کیا کہ امام شافعی امام ابو یوسف کے ساتھ مجتمع ہوئے ہیں وہ جھوٹ ہے۔ البتہ امام محمد کے پاس پہنچے ہیں اور انہوں نے امام شافعی پر بڑی توجہ کی اور احسانات کئے اور ان دونوں میں کبھی کوئی رنجش بھی پیش نہیں آئی۔ ایسا کہنے والے بے خبر ہیں۔

افسوس ہے کہ اس رحلتہ مکذوبہ کو بے تحقیق اول تو آبری' بیہقی اور ابو نعیم اصفہانی نے' پھر امام الحرمین عبدالملک بن الجوینی شافعی اور ابو حامد طوسی اور فخر رازی وغیرہ نے بھی نقل کر دیا اور اس سے ترجیح مذہب شافعی پر استدلال کو

قوی کرنے کی سعی کی ہے اور غالباً یہ حضرات اکابر یہی سمجھے بھی ہوں گے کہ یہ واقعات صحیح ہیں۔ ورنہ کیوں نقل کرتے اور یہ ان کی غلطی احوال رجال سے کم واقفی اور جدلی و عقلی مباحث میں زیادہ مشغول رہنے کے باعث ہوئی' یا بوجہ شدت عصبیت اعتدال سے ہٹ گئے۔

اسی طرح بڑی حیرت ہے کہ امام نووی نے بھی المجموع میں اس رحلۃ کو ذکر کر دیا۔ (ص 8) اور تہذیب الاسماء واللغات میں یہ بھی نقل کر دیا کہ جب امام شافعی ہارون رشید کی مجلس سے نکلے تو امام ابو یوسف نے ان کے پاس سلام و پیام بھیجا کہ آپ تصنیف کریں کیونکہ آپ اس زمانہ میں سب سے بہتر تصنیف کر سکتے ہیں۔ (ص 59)

امام سخاوی نے بھی مقاصد حسنہ (ص 222) میں کہا ہے کہ جن لوگوں نے امام ابو یوسف و شافعی کا مجلس رشید میں اجتماع نقل کیا ہے غلطی کی۔ کیونکہ امام شافعی رشید کے پاس امام ابو یوسف کی وفات کے بعد پہنچے ہیں اور ایسے ہی وہ رحلت بھی جھوٹ ہے جس میں امام محمد کی طرف رشید کو قتل امام شافعی پر ترغیب دینے کی نسبت کی گئی ہے۔؟؟

بظاہر جن اکابر نے ان روایات کاذبہ کو بے تحقیق نقل کر دیا ان کا مقصد امام شافعی کی تنویہ شان ہے۔ حالانکہ امام شافعی کی شان اپنے علم و فضل' جلالت قدر اور امامت کے باعث ایسی بے بنیاد باتوں سے بالکل بے نیاز تھی اور ہے۔ دوسرا مقصد حنفیہ و شافعیہ دو جماعتوں کے رجال میں عداوت و بغض کے جراثیم پیدا کرنا ہو سکتا ہے جو ممکن ہے جھوٹے رواۃ کا مقصد ہو' اور دوسرے حضرات نے لاعلمی یا سادگی سے ان کو نقل کر دیا ہو۔

امام ابو یوسف جب قاضی القضاۃ ہونے کی وجہ سے دربار خلیفہ کے مصاحبین خاص میں شامل ہوئے تو دربار کے وزیر خاص یحییٰ بن خالد نے معلوم کرنا چاہا کہ امام کو دینی علوم کی مہارت کے ساتھ دنیوی تاریخ و علوم سے بھی واقفیت ہے یا نہیں۔ جو شاہی درباریوں کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً علم سیر ملوک ماضیہ' پہلی امتوں کے ابناء الملوک کے حالات' ایام عرب اور سابقین کے احوال وغیرہ۔

ظاہر تھا کہ امام ابو یوسف اگر ان علوم و معارف سے بے خبر ہوتے تو شاہی درباریوں میں ان کی وقعت صحیح نہ ہوتی۔ لوگ گو آپ کے دینی وقار و عظمت سے مرعوب رہتے مگر دل میں عزت و وقار کم ہوتا۔

امام ابو یوسف نے اس ضرورت کو فوراً محسوس کر کے ابتداء میں چند روز درباری آمدورفت کم سے کم رکھ کر زیادہ وقت مطالعہ کتب پر صرف کیا اور اس خصوصی مطالعہ سے بھی اپنی خداداد ذہانت اور بے نظیر قوت حافظہ کے ذریعہ ان خاص علوم مذکورہ میں بھی وزراء دربار کی اعلیٰ سطح پر پہنچ گئے۔ چنانچہ یحییٰ بن خالد سے کسی موضوع پر بات ہوئی تو وہ

آپ کی وسعت معلومات سے بہت حیران و متاثر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف جب دربار شاہی میں اپیلوں کی سماعت کے لیے بیٹھتے تھے تو خلیفہ اور سب وزراء ان کے رعب و جلال سے متاثر ہوتے تھے۔

محدث کبیر اسد بن فرات کا بیان ہے کہ ایک روز امام ابو یوسف ہارون رشید کی موجودگی میں کوئی اپیل سن رہے تھے خلیفہ نے جس وقت دیکھا کہ امام کسی ایک فریق پر آخری حکم کرنے کو تیار ہیں تو امام ابو یوسف کے پاس آکر دو زانو باادب ہو کر ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ امام نے بحیثیت چیف جسٹس اپنا فیصلہ دے دیا اور خلیفہ نے سب کو سنا کر کہا کہ جس طرح میں نے کیا اسی طرح میرے سب ساتھیوں (وزراء و ارکان دربار) کو بھی کرنا چاہیے تاکہ امام صاحب کا فیصلہ پوری قوت کے ساتھ نافذ ہو۔

یہ واقعہ ظاہر معمولی ہے مگر ذرا اس سے اندازہ یہ کیجئے کہ اس وقت اسلامی قانون کی عزت و شوکت عام مسلمانوں کے قلوب سے گزر کر خود بادشاہوں، شہنشاہوں اور وزراء و ارکان دولت کے دلوں میں کیا تھی۔ پھر کیا عدل و انصاف کو اتنا اونچا مقام عطا کرنے کا تصور آج اس دور ہتور میں بھی کسی ہتور کے دماغ میں آ سکتا ہے؟ علامہ کوثری نے اس سلسلہ کے کچھ واقعات اور بھی لکھے ہیں جو ہم بخوف طوالت ترک کرتے ہیں۔ ہم نے بھی بعض واقعات امام اعظم کے تذکرہ میں لکھے ہیں۔

امام ابو یوسف کا زہد و ورع، تقوی اور کثرت عبادت تمام کتب مناقب میں مذکور ہیں حتی کہ حافظ ذہبی نے مستقل رسالہ میں بھی امام موصوف کے ان اوصاف اور دوسرے کمالات کی دل کھول کر مدح کی ہے حالانکہ وہ کسی کی تعریف میں بہت محتاط ہیں بلکہ باعتراف ان کے تلمیذ خاص شیخ تاج سبکی کے بہت سے ائمہ حنفیہ و شافعیہ کے خلاف دراز لسانی بھی کر گئے ہیں۔ الخ

امام ابو یوسف کی وفات کا واقعہ پہلے ضمناً گزر چکا کہ آخر وقت میں بھی مناسک حج پر ہدایات دیتے ہوئے رخصت ہوئے۔ علامہ ابن عبدالبر، خطیب، صیمری اور ابن ابی العوام وغیرہ سب نے ابن رجاء کا جواب بھی نقل کیا ہے کہ امام محمد کو دیکھا پوچھا کیسی گزری؟ فرمایا بخش دیا پوچھا امام ابو یوسف کا کیا حال ہے؟ فرمایا وہ مجھ سے درجہ میں اونچے ہیں۔ پوچھا امام اعظم؟ فرمایا ان کا کیا کہنا وہ تو اعلی علیین میں ہیں۔

علامہ کوثری نے امام ابو یوسف کے حالات تحریر فرمانے کے بعد اس طویل وصیت کو بھی درج کیا ہے جو آپ کو امام اعظم نے کی تھی جو گرانقدر معلومات و ہدایات کا مجموعہ ہے۔ اس کا ترجمہ بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے۔ ہم نے

امام ابو یوسف کی زندگی کے اہم واقعات حسن السقاضی اور دوسری کتابوں کی مدد سے کوشش کر کے زیادہ سے زیادہ جمع کئے لیکن خلاصہ کر کے کم سے کم لکھے ہیں۔ خدا کرے کسی وقت مفصل مکمل سوانح لکھنے کی بھی توفیق ملے۔ وما ذلک علی اللہ عزیز۔ (ﷺ)

وفات کے وقت کہا کاش! میں اس فقر کی حالت میں مرتا جو شروع میں تھی اور قضا کے کام میں نہ پھنستا۔ خدا کا شکر ہے اور اس کی یہ نعمت ہے کہ میں نے قصداً کسی پر ظلم نہیں کیا اور نہ ایک فریق کی رعایت کی خواہ وہ بادشاہ تھا یا بازاری' بارالٰہا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے فیصلوں میں خودرائی سے کام نہیں لیا۔ ہمیشہ تیری کتاب اور تیرے رسول کی سنت کو مقدم رکھا۔ جہاں مجھے اشکال پیش آیا اور ابو حنیفہ کو اپنے اور تیرے درمیان میں واسطہ کیا۔ واللہ! وہ میرے نزدیک تیرے احکام کو پہچاننے والے تھے اور کبھی حق کے دائرے سے نہیں نکلتے تھے۔ یہ بھی فرمایا۔ بار الٰہا! تو جانتا ہے کہ میں نے جان کر حرام نہیں کیا اور نہ جان کر کوئی درم حرام کا کھایا۔

ان کی آخری علالت کے دوران معروف کرخی نے ایک رفیق سے کہا کہ ابو یوسف زیادہ علیل ہیں تم ہم کو وفات کی خبر دینا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں واپس آیا تو دیکھا کہ جنازہ نکل رہا تھا۔ سوچا کہ نماز جاتی رہے گی اور نماز پڑھ کر اطلاع کی' معروف کرخی نے سنا تو ان کو سخت صدمہ ہوا بار بار انا للہ پڑھتے تھے میں نے کہا نماز میں عدم شرکت کا اس قدر رنج کیوں ہے؟ کہا میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ جنت میں داخل ہوا دیکھا کہ ایک محل تیار ہوا ہے اس کا بالائی حصہ مکمل ہو چکا ہے۔ پردے آویزاں کئے گئے اور بالکل مکمل ہو گیا۔ میں نے پوچھا کہ کس کے لئے تیار ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ابو یوسف کے واسطے میں نے کہا یہ مرتبہ انہوں نے کیوں پایا؟ جواب ملا "اچھی تعلیم دینے اور اس کے شوق کے صلہ میں اور لوگوں نے جو اذیت پہنچائی اس کے صلہ میں۔ شجاع بن مخلد کا قول ہے کہ ہم ابو یوسف کے جنازہ میں شریک تھے عباد بن العوام بھی ساتھ تھے۔ میں نے ان کو یہ کہتے سنا کہ اہل اسلام کو چاہیے کہ ابو یوسف کی وفات پر ایک دوسرے کے ساتھ تعزیت کریں۔ خلیفہ ہارون رشید جنازہ کے آگے آگے چلتے تھے۔ نماز خود اس نے پڑھائی۔ مقابر قریش میں دفن کرایا۔

ابن کامل کا قول ہے کہ یحییٰ بن معین' احمد بن حنبل اور علی بن المدینی ان کے ثقہ فی النقل ہونے پر متفق ہیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا کہ ابو یوسف اصحاب حدیث کی طرف مائل تھے اور ان کو دوست رکھتے تھے اور میں نے ان سے حدیثیں لکھی ہیں۔ امام احمد کا قول ہے کہ حدیث میں میرے پہلے استاد ابو یوسف ہیں ان کے بعد میں نے اوروں

سے حدیث لکھیں۔ علی بن المدینی کا قول ہے کہ ابو یوسف صدوق تھے۔

ذہبی نے حسب عادت امام ابو یوسف پر بھی جرح نقل کی ہے لیکن اثناء جرح میں جواب بھی دیا ہے۔ جرحیں سب غیر مفسر ہیں۔ مواد جرح وہی ہے جو امام صاحب اور امام محمد کی نسبت ہے یعنی مرجی ہونا وغیرہ۔ متاخرین ائمہ رجال نے امام ابو یوسف کے متعلق بھی جرح متروک کر دی ہے صرف مناقب و تعدیل لکھی ہے۔ متقدین میں سے امام ابن قتیبہ نے معارف میں نہ امام اعظم پر جرح کی ہے اور نہ ابو یوسف پر حالانکہ دوسرے رجال پر جرح کرتے ہیں۔

(2) الامام المجتہد الجلیل محمد بن الحسن الشیبانی

(ولادت 132ھ وفات 189ھ عمر 57 سال)

نام و نسب :۔ ابو عبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی، اصل مسکن جزیرہ (شام) ولادت واسط میں ہوئی پھر والدین وغیرہ مستقل طور سے کوفہ منتقل ہو گئے، کوفہ ہی میں امام محمد کی تربیت و تعلیم ہوئی۔

جلالت قدر :۔ تاریخ فقہ شاہد ہے کہ کتب مشہورہ مولفہ مذاہب ائمہ متبوعین 'مدونہ' حجتہ اورام وغیرہ سب امام محمد کی کتابوں کی روشنی میں تالیف ہوئیں اور ایک عرصہ دراز تک ان کی کتابیں تمام مذاہب کے فقہاء کے ہاتھوں میں متداول رہیں اور بے تکلف سب ان سے مستفید ہوتے رہے کیونکہ ان کے دلائل، وضوح بیان، دقت نظر اور تشریح مسائل کا بہترین اسلوب ان کے اپنے زمانہ کے بھی اکثر فقہا اعلام کے اعتبار سے اعلیٰ وفائق تھا۔ چہ جائیکہ اس کا موازنہ بعد کے زمانہ سے کیا جائے؟

پھر باوجود اس تجر علمی و وسعت معلومات و دقت نظر کے امام موصوف کے کمال اخلاص و غایت تواضع و انکسار کا یہ بھی ثمرہ ہے کہ ان کے یا ان کے قریبی طبقات کے کسی فقیہ کی اس قدر کتابیں ہمارے اس دور تک نہیں پہنچیں جس قدر کہ ان کی پہنچی ہیں وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

تعلیم :۔ 14 سال کی عمر میں حضرت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کیا۔ 4 سال تک حاضر خدمت رہے پھر تکمیل امام ابو یوسف سے کی اور ان کے علاوہ امام اوزاعی، ثوری اور امام مالک وغیرہ سے بھی علم حدیث وغیرہ میں استفادہ فرمایا حتی کہ بالاتفاق اہل علم فقہ کے بلند پایہ امام ہوئے، تفسیر و حدیث کے ماہر و حاذق اور لغت وادب کے نازش روزگار مسلم استاد خود فرمایا کہ مجھے آبائی ترکہ سے تیس ہزار درہم یا دنانیر ملے تھے جن میں سے آدھے میں نے علم لغت و شعر کی تحصیل میں صرف کئے اور آدھے فقہ و حدیث کی تحصیل میں صرف کر دیئے۔ بیس سال کی عمر میں درس دینا شروع کر دیا تھا۔

تصنیف :۔ تمام عمر گھر میں گوشہ گیر ہو کر لکھنے پڑھنے میں گزاری۔ ان کے نواسہ کا بیان ہے کہ گھر میں کتابوں کے

ڈھیر کے درمیان بیٹھ لکھا کرتے تھے اور گھر کے لوگوں سے فرما دیا تھا کہ مجھ سے کبھی کسی ضرورت کا سوال نہ کرنا جو کچھ کام ہو میرے وکیل سے کہو وہ پورا کرے گا تاکہ میں فراغ قلب سے کام کرتا رہوں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو گھر والوں سے بات کرتے کبھی نہیں دیکھا۔ البتہ کبھی ابروئے مبارک یا انگلی کے اشارہ سے کچھ فرما دیتے تھے۔

امام محمد کے شیوخ حدیث :- اہل کوفہ میں سے امام اعظم ابو حنیفہ' امام ابو یوسف' امام زفر بن الهذیل' سفیان ثوری' مسعر بن کدام' مالک بن مغول' حسن بن عمارہ وغیرہ (علامہ کوثری نے تقریباً" تیس اکابر کے نام گنائے ہیں)
اہل مدینہ میں سے :- امام مالک' ابراہیم' ضحاک بن عثمان وغیرہ۔ (17- اکابر کے نام گنائے ہیں)
اہل مکہ میں سے :- حضرت سفیان بن عیینہ' حضرت طلحہ بن عمرو' زمعہ بن صالح وغیرہ۔ (8- اکابر کے نام گنائے ہیں)
اہل بصرہ میں سے :- حضرت ابوالعوام وغیرہ۔ (7- اکابر کے نام گنائے ہیں)
اہل واسط میں سے :- حضرت عباد بن العوام' حضرت شعبہ بن الحجاج' حضرت ابو مالک عبدالملک النخعی۔

اہل شام سے حضرت ابو عمرو عبدالرحمن الاوزاعی وغیرہ۔ اہل خراسان سے حضرت عبداللہ بن المبارک۔ اہل یمامہ سے حضرت ایوب بن عتبہ التیمی وغیرہ۔

امام محمد کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے اور علامہ کوثری نے 40 اکابر کے اسماء گرامی درج کئے ہیں یہاں صرف چند اعلام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اصحاب و تلامذہ :- (1) حضرت ابو حفص الکبیر البخاری احمد بن حفص العجلی (جن سے امام بخاری نے حضرت امام اعظم اور ان کے اصحاب کا فقہ حاصل کیا) (2) حضرت ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوزجانی (جن سے صحاح ستہ کا سلسلہ مشرق و مغرب تک پہنچا)۔ (3) امام ہمام حضرت امام شافعی (4) حضرت ابو عبید قاسم بن سلام الہروی (مشہور مجتہد کبیر) (5) حضرت علی بن معبد (جامع کبیر و جامع صغیر کے راویوں میں سے) اصحاب صحاح ستہ کے استاد ہیں۔ (6) حضرت اسد بن الفرات القیروانی (مدون مذہب امام مالک شیخ سحنون) (7) حضرت محمد بن مقاتل الرازی (شیخ ابن جریر) (8) حضرت یحییٰ بن معین الغطفانی (مشہور امام جرح و تعدیل) (9) حضرت ابو جعفر (راوی موطا امام محمد) (10) حضرت علی بن صالح الجرجانی (راوی الجرجانیات) (11) حضرت شعیب بن سلیمان الکیسانی (راوی الکیسانیات) (12) حضرت اسمٰعیل بن توبہ القزوینی (راوی السیر الکبیر) (13) حضرت ابوبکر ابراہیم المروزی (راوی النوادر) (14) حضرت ابو موسیٰ عیسیٰ بن ابان البصری (راوی الحج علی اہل المدینہ و مولف کتاب الحج الکبیر والحج الصغیر) (15) حضرت

ابو زکریا یحییٰ بن صالح الوحاظی الحمصی (جو حضرت امام بخاری کے شیوخ شام میں سے ہیں) (iii) حضرت سفیان بن سبان البصری (صاحب کتاب العلل)۔

امام محمد بواسطہ امام شافعی و امام احمد' امام بخاری' مسلم' ابوداؤد' ابوزرعہ اور محدث ابن ابی الدنیا کے استاد ہیں۔ اور بواسطہ علی بن معبد یحییٰ بن معین' ابو یعلیٰ' ابن عدی' ابن حبان' ابوالشیخ اصفہانی' حافظ ابونعیم' ابو عوانہ' امام طحاوی' طبرانی' ابن مردویہ' ابوحاتم' قاسم بن سلام' محمد بن اسحاق (صاحب المغازی اور اسحاق بن منصور کے استاد ہیں۔

موطا امام محمد:۔ امام محمد نے مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک کی خدمت اقدس میں تین سال رہ کر استفادہ کیا اور موطاء محمد ترتیب دیا جو موطا امام مالک کی 22 روایات و نسخ میں سے ممتاز ترین روایت ہے کیونکہ اس میں امام محمد صاحب نے یہ التزام کیا کہ ہر باب کی احادیث ذکر کرنے کے بعد یہ بھی بتلایا کہ کن احادیث کو فقہا عراق نے اخذ کیا اور کن کو دوسری احادیث کی وجہ سے ترک کیا اور ہر جگہ ان دوسری احادیث کو بھی ذکر فرمایا۔ اس گرانقدر علمی امتیاز کی وجہ سے موطا امام محمد دوسری تمام موطوں سے بڑھ جاتی ہے جس طرح موطا امام یحییٰ اللیثی اس امتیاز کے باعث دوسرے موطوں سے بڑھ کر ہے کہ انہوں نے ہر باب کی احادیث کے بعد حضرت امام مالک کی رائے بھی ذکر کی ہے۔

امام محمد کی ذہانت و حاضر جوابی:۔ خطیب نے مجاشع سے روایت کی ہے کہ میں ایک روز امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا اور وہ لوگوں کو فتوی دے رہے تھے کہ امام محمد آئے اور وہ اس وقت کم عمر تھے (یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہے کہ امام محمد نے امام مالک خدمت میں جا کر موطا ان سے سنا ہے) سوال کیا کہ اس اس جنبی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ جس کو غسل کے لیے پانی نہ ملے سواء مسجد کے؟ امام مالک نے فرمایا جنبی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا؟ امام محمد نے کہا پھر کیا کرے جب کہ نماز کا وقت ہو گیا اور وہ مسجد میں پانی کو دیکھ بھی رہا ہے؟ امام مالک نے پھروہی فرمایا کہ مسجد میں جنبی داخل نہیں ہو سکتا اور بار بار یہی فرمایا۔ امام مالک نے دیکھا کہ امام محمد جواب سے مطمئن نہیں ہوئے تو فرمایا کہ تم اس صورت میں کیا سمجھتے ہو؟ آپ نے کہا کہ تیمم کر کے مسجد میں داخل ہو اور پانی باہر لا کر غسل کرے۔ امام مالک نے فرمایا تم کہاں کے ہو؟ امام محمد نے فرمایا اسی کا (اور زمین کی طرف اشارہ کیا) اور اٹھ کر چلے گئے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ محمد بن حسن صاحب ابی حنیفہ تھے۔ امام مالک نے حیرت سے کہا کہ اچھا! محمد بن حسن تھے اور جھوٹ کیسے بول گئے؟ کہہ گئے کہ میں اسی شہر کا ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں! انہوں نے تو زمین کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ اسی کا ہوں۔ اس پر امام مالک نے فرمایا یہ بات تو پہلی بات سے بھی بڑھ گئی یعنی امام محمد کی ذہانت اور حاضر جوابی پر

مزید حیرت کا اظہار فرمایا۔

تحقیق مسائل میں فرق مراتب :- یہ بھی مروی ہے کہ امام محمد فرماتے تھے میں نے امام مالک کو دیکھا اور بہت سے مسائل دریافت کئے۔ میرا یہ تاثر ہے کہ انہیں فتویٰ نہیں دینا چاہیے تھا کیونکہ ان کے جواب سے قلبی اطمینان حاصل نہیں ہوتا تھا۔

ایک وجہ امام مالک کے تفقہ میں کمی کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ جو واقعات و حوادث ابھی پیش نہیں آئے نہ ان کا جواب دیا جائے نہ ان کے بارے میں غور خوض کیا جائے۔ برخلاف اس کے امام اعظم اور ان کے اصحاب کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قسم کے احتمالات اور امکانی صورتوں پر بھی غور کیا جائے اور ہر سوال کا جواب دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ یحییٰ اللیثی کی روایت سے جو موطا ماثور ہے اس میں امام مالک کی تمام آراء کا شمار تین ہزار مسائل سے آگے نہیں بڑھتا۔ حالانکہ اس سے بہت زیادہ مسائل امام صاحب اور آپ کے اصحاب کی مجالس میں صرف تین ماہ میں حل ہو جاتے تھے۔ پھر یہ فرق الگ رہا کہ ان حضرات کے یہاں اکثریت ان جوابات کی ہے جو تسلی بخش اور ایقان افروز ہیں اور امام مالک کے اکثر مسائل کی تحقیق ناقابل اطمینان ہے۔

حضرت حافظ ابو القاسم بن ابی العوام السعدی نے فرمایا کہ میں نے امام طحاوی سے سنا جنہوں نے محمد بن سنان سے اور محمد بن سنان نے عیسیٰ بن سلیمان سے سنا وہ کہتے تھے کہ جب یحییٰ بن اکثم خلیفہ مامون رشید کے ساتھ مصر آئے تو یحییٰ بن صالح الوحاظی سے ملے (جو امام بخاری کے مشائخ شام میں سے ہیں) اور دریافت کیا کہ اے ابوزکریا! علمی مسائل و مشکلات میں تیقظ کس میں زیادہ تھا امام مالک میں یا امام محمد میں؟ تو انہوں نے فرمایا۔ امام مالک جب کہ جواب مسائل کے لئے تیار و مستعد بیٹھے ہوئے تھے ان سے امام محمد اپنے بھاری بھرکم جسم کے ساتھ لیٹے ہوئے لاپروائی کے ساتھ (کہ اس وقت جواب مسائل کے لئے تیار بھی نہ ہوتے تھے) زیادہ بیدار مغز ہوتے تھے اور زیادہ تسلی بخش و اطمینان افزا جواب دے سکتے تھے۔

خطیب نے یحییٰ بن صالح موصوف سے اس طرح نقل کیا کہ مجھ سے ابن اکثم نے کہا تم نے امام مالک کو دیکھا ہے اور ان سے احادیث سنی ہیں اور امام محمد کے ساتھ بھی رہے ہو تو ان دونوں میں سے کون زیادہ فقیہ تھا؟ میں نے کہا محمد بن الحسن زیادہ افقہ ہیں امام مالک سے۔ امام ذہبی نے فرمایا کہ امام ابو یوسف کے بعد ملک عراق میں فقہ کی امامت امام محمد پر ختم ہوئی انہوں نے بہت سی تصانیف چھوڑیں اور ان سے ائمہ حدیث و فقہ حاصل کیا اور وہ اذکیاء عالم میں

سے تھے۔

امام شافعی کے واسطہ سے نقل ہے کہ امام محمد نے فرمایا کہ میں نے امام مالک سے بعض مسائل دریافت کئے میں سمجھتا ہوں کہ ان کو فتوی دینا درست نہیں تھا۔ علامہ ابن عبدالبر نے انتقاء میں یہ الفاظ نقل کئے کہ تمہارے صاحب (امام مالک) کو جواب مسائل و فتوی کی ضرورت نہ تھی اور ہمارے صاحب (امام ابو حنیفہ) کو سکوت یعنی فتوی نہ دینا درست نہ تھا۔ مقصد یہ تھا کہ امام مالک سے دوسرے زیادہ حق بالجواب والا فتاء موجود تھے اور امام صاحب کے زمانہ میں کوئی شخص زیادہ اہل فتوی کے لیے نہ تھا اور اس لیے ان پر فتوی دینا واجب و ضروری تھا۔

علامہ کوثری نے بلوغ الامانی ص 12 پر قول مذکور نقل کر کے فرمایا کہ بر تقدیر صحت اس قول کی واقعیت و صداقت اس شخص پر روشن ہے جو امام مالک کے زمانہ کے علماء مدینہ کے مراتب و مدارج علمیہ سے اور امام اعظم کے زمانہ کے علماء عراق کے مراتب سے واقف ہے۔ کیونکہ امام محمد امام مالک کی جلالت قدر و منزلت حدیث کے علم و اعتراف کے باوجود ان کی فقہ میں کمی کو بھی محسوس کرتے تھے جس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ امام مالک صرف واقع شدہ حوادث کا جواب دیتے تھے اور تقدیری (غیر واقع' حوادث میں نہ غور کرتے تھے نہ ان کا جواب دیا کرتے تھے) اسی لئے بروایت یحیٰ لیثی جو امام مالک کے موطاء میں ان کی آراء و مسائل مذکور ہیں وہ سب تین ہزار سے زیادہ نہیں جب کہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے مسائل مستخرجہ سے اتنی مقدار صرف تین ماہ کی ہوتی ہے۔ باقی متاخرین نے جو کثیر مسائل امام مالک سے روایت کئے ہیں وہ ان کی آراء نہیں بلکہ ان کی آراء پر تخریجات ہیں اسی لئے ان سے وہ اطمینان قلب نہیں ہوتا جو امام مالک کی ذاتی آراء سے ہوتا ہے۔[2]

امام محمد نے اسی کمی فقہ کے احساس کے باعث کتاب الحجج تالیف کی جو الاحتجاج علی اہل المدینہ کے نام سے بھی معروف ہے۔ یہ کتاب ہندوستان میں طبع بھی ہوئی تھی اب نادر ہے اور حضرت علامہ عصر مولانا مفتی سید محمد مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری شیخ الافتاء دارالعلوم دیوبند اس پر نہایت مہتم بالشان گرانقدر تعلیقات تحریر فرما چکے ہیں جس میں خاص طور سے علامہ ابن حزم اندلسی کی دراز دستیوں کے بھی جوابات ہیں۔ جو محلی میں انہوں نے کیں ہیں۔ اس کا کام ہو چکا ہے اور ادارہ لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن سے اس کی اشاعت ہو گئی ہے۔

جیسا کہ علامہ کوثری نے بھی تحریر فرمایا یہ کتاب اپنی طرز تحقیق اور بحث رد میں بے نظیر ہے جس کا رنگ امام

شافعی نے بھی امام مالک کے رد میں اختیار کیا چنانچہ وہ خوبی و قوت استدلال ان کو امام محمد کے بعض مسائل کے رد میں حاصل نہ ہوئی (بلوغ اللالی ص 13) یہی وجہ ہے کہ امام محمد کو فقہ و حدیث میں ان کے بہت سے مشائخ پر بھی فضیلت دی گئی ہے جس کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

امام محمد کے تلامذہ خصوصی :- امام محمد کے خصوصی تلامذہ و اصحاب میں سے امام شافعی تھے جن کو عام اوقات درس کے علاوہ بھی امام محمد نے خاص طور سے تعلیم دی ہے اور قسم قسم کے احسانات سے نوازا ہے جن کا مختصر تذکرہ تذکرہ امام شافعی کے حالات میں ہو چکا ہے۔ دوسرے اسد بن الفرات قیروانی ہیں ان کی بھی امام محمد نے مخصوص اوقات میں تعلیم و تربیت کی ہے ساری ساری رات ان کو تنہا لے کر بیٹھتے اور پڑھاتے تھے اور مالی امداد بھی کرتے تھے۔ اسد جب عراق سے وطن کو واپس ہوئے تو مدینہ طیبہ میں اصحاب امام مالک سے ملے اور ان مسائل میں بحث کی جو امام محمد سے حاصل کئے تھے مگر وہ تشفی نہ کر سکے پھر مصر پہنچے عبداللہ بن وہب مالکی سے ملے اور کہا کہ یہ امام ابو حنیفہ کی کتابیں ہیں ان مسائل میں امام مالک کے مذہب سے جواب دیں وہ جواب نہ دے سکے تو عبدالرحمن بن القاسم مالکی کے پاس پہنچے جو امام مالک کی خدمت میں بیس سال رہ چکے تھے اور پوری تیقظ و انتباہ کے ساتھ ان سے فقہ و حدیث حاصل کی تھی اسی لئے مالکیہ ان کو دوسرے اصحاب مالک پر فقہ میں فوقیت دیتے ہیں۔ انہوں نے کچھ جوابات تو یقین کے ساتھ دیئے اور کچھ میں شک و شبہ ظاہر کیا۔

غرض اسد بن الفرات نے امام محمد سے امام ابو حنیفہ کے مسائل اور ابن القاسم سے امام مالک کے مسائل حاصل کر کے 60 کتابوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا جس کا نام اسدیہ رکھا۔ اس مجموعہ کی علماء مصر نے نقل لینی چاہی اور قاضی مصر کے ذریعہ سفارش کی۔ اسد نے اجازت دی اور چمڑے کے تین سو ٹکڑوں پر اس کی نقل کرائی گئی جو ابن القاسم کے پاس رہی۔ مدونہ سحنون کی اصل بھی یہی اسدیہ ہے۔ پھر ان ہی اسد بن الفرات نے افریقہ میں امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا مذہب پھیلایا اور یہی اس فاتح صقلیہ ہیں اور انہوں نے ہی وہاں اسلام کو پھیلایا ہے۔ 213 ہجری میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

امام محمد اور امام ابویوسف :- امام اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد امام محمد نے امام ابویوسف کی صحبت اختیار کی فقہ و حدیث وغیرہ علوم میں ان سے تکمیل کی اور پھر ان دونوں کے علوم کی اشاعت میں لگ گئے۔ مبسوط' جامع صغیر' سیر کبیر لکھیں۔

امام طحاوی اپنے استاد ابن ابی عمران سے وہ طبری سے وہ اسماعیل بن حماد سے نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ تو صبح سویرے امام ابو یوسف کی مجلس درس میں پہنچ جاتے تھے لیکن امام محمد کا معمول یہ تھا کہ وہ صبح اول وقت دوسرے ائمہ حدیث کی خدمت میں اخذ حدیث کے لئے جاتے اور پھر امام ابو یوسف کے پاس آتے اتنے وقت میں بہت سے علمی مباحث گزر چکے ہوتے تھے اور امام ابو یوسف ان کی رعایت سے پھر ان کا اعادہ فرما دیا کرتے تھے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ اسی طرح امام محمد دیر سے پہنچے اور ہم کسی علمی حدیثی بحث میں مشغول تھے۔ امام ابو یوسف نے امام محمد سے کوئی سوال کیا جس کا جواب انہوں نے اس کے خلاف دیا جو اس روز امام ابو یوسف بیان فرما چکے تھے۔ بظاہر اختلاف امام اعظم کی رائے کے بارے میں تھا کہ وہ وہی ہے جو امام ابو یوسف فرما چکے تھے یا وہ جواب امام محمد نے بیان کی مختصر گفتگو کے بعد ہونہار شاگرد نے وہ کتاب منگوائی جس میں غالباً" امام صاحب کے اقوال و ارشادات محفوظ ہوں گے اور اس کو دیکھنے پر بات وہی صحیح ہوئی جو شاگرد نے بتائی تھی۔ اب بھری مجلس میں استاد معظم کا کا اعتراف حق بھی ملاحظہ فرمائیے کہ فوراً" بے تکلف سب شاگردوں کے سامنے اپنے ایک چھوٹے شاگرد امام محمد کی نہ صرف تصویب اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں بلکہ یہ بھی فرما رہے ہیں کہ حافظ ایسا ہوتا ہے[۱]

ایسے واقعات پڑھ کر کیسی آنکھیں کھلتی ہیں اور دلوں میں نورانیت آتی ہے۔ خیال ہونے لگتا ہے کہ انسانوں کی صورت میں یہ کیسے فرشتے اترے تھے کسی بات سے تو نفسانیت' انانیت' برتری و کبر' شیخت و بڑائی کی نمود نہیں ہوتی' پھر بد اندیشوں کی ریشہ دوانیاں بھی دیکھی جائیں کہ حسب روایت ابن ابی العوام و امام طحاوی محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ امام ابو یوسف سے ارباب حکومت نے کسی کو قاضی رقہ مقرر کرنے کا مشورہ کیا۔ رقہ عباسی حکومت کا گرمائی دارالسلطنت تھا' امام ابو یوسف نے فرمایا کہ محمد بن الحسن سے بہتر و موزوں کوئی شخص میرے سامنے نہیں ہے۔ امام محمد کوفہ میں تھے۔ حکومت نے ان کو بلوا بھیجا' امام محمد امام ابویوسف سے ملے اور بلانے کا سبب پوچھا انہوں نے واقعہ بتلایا اور یہ بھی فرمایا کہ تمہارے بارے میں مشورہ دینے سے میرا مقصد یہ ہے کہ خدا کے فضل سے ہمارے سلسلہ کے علوم کی اشاعت کوفہ' بصرہ اور تمام مشرقی بلاد میں ہو چکی ہے اب اگر تم اس طرف آ جاؤ گے تو امید ہے کہ خدائے عزوجل تمہاری وجہ سے ہمارے علوم کی اشاعت یہاں اور قریب و بعید کے شامی علاقوں میں بھی ہو سکے گی۔ امام محمد نے بطور شکایت کہا کہ سبحان اللہ! اگر یہی بات تھی تو کم سے کم میرا اتنا تو لحاظ آپ فرماتے کہ مجھے فوری بلوانے سے قبل اس پوری بات سے مطلع ہی فرما دیتے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ہاں ان لوگوں نے بلانے میں عجلت کی۔ مطلب یہ کہ مجھے اطلاع کرنے کا

موقع و وقت نہیں ملا۔ بات اتنی ہی تھی اور یہیں ختم ہو گئی اور یہ ظاہر ہے کہ امام محمد امام اعظم کی طرح حکومت کے مناصب سے دور رہنا اور صرف تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کے مشغلہ میں منہمک رہنا پسند کرتے تھے اور امام ابو یوسف کا اس طرح بغیر باہمی سابق مشورہ کے قضاء کی تحریک کرنے کا ان کو رنج و ملال ہوا اور بہت ہوا۔ ایک طرف اپنی افتاد طبع اور طے شدہ علمی پروگرام کے خلاف زندگی کا موڑ شروع ہو رہا تھا جس سے ناگواری کے اثرات مدۃ العمران پر رہے' دوسری طرف اپنی نہایت شفیق و محسن استاد اور جانشین امام اعظم کے حکم کی تعمیل اور خصوصیت سے اس مقصد عظیم کے تحت ضروری تھی ان دونوں کے اثر سے ایک مزاج کی کیفیت بنی جس کا دونوں کے تعلقات پر بھی شریفانہ اثر ضرور ہوا مگر اس سے آگے جو جھوٹے قصے دونوں کی منافرت اور تحاسد و غیر شریفانہ برتاؤ کے گھڑے گئے وہ سب بے اصل ہیں۔

افسوس ہے کہ علامہ سرخسی جیسے بابصیرت' پختہ کار' تیقظ' فقیہ بے مثل نے بلاتحقیق ایک بے سند قصہ نقل کر دیا کو مخالفوں نے خوب ہوا دی حالانکہ اس کی کوئی اصلیت ہوتی تو سرخسی سے پہلے بھی مخالف اس کو ذکر کرتے اور اس سے ضرور فائدہ اٹھاتے اور بقول علامہ کوثری کے علامہ سرخسی کی شرح سیر کبیر جیسی عظیم المرتبت کتاب کو ایسے بے وقعت قصہ سے داغدار ہونا تھا کیونکہ امام شافعی نے فرمایا تھا۔ خدا کی مشیت یہ نہیں کہ اس کی کتاب کے سوا دنیا کی کوئی کتاب بھی غلطی سے مبرا و منزہ ہو سکے۔

اس سلسلہ میں ایک تکوینی وجہ یہ بھی نقل ہوئی ہے کہ امام محمد نے ایک مرتبہ امام ابو یوسف کو قبول قضا پر عار دلائی تھی جس پر امام ابو یوسف کو غصہ آگیا اور بددعا کر دی کہ امام محمد بھی اپنی وفات سے پہلے ضرور اس میں مبتلا ہوں' چنانچہ یہ صورت مذکورہ پیش آئی اور امام محمد طوعاً" و کرہاً" قبول قضا پر مجبور ہوئے تاآنکہ امام طالبی کے مشہور واقعہ کی وجہ سے وہ رقہ کی قضاء القضاۃ سے معزول ہوئے بلکہ کچھ عرصہ تک فتوی سے بھی روک دیئے گئے تھے۔

قصہ امان طالبی :۔ تاریخ ابن جریر اور کتاب ابن ابی العوام و صیمری وغیرہ میں ہے کہ امام محمد نے خود بیان فرمایا کہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید رقہ آیا اور مجھے دربار میں بلوایا' میں پہنچا اور حسن بن زیاد اور ابوالبختری وہب بن وہب بھی (جو امام ابو یوسف کی وفات کے بعد قاضی القضاۃ ممالک اسلامیہ بن گئے تھے) دربار میں خلیفہ تخت شاہی پر بیٹھا تھا اور سامنے فرش پر حسب دستور مجرموں کی طرح ایک چمڑے پر یحییٰ بن عبداللہ بن الحسن (ابن الحسن بن علی کرم اللہ وجہہ) کھڑا ہوا تھا جن کے سر پر جلاد تلوار لئے ہوئے حکم قتل کا منتظر کھڑا تھا۔ وہ علوی طالبی خلیفہ کو قسمیں دے کر اپنے امان نامہ کی

طرف متوجہ کر رہا تھا کیونکہ خود ہارون نے اس کو امان دیا تھا۔ خلیفہ نے وہ قرطاس امان نکالا جو شخص مذکور کے لئے لکھا تھا اور مجھے دیا۔ میں نے اس کو پڑھا صورت حال کا اندازہ لگایا اور دل میں طے کیا کہ صرف خدا لگتی اور آخرت کی بھلائی کی بات کہوں گا۔ خواہ انجام کچھ بھی ہو۔ میں نے کہا یہ امان موکد ہے اور اس کو توڑنے کا کوئی حیلہ درست نہیں' خلیفہ یہ سنکر غضب ناک ہو گیا' میرے ہاتھ سے وہ دستاویز چھین کر حسن بن زیاد کو دی انہوں نے پڑھ کر کمزور آواز سے کہا یہ امان ہے خلیفہ نے وہ کاغذ ان سے بھی چھین کر ابوالبحری کو دیا۔ انہوں نے پڑھ کر کہا میں تو اس شخص کو ذرا سی دیر کی بھی مہلت دینے کو تیار نہیں ہوں اس شخص نے لوگوں میں پھوٹ ڈالی ہے' مسلمانوں کے خون بہائے ہیں اور ایسا ایسا کیا ہے اس کے لیے کوئی امان نہیں ہو سکتا پھر خود ہی چاقو نکال کر اس دستاویز کے دو ٹکڑے کر دیئے اور ہارون رشید سے کہا کہ آپ بے تامل اس کو قتل کا حکم کریں اس کے خون کا میں ذمہ دار ہوں۔ ایک روایت ہے کہ ہارون رشید نے قتل کا حکم بھی کر دیا تھا جس پر طالبی نے کہا۔ اے ہارون! محمد بن الحسن اور حسن بن زیاد تو کہتے ہیں کہ یہ امان صحیح ہے اور وہ دونوں ساری دنیا کے مسلم فقیہ ہیں مگر آپ ان کی بات قبول نہیں کرتے اور یہ شخص جس کو فتویٰ دینے کا کوئی حق نہیں امان کو فاسد کہتا ہے تو آپ مجھے قتل کا حکم کرتے ہیں۔ اس پر پھر ایک دفعہ خلیفہ نے امام محمد کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اس امان کو میں نے خود اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا بلکہ دوسرے سے لکھوایا ہے تو آپ بتلائیں اگر ایک شخص حلف کرے کہ وہ نہیں لکھے گا؟ اور دوسرے سے کچھ لکھوا دے تو کیا اس کی قسم ٹوٹ جائے گی؟ امام محمد نے فرمایا کہ اگر ایسا کوئی عامی آدمی کرے تو حانث نہ ہو گا لیکن اگر بادشاہ ایسا کرے تو ضرور حانث ہو گا کیونکہ بادشاہ کے حکم سے جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ بھی اسی کا لکھا ہوا سمجھا جاتا ہے۔

منقول ہے کہ اس پر خلیفہ اور بھی جھنجلا گیا اور غصہ سے مغلوب ہو کر دوات اٹھا کر امام محمد کے منہ پر پھینک ماری جس سے آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا اور خون کپڑوں پر بہنے لگا خلیفہ نے یہ بھی کہا کہ آپ جیسے لوگ ہی ہمارے خلاف بغاوت کرنے والوں کے حوصلے بڑھاتے ہیں۔ امام محمد واپس ہوئے تو رونے لگے۔ کہا گیا کہ کیا اس زخم کی تکلیف سے روتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ اپنی کوتاہی کی وجہ سے۔ کہا آپ سے کیا تقصیر ہوئی حالانکہ آپ نے تو وہ کام کیا کہ روئے زمین پر اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ فرمایا مجھ سے یہ کوتاہی ہوئی کہ اس وقت ابوالبحری سے یہ نہ پوچھا کہ تم کس دلیل شرعی سے یہ فتویٰ دے رہے ہو' تاکہ اس کی غلطی کا پردہ فاش کرتا اور اس کے دلائل کو بھی توڑ پھوڑ دیتا۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم دربار سے اٹھ آئے تو میرے پاس خلیفہ کا قاصد پیغام لے کر آیا کہ آج سے آپ نہ مقدمات کا فیصلہ کریں اور نہ فتوی دیں۔ میں سب کام چھوڑ چھاڑ کر سبکدوش ہو گیا۔ جب ام جعفر نے ایک جائداد وقف کرنے کا ارادہ کیا تو مجھے مشورہ کے لیے بلوایا' میں نے کہلا دیا کہ مجھے فتوی سے روک دیا گیا ہے' اس نے خلیفہ سے گفتگو کی اور اجازت لے کر پھر بلوایا۔ امام محمد ہی کا بیان ہے کہ واقعہ مذکورہ سے خلیفہ کے درباری اور سارے ہی محلات شاہی کے لوگ متعجب تھے خصوصاً" ابوالبحری کی بے جا جسارت وغیرہ سے اور خلیفہ نے باوجود ابوالبحری کے فتوی و ذمہ داری کے بھی یحیٰی مذکور کو قتل نہیں کرایا بلکہ وہ ایک مدت کے بعد قید خانہ ہی میں فوت ہوئے۔

اس کے بعد پھر خلیفہ نے امام محمد کو اپنا مقرب بنایا اور قاضی القضاۃ بھی بنایا اور اپنے ساتھ "رے" بھی لے گیا جہاں ان کا اور امام نحو کسائی کا ایک ہی دن انتقال ہوا۔ خلیفہ افسوس کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ میں نے فقہ و نحو دونوں کو "رے" میں دفن کر دیا۔

امام محمد اور علم حدیث:۔ محدث عیسری محمد بن سماعہ سے روایت کرتے ہیں کہ محدث عیسیٰ بن ابان ہمارے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے لیکن ہمارے ساتھ امام محمد کی مجلس میں نہیں بیٹھتے تھے میں ان کو بلاتا تو کہہ دیتے کہ یہ لوگ حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔ درحقیقت عیسیٰ بہت اچھے حافظ حدیث تھے۔ ایک دن ہمارے ساتھ صبح کی نماز پڑھی اور وہ دن امام محمد کی مجلس کا بھی تھا۔ میں عیسیٰ کے سر ہو گیا کہ آج تو ضرور ہمارے ساتھ بیٹھنا پڑے گا۔ جب امام محمد فارغ ہوئے تو میں عیسی کو ان کے قریب لے گیا اور کہا یہ آپ کے بھائی ابان کے بیٹے ہیں۔ یہ اچھے ذہین اور عالم حدیث ہیں میں ان کو آپ کے پاس بلاتا ہوں تو انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں تم حدیث کی مخالفت کرتے ہو۔ امام محمد نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ برخوردار! تمہارے خیال میں ہم کن احادیث کی مخالفت کرتے ہیں! ہمارے خلاف تمہیں بغیر ہمارے جواب کے فیصلہ نہ کرنا چاہیے۔ عیسیٰ نے اس وقت 25 ابواب حدیث میں سوالات کئے اور امام محمد برابر جوابات دیتے رہے اور جو احادیث منسوخ تھیں ان کے نسخ پر دلائل و شواہد بتاتے رہے۔

عیسیٰ اس مجلس سے اٹھ کر باہر نکلے تو مجھ سے کہنے لگے کہ میرے اور ان کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا تھا جو آج ہٹ گیا' مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ خدا کی خدائی میں اس جیسا شخص بھی لوگوں میں موجود ہو گا اور اس کے بعد امام محمد کی مجلس کے دلدادہ ہو گئے کہ پھر کبھی جدا ہونا گوارا نہ کیا حتی کہ بڑے فقیہ بن گئے۔ یہ عیسی ایک بڑے پہاڑ تھے علم کے پہاڑوں میں سے اور یہی پھر راوی بنے امام محمد کی کتاب الحج علی اہل المدینہ کے اور خود بھی الحج الصغیر عیسیٰ بن

ہارون ہاشمی کے رد میں لکھی۔ وہ مامون کے ہم درس تھے اور ایک کتاب لکھی تھی جس میں دعوی کیا تھا کہ امام ابو حنیفہ نے احادیث صحیحہ کی مخالفت کی ہے۔ خلیفہ مامون نے علماء کو دعوت دی کہ اپنی اپنی معلومات کے مطابق اس کتاب کا جواب لکھیں۔ خلیفہ کو نہ اسمٰعیل بن حماد کا جواب پسند آیا نہ بشر کا نہ یحییٰ بن اکثم کا بلکہ سب سے زیادہ عیسیٰ بن ابان ہی کا جواب مذکور پسند آیا۔ جس سے ہاشمی کی کتاب کی حیثیت بالکل ختم ہو گئی۔ ان ہی عیسیٰ بن ابان کی ایک کتاب "الحجج الکبیر" امام شافعی کے قدیم اقوال کے رد میں مشہور ہے جس کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ امام شافعی نے اپنے آخری سفر عراق میں نہایت مختصر قیام عراق میں کیا کیونکہ عیسیٰ کی کتاب مذکور کی وجہ سے ان کے قدیم اقوال کے لئے قبول عام کے امکانات باقی نہ رہے تھے۔

امام شافعی اور مریسی کے رد میں شروط قبول اخبار کے بارے میں بھی انہوں نے ایک کتاب لکھی تھی اور ان کی کتابوں میں بہت سے اصول امام محمد سے اخذ کئے ہوئے ملتے ہیں۔ ابوبکر رازی اپنی اصول میں بہت زیادہ ان سے نقول لیتے ہیں۔ غرض عیسیٰ بن ابان فقہی مباحث کے بحاث کبیر اور علوم حدیث و فقہ کے جبال علم سے ہیں۔[66]

امام محمد کے اقوال عقائد میں :- (۱) حافظ ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن الحسن اللالکائی نے شرح السنتہ میں امام محمد رحمہ اللہ کا حسب ذیل قول نقل کیا۔ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے اس کے پیچھے نماز مت پڑھو۔ یعنی جو قرآن کلام الٰہی اور خدا کے ساتھ قائم اور اس کی صفت ہے اس کو مخلوق قرار دینا صحیح نہیں۔ جس طرح مخلوق کے ساتھ جو چیزیں وابستہ ہیں مثلاً خط کاتب، صوت تالی یا حافظ کے ذہن کی صور وہیہ وغیرہ ان کو غیر مخلوق کہنا بھی خلاف بداہت و مشاہدہ ہے۔ لہذا جن لوگوں نے غلو کر کے ان لوگوں کی تکفیر کی جنہوں نے قرآن و سنت کے سکوت کی وجہ سے توقف کی راہ اختیار کی اور قرآن کو غیر مخلوق کہنے سے تورع کیا یا ان لوگوں کی تکفیر کی جنہوں نے حدوث لفظ ولافظ کے لحاظ سے لفظی بالقرآن مخلوق کہا یہ سب غلط طریقے تھے اور افسوس ہے کہ ان غلو کرنے والوں میں ابن ابی حاتم اور ابن مندہ جیسے حفاظ حدیث بھی ہیں۔[67]

(۲) لالکائی نے ہی امام محمد کا قول حدیث ان اللّٰہ ینزل الی السماء الدنیا اور اس قسم کی دوسری احادیث کے متعلق نقل کیا ہے کہ "یہ احادیث ثقہ راویوں سے مروی ہیں ہم بھی ان کو روایت کرتے ہیں، ان پر ایمان بھی رکھتے ہیں ان کی تفصیل و تفسیر میں جانا پسند نہیں کرتے۔"

یہ بھی فرمایا کہ

(3) "مشرق سے غرب تک کے تمام فقہا اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید پر ایمان رکھنا اور ان احادیث پر بھی جو ثقہ راویوں سے دربارہ صفات باری عز وجل مروی ہیں بغیر تغیر' تفسیل و تشبیہ کے ایمان لانا ضروری ہے۔ جو شخص بھی آج ان امور میں سے کسی امر کی تفسیر و تفصیل کرتا ہے وہ اس طریق سے خارج ہو جاتا ہے۔ جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور جماعت سے الگ ہو جاتا ہے کیونکہ انہوں نے نہ تفصیل کی تھی نہ تفسیر بلکہ کتاب و سنت کے مطابق جچی تلی بات بتا کر سکوت اختیار فرمایا تھا۔ لہذا جو شخص جہم کی طرح بات کرے وہ جماعت سے خارج ہے اس لئے کہ اس نے صفت لاشی کے ساتھ اس کو متصف کیا تھا۔"

اس قول سے ان لوگوں کی مکمل تردید ہو جاتی ہے جنہوں نے امام محمد کی طرف یہ باتیں منسوب کیں کہ وہ خلق قرآن کے قائل تھے اور اس کی طرف دوسروں کو دعوت دیتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ امام محمد جہم کی رائے رکھتے تھے (افسوس ہے کہ امام بخاری وغیرہ نے بھی اس معاملہ میں احتیاط نہیں فرمائی اور امام محمد کو جہمی کہا۔ جیسا کہ ہم دوسری جگہ لکھ چکے ہیں۔

(4) محدث صیمری نے نقل کیا کہ امام محمد فرمایا کرتے تھے "میرا مذہب' امام ابو حنیفہ اور امام ابویوسف کا مذہب وہی ہے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ' پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔"

اسی طرح امام محمد کا قول ایمان کے بارے میں بھی وہی تھا جو امام ابو حنیفہ کا تھا کہ وہ دل کا اعتقاد اور زبان کا اقرار ہے۔ اور دوسرے عقائد کی تفصیل "کتاب عقیدہ طحاوی" میں موجود ہے۔ ان تصریحات کے باوجود بھی اگر کوئی تنگ دلی سے امام صاحب یا امام محمد کو جہمی یا مرجی کہے تو وہ حق سے اتنا ہی دور ہے جتنی زمین آسمان سے دور ہے۔[68]

امام محمد دوسرے اہل علم کی نظر میں :- حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند سے امام مالک کا یہ قول نقل کیا جو اپنے اصحاب و تلامذہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ "ہمارے پاس اتنے لوگ مشرق کی طرف سے آتے ہیں مگر معنویت (گہرائی کی بات) کسی میں نہیں دیکھی سواء اس جوان کے"۔ یہ اشارہ امام محمد کی طرف تھا۔ حالانکہ امام مالک کے پاس امیرالمومنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک' وکیع بن الجراح' عبدالرحمن بن مہدی جیسے اعلام و جبال علم آتے تھے۔ گویا امام مالک نے امام محمد کو ان سب پر فضیلت دی۔

امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ جب بات کرے تو اس کی کمال فصاحت و بلاغت کی وجہ سے ایسا معلوم ہو ـــــ کہ قرآن مجید اسی کی زبان پر اترا ہے البتہ امام محمد ضرور ایسے تھے۔ میں نے ان سے ایک بختی

اونٹ کا بوجھ لکھا ہے اور بختی اس لئے کہتا ہوں کہ وہ دوسرے اونٹوں سے زیادہ بوجھ اٹھا سکتا ہے۔ میں اپنے اوپر امام مالک کا پھر امام محمد کا بڑا حق استاذ مانتا ہوں اگر لوگ فقہا کے بارے میں انصاف کرتے تو جانتے کہ انہوں نے امام محمد جیسا نہیں دیکھا۔ وہ حقہ کے ان اسباب و وسائل پر مطلع تھے جن سے دوسرے اکابر اہل علم عاجز ہیں۔ میں نے امام محمد سے زیادہ عقل والا انسان نہیں دیکھا۔ جب کسی مسئلہ کی تقریر فرماتے تھے تو ایسا منظم کلام بولتے جس میں ایک حرف آگے پیچھے کرنے کی گنجائش نہ ہوتی تھی۔

ایک دفعہ فرمایا کہ خدا نے میری دو شخصوں سے مدد کی۔ ابن عیینہ سے حدیث میں اور محمد بن الحسن سے فقہ میں۔ فرمایا جب میں پہلی دفعہ امام محمد کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ اپنے حجرہ میں بیٹھے تھے۔ بہت لوگ ان کے پاس جمع تھے۔ میں نے ان کے چہرہ پر نظر کی تو سب لوگوں سے زیادہ حسین و جمیل پایا۔ ان کی سفید پیشانی چمک رہی تھی اور لباس بہترین پہنے ہوئے تھے۔ میں نے اسی مجلس میں ان سے ایک اختلافی مسئلہ دریافت کیا میرا خیال تھا کہ اس کے بیان میں ان سے کمزور ظاہر ہوگی یا کوئی غلطی نکلے گی لیکن ...... وہ تو کڑی کمان کے تیر کی طرح مسئلہ کے سارے جوانب پر تیزی سے گزر گئے اور اسی میں اپنے مذہب کو بھی قوی کر گئے اور پوری تقریر میں کوئی ایک غلطی بھی نہیں کی۔

ایک بار فرمایا کہ میں نے امام محمد سے زیادہ فتاوی کا عالم نہیں دیکھا۔ گویا ان کو خدا کی جانب سے توفیق ملتی تھی۔ اور میں نے امام محمد جیسا حکمت و دانائی کی باتیں کرنے والا اور دوسروں کی ناسزا باتوں کو حلم و بردباری کے ساتھ سننے والا نہیں دیکھا۔؟؟

دوسرے اقوال ہم امام شافعی کے تذکرہ میں لکھ چکے ہیں۔

امام مزنی کے سامنے کسی نے امام محمد کا کوئی قول ذکر کیا' پوچھا کون محمد؟ بتلایا محمد بن الحسن۔ تو فرمایا مرحبا! خوب ذکر کیا وہ تو کانوں کو اچھی باتوں سے اور دل کو علم سے بھر دیتے تھے پھر فرمایا کہ یہ میں ہی نہیں کہتا امام شافعی بھی ایسا فرماتے تھے۔

حضرت داؤد طائی نے بچپن میں امام محمد کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ "اگر بچہ زندہ رہا تو اس کی بڑی شان ہوگی۔" امام ابویوسف نے امام محمد کی ابتداء جوانی میں حافظہ کی تعریف فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ کیسی عمدہ تلوار ہے مگر اس میں ذرا سا زنگ ہے جس کو جلاء کی ضرورت ہے۔ بعد کو علم الناس فرمانے لگے تھے۔ امام یحییٰ بن معین نے امام محمد کی شاگردی کی اور جامع صغیر پڑھی۔ محدث حسن بن ابی مالک کے سامنے جب امام محمد کے مسائل پڑھے گئے تو فرمایا کہ امام ابو یوسف

بھی اس قدر زیادہ گہرائی میں نہیں جاتے تھے۔

میمری نے ابوعبیدہ سے بھی یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے امام محمد سے زیادہ کتاب اللہ کا جاننے والا نہیں دیکھا اور کہا کہ امام محمد عربیت نحو و حساب میں بڑا ماہر تھے۔ محمد بن سلام فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام محمد کی کتابیں نقل کرانے پر دس ہزار روپے خرچ کئے اور اگر مجھے پہلے سے ان چیزوں کا علم ہو جاتا جو بعد کو ہوا تو رجل صالح امام محمد کی کتابوں کے سوا دوسروں کی کتابوں پر وقت صرف نہ کرتا۔[70]

محدث و محقق کبیر عیسٰی بن ابان سے پوچھا گیا کہ ابو یوسف افقہ ہیں یا محمد؟ فرمایا دونوں کی کتابوں سے اندازہ لگا لو۔" یعنی امام محمد زیادہ فقیہ ہیں۔[71]

امام محمد کے معمولات:- محمد بن سلمہ کا بیان ہے کہ امام محمد نے رات کے تین حصے کر دیئے تھے ایک حصہ سونے کے لئے۔ ایک نماز کے واسطے اور ایک درس کے لیے' وہ بہت زیادہ جاگتے تھے۔ کسی نے کہا کہ آپ سوتے کیوں نہیں؟ فرمایا۔ "میں کس طرح سو جاؤں حالانکہ مسلمانوں کی آنکھیں ہم لوگوں پر بھروسہ کر کے سوئی ہوئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی مشکل (امور شریعت کی) پیش آتی ہے تو ہم اس کو محمد کے سامنے رکھتے ہیں وہ اس کو ہمارے لئے حل کر دیتے ہیں۔ تو اگر ہم بھی سو جائیں تو اس کی وجہ سے دین ضائع ہو گا۔"

امام محمد کی توثیق:- خطیب نے علی بن مدینی سے توثیق نقل کی اور اسی طرح منتظم میں ابن الجوزی سے اور تعجیل المنفعہ میں حافظ ابن حجر سے بھی توثیق ثابت ہے۔ حافظ ذہبی نے مناقب میں لکھا کہ امام شافعی نے حدیث میں امام محمد سے حجت پکڑی ہے اور میزان الاعتدال میں کہا کہ نسائی وغیرہ نے حفظ کے اعتبار سے امام محمد سے حسد کیا حالانکہ وہ علم حدیث و فقہ کے دریا میں سے تھے اور امام مالک سے روایت حدیث میں قوی تھے۔

ظاہر ہے کہ جو شخص امام مالک سے چند روز کے اندر احادیث سن کر ان کی روایت میں قوی مانا گیا ہو وہ ان احادیث کے یاد رکھنے میں کس طرح ضعیف قرار دیا جا سکتا ہے جن کے سننے سنانے میں اس نے ساری عمر صرف کی تھی۔ مگر اہل جرح کا تو عجیب حال ہے وہ .... تو بقول حافظ ابن دقیق العید کے دوزخ کے کنارے پر بیٹھے ہیں (یعنی کوئی تو جنت کا ٹھیکیدار بنتا ہے انہوں نے دوزخ کا ٹھیکیدار بننا پسند کیا ہے)

سبط ابن الجوزی نے مرآۃ الزمان میں علماء سیر سے امام محمد کا امام حجت اور تمام علوم میں متبحر ہونا نقل کیا ہے اور حافظ عینی نے رجال معانی الآثار میں ابن الجوزی کی کتاب الضعفاء کی اس امر کی روایت و درایت سے تغلیط کی ہے کہ

امام احمد اور بن معین نے امام محمد کی شان میں کوئی تنقیص کی ہو۔[72]

امام محمد ثقہ حافظ حدیث تھے:- اگرچہ حافظ ذہبی نے امام محمد کو تذکرۃ الحفاظ میں نظر انداز کر دیا مگر ان سے کئی سو سال پہلے علامہ ابن عبدالبر نے تمہید میں دار قطنی کی غرائب مالک سے نقل کیا کہ امام مالک نے "موطا" میں رفع یدین وقت رکوع ذکر نہیں کیا البتہ غیر موطا میں ذکر کیا ہے جس کو بیس ثقات حفاظ نے روایت کیا ہے ان میں سے محمد بن الحسن شیبانی، یحیٰ القطان، عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمن بن مہدی، ابن وہب وغیرہ اہم ہیں۔[73]

یہاں علامہ ابن عبدالبر اور دار قطنی نے امام محمد کو نہ صرف ثقہ حافظ کہا بلکہ دوسرے اکابر حفاظ حدیث سے ان کو مقدم کیا۔ فافهم وتذكر ولاتكن من الغافلين

امام شافعی نے امام ابویوسف سے بھی بواسطہ امام محمد احادیث کی روایت اپنی کتاب الام میں اور مسند میں کی ہے۔

علامہ شبلی نے سیرۃ النعمان کے آخر میں امام محمد کے حالات میں لکھا ہے کہ "ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی سے انکار کیا تھا لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے۔ تاریخ و رجال کی سینکڑوں کتابیں موجود ہیں وہ کیا شہادت دے رہی ہیں؟ حافظ ابن تیمیہ کے انکار پر ناظرین کو حیرت ہو گی۔ مگر کسی وجہ ہی سے تو بڑے بڑے لوگوں نے اس امر کی کوشش کی تھی کہ امام شافعی کے اس سفر عراق کی روایت ہی کو تاریخ کے اوراق میں سے نکال دیا جائے جس میں انہوں نے ایک دو سال بھی نہیں تقریباً" دس سال امام محمد کی خدمت میں رہ کر فقہ و حدیث میں غیر معمولی کمالات حاصل کئے تھے۔ اگر حافظ تیمیہ جیسے وسیع النظر علامہ امام شافعی کے تلمذ سے انکار کر سکتے ہیں تو آج کل کے کچھ تنگ نظر، کم حوصلہ غیر مقلد بھائی امام سفیان بن عیینہ (شیخ امام شافعی) کے تلمذ امام اعظم سے انکار کر دیں تو کیا حیرت کی بات ہے؟ اس عجائب زار دنیا میں سب ہی چیزیں تعجب خیز ہیں اگرچہ حقیقت میں کسی بات پر بھی تعجب نہ ہونا چاہیے۔

نعم ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار [74]

تصانیف امام محمد:- امام محمد رضی اللہ عنہ کی تصانیفات کی تعداد بہت زیادہ ہے قریب ایک ہزار تک بھی کہی جاتی ہے۔ دن و رات کتابیں لکھتے تھے۔ اپنے تصنیف کے کمرہ میں کتابوں کے ڈھیر کے درمیان بیٹھے رہتے تھے۔ مشغولیت اس درجہ تھی کہ کھانے کپڑے کا بھی ہوش نہ تھا۔ دس رومی عورتیں نقل کتب پر مامور تھیں۔ امام محمد نے ایک ادارہ کی برابر تصنیفی خدمت انجام دی۔ گھر والوں سے کہہ دیا تھا کہ جس چیز کی ضرورت ہو میرے وکیل سے کہو۔ کوئی ضروری بات کہنی ہوتی تو صرف اشارہ سے فرماتے تھے۔ کیم سحیم آدی تھے لیکن بہت کم سوتے تھے۔ موٹے آدمی اکثر

باغی مزاج اور باید ہوتے ہیں مگر امام محمد بلا کے ذہن و ذکی تھے۔ ان کی تصانیف میں سے حسب ذیل کتابیں زیادہ مشہور ہیں اور یہی کتابیں فقہ حنفی کی اصل اصول خیال کی جاتی ہیں۔ کیونکہ امام صاحب کے مسائل روایتا" ان میں مذکور ہیں۔

مبسوط :- اس میں امام محمد نے امام ابویوسف کے جمع کردہ مسائل کو خوبی و وضاحت کے ساتھ مدون و مرتب کیا اس کو اصل بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ امام محمد نے اس کو سب سے پہلے تصنیف کیا ہے۔

موطا امام محمد :- حدیث میں امام محمد کی مشہور کتاب ہے جو امام مالک کی دوسری موطاؤں سے علمی و فنی اعتبار سے زیادہ بلند ہے۔

جامع صغیر :- اس کتاب میں امام محمد نے امام ابو یوسف کی روایت سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تمام اقوال لکھے ہیں کل 533 مسائل ہیں جن میں سے 170 مسائل میں اختلاف رائے بھی کیا ہے۔ اس میں تین قسم کے مسائل ہیں۔
(1) جن کا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہیں نہیں ملتا۔ (2) جو دوسری کتب میں بھی ہیں مگر ان کتابوں میں امام محمد نے تصریح نہیں کی تھی کہ یہ خاص امام صاحب کے مسائل ہیں۔ اس کتاب میں تصریح کر دی ہے۔ (3) اور کتابوں میں بھی مذکور تھے مگر اس کتاب میں ایسے طرز پر لکھے ہیں کہ ان سے نئے فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔ اس کتاب کی تقریبا" چالیس شروح لکھی گئیں۔ متقدمین کے یہاں فقہ میں یہی کتاب درس میں پڑھائی جاتی تھی۔ ہندوستان میں بھی طبع ہوئی ہے۔

جامع کبیر :- اس میں امام صاحب کے اقوال کے ساتھ امام ابویوسف و امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں۔ ہر مسئلہ کی دلیل لکھتے ہیں۔ یہ جامع صغیر سے زیادہ دشوار اور اس کے معانی دقیق ہیں۔ بعد کے فقہاء نے اصول فقہ کے مسائل بھی زیادہ تر اسی کتاب کی روشنی میں اخذ کئے ہیں۔ بڑے بڑے نامور فقہا نے اس کی شرحیں لکھیں۔ ان میں 42 کا ذکر کشف الظنون میں ہے جو کہ احیاء المعارف حیدر آباد سے شائع ہوئی ہے75ء میں ملک معظم عیسیٰ بن عادل ابی بکر بن ایوب کے ذکر میں علامہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ آپ نے علامہ حصیری سے فقہ حنفی حاصل کیا۔ مسعودی کو یاد کیا اور جامع کبیر کو خاص طور سے پڑھا اور یاد کیا۔ پھر جامع کبیر کی شرح کئی جلدوں میں تصنیف کی جیسا کہ حدائق حنفیہ میں لکھا ہے۔ بڑے عالم ہوئے پکے حنفی تھے۔ ان کے اور ان کی اولاد کے سوا بنی ایوب میں کوئی حنفی نہیں ہوا۔ ان کے والد نے ایک روز کہا کہ تم نے امام ابو حنیفہ کا مذہب کیوں اختیار کیا حالانکہ تمہارا خاندان شافعی ہے؟ کہا کیا

آپ یہ نہیں چاہتے کہ آپ کے خاندان میں ایک بھی مسلمان شخص ہو۔ آپ نے فقہاء کو حکم دیا کہ میرے لئے صرف امام ابو حنیفہ کا مذہب صاحبین کے مذہب سے الگ کر دو تو انہوں نے دس مجلدات میں امام صاحب کا مذہب الگ کر دیا آپ نے اس کا نام ''تذکرہ'' رکھا اور سفر حضرت میں ہر وقت اس کو ساتھ رکھتے اور مطالعہ کیا کرتے تھے اور تمام مجلدات کو حفظ یاد کیا تھا۔ ہر جلد کو یاد کر کے آخر میں لکھتے کہ میں نے اس کو حفظ کر کے ختم کیا اور دستخط کرتے تھے۔ صاحب مرآۃ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھ کر کہا کہ لوگ اعتراض کریں گے کہ شام کا بڑے سے بڑا مدرس تو باوجود فراغت کے صرف قدوری حفظ کرتا ہے اور آپ نے باوجود ملکی تدابیر و مشاغل مد کثیرہ کے دس ضخیم جلدیں حفظ کر لیں اور آپ سب جلدوں پر اپنے قلم سے دستخط کرتے ہیں لوگوں کو کس طرح اعتبار آئے گا؟ کہا الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ معانی و مطالب کا ہوتا ہے۔ لاؤ! کہیں سے بھی دس جلدوں میں سے مجھ سے سوال کر لو' اگر کوئی غلطی نکلے تو تمہاری بات تسلیم ورنہ میری تحریر پر اطمینان کرو۔[76]

زیادات :- جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آتے رہے وہ اس کتاب میں درج کئے اور اسی لئے اس کو ''زیادات'' کہتے ہیں۔

کتاب الحجج :- امام محمد' امام اعظم کی وفات کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور تین برس امام مالک کی خدمت میں رہے' ان سے موطا بھی پڑھی۔ اہل مدینہ کا طریق فقہ جدا تھا۔ بہت سے مسائل میں وہ لوگ امام ابو حنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ امام محمد نے یہ مدینہ طیبہ سے واپس ہو کر یہ کتاب لکھی۔ اس میں پہلے وہ فقہی باب باندھتے ہیں پھر اہل مدینہ کا قول نقل کرتے ہیں۔ پھر قال محمد کہہ کر امام ابو حنیفہ کا قول نقل کرتے ہیں اور احادیث' آثار و قیاس سے ثابت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب راجح و صحیح ہے۔ کہیں کہیں اہل مدینہ کے عمل بالحدیث کے دعوی کو بھی چیلنج کیا ہے اور بتلایا ہے کہ ان کا عمل صریح حدیث کے خلاف ہے۔ علم الخلاف امام محمد کی ایجاد ہے اور کتاب مذکور اس طرز کی پہلی تصنیف ہے جس میں موافق و مخالف احادیث و آثار جمع کر کے محاکمہ کیا گیا ہے۔ عرصہ ہوا مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے 392 صفحات پر طبع ہو کر شائع ہوئی تھی اب نادر ہے۔[77]

سیر صغیر :- یہ کتاب سیر پر ہے۔ امام اوزاعی نے اس کو دیکھا تو تعریف کی مگر بطور طنز کے یہ بھی کہا ''اہل عراق کو فن

سیر سے کیا نسبت" امام محمد نے یہ جملہ سنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی۔

سیر کبیر:- اس کو 60 ضخیم اجزاء میں مرتب کیا اور تیاری کے بعد ایک خچر پر لدوا کر خلیفہ ہارون رشید کے پاس لے جانے کا ارادہ کیا۔ خلیفہ کو خبر ہوئی تو اس نے ازراہ قدر دانی شہزادوں کو استقبال کے لئے بھیجا اور ان کو ہدایت کی کہ امام محمد سے اس کی سند حاصل کریں۔ امام اوزاعی نے بھی اس محققانہ کتاب کی بہت تعریف فرمائی۔

رقیات وغیرہ:- رقہ کے قیام میں جو فقہ کا مجموعہ تیار کیا وہ رقیات کہلاتا ہے۔ اسی طرح اور کتابیں کیسانیات، جرجانیات، ہارونیات وغیرہ تصنیف کیں لیکن یہ کتابیں اصطلاح فقہاء میں ظاہر الروایۃ میں داخل نہیں بلکہ کتاب الحج بھی اس سلسلہ سے خارج ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم

کتاب الآثار:- 900 آثار کا ذخیرہ جس کو مولانا ابو الفتح صغیر الدین نے اردو ترجمہ کر کے قرآن محل کراچی سے طبع کرایا ہے[78]

شرف الدین ملک عیسیٰ بن عادل جن کا ذکر ص 203 پر ہو چکا۔ انہوں نے ہی خطیب بغدادی کا مشہور و معروف رد "السہم المصیب فی الرد علی الخطیب" لکھا جو مکتبہ اعزازیہ دیوبند سے عرصہ ہوا چھپ کر شائع ہو چکا ہے اور ہر حنفی عالم کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ملک موصوف 576ھ میں قاہرہ (مصر) میں پیدا ہوئے۔ مصر میں ساڑھے آٹھ سال بادشاہ رہے پھر دمشق (شام) میں سلطنت کی۔ عیسائی حکمرانوں سے بڑے بڑے معرکے جہاد کے انجام دیئے علماء کی بڑی عزت کرتے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہمہ وقت بستہ رہتے تھے۔ بڑے بہادر، مدبر اور سخی سیر چشم تھے۔ 624ھ میں وفات پائی اور دمشق میں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

السہم المصیب شرف الدین ملک معظم عیسیٰ حنفی موصوف الذکر کی تصنیف ہے ان کے والد سیف الدین ملک عادل ابوبکر بن ایوب شافعی کی تصنیف نہیں ہے جیسا کہ غلطی سے مطبوعہ نسخہ میں ...... ان کی طرف منسوب ہو گئی ہے۔ کیونکہ والد ماجد شافعی تھے۔ دوسرے ان کا انتقال 618 میں ہو چکا تھا اور یہ تصنیف 621ھ کی ہے۔ واللہ اعلم

جامع کبیر کی عظمت و قدر اور امام اعظم کے مجموعہ اقوال کے 10 مجلدات (تذکرہ) کی اہمیت کے پیش نظر یہاں ملک موصوف اور ان کی مشہور تصنیف السہم المصیب کا ذکر کیا گیا۔ مرآۃ الزمان فی تاریخ الاعیان علامہ سبط بن الجوزی

حنفی نے (جو پہلے حنبلی تھے پھر مذہب حنفی ہو گئے تھے) چالیس جلدوں میں تصنیف فرمائی تھی مگر اس وقت اس کے صرف دو جزو جلد ثامن کے حیدر آباد سے چھپے ہیں۔

کتب تاریخ میں یہ واقعہ بھی نقل ہوا ہے کہ ایک بڑا نصرانی عالم علماء اسلام سے مناظرے و مباحثے کیا کرتا۔ دین اسلام سے خوب واقف تھا مگر مسلمان نہ ہوتا تھا۔ امام محمد نے جامع کبیر تصنیف کی تو اس کو پڑھ کر وہ مسلمان ہو گیا اور کہا کہ یہ تمہارے چھوٹے محمد کی کتاب جب اس قدر علوم و کمالات کا مجموعہ ہے تو تمہارے بڑے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کتنے اونچے ہوں گے۔ یہ بھی کہا کہ اگر جامع کبیر کا مصنف نبوت کا دعویٰ کرتا اور اس کتاب کو معجزہ قرار دیتا تو کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا اور سب کو اسی پر ایمان لانا پڑتا۔ بعض نے یہی واقعہ اسلام لانے کا امام محمد کی کتاب مبسوط کے بارے میں بیان کیا ہے۔ غرض جامع کبیر کے بارے میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ دقائق و حقائق سے بھری ہوئی ہے۔ اسی طرح جامع صغیر اس زمانہ میں بلکہ سینکڑوں سال تک داخل درس رہی ہے۔ سید الحفاظ امام رجال و حدیث ابن معین کے حالات میں نقل ہوا ہے کہ انہوں نے جامع صغیر امام محمد سے پڑھی اور سید الحفاظ یحییٰ القطان شیخ امام احمد و علی بن المدینی نے جامع صغیر امام ابو یوسف سے پڑھی ہے۔

(3) امام زفر رضی اللہ عنہ

(ولادت 110ھ وفات 158ھ ' عمر 48 سال)

اسم و نسب :۔ امام العصر مجتہد مطلق ابوالہذیل زفر عنبری بصری ابن الہذیل بن (زفر بن الہذیل بن) قیس بن سلیم بن مکمل بن قیس بن عدنان رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان وغیرہ) آپ کا ترجمہ ابوالشیخ کی "طبقات المحدثین باصبہان" میں ہے جس کا قلمی نسخہ ظاہریہ دمشق میں ہے اور ابو نعیم کی تاریخ اصبہان میں بھی ہے جو لیدن سے طبع ہوئی ہے۔

ولادت و تعلیم :۔ 110ھ میں بمقام اصبہان پیدا ہوئے جہاں ان کے والد حاکم تھے اور شعبان 158ھ میں وفات ہوئی۔ صیمری نے لکھا کہ پہلے امام زفر نے حدیث میں زیادہ اشتغال رکھا پھر رائے کی طرف متوجہ ہوئے۔

محمد بن وہب کا بیان ہے کہ امام زفر اصحاب حدیث میں سے تھے۔ ایک دفعہ ایک مسئلہ پیش آیا کہ اس کے حل کرنے سے وہ خود اور ان کے دوسرے اصحاب حدیث عاجز ہوئے تو امام زفر امام ابو حنیفہ کی خدمت میں پہنچے امام صاحب نے جواب دیا۔ پوچھا آپ نے یہ جواب کہاں سے دیا؟ فرمایا کہ فلاں حدیث اور فلاں قیاس و استنباط کی وجہ سے۔ پھر امام صاحب نے مسئلہ کی نوعیت بدل کر فرمایا کہ تم بتاؤ! اس میں کیا جواب ہو گا؟ امام زفر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو اس کے جواب سے پہلے سے بھی زیادہ عاجز پایا۔ امام صاحب نے ایک اور مسئلہ بیان کیا اور اس کا جواب مع دلیل بتایا۔ میں ان کے پاس سے اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے بھی وہ مسائل پوچھے۔ تو وہ بھی جواب سے عاجز ہوئے میں نے جوابات دیئے اور دلائل سنائے وہ سب کہنے لگے کہ یہ جوابات و دلائل آپ کو کہاں سے حاصل ہوئے؟ میں نے کہا امام ابو حنیفہ سے۔ پھر تو میں ان ہی تین مسائل کی بدولت اپنے حلقہ اصحاب کا سردار بن گیا۔

اس کے بعد امام زفر مستقل طور سے امام ابو حنیفہ سے وابستہ ہو گئے اور ان دس اکابر میں سے ہو گئے جنہوں نے امام صاحب کے ساتھ تدوین کتب کی ہے۔ یہی واقعہ مسالک الابصار میں بھی امام طحاوی کے ذریعہ سے نقل ہوا ہے۔ 77

مادحین امام زفر:- میمری کی روایت ہے کہ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے کہا میں نے اپنے والد عثمان بن ابی شیبہ اور چچا ابو بکر ابن ابی شیبہ (صاحب مصنف مشہور) سے امام زفر کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ امام زفر اپنے زمانہ کے اکابر فقہاء میں سے تھے اور والد صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ ابو نعیم (فضل بن دکین شیخ اصحاب ستہ) امام زفر کو فقیہ نبیل کہتے تھے اور ان کی بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے۔ عمرو بن سلیمان عطار کہتے ہیں کہ میں کوفہ میں تھا اور امام اعظم کی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ امام زفر کی تقریب نکاح منعقد ہوئی تو امام صاحب بھی شریک ہوئے۔ انہوں نے امام صاحب سے عرض کیا کہ آپ نکاح پڑھائیں؟ امام صاحب نے خطبہ نکاح پڑھا اور اسی میں فرمایا کہ یہ زفر بن ہذیل ائمۃ المسلمین میں سے بڑے امام ہیں اور دین کے نشانوں میں سے ایک نشان ہیں۔ اپنے حسب و شرف و علم کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ امام زفر کی قوم کے کچھ لوگوں نے تو امام صاحب کے ان مدحیہ کلمات پر اظہار مسرت کیا اور کہا کہ امام صاحب کے سوا کوئی دوسرا خطبہ پڑھتا تو ہمیں اتنی خوشی نہ ہوتی مگر کچھ لوگوں نے اپنی خاندانی علو کا اظہار کرتے ہوئے امام زفر سے کہا کہ آپ کے بنو عم اور شرفاء قوم یہاں جمع تھے ایسے موقعہ پر کیا مناسب تھا کہ (غیر خاندان کے شخص) ابو حنیفہ سے خطبہ نکاح پڑھنے کو آپ نے کہا؟ امام زفر نے جواب میں فرمایا کہ یہ آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس وقت (امام صاحب کی موجودگی میں) تو اگر میرے والد ماجد بھی موجود ہوتے تو ان پر بھی میں امام صاحب کو مقدم کرتا۔

امام صاحب نے جو تعریفی کلمات امام زفر کے لئے ارشاد فرمائے وہ ان کے فضل و تقدم کے لئے بہت بڑی شہادت ہیں اور امام زفر جو پہلے اصحاب حدیث میں سے تھے اور جن کے مداح ابو بکر بن ابی شیبہ جیسے محدثین بھی تھے جو امام صاحب پر معترضین میں سے تھے ان کا امام صاحب کی انتہائی تعظیم و توقیر کرنا اور تلمذ اختیار کرنا بھی کچھ کم اہم نہیں۔

امام حسن بن زیادہ فرماتے ہیں کہ امام زفر اور امام داؤد طائی میں حقیقی بھائیوں جیسا تعلق تھا پھر داؤد طائی نے تو فقہ کو چھوڑ کر عبادت گزاری اختیار کی اور امام زفر نے فقہ کے ساتھ عبادت کو جمع کیا اور امام زفر داؤد طائی سے ملاقات کے لئے بصرہ جایا کرتے تھے۔ امام وکیع کا قول ہے کہ امام زفر بڑے متورع' اچھا قیاس کرنے والے' کم لکھنے والے تھے اور جو کچھ لکھتے تھے وہ ان کو یاد رہتا تھا۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ امام زفر صاحب رائے' ثقہ اور مامون تھے۔ میں نے فضل بن دکین کو دیکھا کہ جب ان کے سامنے امام زفر کا ذکر ہوتا تو ان کی عظمت و جلالت قدر کے حالات بیان کرتے اور ثقہ' مامون بتلاتے کبھی ان کو خیار ناس میں سے فرماتے تھے۔ یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ میں نے امام وکیع (شیخ اصحاب ستہ) کو آخر عمر میں دیکھا کہ وہ صبح کو امام زفر اور شام کو امام ابو یوسف کے پاس آتے تھے مگر پھر انہوں نے

دونوں وقت، امام زفر کے پاس آنا شروع کر دیا۔

امام وکیع سے کسی نے بطور اعتراض کہا کہ آپ زفر کے پاس آتے جاتے ہیں۔ فرمایا "تم لوگوں نے مغالطہ آمیزیاں کر کے ہمیں امام ابو حنیفہ سے چھڑانا چاہا حتی کہ وہ دنیا سے رخصت ہوئے اب تم اسی طرح امام زفر سے چھڑانے کی سعی کرتے ہو تاکہ ہم ابو اسید اور ان کے اصحاب کے محتاج ہو جائیں۔"

یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امام وکیع امام اعظم سے آخر وقت تک وابستہ رہے اور کسی کی مغالطہ آمیزی سے بھی متاثر نہ ہوئے امام صاحب ہی کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے جیسا کہ انتقاء میں علامہ ابن عبدالبر تصریح کی ہے اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ کے ص 247 میں ذکر کیا کہ کسی نے وکیع سے کہا "امام ابوحنیفہ نے خطا کی" تو فرمایا کہ وہ کیسے خطا کر سکتے ہیں حالانکہ ان کے ساتھ ابو یوسف و زفر جیسے قیاس کرنے والے، یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، حبان و مندل ایسے حفاظ حدیث، قاسم بن معن لغت و عربیت کے ماہر، داؤد طائی و فضیل بن عیاض جیسے زاہد و متورع ہیں اور جس کے ہم مجلس ایسے لوگ ہوں وہ خطا نہیں کر سکتا کیونکہ اگر خطا کرے تب بھی اس کو صواب کی طرف لوٹا دیں گے۔

ایک مشہور روایت ترمذی شریف باب الاشعار میں ہے کہ وکیع کے سامنے امام صاحب کا قول ذکر کیا گیا تو ان کو نہایت غصہ آیا۔ اس کی نسبت بھی ازروئے درایت امام وکیع کی طرف صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ وکیع امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے اور امام صاحب کے بہت بڑا مداح تھے اور اس واقعہ کی روایت ابوالسائب مسلم بن جنادہ سے ہے جو امام صاحب سے منحرف و معاند تھے اور وہی وکیع کی طرف بہت سی غیر صحیح حکایات کی طرف نسبت کرتے ہیں جو تاریخ بغداد وغیرہ میں منقول ہیں اور روایات حدیث میں بھی وہ متیقن نہیں تھے ابو احمد حاکم کبیر نے کہا کہ وہ بعض احادیث میں مخالفت کرتے تھے۔ غرض وکیع سے کوئی برائی کا کلمہ امام صاحب کے بارے میں صحیح و قوی سند سے مروی نہیں ہے۔[12]

محدث ابو نعیم فضل بن وکین نے فرمایا کہ مجھ سے امام زفر نے کہا "میرے پاس اپنی حدیثیں لاؤ تاکہ تمہارے لیے ان کی چھان کر دوں حافظ ذہبی نے کہا کہ امام زفر فقہاء و زہاد میں سے تھے۔ صدوق تھے بہت لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے اور ابن معین نے بھی۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ ابن حبان نے امام زفر کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ وہ متیقن حافظ حدیث تھے۔ اپنے صاحبین کے طریقہ پر نہیں چلے اور اپنے اصحاب میں سب سے زیادہ قیاس کرنے

والے اور حق کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے الانتقاء میں لکھا کہ امام زفر صاحب عقل و دین و ورع تھے اور روایت حدیث میں ثقہ تھے۔

موازنہ امام ابو یوسف و زفر:- حدیث و فقہ و استنباط میں یہ دونوں امام تقریباً یکساں درجہ کے تھے دونوں کے باہم علمی مناظرے و مباحثے مشہور ہیں خود امام صاحب کی موجودگی میں بھی ہوتے تھے اور امام صاحب فیصلہ فرمایا کرتے تھے اور بعض مرتبہ امام صاحب نے امام ابو یوسف کو ترجیح بھی دی ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ امام ابو یوسف کثرت روایت میں غالب ہو جاتے تھے اور امام زفر میدان قیاس میں آگے بڑھ جاتے تھے۔

محدث خالد بن صبیح کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے سفر کیا تو راستہ میں ہی امام صاحب کے انتقال کی خبر ملی۔ جب مسجد کوفہ میں پہنچا تو دیکھا کہ سب لوگ امام زفر کے گرد جمع ہیں اور امام ابو یوسف کے پاس صرف دو چار آدمی ہیں۔ خیال ہے کہ یہ ابتلاء زمانہ کی بات ہے ورنہ پھر تو امام ابو یوسف سے حدیث و فقہ حاصل کرنے والے اس کثرت سے ہو گئے تھے کہ کوئی ان کے مقابل نہ تھا اور درس سے کسی وقت نہ اکتانا اور کمال وسعت صدر تو ان کا بڑا امتیاز شمار ہوا ہے۔ غرض امام زفر بھی امام ابو یوسف کی طرح مجتہد مطلق کے درجہ میں تھے۔ ایک دفعہ امام صاحب نے فرمایا کہ یہ 36 آدمی ہیں۔ ان میں سے 28 قاضی و جج بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور 6 فتوی دینے کے اہل ہیں دو ایسے ہیں جو ارباب قضا و اصحاب فتوی کی تربیت و سرپرستی کر سکتے ہیں اور امام ابو یوسف و امام زفر کی طرف اشارہ فرمایا۔

خدا کی شان کہ امام ابو یوسف امام صاحب کے اشارہ کے موافق قاضی القضاۃ اور چیف جسٹس ہوئے' امام زفر کو حکومت وقت نے قضاء کے لئے مجبور کیا مگر انہوں نے امام صاحب کی طرح صاف انکار کر دیا کسی طرح راضی نہ ہوئے' پھر چھپ گئے اور آپ کا مکان گرا دیا گیا آپ نے آ کر مکان بنایا اور پھر قضاء کے لیے مجبور کئے گئے اور آپ چھپ گئے دوبارہ مکان گرا دیا گیا۔ حتی کہ آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا اور سمجھ لیا گیا کہ کسی طرح راضی نہ ہوں گے۔

کسی نے حسن بن زیاد سے پوچھا کہ آپ نے امام ابویوسف و امام زفر کو امام صاحب کی خدمت میں کیسا دیکھا ہے؟ فرمایا کہ جیسے دو چڑیاں باز کے مقابلہ میں۔ غرض جاننے والے یہی جانتے تھے کہ یہ دونوں ایک درجہ کے تھے' اگرچہ امام صاحب کے مقابلہ میں کچھ نہ تھے اور نہ کچھ اپنے کو سمجھتے تھے۔ امام زفر جب بصرہ پہنچے اور علماء نے ملاقاتیں کیں' ان سے مشکل سوالات کئے اور جوابات سن کر متحیر ہوئے ان کو بصرہ کے قیام پر مجبور کیا اور ہر طرف

تعریفیں ہونے لگیں۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے فقہ میں زفر جیسا نہیں دیکھا' وہ سب سے بڑے عالم ہیں وغیرہ۔ امام زفر کو خبر ہوئی کہ تعریف ہو رہی ہے تو فرمایا۔ تم میری تعریف کرتے ہو اگر ابو یوسف کو دیکھتے تو کیا کہتے؟ ایک دفعہ فرمایا کہ ابو یوسف سب سے بڑے فقیہ ہیں۔ باہم معاصرین کی اس قدر بے نفسی اور اقران کے ساتھ ایسی وسعت حوصلہ کے ساتھ مدح و ثناء کی مثالیں خیرالقرون کی خیریت کا بڑا ثبوت و امتیاز ہیں اور خصوصیت سے امام صاحب کے اصحاب و تلامذہ میں یہ بات خاص طور سے دیکھی گئی کہ ان میں تحاسد و تباغض نہیں تھا اور جو بعض قصے ایسے نقل ہوئے ہیں وہ مخالفین کے چلائے ہوئے بے ثبوت ہیں۔ علامہ کوثری نے جابجا ایسی چیزوں کی تردید کی ہے۔

امام زفر کے اساتذہ :۔ علم فقہ میں امام صاحب کے شاگرد ہیں خود فرماتے ہیں کہ میں بیس سال سے زیادہ امام صاحب کی خدمت میں رہا میں نے کسی کو ان سے زیادہ خیر خواہ' ناصح و مشفق نہیں دیکھا وہ محض اللہ کے لیے اپنی جان کو صرف کرتے تھے۔ سارا دن تو مسائل کے حل و تعلیم اور نئے حوادث کے جوابات دینے میں صرف کرتے' جس وقت مجلس سے اٹھتے تو کسی مریض کی عیادت کے لیے جاتے' جنازہ کی مشایعت کرتے' کسی ضرورت مند کی حاجت روائی کرتے' کسی فقیر کی امداد کرتے یا کسی بچھڑے ہوئے سے رشتہ اخوت تازہ کرتے تھے۔ رات ہوتی تو خلوت میں تلاوت' عبادت و نماز کا شغل رہتا' وقت وفات تک یہی معمول رہا' تفقہ کے ساتھ امام صاحب سے روایت حدیث بھی بکثرت کرتے ہیں۔ سمعانی وغیرہ نے امام زفر کی کتاب الآثار کا ذکر کیا ہے جس میں امام صاحب کے واسطہ سے احادیث کی روایات ہیں۔

امام صاحب کے علاوہ دوسرے شیوخ امام زفر کے یہ ہیں۔ اعمش' یحییٰ بن سعید الانصاری' محمد بن اسحاق (صاحب المغازی)' زکریا بن ابی زائدہ' سعید بن ابی عروبہ' ایوب سختیانی وغیرہ۔

امام زفر کے تلامذہ :۔ امیرالمومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک (شیخ اصحاب ستہ) شقیق بن ابراہیم' محمد بن الحسن' وکیع بن الجراح (شیخ اصحاب ستہ) سفیان بن عیینہ (شیخ اصحاب ستہ) ابوعاصم النبیل (شیخ اصحاب ستہ)' ابونعیم فضیل بن دکین (شیخ اصحاب ستہ) وغیرہ۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے بیان کیا کہ امام زفر فرمایا کرتے تھے۔ "ہم رائے کا استعمال اس وقت تک نہیں کرتے جب تک کہ اثر موجود ہو' اسی طرح جب اثر مل گیا رائے کو چھوڑ دیتے ہیں"[82]

امام وکیع امام زفر کو خطاب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ خدا کا شکر ہے جس نے آپ کو امام صاحب کا جانشین کیا لیکن امام صاحب کے دنیا سے تشریف لے جانے کا صدمہ دل سے نہیں نکلتا۔ فضل بن دکین کہتے ہیں کہ جب امام

صاحب کی وفات ہوئی تو میں امام زفر کا ہو گیا کیونکہ امام صاحب کے اصحاب میں سے سب سے زیادہ فقیہ و متورع وہی تھے۔

امام زفر اور نشر مذہب حنفی :- حسین بن ولید کہتے تھے کہ امام صاحب کے اصحاب میں سے سب سے زیادہ منصلب اور دقیق النظر امام زفر تھے۔ صیمری نے روایت کی کہ یوسف بن خالد سمتی بصرہ سے کوفہ گئے اور امام صاحب سے فقہ کیا فارغ ہوئے تو بصرہ کا ارادہ کیا امام صاحب نے فرمایا کہ اب تم بصرہ جاؤ گے تو ایسے لوگوں سے واسطہ ہو گا جو تم سے پہلے مسند علم و فضل پر متمکن ہو چکے ہوں گے لہٰذا تم مسند درست سنبھالنے کی جلدی نہ کرنا کہ بیٹھ کر کہنے لگو۔ ابو حنیفہ نے ایسا کہا اور یہ کہا۔ اگر ایسا کرو گے تو تم وہاں جم نہ سکو گے بلکہ نکال دیئے جاؤ گے۔ یوسف گئے اور چونکہ علم وافر لے کر پہنچے تھے صبر نہ ہو سکا' مسند سنبھال کر لگے کہنے کہ امام ابو حنیفہ نے یہ کہا اور وہ کہا۔ عثمان بستی بصرہ کے امام اور مشہور فقیہ و محدث تھے۔ یوسف نے ان کے اصحاب و تلامذہ سے مسائل میں بحثیں کیں اور امام صاحب کے دلائل سے مغلوب کرنا چاہا جس پر وہ لوگ خلاف و عناد پر اتر آئے ان کو برداشت نہ کر سکے حتیٰ کہ ان کو مسجد سے اٹھا دیا۔ یہ خاموش ہو گئے اور پھر امام زفر تک کسی اور کو بھی جرات نہ ہوئی کہ امام صاحب کا ذکر وہاں کر سکتا۔

جب امام زفر وہاں پہنچے تو وہ چونکہ سیاسی دماغ رکھتے تھے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ وہاں کے شیوخ کی مجلس میں جاتے تھے۔ ان کے مسائل سنتے اور ان کی اصل کے خلاف کچھ فرعی مسائل نکال کر سوال کرتے کہ آپ نے ان مسائل میں اپنی اصل کو کیوں چھوڑ دیا۔ عثمان بستی اور ان کے اصحاب و تلامذہ جواب سے عاجز ہوتے تو کہتے کہ اس باب میں دوسری اصل اس اصل سے بہتر ہے اور دلائل سے اس کی برتری و جامعیت وغیرہ ان ہی سے منوا لیتے۔ جب وہ پوری طرح تسلیم کر لیتے تو کہتے کہ یہ اصل امام ابو حنیفہ کی قائم کی ہوئی ہے۔

کبھی ایسا کرتے کہ ان ہی مشائخ بصرہ کے اقوال کے اثبات میں ایسے دلائل پیش کرتے جو ان کے دلائل سے زیادہ قوی ہوتے وہ بہت خوش ہوتے پھر کہتے کہ یہاں ایک دوسرا قول بھی ہے جو تمہارے اقوال کے علاوہ ہے اور اس کو بیان کر کے اس کے لیے اور بھی اعلیٰ و قوی دلائل دیتے جب وہ تسلیم کر لیتے تو بتلاتے کہ یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے۔ وہ کہتے کہ یہ قول واقعی بہت ہی اچھا ہے خواہ وہ کسی کا بھی ہو۔ اسی طرح امام زفر کرتے رہے اور امام صاحب کے اقوال اسے مانوس بناتے رہے کچھ ہی روز میں شیخ عثمان بستی جیسے شیخ وقت تک کے اصحاب بھی ان کو چھوڑ کر امام زفر کے

حلقہ درس میں آشامل ہوئے اور شیخ عثمان تنہا رہ گئے۔

معلوم ہوا کہ عالم کی سوء سیاست و بے تدبیری سے اس کے علوم کی نشرو اشاعت پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ اگر یوسف امام صاحب کی نصیحت پر عمل کرتے تو وہ بھی ضرور کامیاب ہوتے بہت بڑے جلیل القدر عالم تھے۔ امام شافعی کے شیوخ میں ہیں۔ ابن ماجہ میں ان سے احادیث مروی ہیں اور تاریخ اصبہان لابی نعیم میں بھی ان سے بکثرت احادیث روایت کی گئی ہیں کوئی عیب ان میں نہیں تھا۔ مگر لوگوں نے تنافس و تحاسد کی وجہ سے ان کو بری طرح مطعون کیا طرح طرح کے الزامات لگائے یہاں تک کہ ان کے متعلق مشہور کیا کہ وہ قیامت و میزان کے منکر ہیں وغیرہ[83]

پہلے امام زفر کی توثیق اور وسعت علم حدیث و فقہ کے بارے میں علماء کے اقوال نقل ہو چکے ہیں لیکن کوئی کوئی قول ان کے خلاف بھی نقل ہوا ہے اگرچہ اس کی تاویل ہو سکی ہے مثلاً" ابن سعد کا قول کہ امام زفر حدیث میں کچھ نہیں تھے" اول تو بقول علامہ زماں مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کے یہ ریمارکس فقط ابن سعد کے علم کے اعتبار سے ہے ورنہ ان کو بڑے بڑے علماء نے مجتہد اور حافظ حدیث تسلیم کیا ہے اور ابن حبان وغیرہ نے اتقان کی بھی شہادت دی ہے۔[84]

دوسرے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابن سعد نے بطور مبالغہ فرمایا ہو کہ جیسے بڑے امام و مجتہد و فقیہ تھے اس کی نسبت سے حدیث میں بہت کم تھے اور یہ کوئی تنقیص نہیں ہے کیونکہ بڑے بڑے مجتہدین ائمہ متبوعین سب ہی استنباط و تخریج مسائل وغیرہ میں زیادہ مشغول رہے اور روایت حدیث کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اور چونکہ روایت حدیث کرنے والوں کی بڑی کثرت تھی اس لیے بھی اس کی ضرورت نہ سمجھی ہو گی۔ فقہ کی کمی تھی اس لئے پوری توجہ ادھر ہی صرف کی۔ واللہ اعلم

یہ پہلے لکھا گیا کہ امام زفر نے قضا قبول نہیں کی اور بصرہ میں ان کا قیام بہ سلسلہ درس و افادہ تھا کیونکہ بصرہ والوں نے ان کو اصرار کر کے روک لیا تھا۔ علامہ ابن عبدالبر نے انتقاء میں جو لکھا ہے کہ بصرہ کے قاضی بھی رہے یہ ان کو مغالطہ ہوا ہے وہ مغرب میں تھے اور مشرق کے بعض حالات بیان کرنے میں ان سے تسامحات ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اس طرح لکھا ہے۔

امام زفر امام ابو حنیفہ کے کبار اصحاب و فقہاء میں سے تھے۔ علامہ کوثری نے لمحات النظرفی سیرۃ الامام زفر میں یہ بھی ثابت کیا ہے کہ امام زفر مجتہد مطلق کے درجہ میں تھے۔ اگرچہ اپنا انتساب انہوں نے امام اعظم کی طرف برابر قائم

رکھا ہے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کی کسی مسئلہ میں مخالفت نہیں کی جس میں ان کا کوئی نہ کوئی قول اس کے موافق موجود نہ ہو۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے یہ جرات نہیں کہ کہ امام صاحب کی مخالفت کسی مسئلہ میں ان کی وفات کے بعد بھی کروں۔ کیونکہ میں اگر ان کی زندگی میں مخالفت کرتا اور دلیل اس پر قائم کرتا تو وہ مجھے اسی وقت حق بات کی طرف دلائل کی قوت سے مجبور کر کے لوٹا دیتے لہٰذا بعد وفات بھی مخالفت میرے لیے موزوں نہیں ہوئی یہ بات امام زفر کے کمال ادب کی تھی ورنہ کچھ اصول و فروع میں جزوی خلاف بھی ضرور ملتا ہے جس سے ان کا مجتہد مطلق ہونا ثابت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے سب سے اچھے قیاس کرنے والے تھے۔ بصرہ کے قاضی ہو کر جب امام صاحب سے رخصت ہو کر جانے لگے تو امام صاحب نے ان سے فرمایا کہ "تم جانتے ہو جو کچھ ہمارے متعلق اہل بصرہ کے دلوں میں جذبات عداوت' حسد و منافست ہیں مجھے امید نہیں کہ تم بھی ان سے بچ جاؤ گے" بصرہ پہنچے تو اہل علم ان کے پاس جمع ہوئے مناظرے کئے وغیرہ تفصیل اوپر گزر چکی۔

امام زفر کا زہد و ورع:۔ ابراہیم بن سلیمان کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب امام زفر کی مجلس میں ہوتے تھے تو ہم میں سے کوئی بھی ان کے سامنے دنیا کی باتیں نہ کر سکتا تھا اور اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو وہ مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے تھے اور ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ ان کی موت اسی لیے جلدی ہوئی کہ خدا کا خوف ان پر سخت غالب تھا۔ بصرہ ہی میں آپ کی وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ

۞ ۞ ۞

(4) امام مالک بن مغول البجلی الحنفی (م 159ھ)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ حنفی میں سے اور ان حضرات اکابر میں سے تھے جن کو امام صاحب نے خطاب فرما کر ارشاد کیا تھا کہ "تم لوگ میرے قلب کا سرور اور میرے غم کو مٹانے والے ہو"۔ محدث ابو اسحاق سبیعی، امام اعظم، معن بن ابی جحیفہ، سماک ابن حرب اور نافع مولی ابن عمرو وغیرہ کے اساتذہ و شیوخ میں ہیں۔ حافظ نے تہذیب میں امام صاحب کے تعلق و تلمذ وغیرہ کا ذکر خیر حذف کر دیا۔ امام حدیث و حجت تھے۔ حضرت شعبہ، ابو نعیم قبیصہ، امام محمد، حضرت ابن مبارک، مسعر، ثوری، زائدۃ، ابن عیینہ، اسماعیل بن زکریا، یحیی بن سعید القطان، وکیع، عبدالرحمن بن مہدی اور یحیی بن آدم وغیرہ ان کے شاگردوں میں ہیں۔ بخاری و مسلم اور اصحاب سنن کے شیخ ہیں اور سب نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔[85]

امام احمد نے ان کو ثقہ، ثبت فی الحدیث کہا، امام یحیی بن معین، ابو حاتم اور نسائی نے ثقہ کہا۔ ابو نعیم نے کہا کہ ہم سے مالک بن مغول نے حدیث بیان کی اور وہ ثقہ تھے۔ عجلی نے رجل صالح، علم و فضل میں نمایاں مقام و مرتبہ رکھنے والا بتلایا، طبرانی نے خیار مسلمین سے کہا۔ ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے مالک بن مغول سے کہا کہ خدا سے ڈر تو مالک نے فوراً" اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا۔ ابن سعد نے کہا کہ مالک ثقہ، مامون، کثیر الحدیث، صاحب خیر و فضل تھے۔ امام بخاری نے فرمایا کہ عبداللہ بن سعید نے کہا کہ میں نے ابن مہدی سے سنا فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ ایسے کوئی کا ذکر کرتا ہے جس کو مالک بن مغول بھلائی سے یاد کرتے ہوں تو تم ضرور اس کا اطمینان کر لو۔ ابن حبان نے "ثقات" میں لکھا کہ مالک اہل کوفہ کے بڑے عبادت گزاروں اور نقل میں متثبت اور متیقن تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[86]

(5) امام داؤد طائی حنفی (م160ھ)

امام ربانی امام حدیث ابو سلیمان داؤد بن نصیر الطائی الکوفی' محدث ثقہ' زاہد' اعلم' افضل و اورع زمانہ تھے۔ ضروری علوم حاصل کرنے کے بعد امام اعمش اور ابن ابی لیلیٰ سے حدیث پڑھی پھر امام اعظم کی خدمت میں باریاب ہوئے بیس برس تک ان سے استفادہ کرتے رہے اور ان کے کبار اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے ایک یہ بھی ہیں۔

بعض اوقات صاحبین کے اختلاف کو اپنی رائے صائب سے فیصلہ کر کے ختم کر دیتے تھے۔ امام ابو یوسف سے بوجہ قبول قضا اپنی غایت زہد و استغناء کے باعث کچھ منقبض سے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے استاذ امام اعظم نے تازیانے کھا کھا کر اپنے آپ کو ہلاک کرا لیا مگر قضا کو قبول نہ کیا اس لیے ہمیں بھی ان کا اتباع کرنا چاہیے۔ حضرت سفیان بن عیینہ اور ابن علیہ وغیرہ آپ کے حدیث میں شاگرد ہیں۔ امام یحییٰ بن معین وغیرہ نے آپ کی توثیق کی اور نسائی میں آپ سے روایت کی گئی ہے۔

محدث محارب بن دثار فرماتے تھے کہ اگر داؤد طائی پہلی امتوں میں ہوتے تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فرماتے۔ محدث ابن حبان نے لکھا کہ داؤد فقہا میں سے تھے اور امام ابو حنیفہ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ پھر رات دن عبادت میں صرف کرنے لگے تھے۔ آپ کو ورثہ میں بیس اشرفیاں ملی تھیں جن سے بیس سال گزر کی اور وفات پائی۔ کبھی کسی بھائی' دوست یا بادشاہ کا عطیہ قبول نہیں کیا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ بس دنیا سے اتنا ہی سروکار رکھنا چاہیے جتنا داؤد طائی نے رکھا۔ روٹی کو پانی میں بھگو دیتے تھے جب وہ گھل جاتی تو اس کو شربت کی طرح پی لیتے اور فرماتے کہ جب تک میں روٹی کو ایک ایک لقمہ کر کے کھاؤں اتنے عرصہ میں پچاس آیات قرآن مجید کی پڑھ سکتا ہوں لہذا روٹی کھانے میں عمر کو کیوں ضائع کروں؟

نقل ہے کہ ایک روز قبرستان سے گزرے تو ایک عورت رو رو کر ایک صاحب قبر کو یہ شعر پڑھ کر خطاب کر رہی تھی کہ اے بیٹے! کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تیرے دونوں گلگوں رخساروں میں پہلے کون سا رخسار بوسیدہ ہوا اور کون سی آنکھ پہلے مٹی کی نذر ہوئی؟ ------- اس کو سن کر دنیا کی بے ثباتی کا نقش ان کے دل پر ایسا گہرا ہوا کہ بے قرار ہو کر امام اعظم کی خدمت میں دوڑے ہوئے پہنچے امام صاحب نے وجہ پوچھی آپ نے سب حال بتلایا۔

امام صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگوں سے منہ پھیرلیں چنانچہ آپ دنیا سے الگ ایک گوشہ میں جا بیٹھے۔ کچھ مدت کے بعد امام صاحب ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا "یہ کام کی بات نہیں ہے جو آپ نے کی ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ آپ ائمہ کے درمیان بیٹھیں اور ان کی گفتگو سنیں اور منہ سے کچھ نہ کہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے استاذ اعظم کے ارشاد پر ایک برس تک عمل کیا اور فرمایا کہ اس ایک سال کے صبر نے تیس برس کا کام کیا ہے۔

امام محمد کا بیان ہے کہ میں ان کی خدمت میں ان کے گھر حاضر ہو کر کسی مسئلہ میں رجوع کرتا تھا تو اگر ان کے دل میں انشراح ہوا کہ اس مسئلہ کی مجھے اپنے دین کی اصلاح کے لئے ضرورت ہے تو جواب دیتے تھے ورنہ تبسم فرما کر مجھے ٹال دیتے کہ ہمیں کام ہے ہمیں کام ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کما یحب ربنا و یرضی۔[87]

(6) امام مندل بن علی عنزی کوفی حنفی

(ولادت 102ھ وفات 128ہجری)

محدث، صدوق، فقیہ فاضل طبقہ کبار تبع تابعین میں سے ہیں۔ امام اعظم کے اصحاب و شرکاء و تدوین فقہ میں سے ایک ہیں۔ محدث معاذ ابن معاذ عنبری کا قول ہے کہ میں کوفہ میں پہنچا تو کسی کو آپ سے زیادہ اورع نہیں پایا۔ محدث عثمان دارمی نے امام یحیی بن معین سے ان کے بارے میں لاباس بہ نقل کیا۔ لاباس بہ لفظ ثقہ کے قائم مقام ہے۔ امام اعمش، ہشام بن عروہ، لیث، عاصم احول اور ابن ابی لیلی وغیرہ آپ کے اساتذہ میں ہیں اور آپ سے یحیی بن آدم، ابوالولید الطیالسی، فضل بن دکین، یحیی الحمانی اور ابوداؤد و ابن ماجہ نے حدیث روایت کی۔ سمعانی نے ذکر کیا کہ مندل اور ان کے بھائی حبان دونوں سب لوگوں سے زیادہ امام اعظم کی مجلس میں حاضر رہا کرتے تھے[88] اور علامہ کردری نے ہی یہ بھی نقل کیا کہ مندل نے امام اعظم کی خدمت میں رہ کر فقہ کی تکمیل کی اور امام صاحب دونوں کے ساتھ نہایت تلطف اور محبت و تقرب کا معاملہ فرماتے۔ علامہ صیمری نے بھی دونوں بھائیوں کو امام صاحب کے تلامذہ و اصحاب میں لکھا ہے۔

مسند خوارزمی میں ہے کہ امام وکیع سے کسی نے کہا امام صاحب نے فلاں مسئلہ میں خطا کی ہے۔ فرمایا امام ابوحنیفہ کیسے خطا کر سکتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس قیاس و اجتہاد میں امام ابویوسف، امام محمد اور امام زفر جیسے معرفت و

حفظ حدیث میں یحییٰ بن زکریا، حفص بن غیاث، حبان و مندل جیسے لغت و عربیت میں قاسم بن معن جیسے اور زہد و ورع میں داؤد طائی و فضیل جیسے تھے جس کے اصحاب و شاگرد اس قسم کے ہوں وہ ہرگز خطا نہیں کر سکتا۔ جو شخص امام صاحب کے بارے میں ایسی بات کہتا ہے وہ چوپایہ بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور جو یہ گمان کرے کہ حق بات امام صاحب کی مخالفت میں ہے اس نے تنہا ایک مذہب اور نکالا اور میں اس کے حق میں وہ شعر کہتا ہوں جو فرزدق نے جریر سے کہا تھا۔

اولیک ابای فجئنی بمثلہم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

جامع المسانید میں امام اعظم سے ان کی روایات موجود ہیں[89] لیکن حافظ[90] نے حسب عادت تہذیب میں امام صاحب سے تلمذ وغیرہ کا ذکر حذف کر دیا۔ رحمۃ اللہ علیہ

(7) امام نصر بن عبدالکریم
(وفات 169ھ)

محدث، فقیہ تھے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے فقہ پڑھی اور ان کی مجلس تدوین فقہ کے شریک تھے امام صاحب سے احادیث و احکام بکثرت روایت کئے۔ امام صاحب کے بعد ابویوسف کی خدمت میں رہے اور ان ہی کے پاس وفات ہوئی۔ ان سے سفیان ثوری اور موسیٰ بن عبید وغیرہ نے روایت کی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ [91]

(8) امام عمرو بن میمون بلخی حنفی (م 171ھ)

محدث، فقیہ، صاحب علم و فہم و ورع تھے۔ بغداد آکر امام اعظم کی خدمت میں رہے۔ فقہ و حدیث ان سے حاصل کی۔ امام یحییٰ بن معین نے توثیق کی بیس سال تک بلخ کے قاضی رہے۔ آپ سے آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرو قاضی نیشاپور نے روایت حدیث کی۔ امام ترمذی کے شیوخ میں ہیں۔ جامع ترمذی میں روایت موجود ہے۔ علامہ مزی نے تہذیب الکمال میں آپ کا ذکر کیا۔ شریک مجلس تدوین تھے۔[92]

(9) امام حبان بن علی (م172ھ)

اپنے بڑے بھائی مندل کی طرح محدث' فقیہ فاضل تھے۔ امام اعظم سے فقہ و حدیث میں تلمذ کیا اور تدوین فقہ کے شرکاء مجتہدین میں سے ہیں۔ امام اعمش سے بھی روایت حدیث کی' حجر بن عبدالجبار کا قول ہے کہ میں نے کوفہ میں حبان سے بہتر فقیہ نہیں دیکھا۔ ابن معین نے فرمایا کہ حدیث میں مندل سے زیادہ قوی ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ دونوں بھائیوں کی روایت حدیث میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حبان کا قول ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی دین یا دنیا کے معاملہ میں امام ابوحنیفہ کی طرف رجوع کیا گیا ہو اور ان سے بہتری کی بات نہ ملی ہو۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں حبان کا ذکر کیا اور مدح و تضعیف کے اقوال نقل کرنے کے بعد آخر میں فیصلہ کیا کہ وہ متروک الحدیث نہیں تھے۔ ابن ماجہ میں ان سے روایت کی گئی۔ خطیب نے صالح متدین کہا۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں امام صاحب کے تلامذہ میں ذکر کیا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔[93]

(10) امام ابو عصمہ نوح بن ابی مریم "جامع" حنفی (متوفی 173ھ)

مشہور محدث و فقیہ تھے امام اعظم' ابن ابی لیلیٰ' حجاج بن ارطاۃ' زہری' محمد بن اسحاق وغیرہ کے شاگرد تھے۔ جامع علوم تھے اسی لئے جامع کے لقب سے مشہور ہوئے۔ امام اعظم کی مجلس تدوین فقہ کے خاص رکن تھے اور بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے آپ نے امام صاحب کی فقہ کو جمع کرنا شروع کیا تھا اس لیے جامع کہلائے۔ درس کے زمانہ میں چار مجلس منعقد کرتے تھے ایک میں احادیث و آثار بیان کرتے۔ دوسری میں امام اعظم کے اقوال نقل کرتے تیسری میں نحو کے اہم مسائل اور چوتھی میں شعر و ادب کے متعلق بیان کرتے تھے۔ جب مرو کے قاضی ہوئے تو امام صاحب نے ان کو نصائح اور شروط قضا لکھیں۔ پھر مدت تک خراسان کے قاضی القضاۃ رہے۔ اہل مرو اور عراقیوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ ابن ماجہ نے باب تفسیر میں آپ سے تخریج کی ہے اور نعیم بن حماد (شیخ امام بخاری) نے بھی آپ سے

روایت کی ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ فرقہ جہمیہ کے سخت مخالف تھے۔

نوح فرماتے ہیں کہ ایک دن میں امام صاحب کی مجلس میں تھا کسی نے آ کر سوال کیا کہ اے ابوحنیفہ! آپ کیا فرماتے ہیں ایک شخص نے صاف ستھرے نظیف پانی سے وضو کیا۔ کیا دوسرا بھی اس پانی سے وضو کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں! میں نے عرض کیا کیوں جائز نہیں؟ فرمایا اس لیے کہ مستعمل پانی ہے۔ کہتے ہیں پھر میں امام سفیان ثوری کے پاس گیا اور ان سے یہی مسئلہ پوچھا انہوں نے فرمایا کہ اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ میں نے کہا کہ امام صاحب نے تو ناجائز بتلایا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں بتلایا۔ میں نے کہا کہ ماء مستعمل کی وجہ سے نوح کا بیان ہے کہ ایک جمعہ نہ گزرا تھا کہ میں پھر امام سفیان کی خدمت میں حاضر تھا اور ایک شخص نے یہی مسئلہ ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ ماء مستعمل ہے[114]

(11) امام زہیر بن معاویہ

(ولادت 100ھ م 173)

امام اعظم کے اصحاب میں سے مشہور محدث، ثقہ، فقیہ فاضل اور تدوین فقہ کے شریک ہیں۔ امام اعمش وغیرہ سے حدیث حاصل کی اور یحیٰی القطان وغیرہ کے شیخ ہیں۔ حضرت سفیان ثوری کا قول ہے کہ آپ کے زمانہ میں آپ جیسا کوئی اور کوفہ میں نہیں تھا۔ امام یحیٰی بن معین وغیرہ محدثین نے آپ کی توثیق کی۔ اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں اور سب نے آپ سے تخریج کی۔ محدث علی بن الجعد کا بیان ہے کہ ایک شخص زہیر کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے آتا جاتا تھا۔ چند روز نہ آیا تو انہوں نے پوچھا کہاں رہے؟ کہا امام ابو حنیفہ کی خدمت میں چلا گیا تھا، فرمایا کہ تم نے اچھا کیا میرے پاس ایک ماہ رہ کر جو تم حاصل کرتے اس سے یہ بہتر ہے کہ امام صاحب کی صرف ایک مجلس کی شرکت ہی تم کر لو۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[9]

(12) امام قاسم بن معن
(متوفی 175 ہجری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔ محدث ثقہ' فقیہ فاضل' عربیت و لغت کے امام' سخاء و مروت اور زہد و ورع میں بے نظیر تھے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ان اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے ہیں جن کے بارے میں امام صاحب مسار قلب و جلاء حزن فرمایا کرتے تھے۔ ابوحاتم نے ثقہ صدوق اور کثیر الروایت کہا۔ حدیث و فقہ میں امام اعظم' اعمش' عاصم بن احول' ہشام بن عروہ اور یحییٰ بن سعید وغیرہ کے شاگرد اور ابن مہدی' علی بن نصر ابونعیم بن دکین اور اصحاب سنن وغیرہ کے استاذ ہیں۔ شریک کے بعد آپ کوفہ کے قاضی ہوئے لیکن غایت تورع و تقوی کے باعث بغیر تنخواہ کے قضاء کا کام انجام دیا۔ لغت میں کتاب النوادر اور غریب المصنف لکھیں۔ حافظ ذہبی نے حفاظ حدیث کے طبقات میں شمار کیا ہے۔ ط96

(13) امام حماد بن الامام الاعظم
(متوفی 172ھ)

محدث' فقیہ اور بڑے زاہد و عابد تھے۔ حدیث و فقہ میں آپ کے بڑے استاذ خود امام ہیں اور امام صاحب کی زندگی ہی میں بوجہ کمال مہارت فتوی دینا شروع کر دیا تھا۔ امام ابویوسف' امام محمد' امام زفر اور امام حسن بن زیادہ وغیرہ کے طبقہ میں تھے اور تدوین فقہ میں شریک رہے۔ امام صاحب کی وفات پر ان کی ساری امانتیں (جن میں ان لوگوں کی بھی تھیں جو مفقود تھے) قاضی شہر کو سپرد کر دیں۔ قاضی صاحب نے بہت اصرار کیا کہ آپ بڑے امین ہیں خود اپنے پاس رہنے دیں۔ مگر آپ نے اس بار کو پسند نہ کیا۔ آپ سے آپ کے بیٹے اسمٰعیل نے بھی حدیث ذقہ حاصل کی اور وہ بھی بڑے عالم ہوئے۔ حضرت قاسم بن معن کے بعد آپ کوفہ کے قاضی ہوئے۔ پھر سارے بغداد کے پھر بصرہ کے قاضی ہوئے۔ مرض فالج سے معذور ہو کر استعفیٰ دے دیا تھا۔ علامہ صیمری نے ذکر کیا کہ امام حماد پر دین' فقہ اور ورع

غالب تھا اور اکثری مشغلہ کتابت حدیث تھا۔ حسن بن قحطبہ نے امام اعظم کے پاس ایک ہزار روپے امانت رکھے کسی نے امام صاحب سے کہا کہ آپ امانتیں کیوں رکھتے ہیں ان کو رکھنا خطرہ سے خالی نہیں۔ فرمایا جس کا بیٹا حماد جیسا ہو اس کو امانت رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام صاحب کی وفات کے بعد حسن آئے اور امانت طلب کی۔ حماد نے خزانہ کی کوٹھری کھول کر علامات سے متعین کر کے کہا کہ اپنی امانت اٹھالو۔ حسن نے کہا کہ آپ اب اپنے پاس رہنے دیں۔ حماد نے انکار کیا۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کے والد تو امانتیں قبول کر لیتے تھے آپ کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا ابا جان کو اپنے بیٹے پر اعتماد تھا مجھے اپنے بیٹے پر نہیں ہے۔

شریک بن الولید کا بیان ہے کہ حماد اہل ہوا و بدعت کے مقابلہ میں بہت متشدد تھے' ان کے دلائل توڑتے اور حق کی حمایت میں ایسے پختہ دلائل قائم کرتے تھے جو بڑے بڑے حاذق اہل کلام کو بھی نہ سوجھتے تھے۔[97]

(14) امام ہیاج بن بسطام
(متوفی 177ھ)

محدث' فقیہ امام اعظم کے اصحاب و تلامذہ میں سے ہیں۔ امام صاحب سے مسانید میں روایت حدیث کرتے ہیں۔ (جامع المسانید ص 569) ابو حاتم نے کہا کہ ان کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ سعید بن ہناد کا قول ہے کہ میں نے ہیاج سے زیادہ افصح نہیں دیکھا۔ بغداد میں آئے حدیث کا درس شروع کیا تو ایک لاکھ آدمی جمع ہو گئے جو آپ سے حدیث لکھتے اور آپ کی فصاحت سے متعجب ہوتے تھے۔ مالک بن سلیمان سے مروی ہے کہ ہیاج بن بسطام اعلم الناس' افقہ الناس' اسخی الناس اور ارحم الناس تھے۔ (میزان الاعتدال) مکی بن ابراہیم کا قول ہے کہ ہمارے علم میں ہیاج ثقہ' صادق و عالم ہیں۔ حاکم نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ ابو حامد محمد بن سعید بن ہلال نے کہا کہ میں نے محمد بن یحییٰ ذہلی سے ان کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ ہیاج ہمارے نزدیک ثقہ ہیں اور یحییٰ بن احمد بن زیاد ہروی نے کہا کہ جس نے بھی ہیاج پر کچھ نکیر کی ہے وہ بوجہ ان کے صاحبزادے خالد کے کی ہے ورنہ ہیاج فی ذاتہ ثقہ ہیں۔ خالد سے روایت میں بے احتیاطی ہوئی ہے۔[98]

(15) امام شریک بن عبداللہ الکوفی (م 178ھ)

محدث، فقیہ، امام اعظم کی خدمت میں بہت رہے ان سے روایت حدیث بھی کی، آپ کے مخصوص اصحاب اور شرکاء تدوین فقہ میں تھے۔ امام صاحب آپ کو کثیرالفضل فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے اعمش اور ابن شبرمہ سے بھی حدیث پڑھی ہے اور آپ سے عبداللہ بن مبارک اور یحییٰ بن سعید نے روایت کی امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی و ابن ماجہ نے بھی آپ سے تخریج کی پہلے شہر واسط کے پھر کوفہ کے قاضی ہوئے۔ بڑے عابد، عادل، صدوق اور اہل بدعت و ہواء پر سخت گیر تھے۔ باوجودیکہ امام بخاری و مسلم کے شیوخ کی ایک جماعت کے فن حدیث میں شیخ ہیں، امام اعظم سے مسانید میں روایت کرتے ہیں۔[99]

(16) امام عافیۃ بن یزید القاضی
(متوفی 180ھ)

بڑے پایہ کے محدث صدوق اور فقیہ فاضل تھے۔ امام اعظم کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے خاص امتیازی مقام پر فائز ہوئے۔ امام صاحب ان کے علم و فضل پر بڑا اعتماد کرتے اور فرماتے تھے کہ جب تک عافیہ کسی مسئلہ پر اپنی رائے ظاہر نہ کر دیں اس وقت تک فیصلہ شدہ سمجھ کر قلمبند کرنے میں جلدی مت کیا کرو آپ نے امام اعمش اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے بھی حدیث حاصل کی۔ نسائی نے آپ سے روایت کی تخریج کی ہے۔ مدت تک کوفہ میں قاضی رہے۔ حافظ ذہبی نے ان کو بہترین کردار کے قضاۃ میں شمار کیا ہے۔[100]

(17) امیرالمومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک (م 181ھ)

صحاح ستہ کے ائمہ رواۃ واجلہ شیوخ میں جلیل القدر امام حدیث ہیں۔ ابن مہدی (شیخ امام بخاری) نے چار کبار ائمہ حدیث میں سے ایک ان کو قرار دیا ایک دفعہ ان سے ابن مبارک اور سفیان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو کہا کہ اگر سفیان پوری کوشش کر لیں کہ ان کا ایک دن ابن مبارک جیسا ہو جائے تو یہ بھی نہیں کر سکتے۔ یہ بھی فرمایا کہ

جس حدیث کو ابن مبارک نہ جانتے ہوں اس کو ہم بھی نہیں پہچانتے۔ امام احمد نے فرمایا کہ اپنے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کو جمع کرنے والا کوئی نہیں ہوا۔ بہت بڑا ذخیرہ علم کا جمع کیا' کوئی بات ان سے کم رہی ہو گی وہ صاحب حدیث حافظ تھے۔ ان کی کتابوں میں بیس ہزار احادیث موجود ہیں اور ابن مہدی ان کو امام ثوری پر ترجیح دیتے تھے۔ امام صاحب کے اخص اصحاب سے تھے۔ بعض رواۃ نے ان کی طرف امام صاحب کے بارے میں وہ اقوال منسوب کئے ہیں جو انہوں نے ہرگز نہیں کہے۔ جیسا کہ بہت سے دوسرے حضرات کی طرف بھی ایسی نسبتیں کی گئی ہیں۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ میں نے صحابہ کے حالات میں غور کیا اگر صحابہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ اور آپ کے ساتھ غزوات میں شرکت کی فضیلت حاصل نہ ہوتی تو ابن مبارک ان کے برابر ہی ہوتے۔ یہ بھی فرمایا کہ ابن مبارک فقیہ' عالم' عابد' زاہد شیخ' شجاع اور ادیب و شاعر تھے۔ فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ انہوں نے اپنا مثل نہیں چھوڑا۔ ابن معین نے فرمایا ابن مبارک بہت سمجھدار' پختہ کار' ثقہ' عالم' صحیح الحدیث تھے۔ چھوٹی بڑی سب کتابوں کی تعداد جو انہوں نے جمع کی تھیں بیس اکیس ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔ یحییٰ اندلسی کا بیان ہے کہ امام مالک کو ہم نے کسی کے لیے اپنی جگہ سے تعظیماً" اٹھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن ابن مبارک کے لیے انہوں نے ایسا ایسا کیا اور بالکل اپنے قریب ملا کر بٹھایا۔ قاری امام مالک کو پڑھ کر سناتا رہا۔ بعض جگہ امام مالک روک کر پوچھتے کیا تم لوگوں کے پاس بھی اس بارے میں کچھ ہے؟ تو ابن مبارک ہی جواب دیتے تھے اور بڑی ادب و آہستگی سے بولتے تھے۔ جب مجلس ختم ہوئی تو امام مالک ان کے حسن ادب سے بھی بہت متاثر تھے اور ہمیں فرمایا کہ "یہ ابن مبارک فقیہ خراسان ہیں" خلیلی کا قول ہے کہ ابن مبارک کی امامت پر سب کا اتفاق ہے اور ان کی کرامات شمار سے باہر ہیں۔ اسود بن سالم نے فرمایا کہ جو شخص ابن مبارک کو مطعون کرے اس کے اسلام میں شک ہے۔ امام نسائی کا قول ہے کہ ابن مبارک کے زمانہ میں ان سے زیادہ جلیل القدر' بلند مرتبہ اور تمام بہتر خصائل کا جامع ہمارے علم میں نہیں ہوا۔ حسن بن عیسیٰ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ اصحاب ابن مبارک نے جمع ہو کر ان کے فضائل شمار کئے تو سب نے طے کیا کہ ان میں حسب ذیل کمالات مجمع تھے۔ علم' فقہ' ادب' نحو' لغت' شعر' فصاحت' زہد و ورع' انصاف' قیام لیل' عبادت' حج' غزوہ' شہسواری' شجاعت' بدنی قوت' ترک لایعنی کی اختلاف اپنے اصحاب سے عباس نے یہ امور بھی اضافہ کئے۔ سخاوت' تجارت' محبت باوجود مفارقت۔ ان کے علاوہ بھی آپ کے مناقب و فضائل بہت زیادہ ہیں۔ ایک جہاد واپسی پر 181ھ میں 63 سال کی عمر میں وفات پائی اور باوجود ان مناقب جلیلہ کے وہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب و تلامذہ میں سے تھے اور حسب تصریح تاریخ

خطیب و بستان المحدثین وغیرہ امام صاحب کی وفات تک ان کی خدمت سے جدا نہ ہوئے۔ امام صاحب کے تلمذ پر فخر کرتے ان کی مدح فرماتے مخالفین کو امام صاحب کی طرف سے جواب دیتے تھے۔ وغیرذلک۔ ابن مبارک سے کہا گیا کہ آخر آپ کب تک حدیثیں لکھتے رہیں گے؟ فرمایا "جس کلمہ سے مجھے نفع پہنچے شاید وہ اب تک نہ لکھا ہو۔" اکثر اوقات اپنے گھر میں تنہا بیٹھے رہتے۔ کسی نے کہا آپ کو وحشت نہیں ہوتی؟ فرمایا وحشت کیسی؟ جب کہ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا ہوں۔ یعنی آپ کی حدیث سے مشغول ہوتا ہوں۔ علوم نبوت سے انتہائی شغف رکھتے تھے اور اشعار ذیل کا بہترین مصداق تھے۔

حدیث و حدیث یعجبنی

ہذا ازاغاب اوہذا اذا حضرا

کلا ہما حسن عندی اسرہ

لکن اجلا ہما ماوافق النظر

امام اعظم سے مسانید امام میں بہ کثرت روایات کی ہیں۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ[۱۰۱]

حافظ جمال الدین المزی نے تہذیب الکمال میں' حافظ ذہبی نے مناقب میں' حافظ جلال الدین السیوطی نے تبییض الصحیفہ میں اور امام بخاری نے تاریخ میں عبداللہ بن المبارک کو امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔

عبداللہ بن المبارک کی جلالت قدر کا انداز کرنا ہو تو امام الحسن بن عیسٰی کا یہ بیان پڑھیے وہ فرماتے ہیں کہ

"عبداللہ بن المبارک کے تلامذہ نے ایک میٹنگ اس ارادے سے منعقد کی کہ امام موصوف کی خوبیاں بیان کی جائیں۔ جن خوبیوں پر سب کا اتفاق ہوا یہ تھیں۔ فقہ' ادب' نحو' لغت' شجاعت' شعر' فصاحت' قیام لیل' حج' جہاد فی سبیل اللہ' گھوڑے کی سواری' ترک مالا یعنی' انصاف' رفقاء سے کم اختلاف' یہ سب خوبیاں آپ کی ذات گرامی میں جمع ہیں"۔[۱۰۲]

حافظ ذہبی نے بتایا ہے کہ امام بخاری نے بچپنے میں عبداللہ کی کتابوں کو ازبر کر لیا تھا۔ لیکن حافظ ابن حجر نے مقدمہ میں سولہ سال کی قید لگائی ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن المبارک کے سامنے ایک بار امام اعظم کا تذکرہ ہوا فرمایا اس شخص کے بارے میں کیا کہا جائے جس کے سامنے دنیا اور اس کا پورا سرمایہ آیا مگر اس نے لات مار دی۔ کوڑے کھائے تکلیفیں برداشت کیں مگر اس چیز کو ہرگز قبول نہیں کیا جس کے لیے اس وقت لوگ تمنائیں کر رہے تھے

اور درختوں کے لیے پھر رہے تھے۔[103]

امام بن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے زیادہ پارسا کوئی نہیں دیکھا ہے اور ایک نظم میں جو انہوں نے امام اعظم کی شان میں لکھی ہے امام اعظم کی محدثانہ شان کو سراہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابن المبارک کے قلب میں امام اعظم کا کیا مقام تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

روی آثاره فاجاب فیها　　کطیران الصقور من المنیفه

ترجمہ۔ انہوں نے آثار کو روایت کیا تو ایسی بلند پروازی دکھائی جیسے شکاری پرندے بلند مقام سے اڑ رہے ہوں۔

ولم یکن له بالعراق نظیر　　ولا بالمشرقین ولا بالکوفة[104]

نہ عراق میں ان کی کوئی مثال تھی۔

نہ مشرق و مغرب اور نہ کوفہ میں

امام اعظم کے فقہ کے بارے میں عبداللہ بن المبارک کا جو تاثر حافظ عبدالقادر نے سوید بن نصر کے حوالہ سے لکھا ہے اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو لوگوں کو فقہ ابی حنیفہ کے بارے میں عبداللہ کی طرف منسوب کر کے افسانے سناتے رہتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

لاتقولو لرأی ابی احنیفة الکن قولو انه تفسیر الحدیث

ترجمہ:۔ اے ابوحنیفہ کی رائے نہ کہو بلکہ یہ کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے۔[105]

اور یہ بھی عبداللہ بن المبارک ہی کا کہنا ہے کہ حدیث سے چمٹ جاؤ اور حدیث کی خاطر امام اعظم سے کیوں؟ اس کی وجہ بھی خود عبداللہ بن المبارک کی زبانی سیے۔

یعرف تاویل الحدیث و معناه

اور خود ابن المبارک کا اپنی ذاتی تربیت کے بارے میں امام اعظم کے متعلق تاثر یہ تھا کہ

لولا ان اللّٰہ اعاننی بابی حنیفة و سفیان کنت بدعیا

امام ابو حنیفہ کے علوم سے پورے طور پر سیراب ہونے کے بعد سفیان ثوری سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔ امام ذہبی نے بسند متصل نقل کیا ہے کہ

مالزمت سفیان حتی جعلت علم ابی حنیفة بکذا واشار بقض یده

"میں سفیان کے پاس اس وقت گیا جب میں نے ابو حنیفہ کے علم کو پورے طور پر سمیٹ لیا۔"[104]

ان کے زہد و تقوی اور پارسائی کا عالم یہ تھا کہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ

"میں نے صحابہ اور عبداللہ بن المبارک دونوں کے حالات کا مطالعہ کیا مجھے صحابہ میں عبداللہ سے زائد صرف دو چیزیں معلوم ہوئی ہیں ایک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف اور دوسرے غزوات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت۔"[105]

امام اعظم نے ان سے ان کی زاہدانہ زندگی کی تاریخ کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا کہ ایک روز میں اپنے بھائیوں کے ہمراہ ایک باغ میں تھا۔ رات تک سارا وقت کھانے پینے میں گزر گیا۔ میں اس زمانے میں گانے بجانے کا بہت دلدادہ تھا۔ سحری کے وقت میں سو رہا تھا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ درخت پر بیٹھا ہوا ایک پرندہ کہہ رہا ہے۔

الم یان الذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ و مانزل من الحق؟[106]

میں اس سوال پر ہاں کہہ کر جواب دیا۔ آنکھ کھل گئی باجے وغیرہ توڑ کر نذر آتش کر دیئے یہ میری زاہدانہ زندگی کا روز اول ہے۔[107]

ان علوم کا منبع تو آپ ان کی زبانی سن چکے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے علم کو پورے طور پر سمیٹ لیا تھا۔ آیئے اب ان کی اس علم پر مشتمل تصانیف کا حال بھی سن لیجئے۔ یہ آپ پہلے پڑھ سکے ہیں کہ امام بخاری نے سولہ سال کی عمر میں ان کی کتابوں کو زبانی یاد کیا تھا۔ علمی طور پر ان کتابوں کا کیا مقام تھا اور ان میں کس قسم کے مسائل تھے۔ مشہور محدث یحیی بن آدم سے خطیب بغدادی نے بسند متصل نقل کیا ہے کہ :

جب میں دقیق مسائل کی تلاش میں ہوتا اور مجھے عبداللہ بن المبارک کی کتابوں میں بھی نہ ملتے تو میں مایوس ہو جاتا۔

ان کی کتابوں میں حدیثوں کی تعداد کس قدر تھی؟ حافظ ذہبی نے یحیٰی بن معین کی ان کی کتابیں تقریباً" بیس ہزار حدیثوں پر مشتمل تھیں۔

بہرحال عبداللہ بن المبارک امام اعظم کے تلامذہ میں سے تھے بعد کے تمام محدثین ان سے صرف تلمذ رکھتے

ہیں۔ امام احمد کے خاص اساتذہ میں سے ہیں اور یہی وہ مثالی شخصیت ہے جو زہد و تقویٰ میں امام اعظم سے پوری پوری مشابہت رکھتی تھی۔ جود و زہد' تھوڑی پونجی پر گزر بسر کرنا' بادشاہوں اور ارباب اقتدار سے دور رہنا' دین کو اپنے رزق کے لیے راہ نہ بنانا' دین کے معاملات میں پستی کا اظہار نہ کرنا۔ یہ تمام باتیں عبداللہ بن المبارک کی ذات گرامی میں پائی جاتی تھیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(18) الحافظ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو صاحب ابی حنیفہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔ ابو سعید کنیت اور کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ الخطیب نے امام علی بن المدینی کے حوالہ سے ان کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے کہ

"حدیث میں روایت و اسناد کے سارے سلاسل کا محور صرف چھ بزرگ ہیں۔ ان کے نام بتایئے انکے بعد ان چھ بزرگوں کا علم ارباب تصانیف کے حصے میں آیا ہے۔ بعدازاں ان ارباب تصنیف کا سارا علم دو یحییٰ محمد شخصیتوں میں سمٹ کر آیا ہے۔ اول یحییٰ بن زکریا' دوم یحییٰ بن سعید"۔!!

اور یہ بھی امام علی بن المدینی کا تاثر ہے کہ:

"زمانہ ابن عباس میں علم ابن عباس پر زمانہ شعبی میں شعبی پر اور زمانہ ثوری میں ثوری پر اور زمانہ یحییٰ میں یحییٰ پر ختم ہے"۔!!!

صاحب تصانیف بزرگ ہیں۔ حافظ ذہبی نے تو صرف اس قدر بتایا ہے کہ کان اماما صاحب التصانیف لیکن ابن ابی حاتم کا کہنا ہے کہ کوفہ میں کتابوں کے سب سے پہلے مصنف یہی ہیں۔ خطیب بغدادی نے بھی یہی لکھا ہے کہ

انه اول من صنف الكتاب في الكوفة وكان يعد في فقها محدثي الكوفه

لیکن بات ابھی ناتمام اور ادھوری ہے۔ حافظ ابو جعفر طحاوی نے اس کی پوری وضاحت فرمائی ہے وہ بسند متصل اسد بن الفرات سے ناقل ہیں کہ

"امام اعظم ابو حنیفہ کے وہ تلامذہ جنہوں نے تدوین کتب کا کام کیا ہے ان کی تعداد چالیس ہے۔

ان دس حضرات میں جو ان تمام میں اولین صف کے سمجھے جاتے تھے۔ امام ابو یوسف، امام زفر، داؤد الطائی، اسد بن عمرو، یوسف بن خالد اور یحیٰی بن زکریا بن ابی زائدہ ہیں --- اور یحیٰی کے سپرد لکھنے کا کام تھا اور یحیٰی تیس سال تک اس مجلس میں لکھنے کا کام کرتے رہے"۔[۱۱۲]

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ یحیٰی بن زکریا نے تدوین کا یہ کام پورے تیس سال امام اعظم کی نگرانی میں کیا ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ یحیٰی کا تصنیفی کارنامہ ہے کیونکہ وہ کتابت کا کام کرتے تھے ورنہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ یحیٰی کا کارنامہ نہیں بلکہ امام اعظم کا تصنیفی کارنامہ ہے۔ یحیٰی تو صرف کتابت کا کام کرتے تھے۔ کتابت کی بنا پر بعد کو محدثین نے یحیٰی کی طرف منسوب کر دیا۔ امام اعظم کے یہاں تصنیف کا طرز یہی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو املا کرایا کرتے تھے اور تعلیم و تصنیف کا سارا کام زبانی تھا۔ چنانچہ حافظ قاسم بن قطلوبغا نے منیۃ الالمعی میں تصریح کی ہے:

ان المتقدمین من علمائنا کانوا یملّون المسائل الفقھیة و ادلتھا من الاحادیث النبویته باسانیدھم

ہمارے علماء متقدمین مسائل اور ان کے دلائل کا احادیث نبویہ سے اپنی اسانید کے ساتھ املا کراتے تھے۔[۱۱۳]

حال کے غیر مسلم محققین میں سے ڈاکٹر فلپ حتی نے بھی یہی انکشاف کیا ہے:

قدرھا ابو حنیفه فی الکوفة و بغداد و توفی 767ھ و کان قد احترف التجارة ثم مال عنھا الی الفقه فاصبح اعظم علمائه فی الاسلام و قد افضی بتعلیمه ، تلامذته نقلا مباشرة

ابو حنیفہ کوفہ اور بغداد میں پروان چڑھے۔ 767ھ میں وفات پائی پہلے کاروبار کرتے تھے پھر شرائع کی طرف متوجہ ہوئے اور اسلام کے علماء میں عظیم ترین شخصیت بن کر سامنے آئے۔ آپ نے اپنی تعلیمات کو اپنے تلامذہ تک زبانی پہنچایا ہے۔[۱۱۴]

اوروں کا پتہ نہیں مگر میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ اسی زمانے میں امام اعظم نے اختلاف الصحابہ، کتاب السیر، کتاب الاثار جیسی کتابیں اپنے شاگردوں کو املاء کرائی ہیں۔ ان کے اولین کاتب یحیٰی ہیں۔ بعد میں یہی کتابیں ان کے

شاگردوں سے موسوم ہو گئی ہیں مثلاً "کتاب السیر امام حسن بن زیادہ" کتاب السیر امام محمد وغیرہ وغیرہ۔ اوروں کا پتہ نہیں لیکن وکیع بن الجراح کا نام لے کر تو خطیب بغدادی نے علانیہ اور برملا لکھ دیا ہے کہ :

وکیع انما صنف کتبہ علی کتب یحیی بن ابی زائدہ کی "

یحیی بن زکریا کے سامنے جن ائمہ حدیث نے زانوئے ادب تہ کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے ان میں امام احمد' ابراہیم بن موسیٰ' ابوکریب اور زیادہ بن ایوب کا نام لیا ہے لیکن حافظ ابوبکر الخطیب نے یحیی بن آدم' قتیبہ بن سعید' ہناد بن السری' محمد بن عیسیٰ' یحیی بن معین' ابوبکر بن ابی شیبہ' عثمان بن ابی شیبہ اور سریج بن یونس کا بھی تذکرہ کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ :

کان علی قضاء المدائن و بعد من حفاظ الکوفیین للحدیث مفتیا مثبتا[6]

مدائن کے قاضی تھے اور ان کا شمار کوفہ کے حفاظ حدیث میں ہے۔[7]

ان کی جلالت علمی کا اندازہ کرنا ہو تو یحییٰ بن سعید القطان کا وہ بیان پڑھیے جو حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ :

"سارے کوفہ میں مجھے یحیی سے زیادہ اپنی مخالفت کا کسی سے اندیشہ نہ تھا"۔[7]

ارباب صحاح نے ان سے احادیث روایت کی ہیں اور بمقام مدائن ،عمر 63 سال وفات پائی ہے۔

(19) امام ابو محمد نوع دراج نخعی کوفی (م 182)ء

محدث فقیہ' امام اعظم' امام زفر' ابن شبرمہ' ابن ابی لیلیٰ' امام اعمش اور سعید بن منصور کے تلمیذ اور تدوین فقہ حنفی کے شریک کار تھے۔ امام ابن ماجہ نے باب التفسیر آپ سے تخریج کی۔ کوفہ اور بغداد کے قاضی رہے' فقہ میں امام صاحب سے مخصص ہوئے۔[8]

(20) امام ہشیم بن بشیر السلمی الواسطی (متوفی 183)

رجال صحاح ستہ میں سے محدث و فقیہ' نیز امام اعظم کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے تھے' امام مالک نے

فرمایا کہ اہل عراق میں سے ہشیم حدیث کے بہت اچھے جاننے والے ہیں۔ حماد بن زید نے فرمایا کہ محدثین میں ان سے اونچے مرتبہ کا میں نے نہیں دیکھا۔ عبدالرحمن بن مہدی کا قول ہے کہ ہشیم سفیان ثوری سے زیادہ حافظ حدیث ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ ہشیم کی نماز' صدق و امانت کا پوچھنا ہی کیا؟ امام احمد نے فرمایا کہ ہشیم کثیر التسبیح تھے۔ میں چار پانچ سال ان کی خدمت میں رہا۔ ان کے رعب و ہیبت کی وجہ سے صرف دو مرتبہ سوال کر سکا۔[119]

(21) امام ابو سعید یحیٰی بن زکریا بن ابی زائدہ ہمدانی کوفی (م 184)

حافظ حدیث' فقیہ' ثقہ متدین' متورع اور ان اکابر اہل علم و فضل سے تھے جنہوں نے فقہ و حدیث کو بہت نمایاں طور پر جمع کیا امام طحاوی نے فرمایا کہ وہ امام اعظم کے ان چالیس اصحاب میں سے تھے جو تدوین کتب فقہ میں مشغول تھے اور تیس سال تک مسلسل وہ ہی مسائل مدونہ کو لکھتے رہے۔ بلکہ ان میں سے بھی عشرہ متقدمین میں ان کا شمار کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں ابن مدینی کا قول نقل کیا ہے کہ امام سفیان ثوری (م 161) کے بعد کوفہ میں آپ سے زیادہ کوئی اثبت نہ تھا' نسائی نے بھی آپ کو ثقہ' حجت کہا ہے۔ خطیب نے کہا کہ آپ نے بیس سال تک روزانہ ایک قرآن مجید ختم کیا۔ بغداد میں رہ کر ایک مدت تک درس حدیث دیتے رہے۔ آپ کے تلامذہ حدیث میں امام احمد ابن معین' قتیبہ' حسن بن عرفہ اور ابوبکر بن ابی شیبہ' (صاحب مصنف) وغیرہ ہیں۔ خلیفہ ہارون رشید نے آپ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ علاوہ دوسری تصانیف کے ایک مسند بھی آپ نے جمع کی تھی۔ 93 سال کی عمر میں وفات پائی۔[120]

فقہ میں امام صاحب سے درجہ تخصص پایا' یحیٰی بن سعید کا قول ہے کہ کوفہ میں یحیٰی بن زکریا سے زیادہ کسی کی مخالفت مجھ پر بھاری نہیں ہے' بوجہ ان کے کمال فقہ اور علم حدیث کے امام وکیع نے اپنی کتابیں ان ہی کے طرز طریق پر لکھیں' صالح بن سہل کا قول ہے کہ یحیٰی بن زکریا اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث اور فقیہ تھے جن کو امام اعظم کی مجالس میں بہ کثرت حاضری کا شرف اور دین وورع کا امتیاز بھی حاصل تھا۔ امام اعظم کے پوتے اسماعیل نے فرمایا کہ یحیٰی بن زکریا حدیث میں ایسے تھے جیسے عطر میں بسی ہوئی دلہن۔ حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں ابن مبارک اور یحیٰی بن زکریا بہت بڑے مرتبہ کے تھے کوئی ان کے مشابہ نہیں ہوا حافظ ذہبی

نے ان کو الحافظ المتقن الفقیہ صاحب ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ لکھا۔[121]

(22) فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ (187ھ)

عالم ربانی، فقیہ و محدث، زاہد، عابد، صاحب کرامات باہرہ تھے۔ مدت تک کوفہ میں رہ کر امام اعظم سے فقہ و حدیث میں تلمذ کیا، آپ کے تلامذہ میں امام شافعی، یحییٰ القطان اور ابن مہدی وغیرہ ہیں۔ پہلے قطاع الطریق تھے پھر ہادی طریق و مقتدا بنے اور ایسے باخدا ہوئے کہ ابو علی رازی نے فرمایا کہ میں تیس سال آپ کی صحبت میں رہا مگر اس عرصہ میں کبھی ہنستے نہیں دیکھا، البتہ اس روز کہ آپ کے صاحبزادے علی فوت ہوئے میں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ خدا نے ایک بات پسند کی لہذا میں نے بھی اسی کو پسند کیا۔ اصحاب صحاح ستہ کے شیخ ہیں۔ سب نے آپ سے تخریج کی۔ ابن الجوزی نے مستقل کتاب آپ کے مناقب میں تصنیف کی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ[122]

(23) امام اسد بن عمرو بن عامر البجلی الکوفی (متوفی 199ھ)

مشہور محدث و فقیہ اور امام صاحب کے ان چالیس فقہاء و اصحاب میں سے تھے جو کتب و قواعد فقہ کی تدوین میں مشغول ہوئے بلکہ عشرہ متقدمین میں شمار کئے گئے۔ تیس سال تک انہوں نے بھی مسائل فقہ حنفی لکھے، امام صاحب کی خدمت میں طویل مدت رہے اور آپ سے حدیث و فقہ میں درجہ تخصص حاصل کیا۔ سب سے پہلے امام صاحب کی کتابوں کو لکھنے والے یہ ہی تھے۔ امام ابو یوسف کی وفات پر خلیفہ ہارون رشید نے آپ کو بغداد اور واسط کی قضا سپرد کی اور اپنی بیٹی سے آپ کا عقد کر دیا۔ ہارون رشید کے ساتھ حج کو گئے اور سواری میں ان کے برابر بیٹھتے تھے۔ امام طحاوی نے ہلال بن یحییٰ رازی سے نقل کیا کہ میں بھی بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا دیکھا کہ ہارون رشید بھی آ کر لوگوں کے ساتھ طواف کرنے لگا پھر کعبہ کے اندر داخل ہوا اور اس کے ساتھ خاندان شاہی کے اور افراد بھی اندر گئے میں نے ان سب کو دیکھا کہ کھڑے رہے صرف ہارون رشید بیٹھا اور ایک شیخ، اس کے ساتھ آگے بیٹھا رہا۔ میں نے معلوم کیا کہ یہ شیخ کون ہیں تو بتایا گیا کہ یہ اسد بن عمرو خلیفہ کے قاضی ہیں۔ اس سے میں سمجھا کہ خلافت کے بعد قضا سے بڑا کوئی

عمدہ نہیں ہے۔

آپ سے امام احمد محمد بن بکار اور احمد بن منیع وغیرہ نے حدیث روایت کی اور آپ کو صدوق بتلایا' ابن معین بھی توثیق کرتے تھے۔ (حدائق حنفیہ و جواہر منیہ) بعض لوگوں نے اسد بن عمرو کو ضعیف کہا ہے لیکن امام احمد کا ان سے روایت کرنا ان کی توثیق کے لئے کافی ہے کیونکہ علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں' علامہ سبکی نے شفاء الاسقام میں' حافظ سخاوی نے فتح المغیث میں صراحت کی ہے کہ امام احمد غیر ثقہ سے روایت نہیں کرتے۔ روایت ہے کہ اسد بن عمرو کے مرض وفات میں امام احمد صبح و شام عیادت کے لیے جاتے تھے۔

سنن ابن ماجہ میں ان سے روایت کی گئی ہے اور انہوں نے مسانید امام اعظم میں امام صاحب سے روایت کی ہے۔[123]

(24) امام علی بن مسہر قریشی کوفی رحمہ اللہ (م 189ھ)

مشہور صاحب درایت و روایت جلیل القدر محدث' و فقیہ اور امام صاحب کے ان اصحاب و تلامذہ میں سے تھے جو حدیث و فقہ کے جامع اور شریک تدوین فقہ تھے۔ حدیث میں امام اعمش اور ہشام بن عروہ وغیرہ کے بھی تلمیذ ہیں۔ آپ سے ہی سفیان ثوری نے امام ابو حنیفہ کا علم حاصل کیا اور ان کی کتابیں نقل کرائیں۔ مدت تک موصل کے قاضی رہے۔ اصحاب صحاح ستہ کے کبار شیوخ میں ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مسانید میں امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔[124]

(25) امام یوسف بن خالد سمتی رحمہ اللہ (189ھ)

امام اعظم کے تلامذہ و اصحاب میں مشہور عالم' فقیہ کامل و محدث ثقہ تھے۔ تدوین فقہ میں شریک رہے' پہلے بصرہ کے مشہور فقہا سے فقہ و حدیث حاصل کی' امام صاحب سے مسانید میں روایات کی ہیں۔ امام صاحب کی خدمت میں کوفہ حاضر ہوئے اور فقہ و حدیث کی تکمیل آپ سے کی' نقل ہے کہ امام صاحب سے چالیس ہزار مسائل مشکلہ حل

کئے' امام شافعی کے استاد ہیں۔ امام طحاوی نے لکھا کہ میں نے مزنی سے سنا انہوں نے امام شافعی سے نقل کیا کہ یوسف بن خالد خیارامت میں سے ہیں۔[125]

جب یہ امام صاحب کی خدمت سے رخصت ہو کر اپنے وطن بصرہ واپس ہوئے تو امام صاحب نے ان کو نصیحت کی تھی کہ بصرہ میں ہمارے حاسد و مخالف بھی ہیں تم ممتاز مسند درس پر بیٹھ کر یہ نہ کہنے لگنا کہ ابو حنیفہ نے یہ کہا اور وہ کہا اور نہ ورنہ وہ لوگ تمہیں ذلیل کر کے نکال دیں گے۔ لیکن اپنے کمال علم و فضل پر گھمنڈ کر کے انہوں نے امام صاحب کے فرمانے کا کچھ خیال نہ کیا۔ چنانچہ لوگوں نے مخالفت کی' الزامات لگائے' تہمتیں گھڑیں اور بدنام کر کے مسند درس سے ہٹا دیا۔ پھر ان ہی اتہامات کی بنا پر (اگرچہ وہ غلط تھے) بعض رجال والوں کو بھی آپ کے بارے میں کلام کرنے کا موقعہ ہاتھ آگیا اور کچھ لوگ کثرت سے برائیاں سن کر غلط فہمی میں بھی مبتلا ہوئے ہوں گے کیونکہ امام شافعی کا ان کو خیار میں سے قرار دینا اور مدح و توثیق کرنا دوسروں کے مقابلہ میں راجح ہے خصوصاً جب کہ یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں نے ان کے خلاف محض تعصب و عناد کی وجہ سے پروپیگنڈا کیا ہے۔

ان کے بعد جب امام زفر بصرہ گئے ہیں تو انہوں نے بڑی حسن تدبیر سے کام لیا اور امام صاحب کے علم و فضل و امامت کا سکہ ساکنین بصرہ کے قلوب پر بٹھا دیا۔ جس کی تفصیل امام زفر کے حالات میں لکھی گئی ہے۔[126]

(26) امام عبداللہ بن ادریس کوفی (ولادت 115ھ م 192ھ)

محدث' ثقہ' حجت' صاحب سنت و جماعت' کبیر الحدیث' اصحاب امام و شرکاء تدوین فقہ میں سے ہیں' امام اعظم' امام مالک' یحیی بن سعید انصار' اعمش ابن جریج' ثوری' شعبہ کے حدیث میں شاگرد ہیں۔ ابن مبارک اور امام احمد وغیرہ کے شاگرد ہیں۔ ابن معین نے فرمایا کہ عبداللہ ہر چیز میں ثقہ تھے' ابو حاتم نے کہا کہ حجت تھے۔ ان کی مرویہ احادیث سے استدلال صحیح ہے اور وہ امام تھے ائمہ مسلمین میں سے امام نسائی و عجلی نے ثقہ کہا۔ ابن سعد نے ثقہ مامون' کثیر الحدیث کہا' صحاح ستہ کے رواۃ میں ہیں' ان کی وفات کے وقت صاحبزادی رونے لگیں تو فرمایا مت روؤ میں نے اس گھر میں چار ہزار ختم قرآن مجید کئے ہیں۔

امام بخاری نے تاریخ میں ذکر کیا کہ امام مالک نے بھی ان عبداللہ بن ادریس سے روایت کی ہے۔ محدث

خوارزمی نے لکھا کہ اس طرح وہ امام مالک کے شیخ ہوئے اور امام مالک شیخ شیوخ بخاری و مسلم شافعی و احمد ہیں۔ اس جلالت قدر کے ساتھ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مسانید میں روایت کرتے ہیں۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)[127]

(27) امام فضل بن موسیٰ السینانی (ولادت 115ھ م 192)

مشہور محدث فقیہ حضرت ابن مبارک کے ساتھیوں میں سے امام اعظم کے تلمیذ خاص و شریک تدوین فقہ ہیں۔ ابن مبارک کے برابر عمر و علم میں سمجھے جاتے تھے۔ حدیث لیث، اعمش، عبداللہ بن ابی سعید بن ابی ہند وغیرہ سے بھی حاصل کی اور امام اعظم کے مسانید میں امام صاحب سے بہ کثرت روایت کی ہے۔ اسحق بن راہویہ، محمود بن غیلان، یحییٰ بن اکثم، علی بن حجر وغیرہ فن حدیث میں ان کے تلمیذ ہیں۔

ان کی کرامات کا مشہور قصہ ہے کہ ان کی علمی شہرت کی وجہ سے کثرت سے شاگرد جمع ہوئے تو دوسروں کو ان پر حسد ہو گیا اور بدخواہوں نے کسی عورت کو بہکا کر ان پر تہمت رکھوا دی۔ وہ اس بات سے ناراض ہو کر سینان سے چلے گئے اور اس علاقہ میں قحط سالی ہو گئی لوگ نادم و پریشان ہو کر ان کے پاس گئے اور واپس آنے کی درخواست کی انہوں نے کہا پہلے اپنے جھوٹ کا اقرار کرو جب اقرار کر لیا تو فرمایا کہ میں جھوٹوں کے ساتھ رہنے سے معذور ہوں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ[128]

(28) امام علی بن ظبیان (متوفی 192) ..

محدث، فقیہ، عالم و عارف، صاحب ورع و تقویٰ، امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلمیذ و شریک تدوین تھے۔ ابتداء میں مشرقی بغداد کے قاضی رہے پھر ہارون رشید کے عہد میں قاضی القضا ہو گئے تھے۔ ہمیشہ بوریئے پر بیٹھ کر فیصلے دیتے تھے۔ آپ سے کہا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ سے پہلے قضاۃ مسند پر بیٹھتے تھے۔ فرمایا "مجھے شرم آتی ہے کہ میرے سامنے دو مسلمان بھائی تو بوریئے پر بیٹھیں اور میں مسند پر بیٹھ کر اجلاس کروں۔ ابن ماجہ نے آپ سے تخریج کی اور حاکم نے مستدرک میں بھی روایت کی اور صدوق کہا۔ امام صاحب کے ان بارہ اصحاب میں سے تھے جن کی

صلاحیت قضا کی طرف امام صاحب نے اشارہ فرمایا تھا یعنی ابو یوسف وغیرہ کے طبقہ میں تھے۔[12]

(29) امام حفص بن غیاث (م 194ھ)

مشہور و معروف عالم، محدث، ثقہ، فقیہ، زاہد و امام اعظم کے ممتاز کبار اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں تھے امام اعظم سے مسانید امام میں بہ کثرت احادیث روایت کی ہیں۔[130]

امام صاحب نے جن اصحاب کو وجہ سرور اور دافع غم فرمایا تھا یہ بھی ان میں سے ہیں۔ امام صاحب سے فقہ میں بھی تخصص کا درجہ حاصل کیا اور حدیث امام ابو یوسف، ثوری، اعمش، ابن جریج، اسماعیل بن ابی خالد، عاصم احول، ہشام بن عروہ وغیرہ سے بھی حاصل کی۔ آپ کے ممتاز تلامذہ یہ ہیں عمرو بن حفص، امام احمد، ابن معین، علی بن المدینی، ابن معین، یحییٰ القطان وغیرہ۔

اصحاب صحاح ستہ نے بھی آپ سے تخریج کی۔ ابن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ آپ کوفہ میں تیرہ سال اور بغداد میں دو سال تک دارالقضاۃ کے متولی رہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[131]

(30) امام وکیع بن الجراح (م 197ھ) عمر 70 سال

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اس طرح لکھا۔ الامام الحافظ الثبت، محدث العراق، احد الائمہ الاعلام، وکیع بن الجراح اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ و رواۃ میں ہیں۔ فقہ و حدیث کے امام، عابد، زاہد، اکابر تبع تابعین، امام و امام احمد کے شیخ، ابوسفیان کنیت تھی امام اعظم سے فقہ میں درجہ تخصص حاصل کیا اور حدیث امام صاحب، امام ابو یوسف، امام زفر، ابن جریج، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، اوزاعی، اعمش وغیرہ سے حاصل کی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک، امام احمد، ابن معین، علی بن مدینی، ابن راہویہ، احمد بن منیع، یحییٰ بن اکثم وغیرہ کبار محدثین آپ کے تلامذہ حدیث ہیں۔

یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ میں سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہا ہمیشہ روزہ رکھتے، ہر رات ختم قرآن مجید کرتے، کم از کم ایک ثلث سونے سے پہلے پڑھ لیتے باقی اخیر شب میں پڑھتے۔ ابن معین کہتے تھے کہ میں نے ان سے

افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ کسی نے کہا کی ابن مبارک کو بھی نہیں؟ کہا بے شک ان کو فضل ہے لیکن میں نے وکیع سے افضل کوئی نہیں دیکھا۔ امام احمد کو ان کی شاگردی پر فخر تھا جب ان سے حدیث روایت کرتے تو فرماتے کہ یہ مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی ہے کہ تمہاری آنکھوں نے اس کا مثل نہ دیکھا ہو گا۔

امام صاحب کی خدمت میں بہت رہے اور بہت بڑا حصہ علم کا ان سے حاصل کیا۔ شرکاء تدوین فقہ میں ہیں۔ امام صاحب ہی کے قول پر فتوی دیتے اور یحیی القطان آپ کے اور امام صاحب کے قول پر فتوی دیتے تھے۔ امام اعظم سے مسانید امام میں روایت کرتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ[132]

وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی نام' ابوسفیان کنیت سبا" الرداسی اور بلحاظ بود وباش کوفی ہیں۔ علم حدیث کے مشہور امام ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کو الامام الثبت الحافظ محدث العراق کے القاب سے یاد کیا ہے۔ مشہور ناقدر رجال یحییٰ بن معین علم حدیث میں ان کا پایہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فی زمانہ کالاوزاعی فی زمانہ عبداللہ بن المبارک' امام احمد بن حنبل' امام علی بن المدینی' امام یحییٰ بن معین' امام اسحاق بن راہویہ' امام زہیر' امام ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابو کریب نے ان کے آگے زانوئے ادب تہ کیا ہے[133]

یحییٰ بن معین کہتے ہیں۔ بخدا میں نے اللہ کی خاطر وکیع کے علاوہ حدیث روایت کرنے والا کوئی نہیں دیکھا اور مجھے وکیع سے زیادہ حافظ بھی کوئی نظر نہیں آیا اور فرماتے تھے کہ محدثین تو چار ہیں۔ وکیع' علی بن عبید' القعنبی اور احمد بن حنبل' امام احمد جب وکیع کا ذکر فرماتے تو کہتے ہیں کہ میرے مشاہدے میں وکیع سے زیادہ حدیث کا ضابط اور حافظ کوئی نہیں ہے۔ ان کا ہی ایک اور بیان ہے کہ میں نے وکیع جیسا علم' حفظ و ضبط میں روایت و اسناد' فقہ و احکام میں اور پارسائی و تقوی میں کوئی نہیں دیکھا[134] جسم کے ذرا بھاری بھر کم تھے۔ مکہ تشریف لائے۔ فضیل بن عیاض سے ملاقات ہوئی۔ سعید بن منصور کہتے ہیں کہ فضیل نے ان سے پوچھا کہ راہب عراق ہو کر یہ موٹاپا کیسا؟ جواب بڑا ہی مسکت دیا فرمایا کہ مسلمان ہونے کی خوشی میں پھول گیا ہوں۔

حافظہ اس قدر غضب کا تھا کہ ابوداؤد کہتے ہیں کہ وکیع کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی گئی[135] صرف یہی نہیں کہ امام اعظم کے تلامذہ میں سے تھے جیسا کہ حافظ ذہبی نے ترجمہ ابی حنیفہ میں تصریح کی ہے بلکہ یہ امام اعظم کے ان مخصوص تلامذہ میں سے ہیں جن کے بارے میں خود امام صاحب نے یہ تاثر ظاہر فرمایا ہے۔

"تم میرے دل کی مسرت اور میرے رنج و غم کا جلا ہو' فقہ و شرائع کی زین میں نے تمہارے لیے

کس دی ہے اور لگام تمہارے ہاتھ میں دے چکا ہوں۔ رائے عامہ تمہارے پیچھے چلے گی اور
تمہارے الفاظ کی متلاشی ہو گی تم میں سے ہر ایک عدلیہ میں کام کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا
ہے۔ میرا تم سے اللہ کے نام پر اور اس علم کی بزرگی کے نام پر مطالبہ ہے کہ علم کو کرایہ پر
چلانے سے بچنا۔ اگر تم میں سے کوئی عدلیہ کی آزمائش میں پڑ جائے اور اسے اپنے اوپر اعتماد نہ ہو
تو اس کے لیے عہدہ قضا ہرگز روا نہیں ہے اور اگر ناگزیر حالات میں طبیعت کے خلاف یہ کام کرنا
ہی پڑ جائے تو لوگوں سے علیحدگی ہرگز اختیار نہ کرنا۔ نماز پنجگانہ مساجد میں عوام کے ساتھ ادا کرنا
اور نماز کے بعد اعلان کے ذریعے ارباب ضرورت کو تلاش کرنا اور نماز عشاء کے بعد خصوصاً
اس مقصد کے لیے تین بار اعلان کرنا۔ اگر بیمار ہو جاؤ تو بیماری کے زمانے کی تنخواہ نہ لینا اور اگر
سربراہ مملکت خزانہ حکومت میں بددیانتی کرے اور ظلم و جور کا رویہ اختیار کرے تو اس کی
سربراہی باطل اور اس کی حکومت ناجائز ہے"[136]

وکیع کے والد اگرچہ سرکاری ملازم تھے یعنی سرکاری خزانہ کے نگران تھے اور حکومت کا مالیاتی مسئلہ ان سے
متعلق تھا۔ خود امام وکیع کے حوالہ سے خطیب رقم طراز ہیں کہ:

"میں امام اعمش کے پاس گیا اور ان سے احادیث روایت کرنے کی درخواست کی انہوں نے مجھ
سے میرا نام دریافت کیا۔ بتایا کہ وکیع ہے۔ فرمایا کہ نام تو بڑا ہی پر عظمت ہے۔ میرا خیال ہے کہ
مستقبل میں تمہارا نام ہو گا۔ بتاؤ کوفہ میں کہاں رہتے ہو؟ میں نے بتایا کہ بنی رواس میں۔ بولے کہ
جراح بن ملیح کے گھر سے کتنی دور؟ میں نے عرض کیا کہ وہ تو میرے والد ہیں۔ بولے جاؤ پہلے
ان سے میرا ماہانہ لے آؤ وہ کیشیر ہیں۔ میں بعدازیں تمہیں پانچ حدیثیں سناؤں گا۔ میں گھر آیا
اور صورت حال سے والد کو مطلع کیا۔ والد نے کہا کہ آدھا روزینہ لے جاؤ اور پانچ حدیثیں سن آؤ
پھر آدھا لے جانا اور پانچ حدیثیں سن آنا اس طرح تمہیں دس حدیثیں آ جائیں گی۔ چنانچہ میں
آدھا روزینہ لے کر پہنچا امام اعمش نے لے لیا اور مجھے نقد دو حدیثیں سنا دیں میں نے عرض کیا
کہ آپ نے مجھ سے پانچ حدیثوں کا وعدہ کیا تھا۔ فرمایا پورا ماہانہ کہاں ہے میرا خیال ہے کہ
تمہارے والد نے تمہیں یہ ترکیب سمجھائی ہو گی۔ لیکن ان کو پتہ نہیں کہ اعمش جہاں دیدہ

ہے۔ جاؤ پورا روزینہ لے کر آؤ اور پوری پانچ حدیثیں سن لو۔ میں واپس آیا وظیفہ لے گیا اور پانچ حدیثیں سنیں"۔137

حفص بن غیاث بھی امام اعظم کے ان مخصوص تلامذہ میں سے ہیں جن کو امام اعظم نے قلبی مسرت قرار دیا ہے۔ ان کے قاضی بننے کی داستان خطیب بغدادی نے جو لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بکراہت قاضی بننا گوارا کیا تھا۔ چنانچہ حمید بن الربیع کہتے ہیں کہ :

"جب عبداللہ بن ادریس' حفص بن غیاث اور وکیع بن الجراح کو ہارون الرشید نے عدلیہ میں کام کرنے کے لیے بلایا تو مجلس میں پہنچتے ہی عبداللہ بن ادریس نے ہارون الرشید کو سلام کیا اور سلام کے بعد جان کر زمین پر گر پڑے یوں محسوس ہوتا تھا کہ دورہ پڑ گیا۔ وکیع نے اپنے کو آنکھ پر ہاتھ رکھ کر ایک چشم بنا لیا۔ ہارون نے یہ صورت حال دیکھ کر دونوں کو نااہل قرار دے دیا۔ حفص کہتے ہیں کہ اگر مجھ پر قرض اور اولاد کا بار نہ ہوتا تو میں کبھی بھی یہ عہدہ قبول نہ کرتا"۔138

قاضی بن گئے لیکن ان کی عدلیہ کی پوری زندگی زہد و پارسائی کی مثالی زندگی ہے۔ چنانچہ ابو ہشام الرفاعی کہتے ہیں کہ حفص بن غیاث ایک روز عدالت میں مقدمہ سن رہے تھے کہ رئیس مملکت نے بلا بھیجا۔ لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ عدالت کا وقت ہے میں اس وقت نہیں آ سکتا۔ ایک روز آپ بیمار ہو گئے اور پورے پندرہ دن بیمار رہے۔ حفص بن غیاث کے پوتے عبید کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے ایک دو درہم دیئے اور کہا کہ جاؤ یہ رقم خزانہ حکومت میں داخل کر آؤ اور بتایا کہ یہ ان پندرہ دنوں کی تنخواہ واپس کر رہا ہوں جن میں میں نے کام نہیں کیا۔ یہ میرا حق نہیں ہے۔139

ان کی حدیث دانی' حدیث میں ثقاہت اور حفظ و ضبط کا سب محدثین لوہا مانتے ہیں۔ چنانچہ امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں :

"وہ تمام احادیث جو امام حفص بن غیاث نے کوفہ و بغداد میں بیان کی ہیں۔ وہ سب زبانی یادداشت کے سہارے روایت کی ہیں ان میں کوئی بھی لکھی ہوئی نہ تھی اور ان حدیثوں کی تعداد جو لوگوں نے ان سے لکھیں تین ہزار ہے اور چار ہزار حدیثیں ان کو یاد تھیں"۔140

زہد و پارسائی اور اس شان محدثانہ کے ساتھ آپ جذبہ سخاوت سے بھی مالا مال تھے۔ چنانچہ ابو جعفر المسندی نے

انہ کو اخی العرب کے لقب سے یاد کیا ہے اور ان سے ان کا یہ اعلان بھی نقل کیا ہے:

من لم یاکل من طعامی لامحدثه

محدثین کے لیے تاریخ رجال سے واقفیت نہایت ضروری ہے کیونکہ بیشتر احادیث آخبار آحاد ہیں اور احاد کا تمام تر مدار رجال اسناد پر ہے۔ لہذا جب تک راویان حدیث کے حالات پر بخوبی اطلاع نہ ہو۔ اس کی سند کی صحت و ضعف کا پتہ نہیں چل سکتا۔ پہلی صدی میں تو اس کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ اس زمانے میں حدیثوں کے راوی تمام تر صحابہ کرام اور اکابر تابعین ہی تھے۔ قرن اول گزر جانے پر بے شک ضعیف راویوں کا کچھ پتہ ملتا ہے۔ لیکن ان کا ضعف بیشتر بددیانتی کی بنا پر نہیں بلکہ حافظہ کی کمزوری' قلت ضبط یا روایت میں تساہل کی وجہ سے ہے۔ بہرحال اس دور تک حدیث کے راویوں میں کسی دروغ گو کا وجود نادر اور ضعیف الروایۃ بہت کم تھے۔ امام اعظم اور امام مالک کی اکثر و بیشتر حدیثیں اسی طبقہ کے راویوں سے منقول ہیں۔ اسی لیے وہ صحت و وثوق کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ سمجھی جاتی ہیں۔ دوسری صدی میں کچھ لوگوں نے روایت حدیث میں کذب بیانی سے کام لیا تو ائمہ جرح و تعدیل نے تاریخ کی روشنی میں روایتوں کو جانچا' چنانچہ امام سفیان ثوری فرماتے ہیں:

جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا تو ہم نے ان کے لیے تاریخ استعمال کی اور اس امام حفص بن غیاث نے وقت کے اس تقاضے کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اسی سلسلے میں بڑے پتے کی بات فرمائی ہے:

اذااتہمتم الشیخ فحاسبوہ بالسنین

ترجمہ:- "جب کسی شیخ کو متہم کرو تو دونوں کی عمروں کو حساب لگالو"۔[141]

یعنی اس راوی کی عمر کا اس شخص کی عمر سے حساب لگالو جس سے یہ روایت کر رہا ہے۔ کہ یہ اس سے ملا بھی ہے یا ویسے ہی اس سے روایت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ بہرحال امام حفص بن غیاث امام اعظم کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کی وفات 194ھ میں ہوئی ہے۔

(31) امام ہشام بن یوسف (م 197ھ)

محدث' فقیہ' امام صاحب کے تلمیذ خاص اور اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے تھے۔ امام صاحب سے مسانید

الامام ہیں روایت کرتے ہیں۔ بخاری شریف اور سنن اربعہ میں آپ سے تخریج کی گئی ہے۔ آپ نے معمر ابن جریج قاسم بن فیاض، ثوری، عبداللہ بن بحیر بن ریسان وغیرہ سے بھی روایت کی اور آپ سے امام شافعی علی بن مدینی، ابن معین، اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے بھی روایت کی۔ محدث عبدالرزاق (صاحب مصنف مشہور) کا قول ہے کہ اگر تم سے قاضی یعنی ہشام بن یوسف حدیث بیان کریں تو کوئی مضائقہ نہیں کہ کسی اور سے روایت نہ کرو ابو حاتم نے آپ کو ثقہ متقن کہا۔ عجلی نے ثقہ کہا، ابن حبان نے بھی آپ کو ثقات میں ذکر کیا۔ امام احمد نے فرمایا کہ عبدالرزاق کا علم ہشام سے زیادہ اوسع ہے اور ہشام ان سے منصف زیادہ ہیں۔ حاکم نے ثقہ مامون کہا۔ خلیلی نے کہا کہ متفق علیہ ثقہ ہیں ان سے تمام ائمہ حدیث نے روایت کی ہے۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ[1/42]

(32) امام نقد رجال یحییٰ بن سعید القطان البصری (م 18ھ) عمر 78 سال

حافظ ذہبی نے الامام العلم، سید الحفاظ کے لقب سے ذکر کیا، ابو سعید کنیت تھی، حدیث کے امام حافظ، ثقہ، متقن، قدوہ تھے۔ امام مالک سفیان بن عیینہ (تلمیذ امام اعظم فی الحدیث) اور شعبہ وغیرہ سے حدیث حاصل کی۔ آپ سے امام احمد، ابن المدینی اور ابن معین وغیرہ نے روایت کی۔ ان کے درس حدیث کا وقت عصر سے مغرب تک تھا۔ نماز عصر کے بعد منارہ مسجد سے تکیہ لگا کر بیٹھ جاتے تھے اور سامنے امام احمد، ابن مدینی، (شیخ اکبر امام بخاری) عمرو بن خالد، شاذکونی اور یحییٰ بن معین کھڑے ہو کر حدیث کا درس لیتے تھے۔ مغرب تک نہ وہ کسی سے بیٹھنے کے لئے فرماتے نہ ان کے رعب و عظمت کے سبب خود ان میں سے کسی کو بیٹھنے کی جرات ہوتی۔

اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی، امام اعظم کے حدیث و فقہ میں شاگرد اور تدوین فقہ کی مجلس کے رکن رکین تھے۔ تاریخ خطیب میں ابن معین کے حوالہ سے نقل ہے کہ یحییٰ القطان خود فرماتے تھے۔ "واللہ! ہم امام صاحب کی خدمت بیٹھے ان سے حدیث سنی اور واللہ! جب بھی میں ان کے چہرہ مبارک کی طرف نظر کرتا تو مجھے یقین سے معلوم ہوتا کہ وہ خدائے عزو جل سے ڈرتے تھے۔" ایک دفعہ فرمایا کہ ہم نے امام صاحب کے اکثر اقوال لئے ہیں اور امام صاحب ہی کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ بیس سال تک روزانہ ایک ختم قرآن مجید کرتے تھے اور چالیس سال تک ظہر کے وقت مسجد سے زوال فوت نہیں ہوا یعنی ہمیشہ زوال سے قبل مسجد میں پہنچ جاتے تھے اور کسی نماز کے

بوقت جماعت مسجد سے ۔ نہ رہتے تھے کہ دوسری مساجد میں جماعت کی تلاش کرتے۔

فن رجال کے بہت بڑے عالم تھے۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال کے مقدمہ میں لکھا کہ فن رجال میں سب سے پہلے انہوں نے لکھا پھر ان کے تلامذہ یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، امام احمد، عمرو بن الفلاس، ابو خیثمہ وغیرہ نے اس فن میں لکھا پھر ان کے تلامذہ امام بخاری و مسلم وغیرہ نے۔ امام احمد کا قول ہے کہ میں نے یحییٰ القطان کا مثل نہیں دیکھا۔ رواۃ کی تنقید میں اس قدر کمال تھا کہ ائمہ حدیث کا قول تھا جس کو یحییٰ القطان چھوڑ دیں گے اس کو ہم بھی چھوڑ دیں گے۔ [143]

باوجود اس فضل و کمال کے خود امام اعظم کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ فتح المغیث، جواہر مضیہ، تہذیب، ترجمہ امام صاحب و ترجمہ یحییٰ القطان، میزان الاعتدال، معلوم ہوا کہ سید الحفاظ یحییٰ القطان کے زمانہ میں اور آپ کے تلامذہ کے دور میں بھی امام صاحب و اصحاب امام کے بارے میں کوئی کلام نہ تھا اور بڑے بڑے محدثین و ناقدین فن رجال بھی ان کا اتباع کرتے اور ان کے اقوال پر فتویٰ دیتے تھے۔ بعد کو ان کے تلامذہ کے تلامذہ امام بخاری وغیرہ کے دور میں امام صاحب کے صحیح حالات و مذہب سے ناواقفیت اور غلط پروپیگنڈے کی وجہ سے امام صاحب اور آپ کے بہترین مذہب سے بدگمانیاں شروع ہوئیں۔ ان باتوں کے جو برے اثرات خود فن حدیث و فقہ کی عظمت و مقبولیت پر پڑے ان کی طرف اشارہ ہم ابتداء میں کر آئے ہیں۔

(33) امام شعیب بن اسحاق دمشقی (م 18ء عمر 72 سال)

امام اعظم کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ سے بڑے پایہ کے محدث و فقیہ تھے، آپ امام اوزاعی، امام شافعی اور ولید بن مسلم کے طبقہ میں تھے امام بخاری، مسلم ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے آپ سے تخریج کی [144]

امام نسائی نے آپ کو امام اعظم کے ثقہ اصحاب میں شمار کیا۔ علامہ ابن حزم نے فقہاء شام میں طبقہ امام اوزاعی وغیرہ میں ذکر کیا۔ امام اعظم، ہشام بن عروہ، اوزاعی، ابن جریج وغیرہ سے حدیث حاصل کی۔ لیث بن سعد وغیرہ نے آپ سے روایت کی۔ مسانید امام اعظم میں امام صاحب سے روایت حدیث کرنے والوں میں ہیں۔

(34) امام ابو عمرو حفص بن عبدالرحمن بلخی (م 199ھ)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں محدث' صدوق تمام خراسانی تلامذہ امام میں سے افقہ اور شرکاء تدوین فقہ میں سے تھے۔ اسرائیل حجاج بن ارطاۃ اور ثوری وغیرہ سے روایت کی۔ نیشا پور کے قاضی ہوئے لیکن پھر نادم ہو کر فقہاء کو چھوڑ دیا اور عبادت الٰہی میں مشغول ہوئے۔ ابوداؤد و نسائی نے آپ سے تخریج کی ہے۔

ابو حاتم و نسائی نے آپ کو صدوق کہا۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا۔ عبداللہ بن مبارک جب نیشا پور میں مقیم ہوتے تو آپ کی زیارت و ملاقات ان کے معمولات کا جزو ہوتی تھی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[145]

(35) امام ابو مطیع حکم بن عبداللہ بن سلمہ بلخی (م 199ھ)

علامہ کبیر اور محدث و فقیہ شہیر تھے' امام صاحب کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے تھے۔ امام صاحب سے " فقہ اکبر" کے راوی بھی ہیں۔ حدیث امام صاحب' امام مالک' ابن عون اور ہشام بن حسان وغیرہ سے روایت کی اور آپ سے احمد بن منیع' خلاد بن اسلم وغیرہ نے روایت کی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک آپ کے علم و فضل اور تدین کی وجہ سے بہت عظمت و محبت کرتے تھے۔ مدت تک بلخ کے قاضی رہے۔ امر بالمعروف اور نہی منکر کا بہت زیادہ اہتمام رکھتے تھے کئی بار بغداد آئے اور درس حدیث دیا۔

محدث ابن رزین (تلمیذ ابی مطیع) کا بیان ہے کہ میں ان کے ساتھ بغداد پہنچا تو امام ابو یوسف نے ان کا استقبال کیا۔ گھوڑے سے اتر گئے اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مسجد میں داخل ہوئے وہاں بیٹھ کر علمی مسائل پر گفتگو و بحث کی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ ابو مطیع بلخی کا احسان تمام دنیا والوں پر ہے۔

بظاہر اس کا اشارہ تدوین فقہ کے سلسلہ میں ان کی گرانقدر آراء و معلومات فقہی حدیثی کی طرف ہو گا اسی لیے تو امام ابو یوسف جیسے اول درجہ کے حنفی فقیہ بھی ان کی تعظیم کرتے اور ان کی رائے و علم سے مستفید ہوتے تھے۔ افسوس ہے کہ ان چالیس فقہاء شرکاء تدوین فقہ کے الگ الگ علمی امتیازات کی تفصیلات ابھی تک دستیاب نہ ہو سکیں جو تاریخ فقہ و حدیث کا اہم ترین باب ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[146]

(36) امام خالد بن سلیمان بلخی (م 199ھ عمر 84 سال)

محدث و فقیہ امام اعظم کے تلامذہ میں سے اہل بلخ کے امام اور شرکاء مجلس تدوین فقہ میں تھے۔ نیز امام صاحب نے ان میں افتاء کی صلاحیت دیکھ کر فتوی نویسی میں ان کو متخصص بنایا تھا۔ محمد بن طلحہ شیخ بخاری کے استاد ہیں۔ لہذا امام بخاری کے شیخ الشیخ ہیں اور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مسانید میں روایت حدیث کرتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔[147]

(37) امام عبدالحمید بن عبدالرحمن الکوفی الحمانی (م 202ھ)

محدث جلیل القدر' فقیہ عالی مرتبت امام اعظم کے اصحاب و تلامذہ حدیث و فقہ میں سے اور شریک تدوین فقہ تھے۔ امام صاحب کے علاوہ امام اعمش اور ثوری سے بھی حدیث پڑھی۔ امام اعظم سے جامع المسانید میں ان کی روایات ہیں۔ امام بخاری' مسلم' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ کے رجال میں ہیں۔ ابن معین نے ثقہ کہا۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا۔ ابن عدی نے کہا کہ ان سے اور ان کے بیٹے سے حدیث لکھی جاتی ہے۔

آپ کے صاحبزادے حافظ کبیر امام یحییٰ بن عبدالحمید الکوفی صاحب المسند ہیں۔ (م 227ھ) ابو حاتم کہتے ہیں کہ میں نے ان کے بارے میں سید الحفاظ ابن معین سے سوال کیا تو فرمایا ان کے بارے میں کیا بات ہے کیوں پوچھتے ہو' پھر اچھی رائے ظاہر کی اور فرمایا کہ اپنی مسند کی چار ہزار احادیث بے تکلف مع سندوں کے زبانی پڑھتے چلے جاتے تھے اور تین ہزار احادیث شریک سے روایت کی ہوئی سنا دیتے تھے۔[148]

(38) امام حسن بن زیاد لؤلؤی (م 204ھ)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ و اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے بڑے بیدار مغز' فقیہ و دانشمند اور محدث تھے۔ یحییٰ بن آدم کا قول ہے کہ میں نے آپ سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں نے امام محمد سے بھی زیادہ فقیہ کہا ہے۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے عامل تھے۔ حدیث میں ہے کہ "اپنے غلاموں کو بھی

اپنے جیسا پہناؤ۔" تو امام حسن ہمیشہ اپنے غلاموں کو بھی بالکل اپنے ہی جیسے کپڑے پہناتے تھے۔ امام ابو یوسف اور امام زفر سے فقہی مسائل میں رجوع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام ابو یوسف امام زفر سے زیادہ طالبین کے حق میں باحوصلہ ہیں۔

محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ امام حسن بن زیاد فرماتے تھے میں نے ابن جریج سے بارہ ہزار احادیث لکھیں ان سب کی مراد سمجھنے میں فقہاء کی ضرورت ہے۔ سمعانی نے کہا کہ حسن امام ابو حنیفہ کی حدیثی روایات کے بڑے عالم اور خوش خلق تھے۔ شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ حسن فن سوال و تفریع مسائل میں سب کے پیشرو تھے۔ جامع المسانید امام اعظم کی ساتویں مسند ان ہی کی تالیف ہے۔

امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ حسن مولیٰ انصار اور امام ابو حنیفہ سے روایت حدیث کرنے والے ہیں۔ خطیب نے لکھا کہ حفص بن غیاث کی وفات ۱۹۴ھ میں ہوئی تو ان کی جگہ حسن بن زیادہ قاضی بنائے گئے لیکن قضاء ان کو موافق نہ آئی۔ امام داؤد طائی نے ان کو کہلا کر بھیجا "تمہارا بھلا ہوا قضاء موافق نہ آئی۔ مجھے امید ہے کہ خدا نے اس ناموافقت سے تمہارے لئے بڑی خیر کا ارادہ فرمایا ہے۔ مناسب ہے کہ اس سے استعفے دے دو" چنانچہ آپ نے استعفیٰ دے دیا اور راحت پائی۔

اس ناموافقت کی تفصیل بھی عجیب ہے۔ سمعانی نے لکھا کہ جب قضاء کے لیے بیٹھتے تو خدا کی شان' اپنا سارا علم بھول جاتے حتیٰ کہ اپنے اصحاب سے مسئلہ پوچھ کر حکم دیتے اور جب اجلاس سے اٹھتے تو تمام علوم مستحضر ہو جاتے۔ چالیس سال تک افتاء کا کام کیا ایک دفعہ کسی مسئلہ میں غلطی ہو گئی۔ مستفتی کے واپس ہو جانے کے بعد احساس ہوا تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ اس سے واقف نہ تھے۔ بالآخر منادی کرائی کہ فلاں روز فلاں مسئلہ میں غلطی ہوئی ہے۔ تا کہ وہ شخص آکر صحیح مسئلہ سمجھ لے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[149]

(39) امام ابو عاصم النبیل ضحاک بن مخلد بصری (م 212ھ عمر 90 سال)

امام اعظم کے تلامذہ و اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے محدث ثقہ' فاضل معتمد' فقیہ کامل تھے۔ امام شعبہ' ابن جریج' ثوری اور جعفر بن محمد وغیرہ سے روایت کی۔ اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی۔ لقب نبیل مشہور ہوا

جس کی متعدد وجوہ جواہر مضیہ وغیرہ میں لکھی ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کو حافظ حدیث اور شیخ م کے لقب سے ذکر کیا اور احدالاثبات کہا اور یہ بھی لکھا کہ ان کے ثقہ ہونے پر سب کا اجماع و اتفاق ہے۔ عمر بن شبہ نے کہا کہ واللہ! میں نے ان جیسا نہیں دیکھا۔ امام بخاری نے کہا کہ میں نے ابو عاصم سے سنا فرماتے تھے۔ "جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ غیبت حرام ہے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔" ابن سعد نے کہا کہ آپ فقیہ ثقہ تھے"۔ [150]

مسانید امام اعظم میں آپ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت حدیث کی ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں' حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں' حافظ ابو الحجاج المزی نے تہذیب الکمال میں اور محدث صیمری نے مناقب میں ان کو امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کی ہے۔ ان کو فخر ہے کہ ان کے حلقہ تلمذ میں امام احمد بن حنبل' امام اسحاق بن راہویہ' امام علی بن المدینی اور امام بخاری جیسے اساطین علم حدیث داخل ہیں۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ امام ابو عاصم کو ایک ہزار صحیح حدیثیں نوک زبان تھیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے خود ان سے سنا ہے فرماتے تھے کہ مجھے جب سے غیبت کی حرمت معلوم ہوئی ہے۔ میں نے کبھی غیبت نہیں کی۔ [151]

ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کا سارا علم ان کے سینے میں محفوظ تھا۔ چنانچہ ابن خراش کہتے ہیں کہ لم یُرَکُتُبٌ فی یدہ کتاب ان کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی گئی۔

حافظ ذہبی نے بھی ان کی اس خوبی کو یہ کہہ کر سراہا ہے کہ

لم یحدث قط الامن قبل حفظہ۔ [152]

حافظ خلیلی فرماتے ہیں کہ ان کے زہد' علم و دیانت پر علماء کا اتفاق کہتے ہیں۔

ان کو نبیل کیوں کہتے ہیں؟

اس میں علماء کے مختلف خیالات ہیں۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ ان کی زیرکی اور فراست کی وجہ سے ان کو نبیل کہا جاتا ہے۔ حافظ ابن عسقلانی لکھتے ہیں کہ شہر میں ایک روز ہاتھی آگیا۔ عام شہری اسے دیکھنے گئے لیکن ابو عاصم اس نظارہ سے لطف اندوز نہیں ہوئے۔ ابن جریج نے یہ سن کر فرمایا کہ انت نبیل تو ہی عقل مند ہے لیکن امام طحاوی اور حافظ دولابی نے خود ان کا بیان اس سلسلے میں جو نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ:

"امام زفر کے یہاں ان کی اکثر حاضری ہوا کرتی۔ اتفاق سے امام موصوف کے یہاں ان کا ہم نام ایک اور شخص بھی آتا تھا جن کی وضع قطع بالکل گئی گزری تھی۔ یہ حسین و جمیل اور خوش پوش

تھے۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ انہوں نے حسب معمول امام زفر کے دروازے پر دستک دی۔ لونڈی نے آ کر دریافت کیا کون؟ جواب ملا کہ ابو عاصم۔ کنیز نے اندر جا کر اطلاع دی کہ ابو عاصم دروازے پر حاضر ہیں۔ امام زفر نے دریافت کیا کون سے ابو عاصم ہیں؟ لونڈی کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ النبیل (معزز) ابو عاصم اندر آئے تو امام زفر فرمانے لگے کہ اس لونڈی نے تمہیں وہ لقب دیا ہے جو میرے خیال میں تم سے کبھی بھی جدا نہ ہو گا۔ اس نے تمہیں نبیل کے لقب سے ملقب کیا ہے ابو عاصم کا بیان ہے کہ اس روز سے میرا یہ لقب پڑ گیا"۔[153]

حافظ ابن ابی العوام نے بھی اس واقعہ کو بسند متصل نقل کیا ہے۔ بصرے میں ابو عاصم النبیل ہی امام اعظم کے مذہب کی نشر و اشاعت کا باعث، بنے ہیں۔ ابو عاصم کی وفات 212ھ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر نوے سال کی تھی۔ فقاہت میں یگانہ روزگار تھے۔ ابن سعد ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ کان ثقتہ فقیہا ائمہ ستہ میں امام بخاری تو ان کے بلاواسطہ شاگرد ہیں اور امام امام ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ اور نسائی بواسطہ حافظ عبداللہ بن اسحاق ابو محمد الجوہری ان کے تلامذہ میں سے ہیں[154]

حافظ عبدالقادر قرشی فرماتے ہیں کہ امام طحاوی نے بکار بن قتیبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے خود امام ابو عاصم کی زبانی سنا ہے فرماتے تھے کہ ہم امام اعظم کی خدمت میں حاضر تھے آپ کے پاس فقہ و حدیث کے تشنگان علوم کا بے حد ہجوم ہوتا تھا۔ ایک روز آپ نے فرمایا کہ کیا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو صاحب خانہ سے جا کر کہے کہ وہ اس ہجوم کا بندوبست کرے۔ میں نے عرض کیا کہ میں جاتا ہوں لیکن ذرا مجھے کچھ مسائل کے بارے میں پوچھنا ہے۔ فرمایا پاس آؤ اور پوچھ لو۔ میں آگے بڑھ گیا اور مسائل دریافت کیے۔ اسی اثنا میں اوروں نے بھی کچھ سوالات کیے اور آپ نے ان کو جوابات دیئے۔ میں ان میں کچھ ایسا محو ہوا کہ مجھے صاحب خانہ کے پاس جانا یاد نہ رہا۔ پھر آپ ہجوم سے کچھ پریشان ہوئے اور فرمایا کہ ابھی ابھی یہاں کسی شریف آدمی نے صاحب خانہ کے پاس جانے کا وعدہ کیا تھا وہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں ہوں۔ فرمایا کیا تم جاؤ گے نہیں؟ تم نے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ عرض کیا کہ میں نے بلاقید وقت جانے کو کہا تھا جب چاہوں جا سکتا ہوں فرمایا کیا کہہ رہے ہو؟ تخاطبات اور محاورات میں کلام کا محمل ارادہ سے مقرر نہیں ہوتا ہے اس کا محمل فی الفور ہے۔[155]

حافظ ابن حجر نے ابو عاصم النبیل کو بھی امام بخاری کے اساتذہ میں صف اول اور طبقہ اولیٰ کا درجہ دیا ہے۔ یہ

بھی اتباع تابعین سے تعلق رکھتے تھے اور ان میں سے ایک ہیں جن کی وساطت سے امام بخاری کو ثلاثیات ملی ہیں۔ ان کی وساطت سے آئی ہوئی ثلاثی حدیثوں کی تعداد صحیح بخاری میں چھ ہے۔

امام اعظم سے ان کو جو گہری اور بے پایاں عقیدت تھی اس کا اندازہ کرنا ہو تو امام نصر بن علی کا یہ بیان پڑھیے کہ

"میں نے ایک بار ابو عاصم سے دریافت کیا کہ آپ کے خیال میں سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا ابو حنیفہ۔ فرمایا سفیان سے مقابلہ کرتے ہو۔ بخدا ابو حنیفہ کا فقہ میں مقام تو میرے نزدیک ابن جریج سے بھی بالا ہے۔ میری آنکھوں نے آج تک علم پر اتنا قابو یافتہ شخص کوئی نہیں دیکھا" [55]

بہر حال ابو عاصم النبیل کی شخصیت امام اعظم کے تلامذہ میں جیسے گرامی قدر ہے ایسے ہی ان کی ذات گرامی بعد میں آنے والے محدثین کے اساتذہ میں عظیم ترین ہستی ہے۔ سارے محدثین کا شجرہ علمی بالواسطہ اور بلاواسطہ ان سے جا کر ملتا ہے۔

(40) امام مکی بن ابراہیم بلخی (متوفی 215ھ)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اصحاب و شرکاء تدوین فقہ میں سے جلیل القدر حافظ حدیث و فقیہ تھے۔ خطیب نے لکھا کہ آپ سے امام احمد وغیرہ نے روایت کی اور خلاصہ میں ہے کہ امام بخاری، ابن معین، ابن مثنی اور ابن بشار نے آپ سے روایت کی۔ امام بخاری کے کبار شیوخ میں تھے۔ اکثر ثلاثیات ان ہی سے روایت کی ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مسانید میں آپ سے کثرت سے روایت کی ہے۔ امام بخاری نے لکھا کہ مکی بن ابراہیم نے بہز بن حکیم، عبداللہ بن سعد ابی ہند اور ہشام بن حسان سے حدیث سنی۔ امام اعظم سے حدیث سننے کا ذکر نہیں کیا حالانکہ مسانید کے رواۃ میں سے ہیں۔ اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی۔ رحمہم اللہ کلہم اجمعین، رحمۃ واسعۃ الی آمین

حافظ ذہبی نے ان کا ذکر اس طرح شروع کیا ہے۔ الحافظ الامام، شیخ خراسان، اور ان کے اساتذہ میں یزید بن ابی عبیدا اور بہز بن حکیم کے ساتھ امام ابو حنیفہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

حدث من يزيد بن ابی عبید و جعفر الصادق وبهز بن حکیم و ابی حنیفة و هشام

امام مکی بن ابراہیم امام اعظم کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ صدر الائمہ رقم طراز ہیں کہ مکی بن ابراہیم کوفہ آئے اور امام اعظم کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہے اور آپ سے فقہ و حدیث حاصل کیا اور بکثرت روایتیں لیں۔[157]

امام مکی علم حدیث میں بہت بڑے امام ہیں۔ بڑے بڑے جلیل القدر ائمہ ان کے شاگرد تھے۔ امام احمد بن حنبل، امام یحیی بن معین اور امام بخاری نے ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے۔ خود امام مکی کا بیان ہے کہ میں نے ساٹھ حج کیے۔ دس سال تک حرم محترم کا مجاور رہا ہوں اور سترہ تابعین سے حدیثیں لکھی ہیں اور یہ بھی فرماتے تھے کہ 126ھ میں پیدا ہوا اور سترہ سال کی عمر میں علم حدیث کی تحصیل شروع کی۔[158] حافظ عسقلانی نے تہذیب میں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ لوگوں کو میری ضرورت پیش آئے گی تو میں سوائے تابعین کے کسی سے بھی حدیث نہ لیتا۔[159] ان کے آغاز علم کی داستان بھی بڑی مزے دار ہے۔ کیونکہ ان کو تحصیل علم کے لیے امام ابو حنیفہ نے ہی متوجہ کیا تھا۔ چنانچہ امام حارثی عبدالصمد بن فضل کی زبانی ان سے ناقل ہیں کہ میں کاروبار کرتا تھا ایک بار امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا کہ تم تجارت کرتے ہو مگر تجارت میں علم کے بغیر سر تا سر خسارہ ہی خسارہ ہے۔ تم علم کیوں نہیں حاصل کرتے ہو اور احادیث کیوں نہیں لکھتے۔ امام موصوف مجھے برابر اس طرف توجہ دلاتے رہے حتی کہ میں نے اس وادی میں قدم رکھ دیا اور کتابت علم کی طرف متوجہ ہو گیا اور اللہ سبحانہ' نے مجھے علم کی دولت مرحمت فرمائی۔ اس لیے میں ہر نماز کے بعد اور جب بھی امام ممدوح کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں۔

لان اللہ تعالٰی ببرکۃ فتح لی باب العلم

ترجمہ:۔ کیونکہ آپ ہی کی برکت سے اللہ سبحانہ' نے میرے لیے علم کا دروازہ کھولا ہے۔[160]

ظاہر ہے کہ آپ امام اعظم سے پندرہ سولہ سال کی عمر میں کاروبار ہی کے سلسلے میں ملے ہوں گے اسی عمر کے لڑکے کو علم کی ترغیب دی جاتی ہے۔ سال ڈیڑھ سال سوچ بچار میں گزر گیا اور بالآخر آپ نے سترہ سال کی عمر میں علم حدیث کے طالب علم کی حیثیت اختیار کر لی اور اس سلسلے میں اولین استاد آپ کے امام اعظم ہوئے اور آپ 143ھ سے 150ھ تک امام اعظم کے علوم سے خوشہ چینی کرتے رہے اور آپ کی وفات کے بعد آپ نے حجوں کا سلسلہ

شروع کیا اور پہلا حج 150ھ ہی میں کیا۔ خطیب نے عبدالصمد بن الفضل کے حوالہ سے انکشاف کیا ہے کہ آپ نے ساٹھ حج کیے ہیں۔ اگر آپ کی وفات جیسا کہ محمد بن سعد نے بتایا ہے 210ھ میں ہوئی ہے تو حجوں کی یہ تعداد اسی طرح پوری ہو جاتی ہے کہ آپ کا پہلا حج 150ھ میں ہو۔

امام اعظم کے علم کے بارے میں ان کا تاثر یہ تھا کہ کان اعلم اہل زمانہ اور محدثین کی اصطلاحی زبان میں علم سے مراد حدیث ہی ہوتا ہے۔

امام مکی کے دل میں امام اعظم کی حدیث دانی کی' عظمت کا اندازہ کچھ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو صدر الائمہ نے اسماعیل بن بشر کی زبانی نقل کیا ہے کہ

"ایک بار ہم امام مکی کی مجلس درس میں حاضر تھے انھوں نے درس شروع کیا کہ حدثنا عن ابن جریج ہم سے ابن جریج کی روایات بیان کیجئے۔ اس پر امام مکی کو اس قدر غصہ آیا کہ چہرے کا رنگ بدل گیا فرمانے لگے۔

انا لاتحدث السفهاء حرمت علیک ان تکتب عنی قم من مجلسی ہم بیوقوفوں سے حدیثیں بیان نہیں کرتے تمہیں میرے سے حدیث لکھنا روا نہیں ہے میری مجلس سے کھڑے ہو جاؤ چنانچہ جب تک اس شخص کو اپنی مجلس سے نہ اٹھا دیا حدیث بیان نہیں کی اور جب اس کو نکال دیا گیا تو پھر وہی حدثنا ابو حنیفۃ کا سلسلہ شروع کر دیا"[141]

امام مکی کو امام اعظم کے تلامذہ میں صرف حافظ ذہبی نے ہی نہیں بلکہ حافظ ابوالحجاج المزی نے تھذیب الکمال میں' حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التھذیب میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری میں جہاں امام بخاری کے اساتذہ و مشائخ حدیث کا تذکرہ کیا ہے وہاں یہ بھی تصریح کی ہے کہ مکی بن ابراہیم کا تعلق امام بخاری کے اساتذہ میں اس طبقہ اولی سے ہے جنھوں نے تابعین کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے۔ گویا مراتب شیوخ میں امام بخاری کے اساتذہ تابعین ہیں۔ اور ان اتباع تابعین میں جو امام بخاری کے طبقہ اولی کے شیوخ ہیں سب سے اونچا اور بالا مقام مکی بن ابراہیم کا ہے۔ چنانچہ امام بخاری کی مرویات میں جو روایات سب سے عالی ہیں اور جن کو ثلاثیات کہا جاتا ہے جن کی تعداد بائیس ہے ان میں زیادہ تعداد امام بخاری کو مکی بن ابراہیم ہی کے حوالہ سے ملی ہے یعنی بائیس میں سے گیارہ اور باقی گیارہ دوسرے مختلف اساتذہ سے آئی ہیں

جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں اور مکی بن ابراہیم کے حوالہ سے جو ثلاثیات امام بخاری کو ملی ہیں وہ صحیح بخاری کے مندرجہ ذیل ابواب میں آتی ہیں۔

باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم' باب قدر کم ینبغی ان یکون بین المصلی والسترۃ' باب الصلوۃ الی الاسطوانۃ' باب وقت المغرب' باب صوم عاشورا' باب اذا حال دین المیت' باب البیعۃ فی الحرب' باب من رای العدد' باب غزوۃ خیبر' باب آنیۃ المجوس' باب اذا قتل نفسہ خطاء۔[162]

(41) امام حماد بن دلیل قاضی المدائن رحمہ اللہ تعالے

امام و فقیہ' محدث' صدوق تھے۔ امام اعظم کے ان بارہ اصحاب میں سے ہیں جن کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ قضاء کی صلاحیت رکھتے ہیں اور تقریباً" سب ہی قضاء کے اعلیٰ عہدوں پر فائز بھی ہوئے جو ان حماد کے علاوہ یہ ہیں۔

قاضی ابو یوسف' قاضی اسد بن عمرو البجلی' قاضی حسن بن زیاد' قاضی نوح بن ابی مریم' قاضی نوح بن دراج' قاضی عافیہ' قاضی علی بن ظبیان' قاضی علی بن حرملہ' قاضی قاسم بن معن' قاضی یحیٰی بن ابی زائدہ۔

آپ کی کنیت ابو زید تھی۔ صغار تبع تابعین میں سے تھے حدیث میں امام اعظم' سفیان ثوری اور حسن بن عمارہ وغیرہ کی شاگردی کی فقہ میں تخصص امام صاحب کی وجہ سے حاصل ہوا۔ جب کوئی شخص حضرت فضیل بن عیاض سے مسئلہ پوچھتا تو وہ فرماتے کہ ابو زید سے دریافت کرو۔ محدث احمد بن ابی الحواری' اسحق بن عیسیٰ الطباع اور اسد بن موسیٰ وغیرہ نے ان سے روایت حدیث کی۔

ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا۔ مزی نے تہذیب میں امام یحیٰی سے بھی توثیق ذکر کی۔ امام ابو داؤد نے فرمایا کہ ان سے روایت درست ہے اور اپنی سنن میں ان سے روایت بھی کی۔ محمد بن عبداللہ موصلی نے بھی ان کو ثقات میں گنایا۔ ایک مدت تک مدائن کے قاضی رہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[163]

(42) امام سعد بن ابراہیم زہری (م 125ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے، مجمع علیہ ثقہ، صدوق، کثیر الحدیث تھے البتہ امام مالک ان سے ناخوش تھے اور روایت بھی نہ کرتے تھے اس لیے کہ انہوں نے امام مالک کے نسب میں کچھ کلام کیا تھا۔ امام احمد سے کہا گیا کہ امام مالک ان سے روایت نہیں کرتے تو فرمایا "اس بات کی طرف کون التفات کر سکتا ہے جب کہ وہ ثقہ، رجل صالح تھے۔" محدث معیلی نے ابن معین سے کہا کہ امام مالک سعد میں کلام کرتے ہیں جو سادات قریش سے تھے اور ثور و داؤد بن الحصین سے روایت کرتے ہیں جو خارجی خبیث تھے۔ یحییٰ سے کہا گیا کہ لوگ سعد میں کلام کرتے ہیں کہ وہ قدری تھے اور امام مالک نے ان سے روایت نہیں کی تو فرمایا کہ غلط ہے وہ قدری نہیں تھے اور امام مالک نے ترک روایت بوجہ نسب مالک میں کلام کرنے کے کیا ہے حالانکہ وہ ثبت ہیں کوئی شک اس میں نہیں۔[164]

جس طرح حضرت سعد کی طرف سے امام احمد اور یحییٰ وغیرہ نے دفاع کیا اور امام مالک جیسے جلیل القدر مسلم امام کی تنقید بھی بے تکلف رد کر دی گئی کیا اسی طرح امام اعظم و اصحاب امام کے بارے میں بے تحقیق و متعصبانہ اقوال کا رد اور ان حضرات کی طرف سے دفاع ضروری نہیں تھا؟ تھا اور ضرور تھا۔ اور اسی لیے ہر مذہب کے ائمہ کبار نے اس ضرورت کا احساس کیا۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔ ورحمہم اللہ کلہم رحمۃ واسعۃ۔

(43) امام صلت بن الحجاج الکوفی (م ھ)

عطاء بن ابی رباح، یحییٰ کندی، حکم بن عتیبہ وغیرہ سے روایت کی۔ ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا اور کہا کہ ایک جماعت تابعین سے روایت کرتے ہیں اور آپ سے اہل کوفہ نے روایت کی ہے۔ بخاری میں "تعلیقاً" آپ سے روایت ہے۔[165]

محدث خوارزمی نے لکھا کہ امام بخاری نے ذکر کیا کہ آپ نے یحییٰ الکندی سے روایت کی اور آپ سے یحییٰ القطان نے روایت کی۔ پھر لکھا کہ امام اعظم سے بھی مسانید میں روایت حدیث کی ہے۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(44) امام ابراہیم بن میمون الصائغ ابو اسحق الخراسانی (م 131ھ)

مشہور محدث' زاہد عابد و متورع تھے امام اعظم' عطاء بن ابی رباح' ابو اسحق' ابوالزبیر اور نافع سے حدیث روایت کی اور ان سے داؤد بن ابی الفرات' حسان بن ابراہیم کرمانی اور ابو حمزہ نے روایت کی۔ ابو مسلم خراسانی کو دو بدو سرزنش کی اور بے خوف کلمہ حق کہا جس کی پاداش میں اس نے شہید کرا دیا۔

عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ امام صاحب کو ان کے شہید ہونے کی خبر ملی تو سخت غمگین ہوئے اور بہت روئے حتی کہ ہم لوگوں کو خوف ہوا کہ اس صدمہ سے آپ کی وفات ہو جائے گی۔ میں نے تنہائی میں سوال کیا تو فرمایا کہ یہ شخص بہت سمجھدار عاقل تھا مگر اس کے انجام سے میں پہلے ہی ڈرتا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ کیا صورت ہوئی تو فرمایا کہ میرے پاس آتے تھے علمی سوالات حل کرتے تھے۔ خدا کی طاعت میں بڑے اولوالعزم تھے اور بڑے ہی متورع تھے میں ان کو کھانے کے لیے کچھ پیش کرتا تو اس کے بارے میں مجھ سے بھی تحقیق کرتے اور بہت کم کبھی کھاتے تھے۔ مجھ سے امر بالمعروف و نہی منکر کے بارے میں بھی پوچھتے تھے پھر ہم دونوں نے متفق ہو کر طے کیا کہ یہ خدا کا ایک فریضہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ لائیے! میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ ایک آدمی کے کرنے کا یہ کام نہیں ہے اس کی جان جائے گی اور اصلاح کچھ بھی نہ ہو گی۔ ہاں اگر کچھ اعوان و انصار نیک لوگوں میں سے میسر ہو جائیں اور ایک شخص سردار ہو جائے جس کے دین پر اطمینان ہو تو ضرور نفع کی توقع ہے۔ لیکن وہ برابر جب آتے مجھ پر زور ڈالتے اور سخت تقاضہ کرتے کہ ایسا ضرور ہو جانا چاہیے۔ میں سمجھاتا کہ یہ کام ایک کے بس کا نہیں' انبیاء علیہم السلام بھی جب تک ان کے ساتھ آسمانی نصرت کا وعدہ نہیں ہو گیا اس کا تحمل نہ فرما سکے۔ یہ وہ فریضہ نہیں ہے کہ اس کو ایک شخص پورا کر دے ورنہ وہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دے گا۔

پھر وہ مرو گئے اور ابو مسلم خراسانی کو سخت باتیں برملا کہیں۔ اس نے پکڑ لیا اور قتل کرنا چاہا مگر خراسان کے سارے فقہاء و عباد جمع ہو گئے اور ان کو چھڑا لیا' اسی طرح دوسری و تیسری مرتبہ بھی ابو مسلم کو ڈانٹتے رہے اور کہا کہ تیرے مقابلہ میں جہاد سے زیادہ کوئی نیکی میرے لیے نہیں ہے لیکن میرے پاس کوئی مادی طاقت نہیں اس لیے زبان سے ضرور جہاد کروں گا۔ خدا مجھے دیکھتا ہے کہ میں تجھ سے صرف خدا کے لیے بغض رکھتا ہوں۔ ابو مسلم نے قتل کرا

دیا۔

ابو داؤد و نسائی اور بخاری نے "تعلیقاً" ان سے روایت کی۔ علامہ خوارزمی نے فرمایا کہ باوجود اس کے کہ بخاری و مسلم کے شیخ الشیوخ تھے۔ امام صاحب سے مسانید میں روایت کرتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ [161]

(45) امام ربیعۃ بن ابی عبدالرحمن المدنی المعروف بربیعۃ الرای (م 136ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے جلیل القدر امام حدیث، امام احمد، عجلی، ابو حاتم، نسائی نے ثقہ کہا۔ یعقوب بن شیبہ نے ثقہ، ثبت اور مفتی مدینہ کہا۔ مصعب زبیری نے کہا کہ بعض صحابہ اور اکابر تابعین کو پایا۔ مدینہ میں صاحب فتوٰی تھے بڑے بڑے شیوخ اہل علم آپ کے پاس استفادہ کے لیے بیٹھتے تھے۔

آپ سے امام مالک نے بھی علم حاصل کیا۔ سوار قاضی کا قول ہے کہ میں نے ان سے زیادہ عالم نہیں دیکھا نہ حسن کو نہ ابن سیرین کو ماجشون نے کہا کہ ان سے زیادہ سنت کا حافظ میں نے نہیں دیکھا۔

عبید اللہ بن عمر نے فرمایا کہ وہ ہمارے مشکلات مسائل حل کرنے والے اور ہم سب سے زیادہ علم و فضل والے تھے۔ تعارض احادیث کے وقت آثار صحابہ سے ایک جہت کو ترجیح دیتے اور آثار صحابہ کے تعارض کے موقعہ پر قیاس سے ترجیح دیتے تھے۔ اس لیے "ربیعۃ الرای" کے نام سے مشہور ہوئے اور یہ ان کو بطور مدح کے کہا جاتا تھا۔

بعینہ یہی طریقہ امام اعظم کا بھی تھا مگر مخالفوں نے آپ کو مطعون کیا، حاسدوں نے آپ کے اصحاب کو اصحاب الرای بطور طنز کہا۔ حالانکہ اخذ قیاس بمقابلہ، حدیث اور ترجیح بعض احادیث و آثار ذریعہ قیاس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

"الاثمار الجنیہ فی طبقات الحنفیہ" (قلمی نسخہ مکتبہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ) میں ہے کہ یہ ربیعہ امام صاحب کے اصحاب میں سے تھے اور امام صاحب سے مسائل میں بحث و مباحثہ کر کے استفادہ کرتے تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ [162]

(46) امام عبداللہ بن شبرمۃ ابو شبرمۃ الکوفی (م 144ھ)

اکابر و اعلام میں سے تھے' قاضی کوفہ رہے حضرت انسؓ' ابوالطفیل' شعبی اور ابوزرعہ وغیرہ سے روایت کی۔ آپ سے دونوں سفیان' شعبہ اور ابن مبارک وغیرہ نے روایت کی۔ عجلی نے کہا کہ فقیہ' عاقل' عفیف' ثقہ' شاعر' حسن الخلق اور سخی تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے استفادہ کرتے تھے۔[68]

نقل ہے کہ قضاء قبول نہ کرنے پر امام صاحب پر مظالم ہوئے تو ابن ابی لیلی نے کا اظہار کیا۔ ابن شبرمہ کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور فرمایا کہ معلوم نہیں یہ شخص ایسی بات کیوں کہتا ہے۔ ہم تو دنیا طلب کرتے ہیں اور ان کے (امام صاحب) کے سر پر کوڑے لگتے ہیں کہ کسی طرح دنیا کو قبول کرلیں تب بھی قبول نہیں کرتے۔[69]

(47) حافظ حدیث حجتہ' امام ہشام بن عروۃ بن الزبیر بن العوام الاسدی المدنی (م 146ھ عمر 80 سال)

مشہور محدث و فقیہ' راوی صحاح ستہ علماء نے ثقہ' ثبت' کثیر الحدیث' حجت' امام حدیث لکھا۔ امام صاحب نے مسانید میں آپ سے روایت کی۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور متقن' ورع' فاضل' حافظ کہا۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعۃ۔[70]

(48) امام جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؓ (م 148ھ)

کنیت ابو عبداللہ لقب صادق تابعین و سادات اہل بیت نبوت سے' مشہور و معروف' امام عالی مقام' حدیث اپنے والد ماجد وغیرہ سے سنی اور آپ سے بھی ائمہ اعلام نے سماع حدیث کی سعادت حاصل کی جیسے یحییٰ بن سعید' ابن جریج' شعبہ' امام مالک' ثوری ابن عیینہ اور امام ابو حنیفہ نے۔ (اکمال فی اسماء الرجال لصاحب المشکوۃ)

ابتداء میں امام اعظم سے بدظن رہے پھر امام صاحب نے بالمشافہ اعتراضات کے جوابات دیئے تو بہت مطمئن اور خوش ہوئے اور اٹھ کر امام صاحب کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس کے بعد ہمیشہ امام صاحب کے علم و فضل کی مدح فرما

رہے۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔ امام بخاری نے وفات 140ھ میں نقل کی۔ رجال مشکوۃ میں سے ہیں اور امام اعظم نے مسانید میں ان سے روایت حدیث کی۔ تمام اکابر سلف نے ان کو ثقہ لکھا ہے۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ سے بخاری نے روایت نہیں کی تو امام صاحب کی اس سے کسر شان نہیں ہو سکتی۔ جس طرح بخاری نے امام جعفر سے روایت نہیں کی حالانکہ ان کی جلالت قدر اور ثبت و ثقہ ہونے سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم۔[171]

(49) امام زکریا بن ابی زائدہ خالد بن میمون بن فیروز الہمدانی کوفی (م 149ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے محدث و فقیہ، ثقہ، صالح، کثیر الحدیث تھے۔ کوفہ کے قاضی رہے۔ علامہ خوارزمی نے فرمایا کہ باوجود شیوخ شیخین میں سے ہونے کے امام صاحب سے مسانید میں روایت کرتے ہیں[172]

(50) امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المکی رحمہ اللہ (م 150ھ)

حدیث طاؤس، مجاہد و عطاء سے سنی اور آپ سے ثوری، قطان، یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ نے روایت کی۔ رواۃ صحاح ستہ میں ہیں۔ رومی الاصل تھے[173]

علامہ خوارزمی نے فرمایا کہ یہ امام ائمۃ الحدیث اور شیخ اکبر شیوخ بخاری و مسلم ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ سے مسانید امام میں روایت حدیث کی ہیں۔ امام شافعی کے بھی شیخ الشیوخ ہیں اور امام شافعی نے اپنی مسند میں بواسطہ مسلم بن عبدالحمید ان ہی ابن جریج سے مسح علی الخفین کی حدیث مغیرہ بن شعبہؓ روایت کی ہے۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ[174]

(51) صاحب مغازی، محمد بن اسحاق بن یسار ابوبکر المطلبی (م 151)

سواء امام بخاری کے باقی اصحاب صحاح نے ان سے روایت کی ہے۔ البتہ بخاری نے رسالہ جزء القراۃ میں روایت

لی ہے۔ آپ نے حضرت انس بن مالک صحابی کو دیکھا ہے' صاحب مغازی' مشہور ہوئے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ خاصہ میں ذکر کیا ہے لیکن حدیث میں نیز متقن کہا اور ان کی حدیث کو مرتبہ صحت سے نازل قرار دیا۔ یحییٰ بن معین نے کہا کہ ثقہ ہیں مگر حجت نہیں۔ علی بن مدینی نے کہا کہ ان کی صحت میرے نزدیک صحیح ہے۔ نسائی نے ضعیف کہا۔ دار قطنی نے لا یحتج بہ کہا' امام مالک ان سے ناخوش ہیں اس لیے رجال من الدجاجلہ کہا۔ علی بن مدینی سے کہا گیا کہ امام مالک ایسا کہتے ہیں تو کہا کہ امام مالک ان کے ساتھ نہیں بیٹھے اور ان کو نہیں پہنچانتے' شعبہ' عجلی' ابوزرعہ اور ابن مبارک نے بھی توثیق کی۔ یہاں سے علی بن مدینی کا جواب مذکور یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ امام اعظم اور ان کے بہت سے اصحاب پر بھی ریمارک کرنے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے ان کے ساتھ مجالست نہیں کی اور نہ ان کو پہچانا۔ والناس اعداء ماجهلوا۔ محمد بن اسحٰق نے امام صاحب سے بھی حدیث سنی اور مسانید امام میں ان کی روایات موجود ہیں۔[175]

(52) شیخ ابوالنصر سعید بن ابی عروبہ رحمہ اللہ تعالیٰ (م 156ھ)

معانی الآثار اور صحاح ستہ کے رواۃ میں سے مشہور محدث ہیں' امام احمد نے فرمایا کہ سعید لکھتے نہیں تھے ان کا سارا علم سینہ میں محفوظ تھا۔ ابن معین' نسائی' ابوزرعہ نے ثقہ کہا' ابوعوانہ نے کہا کہ ہمارے زمانہ میں ان سے زیادہ حافظ حدیث کوئی نہ تھا۔ ابن سعد نے ثقہ کثیر الحدیث کہا۔ آخر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا اس لیے بعد اختلاط کی روایت غیر معتمد قرار پائیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ قدری عقیدہ رکھتے تھے۔ واللہ اعلم! امام اعظم سے بھی مسانید میں روایت کرتے ہیں۔ ابن سیرین اور قتادہ سے بھی حدیث میں تلمذ ہیں۔[176]

(53) امام ابو عمرو عبدالرحمن بن عمرو بن محمد اوزاعی (ولادت 88ھ م 157ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے مشہور و معروف محدث و فقیہ شام تھے۔ بہت بڑے فصیح اللسان تھے۔ ابن مہدی کا قول

ہے کہ شام میں ان سے بڑا عالم سنت کوئی نہ تھا۔ ابن عیینہ نے ان کو اعلم اہل زمانہ' ذہبی نے افضل اہل زمانہ' نسائی نے امام فقیہ اہل شام اور ابن عجلان نے انصح الامتہ کہا۔ فلاس یعقوب' عجلی' ابن معین' ابن سعد وغیرہ نے ثقہ' ثبت' صدوق' فاضل' کثیر الحدیث' کثیر العلم والفقہ کہا۔

مجتہد تھے' جن کی تقلید ایک عرصہ تک شام اور اندلس میں رائج رہی۔ ملک المحدثین امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ علماء چار ہیں۔ امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی۔

یہ امام اوزاعی شروع میں امام صاحب کے حالات سن کر بدظن تھے۔ ابن مبارک شام گئے اور صحیح حالات بتلائے پھر خود بھی امام اوزاعی امام صاحب سے مکہ معظمہ میں ملے۔ علمی مذاکرات و مباحثات کئے تو امام صاحب کے بے حد مداح ہوئے اور اپنی سابق بدظنی پر بہت نادم و متاسف ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔ [177]

(54) محدث کبیر محمد بن عبدالرحمن بن ابی الذئب القرشی العامری

(ولادت 80ھ متوفی 159ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے مشہور محدث تھے۔ امام احمد نے فرمایا کہ ابن ابی ذئب نے اپنا مثل نہ اپنے بلاد میں چھوڑا نہ دوسروں میں۔ اور وہ صدوق تھے' امام مالک سے بھی افضل سمجھے جاتے تھے لیکن امام مالک تنقیح رجال میں ان سے زیادہ محتاط تھے کیونکہ ابن ابی ذئب اس بارے میں تعمق نہیں کرتے تھے کہ کس سے روایت کر رہے ہیں۔ سب نے ثقہ' صدوق کہا مگر بعض نے ان کی طرف قدری عقیدہ منسوب کیا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ صرف تہمت تھی۔ درحقیقت وہ قدری نہ تھے۔ واللہ اعلم۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔ [178]

(55) امیر المومنین فی الحدیث شعبتہ بن الحجاج (متوفی 160ھ عمر 78 سال)

اصحاب ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ فن رجال اور حدیث کی بصیرت و مہارت میں بقول امام احمد فرد کامل تھے۔ حفظ حدیث' صلاح و عبادت میں سفیان ثوری سے فائق تھے۔ حماد بن زید کا قول ہے کہ کسی حدیث کے بارے میں اگر

شعبہ میرے ساتھ ہوں تو مجھے کسی کی مخالفت کی پروا نہیں البتہ وہ مخالف ہوں تو اس کو ترک کر دیتا ہوں۔

شیخ صالح جزرہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے رجال میں شعبہ نے کلام کیا۔ پھر قطان نے پھر امام احمد اور یحیٰی بن معین نے۔ ابن سیرین' قتادہ' ابو اسحق سبیعی' سلمہ بن کہیل اور ان کے طبقہ کے دوسرے اکابر سے حدیث سنی اور ان سے ایوب سختیانی' اعمش' محمد بن اسحق' سفیان ثوری' سفیان بن عیینہ' عبداللہ بن مبارک' یزید بن ہارون وغیرہ نے حدیث روایت کی۔ امام اعظم کے بڑے مداح تھے اور باوجود اس کے کہ وہ اکثر شیوخ بخاری و مسلم کے شیخ تھے امام صاحب سے مسانید میں روایت حدیث کرتے ہیں۔ امام صاحب سے خاص تعلق رکھتے اور غائبانہ تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا۔ جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے۔ اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابو حنیفہ ہمنشین ہیں۔ امام صاحب کے بارے میں جب بھی کوئی آپ سے حالات دریافت کرتا تو امام صاحب کے مناقب کثرت سے بیان کرتے تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ[179]

(56) محدث شہیر اسرائیل بن یونس بن ابی اسحق السبیعی کوفی (م 160)

ابو اسحق عمرو بن عبداللہ السبیعی جو کبار تابعین سے اور امام اعظم کے شیوخ میں ہیں۔ یہ اسرائیل کے پوتے ہیں۔ انہوں نے حدیث امام اعظم نیز اپنے دادا اور دوسرے اکابر سے سنی۔ اصحاب صحاح ستہ نے ان سے تخریج کی۔ حفظ حدیث میں مشہور تھے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنے دادا ابو اسحق کی حدیثیں اس طرح یاد ہیں جیسے قرآن مجید کی کوئی سورت یاد ہوتی ہے۔

سید الحفاظ ابن معین اور امام احمد نے ان کو شیخ وقت اور ثقہ کہا اور ان کے حفظ سے تعجب کیا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا کہ اسرائیل تنہا بھی کسی حدیث کی روایت کریں تو وہ معتمد ہیں۔ ابو حاتم نے ثقہ صدوق کہا' عجلی نے ثقہ کہا' ابن سعد نے کہا کہ ثقہ ہیں اور ان سے بہ کثرت لوگوں نے روایت حدیث کی ہے۔

امام اعظم کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ امام صاحب بڑی خوبیوں کے مالک تھے اور ان کی منقبت یہی کیا کم ہے کہ وہ اپنے استاد اور مسلم فقیہ زماں امام حماد سے بھی زیادہ فقیہ ہیں۔ یہ شہادت اسرائیل بن یونس کی ہے جو امام وکیع اور عبدالرحمن بن مہدی جیسے اکابر محدثین کے استاذ ہیں۔ (جواہر وغیرہ) محدث خوارزمی نے فرمایا کہ باوجود اس

بجلالت قدر کہ اسرائیل اعلام ائمۃ الحدیث اور شیوخ مشائخ امام احمد و بخاری و مسلم سے ہیں۔ امام اعظم سے ان مسانید میں روایت کرتے ہیں۔"[194]

(57) شیخ ابراہیم بن ادہم بن منصور بلخی (161ھ' 162ھ)

ابو اسحق کنیت تھی' مشہور زاہد و عابد بزرگ تھے' کوفہ آکر امام ابو حنیفہ سے فقہ کی تحصیل کی اور پھر شام جا کر سکونت اختیار کی۔ علامہ کردری نے لکھا کہ امام صاحب کی صحبت میں رہے اور ان سے روایت حدیث بھی کی۔ امام صاحب نے ان کو نصیحت فرمائی تھی کہ تمہیں خدا نے عبادت کی تو بہت کچھ توفیق بخشی ہے اس لیے علم کا بھی اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ وہ عبادت کی اصل ہے اور اسی پر سارے کاموں کی درستی کا مدار ہے۔ علامہ موفق نے لکھا کہ آپ نے امام ابو حنیفہ' اعمش' محمد بن زیاد اور ان کے اقران سے حدیث کا سماع کیا ہے اور آپ سے امام اوزاعی' ثوری' شقیق بلخی وغیرہ نے روایت کی۔

امام ترمذی نے بھی کتاب الطہارۃ میں آپ سے ایک حدیث تعلیقاً" نقل کی ہے۔ امام نسائی' دار قطنی' ابن معین و ابن نمیر نے مامون ثقہ کہا۔ یعقوب بن سفیان نے خیارا فاضل سے اور امام نسائی نے احد الزہاد فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ[195]

(58) امام سفیان بن سعید بن مسروق ثوری (ولادت 197 م 161ھ

رواۃ صحاح ستہ میں سے' مشہور امام حدیث' عابد و زاہد اور مقتدا' امام شعبہ' امام ابن عیینہ' ابو عاصم اور سید الحفاظ ابن معین وغیرہ اکابر علماء نے ان کو "امیرالمومنین فی الحدیث" کے لقب سے یاد کیا۔ ابن مہدی نے کہا کہ وہب ان کو امام مالک پر بھی حفظ میں ترجیح دیتے تھے۔ یحییٰ القطان کا قول ہے کہ سفیان امام مالک سے ہر بات میں فائق ہیں۔ ابو حاتم' ابوزرعہ اور ابن معین نے شعبہ پر حفظ میں ترجیح دی۔ خطیب نے کہا کہ سفیان امام تھے ائمۃ المسلمین میں سے اور علم تھے اعلام دین میں سے' جن کی امامت پر سب کا اتفاق و اجماع ہے۔ امام نسائی نے فرمایا کہ ان کا مرتبہ اس سے

بہت بلند ہے کہ ان کو ثقہ کہا جائے وہ تو ان ائمہ میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں مجھے امید ہے کہ خدا نے ان کو متقین کا امام بنایا ہے۔ بصرہ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔

یہ سب کے ممدوح و مسلم امام و مقتدا بھی امام ابوحنیفہ سے شروع میں بدظن رہے اور کچھ کلمات بھی کہے ہوں گے۔ مگر پھر امام صاحب کے بے حد مداح ہو گئے تھے اور اپنی بعض باتوں پر' بلکہ اس پر بھی نادم تھے اور استغفار کیا کرتے تھے کہ دوسرے بے انصاف معاندین امام صاحب کے مقابلہ میں امام صاحب کی جانب سے جس قدر مدافعت کا حق تھا وہ ادا نہ ہو سکا اور امام صاحب بھی ان کے فضل و کمال کا اعتراف برملا کیا کرتے تھے۔ یہ امور دونوں کی مقبولیت عنداللہ کی بڑی دلیل معلوم ہوتی ہیں۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ[182]

(59) الامام ابراہیم بن طہمان المتوفی 163ھ

حافظ ذہبی نے ان کا حفاظ حدیث کے پانچویں طبقے میں ذکر کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے کبار تلامذہ میں سے تھے اور ان کے فخر کے لیے یہ کافی ہے کہ خود امام صاحب نے استاد ہونے کے باوجود ان سے روایت لی ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے تصریح کی ہے۔

حدث عنه من شيوخه صفوان بن سليم و ابو حنيفة الامام۔[183]

محدثین کے عرف میں اس قسم کی روایات کو روایۃ الاکابر من الاصاغر کہتے ہیں۔ اور ایک محدث کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سے بالا اور کمتر اور اپنے جیسوں سے روایت کرے۔ علامہ ترمذیؒ نے محدثین کبار کا فیصلہ لکھا ہے کہ

لايكون محدثا حتى يا خذ عمن فوقه و مثله ودونه

ترجمہ :- محدث ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے سے برتر' کمتر اور مثل سے روایت لے۔[184]

اور اسی بنا پر محدثین نے اس کی عظمت شان اور جلالت قدر کا اقرار کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

نوع مهم تدعو اليه الهم العالية والا نفس الزكية

بہر حال امام اعظم نے استاد ہونے کے باوجود ابراہیم بن طہمان سے روایت لی ہے۔ ابراہیم کی جلالت قدر کا اندازہ ان کے تلامذہ سے ہو سکتا ہے۔ ان کے تلامذہ میں ابوبکر الخطیب نے عبداللہ بن المبارک، سفیان بن عیینہ، خالد بن نزار، وکیع بن الجراح، عبدالرحمن بن مہدی، ابوعامر العقدی، محمد بن سابق، یحییٰ بن ابی بکیر کا نام لیا ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کو الحافظ الامام کے لقب سے نوازا ہے۔ مشہور محدث اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم کی حدیث میں ثقاہت مسلم ہے ہمیشہ سے ائمہ ان کی حدیثوں کے خواہاں رہے ہیں اور سب نے ان کی ثقاہت کی منادی کی ہے۔[185]

افسوس ہے کہ ایسا باکمال اور بلند پایہ محدث بھی ارباب ظواہر کی چشمک سے بچ نہ سکا۔ چونکہ امام اعظم کے شاگرد تھے اور اس بات کے قائل تھے کہ ایمان و عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے اس بنا پر بزرگوں نے ان پر بھی مرجئہ ہونے کی تہمت لگا دی۔ یہاں بھی نعیم بن حماد اور ابو اسحاق الجوزجانی نے اپنی جولانی طبع کا ان کو نشانہ بنایا۔ لیکن ان کو پھر بالآخر منہ کی کھانی پڑی۔ اور حافظ ذہبی کو کہنا پڑا۔

فلا عبرۃ بقول مضعفہ

اس مزعومہ کے خلاف تمام ارباب صحاح ان کی حدیث سے احتجاج پر متفق ہیں اور مشہور محدث اقرار کرتے ہیں کہ:

ان حسن الحدیث یمیل شیئا الی الارجاء فی الایمان حبب اللہ حدیثہ الی الناس۔[186]

ذرا ٹھہر جائیے اور یمیل شیاء الی الارجاء فی الایمان کی حقیقت بھی گوش گزار فرما لیجئے۔

خدا بھلا کرے محدث خطیب بغدادی کا کہ وہ اس مقام پر ارجاء کی حقیقت ابوالصلت کے حوالہ سے یہ کہہ کر بے نقاب کر گئے۔

قال علی:۔ قال ابوالصلت لم یکن ارجاء ھم ھذا المذہب الخبیث ان الایمان قول بلا عمل وان ترک العمل لا یضر بالایمان بل کان ارجاء ھم انھم کانوا یرجون لاھل الکبار الغفران ردا علی الخوارج و غیر ھم الذین یکفرون الناس بالذنوب و نحن کذالک

ترجمہ:- ان کا ارجاء یہ مذہب خبیث نہ تھا کہ ایمان قول بغیر عمل ہے اور ترک عمل سے کچھ نہیں بگڑتا ہے بلکہ ان کا ارجاء تو صرف یہ تھا کہ وہ گنہ گاروں کے لیے امیدوار مغفرت تھے وہ خوارج کی تردید کرتے تھے جو لوگوں کو صرف گناہ کی پاداش میں دائرہ اسلام سے نکال دیتے ہیں وہ بخشش کی امید کرتے تھے اور کسی کو گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہتے تھے اور ہم بھی ایسے ہی ہیں۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ خطیب نے بتایا ہے کہ امام وکیع بن الجراح اور سفیان ثوری جیسے محدثین کا بھی یہی مذہب ہے۔

"وکیع بن الجراح کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے بھی آخر میں یہی سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم سارے مسلمان گنہ گاروں کے لیے جو ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں امیدوار مغفرت ہیں خواہ کیسا ہی عمل کریں"۔ [187]

اور واقعہ یہ ہے کہ مانتے تو سب تھے لیکن محدثین فقہاء کی یہ تعبیر سننے کو تیار نہ تھے کہ ایمان و عمل جدا جدا ہیں اور ان میں ہر ایک کا حکم مختلف ہے۔ صرف یہ دیکھ کر کہ ایمان و عمل کو جدا جدا سمجھنا مرجئہ کا مذہب ہے اس کی تردید کرتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری اپنی صحیح میں اس کے خلاف عنوان پر عنوان لاتے ہیں۔ حالانکہ مرجئہ کے نزدیک عمل کی حیثیت ہی کوئی نہیں ہے ان کا تو کھلا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک شخص سچے دل سے توحید و نبوت پر ایمان رکھتا ہے تو پھر اسے گناہ کی کوئی پروا نہیں اور وہ سارے گناہوں کے باوجود آخرت کی باز پرس سے آزاد ہے لیکن محققین اہل السنت جو عمل کو جزو ایمان نہیں بتاتے ان کے نزدیک ایک گنہ گار مسلمان کا معاملہ اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے چاہے تو اپنے فضل سے بخش دے اور چاہے تو اپنے عدل کے مطابق سزا دے اور خود امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔ بہر حال ابراہیم بن طہمان کی برگزیدہ شخصیت اس سے برتر تھی۔

امام احمد بن حنبل کے دل میں ان کی اس قدر عظمت تھی کہ ایک بار ان کی مجلس میں ابراہیم کا ذکر ہوا تو امام احمد بیماری کی وجہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اٹھ بیٹھے اور فرمایا:

لاینبغی ان یذکر الصالحون فیتکا۔ [188]

ترجمہ:- صالحین کا ذکر ہو تو ٹیک لگانا اچھا نہیں ہے۔

ولادت ہرات میں ہوئی اور وفات 163ھ میں حرم محترم میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(60) امام ابراہیم بن طہمان (متوفی 163ھ)

تذکرۃ الحفاظ میں الامام الحافظ' عالم خراسان لکھا۔ صحیح الحدیث اور کثیر الروایت تھے۔ اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے روایت کی۔ ہمیشہ ائمہ فن ان سے روایت حدیث کی رغبت کرتے تھے۔ امام یحییٰ بن اکثم ان کو اوثق و اوسع فی العلم کہتے تھے۔ محدث ابوزرعہ نے نقل کیا کہ ایک دفعہ امام احمد تکیہ لگائے بیٹھے تھے کسی نے ابراہیم بن طہمان کا ذکر کیا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا "مناسب نہیں کہ صالحین کا ذکر ہو اور ہم تکیہ لگائے بیٹھے رہیں۔" تذکرہ و تبییض میں ہے کہ ابراہیم موصوف امام اعظم کے شاگرد تھے۔ امام صاحب سے مسانید میں بہ کثرت روایات کی ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب ابراہیم کی اتنی عزت تھی تو ابراہیم جن کے سامنے مودب بیٹھ کر استفادہ کر چکے تھے ان کا ادب و احترام کتنا ہونا چاہیے مگر افسوس ہے کہ اس امام معظم کا کچھ لوگوں نے برائی سے ذکر کیا اور دوسروں کے لیے بھی بری مثال قائم کی۔ اللھم وفقنا لما تحب و ترضی' وارنا الحق حقا والباطل باطلا۔ انک سمیع مجیب الدعوات۔[189]

(61) امام حماد بن سلمہ (167ھ)

کبار محدثین میں سے ہیں۔ جواہر مضیہ میں وفات کا 167ھ اور امانی الاحبار میں 166ھ نقل ہوا ہے۔ سواء امام بخاری کے باقی اصحاب صحاح ستہ نے ان سے تخریج کی ہے اور امام بخاری نے بھی "تعلیقا" سے روایت لی ہے۔ بصرہ میں ان کے اقران میں سے کوئی بھی علم و فضل' تمسک بالسنہ اور مخالفت اہل بدعت میں ان سے بڑھ کر نہ تھا۔ ابن مبارک نے فرمایا میں بصرہ گیا تو ان ہی کو سب سے زیادہ سلف کے طریقہ کا متبع پایا۔

ابن حبان نے عباد' زہاد اور مستجاب الدعوات حضرات میں سے شمار کیا اور کہا کہ جس نے ان کی حدیث روایت نہیں کی اس نے انصاف نہیں کیا اگر اس لیے ان سے روایت نہیں لی گئی کہ کوئی کوئی خطا ان سے ہوئی ہے تو ان کے اقران میں سے ثوری و شعبہ وغیرہ سے بھی خطا ہوئی ہے اور اگر کہا جائے کہ ان سے خطا زیادہ ہوئی تو یہ بات ابوبکر بن

عیاش میں بھی ہے ان سے کیوں روایات لی گئیں؟

ابن حبان نے امام بخاری پر بھی تعریض کی کہ جس نے حماد بن سلمہ کو چھوڑ کر فلیح اور عبدالرحمن بن عبداللہ بن دینار کی احادیث سے احتجاج کیا اس نے بھی انصاف نہیں کیا۔ ابن سعد نے ثقہ کثیر الحدیث عجلی نے ثقہ رجل صالح، حسن الحدیث کہا' امام اوزاعی' امام لیث' امام ثوری' ابن ماجشون' معمرو ہشام کے طبقہ میں تھے اور یہ سب اپنے دور کے ان لوگوں میں سے ہیں کہ جو بات کسی کے بارے میں جرح و تعدیل کے طور پر کہہ دیں تو وہ بات مسلم ہوتی تھی۔ امام حماد اور ابن ابی عروبہ نے بصرہ میں تالیف و تدوین کا آغاز کیا تھا۔ رحمہ اللہ[190]

(62) امام ابو النضر جریر بن حازم الازدی البصری (م 170ھ)

امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ امام جریر نے حدیث ابورجا اور ابن سیرین سے حاصل کی اور آپ سے امام سفیان ثوری اور امام ابن مبارک نے حدیث روایت کی۔ علامہ خوارزمی نے فرمایا کہ حدیث میں امام اعظم کے بھی شاگرد تھے اور امام صاحب سے مسانید میں احادیث کی روایت بھی کی ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ[191]

(63) امام ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمن مصری

(ولادت 92' 94ھ --- متوفی 175ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے مشہور و معروف محدث جلیل و فقیہ نبیل جن کو اکثر اہل علم نے حنفی لکھا ہے اور قاضی زکریا انصاری نے "شرح بخاری" میں اس پر جزم کیا ہے۔ حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ امام اعظم کے تلمیذ ہیں۔ اکثر امام صاحب کی خبر سنتے کہ حج کے لیے آ رہے ہیں تو یہ بھی حج کے لیے مکہ معظمہ پہنچتے اور امام صاحب سے مختلف ابواب کے مسائل دریافت کرتے تھے اور امام صاحب کی اصابتہ رائے اور سرعتِ جواب پر حیرت و استعجاب کیا کرتے تھے۔

امام لیث خود بھی ائمہ مجتہدین میں سے تھے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ لیث امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے مگر

ان کے تلامذہ نے ان کو ضائع کر دیا۔ حافظ ابن حجر نے "الرحمۃ الغیثیہ فی الترجمۃ اللیثیہ" میں لکھا کہ ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح امام مالک وغیرہ کی فقہ ان کے شاگردوں نے تدوین کی' امام لیث کے تلامذہ نے نہیں کی۔ امام شافعی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کسی شخص کے متعلق ایسی حسرت نہیں ہے جیسی امام لیث کے متعلق ہے کہ میں نے ان کا زمانہ پایا اور پھر بھی ان کی زیارت نہ کر سکا۔

امام لیث کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک کے ستر مسائل ایسے شمار کیے جو سنت کے خلاف تھے چنانچہ میں نے اس بارے میں ان کو لکھ کر بھی بھیج دیا ہے۔[192]

علماء فن رجال نے آپ کو ثقات و سادات اہل زمانہ میں سے اور فقیہ' متورع' علم و فضل اور سخاوت میں بے مثل لکھا ہے۔ حافظ ذہبی نے لکھا کہ آپ کی سالانہ اسی ہزار دینار کی آمدنی تھی مگر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی تھی۔ روزانہ کا معمول تھا کہ جب تک 360 مساکین کو کھانا نہ کھلا دیتے خود کھانا نہیں کھاتے تھے۔ امام مالک نے ایک سینی میں کھجوریں آپ کے لیے بھیجیں تو آپ نے اس کو اشرفیوں سے بھر کر واپس کیا۔ منصور بن عمار نے کہا کہ میں لیث سے ملنے گیا تو مجھے ایک ہزار اشرفی ہدیہ کیں۔ امام صاحب سے مسانید میں روایت حدیث بھی کی ہے۔[193]

(64) امام حماد بن زید (م 179ھ -- عمر 81 سال)

امام کبیر' محدث شہیر تلمیذ امام اعظم رضی اللہ عنہا' احد الاعلام جن سے ائمہ ستہ نے روایت کی ہے۔ ابن مہدی کا قول ہے کہ بصرہ میں ان سے زیادہ کوئی فقیہ نہ تھا اور نہ ان سے بڑا کوئی عالم سنت میں نے دیکھا۔[194]

تابعین اور مابعد تابعین سے روایت کی اور آپ سے ابن مبارک' ابن مہدی' ابن وہب' قطان' ابن عیینہ وغیرہ نے روایت کی۔ ابن مہدی کا قول ہے کہ ائمۃ الناس اپنے زمانہ میں چار تھے۔ سفیان ثوری کوفہ میں۔ امام مالک حجاز میں' اوزاعی شام میں اور حماد بن زید بصرہ میں۔ امام احمد نے فرمایا کہ حماد بن زید ائمۃ المسلمین میں سے تھے۔ خالد بن خداش کا قول ہے کہ حماد عقلاء اور ذوی الالباب سے تھے۔ یزید بن زریع نے موت پر کہا کہ سید المسلمین کی موت ہوئی۔ خلیلی نے کہا کہ متفق علیہ ثقہ تھے۔[195]

(65) شیخ جریر بن عبدالحمید الرازی (ولادت 110ھ -- م 181ھ)

مشہور محدث و فقیہ' حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں الحافظ الحجہ' محدث الری لکھا' حدیث میں امام صاحب' یحیٰی بن سعید انصاری' امام مالک' ثوری اور اعمش کے شاگرد ہیں اور آپ سے ابن مبارک' اسحق بن راہویہ' ابن معین' قتیبہ' ابوبکر بن ابی شیبہ' امام احمد اور ابن المدینی نے حدیث روایت کی۔
محدثین نے ان کی ثقاہت' حفظ اور وسعت علم کو شہادت دی۔ ہبتہ اللہ طبری نے ان کی ثقاہت پر اتفاق کیا۔ اصفہان کے ایک گاؤں آبہ میں پیدا ہوئے۔ کوفہ میں نشوونما ہوا' بعد کو "رے" میں سکونت اختیار کی۔ تمام ارباب صحاح ستہ نے آپ کی احادیث سے احتجاج کیا۔ اس جلالت قدر کے ساتھ امام صاحب سے مسانید میں روایت کرتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔[196]

(66) امام ہشیم بن بشیر ابو معاویتہ السلمی الواسطی (ولادت 104ھ - م 183ھ)

ارباب صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں۔ امام حماد بن زید نے فرمایا کہ میں نے محدثین میں ان سے زیادہ بلند مرتبہ نہیں دیکھا' اسحق زیادی نے بیان کیا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا کہ "ہشیم سے حدیث سنو وہ اچھے آدمی ہیں" عبدالرحمن بن مہدی نے فرمایا کہ ہشیم' سفیان ثوری سے بھی زیادہ حافظ حدیث تھے۔
امام احمد نے فرمایا کہ ہشیم کثیرالتسبیح تھے۔ میں ان کی خدمت میں 5-4 سال رہا ان کی ہیبت و رعب کی وجہ سے اتنی مدت میں صرف 2 بار سوال کر سکا۔ محدث خوارزمی نے فرمایا کہ امام اعظم کے تلامذہ حدیث میں ہیں اور مسانید میں آپ سے روایت کرتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔[197]

(67) امام موسیٰ کاظم بن الامام جعفر صادق (م 183)

کنیت ابوابراہیم' تبع تابعین میں سے جلیل القدر محدث و فقیہ ہوئے۔ آپ کے فتاویٰ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں ہیں ایک مسند بھی آپ کی ہے جس کو ابو نعیم اصفہانی نے روایت کیا۔ ولادت 128ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔[198]

(68) شیخ عباد بن العوام (م 185ھ)

حدیث امام اعظم، حمیدی اور ابن ابی عروبہ وغیرہ سے سنی اور امام صاحب سے مسانید میں روایات بھی کی ہیں۔ امام ابن المدینی اور امام بخاری وغیرہ نے امام صاحب کے تلامذہ حدیث میں ان کا اسم گرامی نقل کیا ہے۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ[۱۹۹]

(69) امام مغیرۃ بن مقسم الضبی ابو ہاشم الکوفی

(م 136ھ جامع المسانید -- 186ھ جواہر مضیہ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے مشہور امام حدیث و فقہ ہیں۔ ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ افقہ کسی کو نہیں پایا اس لیے ان ہی کی خدمت میں رہ پڑا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ جو چیز میرے کان نے سنی اس کو کبھی نہیں بھولا۔ ثقہ، کثیر الحدیث تھے۔ امام صاحب کے حدیث و فقہ میں شاگرد تھے اور مسانید میں روایت بھی کی ہے۔ جریر بن عبدالحمید کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا مغیرہ مسائل میں بحث کرتے تھے اور جب کبھی کسی مسئلہ میں دوسرے محدثین ان سے خلاف کرتے تھے تو فرمایا کرتے تھے "میں کیا کروں (یعنی کسی طرح اس قول کو رد کر دوں) جب کہ یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے"۔[۲۰۰]

معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں اکابر محدثین اس امر کو بہت مستبعد سمجھا کرتے تھے کہ امام صاحب کا قول حدیث صحیح کے خلاف ہو سکتا ہے۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ۔

(70) امام ابراہیم بن محمد ابو اسحق الفزاری الشامی (186ھ)

محدث شہیر، امام اوزاعی و ثوری سے حدیث سنی، امام صاحب سے بھی حدیث میں تلمذ کیا اور مسانید امام میں ان

سے روایت کی حالانکہ خود امام شافعی کے شیوخ میں ہیں۔ امام شافعی نے اپنی مسند میں ان سے بہت سی روایات لی ہیں۔ نام سے ذکر کیا ہے کنیت سے نہیں۔ امام بخاری و مسلم کے بھی شیخ اور الشیوخ ہیں۔[201]

(71) حافظ ابوبکر عبدالسلام بن حرب بن سلم نہدی کوفی (متوفی 187ھ)

حافظ حدیث، ثقہ، ثبت، حجۃ، صدوق اور صحاح ستہ کے رواۃ میں ہیں۔ اصل سکونت بصرہ کی تھی، عجلی نے کہا کہ جس دن ابو اسحٰق سبیعی کی وفات ہوئی، اسی دن کوفہ پہنچے ہیں۔ بعض بغدادیوں نے آپ کی بعض احادیث میں کلام کیا ہے مگر کوفیوں نے جو آپ کے احوال سے زیادہ باخبر تھے آپ کی توثیق پر اتفاق کیا ہے۔
معلوم ہوا کہ اپنے اہل شہر کی توثیق دوسروں کی جرح پر مقدم ہے۔[202]

(72) شیخ عیسیٰ بن یونس سبیعی کوفی (اخو اسرائیل) (متوفی 187، 189، 191ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے مشہور محدث و فقیہ، ثقہ، ثبت تھے، امام علی بن المدینی کا قول ہے کہ ایک بڑی تعداد بناء کی ایسی ہے جو ان کے آباء سے زیادہ ہمارے نزدیک ثقہ ہیں اور ان ہی میں سے عیسیٰ بن یونس ہیں۔ خلیفہ امین و مامون نے ان سے حدیث پڑھی۔ مامون نے دس ہزار روپے بھیجے، آپ نے واپس کر دیئے وہ سمجھا کہ کم سمجھ کر واپس کئے تو دس ہزار اور بھیجے۔ آپ نے فرمایا کہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کر تو میں ایک چھدام یا ایک گھونٹ پانی کا بھی قبول نہیں کر سکتا۔ آپ نے 45 حج کئے اور 45 بار جہاد میں شرکت کی۔[203] علامہ خوارزمی نے فرمایا کہ محدثین کے یہاں بڑے جلیل القدر تھے اور امام صاحب سے ان مسانید میں روایت حدیث بھی کی ہے۔

(73) امام یوسف بن الامام ابی یوسفؒ (192ھ)

بڑے محدث و فقیہ تھے، فقہ و حدیث میں اپنے والد ماجد امام ابی یوسف اور یونس بن ابی اسحٰق سبیعی وغیرہ کے

شاگرد ہیں۔ ہارون رشید نے امام ابو یوسف کی وفات کے بعد آپ کو قضا سپرد کی اور مدینہ طیبہ میں جمعہ کی امامت آپ سے کرائی۔ تاوفات قاضی رہے امام اعظم کی کتاب الآثار کو اپنے والد ماجد کے واسطہ سے آپ نے روایت و جمع کیا۔

یہ کتاب بہترین کاغذ و طباعت سے مولانا ابوالوفا صاحب نعمانی دام فیضہم کی تعلیقات کے ساتھ ادارہ احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔[204]

(74) شیخ ابو علی شقیق بن ابراہیم بلخی (م 194ھ)

امام ابو یوسف کے اصحاب و تلامذہ میں ہیں۔ آپ سے کتاب الصلوۃ پڑھی' عالم' زاہد' عارف و متوکل تھے۔ امام اعظم سے بھی روایت حدیث کی ہے۔ مدت تک ابراہیم بن ادہم کی خدمت میں رہ کر طریقت کا علم حاصل کیا۔ آپ کے تین سو گاؤں تھے۔ سب کو فقراء پر تقسیم کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے 17 سو اساتذہ سے علم حاصل کیا اور چند اونٹ کتابوں کے لکھے مگر خدا کی رضا مذکورہ چار چیزوں میں پائی۔ حلال روزی' اخلاص فی العمل' شیطان سے عداوت' موت سے موافقت۔[205]

(75) شیخ ولید بن مسلم دمشقی (ولادت 119ھ م 195ھ)

امام اعظم' امام اوزاعی اور ابن جریج وغیرہ سے حدیث سنی۔ اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے روایت کی ہے۔ شام کے مشہور عالم تھے۔ عجلی' یعقوب بن شیبہ اور ابن سعد نے ثقہ' کثیرالحدیث کہا۔ ان کے شاگرد امام احمد نے فرمایا کہ شامیوں سے روایت کرنے والا کوئی محدث اسماعیل بن عیاش اور ولید سے بڑھ کر نہیں ہے اور ان سے زیادہ عقل والا میں نے نہیں دیکھا۔ علی بن مدینی نے فرمایا کہ شامیوں میں ان جیسا نہیں ہے۔ محدث ابو مسہر نے کہا کہ وہ ہمارے اصحاب ثقات میں سے تھے اور ایک دفعہ فرمایا کہ حفاظ اصحاب میں سے تھے۔ محدث ابو زرعہ نے کہا کہ ولید وکیع سے زیادہ مغازی کے عالم تھے۔ محدث خوارزمی نے فرمایا کہ ولید نے امام اعظم سے مسانید میں روایت کی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔[206]

(76) امام و حافظ حدیث اسحٰق بن یوسف الازرق التنوخی الواسطی

(تلمیذ اعظم امام) (م 195ھ)

رواۃ صحاح ستہ میں سے علم و حدیث کے مشہور گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ محدث و فقیہ کامل تھے۔ حدیث اعمش، زکریا بن ابی زائدہ سفیان ثوری اور شریک سے حاصل کی اور آپ سے امام احمد، ابن معین، عمروالناقد اور ایک جماعت محدثین نے روایت کی۔

علامہ خوارزمی نے فرمایا کہ باوجود اس جلالت قدر کے کہ ان بڑوں کے شیوخ میں ہیں اپنے شیخ واستاذ امام ابوحنیفہ سے احادیث کثیرہ مسانید امام میں روایت کی ہیں اور امام احمد نے بھی ان کے واسطہ سے امام ابو حنیفہ سے احادیث روایت کی ہیں اور امام احمد ان کو قسم کھا کر ثقہ کہا کرتے تھے۔ تہذیب الکمال اور تبییض الصحیفہ میں بھی امام صاحب سے تلمذ کی تصریح ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[207]

(77) امام ابو محمد سفیان بن عیینہ کوفی (متوفی 198ھ)

مشہور محدث، ثقہ، حافظ، فقیہ، امام، حجت، آٹھویں طبقہ کے کبار و اعیان میں سے تھے۔ ولادت کوفہ مورخہ 15 شعبان 107ھ اپنے والد ماجد کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ 20 سال کی عمر میں کوفہ آ۔۔۔ امام اعظم سے تحصیل علم حدیث و فقہ کی اور آپ سے مسانید وغیرہ میں روایات بھی کیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ امام ۔۔۔ ب ہی نے پہلے مجھے محدث بنایا۔ آپ نے عمرو بن دینار اور حمزہ بن سعید سے بھی حدیث حاصل کی اور امام جعفر ص۔۔ ن، زکریا بن ابی زائدہ، زہری، ابواسحٰق سبیعی، اعمش وغیرہ سے بھی۔

حافظ نے 60 سے اوپر اکابر کے نام لکھ کر "وخلق لا یحصون" کا جملہ لکھا مگر امام صاحب کا ذکر نہیں کیا۔ آپ کے تلامذہ میں ابن مبارک، وکیع، قطان، عبدالرزاق، امام احمد، ابن معین، اسحٰق بن راہویہ، ابوبکر و عثمان، ابنا ابی شیبہ، احمد بن منیع وغیرہ کا ذکر کیا لیکن امام محمد و امام شافعی کا ذکر نہیں کیا۔

آپ سے اصحاب صحاح ستہ نے بھی بہ کثرت تخریج کی' امام شافعی کا قول ہے کہ اگر آپ اور امام مالک نہ ہوتے تو حجاز سے علم چلا جاتا یہ بھی فرمایا کہ امام مالک و سفیان برابر درجہ کے ہیں۔ عجلی نے کہا کہ آپ حسن الحدیث تھے اور حکماء اصحاب حدیث میں سے تھے۔ عبدالرحمن بن مہدی کا قول ہے کہ حضرت سفیان عیینہ سے حدیث سنتا تھا پھر شعبہ کے پاس جاتا اور وہی احادیث سنتا تو ان کے لکھنے کی ضرورت نہ سمجھتا تھا۔ آپ نے ستر حج کئے۔ نسوی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت سفیان کی خدمت میں حاضر ہوا ان کے سامنے جو کی دو روٹی تھیں۔ فرمایا۔ ابو موسی! چالیس سال سے یہی میرا کھانا ہے۔ بطور تواضع اکثر میرتی کا ایک شعر پڑھا کرتے جس کا مطلب یہ ہے کہ ساری بستیاں بڑوں سے خالی ہو گئیں اس لیے میں بغیر سردار بنائے سردار بن گیا اور یہ بھی کیا کم نصیبی ہے کہ میں اکیلا سردار ہوں۔ آخری حج کے موقعہ پر فرمایا کہ اس مقام کا شرف ستر بار حاصل ہوا اور ہر مرتبہ دعا کرتا رہا کہ بارالہٰی! یہ حاضری آخری حاضری نہ ہو جائے لیکن اب اتنی دفعہ سوال کے بعد سوال کرنے سے شرم آ رہی ہے اور اسی سال وفات ہو گئی۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ[208]

(78) شیخ یونس بن بکیر ابوبکر الشیبانی الکوفی (م 199ھ)

مشہور محدث تھے' امام اعظم' محمد بن اسحاق' ہشام بن عروہ اور شعبہ وغیرہ سے حدیث سنی اور آپ سے علی بن عبد اور عبید بن حیش نے روایت کی۔ امام صاحب سے مسانید میں بکثرت روایت کی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ[209]

(79) امام عبداللہ بن عمر العمری (م ھ)

امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب قرشی عدوی نے قاسم و نافع و سالم سے حدیث سنی اور آپ سے امام ثوری' شعبہ' ابن نمیر اور یحییٰ القطان نے حدیث روایت کی۔ محدث خوارزمی نے فرمایا کہ اس جلالت قدر کے ساتھ امام ابو حنیفہ سے ان مسانید میں روایت حدیث کرتے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ[210]

(80) حافظ عبداللہ بن نمیر (م 199ھ)

امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ حدیث عبداللہ العمری اور ہشام بن عروہ (ایسے کبار محدثین) سے حاصل کی' محدث خوارزمی نے فرمایا کہ علم حدیث میں اس مرتبہ' جلیل پر تھے اور امام صاحب سے مسانید میں روایت حدیث کی ہے۔ رحمہ اللہ .غفرانہ۔[211]

(81) شیخ عمرو بن محمد العنقزی قرشی (م 199ھ)

امام ابو حنیفہ' یونس بن ابی اسحق' حنظلہ بن ابی سفیان' عیسی بن طہمان' عبدالعزیز بن ابی رواد' ابن جریج' ثوری وغیرہ سے روایت کی۔ آپ سے اسحق بن راہویہ' علی بن المدینی وغیرہ نے روایت کی۔ مسلم' سنن' اربعہ اور بخاری میں "تعلیقاً" روایت ہے۔[212]

(82) امام عمرو بن ہشیم بن قطن (م 200ھ)

امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ عمرو بن الہشیم ابو قطن الزبیدی نے شعبہ سے حدیث سنی۔ امام شافعی و امام احمد کے شیوخ میں ہیں امام شافعی نے اپنی مسند میں آپ سے روایت کی ہے۔ باوجود اس جلالت قدر کے امام اعظم کے تلمیذ حدیث ہیں اور مسانید میں آپ سے روایت بھی موجود ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔[213]

(83) شیخ معروف کرخی (تلمیذ داؤد طائی تلمیذ الامام (م 200ھ)

مشہور مقتدائے طریقت' عارف اسرار و حقائق' قطب وقت اور مستجاب الدعوات تھے۔ امام داؤد طائی سے ظاہری

و باطنی علوم حاصل کئے۔ شامی میں ہے کہ آپ سے ہی سری سقطی وغیرہ کبار مشائخ نے علوم ظاہرو باطن حاصل کئے۔ ایک واسطہ سے امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین و جعلنا معہم۔[211]

(84) حافظ ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانی (200ھ عمر 80 سال)

فقہ و حدیث کے جامع امام، حافظ معلی کے رفیق علم، عمر میں ان سے بڑے تھے اور شہرت بھی ان سے زیادہ پائی۔ مامون نے قضا کے لئے کہا تو فرمایا کہ "امیر المومنین! قضا کے بارے میں حق تعالیٰ کے حقوق و فرائض کی پوری ذمہ داری سے حفاظت کیجئے اور ایسی عظیم امانت میرے جیسے کمزور کو نہ سونپے جس کو اپنے نفس پر اعتماد نہیں۔" مامون نے کہا آپ سچ کہتے ہیں اور مجبور نہیں کیا۔ حدیث میں صاحبین کے علاوہ امیر المومنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک کے بھی شاگرد ہیں۔ سیر صغیر، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الرہن اور نوادر آپ کی تصنیفی یادگار ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[215]

(85) محدث عباد بن صہیب بصری (م 202ھ)

مشہور محدث و فقیہ، امام اعظم کے تلامذہ میں سے ہیں۔ امام محمد بن شجاع کا بیان ہے کہ میں ان سے کہا کہ آپ کے پاس امام صاحب کا جو کچھ علمی سرمایہ ہے بیان کیجئے! کہا میرے پاس ایک الماری بھری ہوئی امام صاحب کے علوم کی ہے لیکن میں آپ سے ان کی فقہی مسائل نہیں بیان کروں گا۔ بلکہ حدیثی سلسلہ کی جتنی چیزیں چاہیں بیان کر دوں گا۔ میں نے کہا ایسا کیوں؟ کہا کہ میں کوفہ آیا تو میں نے امام صاحب سے بہت سے مسائل سنے اور لکھے پھر میں کوفہ سے دس سال تک جدا رہا۔ پھر جب گیا تو امام صاحب سے ان ہی سابقہ مسائل کے جوابات دوسرے سنے۔ محمد بن شجاع فرماتے ہیں کہ اس بات سے میرے دل میں بھی وہی بات آئی جو عباد کے دل میں آئی تھی اور اس خلش کو دور کرنے کے لئے امام عبداللہ بن داؤد کے پاس پہنچا اور ساری بات سنائی۔ انہوں نے فرمایا کہ اس سے تو امام صاحب کی وسعت علمی ثابت ہوتی ہے اگر ان کے علم کا دائرہ تنگ ہوتا تو ان کا جواب ایک ہی رہتا لیکن چونکہ ان کے علوم کی وسعت

بہت تھی اس لیے علمی موشگافیاں بھی ان کے لئے بہت سہل ہو گئی تھیں اور ان کے مطابق وہ اپنے فیصلے بدل سکتے تھے۔ الجواہر امام صاحب سے مسانید میں روایت حدیث بھی کی ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[216]

(86) امام زید بن حباب عکلی کوفی (م 203ھ)

کبار محدثین سے روایت حدیث کی' امام احمد' ابوبکر بن ابی شیبہ' علی بن المدینی وغیرہ کے استاد ہیں۔ بہت ذکی حافظ حدیث و عالم تھے۔ تحصیل حدیث کے لیے خراسان' معرو اندلس وغیرہ گئے' مسلم' ترمذی اور سنن اربعہ میں ان سے روایات ہیں۔ تہذیب الکمال اور "تبییض الصحیفہ میں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے حدیث میں شاگرد ہیں۔ علی بن المدینی' عجلی' ابن معین وغیرہ نے ثقہ کہا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔[217]

(87) محدث مصعب بن مقدام الخثعمی کوفی (م 203ھ)

قطر بن خلیفہ' زائد' عکرمہ بن عمار' مبارک بن فضالہ' مسعر' امام ابوحنیفہ' ثوری وغیرہ سے روایت کی اور آپ سے اسحق راہویہ' ابوبکر ابن ابی شیبہ' عبدالرحمن بن دینار وغیرہ نے روایت کی۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ امام مسلم' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ میں ان کی روایت ہیں۔ امام احمد' عجلی' ابن شاہین' سید الحفاظ یحیٰی بن معین اور ابن قانع نے ثقہ' صالح کہا۔[218]

(88) امام ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن جارود الطیالسی (204ھ عمر 80 سال)

شہر فارس کے رہنے والے تھے۔ پھر بصرہ میں سکونت کی اور وہاں کے کبار محدثین شعبہ و ہشام دستوائی وغیرہ سے بہ کثرت روایت کی ہے۔ احادیث طویلہ کو خوب یاد رکھتے تھے۔ ایک ہزار شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان سے روایت کرنے والوں نے تقریباً" چالیس ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ سید الحفاظ یحیٰی بن معین' ابن المدینی' وکیع

وغیرہ نے آپ کی توثیق کی۔
ان کی مسند مشہور ہے جو دائرۃ المعارف حیدر آباد سے شائع ہو چکی ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ[219]

(89) محدث کبیر خلف بن ایوب (م 205ھ)

اہل بلخ کے امام، بڑے محدث و فقیہ مشہور ہیں۔ اولیاء کبار میں آپ کا شمار ہے۔ حافظ خلیلی نے لکھا کہ "حدیث میں صدوق مشہور ہیں بڑے صالح، زاہد و عابد تھے"۔ کوفیوں (احناف) کے مذہب پر فقیہ تھے۔ فقہ کی تعلیم امام ابو یوسف اور ابن ابی لیلی سے پائی۔ جواہر مضیہ میں یہ بھی لکھا کہ امام محمد و زفر سے بھی تلمذ کیا۔ امام ذہبی نے لکھا کہ صاحب علم و عمل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ سلطان بلخ آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ کسی نے کہا کہ حسن بن زیاد کے ساتھ آپ کو بڑی شیفتگی ہے حالانکہ وہ نماز میں تخفیف کرتے ہیں۔ فرمایا تخفیف نہیں بلکہ انہوں نے نماز کو سبک کر دیا ہے یعنی رکوع و سجود پوری طرح ادا کرتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ارکان کی پوری ادائیگی کے باوجود سب زیادہ ہلکی نماز ادا فرماتے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں امام احمد یحییٰ بن معین اور مشہور فقیہ و زاہد حضرت ایوب بن حسن حنفی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امام ترمذی نے باب فضل الفقہ علی العبادہ میں بواسطہ ابوکریب محمد بن العلاء آپ سے حدیث روایت کی ہے مگر آپ کے حالات سے واقف نہ تھے جس پر حافظ ذہبی نے لکھا کہ ان سے تو ایک جماعت محدثین نے احادیث کی روایت کی ہے۔

ایک دفعہ کسی نے آپ سے مسئلہ پوچھا۔ فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ سائل نے کہا پھر کس سے معلوم کروں؟ فرمایا حسن بن زیادہ سے معلوم کر لینا جو کوفہ میں ہیں۔ اس نے کہا کوفہ تو بہت دور ہے۔ آپ نے فرمایا جسے واقعی دین کی فکر ہو اس کے لیے کوفہ بہت قریب ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ[220]

(90) امام جعفر بن عون بن جعفر بن عمرو بن حریث ابو عون مخزومی کوفی (م 207ھ)

امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ آپ نے حدیث ابو عمیس، یحییٰ بن سعید اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے حاصل

کی۔ حدیث میں امام اعظم ابو حنیفہ کے بھی شاگرد ہیں اور مسانید امام میں ان سے روایت حدیث کی ہے۔ امام علی بن المدینی نے بھی ان کے تلمذ امام کی تصریح کی ہے۔ صحاح ستہ میں ان سے روایات ہیں۔ تہذیب الکمال، تبییض الصحیفہ اور خیرات حسان میں بھی تصریح ہے کہ امام صاحب کے حدیث میں شاگرد تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ[221]

(91) شیخ قاسم بن الحکم بن کثیر العرنی کوفی قاضی ہمدان (م 208ھ)

سعید بن عبید الطائی، غالب بن عبیداللہ الجزری اور امام ابوحنیفہ وغیرہ سے روایت حدیث کی، نسائی، ابوزرعہ وغیرہ نے ثقہ صدوق کہا آپ سے امام بخاری نے ادب المفرد میں اور امام ترمذی نے جامع میں روایت کی۔[222]

(92) امام ابو محمد حسین بن حفص اصفہانی (تلمیذ امام ابی یوسف) (م 210ھ)

کبار محدثین کے طبقہ عاشرہ میں اور فقیہ جید تھے۔ مسلم و ابن ماجہ نے آپ سے روایت کی۔ حدیث فقہ امام ابو یوسف سے حاصل کی، امام ابو حنیفہ کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ مدت تک اصفہان کے قاضی بھی رہے۔ سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تھی مگر زکوٰۃ فرض نہ ہوتی تھی کیونکہ آپ کل آمدنی فقہا اور محدثین پر صرف کر دیتے تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔[223]

(93) امام ابراہیم بن رستم مروزی (تلمیذ امام محمد) (م 211ھ)

اکابر اعلام میں سے ہیں۔ امام محمد سے فقہ حاصل کی۔ نوح بن ابی مریم اور اسد بن عمرو سے حدیث سنی جو دونوں امام اعظم کے تلامذ خاص تھے امام مالک، ثوری، شعبہ وغیرہ سے بھی حدیث سنی ہے۔ بہت مرتبہ بغداد آئے اور وہاں درس حدیث دیا۔ امام احمد، ابو خیثمہ وغیرہ نے ان سے حدیث روایت کی۔ دارمی نے ابن معین سے ثقہ ہونا نقل کیا اور ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ کہا، میزان اور لسان میں مفصل تذکرہ ہے۔ خلیفہ مامون رشید نے ان کو قضا کا عہدہ پیش کیا

تو قبول نہ کیا اور گھر لوٹ کر اس کے شکریہ میں دس ہزار روپے خیرات کئے۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔[224]

(94) حافظ معلی بن منصور تلمیذ امام ابو یوسف امام محمد (م 211ھ)

امام ابو یوسف و امام محمد کے حدیث و فقہ میں مشہور شاگرد ہیں اور ان کی کتب امالی و نوادر کے راوی بھی ہیں۔ ابو سلیمان جوزجانی بھی ان کے رفیق درس تھے اور دونوں کا مرتبہ ورع' تدین اور حفظ فقہ و حدیث میں بہت ممتاز ہے۔ حافظ معلی کو مامون نے کئی بار قضاء کا عہدہ دینا چاہا مگر انکار کیا۔ امام مالک' لیث بن سعد حنفی' حماد اور ابن عیینۃ سے بھی حدیث سنی اور آپ سے ابن المدینی' ابوبکر بن ابی شیبہ اور بخاری نے غیر جامع میں روایت کی ترمذی' ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی آپ سے روایت کی گئی۔ ابن معین' ابن سعد' ابن عدی وغیرہ نے توثیق کی ہے۔ فقہ و حدیث کے جامع امام تھے۔ (جواہر و تقدمہ نصب الرایہ)۔ امام احمد نے فرمایا کہ حافظ معلی کبار اصحاب ابی یوسف و محمد سے تھے اور نقل و روایت میں ثقہ تھے۔

حافظ ذہبی نے حافظ حدیث' فقیہ' احد الاعلام اور علم کے خزانوں میں سے قرار دیا۔ ابن عدی نے فرمایا کہ میں نے ان کی کوئی حدیث منکر نہیں دیکھی۔ حافظ ذہبی نے لکھا کہ امام بخاری نے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے کچھ احادیث سنیں۔ نماز میں خشوع و خضوع کے حیرت زدہ واقعات نقل ہوئے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔[225]

(95) حافظ عبدالرزاق بن ہمام (تلمیذ الامام الاعظم) (ولادت 126ھ متوفی 211ھ)

صاحب مصنف مشہور' ارباب صحاح ستہ کے سیوخ و رواۃ میں ہیں۔ علامہ ذہبی نے "احد الاعلام الثقات" لکھا۔ بخاری وغیرہ میں بہ کثرت احادیث آپ سے مروی ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ ان سے بڑھ کر روایت حدیث میں کسی کو نہیں دیکھا۔ محدثین کبار مثل امام سفیان بن عیینۃ۔ سید الحفاظ یحییٰ بن معین' علی بن المدینی' امام احمد وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام بخاری نے مصنف عبدالرزاق سے استفادہ کیا جس کو امام ذہبی نے علم کا خزانہ لکھا ہے۔ عقود الجمان میں ہے کہ امام اعظم کی خدمت میں زیادہ رہے ہیں۔ تہذیب الکمال اور تبییض میں بھی لکھا کہ امام صاحب کے حدیث میں

شاگرد ہیں۔ امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ معمر ثوری اور ابن جریج سے روایت حدیث کی اور لکھا کہ جو کچھ میں ان کی کتاب سے روایت کروں وہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔ مگر امام صاحب سے تلمیذ و روایت حدیث کا ذکر نہیں کیا حالانکہ مسانید امام میں روایات موجود ہیں۔ واللہ المستعان۔[226]

(96) امام اسماعیل بن حماد بن الامام (تلمیذ الامام) (متوفی 212ھ)

فاضل اجل، عابد زاہد، صالح و متدین اور اپنے وقت کے امام بلامدافعہ تھے فقہ اپنے والد بزرگوار، امام حماد اور حسن بن زیاد سے حاصل کیا اور علم حدیث اپنے والد اور قاسم بن معن وغیرہ سے پہلے بغداد پھر بصرہ، پھر رقہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ آپ احکام قضا و قائع و نوازل کے بہت بڑے ماہر و بصیر تھے۔ محمد بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اب تک کوئی قاضی آپ سے زیادہ علم و بصیرت والا نہیں ہوا۔ آپ نے ایک جامع کتاب فقہ میں اور ایک کتاب قدریہ کے رد میں اور ایک ارجاء کے رد میں تصنیف فرمائی۔

تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ آپ کا ایک ہمسایہ خراس فرقہ، رافضیہ سے تھا جس نے فرط تعصب و جہالت سے اپنے دو خچروں کا نام ابوبکر و عمر رکھا تھا۔ ایک رات کو ان میں سے ایک نے اس کو ایسی لات ماری کہ وہ مر گیا۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ ہمارے جدامجد امام اعظم نے پیش گوئی کی تھی کہ اس کو عمر ہلاک کرے گا پس اب تم جا کر دریافت کر لو کہ کس خچر نے اس کو ہلاک کیا ہے؟ جب لوگوں نے دریافت کیا تو اس کا قاتل عمر ہی نکلا۔[227]

(97) امام بشر بن ابی الازہر (تلمیذ امام ابی یوسف) (م 213ھ)

کوفہ کے مشہور محدثین و فقہاء سے تھے، فقہ امام ابو یوسف سے اور حدیث ان سے نیز ابن مبارک و ابن عیینہ وغیرہ سے حاصل کی۔ آپ سے علی بن المدینی اور محمد بن یحییٰ ذہلی وغیرہ نے روایت کی۔ مدت تک نیشا پور کے قاضی بھی رہے۔[228]

(98) حافظ عبداللہ بن داؤد خریبی (متوفی 213ھ)

حدیث و فقہ کے امام و مقتدا تھے۔ حافظ ذہبی نے آپ کا تذکرہ حفاظ حدیث میں کیا ہے۔ امام اعظم کے حدیث و فقہ میں شاگرد خاص تھے۔ مسانید امام میں امام صاحب سے ان کی روایات موجود ہیں۔ امام مسلم کے علاوہ امام بخاری وغیرہ تمام اصحاب صحاح ستہ نے ان سے تخریج کی ہے۔ ورع و تقویٰ میں بے مثال تھے۔ خود فرماتے تھے کہ سواء ایک مرتبہ بچپن کے زمانہ کے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ امام طحاوی نے نقل کیا کہ موصوف سے کسی نے دریافت کیا کہ امام ابو حنیفہ پر لوگوں نے کیا عیب لگایا ہے؟ فرمایا۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ جن امور میں ان پر لوگوں نے نکتہ چینی کی ہے ان سب میں وہ غلطی پر تھے اور امام صاحب صواب پر۔ میں نے امام صاحب کو دیکھا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کر رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا اور تمام لوگوں کی نظریں ان ہی پر جمی ہوئی تھیں۔ (یعنی ان کے غیر معمولی فضل و کمال کا شہرہ عام تھا اور تمام لوگوں کے دیدہ و دل بے اختیار ان کی طرف مائل تھے۔) ایک دفعہ کسی نے کہا کہ بعض لوگوں نے امام صاحب سے کچھ مسائل لکھے پھر کچھ عرصہ بعد امام صاحب سے ملے تو آپ نے بہت سے مسائل سے رجوع کر لیا تھا۔ فرمایا خبردار! اس بات سے متاثر ہو کر تم امام صاحب کی عقیدت کم نہ کر دینا۔ کیونکہ امام صاحب علم فقہ کے حاذق تھے اور حاذق فقیہ کا علم ایک حد پر نہیں ٹھہرتا۔ اس لیے وہ اپنی ترقی وسعت نظر کے ساتھ ضرور بہت سے فقہی اقوال سے رجوع کر لیتا ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[229]

(99) حافظ ابو عبدالرحمن بن یزید المقری (م 213ھ)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خواص اصحاب و تلامذہ میں سے جلیل القدر حافظ حدیث و فقیہ کامل تھے۔ حافظ ذہبی نے بھی آپ کو طبقہ حفاظ میں ذکر کیا ہے اور آپ کو امام، محدث و شیخ الاسلام لکھا۔ یہ بھی لکھا کہ آپ نے ابن عون اور امام ابو حنیفہ وغیرہ سے حدیث سنی ہے۔ امام صاحب سے بکثرت روایت حدیث کرنے والوں میں ہیں۔ (جامع المسانید)، صحاح ستہ کے شیوخ و رواۃ میں ہیں۔ نسائی اور ابو حاتم، خلیلی ابن سعد وغیرہ نے ثقہ اور کثیر الحدیث لکھا۔ بصرہ کے قریب رہتے تھے پھر مکہ معظمہ کی سکونت کی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[230]

(100) امام ابو عبدالرحمن المقری (213ھ)

عبداللہ بن یزید نام ابو عبدالرحمن کنیت اور المقری لقب ہے۔ 120ھ میں پیدا ہوئے۔ علم قرات میں امام نافع کے شاگرد ہیں۔ حدیث میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں امام اعظم کے تلامذہ میں سے ہیں۔ حافظ ذہبی رقم طراز ہیں۔

سمع من عون و ابی حنیفة

بصرے میں 36 سال اور مکہ معظمہ میں 35 سال قرآن پڑھایا ہے اسی لیے مقری مشہور ہیں۔ حدیث کی ساری کتابوں میں ان کی روایات ہیں۔

حافظ ابوبکر الخطیب نے بسند متصل ان کے بارے میں انکشاف کیا ہے کہ

"بشر بن موسیٰ کا بیان ہے کہ امام ابو عبدالرحمن المقری ہم سے حدیثیں روایت کرتے تھے لیکن جب امام موصوف امام اعظم ابو حنیفہ کے حوالہ سے روایات پیش فرماتے تو ان کا دستور یہ تھا کہ تعبیر کا پیرایہ یہ اختیار فرماتے تھے کہ حدثنا شاهنشاه یعنی محدثین کے ملک معظم نے ہم سے بیان کیا۔"[231]

حافظ ذہبی نے تذکرہ میں ان کے حوالہ سے بسند متصل ایک حدیث روایت کی ہے جس میں نہ صرف ان کو امام اعظم کا شاگرد ظاہر کیا ہے بلکہ بتایا ہے کہ قطیعیات میں یہ سند عالی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

انبانا ابن قدامة اخبرنا ابن طبرزد انا ابو غالب بن البناء انا ابو محمد الجوهری' انا ابوبکر القطیعی نابشر بن موسیٰ انا ابوعبدالرحمن المقری عن ابی حنیفة عن عطاء عن جابر انه راه یصلی فی قمیص خفیف لیس علیه ازار ولا رداء - قال ولا اظنه صلی فیه الا لیرینا انه لا بأس بالصلاة فی الثوب الواحد[232]

(101) امام اسد بن الفرات قاضی یروان و فاتح صقلیہ (م 213ھ)

امام مالک سے موطاء سنی اور جب امام مالک سے علمی سوالات زیادہ کئے تو امام مالک نے عراق جانے کا مشورہ دیا۔ وہاں پہنچ کر امام ابو یوسف' امام محمد اور دوسرے اصحاب امام اعظم سے فقہ میں تخصص حاصل کیا۔ ابو اسحٰق شیرازی نے ذکر کیا کہ پھر آپ مصر پہنچے اور شیخ عبداللہ بن وہب مصری م 197ھ' (تلمیذ اکبر امام مالک) سے کہا کہ یہ میرے پاس

امام ابو حنیفہ کی کتابیں ہیں ان سب مسائل میں امام مالک کا مذہب بتلایئے؟ ابن وہب نے عذر کیا تو شیخ ابن قاسم مصری م 191ھ (دوسرے مشہور تلمیذ امام مالک) کے پاس گئے۔ انہوں نے کچھ مسائل یقین کے ساتھ اور کچھ شک سے بیان کئے۔ اس طرح جو کتابیں اسد بن الفرات نے مرتب کیں وہ "اسدیہ" کہلائیں۔ جن کی ایک نقل موصوف نے ابن قاسم کی طلب و خواہش پر ان کے پاس چھوڑ دی اور انہیں کے بارے میں ابن قاسم کے حالات میں نقل ہوتا ہے کہ ان کے پاس تقریباً" تین سو جلدیں مسائل مالک کی تھیں اور یہی جلدیں "مدونہ سحنون" کی بھی اصل ہیں امام اسد بن الفرات ہی نے قیروان میں امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے مذاہب کی ترویج کی ہے۔ پھر انہوں نے صرف "مذہب حنفی" کو رواج دینے میں سعی کی جو دیار مغرب میں اندلس تک پھیلا۔ ابن فرحون نے بھی اسی کو قبول کیا اور مغرب میں ابن بادیس کے دور تک اکثریت اسی مذہب کی رہی۔

معلوم ہوا کہ امام مالک فقہ حنفی کی جامعیت اور فقہاء احناف کے فضل و کمال کے آخر تک معترف رہے اور امام اعظم کے بعد بھی اپنے تلامذہ کو تکمیل علم کے لئے اصحاب الامام کے پاس جانے کا مشورہ دیتے رہے۔ امام مالک کی اس حسن نیت، وسعت صدر اور خلوص و للہیت کا ثمرہ بھی کتنا اچھا اسی دنیا میں مل گیا کہ ان ہی اسد بن الفرات جیسے پاک طینت علماء احناف نے تدوین فقہ مالکی کی عظیم الشان علمی خدمت انجام دی اور دور دور تک مالکی مذہب کی ترویج کی۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔ 233

(102) امام احمد بن حفص ابو حفص کبیر بخاری (م 217ھ - 218ھ)

بخارا کے مشاہیر ائمہ حدیث میں تھے۔ امام ذہبی نے "الامصار ذوات الاثار" میں بخارا کے عیان محدثین میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ حافظ سمعانی نے لکھا کہ آپ سے بے شمار لوگوں نے روایت حدیث کی ہے۔ آپ نے فقہ و حدیث کی تعلیم امام ابو یوسف اور امام محمد سے حاصل کی اور امام محمد کے کبار تلامذہ میں آپ کا شمار ہے۔ امام بخاری کے والد ماجد سے امام ابو حفص کبیر کے گہرے مراسم و تعلقات تھے اور ان کی وفات کے بعد امام بخاری اور ابو حفص صغیر کے بھی تعلقات ایسے ہی رہے بلکہ دونوں ایک مدت تک طلب حدیث میں رفیق و ہمسفر رہے ہیں۔ امام بخاری کے والد کی وفات کے بعد امام ابو حفص کبیر نے ہی ابتدائی دور میں امام بخاری کی تعلیم و تربیت کی ہے اور ہر قسم کی خبر گیری

کرتے رہے۔ امام بخاری نے خود لکھا کہ میں نے جامع سفیان امام موصوف سے پڑھی۔ حافظ ابن حجر نے بھی آپ کو امام بخاری کے مشائخ میں لکھا ہے لیکن سفرحج کے دوران امام بخاری پر بعض اصحاب ظواہر مثل حمیدی' نعیم بن حماد خزاعی' اسماعیل بن عرعرہ وغیرہ کے اثرات غالب آ گئے۔ یہ سب لوگ فقہ سے مناسبت نہ رکھتے تھے اور خصوصیت سے امام اعظم اور آپ کے اصحاب کی طرف سے برے جذبات و خیالات رکھتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری نے بھی تاریخ وغیرہ میں وہی باتیں بے تحقیق لکھ دیں جو ان لوگوں سے سنی تھیں۔

غرض امام بخاری پر ابتدائی 16سال کی عمر تک جو بہتر اثرات فقہ اور فقہاء حنفیہ کے بارے میں تھے وہ ختم ہو گئے اور پھر وہ اہل فتویٰ کے درجہ تک بھی نہ پہنچ سکے۔ اسی لیے شیرازی نے آپ کا ذکر "طبقات الفقہاء" میں نہیں کیا۔ (تعلیق دراسات اللبیب مولانا عبدالرشید نعمانی)

امام ابو حفص کبیر کا حافظہ حیرت انگیز تھا' خلف بن ایوب اور ابو سلیمان آپ کے رفیق درس تھے جو کچھ وہ دونوں ایک برس میں یاد کرتے یہ ایک ماہ میں یاد کر لیتے تھے۔ وہ لکھتے تھے یہ لکھنے سے بھی بے نیاز تھے۔ جب امام محمد نے ان سب کو سند فراغت اور اجازت افتاء دی تو خلف بلخ کو' ابوسلیمان سمرقند کو اور آپ بخارا کو روانہ ہوئے۔ آپ نے کشتی کا سفر کیا تو آپ کی ساری کتابیں پانی کے تھپیڑوں سے خراب ہو گئیں۔ بخارا پہنچ کر جس قدر پڑھا اور لکھا تھا اس کو پھر سے لکھ ڈالا بجز تین یا پانچ مسائل کے الف اور واؤ تک بھی مقدم و موخر نہ ہو پائے۔ آپ کے علم کا بڑا رعب و جلال تھا۔ ایک دفعہ والی بخارا محمد بن طالوت نے زیارت کا ارادہ کیا۔ لوگوں نے روکا کہ تم ان سے بات بھی نہ کر سکو گے۔ وہ نہ مانا اور ملاقات کو گیا۔ سلام کر کے بیٹھ گیا آپ نے خود اس سے ہر چند کہا کہ کوئی مطلب ہو تو کہو مگر وہ اس قدر مرعوب ہوا کہ کچھ نہ کہہ سکا۔ واپس ہو کر لوگوں سے کہا کہ تم واقعی درست کہتے تھے۔ میری طرف جس وقت امام نے دیکھا تو میں اپنے ہوش کھو چکا تھا۔ آپ نے 213ھ میں فرمایا تھا کہ اگر میں آئندہ سات سال کے اندر نہ مروں تو خدا کے نزدیک میری کچھ بھی قدر نہیں۔ چار پانچ سال بعد ہی انتقال فرمایا۔ آپ کے زمانہ میں امام بخاری فارغ التحصیل ہو کر بخارا پہنچے اور فتویٰ دینا شروع کیا تو آپ نے ان کو روکا تھا کہ آپ فتویٰ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ آپ نے اپنے شیخ کا ارشاد نہیں مانا اور فتاویٰ دیئے جن سے ہنگامے ہوئے اور بخارا سے نکلنا پڑا۔ رحمہم اللہ کلھم رحمتہ واسعتہ[234]

(103) شیخ ہشام بن اسمٰعیل بن یحییٰ بن سلیمان بن عبدالرحمٰن الحنفی (م 217ھ)

ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے ان سے روایت کی۔ ان سے ابوعبید، بخاری، یزید بن محمد ابوزرعہ دمشقی وغیرہم نے روایت کی۔ ابن عمار نے کہا کہ عباد سے تھے۔ دمشق میں آپ سے افضل میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ عجلی نے صالح شیخ، ثقہ، صاحب سنت کہا، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا۔ خود حافظ نے آپ کو حنفی فقیہ لکھا ہے۔235

(105) حافظ علی بن معبد بن شداد العبدی الرقی (م 218ھ)

امام محمد کے اصحاب خاص میں سے محدث اجل، فقیہ، اکمل، شیخ ثقہ، مستقیم الحدیث، حنفی المذہب، امام احمد کے طبقہ میں تھے۔ مرو سے مصر آئے اور وہیں سکونت کی۔ حدیث امام محمد، ابن مبارک، لیث بن سعد حنفی، ابن عیینہ، عیسیٰ بن یونس، وکیع وغیرہ تلامذہ امام اعظم سے حاصل کی اور آپ سے یحییٰ بن معین، محمد بن اسحٰق، ابوعبید قاسم بن سلام وغیرہ نے روایت کی۔ ابوداؤد و نسائی نے بھی آپ سے تخریج کی، آپ نے امام محمد سے جامع کبیر اور جامع صغیر بھی روایت کی، مصر میں درس حدیث دیا ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور مستقیم الحدیث کہا، ابو حاتم نے ثقہ کہا، حاکم نے شیخ وقت اور اجلہ محدثین سے شمار کیا۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعۃ۔236

(106) امام ابو نعیم فضل بن دکین کوفی (ولادت 130ھ -- م 219ھ)

حدیث امام اعظم، مسعر، سفیان ثوری، شعبہ وغیرہ سے سنی، تمام ارباب صحاح ستہ نے آپ سے روایت کی۔ امام بخاری آپ سے تاریخ میں بھی اقوال نقل کرتے ہیں۔ امام بخاری و مسلم کے کبار شیوخ میں ہیں اور امام اعظم کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں اور مسانید بکثرت امام صاحب سے روایت حدیث کی ہے۔ عجلی نے حدیث میں ثقہ، ثبت کہا، سید الحفاظ ابن معین نے فرمایا کہ میں نے دو شخصوں سے زیادہ اثبت نہیں دیکھا ابونعیم اور عفان، ابن سعد نے ثقہ، مامون، کثیر الحدیث و حجت کہا۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعۃ۔237

(107) شیخ حمیدی ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ بن اسامہ (م 219ھ-230ھ)

شیخ حمیدی بڑے پایہ کے محدث ہیں سفیان بن عیینہ (تلمیذ خاص امام اعظم) کے تلمیذ خاص ہیں اور اسی وجہ سے امام شافعی وغیرہ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ان کے علاوہ مسلم بن خالد، فضیل بن عیاض (تلمیذ امام اعظم) اور دراوردی وغیرہ سے بھی حدیث حاصل کی۔ آپ سے امام بخاری، ذہلی، ابوزرعہ، ابوحاتم بشر بن موسیٰ وغیرہ نے روایت کی۔ امام بخاری نے آپ کے اور نعیم خزاعی کے اعتماد پر امام اعظم کے بارے میں ایسی باتیں نقل کی ہیں جو ان کے شایان شان نہ تھی جس پر حافظ سخاوی شافعی کو "اعلان بالتوبیخ" میں لکھنا پڑا کہ "ابن عدی، خطیب، ابن ابی شیبہ، بخاری، نسائی اور ابوالشیخ نے ائمہ متبوعین کے بارے میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے دوسروں کو اجتناب کرنا چاہیے۔"

حافظ ابن حجر نے لکھا کہ حمیدی فقہ و حدیث میں امام بخاری کے شیخ تھے۔ طبقات سبکی وغیرہ میں ہے کہ (1) شیخ حمیدی فقہاء عراق کے بارے میں شدید تھے۔ (2) ان کے خلاف برے کلمات استعمال کرتے تھے جو ان کے لیے موزوں نہ تھے۔ (3) غضب کے وقت اپنی طبیعت پر قابو نہ رکھ سکتے تھے۔ (4) کوئی شخص ان کے خلاف مزاج بات کہتا تو جواب میں اس کو بہت سخت سست کہتے اور بے آبرو کر دیتے تھے۔ امام شافعی کی مجلس میں ابن عبدالحکم کو اور ان کے ماں باپ کو جھوٹا کہا۔ امام احمد نے فرمایا کہ بشر سری سے ناراض ہوئے تو ان کو جہمی اور متروک الحدیث کہہ دیا۔ پھر انہوں نے بہ حلف اطمینان دلایا کہ جہمی نہیں ہیں تب بھی نہ مانا حالانکہ دوسرے ائمہ نے بشر کی توثیق کی اور ان سے روایت بھی کی۔ بخاری نے بھی ان سے تخریج کی ہے۔ مسند حمیدی آپ کی بلند پایہ تالیف ہے جو مجلس علمی کراچی کی طرف سے حیدر آباد میں بہترین ٹائپ سے عمدہ کاغذ پر حضرت المحترم مولانا ابوالمآثر الحجاج حبیب الرحمن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی گراں قدر تعلیقات کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔ رحمہم اللہ تعالے۔[23]

(108) امام عیسیٰ بن ابان بن صدقہ بصری (م 221ھ)

حدیث و فقہ کے امام جلیل القدر ہیں۔ علم حدیث میں آپ کے غیر معمولی فضل و تفوق پر آپ کی کتاب "الحج الصغیر" اور "الحج الکبیر" شاہد عدل ہیں۔ امام محمد سے فقہ میں تلمذ کیا۔ بصرہ کے قاضی رہے۔ ہلال بن یحییٰ کا قول ہے کہ ابتداء اسلام سے اب تک کوئی قاضی عیسیٰ بن ابان سے بڑھ کر فقیہ نہیں ہوا۔ امام بکار بن قتیبہ کا قول ہے کہ وہ دو

قاضیوں کی نظیر ہے۔ اسماعیل بن حماد (ابن الامام الاعظم) اور عیسیٰ بن ابان' پہلے امام محمد وغیرہ سے بدظن تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ حدیث کے خلاف کرتے ہیں' پھر قریب ہو کر مستفید ہوئے تو فرمایا کہ میرے اور نور کے درمیان پردے پڑے ہوئے تھے جو اٹھ گئے مجھے گمان نہیں تھا کہ خدا کی خدائی میں اس جیسا شخص بھی ہے۔ بہت زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے پاس کوئی دوسرا شخص لایا جائے جو میری طرح مالی تصرفات کرتا ہو تو میں اس پر پابندی لگا دوں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔[239]

(109) امام یحییٰ بن صالح الوحاظی ابوزکریا (ولادت 149ھ — م 222ھ)

خلاصہ میں احد کبار المحدثین والفقہا لکھا۔ امام مالک اور امام محمد سے حدیث حاصل کی' حنفی ہیں اور امام بخاری کے استاذ ہیں۔ امام محمد کے مکہ معظمہ تک رفیق سفر بھی رہے ہیں۔ آپ سے ابوزرعہ' ابوحاتم نے اور امام نسائی کے علاوہ تمام ارباب صحاح ستہ نے روایت کی ہے۔ منقول ہے کہ امام وکیع نے کسی موقعہ پر آپ سے کہا کہ "اے ابوزکریا! ہر رائے سے پرہیز کرنا کیونکہ میں نے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ بعض قیاسوں سے مسجد میں پیشاب کرنا بہتر ہے"۔ ابن معین وغیرہ نے آپ کی توثیق کی۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔[240]

(110) حافظ سلیمان بن حرب بغدادی (متوفی 224ھ)

مشہور حافظ حدیث ہیں ابو حاتم نے بیان کیا کہ میں آپ کی مجلس درس میں شریک ہوا۔ حاضرین کا انداز چالیس ہزار تھا۔ قصر مامون کے پاس ایک اونچی جگہ بنائی گئی جس پر آپ نے درس دیا۔ خلیفہ مامون اور تمام امراء دربار حاضر تھے خود مامون بھی آپ کے املائی درس کو لکھتے تھے۔[241]

(111) امام ابو عبید قاسم بن سلام (م 224ھ 225ھ)

ابن عیینہ' حفص بن غیاث' یحییٰ القطان' ابن مبارک' وکیع یزید بن ہارون (تلامذہ امام اعظم) وغیرہ سے روایت

کی۔ مشہور، محدث فقیہ نحوی تھے۔ طرسوس کے قاضی رہے۔ اسحٰق بن راہویہ کا قول ہے کہ خدا کو حق بات پیاری ہے۔ ابوعبیدہ مجھ سے زیادہ افقہ و اعلم ہی۔ ہم ان کے محتاج ہیں وہ ہماری محتاج نہیں۔ غریب الحدیث کی تفسیر میں بہت مشہور ہوئے کیونکہ بڑے ادیب تھے۔ ایک کتاب "غریب الحدیث" 40 سال میں تالیف کی۔ 242

(112) حافظ ابوالحسن علی بن الجعد بن عبید الجوہری بغدادی (ولادت 133ھ - م 230ھ)

بخاری و ابو داؤد کے رواۃ میں سے مشہور محدث و فقیہ ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں محدث عبدوس اور موسیٰ بن داؤد کا قول نقل کیا کہ ان سے بڑھ کر حافظ حدیث ہم نے نہیں دیکھا۔ عبدوس سے کہا گیا کہ ان کو بھی کہا گیا ہے تو فرمایا کہ لوگوں نے جھوٹا الزام لگایا ہے۔ ابن معین نے توثیق کی اور کہا کہ شعبہ کی حدیثوں میں سارے بغدادیوں سے زیادہ معتمد ہیں اور آپ ربانی العلم ہیں۔ ابوزرعہ نے صدوق فی الحدیث کہا، دار قطنی نے ثقہ، مامون کہا، ابن قانع نے ثقہ ثبت کہا۔ امام ابو یوسف کے خاص اصحاب میں سے ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ کو بھی دیکھا اور آپ کے جنازہ پر حاضر ہوئے ہیں۔ حدیث جریر بن عثمان، شعبہ ثوری اور امام مالک وغیرہ سے روایت کی۔ اور آپ سے امام بخاری، ابوداؤد، ابن معین، ابوبکر ابن ابی شیبہ، ابوزرعہ اور ابن ابی الدنیا (م 281ھ) وغیرہ نے روایت کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ 243

(113) شیخ فرخ مولیٰ امام ابی یوسف (ولادت 136ھ - م 230ھ)

محدث، ثقہ، فاضل اجل تھے۔ امام احمد، ابن معین، امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابوزرعہ وغیرہ نے آپ سے حدیث روایت کی اور توثیق کی۔ صغر سنی میں امام اعظم کو بھی آپ نے دیکھا تھا اور جنازہ پر حاضر ہوئے تھے۔ فقہ میں امام ابو یوسف سے درجہ تخصص حاصل کیا اور آپ سے احمد بن ابی عمران و استاذ امام طحاوی نے تفقہ کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ 244

(114) سید الحفاظ امام یحییٰ بن معین ابو زکریا بغدادی (تلمیذ الامام ابی یوسف و امام محمد)

(متوفی 233ھ)

تذکرۃ الحفاظ میں آپ کو "الامام الفرد' سید الحفاظ" لکھا۔ آپ نے جامع صغیر امام محمد سے پڑھی اور فقہ حاصل کیا اور حدیث میں امام ابو یوسف سے شرف تلمذ کیا "عیون التواریخ" میں ہے کہ امام احمد' ابن المدینی (شیخ اکبر امام بخاری) ابوبکر ابن ابی شیبہ اور اسحق آپ کے کمال علم و فضل کی وجہ سے تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ آپ کو ورثہ میں دس لاکھ روپے ملے تھے جو سب آپ نے تحصیل علم حدیث پر صرف کر دیئے تھے اور اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ احادیث لکھیں۔ امام احمد کا قول ہے کہ جس حدیث کو یحییٰ نہ جانیں وہ حدیث نہیں ہے۔ علامہ کوثری نے لکھا کہ میں نے آپ کی تصنیف کردہ "تاریخ" (روایت الدوری) کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں دیکھی ہے۔ جرح و تعدیل کے سلسلہ میں آپ سے روایات میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ حافظ ذہبی نے جو رسالہ ثقات پر کلام کے بارے میں تالیف کیا ہے اس میں ابن معین کو "متصلب حنفی" بلکہ متعصب بھی لکھا ہے۔ باوجود اس کے بھی بعض رواۃ نے آپ کی طرف بعض اصحاب امام اعظم کے بارے میں سخت ناموزوں کلمات منسوب کر دیئے ہیں جو یقیناً" آپ نے نہیں کہے ہوں گے۔

النجوم الزاہرہ میں ہے کہ امام بخاری نے فرمایا:۔ "میں نے اپنے آپ کو کسی اہل علم کے سامنے حقیر نہیں پایا بجز یحییٰ بن معین کے"۔ ص 244

حافظ ابوعبید قاسم بن سلام کا قول ہے کہ حدیث کا علم چار شخصوں پر ختم ہوا جن میں ابوبکر بن ابی شیبہ حسن اداء ہیں۔ امام احمد فقہ میں' یحییٰ بن معین جامعیت میں اور علی بن المدینی وسعت معلومات میں ایک دوسرے سے زیادہ ہیں۔ ایک بار اس طرح فرمایا کہ حدیث کے ربانی عالم چار ہیں جن میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم امام احمد' روانی و حسن سیاق میں سب سے بہتر علی بن المدینی' تصنیف میں سب سے زیادہ خوش سلیقہ ابوبکر بن ابی شیبہ اور صحیح و غیر صحیح احادیث کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے یحییٰ بن معین ہیں۔ ابو علی صالح بن محمد بغدادی نے اس طرح موازنہ کیا کہ حدیث و علل کے سب سے بڑے عالم علی بن المدینی' فقہ و حدیث میں سب سے بڑھ کر احمد بن حنبل' تصحیف مشائخ کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر یحییٰ بن معین اور مذاکرہ کے وقت سب سے زیادہ یادداشت رکھنے والے ابوبکر

بن ابی شیبہ ہیں۔ (امام ابن ماجہ ص 45 اور علم حدیث مولفہ مولانا عبدالرشید نعمانی)۔ غرض سید الحفاظ ابن معین کی عجیب علمی شان ہے جس سے موافق و مخالف ہر ایک نے فائدہ اٹھایا۔ امام اعظم اور آپ کے اصحاب عظام کے خلاف جو حسد و عناد اور تعصب وغیرہ کی بنیادوں پر دھڑے بندیاں کی گئیں ان کے مقابلہ میں حافظ ابن معین نے انتہائی تدبر اور صبر و ضبط کے ساتھ کام لیا ہے۔ آپ کی مدح و توثیق اور اسی طرح نقد و جرح انتہائی محتاط تھی۔ اپنے اکابر ائمہ و اساتذہ کے بارے میں بہت مختصر کلمات مدح فرماتے تھے۔ تمام اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ و رواۃ میں ہیں۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعۃ۔[246]

(115) حافظ علی بن محمد ابوالحسن طنافسی (متوفی 233ھ)

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں (محدث و عالم قزوین) لکھا ہے۔ علمی خاندان سے تھے۔ آپ کے دونوں ماموں علی بن عبید اور محمد بن عبید بھی بڑے محدث تھے اور صاحبزادے حسین قزوین کے قاضی تھے۔ آپ نے کوفہ کے مشاہیر ائمہ حدیث کی شاگردی کی۔ قابل ذکر اساتذہ عبداللہ بن ادریس، حفص بن غیاث، وکیع، ابن عیینہ (تلامذہ امام اعظم) اور ابو معاویہ، ابن وہب وغیرہ ہیں۔ اور آپ سے ابوزرعہ ابو حاتم، ابن ماجہ اور صاحبزادے حسین طنافسی وغیرہ علماء حدیث نے روایت کی۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور محدث خلیلی نے آپ کو اور آپ کے بھائی حسن بن محمد طنافسی کو قزوین کے بلند پایہ امام کہا۔ دور، دور سے علماء تحصیل حدیث کے لیے آپ کے پاس آتے تھے۔ ابو حاتم نے کہا کہ آپ ثقہ صدوق تھے اور آپ مجھے باعتبار فضل و صلاح ابوبکر بن ابی شیبہ (صاحب مصنف مشہور) سے بھی زیادہ محبوب ہیں اگرچہ ابوبکر حدیث کے علم و فہم میں زیادہ ہیں۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعۃ۔[247]

(116) امام محمد بن سماعہ تمیمی (م 233ھ - عمر 103 سال)

مشہور محدث و فقیہ، تلمیذ خاص امام ابی یوسف و امام محمد و امام حسن بن زیاد "عیون التواریخ" میں حافظ، ثقہ، صاحب اختیارات فی المذہب اور صاحب روایات و مصنفات لکھا ہے۔ ابن معین فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح اہل

رائے میں امام محمد بن سماعہ بچی تلی بات کہتے ہیں اگر اسی طرح اہل حدیث بھی کہتے تو نہایت درجہ کی اچھی بات ہوتی اور انتقال پر فرمایا کہ اہل رائے سے علم کی خوشبو رخصت ہوئی۔

یہی محمد بن سماعہ اپنے شیخ امام ابو یوسف کے بارے میں راوی ہیں کہ وہ قضا کے زمانہ میں بھی روزانہ دو سو رکعت پڑھا کرتے تھے اور خود ان کا بھی یہی معلوم دوسروں نے نقل کیا ہے۔ ماموں کے زمانے میں بغداد کے قاضی رہے؛ معتصم کے زمانے میں بوجہ ضعف بصر مستعفی ہو گئے تھے۔ آپ ہی نے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نوادر کو کتابی صورت میں جمع کیا۔ آپ نے امام محمد کو خواب میں دیکھا کہ سوئی کا سوراخ بنا رہے ہیں۔ تعبیر دینے والے نے بتایا کہ وہ شخص حکمت کی باتیں کہتا تھا لہذا تم سے اس کی کوئی بات نظر انداز نہ ہو جائے۔ اس پر آپ نے امام محمد کے نوادر اور ملفوظات جمع کر دیئے۔ ابن سماعہ بڑے عابد و زاہد تھے۔ خود بیان کیا کہ چالیس سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی سواءِ ایک دن کے جس روز والدہ ماجدہ کی وفات ہوئی تو ایک نماز جماعت سے نہ ہو سکی۔ اس کی تلافی کے خیال سے میں نے پچیس نمازیں پڑھیں۔ خواب میں کسی نے کہا۔ اے محمد! تم نے پچیس نمازیں ضرور پڑھیں لیکن تامین ملا ئکہ کو کہاں سے لاؤ گے؟ آپ کی تصانیف میں سے کتاب ادب القاضی کتاب المحاضر والسجلات اور نوادر زیادہ مشہور ہیں۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ[248]

(117) حافظ محمد بن عبداللہ بن نمیر کوفی (متوفی 231ھ)

یہ اور ان کے والد ماجد حافظ عبداللہ بن نمیر م 199ھ بلند پایہ محدث تھے۔ والد ماجد امام اعظم کے مشہور تلامذہ میں سے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں آپ کے واسطہ سے امام اعظم کی متعدد روایات نقل کی ہیں۔ جواہر مضیئہ میں ان کا تذکرہ ہے۔ حافظ محمد بن عبداللہ مذکور کو "درۃ العراق" کہا کرتے اور بڑی تعظیم کرتے تھے۔ علی بن الحسین بن الجنید نے کہا کہ کوفہ میں ان کے علم، فہم، زہد اور اتباع سنت کی نظیر نہ تھی۔ احمد بن صالح مصری نے کہا کہ بغداد میں امام احمد اور کوفہ میں محمد بن عبداللہ بن نمیر کا مثل نہیں تھا۔ یہ دونوں جامع محض تھے۔ امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ سب ان کے شاگرد ہیں۔ صحیح مسلم میں 573 حدیث آپ سے روایت کی۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ[249]

(118) حافظ ابو خیثمہ زہیر بن حرب النسائی (ولادت 160ھ عمر 74 سال م 234ھ)

مشہور حافظ حدیث، اکابر ائمہ، محدثین، سفیان بن عیینہ، یحییٰ القطان، عبدالرزاق بن ہمام (صاحب مصنف) حفص بن غیاث، عبداللہ بن ادریس و وکیع (تلامذہ امام اعظم کے شاگرد ہیں) امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن ابی الدنیا اور ایک بڑی جماعت محدثین نے آپ سے روایت کی۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور لکھا کہ یہ امام احمد و یحییٰ بن معین کے درجہ کے ہیں۔ یعقوب بن شیبہ اور ابن نمیر نے ان کو حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ پر بھی ترجیح دی ہے۔ امام نسائی و خطیب نے ثقہ، ثبت، حجہ، حافظ متقن وغیرہ لکھا۔ صرف صحیح مسلم میں ان کی سند سے بارہ سو اکیاسی احادیث مروی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ و تہذیب) ان مناقب عالیہ و جلالت قدر کے ساتھ بے واسطہ بھی امام اعظم سے حدیث میں تلمذ کا شرف حاصل ہے اور آپ سے مسانید میں روایات کی ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[250]

(119) حافظ سلیمان بن داؤد بن بشر بن زیاد ابوایوب المنقری معروف بہ شاذ کونی (م 234ھ)

مشہور حافظ حدیث، ثقہ، کثیر الحدیث تھے۔ بغداد آ کر درس حدیث دیا پھر اصفہان جا کر سکونت کی۔ امام احمد بن معین کے درجہ میں تھے۔ خطیب سے نقل کیا کہ ابو عبید قاسم بن سلام نے کہا۔ علم حدیث امام احمد، علی بن عبداللہ یحییٰ بن معین اور ابوبکر بن ابی شیبہ پر منتہی ہوا اور امام احمد ان میں سے افقہ تھے۔ علی اعلم تھے۔ یحییٰ بن معین میں جامعیت تھی۔ ابوبکر بن ابی شیبہ حفظ حدیث میں بڑھ کر تھے۔ ابو یحییٰ نے کہا کہ ابو عبید سے خطا ہوئی حفظ حدیث میں سب سے بڑھ کر مرتبہ سلیمان بن داؤد شاذکونی کا ہے۔ محدث خوارزمی نے اس کے بعد لکھا کہ شاذ کونی بھی ان حضرات میں ہیں جو مسانید میں امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔[251]

(120) حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ (عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی کوفی) (235ھ)

تذکرۃ الحفاظ میں الحافظ عدیم النظیر، الثبت، النحریر لکھا۔ امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ کے استاذ ہیں اور

ان کی کتابوں میں آپ سے بہ کثرت روایات ہیں۔ عمرو بن فلاس نے کہا کہ آپ سے بڑا حافظ حدیث ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ ابو زرعہ نے کہا کہ میں نے آپ سے ایک لاکھ احادیث لکھیں۔ آپ کی بہترین یادگار "مصنف" دنیائے اسلام کی بے نظیر کتابوں میں ہے جس پر مفصل تبصرہ کرنا مناسب ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ :- حافظ ابن حزم نے اس کو موطاء امام مالک پر مقدم کیا ہے۔ "احادیث احکام" کی جامع ترین کتاب ہے جس میں اہل حجاز و اہل عراق کی روایات و آثار کو جمع کیا ہے۔ علامہ کوثری نے لکھا کہ حافظ موصوف کبار ائمہ حدیث میں سے تھے۔ آپ کی مصنف ابواب فقہ پر مرتب ہے۔ ہر باب میں حدیث مرفوع' موصول' مرسل' مقطوع و موقوف کے ساتھ آثار و اقوال صحابہ و فتاوی تابعین اور اہل علم کے اقوال بطریق محدثین سند کے ساتھ جمع کئے ہیں جن سے مسائل اجماعیہ و خلافیہ پر پوری روشنی ملتی ہے اور ادلہ فقہ حنفی کا بھی بہترین ذخیرہ اس میں موجود ہے۔ مصنف مذکور کے مکمل قلمی نسخہ کی 8 ضخیم جلدیں مکتبہ مراد ملا استنبول میں موجود ہیں جہاں مصنف عبدالرزاق کا بھی مکمل نسخہ پانچ ضخیم جلدوں میں موجود ہے۔ ہندوستان میں کامل نسخے خزانہ آصفیہ اور مکتبہ سندیہ میں ہیں ناقص بہت جگہ ہیں۔ پاکستان میں مکمل نسخہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے کتب خانہ میں ہے۔

امام اعظم کا طریقہ تدوین فقہ کے سلسلہ میں یہ تھا کہ دنیائے اسلام کے سینکڑوں ہزاروں محدثین آپ کی خدمت میں حدیث و فقہ کی تحصیل کے لئے جمع ہوتے تھے ان کی موجودگی میں احادیث احکام پر غور ہوتا تھا۔ ناسخ و منسوخ کی بھی پوری چھان بین ہوتی تھی۔ رجال پر بھی نظر ہوتی تھی۔ آثار صحابہ و فتاوی تابعین کو بھی دیکھا جاتا تھا جن سے معلوم ہوتا تھا کہ کون کون سی احادیث کس کس طرح اور کس درجہ کے لوگوں میں متداول و معمول بہا رہی ہیں۔ خاص طور سے 40 شرکاء تدوین فقہ کی تو پوری توجہ برسہا برس تک اسی خدمت میں صرف ہوئی۔ حافظ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں بھی ان سب امور کا ذکر پوری طرح کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو روشنی فصل مسائل احکام میں اس پوری تفصیل سے مل سکتی تھی وہ ان کتابوں سے نہیں مل سکتی جن میں صرف احادیث مجردہ صحیحہ جمع کی گئیں۔ اس طرز کی علمی روشنی و حدیثی گراں قدر خدمت مصنف عبدالرزاق میں بھی تھی اور امام زہری نے بھی اپنی تالیف میں احادیث نبویہ کے ساتھ صحابہ کے فتاوی و فیصلوں کو جامع الابواب کے نام سے جمع کیا تھا۔ جمع احادیث مجردہ کی تحریک حافظ اسحق بن راہویہ نے کی جس پر سب سے پہلے امام بخاری نے عمل کیا اور پھر دوسرے محدثین کا بھی رجحان اسی طرف ہوگیا۔ اس کے نتیجہ میں آثار و اقوال صحابہ فتاوی

تابعین اور اقوال و آراء ائمہ مجتہدین کا اکثر و بیشتر حصہ سامنے سے ہٹ گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جمع حدیث کی مہم پر صرف ہمت کی۔ اپنے دور خلافت میں جابجا احکام بھیجے کہ احادیث کے ساتھ آثار صحابہ کو بھی مدون کیا جائے۔ مگر چونکہ امام بخاری آثار صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے انہوں نے جزو ثانی کو ذکر بھی نہیں کیا اور ائمہ مجتہدین کے اقوال و آراء کو "بعض الناس" کی تعبیر سے مبہم و بے وقعت بنایا۔ بقول حضرت الاستاذ علامہ کشمیری مذہب حنفی سے واقفیت ناقص ہونے کی وجہ سے بعض مسائل و آراء کی نسبت میں بھی غلطی کی جس کی تفصیل اپنے مواقع میں آئے گی۔

غرض ہماری پختہ رائے ہے کہ اگر مصنف ابن ابی شیبہ کے طرز کی حدیثی تالیفات کی اشاعت بھی ہو گئی ہوتی تو جو نوبت افراط و تفریط تک پہنچی یا اصحاب مذاہب اربعہ کے مناقشات اور ان کے شاخسانے اتنے بڑھے یا عدم تقلید و سب ائمہ مجتہدین' محدثین و فقہاء کے رجحانات میں نشوونما ہوا یہ کچھ بھی نہ ہوتا اور باوجود اختلاف خیال کے بھی سب لوگوں کے قلوب متحد اور جذبات ہم رنگ ہوتے۔

حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ اور رد مسائل امام اعظم:- جیسا کہ ابھی ذکر ہوا حافظ موصوف کی کتاب فقہ حنفی کے لئے بہترین دستاویز ہے اور ہماری تمنا ہے کہ کسی طرح یہ ذخیرہ نادرہ جلد سے جلد طبع ہو کر شائع ہو۔ اس ضخیم کتاب کا ایک نہایت مختصر حصہ وہ بھی ہے جس میں حافظ موصوف نے امام صاحب کے بعض مسائل پر نقد کیا ہے اور ہندوستان کے غیر مقلدوں نے اس کو اصل و ترجمہ اردو کے ساتھ شائع بھی کر دیا ہے تاکہ احناف کے خلاف پروپیگنڈے میں اس سے مدد لیں اس لیے اس کے متعلق بھی کچھ پڑھ لیجئے۔

اس کے رد میں جو کتابیں لکھی گئیں ان کا بھی مختصر حال لکھا جاتا ہے۔

(1) حافظ عبدالقادر قرشی حنفی صاحب "الجواہر المضیئہ" (م 775ھ) نے "الدرا المنیفہ" لکھی۔

(2) حافظ قاسم بن قطلوبغا حنفی (م 879ھ) نے الاجوبتہ المنیفہ لکھی۔ آپ کو حافظ ابن حجر سے بھی تلمذ ہے اور آپ کا مقام حدیث و فقہ میں بہت بلند ہے۔ خود حافظ ابن حجر نے آپ کو امام' علامہ' محدث و فقیہ اور الشیخ المحدث الکامل الا حد لکھا ہے اور حافظ ابن حجر نے نصب الرایہ کی تلخیص درایہ میں جن احادیث کو لکھا تھا کہ "مجھے نہیں ملیں" حافظ قاسم موصوف کی مطبوعہ "منیتہ الالمعی" کے آخر میں جو "تعلیقات درایہ چھپی ہیں ان میں موصوف نے جابجا ان احادیث کی تخریج حوالہ کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کی حدیثی معلومات کا دائرہ حافظ ابن حجر سے بھی زیادہ وسیع تھا۔ پھر بھی کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ احناف میں محدثین کی

کی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دوسروں کی طرح ان کے لیے پروپیگنڈے کا فن استعمال نہیں کیا گیا۔

(3) حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعی صاحب "سیرۃ شامیہ کبری" نے بھی ایک رد لکھنا شروع کیا تھا جس کو وہ پورا نہ کر سکے البتہ "عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان" میں اپنی اسانید اور درشت کلمات کے بعد مختصر اصولی جوابات بھی لکھے ہیں اس حصہ کو علامہ کوثری نے "نکت" کے آخر میں نقل بھی کر دیا ہے۔

(4) کشف الظنون میں ایک اور کتاب کا بھی ذکر ہے جس کا نام "الرد علی من رد علی ابی حنیفہ" لکھا ہے۔

(5) ایک رد علامہ کوثری (م 1371ھ) نے لکھا جس کا نام "النکت الطریفہ فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفہ" ہے جو 1365ھ میں مصر سے شائع ہوا۔ علامہ کوثری نے تحریر فرمایا کہ ان کو سابقہ ردود میں سے باوجود سعی کے کوئی نہ مل سکا۔ تاہم علامہ کا رد مذکور بہت کافی و شافی اور ان کی دوسری تالیفات کی طرح نہایت محققانہ بلند پایہ ہے۔ ابتداء میں یہ بھی لکھا ہے کہ 125 اعتراضات میں سے نصف تو وہ ہیں جن میں دونوں جانب قوی احادیث و آثار ہیں لہٰذا اختلاف صرف وجوہ ترجیح کا رہ جاتا ہے۔ باقی نصف کے پانچ حصے ہیں۔ ایک وہ جن میں کتاب اللہ کی وجہ سے کسی خبر واحد کو امام صاحب نے ترک کیا ہے۔ ایک خمس میں خبر مشہور کی وجہ سے اس سے کم درجہ کی حدیث پر عمل نہیں کیا۔ ایک خمس میں مدارک اجتہاد اور فہم معانی حدیث کے فرق سے الگ الگ راہ بنی ہے اور امام صاحب کا ان امور میں تفوق مسلم ہے۔ ایک خمس میں حافظ ابوبکر نے حنفی مذہب سے ناواقفی کے باعث اعتراض کیا ہے۔ اس کے بعد صرف ایک خمس (12-13 مسائل) ایسے رہ جاتے ہیں جن کے بارے میں علی سبیل التنزل یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام صاحب سے ان میں خطا ہوئی جن کی نسبت امام صاحب کے مدونہ مسائل کی کثرت کے اعتبار سے صفر کے قریب ہوتی ہے کیونکہ ان کی تعداد بارہ لاکھ ستر ہزار تک بیان ہوئی ہے گویا ایک لاکھ میں ایک مسئلہ غلط ٹھہرا اور یہ کون کہہ سکتا ہے کہ امام صاحب معصوم تھے۔

(6) ایک اہم بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ حافظ ابوبکر نے مشہور اختلافی مسائل میں سے کوئی مسئلہ نہیں لکھا جن پر بعد کے محدثین اور مخالفین و معاندین نے امام ابو حنیفہ کے خلاف بڑا زور لگایا ہے اور امام بخاری جیسے عظیم القدر محدث نے بھی اپنے رسائل میں اکابر حنفیہ کے خلاف شان بہت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ حالانکہ ان مسائل میں اختلاف کی نوعیت بہت ہی معمولی تھی جس کو حافظ ابن تیمیہ وغیرہ نے بھی لکھا ہے اور ہم

نے اس کو پہلے نقل کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ و ہو المستعان وعلیہ التکلان۔ 252

(121) حافظ بشر بن الولید بن خالد کندی (م 239ھ)

امام ابو یوسف کے اصحاب میں سے جلیل القدر محدث و فقیہ، دیندار، صالح و عابد تھے۔ حدیث امام مالک و حماد بن زید وغیرہ سے بھی حاصل کی۔ آپ سے ابو نعیم موصلی، ابو یعلی وغیرہ اور ابو داؤد نے روایت کی۔ دار قطنی نے ثقہ کہا، حالت پیری، ضعف و مرض میں بھی دو سو رکعت نفل روزانہ پڑھا کرتے تھے۔ معتصم باللہ نے خلق قرآن کے قائل نہ ہونے پر آپ کو قید کر دیا اور ہر چند کوشش کی مگر آپ قائل نہ ہوئے پھر متوکل کے زمانہ میں رہا ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اکثر حضرت سفیان بن عیینہ کی مجلس میں جاتے تھے جب کوئی مشکل مسئلہ ان کے پاس آتا تو وہ پکار کر پوچھتے کہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں سے کوئی شخص یہاں موجود ہے سب میری ہی طرف اشارہ کرتے اور میں جواب عرض کرتا۔ لوگوں نے آپ سے مشکل فقہی مسائل اور نوادر میں غیر معمولی استفادہ کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ 253

(122) حافظ اسحٰق بن راہویہ حنظلی (ولادت 161ھ - م 238ھ - عمر 77 سال)

آپ نے ابن عیینہ، ابن علیہ، جریر، بشر بن المفضل، حفص بن غیاث، ابن ادریس، ابن مبارک، عبدالرزاق، عیسیٰ بن یونس، شعیب ابن اسحٰق وغیرہ سے روایت کی۔ آپ سے سواء ابن ماجہ کے باقی ارباب صحاح ستہ نے اور بقیہ بن الولید و یحییٰ بن آدم نے جو آپ کے شیوخ میں ہیں اور امام احمد اسحٰق کوسج، محمد بن رافع اور یحییٰ بن معین نے جو آپ کے اقران میں ہیں روایت کی۔

ابن مبارک سے نوجوانی کے زمانہ میں حدیث سنی اور بوجہ کم عمری کے آپ سے روایت نہ کی۔ قیام مرو میں ابتداء میں مقد بھی آپ نے ابن مبارک وغیرہ کی خدمت میں رہ کر امام اعظم کے مذہب پر حاصل کیا تھا۔ پھر جب بصرہ جا کر عبدالرحمٰن بن مہدی کے شاگرد ہوئے تو فقہ حنفی سے منحرف ہو گئے تھے اور اصحاب ظواہر کا طریقہ اختیار کر لیا تھا امام

اعظم کے حالات میں ہم نقل کر آئے ہیں کہ کچھ لوگوں نے امام اعظم کی کتابیں دریا برد کرنے کی اسکیم بنائی تھی جس پر مامون نے ان لوگوں کو بلا کر امام صاحب کی طرف سے مدافعت کی اور ان کو تنبیہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کریں۔ تو ان میں یہ اسحق بن راہویہ بھی تھے جو امام بخاری کے خاص شیوخ میں ہیں اور ممکن ہے کہ امام بخاری میں جو انحراف فقہ حنفی یا ائمہ احناف سے آیا یا ظاہریت کی جانب زیادہ میلان ہوا اس میں ان کے تلمذ کا بھی اثر ہو۔ یوں ابتداء میں امام بخاری کو بھی فقہ عراق و فقہاء احناف سے ربط رہا ہے۔ واللہ اعلم

اسحق بن راہویہ کا حافظہ بے مثل تھا۔ اپنے تلامذہ کو گیارہ ہزار احادیث املاء کرائیں پھر ان کا اعادہ کیا تو ایک حرف زیادہ یا کم نہ کیا۔ وفات سے دو ماہ قبل حافظہ میں تغیر ہو گیا تھا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[254]

(123) حافظ ابراہیم بن یوسف بلخی (239ھ)

ابن مبارک، ابن عیینہ، ابوالاحوص، ابو معاویہ، ابویوسف القاضی، ہشیم وغیرہ سے روایت کی۔ امام مالک سے بھی ایک حدیث سنی ہے۔ آپ سے نسائی، زکریا بجزی، محمد بن کرام وغیرہ ایک جماعت نے روایت کی۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا۔ امام ابو یوسف کی خدمت میں رہ پڑے تھے یہاں تک کہ فقہ میں کمال حاصل کیا۔ ابو حاتم نے کہا کہ تم نے کہا کہ ان سے حدیث نہیں لیں گے۔ حافظ ذہبی نے اس پر کہا کہ یہ محض ارجاء کی تہمت کی وجہ سے ان پر حملہ کیا گیا ہے نسائی نے ان کو اپنے شیوخ میں ذکر کیا اور ثقہ کہا ہے۔[255]

(124) حافظ عثمان بن محمد بن ابراہیم الکوفی المعروف بابن ابی شیبہ (م 239ھ عمر 83 سال)

مشہور محدث ابوبکر بن ابی شیبہ صاحب "المصنف" کے بھائی تھے مکہ معظمہ اور رے وغیرہ کے علمی سفر کئے۔ مسند و تفسیر لکھی۔ بغداد جا کر درس حدیث دیا۔ شریک بن عبداللہ' سفیان بن عیینہ' عبداللہ بن عبید بن ادریس اور جریر بن عبدالحمید و ہشیم وغیرہ سے حدیث روایت کی' محدث خوارزمی نے فرمایا کہ امام اعظم سے بھی آپ نے مسانید میں روایات کی ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ[256]

(125) امام یحییٰ بن اکثم بن محمد بن قطن بن سمعان مروزی (م 242-243ھ عمر 83 سال)

مشہور محدث و فقیہ امام محمد کے اصحاب خاص میں تھے' حدیث امام محمد' ابن مبارک' ابن عیینہ وغیرہ سے سنی اور روایت کی۔ آپ سے امام بخاری نے غیر جامع میں اور امام ترمذی نے روایت کی۔ بیس سال کی عمر میں بصرہ کے قاضی ہوئے۔ اہل بصرہ نے کم عمر سمجھا تو فرمایا کہ میں عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے عمر میں بڑا ہوں جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کا قاضی بنایا تھا اور معاذ بن جبل سے بھی عمر میں زیادہ ہوں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنایا تھا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ[257]

(126) حافظ ولید بن شجاع ابوہمام بن ابی بدر السکونی الکوفی (243ھ)

امام مسلم' ابوداؤد' ترمذی و ابن ماجہ کے حدیث میں استاد ہیں۔ ابن معین نے فرمایا کہ ان کے پاس ایک لاکھ حدیثیں ثقات کی موجود تھیں۔ حافظ ذہبی نے میزان میں ان کو حافظ حدیث لکھا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ [258]

(127) محدث کوفہ ابوکریب محمد بن العلاء الہمدانی الکوفی (243ھ عمر 87 سال)

کوفہ کے مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ تمام ارباب صحاح ستہ نے ان سے روایت کی۔ موسیٰ بن اسحٰق کا بیان ہے کہ میں نے ابوکریب سے ایک لاکھ حدیث سنیں۔ ابن نمیر نے کہا کہ عراق میں ان سے زیادہ کثیر الحدیث نہ تھا۔ علامہ یاقوت حموی نے کہا کہ ابوکریب متفق علیہ ثقہ ہیں۔[259]

(128) شیخ ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ العدنی (متوفی 243ھ)

مکہ معظمہ میں سکونت کی اور اپنے زمانہ کے شیخ الحرم ہوئے۔ 77 حج کئے۔ ہر وقت طواف میں مشغول رہتے تھے۔ امام مسلم و ترمذی نے روایت کی۔ آپ کی مسند مشہور ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔[260]

(129) حافظ احمد بن منیع ابو جعفر البغوی الاصم (ولادت 160ھ م 244ھ)

بغداد میں سکونت کر لی تھی۔ حدیث و فقہ امام ابو یوسف کے تلمیذ خاص ہیں اور آپ سے تمام ارباب صحاح نے روایت کی۔ محدث خلیلی نے کہا آپ علم میں امام احمد اور ان کے اقران کے برابر ہیں۔ چالیس سال تک ہر تیسرے روز ختم قرآن کا معمول رہا۔ آپ کی مسند مشہور ہے۔ جس کو آپ کے نامور شاگرد اسحٰق بن ابراہیم بن جمیل نے روایت کیا۔[261]

(130) حافظ اسحٰق بن موسیٰ الانصاری (244ھ)

تذکرۃ الحفاظ میں حافظ حدیث، ثبت، امام حدیث، صاحب سنت اور فقیہ لکھا۔ حدیث میں سفیان بن عیینہ (تلمیذ امام اعظم، عبدالسلام ابن حرب اور معن بن عیسیٰ کے شاگرد ہیں۔ ابوحاتم، نسائی و خطیب نے ثقہ کہا۔ امام مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی۔ ترمذی میں حدثنا الانصاری سے ہر جگہ یہی مراد ہوتے ہیں۔[262]

(131) حافظ سلمہ بن شبیب نیشاپوری (متوفی 246ھ)

مکہ معظمہ کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ یزید بن ہارون' عبدالرزاق' عبدالرحمن مقری (تلامذہ امام اعظم اور ابوداؤد طیالسی وغیرہ سے حدیث حاصل کیا۔ امام بخاری کے علاوہ تمام ارباب صحاح ان کے شاگرد ہیں۔ ابو نعیم اصفہانی نے ان کو ثقات میں شمار کیا جن سے ائمہ حدیث و متقدمین نے روایت کی۔ حاکم نے "محدث مکہ" اور اتقان و صدوق میں متفق علیہ کہا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ[263]

(132) حافظ کبیر احمد بن کثیر ابو عبداللہ دورقی (ولادت 168ھ م 246ھ)

حافظ یعقوب دورقی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ دونوں بھائی حافظ حدیث ہوئے ہیں۔ صالح جزرہ نے کہا کہ احمد کثرت حدیث اور اس کی معلومات میں اور یعقوب علم اسناد و روایت میں بڑھے ہوئے تھے اور دونوں ثقہ ہیں۔ امام مسلم ابوداؤد' ترمذی و ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں[264]

(133) حافظ اسمٰعیل بن توبہ ابو سہل ثقفی قزوینی (متوفی 247ھ)

مشہور محدث فقیہ ہیں امام محمد ہشیم' سفیان بن عیینہ (تلامذہ امام اعظم) خلف بن خلیفہ' اسماعیل بن جعفر وغیرہ سے حدیث کی تکمیل کی آپ سے ابن ماجہ' ابوزرعہ' ابو حاتم وغیرہ بڑی جماعت محدثین نے روایت کی۔ ابو حاتم نے صدوق کہا' ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور فن حدیث میں پختہ کار کہا' کبار ائمہ حنفیہ سے تھے۔

امام محمد کی "سیر کبیر" کے راوی ہیں۔ امام محمد جس وقت ہارون رشید کے صاحبزادوں کو تعلیم دیتے تھے تو "سیر کبیر" کے درس میں یہ بھی ان کے شریک ہوتے تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ[265]

(134) حافظ عمرو بن علی فلاس بصری (م 249ھ)

حافظ ذہبی نے حافظ حدیث، ثبت، صیرفی حدیث اور احد الاعلام لکھا۔ مسند، علل اور تاریخ کے مصنف اور تمام
ارباب صحاح ستہ کے فن حدیث میں استاد ہیں۔ محدث ابوزرعہ کا قول ہے کہ حدیث کے شہسواروں میں سے بصرہ میں
ان سے اور ابن المدینی و شاذکونی سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہیں تھا۔ آپ سید الحفاظ امام یحییٰ القطان (تلمیذ امام
اعظم) کے حدیث میں شاگرد تھے۔ ایک دفعہ امام قطان نے کسی حدیث میں کوئی غلطی کی۔ دوسرے روز خود ہی متنبہ ہو
گئے اور درس کے وقت ان ہی عمرو کی طرف خطاب خاص فرما کر کہا کہ میں غلطی کرتا ہوں اور تم موجود ہوتے ہوئے
بھی مجھے نہیں ٹوکتے؟۔۔۔۔۔ حالانکہ اس وقت دوسرے تلامذہ علی بن المدینی جیسے بھی موجود تھے۔ 265

(135) امام ابو جعفر دارمی (م 253ھ)

حفظ حدیث و معرفت فقہ میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ خراسان سے ان سے زیادہ فقیہ البدن
کوئی نہیں آیا ابن عقدہ نے احد حفاظ الحدیث، متقن، عالم حدیث و روایت کہا۔ بجز امام نسائی کے تمام ارباب صحاح کو
ان سے تلمذ حاصل ہے ان کی "سنن دارمی" مشہور و معروف ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ 267

(136) الامام الحافظ یزید بن ہارون (م 206ھ)

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں مبسوط ترجمہ لکھا ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ الحافظ، القدروہ، شیخ
الاسلام اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں ان کے چہرے کا آغاز اس طرح کیا ہے احد الحفاظ المشاہیر الاعلام، امام
علی بن المدینی کہتے ہیں کہ میں نے یزید بن ہارون سے بڑھ کر کسی کو حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ
ہم نے یزید بن ہارون سے زیادہ حفظ میں کسی کو پکا نہیں دیکھا۔ علی بن عاصم کا بیان ہے کہ یزید رات بھر نوافل پڑھتے۔
انہوں نے کچھ اوپر چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے 268 حافظ ابوبکر الخطیب نے بسند متصل یحییٰ
بن ابی طالب کا بیان لکھا ہے کہ میں نے بغداد میں ان سے حدیث کا سماع کیا ہے اس وقت ان کے درس میں ستر ہزار

حاضرین کی تعداد بتائی جاتی تھی۔[269] حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام ابو حنیفہ کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ یزید بن ہارون نے امام اعظم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ امام صاحب کے فضل و کمال اور حفظ حدیث کے نہایت معترف تھے۔ ایک بیان میں فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے ان میں ابو حنیفہ سے زیادہ فقیہ کوئی نہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے یزید بن ہارون کے حوالہ سے لکھا ہے :

ادرکت الف رجل فکتبت من اکثرھم مارایت فیھم افقه ولا اورع ولا اعلم من خمسته اولھم ابو حنیفة

ترجمہ :۔ میں ایک ہزار اکابر سے ملا ہوں اور ان میں اکثر سے حدیثیں لکھی ہیں۔ لیکن میں نے ان میں پانچ سے زیادہ پارسا فقیہ اور علم کوئی نہیں دیکھا ہے' ان میں اولین ابو حنیفہ ہیں۔[270]

ان کی حدیث دانی کا حال یہ ہے کہ علی بن شعیب کہتے ہیں کہ میں نے خود ان کو یہ کہتے سنا ہے کہ مجھے بالاسناد چوبیس ہزار حدیثیں زبانی یاد ہیں۔[271]

ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ کے یزید بن ہارون منشی رہے ہیں یعنی جس زمانے میں ابو شیبہ واسط میں قاضی تھے تو یزید ان کے منشی تھے ان کے بارے میں یزید کا بیان ہے کہ:

زمانے میں ابو شیبہ سے زیادہ عادلانہ فیصلہ کوئی نہ کرتا تھا۔[272]

یہ امام یزید کے حدیث میں استاد بھی ہیں۔ افسوس ہے کہ ابو شیبہ کے بعد کے محدثین نے جرحی تیروں کا نشانہ بنا لیا ہے اور اس کی بنیاد محض ایک افسانے پر رکھی ہے ورنہ یزید بن ہارون تک ان کی ثقاہت اور دیانت میں کسی کو کوئی کلام نہ تھا۔

یزید اپنے علمی جلال میں اس قدر اونچا پایہ رکھتے تھے کہ مامون جیسا عظیم المرتبت خلیفہ بہت بڑے علمی جلال کے باوجود ان سے خائف تھا۔ حافظ ذہبی نے جو واقعہ لکھا ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

"یحییٰ بن اکثم کہتے ہیں کہ ایک بار ہم سے مامون نے کہا کہ اگر مجھے یزید کی جانب سے اندیشہ نہ ہوتا تو میں اعلان کر دیتا کہ قرآن مخلوق ہے دریافت کیا گیا یہ یزید کون ہے؟ جن سے آپ کو اندیشہ ہے۔ جواب دیا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں اعلان کروں اور یزید میری تردید کریں اور لوگوں میں اختلاف ہو کر رائے عامہ فتنہ کا شکار ہو جائے۔ مامون کی یہ باتیں سن کر ایک شخص یزید بن

ہارون کے پاس واسط پہنچا اور کہا کہ امیرالمومنین آپ کو سلام کہتے ہیں اور یوں فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ ہے کہ میں قرآن کے مخلوق ہونے کا اعلان کروں۔ امام یزید نے سنتے ہی فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو امیرالمومنین نے یہ بات نہیں کہی اور نہ امیرالمومنین سے یہ توقع ہے کہ وہ رائے عامہ کے سامنے ایسی بات رکھیں جس سے عوام آشنا نہیں ہیں"۔ 273

آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ مامون الرشید نے یزید کی زندگی میں اس بات کا اعلان نہیں کیا۔ حافظ ذہبی کی تصریح کے مطابق یزید کی وفات 206ھ میں ہوئی اور مامون نے یزید بن ہارون کی وفات کے پورے چھ سال بعد 212ھ میں اس کا اعلان کر دیا۔

ابھی صرف اعلان تھا اور 218ھ میں اس نے طے کر لیا کہ اپنی قوت سے کام لے کر لوگوں کو خلق قرآن کا مسئلہ ماننے پر مجبور کرے چنانچہ اس فیصلہ کو جبراً نافذ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔۔ اللہ اکبر! یزید کی شخصیت میں کس قدر برتری ہو گی جو ایک فتنہ کے لیے تاحین وفات روک بنی رہی۔

بہرحال امام یزید بن ہارون کی ذات گرامی محدثین کے یہاں ایک استدلالی شخصیت ہے بڑے بڑے ائمہ حدیث نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا ہے جیسے امام احمد بن حنبل، امام علی بن المدینی، امام ابو خیثمہ، امام ابوبکر بن ابی شیبہ، خلف بن سالم، امام احمد بن منیع وغیرہ وغیرہ، اس لحاظ سے بعد کے تمام محدثین کے لیے امام یزید بن ہارون استاد الاساتذہ ہیں۔

(137) الامام الحافظ ہشیم بن بُشَیر (183ھ)

ہشیم بن بشیر بن ابی خازم القاسم بن دینار نام، ابو معاویہ کنیت، نسبت ولا کی وجہ سے سلمی، اصلاً بخاری، وطناً واسطی اور بلحاظ بودوباش بغدادی ہیں۔ 104ھ میں پیدا ہوئے۔ بڑے بڑے اجلہ تابعین کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے۔ مثلاً عمرو بن دینار اور زہری، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام اعظم کے ترجمہ میں جن ائمہ کے متعلق تصریح کی ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ سے حدیث روایت کی ہے ان میں ہشیم بن بشیر کو بھی شمار کیا ہے۔ امام ذہبی نے مناقب میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔ اور یہ بھی تذکرہ میں لکھا ہے کہ لانزاع فی انہ من الحفاظ الثقات۔ 274

ان کے والد حجاج بن یوسف ثقفی کے باورچی تھے۔ مچھلی پکانے میں خاص مہارت تھی۔ اس خاندان میں ہیثم پہلے منفرد فرزند ہیں جنہوں نے اپنے لیے خاندان سے الگ ہو کر علم کی راہ تجویز کی۔ اولاً والد نے علم حاصل کرنے سے روکا لیکن ہیثم علم کے نشہ سے چور تھے وہ بالکل خاموشی سے والد کی ڈانٹ ڈپٹ اور ملامت سہتے رہے اور علم میں لگے رہے۔

حافظ ہیثم قاضی ابو شیبہ کی مجلس میں حاضر ہوتے اور ان سے علم حدیث حاصل کرتے۔ ایک بار ہیثم بیمار ہو گئے اور قاضی ابو شیبہ کے درس میں نہ جا سکے۔ قاضی صاحب نے اپنے شاگرد کی غیر حاضری کا لوگوں سے سبب دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ بیمار ہیں۔ ابوبکر الخطیب بغدادی نے بسند متصل یہ واقعہ اس طرح نقل کی ہے کہ:

> "ایک بار ہیثم بیمار ہو گئے۔ ابو شیبہ نے لوگوں سے دریافت کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ بیمار ہیں۔ فرمایا کہ چلو ہیثم کی عیادت کریں۔ تمام اہل مجلس کھڑے ہو گئے اور قاضی صاحب کی ہمرکابی میں ہیثم کی عیادت کے لیے بشیر طباخ کے گھر پہنچے ان کو گھر پر کھڑا دیکھ کر ایک شخص بھاگا ہوا بشیر کے پاس آیا اور بتایا کہ تیرے گھر شہر کا قاضی آیا ہوا ہے والد گھر آئے تو قاضی صاحب ہیثم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب قاضی صاحب واپس چلے گئے تو بشیر نے اپنے بیٹے سے کہا یا بنی قد کنت امنعک من الحدیث فاما الیوم فلا۔ بیٹے میں تم کو حدیث پڑھنے سے روکتا تھا لیکن آج سے نہیں روکوں گا۔ ابو شیبہ جیسا میرے گھر آئے واہ رے میرے نصیب بھلا میں اس کی کبھی آرزو بھی کر سکتا تھا" ؎ 27

بغداد میں علم حدیث کی اشاعت میں امام ہیثم کا بڑا ہاتھ ہے۔ چنانچہ حافظ سخاوی نے امام ذہبی کے حوالہ سے بتایا ہے کہ:

> "بغداد جو عراق کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی تابعین کے آخری دور میں ہوئی۔ سب سے پہلے یہاں جس نے حدیث کی اشاعت کا کام کیا وہ ہشام بن عروہ اور ان کے بعد شعبہ اور ہیثم ہیں" ؎ 27

ان کی حدیث دانی کا حال معلوم کرنا ہو تو حماد بن زید کا وہ بیان پڑھیے جو خطیب بغدادی نے بسند متصل پیش کیا ہے۔

"محدثین میں ہیثم سے زیادہ میں نے بلند پایہ کوئی نہیں دیکھا ہے۔ کچھ محدثین تو ان کو سفیان ثوری سے بھی برتر کہتے تھے۔ امام مالک ان کی بے حد تعریف کرتے تھے وہ اسے تسلیم ہی نہ کرتے تھے کہ عراق میں ان کے سوا کوئی محدث ہے وہ فرماتے تھے کہ کیا ہیثم سے بڑھ کر بھی عراق میں کوئی محدث ہے"۔[277]

ہیثم امام اعظم کے خاص تلامذہ میں سے ہیں اور ہیثم کے تلامذہ میں دوسرے محدثین کے ساتھ امام احمد بن حنبل کو خاص مقام حاصل ہے۔ اس لحاظ سے جیسے ہیثم اور ابو یوسف کا باہم رشتہ استاد برادر ہونے کا ہے ایسے ہی امام احمد کا رشتہ بھی ہیثم اور قاضی ابو یوسف سے نسبت تلمذ میں ایک ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل نے جب تحصیل علم کا کام شروع کیا تو سب سے پہلے قاضی ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے حدیثیں لکھیں۔ فن حدیث میں اگر قاضی صاحب کی جلالت قدر کا اندازہ کرنا ہو تو ان کے دو شاگرد امام احمد اور امام یحیٰی بن معین کی ان کے بارے میں آراء پڑھیے۔ افسوس کہ یہ تفصیل کا محل نہیں ہے۔

بہرحال ہیثم بن بشیر علم حدیث کے امام اور امام ابو حنیفہ کے تلمیذ ہیں۔ الخطیب نے ان کی تاریخ وفات 182ھ بتائی ہے۔

یہاں امام اعظم کے تمام تلامذہ کا استقصاء مقصود نہیں ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی حفاظ ہیں جن کے تراجم حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھے ہیں اور جن کے بارے میں خود امام ذہبی کی تصریح ہے کہ یہ امام اعظم کے تلامذہ ہیں یا پھر جن کا امام علی بن المدینی، امام بخاری، حافظ عسقلانی نے امام اعظم کے تلامذہ حدیث میں ذکر کیا ہے۔

اگر ہم یہاں حافظ الدین البزاز اور علامہ خوارزمی کی تصریح کے مطابق امام اعظم کے تمام تلامذہ بیان کریں تو ایک طول طویل داستان ہو جائے گی۔ اس لیے ہم طوالت سے بچنے کے لیے صرف ان ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

باب نمبر چہارم

1۔ الجواہر المضیہ' حافظ عبدالقادر قرشی۔ ص 14' ج 1' حیدر آباد' دکن' 1962ء

2۔ البزاز۔ ص 240' ج 2

3۔ الانتقا حافظ ابن عبدالبر۔ ص 50' دار العلم' بیروت 1957ء

4۔ عقود الجمان فی مناقب الامام الاعظم ابو حنیفہ النعمان محمد بن یوسف صالحی دمشقی الشافعی۔ سنہ 942ھ۔ ص 88'
89۔ مکتبہ الایمان مدینہ المنورہ سن طباعت درج نہیں۔

5۔ سیرت النعمان شبلی نعمانی۔ ص 218' سنگ میل پبلیکشنز' لاہور۔ 1945ء

6۔ الجواہر المضیہ حافظ عبدالقادر قرشی۔ ص 4' ج 1' طبع مصر۔ 1918ء

7۔ سیر اعلام النبلاء۔ ص 393' 394' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

8۔ تانیب الخطیب زاہد کوثری۔ ص 156' طبع مصر۔ 1976ء

9۔ ... (خوارزمی) ص ۹۰ مطبع مصر ۱۹۴۱ء

10۔ تاریخ علم فقہ اردو ترجمہ خضری بک۔ ص 213' مطبوعہ کراچی۔ 1975ء

11۔ تاریخ الفقہ خضری بک۔ ص 27' مطبوعہ کراچی۔ 1975ء

12۔ تاریخ فقہ۔ خضری بک۔ ص 230' مطبوعہ کراچی۔ 1975ء

13۔ تاریخ فقہ' خضری بک۔ ص 327' مطبوعہ کراچی۔ 1975ء

14۔ الجواہر المضیہ حافظ عبدالقادر قرشی۔ ص 14' ج 1' طبع مصر 1918ء

15۔ جامع المسانید خوارزمی۔ ص 33' حیدر آباد' دکن' 1962ء

16۔ مناقب موفق احمد مکی۔ ص 60' حیدر آباد' دکن' 1946ء

17۔ ایضاً۔ ص 60

18۔ سورۃ زمر۔ آیت 17' 18'

19۔ جامع المسانید خوارزمی۔ ص 45' حیدر آباد' دکن' 1962ء

20۔ ایضاً۔ ص 45

21۔ معجم المصنفین۔ ص' حیدر آباد' دکن' 1962ء

22۔ مناقب موفق احمد مکی۔ ص 47' طبع مصر' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

23 الجواہر المنیہ حافظ عبدالقادر قرشی۔ ص 17' طبع مصر' دار العلم' بیروت 1957ء

24 سیرت النعمان شبلی نعمانی۔ ص 109' 113 اردو بازار لاہور۔ 1945ء

25 الجواہر المنیہ حافظ عبدالقادر قرشی۔ ص 449' ج 2' دار العلم' بیروت 1957ء

26 تاریخ الفقہ خضری بک۔ ص 33 طبع کراچی۔ 1975ء

27 تاریخ الفقہ خضری بک۔ ص 66' طبع کراچی۔ 1975ء

28 الطرق الحکیہ۔ ص 12' دمشق' 1946ء

29 الخیرات الحسان ابن حجر مکی۔ ص 18' مطبوعہ دار الکتب العربیہ قاہرہ' 1972ء

30 تاریخ کبیر۔ ص 81' ج 4' دار العلم' بیروت 1957ء

31 کتاب الجرح والتعدیل۔ ص 449' ج 4' دار العلم' بیروت 1957ء

32 تہذیب التہذیب۔ ص 449' ج 10' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

33 تاریخ بغداد۔ ص 324' ج 13' دار العلم' بیروت 1957ء

34 مناقب ذہبی۔ ص 12' طبع مصر' حیدر آباد' دکن' 1962ء

35 الجواہر المنیہ حافظ عبدالقادر قرشی۔ ص 33' دار العلم' بیروت 1957ء

36 مناقب کردری۔ ص 38' حیدر آباد' دکن' 1946ء

37 فہرست ابن ندیم۔ ص 299' دار العلم' بیروت 1957ء

38 ایضاً ص 299 — 39 حسن التقاضی فی سیرت امام ابو یوسف القاضی زاہد الکوثری ص 73 طبع مصر 1961ء

40 شذرات الذہب۔ ص 251' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

41 اخبار الحافظ قلمی نسخہ کتب خانہ ظاہریہ دمشق بحوالہ تذکرۃ المحدثین۔ ص 175

42 حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابو یوسف القاضی۔ زاہد الکوثری۔ ص 70' قاہرہ' 1956ء

43 ایضاً"۔ ص 70

44 حسن التقاضی زاہد الکوثری۔ بحوالہ مناقب امام ابو یوسف ذہبی۔ ص 441' قاہرہ' 1956ء

45 سورۃ الطلاق۔ آیت 1

46 کتاب الآثار۔ بروایت امام ابو یوسف۔ 286 صفحات پر مشتمل ہے۔ دار الکتب العربیہ قاہرہ سے چھپی ہے۔

47 اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ امام ابو یوسف 230 صفحات پر مشتمل ہے ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کی

لائبریری میں موجود ہے۔

48۔ دار الکتب العربیہ مصر سے چھپی ہے۔ 140 صفحات پر مشتمل ہے۔

49۔ حسن التقاضی۔ زاہد الکوثری۔ ص 78' قاہرہ' 1956ء

50۔ مناقب موفق المکی ص 107 قاہرہ 1946ء

51۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 78' دار العلم' بیروت 1957ء

52۔ حسن التقاضی۔ زاہد الکوثری۔ ص 78' قاہرہ' 1956ء

53۔ تذکرۃ المحدثین۔ ص 184' حیدر آباد' دکن' 1962ء

54۔ تذکرۃ المحدثین۔ ص 184' حیدر آباد' دکن' 1962ء

55۔ حسن التقاضی۔ ص 78' قاہرہ' 1956ء

56۔ سیرت النعمان شبلی نعمانی۔ ص 134' لاہور 113' پنجاب پریس لاہور۔

57۔ البدایہ و النھایہ' ابن کثیر۔ ص 182' ج 1' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

58۔ مقاصد حسنہ سخاوی۔ ص 222' طبع مصر العربیہ' 1977ء

59۔ طبقات کبری عبدالوہاب شعرانی شافعی۔ ص 197' طبع مصر' 1975ء

60۔ سورۃ ابراہیم آیت 20'

61۔ سورۃ الجمعہ آیت 4

62۔ بلوغ الامانی زاہد الکوثری۔ ص 12' قاہرہ' 1955ء

63۔ بلوغ الامانی زاہد الکوثری۔ ص 20' قاہرہ' 1955ء

64۔ بلوغ الامانی زاہد الکوثری۔ ص 35' قاہرہ' 1955ء

65۔ بلوغ الامانی زاہد الکوثری۔ ص 29' قاہرہ' 1955ء

66۔ بلوغ الامانی زاہد الکوثری۔ ص 49' قاہرہ' 1955ء

67۔ ایضاً۔ ص 53

68۔ ایضاً۔ ص 54

69۔ ایضاً۔ ص 55

70۔ مناقب کردری۔ ص 77' حیدر آباد' دکن' 1946ء

71۔ بلوغ الامانی زاہد الکوثری۔ ص 57' قاہرہ' 1955ء

72. ایضاً۔ ص 411

73. نصب الرایہ شرح ہدایہ۔ ص 408' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

74. [illegible] آیت 13

75. مرآۃ الزمان فی تاریخ الاعیان ابن سبط الجوزی۔ ص 6444' طبع حیدر آباد دکن۔

76. ایضاً۔ ص 644

77. دارالعلوم علوم شرعیہ۔ ویسٹریج راولپنڈی میں موجود ہے۔

78. مزید تفصیل کے لئے دیکھیں کتاب ہذا کا باب کنایات امام اعظم

79. لحات النظر فی سیرۃ الامام زفر زاہد کوثری۔ ص 48' قاہرہ' 1957ء

80. ایضاً۔ ص 76

81. (حاشیہ) دراسات اللبیب۔ ص 80' ادارہ نشر القرآن' کراچی' 1960ء

82. مناقب محمد بن محمد کردری۔ ص 45' حیدر آباد' دکن' 1946ء

83. تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 441' ج 1' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

84. الرفع و التکمیل عبدالحی لکھنوی۔ ص 77' لکھنؤ' 1986ء

85. جواہر المضیہ حافظ عبدالقادر قرشی۔ ص 150' ج 2' دار العلم' بیروت 1957ء

86. تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 22' ج 1' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

87. جواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ۔ عبدالقادر قرشی۔ ص 45' دار العلم' بیروت 1957ء

88. مناقب محمد بن محمد کردری۔ ص 215' حیدر آباد' دکن' 1946ء

89. جامع المسانید خوارزمی۔ ص 556' ج 2' حیدر آباد' دکن' 1962ء

90. حافظ سے مراد یہاں حافظ ابن حجر عسقلانی ہے۔

91. جواہر المضیہ حافظ عبدالقادر قرشی۔ ص 85' دار العلم' بیروت 1957ء

92. ایضاً۔ ص 105

93. جواہر المضیہ حافظ عبدالقادر قرشی۔ ص 107' دار العلم' بیروت 1957ء

94. ایضاً۔ ص 107

95. ایضاً۔ ص 120

96۔ ایضاً۔ ص 130

97۔ مناقب محمد بن محمد کردری۔ ص 213' حیدر آباد' دکن' 1946ء

98۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 88' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

99۔ جامع المسانید خوارزمی۔ ص 478' حیدر آباد' دکن' 1962ء

100۔ حدائق حنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 47' طبع لاہور۔ 1977ء

101۔ مناقب محمد بن محمد کردری۔ ص 148' ج 2' حیدر آباد' دکن' 1946ء

102۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 221' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

103۔ مناقب ذہبی۔ ص 15' حیدر آباد' دکن' 1962ء

104۔ جامع المسانید خوارزمی۔ ص 308' ج 2

105۔ جواہر المضیہ حافظ عبدالقادر قرشی۔ ص 460' ج 1' دار العلم' بیروت 1957ء

106۔ مناقب ذہبی۔ ص 25' حیدر آباد' دکن' 1962ء

107۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 163' ج 1' دار العلم' بیروت 1957ء

108۔ سورۃ الحدید آیت 16'

109۔ الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ۔ عبدالحی لکھنوی۔ ص 39' لکھنؤ 1958ء

110۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 115' ج 14' دار العلم' بیروت 1957ء

111۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 147' ج 2' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

112۔ الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 162' ج 2' دار العلم' بیروت 1957ء

113۔ منیۃ الالمعی قاسم بن قطلوبغا۔ ص 9' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

114۔ تاریخ العرب ڈاکٹر فلپ حتی۔ ص 484' ج 2' دار العلم' بیروت 1957ء

115۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 116' ج 14' دار العلم' بیروت 1957ء

116۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 116' ج 14' دار العلم' بیروت 1957ء

117۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 247' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

118۔ حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 77' لاہور' 1956ء

119ے ایضاً۔ ص 77

120ے حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 79' لاہور' 1956ء

121ے تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 44' ج 2' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

122ے ایضاً ص 44

123ے تذکرۃ المحدثین۔ ص 192' دار المعارف حیدر آباد دکن' 1959ء

124ے جامع المسانید خوارزمی۔ ص 508' طبع حیدر آباد دکن۔ 1961ء

125ے حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 103' طبع لاہور۔ 1956ء

126ے ایضاً ص 103

127ے جامع المسانید خوارزمی۔ ص 508' ج 2' حیدر آباد' دکن' 1962ء

128ے جواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ عبد القادر قرشی۔ ص 205' دار العلم' بیروت 1957ء

129ے ایضاً۔ ص 205

130ے جامع المسانید خوارزمی۔ ص 430' حیدر آباد' دکن' 1962ء

131ے حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 71' لاہور' 1956ء

132ے ایضاً۔ ص 78

133ے تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 282' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

134ے تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 474' ج 13' دار العلم' بیروت 1957ء

135ے تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 283' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

136ے المناقب ذہبی۔ ص 17' حیدر آباد' دکن' 1962ء

137ے تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 168' ج 14' دار العلم' بیروت 1957ء

138ے تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 189' ج 8' دار العلم' بیروت 1957ء

139ے ایضاً۔ ص 191' ج 8

140ے تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 274' ج 2' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

141ے الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ سخاوی۔ ص 9' بیروت' 1960ء

142ے تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 58' ج 11' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

143ے ایضاً ص 58

144ے حدائق الحنفیہ۔ فقیر محمد جہلمی۔ ص 85' لاہور' 1956ء

145۔ جواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 43' دار العلم' بیروت 1957ء

146۔ جامع المسانید خوارزمی۔ ص 95' حیدر آباد' دکن' 1962ء

147۔ ایضاً"۔ ص 95

148۔ ایضاً"۔ ص 509

149۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 214' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

150۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 577' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

151۔ جواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 136' دار العلم' بیروت 1957ء

152۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 452' ج 4' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

153۔ ایضاً"۔ ص 136

154۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 434' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

155۔ الجواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 264' ج 1' دار العلم' بیروت 1957ء

156۔ ایضاً"۔ ص 656' ج 2

157۔ مناقب صدر الائمہ موفق مکی۔ ص 203' ج 1' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

158۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 333' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

159۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 295' ج 1' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

160۔ مناقب صدر الائمہ موفق مکی۔ ص 161' ج 2' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

161۔ ایضاً"۔ ص 332' ج 1

162۔ احسن الباری لتفہیم البخاری محمد سرفراز خان صفدر شیخ الحدیث گوجرانوالہ ص 53 . طبع سوم ۱۹۹۵ء (مکتبہ صفدریہ

163۔ جواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ۔ عبدالقادر قرشی۔ ص 189 دار العلم' بیروت 1957ء

164۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 423' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

165۔ ایضاً"۔ ص 443

166۔ جواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 48' دار العلم' بیروت 1957ء

167۔ حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 238' لاہور' 1956ء

168۔ جواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 547' دار العلم' بیروت 1957ء

169۔ ایضاً۔ ص 505

170۔ ایضاً۔ ص 506

171۔ ایضاً۔ ص 518

172۔ ایضاً۔ ص 521

173۔ ایضاً۔ ص 527

174۔ جامع المسانید خوارزمی۔ ص 511، حیدر آباد، دکن، 1962ء

175۔ ایضاً۔ ص 512

176۔ جامع المسانید خوارزمی۔ ص 77، حیدر آباد، دکن، 1962ء

177۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ص 112، دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

178۔ ایضاً۔ ص 112

179۔ مناقب صدر الائمہ موفق مکی۔ ص 374، دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

180۔ ایضاً۔ ص 113

181۔ ایضاً۔ ص 115

182۔ حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 241، لاہور، 1956ء

183۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 188، ج 1، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

184۔ ایضاً۔ ص 232

185۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 108، ج 10، دار العلم، بیروت 1957ء

186۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 198، ج 1، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

187۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 109، ج 6، دار العلم، بیروت 1957ء

188۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 192، ج 6، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

189۔ ایضاً۔ ص 193

190۔ ایضاً۔ ص 198

191۔ جامع المسانید خوارزمی۔ ص 420، ج 2، حیدر آباد، دکن، 1962ء

192 جامع بیان العلم ابن عبدالبر۔ ص 148

193 جامع المسانید خوارزمی۔ ص 451' حیدر آباد' دکن' 1962ء

194 جواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 225' دار العلم' بیروت 1957ء

195 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 9' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

196 جامع المسانید خوارزمی۔ ص 441' حیدر آباد' دکن' 1962ء

197 ایضاً۔ ص 445

198 ایضاً۔ ص 445

199 ایضاً۔ ص 455

200 جواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 178' دار العلم' بیروت 1957ء

201 جامع المسانید خوارزمی۔ ص 481' حیدر آباد' دکن' 1962ء

202 ایضاً۔ ص 481

203 جواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 431' دار العلم' بیروت 1957ء

204 ایضاً۔ ص 432

205 حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 218' لاہور' 1956ء

206 ایضاً۔ ص 218

207 تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 431' دار العلم' بیروت 1957ء

208 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 577' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

209 ایضاً۔ ص 577

210 ایضاً۔ ص 98

211 ایضاً۔ ص 99

212 ایضاً۔ ص 98' 99

213 جامع المسانید خوارزمی۔ ص 471' حیدر آباد' دکن' 1962ء

214 حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 72' لاہور' 1956ء

ن

215۔ جواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 186' دار العلم' بیروت 1957ء

216۔ ایضاً۔ ص 267ج 1

217۔ ایضاً۔ ص 268ج 1

218۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 165' ج 10' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

219۔ بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ ص 45' مطبوعہ لاہور۔ 1975ء

220۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 421' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

221۔ ایضاً۔ ص 422

222۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 311' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

223۔ حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 73' لاہور' 1956ء

224۔ جواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 225' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

225۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 641' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

226۔ ایضاً۔ ص 641

227۔ حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 211' لاہور' 1956

228۔ ایضاً۔ ص 221

229۔ جواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 275' دار العلم' بیروت 1957ء

230۔ جامع المسانید خوارزمی۔ ص 405' حیدر آباد' دکن' 1962ء

231۔ ایضاً۔ ص 405

232۔ ایضاً۔ ص 407

233۔ تعلیقات الکوثری علی الانتقاء ابن عبدالبر۔ ص 50' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

234۔ حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 216' لاہور' 1956ء

235۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 32' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

236۔ حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 98' لاہور' 1956ء

237۔ ایضاً۔ ص 98

238 ایضاً۔ ص 101

239 جواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 78' دار العلم' بیروت 1957ء

240 ایضاً۔ ص 78

241 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 414' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

242 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 315' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

243 حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 217' لاہور' 1956ء

244 ایضاً۔ ص 218

245 الرسالہ المستطرفہ محمد بن جعفر الکتانی۔ ص 105' اصح المطابع کراچی۔ 1978ء

246 ایضاً۔ ص 105

247 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 411' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء'

248 جواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 58' دار العلم' بیروت 1957ء

249 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 105' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

250 جامع المسانید خوارزمی۔ ص 107' حیدر آباد' دکن' 1962ء

251 ایضاً۔ ص 473' ج 2

252 مزید تفصیلات کے لئے مقالہ ہذا کا باب اعتراضات و جوابات دیکھیں۔

253 حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 221

254 ایضاً۔ ص 221

255 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 184' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

256 ایضاً۔ ص 78

257 ایضاً۔ ص 78

258 ایضاً۔ ص 80

259 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 302' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

260 ایضاً۔ ص 302

ب

261 ایضاً۔ ص 304

262 ایضاً۔ ص 305

263 ایضاً۔ ص 313

264 ایضاً۔ ص 318

265 ایضاً۔ ص 319

266 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 17' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

267 ایضاً۔ ص 34

268 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 292' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

269 تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 146' ج 14' دار العلم' بیروت 1957ء

270 جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبر مالکی۔ ص 65' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

271 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 368' ج 11' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

272 تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 112' ج 6' دار العلم' بیروت 1957ء

273 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 292' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

274 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 274' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

275 تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 87' ج 14' دار العلم' بیروت 1957ء

276 اعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ سخاوی۔ ص 92' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

277 تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 91' ج 14' دار العلم' بیروت 1957ء

کتابیات امام اعظم

فہرست مضامین

باب پنجم

امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کتب پر ایک نظر

امام ابو حنیفہ کی تالیفات میں سے "کتاب فقہ اکبر و کتاب العالم و المتعلم و کتاب الاوسط و کتاب الوصیہ و کتاب المقصود" وغیرہ ایسی مشہور و معروف ہیں کہ محتاج سند نہیں۔[1] امام صاحب کی تالیف فقہ اکبر کلام و عقائد کے سلسلہ کی اولین تالیف ہے جیسے کہ "العالم والمتعلم" آداب علم اور تعلیم و تعلم کے آداب کے بارے میں اولیت رکھتی ہے۔ اسی طرح سے فقہ و اصول فقہ سے متعلق امام صاحب کی بعض مولفات منقول ہیں۔ مثلاً "کتاب الرائے" وغیرہ۔[2] امام صاحب کی کتاب 'کتاب الرائے کا تذکرہ ابن قدامہ و آثارہ الاصولیہ میں کیا گیا ہے۔ نیز مولانا ابو الوفا افغانی نے اصول سرخسی کے مقدمہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔[3]

امام صاحب کے متعلق یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ ان کی کوئی کتاب نہیں۔ حالانکہ یہ قول معتزلہ کا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب کی تصانیف موجود ہیں۔ مثلاً وصایا' العالم والمتعلم اور فقہ اکبر۔ اسی طرح امام صاحب نے جو احادیث اپنے تلامذہ کے سامنے بیان فرمائیں ان کو آپ کے شاگرد "حدثنا" اور "اخبرنا" کے صیغوں کے ساتھ لکھتے رہے آپ کے ان درسی افادات کا نام کتاب الاٰثار ہے جو دوسری صدی کی تالیف ہے۔ اور اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف ہے جس میں بعد کے محدثین کے لئے ترتیب کی راہ ہموار ہوئی۔[4]

شیخ محمد امین اورکزئی کی تحقیق کے مطابق کتاب الآثار' مسند امام ابی حنیفہ اربعینیات امام ابو حنیفہ اور واحدانیات امام ابی حنیفہ میں سے کتاب الاٰثار امام صاحب کی تالیف کردہ ہے۔ باقی تین کتب کو امام صاحب کی مرویات پر لکھا گیا۔ مرویات پر مشتمل چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد پچاس تک ہوتی ہے۔[5]

فقہ کے موضوع پر امام اعظم کی قدیم ترین کتاب "کتاب السیر" ہے۔ آپ نے اسے اپنے تلامذہ' الحسن بن زیاد' محمد بن الحسن' ابو یوسف' زفر' اسد بن عمرو' حفص ابن غیاث' اور عافیہ بن یزید کو املا کرائی تھی۔ جب یہ کتاب امام عبدالرحمٰن الاوزاعی کے مطالعہ میں آئی تو امام اوزاعی نے اس کا جواب لکھا۔ اس کے بعد قاضی ابو یوسف نے امام اوزاعی کی کتاب کا رد لکھا جو الرد علی سیر الاوزاعی کے نام سے چھپ چکی ہے۔ امام شافعی نے "کتاب الام" میں قاضی ابو یوسف کی کتاب الرد علی سیر الاوزاعی کو روایت کیا ہے۔[6] مختصر یوں کہا جا سکتا ہے کہ امام صاحب کی کتب موجود تھیں۔

چونکہ امام اعظم ابو حنیفہ کا ذوق تالیف و تصنیف تھا۔ اور کتب مذکورہ میں سے کتاب الاوسط کے متعلق یہ شہادت ملتی ہے کہ یہ بھی لکھی ہوئی تھی اور امام شافعی نے اس کتاب کو زبانی حفظ کر لیا تھا چنانچہ امام محمد لکھتے ہیں۔

انہ استعار منی کتاب الاوسط لابی حنیفہ و حفظہ فی یوم و لیلۃ

ترجمہ :- امام شافعی نے مجھ سے امام ابو حنیفہ کی کتاب الاوسط مانگی اور اس کو ایک دن رات میں یاد کر لیا۔[7]

یہ ارشاد امام محمد نے امام شافعی صاحب کی تعریف میں بیان کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام محمد صاحب کے پاس امام ابو حنیفہ کی کتاب الاوسط موجود تھی۔ جس کو امام شافعی نے طلب فرمایا تھا اور یاد کیا تھا۔

ایک الزام امام ابو حنیفہ کی کتابوں کے بارے میں یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ امام موصوف کے تلامذہ کی کتب کو امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں۔ بلکہ امام محمد خود اس کتاب کو امام ابو حنیفہ کی کتاب بتا رہے ہیں۔ الفاظ پر غور کیجئے "کتاب الاوسط لابی حنیفہ" کتاب الاوسط جو امام ابو حنیفہ کی ہے یہاں سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اگر کوئی کتاب امام صاحب کے تلامذہ کی طرف غلطی سے منسوب بھی ہو گئی ہے۔ تو تلامذہ خود اس کو امام صاحب کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ اس شہادت کے بعد بھی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی اپنی کوئی کتاب نہ تھی؟ حضرت امام ابو حنیفہ نے سب سے پہلے کتب کی تالیفات اور تصنیفات کے کام کا آغاز کیا۔ اور دوسری اولیتوں اور فضیلتوں کے ساتھ ساتھ تدوین شرائع اور ان کی ترتیب اور تبویب میں بھی مدون اول ہونے کا شرف حاصل کیا ہے۔ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں۔

من مناقب ابی حنیفہ انہ انفرد بھا انہ اول من دون شریعہ و رتبہ ابوبا

ترجمہ :- امام ابو حنیفہ کی ان بزرگیوں میں جن میں وہ یگانہ ہیں ایک یہ ہے کہ ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شریعت کی ترتیب و تدوین اور تبویب کا کام کیا۔[8]

امام مالک نے امام ابو حنیفہ کی اتباع کی۔

ثم تبعہ فی ترتیب الموطا و لم یسبق ابا حنیفۃ احد

ترجمہ :- امام مالک نے موطا کی ترتیب میں ابو حنیفہ کی اتباع کی ترتیب و تدوین شرائع میں ابو حنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

قاضی ابو العباس نے بھی اخبار ابی حنیفہ میں بسند متصل عبدالعزیز بن محمد دراوردی سے روایت کی ہے۔ کہ امام مالک امام ابو حنیفہ کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔

قال کان مالک ینظر فی کتب ابی حنیفه و ینتفع بها

ترجمہ:۔ امام مالک ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور ان سے نفع اٹھاتے تھے۔[9]

صدر اول میں تمام علوم اور مہمات فنون عربیہ کی تدریس اور حفاظت کا یہی طریقہ رائج تھا۔ مشائخ اور اساتذہ درس و املا اور تقریر کرتے تھے اور تلامذہ اپنے حفظ و یاداشت کے لئے اساتذہ کی امالی یا ان کا خلاصہ لکھ لیا کرتے تھے۔ اور پھر یہی طریقہ بتدریج ترقی کرتا رہا حتی کہ خود اساتذہ اور علماء فن اپنی مرویات کو بطور تصنیف مرتب کرنے لگے۔ حدیث میں یہ طریقہ تمام علوم سے زیادہ مقبول ہوا۔ اور تحمل روایت کی مشہور اور اعلی قسم قرار پایا۔ چنانچہ حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں۔

سواء احدث من کتابه او من حفظه او بغیر املاء و هو ارفع الاقسام۔[10]

ترجمہ:۔ بغیر املا کے یا اپنے حافظہ سے یا کتابت سے حدیث بیان کرنا سب برابر ہے۔ اور یہ اعلی قسم ہے۔

امام ابن حجر مکی امام صاحب کے خصائص بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انھوں نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی اور فقہ کو کتب میں ابواب کی ترتیب سے مرتب کیا جیسا کہ آج موجود ہے۔ پھر ان کی پیروی امام مالک نے اپنی کتاب مؤطا میں کی اس سے قبل لوگ حافظہ پر بھروسہ کرتے تھے۔ اور سب سے پہلے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط بھی امام ابو حنیفہ ہی نے وضع کی ہے۔[11] امام سیوطی بھی علامہ ذہبی سنہ 143ھ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ صنف ابو حنیفه الفقه و الرائے کہ امام ابو حنیفہ نے فقہ اور رائے تصنیف کی۔[12]

ان کے علاوہ علامہ ابن ندیم نے اپنی فہرست میں دو اور کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے جو کتاب الرسالہ الی عثمان لبستی اور کتاب القدریہ ہیں۔[13]

یہاں اس بات کا ذکر مناسب ہو گا کہ اب تک جن کتب تک رسائی ہوئی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

1- کتاب الرائے

2- کتاب الاوسط

3- کتاب الوصیہ

4- کتاب المقصود

5- کتاب العالم والمتعلم

6- کتاب الرسالہ الی عثمان بستی

7- کتاب القدریہ

8- کتاب اختلاف الصحابہ[14]

9- کتاب فقہ اکبر

10- کتاب السیر

11- کتاب الاثار

12- کتاب مسند امام اعظم

ذکرہ ابن العوام

ذکرہ ابو عاصم العامری

مسعود ابن شیبہ

ذکرہ العباس بن مصعب فی تاریخ مرو

13- کتاب الجامع[15]

علامہ بیاضی نے امام ابو حنیفہ کی کتابوں کی سند کو تاریخی و روایاتی حوالوں سے یوں لکھا ہے۔ کتاب فقہ الاوسط کی سند یہ ہے۔

ابو زکریا یحییٰ بن مطرف عن نصیر بن یحییٰ عن ابی مطیع البلخی عن ابی حنیفہ

کتاب العالم و المتعلم کی سند یہ ہے۔

الحافظ احمد بن علی عن حاتم بن عقیل عن الفتح بن ابی علوان و محمد بن یزید عن الحسن بن صالح عن ابی مقاتل عن ابی حنیفہ

کتاب الرسالہ کی سند یہ ہے۔

نصیر بن یحیٰی عن محمد بن سلمہ عن ابی یوسف عن ابی حنیفہ

کتاب الوصیہ کی سند بھی اسی سلسلہ سے ثابت ہے۔ جس سے کتاب الرسالہ کی سند ثابت ہے۔[21]

خلاصہ کلام بالا کا یہ ہے کہ ان کتابوں کی روایت میں مرکزی حیثیت حماد بن ابی حنیفہ' قاضی ابو یوسف' ابو مطیع الحکم بن عبداللہ' ابو مقاتل حفص بن مسلم کی ہے۔ ان ائمہ سے ان کتابوں کو اسماعیل بن حماد' محمد بن مقاتل' محمد بن سلمہ' نصیر بن یحیٰی اور شداد بن حکیم نے روایت کیا ہے۔

کتاب الوصیت

امام ابو حنیفہ کی کتاب "کتاب الوصیہ" دو وصیتوں پر مشتمل ہے۔ علامہ ابن نجیم نے اپنی مایہ ناز کتاب الاشباہ والنظائر میں ذکر کیا ہے۔ اسی وصیت نامے کا کچھ حصہ علامہ شبلی نعمانی نے بھی اپنی کتاب سیرت نعمان میں ذکر کیا ہے۔ یہ وصیت مناقب کردری مطبوعہ حیدر آباد دکن سنہ 1341ھ ج 2' ص 89 تا 91 میں بھی ملتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی کتب میں چھپ چکی ہے۔

1- پہلی وصیت یوسف بن خالد سمتی کے نام ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے ان کا شمار مناقب شافعی میں کیا ہے۔ علامہ بدر الدین عینی نے رجال معانی الاثار میں ان کے حالات لکھے ہیں۔ ابن ماجہ نے ان سے تخریج حدیث کی ہے۔ برھان الاسلام زرنوجی نے بھی اپنی کتاب تعلیم المتعلم میں اس وصیت نامے کا ذکر کیا ہے۔

یوسف بن خالد سمتی پہلے عثمان بستی سے پڑھتے رہے پھر سلیمان الاعمش نے ان کو امام ابو حنیفہ کے پاس بھیج دیا۔ ان کی وفات سنہ 189ھ میں بصرہ میں ہوئی۔

2- دوسری وصیت قاضی ابو یوسف کو کی گئی۔ اس میں شہری آداب' ازدواجی زندگی' ترتیب زندگی' تعمیر زندگی' آرائش' آداب' نصیحت' ہمت اور آداب مجلس وغیرہ کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

اس وصیت نامے کو مولانا عبدالقیوم حقانی نے اپنی کتاب دفاع امام ابو حنیفہ کے باب دس میں ذکر کیا ہے۔ ان دونوں وصیتوں کو ہم اپنے مقالے کے آخر میں جگہ دیں گے۔ تاکہ قارئین کو نفع پہنچے۔

الفقہ الاکبر

جن چار کتابوں کا تعارف ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں کروایا ہے۔ ان میں ایک "فقہ اکبر" ہے۔ یہ دراصل چھوٹی سی کتاب ہے جو حیدر آباد دکن سے اور کئی دوسرے مطابع سے چھپی ہے۔ اس کتاب کو متعدد طرق سے روایت کیا گیا ہے۔ جن میں دو طرق زیادہ مشہور اور معروف ہیں۔

1- حماد بن ابی حنیفہ کی روایت سے۔ 2- ابو مطیع البلخی کی روایت سے۔[17]

کتاب فقہ اکبر خاص طور پر متقدمین کی توجہ کا مرکز رہی۔

اور مندرجہ ذیل علمائے وقت نے اس پر شرحیں لکھیں ہیں۔

1- حکیم اسحاق بن محمد سمرقندی م 342ھ یہ امام ابو منصور ماتریدی 333ھ کے شاگرد ہیں۔

2- شیخ اکمل بابرتی

3- فخرالاسلام بزدوی م 482ھ

4- محی الدین محمد بن بہاء الدین

5- ملا علی قاری سنہ 1014ھ

6- عبدالعلی بحرالعلوم

نوٹ:۔ فقہ اکبر کو ابراہیم بن حسین نے "شریفی" کے نام سے نظم کیا۔ اور حکیم اسحاق سمرقندی کی شرح کو البقا احمدی م 918ھ نے نظم کیا ہے۔

7- ایک شرح فقہ اکبر کا ابو منصور ماتریدی کی طرف بھی منسوب ہے۔ پروفیسر محمد ابو زہرہ مصری کی تحقیق کے مطابق یہ نسبت محل نظر ہے۔ کیونکہ شارح اشاعرہ کے موافق اور مخالف دونوں طرح احتجاج کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابو الحسن اشعری سے متاخر ہے۔ حالانکہ ابو منصور ماتریدی اور ابو الحسن اشعری دونوں آپس میں معاصر ہیں۔ ماتریدی سنہ 333ھ میں فوت ہوئے۔ اور اشعری نے سنہ 333ھ یا سنہ 334ھ میں وفات پائی۔[18]

8- حضرت خواجہ بندہ گیسو دراز علیہ سنہ 825ھ نے فارسی میں فقہ اکبر کی شرح لکھی۔ جس کا قلمی نسخہ دانش گاہ سندھ میں محفوظ ہے۔ اور حیدر آباد دکن سے طبع بھی ہو چکا ہے۔

فقہ اکبر کے بارے میں غلط فہمیاں

فقہ اکبر کے بارے میں علمائے امت نے جس قدر اعتناء برتا ہے۔ اسی قدر اس کے بارے میں غلط فہمیاں بھی موجود ہیں۔ مثلاً شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

کہ اگر فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی کتاب ہوتی تو صاحبین اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کرتے۔ اتنے بڑے گروہ میں اس کا ذکر نہ ہوا؟[1]

فقہ اکبر دراصل فقہ کی کتاب تھی نہ عقائد و کلام کی۔ یہ کتاب ساٹھ ہزار مسائل پر مشتمل تھی۔ لیکن آج کل ناپید ہے۔[2]

یہ رائے قابل قبول نہیں کہ ایسی مشہور کتاب کا نہ تو کسی فہرست کتب میں تذکرہ ہے۔ اور نہ کسی کتب خانے میں مخطوط موجود ہے۔

فقہ اکبر (رسالہ درعقائد و کلام) کو ائمہ اسلام نے امام ابو حنیفہ کی کتاب تسلیم کیا ہے۔ مندرجہ ذیل ائمہ اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔

1- الحکم بن عبداللہ البلخی م سنہ 199ھ 2- اسحاق بن محمد الحکم سمرقندی م سنہ 342ھ

3- فخرالاسلام بزدوی م سنہ 482ھ 4- محی الدین محمد بن بہاء الدین

5- مولیٰ الیاس بن ابراہیم 6- احمد بن محمد المغنیاری

7- اکمل الدین بابرتی 8- ابو المنتہی

9- ابن تیمیہ م سنہ 728ھ 10- ابن قیم م سنہ 751ھ

11- علامہ ذہبی م سنہ 748ھ 12- امام کردری م سنہ 827ھ

13- ملا علی قاری م سنہ 1014ھ 14- عبدالعلی بحر العلوم

15- ملا کاتب چلپی حاجی خلیفہ صاحب کشف الظنون 16- علامہ عبدالقادر قرشی م سنہ 775ھ مولف الجواہر المفیہ

17- صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود 18- ابن ہمام

19- ابن عابدین شامی م سنہ 1252ھ 20- عبدالحی لکھنوی سنہ 1304ھ مولف الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ

فقہ اکبر کو امام ابو حنیفہ کی تالیف تسلیم کرنے میں معتزلہ کو انکار تھا۔ علامہ کردری لکھتے ہیں۔

"انکرت المعتزلہ ان یمکن الفقہ الاکبر لامام ابی حنیفہ و ھذا غلط صریح"۔

ترجمہ:- معتزلہ نے انکار کیا ہے کہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی کتاب ہے۔ ان کا قول غلط ہے۔[21]

امام ابو حنیفہ کے سوانح نگار علامہ البرازی "المناقب" میں فقہ اکبر اور العالم و المتعلم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ امام ابو حنیفہ کسی کتاب کے مصنف نہ تھے۔ تو میں اس کو جواب دوں گا کہ یہ قول معتزلہ کا ہے۔[22]

شبلی نعمانی نے فقہ اکبر پر جو اعتراضات کئے ہیں ان سب کا جواب موجود ہے۔ مگر وہ خود بھی اپنے دعوئی میں اتنے مضبوط نہیں اور نہ مطمئن ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

ہم نے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے۔[23]

فقہ اکبر عقائد کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔ مسائل و ترتیب قریب قریب وہی ہیں جو عقائد نسفی کے ہیں۔ یہ رسالہ چھپ چکا ہے۔[24]

فقہ اکبر کی سند یوں ہے۔ علی بن القاری عن نصیر بن یحیٰ عن ابی مقاتل عن عصام بن یوسف عن حماد بن ابی حنیفہ عن ابی حنیفہ۔[25]

ہم نے امام ابو حنیفہ کی کتب میں سے بارہ (12) کا ذکر کیا اور ساتھ ہی اس دور کا طریقہ تدوین اور امام صاحب کا خود تالیف میں بانی ہونے کا ذکر مورخین کے دلائل سے ثابت کیا۔ کتب مذکورہ میں سے پہلی آٹھ کتابیں الرائے، کتاب الاوسط، کتاب الوصیہ، کتاب المقصود اور کتاب العالم و المتعلم، کتاب الرسالہ، کتاب القدریہ، کتاب اختلاف الصحابہ کے بارے میں ہماری ناقص تلاش کے باوجود یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کتابیں طبع ہوئی تھیں یا نہیں۔[26]

علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ العالم المتعلم، سوال و جواب کے طور پر ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ لیکن ہماری نظر سے نہیں گزرا۔[27]

بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا کہ حضرت امام صاحب کی اپنی تصنیف نہیں۔ خصوصاً "فقہ اکبر" ان کی نہیں۔ لیکن یہ ان حضرات کا وہم ہے اس لئے کہ علامہ ابو الفرج محمد بن اسحاق بن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست لابن ندیم (جس کو انہوں نے سنہ 377ھ میں تصنیف کیا) کے صفحہ 298 پر لکھتے ہیں۔

الفقه الاکبر کتاب الرساله الی بستی کتاب العالم و المتعلم و کتاب الرد علی القدریه

یہ امام ابو حنیفہ کی تصانیف ہیں۔[28]

اس پر مزید علامہ طاش کبری زادہ لکھتے ہیں۔ کہ خود امام ابو حنیفہ نے اپنی کتاب الفقہ الاکبر اور کتاب العالم و المتعلم میں علم کلام کی اکثر بحثیں کی ہیں۔ اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ ان کی تصانیف نہیں۔ بلکہ یہ ابو حنیفہ البخاری کی ہیں۔ تو یہ بات معتزلہ کی مخترعات یعنی گھڑی ہوئی ہے۔

معتزلہ کا یہ خیال باطل ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ ان کے مسلک پر تھے۔ علامہ حافظ الدین البزازی نے اپنی کتاب مناقب ابی حنیفہ میں لکھا ہے کہ میں نے خود یہ دونوں کتابیں علامہ شمس الدین الکردری البرانیقی العمادی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی دیکھی ہیں۔ اور ان دونوں کتابوں کے بارے میں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ یہ دونوں کتابیں حضرت امام ابو حنیفہ کی تصنیف ہیں۔ اور اس بات پر مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت کا اتفاق ہے۔ جن میں سے امام فخر الدین البزدوی بھی ہیں۔ جنہوں نے اپنی کتاب الاصول البزدوی میں ان دونوں کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ عبدالعزیز بخاری نے بھی اپنی کتاب شرح اصول بزدوی میں بھی ان دونوں کتابوں کا ذکر کیا ہے۔[29]

فقہ اکبر کی شرحیں

1- شرح فقہ اکبر از محی الدین محمد بن بہاء الدین المتوفی سنہ 935ھ
2- شرح فقہ اکبر از مولیٰ الیاس بن ابراہیم السینوبی
3- شرح فقہ اکبر از مولیٰ احمد بن محمد المغنیساوی سنہ 939ھ
4- شرح فقہ اکبر از حکیم اسحاق

5- شرح فقہ اکبر از شیخ اکمل الدین

6- شرح فقہ اکبر از ملا علی قاری

7- شرح فقہ اکبر ابو منصور ماتریدی۔

ملا علی قاری کی شرح متداول ہے۔ بعض اور شرحوں کے نسخے بھی جا بجا قلمی پائے جاتے ہیں۔ حکیم اسحاق کی شرح کو ابو احمدی نے سنہ 918ھ میں نظم کیا اور اصل کتاب کو ابراہیم بن حسام الشریفی نے نظم کیا۔[30] شروح کا ذکر کرنے کے بعد علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ فقہ اکبر کو اگرچہ فخرالاسلام بزدوی عبدالعلی بحر العلوم اور شارحین فقہ اکبر نے امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن ہم مشکل سے اس پر یقین کر سکتے ہیں۔[31]

فقہ اکبر کی حقیقت

علامہ شبلی نعمانی کے انکار کے بعد کہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی کتاب مشکل سے یقین ہوتی ہے۔ اپنی بحث کو علامہ امام عبدالقادر بغدادی شافعی کی رائے پر ختم کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

اول متکلمیھم من الفقہاء و ارباب المذاہب ابو حنیفہ و الشافعی فان ابا حنفیۃ لہ کتاب فی الرد علی القدریہ سماہ الفقہ الاکبر ولہ رسالہ املاء ھا فی نصرۃ قول اہل السنہ ان الاستطاعہ مع الفعل

ترجمہ:۔ فقہاء میں سب سے پہلے متکلم ابو حنیفہ اور شافعی ہیں۔ ابو حنیفہ نے قدریہ کے رد اور فقہ اکبر نامی کتاب تصنیف کی ہے موضوع استطاعت پر اہل سنت کے موقف کی تائید میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔[32]

علامہ ابو المظفر اسفرائینی نے امام اعظم کی کلامی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔[33]

اس کے علاوہ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ کہ علامہ ابن الندیم نے بھی ان کتب کا ذکر اپنی فہرست میں کرنے کے بعد لکھا ہے

العلم بحراً و براً مشرقاً و غرباً بعداً و قرباً

ترجمہ :- دور، نزدیک، مشرق، مغرب اور خشکی و تری میں آپ ہی کا علم ہے۔[34]

مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں۔ کہ امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب منھاج السنہ میں فقہ اکبر کو حضرت امام اعظم ؒ کی کتاب قرار دیا ہے۔ شبلی موحوم کے انکار پر اسے بحث میں لانے کی ضرورت نہیں۔۔ لیکن راقم الحروف کے نزدیک علامہ شبلی کے پاس کوئی دلیل نہیں یہ ان کا اپنا قیاس ہے۔۔ مولانا محمد حنیف ندوی لکھتے ہیں کہ اس میں بھی اختلاف رائے ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فقہ کی کوئی کتاب تصنیف کی یا نہیں اور آیا ابن الندیم نے جن کتابوں کا ان کی طرف انتساب کیا ہے، جیسے فقہ اکبر، کتاب العالم و المتعلم وغیرہ یہ نسبت تاریخی طور پر درست ہے یا کہ نہیں۔ حقیقت مسلمہ ہے کہ ان کے ارشد تلامذہ نے اپنی کتابوں میں فقہ حنفی کے نام سے جن فروع و اصول کا تذکرہ کیا ہے ان کی تعین و تنقیح میں بڑی حد تک حضرت امام ابو حنیفہ ہی کی مجتہدانہ کوششوں کا دخل ہے۔[35]

مولانا فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں۔ کہ ایک جماعت نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف بھی ہے۔ لیکن یہ انکار پایہ تکمیل سے عاری ہے۔ کیونکہ اہل سنت سے کوئی بھی امام صاحب کی تالیف کا منکر نہیں بلکہ بعض معتزلہ نے انکار کیا ہے۔ سو ان کا قول قابل اعتبار نہیں۔ اور اس کے بعد ان کتب کا ذکر کیا جن میں فقہ اکبر شامل ہے۔[36]

علامہ کردری لکھتے ہیں۔

فان قلت لیس لابی حنیفه کتاب مصنف قلت هذا الکلام المعتزله و دعواهم انه لیس له فی العلم الکلام تصنیف غرضهم بذالک نفی ان یکون الفقه الاکبر و کتاب العالم والمتعلم له لانه صرح فیه باکثر قواعد اہل السنه و الجماعت و دعواهم انه کان من المعتزله و ذالک الکتب لابی حنیفه البخاری و هذا غلط صریح فانی رایت بخط العلامه مولانا شمس الملۃ والدین الکردری البراتیقی العمادی هذین الکتابین و کتب فیهما انهما لابی حنیفه و قد تواطاء علی ذالک جماعه کثیره من المشائخ۔[37]

میں نے ان دونوں کتابوں (یعنی فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری اور فقہ اکبر امام اعظم ابو حنیفہ) کو علامہ براتیقی عمادی کے پاس دیکھا ہے۔ کہ ان کتابوں پر موصوف کے قلم سے لکھا ہوا تھا، الفقہ الاکبر لابی حنیفہ علامہ براتیقی عمادی

صاحب۔ کتاب الھدایہ کے مصنف کے شاگرد ہیں۔ سن وفات سنہ 559ھ ہے۔ ایک معتبر فقیہ اور محدث ہیں۔ ان کی غرض ان دونوں کتابوں پر الفقہ الاکبر لابی حنیفہ لکھنے سے ہرگز یہ نہیں ہو سکتی کہ یہ دونوں کتابیں امام ابو حنیفہ بخاری کی ہیں بلکہ غرض ان کی ظاہر ہے کہ ایک کتاب فقہ اکبر کے مصنف ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی ہے۔ اور ایک کتاب فقہ اکبر کے مصنف امام ابو حنیفہ کوفی کی ہے اور اس بات پر کہ فقہ اکبر دو الگ الگ کتابیں ہیں اور ان کے مصنف بھی الگ الگ ہیں۔ مشائخ کی جماعت نے اتفاق کیا ہے۔ اس اختلاف میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ ایک فقہ اکبر ابو مطیع بلخی کی بھی ہے۔ اس لئے یہاں اس اختلاف کی حقیقت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور راقم الحروف کی اس کوشش سے مقصود تحقیق ہے۔ نہ کہ تنقید۔

فقہ اکبر کا تاریخی پس منظر

فقہ اکبر دو ہیں اور یہ اتفاق کی بات ہے کہ دونوں کے مصنفین کا نام بھی ابو حنیفہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی المعروف امام اعظم مسلک حنفی کے بانی ہیں۔ اور دوسرے ابو حنیفہ محمد بن یوسف البخاری المعروف بابی حنیفہ ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی کتاب فقہ اکبر کا طرز عبارت قدیم ہے۔ اور اس کے تمام مسائل حدثنا کہہ کر بیان کئے گئے ہیں۔ جس کے راوی ابو مطیع البلخی ہیں۔ اور امام ابو حنفیہ کے شاگرد ہیں۔ اور احادیث' ابن عون' ہشام بن حسام' ابراہیم بن طہمان سے روایت کرتے ہیں۔ خود ابو مطیع بلخی سے بھی ایک بڑی جماعت نے روایت کی ہے۔ مثلاً احمد بن ملیح و قلادین بن اسلم الصفار' ابن مبارک ان کے علم اور فقہ کی قدر کرتے ہیں۔ اور ان کے بہت زیادہ مداح ہیں۔ سولہ سال تک بلخ کے قاضی رہے۔ سنہ 197ھ میں چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور یہی وہ بزرگ ہیں جو فقہ اکبر کو امام اعظم سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ آگے چل کر ہم فقہ اکبر کو فقہ اکبر "مرویہ" لکھیں گے۔ کتاب کا اصل نسخہ ہمارے پاس موجود ہے۔ سند یوں ہے۔

اخبرنا الشیخ الامام الزاہد الاستاذ سیف الحق و الدین قاطع البدعہ و الضلالہ ابو المعین میمون بن المعتمد المکحولی النسفی انار اللّٰہ برھانہ و انہ قال الشیخ الامام ابو عبداللّٰہ الحسین ابی الحسین الکاشغری الملقب بالفضل قال ابو مالک

نصر بن حم الختلی قال حدثنا ابو الحسن علی بن الحسین بن محمد الغزالی
قال حدثنا نصیر بن یحییٰ الفقیہ قال سمعت ابا مطیع الحکم بن عبداللہ
البلخی قال سالت ابا حنیفہ النعمان بن ثابت۔

اور فقہ اکبر ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کا طرز عبارت یہ نہیں۔ بلکہ اس کا طرز عبارت مابعد کے زمانے کا ہے۔ اس کے مصنف نے بہت سے مسائل اپنی طرف سے زیادہ کئے ہیں۔

فقہ اکبر اور علماء متقدمین

حاجی خلیفہ چلپی کشف الظنون میں لکھتے ہیں کہ ابو مطیع بلخی نے فقہ اکبر کو خاص امام ابو حنیفہ سے نقل کیا اور اس کتاب کی بہت سے شرحیں ہیں۔ مثلاً

1- شرح محی الدین بن محمد سنہ 656ھ-(38)
2- شرح مولی الیاس بن ابراہیم سینوبی
3- شرح مولی احمد بن محمد سنہ 939ھ
4- شرح ابراہیم بن حسام الکرمانی سنہ 1016ھ
5- شرح ملا علی قاری

قبل ازیں ہم علامہ شبلی نعمانی کی کتاب سیرت النعمان کے حوالہ سے چھ شرحوں کا ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں علامہ چلپی ایک اور شرح' شرح الکرمانی کا اضافہ کرتے ہیں۔ اور یہ تمام شرحیں فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری کی ہیں۔ نہ کہ فقہ اکبر ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کی۔ علامہ عبدالرسول برزنجی لکھتے ہیں کہ مجھے فقہ اکبر ابو حنیفہ کا نسخہ ملا ہے جس کی روایت ابو مطیع تک پہنچ جاتی ہے۔ اور یہ نسخہ 651ھ کا لکھا ہوا ہے۔ علامہ برزنجی لکھتے ہیں کہ ملا علی قاری نے جس فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے وہ ابو حنیفہ بخاری کا فقہ اکبر ہے۔ ابو حنیفہ بخاری کے فقہ اکبر کی عبارت اس طرح ہے۔ قال الامام قدوۃ الانام الکوفی لہٰذا اس کتاب میں وہ مسائل بھی شامل ہیں جو امام صاحب سے مروی نہیں۔ صاحب کشف الظنون نے یہ بات نہیں سوچی کہ جن شرحوں کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب میں کیا ہے وہ سب سنہ 900ھ کے

بعد کی لکھی ہوئی ہیں۔ اگر یہ شروحات اصل فقہ کی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حققدمین ابو اللیث سمرقندی اور امام طحاوی نے اس کی شرحیں نہ لکھیں۔ لہٰذا فقہ اکبر مرویہ امام ابو حنیفہ کی کتاب ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

فقہ اکبر مرویہ کا نسخہ

1- علامہ کردری نے دونوں کتابوں پر اپنے قلم سے فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری اور فقہ اکبر ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی لکھا تھا۔
2- فقہ اکبر مرویہ ابو مطیع کی روایت ہے۔
3- فقہ اکبر مشہور میں جہاں کہیں قال ابو حنیفہ قدوۃ الانام لکھا ہے وہاں اقتباس ہے فقہ اکبر مرویہ کا۔
4- جو جرح اور تنقید فقہ اکبر پر کی جاتی ہے وہ فقہ اکبر مشہور پر منطبق ہوتی ہے نہ کہ فقہ اکبر مرویہ پر
5- امام ابن تیمیہ نے حمویہ میں فقہ اکبر مرویہ کے جو خصوصیات لکھے ہیں وہ ہرگز فقہ اکبر مشہور پر منطبق نہیں ہوتیں۔
6- فقہ اکبر مرویہ کو چند اصحاب ابی حنفیہ نے بھی ابو مطیع سے روایت کیا ہے جو مجروح نہیں ہیں[1]
7- شیخ الاسلام ابو اسماعیل انصاری ہروی نے فقہ اکبر مرویہ سے روایت کی ہے[2]
8- حافظ ذہبی نے کتاب "مسئلہ علو" میں لکھا ہے۔ روی ابو المطیع الحکم بن عبداللّٰہ فی الفقہ الاکبر جس سے معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی نے بھی اس فقہ اکبر مرویہ کو تسلیم کیا تھا۔
9- ابن قدامہ مقدسی اور ابن قیم نے بھی فقہ اکبر مرویہ کو تسلیم کیا ہے[3]
10- علامہ قونوی کی روایت بھی اسی قسم کی ہے جس سے فقہ اکبر مرویہ امام ابو حنیفہ کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔
11- علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ فقہ اکبر مشہور ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے۔ اور فقہ مرویہ امام ابو حنیفہ کی تصنیف ہے۔
12- جو مسائل فقہ اکبر مشہور میں ہیں مثلاً کفر والدین رسول اللہ ﷺ وہ مسائل فقہ اکبر مرویہ میں نہیں

ہیں۔

علامہ حافظ ابن حجر مکی نے اپنے فتاوی میں اور علامہ طحاوی نے حاشیہ در مختار میں لکھا ہے کہ کفروالدین رسول اللہ ﷺ کا مسئلہ امام ابو حنیفہ امام اعظم کی طرف منسوب کرنا بالکل افتراء ہے۔

فقہ اکبر پر شبہات کا ازالہ

1- مولانا شبلی نعمانی اور ابو زہرہ مصری کو یہ عذر ہے کہ فقہ اکبر میں چونکہ جن اصطلاحات کا ذکر ہے مثلاً بالکیت، بالعرض اور بالذات وغیرہ یا مثلاً کرامات اولیاء اللہ کا تذکرہ ہے۔ یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ امام صاحب کے زمانے میں ان اصطلاحات کا وجود نہ تھا۔ لیکن راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ شک فقہ اکبر مشہور پر کیا جا سکتا ہے۔ نہ کہ فقہ اکبر مرویہ پر۔ اس لئے کہ فقہ اکبر مرویہ میں نہ یہ اصطلاحیں لکھی ہوئی ہیں اور نہ ان مسائل کا اس کتاب میں کچھ ذکر ہے۔

2- مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ اگر فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی کتاب ہوتی تو صاحبینؒ اپنی کتابوں میں اس کتاب کا ذکر کرتے راقم الحروف کے ہاں اس کا جواب یہ ہے کہ کہ عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔ بہت سے مسائل ایسے موجود ہیں کہ قاضی امام ابو یوسف نے ان کا ذکر کیا ہے لیکن امام محمد امام ابو یوسف کا نام لینے کے بجائے قال بعض الناس کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب تلاش کرنے کے لئے حاشیہ طحاوی علی المراقی اور کتاب کبیری میں مسئلہ لا صلوہ فسدت دیکھ لیا جائے۔ فقہ اکبر مرویہ کو اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو اس بات کے علاوہ کوئی اور وجہ نہیں کہ ابو مطیع امام اعظم صاحب سے سوال پوچھتے ہیں۔ اور امام صاحب جواب دیتے ہیں۔ اور بعد میں جوابات کو ایک جگہ جمع کر کے کتاب کو ترتیب دے دی جاتی ہے۔

اس قضیہ کو سمجھنے کے لئے یوں سمجھا جائے کہ فتاوی امدادیہ میں حضرت تھانوی نے اور فتاوی رشیدیہ میں حضرت گنگوہی نے لوگوں کے مسائل کا جواب دیا ہے' تو ان کتب کو پوچھنے والوں کے نام کے ساتھ منسوب نہیں کیا۔ بلکہ فتاوی امدادیہ کو حضرت تھانوی اور فتاوی رشیدیہ کو حضرت گنگوہی کی کتاب کہا گیا ہے۔

پس یہی حال فقہ اکبر مرویہ کا ہے کہ یہ کتاب ابو مطیع بلخی کمسائل کے بجائے جواب دینے والے بزرگ حضرت امام اعظم کی طرف منسوب ہے۔

علامہ کوثری لکھتے ہیں کہ فقہ اکبر کا ایک نسخہ بروایت حماد بن ابی حنیفہ بھی مکتبہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ میں موجود ہے۔ اس نسخہ میں علامہ ابراہیم کورانی کی سند بھی موجود ہے۔[13]

امام ابو حنیفہ اور کتب حدیث

علم حدیث میں امام اعظم کی سبقت:۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سنہ 120ھ میں ملک عراق کے شہر کوفہ میں اس مشہور علمی درسگاہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سے باقاعدہ چلی آ رہی تھی۔ اور آپ نے فقہ کے ابواب پر مشتمل حدیثوں کا ایک مجموعہ بھی صحیح اور معمول بہ روایات سے انتخاب فرما کر مرتب فرمایا۔ اسی کا نام کتاب الآثار ہے۔ جو آج مسلمانوں کے علمی سرمایہ میں احادیث صحیحہ کی سب سے قدیم کتاب ہے۔ یہ کتاب دوسری صدی کی ربع ثانی کی تالیف ہے۔ امام اعظم سے پہلے حدیث نبوی کے جتنے مجموعے اور صحیفے تھے ان کی ترتیب فنی نہ تھی۔ بلکہ ان کے جمع کرنے والوں نے صرف حدیثوں کے مجموعے تیار کئے تھے۔ گویا جس کام کی ابتدا بقول حافظ ابن حجر عسقلانی، امام شعبی نے کی تھی۔ اس کو امام اعظم نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مکمل فرمایا اور بعد کے محدثین کے لئے ترتیب اور تبویب کا نمونہ قائم کر دیا۔

کتاب الآثار اور اس کا طریق تالیف:۔ کتاب الآثار کا طریق تالیف، تعلیم کتب اور تعلیم روایات کا نہیں بلکہ تعلیم علوم و فنون ہے۔ اور یہ طریقہ طریقہ تدریس بذریعہ املاء از شیوخ و اساتذہ کرام تھا۔ شروع میں اس طریقہ کی بنیاد یوں پڑی کہ تلامذہ اپنے حفظ اور یادداشت کے لئے اساتذہ کے تمام امالی یا ان کا خلاصہ لکھ لیا کرتے تھے۔ اور بعد میں یہ طریقہ اقسام تصنیف میں شامل ہو گیا۔

خود اساتذہ اور علماء فن اپنی روایات کو بطور تصنیف مرتب کرنے لگے۔ وہ اس طرح کہ اپنے شاگردوں کے حلقہ میں املا کراتے تھے کہ ساتھ ساتھ خود بھی لکھتے جاتے تھے یا اس طرح بھی ہوتا تھا کہ پہلے مجموعہ مرتب کر لیتے تھے اور پھر اسی کو املا کراتے جاتے تھے۔ حدیث میں یہ طریقہ تمام علوم الحدیث سے زیادہ رائج اور مقبول ہوا اور محدثین کے

یہاں اسے ایک خصوصی مقام حاصل ہو گیا۔ چنانچہ محدثین نے سماع من لفظ الشیخ کی دو مختلف صورتوں میں سے ایک قسم املا قرار دیا ہے اور یہ قسم محدثین کی ان تمام اقسام میں اعلی ہے جو انھوں نے تحمل روایت کے لئے بیان کی ہیں۔ چنانچہ علامہ یمانی اپنی کتاب توضیح الافکار میں حافظ زین الدین عراقی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

سواء احدث من كتابه او من حفظه باملاء او بغير املاء و هو ارفع الاقسام[44]

محدثین نے اس انداز تالیف کی خاطر تلامذہ کے لئے جو تعبیری زبان مقرر کی ہے ان میں سب سے اعلی اگرچہ خطیب بغدادی کے خیال میں سماع ہے۔ لیکن ابن صلاح حدثنا کو ابن کثیر حدثنی کو ارفع بتاتے ہیں۔ حافظ محمد ابراہیم الوزیر لکھتے ہیں کہ عبدالملک بن عبدالعزیز سنہ 150ھ جو ابن جریج کے نام سے مشہور ہیں یہ وہ محدث ہیں جن کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث کے پہلے مصنف ہیں ان سے حجاج بن محمد مصیصی نے ان کی کتابیں اسی طرح روایت کی ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

لا سيما من عرف انه لا يروى الا ما سمعه لحجاج بن محمد فروى كتب ابن جريج بلفظ قال ابن جريج فحملها الناس عنه و احتجوا بها۔[45]

اسی طرح علامہ محی الدین عبدالحمید نے اس طریق کو بے حد سراہا ہے۔ اور اسے تالیف و تدریس میں اعلی قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ حدیث حاصل کرنے کے طریقوں میں سب سے زیادہ اونچا ترقی یافتہ اور قوی ترین طریقہ یہ ہے کہ راوی شیخ کے الفاظ سے خواہ شیخ کسی دستاویز سے املا کرا رہا ہو یا زبانی یادداشت سے املا کرائے تحدیث من غیر املا سے اونچا ہے۔[46]

حافظ ابن صلاح نے بھی نقل حدیث اور تحمل روایات میں اسے سب سے زیادہ اونچی قسم قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں هذا القسم ارفع الاقسام من جماهير۔[47]

کتاب الآثار بھی اسی قسم کا املائی مجموعہ ہے۔ امام اعظم کا قائم کردہ یہ طریقہ تصنیف ایسا مقبول ہوا کہ بعد میں امام صاحب کے تلامذہ نے بھی اسے اپنایا چنانچہ حافظ قاسم بن قطلوبغا اپنی کتاب منیۃ الالمعی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

ان المتقدمين من علمائنا كانوا يحلون المسائل الفقيه و ادلتها من الاحاديث النبيويه باسانيدهم كابى يوسف فى كتاب الخراج الامالى و محمد فى كتاب الاصل و السير و كذا الطحاوى خصاف والرازى و الكرخى۔[48]

کتاب الآثار کی علمی حیثیت:۔ علمی طور پر کتاب الاثار کا مقام اور اس کی مرویات کی فنی حیثیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ قاضی ابو العباس محمد بن عبداللہ بن ابی العوام اپنی کتاب اخبار ابی حنیفہ میں .سند متصل لکھتے ہیں۔

حدثنی یوسف بن احمد المکی ثنا محمد بن حازم الفقیہ ثنا محمد بن علی الصائغ بمکہ ثنا ابراہیم بن محمد عن الشافعی عن عبدالعزیز الدراوردی قال کان مالک ینظر فی کتب ابی حنیفہ و ینتفع بھا۔[49]

ترجمہ:۔ امام مالک امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور ان سے نفع لیتے تھے۔

جب امام مالک اپنی کتاب الموٴطا کی تالیف میں امام اعظم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ تو پھر کتاب الآثار کے درجے کا اور بڑا ثبوت کیا ہو گا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ موطا کا درجہ بخاری اور مسلم دونوں کے لئے بمنزلہ ماں ہے پھر اس لحاظ سے کتاب الاثار کا درجہ موطا کے لئے بمنزلہ ماں ہے۔ کتاب الاثار کا کتب حدیث میں درجہ متعین کرنے کے لئے یہ بات شک میں نہیں ڈالتی جو حافظ مغلطائی لکھتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ مالک ہیں[50]۔ لیکن کتاب الآثار موطا امام مالک سے پہلے کی تصنیف ہے جس سے موطا کی تالیف میں استفادہ کیا گیا چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں۔

من مناقب ابی حنیفہ التی انفرد بھا انہ اول من دون الشریعہ و رتبہ ابوابا ثم تبعہ مالک فی ترتیب الموٴطا و لم یسبق ابا حنیفہ احد۔[51]

ابو حنیفہ کی ان بزرگیوں میں سے جن میں وہ یگانہ روزگار ہیں یہ ہے کہ قانون اسلامی کے پہلے مدون اور مرتب ہیں۔ امام مالک نے ان طریقے کی پیروی کی۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب الاثار میں جو حدیثیں ہیں وہ موطا کی روایات سے ترتیب و صحت میں کم نہیں۔ جس طرح موطا کے مراسیل کے تابع و شواہد موجود ہیں۔

کتاب الآثار کے بارے میں استاد ابو زہرہ مصری کی رائے:۔ کتاب الاثار علمی طور پر تین وجہ سے قیمتی ہے۔

1۔ امام اعظم کے مرویات کا ذخیرہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف استخراج مسائل میں احادیث کو کیسے بطور دلائل استعمال کرتے ہیں۔

2۔ امام صاحب کے استدلال میں فتاویٰ صحابہ اور حدیث مرسلہ کا کیا مقام تھا۔

3:- تابعین فقہاء کوفہ کے خصوصاً اور فقہائے عراق کے عموماً فتاوی تک ہماری رسائی ہو جاتی ہے۔[52]

کتاب الآثار کی تاریخی حیثیت:- اسناد و روایت کے لحاظ سے کتاب الآثار کا کیا مقام ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ کتاب الآثار چالیس ہزار حدیثوں کے مجموعے سے انتخاب ہے۔ امام بخاری کا زمانہ چونکہ تابعین کے بعد کا ہے۔ زمانے کے دوری کی وجہ سے ایک ایک حدیث کے ہزاروں طرق رونما ہو چکے تھے۔ اس لئے امام بخاری کی کتاب صحیح بخاری خود ان کے اقرار کے مطابق اخرجتہ من نحو ستہ ماۃ الف[53] چھ لاکھ حدیثوں سے میں نے یہ انتخاب کیا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کا زمانہ کبار تابعین کا زمانہ ہے۔ اس لئے طرق میں اتنی وسعت اور پھیلاؤ نہیں اس کے باوجود چالیس ہزار حدیثوں سے کتاب الاثار کا انتخاب عمل میں آیا۔ چنانچہ امام ابو بکر محمد زرنجری لکھتے ہیں۔

انتخب ابو حنیفہ الاثار من اربعین الف حدیث۔[54]

ترجمہ:- امام ابو حنیفہ کی "کتاب الآثار" چالیس ہزار حدیثوں کا انتخاب ہے۔

امام حافظ ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ نیشاپوری جو ارباب صحاح ستہ کے ہم عصر ہیں۔ امام اعظم سے سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں "میرے پاس حدیث کے بھرے ہوئے صندوق موجود ہیں مگر میں نے ان میں سے تھوڑی حدیثیں نکالی ہیں: جن سے لوگ نفع اندوز ہوں" اسی طرح حافظ ابو نعیم اصفہانی نے مسند ابی حنیفہ میں .سند متصل یحییٰ بن نصر کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں امام ابو حنیفہ کے ہاں ایسے مکان میں داخل ہوا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ سب احادیث ہیں اور میں نے ان سے تھوڑی سی حدیثیں بیان کی ہیں۔[55]

امام اعظم کی حدیث میں احتیاط کا بڑے بڑے محدثین نے اقرار کیا ہے۔ چنانچہ حافظ محمد عبداللہ الحارثی .سند متصل امام وکیع سے جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں نقل کرتے ہیں جیسی احتیاط امام ابو حنیفہ سے حدیث میں پائی گئی کسی دوسرے سے نہیں پائی گئی۔[56] اسی طرح علی بن جعد جوہری سے جو حدیث کے بہت بڑے حافظ اور امام بخاری اور امام ابو داؤد کے شیخ ہیں نقل کیا ہے۔

قال علی بن الجعد ابو حنیفہ اذا جاء الحدیث جاء بہ مثل الدر۔[57]

ترجمہ:- ابو حنیفہ جب حدیث پیش کرتے ہیں تو موتی کی طرح آب دار ہوتی ہے۔

اور امام یحییٰ بن معین جن پر فن جرح و تعدیل کا دارومدار ہے لکھتے ہیں۔ ابو حنیفہ ثقہ ہیں۔ جو حدیث ان کو یاد

ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں اور جو حفظ نہیں ہوتی اس کو بیان نہیں کرتے۔[58]

امام عبداللہ بن مبارک جن کی محدثین کے ہاں بڑی شان ہے۔ انہوں نے امام اعظم کی شان میں جو مدحیہ اشعار لکھے ہیں۔ ان میں بھی کتاب الآثار کا ذکر ہے۔ چنانچہ مدح کرتے ہیں۔

روی آثارہ فاجاب فیھا کطیر ان الصقور من المنیفہ

انہوں نے آثار کو روایت کیا تو اتنی تیزی سے چلے جیسے بلندی سے شکاری پرندے اڑتے ہیں۔[59]

امام ابو یحییٰ غسان بن محمد نے اپنی ایک نظم میں کتاب الآثار کا ذکر کیا ہے۔ جو نظم انہوں نے امام ابو حنیفہ کی شان میں لکھی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

و بنی علی الآثار اس بناۂ فاتت غوامضہ علی الاساس

والناس یتبعون فیھا قولہ لما استبان ضیاء ہ للناس۔[60]

امام اعظم نے اپنی عمارت کی بنیاد آثار پر رکھی تھی تو آپ کے دقیق مسائل درست ہو گئے۔ لوگ ان مسائل میں آپ کی بات پر پیروی اس لئے کرتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے آپ کے ارشادات کی تابانی آ گئی ہے۔[61]

امام اہل سمرقند ابو مقاتل اپنی ایک نظم میں لکھتے ہیں۔

روی الآثار عن نبل ثقات غزار العلم شیوخ معیفۃ۔[62]

کتاب الآثار کی روایتی صحت:۔ امام ابو حنیفہ سے اگرچہ احادیث کو ہزاروں آدمیوں نے روایت کیا ہے۔ لیکن امام موصوف کے جن تلامذہ سے کتاب الآثار کی روایت کا سلسلہ چلا ان کے علاوہ اور محدثین کا ذکر کرتے ہیں۔ جنہوں نے کتاب الآثار کا امام ابو حنیفہ سے باقاعدہ سماع کیا۔

امام عبداللہ بن مبارک کے بارے میں مشہور محدث خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں حمیدی (جو کہ امام بخاری کے استاد ہیں) کی زبانی نقل کیا ہے۔ سمعت عبداللہ بن مبارک یقول کتبت عن ابی حنیفہ لربعمائۃ حدیث[63] عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے چار سو حدیثیں لکھی ہیں۔

امام حفص بن غیاث سے حافظ حارثی نے بسند متصل نقل کیا ہے سمعت من ابی حنیفہ حدیثا کثیرا۔[64] میں نے ابو حنیفہ سے بہت سی حدیثیں سنی ہیں۔

شیخ الاسلام عبداللہ بن یزید مقری کے بارے میں علامہ کردری لکھتے ہیں۔ سمع من الامام تسع مائة حدیث[65]
انہوں نے امام ابو حنیفہ سے نو سو حدیثیں سنی ہیں۔
حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام وکیع بن جراح کے متعلق سید الحفاظ یحییٰ بن معین کی زبانی انکشاف کیا ہے۔ ما رایت احدا اقدمه علی وکیع و کان یفتی برائی ابی حنیفه و کان یحفظ حدیثه کله و کان قد سمع من ابی حنیفه حدیثا کثیرا[66] میں وکیع پر کسی کو مقدم نہیں کرتا وکیع ابو حنیفہ کی رائے پر فتویٰ دیتے تھے اور ان کو ابو حنیفہ کی ساری حدیثیں یاد تھیں۔ وکیع نے ابو حنیفہ سے بہت سی حدیثیں سنی ہیں۔
حافظ موصوف ہی نے اپنی ایک دوسری کتاب میں امام حماد بن زید کے بارے میں لکھا ہے۔ روی حماد بن زید عن ابی حنفیه حدیثا کثیرا[67] حماد بن زید نے ابو حنیفہ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔
حافظ ابن عبدالبر نے خالد الواسطی محدث کے متعلق انکشاف کیا ہے کہ روی عنه خالد الواسطی احادیث کثیره[68] خالد واسطی نے امام ابو حنیفہ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔
یہ وہ اکابر ہیں جن میں سے ہر ایک حدیث کا آفتاب و مہتاب ہے۔ یاد رہے کہ سوائے موطا امام مالک کے اور کسی کتاب کے راوی اس قدر علم کے مالک نہیں۔
یہ تو صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت امام ابو حنیفہ کی کتاب "کتاب الآثار" کا خود ان سے سماع کیا' ورنہ امام اعظم سے حدیث کی روایت کرنے والے تو اس قدر زیادہ ہیں کہ بقول حافظ ذہبی

روی عنه من المحدثین والفقهاء عدة لا یحصون

ترجمہ:۔ امام ابو حنیفہ سے محدثین اور فقہاء میں سے بے شمار حضرات نے روایت کی ہے[69]

کتاب الآثار کی امتیازی حیثیت:۔ چونکہ کتاب الآثار کا موضوع صرف حدیث نبوی ہے اور احادیث بھی ایسی ہیں جن سے فقہی مسائل کا استنباط ہوتا ہے اور جن کی حیثیت سنن کی ہے۔ کتاب الآثار کی امتیازی حیثیت یہ ہے کہ اس کی مرویات اپنے ہی شہر یا اقلیم میں محدود نہیں بلکہ مکہ' مدینہ' کوفہ' بصرہ' حجاز اور عراق سب شہروں کا علم تحریر و تدوین میں یکجا موجود ہے۔
حافظ ابن قیم لکھتے ہیں۔
مدینہ والوں کا علم زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر کے اصحاب کا' مکہ والوں کا علم عبداللہ بن عباس کے اصحاب

کا اور عراق والوں کا علم عبداللہ بن مسعود اور ان کے ساتھیوں اور شاگردوں کا ہے۔[70]

امام مالک نے موطا کی تالیف مدینے میں کی ہے۔ اور اس کتاب میں مدنی شیوخ کی روایتیں ہیں اور کتاب الآثار میں حجاز عراق اور شام کے علاوہ سے روایتیں موجود ہیں۔ کتاب الآثار میں امام ابو حنیفہ کے شیوخ و اساتذہ کی تعداد ایک سو پانچ ہے۔ جن میں سے تمیں کا تعلق کوفہ سے نہیں۔

صحابہ کرام میں زیادہ دین کے مفتی حافظ ابن القیم کے مطابق یہ ہیں۔

و الذین حفظت عنھم الفتوٰی من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مائہ و نیف و ثلاثون نفس مابین رجل و المرءۃ۔[71]

ترجمہ :۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے ارباب فتوٰی مرد اور عورتیں ایک سو تمیں سے کچھ اوپر ہیں۔

جن میں کثیر الفتوٰی، متوسط الفتوٰی اور قلیل الفتوٰی بھی تھے۔[72] اور کثیر الفتوٰی یہ سات حضرت تھے۔ حضرت عمر ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت زید بن ثابت ؓ، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ۔ مگر ان میں سے چار بہت ہی زیادہ ممتاز ہوئے ہیں۔ اور وہ حضرت شاہ ولی اللہ کے قول کے مطابق یہ حضرات ہیں۔ حضرت عمر ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ۔ حضرت امام مالک کی کتاب موطا میں حضرت علی ؓ اور حضرت ابن عباس ؓ سے بہت کم روایات ہیں[73] چنانچہ شاہ ولی اللہ اپنی کتاب مصفی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ کہ ہارون الرشید نے امام امالک سے حضرت علی اور حضرت ابن عباس ؓ سے بہت کم حدیث لینے کی وجہ دریافت کی۔ تو حضرت امام مالک نے فرمایا، کہ یہ دونوں بزرگ میرے شہر میں نہ تھے۔ اور میری ان کے اصحاب سے ملاقات نہیں ہوئی[74] اس کے برعکس کتاب الآثار میں حضرت عمر ؓ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابن عباس ؓ کی روایات حضرت علی ؓ اور حضرت عبداللہ بن سعود ؓ کی روایات کے قریب قریب ہیں۔

کتاب الآثار کی مقبولیت

حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

مسند ابی حنیفہ و کتاب الآثار امام محمد بنائے فقہ حنفیہ است[75]

عبدالعزیز دراوردی لکھتے ہیں کہ امام مالک امام ابو حنیفہ کی کتابیں پڑھتے تھے۔

امام شافعی کا قول ہے من لم ینظر فی کتب ابی حنیفہ لم یتبحر فی الفقہ[76]

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ ایک بار ابو مسلم مستملی نے شیخ الاسلام یزید بن ہارون سے پوچھا جب کہ وہ بغداد میں منصور بن مہدی کے پاس موجود تھے۔ ما تقول یا ابا خالد فی ابی حنیفہ و النظر فی کتبہ؟ اے ابو خالد تمہاری ابو حنیفہ اور ان کی کتابوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا نظروا فیہا ان کنتم تریدون ان تفقہوا فانی ما رایت احدا من الفقہاء یکرہ النظر فی قولہ[77] اگر تم فقیہ بننا چاہتے ہو تو ان کا مطالعہ کرو میں نے کسی بھی فقیہ کو ان سے بے نیاز نہیں دیکھا۔ اور اپنے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں' تمہارا کام تو حدیث سننا اور جمع کرنا ہے۔ اگر علم کا مقصد ہوتا تو حدیث کی تفسیر اور اس کے معانی تلاش کرتے۔ اور امام ابو حنیفہ کی تصانیف اور ان کے اقوال میں غور کرتے۔ تب حدیث کی حقیقت تم پر واضح ہوتی۔

حافظ عبداللہ بن داود الخریبی لکھتے ہیں۔

جو شخص چاہتا ہے کہ جہالت کی ذلت سے نکلے اور فقہ کی لذت سے آشنا ہو اسے چاہیے کہ ابو حنیفہ کی کتابیں دیکھے۔[78]

ان ہی سے خطیب بغدادی نے یہ قول بھی نقل کیا ہے'' کہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنی نمازوں کے بعد امام ابو حنیفہ کے لئے دعا کیا کریں۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے لئے فقہ اور سنن کو محفوظ کیا''۔[79]

حافظ ابو علی خلیلی نے کتاب الآثار میں امام مزنی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ امام مزنی' امام شافعی کے بڑے تلامذہ میں سے تھے۔ اور امام طحاوی کے رشتہ میں ماموں تھے۔ ایک بار ان سے محمد بن احمد شرطی نے پوچھا کہ آپ نے اپنے ماموں کے خلاف ابو حنیفہ کا مذہب کیوں اختیار کیا۔ امام طحاوی نے جواب دیا کہ میں اپنے ماموں کو دیکھا کرتا تھا کہ وہ ہمیشہ امام ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ لہذا میں نے بھی ان کے مذہب کو اختیار کر لیا۔[80]

یہ ظاہر بات ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کتب کی اگر یہ شان ہے تو کتاب الآثار بھی ان کی کتب میں شامل ہے۔

کتاب الآثار کے محدثین پر اثرات

کتاب الآثار نے بعد کے محدثین پر کیا اثرات مرتب کئے؟ ان میں سے یہ ہے کہ

-1 "ترتیب و تبویب" کے طریقہ کو اپنا لیا گیا۔ جلال الدین سیوطی کی تصریح کے مطابق امام مالک کی کتاب موطا کی ترتیب میں یہی طریقہ اپنایا گیا۔

-2 اسی طرح روایات کی صحت کے بارے میں جو معیار کتاب الآثار میں قائم کیا گیا تھا۔

حافظ ابن عدی نے بسند متصل امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ۔

ما ادخلت فی کتابی الا ما صح۔[81]

امام مسلم نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ میں نے صحیح میں وہ حدیثیں درج کی ہیں جن کی صحت پر مشائخ وقت کا اتفاق تھا چنانچہ لکھتے ہیں انما وضعت ھھنا ما اجمعوا علیہ[82]○

-3 امام اعظم کا یہ معیار کہ "میں مسئلہ کو جب کتاب اللہ میں پاتا ہوں تو وہ لے لیتا ہوں۔ اگر وہاں نہ ملے تو حضور ﷺ کی سنت اور آپ کی حدیث سے لیتا ہوں۔ اور وہ حدیث ثقات کے ہاتھوں شائع ہو چکی ہوں"[83] سفیان ثوری نے امام صاحب کا یہ معیار ان الفاظ میں بیان کیا ہے' یاخذ بما صح عنده من الاحادیث التی کان یحملها الثقات و بالاخر من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔"[84]

امام صاحب کا یہ معیار بھی محدیثین کے ہاں اپنایا گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب عجالہ نافعہ میں لکھتے ہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم اگرچہ تفصیل کے لحاظ سے موطا امام مالک سے بڑی ہیں۔ لیکن روایت حدیث کا طریقہ رجال کی تمیز کا طریقہ اور استنباط کا ڈھنگ موطا ہی سے سیکھا ہے۔[85]

اگر امام بخاری اور امام مسلم نے مؤطا سے سیکھا ہے تو موطا نے امام اعظم کی کتاب الآثار کی پیروی کی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کتاب الآثار موطا امام مالک کی ماں اور بخاری اور مسلم کی نانی ہوئی۔

-4 بہت سے محدثین نے اپنے اپنے مجموعوں کے نام بھی کتاب الآثار سے ملتے جلتے رکھے ہیں۔ کشف الآثار فی مناقب ابی حنیفہ حافظ عبداللہ الحارثی' معرفہ السنن و الآثار خطابی سنہ 388ھ' تہذیب الآثار امام طبری' معانی الآثار ابو جعفر طحاوی' مشکل الآثار ابو جعفر طحاوی' تصحیح الآثار امام شبلی' فقہ السنن و الآثار سید عمیم الاحسان

مجددی

ابواب کی ترتیب کو مد نظر رکھ کر ترتیب دی جانے والی کتاب' کتاب الآثار کے معیار کو علامہ جلال الدین سیوطی ان الفاظ سے سراہتے ہیں۔[86]

ان المصنف على الابواب انما يورد اصح ما فيه ليصلح الاحتجاج۔

ترجمہ :- ابواب پر تصنیف کرنے والا اس مضمون کی صحیح تر وہ روایات لاتا ہے جو لائق استدلال ہوں۔[87]

ان وضاحتوں کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ جودت تألیف' صحت روایات' انتخاب کا معیار اور حسن ترتیب جیسی صفات کا بعد کی کتابوں میں کتاب الآثار کی ترتیب ہی سے لیا گیا ہے۔

کتاب الآثار کا انتخاب اور امام اعظم کی طرف اس کی نسبت

کیا واقعی کتاب الآثار امام اعظم کی کتاب ہے؟ جی ہاں۔ اس پر مندرجہ ذیل دلائل لائے جاتے ہیں۔

-1 امام ابو بکر زرنجری لکھتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ نے کتاب الآثار کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب کیا ہے۔[88]

-2 ملا علی قاری امام محمد بن سامہ سے نقل کرتے ہیں۔

کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے تصانیف میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں بیان کی ہیں۔ اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا۔[89]

-3 ابو زہرہ مصری لکھتے ہیں۔

کتاب الآثار بھی پندرہ مسانید میں سے ایک ہے۔ جس کو امام محمد نے قال اخبرنا ابو حنیفه عن فلاں کہہ کر امام صاحب سے روایت کیا ہے۔ اور اس کو حافظ ابن حجر نے بھی تسلیم کیا ہے۔ کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے۔[90]

-4 حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

اس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے "کتاب الآثار" موجود ہے۔ جسے محمد بن حسن نے روایت کیا۔[91]

5- امام عبدالقادر قرشی حنفی المتوفی سنہ 775ھ امام یوسف بن قاضی ابو یوسف کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔
روی کتاب الاثار عن ابی حنیفۃ و ھو مجلد ضخم
ترجمہ:- امام ابو حنیفہ سے ان کی کتاب الاثار روایت کی ہے جو ایک عظیم جلد ہے۔[92]

6- حافظ ابن القیم الجوزی نے اپنی کتاب میں حسن بن زیاد کی حدیث میں جو کتاب الآثار میں سے استدلال کیا ہے یہ نسخہ ان کے مطالعہ میں تھا۔[93]

کتاب الآثار اور مسئلہ تعداد حدیث

متعدد کتب میں امام ابو حنیفہ پر متعدد اعتراضات' الزامات' تنقیدات' جروح اور حملے کئے گئے ہیں۔ جن سب کا جواب آئندہ صفحات میں راقم الحروف زیر نظر مقالے میں دے گا۔ یہاں ان میں سے صرف تعداد حدیث کے مسئلے کی وضاحت کی جاتی ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے۔ کہ کتاب الآثار کو امام اعظم ابو حنیفہ نے چالیس ہزار احادیث سے انتخاب کیا ہے۔ تو یہ بات متون احادیث کی تعداد کو مد نظر رکھ کر نہیں کہی گئی۔ کیونکہ چالیس ہزار متون احادیث کی تعداد نہیں۔ یہ تعداد اسانید حدیث کی ہے۔ اور اس تعداد میں صحابہ کرام کے اقوال اور تابعین کے فتاوی بھی داخل ہیں۔ کیونکہ اصطلاح میں ان سب کے لئے حدیث اور اثر کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اثر کی جمع آثار ہے۔ امام ابو حنیفہ کے زمانے میں احادیث کے طرق و اسانید کی تعداد چالیس ہزار سے متجاوز نہ تھی۔ بعد میں امام بخاری اور امام مسلم کے دور میں یہی تعداد لاکھوں تک جا پہنچی کیونکہ جب ایک حدیث کو ایک شیخ نے دس شاگردوں سے بیان کیا تو اب محدثین کی اصطلاح میں اس حدیث کے دس طرق اور دس سندیں ہو گئیں چنانچہ آپ کتاب الآثار کی احادیث کی تخریج کرنے بیٹھ جائیں تو ایک روایت کے سینکڑوں طرق اور اسانید مل جائیں گی۔[94]

کتاب الآثار اور اس کے نسخے

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ یہ کتاب امام ابو حنیفہ کی خود اپنی تالیف ہے اور اس اعتبار سے حدیث کی اولین مولفات میں سے ہے۔ اس لئے کہ امام صاحب کا زمانہ سنہ 150ھ تک کا ہے۔ اور اپنی وضع اور ترتیب کے لحاظ سے بھی اولین کتاب ہے۔ اس کتاب کی روایات میں مرفوع' موقوف اور مقطوع سب احادیث شامل ہیں لیکن زیادہ حصہ غیر مرفوع احادیث کا ہے۔ مرویات کی مجموعی تعداد نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہے۔

امام ابو یوسف کے نسخے میں 1070 کے قریب احادیث ہیں۔

امام محمد بن حسن کے نسخے میں صرف مرفوعات 122 ہیں۔

اور ان نسخوں میں روایات کی تعداد کے لحاظ سے بھی فرق ہے۔ اور ابواب کی تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے بھی فرق ہے۔ اور ایسا ہونا اس لئے بھی لازمی تھا۔ کہ امام صاحب کے تمام شاگردوں نے ایک ہی وقت میں امام موصوف سے سماع نہیں کیا بلکہ اس زمانہ میں دستور تھا کہ استاد اپنے حفظ سے احادیث کی املا کراتا تھا اور یہ اختلاف اشخاص اور اختلاف اوقات کی بنا پر ناگزیر تھا۔ علاوہ ازیں نظر ثانی کے وقت اضافے بھی ہوتے رہتے تھے جیسا کہ امام عبداللہ بن مبارک لکھتے ہیں میں نے ابو حنیفہ کی تصانیف کو کئی بار نقل کیا۔ کیونکہ ان میں اضافے ہوتے رہتے تھے اور مجھے لکھنا پڑتا تھا۔[95]

کتاب الآثار کے نسخوں کی تعداد

جو نسخے معلوم ہو سکے وہ حسب ذیل ہیں۔

1- کتاب الآثار بروایت امام ابو یوسف سنہ 182ھ

2- کتاب الآثار بروایت امام محمد سنہ 189ھ

3- کتاب الآثار بروایت حسن بن زیاد لولوی سنہ 204ھ

4- کتاب الآثار بروایت حماد بن امام ابو حنیفہ سنہ 176ھ
5- کتاب الآثار بروایت حفص بن غیاث سنہ 194ھ
6- کتاب الآثار بروایت محمد بن خالد وہبی سنہ 190ھ (جو کہ مسند احمد بن محمد کلاعی کے نام سے مشہور ہے)
7- کتاب الآثار بروایت امام زفر سنہ 158ھ

جو کہ سنن زفر کے نام سے بھی معروف ہے۔ 158ھ (-

نسخوں کی یہ تعداد راویوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ موطا امام مالک کو ایک سے زیادہ راویوں نے روایت کیا اور نسخے مختلف ہیں۔[96]

مذکورہ نسخوں میں سے بعض کو مسند امام اعظم میں بھی شمار کیا گیا جیسا کہ آئندہ تفصیل آ رہی ہے۔ اور بعض نسخوں کو سنن کا نام بھی دیا گیا ہے۔ لیکن ان میں سے چار زیادہ مشہور ہیں۔ جن کا ذکر تفصیل سے کیا جا رہا ہے۔

کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد لولوی المتوفی سنہ 204ھ

کتاب الآثار کے سب نسخوں میں یہ نسخہ زیادہ بڑا ہے۔ اس لئے کہ امام حسن بن زیاد نے امام اعظم کی احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔ چنانچہ امام حافظ ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ نیشاپوری اپنے استاد کے ساتھ امام حسن سے ناقل ہیں کہ

> کان ابو حنیفۃ یروی لربعہ الاف حدیث الفین لحماد و الفین لسائر المشائخہ۔[97]

قرین قیاس یہ ہے کہ امام حسن بن زیاد نے امام اعظم کی تمام حدیثوں کو اپنے نسخہ میں جمع کیا ہو گا۔ اس نسخہ کا ذکر مندرجہ ذیل ہے۔

1- حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں اس نسخے کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ محمد بن ابراہیم بن جیش بغوی کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

محمد بن ابراہیم جیش البغوی روی عن محمد بن شجاع الشلجی عن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفه کتاب الاثار۔[98]

2- محدث علی بن ابی عبدالحسن دوالیبی حنبلی نے اپنے کتاب میں اس نسخہ سے ایک سو ساٹھ حدیثیں نقل کی ہیں۔ جن احادیث کو محدث شیخ محمد زاہد الکوثری نے الامتاع بسیرہ امامین الحسن بن زیاد و محمد بن شجاع میں نقل کیا ہے۔

3- محدث خوارزمی نے اس نسخہ کو جامع المسانید میں' مسند ابی حنیفہ للحسن بن زیاد کے نام سے پیش کیا ہے۔ خوارزمی نے اس نسخہ کی اسناد میں امام حسن تک اپنے چاروں اساتذہ یعنی شیخ ابو محمد یوسف بن عبدالرحمن شیخ ابو محمد بن ابراہیم بن محمود' شیخ ابو نصر الاغر بن ابی الفضائل اور شیخ ابو عبداللہ محمد بن علی کے حوالہ سے اس طرح نقل کیا ہے۔

اخبرنا الحافظ ابو الفرج عبدالرحمن بن الجوزی قال اخبرنا ابو القاسم اسماعیل بن احمد السمر قندی قال اخبرنا ابو القاسم عبداللّٰہ بن الحسن قال اخبرنا ابو الحسن عبدالرحمن بن عمر قال اخبرنا ابو الحسن بن ابراہیم بن جیش البغوی قال حدثنا ابو عبداللّٰہ محمد بن شجاع البلخی قال حدثنا الحسن بن زیاد اللولوی عن ابی حنیفہ۔[99]

خوارزمی کی طرح دیگر محدثین بھی اس کو مسند ابی حنیفہ کے نام سے روایت کرتے ہیں خود حافظ ابن حجر کی روایت میں بھی یہ نسخہ موجود تھا۔ اس نسخہ کی اسانید اجازت کو محدث علی بن عبدالحسن الدوالیبی حنبلی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

4- اور خاتمۃ الحفاظ محمد عابد سندھی نے حصر الشارد فی اسانید الشیخ محمد عابد میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور شیخ محمد زاہد الکوثری نے ان کو الامتاع بسیرۃ الامامین الحسن بن زیادہ و محمد بن شجاع میں نقل کیا ہے۔

روایت ھذا میں راویوں کے نام درست طور پر تحریر نہیں۔

اصل سند یوں ہے۔ محمد بن ابراہیم بن جیش البغوی روی عن محمد بن شجاع الثلجی عن الحسن بن زیاد عن ابی

حنیفہ کتاب الآثار لیکن جامع المسانید میں خوارزمی نے محمد بن ابراہیم بن جیش اور لسان المیزان میں حافظ ابن حجر نے محمد بن ابراہیم بن حسن لکھا ہے' دونوں غلط ہیں۔

اسی طرح جامع المسانید میں محمد بن شجاع البلخی لکھا گیا ہے' یہ بھی غلط ہے۔

لسان المیزان میں عن الحسن بن زیاد عن محمد بن الحسن عن ابی حنیفہ میں محمد بن حسن کا اضافہ ہے بھی غلط ہے۔

کیونکہ محمد بن ابراہیم بن جیش بغوی اور محمد بن شجاع الثلجی دونوں مشہور عالم ہیں۔ دونوں کا حال خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے۔ بدرالدین عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ محمد بن شجاع الثلجی میں نسبت نسب کو ہے۔ اور محمد بن شجاع کو ثلج بن عمر بن مالک بن عبد مناف سے نسبی تعلق کی وجہ سے ثلجی کہتے ہیں امام ذہبی نے سیر النبلاء میں ان کے اساتذہ میں' ابن علیہ' وکیع یحییٰ بن آدم اور حسن بن زیاد کا نام لیا ہے۔[100]

5- حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب اعلام الموقعین عن رب العالمین میں امام حسن بن زیاد کے نسخہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ ان کے مطالعہ میں رہا ہے۔

قال الحسن بن زیاد اللؤلوی ثنا ابو حنفیه قال کنا عند محارب بن دثار و کان متکئا" واستوی جالسا" ثم قال سمعت ابن عمر یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول لیاتین علی الناس یوم تشیب فیه الولدان وتضع الحوامل ما فی بطونها۔[101]

6- حافظ ابن طولون حنفی نے اپنی کتاب "الفہرست الاوسط" میں یہ نسخہ ذکر کیا ہے۔

7- اسی نسخہ کو حافظ محمد بن یوسف دمشقی شافعی مصنف سیرت شامیہ نے اپنی کتاب عقودالجمان میں بھی ذکر کیا ہے۔

8- اور محدث ایوب الخلوتی حنفی نے اپنی کتاب "مثبت" میں ذکر کیا۔

9- ان حضرات کے علاوہ امام اعظم کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ المتوفی سنہ 170ھ کی روایت سے بھی کتاب الآثار کے نسخے مروی ہیں۔

10مشہور محدث محمد بن خالد الوہبی المتوفی قبل سنہ 190ھ کی روایت میں بھی کتاب الآثار کے نسخے مروی ہیں۔ اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں اپنی اسناد بھی ان دونوں حضرات تک نقل کر دی ہیں۔ خوارزمی نے ان دونوں نسخوں کا

ذکر کتاب الاثار کے بجائے مسند ابی حنیفہ ہی کے نام سے کیا ہے۔

کتاب الآثار کا دوسرے نام سے بھی ذکر کیا گیا ہے

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ محدث خوارزمی پہلے محدث ہیں جنہوں نے حماد بن ابو حنیفہ کے نسخہ کو اور محمد بن خالد الوہبی کے نسخے کو اپنی کتاب جامع المسانید میں جمع کیا ہے اور اس کے لئے لفظ مسند لکھا ہے۔

اس کے بعد کے اکثر مصنفین بھی ان کو مسند ہی لکھنے لگے۔ متقدمین کا دستور اور طریقہ تھا کہ وہ ایک کتاب کو متعدد ناموں سے بھی لکھتے رہے ہیں۔ جیسے دارمی کی تصنیف "مسند دارمی" کو سنن دارمی اور ترمذی کو سنن ترمذی اور جامع الترمذی بھی لکھتے رہے ہیں اس طرح کتاب الآثار کے ان نسخوں کو کبھی محدثین نے کتاب الآثار کبھی مسند کے نام سے اور کبھی سنن کے نام سے ذکر کیا ہے۔ اور کبھی صرف نسخہ ہی لکھ دیا لیکن اس مجموعہ احادیث کا اصل نام جس کو خود امام اعظم نے مرتب فرمایا تھا کتاب الآثار ہی ہے۔

امام علاء الدین کاشانی نے اپنی کتاب بدائع الصنائع میں اس کا ذکر آثار ابی حنیفہ ہی کے نام سے کیا ہے۔

شیخ محمد سعید سنبھلی نے لکھا ہے کہ چونکہ کتاب الآثار امام محمد میں تابعین سے زیادہ روایتیں منقول ہیں اس بنا پر خود انہوں نے اس کا نام آثار رکھا۔ لیکن راقم الحروف کے نزدیک تابعی کے قول کا اثر کے نام سے تعبیر کرنا متاخرین کی اصطلاح ہے۔ متقدمین کے ہاں اثر کا اطلاق موقوف حدیث اور مرفوع حدیث سب پر ہوتا تھا۔ خود امام محمد نے کتاب الاثار اور موطا میں اس لفظ کو اس کے عام معنی میں استعمال کیا ہے البتہ اس کتاب کے جن نسخوں کو محدثین نے مسند سے موسوم کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں مرفوع حدیثیں زیادہ ہیں۔ اور چونکہ کتاب الآثار کا موضوع احادیث احکام یعنی سنن ہے۔ اس بنا پر بعض محدثین نے اس نام سے بھی ذکر کر دیا ہے۔

کتاب الآثار بروایت زفر سنہ 158ھ

حضرت امام زفر کا پورا نام یوں ہے۔ زفر بن الهذیل العنبری ان سے کتاب الآثار کی روایت ان کے تین

شاگردوں نے کی ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔

1- ابو وہب محمد بن مزاحم

2- شداد بن حکیم

3- حکیم بن ایوب

محمد بن مزاحم اور شداد بن حکیم کے حوالہ سے جو کتاب الآثار مروی ہے۔ اس نسخے کا ذکر مشہور محدث ابو عبداللہ الحاکم نے اپنی کتاب معرفت علوم الحدیث میں تذکرہ ان الفاظ سے کیا ہے۔

نسخه لزفر بن الهذیل الجعفی تفرد بها عنه شداد بن حکیم البلخی ونسخه ایضاً لزفر بن الهذیل الجعفی تفرد ابو وہب مخمد بن مزاحم المروزی[102]

ایک نسخہ زفر کا جسے ان سے صرف ابو وہب محمد بن مزاحم نے روایت کیا ہے۔ حدیث کے مشہور امام محمد بن نصر المروزی نے اپنی کتب قیام الیل، قیام رمضان، کتاب الوتر میں امام اعظم کی کتاب کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے۔ زعم النعمان فی کتابه امام نعمان کا اپنی کتاب میں یہ خیال ہے۔ وہ کتاب وہی ابو وہب محمد مزاحم والی کتاب کتاب الآثار ہے جو امام مروزی کو ان کے شاگرد ابو النصر محمد بن محمد کے حوالہ سے ملی ہے۔ یہ نیشا پور کے نامی گرامی قاضی ہیں۔ ان سے حافظ ابو عبداللہ الحاکم نے حدیث پڑھی ہے۔ امام حاکم تاریخ نیشا پور میں لکھتے ہیں۔

کہ ان کے لئے سنہ 325ھ میں حرمین شریفین میں باقاعدہ مجلس درس لگتی تھی۔ ان کی وفات سنہ 338ھ میں ہوئی۔

حافظ ابو سعد سمعانی شافعی نے کتاب الانساب[103] میں ابو وہب محمد بن مزاحم کو احمد بن بکر بن یوسف کا استاد قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔

یروی عن ابی وہب محمد بن مزاحم المروزی عن زفر عن ابی حنیفۃ کتاب الآثار۔[104]

ترجمہ:- کتاب الآثار احمد بن بکر اپنے استاد محمد بن مزاحم سے بحوالہ زفر از ابی حنیفہ روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح حکیم بن ایوب کی کتاب الآثار کا ذکر حافظ ابو الشیخ ابن حبان نے اپنی کتاب طبقات المحدثین با صبہان

والوار دین ملیما میں احمد بن رستہ کے ترجمہ میں لکھا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

احمد بن رسته بن بنت محمد بن المغیره کان عند السنن عن محمد عن حکیم بن ایوب عن زفر عن ابی حنیفه[153]

ترجمہ :۔ احمد بن رستہ کے پاس بحوالہ محمد از حکیم بن ایوب از زفر از ابی حنیفہ کتاب السنن تھی۔

چنانچہ یہاں کتاب الآثار کے بجائے کتاب السنن کہا گیا ہے۔

اور امام طبرانی نے معجم صغیر میں اس نسخہ سے حدیث روایت کی ہے۔ حدثنا احمد بن رسته بن عمر الاصفهانی ثنا المغیره الحکم بن الایوب عن زفر بن الهذیل عن ابی حنیفه[156]

حافظ امیر ابن ماکولا المتوفی سنہ 475ھ نے بھی الاکمال[157] فی فرع الارتیاب عن المو تلف والمختلف والکنی والانساب من الاسماء میں احمد بن بکر کے تذکرے میں لکھا ہے۔

احمد بن بکر بن سیف ابو بکر الجصینی ثقه بمیل میل اہل النظر روی عن ابی وہب عن زفر بن الهذیل عن ابی حنیفه کتاب الآثار[158]

اب تک ذکر کئے گئے شواہد کی روشنی میں راقم الحروف یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ استاد محمد ابو زہرہ مصری کا کہنا درست نہیں۔ چنانچہ استاد ابو زہرہ مصری اپنی مشہور کتاب "ابو حنیفہ میں لکھتے ہیں کہ زفر لم یوثر عنه کتب و لم تعرف له روایت لمذہب شیخه☆ امام زفر سے کتابیں مروی نہیں ہیں۔ اور ان کی اپنے شیخ سے کوئی روایت مشہور نہیں[159]

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے بھی تاریخ اصبہان میں اس نسخہ کا ذکر کیا ہے۔ اور تاریخ اصبہان میں اس نسخہ کی روایتیں بھی درج ہیں۔

کتاب الآثار بروایت امام ابو یوسف المتوفی سنہ 182ھ

1۔ اس نسخہ کا ذکر حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواهر المضیه فی طبقات الحنفیه میں کیا ہے چنانچہ امام یوسف بن ابی یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں روی کتاب الآثار عن ابیه عن ابی حنیفه و هو مجلد

ضخیم، یہ اپنے والد کی سند سے امام ابو حنیفہ سے کتاب الآثار کی روایت کرتے ہیں' جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔

2- امام ابو یوسف سے بھی کتاب الآثار کے اس نسخہ کو دو اشخاص روایت کرتے ہیں۔ ایک یہی ان کے صاحب زادے امام یوسف مذکور اور دوسرے عمرو بن ابی عمرو' محدث خوارزمی نے عمرو کی روایت کو جامع المسانید میں نسخہ ابی یوسف سے موسوم کیا ہے۔ اور اس کتاب کے باب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام ابو یوسف تک نقل کر دی ہیں۔

امام ابو یوسف سے امام احمد بن حنبل نے حدیث پڑھی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الجوزی مناقب میں بسند متصل نقل کرتے ہیں۔

اخبرنا ابو منصور عبدالرحمن بن محمد القزاز قال اخبرنا ابو بکر احمد بن علی بن ثابت قال اخبرنا الازہری قال ثنا عبدالرحمن بن عمر قال ثنا محمد بن یعقوب قال حدثنا جدی قال سمعت احمد بن حنبل یقول اول من کتبت عنہ الحدیث ابو یوسف۔[11]

حافظ ذہبی مناقب ابی حنیفہ میں حافظ عباس دوری سے نقل کرتے ہیں۔ سمعت احمد بن حنبل یقول اول ما کتبت الحدیث اختلفت الی ابی یوسف... الناس۔[1] امام احمد بن حنبل کا یہ زمانہ سنہ 175ھ کا ہے اور اس وقت امام احمد بن حنبل کی عمر سولہ سال کی تھی۔[12] امام احمد نے امام ابو یوسف اور امام محمد سے تین قمطر یعنی صندوق بھرے ہوئے لکھے تھے۔ چنانچہ حافظ ابو الفتح بن سید الناس یعمری شافعی لکھتے ہیں۔

قال ابراہیم بن جعفر حدثنی عبداللہ بن احمد بن حنبل قال کتب ابی عن ابی یوسف و محمد ثلاث قماطر قلت لہ کان ینظر فیہا قال کان ربما نظر فیہا۔[13]

امام احمد بن حنبل کا خود قاضی صاحب موصوف کے متعلق حسب تصریح علامہ سمعانی یہ تاریخ اقرار موجود ہے۔ ابو یوسف الامام یقول فیہ احمد بن حنبل انہ ابصر الناس بالاثار۔[14] کتاب الآثار کے امام اعظم کے دوسرے راوی قاضی ابو یوسف ہیں جو کہ حدیث میں امام احمد بن حنبل کے استاد ہیں ان کے اس نسخے کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

کتاب الآثار بروایت امام محمد المتوفی سنہ 189ھ

امام محمد صاحب کا روایت کردہ نسخہ زیادہ مشہور ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

والموجود من حدیث ابی حنیفه مفرداً انما هو کتاب الآثار التی رواها محمد بن الحسن عنه[111]

مطبوعہ نسخہ امام ابو حفص کبیر اور ابو سلیمان جوزجانی کا روایت کردہ ہے۔[112]

اس نسخے میں جن راویوں سے حدیثیں مروی ہیں ان کے حالات پر بھی باقاعدہ کتابیں موجود ہیں۔ جن کا ذکر رجال کے ضمن میں درج کیا جائے گا۔ امام محمد سے کتاب الآثار کو ان کے مختلف شاگردوں نے نقل کیا ہے اس وقت جو مطبوعہ نسخہ ہے یہ دو بزرگوں امام ابو حفص کبیر اور ابو سلیمان جوزجانی کا روایت کردہ ہے۔ جوزجانی کا نام موسیٰ بن سلیمان ہے اور کنیت ابو سلیمان ہے۔ حافظ عبدالقادر قرشی لکھتے ہیں کہ مامون نے ان کے سامنے عہدہ قضا کی پیش کش کی لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔ امام محمد اور قاضی ابو یوسف کے تلامذہ میں سے ہیں اور ان کی کتابوں کے راوی ہیں ان کی تصانیف میں سے السیر الصغیر کتاب الصلوہ اور کتاب الرہن مشہور ہیں۔ سنہ 180ھ میں وفات پائی۔ اس کے علاوہ امام محمد کے ایک اور شاگرد عمرو بن ابی عمرو بھی اس کتاب کی روایت کرتے ہیں۔ محدث خوارزمی نے جامع المسانید میں اسی نسخہ کو امام محمد سے موسوم کی ہے۔ غالباً اس نسخہ میں فتاویٰ تابعین کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ صرف احادیث ہی کا ذکر ہے اور اسی وجہ سے اس کو مسند ابی حنیفہ کہا جاتا ہے۔ اس نسخہ کو عبدالرشید نعمانی مدظلہ العالی مندرجہ ذیل سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

اجازنی الشیخ الفقیه العالم المحدث مولانا ابو الوفا الافغانی ادامه الله بالعز و الکرامه قال اجازنی الشیخ عبدالقادر بن الشیخ محمد الحواری الزبیری المدنی مدیر مکتبة شیخ الاسلام عارف حکمت بمدینة النبی صلی الله علیه وسلم فی شهر الله المحرم سنه 1341ھ و عن الشیخ علی ظاہر الوتری عن الشیخ عبدالغنی الدہلوی عن الشیخ محمد عابد السندھی عن عمه الشیخ محمد حسین بن محمد مراد الانصاری قال اجازنی الشیخ عبدالخالق علی المزجاجی قال قرات علی الشیخ محمد بن علاء الدین المزجاجی عن الشیخ احمد بن محمد النخلی

عن شیخ محمد بن علاء الدین البابلی عن ابی البغا سالم بن محمد السنھوری عن النجم محمد بن احمد بن علی الغیطی عن شیخ الاسلام زکریا الانصاری عن الحافظ احد بن احمد بن علی بن حجر عسقلانی ان بہا ابو عبداللہ الجریری محمد بن علی بن صلاح ان القوام امیر کاتب بن امیر بن غازی الاتقانی انا البرھان احمد بن اسعد بن محمد البخاری والحسام حسین بن علی السغناقی قالا انا فخر الحرمین حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر البخاری انا الامام محمد بن عبدالستار الکردری انا عمر بن عبدالکریم الورسکی انا عبدالرحمن بن محمد الکرمانی انا ابو بکر الحسینی اسار بندی انا ابو عبداللہ الزوزنی ابو زید الربوسی انا ابو جعفر الستروشنی و ابو علی الحسین بن خضر النسفی انا ابو بکر محمد بن الفضل نا ابو محمد الفضل انا ابو محمد عبداللہ بن یعقوب الحارثی انا ابو عبداللہ محمد بن ابی حفص الکبیر انا ابی انا امام محمد بن الحسن الشیبانی[117]

کتاب الآثار کے شروح

کتاب الاثار پر مندرجہ ذیل شرحیں لکھی گئی ہیں۔

1- شرح شیخ جمال الدین قونوی سنہ 770ھ

2- * قلائد الازھار شرح کتاب الاثار مفتی مہدی حسن شاہجہان پوری سابق مفتی دار العلوم دیو بند

3- * مولانا عبدالباری فرنگی محلی

4- * حاجی خلیفہ جناب ملا کاتب چلپی مصنف کشف الظنون عن اسامی الکتب الفنون میں کتاب الاثار امام ابو حنیفہ پر حافظ ابو جعفر طحاوی سنہ 321ھ کی شرح کا ذکر بھی کیا ہے۔

5- * علامہ مرادی نے بھی مسلک الدرر فی اعیان القرن الثانی العشر میں الشیخ ابو الفضل نور الدین علی بن

مراد موصلی شافعی المتوفی سنہ 1147ھ کے ترجمہ میں کتاب الاثار کے شرح آثار کا ذکر کیا ہے۔

کتاب الآثار کے زوائد

کتاب الآثار کے تمام نسخوں میں متداول ترین اور مشہور ترین نسخہ کتاب الآثار بروایت امام محمد ہے۔ کتاب الآثار کے زوائد چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب الاثار کے زائد راویوں پر ایک کتاب لکھی جس کا نام تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمہ الاربعہ ہے۔[118] اس کتاب میں موصوف نے صرف ان رواۃ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ جن سے ائمہ اربعہ امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل نے اپنی اپنی تصانیف میں حدیثیں نقل کی ہیں۔ مگر صحاح ستہ میں ان کے سلسلہ سے کوئی حدیث مروی نہیں۔ چنانچہ اسی کتاب میں انہوں نے کتاب الآثار امام کے زوائد رجال کو بھی جمع کر دیا ہے۔

کتاب الآثار کے رجال

کتاب الآثار کے نسخے میں جن راویوں کی حدیثیں مروی ہیں ان راویوں کے مستقل حالات پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1- الایثار ،بمعرفہ رواۃ الآثار ہے۔ یہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف ہے۔ علامہ نواب صدیق حسن خان نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب اتحاف النبلا المتقین[119] میں کیا ہے۔ مگر نام غلط لکھا گیا ہے۔ اور مصنف کا ذکر بھی نہیں کیا گیا۔ غلطی سے نام الایثار ،بمعرفہ معانی الآثار لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے خود اس کتاب کا ذکر تعجیل المنفعہ کے مقدمہ میں کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

> میں نے کتاب الآثار کے رجال پر مستقل کتاب لکھی ہے۔ مجھے احناف کے ایک بزرگ نے یہ کتاب لکھنے کا حکم دیا میں نے حکم قبول کیا اور کتاب لکھ دی۔[120]

2- محدث سخاوی نے "الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ"[121] میں لکھا ہے کہ حافظ زین الدین قاسم بن قطلو بغا

المتوفی سنہ 879ھ نے بھی رجال کتاب الآثار امام محمد پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

زین ابو قاسم الحنفی رجال کل من الطحاوی والموطا لمحمد بن الحسن والآثار و المسند ابی حنیفه لابن مقری۔

3- حافظ زین الدین قاسم بن قطلوبغا کی اس کتاب کا علامہ ابو جعفر کتانی نے الرسالہ المستطرفہ میں بھی ذکر کیا ہے۔

امام الائمہ حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی نے جس کتاب پر زوائد کی تخریج کا کام کیا ہے۔ وہ دراصل حافظ ابو عبداللہ محمد بن علی بن حمزہ الحسینی کی کتاب التذکرہ برجال العشرہ ہے۔ اس کتاب میں حافظ ابو عبداللہ نے ائمہ ستہ' یعنی امام بخاری' امام مسلم' امام ابو داود' امام نسائی' ترمذی اور ابن ماجہ کے راویوں کے حالات اور رجال لکھے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ائمہ اربعہ' یعنی ابو حنیفہ' مالک' شافعی اور احمد کی تصانیف کے راویوں اور رجال کا تذکرہ لکھ کر اس کتاب کا نام التذکرہ برجال العشرہ رکھا۔ چنانچہ حافظ ابو عبداللہ ائمہ ستہ کے ساتھ ائمہ اربعہ کے رجال لکھنے کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں۔

ذکرت رجال الائمه الاربعه المقتدی بهم لان عمدتهم فی الاستدلال لهم لمذاهبهم فی الغالب علی ما رووه فی مسانیدهم باسانیدهم فان المؤطا لمالک هو مذهبه الذی یدین الله به اتباعه و یقلدونهم مع انه لم یرو فیه الا الصحیح عنده و کذالک مسند الشافعی موضوع لادلة علی ما صح عنده من مروياته و کذالک مسند ابو حنیفه و اما مسند احمد فانه اعم من ذالک و اشمل۔[122]

علامہ ابو جعفر الکتانی مصنف رسالہ المستطرفہ لکھتے ہیں۔

فهذه هی کتب الاربعه و باضافتها الی سته الاولی تکمل الاکتب العشره التی هی اصول الاسلام و علیها مدار الدین۔[123]

ویسے تو علامہ عسقلانی نے رجال پر دو مشہور اور بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں ایک ان میں سے التہذیب التہذیب ہے اور دوسری تقریب ہے۔ لیکن ان دونوں کے علاوہ انہوں نے یہ کتاب خاص طور پر تصنیف کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

فلذالک اقتصرت علی رجال الاربعۃ و سمیتہ تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمہ الاربعما[121]

مشہور غیر مقلد نواب صدیق حسن نے علامہ شوکانی کے حوالہ سے اپنی کتاب اتحاف النبلاء المتقین میں رجال الاربعہ سے سنن اربعہ مراد لیا ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ علامہ چلپی کو ائمہ اربعہ ذکر کرنے میں اپنی کتاب کشف الظنون میں غلطی لگی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کشف الظنون گفتہ بروایت رجال الائمہ الاربعہ یعنی المذاہب وایں مسامحت است از وے۔۔۔☆ حالانکہ یہ بات بالکل درست ہے اور خود حافظ ابو عبداللہ کی تصریح سے مراد ائمہ اربعہ ہے۔ یعنی ابو حنیفہ' مالک' شافعی اور احمد ہیں۔ نہ کہ ابو داود' نسائی' ترمذی اور ابن ماجہ۔ اس قضیہ کی وضاحت علامہ ابو جعفر الکتانی نے مسند ابو حنیفہ پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں کی ہے۔ "والذی اعتبرہ الحافظ ابن حجر فی کتابہ تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الاربعہ ھو ما اخرجہ الامام الذی الحافظ ابو عبداللہ الحسین بن محمد بن خسرو"۔[122]

کتاب الآثار پر تعلیقات

1۔ حافظ سخاوی نے الضوء اللامع میں علامہ تقی الدین احمد بن علی مقریزی کی کتاب العقود فی تاریخ العہود کے حوالہ سے حافظ قاسم کی تصانیف میں التعلیقات علی کتاب الآثار کا ذکر کیا ہے۔[123]

2۔ کتاب الآثار امام محمد اور کتاب الآثار امام ابو یوسف دونوں نسخوں میں مولانا ابو الوفا افغانی کی تعلیقات ہیں۔۔۔۔

کتاب الآثار کے مقدمات

1۔ مولانا عبدالرشید نعمانی مد ظلہ العالی نے کتاب الآثار کا مقدمہ لکھا ہے۔ جو اردو ترجمے کے ساتھ مولوی مسافر خانہ کراچی سے چھپ چکا ہے۔

2- کتاب الآثار کے دونوں نسخوں کے ساتھ عربی زبان میں مولانا ابو الوفا افغانی نے مقدمے لکھے ہیں۔
یہاں یہ بات قابل ذکر ہیکہ امام زفر اور حفص بن غیاث کے نسخوں کے علاوہ امام ابو یوسف کی مرفوع روایات کو اور کتاب الآثار کے باقی نسخوں کو امام اعظم کے مجموعے جامع المسانید میں بھی شامل کیا گیا ہے۔[127]

جن محدثین نے کتاب الآثار کا سماع کیا

جن محدثین نے ابو حنیفہ کے کتاب الآثار کا سماع کیا ہے وہ یہ ہیں۔

1- امام عبداللہ بن المبارک:۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں حمیدی شیخ امام بخاری کی زبانی نقل کیا ہے۔

سمعت عبداللہ بن المبارک یقول کتبت عن ابی حنیفہ اربع مائہ حدیث

ترجمہ :- میں نے عبداللہ بن المبارک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام ابو حنیفہ سے میں نے چار سو حدیثیں لکھی ہیں۔[128]

2- امام حفص بن غیاث:۔ امام حفص سے حافظ حارثی نے بسند نقل کیا ہے کہ

سمعت من ابی حنیفہ کتبہ و اثارہ میں نے امام ابو حنیفہ سے ان کی کتابوں کو اور ان کے آثار کو سنا ہے۔[129]

3- شیخ الاسلام عبداللہ بن یزید مقری:۔ شیخ الاسلام کے بارے میں علامہ کردری لکھتے ہیں۔

سمع من الامام تسعمائہ حدیث انہوں نے امام ابو حنیفہ سے نو سو حدیثیں سنی ہیں۔[130]

4- امام وکیع بن الجراح:۔ امام وکیعؒ کے متعلق حافظ ابن عبدالبر اپنی کتاب جامع بیان العلم میں سید الحفاظ یحیٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں۔

ما رایتہ احداً اقدمہ علی وکیع و کان یفتی برائی ابی حنیفہ و کان یحفظ حدیثہ کلہ و کان قد سمع من ابی حنیفہ حدیثاً کثیراً۔

ترجمہ :- میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کو وکیعؒ پر مقدم کروں اور وہ ابو حنیفہ کے

قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ اور ان کی سب حدیثیں ان کو یاد تھیں۔ اور انہوں نے امام ابو حنیفہ سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں۔

5- حماد بن زید:- حماد کے بارے میں بھی حافظ ابن عبدالبراپنی کتاب الانتقاء فی فضائل الائمہ الثلاثۃ الفقہاء میں لکھتے ہیں۔

و روی حماد بن زید عن ابی حنیفہ احادیث کثیرہ حماد بن زید نے امام ابو حنیفہ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔[131]

6- خالد الواسطی:- خالد الواسطی کے بارے میں بھی حافظ ابن عبدالبر ہی نے لکھا ہے و روی عنہ خالد الواسطی احادیث کثیرہ اور امام ابو حنیفہ سے خالد الواسطی نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔[132]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حافظ ابن عبدالبر کے نزدیک "احادیث کثیرہ" کی تعداد کم از کم موطا امام مالک کی حدیثوں کی تعداد کے برابر ہے۔ کیونکہ انہوں نے امام محمد کے تذکرہ میں بھی یہی الفاظ لکھے ہیں کتب عن مالک کثیرا من حدیثہ یعنی انہوں نے امام مالک سے ان کی بہت سی حدیثیں لکھی ہیں۔[133] حالانکہ یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ امام محمد نے امام مالک سے پوری موطا کا سماع کیا ہے۔

7- اسد بن عمرو:- محدث صیمری نے ابو نعیم فضل بن دکین سے سند ان کے متعلق تصریح نقل کی ہے۔ اول من کتب کتب ابی حنیفہ اسد بن عمرو اسد بن عمرو وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ کی کتابوں کو لکھا ہے۔[134] یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے سماع کیا اور روایت کرنے والوں کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے۔ روی عنہ من المحدثین و الفقہاء عدۃ لا یحصون۔

کتاب مسند ابی حنیفہ کی تالیف کی "نسبت" اور دلائل

امام ابو حنیفہ کی طرف جو نسبت مسند امام اعظم کی ہے اس کی وضاحت یوں ہے کہ یہ کتاب خود ان کی تالیف نہیں۔[135]

بلکہ امام صاحب نے اپنے مرتب کردہ مجموعہ احادیث کے علاوہ اپنے شاگردوں کو جو مسائل لکھوائے تھے ان مسائل کے ساتھ بہت سی روایات بطور دلائل لکھوائی تھیں۔ ان مرویات سے مستفید ہونے والوں نے مدون کیا اور اس مجموعے کو مسند کا عنوان دیا۔ اگرچہ کتاب الآثار کے مجموعے کو الگ مدون کیا گیا تھا مگر بعد ان کو بھی جامع المسانید میں شامل کر لیا گیا۔ لیکن حقیقت میں مسند ان مجموعوں کی تعداد کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ جس کو سامعین نے خود مرتب کیا۔ اور امام صاحب کی طرف اس مجموعے کی نسبت میں جو الجھن پیدا ہوتی ہے۔ راقم الحروف اس کو مندرجہ ذیل چھ (6) دلائل سے واضح کرتا ہے۔

1- مصنف ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ خود ہی لکھے۔ تو تب ہی مولف یا مصنف ہو سکتا ہے۔

2- قران پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس کی تدوین سرور کائنات کے حکم سے ہوئی۔ اور صحابہ کرام نے اس کی کتابت کا فریضہ ادا کیا۔

3- مسند امام احمد کو خود امام احمد نے اپنے قلم سے مدون نہیں کیا تھا[136]

4- بہت سے مصنف یا مولف نابینا ہوئے ہیں انہوں نے بھی کتابیں املا کرائی ہیں۔ اور وہ کتابیں انہی کی طرف منسوب ہیں جیسے مصر کے ڈاکٹر طٰہٰ حسین۔

5- بہت سے مشائخ کی تقریریں ان کے شاگرد لکھ لیتے ہیں۔ لیکن وہ لکھنے والوں کے بجائے شیخ کے طرف منسوب ہوتی ہیں۔ جیسے معانی الاخبار' از امام ابو بکر محمد بن اسحاق الکلاباذی۔

6- اکابر کے خطوط کو جمع کرنے کے بعد شائع کیا جاتا ہے۔ کبھی ان کی زندگی میں اور کبھی بعد از وفات۔ تو وہ شائع کرنے والوں کے بجائے خود لکھنے یا املا کرانے والوں کی طرف ہی منسوب ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا تمام صورتوں میں کتاب کا مصنف کوئی اور ہوتا ہے۔ یا جامع اور شائع کردہ کوئی اور ہوتا ہے مگر پھر بھی ان کی کتب کو جامع کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ بس اسی قاعدہ پر امام صاحب کی کتب کو بھی منطبق کیا گیا ہے۔

عبدالوہاب شعرانی کی تصدیق:- چنانچہ علامہ صاحب لکھتے ہیں۔

> مجھے امام اعظم کے مسانید کے مطالعہ کی توفیق ملی' امام موصوف ان کبار سے حدیثیں روایت کرتے ہیں جو اپنے وقت کے عادل اور ثقہ تھے۔ ان میں ایسا کوئی شخص نہیں جو کذاب ہو یا جس پر تہمت ہو۔[137]

چند ضروری اصطلاحات حدیث

سند:۔ لغوی معنی۔ سہارا جمع اسناد

اصطلاحی معنی، ناقلین حدیث و خبر کے ناموں پر مشتمل حصہ

اسناد:۔ لغوی معنی۔ ٹیک لگانا سہارا

1- اصطلاحی معنی۔ کسی بات کو اس کے کہنے والے کی طرف منسوب کرنا۔

2- بمعنی سند۔

مسند:۔ لغوی معنی۔ منسوب۔ سہارا دیا ہوا

اصطلاحی تین معانی ہیں۔

1- ہر وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی احادیث کو یکجا جمع کیا گیا ہو۔

2- وہ حدیث جو مرفوع ہو اور اس کی سند متصل ہو۔[138]

3- سند۔[139]

مسنِد:۔ لغوی معنی۔ نسبت کرنے والا سہارا دینے والا

اصطلاحی سند کے ساتھ روایت کو نقل کرنا والا۔

نوٹ:۔ "مسند اگر مرسل کے مقابلہ میں ذکر ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو پوری سند کے ساتھ مروی ہو"۔

مسند کی جمع مسانید استعمال ہوتی ہے۔ اس سے مراد عموماً" وہ کتب حدیث ہوتی ہیں۔ جن میں ہر ہر صحابی سے منقول روایت ایک جگہ ذکر ہوں۔ خواہ صحابی کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہو یا مراتب اور فضائل کے اعتبار سے۔

علم حدیث میں مسانید کی تالیف

سب سے پہلے تیسری صدی کے موالفین نے حدیث کو آثار صحابہ سے الگ کر کے مسند حدیثیں جمع کرنا شروع کیں۔ ہر راوی کی تمام غیر مرتب روایات کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ اور اس طرح مسانید کی تصنیف کا آغاز ہوا' حافظ ابن حجر عسقلانی نے تیسری صدی کے مشاہیر محدثین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> تاآنکہ کچھ محدثین کی یہ رائے قائم ہوئی کہ سردار انبیاء کی حدیث کو صحابہ کے اثر سے الگ کیا جائے۔ چنانچہ عبیداللہ بن موسیٰ کوفی مسدد بن مسرہد بصری' اسد بن موسیٰ اموی اور نعیم بن حماد خزاعی نے ایک ایک مسند لکھی۔ اسی طرح احمد بن حنبل اسحاق بن راھویہ عثمان بن ابی شیبہ نے بھی مسندیں لکھیں۔ بعض حضرات جیسے ابو بکر ابن ابی شیبہ نے ابواب اور مسانید دونوں عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔[140]

یہ تمام مسانید جو تصنیف ہوئے صحابہ کی مرویات ہیں ان کا سلسلہ روایت مجروح اور معتبر ہر قسم کے راویوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً عبیداللہ بن موسیٰ اور مسند ابی داود الطیالسی اس کے بعد مسند احمد بن حنبل اسحاق بن راھویہ زہیر بن حرب اور عبیداللہ بن عمر قواری نے اپنے اپنے مسانید ترتیب دئے۔[141]

1- علامہ محمد بن اسماعیل یمانی نے مسند کی تعریف یوں کی ہے۔

ان یذکر فیہ ما ورد عن ذالک الصحابی جمیعہ فیجمع الضعیف وغیرہ۔[142]

2- ابو جعفر الکتانی نے مسند کی تعریف یوں کی ہے۔ "وہ کتابیں جن کا موضوع صرف یہ ہے کہ ہر صحابی کی حدیثوں کو الگ الگ بیان کیا جائے چاہے یہ صحیح ہوں یا ضعیف ان کی ترتیب حروف صحابہ میں حروف ہجا کے مطابق ہونی چاہیے"۔[143]

یہ ضروری نہیں کہ ہر راوی کی ہر روایت صحیح سند ہی سے منقول ہو اس لئے جس سند سے بھی وہ روایت مصنف کو پہنچی ہے۔ وہ اسے سند کے ساتھ لکھ دیتا ہے۔ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ صحیح اور غیر صحیح قوی اور غیر قوی قابل قبول اور ناقابل قبول سب کو حروف تہجی کی ترتیب پر ایک جگہ جمع کر دیا جائے تاکہ کوئی روایت مدون ہونے سے رہ نہ جائے۔ اور یہ مفہوم حافظ محمد ابراہیم الوزیر کا ہے۔[144] حافظ محمد ابراہیم الوزیر صاحب مزید لکھتے ہیں ھذہ المسانید الکبار التی یذکر فیھا طرق الحدیث تفید الاسانید و علمھا☆ ان مسانید سے حدیث کے

طرق اور اسانید کا علم ہو جاتا ہے۔[116]

مسانید کے جن نسخوں کی طرف راقم الحروف کی رسائی ہوئی ان کو زمانے کی ترتیب سے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

سنہ 156ھ مسند حمزہ بن تیمی کوفی

" 176ھ " حماد بن ابی حنیفہ

" 204ھ " امام الحسن بن زیاد اللولوی

" 204ھ " امام ابی داود طیاسی

" 212ھ " محمد بن یوسف الفریابی

" 213ھ " اسماعیل بن حماد بن امام ابی حنیفہ

" 213ھ " عبیداللہ بن موسیٰ کوفی

" 219ھ " ابی بکر عبداللہ بن الزبیر

" 219ھ " حمیدی

" 224ھ " مسدد بن مسرہد

" 226ھ " الحسین بن داود المصیصی

" 226ھ " ابی جعفر عبداللہ بن محمد

" 227ھ " محمد بن عبداللہ کوفی

" 228ھ " یحییٰ بن عبدالحمید حمانی کوفی

" 231ھ " دوری حافظ ابو عبداللہ محمد بن مخلد بن حفص بن دوری بغدادی

" 237ھ " اسحاق ابن راہویہ

" 238ھ " ابی یعقوب اسحاق بن ابراہیم

" 239ھ " ابی الحسن عثمان بن محمد

" 239ھ " عثمان بن ابی شیبہ

" 241ھ " احمد بن حنبل

* 242ھ * ابی الحسن محمد بن مسلم
* 243ھ * ابی عبداللہ محمد بن یحییٰ
* 244ھ * ابی جعفر احمد بن منیع
* 249ھ * ابی اسحاق ابراہیم بن سعید
* 249ھ * عبد ابن حمید
* 251ھ * ابی الحسن علی بن الحسن
* 251ھ * اسحاق بن منصور نیشاپوری
* 252ھ * یعقوب بن ابراہیم الادقی
* 252ھ * ابی یعقوب التنوخی
* 258ھ * احمد بن سنان
* 262ھ * کبیر از یعقوب بن شیبہ مصری
* 265ھ * ابی بکر احمد بن منصور
* 267ھ * ابی یاسر عماز بن رجاء
* 272ھ * محمد بن مہدی
* 272ھ * احمد بن مہدی اصفہانی
* 273ھ * محمد بن ابراہیم بن مسلم
* 276ھ * احمد بن حازم
* 276ھ * بقی بن مخلد
* 277ھ * محمد بن الحسن ابی عبداللہ
* 280ھ * ابی سعید عثمان بن سعید
* 282ھ * ابی الحارث بن محمد
* 286ھ * ابی الحسن علی بن عبدالعزیز

"288ھ " ابراہیم بن اسماعیل

"289ھ " الحسین بن محمد نیشاپوری

"290ھ " ابی عبدالرحمن نعیم بن طوسی

"292ھ " ابی بکر احمد بن عمرو بصری

"292ھ " احمد بن علی المروزی

"294ھ " ابی زرعہ رازی

"295ھ " ابراہیم بن معقل سفی

"332ھ " ابن عقدہ محمد بن سعید ہمدانی معروف بابن عقدہ

"335ھ " ابن ابی العوام مرتب حافظ ابو القاسم عبداللہ حنفی

"339ھ " قاضی اشنانی مرتب حافظ ابو الحسن عمر بن حسن اشنانی

"340ھ " حارثی مرتب حافظ ابو عبداللہ بن محمد حارثی بخاری حنفی ملقب باستاذ

"365ھ " ابن عدی جرجانی (صاحب الکامل فی الضعفاء)

"379ھ " ابن مظفر مرتب حافظ ابی الحسین محمد بن مظفر بن موسی بزار بغدادی حنفی

"380ھ " ابن المقری مرتب حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن علی اصبہانی معروف بابن المقری

"380ھ " طلحہ العدل مرتب حافظ ابی القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر عدل بغدادی حنفی

"381ھ " ابی بکر علی بکری مرتب ابو علی

"385ھ " ابن شاہین مرتب حافظ ابو حفص عمر بن احمد عثمان بغدادی

"385ھ " دار قطنی مرتب حافظ ابو حسین علی بن عمر بن احمد دار قطنی

"430ھ " ابو نعیم مرتب حافظ نعیم احمد بن عبداللہ بن احمد اصبہانی

"463ھ " خطیب بغدادی احمد بن علی ثابت بن احمد بن مہدی بغدادی

"481ھ " ابی اسماعیل انصاری مرتب حافظ ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری حنفی

"507ھ " مسند ابن القیسرانی مرتب حافظ مرتب حافظ محمد بن طاہر

"522ھ " ابن خسرو مرتب حافظ حسین بن محمد بن خسرو بلخی حنفی

"571ھ " ابن عساکر مرتب حافظ ابو القاسم علی بن حسن ھبۃ اللہ دمشقی شافعی معروف بابن عساکر

"827ھ " ابن البزازی۔[1146]

"902ھ " سخاوی۔ مرتب حافظ ابو الخیر شمس الدین محمد بن عبدالرحمن بن سخاوی شافعی

"1080ھ " مغربی۔ شیخ المشائخ الحرمین عیسیٰ مغربی جعفری مالکی

جامع المسانید للخوارزمی کا اجمالی تعارف

محدث خوارزمی[1147] نے نامور محدثین کی پندرہ مسانید کو ایک جگہ لکھا۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق۔ مندرجہ ذیل مسانید کو انہوں نے یکجا جمع کیا۔

1- مسند امام حافظ ابو محمد عبداللہ الحارثی ثم المدنی

2- " حافظ ابو القاسم طلحہ بن محمد

3- " امام حافظ ابو الحسین محمد بن المظفر

4- " امام حافظ ابو نعیم الاصفہانی

5- " امام ابو بکر محمد بن عبدالباقی

6- " حافظ عمر بن الحسن الاشنانی

7- " امام ابو احمد عبداللہ بن عدی

8- " امام ابو عبداللہ حسین بن محمد خسرو

9- " امام ابو القاسم عبداللہ بن ابی العوام

ان کے علاوہ پانچ اور مسانید کا ذکر ہے۔ یہ دراصل کتاب الاثار کے نسخے ہیں۔

10-امام محمد (جو کتاب الاثار کے نام سے مشہور ہے۔)

11- " امام حافظ محمد بن الحسن

12- " امام حافظ قاضی ابو یوسف

13- " امام حسن بن زیاد

14- " امام حماد بن ابی حنیفہ

نوٹ:۔ حافظ ابو بکر کلاعی کی مسند بھی جامع المسانید میں داخل ہے حالانکہ یہ بھی مسند نہیں بلکہ کتاب الآثار کا نسخہ ہے جسے وہ اپنے جد امجد محمد بن خالد بن خلی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن اس کے جامع محمد بن خالد الوہبی ہیں جو اس مسند کو امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ لہٰذا اس مسند کی نسبت الکلاعی کی طرف صرف روایت کے لحاظ سے ہے تدوین کے لحاظ سے نہیں۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ

ابو المؤید الخوارزمی[148] نے جن مسانید کے نام لئے ہیں ان کے سوا اور بھی مسانید ہیں۔[149]

شبلی مزید لکھتے ہیں کہ ان مسانید کا خوارزمی کے علاوہ کسی نے نام نہیں لیا۔[150]

لیکن راقم الحروف نے مسانید کی جو اجمالی فہرست پیش کی ہے اس میں ستر سے زیادہ مسانید کا تذکرہ ہے جن میں خوارزمی کی پندرہ مسانید میں سے نو شامل ہیں[151] اور اس بات کو شبلی بھی مانتے ہیں کہ خوارزمی کی مسانید کے علاوہ اور مسانید بھی لکھی گئیں ہیں۔

جن میں سے تین مسانید کی نسبت امام صاحب کی طرف درست مانتے ہیں۔

1- مسند حماد

2- مسند قاضی ابو یوسف

3- مسند امام محمد (کتاب الآثار)

چنانچہ لکھتے ہیں کہ حماد اور قاضی ابو یوسف امام ابو حنیفہ کے ہم عمر ہیں ان کا مسند بلا شبہ امام صاحب کا مسند کہا جا سکتا ہے۔ اور امام محمد کی کتاب الآثار کی اکثر روایتیں امام ابو حنیفہ ہی سے ہیں اس کے بعد پھر انکار کر جاتے ہیں۔ اور امام رازی کی کتاب مناقب شافعی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف موجود نہیں۔[152]

شبلی نعمانی نے اپنے فیصلہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحقیق پر ختم کیا ہے۔ اور ان ہی کو فیصل مان لیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ کا فیصلہ کافی ہے"۔[153]

اور ساتھ ہی شاہ ولی اللہ کی ایک رائے نقل کرنے کے بعد ان کتب کا ذکر کرتے ہیں جن کو وہ طبقہ رابعہ میں شمار کرتے ہیں۔ اور ان کتب میں "مسند خوارزمی" کو بھی شمار کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی بحث کو طول دینے کے بجائے مختصر کرنا چاہیے۔ لہٰذا ہم بھی مسانید امام ابو حنیفہ کے بارے میں شاہ ولی اللہ ہی سے رائے لیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"مسند ابی حنیفہ و آثار امام محمد بنائے فقہ حنفیہ است"۔[154]

شاہ ولی اللہ مسند ابی حنیفہ کو حنفیوں کی حدیث میں اعلیٰ درجہ کی کتابیں شمار کرتے ہیں۔۔ یہاں شاہ ولی اللہ مسند اور آثار دونوں کو فقہ میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ کہ ان کے نزدیک کتاب الآثار امام محمد اور مسند ابو یوسف کی روایات امام اعظم کی ہی روایات ہیں۔ اور روایات فقہ میں نہیں بلکہ حدیث میں ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے ہاں مسانید تاریخی اور تحقیقی لحاظ سے مستند روایات سے ثابت ہیں۔

مسانید کے نسخوں پر تحقیقی بحث

گذشتہ صفحات میں ان مسانید میں سے تقریباً ستر کے لگ بھگ نسخوں کا اجمالی تعارف کرایا گیا ہے۔ ان میں سے جن جن کی تحقیق کر سکے۔ ان مجموعوں پر میر حاصل بحث کرنے سے پہلے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جن مجموعوں کو جامع المسانید میں شامل کیا گیا ان کی تعداد میں سترہ کا عدد معروف ہے۔[155] لیکن پندرہ اشخاص کے مولفات کو شامل کیا گیا ہے۔ اور جامع المسانید میں کتاب الآثار کے نسخے بھی شامل ہیں۔ (خواہ وہ مکمل ہوں خواہ صرف مرفوع روایات) مسند ابن عقدہ ایک ہزار سے زائد حدیث کا مجموعہ ہے۔ اور یہ مسند بھی بعد کے مسانید میں مدغم ہو کر ہی باقی رہا۔[156] وہ نسخ جو ابن عقدہ کے بعد ترتیب دیے گئے ہیں وہ ابن عقدہ کے مسند کو حاوی ہیں۔ خود ابن عقدہ کا مسند کے علاوہ جن کو امام ابو حنیفہ کے شاگردوں نے کتاب الآثار میں جمع کیا ہے امام محمد نے نسخے کی مرفوع و موقوف دونوں روایات امام ابو یوسف کے نسخے کی مرفوع روایات کا مجموعہ اور امام زفر سے کتاب الآثار کی مرفوع روایات کو الگ کر کے جمع کرنا منقول ہے۔ بلکہ ابن عقدہ میں مدغم مسانید کو ملایا جائے تو چوبیس اور کتاب الآثار کی مرفوع روایات کے مجموعے شامل کر کے کل ستائیس مسانید ہو جاتی ہیں۔ جن کو جامع المسانید میں یکجا کر لیا گیا ہے۔[157]

مسانید کے مرتبین کے مذاہب پر ایک نظر

امام اعظم کے مسانید کو مرتب کرنے والے عبدالباقی انصاری اور شیخ مغربی دونوں کے علاوہ سب کے سب حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ اور مرتبین کا زمانہ تلامذہ کے عہد سے لے کر گیارھویں صدی تک پھیلا ہوا ہے۔

یہ سارے کے سارے حنفی ہی نہیں بلکہ ان میں شافعی مالکی اور حنبلی بھی شامل ہیں۔

ان میں سے متعدد محدثین اور اہل فن کی اولین صفوں کے بزرگ ہیں جیسے ابن عدی، ابو نعیم، دار قطنی، ابن عساکر، سخاوی اور ابن شاہین وغیرہ۔[58]

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ان مسانید میں دو زیادہ مشہور ہیں۔ مسند حارثی اور مسند خسرو چنانچہ حافظ حسین اور ابن حجر نے ان کے رجال کے تراجم کو ذکر کیا ہے۔ اور یہ دونوں حضرات حنفی تھے۔ اور دیگر مرتبین میں سے سخاوی، شافعی، مغربی مالکی اور احمد حنبلی ہیں۔

مسانید کے نسخوں میں اولیت کا مسئلہ

جیسا کہ سابقہ صفحات میں ترتیب زمانے کے لحاظ سے یہ بتا دیا گیا ہے کہ ترتیب مسانید کیا تھی۔ لیکن پھر بھی بعض نسخوں کو بعض پر مختلف اعتبار سے مقدم مانا گیا ہے مثلاً

ان تمام مسانید میں تاریخی طور پر اگرچہ اولیت کا مرتبہ جیسا کہ الحاکم نے لکھا ہے کہ

اول من صنف المسانید علی تراجم الرجال فی الاسلام عبیداللہ بن موسی العبسی و ابو داود الطیالسی[59]

عبیداللہ بن موسی کوفی کی مسند کو اولیت حاصل ہے۔ کیونکہ مسند الطیالسی در حقیقت ابو داود الطیالسی کی تصنیف نہیں بلکہ اہل کے جامع خراسان کے محدثین ہیں۔ امیر یمانی لکھتے ہیں کہ اس کی حیثیت مسند امام شافعی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ علامہ بقائی لکھتے ہیں کہ مسند الطیالسی کو جن بزرگوں نے اولین مسند قرار دیا ہے۔ ان کے پیش نظر

صرف یہ ہے کہ مصنفین مسانید میں زمانی لحاظ سے ابو داؤد کا زمانہ پہلے ہے۔ اور یہ مسند امام ابو داؤد کی تصنیف ہے۔ مگر حقیقت یہ نہیں۔

علامہ ابراہیم الوزیر یمنی کی تحقیق کے مطابق حقیقت یہ ہے کہ انه لیس من تصنیف ابی داؤد انما جمعه بعض الحفاظ الخر اسانیین[160] یعنی یہ ابو داؤد کی تصنیف نہیں بلکہ بعد کے بعض خراسانی محدثین نے یہ کام انجام دیا ہے۔ اور عبیداللہ بن موسیٰ کے متعلق محدثین کی یہ تصریح کہ مسند ان کا تصنیف کردہ ہے۔ عبیداللہ پر شیعہ کی تہمت ہے۔ ابو داود نے ان کو شیعہ لکھا ہے۔ علامہ ذہبی نے العابد میں کبار علماء شیعہ لکھا ہے مگر اس دور میں شیعہ ہونے کا مفہوم آج کے دور سے بہت مختلف تھا علامہ سیوطی لکھتے ہیں التشیع و هو تقدیم علی علی الصحابه رضی الله عنهم اجمعین[161] شیعہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی کو باقی صحابہ پر مقدم کیا جائے۔ دوسری صدی ہجری میں شیعہ ظاہر ہوا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ الشیعیی الغالی فی زمان السلف وعدفهم هو من تکلم فی عثمان و الزبیر و طلحه و طائفه ممن حاربه علیا و تعرض بهم[162] عبیداللہ بن موسیٰ کو امام ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں امام ابو حنیفہ کا شاگرد بتایا ہے۔[163]

اگر اس بات کو درست مان لیا جائے۔ کہ مسانید کی اولیت کا شرف بھی بواسطہ عبیداللہ بن موسیٰ امام ابو حنیفہ کو حاصل ہے اور عبیداللہ بن موسیٰ امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں۔ اور امام بخاری کے استاد ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کے مقدمہ میں عبیداللہ بن موسیٰ کو امام بخاری کے اساتذہ کے پانچوں طبقوں میں سے اولین طبقہ میں شمار کیا ہے۔ اس طبقہ میں یہ اساتذہ شامل ہیں۔ محمد بن عبداللہ انصاری، مکی بن ابراہیم، ابو عاصم النبیل، عبیداللہ بن موسیٰ، ابو نعیم، خلاد بن یحییٰ، علی بن عیاش اور عصام بن خالد اور لکھا ہے کہ شیوخ هولاء کلهم من التابعین کہ یہ تمام اساتذہ تابعین ہیں۔[164]

مسانید اور ابواب میں فرق اور اس کی وضاحت

ابواب اور مسانید میں فرق یہ ہے کہ ابواب کی صورت میں احادیث کو مضمونوں کی ترتیب سے بابوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور مسانید میں حدیث کا تعلق خواہ کسی باب سے ہو یا کسی موضوع سے ہو۔ ہر صحابی کی ساری روایات کو

بلا لحاظ مضمون ایک جگہ جمع کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت ابو بکر کی ساری حدیثیں مسند ابو بکر میں جمع کی جاتی ہیں۔ چاہے ان حدیثوں کا تعلق کسی بھی موضوع سے ہو۔

اور ابواب اور مسانید میں یہ فرق بھی ہے کہ ابواب کے مصنفین کے ہاں وہ روایات زیادہ اہم جن کو اعتباری یا استدلالی طور پر لکھا جائے جو مسئلہ کے لئے حجت بن سکیں۔ ارباب مسانید صرف روایات جمع کرتے ہیں چنانچہ حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں۔

> کہ مسند کا مصنف اس طرح عنوان قائم کرے۔ ذکر ما رود عن ابی بکر عن النبی اس صورت میں مصنف ابو بکر ساری حدیثوں کی تخریج کرے خواہ وہ صحیح ہوں یا ضعیف ہوں۔ جب کہ ابواب کا مصنف یوں لکھے۔ ذکر ما صح و ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الطہارہ' والصلوۃ و غیر ذالک۔[165]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ابواب پر حدیث کی تصنیف میں ان روایات کو سامنے رکھا جائے جن میں احتجاج کی صلاحیت ہو۔ بر خلاف مسانید کے کہ ان میں مقصد صرف احادیث کی فراہمی ہوتا ہے۔[166]

مسانید امام اعظم کی شرحیں

1- شیخ قاسم بن قطلو بغا م سنہ 879ھ نے جامع المسانید کی دو جلدوں میں شرح لکھی ہے۔

2- علامہ جلال الدین سیوطی نے جو شرح لکھی ہے اس کا نام التعلیقہ المنیفہ فی شرح مسند ابی حنیفہ ہے۔[167]

3- علامہ ملا علی قاری م سنہ 1040ھ نے مسند حصکفی کی شرح لکھی اور مسند الانام فی شرح مسند الامام نام رکھا۔

4- شیخ محمد عابد سندھی[168] نے ایک مفید اور ضخیم شرح لکھی جس کا نام ہے المواہب الطیفہ شرح مسند ابو حنیفہ ہے۔

5- مولانا محمد حسن سنبھلی م سنہ 1305ھ نے ایک شرح بنام تنسیق النظام فی شرح مسند الامام

لکھی ہے۔

مسانید امام اعظم کی زوائد

-1 حافظ الدین محمد بن محمد کردری م سنہ 827ھ نے جامع المسانید میں امام صاحب کی صحاح ستہ سے زائد جو روایات ہیں ان کو زوائد مسند ابی حنیفہ کے نام سے جمع کیا۔

مسانید امام اعظم کے مختصرات

-1 علامہ قونوی[169] نے خود اپنے مختصر لکھا اور اس کی شرح بھی لکھی جس کا نام المستند مختصر المسند رکھا۔

-2 امام شرف الدین اسماعیل بن عیسیٰ بن دولۃ المکی اوغانی نے اختصار لکھا جس کا نام ہے۔ اختیار اعتماد المسانید فی اختصار اسماء بعض الرجال الاسانید رکھا۔

-3 ابو البقا احمد بن ابی الضیاء محمد القرشی مکی نے جو اختصار لکھا ہے۔ اس کا نام المستند فی قیصر المسند رکھا۔

-4 شیخ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم حنفی نے بھی مسند کا مختصر لکھا ہے۔

-5 ابو حفص زین الدین عمر بن احمد الشجاع نے بھی ایک اختصار لکھا جس کا نام لفظ المرجان من مسند ابی حنیفہ النعمان رکھا۔[170]

-6 علامہ حصکفی صاحب در مختار صدر الدین موسی بن زکریا بن ابراہیم م سنہ 650ھ نے مسند حارثی کا اختصار لکھا۔

-7 محمد بن عباد خلاطی م سنہ 653ھ نے اختصار لکھا جس کا نام مقصد المسند رکھا۔

-8 محمد بن محمد بن عبدالرزاق بلگرامی حنفی معروف سید مرتضیٰ حسین زبیدی م سنہ 1205ھ نے خاص انداز پر جامع المسانید کا اختصار کیا۔

وہ یوں کہ مسانید کی وہ روایت احکام جن لفظ و معنی دونوں یا صرف معنی کی موافقت کے ساتھ اصحاب ستہ میں

سے کسی ایک نے یا زیادہ راویوں نے روایت کیا ہے۔ ان کو جمع کیا حسب موقع دوسرے محدثین کی بھی تخریج کی۔ اور جو موے کو ابواب فقہ کے مطابق مرتب کیا۔ پہلے اعتقادیات کو ذکر کیا۔ پھر عملیات کو اور ہر باب میں ایک یا دو یا چند روایات حسب موقع ذکر کیا۔ مگر نہ تو امام ابو حنیفہ کی تمام روایات کو لیا اور نہ جامع المسانید کی تمام روایات کو لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اختصار میں کل چھ سو کے قریب روایات ہیں۔ اور ہر روایت پر فقہ و حدیث کی رو سے مناسب کلام کیا ان کے مختصر کا نام ہے' "عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ الامام ابو حنیفہ"۔[171]

مسانید امام اعظم کے اطراف

1- حافظ ابو الفضل محمد ابن طاہر مقدسی معروف بابن قیسرانی سنہ 507ھ (صاحب الجمع بین رجال الصحیحین) نے مسانید کے اطراف۔۔۔ کو بنام اطراف احادیث الاٗئم ابو حنیفہ جمع کیا۔[172]
2- حافظ ابو مسعود
3- حافظ ابو محمد بن خلف بن محمد
4- حافظ ابو نعیم اصفہانی
5- حافظ ابن حجر عسقلانی

مگر ان میں سب سے زیادہ مشہور اطراف ابن قیسرانی[173] کی ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے المنتظم میں ان کے بارے میں تنقید لکھی ہے' لیکن سمعانی نے صفائی پیش کی ہے۔ ابن الکثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں اور ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ علامہ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ اسماعیل تیمی کا ابن قیسرانی کے بارے میں یہ خیال تھا کہ وہ سب سے بڑے حافظ ہیں۔ یحیٰی بن مندہ لکھتے ہیں کہ حفاظ میں یگانہ روزگار' اچھے کردار والے راست گو' صحیح اور غلط سے واقف اور صاحب تصنیف عالم تھے۔[174]

امام اعظم ابو حنیفہ کی مرویات پر مشتمل اربعینیات

1- شیخ حسین محمد بن شاہ محمد بن حسن ہندی نے اربعینیات لکھی۔

2. مولانا ادریس بلگرامی سنہ 1230ھ نے بنام الاربعین من مرویات نعمان سید المجتہدین لکھی۔

امام اعظم کی وحدانیات

متعدد حضرات نے امام صاحب کی ان روایات کو جمع کیا جو امام صاحب نے صرف ایک واسطہ سے حضور نبی کریم ﷺ سے نقل کی ہیں اور وہ ہیں۔

1- ابو معشر بعدالکریم بن عبدالصمد شافعی سنہ 478ھ نے بنام جزء ما رواہ ابو حنیفہ عن الصحابہ لکھی۔ یہ رسالہ اس سلسلہ میں معروف ہے جس کو یوسف سبط بن الجوزی نے اپنی کتاب الانتصار و الترجیح الصحیح میں روایت کیا ہے۔ اور سیوطی نے اپنی کتاب تبییض الصحیفہ میں اس کا کچھ حصہ شامل کیا ہے۔

2- ابو حامد محمد بن ہارون حضرمی

3- ابو بکر عبدالرحمٰن بن محمد سرخسی

4- ابو الحسین علی بن احمد بن عیسیٰ بیہقی

ان تینوں کے اجزاء کو ابو عبداللہ محمد دمشقی حنفی معروف بابن طولون م سنہ 953ھ نے اپنی اسناد سے معجم المفہرس میں روایت کیا ہے۔

5- ابو عبداللہ الصیمری سنہ 436ھ نے اپنی کتاب فضائل ابی حنیفہ و اخبارہ میں امام ابو حنیفہ کی وحدانیات کو ذکر کیا ہے۔

نوٹ:۔ اگرچہ بعض حضرات نے وحدانیات کی تردید کی ہے کیونکہ امام صاحب کی ولادت صحابہ کے آخری زمانے میں ہوئی تھی۔ اور امام صاحب کی تابعیت راجح اور ثابت ہے۔ امام صاحب کی ولادت کا معروف قول سنہ 80ھ ہے اور متعدد صحابہ کی کوفہ اور مکہ میں اس کے بعد وفات ہوئی۔ بلکہ حضرت ابو الطفیل کی وفات سنہ 100ھ کے بعد ثابت ہے۔ اور پانچ چھ سال کی عمر سن رشد کی عمر ہوتی ہے۔ جس کا محدثین کے ہاں۔ اعتبار ہے۔ لیکن امام صاحب کی ولادت کے متعلق دو اور قول بھی ہیں۔ ایک سنہ 63ھ کا اور دوسرا سنہ 70ھ کا۔ ابن حبان نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ اس پر مزید گنجائش نکل آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب بلوغ کے بعد صحابہ کی حیات اور ملاقات ثابت ہے تو ان سے روایات کا

طرح قوت رکھتا ہے یہ قضیہ امام صاحب اور تابعیت کے عنوان کے تحت انشاء اللہ مزید واضح ہو گا۔

"واحدانیات، ثنایات، ثلاثیات اور اربعینیات" کا تقابل

کسی ایک امام یا محدث سے مروی روایات کو اربعینیات کے طور پر جمع کرنا بھی امام صاحب کا ہی امتیاز ہے۔[127]

واحدانیات کا امام صاحب سے مروی ہونا ہی امام صاحب کے لئے محدثین کے طبقہ میں باعث فخر ہے۔ محدثین کے نزدیک اس کی اہمیت کا اندازہ یوں ہو گا۔ درج ذیل جدول دیکھئے۔

بخاری کی ثلاثیات بائیس 22

مسند احمد بن حنبل کی ثلاثیات تین سو تریسٹھ 363

امام مالک کی ثنایات[12] ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ کی ثنایات دو سو بیالیس 242

امام اعظم ابو حنیفہ کی ثلاثیات تین سو بیس 320

امام اعظم ابو حنیفہ کی رباعیات ایک سو پچاس 150

نوٹ:۔ چند وحدانیات کے علاوہ کچھ روایات میں پانچ واسطے اور کچھ میں چھ واسطے ہیں جب کہ ایسی روایات بہت کم ہیں۔ جن میں حضور ﷺ اور امام ابو حنیفہ کے درمیان چھے واسطے ہوں۔

مسانید امام اعظم کی تبویب و ترتیب

مسند کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ اس کی ترتیب حضرات صحابہ کرام کے اسماء مبارک کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے کسی موضوع پر حدیث تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے بہت سے حضرات نے مسانید کی ترتیب کا کام بھی کیا ہے۔

1- علامہ زبیدی نے اپنی مختصر کو باقاعدہ ابواب پر تقسیم کیا۔

2- شیخ محمد عابد سندھی حنفی سنہ 1275ھ نے حصکفی کے مختصر کو ابواب میں تقسیم کیا جس میں امام صاحب کی پانچ سو سے زیادہ مرویات ہیں۔

3- حافظ قاسم بن قطلوبغا نے مسند حارثی اور مسند ابن مقری کو ابواب کی ترتیب سے مرتب کیا۔

4- مولانا ادریس بگرای ندوی نے تحصیل الرام تبویب مسند الامام کے نام سے مسند کو مرتب کیا۔[126]

مسانید امام اعظم کے رجال

1- ابن حمزہ الحسینی سنہ 765ھ نے اپنی کتاب التذکرہ برجال العشرہ میں رجال کا ذکر کیا۔

2- ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ میں مسند کے رجال پر کلام کیا۔

مندرجہ بالا دونوں حضرات نے ابن خسرو کی مسند کے رجال زیر بحث لائے ہیں۔

3- قاسم بن قطلوبغا نے مسند ابن مقری کے رجال پر کتاب تالیف کی ہے۔

4- صاحب جامع المسانید نے بھی اپنی شرح میں رجال پر بحث کی ہے۔

5- ملا علی قاری نے مسند الانام فی شرح مسند الامام میں رجال پر لکھا ہے۔

6- مولانا محمد حسن سنبھلی نے تنسیق النظام فی شرح مسند الامام میں رجال کے متعلق لکھا ہے۔

زوائد مسانید امام اعظم

حافظ الدین محمد بن محمد کردری سنہ 827ھ نے جامع المسانید میں ابو حنیفہ کی صحاح ستہ سے زائد روایات کو زوائد المسند کے نام سے جمع کیا ہے۔

جامع المسانید کے تعارف کا خلاصہ

ابو المؤید محمد بن محمود بن محمد خوارزمی حنفی سنہ 665ھ یا سنہ 655ھ نے امام صاحب کی مسانید کو ایک جگہ جمع

کرنے کا کام کیا۔ اور جامع المسانید نام رکھا یہ کتاب دو جلدوں اور چالیس ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں امام صاحب کے مناقب ہیں' باب دوم میں مولف نے اپنی اسانید مسانید کا ذکر کیا' تیسرے باب میں مرویات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ابواب کی ترتیب فقہ کے مطابق ہے۔ پہلا باب ایمان سے متعلق ہے اور آخری باب میں رجال کے احوال ہیں۔ اس کتاب میں زیادہ مکرر روایات نہیں لی گئیں مگر یہ کہ ایک حدیث مختلف ابواب یا مختلف اسانید کے ساتھ مروی ہو تو اسے مکرر ذکر کیا گیا۔ جمع شدہ روایات کی تعداد 1710 ہیں۔ جن میں احادیث کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً مرفوع' غیر مرفوع' مسند' منقطع مرسل وغیرہ۔ مرفوع احادیث نو صد سولہ ہیں اور غیر مرفوع سات سو چورانوے ہیں۔ مرفوع میں سے مسند تین سو چھپن ہیں۔ حضور ﷺ اور امام صاحب کے درمیان ایسی حدیثیں بہت کم ہیں جن میں پانچ یا چھ واسطے ہوں۔

عام روایات چار یا تین یا دو واسطوں والی ہیں چند ایک میں صرف ایک واسطہ ہے۔ غیر مرفوع میں آثار صحابہ تین سو گیارہ ہیں اور غیر صحابہ کے آثار چار سو تراسی ہیں۔ جن میں سے تین سو دس صرف ابراہیم نخعی کے ہیں۔ اور آثار عام مرفوع روایات میں منقول ہیں۔

نوٹ:۔ کتاب الآثار اور جامع المسانید دونوں کی مرویات کی تعداد امام مالک اور امام شافعی کی محفوظ کردہ مرویات سے کم نہیں۔ تفصیل یہ ہے۔

جامع المسانید	1710
مسند امام اعظم	523
کتاب الاثار	900
عقود الجواہر المنیفہ	600
کل روایات کی تعداد	3733

سترہ حفاظ حدیث کا اجمالی خاکہ جن کی مرویات کو مسند امام اعظم کے طور پر مدون کیا گیا۔

1- حافظ محمد بن مخلد دوری سنہ 331ھ
2- حافظ ابو العباس احمد ابن محمد سنہ 332ھ
3- حافظ ابو القاسم عبداللہ بن محمد سنہ 335ھ
4- حافظ ابو الحسن عمر بن الحسن سنہ 339ھ

-5 حافظ عبداللہ الحارثی سنہ 340ھ

-6 حافظ احمد بن عبداللہ بن عدی سنہ 365ھ

-7 حافظ ابو حسن بن المظفر سنہ 379ھ

-8 حافظ طلحہ بن محمد سنہ 380ھ

-9 حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم سنہ 381ھ

-10 حافظ ابن شاہین سنہ 385ھ

-11 حافظ دار قطنی سنہ 385ھ

-12 حافظ ابو نعیم سنہ 430ھ

-13 حافظ الفضل محمد بن طاہر سنہ 507ھ

-14 حافظ ابو عبداللہ حسین بن محمد سنہ 522ھ

-15 حافظ ابو بکر بن عبدالباقی الدنیا سنہ 535ھ

-16 حافظ ابو القاسم علی بن الحسن سنہ 571ھ

-17 حافظ محدث امام عیسی جعفری سنہ 1080ھ (۱۷۶)

ان حفاظ حدیث کا تفصیلی تعارف جن کی مرویات کو مسند امام اعظم کی صورت میں مدون کیا گیا

امام ابو حنیفہ کی احادیث اور روایات کو جن محدثین نے مستقل طور پر الگ تصنیفات میں مدون کیا ان میں سے اٹھارہ کا تعارف پیش خدمت ہے یاد رہے کہ ان کا اجمالی تذکرہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اور یہ مسندیں کتاب الآثار کے علاوہ ہیں۔ ان کی ترتیب تاریخ وفات کے اعتبار سے پیش کی جاتی ہے۔

-1 حافظ محمد بن مخلد بن حفص دوری بغدادی:۔

آپ سنہ 233ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی مندرجہ ذیل محدثین سے علم حدیث

حاصل کیا۔ اور یہ آپ کے اساتذہ ہیں۔

1- یعقوب دورقی

2- زبیر بن بکار

3- حسن بن عرفہ 270ھ

4- ابو حذافہ السہمی

5- مسلم بن حجاج

6- امام ابو داود

ان سے جن حضرات نے حدیث روایت کی اور ان کے شاگرد ہوئے یہ ہیں۔

1- دار قطنی

2- ابن عقدہ

3- ابن المظفر

انہوں نے امام اعظم کی مرویات کو مستقل کتابی صورت میں علیحدہ جمع کیا۔ اور اس مجموعے کا نام جمع حدیث ابی حنیفہ رکھا۔

چنانچہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

روی عنه محمد بن مخلد الدوری فی جمعه حدیث ابی حنیفة[178]

ترجمہ:- ان (محمد بن الحسن الوزاع ابو داود الجمال) سے محمد بن مخلد نے اپنے مجموعہ میں حدیث ابی حنیفہ روایت کی ہے۔

محدثین کے ہاں ان سترہ حفاظ کا درجہ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ تاریخ بغداد میں ان کا شاندار ترجمہ ہے۔ فی تاریخ بغداد له ترجمه مليحة[179]

حافظ ذہبی نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

کان معروفاً بالثقه و الصلاح و الاجتهاد فی الطلب۔

ترجمہ:- ثقاہت، صلاحیت اور تلاش جستجو کے لئے محنت میں مشہور ہوئے۔[180]

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔181

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب سنن ابو داود کے بارے میں اسی محدث کا ایک بیان یوں نقل کیا ہے۔

امام داود کی ایک لاکھ حدیثوں کا مذاکرہ کرنے کے لئے جب آپ نے کتاب السنن تصنیف کی اور اس کو لوگوں کے سامنے پڑھا تو محدثین کے لئے یہ کتاب قران کی طرح قابل اتباع ہوئی۔ اور اس دور کے تمام محدثین نے ان کو حافظ وقت مانا۔182

محدث دار قطنی لکھتے ہیں ثقہ' مامون ثقہ اور امانت دار تھے۔

تذکرہ الحفاظ کی غلطی:۔ تذکرہ الحفاظ میں ان کے والد کا نام مخلد کے بجائے احمد لکھا ہے۔ جو کہ دوسرے حوالوں سے غلط ثابت ہے۔

حافظ ابن الجوزی کی المنتظم فی تاریخ الملوک و الامم اور یاقوت الحموی کی معجم البلدان میں ان کے والد کو مخلد ہی لکھا گیا ہے۔

ان کی تاریخ وفات حافظ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں سنہ 331ھ لکھی ہے تقریباً" ستانوے سال کی عمر پا کر وفات پائی۔183

2- حافظ ابو العباس احمد بن محمد بن سعید المعروف بابن عقدہ الکوفی:۔

آپ سنہ 249ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ عقدہ ان کے والد کا لقب تھا۔

مندرجہ ذیل محدث ان کے شاگرد ہوئے۔ اور انہوں نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

1- حافظ ابو بکر الجعابی
2- حافظ عبداللہ بن عدی 3ذی ح
3- امام طبرانی
4- ابن المظفر
5- دار قطنی
6- ابن شاہین184 - 385ھ

حافظ بدر الدین محمود عینی شارح بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ

ان مسند ابی حنیفه لابن عقده یحتوی وحده علی ما یزید علی الف حدیث

ترجمہ :۔ صرف ابن عقدہ کی مسند ابی حنیفہ کی احادیث ایک ہزار سے زیادہ ہیں۔ 185

محدثین کے ہاں ان کا درجہ :۔ حافظ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

الیه المنتهی فی قوة الحفظ و کثیره الحدیث۔ 186

ترجمہ :۔ قوت حافظہ اور حدیث کی بہتات میں بس ان پر حد ہے۔

حافظ دار قطنی لکھتے ہیں کہ

کوفہ کے تمام شہری اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے سے

لے کر اب تک ابن عقدہ سے زیادہ کوئی حافظ نہیں ہوا۔

حافظ ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ ابن عقدہ اکابر حفاظ میں سے تھے۔ 187

امام ابو علی الحافظ لکھتے ہیں کہ میں نے ابو العباس ابن عقدہ سے زیادہ کوفیوں میں کوئی حافظ نہیں دیکھا۔ ان کا مقام یہ ہیکہ ان سے تابعین اور اتباع تابعین کے بارے میں پوچھا جائے۔ 188 خطیب بغدادی نے زعفرانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابن عقدہ کے زمانہ میں بغداد میں ابن صاعد نے ایک حدیث غلط سند سے بیان کی۔ ابن عقدہ نے اس پر گرفت کی۔ مشہور محدث ابن ابی حاتم نے کہا کہ ابن عقدہ کی گرفت درست ہے۔ 189 ابن عقدہ امام بخاری کی کتاب التاریخ کی بہت زیادہ تعریف کرتے تھے۔ 190 حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابن عقدہ سے پوچھا گیا کہ بخاری اور مسلم دونوں میں سے کون زیادہ حافظ ہے۔ فرمایا امام بخاری سے شامی راویوں کی نسبت میں غلطیاں ہوئی ہیں۔ اور امام مسلم کے علل میں غلطی بہت کم ہے وہ صرف مسند حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ 191

حافظ ابن عقدہ نے ذی قعدہ سنہ 332ھ میں وفات پائی۔

3- حافظ ابو القاسم عبداللہ بن محمد ابی العوام السعدی :۔

حافظ ابو القاسم حافظ الحدیث اور مشہور امام ہیں۔ یہ فن حدیث میں امام نسائی ؒ اور امام طحاوی کے شاگرد ہیں۔ مصر کے قاضی بھی رہے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے مناقب میں ایک کتاب لکھی ہے۔ مسند ابی حنیفہ بھی مناقب ابو حنیفہ

والی کتاب میں ایک جزء ہے۔ اس کا قلمی نسخہ اور عکس مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن نے دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ سے حاصل کیا ہے۔ علامہ خوارزمی نے جامع المسانید میں ان کی مسند کا تذکرہ کیا ہے اور دوسری مسانید کے ساتھ ان کی مسند کی تخریج بھی کی ہے۔

حافظ ابو القاسم ابن ابی العوام نے سنہ 335ھ میں وفات پائی۔

4- حافظ ابو الحسن عمر بن الحسن بن علی:-

حافظ ابو الحسن علم حدیث میں بڑی شہرت کے مالک تھے۔ جلیل القدر حافظ اور محدث تھے حافظ ابو علی نے جو حافظ دار قطنی اور عبداللہ الحاکم کے شیخ تھے حافظ ابو الحسن کو ثقہ کہا ہے۔ حافظ طلحہ بن محمد ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

كان من اجله اصحاب الحديث المجودين واحد الحفاظ و قد حدث حديثاً كثيراً و حمل الناس عنه قديماً و حديثاً

ترجمہ:- بڑے پائے کے جلیل القدر محدثین اور حفاظ حدیث میں سے تھے انہوں نے نہایت کثرت سے حدیثیں بیان کیں۔ اور لوگوں نے قدیماً و حدیثاً (ہر زمانے میں) ان سے روایتیں کیں۔

علامہ خوارزمی نے جامع المسانید میں حافظ ابو الحسن کی مسند کا تذکرہ کیا ہے۔ اور دوسرے مسانید کے ساتھ ان کی اس مسند کی تخریج بھی کی ہے۔

حافظ ابو الحسن نے سنہ 339ھ میں وفات پائی۔[۱۹۲]

5- حافظ عبداللہ الحارثی بخاری حنفی المعروف بعبداللہ الاستاذ

حافظ حارثی فن حدیث میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں آپ نے علم حدیث کے حصول کے لئے خراسان، عراق اور حجاز کا سفر بھی کیا۔ آپ کے اساتذہ میں امام ابو حفص مشہور ہیں۔

1- حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

قد اعتنى الحافظ ابو محمد الحارثى و كان بعد ثلاث مائه بحديث ابى حنيفه

فجمعه فی مجلده و رتبه علی شیوخ ابی حنیفه۔[193]

ترجمہ:۔ حافظ ابو محمد حارثی نے توجہ فرمائی اور سنہ 300ھ کے بعد حدیث ابی حنیفہ جمع کی اور ان کو شیوخ ابی حنیفہ پر ترتیب دیا۔

2- شاہ عبدالعزیزؒ نے بستان المحدثین میں حافظ حارثی کی مسند کا تعارف لکھا ہے وہ لکھتے ہیں اول مسند حافظ الحدیث عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی۔

3- حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں جمع مسند لابی حنیفہ۔[194]

4- شاہ ولی اللہ نے "الانتباہ" میں لکھا ہے کہ حافظ حارثی اپنے زمانے میں فقہاء اور احناف کا مرجع تھے۔

5- علامہ ذہبی لکھتے ہیں و فیہا عالم مات ماورا النهر و محدثه الامام العلامه ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری ملقب بالاستاذ جمع مسند ابی حنیفه الامام و له اثنتان و ثمانون سنه اور ماوراء النہر کے عالم محدث امام علامہ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری نے جو کہ الاستاذ کے لقب سے ملقب ہیں اور جنہوں نے ابو حنیفہ کی مسند کو جمع کیا بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔[195]

حافظ حارثی کے مندرجہ ذیل حضرات شاگرد ہوئے ہیں

1- حافظ ابن مندہ 395ھ

2- حافظ ابن عقدہ

3- حافظ ابو بکر الجعابی

محدثین کے ہاں ان کا درجہ:۔ محدث خوارزمی جامع المسانید میں حافظ الحارثی کی تعریف یوں کرتے ہیں۔ و من طالع مسنده الذی جمعه للامام ابی حنیفه علم تبحره فی علم الحدیث و احاطته بمعرفه الطرق و المتون[196] جو شخص بھی ان کی اس مسند کا مطالعہ کرے گا جس میں انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مرویات کو جمع کیا ہے۔ وہ علم حدیث میں ان کے تبحر اور طرق اسانید اور متون پر ان کی نظر کی ہمہ گیری کا قائل ہو جائے گا۔

مسند حارثی کے مختصرات و شروح:۔ نوٹ:۔ اس اختصار میں امام ابو حنیفہ سے رسول کریم ﷺ تک جو حدیث کی اسناد تھیں ان کو تو بیان کیا گیا۔ مگر حارثی سے امام ابو حنیفہ تک کی اسناد کو حذف کر دیا گیا۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اس وقت جس کتاب کا متن اور اردو ترجمہ "مسند امام اعظم" کے نام سے بازار میں موجود ہے اور جسے اور کے علاوہ "ادارہ نشریات اسلام" نے اردو بازار لاہور سے شائع کیا ہے۔ یہ درحقیقت حافظ عبداللہ الحارثی کی تالیف ہے۔ جس کا اختصار علامہ حصکفی نے کیا۔ اور علامہ عابد سندھی نے ابواب فقہ پر ترتیب دیا اور اردو ترجمہ مولانا حیدر حسن ٹونکی سنہ 1361ھ (سابق مہتمم شیخ الحدیث دار العلوم ندوہ العلماء لکھنؤ) کے بیٹے مولانا سعد حسن خان نے کیا ہے۔ اس سے پہلے اسی کتاب کا اردو ترجمہ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے بیٹے مولانا حبیب الرحمن سہارنپوری نے کیا تھا۔

6- علامہ قاضی صدرالدین موسی بن زکریا الحصکفی کی مختصر

1- علامہ حصکفی سنہ 580ھ میں پیدا ہوئے۔ قاہرہ میں اور حلب شام میں درس حدیث دیا۔ حافظ عبدالقادر قرشی ایک واسطہ سے ان کے شاگرد ہیں۔ اس مسند کا اختصار مسند ابی حنیفہ للحصکفی کے نام سے مشہور ہے۔ مسند حصکفی مسند حارثی کا خلاصہ ہے۔ جن حدیثوں کی سند حارثی بیان نہ کی ہو تو حصکفی وہ حدیثیں ابن خسرو سے لیتے ہیں۔

2- ملا علی قاری حنفی المتوفی سنہ 1014ھ نے اسی اختصار کی شرح لکھی جس کا نام مسند الانام فی شرح مسند الامام ہے۔

3- علامہ صدرالدین ابو عبداللہ محمد بن عبدالخلاطی الحنفی المتوفی سنہ 652ھ بڑے محدث تھے۔ مسلم کی شرح بھی لکھی ہے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مسند بنام مقصد المسند لکھی یہ جامع المسانید کا اختصار نہیں بلکہ مسند حارثی کا اختصار ہے۔

4- قاضی القضاۃ محمد بن احمد بن مسعود القونوی الدمشقی المعروف بابن السراج سنہ 770ھ مشہور محدث ہیں الفوائد البہیہ فی طبقات الحنفیہ میں مولانا عبدالحی لکھنؤ نے ان کا نام محمود بن احمد لکھا ہے۔ مسند حارثی کا اختصار بنام المعتمد فی احادیث المسند فقہ کے ابواب کی ترتیب پر لکھی۔ بعد میں انہوں نے خود ہی اس اختصار کا ایک اور اختصار لکھا

جس کا نام ہے المستند فی شرح المعتمد رکھا۔

5- مولانا عبدالرشید نعمانی نے اپنے پاس ایک نسخے کا ذکر کیا ہے یہ مسند ابن خسرو اور مسند حارثی کا اختصار ہے۔ یہ قلمی نسخہ ہے، اسے احمد بن ابراہیم نے سنہ 1243ھ میں لکھا ہے۔ اور اسے قاری محمد صدیق افغانی نے مصر کے کتب خانہ خدیویہ سے نقل کیا ہے۔ اس نسخہ میں پہلے ابن خسرو سے حدیثیں نقل کرتے ہیں اور بعد میں حارثی سے۔ یہ نسخہ 192 صفحات پر مشتمل ہے (-

6- حافظ قاسم بن قطلوبغا نے امام حارثی کی مسند کو ابواب پر ترتیب دیا۔

7- محمد عابد سندھی سنہ 1257ھ نے مسند حصکفی کو جو کہ خود مسند حارثی کی تلخیص ہے معجم شیوخ پر مرتب کیا۔ اور شرح لکھی۔ اور فقہی باب بنائے جس کا نام یہ رکھا گیا۔ المواہب اللطیفہ فی الحرم المکی علی مسند ابی حنیفہ للامام الحصکفی یہ شرح دو جلدوں میں ہے۔ اس کے قلمی نسخے کتب خانہ پیر جھنڈا حیدر آباد سندھ میں موجود ہیں یہ شرح متابعات و شواہد، تخریج، ایضاح مشکل، رفع مرسل، وصل منقطع، بیان بلکہ تمام موضوع موجود ہیں۔

8- مولانا محمد حسن سنبھلی سنہ 1305ھ نے اسی مسند حصکفی پر ایک شرح لکھی جو سنہ 1309ھ میں اصح المطابع لکھنؤ میں طبع ہوئی۔ ان کی یہ شرح تنسیق النظام فی شرح مسند الامام کے نام سے مشہور ہے۔ مگر ان سب شروح میں مولانا عابد سندھی کی جو شرح ہے بہت قیمتی ہے۔ حتی کہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اس شان کی کوئی شرح شروح حدیث میں فتح الباری کے بعد نہیں دیکھی گئی۔

7- ابو احمد بن عبداللہ بن عدی الجرجانی معروف بابن القطان

حافظ ابن عدی سنہ 277ھ میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث کے فن "الجرح و التعدیل" میں ان کا بڑا شہرہ تھا۔ حافظ ابن عدی کے اساتذہ میں امام نسائی اور ابو یعلی موصلی مشہور ہیں۔ ان کی کتاب الکامل فی الجرح و تعدیل بڑے پائے کی کتاب ہے۔ ابن عدی احناف کے متعلق مذہبی تعصب رکھتے تھے۔ ان کی بے انصافیوں کی شکایت پر مولانا عبدالحی لکھنوی نے اپنی کتاب الرفع والتکمیل میں تفصیلی کلام کیا ہے۔ ان کی طبیعت میں تبدیلی حافظ ابو جعفر طحاوی کی شاگردی میں آنے کے بعد واقع ہوئی ہے۔ شاید اسی کے کفارے میں انہوں نے مسند ابی حنیفہ تصنیف کی ہے۔ سنہ 19

ابن عدی کے شاگردوں میں حافظ ابن عقدہ' حافظ حمزہ السہمی زیادہ مشہور ہیں۔ عینی بن ابی بکر نے حافظ ابن عدی کی مسند کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

ذکر ابن عدی صاحب الکتاب الجرح و التعدیل فی مسند ابی حنیفه فی صدر الکتاب فی مناقب ابی حنیفه باسناد له[198]

ابن عدی نے سنہ 365ھ میں وفات پائی۔

8- حافظ ابو حسین محمد ابن المظفر البغدادی

حافظ ابو الحسین سنہ 286ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ سنہ 300ھ میں جب آپ کی عمر مبارک چودہ سال ہوئی حدیث کا سماع شروع کیا۔

ان کے اساتذہ میں امام محمد بن جریر طبری بہت مشہور ہیں۔ ان کے تلامذہ میں مندرجہ ذیل حضرات کا شمار ہوتا ہے۔

1- امام دار قطنی
2- امام ابن شاہین
3- امام برقانی
4- ابو نعیم اصفہانی
5- حافظ مالینی
6- حافظ ابو جعفر طحاوی۔[199]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کی تصانیف میں مسند ابی حنیفہ کا ذکر کیا ہے۔[200]

محدثین کے ہاں ان کا درجہ: حافظ ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جمع و الف عن مطابق هذا الفن لم يختلف۔[201]

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ

قاضی محمد بن عمر کا بیان ہے کہ حافظ دار قطنی حافظ ابن المظفر کی موجودگی میں سہارے سے نہ بیٹھتے تھے۔202

ابن ابی الفوارس لکھتے ہیں۔

انتہی الیہ الحدیث و حفظہ و علمہ الحدیث

ترجمہ:- حدیث کا علم' حدیث کا حفظ ان پر ختم ہے۔203

حافظ ابن ابی الفوارس ہی سے منقول ہے کہ ایک بار ان سے ایک روایت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا میرے پاس یہ روایت نہیں سائل نے عرض کیا۔ دیکھ لیجئے۔ جواب دیا کہ اگر ہوتی تو مجھے یاد ہوتی۔ میرے پاس صرف ایک لاکھ حدیث ہے۔ جس میں یہ سلسلہ سند نہیں۔204

علامہ خوارزمی لکھتے ہیں کہ اس مسند کی مجھے ان حفاظ سے اجازت ملی۔

1- محی الدین ابو محمد یوسف بن عبدالرحمن الجوزی

2- ابو المظفر یوسف بن علی بن حسین

3- علی بن معالی

4- عبداللطیف

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمہ الاربعہ کے مقدمہ میں یہ لکھا ہے کہ

حافظ محمد بن المظفر نے جو مسند ابی حنیفہ لکھی ہے وہ حافظ ابو بکر بن المقری کی مسند ابی حنیفہ کے برابر ہے۔ جس میں صرف امام ابو حنیفہ کی مرفوع حدیثیں درج ہیں۔ اور یہ مسند امام حارثی کی مسند ابی حنیفہ سے چھوٹی ہے۔

حافظ ابن المظفر کی سنہ 379ھ میں وفات ہوئی۔

9- حافظ طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد ابو جعفر

حافظ طلحہ بن محمد کی کنیت ابو القاسم بھی ہے۔ سنہ 291ھ میں پیدا ہوئے مشہور محدث ہیں۔

خطیب بغدادی نے ان کے حالات اپنی تاریخ میں قلم بند کئے ہیں۔ ان کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔

محدثین کے ہاں ان کا درجہ:۔

1- حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ مشہور فی زمن الدار قطنی صحیح السماع (۲) وہ دار قطنی کے زمانے کے مشہور اور کامل سماع رکھنے والے محدث تھے۔

2- علامہ خوارزمی مشہور محدث تھے لکھتے ہیں۔ کان مقدم لعدول و الثقات الاثبات ان کی مسند حروف معجم پر مرتب ہے۔

3- حافظ تقی الدین سبکی اپنی کتاب شفاء السقام فی زیارہ خیر الانام میں حافظ طلحہ کی مسند سے ایک حدیث ان الفاظ میں لائے ہیں۔

و فی مسند الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ علیہ تصنیف ابی القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد العدل حدثنی[205]

چونکہ ان کا زمانہ دار قطنی کا زمانہ ہے۔ اور زمانہ دار قطنی از سنہ 306ھ تا سنہ 380ھ ہے۔ ابن الفوارس اور جامع المسانید میں ان کی تاریخ وفات سنہ 380ھ ہے۔ جب کہ لسان المیزان میں تاریخ وفات کی غلطی ہے۔

19 حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن علی الخازن معروف باب المقری الاصفہانی

محمد ابن ابراہیم نام اور ابو بکر کنیت تھی۔ آپ کی تاریخ پیدائش کا علم نہیں بڑے مشہور مصنف اور اکابر حفاظ میں سے تھے۔

حافظ ذہبی نے ان کے تلامذہ کے اسماء گرامی یوں لکھے ہیں۔

1- ابو الشیخ اصفہانی
2- ابو بکر بن مردویہ
3- حمزہ السہمی
4- ابو نعیم الاصفہانی

نوٹ:۔ حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم کے اساتذہ میں امام طحاوی کا اسم گرامی مشہور ہے۔ اور یہ شرح معانی الآثار میں امام طحاوی سے روایت کرتے ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ قد صنف مسند ابو حنیفه انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مسند تصنیف کی ہے۔[206] حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان کی مسند کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

وکذالک مخرج المفروع منه الحافظ ابو بکر بن المقری۔[207]

محدثین کے ہاں ان کا درجہ:۔ تذکرۃ الحفاظ میں محدث اصفہان الامام الرجال الحافظ الثقہ کے القاب سے ان کا ترجمہ شروع ہوا ہے۔

ابو نعیم اصفہانی کے الفاظ ان کے بارے میں کچھ اس طرح ہیں۔

محدث کبیر صاحب مسانید سمع مالا یحصی کثیرہ

ترجمہ:۔ بڑے محدث ہیں اور مسند حدیثوں کے عالم ہیں اور اتنی کثرت سے حدیثوں کا سماع کیا ہے کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا۔[208]

ابن المقری کے بارے میں علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ "یہ وہ محدث ہیں جنہوں نے حدیث کے علم کے لئے چار مرتبہ مشرق سے لے کر مغرب تک کا سفر کیا اور یہ شہر گنوائے ہیں۔ اصفہان' خراسان' عسقلان' کوفہ' تستر' مکہ المکرمہ' قدس' دمشق' صیداء' بیروت' عکا' رملہ' واسط' حمص اور مصر۔[209]

یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ ان کی مسند میں کتنی احادیث مبارکہ تھیں۔ البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان کی مسند' مسند حارثی سے کم حدیثوں والی تھی۔

حافظ سخاوی اپنی کتاب الاعلان بالتوبیخ میں لکھتے ہیں کہ حافظ زین الدین قاسم ابن قطلوبغا نے حافظ ابن المقری کی مسند کے رجال پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔[210]

حافظ قاسم نے اس مسند کی احادیث کو ابواب فقہ پر مرتب کیا۔ ابن المقری نے شوال سنہ 381ھ میں چھیانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔

11 حافظ ابن شاہین ابو حفص عمر بن احمد البغداد المعروف بابن شاہین

حافظ ابن شاہین سنہ 297ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے تین سو کتابیں لکھی ہیں حافظ ذہبی ان

کا تذکرہ لکھتے ہیں۔

ابن شاہین الحافظ المفید المکثر محدث العراق صاحب التصانیف

محدث کوثری نے تانیب الخطیب میں ان کی مسند کا ذکر کیا ہے[211]

مسند دار قطنی اور مسند ابن شاہین دونوں کتب خانہ ظاہریہ ، دمشق میں موجود ہیں جس جزء میں کتابیں ہیں اس کا نام ہے۔

تسمیہ ماورد بہ الخطیب دمشق للمالکی۔ فہرست جدید 309 قسم الفہارس[212]

اس فہرست میں ان کتب کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب تھیں جو تاریخ اور حدیث کے موضوع پر لکھی ہوئی تھیں۔ حافظ ابن شاہین نے سنہ 385ھ میں وفات پائی۔

12 - حافظ دار قطنی ابو الحسن علی بن عمر احمد بن المهدی البغدادی

حافظ دار قطنی مشہور محدث ہیں۔ ان کی کتاب سنن دار قطنی طبع ہو چکی ہے۔

حافظ دار قطنی سنہ 306ھ میں پیدا ہوئے۔ دار قطنی نے امام ابو حنیفہ کی جو مسند لکھی ہے[213] ، اس کا نسخہ خطیب بغدادی کے پاس موجود تھا۔ یہ نسخہ کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں موجود تھا۔ حوالہ اس کا یوں ہے۔

تسمیہ ما ورد بہ الخطیب دمشق للمالکی فہرست جدید ص 309 (قسم الفہارس)[214]

حافظ دار قطنی نے سنہ 385ھ میں وفات پائی۔

13 - حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق المہرانی الصوفی الاصفہانی

حافظ ابو نعیم سنہ 326ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے۔

ان کے اساتذہ میں واسط' نیشا پور' شام اور بغداد کے محدثین کرام کے نام آتے ہیں۔ بلکہ حافظ ذہبی تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ اجازلہ مشائخ الدنیا۔ دنیا کے سارے اساتذہ نے ان کو اجازت دی ہے (ان کے تلامذہ میں سے چند ایک کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

خطیب بغدادی

ابو صالح الموذن

ابو علی الوحشی

ابو الفضل احمد حداد اور ان کے بھائی

ابو علی الحسن الحداد المقری

حافظ ابو نعیم کے مسند ابی حنیفہ کا تذکرہ علامہ زاہد الکوثری مصری نے تقدمہ میں کیا ہے۔

محدثین کے ہاں ان کا درجہ:۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔

له من لقى الكبار مالم يقع الا الحافظ نعيم

ترجمہ:۔ بڑے بڑے لوگوں سے جس قدر ان کی ملاقات ہوئی اور کسی حافظ حدیث کو نہ ہو سکی۔

اور حافظ ذہبی ان کو حافظ کبیر اور محدث عصر کا لقب بھی دیتے ہیں۔ سکہ ۱۲

حافظ ابو نعیم اصفہانی کی کتاب حلیہ الاولیاء بڑی مشہور ہے۔ علامہ خوارزمی نے جامع المسانید میں ان کے اس مسند کو جو انہوں نے مسند ابی حنیفہ کے نام سے تالیف کی' ذکر کیا ہے۔ حافظ ابو علی الحسن المقری اور ان کے بھائی حافظ ابو الفضل احمد حداد کی وساطت سے روایت کیا ہے۔ حافظ صاحب کی اس مسند کا عکس مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن انڈیا نے حاصل کر لیا ہے۔

مولانا ابو الوفا الافغانی اس مسند کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ حافظ ابو نعیم نے چھوٹی سی مسند امام صاحب کی لکھی ہے۔ مگر بہت عمدہ بڑی تحقیق کی ہے۔ متابعات ذکر کیے۔ تفرد کو بتایا۔ رواہ کے اوہام کو بھی بتایا۔ مگر کتاب کا صرف ایک ہی نسخہ ہے۔ تروک از سہو اور اغلاط کتابت اس میں ہیں۔ کہیں کہیں بیاضات بھی ہیں۔ سکہ ۱۲

حافظ ابو نعیم نے محرم سنہ 430ھ میں وفات پائی۔

۱۴/۔ ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی القدسی معروف بابن القیسرانی

حافظ ابن القیسرانی سنہ 448ھ میں پیدا ہوئے۔ بہت بڑے محدث تھے حافظ ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں محمد بن طاہر بن علی الحافظ العالم المکثر الجوال[217] حافظ ابن شیرویہ اپنی کتاب تاریخ ہمدان میں حافظ ابن مندہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کان ثقہ حافظاً عالماً بالصحیح و السقیم حسن المعرفہ بالرجال و المنون کثیر التصانیف۔[218] ان کے بارے میں ابن الجوزی نے المنتظم میں تنقید کی اور سمعانی نے کتاب الانساب میں اس تنقید کا جواب لکھا۔ ابن کثیر نے البدایہ والنھایہ میں' ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں اور ابن الحجر نے لسان المیزان میں ان کے تراجم لکھے ہیں۔

حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ اسماعیل تیمی کا حافظ القیسرانی کے بارے میں تاثر یہ تھا کہ میں نے سب سے بڑا حافظ ابن طاہر کو پایا ہے۔[219] حافظ یحییٰ ابن مندہ رقم طراز ہیں کہ حفاظ میں یگانہ تھے' اچھے کردار والے' راست گو' صحیح اور غلط سے واقف اور صاحب تصانیف عالم تھے (اصل عربی عبارت اوپر گزری ہے)۔[220]

محدثین میں اطراف پر کتابیں لکھنے کا رواج تھا اطراف یہ ہے کہ متن حدیث کے ابتدائی حصے یا ٹکڑے کو لکھ کر ساری سندیں ایک جگہ جمع کر دیں۔ جیسے کہ محدثین نے دیگر کتابوں کے اطراف لکھے ہیں۔ مثلاً اطراف صحیحین حافظ ابو مسعود اور حافظ ابو محمد خلف بن محمد۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ۔

ایسے ہی امام ابو حنیفہ کی روایات پر حافظ ابن القیسرانی نے اطراف لکھے ہیں۔ یعنی امام اعظم کی مختلف مسانید سے ان کی حدیثوں کو لے کر ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ کتاب کا نام ہے "اطراف احادیث ابو حنیفہ من المسانید" چنانچہ کتاب الجمع بین الرجال الصحیحین جو حافظ قیسرانی کی تصنیف ہے۔ اور حیدر آباد دکن ہندوستان سے طبع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے آخر میں اطراف احادیث ابی حنیفہ کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔ اور وہ اطراف اس کتاب میں موجود ہیں۔[221]

اطراف کی تعریف پہلے گزر چکی ہے۔ علامہ ابو جعفر الکتانی اپنی کتاب الرسالہ مستطرفہ میں اطراف کی یوں تعریف کرتے ہیں۔ "ھی التی یقتصر فیھا علی ذکر طرف الحدیث الدال علی بقیتہ مع الجمیع لاسانیدہ"[222] حافظ القیسرانی نے ربیع الاول سنہ 507ھ میں وفات پائی۔

15 - حافظ ابو عبداللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی نزیل بغداد

حافظ ابن خسرو حسین سنہ 442ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ حافظ سمعانی نے جو تاریخ بغداد کا حاشیہ لکھا ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ امام موصوف بغدادی تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں ان کے اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔ آپ کے شاگردوں میں حافظ ابن عساکر مشہور ہیں۔ حافظ عسقلانی مزید لکھتے ہیں۔

و بالغ فی الطلب حتی سمع من طبقة دون هولاء و کتب الکثیر من الکتب لنفسه و بغیره و کان مفیداً للغرباء و جمع مسند ابی حنیفه

ترجمہ:۔ طلب و تلاش میں بڑی محنت کی تا آنکہ ان سے کمتر طبقہ سے روایت کیا اور بہت سی کتابیں اپنی اور دوسروں کی لکھیں جو غربا کے لئے مفید تھیں اور مسند ابی حنیفہ جمع کیا۔222

محدثین کے ہاں ان کا درجہ:۔ حافظ عبدالقادر قرشی نے ان کے بارے میں ابن النجار کے یہ الفاظ لکھے ہیں کہ بغداد میں اہل عراق کے فقیہ تھے۔223

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں و فی کتابه زیادات علی مافی کتاب الحارثی و ابن المقری اور ان کی کتاب میں حارثی اور ابن المقری کی کتابوں کے مقابلے میں زیادہ حدیثیں ہیں۔224

حافظ شمس الدین ابو المحاسن محمد بن علی حسینی نے بخاری، مسلم، ابو داود، ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی اور موطا امام مالک۔ مسند امام شافعی مسند امام احمد بن حنبل مسند ابی حنیفہ کے رجال پر کتاب لکھی ہے۔ کتاب کا نام تذکرہ برجال العشرہ ہے۔ مسند ابی حنیفہ کے جس مسند کے رجال حافظ شمس الدین نے بیان کئے ہیں۔ وہ مسند حافظ خسرو بلخی کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اما الذی اعتمده الحسینی علی تخریج رجاله فهو مسند ابن خسرو جس مسند پر تخریج رجال کا کام ہوا وہ مسند ابن خسرو ہے۔ حافظ خسرو نے سنہ 522ھ میں وفات پائی۔225

15۔ حافظ ابو بکر بن عبدالباقی بن محمد م الانصاری الحلبی البراز معروف بقاضی المرستان

حافظ ابو بکر کا ذکر طبقات الحنابلہ میں موجود ہے۔ ان کے اساتذہ میں سے ابو معشر عبدالکریم بن الصمد المقری

الشافعی کا نام ہے۔ چنانچہ الکتانی لکھتے ہیں۔

جزء لاسناد ابی معشر عبدالکریم بن عبدالصمد المقری الشافعی صاحب التصانیف المجاور بمکہ المکرمہ المتوفی سنہ 478ھ ذکر مارواہ ابو حنیفہ من الصحابہ۔ [226]

مسند خوارزمی نے جامع المسانید میں لکھا ہے۔ هو جمع مسند لابی حنیفه [٭] اگرچہ حافظ عسقلانی نے لسان المیزان میں حافظ بن خسرو کے ترجمہ کا انکار کیا ہے۔ لیکن ان کے شاگرد علامہ سخاوی نے ان کی مسند کی سند یوں بیان کی ہے۔

عن التد مری عن المیلونی عن النجیب عن ابن الجوزی عن جامع المسند قاضی المرستان۔۔ [227]

حافظ عبدالقادر قرشی نے جواہر المضیہ میں نصر بن سیار کے تذکرے میں حافظ سمعانی سے نقل کیا ہے کتاب الاحادیث التی رواها ابو حنیفہ جمع عبداللہ بن مخدوم الانصاری بجمعہ القاضی صاعد بروایہ عنہ۔ [228]

ان کی تاریخ ولادت سنہ 442ھ اور رجب سنہ 535ھ میں چورانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔

7-1 ثقتہ الدین ابو القاسم علی بن الحسن بن ھبتہ اللہ الدمشقی الشافعی معروف بابن عساکر

حافظ ابن عساکر سنہ 499ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ نامور محدث اور مورخ ہیں۔ حافظ ذہبی ان کو محدث کبیر محدث الشام اور فخر الائمہ کے لقب سے نوازتے ہیں۔ حصول علم کے لئے مندرجہ ذیل شہروں کا سفر کیا۔

عراق' مکہ المکرمہ' مدینہ المنورہ' کوفہ' دمشق' خراسان' آذربائی جان' نیشا پور' سرخس' طوس' مرو' اصفہان' ہمدان' بسطام' دامغان' سمنان' رے اور زنجان۔ ان کے اساتذہ تیرہ سو ہیں جن میں سے اسی خواتین ہیں [٭]۔ ان کی تصانیف میں تاریخ دمشق اشرات اور المعجم مشہور ہیں۔ ڈاکٹر کرد علی نے تاریخ دمشق کے مقدمہ میں بھی امام اعظم کی اس مسند کا ذکر کیا ہے جو ابن عساکر نے جمع کی ہے۔۔

اس کے علاوہ علامہ زاہد الکوثری نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں بھی اس مسند کا ذکر کیا ہے۔ کتاب کا نام ہے
تبیین کذب المفتری فیما نسب الامام الاشعری لابن عساکر ۲۲۹
گیارہ رجب المرجب سنہ 571ھ میں ابن عساکر نے وفات پائی۔

18 - حافظ محدث امام عیسیٰ جعفری مغربی

محدث امام عیسیٰ بڑے درجے کے محدث تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی انسان العین میں لکھتے ہیں۔
وے استاد جمہور اہل حرمین است
حافظ امام عیسیٰ نے مقالید الاسانید نام سے ایک معجم تیار کیا اور ساتھ ہی امام اعظم کی ایک مسند بھی تالیف کی۔ 23۰
شاہ ولی اللہ دہلوی مزید لکھتے ہیں۔
مسند برائے امام ابو حنیفہ تالیف کردہ در آں جا معنعنہ ذکر کردہ در حدیث۔
انہوں نے امام ابو حنیفہ کی ایسی مسند تالیف کی ہے۔ جس میں اپنے سے لے کر اماصاحب تک معنعنہ ذکر کیا ہے
ا۔ حافظ محدث امام عیسیٰ جعفری مغربی نے سنہ 1080ھ میں وفات پائی۔

مسند ابی حنیفہ کے متعلق محدثین کے تاثرات

1- محدث محمد ابن جعفر الکتانی صحاح ستہ مسند ابو حنیفہ، مسند احمد، مسند شافعی اور موطا امام مالک کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔ فھذہ کتب الائمہ الاربعہ و باضافتھا الی الستہ الاولی تکمل الکتب العشرہ التی ھی اصول الاسلام و علیھا مدار الدین☆ یہ ائمہ اربعہ کی کتابیں ہیں۔ اور ان کو پہلے کی چھ کتابوں کے ساتھ ملانے سے دس پوری ہو جاتی ہیں۔ جو کہ اسلام کی بنیادی کتابیں ہیں۔ 23۱

2- حافظ ابو عبداللہ دمشقی "التذکرہ برجال العشرہ" کے مقدمہ میں (جو مذکورہ بالا دس کتابوں کے حالات پر ایک مبسوط کتاب ہے اور جس سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمہ الاربعہ مرتب کی ہے اور جو

ائمہ اربعہ مشہورہ کے رجال کے حالات میں تصنیف ہے) لکھتے ہیں۔

مسند الشافعی موضوع لادلته علی ما صح عنده من مرویاته و کذالک مسند ابی حنیفه

ترجمہ:۔ مسند امام شافعی ان دلائل پر مشتمل ہے جو امام کی مرویات میں ان کے ہاں صحیح ہیں۔ اور یہی حال مسند امام ابو حنیفہ کا ہے۔

3- علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی لکھتے ہیں۔

مجھ پر اللہ تعالٰی نے مہربانی کی ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ کی تین مسانید کا صحیح نسخوں سے مطالعہ کرنے کی توفیق ملی۔ ان نسخوں پر حفاظ حدیث کی قلمی تحریریں تھیں۔ جن میں آخری آدمی حافظ دمیاطی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ امام صاحب صرف ان تابعین سے روایت کرتے ہیں۔ جو اپنے وقت کے برگزیدہ ترین، عادل اور ثقہ حضرات تھے۔ جو حدیث نبوی ﷺ کی تصریح کے مطابق خیرون القرون کے لوگ تھے۔ جیسے اسود، علقمہ، عطاء، مجاہد، مکحول اور حسن بصری شامل ہیں۔ تمام وہ راوی جو امام ابو حنیفہ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ہیں سب عادل، ثقہ، نیک نام اور برگزیدہ ہیں۔ ان میں کوئی ایسا شخص نہیں جو کذاب ہو، اور فرمایا میرے بھائی ان کی عدالت کے لئے تم کو یہ کافی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے باوجود شدت ورع و احتیاط کے ان حضرات کو اس غرض کے لئے منتخب فرمایا۔ کہ ان سے اپنے دینی احکام کو حاصل کریں۔

مزید لکھتے ہیں۔

کل حدیث وجدناه فی مسانید الامام الثلاثه فهو صحیح

ترجمہ:۔ ہر وہ حدیث جو امام صاحب کی تینوں مسانید میں پائی جائے وہ صحیح ہے۔232

امام ابو حنیفہ کی مرویات کے دیگر ماخذ

1- مصنفات ابن مبارک

2- مسند وکیع بن جراح

3- مصنف عبدالرزاق

4- مصنف ابن ابی شیبہ

5- مستدرک حاکم۔ جلد دوم میں ایک روایت اور جلد سوم میں بھی ایک روایت موجود ہے

6- صحیح ابن حبان

7- ثقات ابن حبان

8- سنن بیہقی

9- معاجم طبرانی

10- سنن دار قطنی۔ 33 جگہ امام صاحب کے طرق سے احادیث روایت کی ہیں۔ حالانکہ ان کو امام صاحب سے تعصب بھی تھا۔

اصحاب ستہ میں سے مندرجہ ذیل کتب قابل ذکر ہیں۔

11- کتاب العلل امام ترمذی۔[233]

12- نسائی میں بھی امام صاحب کی روایت موجود ہیں۔[234]

نوٹ:۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں امام صاحب کے ترجمہ میں ترمذی اور نسائی کی علامت لگائی ہے۔ ترمذی اور نسائی دونوں نے امام صاحب کی روایات کی تخریج بھی کی ہے۔ صاحب مجمع البحار نے بھی ترمذی اور نسائی کا حوالہ دیا ہے۔ صاحب خلاصہ نے امام صاحب کے ترجمہ میں شمائل ترمذی' نسائی اور جزء البخاری۔[235] کی علامت لگائی ہے۔ تہذیب التہذیب نے ان روایات کو ذکر بھی کیا ہے۔

13- مسند ابی داود الطیالسی میں امام صاحب کی ایک روایت موجود ہے۔

باب ہشتم

1۔ حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 98' طبع سوم مکتبہ حسن سنبھلی لیمٹڈ لاہور 1956ء

2۔ علوم الحدیث عبیداللہ۔ ص 364' مجلس نشریات اسلام کراچی 1990

3۔ علامہ ابوالوفا افغانی' صدر مجلس احیاء المعارف نعمانیہ۔ حیدر آباد۔ دکن ہندوستان 1961

4۔ تبییض الصحیفہ لمناقب ابی حنیفہ جلال الدین سیوطی۔ 911ھ' ص 36' طبع دوم ادارہ نشرالقران کراچی 1981

5۔ قلائد الازھار مفتی مھدی حسن۔ ص 2' مکتبہ نعمانیہ دیوبند۔ 1971ء

6۔ کتاب الام امام شافعی۔ ج 3' دارالصحیفہ۔ مصر 1942ء

7۔ مرقات شرح مشکوۃ۔ ملا علی قاری۔ ص 341' طبع مصر۔

8۔ تبییض الصحیفہ لمناقب ابی حنیفہ جلال الدین سیوطی۔ ص 36' طبع دوم قاہرہ۔ 1970ء

9۔ مناقب ابو حنیفہ ذہبی۔ ص 11' طبع اول قاہرہ۔ 1955ء

10۔ تنقیح الانظار زین الدین عراقی۔ ص 298' ج 2' طبع دوم۔ قاہرہ' 1988ء

11۔ خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 28' دارالکتب العربیہ۔ مصر' 1976ء

12۔ تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی۔ ص 181' طبع مجتبائی دہلی۔ 1944ء

13۔ الفہرست لابن ندیم ابو الفرج محمد بن اسحاق بن ندیم۔ ص 199' طبع دوم۔ مصر 1955ء

14۔ اشارات المرام فی علم الکلام علامہ بیاضی۔ ص 21' طبع سوم قاہرہ 1941ء

15۔ حاشیہ بلوغ الامانی زاہد محمد حسن الکوثری۔ ص 18' طبع مصر' 1972

16۔ اشارات المرام فی علم الکلام علامہ بیاضی۔ ص 22' ج 2' طبع سوم قاہرہ 1941ء

17۔ ابو مطیع بلخی کی روایت کو الفقہ الابسط بھی کہتے ہیں۔ اور فقہ اوسط یعنی با کی جگہ واو کے ساتھ بھی لکھا گیا ہے۔ (مقالہ نگار)

18۔ الفوائد البھیہ فی تراجم الحنفیہ عبدالحی لکھنوی۔ ص 32' ادارہ نشرالقرآن کراچی' 1965ء

19۔ سیرت النعمان شبلی نعمانی۔ ص 118' 113 پنجاب پریس لاہور۔ 1975ء

20۔ حیات ابو حنیفہ۔ (اردو ترجمہ) غلام احمد حریری۔ ص 35' اسلامی کتب خانہ فیصل آباد۔ 1990ء

21۔ الجواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 461' ج 2' دارالنصف۔ قاہرہ۔ 1971ء

22۔ المناقب البرازی۔ ص 108' ج 2' دار الکتب العربیہ۔ قاہرہ۔ 1985ء

23۔ سیرت النعمان شبلی نعمان۔ ص 118' 113 پنجاب پریس لاہور۔ 1975ء

24۔ ایضاً"

25۔ اشارات الرام فی علم الکلام علامہ بیاضی۔ ص 22' ج 2' طبع سوم قاہرہ۔ 1941

26۔ مقالہ نگار

27۔ سیرت النعمان شبلی نعمانی۔ ص 82' 113 پنجاب پریس لاہور۔ طبع سوم 1977

28۔ فہرست لابن ندیم۔ ص 288' طبع مصر' 1976ء

29۔ مفتاح السعادہ و مصباح السیادہ طاش کبریٰ زادہ۔ ص 29' ج 2 دائرہ المعارف حیدر آباد دکن' 1942ء

30۔ سیرت النعمان شبلی نعمانی حصہ دوم۔ ص 60' 113 پنجاب پریس لاہور۔ طبع سوم 1977

31۔ ایضاً"۔ ص 117

32۔ اصول الدین عبدالقاہر بغدادی۔ ص 308' قاہرہ مصر' 1956ء

33۔ التبصیر ابو المظفر اسفرائینی بحوالہ مرقات ملا علی قاری۔ ص 25' طبع مصر' 1981

34۔ الفہرست لابن ندیم۔ ص 255' طبع مصر' قاہرہ 1951

35۔ الاعتصام ابراہیم میر سیالکوٹی۔ ص 2' ماہنامہ 9 فروری 1962

36۔ حدائق الحنیفہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 96' طبع سوم مکتبہ حسن سنبھل لاہور' 1956ء

37۔ مناقب ابی حنیفہ حافظ الدین محمد بن محمد کردری۔ حیدر آباد' دکن' 1946ء

38۔ امام محی الدین بن محمد کی تاریخ وفات شبلی نعمانی نے سیرت النعمان میں 935ھ لکھی ہے۔ دیکھئے سیرت النعمان'
113 پنجاب پریس لاہور 1985

39۔ مہرانور۔ مولانا وکیل احمد بلند شہری۔ ص 10' طبع دوم لکھنؤ 1950

40۔ ایضاً"۔ ص 18

41۔ ایضاً"۔ ص 20

42۔ امام محمد اور ابو یوسف مراد ہیں۔

43۔ تانیب الخطیب علامہ محمد زاہد بن حسن بدخشانی الکوثری۔ ص 207' طبع سوم قاہرہ 1977

44. توضیح الافکار۔ علامہ یمانی۔ ص 8 طبع مصر 1975

45. تنقیح الانظار محمد بن ابراہیم الوزیر۔ ص 298' ج 2' طبع مصر' 1950ء

46. تعلیقات علی توضیح الافکار' علامہ محی الدین عبدالحمید۔ ص 295' ج 2' طبع مصر' 1954ء

47. مقدمہ ابن صلاح حافظ ابن صلاح۔ ص 87' طبع مصر' 1947ء

48. منیۃ الالمعی حافظ قاسم بن قطلوبغا۔ ص 8' طبع سوم مصر' 1960ء

49. اخبار ابی حنیفہ ابو العباس محمد بن عبداللہ حسین بن علی الصیمری 404' ص 13' طبع شجاع آباد ملتان' 1980ء

50. تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک۔ حافظ ابن عبدالبر۔ ص 4' طبع بیروت 1977

51. تبییض الصحیفہ جلال الدین سیوطی۔ ص 36' ادارہ نشر القرآن کراچی 1980

52. ابو حنیفہ' ابو زہرہ مصری۔ ص 200' اردو ترجمہ غلام احمد حریری۔ فیصل آباد 1971

53. الحطہ لاصحاب الستہ نواب صدیق حسن خان۔ ص 87' طبع اول قاہرہ' 1956ء

54. مناقب موفق 568ھ 18' ج 2' طبع دوم قاہرہ مصر

55. عقود الجواہر المنیفہ فی مناقب ابی حنیفہ' سید مرتضیٰ زبیدی 1205ھ' ص 18' ج 1' حیدر آباد' دکن' 1962ء

56. مناقب موفق۔ ص 197' ج 1' قاہرہ 1945

57. جامع المسانید ابو بکر احمد بن محمد البرکاتی خورزی۔ ص 308' ج 2 حیدر آباد' دکن' 1962ء

58. تاریخ بغداد خطیب بغدادیؒ بحوالہ تہذیب التہذیب۔ ص 208' دار العلم' بیروت 1957ء

59. مناقب الموفق۔ ص 190' ج 2' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

60. تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 35' ج 13' قاہرہ۔ سن طباعت درج نہیں

61. مناقب الموفق۔ ص 190' ج 2' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

62. ایضاً۔ ص 191

63. ایضاً۔ 198

64. مناقب الموفق۔ ص 40' ج 1' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

65. مناقب محمد بن محمد کردری۔ ص 231' ج 2' حیدر آباد' دکن' 1946ء

66. جامع بیان العلم حافظ ابن عبدالبر۔ ص 149' ج 2' طبع دوم۔ مصر' 1965ء

66۔ ایضاً۔ ص 151

67۔ الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثہ حافظ ابن عبدالبر۔ ص 130' قاہرہ 1977

68۔ مناقب ذہبی۔ ص 11' قاہرہ 1977

69۔ اعلام الموقعین حافظ ابن قیم۔ ص 8' ج 2' دار النہضہ قاہرہ 1945

70۔ ایضاً۔ ص 9

71۔ ایضاً۔ ص 10

72۔ ایضاً۔ ص 11

73۔ مصفی شاہ ولی اللہ۔ ص 13' ج 1 بمبئی 1931

74۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین شاہ ولی اللہ۔ ص 185 بمبئی 1931

75۔ مناقب عبدالعزیز دراوردی لکھنؤ 1941

76۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 342' ج 13 بیروت 1961

77۔ مناقب الموفق۔ ص 48' ج 2' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

78۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 344' ج 13' دار العلم' بیروت 1957ء

79۔ وفیات الاعیان ابن خلکان طبع دوم مصر 1947

80۔ مقدمہ فتح الباری۔ ص 5' طبع مصر

81۔ صحیح مسلم۔ مسلم بن حجاج۔ ص 55' طبع مصر

82۔ مناقب ملا علی قاری۔ ص 179 طبع مصر

83۔ ایضاً۔ ص 190

84۔ عجالہ نافعہ شاہ عبدالعزیز۔ ص 5 طبع آگرہ 1941

85۔ تعجیل المنفعہ حافظ ابن حجر عسقلانی۔ ص 4' طبع اول دارالکتب العربیہ مصر' 1978ء

86۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 54' طبع قاہرہ' 1948ء

87۔ مناقب موفق احمد مکی۔ ص 95' ج 1 دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

88۔ مناقب ملا علی قاری بذیل الجواہر۔ ص 474' ج 2 قاہرہ مصر' 1952ء

90. تعجیل المنفعہ برجال الائمہ الاربعہ۔ ص 4 قاہرہ مصر' 1968ء
91. الجواہر المفیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 325' ج 2 بیروت' 1977ء
92. ایضاً"۔ ص 306
93. اعلام الموقعین عن رب العالمین ابن الجوزی۔ ص 120' ج 2 قاہرہ' 1986ء
94. مقدمہ کتاب الآثار عبدالرشید نعمانی۔ ص 14' آرام باغ کراچی 1985
95. مناقب صدر الائمہ موفق احمد کی۔ ص 68' ج 2 دارالکتب العربیہ مصر' 1951ء
96. قلائد الازھار شرح آثار مفتی مہدی حسن۔ ص 2 سہارن پور 1971
97. مناقب موفق احمد کی۔ ص 96' ج 1' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء
98. لسان المیزان ابن حجر عسقلانی دارالکتب العربیہ مصر' 1943ء
99. جامع المسانید خوارزمی۔ ص 73' ج 1 طبع مصرحیدر آباد' دکن' 1962ء
100. الفوائد البھیہ فی تراجم الحنفیہ عبدالحی لکھنوی۔ ص 72 لکھنؤ 1954
101. اعلام الموقعین عن رب العالمین حافظ ابن القیم۔ ص 43' ج 1 طبع اشرف المطابع دہلی' 1948ء
102. معرفت علوم الحدیث ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری۔ ص 164' طبع دارالکتب العربیہ' 1976ء
103. کتاب الانساب حافظ ابو سعد سمعانی۔ طبع ہالینڈ 1948
104. الجواہر المفیہ فی طبقات الحنفیہ حافظ عبدالقادر قرشی۔ ص 62' ج 1 (تحت تذکرۃ احمد بن بکر)
105. امام ابن ماجہ اور علم حدیث عبدالرشید نعمانی۔ ص 173 آرام باغ کراچی' 1985ء
106. معجم صغیر طبرانی۔ ص 34' طبع انصاری دہلی' 1973ء
107. اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست ٹونک حیدر آباد دکن میں موجود ہے۔
108. ابو حنیفہ محمد ابو زہرہ مصری ص 118' طبع قاہرہ مصر' 1956ء
109. ایضاً"۔ ص 118
110. مناقب ابن الجوزی۔ ص 22' طبع دوم دارالکتب العربیہ قاہرہ' 1943ء
111. مناقب الذہبی۔ ص 4 حیدر آباد' دکن' 1962ء
112. مناقب الجوزی۔ ص 33 دارالکتب العربیہ قاہرہ 1943ء

113۔ عیون الاثر علامہ سمعانی۔ ص 20' ج 2' دار العلم' بیروت 1957ء

114۔ التعلیق الممجد علی موطا امام محمد عبدالحی لکھنوی۔ ص 22' طبع لکھنؤ' 1957

115۔ مقدمہ تعجیل المنفعہ برجال ائمہ اربعہ ابن حجر عسقلانی۔ ص 4' قاہرہ' 1955ء

116۔ ابو سلیمان جوزجانی معلی بن منصور کے دوست ہیں اور معلی بن منصور' امام مالک' لیث بن سعد' حماد اور ابن عُیینہ کے شاگرد ہیں۔

117۔ مقدمہ کتاب الآثار عبدالرشید نعمانی۔ ص 26' 27 آرام باغ کراچی' 1985ء

118۔ یہ کتاب دو جلدوں میں حیدر آباد دکن میں 1940 میں طبع ہوئی ہے

119۔ کتاب اتحاف النبلاء المتقین نواب صدیق حسن خان۔ ص 18' لکھنؤ' 1986ء

120۔ تعجیل المنفعہ برجال الائمہ الاربعہ ابن حجر عسقلانی۔ ص 4' قاہرہ' 1955ء

121۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ سخاوی۔ ص 117' طبع دمشق 1349ھ

122۔ تعجیل المنفعہ برجال الائمہ الاربعہ ابن حجر عسقلانی۔ ص 4' قاہرہ' 1955ء

123۔ رسالہ المستطرفہ ابو جعفر کتانی۔ ص 18' قاہرہ 1977ء

124۔ تعجیل المنفعہ برجال الائمہ الاربعہ۔ ص 8' طبع قاہرہ' 1955ء

125۔ رسالہ المستطرفہ ابو جعفر کتانی۔ ص 16' قاہرہ' 1977ء

126۔ الضوء لامع سخاوی بذیل ترجمہ قاسم

127۔ علوم الحدیث عبیداللہ بحوالہ مسانید الامام شیخ امین۔ ص 156' دار الندوہ لکھنؤ' 1970ء

128۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 15' دار العلم' بیروت 1957ء

129۔ مناقب صدر الائمہ احمد مکی۔ ص 40' ج 2' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

130۔ مناقب کردری۔ ص 221' ج 2' حیدر آباد' دکن' 1962ء

131۔ الانتقاء فی فضائل الائمہ الاربعہ الثلاثہ الفقہاء ابن عبدالبر۔ ص 130' طبع مصر' 1967ء

132۔ ایضاً۔ ص 130

133۔ ایضاً۔ 130

134۔ جواہر المضیہ حافظ عبدالقادر قرشی ترجمہ اسد بن عمرو' دار العلم' بیروت 1957ء

135 رسالہ مستطرفہ ابو جعفر الکتانی۔ ص 15' قاہرہ' 1977ء

136 مسند امام احمد بن حنبل میں موجودہ روایات ان کے بیٹے عبداللہ کی ہیں اس کے علاوہ ابو بکر قطیعی نے بھی اس مسند میں اضافے کئے ہیں۔ حدیث و محدثین ابو زہرہ۔ ص 500

137 المیزان الکبری عبدالوہاب شعرانی۔ ص 68' ج 1 طبع سوم قاہرہ' 1939ء

138 مرفوع حضور ﷺ تک سلسلہ پہنچ جائے۔ اور اس کے تمام ناقلین کا نام مذکور ہو۔

139 تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 42' ج 1' دار العلم' بیروت 1957ء

140 الہدی الساری مقدمہ فتح الباری ابن حجر عسقلانی۔ ص 5' طبع مصر' 1946ء

141 المدخل فی اصول الفقہ محمد معروف دوالیبی۔ ص 4' دارالعلم بیروت' 1963ء

142 توضیح الافکار زین الدین عراقی۔ ص 226' ج 1 قاہرہ' 1972ء

143 رسالہ المستطرفہ ابو جعفر الکتانی۔ ص 52' طبع مصر' 1977ء

144 تنقیح الانظار حافظ محمد ابراہیم الوزیر یمانی۔ ص 228' ج 1 طبع مصر' 1980ء

145 ایضاً"

146 سیرت نعمان شبلی نعمانی۔ ص 115 میں مسند ماوردی اور مسند حصکفی کا ذکر ہے۔ حدیث و محدثین ابو زہرہ میں مسند ابی حنیفہ از خطیب بغدادی کا ذکر بھی ہے۔ دیکھیں۔ ص 380 مطبع مصر

147 اس مسند کی نسبت کلاعی کی طرف روایت کے لحاظ سے ہے نہ کہ تدوین کے لحاظ سے

148 المؤید محمد بن محمود خوارزمی 566ھ

149 سیرت نعمان شبلی نعمانی۔ ص 115' پنجاب پریس لاہور' 1985ء

150 ایضاً"۔ ص 116

151 باقی چھ مسانید اصل میں کتاب الآثار کے نسخے میں شامل ہیں۔

152 ایضاً"۔ ص 13

153 ایضاً" حصہ دوم۔ ص 116

154 قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین شاہ ولی اللہ۔ ص 185 مطبوعہ مجتبائی۔ دہلی

155 رسالہ المستطرفہ ابو جعفر کتانی۔ ص 15' 1977ء

156۔ مسانید کے مولفین کے حالات کے لئے مسانید الامام کا ص 102 تا 142 دیکھیں

157۔ مجلس احیاء المعارف حیدر آباد دکن میں چار مسانید کے عکس موجود ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ 1۔ مسند بن ابی العوام' 2۔ مسند حارثی' 3۔ مسند ابو نعیم اصفہانی' 4۔ مسند ابن خسرو

158۔ مقدمہ مسند امام اعظم اردو نور الدین۔ ص 18 لکھنؤ' 1980ء

159۔ الرسالہ المستطرفہ ابو جعفر کتانی۔ ص 52' 1977ء

160۔ توضیح الافکار زین الدین عراقی۔ ص 229' 1956ء

161۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 219' دار العلم' بیروت 1957ء

162۔ لسان المیزان ابن حجر عسقلانی۔ ص 17' ج 1 قاہرہ' 1962ء

163۔ تذکرۃ الحفاظ' حافظ ذہبی۔ ص 159' ج 1 قاہرہ' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

164۔ الہدی الساری مقدمہ فتح الباری ابن حجر عسقلانی۔ ص 565' قاہرہ' 1967ء

165۔ المدخل فی اصول الحدیث حاکم نیشاپوری۔ ص 4 قاہرہ' 1977ء

166۔ تعجیل المنفعہ برجال الائمہ الاربعہ ابن حجر عسقلانی۔ ص 2' قاہرہ' 1972ء

167۔ مسانید الامام شیخ امین۔ ص 153' 1980ء

168۔ پورا نام ابو الحسن نور الدین محمد بن عبدالہادی پاکستان کے صوبہ سندھ کے ٹھٹھ شہر میں پیدا ہوئے۔ 1338ھ میں مدینہ المنورہ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئے۔

169۔ جمال الدین محمود بن قونوی دمشقی حنفی معروف بابن سراج 770

170۔ استاد عبدالوہاب مصری نے مقاصد الحسنہ کے مقدمہ میں حافظ سخاوی کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ وہ تحفہ المنیفہ فیما وقع لہ من حدیث ابی حنیفہ کے مصنف ہیں۔

171۔ مقدمہ مسند امام اعظم شیخ امین۔ ص 123 و مسانید الامام علامہ حسن سنبھلی۔ ص 142 مجلس تحقیق' کراچی

172۔ متنِ حدیث کے ابتدائی ٹکڑے کو لکھ کر اس کی سند کو یکجا کرنا۔ اطراف کہلاتا ہے۔

173۔ ابن کثیر نے البدایہ میں' ابن الجوزی نے المنتظم میں' ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں' قیسرانی کا ترجمہ لکھا ہے۔

174۔ لسان المیزان ابن حجر عسقلانی۔ ص 208' ج 5' 1960

175۔ مقدمہ مسند امام اعظم عبدالرشید نعمانی۔ قران محل کراچی' 1990

176۔ مسانید الامام حسن سنبھلی۔ ص 142، طبع دیوبند 1967ء

177۔ مندرجہ بالا سترہ مسانید میں سے مسند امام حسن شیبانی، مسند امام ابو یوسف، مسند امام حسن بن زیاد، مسند امام حماد بن ابی حنیفہ، مسند امام ابو بکر الکلاعی کو شامل نہیں کیا گیا اور نہ ہی کتاب الآثار امام محمد میں شامل ہیں۔ جب کہ جامع المسانید میں یہ سب نسخے شامل ہیں۔ جب کہ راقم الحروف نے نو نسخے جامع المسانید سے نقل کئے اور آٹھ نسخے دوسرے ذرائع سے تلاش کر کے لکھے ہیں۔

178۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 187، ج 2، دار العلم، بیروت 1957ء

179۔ تہذیب التہذیب، حافظ ابن حجر عسقلانی۔ ترجمہ محمد بن مخلد، دار الحدیث، قاہرہ، 1952ء

180۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 140، ج 1، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

181۔ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی۔ ص 274، ج 4، دار الحدیث، قاہرہ، 1952ء

182۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 274، ج 4، دار الحدیث، قاہرہ، 1952ء

183۔ ایضاً۔ ص 274

184۔ المنتظم فی تاریخ الملوک و الامم ابن الجوزی۔ ص 237، ج 2، بیروت، 1951ء

185۔ تاریخ کبیر بدر الدین عینی بحوالہ تانیب الخطیب الکوثری۔ ص 159، قاہرہ، 1942ء

186۔ لسان المیزان ابن حجر عسقلانی۔ ص 165، ج 2 قاہرہ، 1960ء

187۔ المنتظم تاریخ الملوک والامم ابن الجوزی۔ ص 337 ج 2 قاہرہ، 1951ء

188۔ لسان المیزان ابن حجر عسقلانی۔ ص 165، ج 2، 1960ء

189۔ تاریخ بغداد۔ خطیب بغدادی۔ ترجمہ ابن عقدہ، دار الحدیث، قاہرہ، 1952ء

190۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ سخاوی۔ ص 218، دار العلم، بیروت 1957ء

191۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 150، ج 2، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

192۔ جامع المسانید الخوارزمی۔ ترجمہ ابو الحسن، حیدر آباد، دکن، 1962ء

193۔ تعجیل المنفعہ برجال الائمہ الاربعہ ابن حجر عسقلانی۔ ص 4، طبع قاہرہ، 1942ء

194۔ لسان المیزان ابن حجر عسقلانی۔ ص 349، قاہرہ، 1960ء

195۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ترجمہ قاسم بن اصبغ ضمن وفیات 340ھ قاہرہ، دار العلم، 1941ء

196۔ خوارزمی اپنی مسند کی سند چار حفاظ سے لیتے ہیں۔

1) شیخ اسماعیل بن ابراہیم، 2) شیخ شمس الدین یوسف بن عبداللہ

3) شیخ عبدالکریم بن عبدالصمد انصاری، 4) شیخ ابو بکر بن محمد بن عمر فرغانی

197۔ تانیب الخطیب الکوثری۔ ص 149 قاہرہ، 1985ء

198۔ السہم المصیب فی کبد الخطیب۔ عیسیٰ بن ابی بکر۔ ص 105 طبع دیوبند، 1946ء

199۔ لسان المیزان ابن حجر عسقلانی۔ ص 383، ج 5 قاہرہ، 1960ء

200۔ تعجیل المنفعہ برجال الائمہ الاربعہ حافظ ابن حجر عسقلانی۔ ص 6 حیدر آباد دکن، 1942ء

201۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 178، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

202۔ ایضاً۔ ص 178 قاہرہ

203۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 78، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

204۔ لسان المیزان ابن حجر عسقلانی۔ ص 384، ج 5، طبع مصر، 1960

205۔ شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام تقی الدین سبکی۔ ص 55 حیدر آباد دکن، 1948ء

206۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 172، ج 3، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

207۔ تعجیل المنفعہ برجال الائمہ الاربعہ حافظ ابن حجر عسقلانی۔ ص 6 حیدر آباد، دکن، 1942ء

208۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 172، ج 2 قاہرہ، دار العلم، 1941ء

209۔ ایضاً۔ ص 172

210۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ سخاوی۔ ص 117 حیدر آباد، دکن، 1962ء

211۔ تانیب الخطیب کوثری۔ ص 156 قاہرہ، 1977ء

212۔ مکتوب ابو الوفاء افغانی من محدث کوثری 1971 از مقدمہ مسند امام اعظم

213۔ مقدمہ نصب الرایہ زاہد الکوثری۔ ص 4 طبع قاہرہ، 1978ء

214۔ مقدمہ مسند امام اعظم عبدالرشید نعمانی۔ ص 17 قرآن منزل کراچی۔ 1985ء

215۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ حافظ ابو نعیم، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

216۔ مقدمہ مسند امام اعظم عبدالرشید نعمانی۔ (بحوالہ مکتوب) نیز راقم الحروف کے ساتھ خط و کتابت اور راہنمائی بھی

ہوتی رہی۔ (مدظلہ العالی)

217 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ترجمہ ابن القیسرانی قاہرہ، دار العلم، 1941ء

218 تاریخ ہمدان حافظ ابن شیرویہ بحوالہ مسند امام اعظم۔ ص 17، 1982ء

219 تاریخ ابن عساکر حافظ ابن عساکر ترجمہ حافظ قیسرانی، 1976ء

220 تاریخ ہمدان ابن شیرویہ بحوالہ مسند امام اعظم۔ ص 17، 1982ء

221 ایضاً۔ ص 18

222 لسان المیزان ابن حجر عسقلانی۔ ص 384، ج 5 قاہرہ، 1960ء

223 الجواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 118 دار العلم، بیروت 1957ء

224 تعجیل المنفعہ برجال الائمہ الاربعہ ابن حجر عسقلانی۔ ص 6 قاہرہ، 1942ء

225 ایضاً۔ ص 6

226 ایضاً۔ ص 6

227 جامع المسانید خوارزمی۔ ص 293، ج 2 حیدر آباد، دکن، 1962ء

228 الجواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 195، ج 2 دار العلم، بیروت 1957ء

229 مقدمہ تاریخ دمشق لابن عساکر۔ کردعلی، 1965ء

230 انسان العین فی مشائخ الحرمین شاہ ولی اللہ۔ ص 183 اسلامی کتب خانہ دیوبند، 1952ء

231 رسالہ المستطرفہ جعفر کتانی۔ ص 16 طبع بیروت 1332ھ

232 المیزان الکبریٰ عبدالوہاب شعرانی شافعی۔ ص 64، ج 1 طبع مصر، 1944ء

233 [illegible]

234 قلائد الازھار شرح آثار مفتی مہدی حسن دیوبند، 1983ء

235 جزو بخاری تین ہیں۔ جزو آمین، جزو رفع یدین، جزو قرات

اعتراضات اور جوابات بر

امام اعظم

فہرست مضامین

باب ششم

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر جرحیں اور ان کا جواب

جن حضرات کے اقوال سے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ناقص الحافظ اور ضعیف الحدیث ہونا ثابت ہوتا ہے ان کے نام بالاجمال یہ ہیں:۔

ذہبی، نسائی (303ھ)' ابن عدی (213ھ)' بخاری (256ھ)' دار قطنی 385ھ' بیہقی (458ھ)' ابن الجوزی (597ھ)' علی بن المدینی، خطیب بغدادی (463ھ)' حافظ ابن عبدالبر (463ھ)' حافظ ابن حجر (752ھ)' امام احمد بن حنبل 241ھ' قاضی ابو یحیٰی زکریا بن محمد (8/4ھ)' مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی (176ھ)' وکیع بن الجراح 197ھ' طاؤس زہری' ابو اسحاق فزاری (186ھ)' امام مسلم (261ھ)' ترمذی (262ھ)' ہشام بن عروہ' ابوداؤد (275ھ)' ابو حفص عمر بن علی' عبدالرؤف مناوی' جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (911ھ)۔

اولاً اس کا اجمالی جواب ملاحظہ فرمایئے اور پھر اس پر تفصیلی گفتگو ہوگی۔

1- اجمالی جواب

محض تعداد بڑھانے کے لئے اتنے نام جارحین کے لئے جاتے ہیں ورنہ بعض تو ان میں وہ نام ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ کی توثیق اور تعدیل فرمائی ہے۔ جیسے ذہبی (478ھ)' علی بن المدینی (234ھ)' وکیع بن الجراح (197ھ)' حافظ ابن عبدالبر' حافظ ابن حجر (263ھ) وغیرہ اور بعض سے سیئۃ الحافظ اور تضعیف کے الفاظ معتبر طریقہ پر منقول ہی نہیں ہیں۔ جیسے مسلم (261ھ)' ترمذی (252ھ)' ابوداؤد (275ھ)' ابن ماجہ (273ھ)' طاؤس' زہری' امام احمد (241ھ)' ابواسحاق (186)' ابن قطان' جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (911ھ) اور حضرت شاہ ولی اللہ (1176ھ) رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہم۔

اور بعض سے کچھ الفاظ جرح منقول ہیں۔ جیسے ابن عدی (213)' نسائی (303ھ)' بخاری (256ھ)' دار قطنی (385ھ)' ابن الجوزی (ھ) اور بیہقی (ھ) وغیرہم۔

مگر بحوالہ اصول ان لوگوں کی جرح امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں غیر مقبول ہیں۔ چنانچہ ہمارے تفصیلی جواب سے ہمارے اس دعوے کا ثبوت مل جائے گا۔

2۔ تفصیلی جواب کی تمہید

قبل اس کے کہ تفصیلی جواب لکھا جائے بطور تمہید کے چند مقدمات جرح وتعدیل کے متعلق لکھ دینا ضروری ہیں تاکہ حقیقت حال کے انکشاف میں کسی قسم کی مشکلات باقی نہ رہے۔

جرح و تعدیل سے متعلق تمہیدی بیان۔

1۔ جس راوی میں جرح و تعدیل دونوں جمع ہوں تو اس کی چند صورتیں ہیں:۔

(ا) جرح و تعدیل دونوں مبہم ہوں۔

(ب) جرح مبہم اور تعدیل مفسرہو

ان دونوں صورتوں میں ، مذہب صحیح تعدیل مقدم ہوگی اور جرح نامقبول۔

قال السخاوی فی شرح الفیہ ینبغی تقیید الحکم بتقدیم الجرح علی التعدیل بما اذافسرا مااذا تعارض من غیر تفسیر فانه یقدم التعدیل قاله المزنی وغیره وقال النووی فی شرح مسلم لایقال الجرح مقدم علی التعدیل لان ذالک فیما اذا کان الجرح ثابتا مفسرا بسبب والافلا یقبل الجرح اذالم یکن کذا وقال ابن الهمام فی تحریر الاصول اکثر الفقهاء منهم الحنفیه والمحدثین علی انه لا یقبل الجرح الامبینا لا التعدیل الخ۔!

ترجمہ:۔ ”علامہ سخاوی نے شرح الفیہ میں فرمایا ہے کہ جرح کے تعدیل پر مقدم ہونے کا حکم لگانا تب ہی مناسب ہے جب کہ جرح مفسر ہو اور اگر بغیر تفسیر کے تعارض ہو تو تعدیل جرح پر مقدم ہوگی مزنی وغیرہ نے یہی کہا ہے اور امام نووی نے مسلم کی شرح میں فرمایا ہے ایسا نہیں ہے کہ جرح تعدیل پر مطلق مقدم ہوتی ہے اس لئے کہ ایسا تب ہی ہوتا ہے جب کہ جرح ثابت اور

مفسر ہو ورنہ جرح قابل قبول نہیں۔ علامہ ابن ہمام نے تحریر الاصول میں فرمایا ہے کہ اکثر فقہاء (جن میں احناف و محدثین بھی شامل ہیں) کے نزدیک جرح جب تک مشرح واضح نہ ہو قابل قبول نہیں بر خلاف تعدیل کے۔"

(ج) جرح و تعدیل دونوں مفسر ہوں۔

(د) جرح مفسر ہو اور تعدیل مبہم ہو

ان دونوں صورتوں میں جرح مقدم ہو گی اور تعدیل غیر مقبول۔

قال السیوطی اذا جتمع فیہ جرح مفسر و تعدیل فالجرح مقدمہ الخ وقال السخاوی فی شرح الفیہ ینبغی تقید الحکم بتقدیم الجرح علی التعدیل بما اذ افسر ونحو ذالک فی شرح النخبہ

2- جارح کے لئے چند شرطیں ہیں۔ اگر یہ شروط پائی جائیں تو اس کی جرح مقبول ورنہ غیر مقبول ہوگی۔

الف) جارح عادل و ثقہ ہو۔

(ب) جرح و تعدیل کے اسباب کا عارف ہو۔

(ج) متعنت اور متشدد نہ ہو۔

(د) مذہبی منافرت' دنیوی عداوت' حسد اور معاصرہ سے خالی ہو۔

قال الذهبی فی تذکرۃ الحفاظ ولا سبیل الی ان یصیر العارف الذی یذکی نقلته الاخبار و یجرحھم جھبذا الا باد بان الطلب والفحص عن هذا الشان وکثرۃ المذاکرۃ والسحر والتیقظ والفهم مع التقوی والدین المتین والانصاف والتردد الی العلماء والتحری والا تقان والا تفعل فدع عنک الکتابته لست منهم ولو سودت وجهک با المداد قال اللّٰہ تعالٰی فسئلو اهل الذکران کنتم لا تعلمون وان غلب علیک الهوی و العصبیته لوائی والمذهب باللّٰہ لا نتفق وان عرفت مخیط مهمل لحدود اللّٰہ فارحنا منک وقال الحافظ ابن حجر فی شرح النخبه وان صدر الجرح من غیر عارف باسبابه لم یعتبر به وایضا قال تقبل التزکیته من عارف باسبابها لا من غیر عارف وینبغی ان لا یقبل الجرح الا من عدل متیقظ

وقال الحافظ فی مقدمته: القسم الثانی فی من ضعف بامر مردود کا التحامل لوالتعنت لو عدم الاعتماد علی المضعف لکونه من غیر اهل النقد لولکونه قلیل الخبر بحدیث من تکلم فیه لو بحاله لو متاخر عصره ونحو ذالک وایضا قال واعلم انه قدر قد وقع من جملته الطعن فی جماعته بسبب اختلافهم فی العقائد فینبغی التنبه لذالک وعدم الاعتد ادبه الابحق و کذاعاب جماعته من المتورعین جماعة دخلو فی امر الدنیا فضعفوهم لذالک التضعیف مع الصدق والضبط والله الموافق وابعد من ذالک کله من الاعتبار تضعیف من ضعف بعضا لروات بامر یکون الحمل فیه علی غیره او التعامل بین الاقران وابعد من ذالک تضعیف من هو اوثق منه اواعلی قدر اواعرف بالحدیث فکل هذا لا یعتبر به

وقال الذهبی: قلت کلام الاقران بعضهم فی بعض لا یعباء به لا سیما اذا لاح انه لعداوة اولمذهب اولحسد ماینجو منه الامن عصم الله وماعلمت ان عصرا من الاعصار سلم اهله من ذالک سوی الانبیاء والصدیقین

وقال السبکی: قد عرفنا ان الجارح لا یقبل منه الجرح وان فسره فی حق من غلبت طاعته علی معصیته وما دحوه علی ذامیه ومذکوه علی جارحیه اذا کانت هناک قرینته یشهد العقل بان مثلها حامل علی مافیه من تعصب منهبی او منافسته دنیوی کما یکون بین المنظراء وغیره ذالک ونحو ذالک کثیر فی التوضیح و التحقیق فی شرح وسیر اعلام النبلاء وغیرها۔

ترجمہ:۔ "علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں فرمایا کہ وہ عارف جو رواۃ احادیث کی تعدیل و تجریح کرتا ہے وہ پیہم طلب و جستجو کثرت بحث شب بیداری دانائی اور زیرکی کے ساتھ ساتھ تقویٰ یعنی استقامت انصاف پسندی علماء کی طرف رجوع غور و فکر اور اتقان کے بغیر ماہر نہیں ہو سکتا اور اگر تو ایسا نہیں ہے (ایسا نہیں کرتا) تو کتابت حدیث کو چھوڑ دے تو ان میں سے نہیں ہے' چاہے حرص میں اپنے چہرے کو روشنائی سے سیاہ کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل علم سے

معلوم کرو' اگر تم نہیں جانتے۔

اور اگر تجھ پر رائے اور مذہب کے سلسلہ میں خواہش نفس اور عصبیت و و ہٹ دھرمی کا غلبہ ہو جائے تو بخدا ہم تجھ سے اتفاق نہیں کریں گے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ احکام الٰہی کے معاملہ میں محیط و مہمل ہے پھر تو ہم تجھ سے بالکل بیزار ہیں۔ حافظ ابن حجر نے شرح پر فرمایا کہ اگر جرح ایسے شخص سے سادر ہو جو اس کے اسباب سے واقف نہیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ نیز فرمایا کہ تعدیل اسی کی قبول کی جائے گی جو اس کے اسباب سے واقف ہو' لہٰذا جرح بھی صرف منصف اور بیدار مغز کا قبول کرنا مناسب ہے نہ کہ ہر کس و نا کس کی -

حافظ نے مقدمہ فتح الباری ص 542 میں فرمایا ہے۔ قسم ثانی اس شخص کے بیان جس نے (کسی کو ناقابل قبول وجہ سے ضعیف قرار دیا ہو) تضعیف کسی امر مردود کے ساتھ کی ہو۔ مثلاً تعصب و تعنت (طرفداری) یا مصنف پر عدم اعتماد (تو وہ قبول نہیں) اس لئے کہ وہ تنقید کا اہل نہیں ہے اور جس پر تنقید کر رہا ہے اس سے یا اس کے حالات سے بہت کم واقف ہے یا اس کے زمانہ کے بعد کا ہے وغیرہ نیز فرمایا۔ (یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ ایک جماعت نے دوسرے جماعت پر اگر اختلاف عقائد کی بناء پر طعن کیا ہے تو اس سے باخبر ہونا چاہئے۔ اور حقیقی وجوہ کے بغیر اس کا اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ اور اسی طرح پرہیز گاروں کی ایک جماعت نے اس جماعت پر عیب لگایا جنہوں نے دنیوی معاملات میں حصہ لیا اور اسی وجہ سے انہوں نے صدق و ضبط کے باوجود ان کو ضعیف قرار دیا۔

اور ان سب سے زیادہ ناقابل اعتبار ان کی تضعیف ہے جنہوں نے بعض راویوں کو باہمی چشمک اور تعصب کی بنا پر ضعیف قرار دیا

اور اس سے بھی زیادہ قابل قبول اس کی "تضعیف ہے جو اپنے سے زیادہ ثقہ بلند مرتبہ اور اعرف بالحدیث (حدیث کے بڑے عالم پر تنقید کرے یہ سب کچھ ناقابل اعتبار ہے۔ علامہ ذہبی نے فرمایا ہم عصر لوگوں کی ایک دوسرے پر تنقید معتبر نہیں۔ خصوصاً جب کہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ یہ تنقید دشمنی اور حسد کی بنیاد پر ہے۔ اس سے وہ ہی محفوظ رہ سکتا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ محفوظ

رکھے۔ میرا خیال ہے کہ انبیاء و صدیقین کے علاوہ کسی زمانہ کے لوگ اس سے محفوظ نہیں رہے
علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات الشافعیہ[6] میں فرمایا ہے کہ کسی بھی جارح کی جرح اگرچہ مفسر ہو اس
شخص کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی کہ جس کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں اور اس کی تعریف و
توثیق کرنے والے جرح و برائی کرنے والوں سے زیادہ ہوں جب کہ وہاں کوئی ایسا عقلی قرینہ ہو
کہ اس کا باعث مذہبی تعصب یا دنیوی منافرت (مقابلہ) ہے۔ جیسا کہ اکثر ہم مرتبہ لوگوں میں
ہوتا ہے۔ التوضیح والتحقیق فی شرح الحسامی اور علامہ ذہبی کی سیر اعلام النبلاء وغیرہ میں بہت کچھ
تفصیل ہے۔"

3- الفاظ ذیل بغیر سبب کے جرح مبہم میں داخل ہیں۔

فلان متروک الحدیث ذاھب الحدیث مجروح لیس بعدل سئی الحفظ ضعیف۔ لیس بالحافظ ونحو ذالک

کشف الاسرار شرح اصول بزدوی میں ہے:۔

اما الطعن من ائمۃ الحدیث فلا یقبل مجملا ای مبھما بان یقول ھذا الحدیث غیر ثابت او منکر او فلاں متروک الحدیث او ذاھب الحدیث او مجروح او لیس بعدل من غیر ان یذکر سبب الطعن وھو مذہب عامۃ الفقھاء والمحدثین

ترجمہ:۔ "رہا ائمہ حدیث کا طعن تو وہ مجمل یعنی مبہم ہونے کی صورت میں ہرگز قابل قبول نہیں۔ مثلاً کوئی کہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں یا منکر ہے یا فلاں شخص متروک الحدیث یا ذاہب الحدیث یا مجروح ہے عادل نہیں ہے' اسباب طعن ذکر کئے بغیر' یا۔ عام فقہا اور محدثین کا یہی مسلک ہے۔"

اور کمال الدین جعفر شافعی امتاع باحکام النساء میں لکھتے ہیں:۔

ومن ذالک قولھم فلاں ضعیف ولا یبینون وجہ الضعف فھو جرح مطلق و فیہ خلاف والتفصیل ذکر ناہ فی الاصول والا ولی ان لا یقبل من متاخر المحدثین لانھم یجرحون بما لا یکون جرحا ومن ذالک فلان سئی الحفظ او لیس بحافظ لا

يكون جرحا مطلقا بل ينظر الى حال المحدث والحديث الخ۔!!

ترجمہ:۔ "اسی طرح ضعف کی وجہ بیان کئے بغیر یہ کہنا کہ فلاں ضعیف ہے' جرح مطلق کہلاتا ہے' اس میں' اختلاف ہے اور اس کی تفصیل ہم نے اصول میں بیان کی ہے۔

اور مناسب یہ ہے کہ متاخرین محدثین کی جرح قبول نہ کی جائے کیوں کہ وہ جس طرح جرح کرتے ہیں حقیقتاً وہ جرح ہی نہیں ہوتی چنانچہ یہ کہنا کہ فلاں کا حافظہ خراب ہے یا فلاں حافظ نہیں ہے۔' یہ مطلق جرح نہیں ہے۔ بلکہ اس صورت میں محدث و حدیث کے حالات کی تحقیق کی جائے گی۔"

جرح و تعدیل کے مقدمات معلوم ہو چکے ہیں اب آپ تفصیلی جواب ملاحظہ فرمایئے جس سے معترضین کی اور غلط فہمی بخوبی واضح ہو جائے گی۔

تاریخ کا یہ بھی تعجب خیز ورق ہے کہ وہ ایک طرف تو امام صاحب کی تعریف و توصیف میں بکھری جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ وہ دوسرے ہی ورق پر دیانت و عقل کا کوئی عیب ایسا اٹھا کر نہیں رکھتی جو آپ کی ذات میں لگا نہیں دیتی۔

3- خطیب بغدادی کا اعتراض

خطیب بغدادی نے پورے سو صفحات پر امام صاحب کا تذکرہ لکھا ہے پہلے امام صاحب کے مناقب میں صفحے کے صفحے رنگ دیئے ہیں۔ اس کے بعد تقریباً اتنے ہی صفحات پر آپ کی ذات میں وہ نکتہ چینیاں نقل کی ہیں جو دنیا کے پردہ پر کسی بدتر سے بدتر آدمی پر بھی نہیں کی جا سکتیں۔

ایک متوسط عقل رکھنے والا انسان انکے متناقض بیان کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ کوئی انسان بھی ایسی دو متضاد صفات کا حامل نہیں ہو سکتا یا اس کے مناقب کی یہ تمام داستان فرضی ہے یا پھر عیوب کی یہ طویل فہرست صرف مخترع حکایات اور صریح بہتان ہے۔ مورخ ابن خلکان نے خطیب کے اس غلط طرز پر حسب ذیل الفاظ میں تردید کی ہے۔

> "وقد ذكر الخطيب فى تاريخه منها اشياء كثيرا ثم اعقب ذالک بذكر ماكان الا ليق تركه والا ضراب عنه مثل هذا الامام لا يشك فى دينه ولا فى ورعه ولا فى حفظه ولم يكن يعاب بشئى سوى قلة العربيته"۔

ترجمہ:۔ یعنی خطیب نے اپنی تاریخ میں آپ کے مناقب کا بہت سا حصہ ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ایسی باتیں لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا ان سے اعراض کرنا مناسب تھا۔ کیونکہ امام اعظم جیسے شخص کے متعلق نہ دیانت میں شبہ کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ حفظ و ورع میں آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف جس قدر مواد جمع ہو سکتا تھا۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اس کو یک جا جمع کیا ہے جس کو ہر جگہ کے غیر مقلدوں نے شائع کیا ہے۔ علامہ کوثری نے "تانیب الخطیب" میں ہر واقعہ کی سند پر کلام کرکے اس کی قلعی کھول دی ہے۔ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں جس قدر جھوٹی روایات اور حکایات گھڑی گئی تھیں، سب کا جھوٹ نمایاں کرکے جرح و تمہید پر مقدمہ آپ نے پڑھا۔ اب یہاں ان اعتراضات کو یکے بعد دیگر ذکر کریں گے۔ اور ان پر وارد گفتگو کا تجزیہ کیا جائے گا۔ اور مناسب جواب بھی لکھیں گے۔

4۔ یتیم فی الحدیث کا اعتراض: ○ بزرگوں نے ان کو بھی معاف نہیں کیا اور امام اعظم کے متعلق ان کے منہ سے نکلے ہوئے اچھے بول کو غلط معنے پہنا کر ہنر کو عیب بنا دیا۔ بعد کو ہی نہیں بلکہ ان کی زندگی میں بھی ابو حنیفہ کے بارے میں ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو لوگ غلط معنی پہنانے کی کوشش کرتے تھے اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے۔ جو خطیب بغدادی نے حماد بن احمد مروزی (682ھ) کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ۔

میں نے ایک بار عبداللہ بن المبارک کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے

کان ابو حنیفۃ آیۃ ایک شخص بول پڑا اے ابو عبدالرحمن! یہ بتائیے کہ آیت کس میں تھے شر میں یا خیر میں۔ عبداللہ بن المبارک نے فوراً ڈانٹ کر کہا کہ خاموش رہو۔ تمہیں پتہ نہیں ہے کہ آیت کا لفظ خیر ہی کے لئے آتا ہے شر کے لئے آیت نہیں غایت آتا ہے۔ یوں بولا جاتا ہے آیۃ فی الخیر اور غایۃ فی الشر اور بعد ازیں قرآن کی یہ آیت تلاوت کی۔

وجعلنا ابن مریم و امہ اٰیۃ[12] جیسے اس شخص نے عبداللہ کے منہ سے نکلے ہوئے اچھے فقرے کو جس میں وہ امام اعظم کو اللہ سبحانہ کی نشانی بتا رہے تھے عبداللہ ہی کے سامنے غلط معنی پہنا دیئے ٹھیک اسی طرح عبداللہ ہی کے منہ سے نکلے ہوئے اچھے بول کان ابو حنیفۃ یتیما فی الحدیث کو یار لوگوں نے ایسے معنی پہنا دیئے جس سے ان کا جی تو خوش ہوا ہوگا لیکن متکلم کی روح تڑپ کر رہ گئی ہوگی اور اسی طرح بس نہیں بلکہ روایت بھی بالمعنیٰ

شروع کر دی گئیں ۔جیسا کہیں مسکینا روایت کیا خطیب بغدادی اور محمد بن نصر مروزی کی روایت میں یتیم آیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں یتیم کی جگہ مسکین لکھا ہے۔ اور ابن عبدالبر نے جو روایت بحوالہ ابو الموجہ پیش کی ہے اس میں نہ یتیم ہے نہ مسکین بلکہ تیمم آیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب بات نہ بنی تو اسے بنانے کی دوبارہ کوشش میں روایت میں نیرنگی آگئی ہے اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ جن راہوں سے یہ روایت گزر کر آئی ہے اور جن جن سندوں اور طرق سے عبداللہ بن المبارک کا یہ بیان آیا ہے ان میں کوئی طریق بھی ایسا نہیں جسے صحیح کہہ دیا جائے لیکن اگر ہم روایت کا محدثانہ نقطہ نظر سے پوسٹ مارٹم نہ کریں اور مان لیں کہ واقعی حضرت عبداللہ نے یہ بات فرمائی ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اسے غلط معنی پہنا کہ لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کریں کہ امام اعظم کو حدیث نہ آتی تھی کیونکہ لفظ یتیم دو معنے میں استعمال ہوتا ہے ایک لغوی اور دوسرے محدثین کے اصطلاحی معنی میں۔

لغت میں یتیم کے معنی صاحب قاموس نے یگانہ اور نادر کے لکھے ہیں۔ الیتیم الفرد و کل بیت یتیم اور حرمته یتیمته کے محاورات بے مثال اور نادر الوجود کے لئے بولے جاتے ہیں۔ بچہ بے باپ کے ہو کر فرد رہ جاتا ہے۔ اس لئے وہ یتیم کہلاتا ہے مطلب صاف ہے کہ امام اعظم حدیث میں نادرۃ الدہر اور عدیم النظیر شخصیت ہیں اور ہے بھی یہ بات ٹھیک عبداللہ بن المبارک کے دوسرے بیان بھی اس کے موئد ہیں۔

اصطلاح محدثین میں یتیم وہ شخص کہلاتا ہے جو ایک حدیث کو کم از کم ایک سو سندوں سے روایت نہ کرے چنانچہ مشہور محدث ابراہیم بن سعید جوہری کہتے ہیں۔

کل حدیث لم یکن عندی من مائتہ وجہ فانا فیہ یتیم

جو حدیث مجھے سو سندوں سے نہ ملے تو میں اس میں اپنے کو یتیم سمجھتا ہوں1۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے بھی یہی بات الروض الباسم میں نقل کی ہے اگر اس معنے کے لحاظ سے امام اعظم حدیث میں یتیم ہیں تو یہ بات نہ امام اعظم کے لئے قدح ہے اور نہ کسی کے لئے قابل مدح ہے۔ امام اعظم کا زمانہ اکثار طرق کا زمانہ تھا۔ اس لحاظ سے تو سارے تابعین اور سارے صحابہ حدیث میں یتیم ہیں کیونکہ صحابہ اور تابعین میں کسی کو بھی کوئی ارشاد نبوت سو سو طرق سے معلوم نہ تھا اور نہ اسکی ضرورت تھی۔ حدیث تو دراصل نام ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور آداب و احوال کا نہ کہ اکثار طریق کا۔ اسلام کی زندگی میں مسائل کے لئے ضرورت کی چیز حدیث ہے نہ کہ طرق اور امام اعظم کو یہ چیز بخوبی حاصل تھی جیسا کہ آپ سن آئے ہیں کہ امام اعظم چار ہزار احادیث روایت کرتے تھے۔ اور

یہ بھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ احادیث احکام کی کل تعداد بھی چار ہزار رہی ہے یہی تعداد بعد کو فن پیدا ہونے پر محدثین کے زمانے میں تیسری صدی میں چار ہزار سے لاکھوں تک پہنچ گئی اس فن کے مشہور محدث اسرائیل اس موقعہ پر بڑے پتے کی بات فرما گئے کہ۔

نعمان کیا ہی مزے دار شخص تھے فقہ سے متعلق ہر حدیث ان کو خوب یاد تھی اس کی ان کو بے حد جستجو تھی اور اس میں جو فقہ ہوتا اس کے خوب ہی عالم تھے انہوں نے حماد سے حدیثیں یاد کی تھیں اور خوب یاد کی تھیں اس لئے ان کی خلفاء امراء اور وزراء سب عزت کرتے تھے۔ الخ

(کہا جاتا ہے کہ) قیام اللیل ص 123 میں ہے:۔

قال ابن المبارک کان ابو حنیفہ یتیما فی الحدیث

ترجمہ:۔ "ابن المبارک نے کہا امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں یتیم تھے"

اقول اولاً۔ یہ کوئی کلمہ جرح کا نہیں ہے اور نہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس سے "ضعیف ثابت ہوتی ہے کیونکہ یتیم کے معنی محاورہ میں یکتا اور بے نظیر کے بھی آتے ہیں۔

صحاح ص 349 میں ہے:۔

وکل شئی مفرد نظیرہ فھو یتیم فقال درہ یتیمتہ قال الاسمعی الیتیم الرملتہ المنفردۃ قال وکل منفرد ومنفردۃ عندالعرب یتیم ویتیمتہ

ترجمہ:۔ "ہر وہ چیز جس کا ثانی نہ ہو وہ یتیم کہلاتی ہے اسلئے درہ ۔یتیمہ کہا جاتا ہے"

"اصمعی نے کہا' یتیم ریت کے ایک اکیلے ذرہ کو کہتے ہیں اور کہا ہر اکیلی چیز کو یتیم کہا جاتا ہے۔"

پس عبداللہ بن مبارک کے قول کا یہ مطلب ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں یکتا اور بے نظیر تھے۔ چنانچہ اس کی تائید خود ابن مبارک کے دوسرے قول سے ہوتی ہے۔

مناقب کردری ص 229 ج ا میں ہے:۔

عن ابن المبارک قال اغلب علی الناس بالحفظ و الفقہ و الصصیانتہ والدیانتہ وشدۃ الورع

ترجمہ:۔ "ابن مبارک نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حافظہ' فقہ' علم' پرہیز گاری اور دیانت اور

تقویٰ میں سب لوگوں پر غالب تھے"

عبداللہ بن مبارک' امام صاحب رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی بہت زیادہ تعریفیں کی ہیں۔ سوید بن نصر کہتے ہیں۔!!

سمعت ابن المبارک یقول لا تقولو رأی ابی حنیفه ولکن قوله تفسیر الحدیث۔

وایضا فیه قال المحروم من له لکن له حفظ من ابی حنیفه

وایضا قال عبداللّٰه بن المبارک هاتوا فی العلماء مثل ابی حنیفه والا دعونا ولا تدعونا

وایضا قال علیکم بالاثر ولا جد للاثر من ابی حنیفه نعرف به تاویل الاحادیث و معناه

ترجمہ:۔ "ابن مبارک فرماتے تھے یہ نہ کہو کہ یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے"

"نیز فرمایا جس نے امام صاحب سے کچھ حاصل نہیں کیا وہ محروم ہے"

عبداللہ بن مبارک نے فرمایا تمام علماء میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا کوئی عالم پیش کرو ورنہ ہمیں چھوڑ دو اور ہمیں نہ ستاؤ۔"

"نیز فرمایا۔ تمہارے اوپر حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے اور حدیث کے سمجھنے کے لئے امام ابو حنیفہ "کا قول ضروری ہے' تاکہ اس کے ذریعہ حدیث کی صحیح تاویل اور معنی معلوم ہو جائیں گے۔"

اور بہت سے اقوال عبداللہ بن مبارک کے امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی شان میں شائع اور کتابوں میں مذکور ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ معترض نے جو عبداللہ بن مبارک کو جارح امام صاحب رضی اللہ عنہ سمجھا ہے یہ محض نفس پرستی اور غلط فہمی ہے۔

ثانیا:○ بر تقدیر تسلیم ممکن ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے یہ کلمہ اس وقت فرمایا ہو جب امام صاحب علم کلام کی

طرف زیادہ مائل تھے اور علم حدیث وفقہ کا زیادہ اشغال نہ رہا ہو۔ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعریفیں اور ان کی تعدیل و توثیق جو عبداللہ بن مبارک نے کی ہے وہ اس وقت کی ہوں جب کہ امام صاحب محدث وفقیہ ہو چکے تھے۔ لہذا عبداللہ بن مبارک کے دونوں قول صحیح ہو سکتے ہیں۔ اور امام صاحب پر کوئی حرف بھی نہیں آتا۔

2۔ کہا جاتا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث میں چنداں دخل نہ تھا۔ کل سترہ حدیثیں جانتے تھے۔ تاریخ ابن خلدون میں ہے فابو حنیفہ یقال بلغت روایتہ الی سبع عشرۃ حدیثا۔

جواب۔ ابن خلدون نے کسی مجہول شخص کا قول نقل کیا ہے جو غلط اور بدیہی البطلان ہے۔ جیسا کہ تعبیر لفظ "یقال" ضعف مقولہ پر دال ہے۔ اور اسی جگہ صراحتہ یہ بھی مذکور ہے۔

وقد تقول بعض المتعصبین ان منھم من کان تغلیل البضاعتہ فی الحدیث ولا سبیل ھذا المعتقد فی کبار الائمہ لان الشریعتہ توخذ من الکتاب والسنتہ الخ

ترجمہ:۔ درحقیقت امام صاحب کو ہزاروں احادیث اور ہزاروں آثار صحابہ معلوم تھے مگر آپ نے چونکہ اشرف علم فقہ کو زیادہ اپنایا۔ اس میں انہوں نے تدوین فرمائی اور وہ متقن اور مدون تھے اس لئے فقیہ مشہور ہوئے اور چونکہ محدث الفاظ حدیث کا ذمہ دار ہوتا ہے اور فقیہ معانی احادیث کو زیادہ جانتا ہے۔ اور استنباط مسائل کرتا ہے۔ اس لئے اس کا مرتبہ زیادہ ہے چنانچہ امام ترمذی نے باب غسل میت میں لکھا ہے "اور یہی فقہاء نے فرمایا اور وہ حدیث کے معانی کو زیادہ جانتے ہیں" امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو امام ذہبی نے حافظ حدیث اور محدثین کے طبقہ خاصہ میں شمار کیا ہے جس طرح بہت سے صحابہ و تابعین اور محدثین حدیث کو بشکل حدیث بہت کم بیان کرتے تھے بلکہ بشکل مسئلہ بیان کرتے تھے۔ اسی طرح امام صاحب نے بھی احادیث کو بشکل حدیث بیان نہیں کیا۔ البتہ مسائل مستنبط من الاحادیث کو بکثرت بیان کیا ہے۔ دوسرے قلیل الروایت ہونا قلیل العلم پر ہرگز دال نہیں۔ دیکھئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق نواب صدیق حسن خاں صاحب 1307ھ اختصار میں لکھتے ہیں کہ:۔

ہشت حدیث از وے مروی است "ان سے صرف آٹھ حدیثیں مروی ہیں" [15]

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ :○ مگر سب سے زیادہ حیرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رویہ پر ہے کہ امام صاحب

پہلے کو مرجی کہہ کر مطعون کرتے ہیں اور دوسرے ایسا ہی عقیدہ رکھنے والوں سے روایات بھی لائے ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ کہ غسان کوئی مرجی بھی اپنے مذہب کی ترویج کے لئے امام صاحب کو مرجی مشہور کیا کرتا تھا۔ اسی سے بہت سے لوگوں کو امام صاحب کے بارے میں مغالطہ ہوا۔

امام صاحب کو مطعون و بدنام کرنے کی ایک وجہ اس کے علاوہ یہ ہوئی کہ مامون کے زمانہ میں جن محدثین ورواۃ حدیث کو خلق قرآن کے مسئلہ میں قضاۃ خلافت نے تکالیف پہنچائیں وہ قاضی اکثر حنفی تھے۔ لہذا اس کے انتقام میں ان محدثین ورواۃ نے ان کے مقتدا یعنی امام صاحب پر الزامات لگانے اور امام صاحب سے تکدر رکھنے کی وجہ سے ہی یہ لوگ امام صاحب کے علوم فائقہ' ان کے بہترین طریق نقد' روایات کو عموم قرآن مجید اور اصول مسلمہ مجمع علیہا پر پیش کرنے کے زریں اصول سے بھی مستفیض نہ ہو سکے اور اپنے طور پر اصول شریعت وضع کئے جو امام صاحب کے اصول و طریق کار سے بہت کم درجہ کے ہیں۔ اسی لئے بیشتر کا فقہاء و مجتہدین کا فیصلہ ہے کہ جو شخص امام صاحب کے علوم سے انتفاع کے بغیر فقہ حاصل کرے گا وہ ناقص رہے گا۔

واضح ہو کہ زمانہ قدیم سے ہی حاملین دین مبین کی دو قسمیں رہی ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن قیم نے بھی لکھا ہے کہ ایک قسم حفاظ کی تھی جو احادیث کے حفظ و ضبط اور سنے ہوئے الفاظ کو بعینہ روایت کرنے پر پوری سعی کرتے تھے لیکن یہ لوگ ان احادیث یا الفاظ نصوص سے اصول احکام و مسائل کا استنباط و استخراج نہیں کر سکتے تھے جیسے ابوزرعہ ابو حاتم ابن وارہ یا ان سے پہلے بندار محمد بن بشار' عمرو الناقد' عبدالرزاق تھے یا ان سے بھی پہلے محمد بن جعفر و سعید بن ابی عروبہ وغیرہ تھے۔

پھر اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ بعض محدثین نے ائمہ مجتہدین متبوعین کے خلاف محاذ بنا لیا اور ہر طرح سے ان کی عزت و وقعت گرانے کی کوشش کی چنانچہ احمد عبداللہ العجلی نے امام شافعی کے بارہ میں لکھا کہ "وہ ثقہ' صاحب رائے متکلم تھے لیکن ان کے پاس حدیث نہیں تھی۔" ؎

ابو حاتم رازی نے کہا کہ "شافعی فقیہ ضرور تھے لیکن حدیث میں ان کی معرفت نہیں تھی"۔

حالانکہ یہ باتیں غلط تھیں اور بقول حافظ ابن قیم مذکورہ بالا فقہاء حدیث وفقہ کے حامل ہوتے تھے کیونکہ فقہ بغیر حدیث کے ممکن ہی نہیں۔ البتہ روایت و حفظ حدیث بغیر فقہ کے ممکن ہوتا ہے۔

اسی طرح امام اعظم کے بارے میں زیادتی ہوئی ہے اور جیسا ان کا مقام و مرتبہ بلند و بالا تھا۔ ان پر حسد کرنے

جھوٹوں کی روایات موضوعہ کی آڑ لے کر امام صاحب کو ہدف ملامت بنایا۔ والے یا نقد و جرح کرنے والے بھی بڑے ہی لوگ تھے جنہوں نے

آپ حیرت کریں گے کہ امام بخاری رحمتہ اللہ جن کے غیر معمولی علم و فضل کا امتیاز امام وکیع عبداللہ بن مبارک' امام احمد بن حنبل' اسحٰق راہو یہ' مکی بن ابراہیم اور علی بن مدینی وغیرہ کا رہین منت ہے اور یہ سب امام اعظم کے بالواسطہ یا بے واسطہ خوشہ چین ہیں (جس کی تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ) امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف نہایت غیر محتاط روش اختیار کی ہے۔

پھر اس قطع نظر خود امام بخاری رحمہ اللہ طلب علم کے سلسلہ میں لا تعداد مرتبہ کوفہ آئے گئے ہیں جو امام صاحب کا وطن تھا سینکڑوں ہزاروں لوگوں سے امام صاحب کے حالات و سوانح سنے ہوں گے لیکن ان کے مشہور زمانہ حافظہ میں جو چیز قابل ذکر باقی رہی اور جس کو وہ اپنے سارے اساتذہ کو چھوڑ کر صرف حمیدی کے واسطہ سے نقل کر سکے وہ بھی سن لیجئے۔

امام بخاری کا دوسرا اعتراض :-

تاریخ صغیر میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "میں نے حمیدی سے سنا' کہتے تھے کہ ابو حنیفہ نے بیان کیا میں مکہ معظمہ حاضر ہوا تو ایک حجام سے تین سنتیں پیارے رسول صلی علیہ والہ وسلم کی حاصل ہوئیں۔ جب میں اس کے سامنے حجامت بنوانے کے لئے بیٹھا تو اس نے مجھ سے کہا کہ (1) آپ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھئے 2) پھر اس نے میرے سر کے داہنے حصے سے شروع کیا (3) اور اسنے حجامت دونوں ہڈیوں تک بنائی۔"

4- اس بات کو نقل کرنے کے بعد حمیدؔ کہنے لگا۔ ایک شخص کہ نہ اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں مناسک وغیرہ میں تھیں اور نہ اس کے اصحاب کے پاس تھیں' بڑی حیرت ہے کہ لوگوں نے اس کو خدا کے احکام وراثت فرائض زکوۃ صلوٰۃ اور دوسرے امور اسلام میں اپنا پیشوا و مقتدا بنا لیا ہے۔

واقعی بڑی حیرت ہی کی بات بھی تھی۔ کہ دو ثلث دنیا کے علماء صوفیہ و عباد نے تو امام صاحب ایسے کم علم اور حدیث رسولؐ سے ناواقف شخص کی تقلید کر لی اور باقی ایک ثلث نے امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کا اتباع کر لیا اور حمیدی و امام بخاری جیسے ارباب علم و فضل کی کسی نے بھی تقلید نہ کی۔

5- ایسے ہی کچھ لوگوں نے امام صاحب کی طرف ان کو بدنام کرنے کے لئے بہت سی جھوٹی باتیں منسوب کیں

حتی کہ یہ بھی کہا گیا کہ امام صاحب خنزیر بری کو حلال کہتے تھے۔ کچھ حد ہے اس عداوت و حسد کی۔

اس کے رد میں علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ ص 259 میں لکھا کہ۔

"امام ابو حنیفہ سے اگرچہ کچھ لوگوں کو بعض مسائل میں اختلاف رہا ہے لیکن ان کے فقہ' فہم اور علم میں کوئی ایک آدمی بھی شک و شبہ نہیں کر سکتا' کچھ لوگوں نے ان کی تذلیل و تحقیر کے لئے ان کی طرف ایسی باتیں بھی منسوب کی ہیں جو قطعاً جھوٹ ہیں جیسے خنزیر بری کا مسئلہ اور اسی جیسے دوسرے مسائل"

امام بخاری نے تاریخ صغیر میں ایک دوسری جھوٹی روایت نعیم بن حماد سے امام صاحب کی تنقیص میں نقل کی ہے حالانکہ نسائی نے ان کو ضعیف کہا اور ابو الفتح ازدی وغیرہ نے کہا کہ نعیم حماد ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیص کے لئے جھوٹی روایات گھڑا کرتے تھے' اور تقویت سنت کے خیال سے حدیثیں بھی بنا لیا کرتے تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود جلالت قدر چونکہ امام صاحب کے بارے میں بہت ہی غیر محتاط رویہ اختیار کیا ہے اسی لئے کبار محدثین نے اس بارے میں ان کی اتباع کرنے سے روکا بھی ہے چنانچہ علامہ سخاوی شافعی نے اپنی کتاب "الاعلان بالتوبیخ" میں ص 35 پر تحریر کیا۔

جو "کچھ حافظ ابو الشیخ بن حبان نے اپنی کتاب السنہ میں بعض مقتدا ائمہ کے بارے میں نقل کیا ہے یا حافظ ابو احمد بن عدی نے اپنی کامل میں یا حافظ ابو بکر خطیب نے تاریخ بغداد میں یا ان سے پہلے ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں اور بخاری و نسائی نے لکھا ہے اور ایسی چیزیں لکھی ہیں کہ ان کی شان علم واتقان سے بعید ہیں' ان امور میں ان کی اتباع و پیروی سے اجتناب و احتراز کرنا ضروری ہے۔"

راقم الحروف نے اس سلسلہ میں کافی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور بہت کم لوگوں نے امام بخاری کا نام لے کر اس طرح ان کی اس غلط روش پر نقد کیا ہے۔ اکثر حضرات اجمالی طور سے ضرور ان لوگوں کی غلطی کی طرف اشارات کرتے آئے ہیں جنہوں نے امام صاحب امام شافعی یا امام احمد وغیرہ کی شان میں تنقیص کا پہلو اختیار کیا ہے۔

پھر ایک زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ خطیب نے کئی سو برس کے بعد حالات لکھے ہیں۔ اتنے عرصہ میں جھوٹ کا شیوع بہت کافی ہو چکا تھا۔ خطیب کو جیسے حالات اچھے برے ملے سب نقل کر دیئے اور راویوں کی چھان بین

نہ کر سکے یا نہ کی۔ اگرچہ یہ ان کے محدثانہ و مورخانہ منصب کے خلاف بات تھی۔ اور خطیب کی عادت تھی کہ وہ دوسرے اکابر امت کے خلاف بھی کچھ نہ کچھ اسی طرح گرے پڑے راویوں سے نقل کر گئے ہیں۔

مگر حیرت تو سب سے زیادہ امام بخاری پر ہے کہ ان کا دور امام صاحب سے بہت ہی قریب ہے اور امام صاحب کے زمانہ کے تقریباً سب ہی بڑے بڑے حضرات نے امام صاحب کی بے حد مدح و توصیف کی ہے جس کی تفصیل ہم ذکر کریں گے' پھر امام بخاری کے بڑے بڑے شیوخ امام صاحب کے خاص خاص شاگرد ہیں اور ان سب ہی سے امام صاحب کے بے شمار مناقب منقول ہیں۔

پھر بھی امام بخاری نے کوئی اچھا اثر نہ لیا' نہ ان کی کوئی منقبت اپنی تاریخ میں نقل کرنے کو ملی اور ملیں تو امام حمیدی جیسے متعصب مغلوب الغضب یا نعیم جیسے وضاع لوگوں سے امام صاحب کی تنقیص کی روایات ملیں اور ان کی نمایاں کرکے نقل کرنا ضروری سمجھا۔

بہرحال امام صاحب کے مراتب عالیہ ان باتوں سے کم نہیں ہوسکتے بلکہ ان زیادتیوں کے باعث دوسرے مذاہب کے ائمہ کبار ابن عبدالبر' ابن حجر مکی علامہ سیوطی یافعی سخاوی' ذہبی جیسے متوجہ ہوئے اور ان محققین نے امام صاحب کی طرف سے حق دفاع ادا کیا۔

تفصیل کا موقعہ تو ہر ایک کے مفصل تذکرہ میں آئے گا مگر جب بات یہاں تک آگئی تو اتنا اور بھی عرض کردوں کہ حافظ ابن حجر جیسے علامہ فہامہ محقق و مدقق بھی اس سلسلہ میں کافی عصبیت کا شکار ہو گئے یعنی رجال حنفیہ سے تعصب یا حنفی شافعی کا تعصب تو الگ رہا اس کے تو وہ مسلم امام ہیں۔ بعض ہمارے بزرگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ کم از کم امام صاحب کے بارے میں ان کا ذہن صاف ہے اور انہوں نے امام صاحب کی ہر جگہ مدح و توصیف ہی کی ہے مگر مجھے نہایت ہی افسوس کے ساتھ لکھنا پڑا کہ پوری بات اس طرح نہیں جس طرح سمجھ لی گئی ہے۔ درحقیقت حسد' عداوت و عصبیت کی عروق اس قدر باریک و مخفی ہوتی ہیں۔ کہ ان کا پتہ لگانا بڑے بڑے آپریشن کے ماہروں کے لئے سخت دشوار ہوتا ہے۔

بے شک میں بھی مانتا ہوں کہ امام صاحب کے تذکروں کو اگرچہ انہوں نے دوسرے ان کے شاگردوں کے تذکروں سے بھی مختصر در مختصر کیا ہے مگر کوئی بات خلاف نہیں لکھی لیکن ساتھ ہی یہ بھی دیکھئے کہ جہاں وہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد وغیرہ کے حالات بیان کرتے ہیں تو جہاں ان حضرات پر کسی غلط تہمت کا ذکر کرتے ہیں تو ساتھ

ہی یہ جملہ بھی چھوٹا سا بڑھا دیتے ہیں کہ ان کے شیخ کے بارے میں بھی یہ بات کی گئی ہے۔ اب آپ نے دیکھا کہ خطیب اور حافظ ابن حجر میں کتنے قدم کا فاصلہ رہ گیا۔

مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نور اللہ مرقدہ نے تذکرہ امام اعظم میں بڑے اطمینان و مسرت کا اظہار کیا ہے کہ خطیب کے بعد اس روش کو دوسروں نے نہیں اپنایا بلکہ اس سے بیزاری کا اظہار کیا ہے' ان ہی لوگوں میں حافظ ابن حجر کا بھی نام لیا ہے' اس لئے مجھے یہ تنبیہہ کرنی پڑی۔ واللہ اعلم بمانی صدو رعبادہ۔

7- **ضعیف فی الحدیث کا اعتراض:** ○ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ سکتوا عن رایئہ و حدیثہ لوگوں نے امام صاحب کی رائے اور حدیث سے سکوت کیا ہے۔ یعنی ان کی رائے کو قابل اعتناء نہیں سمجھا۔

2- میزان الاعتدال کے حرف نون کی عبارت یہ ہے۔

النعمان بن الثابت بن زوطی ابو حنیفتہ الکوفی امام اھل الرائیے ضعفہ النسائی من جھتہ حفظہ وابن عدی واخرون۔[17]

ترجمہ:۔ یعنی امام ابو حنیفہ کو امام نسائی اور ابن عدی اور دوسرے لوگوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔

3- ابن جوزی نے امام صاحب پر جرح کی اور آپ کو ضعیف بتلایا ہے۔

4- دار قطنی نے امام صاحب پر جرح کی اور آپ کو ضعیف بتلایا ہے۔

5- ابن عدی نے کہا کہ اسماعیل بن حماد بن ثابت نے اپنے باپ دادا سے روایت کی ہے اور یہ تینوں ضعیف ہیں۔[18]

اور چونکہ میزان الاعتدال حافظ ذہبی کی کتاب ہے اس لئے ان کی نزدیک بھی امام صاحب ضعیف ہیں ان چند وجوہات کی بنا پر امام صاحب کو ضعیف کہا جاتا ہے۔

ان اعتراضات کے متعلق اجمالاً تو یہ عرض ہے کہ جرح و تعدیل کے باب میں اگر دونوں کی تعداد برابر ہو تو تعدیل کو مقدم سمجھا جاتا ہے اور امام صاحب کی تعدیل کرنے والے بہت زیادہ ہیں پھر جرح مجمل کو ہرگز قبول نہیں کیا جاتا۔ اگر یہ اصول قائم نہ کیا جاتا تو پھر شاذ ہی کوئی محدث باقی بچتا۔ حد یہ ہے کہ امام بخاری کے استاذ علی بن المدینی (جن کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو بجزان کے کسی کے سامنے چھوٹا نہیں جانا) کو امام احمد'

ابو زرعہ' ابراہیم حربی نے متروک قرار دیا ہے امام مسلم نے تو ان سے روایت کرنا بھی گوارہ نہیں کیا۔ امام شافعی پر ابن معین نے جرح کی ہے۔ اور امام بخاری پر بھی اب تک جرح کرنے والے جرح کرتے رہے۔ لیکن اس سے کیا حاصل؟ اسی اصول کے تحت مذکورہ حضرات کی جرح بھی آتی ہے۔ لہذا اس جرح کا اعتبار نہیں ہے۔ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔

لا یقبل الجرح الا مفسرا مبین السبب۔[19]

ترجمہ:- جرح وہی معتبر ہوگی جو مفسر ہو اور کسی سبب کو بیان کرے۔

علامہ ابن دقیق العید' علامہ عبدالعزیز بخاری کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ فن نے امام صاحب کی تعدیل و توثیق کی ہے علامہ مزی شافعی نے جو فن رجال کے امام ہیں امام صاحب کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

کان ابو حنیفتہ ثقتہ فی الحدیث[1]

علامہ موصوف نے اس قول کو محمد بن سعد اور صالح بن محمد الاسدی کی طرف منسوب کیا ہے یعنی ان ہر دو حضرات کی رائے بھی یہی ہے علامہ ذہبی نے بھی تہذیب التہذیب میں امام صاحب کا ثقہ ہونا بیان کیا ہے۔

قال صالح بن محمد وغیرہ سمعنا یحیٰی بن معین یقول ابو حنیفتہ ثقتہ فی الحدیث۔[2]

ترجمہ:- صالح بن محمد اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ہم نے یحیٰی بن معین سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہ ثقہ ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی' علامہ صفی الدین' علامہ ابن حجر مکی ابن صلاح' حافظ زین الدین عراقی کی یہی رائے ہے اور حدیہ ہے کہ امام بخاری جس کو ثقہ سمجھ رہے ہیں یحیٰی بن سعید القطان (بخاری کے راوی) وہ خود امام صاحب کو ثقہ کہہ رہے ہیں۔

ابن جوزی' دار قطنی' ابن عدی' امام نسائی نے جو امام صاحب پر جرح کی ہے تو ان حضرات کے بارے میں سب علماء کا اتفاق ہے کہ یہ لوگ بہت متشدد ہیں ان حضرات نے بیشتر کاملین پر جرح کرکے ان کو ناقص قرار دے دیا حافظ عینی نے بنایہ شرح ہدایہ کی بحث قراۃ الفاتحہ کے ضمن میں دار قطنی کے متعلق فرمایا ہے۔

"ہمارے ان واضح دلائل سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی کہ دار قطنی نے حسد اور تعصب کی بنا پر

امام صاحب کو ضعیف کہہ دیا پھر دار قطنی کی متقدمین کے سامنے (جنہوں نے امام صاحب کی توثیق کی ہے) کچھ بھی تو حیثیت نہیں ہے۔ امام صاحب کی تضعیف کرکے دار قطنی نے خود اپنی تضعیف مول لے لی ہے۔[21]"

یہی بات علامہ بحرالعلوم نے مسلم الثبوت[ص ۲۷] کے حاشیہ میں بیان فرمائی ہے ابن جوزی کے بارے میں غیر کا کہنا تو ایک طرف خود ان کا نواسہ ہی ان کا اعتبار نہیں کر رہا ہے۔

ولیس العجب من الخطیب بانہ یطعن فی جماعتہ من العلماء وانما العجب من الجدی کیف سلک اسلوبہ وجاء بما اعظم منہ۔

ترجمہ:۔ خطیب کے بارے میں تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ جماعت علماء پر اعتراض کرتے ہیں بلکہ تعجب جد محترم پر ہے کہ انہوں نے بغدادی کی راہ اختیار کی اور اپنی حیثت سے زیادہ بات کہہ دی۔

حقیقت یہی ہے ابن جوزی بہت غیر معتدل مزاج آدمی ہے اور بات کہنے میں نہایت غیر محتاط ہے جو قلم کے سامنے آجاتا ہے۔ ہزاروں حدیث اس کی نوک قلم کے سامنے موضوع قرار پا چکی ہیں اور تو اور بخاری و مسلم کی حدیث کے متعلق بھی اس کا قلم نہیں چوکتا ہے۔

رہا ابن عدی کا معاملہ اور میزان الاعتدال کی عبارت تو اس کے متعلق علامہ نے فرمایا "اس کتاب میں وہ لوگ بھی ہیں جو باوجود ثقہ اور جلیل القدر ہونے کے کسی ادنی لین کی وجہ سے مجروح کردیئے ہیں اگر ابن عدی ان کے متعلق اپنی یہ رائے نہ بیان کرتا تو میں ہرگز ان کو ضعفاء کی فہرست میں نہ داخل کرتا۔"

اس قول سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ علامہ ذہبی کے نزدیک بھی امام صاحب ثقہ ہیں جب ہی تو انہوں نے ابن عدی کا حوالہ دیا ہے اور بذات خود تذہیب میں امام صاحب کا تذکرہ کئی صفحوں میں کیا ہے اور آخر میں یہ ارشاد فرمایا:۔

قلت قد احسن شیخنا ابو الحجاج حیث لم یرو شیئا یلزم منہ التضعیف[22]

ترجمہ:۔ اب میں کہتا ہوں کہ میرے استاذ ابو الحجاج نے خوب کہا کہ تہذیب الکمال میں کوئی شے ایسی ذکر نہیں کی جس سے امام صاحب کی تضعیف لازم آئے۔

امام نسائی کے متعلق حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ وہ متشدد متامل ہیں۔ علامہ عبدالحی لکھنوی نے غیث الغمام میں فرمایا ہے کہ میزان الاعتدال میں یہ عبارت الحاق ہے۔

ان هذه العبارة ليس لها اثر في بعض النسخ المعتبر : مارايتها بعيني[23]

ترجمہ:۔ اس عبارت کا بعض معتبر نسخوں میں جن کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وجود نہیں ہے۔

یہی بات خود علامہ ذہبی کے قلم سے بھی مترشح ہو رہی ہے۔

ولا اذكر في كتابي من الائمه المتبوعين في الفروع احدا لجلالتهم في الاسلام وعظمتهم في النفوس مثل ابي حنيفته والشافعي[24]

ترجمہ:۔ اس کتاب میں میں نے ائمہ متبوعین کا ذکر بھی (برائی کے ساتھ) نہیں کیا کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ اسلام میں بڑی ہستیاں ہیں جیسے ابو حنیفہ شافعی وغیرہ۔

لہذا میزان الاعتدال کی فصل الف میں جو تذکرہ ہے وہ ضمناً ہے اصلاً نہیں ہے اسی وجہ سے اس کو علامہ ذہبی کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

8- ضعیف پر عملی بحث: ○ 10- ایک اعتراض خاص طور سے حنفیہ پر کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ احناف جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں وہ اکثر ضعیف ہیں' لیکن یہ اعتراض درحقیقت محض تعصب کی پیداوار ہے۔

اس اعتراض کا اصل جواب تو یہ ہے کہ حنفیہ کی کتابوں کا انصاف اور حقیقت پسندی سے مطالعہ کیا جائے تو حقیقت حال واضح ہو جائے گی' خاص طور سے مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ اس معاملے میں نہایت مفید ہے۔

(1) شرح معانی الآثار للطحاوی وغیرہ (2) فتح القدیر لابن الہمام وغیرہ (3) نصب الرایہ للزیلعی وغیرہ (4) الجوہر النقی للماردینی وغیرہ (5) عمدۃ القاری للعینی وغیرہ (6) فتح الملہم' لمولانا العثمانی' 7) بذل المجہود لمولانا السہارنپوری وغیرہ (8) اعلاء السنن لمولانا ظفر احمد العثمانی' (9) معارف السنن لمولانا البنوری رحمتہ اللہ علیہم (10) فیض الباری شرح صحیح البخاری وغیرہ / انور شاہ کشمیری رح۔

ان کتابوں میں قرآن و سنت سے حنفی مسلک کے دلائل شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں' البتہ یہاں چند اصولی باتوں کی مختصراً نشان دہی مناسب ہے۔

(1) پہلی بات تو یہ ہے کہ صحیح احادیث صرف بخاری ؒ اور مسلم ؒ ہی میں منحصر نہیں ہیں' بلکہ حدیث کی صحت کا دارومدار اس پر ہے کہ اس کی اسناد اصول حدیث کی شرائط پر پوری اترتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام بخاری ؒ اور امام مسلم ؒ کے علاوہ سینکڑوں ائمہ حدیث نے احادیث کے مجموعے مرتب فرمائے ہیں' ان میں جو حدیث بھی مذکورہ شرائط پر پوری اترتی ہو وہ درست ہوگی' اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جو حدیث صحیحین کے علاوہ کسی اور کتاب میں مذکور ہو لازماً مرجوح ہی ہو' بلکہ دوسری کتابوں کی احادیث بھی بسا اوقات صحیحین کے معیار کے ہی ہوتی ہیں۔ لہٰذا محض یہ دیکھ کر کسی حدیث کو ضعیف کہہ دینا کسی طرح درست نہیں کہ وہ صحیحین میں یا صحاح ستہ میں موجود نہیں ہے' بلکہ اصل دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اصول حدیث کے لحاظ سے اس کا کیا مقام ہے؟ اگر یہ بات ذہن میں رہے تو امام ابو حنیفہ کے مسلک پر بہت سے وہ اعتراضات خود بخود دور ہو جاتے ہیں جو بعض سطح بیں حضرات وارد کیا کرتے ہیں۔

(2) دوسری بات یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے درمیان سینکڑوں فقہی مسائل میں جو اختلافات واقع ہوئے ہیں اس کا بنیادی سبب ہی یہ ہے کہ ہر مجتہد کا طرز استدلال اور طریق استنباط جدا ہوتا ہے' مثلاً بعض مجتہدین کا طرز یہ ہے کہ اگر ایک مسئلے میں احادیث بظاہر متعارض ہوں تو وہ اس حدیث کو لے لیتے ہیں۔ جن کی سند سب سے زیادہ صحیح ہو' خواہ دوسری احادیث بھی سنداً درست ہوں' اس کے برخلاف بعض حضرات ان روایات کی ایسی تشریح کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو جائیں' اور تعارض باقی نہ رہے' خواہ کم درجہ کی صحیح یا حسن حدیث کو اصل قرار دے کر صحیح حدیث کی خلاف ظاہر توجیہ کرنی پڑے اور بعض مجتہدین کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس حدیث کو اختیار کر لیتے ہیں۔ جس پر صحابہ و تابعین کا عمل رہا ہو' اور دوسری احادیث میں تاویل کرتے ہیں'

غرض ہر مجتہد کا انداز نظر جداگانہ ہے' اور ان میں سے کسی کو بھی یہ الزام نہیں دیا جاسکتا' کہ اس نے صحیح احادیث کو ترک کر دیا ہے' امام ابو حنیفہ ؒ عموماً احادیث میں تطبیق کی کوشش فرماتے ہیں' اور حتی الامکان ہر حدیث پر عمل کی کوشش کرتے ہیں' خواہ وہ سنداً مرجوح ہی کیوں نہ ہو' بلکہ اگر ضعیف حدیث کا کوئی معارض موجود نہ ہو تو اس پر بھی عمل کرتے ہیں' خواہ وہ قیاس کے خلاف ہو' مثلاً قہقہہ سے وضو ٹوٹ جانے' شہد پر زکوٰۃ واجب ہونے وغیرہ کے متعدد مسائل میں انہوں نے ضعیف احادیث کی بناء پر قیاس کو ترک کر دیا ہے'

(3) احادیث کی تصحیح و تضعیف بھی ایک اجتہادی معاملہ ہے' یہی وجہ ہے کہ علمائے جرح و تعدیل کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہوتا

رہتا ہے' ایک حدیث ایک امام کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہے اور دوسرا اسے ضعیف قرار دیتا ہے' چنانچہ حدیث کی کتابوں کو دیکھنے سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے لہٰذا بعض اوقات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے اجتہاد سے کسی حدیث کو قابل عمل قرار دیتے ہیں اور دوسرے مجتہدین اسے ضعیف سمجھ کر ترک کر دیتے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ چونکہ خود مجتہد ہیں' اس لئے دوسرے مجتہدین کے اقوال ان پر حجت نہیں ہیں۔

(4) بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ایک حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو صحیح سند کے ساتھ پہنچی جس پر انہوں نے عمل کیا' لیکن ان کے بعد کے راویوں میں سے کوئی راوی ضعیف آگیا' اس لئے بعد کے ائمہ نے اسے چھوڑ دیا' لہٰذا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی الزام عائد نہیں کیا جاسکتا۔

(5) اگر کوئی محدث کسی حدیث کو ضعیف قرار دیتا ہے تو بعض اوقات اس کے پیش نظر اس حدیث کا کوئی خاص طریق ہوتا ہے' لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ کسی دوسرے طریق میں وہی حدیث صحیح سند کے ساتھ آئی ہو' مثلاً من کان له امام فقراۃ الامام له قراءۃ کی حدیث بعض محدثین نے کسی خاص طریق کی بناء پر ضعیف کہا ہے' لیکن مسند احمد بن حنبل اور کتاب الآثار وغیرہ میں یہی حدیث بالکل صحیح سند کے ساتھ آئی ہے

(6) بسا اوقات ایک حدیث سنداً ضعیف ہوتی ہے' لیکن چونکہ وہ متعدد طرق اور اسانید سے مروی ہوتی ہے' اور اسے مختلف اطراف سے متعدد راوی روایت کرتے ہیں' اس لئے اسے قبول کر لیا جاتا ہے' اور محدثین اسے حسن لغیرہ کہتے ہیں۔ ایسی حدیث پر عمل کرنے والے کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے۔

(7) بعض اوقات ایک حدیث ضعیف ہوتی ہے اور حدیث کے ضعیف ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند میں کوئی راوی ضعیف آگیا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر ضعیف راوی ہمیشہ غلط ہی روایت کرے لہٰذا اگر دوسرے قوی قرائن اس کی صحت پر دلالت کرتے ہوں تو اسے قبول کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر حدیث ضعیف ہو لیکن تمام صحابہ اور تابعین اس پر عمل کرتے چلے آ رہے ہیں تو یہ اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ یہاں ضعیف راوی نے صحیح روایت نقل کی ہے چنانچہ حدیث "لاوصیته لوارث" کو اسی بناء پر تمام ائمہ مجتہدین نے معمول بہ قرار دیا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اس بناء پر ضعیف روایت کو صحیح سند والی روایت پر ترجیح بھی دے دی جاتی ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں' وہ شروع میں کافر تھے بعد میں مسلمان ہوئے اب اس میں روایات کا اختلاف ہے کہ ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے سابق نکاح برقرار رکھا تھا یا نیا نکاح کرایا تھا حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں ہے کہ آپ نے ان کا نیا نکاح کرایا اور مہر بھی نیا مقرر ہوا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے سابق نکاح برقرار رکھا تھا نیا نکاح نہیں کرایا تھا ان دونوں روایتوں میں سے پہلی روایت ضعیف ہے اور دوسری صحیح ہے' لیکن امام ترمذی جیسے محدث نے تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے پہلی روایت کو اس کے ضعف کے باوجود ترجیح دی ہے[27]

اسی طرح بعض مرتبہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس قسم کے قوی قرائن کی بناء پر کسی ضعیف حدیث پر عمل فرما لیتے ہیں لہذا اس کو ان کے خلاف بطور الزام پیش نہیں کیا جاسکتا۔

(8) بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو صحیح سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی اس بناء پر اسے حدیث کے خلاف سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ حدیث کے عین مطابق ہوتا ہے اس قسم کی غلطیوں میں بعض مشہور اہل علم بھی مبتلا ہو گئے ہیں مثلاً مشہور اہل حدیث عالم حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمتہ اللہ علیہ نے تعدیل ارکان کے مسئلے میں امام ابو حنیفہ کے موقف پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"حدیث شریف میں ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھی اس نے رکوع و سجود اطمینان سے نہیں کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین دفعہ فرمایا صل فانک لم تصل (تم نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی) یعنی شرعاً تمہاری نماز کا کوئی وجود نہیں' اسی حدیث کی بناء پر اہل حدیث اور شافعیہ وغیرہم کا بھی یہی خیال ہے کہ اگر رکوع اور سجود میں اطمینان نہ ہو تو نماز نہیں ہوگی احناف فرماتے ہیں رکوع اور سجود کا معنی معلوم ہو جانے کے بعد ہم حدیث کی تشریح اور نماز کی نفی قبول نہیں کرتے"[28]

حالانکہ یہ امام ابو حنیفہ کے مسلک کی غلط ترجمانی ہے' واقعہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ رکوع اور سجدہ تعدیل کے ساتھ نہ کیا جائے تو نماز واجب الاعادہ ہو گی لہذا وہ "صل فانک لم تصل" پر پوری طرح عمل پیرا ہیں البتہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "فرض" اور "واجب" میں فرق ہے جب کہ دوسرے ائمہ مجتہدین ان دونوں اصطلاحوں میں فرق نہیں کرتے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ نماز کے فرائض وہ ہیں جو قرآن کریم یا متواتر احادیث سے قطعی طریقہ پر ثابت ہوں' جیسے رکوع اور سجدہ وغیرہ اور واجبات ہیں جو اخبار احاد سے ثابت ہوں' عملی طور پر اس لحاظ سے تو دونوں میں کوئی فرق نہیں کہ جس طرح فرض کو چھوڑنے سے نماز دہرائی جائے

گی' اس طرح واجب کو چھوڑنے سے بھی دہرائی جائے گی۔ لیکن دونوں میں یہ نظری فرق ہے کہ فرض کو چھوڑنے سے آدمی تارک نماز کہلائے گا اور اس پر تارک نماز کے احکام جاری ہوں گے۔ اور واجب کو چھوڑنے سے تارک نماز نہیں کہلائے گا بلکہ نماز کے ایک واجب کا تارک کہلائے گا بالفاظ دیگر فرض نماز تو ادا ہو جائے گی لیکن اس پر واجب ہو گا کہ وہ نماز لوٹائے اور یہ بات حدیث کے مفہوم کے خلاف نہیں' بلکہ اس بات کی تصریح خود اسی کے آخر میں موجود ہے۔

جامع ترمذی میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب سے یہ فرمایا کہ "صل فانک لم تصل" (نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی) تو یہ بات صحابہ کو بھاری معلوم ہوئی کہ نماز میں تخفیف کرنے والوں کو تارک نماز قرار دیا جائے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد جب آپؐ نے ان صاحب کو نماز کا صحیح طریقہ بتاتے ہوئے تعدیل ارکان کی تاکید فرمائی تو ارشاد فرمایا:۔

فاذا فعلت ذلک فقد تمت صلوتک وان نقصت منه شيئا نقصت من صلاتک

ترجمہ:۔ "جب تم یہ کام کرو گے تو تمہاری نماز پوری ہوگی اور اگر اس میں تم نے کمی کی تو تمہاری نماز میں کمی واقع ہو جائے"

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں:۔

وكان هذا اهون عليهم من الاولى انه من انتقص من ذلک شيئا انتقص من صلاته ولم تذهب كلها[29]

ترجمہ:۔ "اور یہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہلی بات سے زیادہ آسان معلوم ہوئی کہ ان چیزوں میں کمی کرنے سے نماز میں کمی تو واقع ہوگی لیکن پوری نماز کا لعدم نہیں ہوگی۔"

حدیث کا یہ جملہ صراحۃ وہی تفصیل بتا رہا ہے جس پر حنفیہ کا عمل ہے' وہ حدیث کے ابتدائی حصہ پر عمل کرتے ہوئے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ تعدیل ارکان چھوڑنے سے نماز کو دہرانا پڑے گا۔ اور آخری حصہ پر عمل کرتے ہوئے اس کے بھی قائل ہیں کہ اس کو چھوڑنے سے آدمی کو تارک نماز نہیں کہیں گے بلکہ نماز میں کمی اور کوتاہی کرنے والا کہیں گے اس تشریح کے بعد غور فرمایئے کہ حنفیہ کے موقف کی یہ ترجمانی کہ وہ "حدیث کی تشریح قبول نہیں کرتے" حنفی مسلک کی کتنی غلط اور الٹی تعبیر ہے

یہ چند اصولی باتیں ذہن میں رکھ کر حنفیہ کے دلائل پر غور کیا جائے گا تو انشاء اللہ یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی کہ حنفیہ کے دلائل ضعیف ہیں' یا وہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک مجتہد کو یہ تو حق ہے۔ کہ وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کسی استدلال سے اختلاف کرے یا ان کے کسی قول سے متفق نہ ہو لیکن ان کے مذہب پر علی الاطلاق ضعف کا حکم لگا دینا یا یہ کہنا کہ وہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں ظلم عظیم سے کم نہیں۔

9- عبدالوہاب شعرانی شافعی کا فیصلہ

یوں تو بے شمار محقق علماء نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مدارک اجتہاد کی تعریف کی ہے۔ لیکن یہاں ہم ایک ایسے شافعی عالم کے چند اقوال نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں جو قرآن و حدیث اور فقہ و تصوف کے امام سمجھے جاتے ہیں یعنی حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی شافعی رحمتہ اللہ علیہ یہ بذات خود حنفی نہیں ہیں۔ لیکن انہوں نے ایسے لوگوں کی سخت تردید کی ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یا اسکے فقہی مذہب پر مذکورہ اعتراضات کرتے تھیں بلکہ انہوں نے اپنی کتاب "المیزان الکبریٰ میں کئی فصلیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع ہی کے لئے قائم فرمائی ہیں وہ فرماتے ہیں۔

اعلم یا اخی انی لم اجب عن الامام فی ھذہ الفصول بالصدور احسان الظن فقط کما یفعل بعضھم وانما اجبت عنہ بعد انتبع والفحص فی کتب الادلتہ ومذھبہ اول المذاھب تدوینا واخرھا انقراضا کما قالہ بعض اھل الکشف وقد تتبعت بحمداللہ اقوالہ و اقوال اصحابہ لما الفت کتاب ادلتہ المذاھب فلم اجد قولا من اقوالہ و اقوال اتباعہ الا وھو مستند الی ایتہ لوحدیث لو اثرا والی مفھوم ذلک لو حدیث ضعیف کثرت طرقہ لو الی قیاس صحیح علی اصل صحیح فمن ارادا لوقوف علی ذالک فلیطالع کتابی المذکور[3]

ترجمہ :- "یاد رکھئے کہ ان فصلوں میں (جو میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع کے لئے قائم کی ہیں) میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے کوئی جواب محض قلبی عقیدت یا حسن ظن کی بناء پر نہیں دیا جیسا کہ بعض لوگوں کا دستور ہے بلکہ میں نے یہ جوابات دلائل کی کتابوں کی پوری چھان بین کے بعد دیئے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تمام مجتہدین کے مذاہب میں سب سے پہلے مدون ہونے والا مذہب ہے اور بعض اہل کشف کے قول کے مطابق سب سے آخر میں ختم ہو گا جب میں نے فقہی مذاہب کے دلائل پر کتاب لکھی تو اسوقت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے اقوال کا اتباع کیا مجھے ان کے یا ان کے متبعین کا کوئی قول ایسا نہیں ملا جو مندرجہ ذیل

شرعی حجتوں میں سے کسی پر مبنی نہ ہو یا تو اس کی بنیاد کوئی آیت ہوتی ہے یا کوئی حدیث یا صحابی کا
اثر یا ان سے مستنبط ہونے والا کوئی مفہوم یا کوئی ایسی ضعیف حدیث جو بہت سے اسانید اور
طرق سے مروی ہو یا کوئی ایسا صحیح قیاس جو کسی صحیح اصل پر متفرع ہو جو شخص اس کی تفصیلات
جاننا چاہے وہ میری اس کتاب کا مطالعہ کرے"

آگے انہوں نے ان لوگوں کی تردید میں ایک پوری فصل قائم کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے
قیاس کو حدیث پر مقدم رکھا۔ اس الزام کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

اعلم ان هذا الكلام صدر من متعصب على الامام مشهور فی دينه غير متورع
فی مقاله غافلا عن قوله تعالى ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئک كان عنه
مسؤلا۔ 31

ترجمہ:۔ "یاد رکھیے کہ ایسی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے تعصب رکھتے ہیں
اور اپنے دین کے معاملے میں جری اور اپنی باتوں میں غیر محتاط ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد
سے غافل ہیں "بلاشبہ کان، آنکھ اور دل میں سے ہر ایک کے بارے میں (محشر میں) سوال
ہو گا۔"

10- امام اعظم سے مسئلہ قیاس میں چار تابعین کی ملاقات اور اطمینان

آگے انہوں نے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ مقاتل ابن حیان رضی اللہ عنہ حماد بن
سلمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے اس پروپیگنڈے کی حقیقت معلوم کی
کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو قیاس کو قرآن و
حدیث ہی نہیں آثار صحابہ کے بھی بعد استعمال کرتا ہوں اور صبح سے زوال تک امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ان حضرات کو اپنا
موقف سمجھاتے رہے آخر میں یہ چاروں حضرات یہ کہہ کر تشریف لے گئے کہ:

انت سيد العلماء فاعف عنا فيما مضى منا من وقيعتنا فيک بغير علم

ترجمہ:۔ "آپ تو علماء کے سردار ہیں۔ لہذا ہم نے ماضی میں آپ کے بارے میں صحیح علم کے بغیر
جو بدگمانیاں کی ہیں ان پر آپ ہمیں معاف فرمایئے۔"

اس کے بعد امام شعرانی رضی اللہ عنہ نے ایک اور فصل ان لوگوں کی تردید میں قائم کی ہے جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے
اکثر دلائل پر ضعیف ہونے کا الزام لگاتے ہیں اور مبسوط بحث کے ذریعہ اس بے بنیاد الزام کی حقیقت واضح کی ہے پھر

ایک اور فصل انہوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے قائم کی ہے کہ امام ابو حنیفہ ؒ کا مسلک دینی اعتبار سے محتاط ترین مذہب ہے اس میں وہ لکھتے ہیں۔

فانی بحمد اللہ اتبعت مذھبہ فوجدتہ فی غایتہ الاحتیاط والورع

ترجمہ :- "بحمد اللہ میں نے امام ابو حنیفہ ؒ کے مذہب کا تتبع کیا ہے اور اس کو احتیاط اور تقویٰ کے انتہائی مقام پر پایا ہے۔"

امام شعرانی ؒ کے یہ چند اقوال محض نمونے کے لئے پیش کر دیئے گئے ہیں اور ان کی یہ پوری بحث قابل مطالعہ ہے۔[32]

1- علامہ ذہبی نے ہرگز امام ابو حنیفہ ؒ کی تضعیف نہیں کی بلکہ تذکرۃ الحفاظ اور تقریب میں نہایت وضاحت کے ساتھ آپ کی توثیق اور تعدیل کی ہے

باقی میزان الاعتدال کی یہ عبارت ص 335' ج 2 میں جو معترضین نقل کرتے ہیں (ضعفہ النسائی من جھۃ حفظہ و ابن عدی وغیرہ) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عبارت میزان الاعتدال کے صحیح شدہ نسخوں میں نہیں ہے اگر کسی نسخہ میں یہ عبارت موجود ہے تو وہ غلطی سے ہے اس لئے کہ حافظ زین الدین عراقی نے شرح الفیہ میں اور جلال الدین سیوطی نے تدریب الراوی میں اور علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں اس کی تصریح کی ہے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں صحابہ اور ائمہ متبوعین کا ذکر نہیں کیا قال السخاوی مع انہ (ای الذھبی)

اتبع ابن عدی فی ایراد کل من تکلم فیہ ولو کان ثقتہ لکنہ التزم انہ لا یذکر لا حد من الصحابتہ والائمہ المتبوعین

ترجمہ :- "(اگرچہ وہ ثقہ ہو) کا ذکر کرنے میں ابن عدی کا اتباع کیا ہے۔ لیکن انہوں نے صحابہ اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا قصداً تذکرہ نہیں کیا۔"

علامہ سخاوی فرماتے ہیں۔

علامہ ذہبی نے میزان کے دیباچہ میں اس کی تصریح کر دی ہے:۔

وکذا لا اذکر فی کتابی من الائمتہ المتبوعین فی الفروع احداً لجلالتھم فی الاسلام و عظمتھم فی النفوس مثل ابی حنیفتہ و الشافعی والبخاری۔

ترجمہ :- "اور اسی طرح نہیں ذکر کیا میں نے اپنی کتاب میں ان ائمہ کی جن کا اتباع فروعات میں

کی جاتی ہے اسلام میں ان کی بزرگی اور دلوں میں عظمت کی وجہ سے مثلاً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام
شافعی رحمۃ اللہ علیہ و امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔"

جب کہ علماء ثقات ائمہ متبوعین کے عدم ذکر کی تصریح کر رہے ہیں تو پھر اس عبارت کے الحاقیہ ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ علامہ ذہبی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "میزان الاعتدال" کے ص 3 میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ ہے:۔

فان ذکرت احداً منھم فاذکرہ علی الانصاف و مایضرہ ذالک عنداللہ وعند الناس

ترجمہ:۔ "اور اگر ان میں سے کسی کا میں تذکرہ کروں گا تو انصاف کے ساتھ کروں گا جو عنداللہ اور عندالناس مضر نہیں۔"

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذہبی نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ متبوعین کا ذکر بھی کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے فقط ذکر کا احتمال پیدا ہوتا ہے۔ مگر حافظ عراقی جلال الدین سیوطی اور سخاوی جو ذہبی سے متاخر ہیں اور ان حضرات نے بار بار میزان الاعتدال کا مطالعہ کیا ہے اور وہ صاف اور واضح لفظوں میں عدم ذکر کی تصریح کرتے ہیں تو کہنا پڑے گا کہ فی الواقع صحابہ کرام اور ائمہ متبوعین کا ذکر اس کتاب میں مستقل نہیں ہے یا یوں کہا جائے کہ ذہبی نے ذکر استقلال کی نفی کی ہے اور ضمنی ذکر کا اثبات اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جرح کے متعلق علامہ ذہبی کی طرف جو عبارت منسوب کی جاتی ہے اس کی حیثیت مستقل عبارت کی ہے لہذا ماننا پڑے گا کہ یہ عبارت الحاقیہ ہے۔ اس موقع پر بعض معترضین میزان الاعتدال کی عبارت ذیل کو پیش کرکے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تضعیف کرتے ہیں۔

۱۱۔ ابن عدی کا اعتراض: اسمٰعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت الکوفی عن ابیہ عن جدہ قال ابن عدی ثلثھم الضعفاء[33]

ترجمہ:۔ "اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت کوفی اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ ابن عدی نے کہا یہ تینوں ضعیف ہیں۔"

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس عبارت سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ علامہ ذہبی کے نزدیک ضعیف ہیں۔ کیونکہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال کے دیباچہ میں خود معذرت کی ہے۔ اور ابن عدی کی

موافقت سے اپنی برات ظاہر فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

وفیہ من تکلم مع ثقتہ و جلالتہ بادنی لین و باقل تخریج فلو لا ابن عدی
وغیرہ من مولفی کتب الجرح ذکروا ذالک الشخص لماذکنرتہ لثقتہ ثم قال
انی لا ذکر تہ تضعف فیہ عندی الخ

ترجمہ :۔ "اس کتاب (کامل) میں ان راویوں کا بھی ذکر ہے جن کے بارے میں باوجود ان کی ثقاہت اور جلالت کے معمولی نرمی کی بناپر جرح کی گئی ہے۔ اگر ابن عدی یا دوسرے مولفین کتب جرح نے ان کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں ہرگز ان کی ثقاہت کی وجہ سے ان کا ذکر نہ کرتا۔ پھر آگے فرمایا کہ میں نے ان کا ذکر ہرگز اس لئے نہیں کیا ہے کہ وہ میرے نزدیک ضعیف راوی ہیں۔

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ امام ذہبی نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ذکر باب الالف میں کر دیا ہے۔ لہذا یہ دعویٰ کہ میزان میں ائمہ کا ذکر نہیں ہے غلط ہو گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ضمناً ذکر ہے نہ کہ مستقل اور ضمنی ذکر کی نفی نہیں کی ہے۔ ضمناً تو جا بجا میزان میں امام بخاری کا ذکر بھی آگیا ہے۔ چنانچہ اسی میزان میں ہے ابو زرعہ اور ابو حاتم نے بخاری سے روایت چھوڑی ہے۔

12- امام نسائی کا اعتراض

9- نسائی۔ کتاب الضعفاء مطبوعہ الہ آباد ص 35 میں ہے۔

وابو حنیفہ لیس بالقوی فی الحدیث

ترجمہ :۔ "اور ابو حنیفہ حدیث میں قوی نہیں ہیں۔"[34]

امام نسائی سے اس جرح کے ناقل حسن بن رشیق ہیں حسن بن رشیق ان لوگوں میں سے ہیں جن پر حافظ عبدالغنی اور دار قطنی نے جرحیں کی ہیں۔[35]

لہذا حسب قاعدہ حسن بن رشیق خود مجروح ہوئے اور مجروح کی روایت قابل اعتبار نہیں ہو سکتی تو ان کی روایت سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو مجروح ٹھہرانا غلط اور لغو ہے۔

ثانیاً:۔ ○ امام نسائی ان متشددین میں سے ہیں جنہوں نے بخاری و مسلم کے بہت سے راویوں پر محض

تعنت سے جرح کر دی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

احمد بن صالح المصری تعامل علیہ النسائی الحسن بن الصباح المبزور تعنت فیہ النسائی حبیب المعلم متفق علی توثیقہ لکن تعنت فیہ النسائی محمد بن بکر البو سانی لینہ النسائی نعیم بن حماد ضعفہ النسائی بلا حجتہ۔

ترجمہ:- "احمد بن صالح مصری ۔ حسن بن صباح البزور حبیب المعلم محمد بن ابی بکر البرسانی (اگر چہ ان کے ثقہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے) نعیم بن حماد یہ سب قابل احتجاج ہیں لیکن امام نسائی نے ان سب کی بلا دلیل تضعیف کی ہے"

یہ پانچوں راوی ایسے معتبر اور ثقہ ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احتجاجا ان سے روایت کی ہے۔ مگر امام نسائی نے بوجہ تعنت کے ان کے بھی تضعیف کر دی ہے اور ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" میں بذیل ترجمہ حارث بن عبداللہ لکھا ہے۔

حدیث الحارث فی سنن الاربعہ والنسائی مع تعنتہ فی الرجال فقد احتج بہ النسائی مع تعنتہ

ترجمہ:- "حارث کی حدیث سنن اربعہ اور نسائی سب میں موجود ہے باوجود یہ کہ امام نسائی رواۃ کے سلسلہ میں بہت متعنت (سخت گیر) ہیں مگر ان کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے زہر الربٰی علی المجتبٰی میں لکھا ہے۔

فکم من رجل اخرج لہ ابو داؤد والترمذی و تجنب النسائی اخراج حدیثہ بل تجنب اخراج حدیث جماعتہ من رجال الصحیح الخ۔

ترجمہ:- "کتنے ہی ایسے حضرات ہیں جن سے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے لیکن امام نسائی نے اجتناب کیا ہے بلکہ اور بہت سے صحیح (صحیح بخاری) کے راویوں سے نسائی نے حدیث بیان کرنے میں پرہیز کیا ہے۔"

جب کہ حسب تصریح ابن حجر و سیوطی وغیرہم امام نسائی متشددین میں سے ہیں۔ تو ان کی جرح ایسے امام کے حق میں جس کا ثقہ اور جید الحافظ ہونا بڑے بڑے ثقات و نقاد فن کے بیان سے ثابت ہے کس طرح مقبول ہو سکتی ہے۔

ثالثاً:۔ ○ جو کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ تسلیم کی گئی ہے یعنی صحیح بخاری۔ اس کے بعض روایت پر بھی کثیر الغلط و الخطاء کی قسم کی جرحیں منقول ہیں۔ مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے چنانچہ مقدمہ فتح الباری میں ہے۔

قبیصہ بن عقبہ قال احمد بن حنبل کان کثیر الغلط و کان ثقتہ لا باس

وصاح بن عبداللہ قال ابو حاتم کان یغلط کثیرا

جریر بن حازم قال امام احمد بن حنبل کثیر الغلط وقال الاثرم عن احمد حدث بمصر احادیث وھم فیھا ولم یکن یحفظ۔

سلیمان بن حیان عن ابی داؤد اتی من سوء حفظہ فیغلط و یخطی

عبدالعزیز بن حجر قال ابو ذرعہ سئی الحفظ ربما حدیث من حفظ السئی فیخطی

ترجمہ:۔ " قبیصہ بن عقبہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ وہ بہت غلطی کرنے والا تھا' پھر بھی ثقہ تھا۔

ابو حاتم نے وضاح بن عبداللہ کے بارہ میں فرمایا کہ وہ بہت غلطی کیا کرتا تھا۔

جریر بن حازم کے لئے امام احمد بن حنبل نے فرمایا وہ بہت غلطی کرنے والا تھا اور اثرم نے احمد سے روایت کی کہ اس نے مصر میں ایسی احادیث بیان کیں جن میں اس کو وہم تھا اور اچھی طرح یاد نہیں تھیں۔

سیلمان بن حبان کے بارے میں ابو داؤد کہتے ہیں کہ حافظہ کی کمزوری کے باوجود انہوں نے روایت کی اس لئے ان سے لغزشیں ہوئیں۔

عبدالعزیز کے متعلق ابو ذرعہ نے فرمایا کہ ان کا حافظہ خراب تھا اور اکثر اسی خراب حافظہ کی بنیاد پر حدیث بیان کرتے' چنانچہ غلطی کرتے تھے۔"

اس قسم کے اور بھی بہت سے رواۃ ہیں جن سے بخاری نے روایت کی ہے اگر کسی کے کثیر الغلط کہہ دینے سے ثقہ و صدوق راوی ضعیف اور قابل ترک ہو جاتا ہے تو پھر صحیح بخاری بجائے اصح الکتب ہونے کے اضعف الکتب

ٹھہرے گی۔

رابعاً۔ ○ ابو عبدالرحمن نسائی نے سنن نسائی کو یعنی مجتبیٰ کو سنن کبریٰ سے منتخب کرکے مرتب کیا ہے اور خود اس امر کا اقرار کیا ہے کہ اس کی کل حدیثیں صحیح ہیں چنانچہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب زہرالربیٰ میں لکھتے ہیں:۔

قال محمد بن معاویۃ الاحمر الراوی عن النسائی۔ قال النسائی کتاب السنن کلا صحیح و بعضہ معلول الاانہ لم یبق علتہ والمنتخب المسمی بالمجتبی صحیح کلہ و ذکر بعضھم ان النسائی لما صنف السنن الکبری اھداہ الی الامیر فقال لہ الامیر کل مافی ھذا صحیح قال لا قال فجرد الصحیح منہ فصنف لہ المجتبیٰ

ترجمہ:۔ "نسائی کے راوی محمد بن معاویہ فرماتے ہیں۔ امام نسائی نے فرمایا کہ کتاب السنن ساری صحیح ہے۔ صرف اس کا کچھ حصہ معلول ہے مگر اس کی علت باقی نہیں رہی اور منتخب جس کا نام مجتبیٰ ہے وہ سب صحیح ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام نسائی نے جب سنن کبریٰ تصنیف کی تو امیر کو بطور ہدیہ پیش فرمائی امیر نے معلوم کیا اس کی ساری حدیثیں صحیح ہیں؟ امام نسائی نے فرمایا نہیں۔ امیر نے کہا اس میں سے صحیح احادیث منتخب کر دیجئے چنانچہ اس کے بعد مجتبیٰ تصنیف فرمائی۔"

اور نسائی کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی مثلاً ابن مندہ بن عدی دار قطنی اور خطیب وغیرہم نے بھی مجتبےٰ صحیح قرار دیا ہے۔ زہرالربیٰ اور فتح المغیث میں اس کی تصریح موجود ہے اور سنن نسائی میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت موجود ہے۔

تہذیب التہذیب میں ہے:۔

وفی کتاب النسائی حدیثہ عن عاصم عن ابن عباس قال لیس علی اتی البھیمۃ حدا الخ

ترجمہ:۔ "اور نسائی میں ان کی روایت عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ فرمایا بہیمہ سے

جماع کرنے والے پر حد نہیں ہے۔"

اور تقریب الاسانید میں نعمان بن ثابت کے نام پر (شم۔ ت۔ س) علامت لکھی ہوئی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ شمائل ترمذی و جزالقراءۃ للبخاری اور نسائی کے راوی ہیں۔

اب غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر واقعی نسائی کے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غیر قوی کثیر الغلط و الخطا تھے تو نسائی نے ان سے کیوں روایت کی اور اپنی کتاب کو صحیح کلمہ کیوں کہا۔ پس حسب خیال معترض نسائی کے دونوں قولوں میں تعارض ہے۔

مگر ہم معترض کو دو توجیہ ایسی بتلاتے ہیں کہ نہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر حرف آئے گا اور نہ حضرت نسائی پر۔

ممکن ہے کہ امام نسائی نے پہلے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو غیر قوی خیال کیا ہو، مگر بعد تتبع و تحقیق کے معلوم ہوا ہو کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں اور پہلے خیال سے رجوع کر لیا ہو یا یوں کہا جائے۔

لیس بالقوی فی الحدیث ای علی شرط النسائی وھو کثیر الغلط و الخطاء ای فی فھم المعنی

ترجمہ:۔ "حدیث میں قوی نہیں تھے یعنی نسائی کی شرط کے مطابق اور وہ بہت غلطی کرنے والے تھے یعنی معنی کے سمجھنے میں۔"

چونکہ رواۃ کے باب میں نسائی کی شرطیں بہت سخت ہیں، اپنی شروط اور اصطلاح کے اعتبار سے لیس بالقوی کہہ دیا ہے۔

بل تجنب النسائی اخراج حدیث جماعتہ من رجال الصحیحین وحکی ابو الفضل من ظاھر قال سعد بن علی الریحانی عن رجل موثقتہ فقلت لہ ان النسائی لم یحتج بہ فقال یابنی ان لابی عبدالرحمن شرطا فی الرجال اشد من شرط البخاری والمسلم

ترجمہ:۔ "بلکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیحین راویوں کی ایک جماعت سے روایت کرنے میں احتراز کیا ابو الفضل نے طاہر سے نقل کیا کہ سعد بن علی الریحانی نے ایک شخص کے بارے میں کہا کہ وہ

ثقہ ہے میں نے ان سے کہا کہ پھر نسائی نے ان کو قابل حجت کیوں نہیں قرار دیا؟ انہوں نے فرمایا

بیٹے رجال کے بارے میں ابو عبدالرحمن کی شرط بخاری و مسلم سے بھی زیادہ سخت ہے۔"

اور چونکہ حافظ نسائی محدث شافعی تھے۔ غوامض فقہ کی جانب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ان کی توجہ نہ رہی

ہوئی اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مسائل میں ... [illegible] ان کے ظاہر فہم کے خلاف سمجھا ہوگا اور جیسا ابن الا [illegible]

محدثین کا حال تھا اپنے ظن کے اعتبار سے کہہ دیا ہوگا۔

کثیر الغلط و الخطاء فی فہم المعنی ہماری اس توجیہ سے نہ امام صاحب کا سئی الحافظہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ نسائی کے اقوال میں تعارض باقی رہتا ہے۔ اگر معترض محض ضد سے ان توجیہات کو نہ مانے تو پھر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کو کثیر الغلط و الخطاء کہنا پڑے گا۔ اس لئے کہ کثیر الغلط و الخطاء سے روایت کرکے اسے صحیح بتلانا جید حفاظ کا کام نہیں۔ کیا معترض کی غیرت تقاضہ کرتی ہے۔ کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کو کثیر الغلط و الخطاء اور سئی الحافظہ کا خطاب دے۔

13 — امام ابن عدی کا اعتراض :- ○ میزان للاعتدال میں ہے تلثهم الضعفاء یعنی اسماعیل حماد اور ابو حنیفہ تینوں ضعیف ہیں۔

اقول اولاً:- ○ ابن عدی کی جرح قابل وثوق نہیں ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے بہت سے قابل وثوق اور ثقات کو بھی اپنی کامل میں مجروح بنا دیا ہے۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ میزان کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وفیہ من تکلم فیہ مع ثقتہ وجلالتہ بادنی الین واقل تخریج فلو لا ابن عدی

وغیرہ من مؤلفی کتب الجرح ذکر وذلک الشخص لما ذکرتہ لثقتہ الخ

ترجمہ :- "اس کتاب (کامل) میں ان راویوں کا بھی ذکر ہے جن پر ان کی ثقاہت وجلالت کے معمولی کمزوری کی بنا پر جرح کی گئی ہے۔ اگر ابن عدی یا دوسرے مولفین کتب جرح نے ان کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی (ان کی ثقاہت کی وجہ سے) ہرگز ان کا ذکر نہ کرتا۔"

اور میزان کے اخیر میں لکھتے ہیں:-

فاصلہ و موضوعہ فی الضعفاء وفیہ خلق من الثقات ذکرتهم للذب عنهم ولان

الکلام غیر موثر فیہم ضعفاء الخ [37]

ترجمہ :- "ابن عدی کی کتاب کامل کا اصل موضوع ضعفاء ہے اگرچہ اس میں بہت سے ثقات کا بھی

ذکر ہے۔ میں نے ان کا ذکر صرف اس لئے کیا ہے کہ میں ان کی طرف منسوب ضعف کو دور کروں یا یہ بتاؤں کہ ان کے بارہ میں ضعف کی بات غیر موثر ہے۔"

اور جعفر بن ایاس کے ترجمہ میں لکھا ہے:۔

اور دہ ابن عدی فی کاملہ فاساء

ترجمہ:۔ "ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں ان کا تذکرہ کرکے غلطی کی۔"

اور حماد بن سلیمان کے ترجمہ میں تحریر ہے:۔

تکلم فیہ. لارجاء ولولا ذکر ابن عدی لہما ذکرتہ

ترجمہ:۔ "ان کے بارے میں ارجاء کی وجہ سے کلام کیا ہے۔ لیکن اگر ابن عدی نے ان کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی ہرگز نہ کرتا۔"

اور حمید بن ھلال کے ترجمہ میں ہے:۔

وھو فی کامل ابن عدی مزکور فلھذا ذکرتہ والا فالرجل حجتہ

ترجمہ:۔ "چونکہ ابن عدی کی کامل میں ان کا تذکرہ ہے' اس لئے میں نے بھی ذکر کیا' ورنہ وہ آدمی حجت ہیں۔"

اور اشعث بن عبدالمالک کے ترجمہ میں لکھا ہے:۔

قلت انما اوردتہ لذکر ابن عدی لہ فی کاملہ

ترجمہ:۔ "میں نے ان کا ذکر اس لئے کیا کہ ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔"

اور اسی مضمون کی بہت سے عبارتیں میزان میں موجود ہیں۔ زین الدین عراقی نے شرح الفیہ میں لکھا ہے:۔

ولکنہ رای ابن عدی ذکر فی کتابہ الکامل من تکلم فیہ وان کان ثقتہ

ترجمہ:۔ "لیکن ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں ہر متکلم فیہ کا تذکرہ کیا ہے اگرچہ وہ ثقہ ہو۔"

اور سخاوی نے فتح المغیث میں لکھا ہے:۔

ولکنہ توسع لذکرہ کل من تکلم فیہ وان کان ثقتہ ولذا لا یحسن ان یقال الکامل

للناقصین الخ

ترجمہ:۔ "لیکن ابن عدی نے اپنے کلام کو وسعت دے کر ہر متکلم فیہ کا تذکرہ کیا اگرچہ وہ ثقہ ہو۔ اسی لئے یہ کہنا درست نہیں کہ کامل میں صرف ناقصین کا تذکرہ ہے۔"

بلکہ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے رجال بخاری میں بھی کلام کیا ہے ازان جملہ ثابت ابن محمد العابدو سلیمان بن حبان و حسان بن ابراہیم وغیرہم ہیں کما فی مقدمہ فتح الباری پس ابن عدی جیسے متوسع کی جرح ایسے امام اعظم کے حق میں جن کو یحییٰ شعبہ، وکیع اور علی بن المدینی وغیرہم ثقہ و صدوق اور جید الحافظ کہہ رہے ہوں کیسے مقبول ہو سکتی ہے۔

ثانیا:۔ ○ ابن عدی کی جرح مبہم ہے اور حسب قاعدہ اصول تعدیل تفسیر کے ہوتے ہوئے جرح مبہم غیر مقبول ہے اس لئے جرح قابل اعتبار نہیں۔

14- امام بخاری کا اعتراض

امام بخاری، محمد بن اسماعیل بخاری کی طرف منسوب ہے۔ کہ ان کے کلام سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ناقص الحافظہ ہونا ثابت ہوتا ہے، انتہائی جرات اور دلیری ہے۔ کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی ایسی عبارت نہیں پیش کی جا سکتی جس سے معترضین کا دعویٰ پایہ ثبوت کو پہنچتا ہو۔ یہ محض امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حسد، بغض اور کینہ ہے کہ بے خوف و خطر جو جی میں آیا وہی کہہ دیا۔ اس کو بجز بغض کے اور کیا کہا جائے۔

حافظ عبدالعزیز بن ابی رواد نے اپنی خداداد فراست سے ٹھیک ہی فرمایا ہے جس کو ابن حجر مکی نے خیرات حسان کے ص 35 میں لکھا ہے۔

فقال الحافظ عبدالعزیز بن رواد من احب ابا حنیفه فهو سنی ومن ابغضه فهو مبتدع وفی روایته بیننا وبین الناس ابو حنیفه فمن احبه و تولاه علمنا انه من اهل السنه ومن ابغضه علمنا انه من اهل البدعه الخ۔[42]

ترجمہ:۔ "حافظ عبدالعزیز بن رواد نے فرمایا جو شخص امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کرتا ہے وہ سنی ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ بدعتی ہے ایک روایت میں ہے کہ ہمارے اور پہلے لوگوں

کے درمیان امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں پس جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ ہمارے نزدیک اہل سنت میں
سے ہے اور جو بغض رکھتا ہے وہ اہل بدعت میں سے ہے۔"

تنبیہہ:۔ ○ واضح ہو کر محض اسکات خصم کے لئے یہ جرحیں نقل کی گئی ہیں۔ جیسا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ علیہ دہلوی نے اپنی کتاب تحفہ میں بمقابلہ شیعہ الزامی پہلو اختیار فرمایا ہے ورنہ صداقت کے ساتھ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دونوں ثقہ صدوق' عادل' ضابط' جیدالحافظ' عابد' زاہد اور عارف تھے۔ کوئی ان میں مجروح نہیں اور کسی کی حدیث قابل ترک نہیں۔ جن احوال سے امام بخاری کی جرحیں موضوع ہیں انہی احوال سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جرحیں مرفوع اور ساقط اعتبار ہیں۔

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف الرحیم ۔[39]

15- امام دار قطنی کا اعتراض:۔ دار قطنی اپنی سنن ص 123 میں لکھتے ہیں:۔

لم یسنده من ابن ابی عائشه غیر ابی حنیفه والحسن بن عماره وهما ضعیفان۔

ترجمہ:۔ "ابن ابی عائشہ سے سوائے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بن عمارہ کے کسی نے روایت نہیں کی اور وہ دونوں ضعیف ہیں۔"[40]

اقول اولاً:۔ ○ یہ جرح مبہم ہے اور تعدیل مفسر کے ہوتے ہوئے جرح مقبول نہیں۔ کما مرمراراً۔

ثانیاً:۔ ○ دار قطنی شافعی المذہب ہیں' بوجہ منافرت مذہبی کے ان سے یہ جرح صادر ہوئی۔ عینی نے عمدۃ القاری ص 66 ج ا میں تحریر فرمایا ہے۔

لو تادب دار قطنی واستحیی لما تلفظ عنده اللفظته فی حق ابی حنیفه فانه امام طبق علمه المشرق والمغرب۔[41]

ترجمہ:۔ "اگر دار قطنی ادب اور حیا سے کام لیتے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اس قسم کے

الفاظ منہ سے نہ نکالتے کیونکہ ان کی امامت اور ان کا علم دنیا میں مسلم ہے۔"

اس کے بعد عینی نے یحییٰ بن معین و شعبہ و عبداللہ بن المبارک و سفیان بن عیینہ و سفیان ثوریؒ و حماد بن زید و عبدالرزاق و وکیع و مالک و شافعی اور احمد سے امام ابو حنیفہ ؒ کی توثیق اور مناقب ذکر کرکے لکھا ہے:۔

وقد ظهرت من هذا تحامل الدار قطنى عليه وتعصب الفاسد و ليس له بانسبته الى هؤلاء حتى يتكلم فى امام متقدم على هؤلاء فى الدين والتقوى والعلم و يتضعفه اياه وهو يستحق التضعيف۔

افلا يرضى بسكوت اصحابه عنه وقد روى فى سننه احاديث سقيمته و معلولته و منكرة و غريبته و موضوعته

وقد روى ضعيفه' فى كتاب الجهر ببسملة واحتج بهامع علمه بذالك حتى ان بعضهم استخلصه على ذالك فقال ليس فيه حديث صحيح

ترجمہ:۔ "اور اس سے دار قطنی کا امام صاحب پر ظلم اور بے بنیاد تعصب ظاہر ہوگیا۔ دار قطنی کی ان حضرات کے سامنے کوئی حیثیت نہیں کہ وہ ایسے امام پر کلام کرتے ہیں جو دین تقوی اور علم میں ان سب پر مقدم ہیں اور وہ ایسے امام کو ضعیف کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود اس کے مستحق ہیں۔

کیا وہ امام صاحب کی بابت اپنے اصحاب کے سکوت پر راضی نہیں' حالانکہ خود انہوں نے اپنی سنن میں ضعیف معلول منکر غریب اور موضوع حدیثیں بیان کی ہیں۔"

اور انہوں نے جھر بسم اللہ کے سلسلہ میں ایک ضعیف روایت بیان کی اور ضعف کا علم ہونے کے باوجود اس سے استدلال کیا یہاں تک کہ بعض حضرات نے ان سے حلف لیا تو خود کہا کہ واقعی اس میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔"

اور واقعی دار قطنی نے بہت سے ثقہ کو ضعیف اور ضعیف کو ثقہ کہہ دیا ہے۔

ابن عمر بن الخطاب كان يسخن له ماء فى قمقمة ويغتسل به فهذا اسناد صحيح۔[42]

ترجمہ :۔ "حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے لئے برتن میں پانی گرم کیا جاتا تھا اور وہ اس سے غسل کیا کرتے تھے۔"

اس کی سند کو صحیح لکھ دیا۔ حالانکہ اس کی سند میں علی بن عزام اور ہشام بن سعد واقع ہیں جو مجروح ہیں[43]

ثانیاً:۔ ○ دار قطنی نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر بھی یہی عیب لگا دیا اسحق بن محمد جو بخاری' ابو داؤد اور نسائی کے معتبر راوی ہیں۔ ان کی روایت کی وجہ سے کہہ دیا ہے عیب علی البخاری مقدمہ فتح الباری۔ ص 415

دار قطنی کے بیان سے تو بخاری بھی معیوب ٹھہرے۔

پس جس طرح اسحق بن محمد کے باب میں دار قطنی کا کلام غلط سمجھا جاتا ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے باب میں بھی غلط سمجھنا چاہئے۔

۔ دار قطنی نے سنن نسائی کو صحیح کہا ہے۔

اور پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نسائی کے راوی ہیں۔ پس دار قطنی کے دونوں کلاموں میں تعارض ہے۔[44]

16 ۔ امام بیہقی کا اعتراض

ولم يتبعهما عليه الا من هو اضعف منهما

ترجمہ :۔ "اس حدیث میں ان دونوں کی متابعت صرف اس شخص نے کی ہے جو ان دونوں سے زیادہ ضعیف ہے۔"[45]

اقول اولاً:۔ ○ یہ جرح مبہم جائے۔ خلاف قاعدہ اصول غیر مقبول کمامر۔

ثانیاً:۔ ○ بیہقی کے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیوں ضعیف ہیں۔ اگر حدیث:

من كان له امام موجود ہے۔

ترجمہ :۔ "جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قرات اس کے لئے کافی ہے۔"

مرفوع روایت کرنے کی وجہ سے ضعیف ہیں تو محض غلط ہے کیونکہ اس حدیث کو فقط امام صاحب نے مرفوعاً نہیں بیان کیا بلکہ دوسرے ثقات جیسے سفیان ثوری اور شریک نے بھی بسند صحیح مرفوعاً روایت کیا ہے۔ کما سیاتی

تفصیله فی موضعه اور اگر کوئی دوسری وجہ ہو تو امام بیہقی کے مقلد اس کو بیان کریں اور بیہقی کی کتاب میں اس کی تصریح دکھا دیں۔

ثانیا:۔ ○ بیہقی متاخرین میں سے ہیں۔ شافعی المذہب اور شافعی کے دلائل کے جوئندہ ہیں۔ لبستان المحدثین میں ہے "در تصانیف خود نصرت مذہب او" "علامہ بیہقی نے اپنی تصانیف میں مذہب نمودہ وبتائید و نصرت او رواج شافعی کی تائید فرمائی ہے اور ان کی تائید و ایں مذہب دو بالا گشتہ و ہکذا فی نصرت سے اس مذہب کا رواج دو بالا ہوگیا اور یہی طبقات الشافعیہ میں ہے۔"[46]

باوجود محدث ہونے کے حدیث کی بہت سی کتابیں مثلاً نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ ان کے پاس نہ تھیں اور وہ ان کتابوں کی احادیث سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔ عبدالعزیز لبستان المحدثین میں ص ۲۷ میں لکھتے ہیں۔

وسنن نسائی و جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ نزداو نبود و بر احادیث ایں سہ کتاب کما ینبغی اطلاع ندارد	"سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ ان کے پاس نہیں تھیں اور ان تین کتابوں کی احادیث پر کما حقہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔"[47]

ولم یقع الترمذی ولا لنسائی ولا ابن ماجہ الخ[48] اور ان کی حدیث اور ان کا دائرہ حدیث وسیع نہ تھا۔

قال الذہبی دائرۃ الحدیث لیست

کبیرۃ للبیہقی[49]

ترجمہ:۔ "ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بیہقی کا دائرہ حدیث وسیع نہیں تھا۔"

بیہقی کے مسامحات جس کو دیکھنے ہوں وہ الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی دیکھے پس بیہقی کی جرح اس اعتبار سے بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔

17- امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کا اعتراض:۔ ○ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر اعتراض کرنے والے لوگ ابن الجوزی کی کتاب المنتظم کی تین روایتیں تخریج ہدایہ کے حاشیہ سے نقل کرتے ہیں۔

(الف) قال صاحب المنتظم عبداللہ بن علی المدینی قال سالت عن ابی حنیفہ

فضعفه جدا و قال خمسين حديثا اخطافيه

(ب) عن ابی حفص عمر بن علی قال ابو حنیفه لیس بحافظ مضطرب الحدیث ذاہب الحدیث

(ج) قال ابوبکر بن داؤد جمیع ما روی ابو حنیفه الحدیث مائته وخمسون اخطا او قال غلط فی نصفها انتہی [49]

ترجمہ :- "صاحب المنتظم کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن علی المدینی سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے ان کی بہت تضعیف کی اور کہا کہ امام ابو حنیفہ کی پچاس حدیثوں میں غلطیاں ہیں"

"ابو حفص عمر بن علی کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حافظ حدیث نہیں تھے اور ذاہب الحدیث یعنی ضعیف تھے۔

"ابو بکر بن داؤد کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے صرف 150 حدیثیں مروی ہیں اور نصف یعنی پچہتر حدیثوں میں غلطی کی ہے۔

اقول اولاً:- ○ ابن جوزی ضعیف حدیث اور روات کے بارے میں غایت درجہ متشدد ہیں۔ حتیٰ کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کو بھی موضوعات میں داخل کر دیا ہے اور ان کے بعض راویوں کو بھی وضاع اور کذاب کہہ دیا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر محدثین نے ان کی تنقید پر اعتماد نہیں کیا۔ اور ان کی تنقید کو لا یعبا بہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:-

قد نبه الحفاظ قديما و حديثا على ان فيه (اى فى كتاب الموضاعات) تسهلا كثيرا و احاديث ليست بموضوعنه بل هى من رلوى الضعيف وفيه احاديث حسان واخرى صحاح بل فيه حديث من صحيح مسلم نبه عليه الحافظ ابن حجرو و جدت فيه حديثا من صحيح البخارى وقال ابن حجر تساهله وتساهل الحاكم فى المستدرك كعدم نفع بكتا بيهما [50]

ترجمہ:۔ "قدیم اور جدید محدثین نے اس پر تنبیہہ فرمائی ہے کہ کتاب الموضوعات میں بہت تساہل اور کمزوری ہے اور اس میں وہ احادیث بھی ہیں جو موضوع نہیں ہیں۔ بلکہ ضعیف راویوں سے مروی ہیں اور بعض حدیثیں حسن اور بعض صحیح بھی ہیں بلکہ ایک حدیث مسلم کی بھی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا کہ میں نے ایک حدیث اس میں بخاری کی بھی دیکھی ہے۔
ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن الجوزی اور مستدرک میں حاکم کے تساہل نے دونوں کتابوں کے نفع کو کالعدم کر دیا۔"۔

ابن الجوزی کے تسامح کو بہت سے محدثین نے ذکر کیا ہے۔ ازاں جملہ ابن صلاح، قاضی بدر الدین، ابن جماعہ، سراج الدین بلقینی، حافظ صلاح الدین علائی وغیرہ۔ الخ

پس معترضین کو چاہئے کہ پہلے بخاری و مسلم و سنن اربعہ کے راویوں کے وضاع و کذاب ہونے کا اقرار کریں۔ اس کے بعد حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض پیش کریں۔

ثانیاً:۔ ○ کتاب المنتظم نہایت غیر معتبر کتاب ہے۔ اس میں صریح غلطیاں اور بہت سے اوہام ہیں۔
منتظم فی تاریخ الامم لابی ابی الفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی بغدادی ذکر فیہ من ابتداء العالم الی الحضرت النبویہ قال المولی علی بن الحنائی و فیہ اوھام کثیرۃ اغلاط صریحۃ اشرت الی بعضھا فی ھامش علی نسختہ خطہ

ترجمہ:۔ "ابو الفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی بغدادی کی کتاب المنتظم جس میں ابتدائے عالم سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے تک کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں (اس کے متعلق) مولیٰ علی ابن الحنائی کہتے ہیں کہ اس میں سب اوہام اور صریح غلطیاں ہیں۔ بعض کی طرف میں نے حاشیے میں اشارہ کیا ہے۔"

چونکہ کتاب منتظم دفتر اغلاط ہے تاوقتیکہ روایات منقولہ کو معتبر سند سے معترض ثابت نہ کریں ہرگز جرح قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نہ مؤلف قابل وثوق ہیں اور نہ ان کی کتاب۔

ثالثاً:۔ ○ ان روایت میں فقط ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا لفظ ہے۔ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ کثیرالاوہام ہیں۔ کما قال

المولی علی بن الحنائی اگرچہ انہوں نے ابو حنیفہ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ارادہ کیا ہے مگر بغیر دلیل کے محض ان کی سمجھ ثبت نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ ان روایات میں دوسرے ابو حنیفہ رحمہ اللہ مراد ہوں۔ کیونکہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ پانچ شخصوں کی کنیت ہے۔ دیکھو کتاب الاسماء والکنی للدولابی ص 159 ج 1 بلکہ علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے "قاموس" میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہ بیس فقہاء کی کنیت ہے۔

قال فی ذکر لفظ الحنیف ابو حنیفہ کنیتہ عشرین من الفقھا اشھر ھم امام الفقہاء النعمان۔

ترجمہ:۔ "لفظ حنیف کے ضمن میں انہوں نے فرمایا کہ ابو حنیفہ بیس فقہاء کی کنیت ہے ان میں سب سے زیادہ مشہور امام الفقہاء نعمان بن ثابت ہے۔"

منتہی العرب میں ہے:۔

ابو حنیفہ کنیت بست فقیہ اشہر آنہا نعمان بن ثابت کوفی وہو الامام الاعظم۔	"ابو حنیفہ بیس فقہاء کی کنیت ہے ان میں سب سے زیادہ مشہور امام الفقہاء نعمان بن ثابت کوفی ہے اور وہ امام اعظم ہیں۔"

ازاں جملہ ابو حنیفہ سماک بن فضل امام شافعی رحمہ اللہ کے استاد ہیں۔ جن کی روایت مسند امام شافعی رحمہ اللہ ص 143 میں موجود ہیں۔ اور ابو حنیفہ عدوی سلیمان بن حیان ہیں جن کی روایت اسکو کنی دولابی ص 160 ج 1 میں موجود ہے۔

پس بغیر حجت کے محض ابن الجوزی کے کہنے سے کیوں یقین کیا جائے۔ کہ روایات مذکورہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کوئی مراد ہیں۔ کیونکہ کنیتوں کے اشتراک سے دھوکہ میں آجانا ممکن ہے۔[53]

مذکور ہے ابن معین نے احمد بن صالح کو کہا کہ۔

رایتہ کذابا یخطب فی جامع مصر

ترجمہ:۔ "میں اس کو کذاب جانتا ہوں' وہ مصر کی جامع مسجد میں تقریر کرتا ہے۔"

اس عبارت سے بعض نے یہ سمجھ لیا کہ اس سے احمد بن صالح مصری مراد ہیں۔ جو کہ بڑے ثقہ' حافظ اور رجال بخاری سے ہیں اور ان کو ضعیف سمجھ لیا حالانکہ ابن معین نے دوسرے احمد بن صالح کو کہا تھا۔ اسی طبقات شافعیہ میں ہے:۔

قلت و قد ذكر ان الذی ذکر فیہ ابن معین ھذہ المقالتہ ھو احمد صالح الشمونی
وھو شیخ بمکنہ یضع الحدیث وانہ لم یعن احمد بن صالح ھذا۔[54]

ترجمہ :- "میں کہتا ہوں کہ یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ ابن معین نے اپنے رسالہ میں جس کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ احمد بن صالح شمونی ہے۔ یہ مکہ کا ایک بوڑھا تھا جو حدیثیں گھڑتا تھا اور انہوں نے احمد بن صالح مصری مراد نہیں لئے۔"

پس معترضین کو چاہئے کہ نقل شدہ روایات کو صحیح کے بعد ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یقینی ہونا دلیل سے بیان کریں۔ اس کے بعد ثبوت جرح کا دعویٰ کریں۔

را ... ان روایات میں یہ مباحث بھی قابل ملاحظہ ہے۔

(الف) پہلی روایت ابن الجوزی نے بواسطہ عبداللہ بن علی ابن المدینی نقل کی ہے تاوقتیکہ عبداللہ کی توثیق و تعدیل ثابت نہ ہو جائے۔ یہ روایت کیونکہ معتبر ہو سکتی ہے۔ پہلے معترض کو چاہئے کہ عبداللہ کی توثیق ثابت کریں۔ اس کے بعد ثبوت جرح کا دعوی کریں۔ کیونکہ معتبر ناقلین سے ثابت ہے کہ علی ابن المدینی نے امام ابو حنیفہ کی توثیق کی ہے۔ کمامر سابقا۔

اور حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم و فضلہ میں حافظ موصلی ازدی کی کتاب سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی توثیق و تعدیل یحییٰ بن معین، شعبہ و شبابہ وغیرہم سے نقل کرکے لکھا ہے۔

وقال ابن المدینی ابو حنیفہ روی عنہ الثوری وابن المبارک و حماد و ھیشم و وکیع وعباد وجعفر بن عون و ھو ثقتہ لا باس بہ

ترجمہ :- "ابن المدینی نے فرمایا کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ثوری ابن مبارک رحمہ اللہ حماد رحمہ اللہ ہیشم رحمہ اللہ و کیع عباد رحمہ اللہ جعفر بن عون نے روایت کی ہے اور وہ ثقہ ہیں۔ ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

(ب) دوسری روایت میں یہ کلام ہے کہ بر تقدیر ثبوت وہ جرح مبہم ہے اور تعدیل مفسر کے مقابلہ میں جرح مبہم غیر مقبول ہے۔

(ج) تیسری روایت میں یہ کلام ہے کہ ابوبکر بن ابی داؤد جو ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے جارح ہیں وہ خود مجروح اور کثیر

الخطاء ہیں بلکہ ان کے والد ابو داؤد سجستانی نے ان کو کذاب تک کہہ دیا ہے اور خود ابوبکر نے اپنی خطاء اور وہم کا بھی اعتراف کیا ہے۔

قال سلمی سالت الدار قطنی عن ابی ابی داؤد فقال ثقتہ کثیر الخطا فی الکلام علی الحدیث وفی التذکرۃ اخطاء فی ستۃ احادیث منہا ثلاثۃ حدثت بہا کما حدثت و ثلاثۃ اخطئت[542]

ترجمہ:۔ "سلمی کہتے ہیں کہ میں نے دار قطنی سے ابن ابی داؤد کے بارے میں سوال کیا۔ فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں لیکن حدیث پر کلام کرنے میں بہت غلطی کرتے ہیں۔"

اور تذکرہ میں ہے میں نے چھ احادیث میں غلطی کی ان میں تین میں تو ویسے ہی بیان کیں جس طرح بیان کی گئیں اور تین میں غلطی کی۔"

علی بن حسین بن جنید کہتے ہیں۔

سمعت ابا داؤد یقول ابنی عبداللہ کذاب قال ابن الصاعد کفانا ما قال ابوہ فیہ۔

ترجمہ:۔ "میں نے ابوداؤد کو کہتے سنا کہ میرا بیٹا کذاب ہے ابن صاعد نے کہا کہ جو کچھ اس کے بارے میں اس کے والد نے کہا ہے وہی کافی ہے۔"

ثم قال ابن عدی سمعت موسی بن القاسم الاشیب یقول حدثنی ابوبکر سمعت ابراھیم الاصبحانی یقول ابوبکر بن داؤد واللہ کان عندی منسلخاً من العلم۔

ترجمہ:۔ "پھر ابن عدی نے فرمایا کہ موسی بن قاسم الاشیب سے سنا فرماتے تھے کہ مجھ سے ابوبکر نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم اصبہانی کو فرماتے سنا کہ اللہ کی قسم ابوبکر بن داؤد میرے نزدیک علم سے کورا ہے۔"[543]

وقد تکلم فیہ ابوہ وابراہیم

ترجمہ:۔ "اس پر اس کے والد اور ابراہیم نے کلام کیا۔"

علاوہ بریں ابوبکر بن ابی داؤد کا یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہ نے ڈیڑھ سو حدیثیں روایت کی ہیں صریح البطلان اور محض غلط ہے اس لئے کہ کتب متداولہ جیسے مسند امام اعظم و عقود الجواہر المنیفہ و موطا امام محمد و آثار امام محمد وغیرہ

سے بخوبی ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ ؒ کی روایات کئی ہزار ہیں۔ اسی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر بن ابی داؤد امام ابو حنیفہ ؒ کے تبحر فی الحدیث سے ناواقف تھے۔ پس ایسے ناواقف کی جرح ایسے ثقہ حافظ حدیث کے حق میں کہ جس کی تعدیل ابن معین شعبہ اور علی بن المدینی وغیرہم کر چکے ہوں کیا موثر ہو سکتی ہے۔[57]

کامسانہ۔ ○ بالفرض چند روایتوں میں اگر امام صاحب سے خطا ہو گئی ہو تو اس وجہ سے وہ غیر ثقہ اور سئ الحافظ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ امام صاحب دوسرے محدثین اور حفاظ حدیث کی طرح حافظ حدیث تھے۔ ان کے سینے میں لاکھوں احادیث موجود تھیں۔ چند روایتوں اور راویوں میں مسامحت ہو جانے سے ان پر غیر ثقہ ہونے کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

غور فرمایئے محمد بن یوسف فریابی نے جن کو ابن حجر نے لکھا ہے۔

من کبار شیوخ البخاری و ثقته الجمهور[58]

ترجمہ:۔ "بخاری کے بڑے شیوخ میں سے ہیں اور جمہور نے ان کی توثیق فرمائی ہے۔"

ان کے متعلق اسی مقدمہ فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے۔

قال العجلی ثقته وقد اخطاء فی مائه و خمسین حدیثا وذکره له ابن معین حدیثا اخطاء فیه فقال هذا باطل

ترجمہ:۔ "عجلی نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں اور انہوں نے ایک سو پچاس حدیثوں میں غلطی کی ہے ابن معین کے سامنے وہ حدیث بیان کی گئی جس میں انہوں نے غلطی کی تھی تو انہوں نی فرمایا کہ باطل ہے۔"

اب ذرا بنظر انصاف غور کیا جائے کہ امام صاحب کی طرف تو پچاس یا بہتر احادیث کی خطا کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور وہ بھی ثابت نہیں اور امام بخاری ؒ کے شیخ کی نسبت ڈیڑھ سو روایتوں میں غلطی کرنا حافظ ابن حجر ؒ کی معتبر کتاب سے ثابت ہوتا ہے۔ باوجود اس کے جمہور نے نہ ان کو غیر ثقہ کہا اور بخاری نے ان کو غیر ثقہ سمجھا اور نہ ان کی حدیث چھوڑی اور نہ ان کے حق میں سکتو اعن حدیثہ لکھا اور نہ محدثین نے بخاری کے اصح الکتب ہونے سے انکار کیا۔ پس کیا وجہ ہے کہ بخاری کے استاد ڈیڑھ سو غلطیاں کرنے سے غیر ثقہ و سئ الحافظ نہ کہے جائیں اور امام ابوحنیفہ ؒ خواہ مخواہ غیر ثقہ اور سئ الحافظ بتائے جائیں۔ کیا انصاف و دیانت اسی کا نام ہے۔ یہ محض ضد و حسد نہیں تو اور کیا ہے۔

سادساً۔ ○ ابن الجوزی کے خیالات کو خود ان کے خاندان کے دانش مند' انصاف پسند شخص نے رد کر دیا ہے۔

اما ابن الجوزی فقد تابع الخطیب و قد عجب سبطه منه حیث قال فی مراة الزمان ولیس العجب من الطیب فانه طعن فی جماعته من العلماء وانما العجب من الجد کیف سلک اسلوبه وجاء بما هو اعظم

وقد اورده ایضًا العلامه ابو الفرج بن الجوزی فی الضعفاء ولم یذکر فیه اقوال من و ثقته وهذا من عیوب کتابه یرد الجرح و یسکت عن التوثیق؟چ

ترجمہ:۔ "رہے ابن الجوزی تو انہوں نے خطیب کی پیروی کی ہے اور ان کے نواسہ نے اس پر بہت تعجب کیا چنانچہ مراۃ الزمان میں فرماتے ہیں' خطیب پر تعجب نہیں ہے و اطاعت علماء میں مطعون ہیں تعجب تو نانا جان پر ہے کہ انہوں نے خطیب کا راستہ کیوں اختیار کیا اور ان سے بھی بڑھ گئے۔"

"میزان ص 10 میں فرماتے ہیں اور ایسے ہی ابان بن زید کے ترجمہ میں بھی آیا ہے کہ علامہ ابو الفرج الجوزی نے ابان بن زید کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے اور ان کی توثیق کرنے والوں کا بالکل تذکرہ نہیں کیا۔ یہ ان کی کتاب کا بہت بڑا عیب ہے کہ جرح کو بہت اچھی طرح بیان کرتے ہیں اور توثیق کا بالکل تذکرہ نہیں کرتے۔"

تنبیہ:۔ ○ جارحین کی فہرست میں علی بن المدینی ابوبکر بن ابی داؤد اور ابو حفص عمر بن علی کا نام لکھا گیا ہے۔ ہم نے ابن الجوزی کے جواب میں ایسی تقریر لکھ دی ہے کہ ان حضرات کی جرح کا جواب بھی معلوم ہو گیا ہے۔ لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

نوٹ :۔ ابن الجوزی کی کتاب المنتظم پاکستان میں نایاب ہے' کراچی وغیرہ کے مشہور کتب خانوں میں بھی یہ کتاب موجود نہیں ہے اور نہ کسی دوسری کتاب میں یہ روئیں پائی جاتی ہیں۔ البتہ درایہ تخریج ہدایہ کے حاشیہ پر سے بحوالہ منتظم یہ روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ بہرحال اصل کتاب اور ان رواتیوں کی سند کا کچھ پتہ نہیں۔ لہٰذا ان روایات سے استدلال کرنا غلط اور محض

غلط ہوگا۔ تفتیش اور جستجو سے معلوم ہوا کہ کتاب المنتظم جامع ازہر قاہرہ اور مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں موجود ہے۔

18- خطیب بغدادی کا اعتراض:۔ ○ خطیب بغدادی کی کوئی خاص عبارت ایسی نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ امام صاحب کے متعلق خود ان کا خیال کیا ہے وہ تو بحیثیت ایک مورخ کے مختلف روایات و اقوال کو اپنی کتاب میں جمع کر دیتے ہیں۔ علاوہ بریں جو روایتیں تاریخ خطیب سے نقل کی جاتی ہیں۔ ان کی صحت بھی ثابت نہیں ہے۔

ابن جزلہ حکیم بغدادی نے مختصر تاریخ خطیب میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خوب مدح و ثنا کی ہے اور خطیب بغدادی کی نہایت درجہ کا متعصب اور ناانصاف بتلایا ہے۔

خطیب بغدادی نے فقط امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ردو قدح پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ امام احمد بن حنبل وغیرہ کی شان میں بھی رطب و یابس روایت نقل کی ہیں۔

پس جس طرح سے حضرت امام احمد وغیرہ حضرات کے بارے میں خطیب کا قول غیر معتبر اور مرفوع تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں نا معتبر اور غلط خیال کرنا چاہیے۔

نوٹ:۔ ( ) تاریخ بغداد مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

19- حافظ ابن عبدالبر کا اعتراض:۔

"لم یسنده غیر ابی حنیفه وهو سئی الحفظ عند اهل الحدیث"۔[60]

اقول لولاً:۔ ○ حافظ ابن عبدالبر نے نہایت صراحت کے ساتھ اپنی کتاب "العلم" میں امام ابو حنیفہ کی توثیق و تعدیل ائمہ فن رجال جیسے یحییٰ بن معین، شعبہ، حافظ موصلی ازدی اور علی بن المدینی وغیرہم سے نقل کی ہے۔ اور جارحین کو مفرط اور متجاوز الحد قرار دیا ہے۔

قال ابو عمر افرط اصحاب الحدیث ذم ابی حنیفته وتجاوز الحد فی ذالک[61]

ترجمہ:۔ "ابو عمر نے فرمایا کہ اہل حدیث نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی برائی میں بہت مبالغہ سے کام لیا

اور حد سے تجاوز کر گئے۔"

الذین رو واعن ابی حنیفه و وثقوه واجنوه اعلیه اکثر من الذین تکلموا فیه [62]

ترجمہ:۔ "جنہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے اور ان کی توثیق و تعریف کی ان کی تعداد کلام کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔"

ابن حجر مکی شافعی تحریر فرماتے ہیں:۔

قال الحافظ ابو عمر یوسف بن عبداللّٰہ بعد کلام ذکره واهل الفقه لا یلتفتون من طعن علیه ولا یصدقون بشئی من السوء ینسب الیه [63]

ترجمہ:۔ "حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ کلام کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ فقہاء امام صاحب پر طعن کرنے والوں کی طرف بالکل التفات نہیں کرتے اور ان کی جانب منسوب کی جانے والی کسی برائی کی تصدیق نہیں کرتے۔"

جب کہ خود ابن عبدالبر کی تصریح سے امام صاحب کی توثیق ثابت ہے تو اب سمجھنا چاہئے کہ۔

هو سئی الحفظ عند اهل الحدیث

ترجمہ:۔ اہل حدیث کے نزدیک ان کا حافظہ خراب تھا۔

سے کیا مراد ہے' کیا کل اہل حدیث مراد ہیں؟ یا بعض کل تو مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ خود لکھ چکے ہیں:۔

والذین وثقوه واثنوا علیه اکثر من الذین تکلموا فیه

ترجمہ:۔ امام صاحب کی توثیق و تعریف کرنے والے کلام کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔"

پس لا محالہ بعض مراد ہیں پھر وہ بعض بھی بہت تھوڑے سے ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر کے کلام سے نتیجہ صاف یہ نکلا:۔

هو سئی الحفظ عند بعض اهل الحدیث الذین هم مفر طون ومتجاوزون عن الحد فیه ذمه وغیر مصدقین عند اصل الفقه فی نسبته السوء الخ [64]

ترجمہ:۔ کہ امام صاحب بعض ان اہل حدیث کے نزدیک سئی الحفظ تھے جو امام صاحب کی برائی میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں جو فقہاء کے نزدیک امام صاحب کی طرف برائی کی نسبت کرنے میں بالکل

بھوٹے ہیں۔"

اب مقام غور ہے کہ کیا اس جرح سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نی المغلہ ہو سکتے ہیں؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں' بلکہ حسب تحریر حافظ ابن عبدالبر خود جارح مفرط اور متجاوز عن الحد کہے جائیں۔

ثانیاً:۔ ○ بخاری کے ثقہ راوی ایوب بن سلیمان کو حافظ ابن عبدالبر نے ضعیف لکھا ہے۔ مگر محدثین نے اسے افراط قرار دیا ہے۔ اور صحاح کے راوی زہیر بن محمد کو بھی ابن عبدالبر نے ضعیف بتلایا ہے مگر محدثین نے افراط محمول کیا ہے۔[65]

غور کیا جائے بخاری کے راویوں پر ابن عبدالبر کی جرح افراط پر محمول کی جاتی ہے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں کیوں نہ محمول ہوگی۔

ثالثاً:۔ ○ تمہید شرح موطا حافظ ابن عبدالبر کی اوائل تالیفات میں سے ہے اور کتاب جامع البیان العلم بعد کی تصنیف ہے۔ چنانچہ مختصر جامع بیان العلم میں ہے۔[66]

ولاوضحنا فی کتاب التمهید

ترجمہ:۔ "اور ہم کتاب التمہید میں وضاحت کر چکے ہیں۔"

پہلی تحریر پچھلی تحریر (جس میں امام صاحب کی توثیق کی گئی ہے) کے معارض نہیں ہو سکتی۔

20- حافظ ابن حجر کا اعتراض

حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام صاحب کی توثیق کی ہے اور تقریب التہذیب و تہذیب التہذیب میں کوئی کلمہ تضعیف کا نہیں لکھا اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں کتابیں خاص فن رجال کی ہیں جس کا موضوع بجز تنقید رجال کے اور کچھ نہیں۔

پس ابن حجر کیطرف تضعیف کا انتساب قابل بحث ہے۔ باقی درایہ تخریج ہدایہ میں جو حافظ ابن حجر نے بیہقی اور دار قطنی کی تضعیف نقل کیا ہے۔ اگر مان لیا جائے کہ وہ حکایت نہیں تب بھی اس میں شک نہیں کہ وہ جرح مبہم ہے اور اصول میں مذکور ہے۔ کہ تعدیل و جرح جب دونوں مبہم ہوں تو تعدیل مقدم ہوگی خود حافظ ابن حجر نے شرح نخبۃ الفکر میں اسی اصول کو لیا ہے۔

پس اصول کے مطابق یہی کہنا ہوگا کہ ابن حجر کی تعدیل ان کی جرح پر مقدم ہوگی۔ اور یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ ابن حجر نے ابوحنیفہ کو ضعیف اور سئی حافظہ کہا ہے۔ جیسا کہ معترضین کا خیال فاسد ہے۔ دیکھو حافظ ابن حجر نے خود لسان المیزان کے دیباچہ میں لکھا ہے۔

فوجه قولهم ان الجرح لا يقبل الا مفسراً هو فيمن اختلف فيه توثيقه و تجريحه

ترجمہ:۔ "پس ان کے قول جرح جب تک مفسر نہ ہو قابل قبول نہیں) کی توجیہ یہ ہے کہ یہ ان حضرت کے بارے میں ہے جن کی توثیق و تجریح میں اختلاف ہو۔"[67]

21۔ امام احمد بن حنبل کا اعتراض :۔ ○ کوئی بھی عربی عبارت کسی بھی معتبر کتاب سے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی جانب تضعیف اور سئی الحفظ کی نسبت کرنا دعوی بلا دلیل ہے اور بحوالہ مختصر تاریخ خطیب جو عبارت نقل کی جاتی ہے۔ کہ امام احمد نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے روایت نہیں لینی چاہئے۔

اقول اولاً:۔ ○ برتقدیر ثبوت عبارت یہ جرح مبہم ہے۔

ثانیاً:۔ ○ حسب تصریح ابن حجر مکی شافعی خطیب بغدادی نے جو قدح میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایتیں نقل کی ہیں وہ غیر معتبر اور ضعیف الاسناد ہیں۔[68]

پس معترضین کو چاہئے کہ اس روایت کی سند نقل کرکے اس کی صحت بھی ثابت کریں۔

ثالثاً:۔ ○ سب قاعدہ معترضین جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ خو مجروح ہیں تو ان کی جرح امام صاحب کے حق میں مضر نہیں ہو سکتی۔ تنویر الصحیفہ میں خطیب نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کی روایات کو نقل کیا ہے۔

22۔ قاضی ابو یحییٰ ذکریا کا اعتراض :۔ ○ 19۔ قاضی ابو یحییٰ ذکریا۔ الفیہ عراقی کے حاشیہ ص 45 سے نہ کہ اصل کتاب سے فتح الباقی کی یہ عبارت نقل کی جاتی ہے۔ (فتح الباقی مدینہ منورہ کے کتب خانہ شیخ الاسلام میں موجود ہے)

فيكون قادحا كما فسر الذهبي وابن عبدالبر وابن عدى و نسائى والدارقطنى فى ابى حنيفه انه ضعيف من قبل حفظه

ترجمہ:۔ "پس وہ قادح ہوگا اما ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہ ان کا حافظہ کمزور تھا۔ جیسا کہ ذہبی' ابن عبدالبر' ابن عدی' نسائی اور دار قطنی نے تفسیر فرمائی۔"

اقول اولاً:۔ ○ قاضی ابویحییٰ زکریا متاخرین میں سے ہیں انہوں نے 892ھ میں فتح الباقی تصنیف کی ہے۔ بعض حضرات نے ان کو ابن ہمام اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ ان کی وفات 948ھ میں ہوئی یہ کوئی امام فن نہیں ہیں۔ بلکہ متقدمین سے ناقل ہیں۔ اب یہ امر قابل تحقیق ہے کہ انہوں نے جو فتح الباقی میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ قادحا الخ نفس امر کیمطابق ہے یا نہیں؟ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ اجتہادی قول ان کا تساہل سے خالی نہیں کیونکہ امام ذہبی سے امام صاحب کی توثیق بخوبی ثابت ہے۔ چہ جائیکہ جرح مفسر اور ابن عدی اور دار قطنی بھی جرح مفسر منقول نہیں۔ باقی رہے نسائی سو وہ متعصب متشدد ہیں۔

كما بيناه مدللا

ترجمہ:۔ "جیسا کہ ہم مدلل بیان کر چکے۔"

پس ان کی جرح کس قدر قادح ہوگی اور حافظ ابن عبدالبر خود امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد اور موثق ہیں اور تمہید میں جو لکھا ہے۔ سئی الحفظ عندا هل الحديث ہم نے ان ہی کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ اہل حدیث سے بعض اہل حدیث مفرط اور متجاوز عن الحد مراد ہیں۔

پس یہ جرح بھی قادح نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فتح الباقی نے کمل تحقیق سے کام نہیں لیا اور بغیر تعمق نظر کے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مجروح لکھ دیا ہے۔

ثانیاً:۔ ○ اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ مان لیں کہ حسب قول صاحب فتح الباقی ان لوگوں سے جرح مفسر ثابت ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس کی عدالت' و ثاقت امانت اور جلالت شان ائمہ سلف صالحین اور ائمہ فن سے ثابت ہو' اس کے حق میں جرح مفسر بھی قادح نہیں ہوتی۔ دیکھو سبکی کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں اگر ہزاروں طریقے سے جرح مفسر بیان کی جائے ہم ہرگز نہیں مانیں گے۔ فرماتے ہیں۔

ولا يقبل قوله (ابن معين) فى الشافعى ولو فسر بالف ايضاح لقيام القاطع انه غير محقق بالنسبته اليه ۶۹

ترجمہ:۔ "اور ابن معین کا قول امام شافعی کے بارے میں قابل قبول نہیں' چاہئے ہزاروں طریقہ سے مفسر ہو اس لئے کہ عدم ثبوت پر دلیل قاطع قائم ہو چکی ہے۔"

پس ثابت ہوا کہ صاحب فتح الباقی کا قول خلاف تحقیق اور غیر ثابت ہے

23- شاہ ولی اللہ کا اعتراض :۔ ○ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مصفی شرح موطا سے ایک مضمون نقل کر کے دعوی کیا جاتا ہے کہ مولانا دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ کو ضعیف اور سئی الحافظ قرار دیا ہے۔

اقول اولاً:۔ ○ حضرت شاہ صاحب کی طرف تضعیف کا انتساب محض غلط اور فریب ہے۔ ملاحظہ فرمایئے مُصفّیٰ شرح موطا کی عبارت یہ ہے۔

بالجملہ ابن جبار اماں کہ عالم راعلم ایشاں احاطہ کردہ است امام ابوحنیفہ وامام مالک امام شافعی وامام احمد (ایشاں در دو امام متاخر شاگرد امام ابوحنیفہ) وامام مالک بودند و مستمندان از علم او وعصر تبع تابعین نبودند مگر ابو حنیفہ وامام مالک آں یک شخصے کہ رؤس محدثین مثل احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ و دارمی یک حدیث از وے درکتاب ہائے خود روایت نہ کردہ اند و رسم روایت حدیث ازوے بطریق ثقات جاری نہ شد وآں دیگر شخصے ست کہ اہل نقل اتفاق دارند بر آں چوں حدیث روایت او ثابت

"حاصل کلام یہ کہ عظیم الرتبت امام کہ ان کے امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد ہیں بعد کے دو امام امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے شاگرد اور ان کے علوم سے فیض یاب ہونے والے ہیں اور تبع تابعین کے دور کے صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ملک ہیں۔ وہ امام کہ جن سے روس المحدثین' مثلاً احمد' بخاری' مسلم' ترمذی ابو داؤد نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی کتابوں میں ایک روایت بھی نقل نہیں کی ہے اور ثقات کی طرح روایت حدیث کا طریقہ ان سے جاری نہ ہوا اور دوسرے امام وہ ہیں کہ جن پر اہل نقل کا اتفاق ہے کہ

شد بدرجہ اعلی صحت رسید	جو حدیث ان سے ثابت ہے وہ صحت کے بلند ترین مقام تک پہنچ گئی ہے۔"

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں دو مضمون قابل غور اور لائق توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑے محدثین نے ایک حدیث بھی روایت نہیں کی۔ دوسرے یہ کہ معتبر راویوں سے ان کی روایت جاری نہیں ہوئی۔
اول مضمون اگر صحیح بھی ہو۔

[illegible]

ترجمہ :- میرے نزدیک یہ قابل غور ہے' جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا۔

تو اس سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تضعیف ہرگز لازم نہیں آتی۔ ہزاروں ثقہ راوی ہیں کہ بعض نے ان سے روایت کی ہے اور بعض نے نہیں کی ہے۔ کسی ایک کی ترک روایت سے تضعیف کا اثبات محض ایک غلط خیال ہے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی جا سکتی اور اگر دوسرا مضمون صحیح مان لیا جائے تو اس سے اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایت معتبر واسطہ سے جاری نہیں ہوئی۔ نہ یہ کہ خود وہ ضعیف تھے۔ دیکھئے صدہا سنن و مسانید و معاجم ہیں جن کے مولف خود ثقہ ہیں مگر مثل موطا کے ان کی حدیثیں معتبر واسطہ سے مروی نہیں تو کیا اس وجہ سے وہ ضعیف کہے جائیں گے؟ ہرگز نہیں۔

مسند امام شافعی' مسند امام احمد' مسند ابو یعلی' سنن ابن ماجہ' سنن نسائی' سنن داری' معجم طبرانی' صغیر و کبیر وغیرہا کو دیکھو طبقہ ثانیہ و ثالثہ کی کتابیں ہیں۔ ان میں ضعیف روایتیں بھری ہیں مگر باوجود اس کے ان کے موثقین غیر ثقہ نہیں سمجھے جاتے۔ درحقیقت شاہ صاحب کی عبارت سے غلط مضمون اخذ کیا گیا ہے ورنہ مولانا دہلوی کی عبارت سے ہرگز امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی تضعیف ثابت نہیں ہوتی۔

ثانیاً۔ ○ تقریب و تہذیب التہذیب اور خلاصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نسائی و ترمذی کے راوی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔

پس یہ دعویٰ کہ اصحاب صحاح ستہ نے ان سے روایت نہیں کی' سرے سے غلط ہے۔

تنبیہ :- ○ واضح ہو کر مصفی کی ترتیب و تہذیب حضرت شاہ صاحب نے خود نہیں کی تھی بلکہ مسودات غیر مرتب چھوڑ کر مولانا نے رحلت فرمائی وفات کے پانچ چھ ماہ بعد آپ کے تلمیذ خاص مولانا عاشق صاحب نے اسکو مرتب کیا ہے جیسا کہ اس امر کو خود مولوی صاحب موصوف نے کتاب کے اخیر میں لکھ دیا ہے۔

لہٰذا یہ مضمون کہ اصحاب صحاح ستہ نے امام صاحب سے روایت نہیں کی اگرچہ مصفیٰ میں موجود ہے چونکہ معنی غلط ہے۔ ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ مولانا ولی اللہ کے قلم سے نہ نکلا ہوگا۔ شاید مرتب کی کتابت سے غلطی ہو گئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ثالثاً۔ ○ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز اپنی کتاب فیوض الحرمین تحریر فرماتے ہیں۔

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقتہ انیقتہ ھی لوفق الطریق بالسنتہ المعروفتہ التی جمعت و ضحت فی زمان البخاری واصحابہ[70]

ترجمہ:۔ "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایسا عمدہ طریقہ ہے جو سنت معروفہ سے بہت موافق ہے۔ جس کو امام بخاری وغیرہ کے زمانہ میں وضاحت کے ساتھ جمع کیا گیا۔

مقام غور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مولانا ممدوح کو یوں تلقین فرمائی کی مذہب حنفیہ میں ایسا عمدہ طریقہ ہے جو سنت معروفہ کے ساتھ موافق تر ہے۔ باوجود اس کے مولانا ممدوح امام صاحب کو متروک الحدیث کیوں فرمائیں گے مسیح تان کر جس قدر جرحیں امام ہما ابو حنیفہ پر نقل کی جاتی ہیں ان کا تفصیلی جواب ہم لکھ چکے ہیں۔

باقی ان کے علاوہ مسلم' ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ' وکیع بن الجراح' عمرو الناقد ابن القطان' ابواسحاق الفرازی' طاؤس' زہری' ہشام بن عروہ' جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ' اور عبدالرؤف المناوی کے نام فہرست میں یوں ہی لکھ دیئے جاتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ کے سئی الحافظ اور ضعیف کہنے والوں کی تعداد بڑھائی جاتی ہے۔ یہ بجز اظہار حسد اور مغالطہ دینے کے اور کچھ نہیں ہے۔

24۔ قلت عربیت کا اعتراض:۔ ○ مخالفین نے امام ہمام پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو عربی بہت کم آتی تھی۔ چنانچہ اس میں ابن خلکان کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ جب ابو عمرو نحوی نے امام صاحب سے پوچھا کہ کیا قاتل بالمثقل پر قصاص ہے۔ تب امام صاحب نے فرمایا لاولو ماہ بابا قبیس کہنا چاہئے تھا بابی بالجر نہ کہ بابَا قُبَیْس بالنصب

غور فرمایئے کہ عراق کوفہ کا مرکز رہا ہے۔ بڑے بڑے تمام نحوی وہیں ہوئے ہیں۔ ہزارہا صحابہ وہاں وارد ہوئے جو فصاحت وبلاغت کے امام تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نشو و نما ان کی تربیت و تعلیم سب اسی ماحول میں ہوئی۔ بڑے بڑے نحو لغت کے ائمہ خود امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں تھے پھر نہ معلوم کس طرح امام صاحب کی طرف قلت عربیت کو منسوب کر دیا گیا۔

درحقیقت امام صاحب عربیت کے بھی پیشوا اور امام تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابو سعید سیرانی' ابوعلی قاری اور ابن جنی جیسے ماہرین عربیت نے باب الایمان میں امام صاحب کے الفاظ کی شرح کے لئے کتابیں تالیف فرمائی ہیں اور لغت عربیہ پر آپ کی وسعت نظر اور وافر اطلاع پر اظہار تعجب کیا ہے۔

امام ابوبکر رازی نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے اشعار حضرت امام شافعی کے مقابلے میں زیادہ لطیف اور فصیح ہیں اور ظاہر ہے کہ جودت شعر بغیر بلاغت کے ممکن نہیں[72]

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر قلت عربیت کا اعتراض کرنے والوں نے آپ کی طرف جو کلمہ رماہ بابا قبیس منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ بابی قبیس بالجر ہونا چاہئے تھا۔ اور امام صاحب نے بابا قبیس بالنصب کہا جو قاعدہ کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ باحروف جارہ میں سے ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ کلمہ امام صاحب سے کسی کتاب میں قابل اعتماد سند سے ثابت نہیں اور بالفرض صحیح بھی ہو تو بعض قبائل عرب کی وجہ سی کوفیوں کی لغت میں اب کا استعمال جب غیر ضمیر متکلم کی طرف ہو تو تمام احوال میں الف کے ساتھ ہی ہوتا ہے:

ان اباھا وابا اباھا / قد بلغا فی المجد غایتاھا

(بے شک اس کے والد اور دادا دونوں بزرگی کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے)

ظاہر ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی کوفی تھے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی لغت بھی یہی ہے۔ جیسا کہ بخاری میں ہے۔ کہ انہوں نے انت اباجھل فرمایا۔ نیز اباقبیس اس لکڑی کو بھی کہتے ہیں جس پر گوشت لٹکایا جاتا

ہے۔ اور ابو سعید سیرانی نے کہا ہے کہ یہاں امام صاحب کی مراد یہی ہو سکتی ہے نہ کہ جبل ابی قبیس جیسا کہ معترضین نے سمجھا ہے۔

25 - ابو عمر نحوی کا اعراب پر امام اعظم سے سوال :- ○ نحوی نے امام صاحب سے سوال کیا "کیا قاتل بالمثقل پر قصاص ہے) تو امام صاحب نے فرمایا لاو لو کان بابا قبیس "اس جگہ) بابی قبیس کہنا چاہئے تھا باء حروف جارہ ہے مابعد کو مجرور کرتا ہے نہ کہ منصوب۔

یہ اعتراض خود نشان دہی کر رہا ہے۔ کہ معترض کو زبان پر عبور نہیں ہے۔ عربی قبائل کی زبان اور آپس میں ان کا اختلاف کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ایک عربی جاننے والے عالم سے پوشیدہ ہو۔ ایک قبیلہ کی زبان کچھ ہے تو دوسرے کی کچھ اور ایک ہی اسم کو ایک قبیلہ منصرف کہتا ہے تو دوسرا غیر منصرف پھر کتابت کے اعتبار سے بھی اختلاف ہے۔ ابو عمرو الدانی کہتا ہے۔

فاما السكون فعامته اهل بلدنا قديما حديثا يجعلونه علامة جرة فوق الحرف

ترجمہ :- سکون کے لئے ہمارے قدیم و جدید ہم وطن حضرات نے حرف کے اوپر علامت جر مقرر کی ہے[73]

اس تصریح سے یہ تو بخوبی ظاہر ہے کہ حالت سکون میں جر کو اوپر بھی لگایا جا سکتا ہے اس کے علاوہ امام صاحب کوفی ہیں اس لئے اس زمانہ میں کوفہ میں جو زبان رائج ہو گی وہی قابل استناد ہے ابوالنجم کا شعر بھی اسی لغت میں موجود ہے۔

امام ابن عبدالبر مالکی نے فرمایا کہ امام صاحب پر حسد کیا جاتا تھا۔ اس لئے ان کی طرف وہ چیزیں منسوب کی گئیں جو ان میں نہیں تھیں۔ اور ایسی باتیں گھڑی گئیں جو ان کی شان کے لائق نہ تھیں۔

یہ بھی لکھا ہے کہ جن لوگوں نے امام صاحب سے روایت حدیث کی ہے جنہوں نے ان کی توثیق کی ہے اور جنہوں نے ان کی مدح و ثنا کی ہے وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جنہوں نے اعتراض کیا ہے اور اہل حدیث کی طرف سے زیادہ عیب رائے و قیاس کے استعمال کا لگایا گیا ہے حالانکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ وہ کوئی عیب نہیں ہے۔ اہل فقہ امام صاحب پر طعن کرنے والوں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ ان کی برائیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

امام وکیع فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کی رنجیدہ و افسردہ پایا۔ غالبا

قاضی شریک کی طرف سے کچھ باتیں ان کی پہنچی تھیں۔

محدث حسینی بن یونس شیخ اصحاب صحاح ستہ کا قول ہے کہ تم اس شخص کو ہرگز سچا مت سمجھنا جو امام صاحب کا ذکر برائی سے کرتا ہو کیونکہ واللہ میں نے ان سے بڑھ کر افقہ و افضل کسی کو نہیں دیکھا۔

امام اعمش شیخ اصحاب ستہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا فرمایا اس کا اچھا جواب تو نعمان ہی دے سکتے ہیں۔ جن پر تم حسد کرتے ہو۔ محدث یحییٰ بن آدم شیخ اصحاب ستہ سے کہا گیا کہ آپ امام صاحب کی برائی کرنے والوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ وہ لوگ امام صاحب کو کچھ علمی باتیں سمجھ سکے اور سمجھ نہ سمجھ سکے اس لئے حسد کرنے لگے اور فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کا کلام فقہ میں خدا کے لئے تھا اگر اس میں کچھ شائبہ بھی دنیوی غرض کا ہوتا تو ان کا کلام ایسے اثر و نفوذ کے ساتھ باوجود حاسدوں اور ناقدین کی کثرت کے سائے آفاق میں نہ پھیل سکتا۔

اسد بن حکیم نے فرمایا کہ امام صاحب کی برائی کرنے والا یا تو جاہل ہے یا مبتدع ہے۔

ابو سلیمان نے فرمایا کہ امام صاحب کی شخصیت عجیب و غریب تھی اور ان کی باتوں سے اعتراض کرنے والے وہی لوگ ہیں جو ان کو نہیں سمجھ سکے۔ امام فن تنقید رجال کا قول ہے کہ ہمارے اصحاب و اہل حدیث امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے بارے میں تفریط کا معاملہ کرتے کسی نے کہا کیا وہ خلاف واقعہ کہتے تھے۔ فرمایا وہ اس سے بہت بلند تھے۔

علامہ تاج سبکی نے طبقات میں لکھا کہ خبردار کہیں ایسا نہ سمجھ لینا کہ اہل نقد و جرح نے جو قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جرح مقدم ہے تعدیل پر وہ علی الاطلاق ہر جگہ ہے کیونکہ صحیح یہ ہے کہ جس شخص کی عدالت و امامت ثابت ہو چکی ہو اور اس کے جرح کرنے والے بہ نسبت کدرح کرنے والوں کے کم ہوں اور وہاں کوئی ایسا قرینہ بھی ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ جرح کسی مذہبی تعصب وغیرہ کے باعث ہے تو اس جرح کا کوئی اعتبار نہ کریں گے۔

پھر طویل بحث کے بعد لکھا کہ ہم تمہیں بتلا چکے ہیں کہ جرح اگرچہ مفسر بھی ہو اس شخص کے حق میں قبول نہ ہوگی جس کی طاعات معصیت پر غالب ہوں اور مدح کرنے والے مذمت کرنے والوں سے زیادہ ہوں تزکیہ کرنے والے جارحین سے زیادہ ہوں پھر جب کوئی قرینہ بھی اس امر کا موجود ہو کہ وہ تنقید و جرح کسی مذہبی تعصب یا دنیوی منافست کی وجہ سے ہوئی ہے جیسا کہ معاصرین و اقران میں باہم ہوتا ہے عبدالرحمن بن مہدی کا قول ہے کہ میں حدیثیں نقل کیا کرتا تھا میں نے ثوری کی امیرالمومنین فی العلماء پایا سفیان بن عیینہ کو امیر العلماء عبداللہ بن مبارک

کو صراف الحدیث یحییٰ بن سعید کو قاضی العلما امام ابو حنیفہ کو قاضی قضاۃ العلماء پایا اور جو شخص اس کے سوا کچھ کہے تو اس کو بنی سلیم کی کوڑی پر پھینک دو۔

یہاں جن اکابر کی تعریف کی گئی ہے ان میں ثوری امام صاحب کے خاص مداحین میں ہیں۔ ابن عیینہ امام صاحب کے شاگرد ہیں مسانید کی امام صاحب سے بہ کثرت روایت کرتے ہیں۔ ابن مبارک امام صاحب کے تلمیذ خاص اور بڑے مداحین میں ہیں یحییٰ بن سعید امام صاحب کے تلمیذ اور حنفی ہیں امام صاحب کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور امام ابو یوسف سے جامع صغیر پڑھی ہے۔[74]

علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری ص 67 اور بنایہ شرح ہدایہ میں دار قطنی کی جرح کا مفصل جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ جن کی توثیق و مدح اکابر آئمہ و محدثین نے کی ہے اور ان کے علوم سے دنیا کا ہر گوشہ آباد ہے' ایسے عالم جلیل کی تضعیف کا حق دار قطنی کو کیا ہے۔[75]

مولانا عبدالحی صاحب نے التعلیق الممجد میں فرمایا کہ بعض جروح متاخرین متعصبین سے صادر ہوئیں جیسے دار قطنی ابن عدی وغیرہ جن پر کھلے قرائن شاہد ہیں کہ انہوں نے تعصب سے کام کیا ہے اور متعصب کی جرح مردود ہے بلکہ ایسی جرح خود ان کے حق میں موجب جرح ہے۔

علامہ شعرانی نے میزان کبریٰ میں فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں بعض متعصبین کے کلام کا کچھ اعتبار نہیں اور نہ ان کے اس قول کی کوئی قیمت ہے۔ کہ وہ اہل رائے میں سے تھے بلکہ جو لوگ امام صاحب پر طعن کرتے ہیں محققین کے نزدیک ان کے اقوال ہذیانات سے مشابہ سمجھے جاتے ہیں نیز فرمایا کہ امام اعظم ابو حنیفہ کی کثرت علم و ورع و عبادت و وقت مدارک و استنباط پر سلف خلف نے اجماع کیا ہے اجماع دوسرے مذاہب والے نقل کر رہے ہیں کوئی حنفی نہیں کہ عقیدت پر محمول کر لیا جائے۔

علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ بعض متعصبین نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ بعض ائمہ میں سے حدیث میں کم پونجی والے تھے حالانکہ ایسا خیال کبار آئمہ کے بارے میں کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شریعت و فقہ کا مدار قرآن و حدیث پر ہے۔ بغیر قرآن و حدیث کے کس طرح فقہ کی تدوین ہو سکتی ہے۔

باقی قلت روایت کی وجہ غایت ورع اور شروط تحمل روایات و نقل میں سختی ہے یہ نہیں کہ بے وجہ عمداً روایت حدیث ترک کر دی ہو اور ان کے کبار مجتہدین و محدثین میں سے ہونے پر یہ دلیل ہے کہ علماء میں ان کا

مذہب ہمیشہ قبول ہوتا رہا۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے ریاض المرتاض ص 21 پر لکھا ہے کہ حضرت مجدد صاحب علیہ سرہندی کے کشف کبھی بھی شریعت کے خلاف نہیں ہوئے بلکہ اکثر کی شریعت نے تائید کی ہے اس لئے ان کے کشف کے مراتب بہت بلند و برتر ہیں"[76] وہی مجدد صاحب امام اعظم کے مذہب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ۔

"بے شائبہ تکلف و تعصب کہا جاتا ہے کہ نظر کشفی میں مذہب حنفی کی نورانیت دریائے عظیم کی طرح معلوم ہوتی ہے اور دوسرے مذاہب چھوٹی چھوٹی نہروں اور حوضوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور ظاہر نظر سے بھی دیکھا جائے تو سواد اعظم اہل اسلام امام اعظم کا متبع ہے۔"[77]

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ نے حضرت زبدۃ العارفین خواجہ فرید گنج شکر قدس سرہ کا قول نقل فرمایا کہ امام اعظم کی شان کا تو کہنا ہی کیا۔ ان کے ایک شاگرد امام محمد کا وہ درجہ تھا کہ وہ جب سوار ہو کر کہیں جاتے تھے تو امام شافعی ان کے گھوڑے کی رکاب کے ساتھ پیدا چلتے تھے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اسی سے دونوں مذاہب کا فرق بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

مشہور امام حدیث اسحق بن راہویہ نے یہ (جو حضرت عبد اللہ بن مبارک تلمیذ امام اعظم) کے تلمیذ خاص اور امام بخاری کے بڑے شیوخ میں تھے امام اعظم کے بارے میں فرمایا کہ میں نے کسی کو ان سے زیادہ احکام و قضایہ کا عالم نہیں پایا قبول قضا کے لئے ان کو مجبور کیا گیا اور مارا بھی گیا مگر انہوں نے کسی طرح قبول نہ کیا اور تعلیم وارشاد محض خدا تعالیٰ کے لئے کرتے تھے۔[78]

امام اہل بلخ حضرت مقاتل بن حیان جلیل القدر عالم حدیث جنہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز' حسن بصری' نافع اور ایک جماعت کبار تابعین کا زمانہ پایا اور ان سے روایت حدیث بھی کی امام اعظم کی خدمت میں پہنچے اور استفادہ کیا۔ فرماتے تھے کہ میں نے تابعین کا دور پایا لیکن امام ابو حنیفہ سے اجتہادی مسائل میں بالغ نظر جس کا ظاہر باطن سے مطابق و مشابہ اور باطن ظاہر سے مشابہ ہو کسی کو نہیں دیکھا فتوی دیتے تو فرما دیتے کہ یہی قول کوفہ کے شیخ امام ابو حنیفہ کا ہے۔[79]

بعض کتب منزلہ سابقہ میں امت محمدیہ کے تین شخصوں کے اوصاف مذکور ہوئے ہیں جو اپنے زمانہ کے سب لوگوں پر فقہ و علم میں فائق ہوں گے نعمان بن ثابت' مقاتل بن سلیمان وہب بن منبہ اور بعض روایات میں وہب کی

جگہ کعب احبار کا نام ہے۔[80]

حضرت مقاتل بن سلیمان علم تفسیر کے مشہور امام جو امام اعظم کے شریک درس بھی رہے اور تابعین حضرت عطاء نافع محمد بن منکدر ابو زبیر اور ابن سیرین وغیرہ سے دونوں نے ساتھ ہی سماع حدیث کیا ہے وہ اکثر امام صاحب کی تعریف کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کی 15 مناقب وہ ہیں جن میں ان کا کوئی ہم عصر شریک و سہیم نہیں ہوا۔[81]

حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا کہ اسی لئے جارحین کی جرح امام ابوحنیفہ کے بارے میں مقبول نہیں جنہوں نے امام صاحب کی کثرت قیاس قلت عربیت یا قلت روایت حدیث وغیرہ سے مطعون کیا کیونکہ یہ سب جروح ایسی ہیں کہ ان سے کسی راوی کو مجروح نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح علامہ بخاری وغیرہ کی مدافعت ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جنہوں نے امام بخاری وغیرہ کی روش سے بھی محترز رہنے کی ہدایت کی ہے۔[82]

26۔ قراءت شاذہ کا اعتراض :۔ ○ امام عظم ابو حنیفہ کی شخصیت سیاسی اجتماعی' اخلاقی' علمی' فقہی اور دینی حیثیت سے فضل و تفوق' برتری اور جس امتیاز کی حامل ہے اسی تناسب سے مخالفین و حاسدین بعض معاصرین اور تعصب پسند افراد نے آپ کی مخالفت میں آپ کی ذات پر کیچڑ اچھالنے میں جو غضب ڈھایا ہے اس کی جھلک قارئین مختلف ابواب میں دیکھتے آئے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند بیجا اعتراضات اور ان کے مقابلہ میں واقعاتی حقائق نذر قارئین ہیں۔

عام طور پر کہا جاتا ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ قرات شاذہ کو اختیار کرتے اور روایت کرتے اور ان میں سے مسائل او احکام کا استنباط کرکے فقہ کی تدوین کرتے رہے۔ دراصل ہوا یوں کہ محمد بن جعفر خزاعی نے قراءت شاذہ میں ایک رسالہ مرتب کیا اور ان میں درج کردہ قرأۃ شاذہ کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف کر دی۔ جس سے بعض مفسرین اور مصنفین کو دھوکہ ہوا۔ ابن حجر کی کا ارشاد بطور قول فیصل خیرات الحسان سے نقل کر دیا جاتا ہے۔

ائمہ اور علماء کی ایک جماعت نے جن میں دار قطنی بھی ہیں اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ کتاب موضوع ہے اور امام ابوحنیفہ اس سے بری ہیں۔

27۔ امام غزالی کا اعتراض :۔ مخالفین بالخصوص اہل حدیث میں غالیین کتاب منخول (جس میں امام اعظم ابوحنیفہ پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔) کی نسبت امام غزالی کی طرف کرتے ہیں۔ علامہ ابن حجر کی نے خیرات الحسان میں اس کے بارے میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ۔

"یہ کتاب ایک معتزلی کی تصنیف ہے جس کا نام محمود غزالی ہے جو حجت الاسلام نہیں کتاب منخول کو حجتہ الاسلام امام غزالی کی طرف منسوب کرنے والے اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں جب ان کے سامنے امام غزالی کی احیاء العلوم کا یہ اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔"

کان ایضا عابدا زاھدا عارفا باللہ خائفا منہ مریدا وجہ اللہ بعلمہ [83]

ترجمہ:۔ امام اعظم ابو حنیفہ عابد' زاہد' عارف' باللہ' اللہ سے خوف کرنے والے اور اپنے علم کے ذریعہ اللہ کی مرضی کے طالب تھے۔

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

بے عیب ذات اللہ کی ہے رہا انسانوں کا معاملہ' وہ تو خطاء نسیان سے مرکب ہیں سوائے انبیاء کے لہٰذا امام ابو حنیفہ بھی اس خاصہ بشریہ سے پاک نہیں' اجتہاد میں ان سے بھی خطائیں ہوئیں چنانچہ آج ان کے مرجوعات موجود ہیں[84] بایں ہمہ امام صاحب کا جو مقام ہے وہ ایک مقام رفیع ہے اس میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے۔ ان کا علم' فقہ' زہد' تقویٰ' یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو محتاج تعارف نہیں ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ مذہبی تحزب و تعصب اور معاصرت نے جو غضب ڈھایا ہے وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔

امام صاحب پر اس زمانہ میں بھی تنقیدیں ہوئیں اور اب بھی چھوٹا منہ بڑی بات کے مظاہرے دیکھنے میں آتے ہیں جس کے متعلق گذشتہ سطور میں علامہ ابن تیمیہ کا مقولہ نقل کیا جا چکا ہے۔ اس جگہ ہم ان ہی چند اعتراضات بے بنیاد کو ذکر کر رہے ہیں۔

28- **تکفیر ابو حنیفہ:۔** ○ علامہ شعرانی نے اپنی کتاب الیواقیت و الجواہر میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے امام صاحب کے رد اور ان کی تکفیر میں ایک رسالہ لکھا اور اس کو علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس کی طرف منسوب کر دیا جب وہ رسالہ ابوبکر یمنی کی نظر سے گذرا تو انہوں نے علامہ فیروز آبادی کو ایک ملامت آمیز مکتوب لکھا۔ علامہ فیروز آبادی نے جواب دیا کہ یہ میرے دشمنوں کا افترا ہے یہ تحریر ہرگز میری نہیں ہے میں تو امام صاحب کا معتقد ہوں میں نے ان کے مناقب میں ایک رسالہ لکھا ہے آپ اس جعلی رسالہ کو نذر آتش کر دیں[85]

29- **ایمان والدین رسول ﷺ کا اعتراض:۔** ○ فقہ اکبر میں امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے کہ امام صاحب نے والدین رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے۔ "ماتا علی الکفر" وہ کفر پر مرے ہیں اور اسی کتاب سے

نقل کر کے متعدد علماء کرام نے بھی اس مسئلہ کو امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے حالانکہ یہ امام صاحب پر تہمت ہے' ان کا مسلک اس مسئلہ میں توقف ہے۔ علامہ شامی' علامہ ابن نجیم' علامہ کردری وغیرہ نے بروایت صحیح یہی نقل کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فقہ اکبر دو ہیں ایک کے مصنف ابو یوسف بخاری الملقب بابی حنیفہ اور دوسرے کے مصنف امام صاحب ہیں اس کے راوی ابو مطیع بلخی ہیں ابو یوسف بخاری کی کتاب فقہ اکبر میں یہی ہے لیکن امام صاحب کی اصل کتاب فقہ اکبر میں یہ مسئلہ موجود نہیں ہے لہٰذا علماء کو نام کے اشتراک سے دھوکہ ہوا اور انہوں نے آسانی سے اس مسئلہ کو امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہم اس سلسلہ میں تفصیلی کلام ائندہ صفحات میں کریں گے۔

ان چیزوں سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ امام صاحب پر اعتراضات قائم کرنے میں لوگوں نے تحقیق وتدبر سے کام نہیں لیا بلکہ سرسری طور پر کسی چیز کو سنایا پڑھا اور امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا ابن خلکان نے بیان کیا ہے کہ امام صاحب اشتباہ اسی کی وجہ سے بھی اعتراضات کا نشانہ بنے ہیں۔ کیونکہ ایک شخص جس کا نام نعمان اور کنیت ابو حنیفہ ہے اور ہوا ہے وہ پہلے مالکی تھا پھر امامیہ ہو گیا لوگوں نے اس مشارکت اسی سبب فائدہ اٹھایا اور طعن کرنا شروع کر دیا۔[87]

30- فضیلت علی کا اعتراض :- ○ تمام اہل سنت والجماعت اور تمام حضرات صحابہ ؓ کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ خلفاء راشدین کی فضیلت بترتیب ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ ہیں امام صاحب سے بھی یہی منقول ہے اور یہی امام صاحب کا مسلک ہے لیکن بعض قرائن اور بعض عبارتوں کی وجہ سے ابوزہرہ مصری نے یہ لکھ دیا ہے۔

من فضل الشيخين وحب الختنين

ترجمہ :- جس نے شیخین کی فضیلت دی اور دونوں داماددں سے محبت کی۔

ہمارے تبصرہ نگار کو اس سے شبہ ہوا کہ امام ابوحنیفہ کا رجحان فضیلت میں وہ نہیں تھا جو دیگر حضرات کا ہے لیکن بات یہ ہے کہ عبارت پر غور نہیں کیا گیا اس عبارت سے حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ پر فضیلت ثابت نہیں ہے۔

ایک حدیث امام ابوبکر محمد بن اسحٰق نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ کو فاطمہؓ سے زیادہ محبت ہے یا مجھ سے۔ آپ نے فرمایا فاطمہؓ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ امام موصوف نے بیان فرمایا ہے محبت محب کی صفت ہے اور عزیز حضرت علیؓ کی صفت

ہے اور محب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے حضورؐ جس صفت سے متصف ہیں وہ اعلیٰ ہے اور حضرت علیؓ جس صفت سے متصف ہیں وہ حضورؐ کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے۔

یہی مطلب مذکورہ عبارت کا ہے اس میں دوسروں کو کہا گیا ہے کہ وہ حضرت عثمان سے بھی محبت کریں اور حضرت علیؓ سے بھی محبت کریں۔ عبارت میں حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت نہیں دی گئی۔ ان حضرات کی فضیلت دوسروں یعنی اللہ اور اس کے رسول کی عطا ہے جس میں کسی کو تصرف کا حق حاصل نہیں ہے۔

اس کے بعد ان چند معرکہ آراء اعتراضات کو بھی ذکر کیا جا رہا ہے جن کے قائلین کو اپنے دلائل پر بڑا اعتماد ہے۔ خصوصاً حضرات اہل حدیث کے نزدیک تو مسائل اور اعتراضات سرمایہ حیات اور ان کے زعم میں حنفیہ کے لئے اسباب موت ہیں۔

31- سفیان ثوری کا اعتراض :- ○ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ سفیان ثوری نے ابوحنیفہ پر سخت تنقید کی ہے ہم امام کے اس ارشاد کو تسلیم کرتے ہیں' لیکن اتنا اور معلوم ہونا چاہئے کہ سفیان ثوری کے زمانے میں نعمان نام کے کئی شخص تھے اسی طرح "ابوحنیفہ کنیت بھی 17 حضرات کی ہوئی ہے لہٰذا اس التباس کی وجہ سے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سفیان ثوری کی تنقید کا نشانہ امام صاحب ہی ہیں پھر جب کہ حضرت سفیان ثوری نے نہایت واضح الفاظ میں امام صاحب کی مدح بھی فرمائی ہے اس کے علاوہ یہ متفق علیہ فیصلہ ہے کہ معاصرین کی تنقید کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ تاج الدین سبکی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں۔

ہم تو آپ کو پیشتر بتلا چکے ہیں کہ جارح کی جرح مفسر بھی مقبول نہیں خصوصاً اس شخص کے حق میں جس کی اطاعت کو معصیت پر غلبہ ہو اور اس کے مدح کرنے والے ذم کرنے والوں پر فوقیت رکھتے ہوں جب کہ اس جگہ قرینہ بھی ہو اور عقل بھی تائید کر رہی ہو کہ ایسی سخت بات مذہبی تعصب اور دنیاوی منفعت کی وجہ سے کہی گئی ہے لہٰذا اب سفیان ثوری اور دیگر حضرات کی امام ابوحنیفہ پر تنقید ناقابل التفات قرار دی جائے گی؎ کیونکہ امام صاحب کے اوصاف اور کمالات ان گنت اور مدح کرنے والے بے شمار ہیں۔

32- ارجاء کا اعتراض :- ○ امام صاحب کی طرف ارجاء کی نسبت قطعاً غلط ہے البتہ ارجاء سنت کی نسبت ہو سکتی ہے لیکن وہ عیب نہیں بلکہ خارج و معتزلہ کے مقابلہ میں ارجاء سنت ہی تمام اہل حق کا مسلک ہے اور وہ قرآن و سنت سے ثابت ہے مرجیہ کی دو قسم ہیں ایک مرجیہ مرحومہ جو صحابہ کرام کی جماعت ہے اور دوسری قسم مرجیہ ملعونہ کی ہے

جو کہتے ہیں کہ معصیت سے کوئی ضرر نہیں اور گنہ گار کو عذاب نہ ہوگا یہی تفصیل عقائد میں ملتی ہے جس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں اہل سنت والجماعت کے نزدیک 73 فرق ضالہ میں سے ایک فرقہ مرجیہ بھی ہے اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ (1) معرفت اور اقرار لسانی کا نام ایمان ہے تصدیق قلبی کی ضرورت نہیں ہے۔

(2) مومن کو گناہوں سے کچھ ضرر نہیں ہوتا۔

(3) عذاب' ثواب' سیات اور حسنات پر مرتب نہیں ہوتے

امام بخاری نے نہ معلوم کس وجہ سے امام صاحب کو اسی گروہ کی طرف منسوب کر دیا اور کہہ دیا کان مرجیا امام صاحب مرجی تھے امام بخاری نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں کوئی حدیث ایسی نقل نہیں کی کہ جس کا راوی مرجی ہے اسی کے ساتھ بعض حضرات نے کہا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں امام صاحب اور ان کے اصحاب کو مرجی قرار دیا ہے۔ [89]

33۔ بخاری نے ابو سعید عبادبن' عبدالمالک بن اعین اور محمد بن خازم سے روایت لی ہے :۔ ○ اس اعتراض کے بارے میں ہم کیا عرض کریں۔ اگر امام بخاری نے اپنی کتاب کے لئے یہ اصول مقرر کیا ہے تو اس کا ان کو اختیار ہے ہاں اگر انہوں نے امام صاحب سے کوئی روایت اسی وجہ سے نہیں لی کہ وہ مرجی تھے تو پھر ہم تنقید کریں گے اور دریافت کریں گے امام بخاری نے اپنی کتاب جامع صحیح میں ابو سعید عبادبن الرواجی کوئی متوفی 150ھ سے روایت کی ہے اور یہ شخص رافضی تھا اسکے متعلق ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ مستحق ترک ہے اسی طرح عبدالملک بن اعین کوفی مولیٰ ابن شیبان شیعہ تھے اور محمد بن خازم ابو معاویہ متوفی 327ھ مرجیہ تھا لہٰذا ان حضرات سے کیوں روایت کی؟ اصول تو اصول ہی ہے اسی پر پرکھا جاتا ہے۔ یہ آپ جانیں اور آپ کا کام۔ امام صاحب سے اگر اسی اصول کی بناء پر گریز کیا ہے تو جواب دینا ہوگا۔

کوئی جذبہ ہے جو امام صاحب کی روایت قبول کرنے میں حائل ہے۔ ورنہ امام صاحب کی وہ شخصیت ہے جس کے علم و عمل' زہد' تقویٰ اور تمام کمالات علمیہ اور روحانیہ پر امت کا اجماع ہے اس کے بعد بھی اگر اعتراض ہے تو اس کے ذمہ دار آپ ہیں امام صاحب پر یہ اعتراض محض بے اصل ہے کیونکہ امام صاحب نے فرمایا:۔

ہم نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں مقبول ہیں اور گناہ معاف جیسا کہ مرجیہ کہتے ہیں"۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ جس مسلمان نے کوئی نیکی تمام شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی ہے اور اس کو عیوب اور

مفسدوں سے خالی رکھا ہے اور اس کو باطل نہیں کیا حتیٰ کہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کو ضائع نہ کرے گا' اس کو قبول کرے گا اور اس پر ثواب دے گا۔[90]

اس صفائی عقیدہ کے باوجود اگر مذکورہ اعتراض باقی رکھا جائے تو اس کا نام اعتراض کے علاوہ کچھ اور ہو جائے گا۔ علامہ ابن اثیر جزری نے امام صاحب سے منسوب تمام غلط افواہوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

والظاہر انہ کان منزھا عنہا۔[91]

34۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کا اعتراض ترجمہ :- ظاہر یہ ہے کہ امام صاحب ان سب سے پاک ہیں۔

غنیہ الطالبین کی عبارت کا بھی غلط مطلب لیا گیا ہے شیخ کی مراد تمام حنفیہ سے نہیں ہے بلکہ انہوں نے بعض حنفیہ کو کہا ہے اور ہمیں یہ تسلیم ہے کہ حنفیہ میں بعض حضرات ہوئے ہیں کہ جو فقہ میں تو امام صاحب کے مقلد تھے لیکن عقائد میں وہ معتزلی تھے یا مرجی' جیسے علامہ زمخشری' صاحب قنیہ جبائی' غسان کوفی' جہاں شیخ نے حنفیہ کو مرجیہ کہا ہے وہاں انہوں نے "بعض حنفیہ" کو کہا ہے۔

اما الحنفیۃ فھم بعض اصحاب ابی حنیفہ[92]

ترجمہ :- لیکن حنفیہ! تو وہ بعض اصحاب ابو حنیفہ مراد ہیں۔

اس کے علاوہ مرجیہ کے متعلق ایک تاریخی پس منظر کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے صدر اول میں معتزلہ اہل سنت والجماعۃ کو مرجیہ کہا کرتے تھے۔ اس طرح مرجیہ کی دو قسم ہیں ایک مرجیہ مرحومہ' دوسرے مرجیہ ملعونہ ابو شکور سالمی کہتا ہے۔

ثم المرجیہ علی نوعین مرجیتہ مرحومتہ وھم اصحاب النبی صلعم مرجیتہ ملعونتہ وھم الذین یقولون ان المعاصیۃ لا تضر العاصی لا یعاقب۔[93]

ترجمہ :- مرجیہ کی دو قسم ہیں ایک امت مرحومہ جس میں صحابہ داخل ہیں دوسرے مرجیہ ملعونہ جو یہ کہتے ہیں کہ معاصیت مضر نہیں اور گنہگار کو عذاب نہ ہوگا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں مرجیہ کا تذکرہ بھی فرمایا ہے اور پھر ان مرجیہ میں اصحاب نعمان رحمۃ اللہ علیہ بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شمار کیا ہے جس سے بعض نادان اور متعصب غیر مقلدین حضرات امام صاحب اور ان کے جملہ اصحاب کو مرجیہ سمجھ کر ان کو کوستے اور ان پر ناحق ظلم اور بے انصافی کے تیر برساتے ہیں

اصل بات یہ ہے کہ حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مرجیہ کے فرقہ میں داخل نہیں کیا بلکہ ان کے اصحاب کو مرجیہ کہا ہے اور ان کے مقلدین سب نہیں بلکہ بعض باوجود فقہ میں حنفی مسلک رکھنے کے معتزلہ بھی تھے۔ جیسے علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 528ھ) صاحب تفسیر کشاف وغیرہ اور اسی طرح بعض دیگر فقہ میں حنفی مذہب رکھنے کے باوجود اصولاً فروعاً مرجیہ کے اس باطل گروہ اور فرقہ سے متعلق تھے جو اہل سنت کے مسلک حق کے بالکل خلاف تھا لیکن ان کے مرجیہ ہونے کی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہ پر کیا زد پڑ سکتی ہے؟ اور ان مرجیہ کے قول باطل کی وجہ سے ان اصحاب ابی حنیفہ پر جو اس معنی میں ہرگز مرجیہ نہ تھے اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔

امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے مرجیہ ہونے کی بحث حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جامع بیان العلم (ص 148) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تفہیمات الٰہیہ (ا ص 28) اور نواب صاحب کی دلیل الطالب (ص165) وغیرہ کتابوں میں ملاحظہ کریں کہ ان کا اختلاف بعض محدثین کرام کے ساتھ صرف لفظی ہے وہ یہ کہ بعض محدثین عظام ایمان تصدیق بالقلب اقرار باللسان اور عمل بالجوارح کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور مرجیہ اہل سنت' ایمان' صرف تصدیق قلبی کو کہتے ہیں کیونکہ یہ معنی لغوی معنی کے بالکل قریب ہے (حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں اما الایمان فی اللغته فیطلق علی التصدیق المحض تفسیر ص 40 یعنی بہرکیف لغت میں ایمان محض تصدیق پر اطلاق ہوتا ہے۔ اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں والایمان لغته التصدیق فتح الباری ص 29 اور قرآن کریم میں ایمان کو اعمال صالحہ کی قبولیت کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ اور شرط مشروط سے خارج ہوتی ہے۔ نیز اعمال صالحہ کو ایمان پر عطف کیا گیا ہے' اور معطوف و معطوف علیہ مغائر ہوتے ہیں' علاوہ ازیں بعض بداعمالیوں کے ساتھ بھی قرآن و حدیث سے نفس ایمان کا ثبوت ملتا ہے' اگر اعمال ایمان کا جزو ہیں۔ تو ان کے فقدان سے ایمان کا تحقق کیسے؟ یہ حضرات اس کے ہرگز قائل نہیں کہ ثواب و عقاب کا اعمال پر ترتب نہیں؟ یا اعمال کے بغیر بھی کوئی شخص کامل مومن ہو سکتا ہے؟ یہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور اعمال ایمان کے اجزاء حقیقیہ نہیں بلکہ اجزاء تکملہ ہیں۔

مولانا میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اس شبہ کا حل بھی نہایت ضروری ہے کہ بعض مصنفین نے سیدنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی رجال مرجیہ میں شمار کیا ہے حالانکہ آپ اہل سنت کے بزرگ امام ہیں اور آپ کی زندگی اعلیٰ درجہ کے تقویٰ اور تورع پر گزری جس سے کسی کو بھی انکار نہیں بے شک بعض مصنفین نے خدا ان پر رحم کرے' امام ابو حنیفہ اور آپ کے شاگردوں امام ابو یوسف امام محمد' امام زفر۔ امام حسن بن زیاد رحمھم اللہ کو رجال مرجیہ

میں شمار کیا ہے جس کی حقیقت کو نہ سمجھ کر اور حضرت امام صاحب ممدوح کے طرز زندگی پر نظر نہ رکھتے ہوئے بعض لوگوں نے اسے خوب اچھالا ہے لیکن حقیقت میں علماء نے اس کا جواب کئی طریق پر دیا ہے۔[95]

اور طویل بحث کرنے کے بعد آگے علامہ شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ کی الملل والنحل ص 189 کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ مجھے اپنی زندگی (کے عطا کرنے والے) کی قسم ہے کہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کو مرجئۃ السُّنَّة کہا جاتا ہے۔[96]

الغرض امام ابوحنیفہ اور آپ کے اکثر اصحاب جس معنی میں مرجیہ ہیں وہ اہل سنت کے مسلک کے ہرگز ہرگز خلاف نہیں۔ ہاں صرف لفظی نزاع کے پیش نظر ان کو مرجیہ کہا گیا ہے اور اس سے ان کی ذات پر کوئی حرف نہیں آتا اور نہ اس کی وجہ سے ان کی دیانت و امانت اور مسلک مجروح ہوتا ہے۔

زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نواب صاحب کی پوری عبارت نقل کر دیں۔ ممکن ہے اکثر حضرات کو کتاب دلیل الطالب آسانی سے میسر نہ ہو سکے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:۔

> سوال:۔ در غنیۃ الطالبین مرجیہ را در اصحاب ابی حنیفہ نعمان ذکر کردہ کذا غیرہ فی غیرہ وجہ آن چیست؟ جواب:۔ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی در تفہیمات نوشتہ اندکہ ارجاء دوگونہ است یکی ارجاء است کہ قائل را از سنت بیروں میکند دیگر آنست کہ از سنت بیرون نمیکند اول آنست کہ معتقد آں باشد کہ ہر کہ اقرار بلسان و تصدیق بجناں کرد ہیچ معصیت اور مضر نیست اصلاً دیگر آنکہ اعتقاد کند کہ عمل از ایمان نیست و لیکن ثواب و عقاب براں مترتب است و سبب فرق میان ہر دو آنست کہ صحابہ و تابعین اجماع کردہ اند در تخطیہ مرجیہ و گفتہ اندکہ بر عمل ثواب و عذاب مرتب می شود پس مخالف ایشاں ضال و مبتدع است در مسئلہ ثانیہ اجماع سلف ظاہر شدہ بلکہ دلائل متعارض اند بعض آیات و حدیث و اثر دلالت میکند بر آنکہ ایمان غیر عمل است و ایں نزاع راجع میشود بسوئے لفظ را بجہت اتفاق ہمہ بر آنکہ عاصی از ایمان خارج نمی شود اگرچہ مستحق عذاب است و صرف دلائل دالہ بر آنکہ ایمان عبارت از مجموع این چیزہا است از ظواہر ش بادنی عنایت ممکن است انتہی وازیں جا معلوم شد کہ مراد حضرت شیخ از مرجیہ بودن اصحاب ابی حنیفہ شق ثانی است ولا غبار علیہ اگرچہ ترجیح از روئے نظر و دلائل ہماں مذہب اہل حدیث ست کہ ایمان عبارت اس از مجموع اقرار و تصدیق و عمل وبہ قال القاضی ثناء اللہ فی مالا بد فان رفع الاشکال

وصی مطلع الھلال و باللہ التوفیق (انتہی بلفظہ)[97]

نواب صاحب کی اس عبارت سے یہ بات تو بالکل واضح اور صاف ہو گئی کہ جس معنی میں حضرت شیخ صاحب نے اصحاب ابی حنیفہ کی مرجیہ کہا ہے۔ وہ کوئی قابل اعتراض امر نہیں ولا غبار علیہ لیکن چونکہ حضرت شاہ صاحب کی پوری عبارت جو انہوں نے تفہیمات میں بیان فرمائی ہے۔ نقل نہیں کی گئی اس لئے ادھوری عبارت سے جو نواب صاحب نے نقل کی ہے غنیتہ الطالبین کی عبارت کی پوری عقدہ کشائی نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت شیخ صاحب تو اصحاب ابی حنیفہ کو مرجیہ کے اس فرقہ میں داخل کرتے ہیں جو باطل فرقوں میں شمار ہوتا ہے جو اعمال کو ایمان کے ساتھ ترتب ثواب و عقاب کے درجہ میں بھی نہیں مانتا تو یہ پیش کردہ شق ثانی ان پر کیسے چسپاں ہو سکتی ہے جس میں اعمال پر ثواب و عقاب کے ترتب کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہے؟ اس لئے ہمارے نزدیک یہی جواب متعین ہے کہ حضرت شیخ صاحب نے ان اصحاب حنیفہ کو ہرگز مرجیہ کے باطل فرقہ میں شمار نہیں کیا جو مرجیۃ السنۃ تھے۔ ہاں وہ اصحاب اس سے مراد ہیں جو معتزلہ وغیرہ کی طرح فقہ میں حنفی مسلک رکھنے کے باوجود خلاف اہل سنت فرقہ مرجیہ میں تھے اور وہی فرقہ باطلہ ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کی تصریح کی ہے۔[98]

علامہ ذہبی نے حضرت مسعر بن کدام (جن کا سن وفات اور حدیث میں درجہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ ان پر بھی ارجاء کا اعتراض تھا اور حیرت ہے کہ حضرت سفیان بن سعید ثوری جیسے محدث فقیہ اور صوفی اسی ارجاء کے الزام میں ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے حالانکہ ایک ہی شہر کوفہ میں دونوں رہتے تھے۔[99] اور درحقیقت وہ اس معنی میں مرجیہ تھے جو علامہ شہرستانی کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے۔ ارجاء کی نسبت ان کی طرف باطل ہے جو مرجیہ السنتہ کے خلاف ہے۔[100]

شیخ الاسلام ابن تمیہ احناف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

والحنفیتہ ھم من اھل السنتہ

ترجمہ:۔ احناف اہل سنت والجماعت سے ہیں۔[101]

اور مولانا میر صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ اور مرجیہ السنتہ سے ایسے لوگ مراد ہیں جو ہوں تو اہل سنت لیکن بحسب لغت ان مسائل کی وجہ سے جو اہل سنت کے نزدیک قابل اعتراض نہیں، ان پر ارجاء کا لفظ بولا گیا ہو۔[52]

ان پوری تفصیلات اور تشریحات کے باوجود بھی اگر کوئی شخص حنفیوں کو مرجیہ کے باطل فرقہ میں داخل اور شمار کرتا ہے۔ تو مالک یوم الدین ہی قیامت کے دن اس کا فیصلہ کرے گا اور اس وقت حقیقت بے نقاب ہو کر رہے گی۔ چنانچہ مولف نتائج التقلید ص 96 میں دل کی بھڑاس یوں نکالتا ہے کہ حضرت شیخ اپنی تصنیف لطیف غنیۃ الطالبین میں اہل بدعت و گمراہ فرقوں کی تفصیل و فہرست بیان کرتے ہوئے حنفی مذہب کو اہل السنت سے خارج مرجیہ ایسے بدعتی و گمراہ فرقے کی شاخ شمار کرتے واہ یہ ہے تحقیق انیق؟ سبحان اللہ!

امام اعظم ابو حنیفہ ان شرفاء عظماء رجال اور مردان علم و دین سے تھے۔ جو فقہ و اجتہاد اور علم و فضل کی بلندیوں اور ایسی بلند چوٹیوں پر پہنچے کہ آج صرف ان کے ناقدین کے اختلاف و تضاد ہی کو اگر دیکھ لیا جائے تو ان کی جلالت قدر، شرافت اور عظمت شان کا ثبوت واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔

دیگر اعتراضات الزامات کے ساتھ ساتھ "ارجاء کے عنوان سے امام ابوحنیفہ کے خلاف جو طوفان برپا کیا گیا ہے پوری تاریخ میں کسی دوسرے محدث یا امام کے خلاف اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حالانکہ بقول شیخ مصطفیٰ حسن السباعی کے "اما ابو حنیفہ کا ارجاء) خالص سنت ہے جو محض سنت اور قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے یعنی اگر مسلمان مرتکب کبیرہ (گناہ) توبہ کئے بغیر مرجائے تو آخرت میں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے۔ اللہ چاہیں تو اس کو گناہ کے بقدر جہنم میں ڈال کر سزا دیں بعد میں جنت میں داخل کر دیں اور اگر چاہیں اپنی رحمت سے اس کے گناہ معاف فرما دیں۔ اور سزا دئے بغیر ہی جنت میں داخل فرما دیں۔

ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء

(الآیۃ)

ترجمہ:۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اس کو تو ہرگز معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اسی (کفر و شرک) سے کمتر گناہ جس کے چاہے معاف فرمادے۔[53]

مومن مسلمان کبیرہ گناہوں کا مرتکب بہرحال مسلمان ہے اور ایک روز جنت میں داخل ہوگا۔ ابدی جہنم صرف کافروں اور مشرکوں کے لئے ہے۔ وہی مخلد فی النار ہوں گے مسلمان مرتکب کبیرہ نہیں۔

خوارج کہتے ہیں کہ مسلمان مرتکب کبیرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور کافر ہو جاتا ہے اور مخلد فی النار ہوگا۔

معتزلہ کہتے ہیں مسلمان نہیں رہتا اور نہ ہی کافر کہلایا جا سکتا ہے البتہ مخلد فی النار ہوگا مرجیہ کا عقیدہ ارجاء (جو قرآن و سنت کے خلاف ہے) یہ ہے کہ۔

لا یضر مع الایمان معصیتہ کما لا تنفع مع الکفر طاعتہ

ترجمہ :- ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی بھی معصیت نقصان نہیں پہنچاتی جیسے کفر کے ہوتے ہوئے کوئی اطاعت نفع نہیں دیتی۔ 1؎ (ص 15)

یہ عقیدہ قرآن و سنت کے خلاف ہے اور عقائد اہلسنت والجماعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ امام ابوحنیفہ اس عقیدہ سے بری ہیں 2؎ علامہ ابن اثیر امام نے ابوحنیفہ پر الزامات کی تردید میں فرمایا۔

والظاھر انہ کان منزھا عنھا۔ (ص 15)

ترجمہ :- ظاہر یہ ہے کہ امام صاحب ان سب الزامات سے پاک تھے۔

35- امام بخاری اور ارجاء :- ○ ہاں بعض غیر مقلدین سیدھے سادھے عوام کو بہکانے کے لئے کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی کتاب الضعفاء میں لکھا ہے۔

کان مرجیا سکتوا عن رائہ وحدیثہ (ص 15)

ترجمہ :- "امام صاحب مرجی تھے لوگوں نے ان کی رائے اور حدیث سے سکوت اختیار کیا"۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔

اولاً۔ ○ امام بخاری کی کتاب الضعفاء جو آگرہ الہ آبادی سے چھپ کر شائع ہوئی ہے اُس میں اِس مضمون کا کوئی جملہ موجود نہیں ہے۔ نیز امام بخاری کی کتاب ادب المفرد، جزالقراۃ اور خلق العباد میں بھی یہ عبارت نہیں ہے۔ بر تقدیر ثبوت اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری کو امام ابوحنیفہ سے سخت منافرت مذہبی تھی۔ جیسا کہ امام بخاری کی تصنیفات سے ظاہر ہے۔ لہٰذا یہ جرح بوجہ منافرت مذہبی کے قابل وثوق نہیں ہو سکتی چنانچہ ذہبی ابن حجر اور وصی الدین خزاجی وغیرہم نے اس جرح کی کچھ بھی وقعت نہیں کی اور بے کار سمجھ کر اس کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔

ثانیاً:۔ ○ کام مرجیئا سے کیا مراد ہے؟ اگر مرجیہ ملعونہ مراد ہے تو سراسر غلط ہے اس لئے کہ فقہ اکبر میں خود امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے:۔

"ہم مرجیہ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ یقیناً ہماری نیکیاں مقبول اور گناہ معاف ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص تمام شرائط کے ساتھ نیک عمل کرے گا' بشرط یہ کہ ان کو فاسد و باطل کرنے والا کوئی کام نہ کرے یہاں تک کہ ایمان پر خاتمہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کو ضائع نہ فرمائے گا بلکہ قبول فرما کر اس پر اجر دے گا۔

قال شارح المواقف کان غسان المرجئی یحکی ما ذہب الیہ من الارجاء عن ابی حنیفہ و یعدہ من المرجئت وھو افتراء وعلیہ قصد بہ غسان ترویج مذھبہ بنسبة الی ھذا الامام الجلیل الشھیر

وقال الشھر ستانی فی الملل والنحل ومن العجب ان الغسانی کان یحکی عن ابی حنفیہ مثل مذھبہ ویعدہ من المرجیتہ ولعلہ کذب علیہ[107]

ترجمہ:۔ "شارح مواقف نے فرمایا کہ غسان مرجی ایسی باتیں کرتا تھا جن سے امام صاحب کا مرجی ہونا ظاہر ہو اور وہ امام صاحب کو فرقہ مرجیہ میں شمار کرتا تھا۔ غسان نے قصداً امام صاحب پر یہ بہتان لگایا۔ وہ اس جلیل القدر امام کی طرف اپنے مذہب کو منسوب کرکے اپنے مذہب کی اشاعت کا کوشاں تھا۔

عثمان بن ابی لیلے نے ایک مرتبہ امام صاحب کو خط لکھا تھا کہ آپ لوگ مرجیہ ہیں امام صاحب نے جواب دیا کہ مرجیہ کی دو قسمیں ہیں (1) مرجیہ ملعونہ میں ان سے بالکل بری اور بے زار ہوں (2) مرجیہ مرحومہ یقیناً میں ان میں شامل ہوں' بلکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بھی ایسے ہی تھے۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول تم کو معلوم نہیں اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کی مغفرت فرمائے تو بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔"

پس معلوم ہوا کہ بخاری کا یہ قول کہ ان کی حدیث اور رائے کو لوگوں نے چھوڑ دیا محض غلط اور سراسر غلط ہے۔

ثالثاً:۔ ○ عقود الجواہر المنیفہ ص 11 میں حافظ موصلی کی کتاب الضعفاء سے منقول ہے۔

قال یحیٰی بن معین مارایت احدا قدمه علی وکیع وکان یفتی برائی ابی حنیفه وکان یحفظ حدیثه کله وکان قد سمع عن ابی حنیفة حدیثاً کثیراً

ترجمہ:۔ "یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ میں نے کسی کو نہیں پایا کہ اس کو وکیع پر مقدم کیا گیا ہو اور وہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور ان کی تمام احادیث کو حفظ کرتے تھے۔ انہوں نے امام ابوحنیفہ سے بہت حدیثیں سنیں۔"[108]

سعید بن یحیٰی الحمیری الوسطی احدائمته واسط واحد حفاظ روی عنه (ای ابی حنیفه) واخذ منه وکان یقول انه جر هذه الامته۔[109]

عبد اللّٰہ بن یزید المقری المکی سمع من الامام تسع مائه حدیث۔[110]

ترجمہ:۔ سعید بن یحییٰ حمیری واسطی' واسط کے ایک امام اور حافظ حدیث تھے۔ انہوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے اور ان سے علم حاصل کیا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ جرالامت ہیں۔"

مناقب بزاز کردری ص ۲۱۹ میں ہے۔

"عبداللہ بن یزید المقری مکی نے امام صاحب سے نوسو حدیثیں سنیں۔"

قال ابن المبارک کان افقه الناس ومارایت افقه منه و عنه ان احتیج اللرائی فرائی مالک و سفیان و ابی حنیفه وهو افقهم واحسنهم و ادقهم و اغوصهم علی الفقه الخ

وقال یحیٰی بن سعید القطان ماسمعنا احسن من رای ابی حنیفة" ثم کان یذهب فی الفتوی الی قوله

وقال ابن المبارک رایت معسر فی حلقته ابی حنیفه یسئاله ویستفید منه

ترجمہ:۔ "ابن مبارک نے فرمایا کہ امام صاحب سب سے بڑے فقیہ تھے ان سے بڑا فقیہ میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ نیز فرمایا اگر رائے کی ضرورت پڑے تو امام مالک سفیان اور امام ابوحنیفہ کی

رائے زیادہ قابل عمل ہے اور امام ابوحنیفہ ان سب سے بڑے عالم اور فقہ میں سب سے بہتر مدقق اور محقق ہیں۔"

"یحییٰ ابن سعید القطان فرماتے ہیں ہم نے امام ابوحنیفہ سے بہتر کسی کی رائے نہیں سنی۔ اس لئے ان کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں ۔"

"ابن مبارک فرماتے ہیں میں نے مسعر کو امام صاحب کے حلقہ درس میں سوال اور استفادہ کرتے دیکھا ہے۔"

الفصل الثانی فی ذکر الاخذین عنہ الحدیث والفقہ قیل استیعابہ مُتعذر لا یمکن ضبطہ

ومن ثم قال بعض الائمہ لم یظہر لاحد من ائمہ الاسلام المشہورین مثل ماظہر من الاصحاب والتلامیذ

ترجمہ :۔"دوسری فصل امام صاحب سے حدیث و فقہ حاصل کرنے والوں کے بیان میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ ان کا شمار اتنا مشکل ہے کہ احاطہ ناممکن ہے۔"

"اسی وجہ سے بعض ائمہ کا قول ہے کہ ائمہ اسلام میں امام ابوحنیفہ کے برابر کسی کے شاگرد نہیں ہوئے۔"

ذرا انصاف سے ملاحظہ فرمایئے وکیع بن یحییٰ الواسطی، ابن مبارک سفیان ثوری، مسعر بن کدام، یحییٰ بن سعید القطان وغیرہم کس زور سے آپ کے فقہ اور رائے کی تعریف و توصیف کر رہے ہیں اور آپ سے ہزاروں نے حدیث وفقہ حاصل کیا ہے۔ بلکہ آپ کی برکت سے ہزاروں امام مقبول خلائق ہوگئے ہیں۔

باوجود اس کے امام بخاری فرماتے ہیں۔ سکتوا عن رائیہ وحدیثہ بتلائے اس کو منافرت مذہبی پر اگر محمول نہ کیا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

36۔ بخاری کے 46 راویوں کا مذہب :۔ ○ اگر امام بخاری کے نزدیک ارجاء کی وجہ سے راوی قابل ترک ہو جاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں فرقہ باطلہ یعنی مرجیہ، ناصبیہ، خارجیہ، شیعہ اور جہمیہ، قدریہ سے روایت کی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری

میں اس کی تفصیل نام بنام لکھی ہے۔[2] ہم اس موقع پر ان چار فرقہ باطلہ کی مجموعی تعداد الگ الگ بتاتے ہیں جو صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ مرجیہ 13' شیعہ 2' قدریہ 28' اور ناصبیہ 5۔

غور فرمایئے کیا غیر مقلدین کے خیال کے بموجب صحیح بخاری اضعف الکتب ثابت نہیں ہوتی۔

جب بخاری کے رواۃ کا ذکر آگیا تو مناسب ہوگا کہ بخاری کے چند رواۃ کا حال ذکر کر دیا جائے دنیا جانتی ہے کہ صحیح بخاری ایسی بے نظیر کتاب اور واقعی حضرت امام بخاری نے بڑا التزام کیا ہے۔ ان کی سعی اور عرق ریزی قابل قدر اور ان کی مقبولیت قابل آفرین و ستائش ہے۔

ان 46 طعن شدہ راویوں کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے رجال ہیں جن پر ہر قسم کی جرحیں ہوئی ہیں۔ مثلاً"

1- حتیٰ کہ کذاب (بہت جھوٹا)
2- یکذب الحدیث (حدیث کے سلسلہ میں جھوٹ بولتا ہے)
3- یسرق الحدیث (حدیث چراتا ہے)
4- یضع الحدیث (حدیث گھڑتا ہے)

جو اعلیٰ درجہ کی جرح ہے وہ بھی منقول ہے۔ چنانچہ بخاری کے مجروح راویوں کے نام بمعہ الفاظ جرح مقدمہ فتح الباری اور میزان الاعتدال میں ملاحظہ کئے جائیں[3] جن کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔

باوجود ان جرحوں کے امام بخاری نے ان مجروح راویوں کو قابل ترک نہیں سمجھا اور نہ ان کی روایت چھوڑی بلکہ احتجاجاً یا استشہاداً ان کی روایت اپنی کتاب اصح الکتب میں داخل کر دی اور اس کے باوجود دوسرے محدثین نے بخاری کے اصح الکتب ہونے سے انکار نہیں کیا۔ پھر کون سی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ پر بقاعدہ اصول کوئی جرح بھی عائد نہیں ہوتی' پھر بھی امام بخاری نے ان کی کوئی روایت نقل نہیں کی' بجز منافرت مذہبی کے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ پس جب کہ منافرت مذہبی بین دلیل سے ثابت ہے تو امام بخاری کی جرح امام ابوحنیفہ کے حق میں کیا موثر ہو سکتی ہے۔

خیرالمسائل ○ بخاری جس کو مجروح سمجھیں اگر اس کی روایت قابل ترک ہے تو صدہا راوی مسلم و نسائی و ترمذی اور ابو داؤد وغیرہا کے جن سے بخاری نے روایت نہیں کی بلکہ ان کو مجروح کہا ہے' اس قاعدہ سے قابل ترک ہو جاتے ہیں

حالانکہ محدثین نے ان کو قابل ترک نہیں سمجھا ہے۔ پس امام ابوحنیفہ امام بخاری کی جرح کی وجہ سے کیوں مجروح ہو جائیں گے۔ امام بخاری نے تو کتاب الضعفاء میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو فی اسنادہ نظر (ان کی سند محل نظر ہے) کہہ دیا ہے اور بخاری کی اصطلاح میں یہ سخت جرح ہے۔ حالانکہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی فضیلت و خیریت صریح احادیث میں موجود ہے پس ایسی جرح سے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہرگز مجروح نہیں ہو سکتے۔

سادساً۔ ○ اگر امام بخاری کو اپنی جرح پر وثوق اور اعتماد ہوتا تو وہ جن راویوں پر خود جرح کرتے ہیں' ان سے روایت نہ کرتے حالانکہ صحیح بخاری میں متعدد راوی ایسے بھی ہیں کہ ان کو بخاری نے مجروح قرار دیا ہے اور خود ان سے روایت بھی کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ان راویوں کے نام جن سے بخاری نے روایت کی ہے اور خود ان پر جرح بھی کی ہے۔

(1) اسید بن زید الجلال قال الذهبی فی المیزان والعجب ان البخاری اخراج له فی صحیحه و ذکره فی کتاب الضعفاء
(2) ایوب ابن عائذ قال البخاری فی کتاب الضعفاء کان یری الارجاء وهو صدوق
(3) ثابت بن محمد قال الذهبی مع کون البخاری حدث عنه فی صحیح ذکره فی الضعفاء
(4) زهیر بن محمد قال البخاری فی کتاب الضعفاء روی عنه اهل الشام مناکیر
(5) زیاد بن الراسخ قال البخاری فی اسناد حدیثه نظر کذا فی المیزان
(6) عطا بن میمونه قال البخاری فی کتاب الضعفاء کان یری القدر وفی مقدمته فتح الباری وغیره واحد کان یری القدر کهمس بن منهاله قال الذهبی اتهم بالقدر وله حدیث منکرا دخله من اجله البخاری فی کتاب الضعفاء

ترجمہ:۔ "علامہ ذہبی نے میزان میں فرمایا کہ تعجب ہے امام بخاری نے اپنی کتاب میں اسید بن زید سے روایت بھی بیان کی ہے اور کتاب الضعفاء میں بھی ان کا ذکر کیا ہے"

"ایوب بن عائذ کے لئے بخاری نے کتاب الضعفاء میں لکھا ہے وہ ارجاء کو پسند کرتے تھے حالانکہ وہ سچے تھے"

"ذہبی نے فرمایا کہ باوجود اس کے کہ بخاری نے ثابت بن محمد سے روایت کی ہے ان کو ضعیفوں میں شمار کیا ہے"

"زہیر بن محمد کے لئے بخاری نے کتاب الضعفاء میں فرمایا کہ ان سے اہل شام نے منکرات کو روایت کیا ہے"

"زیاد بن رافع کے لئے بخاری نے فرمایا کہ ان کی حدیث کی سند محل نظر ہے جیسا کہ میزان میں ہے"

"امام بخاری نے کتاب الضعفاء میں فرمایا کہ عطا بن میمونہ قدر کی طرف مائل تھے اور فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بہت سے راوی قدر کی طرف مائل تھے جیسی عس بن منہلہ ذہبی نے فرمایا کہ ان پر قدر کی تہمت لگائی گئی اور ان کے پاس منکر حدیث ہے اسی لئے امام بخاری نے ان کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا"

بنظر انصاف ملاحظہ فرمایئے اگر امام بخاری کو اپنی جرح پر وثوق تھا تو ان مجروحین سے کیوں روایت کی۔ جب بخاری کو اپنی جرح پر خود وثوق نہیں تو جائے تعجب ہے کہ مقلدین بخاری کو ان کی جرح پر کیسے وثوق ہوگیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ کو ضعیف الحدیث کہنے لگے۔

سابعاً۔ ○ اگر معترض کے نزدیک بخاری کی جرح باوجود غیر صحیح اور خلاف اصول ہونے کے' امام ابو حنیفہ کے حق میں موثر ہے تو معترض کے نزدیک بخاری کیوں نہ مجروح اور قابل ترک ہوں گے۔ کیا بخاری پر ائمہ حدیث سے جرحیں منقول نہیں ہیں؟ ہاں ضرور منقول ہیں۔

37- امام بخاری پر جرح = بطور تمثیل چند جرحیں ملاحظہ فرمایئے۔

اول بخاری کے استاد امام ذہبی نے بخاری پر سخت جرح کی ہے طبقات شافعیہ ص12 ج 2 میں ہے۔

قال الذهبی الا من یختلف الی مجلسه (ای البخاری) فلا یاتینا فانهم کتبوا الینا
من بغداد انه تکلم فی اللفظ و نهیناه فلم ینته فلا تقربوه

ترجمہ:۔ "امام ذہبی نے فرمایا جو بخاری کی مجلس میں جاتا ہے۔ وہ ہمارے پاس نہ آئے کیونکہ بغداد
سے ہمیں لوگوں نے لکھا ہے کہ بخاری الفاظ قرآن کے سلسلہ میں کلام کر رہے ہیں اور ہم نے
ان کو اس سے منع کیا مگر وہ باز نہیں آئے۔ لہذا ان کے پاس نہ جانا۔"

خیال فرمایئے! ذہبی نے لوگوں کو امام بخاری کے نزدیک جانے سے منع کر دیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ
بھی کہہ دیا:۔

من زعم ان لفظی بالقرآن مخلوق فهو مبتدع لا یجالس ولا یکلم

ترجمہ:۔ "جو یہ سمجھے کہ میرے منہ سے نکلنے والے الفاظ قرآنی الفاظ مخلوق ہیں تو وہ بدعتی ہے۔
نہ اس کے پاس بیٹھا جائے اور نہ اس سے بات کی جائے۔"

ذہبی کے اس کلام کا لوگوں پر ایسا اثر ہوا کہ اکثر لوگوں نے بخاری سے ملنا چھوڑ دیا۔[114]

فلما وقع بین محمد بن یحیٰی والبخاری ماوقع فی مسئلة اللفظ و نادی علیه
منع الناس من الاختلاف الیه حتی هجر وخرج من نیشاپور فی تلک المحنته
وقطعه اکثر الناس غیر مسلم[115]

ترجمہ:۔ "جب محمد بن یحییٰ اور امام بخاری کے درمیان الفاظ قرآن کے سلسلہ میں اختلاف ہوا تو
انہوں نے لوگوں کو ان کے پاس (بخاری کے) پاس جانے سے روک دیا۔ یہاں تک کہ اس
آزمائش کے وقت میں امام بخاری کو نیشاپور سے ہجرت کرنا پڑی اور امام مسلم کے علاوہ اکثر لوگوں
نے ان سے قطع تعلق کر لیا۔"

دوم:۔ ○ امام مسلم نے باوجود اس رفاقت کے بخاری سے اپنی صحیح مسلم میں ایک حدیث بھی نہیں روایت کی بلکہ
حدیث کی بحث میں بعض منتحلی الحدیث میں عموماً کے لفظ سے بخاری کو یاد کیا ہے
اور بہت ترش اور نالائم الفاظ کہہ گئے۔[116]

سوم:۔ ○ ابو زرعہ اور ابو حاتم نے بخاری کو چھوڑ دیا۔[117]

ترکه (ای البخاری) ابوذرعه و ابو حاتم من اجل مسئلته اللفظ

ترجمہ :- "ابو ذرعہ اور ابو حاتم نے الفاظ قرآن کے اختلاف کی وجہ سے بخاری کو چھوڑ دیا۔"

کما امتنع ابوذرعه و ابو حاتم من روایته عن تلمیذه (ای ابن المدینی) محمد مسئلته اللفظ۔

ترجمہ :- "جیسا کہ ابو ذرعہ اور ابو حاتم نے ان (علی بن المدینی) کے شاگرد (امام بخاری) سے الفاظ قرآن کے اختلاف کی بناء پر روایت کرنا ترک کر دیا۔

وقال عبدالرحمن بن ابی حاتم کان ابوذرعه ترکه الروایته منه من اجل ماکان منه فی تلک المحنته

عبدالرحمن بن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ اس آزمائش کی بنا پر ابوذرعہ نے امام بخاری سے روایت کرنا ترک کر دیا۔"[4]

چہارم :- ○ ابن مندہ نے بخاری کو مدلسین میں شمار کیا ہے۔

عده ابن منده فی رسالته شروط الائمه من المدلسین حیث قال اخرج البخاری فی کتبه قال لنا فلاں وهی اجازة وقال فلاں وهی تدلیس

ترجمہ :- "ابن مندہ نے بخاری کو اپنے رسالہ "شروط الائمہ" میں مدلسین میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ بخاری نے اپنی کتابوں میں اس طرح روایتیں بیان کی ہیں کہ ہم نے فلاں سے کہا "یہ اجازت ہے" اور فلاں نے کہا "تدلیس ہے۔"[5]

ظاہر ہے کہ تدلیس سوء حفظ سے بڑھ کر عیب ہے۔ کیونکہ یہ فعل اختیاری ہے اس میں فریب ہے۔ اسی لئے سخشی نے کہا کہ التدلیس حرام عند الائمه (تدلیس ائمہ کے نزدیک حرام ہے۔)[125]

غور فرمایئے! بخاری نے ذہبی سے تقریباً 30 حدیثیں روایت کی ہیں۔ مگر جس نام سے وہ مشہور تھے کہیں نہیں ذکر کیا کیونکہ بخاری و ذہبی میں سخت خشونت و منافرت تھی۔

وروی (ای البخاری) عنه (ذهبی) مقدار ثلثین موضعاً ولم یصرح باسمه فیقول

حدثنا محمد بن یحییٰ الذهبی بل یقول حدثنا محمد ولا یزید علیه ولا یقول

محمد بن عبداللہ ینسبه الی جده وینسبه ایضا الی جدابیه

ترجمہ :- "امام بخاری نے امام ذہبی سے تمیں مقامات پر روایت بیان کی ہیں اور کہیں بھی ان کا نام نہیں لیا کہ یوں کہتے بجائے کہ ہم سے محمد بن یحییٰ ذہبی نے بیان کیا بلکہ صرف اس طرح کہتے ہیں کہ ہم سے محمد نے حدیث بیان کی۔ کہیں کہیں محمد بن عبداللہ ان کے دادا کی جانب منسوب کرکے کہتے ہیں اور بعض جگہ پر داد کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں۔)[121]

پنجم:- ○ دار قطنی اور حاکم نے کہا ہے کہ اسحق بن محمد بن اسماعیل سے بخاری کا حدیث روایت کرنا معیوب سمجھا گیا ہے۔

قال الدار قطنی والحاکم عیب علی البخاری اخراج حدیثه

ترجمہ :- "دار قطنی اور حاکم نے فرمایا کہ روایت حدیث میں بخاری پر الزام لگایا گیا ہے۔"[122]

دار قطنی اور حاکم کا مطلب یہ ہے کہ اسحاق بن محمد کو بخاری نے ثقہ خیال کر لیا حالانکہ وہ ضعیف ہیں۔ ثقہ اور ضعیف میں امتیاز نہ کر سکے۔ اور اسماعیل نے بخاری کے اس فعل پر تعجب کیا ہے کہ ابو صالح جہنی کی منقطع روایت کو صحیح سمجھتے ہیں اور متصل کو ضعیف۔

وقد عاب ذالک الاسماعیل علی البخاری وتعجب منه کیف یحتج باحادیثه

حیث یقللها۔

فقال هذا اعجب یحتج به اذا کان منقطعا ولا یحتج به اذا کان متصلا

ترجمہ :- "اسماعیل نے بخاری پر اس کا الزام لگایا اور تعجب کیا کہ ابو صالح جہنی کی احادیث سے کیونکر استدلال کرتے ہیں جب کہ وہ قلیل الحدیث تھے۔

"فرمایا یہ اور زیادہ عجیب بات ہے کہ حدیث منقطع کو قابل حجت اور متصل کو ضعیف سمجھتے ہیں۔"[123]

ششم:- ○ ذہبی نے بخاری کے بعض امور پر استعجاب ظاہر کیا ہے۔ اسید بن زید الجمال کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

والعجب ان البخاری اخرج له وذکره فی کتاب الضعفاء

ترجمہ :- "تعجب ہے کہ بخاری اس سے روایت بھی کرتے ہیں اور اس کو ضعیف بھی کہتے ہیں۔)

جو کسی راوی کو خود ضعیف بتلا دے اور پھر اصح الکتب میں اس سے روایت بھی کرے۔ غور کرو اس سے قائل کے حافظہ پر کیا اثر پڑتا ہے۔ معترضین ذرا انصاف کریں کہ اگر امام ابوحنیفہ امام بخاری کی جرح کی وجہ سے ضعیف ہیں تو بخاری ابن مندہ اور ذہبی وغیرہ کی جرح کے سبب سے کیوں مجروح نہ ہوں گے۔

ہفتم :- ○ حسب قاعدہ معترضین جب بخاری خود مجروح ثابت ہوئے تو مجروح کی جرح امام ابوحنیفہ پر کیا اثر ڈال سکتی ہے؟ افسوس ہے کہ غیر مقلدین محض حسد سے امام ابوحنیفہ پر حملہ کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہم اپنا گھر ڈھاتے ہیں۔ اگر امام ابوحنیفہ ضعیف کیے جائیں گے تو دنیا کے تمام محدثین ضعیف اور متروک الحدیث ہو جائیں گے پرائے شگون کے لئے اپنی ناک کاٹ ڈالنا کون سی دانشمندی ہے۔

اب ہم معترضین کے چند مشہور اقوال نقل کرکے ان کا رد کرتے ہیں تاکہ معترضین کی عداوت تعصب اور حسد امام صاحب کے ساتھ ظاہر ہو جائے۔

38 - اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں - قال ابوعلی سمعت ابا داؤد
یقول لیس بحدیث اھل الکوفۃ نور

ترجمہ :- "ابو علی نے فرمایا کہ میں نے ابو داؤد سے سنا کہ وہ فرماتے تھے اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں ہے۔" (تاریخ)

اقوال اولاً :- ○ اس عبارت سے نہ امام ابوحنیفہ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور نہ کسی کوفی کی۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ امام احمد ایک خاص حدیث من لوعی الی غیر ابیہ جو بواسطہ ابو عثمن مروی ہے۔ اس میں سماع کی تصریح ہے کیونکہ یہ حدیث بلفظ حدثنی مروی ہے اور کوفہ کے لوگوں نے اس حدیث میں سماع کی تصریح نہیں کی ہے۔ امام احمد اسی کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں کی یعنی کوفیوں کی یہ حدیث من حیث السماع روشن اور واضح نہیں ہے۔ بھلا اس عبارت کو جرح سے کیا تعلق ہے؟

ثانیاً :- ○ اگر اس خیال کو صحیح فرض کر لیا جائے تو پھر اس عبارت سے تمام اہل کوفہ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ بخاری، مسلم، مسند احمد، سنن اربعہ، دار قطنی، مسند شافعی اور موطا امام مالک میں کئی ہزار راوی

کوفی ہیں۔ جیسا کہ اسماء الرجال سے ثابت ہے۔ پس تمام کتابیں حدیث کی حسب خیال معترضین ردی اور ضعیف ٹھہریں گے۔

ثالثاً:۔ ○ اگر معترضین کے نزدیک اہل کوفہ سب کے سب ضعیف ہیں' تو امام احمد نے اہل کوفہ کی بعض اسانید کو اصح الاسانید کیوں فرما دیا' ملاحظہ ہو۔ (۵۲)

قال عبداللہ بن احمد من ابیہ لیس بلکوفتہ اصح من ھذا الاسناد یحیٰی بن سعید القطان عن سفیان الثوری عن سلیمان التیمی عن الحارث بن سوید عن علی

ترجمہ:۔ "عبداللہ بن احمد نے اپنے والد کا قول نقل فرمایا ہے کہ اسناد اہل کوفہ میں یہ سند سب سے زیادہ صحیح ہے کہ یحیٰی بن سعید القطان نے روایت کیا سفیان ثوری سے انہوں نے سلیمان تیمی سے انہوں نے حارث بن سوید سے انہوں نے حضرت علی سے۔"

رابعاً:۔ ○ حدیث نبوی سے امام ابوحنیفہ اور اویس قرنی کی تعریف ثابت ہے حالانکہ یہ لوگ کوفی تھے۔ چنانچہ حافظ سیوطی تبییض الصحیفہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

قد بشر صلی اللہ علیہ وسلم بالامام ابی حنیفہ فی الحدیث الذی اخرجہ ابونعیم فی الحلیتہ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوکان العلم بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس فھذا اصل صحیح یعتمد علیہ فی البشارۃ والفضیلتہ (۵۳)

ترجمہ:۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ابوحنیفہ کے لئے اس حدیث میں بشارت سنائی ہے جس کو ابو نعیم نے حلیہ میں ابو ھریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر علم ثریا پر بھی ہوگا تو اس کو فارس کے بعض لوگ حاصل کرلیں گے۔ یہ بشارت وفضیلت کے سلسلہ میں بہت صحیح اصل ہے اور قابل اعتماد ہے۔"

اور سیوطی کے شاگرد محمد بن یوسف دمشقی شافعی نے لکھا ہے۔

وماجزم بہ شیخنا من ان ابا حنیفتہ ھوالمراد من ھذ الحدیث ظاھر لا شک فیہ

لانہ لم یبلغ من ابنا فارس مبلغہ احد

ترجمہ:۔ "ہمارے شیخ نے جو اس حدیث سے امام ابو حنیفہ کو مراد لیا ہے وہ بلاشبہ بالکل صحیح و ظاہر ہے۔ اس لئے کہ ابنائِ فارس میں امام ابو حنیفہ کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچا۔[127]

وممایصح الاستدلال بہ علی عظم شان ابی حنیفتہ رحمتہ اللہ علیہ ماروی عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال ترفع زینتہ الدینا سننہ خمسین ومائتہ

ترجمہ:۔ وہ روایت جس سے امام ابو حنیفہ کی عظمت شان پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی زینت ایک سو پچاس سال تک بلند ہوتی رہے گی۔[128]

اب حضرت اویس قرنی کی مدح میں روایت ملاحظہ ہو۔

والقرنی لولیاء اھل الکوفہ

ترجمہ:۔ "حضرت اویس قرنی کوفہ کے ولی تھے۔"[129]

وصوف المصنف القائلین باویس بحدیث عمر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان خیر التابعین رجل یقال لہ اویس۔

ترجمہ:۔ "حدیث عمر کی وجہ سے قائلین اویس کی مصنف نے تصدیق کی ہے میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تابعین میں بہترین شخص وہ ہیں جن کا نام اویس ہے۔"[130]

اور خود امام احمد نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث کا اخراج کیا ہے۔

اب بنظر انصاف دیکھا جائے کہ خود امام احمد اپنی مسند میں حدیث نبوی سے بعض اہل کوفہ کی مدح و تعریف ثابت کر رہے ہیں تو پھر وہ تمام اہل کوفہ کو ضعیف اور غیر معتبر کیونکر کہیں گے۔ ایسے اعتراضات سے شرم کرنی چاہئے۔

39- غیر حجازی حدیثوں کا مغز نہیں:۔ ○

قال مالک اذاخرج الحدیث من الحجاز انقطع نخاعہ

ترجمہ:۔ "امام مالک نے فرمایا کہ حدیث جب حجاز سے نکل جاتی ہے تو اس کا مغز منقطع ہو جاتا

ہے۔"

اور امام شافعی کا قول ہے۔

اذالم یوجد للحدیث من الحجاز اصل ذهب نخاعه

ترجمہ :۔ "جب کسی حدیث کا ثبوت حجاز سے نہ ملے تو اس کا مغز جاتا رہتا ہے۔"

40۔ عراقیوں کی حدیثوں میں شک ہے :۔ ○ اور طاؤس نے کہا ہے۔

اذا حدثک العراقی مائته حدیث فاطرح تسعنه و تسعین وکن من الباقی فی شک

ترجمہ :۔ "اگر تجھ سے کوئی عراقی حدیثیں بیان کرے تو اس میں سے ننانوے حدیثوں کو پھینک دے اور ایک میں مشکوک رہ۔"

اور زہری نے کہا ہے۔

ان فی حدیث اهل الکوفه زغلا کثیرا

ترجمہ :۔ "اور اہل کوفہ کی حدیث میں بہت دھوکہ ہے۔"

اور خطیب نے کہا ہے۔

ان روایاتهم کثیرة الزغل قلیلته اسلامته من العلل

ترجمہ :۔ "اہل کوفہ کی روایتیں دھوکے سے بھری ہوتی ہیں اور کمزوری سے بہت کم محفوظ ہوتی ہیں۔" [13]

اقول اولاً:۔ ○ ان اقوال سے نہ ابو حنیفہ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے۔ اور نہ کسی عراقی نہ کوفی کی اور نہ یہ جرح کے اقوال ہیں۔ خاص خاص مواقع پر خاص وجوہ کی بنا پر ان حضرات نے یہ باتیں لکھی ہیں۔

ثانیاً:۔ ○ اگر حسب خیال معترض یہ جرح کے کلمات ہیں تو دنیا سے حدیث کا نام مٹ جائے گا۔ کیونکہ حسب اول امام مالک و امام شافعی ہر حدیث کی اصل مکہ مدینہ سے ملنی چاہئے اور حسب قول زہری عراقی یعنی بصری و کوفی اور بغدادی وغیرہم کی روایات فی صدی ایک ہی قابل اعتبار ہوگی اور حسب قول ہشام بن عروہ عراق کی فی ہزار نوسو نوے احادیث متروک اور دس احادیث محتمل الصحہ ہوں گی۔

وقال ھشام بن عروہ اذا حدثک العراقی بالف حدیث فالق تسع مائتہ و تسعین
وکن من الباقی فی شک

ترجمہ :- "ہشام بن عروہ نے کہا کہ اگر تجھ سے کوئی عراقی ایک ہزار حدیثیں بیان کرے تو ان میں
نو سو نوے کو ترک کردے اور دس حدیثوں میں مشکوک رہ۔"[3]

اب معترضین اس قاعدہ کو سامنے رکھ کر احادیث کی جانچ کریں۔ جتنی کتابیں احادیث کی موجود ہیں۔ مثلاً بخاری، مسلم، ابوداؤد، الطیالسی، معجم طبرانی، صغیر، دار قطنی، موطا امام مالک اور سنن دارمی وغیرہا میں سے خاص حجاز کی روایات انتخاب کریں اور سب روایات چھوڑ دیں۔ پھر حجاز کی روایتوں میں اگر کوئی راوی بصری کوئی بغدادی ہو تو اس کو بھی چھوڑ دیں۔

پھر ان احادیث میں اگر کوئی ایسا راوی ہو کہ اس پر کسی قسم کی جرح کسی سے منقول ہو تو اس کو بھی چھوڑ دیں۔ اس کے بعد دیکھیں کہ ان کے ہاتھ میں کتنی حدیثیں صحیح باقی رہتی ہیں۔

ہمارے خیال میں نماز روزہ کی احادیث بھی ان کے پاس باقی نہ رہیں گی تو پھر اہل حدیث کا لقب بھی کذب صریح اور غلط ہوگا۔ نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عراق میں ہزاروں صحابہ موجود تھے۔

کما قال ابن الھمام لان الصحابہ انتشرت فی البلاد خصوصا العراق

قال العجلی فی تاریخہ نزل الکوفتہ الف خمسین مائتہ من الصحابہ

ترجمہ :- "ابن ہمام نے فرمایا کہ صحابہ مختلف شہروں میں نشر ہوگئے تھے۔ خصوصاً عراق میں۔"

"عجلی نے اپنی تاریخ میں فرمایا ہے کہ کوفہ میں پندرہ سو صحابہ قیام پزیر ہو گئے تھے۔"

انصاف کرنا چاہئے کہ جس جگہ ڈیڑھ ہزار صحابہ موجود ہوں اور شب و روز قال اللہ و قال الرسول کا ذکر ہو وہاں کے لوگ حدیث سے ناواقف کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اور ان کی روایت محض عراقی و کوفی ہونے کیوجہ سے کیوں متروک ہوگی۔

41۔ قلت روایت کا اعتراض :- ○ امام صاحب پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ ان کی مرویات کی تعداد صرف سترہ ہے اور بس! اور اس قول کی بنیاد ان کے نزدیک ابن خلدون کی یہ عبارت ہے۔

یقال بلغت روایاتہ سبعتہ عشر حدیثا

ترجمہ:۔ "کہا گیا ہے کہ امام صاحب کی مرویات کی تعداد سترہ ہے۔"[133]

اور اسی کی تائید میں امام بخاری کے استاد امام حمیدی کا یہ قول بھی پیش کیا جاتا ہے۔

قال الحمیدی فرجل لیس عنده سنن من رسول الله صلی الله علیه وسلم و اصحابه فی المناسک

ترجمہ:۔ "حمیدی کہتے ہیں اس شخص (ابو حنیفہ) کو مناسک میں نہ تو سنت رسول کا علم تھا اور نہ سنت صحابہ کا۔"[134]

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے چند غلط فہمیوں کے ازالہ کے تحت تمہیداً کچھ عرض کر دیا ہے لہٰذا اگر ہم اس ارشاد کو بھی غلط فہمی پر محمول کریں تو ہمارے لئے گنجائش ہے ہمارے نزدیک یہ ارشادات متعدد وجوہات کی بناء پر مجروح ہیں۔

(1) ابن خلدون کو خود اپنی بات پر یقین نہیں جب ہی تو صیغہ تمریض (یقال) کے ساتھ کہا ہے۔

(2) ابن خلدون چونکہ مورخ ہیں اس لئے ان کا قول امور تاریخیہ میں تو قابل استناد ہے نہ کہ امور شریعت میں۔ علامہ شمس الدین سخاوی نے اپنی کتاب "الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع" میں لکھا ہے۔

وان کان ماهراً فی الامور التاریخیه الا انه لم یکن ماهراً بالعلوم الشریعته

ترجمہ:۔ "ابن خلدون اگرچہ امور تاریخیہ کا تو ماہر تھا لیکن اس کو امور شریعت میں مہارت نہیں تھی۔"[135]

3۔ ہم کہتے ہیں ابن خلدون کو بھی امام صاحب کا حافظ حدیث ہونا تسلیم ہے اور مذکورہ عبارت میں تصرف صرف حسد اور تعصب کا کرشمہ ہے کیونکہ ابن خلدون نے آگے چل کر لکھا ہے۔

وقد تقول بعض المتعصبین ان منهم کان قلیل البضاعته فی الحدیث ولا سبیل الی هذا المعتقد فی کبار الائمته لان الشریعته انما توخذ من الکتاب والسنته۔

ترجمہ:۔ "بعض متعصبین نے یہ کہہ دیا ہے کہ ان ائمہ میں سے بعض امام بہت کم حدیث جانتے تھے یہ اعتقاد ان ائمہ کبار کے متعلق بیجا ہے کیونکہ شریعت تو کتاب و سنت سے ہی ماخوذ ہے۔"[136]

4- ائمہ فن مثلاً علامہ ذہبی نے امام صاحب کا تذکرہ حفاظ حدیث کے طبقہ میں کیا ہے اور حافظ وہ ہوتا ہے جس کو کم از کم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔ علامہ محمد بن یوسف شافعی نے بھی عقودالجمان میں آپ کو حافظ حدیث تسلیم کیا ہے۔ 5- بقول علامہ ابن حجر مکی آپ کے اساتذہ چار ہزار ہیں اگر ہر ایک سے ایک ایک حدیث سنی ہو تب بھی چار ہزار حدیثیں ہوتی ہیں۔

6- امام صاحب کا مجتہد مطلق ہونا مجمع علیہ ہے لہٰذا اگر سترہ حدیثوں سے مجتہد بن سکتا ہے تو پھر اس زمانہ میں تو مجتہدین کی کمی نہ رہے گی۔ خصوصاً ہر اہل حدیث مجتہد قرار دیا جائے گا۔

7- اگر امام صاحب پر قلت روایت کا اعتراض ہے تو پھر پروردہ آغوش بتول اور راکب دوش رسول جناب امام حسینؓ کے بارے میں کیا کہا جائے گا جب کہ عمر بھر ان کو حضرات صحابہ کی بھی صحبت حاصل رہی ان کے متعلق نواب صدیق صاحب فرماتے ہیں "ہشت حدیث ازوے مرویست"۔ (137)

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے ناطقہ سربگریباں کہ اسے کیا کہئے۔

بالفرض اگر امام صاحب پر قلت روایت اعتراض ہے تو اس کی وجوہات بھی تلاش کرنا ضروری ہیں۔ ہمارے نزدیک امام صاحب سے روایتوں کی قلت اور اس میں غلو نہ ہونے کے مندرجہ ذیل اسباب ہو سکتے ہیں۔

(ا) حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ احکامات اور اعمال کی احادیث کے علاوہ دوسرے احادیث روایت نہ کی جائیں۔ (138)

(ب) حضرت ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے تین صحابہ (ابن مسعودؓ ابو درداءؓ ابو مسعود انصاریؓ) کو حدیث بیان کرنے سے روک دیا تھا۔ اس وجہ سے کہ یہ زیادہ احادیث بیان کرتے تھے۔ حضرت ابوسلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس وقت بھی حدیثیں بیان کرتے تھے تو جواب دیا اگر میں اس وقت حدیث روایت کرتا تو مجھے ڈھال سے مارا جاتا۔

(ج) حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا اگر تم زیادہ حدیث بیان کرو گے تو آئندہ لوگوں میں سخت اختلاف ہوگا۔

(د) حضرت عمرؓ نے حضرت قرظہ بن کعب کو وصیت کی کہ رسول اللہ صلعم کی حدیث کم نقل کرو۔

(س) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ والد صاحب نے پانچ صد حدیثیں جمع کیں تو

تمام رات بے چین رہے میں نے دریافت کیا۔ کیا آپ کو کوئی تکلیف ہے؟ فرمایا بیٹی وہ احادیث لاؤ جو میں نے تمہارے پاس رکھی ہیں چنانچہ میں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ تو آپ نے ان کو جلا دیا اور فرمایا ممکن ہے کہ میری اس حالت میں موت آجاتی کہ میں نے حضور صلعم کی طرف کوئی غلط حدیث منسوب کر دی ہو اور واقعہ میں ایسا نہ ہو۔

(ص) ذہبی نے ابی عمر الشیبانی کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک سال تک حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں رہا میں نے ان کو کبھی قال رسول اللہ صلعم کہتے ہوئے نہیں سنا اور اگر کبھی فرمایا بھی تو پسینہ سے تر ہو جاتے تھے۔ اور لرز اٹھتے تھے اور گھبرا کر فرما دیا کرتے تھے۔ اوکما قال ھکذا قال ونحوہ

یہ حال حضرت ابن مسعودؓ کا ہے جن کے متعلق آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے "ابن مسعود کی حدیث کی تصدیق کیا کرو۔"[139] تو دوسروں کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔

ان وجوہات کی موجودگی میں بھی اگر قلت حدیث کا اعتراض امام صاحب پر چسپاں کر دیا جائے تو معترض ہی اس کا ذمہ دار ہے بلکہ یہی کہنا مناسب ہے کہ امام صاحب اس معاملہ میں بہت محتاط تھے۔ اور بہت سے حضرات صحابہؓ نے اسی راہ کو اختیار کیا تھا۔ چنانچہ احادیث کے اتنے بڑے ذخیرے میں حضرت عمرؓ سے 545' حضرت علیؓ سے 586' حضرت ابن مسعودؓ 848 اور حضرت صدیق اکبرؓ سے ان سب سے کم روایت مروی ہیں ہاں ان حضرات کے فتاوی کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اسی پر حضرت امام ابو حنیفہ کو قیاس کر لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے کیونکہ امام صاحب نے نقل روایات کے علاوہ تدوین فقہ اسلام کا اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ جو نہ آپ سے پہلے ہوا تھا اور نہ آپ کے بعد اور اسی فقہ پر دوسرے تمام فقہوں کی بنیادیں قائم ہوئیں اور اسی فقہ کے طفیل آج دنیا کی عدالتوں کا نظام زندہ ہے۔ اگر یہ کام نہ ہوا ہوتا تو آج عدالتیں عدالتیں نہ ہوئی ہوتیں۔

42- **مناسک حج سے عدم واقفیت کا اعتراض:-** ○ رہا امام حمیدی کا ارشاد؟ یہ بھی عقلا خلاف ہے کیونکہ جس شخص نے 55 حج کئے ہوں کیا اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو مناسک حج نہیں معلوم تھے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام اعمش جیسا عظیم محدث مناسک میں امام صاحب کی طرف رجوع کیا کرتا تھا۔

امام اعمش نے جب حج کیا تو امام ابو حنیفہ کو لکھا کہ آپ میرے لئے مناسک لکھ دیجئے امام اعمش فرمایا کرتے تھے ابو حنیفہ سے مناسک سیکھو کیونکہ میں حج کے فرائض و نوافل کا

ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔[140]

گزشتہ بحث سے مخالفین اور حاسدین کی دونوں تہمتوں کہ

1- امام ابو حنیفہ علم حدیث کے سرمایہ سے بالکل تہی دست اور ناواقف تھے۔

2- 2- امام ابوحنیفہ صحیح حدیث پر بھی اپنی رائے اور قیاس کو ترجیح دیتے تھے میں سے پہلے الزام کی حقیقت واضح ہو کر قارئین کے سامنے آگئی ہے۔ دوسرے الزام پر تفصیلی گفتگو آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمادیں گے۔

اب ہم بتانا چاہتے ہیں کہ ان تہمتوں اور بے بنیاد الزامات کے تاریخی ماخذ کیا ہیں اور حقائق کی کسوٹی پر ان کی صداقت کا معیار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اولاً خطیب بغدادی نے مختلف ائمہ کبار اور فقہاء عظام سے منسوب بے سند اقوال کاذبہ تاریخ بغداد میں نقل کردیے ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے۔

کان یتیما فی الحدیث، کان زمنا فی الحدیث لم یکن بصاحب حدیث

انہ لیس لہ رای ولا حدیث جمیع ماروی من ابی حنیفہ من الحدیث ماۃ

وخمسون حدیثا خطاء فی نصفھا۔[141]

ترجمہ:۔ ابوحنیفہ علم حدیث میں یتیم تھے۔ ابو حنیفہ تو حدیث میں بالکل اپاہج تھے وہ حدیث کے آدمی نہ تھے۔

ابو حنیفہ کے پاس نہ تو رائے تھی اور حدیث ابو حنیفہ سے مروی کل ڈیڑھ سو حدیثیں ہیں جن میں سے آدھی حدیثوں میں ان سے غلطیاں ہوئیں ہیں۔

سنت کے مخالفین حدیث کے منکرین اور ابو حنیفہ کے حاسدین اپنی تقریر و تحریر میں خطیب بغدادی کے نقل کردہ یہ الزامات اور بے حقیقت تہمتیں ہمیشہ سے دہراتے آئے ہیں۔ مورخین میں بھی بعض دانستہ برائے مخالفت اور بعض نادانستہ طور نہ برائے مخالفت ان الزامات کو اپنی تاریخوں میں نقل کرتے چلے آئے ہیں۔ مثلاً ابن خلدون نے تاریخ کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

3 ۔ صرف سترہ حدیثیں یاد ہونے کا اعتراض:۔ ○

ان مرویاتہ بلغت علی مایقال سبعۃ عشر حدیثا[142]

ترجمہ:۔ "ابو حنیفہ سے مروی احادیث کی تعداد جیسا کہ کہا گیا ہے سترہ تک پہنچتی ہے۔

مگر حقائق اور واقعات کی دنیا میں ان الزامات میں کہاں تک صداقت ہے اسی سلسلہ میں گذشتہ بحثوں کے نمونے بھی کافی ہیں مگر مزید معلومات کے لئے چند گذارشات پیش خدمت ہیں۔

(ا) امام اعظم ابو حنیفہ دین کے مسلم امام اور مجتہد تھے۔ موافقین و مخالفین اور خطیب بغدادی کے نقل کردہ اقوال کے قائلین سب کا اس پر اجماع و اتفاق ہے پھر سوال یہ ہے کہ جب ابو حنیفہ کو علم حدیث سے کوئی تعلق نہ تھا اور صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں تو ائمہ مجتہدین نے ان کے اجتہادو استنباط کا اعتبار کیسے کیا۔ ان کے فقہی مسائل کی تحصیل کا اہتمام اور پھر ان کی اشاعت کا انتظام کیوں کیا اور فقہ بھی ایسی جس کی عمارت کے لئے سرے سے علم حدیث کی بنیاد ہی نہیں تھی کیسے پروان چڑھیں اور آج تک سواد اعظم کے لئے قابل قبول کیوں بنی ہوئی ہیں۔

(ب) ابو حنیفہ کے مذہب کا تحقیقی مطالعہ کرنے والے ائمہ کبار اور فقہا عظام نے فقہ حنفی کے سینکڑوں مسائل و احکام کو صحیح احادیث کے بالکل موافق پایا شارح قاموس سید مرتضیٰ زبیدی نے فقہ حنفی کے اصل تمام احادیث احکام کو عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ مذہب ابی حنیفہ کے نام سے ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا ہے تو سوال یہ ہے کہ ابو حنیفہ کے علم حدیث سے نابلد اور تہی دامن ہونے کے باوجود ان کے استنباط کردہ مسائل و احکام صحیح احادیث کے موافق کیسے ہو گئے۔

(ج) امام ابن ابی شیبہ نے مصنف کبیر میں ایسے مسائل کی تعداد ایک سو پچیس گنوائی ہے جن میں ان کے نزدیک امام ابوحنیفہ صحیح احادیث کے معیار پر پورے نہیں اترے اگر ابن ابی شیبہ کے بیان کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک سو پچیس کے علاوہ باقی امام ابو حنیفہ کے ہزاروں مسائل جن کی تعداد ایک روایت کے مطابق تراسی ہزار (83000) ہے اور ایک دوسری روایت کے مطابق بارہ لاکھ تک پہنچتی ہے۔ صحیح اور حدیث کے موافق ہیں اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ بارہ لاکھ مسائل کے استنباط کرنے والے کے پاس حدیثیں بھی سینکڑوں اور ہزاروں ہونی چاہئے۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ واقعی امام اعظم ابو حنیفہ کے پاس حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ اور حدیث کے اسی ذخیرہ سے انہوں نے بارہ لاکھ مسائل کا استنباط کیا تھا۔

(د) علم اصول حدیث (کتب مصطلح حدیث و کتب اسماء الرجال) میں امام ابو حنیفہ کے آراء و نظریات کو مدون کیا جاتا ہے اور رد و قبول کے اعتبار سے اس پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ یعنی جس حدیث یا راوی کو امام ابوحنیفہ رد کر دیں۔ اسی کو مردود سمجھا جاتا ہے۔ اور جس کی وہ تائید کر دیں اسے قبول کر لیا جاتا ہے۔ کیا ایسے عظیم علمی شخصیت کو علم حدیث سے کورا اور تہی دامن قرار دینا سرا سر جھوٹ اور بہتان نہیں ہے۔

(د) امام اعظم ابوحنیفہ کے تلامذہ نے آپ سے سنی اور پڑھی ہوئی حدیثوں کو مستقل کتابوں اور مسندوں میں پورے اہتمام کے ساتھ لکھا اور لکھنے والے بھی کوئی معمولی شخصیتیں نہیں بلکہ علم حدیث و فقہ اور اجتہاد و استنباط میں مسلم امام ہیں مثلاً امام ابو یوسف امام محمد حسن بن زیاد ابو حنیفہ کے صاحب زادے حماد' الوہبی' البخاری' الحارثی' ابن المظفر' محمد بن جعفر' ابو نعیم الاصفہانی' قاضی ابوبکر الانصاری' ابن ابی العوام السعدی' ابن خسرو البلخی آسمان علوم نبوی کے یہ روشن ماہتاب کون ہے جسے ان کی ضیا پاشیوں سے انکار ہو۔ پھر قاضی القضاۃ محمد بن محمود خوارزمی نے مذکورہ تمام ائمہ کے مسانید کو ایک ضخیم کتاب میں جمع کرکے "جامع المسانید) نام رکھ دیا۔[43]

حافظ محمد یوسف الصالحی نے ایسی روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوحنیفہ کے مسانید کی تعداد سترہ ہے۔ پھر انہوں نے ان سترہ آدمیوں کی اسانید بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔ جنہوں نی ابو حنیفہ کے مسانید جمع کی ہیں[44]

اس تحقیق و تفصیل کے بعد امام ابوحنیفہ پر قلت حدیث کے الزام کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔

ابن خلدون کی منقول روایت کی توجیہات:۔ ○ اس تفصیل سے ابن خلدون کے بیان کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے تاہم ابن خلدون کی عبارت بہت مبہم ہے انہوں نے اتنا لکھا ہے کہ "ابوحنیفہ کے مرویات کی تعداد سترہ ہے" ہو سکتا ہے کہ

(ا) ابن خلدون نے امام ابو حنیفہ کے مرویات کی تعداد سے ان کے سترہ مسانید مراد لئے ہوں۔

(ب) اور یہ بھی ممکن ہے کہ امام محمد نے جو پورا موطا امام مالک سے روایت کیا ہے مگر اس میں صرف تیرہ حدیثیں ایسی درج کیں ہیں جو ابو حنیفہ سے منقول ہیں۔ اور چار حدیثیں ابو یوسف سے روایت کی ہیں۔

ان سترہ حدیثوں کو دیکھ کر بعض اہل علم نے موطا میں درج شدہ احادیث کی تعداد سترہ بتائی ہو اور وہی نقل ہوتی چلی آئی ہو۔ مگر یاد رہے کہ سترہ احادیث والے بہتان اور بے بنیاد الزام کو ابن خلدون کے سوا کسی اور کتاب نے بھی ذکر نہیں کیا۔[45]

ضد اور ہٹ دھرمی کا علاج نہیں' نہ ماننے والوں کے لئے دفتر کے دفتر بھی بے سود ہیں اور تسلیم کرنے والوں کے لئے ایک صحیح بات بھی کافی ہوتی ہے۔ کیا ماقبل کے متعدد حوالہ جات تحقیقی مباحث' شواہد' واقعات اور حقائق اور سچی شہادتیں اس بات کا بین ثبوت نہیں ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا علم حدیث و روایت میں کمال ادراک اور حزم و احتیاط

کی محدثین میں نظیر نہیں ملتی کیا ایسے شخص کو "یتیم فی الحدیث) اور "قلیل الحدیث" قرار دینا انتہائی ظلم اور کمل جہالت کا مظاہرہ نہیں۔

امام صاحب کے حق میں یہ طعنہ بہت پرانا ہے۔ امام بخاری نے اپنے استاد حمیدی سے نقل کر دیا کہ امام صاحب نے چار سنتیں ایک حجام سے حاصل کی تھیں۔ اور صرف اتنے مبلغ علم حدیث پر ان کو لوگوں نے اپنا امام بنا لیا خود امام بخاری نے اپنی تاریخ میں تحریر فرما دیا کہ سکتوا عن رایه وحدیثه امام صاحب کی رائے اور حدیث سے لوگوں نے سکوت کیا ہے (یعنی رائے بے وزن اور حدیث بوجہ قلت یا ضعف ناقابل ذکر پائی۔

امام صاحب کا مجتہد بلکہ امام المجتہدین ہونا سب ہی نے تسلیم کیا ہے تو کیا کوئی مجتہد بغیر پوری مہارت علوم قرآن و حدیث کے مجتہد ہو سکتا ہے بلکہ ائمہ اصول حدیث نے تو لکھا ہے کہ مجتہد کا آثار تاریخ لغت اور قیاس میں بھی ماہر و کامل ہونا ضروری ہے۔ ہم امام صاحب کی توثیق و تعریف میں مستقل باب لکھیں گے۔

باقی رہا امام بخاری کا امام صاحب کے حق میں سکتو عن رائیہ و حدیثہ کہنا تو اتنا تو اعتراف ان کا بھی ہے کہ کبار سلف میں سے عباد بن العوام ابن المبارک ہشیم وکیع مسلم بن خالد ابو معاویہ مصری وغیرہ شیوخ بخاری جیسے ائمہ حدیث نے امام صاحب سے روایت حدیث کی ہے اور دوسرے حضرات نے تو سینکڑوں کی تعداد میں امام صاحب سے سماع حدیث کرنے والے گنوائے ہیں اور امام صاحب کی رائے کو اخذ کرنے والوں سے تو دنیا بھری ہوئی ہے حتیٰ کہ کچھ ملک تو ایسے ہیں کہ امام صاحب کے مذہب کے سوا دوسرا مذہب ہی وہاں رائج نہیں ہوا۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ امام صاحب کی رائے سے سکوت کرنے والے ان کی رائے پر عمل کرنے والوں کے مقابلہ میں کتنے نفر ہیں؟ بہت ہوئے تو ایک قطرہ کے برابر بہ نسبت سمندر کے جو شخص عقود الجمان فی مناقب النعمان (ص ۱۹۸) میں ان کا شمار پڑھے گا وہ ہمارے اس بیان کی تصدیق کرے گا۔

علامہ ابن خلدون ارشاد فرماتے ہیں۔

واعلم ایضا ان الائمة المجتهدین تقولوا فی الاکثار من هذه الصناعه والا قلال فابو حنیفه رضی الله تعالیٰ عنه یقال بلغت روایة الی سبعته عشر حدیثا اونحوها ومالک رحمه الله تعالیٰ انما صح عنده مافی کتاب الموطا غايتها ثلاث مائته حدیث اونحوها واحمد بن حنبل رحمه الله تعالیٰ فی مسنده خمسون الف

حدیث والکل ما اداہ الیہ اجتہادہ فی ذلک وقد تقول بعض المبغضین المتعصبین
الی ان منہم من کان قلیل البضاعتہ فی الحدیث فلھذ قلت روایتہ ولا سبیل الی
ھذا المعتقد فی کبار الائمتہ (47)

ترجمہ :- اور تو یہ بھی جان لے کہ اگر مجتہدین حدیث کے ان میں متفاوت رہے ہیں کسی نے زیادہ حدیثیں بیان کی ہیں اور کسی نے کم سو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ کہ ان کی کُل روایتیں صرف سترہ یا ان کے لگ بھگ ہیں اور امام مالک رحمتہ اللہ سے جو روایتیں ان کے ہاں صحیح ہیں۔ وہ وہی ہیں جو مؤطا میں درج ہیں جن کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ کے مسند میں پچاس ہزار حدیثیں ہیں ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق اس میں سعی کی ہے اور بعض کجروی اختیار کرنے والوں نے اس جھوٹ پر کمر باندھ لی ہے کہ ان ائمہ میں سے جن سے کم حدیثیں مروی ہیں وہ محض اس لئے کہ ان کا سرمایہ ہی اس فن میں اتنا ہے لہٰذا ان کی روایتیں بھی کم ہیں۔ حالانکہ ان بڑے بڑے اماموں کی نسبت ایسا خیال کرنا راہ راست سے دور ہے۔

غور فرمایئے کہ علامہ ابن خلدون کیا کہہ گئے ہیں؟ اور کس طرح ان مبغضین اور کے تقول اور جھوٹ کا پول کھل دیا ہے اور کس طرح ان کے زعم باطل اور ائمہ مجتہدین کے بارے میں غلط روی کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی ہیں کہ ان اکابر ائمہ کے بارے میں قلیل البضاعتہ فی الحدیث کا نظریہ ہی سرے سے باطل ہے اور ایسا بے بنیاد نظریہ جو ان کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے وہ تقول اور جھوٹ ہے۔

حافظ محمد بن یوسف لکھتے ہیں۔

وانما قلت الرویتہ عنہ وان کان متسع الحفظ لاشتغالہ بالا ستنباط وکذالک لم
یروعن مالک و شافعی الا قلیل وبالنسبتہ الی ماسمعناہ

ترجمہ :- "امام ابو حنیفہ سے باوجود وسیع الحفظ اور حافظ حدیث ہونے کے روایتیں اس لئے کم مروی ہیں کہ وہ استنباط مسائل میں مشغول رہتے تھے جب کہ امام مالک اور امام شافعی سے ان کی سنی ہوئی حدیثوں کی بہ نسبت ان کی روایتیں کم ہیں۔

پھر اس بات کو مثال دے کر یوں واضح اور آشکارا کرتے ہیں کہ۔

کما قلت روایتہ امثال ابی بکر و عمر من کبار الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم بالنسبتہ الی کثرۃ اطلاعھم وقد کثرت روایتہ من دونھم بالنسبۃ الیھم ۔ 148/

ترجمہ :۔ جس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایتیں ان کے علم اور اطلاع کی نسبت کم ہیں حالانکہ ان سے کم مرتبہ کے صحابہ کی روایتیں ان سے بدرجہا زیادہ ہیں۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ 9ھ میں سفر حج کے علاوہ اور کوئی قابل قدر موقع اور سفر ایسا نظر نہیں آتا جس میں حضرت ابوبکرؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں الگ اور جدا رہے ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر حدیثیں اور کس کو معلوم تھیں؟ یہی وجہ ہے کہ صحابہ بھی۔ وکان ابوبکر اعلمنا (متفق علیہ مشکوۃ ص 546) کہنے پر مجبور ہیں مگر بایں ہمہ ان سے جو روایتیں مروی ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے اور اسکے برعکس حضرت ابو ہریرۃؓ (بالاتفاق 7ھ میں مسلمان ہوئے ہیں مگر وہ 5374 روایتیں کرتے ہیں اور اسی طرح حضرت عمرؓ سے بھی بہ نسبت حضرت ابوہریرہ حضرت ابو سعید الخدریؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہت کم حدیثیں مروی ہیں تو کیا اب یہ کہہ دینا چاہئے کہ یہ حضرات صحابہ کرام حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے زیادہ بڑے محدث اور حدیث دان تھے؟ کوئی بھی مسلمان اس کا تصور نہیں کر سکتا اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہ سے بھی اگر روایتیں کم مروی ہیں تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ وہ فن حدیث میں کم مایہ تھے بلکہ وہ باوجود حافظ حدیث ہونے کے استنباط مسائل میں مصروف رہے اس لئے روایتیں ان کی کم ہیں جس طرح کہ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی سے بھی باوجود محدث کامل ہونے کے روایتیں کم ہیں ان کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان کے پاس بضاعت حدیث ہی اس قدر ہے حاشاو کلا کہ کوئی مسلمان اس کا وہم بھی کر سکتا ہو اور ہم نے پہلے یہ بھی عرض کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی املائی کتابوں میں ستر ہزار سے اوپر حدیثیں موجود ہیں اور کتاب الآثار انہوں نے چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کی ہے پھر ان پر قلت حدیث کا الزام کس طرح عائد کیا جا سکتا ہے۔

مقام افسوس ہے کہ حقیقت الفقہ حصہ سوم ص 188 میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بے شک ایک مسلم اور مجتہد ذکی الفہم عابد زاہد متقی پرہیز گار تھے لیکن علم حدیث میں کہ جس پر بیشتر مدار دین کا ہے ائمہ ثلاثہ یا

دیگر خواص علماء امت سے کمتر پایہ رکھتے ہیں۔ اور آپ زیادہ تر اقوال شیوخ خود سے مسائل استنباط کرتے تھے۔ اسی وجہ سے امام اہل الرائے کے مشہور ہوئے نہ اہلحدیث کے۔ (انتہی بلفظہ) سبحان اللہ)

بریں عقل و دانش بباید گریست

44- تنقیدی غلط فہمی کا سبب :- ○ اصل بات یہ ہے کہ جن اکابر محدثین نے روایت کے بارے میں کڑی شرطیں لگائی ہیں ان کی حدیثیں بہ نسبت ان حضرات کے جنہوں نے سہل انگاری سے کام لیا ہے کم ہی رہی ہیں یہ ایک کھلی ہوئی اور واضح حقیقت ہے کہ حضرت امام بخاری اور امام مسلم نے جو شرطیں احادیث کو صحیحین میں درج کرنے کے لئے لگائی ہیں وہ خود انہوں نے دوسری کتابوں کے لئے اور اسی طرح دیگر محدثین نے وہ شرطیں عائد نہیں کیں بنا بریں صحیحین کے علاوہ روایت حدیث کا یہ دائرہ وسیع ہے اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ آپ اگر کتاب مستدرک حاکم ہی کو دیکھ لیں جو امام حاکم نے بزعم خویش حضرات شیخین کی شرطوں پر لکھی ہے تو اندازہ ہو جائے گا کہ اس میں انہوں نے بعض موضوع اور جعلی روایتوں کو بھی علیٰ شرط الشیخین صحیح کہہ دیا ہے خدا تعالیٰ جزائے خیر دے علامہ ذہبی کو جنہوں نے ان کا تعاقب کرکے علماء کو صحیح راستہ بتانے کی کوشش کی ہے۔ اگر آپ امام بیہقی علامہ خطیب' بغدادی' حافظ دار قطنی' اور اسی طرح اور محدثین کی کتابیں دیکھیں تو الم نشرح ہو کر یہ حقیقت آپ کے سامنے آجائے گی کہ نرم شرطوں کے بعد روایت کا دائرہ کتنا وسیع ہو گیا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ اور عجالہ نافعہ وغیرہ میں اس کی محقق بحث ملاحظہ کر لیجئے۔ اور اگر آپ متاخرین میں خطیب قسطلانی اور امام سیوطی وغیرہ کی کتابیں دیکھیں اور حدیث کے ساتھ کچھ مَس بھی ہو تو حیرت کے مارے انگشت بدندان رہ جائیں گے کہ کیسی کیسی باطل اور من گھڑت حدیثوں کی انہوں نے تصحیح اور تحسین کر ڈالی ہے۔ اور امام سیوطی تو بعض بعض احادیث کے بارے میں ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں۔ کہ اس حدیث کو فلاں اور فلاں محدث اور ان کے علاوہ دیگر محدثین کرام کی ایک کثیر جماعت نے موضوع کہا ہے۔ مگر انصاف یہ ہے کہ موضوع نہیں صرف ضعیف ہے۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں جیسا کہ بعض کم ظرف لوگوں نے سمجھا ہے کہ ان کتابوں میں سرے سے کوئی روایت ہی صحیح نہیں ہے۔ یہ دعوی بھی یقیناً اور قطعاً باطل ہے ان کتابوں میں ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو اصول کے خلاف نہیں۔ ان کی اسانید صحیح ہیں اور محدثین کرام نے ان کو صحیح کہا ہے اور امت کا ان پر اعتقاد اور عمل ہے۔ ہاں ان کتب کی سب احادیث کی صحت کا دعوی باطل ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت امام بخاری امکان لقاء پر اکتفا نہیں فرماتے اور اسی طرح حدیث حسن کو معمول بہ قرار نہیں دیتے اس لحاظ سے ان کا دائرہ تنگ رہے گا اور ان امور میں ان سے اختلاف رائے رکھنے والے حضرات کا دائرہ وسیع ہو گا اور اس قدر ان کی روایتیں بھی زیادہ ہوگی۔ چونکہ حضرت امام ابوحنیفہ نے بھی روایت حدیث کے لئے نہایت ہی سخت کڑی شرطیں لگائی ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر ان کی روایتیں بہ نسبت ان حضرات کے کم ہوں گی جو یہ شرطیں عائد نہیں کرتے اور اس اعتبار سے امام ابو حنیفہ کو قلیل الروایہ کہا جائے گا کہ ان کی روایتیں کڑی شرطیں نہ لگانے والوں کی نسبت سے کم ہیں نہ یہ کہ وہ فی نفسہ فن روایت میں کم مایہ اور قلیل البضاعۃ ہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو علامہ ابن خلدون ہی سے سن لیجئے وہ فرماتے ہیں۔

والامام ابوحنیفہ انما قلت روایتہ لا شدد فی شروط الرویتہ والتحمل وضعف روایتہ الحدیث الیقینی اذا عارضہا الفعل انفسی و قلت من اجلہا ر وایتہ فقل حدیثہ لا لانہ ترک روایتہ الحویث متعمد افحا شاہ من ذالک و یدل علی انہ من کبار المجتہدین فی علم الحدیث

ترجمہ :- اور امام ابوحنیفہ کی روایتیں اس لئے کم ہیں کہ انہوں نے روایت اور اس کے تحمل میں بڑی کڑی شرطیں لگائی ہیں۔ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث یقینی کی روایت جب کہ اس کے معارضہ میں فعل نفسی واقع ہو ضعیف ہو جاتی ہے۔ اور اس وجہ سے ان کی روایت اور حدیث میں کمی واقع ہوئی ہے نہ اس لئے کہ انہوں نے جان بوجھ کر روایت حدیث کر ترک دیا ہے۔ ان کی ذات اس سے بہت بلند ہے اور ان کے کبار مجتہدین فی علم الحدیث ہونے کی یہ دلیل ہے۔[۱۹]

اس سے حضرت امام ابوحنیفہ کے قلیل الحدیث ہونے کی وجہ صاف طور پر معلوم ہو گئی ہے کہ باوجود ان کے کبار مجتہدین فی علم الحدیث ہونے کے ان کی روایتیں اس بنا پر کم ہیں کہ ان کی روایت حدیث کے بارے میں شرطیں بڑی کڑی ہیں نہ اسلئے کہ وہ حدیث کا علم نہیں رکھتے یا عمداً اس کو ترک کرتے ہیں فحاشاہ من ذالک

نہایت تعجب ہے کہ بعض ایسے حضرات جو قلت حدیث کی اس اصطلاح کو نہ سمجھتے ہوئے امام ابوحنیفہ کو سرے سے محدثین کرام کے دائرہ ہی سے نکال باہر کرنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ جب ایسے ہی الفاظ دیگر اکابر علماء امت کی نسبت آتے ہیں تو وہاں وہ آستینیں چڑھا کر تاویلات کے تھیلے میں جواب تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور امام

ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں تاریخ کے اوراق میں صریح اقوال کو بھی جو موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

محدث جلیل امام ابو قدامہ (المتوفی 241ھ جو الحافظ الحدیث تھے۔ تذکرہ 2 ص 57 امام نسائی فرماتے ہیں کہ ثقہ اور مامون تھے۔ ایض ص 76 سے حضرت امام شافعیؒ امام احمد بن حنبل اور اسحق بن راہویہ اور اماؒ ابو عبید کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ ان کی آپس میں علمی طور پر کیا نسبت ہے؟

45- امام شافعی بھی قلیل الحدیث تھے :-

فقال اما افہمہم فالشافعی الا انہ قلیل الحدیث

ترجمہ :- تو انہوں نے فرمایا کہ ان تمام حضرات میں زیادہ فہم کے مالک تو اہم شافعی ہیں مگر ہیں وہ قلیل الحدیث[150]

اس حوالہ کے پیش نظر کیا ہم سچ مچ یہ کہنا شروع کر دیں کہ حضرت امام شافعی حدیث کے علم میں بے مایہ تھے اور ان کو حدیث کے فن میں مہارت ہی نہ تھی۔ حاشا و کلا ہم یہی کہیں گے کہ اگرچہ ان سے حضرت امام احمد بن حنبل وغیرہ کی طرح بکثرت حدیثیں تو مروی نہیں اور نہ مسند احمد کی طرح انہوں نے پچاس ہزار حدیثوں کا کوئی مجموعہ مرتب کر کے چھوڑا ہے۔ بلکہ حدیث کے علم میں مستقل طور پر انہوں نے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی۔ مسند شافعی ان کی اپنی تالیف نہیں ہے بلکہ وہ ابوالعباس محمد یعقوب الاصم (المتوفی 346ھ جو الامام الثقہ اور محدث المشرق تھے' تذکرہ ج 3 ص 73) نے کتاب الام مبسوط وغیرہ کتب امام شافعی سے احادیث کا انتخاب کر کے ابو جعفر محمد بن مطر نیشاپوری سے لکھوائی (ملاحظہ ہو بستان المحدثین ص 27 و 28 مطبوعہ مجتبائی دہلی) مگر بایں ہمہ وہ چوٹی کے محدث اور استاد المحدثین ہیں اور اسی طرح امام الجرح والتعدیل امام ابو حاتم الرازی (المتوفی 354ھ جو الحفاظ الامام اور علامہ تھے تذکرہ ج2 ص 125) کے اس ارشاد سے بھی ہم متاثر ہو کر ہرگز ہم ان کی شان کو گھٹانے پر آمادہ نہیں کہ۔

کان شافعی فقیہا ولم تکن لا معرفۃ بالحدیث[151]

ترجمہ - امام شافعی فقیہ تھے اور ان کو حدیث کی معرفت نہ تھی

ھو ثقتہ صاحب رای وکلام لیس عندہ حدیث۔

ترجمہ :- وہ ثقہ صاحب رائے اور متکلم تو تھے لیکن ان کے پاس حدیث نہ تھی[152]

کیا ہم اس حوالہ کے پیش نظر امام شافعی کو صاحب رائے کہہ کر محدثین کے مدمقابل کھڑا کر دیں اور اصحاب

رائے کی مذمت میں جو احادیث اور اقوال علماء آئے ہیں وہ سب ایک ایک کرکے ان پر چسپاں کر دیں حاشلو کلا کہ یہ وہم بھی ہمارے دل میں گزرتا ہو۔ ہم ان تمام امور کے صحیح محامل بیان کرکے سب علماء حق سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور بدگمانی اور سوءظن کو قریب بھی نہیں آنے دیتے اور ان حوالہ جات سے بڑھ کر شیخ الاسلام ابو عمر بن عبدالبر کا ایک حوالہ اور بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

وقیل له والشافعی کان یکذب قال ما احب حدیثه ولا ذکره۔153

ترجمہ:۔ کہ امام یحییٰ بن معین سے سوال کیا گیا کیا امام شافعی جھوٹ بولتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نہ تو ان کی حدیث کو پسند کرتا ہوں اور نہ ان کے ذکر کو۔

لیجئے کہ بات کیا نکل آئی کہ حضرت امام شافعی کی حدیث تو رہی درکنار ان کے نام و ذکر کو بھی امام یحییٰ بن معین پسند نہیں کرتے۔ یہ کسی معمولی آدمی کی نہیں امام الجراح و التعدیل اور سید الحفاظ کی بات ہے لیکن ہم ایسی باتوں کو کچھ حیثیت بھی نہیں دیتے جو کلام الاقران بعضھم فی بعض یا بغض و حسد اور تعصب مذہبی اور بعد زمانہ اور غلط کار لوگوں کے بے جا پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر صادر ہوئی ہوں یا کسی بے دین نے وضع کرکے ان کے ذمہ تھوپ دی ہوں۔ ہم نے یہ حوالہ جات محض اس لئے پیش کئے ہیں تاکہ غیر مقلدین حضرات ان سے عبرت حاصل کریں اور حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں اگر کسی کا کوئی قول اور جرح ایسی نظر آئے تو انصاف و دیانت کو ملحوظ رکھ کر اس کا کوئی اچھا محمل تلاش کریں۔

کوئی حملہ بھی طوفاں کا ڈبو سکتا نہیں اس کو
مہیا جو نئے ساحل پہ ہر موج رواں کر لے

46 ۔۔ جلیل القدر صحابہ بھی قلیل الحدیث تھے:۔ ○ مخالفین اور حاسدین قلت روایت کی آڑ میں امام اعظم ابو حنیفہ کی حدیث دانی اور فقہی قدر و منزلت کو مجروح کرکے حنفیت کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر قلت روایت کوئی عیب نہیں اور نہ یہ کوئی عار کی بات ہے اور نہ قلت روایت قلت علم اور قلت فقہ واجتہاد کو مستلزم ہے۔

خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ سے 545 روایات مروی ہیں حالاں کہ وہ نبوت کے چھٹے سال اسلام لائے اور تمام زندگی بارگاہ نبوت میں باریاب رہے۔

حضرت علیؓ سے 586 روایت منقول ہیں حالانکہ وہ پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اور تربیت میں رہے اور چوبیس سال حضور کی خلوت و جلوت کے رفیق رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کو 22 سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی رفاقت اور خدمت حاصل رہی مگر اس کے باوجود ان کے مرویات کی تعداد 848 ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق' حضرت علیؓ حضرت ابن مسعود براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرکے روایت بیان کرنے میں حد درجہ محتاط رہتے تھے کہ مبادا نقل روایت میں کوئی فرق ہو جائے اور وعید کے مستحق ٹھہریں۔ اس لئے بہت کم روائتیں ان سے مروی ہیں۔

مگر ان حضرات نے اپنے حدیث کے وافر معلومات کو مسائل اور فتاوی کی صورت میں بیان کیا جیسا کہ الاصابہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت زیدبن ثابتؓ اور حضرت ام المومنین عائشہؓ کے فتاوی اس قدر زیادہ ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاوی سے ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب اور آپ کے شرکاء تدوین فقہ نے بھی حضرات صحابہ کے طریق کو اختیار کیا۔ ظاہری الفاظ کا تتبع روایتی اعتبار سے حدیث کے ضعیف و قوی ہونے کا معیار اور ناسخ و منسوخ اور آخر عمل کی تحقیق کئے بغیر نقل روایت کے بجائے انہوں نے مذکورہ جلیل القدر صحابہ کے مستحکم جامع اور محتاط طریقہ کو اختیار کیا۔ احادیث کے ساتھ ساتھ آثار اور فتاوی اور اقوال صحابہ اور تعامل کی تلاش و جستجو کی اور معانی حدیث کی تعیین میں اس سے مدد لی۔ فقہ حنفی کی یہ فضیلت اور فضل و تفوق' حاسدین و معاندین اور متعصبین و مخالفین کے لئے وجہ حسد و مخالفت بن گئی۔ جب کچھ نہ بن پڑا تو قلت روایت کا الزام لگا دیا۔

اس کے علاوہ محققین نے قلت روایت کے اشکال سے ایک دوسرا جواب دیا ہے کہ احادیث کے دو قسم ہیں۔

ایک وہ قسم ہے جس کا تعلق احکام سے ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق احکام سے نہیں۔

دوسری قسم کی روایات میں صحابہ اور فقہا حد درجہ محتاط رہے ہیں۔ بلکہ خلفاء راشدین نے ان کی روایت سے اجتناب کیا ہے اور دوسروں کو بھی منع کیا ہے۔

پہلی قسم کی احادیث جن کا تعلق احکام سے تھا جن کا جاننا ان پر عمل کرنا ضروری تھا لہذا ان سے نہیں روکا گیا

بلکہ ان کی روایت کی تاکید کی گئی۔

چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فرمایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث کی روایت کم کرو بجزان احادیث کے جن کی عمل کے لئے ضرورت ہے۔[1]

عبادہ بن ثابت نے فرمایا "جن احادیث میں تم لوگوں کا دینی فائدہ تھا وہ سب میں نے تم سے بیان کر دی ہیں"[2]

علامہ نووی نے قاضی عیاض کے حوالہ سے حضرت عبادہ کے اس قول کی تشریح نقل کرتے ہوئے لکھا ہے عبادہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وہ روایات بیان نہیں کیں جن سے مسلمانوں کے کسی ضرر یا فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ یا جن کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اور یہ وہ روایات تھے جن کا تعلق احکام سے یا کسی حد سے نہ تھا۔ ایسی احادیث کا روایت نہ کرنا کچھ حضرت عبادہ سے مخصوص نہیں بلکہ ایسا کرنا دوسرے صحابہ سے بھی بہت زیادہ ثابت ہے۔[3]

چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ نے بھی حضرات خلفائے راشدین اور فقہاء صحابہؓ کے ارشادات کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف وہی احادیث روایت کیں جن کا تعلق احکام سے تھا۔

47 ـ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فیصلہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نام لینا اور ان سے انتساب کرنا آسان ہے مگر ان کی بات مان لینا مشکل ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حضرت عمر فاروقؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ کو قلت روایت کے باوجود مکثرین صحابہ میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

جمہور محدثین نے مکثرین صحابہ آٹھ شخصیتیں قرار دی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ حضرت انسؓ حضرت جابرؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور متوسطین میں سے

حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کو شمار کیا ہے لیکن اس فقیر کے نزدیک ان حضرات سے احادیث بڑی کثرت سے موجود ہیں۔ کیونکہ جو احادیث بظاہر موقوف ہوتی ہیں۔ وہ بھی حکماً و حقیقتاً مرفوع ہیں۔ اور ان حضرات سے باب فقہ باب احسان اور باب حکمت میں جس قدر ارشادات مروی ہیں وہ بہت سی وجوہ سے مرفوع کے حکم میں ہیں۔ لہٰذا ان حضرات کو مکثرین کے حکم میں داخل کرنا زیادہ موزوں ہے۔[151]

مذکورہ تینوں صحابہ جن سے 5 سو سے لے کر ایک ہزار سے کم تک احادیث مروی ہیں اگر ان کو مکثرین صحابہ میں شمار کیا جانا صحیح ہے۔ تو امام اعظم ابوحنیفہ جن کے صریح مرفوع احادیث ـ جو ان کی مسانید وغیرہ میں ہیں) کے علاوہ احادیث موقوفہ مسائل و احکام آثار صحابہ تو ہزاروں صفحات میں پھیلے ان سے مروی ہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ کی طرف قلت روایت کی نسبت کسی طرح بھی درست نہیں قرار دی جا سکتی ہے۔

48 :- حضرت مسروق اور شاہ ولی اللہ کی شہادت

مسئلہ زیر بحث کے آخر میں جلیل القدر تابعی حضرت مسروق اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی دو واقعاتی اور ناقابل تردید شہادتیں بھی نذر قارئین ہیں۔ جلیل القدر تابعی حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم کے اصحاب کو گہری نظر سے دیکھا تو سب کے علوم کا سرچشمہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت زیدؓ حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابی رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پایا۔ اور اس کے بعد پھر زیادہ گہری نظر سے دیکھا تو ان چھ حضرات کے علوم کا خزانہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کو پایا۔[152]

امام اعظم ابوحنیفہ کے استاذ الاستاذ حضرت ابراہیم نخعی نے اپنے مذہب کی بنیاد حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے مسائل و فتاوی پر قائم کی۔ ابراہیم علماءِ کوفہ کے علوم کے خزانہ تھے۔ اور ان کی فقہ کے اکثر مسائل اصل میں سلف یعنی صحابہ سے مروی ہیں۔ اور ابراہیم نے وہی مسائل جمع کئے تھے جن کو مشہور احادیث اور قوی دلائل کی صحیح کسوٹی پر کس لیا تھا۔[153]

اسی بحث کی تکمیل کرتے ہوئے شاہ صاحب نے جو تحریر فرمایا خلاصہ درج ذیل ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی کے مسائل کی باریکیوں پر اپنی وقیقہ رسی سے پوری طرح حاوی تھے۔ فردعات کی تخریج پر کامل توجہ تھی۔ ابراہیم اور ان کے اقران کے اقوال و مسائل کو اگر مصنف ابن ابی شیبہ مصنف عبدالرزاق اور کتاب امام محمد کی مرویات سے موازنہ کرکے دیکھو گے تو چند مسائل کے سوا سب میں اتفاق و اتحاد پاؤ گے۔[159]

49- امام اعظم کی تنقیص پر مشتمل اقوال بے سند ہیں :- ○ متعصبین اور حاسدین ابوحنیفہ اپنی تالیفات اور نجی و درسی تقریرات میں محدثین عظام اور ائمہ کبار کے مذکورہ تمام شہادتوں سے آنکھیں بند کرکے ان اقوال کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ جو بعض اکابر کی طرف منسوب تاریخ کی بعض کتابوں میں نقل ہوتے چلے آئے ہیں[160] اور جن سے ابوحنیفہ کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔ ملک معظم عیسیٰ بن ابی بکر ایوبی کا خیال یہ ہے کہ امام اعظم پر طعن و تشنیع کی غرض سے یہ جھوٹی روایات ائمہ کبار کی طرف منسوب کردی گئی ہیں۔

اور اگر بفرض محال ان روایات کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس کا سبب وہی غلط فہمی اور ناواقفیت ہو سکتی ہے۔ جس کی مثال امام اوزاعی اور امام اعظم ابوحنیفہ کے قصہ میں موجود ہے کہ ملاقات تبادلہ خیالات اور مخصی ملاقات سے قبل امام اوزاعی کی رائے امام ابوحنیفہ کے متعلق کچھ اور تھی مگر ملاقات اور حقیقت حالات سے آگاہی کے بعد کچھ اور ہو گئی۔

اور اگر بعض معاصر علماء اور ائمہ کبار کی طرف منسوب وہ تمام روایات جن میں امام ابو حنیفہ کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے کو صحیح بھی تسلیم کرلی جائے تو اسکا صحیح محمل وہی قرار پائے گا جو امام اوزاعی کو غلط فہمی اور حقیقت حال سے ناواقفیت کی بنا پر ان کی ملاقات سے قبل والے آراء کو حاصل ہے۔ خطیب بغدادی نے چونکہ اکابر علماء کی مدح وذم کے دونوں قسم کے اقوال نقل کر دیئے ہیں تو اس میں شک نہیں کہ ان اکابر علماء اور ائمہ کبار میں سے ہر ایک کو امام ابوحنیفہ سے حسن ظن نصیب ہوا ہے۔ اور ان کی تعریفیں کی ہیں۔ اور اپنے پہلے اقوال اور سوء ظن سے رجوع کیا ہے مگر یہ تب ہوا جب ابو حنیفہ نے 55 سال مسلسل سفرحج کرکے آکناف عالم سے آنے والے علماء اور فقہا اسلام اور محدثین عظام سے علمی ملاقاتیں مذاکرے مباحثے افہام و تفہیم اور تبادلہ افکار و انظار اور اپنے طریق اجتہاد و استنباط کو ان پر واضح کردیا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ قاضی عیاض نے مدارک میں بیان کیا ہے۔ کہ ایک دن مدینہ منورہ میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ کی ملاقات ہوئی اور کافی دیر تک دونوں کے درمیان علمی مباحثہ و مذاکرہ ہوتا رہا۔ اس کے بعد امام مالک وہاں

ہے نکلے تو پسینہ میں نہائے ہوئے تھے لیث بن سعد نے پوچھا کہ کیا بات ہے آپ پسینہ پسینہ ہو رہے ہیں؟ امام مالک نے جواب دیا میں ابو حنیفہ کے ساتھ مناظرہ و مناقشہ میں پسینہ پسینہ ہو گیا بلا شبہ یہ تو اے مصری بڑا بھاری فقیہ ہے۔[161]

اسی طرح امام شافعی سے منسوب ایسے اقوال جن میں امام ابو حنیفہ کی تنقیص ہوتی ہے سراسر جھوٹ ہیں۔ امام شافعی نے ابو حنیفہ کو پایا ہی نہیں تھا۔ 150 ھ میں ابو حنیفہ وفات ہوئے اور 150 ھ میں امام شافعی پیدا ہوئے۔

امام محمد بن الحسن الشیبانی کے واسطے سے امام شافعی نے امام ابو حنیفہ کی فقہ سے استفادہ کیا اور ابو حنیفہ کے اجتہادی علوم سے خوشہ چینی کی۔ اور تین سال امام محمد سے استفادہ کے بعد بغداد کو روانہ ہوئے تو فرمایا۔

میں محمد بن حسن الشیبانی سے ایک بار شتر کے بقدر علم اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ جب ابو حنیفہ کے تلامذہ کے امام شافعی اس قدر زیر بار احسان ہیں تو یہ کیسے مانا جاسکتا ہے۔ کہ وہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں العیاذ باللہ کوئی بری رائے بھی رکھتے تھے۔ بلکہ ان کا یہ مقولہ تو مشہور اور زبان زد خاص و عام ہے۔

الناس عيال في الفقه على ابي حنيفة[162]

ترجمہ:۔ لوگ فقہ اور اجتہاد میں امام ابو حنیفہ کے پروردہ اور خوشہ چین ہیں۔

اسی طرح ان اقوال کا بھی کوئی اعتبار نہیں جو امام احمد سے منسوب ابو حنیفہ کی تنقیص میں نقل کئے گئے ہیں۔ امام احمد ابو حنیفہ کی وفات کے 14 سال بعد 164 ھ میں پیدا ہوئے آپ کے جلیل القدر شاگرد امام ابو یوسف سے استفادہ کیا۔ حنفی علوم حاصل کئے چنانچہ امام احمد خود فرمایا کرتے۔

كتبت عن ابي يوسف ثلاث قناطير في ثلاث سنوات۔[163]

ترجمہ:۔ میں نے تین سال میں امام ابو یوسف سے علمی یادداشتوں کے تین بڑے بستے لکھے تھے۔

ورنہ جلیل القدر اور محقق علماء صرف علم فقہ ہی میں نہیں' علم حدیث میں بھی ان کی جلالت قدر پر متفق ہیں' اور صرف حنفی علماء نے نہیں۔ دوسرے مذاہب کے علماء نے بھی علم حدیث میں ان کے مقام بلند کا اعتراف کیا ہے' تفصیل کا تو یہاں موقع نہیں۔ امام اعظم اور ان کے مداح کا الگ باب آئے گا۔

50- امام اعظم پر اسلام کو نقصان پہنچانے کا اعتراض :۔ ○ امام موصوف پر جہاں اور بہت سے بے بنیاد الزام تراشے اور عائد کئے گئے ہیں۔ وہاں ایک یہ سنگین الزام بھی تھوپا گیا ہے کہ ان سے اسلام کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ چنانچہ حضرت امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ اور اسی طرح علامہ خطیب بغدادی نے اپنی سند کیساتھ دونوں نے نعیم بن حماد کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام سفیان ثوری کو جب امام ابو حنیفہ کی وفات کی خبر پہنچی تو فرمانے لگے کہ الحمد اللہ کہ وہ مرگیا' وہ تو اسلام کی کڑیوں کا ایک ایک حلقہ توڑتا تھا۔ اسلام میں اس سے بڑا بدبخت کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ [164]

الجواب:۔ نعیم بن حماد پر کتب اسماء الرجال میں اچھی خاصی جرح موجود ہے کہ:۔

کان (نعیم بن حماد) یضع الحدیث فی تقویته السنته و حکایات الموضوعة فی نعمان کلھا کذب

فی امام اعظم

ترجمہ :۔ نعیم بن حماد تقویت سنت کے لئے جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ اور امام ابو حنیفہ کی توہین میں جھوٹی حکایات بنا بنا کر پیش کرتا تھا جو سب کی سب جھوٹی ہیں۔ [165]

حضرت مولانا میر صاحب سیالکوٹی نے میزان الاعتدال' تہذیب التہذیب ترغیب و ترھیب اور (سبط بن الجوزی ابراہیم بن الخلیل المتوفی 841 ھ کی کتاب) غایۃ السول فی رواۃ الستۃ الاصول وغیرہ کے متعدد حوالجات سے نعیم پر کڑی جرح نقل کی ہے اور طویل بحث کے بعد فرمایا ہے کہ۔

"خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ نعیم کی شخصیت ایسی نہیں ہے کہ اس کی روایت کی بناء پر حضرت امام ابو حنیفہ جیسے بزرگ امام کے حق میں بدگوئی کریں جن کو حافظ شمس الدین ذہبی جیسے ناقد الرجال امام اعظم کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں' حافظ ابن کثیر البدایہ میں آپ کی نہایت تعریف کرتے ہیں اور آپ کے حق میں لکھتے ہیں:۔ احد الائمته الاسلام والسادۃ الاعلام واحد الا رکان العلماء واحد الائمته الاربعته اصحاب المذاھب المتبوعته الخ"۔ [166]

اور حضرت امام بخاری کی تاریخ صغیر کا درجہ اور مقام بتاتے ہوئے مولانا مرحوم لکھتے ہیں:۔ [167]

"اور یہ بھی یاد رہے کہ بخاری نے اپنی صحیح کی طرح اپنی دیگر کتب میں صحت کا التزام نہیں کیا۔

ان ٹھوس اور معنی خیز حوالہ جات کی موجودگی میں بھی اگر کوئی شخص حضرت امام ابو حنیفہ کو "معاذ اللہ)

دشمن اسلام اور اسلام کو نقصان دینے والا ثابت کرنے پر بضد ہے تو ہمارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں اور نہ ایسے تعصب اور عناد کا دنیا میں کبھی کوئی علاج ہوا ہے۔ اس کا علاج تو عالم آخرت ہی میں ہو سکے گا جس وقت لا ینفع مال ولا بنون ہو گا۔[168]

یہ بات بھی عبرت سے خالی نہ ہو گی کہ نعیم بن حماد اہل سنت والجماعت کے مسلک حق کے تحت قرآن کو مخلوق کہتے تھے۔ اور حکومت وقت کی بے راہ روی سے وہ بھی گرفتار کر لئے گئے تھے۔ اسی قید اور حبس کے زمانہ کے بارے میں علامہ خطیب لکھتے ہیں کہ۔

فجر باقیادہ فالقی فی حفرۃ ولم یکفن ولم یصل علیہ فعل ذالک بہ صاحب ابن ابی داؤد۔[169]

ترجمہ :۔ ان کو ہتھکڑیوں کے ساتھ صاحب ابن ابی داؤد کے حکم سے کھینچ کر ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا' نہ تو ان کو کفن نصیب ہوا اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔

اور ہمارے خیال میں یہ حضرت امام ابو حنیفہ کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہی کا نتیجہ تھا کہ نماز جنازہ تک سے محروم رہے' اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے درگزر فرما کر اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین!

مشہور غیر مقلد عالم حافظ محمد عبدالمنان صاحب (المتوفی 1334ھ وزیر آبادی کے حالات میں مولانا میر صاحب لکھتے ہیں۔

"آپ آئمہ دین کا بہت ادب کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ائمہ دین اور خصوصاً امام ابو حنیفہ کی بے ادبی کرتا ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔[170]

مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی جو مشہور غیر مقلد عالم اور جامع مسجد چینیانوالی لاہور کے خطیب تھے' وہ بعض دیگر ائمہ دین اور اولیاء اللہ کی توہین کے علاوہ خصوصاً یہ کہا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ ان تمام فتنوں کا دروازہ ہے جس کی اندھی تقلید نے عوام کو گمراہ کر دیا ہے مگر اس پر ایسی رجعت پڑی کہ وہ سرے سے علم حدیث ہی کا منکر ہو گیا اور امت مسلمہ کے لئے ایک جدید گمراہ مسلک اور تباہ کن مذہب ایجاد کر گیا۔[171]

-51 **مولانا میر کا واقعہ :۔** ○ کسی زمانہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب پر بھی حضرت امام ابو حنیفہ کے

خلاف کچھ کہنے اور لکھنے کا جنون سوار ہونے لگا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مولانا مرحوم کے علم و تقویٰ اور بزرگان دین سے حسن عقیدت کی برکت سے انہیں اس برائی سے محفوظ رکھا چنانچہ مولانا مرحوم خود لکھتے ہیں کہ۔

"اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ کے لئے کتب متعلقہ المباری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ورق گردائی سے میرے دل پر کچھ غبار آگیا جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا۔ یکایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا گویا ظلمت بعضہا فوق بعض کا نظارہ ہوگیا۔ معاً خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب سے بدظنی کا نتیجہ ہے اس سے استغفار کرو میں نے کلمات استغفار دہرانے شروع کئے' وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے' اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحب سے حسن عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی' اور میں ان شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحب سے حسن عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرین معارج قدسیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرکے فرماتا ہے افتمارونہ علی مایریٰ۔[172] میں نے جو کچھ عالم بیداری اور ہشیاری میں دیکھ لیا اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے۔"

52- حضرت امام صاحب کے خلاف دوسروں کے خواب :-○

بعض حضرات نے اپنی کتابوں میں کچھ ایسے خواب بھی ذکر کئے ہیں جن میں جناب رسوال اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کے طریقہ اور فتنوں سے کنارہ کشی کرنے کا حکم دیا ہے' چنانچہ مولف نتائج التقلید نے بھی حضرت مولانا تھانوی (المتوفی 1263ھ) کے چھاچھ والے خواب کا اور اس کی تعبیر کا جواب دینے کے سلسلہ میں بزعم خود الزامی جواب کے نام سے یہ تین خواب بغدادی کے حوالہ سے نقل کئے ہیں۔

(1) محمد بن حماد کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور یہ سوال کیا کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے کلام کو دیکھنا اور اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ کیا میں اس پر نظر و عمل کر سکتا ہوں آپ نے تین مرتبہ فرمایا لا' لا' لا (نہیں' نہیں' نہیں)

(2) سعید بن عبدالعزیز کے پاس کسی شخص نے یہ خواب بیان کیا کہ مسجد کے مشرقی دروازہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر بہت سے حضرات صحابہ کرامؓ وہاں موجود تھے اور قوم میں میلے کچیلے کپڑوں والا ایک شخص بھی تھا تو آپ نے فرمایا کہ تم پہچانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ یہ ابوحنیفہ ہے جو اپنی عقل سے لوگوں کو فسق و فجور پر جری کرتا ہے۔

(3) عامر طائی کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دمشق کی سیڑھیوں پر لوگوں کا مجمع پایا۔ اور میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ ایک دوسرے شیخ کو گریبان سے پکڑے ہوئے ہے۔ اور یہ کہہ رہا ہے کہ اس شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بدل دیا ہے۔ میں نے پہلو میں بیٹھے ہوئے رفیق سے پوچھا' یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت ابوبکر ہیں جو ابو حنیفہ کا گریبان سے پکڑے ہوئے ہیں۔ (محصلہ مترجما نتائج التقلید ص 39)

• الجواب:۔ پہلا خواب تاریخ بغداد (ج 13 ص 403 طبع مصر) میں ہے جس کی سند میں محمد بن حماد ہے۔ علامہ زاہد الکوثری (المتوفی 1372) فرماتے ہیں کہ۔

محمد بن حماد وضاع معروف من اصحاب مقاتل بن سلیمان المروزی شیخ المجسمة۔[173]

ترجمہ:۔ محمد بن حماد مشہور وضاع (جعلی حدیثیں بنانے والا) اور مقاتل بن سلیمان المروزی شیخ المجسمہ کے اصحاب سے تھے۔

دوسرا خواب تاریخ بغداد ج 13 ص 412 میں ہے۔ علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ سعید بن عبدالعزیز یہ خواب ایک مجہول شخص سے نقل کر رہے ہیں۔ نہ معلوم وہ کون اور کیسا تھا؟ اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔[174]

اور تیسرا خواب تاریخ بغداد ج 13 ص 413 میں ہے۔ علامہ کوثری ہی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ابوالفتح محمد بن المظفر الحیاط ہے جس کو بغیر خطیب کے اور کوئی نہیں جانتا اور نہ خطیب کے بغیر کسی اور نے اس سے روایت کی ہے اور اس کا شیخ صاحب قوت القلوب سالمیہ فرقہ کا آدمی تھا جس کے بارے میں خود خطیب بغدادی ہی یہ فرماتے ہیں کہ صفات خداوندی کے بارے میں اس سے بہت سی منکر اشیاء بھی آئی ہیں' پھر تعجب ہے کہ خطیب بغدادی اس سے روایت بھی لیتے ہیں۔[175]

انصاف سے فرمایئے کہ ایسی ضعیف کمزور اور ناقابل اعتبار اسانید سے حضرت ابو حنیفہ کی توہین کیسے ثابت کی جاسکتی ہے۔ اور ان پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

تاریخ خطیب بغداد کی چودہ مبسوط جلدیں ہیں اور سب کا ترجمہ نہیں ہوا۔ بلکہ بعض غیر مقلدین کے خاص ایثار قربانی سے اس کے صرف اسی حصہ کا امام محمد کے نام سے ترجمہ ہوا ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ کے مثالب اور کچھ برائے نام مناقب پر مشتمل ہے اور اس ترجمہ کا مقصد بھی مخفی نہیں ہے۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کردیا۔

حیرت ہے کہ مولف مذکور کس طرح تاریخ بغداد کے ترجمہ کا مطلق حوالہ دے رہا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

53- خواب کا شرعی حکم :- ○ اگرچہ جواب کے لئے گزشتہ بالا تنقید بالکل کافی ہے لیکن ہم اس میں ایک اصولی بات عرض کرنا چاہتے ہیں تاکہ کسی کم فہم کو شبہ باقی نہ رہے۔

حضرت امام محی الدین النووی الشافعی حدیث من رانی فی المنام فقد رانی کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ خواب میں آپ کا دیکھنا تو صحیح ہے اور اس میں پریشان خیالات اور تلبیس شیطان کا کچھ دخل نہیں ہو سکتا لیکن اس سے کسی حکم شرعی" کا اثبات جائز نہیں کیونکہ نیند کی حالت سننے والے کے لئے ضبط و تحقیق کی حالت نہیں ہوتی۔ اور محدثین کا اتفاق ہے کہ قبول روایت اور شہادت کی شرط یہ ہے کہ راوی بیدار ہو نا یہ کہ وہ مغفل سیئی الحفظ' کثیر الخطاء مختل الضبط ہو اور سونے والے کی یہ حالت نہیں ہوتی' اس لئے اس کی روایت قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کا ضبط مختل ہوتا ہے۔[176]

"کیا وہ حدیث جو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی جائے حجت اور قابل استدلال ہو سکتی ہے۔ یا نہیں؟ جواب یہ ملا کہ وہ حجت نہیں کیونکہ حدیث کے قابل استدلال ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ راوی سماع کے وقت ضابطہ ہو اور حالت نیند میں ضبط کی حالت نہیں ہوتی۔[177]

اور اپنا فیصلہ یوں لکھتے ہیں کہ "میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث جس کی (خارجی طور پر) صحت معلوم نہ ہو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں۔ تصحیح کرنے سے صحیح نہیں ہو سکتی اور اس طرح کشف و الہام سے بھی وہ صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ حکم خواب میں آپ کے قول سے ثابت نہیں ہو سکتا ہاں اس کا ثبوت آپ کے حیات دنیوی میں ارشاد سے ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ بریں تصحیح حدیث کا دارومدار اسناد پر ہے۔[178]

اور نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"اگرچہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق ست و شیطان بداں متحمل نمی شود و لکن نائم از اہل تحمل روایت نیست بنا بر عدم حفظ خود"۔ 179

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

"گوئیم اجماع اہل شرع است بر آنکہ ہیچ حکم از احکام شریعت بواقعات' منامات۔ اقیاں ثابت نمی شود۔ 180

ان تمام اقتباسات سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ نہ اس لئے کہ معاذ اللہ وہاں تلبیس شیطان کا کچھ اثر اور دخل ہوتا ہے۔ اور نہ اس لئے کہ معاذ اللہ آپ کا ارشاد اور قول حجت نہیں بلکہ محض اس لئے کہ بحالت نیند انسان تحمل اور ضبط کے وصف کمال سے محروم ہوتا ہے۔ لہذا اس پر کوئی شرعی حکم مبنی نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ اس پر کوئی بنیاد رکھی جاسکتی ہے' اور اس کے متعلق بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ

یہ اپنی حد نظر ہے کے کسی کی دید کہاں

49 ۔۔ حضرت امام اعظم کے حق میں دوسروں کے خواب :۔ ○ اس سابق اصولی بحث کے پیش نظر نہ تو ضرورت ہے نہ حاجت کہ ہم امام ابو حنیفہ اور ان کے انصاب کی منقبت اور فضیلت خابوں سے ثابت کریں اس لئے کہ جمہور امت کے ہر ایک طبقہ نے ان کی فضیلت کے لئے جو کچھ فرمایا ہے وہ کیا ہے؟ اور ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ خواب سے کوئی حکم ثابت ہوتا بھی نہیں اور نہ اس پر کسی شرعی حکم کا دارومدار ہی ہے لیکن بایں ہمہ ہم باحوالہ چند خواب عرض کرتے ہیں تاکہ غیر مقلدین حضرات یہ بھی معلوم کرلیں کہ جہاں دیکھنے والوں نے اپنی طبعی ساخت اور افتاد کے مطابق وہ خواب دیکھے ہیں' اسی طرح ان کے برعکس اپنی استعداد کے موافق دیکھنے والوں نے ان کی فضیلت اور مزیت کے خواب بھی دیکھے ہیں اور خود حضرت امام ابو حنیفہ نے بھی ایسے خواب دیکھے ہیں جن سے ان کی جلالت شان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ خطیب اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ہثیم بن مہران نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ نے

خواب دیکھا جس میں انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبر مبارک کو کرید رہے ہیں' انہوں نے قاصد حضرت محمد بن سیرین کے پاس اس کی تعبیر پوچھنے کے لئے بھیجا' انہوں نے فرمایا کہ صاحب خواب کون ہے؟ قاصد نے کوئی جواب نہ دیا پھر دوبارہ انہوں نے دریافت کیا مگر وہ خاموش رہا۔ تیسری مرتبہ سوال کیا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ۔

صاحب هذه الرؤیا یثیر علما لم یسبقه الیه احد قبله' قال هشام فنظر ابو حنیفه وتکلم[181]

ترجمہ:۔ یہ خواب دیکھنے والا ایسے علم کی نشر و اشاعت کرے گا جس کو اس سے پہلے کسی نے نشر نہیں کیا ہو گا۔

اور امام ابن حجر مکی نے بھی یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔[182]

اور یہ خواب علامہ ابو سعد عبد الکریم السمعانی (المتوفی 562ھ جو الحفاظ البارع اور العلامہ تھے نے بھی ذکر کیا ہے۔[183]

امام کردری مولی طاش کبری زادہ الحنفی (المتوفی 962ز) اور امام ابن حجر مکی اسی خواب میں یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں کہ۔

کانه ینبش قبره علیه السلام ویجمع عظامه الی صدره[184]

ترجمہ:۔ یعنی گویا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو کرید کر ان کے وجود مسعود کو اپنے سینہ سے لگا رہے ہیں۔

اس سے معلوم ہو کہ فقہ حنفی جس کی بنیاد حضرت امام ابو حنیفہ نے رکھی ہے' اس کا اصل ماخذ و منبع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جس کو امام صاحب موصوف نے خدا داد بصیرت اور ناخن تدبیر سے قرآن و حدیث سے کرید کرید کر نکالا اور اپنے اجتہاد و استنباط سے اس کو چار چاند لگائے ہیں جو چار دانگ عالم میں چمک اور پھیل کر لوگوں کے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنا ہے۔ امام بن حجر مکی لکھتے ہیں کہ۔

وما اشتغل بالدعوة ای بدعوة الناس الی مذهبه الا بالاشاره النبویته فی المنام الیه لیدعوهم الی مذهبه[185]

ترجمہ:۔ امام ابو حنیفہ اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت دینے میں اشارہ نبویہ کے بعد مشغول ہوئے جو ان کو خواب میں ہوا تھا۔ کہ وہ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں۔

(2) امام صدر الائمہ مکی اپنی سند کے ساتھ مسدد بن عبد الرحمن البصری سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں رکن اور مقام (یعنی حجر اسود اور مقام ابراہیم) کے درمیان سو گیا خواب میں میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا تو اس جگہ سوتا ہے؟ یہ تو وہ مقام ہے جس میں جو دعا بھی اللہ تعالیٰ سے کی جائے' اس کی قبولیت میں کوئی حجاب واقع نہیں ہوتا' چنانچہ میں اپنی نیند سے بیدار ہوا اور جلدی سے مسلمانوں اور مومنوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے پوری توجہ اور دل جمعی کے ساتھ دعا کرنے لگا۔ اسی اثنا میں مجھ پر پھر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سوگیا۔ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بالکل میرے قریب ہیں:۔

فقلت یارسول اللہ ماتقول فی ھذا الرجل الذی بالکوفتہ النعمان؟ اٰاخذمن علمہ فقال لی صلی اللہ علیہ وسلم خذ من علمہ واعمل فنعم الرجل

ترجمہ:۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کوفہ میں رہتا ہے اور اس کا نام نعمان ہے؟ کیا میں اس سے علم حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اس سے علم لے اور اس پر عمل کر وہ تو اچھا آدمی ہے۔

میں اپنی نیند سے بیدار ہی ہوا تھا کہ صبح کی نماز کے لئے صدا بلند کرنے والے نے آواز بلند کی اور میں بخدا نعمان بن ثابت کو سب لوگوں سے برا سمجھتا تھا لیکن اب میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں کہ یہ کوتاہی مجھ سے سرزد ہوئی۔[186]

اور یہ واقعہ امام ابن حجر مکی نے بھی نقل کیا ہے۔[187]

(3) ازہر بن کیسان فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کے پیچھے پیچھے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے۔ میں نے ان دونوں بزرگوں سے دریافت کیا کہ کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں سوال کرو مگر آواز بلند نہ کرنا' چنانچہ میں نے آپ سے امام ابوحنیفہ کے علم کے بارے میں سوال کیا کیونکہ مجھے ان سے کوئی حسن ظنی نہ تھا۔

فقال ھذا الفتح من علم الخضر[188]

ترجمہ :- تو آپ نے فرمایا کہ یہ علم تو خضر علیہ السلام کے علم سے (جو علم لدنی تھا) پھوٹ کر نکلا ہے۔

(4) ابو معانی الفضل بن خالد فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔

فقلت ما تقول فی علم ابی حنیفنه فقال ذلک علم یحتاج الناس الیہ۔189

ترجمہ :- میں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ ابو حنیفہ کے علم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟
آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ یہ ایسا علم ہے جس کے لوگ محتاج ہیں۔

(5) علامہ خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ العلاء بن صاعد بن مخلد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک جگہ تشریف فرما ہیں اتنے میں ابو العباس احمد بن محمد بن عیسی البرتی القاضی (المتوفی ص 280 ھ) تشریف لے آئے۔

فقام الیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وصافحہ و قبل بین عینیہ وقال مرحبا بالذی یعمل بسنتی واثری۔١٩٠

ترجمہ :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے اٹھے اور ان سے مصافحہ کیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا مرحبا اس شخص کو جو میری سنت اور حدیث پر عمل کرتا ہے۔

اور یہ قاضی صاحب فقہ میں ابو سلیمان الجوزجانی کے شاگرد تھے اور انہوں نے امام محمد بن الحسن سے فقہ حاصل کی تھی اور

کتب الحدیث و صنف المسند وکان ثقتہ ثبتا حجتہ یذکر بالصلاح والعبادۃ وحدث بحدیث کثیرا۔١٩١

ترجمہ :- انہوں نے حدیث لکھی اور ایک مسند تصنیف کیا اور وہ ثقہ ثبت اور حجت تھے نیکی اور عبادت کے ساتھ ذکر کئے جاتے تھے۔ یعنی صالح و عابد تھے اور بہت سی حدیثیں انہوں نے روایت کی ہیں اور امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔

او رصاف لفظوں میں علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ:۔

وکان رجلا من خیار المسلمین دینیا عفیفا علی مذهب اھل العراق

ترجمہ:۔ وہ بہترین مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں دین دار اور پاک دامن تھے اور اہل عراق کے مذہب پر تھے۔

اپنے مقام پر انشاء اللہ العزیز یہ بحث آئے گی کہ اہل عراق سے علماء حنفیہ مراد ہوتے ہیں اگر محض اوعار پر کسی کا نفس مطمئن نہ ہو تو ہم تھوڑا سا نقد بھی پیش کر دیتے ہیں' چنانچہ علامہ عبدالکریم شہرستانی لکھتے ہیں کہ۔

اھل العراق ھم اصحاب ابی حنیفتہ النعمان بن ثابت۔[192]

ترجمہ:۔ اہل عراق سے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کے اصحاب مراد ہیں۔

اس خواب کے پیش نظر کتنے بڑے شرف کا مقام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حنفی عالم سے اٹھ کر مصافحہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور مرحبا فرماتے ہوئے اس کو اپنی سنت اور حدیث پر عمل کرنے والا فرمایا اور اپنی رضا کا پروانہ مرحمت فرمایا

میں بھی تو ہوں شریک نظام بہار گل
ہر شاخ گلستاں پہ نہ کیوں مجھ کو گھر ملے

(6) امام خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ محمویہ سے روایت کرتے ہیں جو ابدال میں شمار ہوتے تھے کہ میں نے محمدؒ بن الحسن کو خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا کہ آپ پر کیا گزری؟ فرمانے لگے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے تجھے علم کا ظرف اس لئے تو نہیں دیا کہ میں تجھے سزا دوں۔ میں نے کہا کہ' ابو یوسف پر گزری؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ مجھ سے بھی اوپر ہیں تو میں نے کہا کہ:۔

فما فعل ابو حنیفہ؟ قال فوق ابی یوسف بطبقات۔[193]

ترجمہ:۔ ابو حنیفہ پر کیا گزری؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ تو ابو یوسف سے بھی کئی درجات بلند ہیں۔

مولیٰ طاش کبری زادہ اور ابن عبدالبریہ روایت یوں نقل کرتے ہیں کہ:۔

قلت فما فعل بابی حنیفتہ رحمہ اللہ قال اعلی علیین۔[194]

ترجمہ:۔ ابو حنیفہ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔

اس قسم کے اور بھی کئی خواب ہیں مگر ہمارا مقصد استیعاب نہیں' صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ امام صاحب اور

آپ کے اصحاب کے علم اور فقہ اور طرز طریق سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل راضی ہیں' اور خود رب تعالیٰ بھی ان سے راضی ہے جس نے محض اپنے فضل و کرم سے ان کو علم کا ظرف بنا کر بلند رتبہ عطا فرمایا ہے اور خصوصیت سے حضرت امام ابو حنیفہ کو اعلیٰ علیین میں پہنچا دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا مقام ہے۔

55- قیاس:۔ یہ اعتراض امام صاحب پر سب سے بڑا اعتراض ہے اسی وجہ سے اکثر محدثین امام صاحب کو امام اہل الرائے کہتے ہیں۔ قیاس سے مراد اگر علل مستنبطہ کی روشنی میں اشیائے غیر منصوصہ پر حکم نافذ کرنا مراد ہے تو یہ قیاس مستحسن ہے مامور بہ ہے کتاب و سنت میں اس کے شواہد موجود ہیں اور اگر قیاس سے مراد ترک نصوص ہے تو پھر یہ امام صاحب پر تہمت ہے کیونکہ امام صاحب نے فرمایا ہے۔

لعن اللہ من یخالف رسول اللہ صلعم 195

ترجمہ:۔ جو رسول اللہ صلعم کی مخالفت کرے اللہ کی اس پر لعنت

اس تصریح کے باوجود بھی اگر اعتراض بدستور باقی رہتا ہے تو معترضین اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ امام صاحب قرآن و حدیث فہمی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ یہ مسئلہ چونکہ بہت اہم ہے اس لئے آئندہ ابواب میں اس کی بحث آرہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام صاحب حدیث صحیح پر قیاس کو مقدم کر دیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے محدثین ائمہ فن نے ان کو امام اصحاب الرائے لکھا ہے۔

جواب:۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ حدیث کو بالائے طاق رکھ کر محض قیاس سے کام لیتے تھے تو یہ محض غلط ہے' کوئی ادنیٰ مسلمان بھی ایسا نہیں کر سکتا چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین کا مصداق کامل بنایا تھا اس لئے آپ کتاب و سنت کے معنی و مطالب کے سمجھنے میں عقل و قیاس کو بہت زیادہ دخل دیتے تھے اور ہر پہلو کو خوب اچھی طرح دیکھ لیتے تھے۔ دین کے بارے میں عقلاء زمانہ کے امام تھے۔ لہٰذا ائمہ فن نے ان کی تعریف میں امام اصحاب الرائے لکھا ہے۔

آپ کے احسن الرائے ہونے میں تو کچھ کلام ہی نہیں ہے۔ بڑے بڑے نقاد رجال نے آپ کی رائے کی تعریف کی ہے اور علامہ ذہبی نے بھی تہذیب التہذیب میں اور دوسرے علماء نے اپنی تالیفات میں یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے۔

سمعت یحییٰ بن سعید القطان یقول لا نکذب علی اللہ ما سمعنا احسن من

رائی ابی حنیفۃ[26]

ترجمہ:۔ "یحییٰ بن سعید القطان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہرگز جھوٹ نہیں بولوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر ہم نے کسی کی رائے نہیں دیکھی۔"

امام صاحب سے وجہ حسد:۔ درحقیقت امام صاحب اور آپ کے اصحاب و تلامذہ کے یہ امتیازات و تفوقات ہی ان سے حسد کا بڑا باعث بن گئے اور حاسدین و معاندین کی نظر میں ایک یہی سلوک ان سب حضرات کے حق میں موزوں و مزین ہو گیا کہ ان کی وقعت و شان کو پوری کوشش سے گرا دیا جائے۔

"اہل الرائے" کا پروپیگنڈا:۔ امام صاحب اور آپ کے جلیل القدر اصحاب و تلامذہ کے بارے میں ایک بہت ہی سخت مخالفانہ پروپیگنڈا یہ کیا گیا کہ وہ اصحاب الرائے ہیں اور اس کا مطلب یہ باور کرایا گیا کہ انہوں نے احادیث و آثار کے مقابلہ میں قیاس ورائے کا استعمال کیا ہے حالانکہ یہ بھی ایک حربہ تھا جس کا مقصد اس مقدس جماعت خادم حدیث و سنت کے خلاف نفرت و عداوت پیدا کرنی تھی۔

محدث خوارزمی کا جواب:۔ محدث خوارزمی نے مقدمہ جامع المسانید میں بھی خطیب کا رد کرتے ہوئے مختصر علمی پیرایہ میں چند اچھے جوابات پیش کئے ہیں۔ مثلاً:۔

فرمایا کہ حدیث کے مقابلہ میں عمل بالرای کا طعن امام صاحب کو وہی شخص دے سکتا ہے جو فقہ سے نابلد ہو' اور جس کو فقہ سے کچھ بھی مناسبت ہوگی اور ساتھ ہی انصاف کرنا چاہے گا تو اس کو اس امر کے اعتراف سے ہرگز چارہ نہیں کہ امام صاحب سب سے زیادہ احادیث کے عالم اور ان کا اتباع کرنے والے تھے اور ان لوگوں کے زعم باطل پر چند دلائل حسب ذیل ہیں۔

(1) امام صاحب احادیث مرسلہ کو حجت قرار دیتے ہیں اور ان کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں جب کہ امام شافعی کا عمل اس کے برعکس ہے (پھر بھی بدنام حنفیہ کو کیا جاتا ہے۔)

(2) قیاس کی چار قسم ہیں۔ قیاس موثر قیاس مناسب' قیاس شبہ' قیاس طرد

امام اعظم اور آپ کے اصحاب نے قیاس شبہ و مناسبت دونوں کو باطل قرار دیا۔ قیاس طرد میں امام صاحب اور آپ کے بعض اصحاب کا اختلاف ہے کہ بعض اصحاب نے ۔ اس کو بھی رد کر دیا ہے۔ اب صرف ایک قسم قیاس موثر

کی گئی جس کو سب نے حجت کہا حالانکہ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ قیاس کی چاروں اقسام مذکورہ حجت ہیں اور قیاس شبہ کا استعمال تو وہ بکثرت کرتے ہیں (پھر بھی بدنام و مطعون حنفیہ ہیں)

(4) امام اعظم احادیث ضعیفہ کو بھی قیاس کے مقابلہ میں حجت سمجھتے ہیں جیسے نماز میں قہقہہ کو انہوں نے ضعیف حدیث کی وجہ سے ناقض وضوء کہا حالانکہ خلاف قیاس ہے اور امام شافعی اس کے برعکس قیاس پر عمل کرتے ہیں (پھر بھی خطیب وغیرہ نے استعمال قیاس کا طعنہ امام صاحب وغیرہ کو دیا)

(5) بہت سے مسائل میں مخالفین نے یہ دعوی کیا ہے کہ امام صاحب نے قیاس کی وجہ سے احادیث کو ترک کر دیا۔ حالانکہ یہ بھی ایک مغالطہ ہے کیونکہ وہاں امام صاحب نے قیاس کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے راجح احادیث کی وجہ سے مرجوح احادیث پر عمل ترک کیا ہے اس کی بہت سی مثالیں بھی محدث خوارزمی نے لکھی ہیں۔

پھر آخر میں لکھا کہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب پر "حدیث کو ترک کر کے عمل بالقیاس والرائے کا الزام" سراسر بہتان و افتراء ہے۔ یہ حضرات اس الزام سے قطعاً بری ہیں اور یہ حضرات قیاس پر عمل صرف اس وقت کرتے ہیں جب کسی مسئلہ پر فیصلہ کے لئے حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالکل موجود نہ ہو[9]

مزید تفصیل کے لیے اسی مقالہ کا باب "حدیث اور رائے" دیکھئے۔

امام دار قطنی کی طرف منسوب ہے کہ امام صاحب کو سیئی الحفظ کہا۔ اس کا مفصل جواب تو علامہ عینی وغیرہ نے دیا ہے مختصر یہ ہے کہ اول تو امام دار قطنی خود بھی اپنی سنن میں امام صاحب سے روایت کرتے ہیں جو ان کے حافظہ پر اعتماد کی بڑی دلیل ہے۔ دوسرے یہ کہ امام صاحب کا حافظہ تو ضرب المثل تھا' ان کو سیئی الحفظ کہنا انصاف نہیں۔ حافظ ذہبی نے امام صاحب کا شمار حفاظ حدیث میں کیا ہے اور امام صاحب کی شرط روایت حدیث سب سے زیادہ سخت تھی کہ جس وقت سے حدیث سنی ہو وقت روایت تک کسی وقت بھی وہ ذہن سے نہ نکلی ہو۔ اتنی کڑی شرط امام بخاری وغیرہ کے یہاں بھی نہیں ہے۔ پھر امام صاحب کے حافظہ کی تعریف کرنے والے امیرالمومنین فی الحدیث شعبہ جیسے ہیں جو اصحاب ستہ کے شیوخ کبار میں تھے۔ امام احمد ان کو رجال و حدیث کا امام بتلاتے تھے اور سفیان پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ امام حماد بن زید فرمایا کرتے تھے کہ جب امام شعبہ میری موافقت میں ہوں تو مجھے کسی کی مخالفت کی پروا نہیں۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا فروغ نہ ہوتا۔ امام سفیان کو شعبہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو فرمایا کہ ان کے ساتھ علم حدیث رخصت ہوا۔

صالح جزرہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے رجال حدیث پر امام شعبہ نے کلام کیا پھر امام قطان نے پھر امام احمد اور امام یحییٰ بن معین نے۔ غرض یہ امام شعبہ امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "واللہ امام ابو حنیفہ اچھی سمجھ اور جید حفظ والے تھے۔ لوگوں نے ان پر وہ تہمتیں لگائیں کہ خدا ہی ان کو خوب جانتا ہے۔ واللہ وہ لوگ اس کے نتائج خدا کے یہاں دیکھ لیں گے۔

56- استحسان:۔ امام صاحب کی قدر منزلت گھٹانے کی سعی کرنے والوں نے امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے ترک قیاس و اخذ استحسان کو بھی نشانہ ملامت بنایا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ امام صاحب اپنی بے نظیر علمی و دینی بصیرت کی وجہ سے استحسان کی غیر معمولی صلاحیت و مہارت رکھتے تھے۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے اصحاب جب تک قیاسوں میں بحث چلتی تھی۔ ان سے خوب جھگڑ لیتے تھے لیکن جوں ہی امام فرما دیتے کہ اب میں استحسان سے یہ بات کہتا ہوں تو سب دم بخود ہو جاتے تھے۔ کیونکہ اس درجہ تک ان میں سے کسی کی رسائی نہ تھی۔ جب امام محمد کا اعتراف ہے جن کی کتابوں کے مطالعہ سے امام احمد ایسے مجتہد مسلم امام دقیق النظر بنے اور امام شافعی نے ان سے تفقہ حاصل کیا اگر دوسرے لوگ یا امام شافعی بھی امام صاحب کے استحسان پر اعتراض کریں تو کیا تعجب ہے۔

امام مالک نہ صرف استحسان کے قائل تھے بلکہ علم کے دس حصوں میں سے نو حصے استحسان میں بتلاتے تھے۔ امام مالک بھی امام صاحب سے بہت مستفید ہوئے ہیں۔ بلکہ علامہ ابن حجر مکی نے تو ان کو امام صاحب کے تلامذہ میں شمار کیا ہے اور علامہ کوثری نے روایت حدیث کا بھی ثبوت دیا ہے۔

استحسان درحقیقت قیاس خفی ہے اور کسی قوی وجہ سے قیاس جلی کو ترک کرکے اس کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اسی لئے امام صاحب نے استحسان کو ترجیح دی ہے اور جن لوگوں نے ایسے موقعہ پر بھی قیاس کو لیا انہوں نے راجح کی موجودگی میں مرجوح کو لیا ہے جو خالص فقہی نقطہ نظر سے غیر مستحسن ہے۔

57- حیلہ:۔ امام صاحب اور آپ کے اصحاب کی طرف غیر شرعی حیلوں کو بھی منسوب کیا گیا ہے مگر وہ نسبتیں سب غلط ہیں حتیٰ کہ امام بخاری نے بھی بخاری کتاب الحیل میں احناف کے خلاف سخت جارحانہ پہلو اختیار کیا ہے لیکن ہم ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اس کو امام بخاری کی حنفی مذہب سے ناواقفیت کا نتیجہ قرار دیتے تھے وغیرہ۔ حافظ ذہبی نے بھی امام محمد کے تذکرہ میں ان کے اور دوسرے اصحاب امام کی طرف کتاب الحیل کی نسبت کو غلط

لکھا ہے۔

58- جرحوں پر تحقیقی نظر:- مناسب ہوگا کہ امام صاحب پر جو جرحیں کی گئی ہیں اس موقع پر ایک تحقیقی نظر ان پر ڈالی جائے' بحث کے دو پہلو ہو سکتے ہیں' نقلی بحث یہ ہے کہ خود خطیب ان جرحون کی ذمہ داری لینے پر تیار نہیں' چنانچہ ان کے نقل کرنے سے پہلے جو تمہید لکھی ہے وہ اس کی شاہد ہے' جرحیں نقل کرنے کی معذرت یہ کی ہے کہ چونکہ وہ روایت کی گئی ہیں اور تمام علماء کے متعلق وہ موافق و مخالف امور کی نقل کرتے آئے ہیں' اس لئے ان اقوال کو بھی نقل کرتے ہیں' اسی کے ساتھ امام صاحب کی جلالیت قدر کو مانتے ہیں' ظاہر ہے کہ اگر مذکورۃ بالا جرحوں میں سے فروع یا عقائد کے متعلق ایک جرح بھی ان کے نزدیک ثابت ہوتی تو جلالت قدر درکنار امام صاحب کی قدر بھی ان کے دل میں نہ ہونی چاہیے تھی' اس کے علاوہ جرحیں نقل کرنے کے ساتھ ساتھ جابجا ان کی تردیدی اقوال بھی نقل کرتے جاتے ہیں' حالانکہ جرح میں تعدیل کے ذکر کا موقع نہ تھا کہ باب تعدیل و مناقب ختم ہو چکا تھا' مثلاً خلق قرآن کے عقیدہ کے روایت بیان کرنے کے بعد امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل کیا ہے' لم یصح عندنا ان ابا حنیفته کان یقول القرآن مخلوق ہمارے نزدیک یہ قول صحیح نہیں کہ ابو حنیفہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل تھے' اس کے بعد (ابو سلیمان) جو زجانی اور معلی بن منصور کا قول نقل کیا ہے "ماتکلم ابو حنیفه ولا ابو یوسف ولا زفر ولا محمد ولا احد من اصحابهم فی القرآن و انما تکلم فی القرآن بشر المریسی وابن ابی داؤد فهؤلاء شانو اصحاب ابی حنیفة(ان دونوں کا قول تھا کہ) نہ ابو حنیفہ نے نہ ابو یوسف نے نہ زفر نے نہ محمد نے اور نہ اور کسی نے ان میں سے قرآن میں کلام کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ بشر مریسی اور ابن ابی دوٗدا نے کلام کیا ہے' اور اصحاب ابو حنیفہ کو بدنام کیا ہے۔

خود امام صاحب کا ایک قول نقل کیا ہے' ایک بار عبداللہ بن المبارک ابو حنیفہ کے پاس گئے' پوچھا کہ تم لوگوں میں کیا چرچا ہو رہا ہے' جواب دیا ایک شخص جہم نامی کا چرچا ہے' پوچھا کیا کہتا ہے' القرآن مخلوق' انہوں نے سن کر یہ آیت پڑھی کبرت کلمته تخرج من افواههم ان یقولون الا کذبا۔[69]

جنت اور نار کے غیر موجود ہونے کی جرح نقل کرکے طیب کہتے ہیں کہ قول بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ خود راوی ابو مطیع اس کا قائل تھا' ابو حنیفہ نہ تھے۔

امام احمد بن حنبل کی طرف جو جرح امام صاحب کے کذاب ہونے کے منسوب ہے۔ اس کو نقل کرکے لکھا

ہے کہ یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ کیا ابو حنیفہ ثقہ ہیں' قال نعم ثقتہ ثقتہ کہاں ہاں ثقہ ہیں ثقہ ہیں' دوسرا قول ان کا یہ نقل کیا ہے۔ کان ابو حنیفتہ ثقتہ لایحدث بالحدیث الا مایحفظ ولا یحدث بما لا یحفظ' ابو حنیفہ ثقہ تھے' وہی حدیث روایت کرتے جو ان کو بخوبی یاد ہوتی اور جو بخوبی یاد نہ ہوتی اس کو روایت نہ کرتے۔

ان مراتب پر غور کرنے کے بعد صرف یہی رائے قائم ہو سکتی ہے کہ خطیب نے مخالف اقوال نقل کرنے میں مورخانہ فرض ادا کیا ہے' خود ان کے وہ قائل نہ تھے' یا یہ کہنا چاہیے کہ وہ خود ان کی رائے نہ تھی۔

اس کے بعد ہم اصول حدیث کی مستند کتابوں سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں' کتاب المغنی للشیخ طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار کی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو' جو جرح بالا کا جواب شافی ہے یہ واضح رہے کہ' نیز بعد کے آنے والے جوابات کسی حنفی کے لکھے ہوئے نہیں' سب غیر حنفیوں -(کے ہیں' ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"امام ابو حنیفہ کی طرف ایسے اقوال منسوب کئے گئے ہیں جن سے ان کی شان بالا تر ہے' وہ اقوال خلق قرآن' قدر' ارجاء' وغیرہ ہیں' ہم کو ضرورت نہیں کہ ان اقوال کے منسوب کرنے والوں کے نام لیں' یہ ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ کا دامن ان سے پاک تھا -(اللہ تعالیٰ کا ان کو ایسی شریعت کا دینا جو سارے آفاق میں پھیل گئی' اور ان کے مذہب و فقہ کا قبول عام ان کی پاک دامنی کی دلیل ہے' اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا راز چھپا ہوا نہ ہوتا۔ تو نصف یا اس کے قریب اسلام ان کی تقلید کے جھنڈے کے نیچے نہ ہوتا' یہاں تک کہ ہمارے زمانے تک جس کو ساڑھے چار سو برس ہو چکے ہیں[197] ان کے فقہ کے مطابق اللہ کی عبادت ہو رہی ہے' اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ اس میں اس کی صحت کی اول درجے کی دلیل ہے' اور ابو جعفر طحاوی نے (جو ان کے مذہب کے سب سے زیادہ اخذ کرنے والوں میں ہیں) ایک کتاب مسمی بہ "عقیدۃ ابو حنیفہ" لکھی ہے۔

اس کی تائید خود خطیب نے بھی کی ہے' وہ اپنی اصول حدیث کی کتاب الکفایہ فی علم الروایہ میں جرح کے قاعدہ کے تحت امام مالک بن انس و امام سفیان ثوری سے شروع کرکے یحییٰ بن معین تک ایک طبقہ قائم کرتے ہیں' اس کے بعد لکھتے ہیں' "اور جو اصحاب بلندی ذکر' استقامت حال' اور صداقت کی شہرت اور بصیرت و فہم میں اصحاب بالا کی مثل ہوں ان کی عدالت کی بابت سوال نہیں کیا جا سکتا۔" اسی سلسلے میں یہ روایت لکھی ہے کہ امام احمد بن حنبل سے اسحق بن راہویہ کی بابت سوال کیا گیا تو جواب میں کہا کہ کیا

اسحق بن راہویہ کی شان کے آدمی کی نسبت سوال کیا جا سکتا ہے۔

ایسا ہی ایک قول یحییٰ بن معین کا ابو عبید کے بارہ میں روایت کیا ہے۔[200] کتاب مذکور میں خطیب نے یہ روایت لکھ کر کہا کہ جرح وہی مقبول ہوگی جو مشرح ہو لکھا ہے کہ یہی قول ہمارے نزدیک صحیح اور یہی مذہب حفاظ حدیث میں اماموں کا ہے' یہ لکھ کر امام بخاری و امام مسلم وغیرہما کے احتجاج کی مثالیں دی ہیں۔[201]

اب اس قاعدے کی کسوٹی پر اگر ان جرحوں کو آپ کسیں گے جو خطیب نے تاریخ میں امام اعظم کے متعلق غیر مشرح نقل کی ہیں تو صاف عیاں ہو جائے گا کہ وہ خود ان کے نزدیک قابل قبول نہیں' اس لئے کہ جب اس طبقے کی عدالت سوال سے بالا تر ہے۔ جس میں اسحق بن راہویہ ہیں۔ تو امام صاحب کی عدالت تو اس سے بدر جہا بالا تر ہے' جب اسحق بن راہویہ کی شان کے آدمی کی نسبت بقول امام احمد بن حنبل سوال نہیں کیا جا سکتا ہے تو امام اعظم کی شان تو اس سے بہت زیادہ ارفع ہے۔

شیخ الاسلام سبکی نے کتاب طبقات الشافعیہ میں ایک لطیف بحث جرح و تعدیل کے متعلق لکھی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"جرح و تعدیل کا ایک ضروری و نافع قاعدہ۔ ہمارے نزدیک قول صواب یہ ہے کہ جس کی امامت و عدالت ثابت ہو اور جس کی تعدیل و تزکیہ کرنے والے بہت ہوں' جرح کرنے والے نادر اور اس بات کا قرینہ ہو کہ سبب جرح تعصب مذہبی وغیرہ ہے' تو ہم جرح کی طرف التفات نہ کریں گے تعدیل کو مان لیں گے۔ ورنہ اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے اور ہم جرح کو تعدیل پر علے الا طلاق مقدم کرنا شروع کر دیں تو کوئی امام ائمہ دین میں سے اس کی زد سے نہ بچے گا' اس لئے کہ کوئی امام نہیں جس پر طعن کرنے والوں نے طعن نہ کیا ہو اور اس کی وجہ سے ہلاک ہونے والے ہلاک نہ ہوئے ہوں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں' صحیح اس معاملے میں یہ ہے کہ جس شخص کی عدالت اور علم میں اس کی امامت اور علم کی جانب توجہ ثابت ہو اس کے متعلق ہم کسی کے قول کی جانب التفات نہ کریں گے' مگر اس صورت میں کہ صاف عادلانہ جرح قانون شہادت کے مطابق مستند ہو' ان کا استدلال یہ ہے کہ سلف میں بعض کا کلام بعض پر رہا ہے' بعض حالتوں میں وہ تعصب یا حسد پر مبنی ہے' بعض صورتوں میں تاویل و اختلاف اجتہاد اس کا باعث ہوا ہے'

حالانکہ جس کی نسبت کلام کیا جاتا ہے۔ وہ اس سے پاک ہوتا ہے۔
اس کے بعد ابن عبدالبر نے معاصرین کی جماعت کے ایک دوسرے کی نسبت کلام کرنے کا ذکر کیا ہے' اور کہا ہے کہ اس کی طرف التفات نہ کیا جائے' اسی بحث میں یحیٰی بن معین کی جرح کا ذکر آتا ہے جو امام شافعی پر ہے' اور کہا ہے کہ یہ ابن معین کے لئے ناپسندیدہ اور عیب تھا' اسی سلسلے میں یحیٰی بن معین کے متعلق امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل کیا ہے "هؤلا يعرف الشافعي ولا يعرف ما يقوله الشافعي ومن جهل شيئا عاداه نہ شافعی کو جانتے ہیں اور نہ شافعی کے کلام کو سمجھتے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ انسان جو نہیں سمجھتا اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔ آگے جا کر لکھتے ہیں کہ کسی نے ابن المبارک سے کہا کہ فلاں شخص ابو حنیفہ پر اعتراض کرتا ہے۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

حسدوا ان راوک فضلک الله ـــ بما فضلت ـــ به النجباء

لوگوں نے یہ دیکھ کر تجھ سے حسد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر وہ نوازش کی جو شرفا پر ہوتی ہے'

اور یہ وہ اصول ہے جس پر تمام علماء کا اجماع ہے' چنانچہ ان کا قول ہے کہ جرح جب تک مفسرنہ ہو مقبول نہ ہو گی۔ شیخ الاسلام سید المتاخرین تقی الدین ابن دقیق العید نے اپنی کتاب الاقتراح میں لکھا ہے کہ اعراض المسلمين حفرة من حفر النار وقف على شفيرها طائفتان من الناس المحدثون و الحكام مسلمانوں کی عزتیں جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہیں جس کے کنارہ پر دو گروہ کھڑے ہوئے' ایک محدثین دوسرے حکام ہمارے پاس دو اصول ہیں جن کو ہم پکڑے رہیں گے' جب تک کہ ان کے خلاف قطعی یقین نہ ہو جائے' ایک اصول اس امام مجروح کی عدالت ہے جس کی عظمت قائم ہو چکی ہے' دوسرا اصول جارح کی عدالت جو جرح کرتا ہے لہذا ایسے امام کی جرح کی جانب توجہ نہ کی جائے گی نہ اس جرح سے وہ مجروح کیا جائے گا۔ اس قاعدہ کو یاد رکھو' کہ بہت ضروری قاعدہ ہے[202]
امام سبکی کے آخر الذکر قاعدے کی تائید امام النووی نے بھی اپنے رسالہ اصول حدیث التقریب کی نوع الثالث والعشرین میں کی ہے۔

"جس کی عدالت اہل نقل یا ان کی امثال اہل علم میں مشہور ہو اس کے ثقہ اور امین ہونے کی تعریف عام ہو تو اس کی عدالت پر کسی کی شہادت کی ضرورت نہیں' یہی مذہب صحیح شافعی کا ہے اور اسی پر فن اصول فقہ میں اعتماد ہے' ابوبکر خطیب نے یہی قول اہل حدیث کا نقل کیا ہے' اور ایسے بزرگوں کی مثال میں مالک' شعبہ' سفیانین' اوزاعی' لیث' ابن المبارک' وکیع' احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین' وامثالہم کے نام لئے ہیں' صرف ان لوگوں کی عدالت سے سوال کیا جائے گا۔ جن کا حال مخفی ہو' رہی جرح وہ صرف ایسی مقبول ہوگی جو مشرح ہو اور طالبین کے لئے اس کا سبب بیان کیا گیا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اس میں مختلف المیال ہیں' کہ کون سی بات جارح ہے اور کون سی نہیں' ان میں سے کوئی کسی ایسی وجہ کی بنیاد پر جرح کر دیتا ہے جس کا وہ معتقد ہوتا ہے حالانکہ فی الواقع وہ وجہ جرح نہیں ہوتی' پس لازم ہے کہ سبب جرح بیان کیا جائے' تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ آیا وہ جرح ہے بھی یا نہیں' یہ کھلا ہوا اصول فقہ میں مسلم ہے۔ خطیب نے کہا ہے کہ یہی مذہب حفاظ حدیث میں اماموں کا ہے جیسے کہ بخاری و مسلم وغیرہما ہیں اس لئے بخاری نے ایسی ایک جماعت سے روایت کی ہے جس پر ان سے قبل جرح ہو چکی تھی' مثلاً عکرمہ مولےٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی عمل مسلم و ابو داؤد کا ہے[213]

اصول مذکورۃ بالا کی بنیاد پر ائمہ رجال نے اپنی کتابوں میں امام اعظم کے متعلق جرح کو غیر مقبول قرار دے کر اس کا نقل کرنا بالکل متروک کر دیا ہے' چنانچہ ذیل کے مستند ائمہ رجال کی کتابیں اس کی شاہد ہیں۔

1۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام اعظم کے صرف حالات و مناقب لکھے ہیں' جرح ایک بھی نہیں لکھی' جو مختصر مناقب موضوع کتاب کے مطابق لکھ سکے ان کو لکھ کر کہتے ہیں کہ میں نے امام اعظم کے مناقب میں ایک کتاب جداگانہ لکھی ہے۔

2۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں جرح نقل نہیں کی' حالات و مناقب لکھنے کے بعد ختم کلام اس دعا پر کیا ہے' مناقب ابی حنیفتہ کثیرۃ جدا رضی اللہ عنہ واسکنہ الفردوس آمین "امام ابوحنیفہ کے مناقب بہت کثرت سے ہیں' ان کی جزا میں اللہ ان سے راضی ہوا اور فردوس میں ان کے مقام بخشے آمین"

3۔ امام ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب میں بھی کوئی جرح نقل نہیں کی۔

4- حافظ صفی الدین خزرجی نے خلاصہ تذہیب الکمال میں صرف مناقب لکھے ہیں جرح کا ذکر نہیں' امام صاحب کو امام العراق و فقیہ الامتہ کے لقب سے یاد کیا ہے' واضح ہو کہ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال کے مطالب چار کتابوں کے مطالب ہیں' خود خلاصہ' تذہیب امام ذہبی' تہذیب الکمال امام ابو الحجاج المزی' اور الکمال فی اسماء الرجال امام عبدالغنی المقدسی اس طرح یہ مسلک جرح و تعدیل کے چار اماموں کا متفقہ مسلک ہے۔

کتاب الکمال کی بابت حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب کے خطبے میں لکھتے ہیں کتاب الکمال فی اسماء الرجال من اجل المصنفات فی معرفته حملنه الا ثار وضعا واعظم المؤلفات فی بصائر ذوی الالباب وقعا.

تہذیب الاسماء واللغات میں امام نووی نے سات صفحے امام صاحب کے حالات میں لکھے ہیں' جن کا اکثر حصہ تاریخ خطیب بغدادی سے ماخوذ ہے' صرف مناقب لکھے ہیں' جرح کا ایک لفظ نقل نہیں کیا۔

مرآۃ الجنان میں امام یافعی شافعی نے امام صاحب کے حالات میں جرح نہیں لکھی' حالانکہ تاریخ خطیب کے حوالے متعدد دیتے ہیں' اس سے صاف واضح ہے کہ خطیب کی منقولہ جرح ان کی نظر میں ثابت نہ تھی۔

فقیہ ابن العماد الحنبلی نے اپنی کتاب شذرات الذہب میں صرف حالات و مناقب لکھے ہیں' جرح نقل نہیں کی۔

خلاصہ:- مذکورۃ بالا مستند تیرہ کتابوں کے (جن میں سے تین اصول حدیث کی ہیں' اور دس رجال کی) بیان سے صاف واضح ہے کہ جن اماموں کی عدالت اور جلالت مرتبہ اہل علم اور اہل نقل نزدیک ثابت ہے' ان کے مقابلے میں کوئی جرح مقبول و مسموع نہیں' ایسے ائمہ کا جو طبقہ مثلاً پیش کیا گیا ہے وہ امام مالک سے لے کر امام اسحٰق بن راہویہ تک معتمد ہے' اصول حدیث کے فیصلے کا ماخذ امام شافعی' امام احمد بن حنبل' امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی حافظ ابن عبدالبر' و شیخ الاسلام ابن دقیق العید کے اقوال ہیں' یہ بھی تصریح ہے کہ یہی مذہب و مسلک فن اصول فقہ میں معتمد اور اہل حدیث و حفاظ حدیث کا مقبول عام مذہب ہے' اسی اصول کے اثر سے متاخرین ائمہ رجال نے امام اعظم کے متعلق جرح کا ذکر اپنی کتابوں میں بالکل متروک کر دیا ہے۔

غالباً قدر بحث نقلی پہلو کے اثبات کے لئے کافی ہے' اب عقلی بحث پر غور کریں۔

59- جرحوں پر عقلی بحث :- ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ امام صاحب کے متعلق خطیب بغدادی نے جس قدر

جرحیں نقل کی ہیں ان کا ابراہیم خود ان کے قول کے مطابق صرف دو پہلو ہیں' اصول دین کے متعلق یا فروع کے متعلق' ان جرحوں کا وزن و اثر آپ نقلی بحث میں پڑھ چکے ہیں' امام صاحب کے جو حالات و واقعات زندگی خطیب نے نقل کئے ہیں ان کی نسبت کسی کی جرح نقل ہی نہیں کی' لہٰذا وہ واقعات و حالات بجائے خود قائم ہیں۔

کسی تاریخی شخصیت کی نسبت رائے قائم کرنے کی مضبوط ترین بنیاد اس کے واقعات و حالات ہو سکتے ہیں' اسی اصول پر ہم یہاں بحث کرتے ہیں۔

امام صاحب کے جو حالات خطیب نے لکھے ہیں' ان سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاصرین میں بہت سے اوصاف کے لحاظ سے فائق تھے' سب سے بڑا شرف ان کی تابعیت تھی' اس کے بعد ان کی وہ عقل و فہم تھی جو قدرت نے ان میں مہارت دین حل کرنے اور نکات شریعت سمجھنے کی ودیعت رکھی تھی' دیکھو خطیب نے ان کی "وفور عقل' تیز فہمی و باریک نظری" کے بیان کے لئے جداگانہ باب قائم کیا ہے' علی بن عاصم کا یہ قول نقل کیا ہے' کہ اگر ابو حنیفہ کی عقل نصف اہل دنیا کی عقل سے تولی جائے تو انہی کا پلہ بھاری رہتا خارجہ ابو مصعب ایک ہزار عالموں سے مل کر یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ان میں جو تین یا چار عاقل تھے ان میں ایک ابو حنیفہ تھے' یزید بن ہارون بہت سے انسانوں کو دیکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے زیادہ عاقل کوئی نہیں پایا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ امام اعمش نے ان کی تیز نظری کا اعتراف کیا تھا' ان کے کاروبار تجارت کا دائرہ بہت وسیع تھا' اس سلسلہ میں ان کی امانت' حوصلہ' حسن معاملہ' تدبیر وغیرہ اوصاف تاجرانہ کی تصدیق واقعات کرتے ہیں' "حسن معاملہ" کا باب مستقل خطیب نے قائم کیا ہے' خشیت الٰہی ثابت ہے' اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ پارسا اور عابد ہونا ان کا مسلم ہے' حسن معاشرت پاکیزہ صحبت جود و سخاوت' بلند نظری اولوالعزمی مخلوق کی ہمدردی و غمخواری' اظہار حق میں جرات' سلطانی عطایا سے بے نیازی' علم و علماء کی بے غرضانہ خدمت عظیم اور اس خدمت کی بدولت اپنے استاد امام وقت حماد بن ابی سلیمان کی نظر میں اولاد سے زیاد عزیز ہونا یہ وہ اوصاف ہیں جن میں کسی نے کلام نہیں کیا انہی اوصاف کے اجتماع نے ان کو معاصرین کے طبقے میں بہت بلند کر دیا تھا' اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ وہ محسود الخلائق تھے' اور یہ ان کی محسودیت اس درجے پر پہنچ گئی تھی کہ ان کے حالات میں اس کا ذکر نمایاں و مستقل ہے' قیس بن الربیع ان کے ذکر میں کہتے ہیں' کان ابو حنیفہ رجلا ورعا فقیہا محسودا' ابو حنیفہ مرد پارسا فقیہ و محسود تھے' تم حضرت ابن المبارک کا پڑھا ہوا شعر امام سبکی کے بیان میں پڑھ چکے' جس میں معترض کے اعتراض کا منشاء حسد ظاہر فرمایا ہے خود امام صاحب نے جو شعر پڑھے تھے۔ وہ شاہد ہیں کہ ان

کے پاکیزہ قلب میں حاسدین کے حسد کا صدمہ تھا' حسن بن عمارہ کا قول ہے کہ لوگ ابو حنیفہ کی نسبت جو کلام کرتے ہیں' ان کا منشاء حسد ہے جن میں ان کی فضیلت مسلم تھی' حضرت عبداللہ بن المبارک نے حسن بن عمارہ کا وہ قول نقل فرمایا ہے' جو وہ امام صاحب کی رکاب تھامے ہوئے کھڑے کہتے تھے' اس میں یہ بھی تھا کہ تم سے زیادہ بلیغ کلام فقہ میں کسی نے نہیں کیا' امام شافعی کے اقوال اس بارہ میں آپ پڑھ چکے' امام محمد بن حسن کے حالات میں امام احمد بن حنبل کا اعتراف پڑھ چکے۔

ان اوصاف کا دو گونہ اثر ہوا' امام صاحب کی احکام شرعیہ کی تحقیق اور ان کا اجتہاد معاصرین کی فہم سے بالا تر ثابت ہوا' فہم کی نارسائی باعث ہوئی اختلاف کا' اختلاف نے جرح کا رنگ اختیار کیا' اسی پر مبنی ہے وہ جرح جو اہل حق نے امام صاحب کے متعلق اصول دین و فروع کی بنیاد پر کی ہے' آپ پہلے اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ پڑھ چکے کہ باختلاف اجتہاد جس جرح کا منشاء ہو وہ جرح نامقبول ہے' امام احمد بن حنبل نے فیصلہ فرمادیا' "ومن جھل شیئا عاداہ"

دوسرا اثر حسد کے رنگ میں نمایاں ہوا' اصول حدیث نے دوسرا فیصلہ یہ صادر کیا کہ جو جرح حسد کے اثر سے ہو وہ بھی غیر مسموع ہے۔

نظر کو بلند تر کیجئے کہ کیا امت مرحومہ کا سواد اعظم (جس کی تعداد کا اندازہ نصف یا دو ثلث اہل اسلام کیا گیا ہے)

سب سے بالا تر یہ بحث ہے کہ امام محمدؒ سے لے کر علامہ ابن عابدین تک فقہاء کی ہزاروں کتابیں فروع حنفی میں اور امام طحاوی امام نسفی وغیرہما کی تصانیف عقائد میں حاضر ہیں' ان کی بنیاد پر ثابت کیا جائے کہ جو عقائد و مسائل مجروحہ امام صاحب کی جانب منسوب کئے گئے ہیں وہ کہاں ہیں' آج کروڑوں حنفی مختلف ممالک میں موجود ہیں ان میں سے کوئی خلق قرآن' ارجا' وغیرہ عقائد یا حلت زنا وغیرہ مسائل فروعی کا قائل ہے! اس سے صاف ظاہر ہے کہ بنیاد جرح یا غلط فہمی ہے یا حسد' اور ان دونوں بنیادوں پر جو عمارت قائم ہو گی ظاہر ہے وہ قائم دیر پا نہیں رہ سکتی تھی' چنانچہ یہی ہوا' سوء فہم اور حسد کے غبار کے چھٹ جانے کے بعد اصول حدیث و علم رجال دونوں نے بالاتفاق ان جرحوں کے لئے اصل اور غیر مقبول ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا۔

قارئین کرام! یہ باب تقریباً" اختتام کو ہے۔ آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے وقائع میں

مستقل کتابوں کا زمانے کی ترتیب کے لحاظ سے ایک خاکہ لکھ دیا جائے۔ تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ امام اعظم کی ہر تنقید پر تین تین چار چار کتابیں بطور جواب لکھی جاتی رہی ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت امام اعظم پر اعتراضات اور اعتراضات کے رد کا جدول کے ذریعہ تقابلی جائزہ

اسم اعتراض	اسم الکتاب	اسم المجیب و کتاب
1- عبدالرحمن ابن ابی لیلی 148ھ	اختلاف ابی حنیفہ و ابی لیلی	ابو یوسف، ابو الوفا قندھاری افغانی

نوٹ:۔ ابی لیلی قاضی حکومت تھے۔ اس لئے ان دونوں کے درمیان معاصرانہ چشمک تھی

اسم اعتراض	اسم الکتاب	اسم المجیب و کتاب
2- امام اوزاعی 159ھ	سیر الاوزاعی	1) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم
		2) ابو الوفا افغانی التعلیق الرد علی سیر الاوزاعی
		3) سفیان بن عیینہ (مناظرہ ابو حنیفہ و اوزاعی)
		تاریخ فقہ اسلامی خضری بک مصری۔ ص 208
3- حافظ ابو احمد بن عدی 213ھ	کامل ابن عدی	1) زین الدین عراقی
		2) شمس الدین سخاوی فتح المغیث
4- ابن ابی شیبہ 235ھ	مصنف ابن ابی شیبہ	1) الورد المنیف فی رد ابن ابی شیبہ
(مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ اردو ترجمہ)		2) زین الدین قاسم بن تغلوبغا اجوبۃ المنیفہ عن اعتراضات ابی حنیفہ
بنام - حافظ ابوبکر اور رد مسائل امام اعظم		3) زاہد الکوثری النکت الطریفہ فی ردود ابن ابی شیبہ علی حنیفہ
		4) ابن تیمیہ منہاج السنہ۔ ج 1، ص 209
		5) شمس الدین سخاوی الاعلان بالتوبیخ۔ ص 65
5- امام احمد بن حنبل 241ھ	مختصر تاریخ خطیب بغدادی	ابن حجر مکی

نوٹ: [illegible] مسند میں

امام ابو حنیفہ سے روایت لی ہے اور خطیب
نے امام احمد پر بھی تنقید کی ہے۔
بحوالہ تنویر الصحیفہ

6- امام بخاری 256ھ — کتاب الضعفاء — 1) امام بخاری جزء القرات للبخاری میں امام بخاری نے امام ابو حنیفہ سے روایت لی ہے

2) تاریخ الکبیر — 2) حافظ ابن حجر عسقلانی عیب علی البخاری مقدمہ فتح الباری [illegible]

(3) عبدالرحمٰن بن ابی حاتم [illegible]

7- امام ابو داود 275ھ — ابو داود۔ ص 35 ج 2 — (4) [illegible] — [illegible] التوفیق

2) ابن حجر مکی خیرات الحسان

3) حافظ ابن حجر عسقلانی مقدمہ فتح الباری

8- امام ترمذی 279ھ — یوسف بن سبط الجوزی الانتصار لامام الامصار

تقریب و خلاصہ تذہیب — [illegible] بن سبط الجوزی

مراۃ الزمان

شمائل ترمذی میں ابو حنیفہ کی روایت موجود ہے

9- امام نسائی 303ھ — کتاب الضعفاء — حافظ ابن حجر عسقلانی۔ تہذیب التہذیب

روایت لی ہے

10- امام دار قطنی 385ھ — سنن دار قطنی۔ ص 123 ابو المؤید خوارزمی مسند خوارزمی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی مقدمہ فتح الباری۔ ص 415

11- امام بیہقی 458ھ — سنن البیہقی — یوسف بن عبداللہ سبط الجوزی

حافظ علاء الدین ماردینی ابن ترکمانی جوہر النقی الرد علی البیہقی

12- خطیب بغدادی 463ھ — تاریخ بغداد۔ ص 211 ج 3 — 1) عیسیٰ بن سیف الدین یمنی

(السہم المصیب فی کبد الخطیب)

2- ابن جزلہ حکیم بغدادی مختصر تاریخ خطیب

الخطیب بغدادی

3) ابو بکر بن ایوب حنفی- الرد علی الخطیب

4) یوسف ابن سبط الجوزی- مراۃ الزمان

5) زاہد الکوثری - تانیب الخطیب

-13 ابن خلکان 681ھ — وفیات الاعیان — 1) علامہ کردری

2) علامہ دانی — کتاب الحکم

3) نوٹ:- امام محمد نے موطا میں ابو حنیفہ
سے 13 اور ابو یوسف سے 4 حدیثیں
روایت کی ہیں- یہ کل سترہ ہوئیں- جن کو
جمع کر کے سترہ حدیثوں کا عدد نکال کر
امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کر دیا
حالانکہ ابو حنیفہ کی حدیثوں کو سترہ
مستقل مسانید میں لکھا گیا-

-14 ابن خلدون 808ھ — مقدمہ ابن خلدون- ص 444 — 1) شمس الدین سخاوی الاعیان فی قرن التاسع

3) نوٹ:- مقدمہ ابن خلدون کے صفحہ 445
پر خود ابن خلدون لکھتے ہیں
(ابو حنیفہ) انہ من کبار فی الحدیث

-15 شاہ ولی اللہ 1176ھ — مصفی شرح موطا — شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین- ص 48

-16 نواب صدیق حسن خان 1307ھ — انتصار — 1) نواب صدیق حسن خان

2) نواب صدیق حسن خان انتصار' ابو حنیفہ سے آٹھ حدیثیں مروی ہیں

17- ابو الفرج الجوزی ابن حبان	کتاب المنتظم [illegible]	جلال الدین سیوطی 1) التعقبات علی الموضوعات۔ ص 1 2) نشر العلمین المنیفین۔ ص 17 نوٹ: کتاب المنتظم نایاب ہے۔ منتظم کے حوالہ سے درایہ فی تخریج الہدایہ کے حاشیے سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے۔
18- شیخ عبدالقادر جیلانی	غنیۃ الطالبین	1) ابن اثیر الجوزی او تحفۃ السعید فی اثبات التقلید 2) علامہ شہرستانی الملل والنحل۔ ص 189 ج 1
19- محمد بن عبداللہ سندھی	ابو حنیفہ کا تعارف محدثین کی نظر میں ۔	

مقام ابی حنیفہ سرفراز خان صفدر [illegible]

باب ششم

1. شرح الفیہ سخاوی۔ ص 118' دار العلم' بیروت 1982ء
2. تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 112' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء'
3. تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 4' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء'
4. ایضاً ص 6
5. سورۃ الانبیاء آیت نمبر 7
6. مقدمہ فتح الباری حافظ ابن حجر۔ ص 542' حیدر آباد دکن' 1954ء
7. ایضاً"۔ ص 444
8. میزان الاعتدال ذہبی۔ ص 45' ج' حیدر آباد دکن' 1951ء
9. طبقات الشافعیہ تاج الدین سبکی۔ ص 190' ج 1' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء
10. طبقات الشافعیہ تاج الدین سبکی۔ ص 190' ج 1' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء
11. الامتاع باحکام النساء کمال الدین جعفر شافعی۔ ص 73' بیروت' 1981ء
12. سورۃ المؤمنون آیت۔ 50
13. الروض الباسم حافظ ابراہیم الوزیر یمنی ص 325 بیروت 1941ء۔
14. مناقب موفق ابن احمد مکی۔ ص 17' ج 2
15. اختصار۔ نواب صدیق حسن خان ص 13 لکھنؤ 1947ء۔
16. الدیباج المذہب احمد عبداللہ العجلی
17. میزان الاعتدال ذہبی حرف نون
18. ایضاً"
19. مقدمہ شرح مسلم امام نووی فی بیان جرح و تعدیل' قاہرہ' 1975ء
20. ایضاً"
21. بنایہ شرح ہدایہ حافظ بدر الدین عینی فی بحث قراۃ الفاتحہ' دارالمعارف' حیدر آباد دکن' 1941ء
22. التہذیب التہذیب ذہبی۔ ص 18' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء
23. غیث الغمام عبدالحی لکھنوی۔ ص 35' لکھنؤ' 1941ء
24. میزان الاعتدال ذہبی۔ ص 207' دارالمعارف حیدر آباد دکن' 1935ء

25۔ ما تمس بہ الحاجہ شرح ابن ماجہ عبدالرشید نعمانی، مطبع کراچی، 1977ء
26۔ [illegible]
27۔ جامع الترمذی کتاب النکاح باب الزوجین مشرکین یسلم احدھما
28۔ تحریک آزادی فکر محمد اسماعیل سلفی۔ ص 32، قرآن محل، کراچی، 1932ء
29۔ جامع الترمذی باب ما جاء فی وصف الصلاۃ
30۔ المیزان الکبری عبدالوہاب شعرانی۔ ص 63، ج 1 مطبوعہ مصر، 1936ء
31۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت۔ 36
32۔ میزان الکبری عبدالوہاب شعرانی۔ ص 63 تا 75، ج 1، قاہرہ، 1945ء
33۔ میزان الاعتدال ذہبی۔ ص 90، ج 1، قاہرہ، 1941ء
34۔ سنن نسائی کتاب الضعفاء۔ ص 35،
35۔ ایضاً۔ ص 30، ج 1
36۔ زہرالربی علی المجتبیٰ سیوطی۔ ص 3، دار العلم، بیروت 1957ء
37۔ میزان الاعتدال ذہبی۔ ص 75، قاہرہ، 1941ء
38۔ خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 35، دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء
39۔ سورۃ الحشر آیت ۱۰ ۔
40۔ سنن دار قطنی۔ ص 123
41۔ عمدۃ القاری عینی۔ ص 66، ج 1
42۔ سنن دار قطنی۔ ص 14
43۔ الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی، حافظ علاء الدین ماردینی الترکمانی۔ بیروت، 1945ء
44۔ فتح المغیث سخاوی۔ ص 44، دارالحدیث، قاہرہ، 1941ء
45۔ معرفت السنن و الآثار بیہقی
46۔ بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز۔ ص 51
47۔ ایضاً۔ ص 51
48۔ طبقات الشافعیہ شافعی۔ ص 2، ج 3، قاہرہ، 1955ء
49۔ کتاب المنتظم ابن الجوزی۔ ص 36، دارالکتب العربیہ بیروت 1944ء

50۔ التعقیبات علی الموضوعات سیوطی۔ ص 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

51۔ نشر العلمین المنیفین سیوطی۔ ص 17' قاہرہ' 1961ء

52۔ کشف الظنون حاجی خلیفہ چلپی۔ ص 536' ج 2' بیروت' 1981ء

53۔ طبقات شافعیہ شاطبی۔ ص 187' ج 1' بیروت' 1977ء

54۔ مقدمہ فتح الباری ابن حجر مکی۔ ص 447' قاہرہ' 1961ء

55۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 331' میزان الاعتدال ذہبی۔ ص 39' ج 2' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

56۔ میزان الاعتدال ذہبی۔ ص 29' ج 3' قاہرہ' 1936ء

57۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 333' ج 2' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

58۔ مقدمہ فتح الباری ابن حجر۔ ص 519' قاہرہ' 1961ء

59۔ تنویر الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ امام یوسف بن عبدالهادی الحنبلی' دمشق 1936ء

60۔ شرح موطا امام مالک۔ ص 272' ج 2

61۔ جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبر۔ ص 192' بیروت' 1961ء

62۔ ایضاً۔ ص 194

63۔ خیرات الحسان ابن حجر مکی۔ ص 36' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

64۔ جامع بیان العلم ابن عبدالبر مالکی ص 202 بیروت' 1961ء۔

65۔ مقدمہ فتح الباری ابن حجر مکی۔ ص 468' قاہرہ' 1961ء

66۔ مختصر جامع بیان العلم ابن عبدالبر۔ ص 204' بیروت' 1961ء

67۔ لسان المیزان ابن حجر مکی۔' دار الحدیث' قاہرہ' 1962ء (دیباچہ)

68۔ خیرات الحسان ابن حجر مکی۔ ص 76' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

69۔ طبقات الشافعیہ شاطبی۔ ص 197' حیدر آباد دکن' 1942ء

70۔ فیوض الحرمین شاہ ولی اللہ۔ ص 48' مجتبائی پریس دہلی' 1962ء

71۔ تاریخ ابن خلکان' حرف ق

72۔ مناقب امام کردری۔ ص 9 ج 1' حیدر آباد دکن' 1946ء

73۔ کتاب النحو الرحمۃ الالٰی مدینۃ المنورہ بحث حرف الجیم۔ 1936ء۔

74۔ عقود الجواہر۔ ص 11

75. عمدۃ القاری شرح بخاری عینی۔ ص 67، حیدر آباد دکن، 1960ء

76. ریاض المرتاض نواب صدیق حسن خان صاحب۔ ص 21، لکھنؤ، 1946ء

77. مکتوبات۔ ج 2، مکتوب 55،

78. مناقب الائمہ موفق محمد بن محمد کردری۔ ص 58، ج 2، حیدر آباد دکن، 1946ء

79. ایضاً۔ ص 59

80. ایضاً۔ ص 60

81. ایضاً۔ ص 59، ج 2

82. مقدمہ فتح الباری ابن حجر۔ ص 315، قاہرہ، 1961ء

83. احیاء العلوم امام غزالی۔ ص 20، بیروت، 1981ء

84. مرجوعات امام ابو حنیفہ پر اپنی جگہ تفصیل آئے گی دیکھئے باب حجت حدیث

85. یواقیت و الجواہر عبدالوہاب شعرانی۔ ص 206، دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

86. فقہ اکبر، ابوحنیفہ ص 46 ادارہ نشر و اشاعت نصرۃ العلوم گوجرانوالہ اشاعت عدم۔ اشرف پریس لاہور ۱۹۷۱ء۔

87. حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 35، لاہور، 1985ء

88. او ثم از طبقات شافعیہ شاطبی، بیروت، 1971ء

89. غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی۔ عراقی عراق ۱۹۵۵ء۔

90. فقہ اکبر امام اعظم۔ ص 85، دارالمعارف حیدر آباد دکن، 1942ء

91. جامع الاصول ابن اثیر جوزی۔ ص 78، قاہرہ، 1951ء

92. غنیۃ الطالبین عبدالقادر عراقی، عراق، 1955ء

93. او ثم الجید ابو مشکور سالمی بحوالہ امام اعظم عزیز الرحمن مفتی، دیوبند، 1941ء

94. تفسیر بیضاوی، علامہ بیضاوی نیز شرح مواقف۔ ص 19، 92، ادارہ نشر القرآن کراچی، 1995ء

95. تاریخ اہل حدیث مولانا میر صاحب۔ ص 56، لکھنؤ، 1951ء

96. الملل و النحل شہرستانی۔ ص 189، ج 1، حیدر آباد دکن، 1941ء

97. دلیل الطالب نواب صدیق حسن خان۔ ص 165 مطبع بھوپال ہندوستان، 1956ء

98. تفہیمات شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ص 28، ج 1، مجتبائی پریس دہلی، 1945ء

99 تہذیب التہذیب۔ ص 115' ج 1' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

100 میزان الاعتدال' ذہبی۔ ص 470' ج 2' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

101 منہاج السنہ ابن تیمیہ۔ ص 35' ج 1 طبع مصر' 1946ء

102 تاریخ اہل حدیث میر صاحب۔ ص 58' لکھنؤ' 1951ء

103 سورۃ النساء آیت۔ 116

104 عقد الجید از شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ص 18' مجتبائی پریس دہلی' 1945ء

105 جامع الاصول ابن اثیر جزری۔ ص 25' بیروت' 1952ء

106 کتاب الضعفاء امام بخاری طبع آگرہ' الہ آباد ہندوستان' 1940ء

107 خیرات الحسان ابن حجر مکی۔ ص 73' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

108 عقود الجواہر المنیفہ فی مناقب ابی حنیفہ۔ ص 11' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

109 مناقب کردری۔ ص 100 ج 1' حیدر آباد دکن' 1946ء

110 ایضاً۔ ص 19

111 خیرات الحسان ابن حجر مکی۔ ص 26' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

112 فتح الباری حافظ ابن حجر عسقلانی' بیان فرق باطلہ' (مقدمہ)

113 ایضاً مقدمہ

114 طبقات ابن شافعیہ شاطبی۔ ص 12' ج 2' بیروت' 1978ء

115 تاریخ ابن خلکان۔ ص 123' ج 2' بیروت' 1971ء

116 مسلم امام مسلم نیشاپوری۔ ص 21' ج 1

117 طبقات شافعیہ شاطبی۔ ص 190' ج 1' بیروت' 1978ء

118 میزان الاعتدال ذہبی۔ ص 75' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

119 شرح مختصر جرجانی۔ ص 215' حلب' 1971ء

120 مقدمہ اصول شیخ عبدالحق محدث دہلوی علی المشکوۃ۔ ص 2' مجتبائی پریس دہلی' 1956ء

121 تاریخ ابن خلکان۔ ص 134' ج 2' بیروت' 1971ء

122 مقدمہ فتح الباری۔ ص 451' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

123۔ ایضاً۔ ص 483

124۔ ابو داود۔ ص 35' ج 2

125۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 33' دار العلم' بیروت 1957ء

126۔ تبییض الصحیفہ فی مناقب ابو حنیفہ جلال الدین سیوطی۔ ص 73' دار العلم' بیروت 1957ء

127۔ عقود الجمان فی مناقب النعمان محمد بن یوسف الصالحی دمشقی شافعی۔ ص 92' دمشق' 1940ء

128۔ خیرات الحسان ابن حجر مکی۔ ص 16' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

129۔ الفیۃ الحدیث [illegible]

130۔ شرح سخاوی امام سخاوی۔ ص 25' بیروت' 1946ء

131۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 33' دار العلم' بیروت 1957ء

132۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 311' دار العلم' بیروت 1957ء

133۔ تاریخ ابن خلدون ص 13' ج 90' بیروت 1971ء

134۔ تاریخ ابن خلدون۔ ص 15' ج 4' بیروت' 1971ء

135۔ الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع' سخاوی۔ ص 261' دار الحدیث' بیروت' 1947ء

136۔ ایضاً۔ ص 270

137۔ اختصار نواب صدیق حسن خان۔ ص 18

138۔ فہم حدیث فہیم عثمانی۔ ص 94

139۔ اوجز المسالک شرح موطا امام مالک۔ ص 63' 64' دیوبند' 1976ء

140۔ خیرات الحسان فی مناقب نعمان۔ ص 12' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

141۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 444' ج 3' دار العلم' بیروت 1957ء

142۔ مقدمہ ابن خلدون' ابن خلدون۔ ص 45' بیروت' 1971ء

143۔ دیکھیں اسی کتاب کا باب "کنایات امام اعظم

144۔ عقود الجمان فی مناقب نعمان محمد یوسف صالحی دمشقی شافعی۔ ص 18' دمشق' 1978ء

145۔ تانیب الخطیب محمد زاہد الکوثری۔ ص 156' قاہرہ' 1956

146۔ عقود الجمان فی مناقب نعمان یوسف صالحی دمشقی شافعی' دمشق' 1978ء

147۔ مقدمہ ابن خلدون۔ ص 444' طبع مصر' قاہرہ' 1988ء

148۔ عقود الجمان محمد بن یوسف صالحی بحوالہ تانیب الخطیب محمد زاہد الکوثری۔ ص 156 دمشق' 1955ء

149۔ مقدمہ ابن خلدون۔ ص 45' بیروت' 1971ء

150۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 410' ج 12' دار العلم' بیروت 1957ء

151۔ طبقات الحنابلہ ابن ابی یعلی۔ ص 225' بیروت' 1956ء

152۔ الدیباج المذھب ابن فرحون مالکی 229ھ۔ ص 225 طبع مصر' 1941ء

153۔ جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبر مالکی۔ ص 149' ج 2' 1941ء

154۔ صحیح مسلم باب دوم

155۔ شرح مسلم نووی

156۔ ازالۃ الخفاء عن سیرت الخلفاء شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ص 214' مجتبائی پریس دہلی' 1945ء

157۔ اعلام الموقعین ابن قیم ص 42' دارالحدیث' بیروت' 1952ء

158۔ حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ۔ ص 149' مجتبائی پریس دہلی' 1941ء

159۔ ایضاً۔ ص 151

160۔ سب نے خطیب بغدادی کا حوالہ دیا ہے

161۔ السنہ و مکانتھا فی تشریع الاسلامی محمد مصطفیٰ سباعی مصری۔ ص 8' قاہرہ' 1971ء

162۔ حسن التقاضی فی سیرت ابی یوسف القاضی۔ ص 28' قاہرہ' 1981ء

163۔ ایضاً۔ ص 28

164۔ تاریخ صغیر امام بخاری۔ ص 174 طبع الہ باد و تاریخ بغداد۔ ص 398' ج 13 طبع مصر العربیہ' دار العلم' قاہرہ' 1957ء

165۔ تہذیب التہذیب۔ ص 463' ج 1' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

166۔ تاریخ اہل حدیث مولانا امیر صاحب۔ ص 64' حیدر آباد دکن' 1942ء

167۔ ایضاً۔ ص 61

168۔ سورۃ الشعراء آیت 88

169۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 314' ج 13' دار العلم' بیروت 1957ء

170۔ تاریخ اہل حدیث مولانا امیر صاحب۔ ص 437' حیدر آباد دکن' 1942ء

171۔ تاریخ اہل حدیث مولانا امیر صاحب۔ ص 428' حیدر آباد دکن' 1942ء

172۔ سورۃ النجم آیت۔ 12

173۔ تانیب الخطیب محمد زاہد الکوثری۔ ص 121 طبع مصر' 1977ء

174۔ تانیب الخطیب محمد زاہد الکوثری۔ ص 146' 1977ء

175۔ ایضاً۔ ص 147

176۔ شرح مسلم امام نووی۔ ص 18' ج 1' بیروت' 1965ء

177۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی عبدالرحمن مبارکپوری۔ ص 153' لکھنؤ' 1970ء

178۔ ایضاً ص 153۔

179۔ ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل نواب صدیق حسن خان۔ ص 423' لکھنؤ' 1940ء

180۔ قرۃ العینین فی تفضیل شیخین شاہ ولی اللہ۔ ص 326 طبع دہلی' 1975ء

181۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 335' ج 13' دار العلم' بیروت 1957ء

182۔ الخیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 64' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1985ء

183۔ الاکمال فی مشتبہ الانساب والرجال من الرواۃ ابو سعد عبدالکریم السمعانی المتوفی 562ھ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 107' ج 4' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

184۔ مناقب کردری۔ ص 33' ج 1' نیز مفتاح السعادہ طاش کبری زادہ۔ ص 82' ج 2' حیدر آباد دکن' 1946ء

185۔ الخیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی ص 64 ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

186۔ مناقب صدر الائمہ موفق بن احمد۔ ص 205' ج 2' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

187۔ الخیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 65' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

188۔ ایضاً۔ ص 64

189۔ ایضاً۔ ص 65

190۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 62' ج 5' دار العلم' بیروت 1957ء

191۔ ایضاً۔ ص 615' ج 5' نیز دار قطنی۔ ص 63

192۔ الملل و النحل عبدالکریم شہرستانی۔ ص 146، بیروت، 1978ء

193۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 82، ج 2، دار العلم، بیروت 1957ء

194۔ مفتاح السعادہ طاش کبریٰ زادہ۔ ص 82، ج 2، بیروت، 1978ء

195۔

196۔ تہذیب التہذیب ذہبی۔ ص 136، دارالحدیث، قاہرہ، 1952ء

197۔ جامع المسانید خوارزمی۔ ص 41 تا 53، حیدر آباد دکن، 1962ء

198۔ سورۃ کہف، آیت۔۔ 5

199۔ مجمع البحار طاہر پٹنی بحوالہ جامع الاصول ابن الاثیر جزری شافعی المتوفی 606ھ لکھنؤ

200۔ الکفایہ فی علم الروایہ خطیب بغدادی۔ ص 113، قاہرہ، 1948ء

201۔ ایضاً۔۔ ص 142

202۔ طبقات الشافعیہ تقی الدین سبکی۔ ص 187 تا 189، حیدر آباد دکن، 1941ء

203۔ مقدمہ ابن صلاح نوع نمبر23، قاہرہ، 1942

امام ابو حنیفہؒ بحیثیت محدث

مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی اسلامیات

جلد دوئم

مقالہ نگار

حافظ محمد خان

اسسٹنٹ پروفیسر

فیڈرل گورنمنٹ ڈگری کالج، اوکاڑہ کینٹ

نگران تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت

چیئرپرسن

شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف پشاور

شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف پشاور

پاکستان

1998ء

فنِ حدیث میں اجتہاد بالرائے اور امام اعظمؒ

فہرست مضامین

باب ہفتم

قیاس اور رائے کی تحقیقی بحث

غیر مقلدین حضرات کا ایک الزام یہ بھی ہے کہ حضرت امام صاحب حدیث کے تارک اور رائے کے عامل ہیں۔ اس بحث کو اس باب میں مکمل کیا جاتا ہے۔

رائے وقیاس کے اثبات: اس کے دلیل شرعی و حجت ہونے پر اجمالا" کچھ دلائل پیش کیے جا رہے ہیں۔ "قیاس (رائے) دستور اسلامی کے چوتھے ماخذ کی حیثیت" من جانب اللہ ہے۔ اس میں امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا صرف اتنا ہی قصور ہے کہ انہوں نے اسے باری تعالیٰ کا حکم سمجھ کر اجتہاد واستنباط کے طور پر استعمال کیا اور اپنایا ہے۔ دلیل رابع ہی کی حیثیت سے بتایا ہے بنایا نہیں۔ آخر اپنانے میں جرم ہی کیا ہے جب بنانے والے نے خود ہی یہ ارشاد فرمایا ہو کہ۔

۱۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔[1]

ترجمہ:۔ اے عقل والو، عبرت حاصل کرو۔

یہاں اعتبار بمعنی قیاس کے ہے۔ عربی میں "اعتبار الشی بشی" اس وقت بولا جاتا ہے جب اس پر قیاس کیا جائے۔

2۔ وتلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون۔[2] ○

ترجمہ:۔ اور ان مثالوں کو ہم ان لوگوں کے نفع کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں۔

3۔ یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول[3] ○

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول، صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل امر ہیں (ان کا کہنا بھی مانو) پھر اگر ان کے احکام میں سے کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو (کتاب) اللہ اور (سنت) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب لوٹاؤ۔

امام فخرالدین رازی اور علامہ آلوسی "کی تصریحات کے مطابق آیت مذکورہ میں" اولی الامر منکم سے مجتہ

اجماع اور فان تنازعتم سے حجیت قیاس کی طرف اشارہ ہے۔ اگر اس آیت کے ان دو اجزا سے بھی وہی مراد لیں جو پہلے دو اجزا میں بیان ہو چکی ہے تو پھر بے فائدہ تکرار لازم آ جائے گا تو لامحالہ حجیت اجماع اور حجیت قیاس ہی مراد ہو گا۔[5]

4- فلا تقل لهما اف ۔[4] ○

ترجمہ:- اور والدین کو اف نہ کہو

اس آیت کی مراد یہ قیاس کئے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی کہ جب والدین کو اف تک کہنا حرام ہو تو زدوکوب کرنا بدرجہ اولی حرام ہو گا۔

1- حدیث معاذ بن جبل :- حجیت قیاس پر جناب شارع علیہ السلام اور آپؐ کے صحابہ سے اس قدر آثار مروی ہیں کہ معنوی لحاظ سے حد تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں اولاً حضرت معاذ بن جبل کی مشہور حدیث بطور استدلال درج کرتے ہیں جو قولی حیثیت سے قیاس و رائے کے حجت اور دلیل شرعی ہونے پر نص قطعی ہے۔ اسی حدیث معاذ بن جبل ہی کے بارے میں علامہ ابن کثیر ارشاد فرماتے ہیں۔

وهذا الحديث فى المسند والسنن باسناد جيد كما هو مقرر فى موضوعه۔

ترجمہ:- یہ حدیث مسند اور سنن میں جید اور کھری سند کے ساتھ مروی ہے جس کی تحقیق اپنے مقام پر ثابت شدہ ہے۔[6]

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو آپ نے حضرت معاذ سے دریافت فرمایا۔

بما تقضى يا معاذ اے معاذ! تم کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے۔

حضرت معاذ نے جواباً عرض کیا۔

بكتاب الله اللہ کی کتاب کے ساتھ۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

فان لم تجد فى كتاب الله اگر وہ مسئلہ تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ۔

تو حضرت معاذ نے عرض کیا۔

بسنته رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق۔
آپ نے مزید ارشاد فرمایا۔

فان لم تجد فی سنته رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ○
اگر وہ مسئلہ تم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نہ پاؤ۔

تب حضرت معاذ نے عرض کیا۔
اجتهد برائی . اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔
یہ سن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور زبان رسالت سے ارشاد فرمایا۔

الحمدللّٰہ الذی وفق رسول رسوله بما یرضی رسوله
خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسول کے قاصد کو وہ توفیق عطا فرمائی جس کو اس کا رسول پسند کرتا ہے۔

اور حضرت معاذ بن جبل ہی کے بارے میں لسان نبوت سے جو یہ الفاظ ادا ہوئے ہیں۔

اعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل ○
ترجمہ:۔ سب سے زیادہ حلال و حرام کو جاننے والا معاذ بن جبل ہے۔

علماء کے ایک طبقہ کے اس خیال کہ "یہ نبوی شہادت معاذ بن جبل کے قیاس ہی کی ایک عظیم سند ہے۔" باطل سمجھنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

اجتہادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم:۔ ایک متفق علیہ حدیث میں مذکور ہے کہ ایک آدمی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور عرض کی کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر کی تھی مگر وہ حج کرنے سے پہلے مر گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس پر قرضہ ہوتا تو کیا تم ادا کرتے؟
اس نے عرض کیا جی ہاں! تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

فاقض دین اللّٰہ فهواحق بالقضاء۔[8]
ترجمہ:۔ اللہ کا قرض ادا کر دے وہ ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔

حدیث کا مفہوم بغیر اس کے اور ہو ہی نہیں سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی ادائیگی کو دین پر قیاس

فرمایا ہے۔

2- **اعرابی کے بچے کی پیدائش:-** ایک اعرابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ کالا ہے' مجھے اس پر شک ہے۔

آپؐ نے فرمایا' تمہارے ہاں اونٹ ہیں؟ عرض کیا جی ہاں! آپؐ نے ارشاد فرمایا' کونسا رنگ؟ عرض کیا' سرخ! آپؐ نے دریافت فرمایا' کیا اس میں کچھ خاکی رنگ کے بھی ہیں؟ اعرابی نے مثبت جواب دیا۔ پھر آپؐ نے دریافت فرمایا' یہ خاکی رنگ کہاں سے آگیا؟ اعرابی بولا ممکن ہے کوئی رگ کھینچ کر آگئی ہو۔ تب آپ نے ارشاد فرمایا یہی حال اس لڑکے کا ہے۔[3]

3- **وضو کے بعد مس اعضاء مخصوصہ:-** طلق بن علی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر کوئی شخص وضو کرنے کے بعد اپنی پیشاب گاہ کو ہاتھ لگالے تو کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔

هل هو الابضعة منك

ترجمہ:- نہیں ہے وہ مگر تیرے جسم کا ایک ٹکڑا

اس حدیث میں جناب شارع علیہ السلام نے عضو مخصوص کو دیگر اعضا پر قیاس فرمایا ہے۔
چونکہ نجاست کا عدم خروج ہی ہر دو میں متحقق ہے اس لیے تو حضرت سعد نے فرمایا۔

ان كان شيئي منك نجسا فليقطعه لاباس به

ترجمہ:- اگر وہ ایسی ناپاک شے ہے تو اسے کاٹ کر پھینک دو۔

حضرت علی ؓ ارشاد فرماتے ہیں۔

مالبالي مسست انفي او اذني او ذكري[5]

ترجمہ:- مجھے تو اس کی کوئی پروا نہیں کہ میں نے ناک' کان کو ہاتھ لگایا یا پیشاب گاہ کو۔
چونکہ خود رسالتماب جناب شارع علیہ السلام قیاس فرمایا کرتے تھے اس لئے تو حضرت سعد ؓ اور حضرت علی ؓ نے بھی قیاس ہی سے جواب دیا۔

اجتہادات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین: یہ بات تو اس قدر وسیع ہے کہ اس کے لئے ایک جدا کتاب

کی ضرورت ہے۔ عقل والوں کے لئے تو اشارہ کافی ہے نہ سمجھنے والوں کے لئے دفتر بھی بے کار ہے۔ تاہم اس عنوان کے تحت بھی چند ثقہ اور معتبر روایات و نظائر درج کر دیئے جاتے ہیں۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

1۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو ہدایت نامہ ارسال فرمایا تھا اس میں مذکور ہے کہ۔

1۔ وہ بات جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو اور تمہارے دل میں کھٹکتی ہو اسے اچھی طرح سمجھو اور پھر اس کے مشابہ احکام و نظائر کو معلوم کرو اور ان پر اس کو قیاس کرو اور جو بات اللہ اور حق و صداقت کے زیادہ قریب ہو اسی کو اختیار کرو۔

2۔ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک معاملہ پیش ہوا۔ ایک آدمی کو اس کی سوتیلی ماں اور آشنا نے قتل کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا' انہوں نے فرمایا۔ اگر کئی آدمی ذبح شدہ اونٹ کے چرانے میں اس طرح شریک ہوں کہ ہر ایک' ایک عضو چرا کر لے جائے تو کیا آپ ان سب کے ہاتھ کاٹیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا' ہاں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا ایسے ہی یہ معاملہ ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اپنے عامل کو لکھ بھیجا کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے۔

3۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک شخص اپنے غلام کو پکڑ کر لایا اور عرض کیا کہ اس نے میرا آئینہ چرا لیا ہے۔ اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ غلام بھی تیرا ہے اور آئینہ بھی تیرا ہے۔ یہاں بھی حضرت عمرؓ نے اس قیاس سے کام لیا کہ غلام میں حق ملکیت موجود ہے تو جہاں جہاں حق ملکیت پایا جائے گا چاہے وہ کسی بھی صورت میں ہو۔ اس میں قطع ید نہ ہو گا۔ مثلاً لڑکا باپ کا مال چرا لے یا بیوی خاوند کا مال چرا لے۔

4۔ حدیث کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مشہور قیاس دربارہ غیر معین مہر والی عورت کا خاوند جب ہم بستری سے قبل مر گیا تو آپ نے اپنے ہی رائے و قیاس سے اس کیلئے مہر مثل لازم قرار دے دیا جب کہ معقل بن سنان نے بعد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تائید کی۔

اس مشہور روایت سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قیاس کا حدیث رسولؐ کے مطابق واقع ہونا

ثابت ہوا۔[13]

بہرحال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رائے و قیاس ثابت ہے۔ علامہ ابن قیم نے ابن دقیق العید کی طرف منسوب کرتے ہوئے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے قیاس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔

حجیت قیاس اور اجماع: رائے وقیاس کے دستور اسلامی کے چوتھے ماخذ اور شرعی حجت ہونے پر قرآن و سنت اور اجماع ایسے قطعی دلائل ہیں کہ جس کا انکار پر اصرار کرنے والوں کو آخرت میں جو کچھ پیش آئے گا اس کا مزاق تو وہی کریں جو جتلا ہیں۔ ہم یہاں قیاس کے شرعی حجت ہونے پر اجماع کا بیان کریں گے۔

شریعت میں اجماع دستور اسلامی کا تیسرا اور قطعی ماخذ ہے اور قطعیات میں بھی ایسا کہ جس کا انکار و بال ایمان سے خالی نہیں۔

امام الخلفاء نے رائے و قیاس کا حکم دیا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کلالہ کے بارہ میں جب دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

اقول فیھا برائی فان یکن صوابا فمن اللہ وان یکن خطاء فمنی ومن الشیطن ○

ترجمہ:- میں اس میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صواب ہو تو اللہ کی طرف سے اگر خطا ہو تو مجھ سے اور شیطان سے ہے۔[14]

طبقات ابن سعد میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد یوں نقل کیا گیا ہے۔

فقال اجتھد برائی فان یکن صوبا فمن اللہ وان یکن خطاء فمنی و استغفر اللہ .

ترجمہ:- ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر درست ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہو گی ورنہ میری خطا ہو گی۔ میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔[15]

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو جب بصرہ کا حاکم بنا کر بھیجا تو اسے عہد لکھ دیا جس میں قیاس کرنے کا حکم تھا۔ فرمایا۔

اعرف الاشباہ والنظائر قس الامور برایک۔[16]

ترجمہ:- یعنی اشباہ کو اور ان کے نظائر کو پہچان اور امور کو اپنے رائے سے قیاس کر۔

کائنات میں پیغمبر [illegible] اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسری عظیم ہستی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ جن کی افضلیت بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ملت اسلامیہ کے تمام مسلمانوں کا مسلم عقیدہ ہے۔ جو خلافت راشدہ کے نقش اول

اور امام الخلفاء ہیں۔ جب حضور ہی کے سچے جانشین اور صحیح نائب قیاس و رائے کا حکم دے رہے ہیں اور جس کو حکم دیا جا رہا ہے وہ بھی حضور ہی کے تربیت یافتہ اور آپ ہی کی تعلیم گاہ کے سند یافتہ ہیں وہ بھی بلاچون وچرا تسلیم کر رہے ہیں۔ جب کہ درس گاہ نبویؐ کے ہزاروں فضلاء (صحابہ کرام ﷺ) موجود ہیں اور ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو صدیق ﷺ (رائے و قیاس) کو علم نبوت کی روشنی میں خلاف شریعت قرار دے۔

تو جن کے ہاں "اہل رائے" ہونا باعث نفرت ہے' کہنے والے تو سمجھ ہی گئے ہوں گے۔ یہ زد کہاں پڑی مگر ایسا ذہن رکھنے والے اپنے اندر کے انسان (ضمیر) سے بھی دریافت کر لیں کہ ایسا ہی عقیدہ رکھا جائے تو پھر امام الخلفاء حضرت صدیق اکبر ﷺ کا مقام کیا ہو گا؟!

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق ﷺ بھی قیاس کو اختیار فرماتے ہیں: خلافت راشدہ کے نقش ثانی محمدی تعلیم گاہ کے سند یافتہ' علوم نبوت کے عظیم فاضل و ماہر' اسلام کے عظیم فاتح حضرت عمر فاروق ﷺ جب لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تو فرمایا کرتے تھے۔

هذا رائی عمر فان كان صوابا فمن الله وان كان خطاء فمن عمر (١٧)

ترجمہ:۔ یہ عمر کی رائے ہے اگر درست ہوئی تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہو گا اگر خطا ہوئی تو عمر کی خطاء سمجھنا۔

حضرت عثمان غنی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

انی قد رایت فی الجد رایا فان رایتم تتبعوه فاتبعوا۔ (18)

ترجمہ:۔ میں نے جد کے بارہ میں رائے دی ہے پس اگر تم اس رائے کا اتباع پسند کرتے ہو تو اس کا اتباع کرو۔

جب کہ جد کے بارے میں حضرت عمر فاروق ﷺ سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ بھی اپنی رائے دے چکے تھے جیسے حضرت عمر فاروق ﷺ کا اجتہاد واستنباط' رائے و قیاس سے تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے بھی رائے و قیاس ہی سے اجتہاد کیا تھا۔ ہر دو حضرات کا قیاس قرآن وحدیث اور قطعی نصوص سے ہرگز متصادم نہ تھا (بلکہ یہ تصور بھی گناہ عظیم ہے) اور یہ کہنا کتنا ہی بجا ہے کہ شیخین ﷺ کے اس قیاس کا منشا ہی قرآن وحدیث تھے۔

خلیفہ ثالث حضرت عثمان ﷺ نے بھی قیاس کی تصویب فرمائی: یہی وجہ تھی کہ خلافت راشدہ کے نقش ثالث

داماد نبیؐ ہم زلف علیؓ محمدی یونیورسٹی کے عظیم سکالر' حضرت عثمان ؓ دونوں حضرات (شیخین) کی تائید اور تصو... فرماتے ہوئے اپنی خدا داد عقل و فہم اور فیاض ازل کی طرف سے عنایت فرمودہ قوت قیاس کو استعمال میں لاتے ہ... حضرت فاروق اعظم ؓ کے جواب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

لن نتبع رایک فانہ رشد و لن نتبع رای الشیخ قبلک فنعم الرای۔(۲)

ترجمہ:- اگر ہم آپ کی رائے کا اتباع کریں تو یہ صواب (درست) ہے اگر ہم تجھ سے پہلے شیخ (صدیق اکبر) کی رائے کا اتباع کریں پس وہ اچھی رائے ہے۔

اگر رائے و قیاس شرعاً مذموم یا قابل نفرت ہوتے اور ان سے مسائل کا اجتہاد و استنباط بھی شرعاً ناجائز ہو... یہ ناممکن ہی تھا کہ حضرت ذوالنورین ؓ اس پر چپ رہتے۔ جب حضرت عثمان جیسے ذمہ دار اور فقیہ و قانون اسلا... کے عظیم فاضل و ماہر' حضرت عمر فاروق ؓ کی موجودگی میں بھی ابوبکر و عمر کے اجتہاد واستنباط میں اولویت و غیرا... فیصلہ صادر فرماتے ہوں۔ پھر فیصلہ بھی اس کا راجح قرار دیتے ہیں جو موجود نہیں ہے۔ آخر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا... اسی کے سامنے جب ایک غلط اور خلاف شرع (قرآن وحدیث کی موجودگی میں خلافت راشدہ ہی کے دور میں... وقیاس پر عمل) ہو۔ بجائے روکنے' ٹوکنے اور منع کرنے کے وہ خود بھی اس میں شریک ہو گیا اور پھر شرکت بھی اس... بڑھ چڑھ کر کہ شیخین ہی کے دو قیاسوں کی موجودگی میں اپنے قیاس اور اپنی ہی رائے سے ایک کو افضل قرار دے دیا۔

خلیفہ رابع حضرت علی مرتضیٰ نے بھی قیاس پر عمل کیا: اگر اسلاف ہی کی بات ماننی اور ان ہی کے علوم... معارف سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔ جیسے کہ بعض حضرات اس لیے اپنے نام کے ساتھ "سلفی" لکھنے کو باعث افتخا... بھی سمجھتے ہیں۔ تو صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین سے بڑھ کر ہمارے اسلاف میں کون ہے جو قرآن وحدیث اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معیار پر پورے اترے۔ جب خلافت راشدہ کے نقش رابع' سرور کائنات کے تربیت یافتہ علوم نبوت کے سند یافتہ' لسان نبوت نے جسے "باب العلم" کہا ہو۔ یعنی حضورؐ ہی کے خلیفہ رابع حضرت علی المرتضیٰ نے بھی جب قیاس پر عمل فرمایا ہو اور رائے و قیاس سے اجتہاد واستنباط کو ضروری سمجھتے ہوئے یہاں تک فرما دیا ہو کہ

اجتمع رائی و رائی عمر علی المنع من بیع امہات الاولاد ولان قد رایت ان یبعن 22

ترجمہ:- میری اور حضرت عمرؓ کی رائے اس پر متفق ہوئی کہ امہات الاولاد کی بیع نہیں ہو سکتی مگر اب میری رائے یہ ہے کہ وہ بیع ہو سکتی ہے۔

تو پھر کون ہے ایسا مفتی جو اس کے باوجود بھی مطلق رائے و قیاس کو مذموم اور اس کے خلاف شرع ہو۔ فتویٰ جاری کرے۔ آخر وہ فتویٰ ہی کیا فتویٰ ہے جو خلافت راشدہ کے متفقہ عمل کو ٹھکرا دے۔

لمحہ فکریہ: امام اعظم ابوحنیفہؒ کو صرف اس وجہ سے قصور وار ٹھہرانا کہ وہ "اہل الرائے" تھے کس قدر زیادتی اور ہے کہ جو عمل خلافت راشدہ کا متفقہ عمل ہو پھر وہی عمل بعینہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت ہو۔ اگر ابوحنیفہؒ اس پر عمل کرے تو وہ تارک سنت اور منکر حدیث مگر جو لوگ اس عمل ہی کے منکر اور طریقہ مسنونہ (رائے قیاس جس کو ہم نے گذشتہ معروضات میں قرآن وسنت اور اجماع کا متفقہ فیصلہ قرار دیا ہے) کے تارک ہوں وہی عامل بالحدیث ہونے کا دعویٰ کریں۔

حجیت اجماع کا اقرار یا انکار: غیر منصوص مسائل نوازلات و حادثات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رائے و قیاس اور اجتہاد واستنباط سے کیسے اور کتنا کام لیتے تھے اور اس کو کس حد تک ضروری سمجھتے تھے اس کا اجمالی نقشہ گذشتہ معروضات سے مترشح ہو ہی جاتا ہے اور آئندہ بھی اس سلسلہ میں مزید ایک اجمالی اور عنوانی خاکہ دے دیا جائے گا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کو اگر جمع کر دیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ مگر یہاں مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہادات استنباطات اور جملہ دلائل وبراہین کا استیعاب ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ حقیقت واضح کرنا ہے کہ اگر امام اعظم ابو حنیفہ رائے محمود اور قیاس شرعی پر عمل کرنے کی وجہ سے "امام اہل الرائے" کہلائے تو یہ ان کے لئے مورد الزام نہیں۔ بلکہ باعث ہزار افتخار اور آخرت میں ترقی مدارج کا بہترین اور یقینی وسیلہ ہے جو مسئلہ (قیاس و رائے کا شرعی حجت ہونا) وحی الٰہی، مرفوع اور صحیح احادیث، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل اور جمہورامت سے تواتر کے ساتھ ثابت ہو۔ ایسی قطعی حقیقت اور ایسے منصوص مسئلہ کی مذمت۔ اہل الرائے کی توہین و تذلیل نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات اقوال، تعامل اور جمہورامت کے تواتر و توارث کا انکار، بظاہر اجماع کا انکار نہیں تو اور کیا ہے؟

ہم کو اصرار نہیں کہ ایسوں کے بارے میں ارباب علم اجماع ہی کے انکار کا فتویٰ دے دیں تاہم اتنی گزارش ضروری کریں گے کہ ایسا کرنا (قیاس و رائے کا انکار) نہیں تو پھر ایسوں کے ہاں "اجماع کا اقرار" بھی نہیں۔

تعامل صحابہ کا اجمالی خاکہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھائیوں کے محجوب ہونے میں "جد" کو ابن الابن پر قیاس کیا

اور فرمایا۔

الا یتقی اللہ زید بن ثابت یجعل ابن الابن ابنا ولا یجعل اب الاب ابا۔[21]

ترجمہ:۔ کیا زید بن ثابت اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کہ ابن الابن کو بمنزلہ ابن قرار دیتے ہیں اور اب الاب کو بمنزلہ اب قرار نہیں دیتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فلیجتھد رایہ فان لم یکن فلیقر ولا یستحی۔[22]

ترجمہ:۔ پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور اگر رائے کا مالک نہ ہو تو صاف اقرار کرے اس میں حیا نہ کرے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

فادع اھل الرائے ثم اجتھد واختر لنفسک ولا حرج۔[23]

ترجمہ:۔ تم اہل رائے کو بلا کر اجتہاد کرو اور اپنے لئے مناسب حکم اختیار کرو اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز قاضی کے لئے جو پانچ شرطیں لگاتے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مستشیر الذی الرائی رائے والے سے مشورہ لینے والا ہو۔

حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی بدر کے موقع پر رائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرما کر قبول کر لی تھی۔[24]

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بڑے صاحب الرائے تھے چنانچہ لوگ ان کو مغیرۃ الرای کہتے تھے۔[25]

ماننے والوں کے لئے تو ایک صحابی کا اجتہاد و استنباط بھی کافی ہے جب کہ وہ قرآن وحدیث سے متصادم نہ ہو۔ اور نہ ان پر کسی صحابی سے نکیر آئی ہو۔ مگر خدا "نہ ماننے والوں" کا بھی بھلا کرے جو نہ ماننے کی بھی آخری حد پر اتر آئے اور یہاں تک اتر آئے کہ قرآن وسنت خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت شدہ اجماعی مسئلہ کا بھی انکار اور پھر انکار پر اصرار کر بیٹھے۔ مگر یہ فطری اور ازلی تقسیم باعث تعجب کیوں ہو؟ اگر "نہ ماننے والے" نہ ہوتے تو "ماننے والوں" کو خود ماننے، ثابت کرنے، بتانے، سمجھانے اور پھر منوانے کا ثواب کیونکر ملتا۔

اس لحاظ یہ سودا مجھے سستا نظر آیا

حدیث اور رائے (قیاس) کا تلازم

رائے اور حدیث لازم وملزوم ہیں: جب حدیث اور رائے لازم وملزوم ہیں جب حدیث، رائے اور فہم کے بغیر سمجھی ہی نہیں جا سکتی۔ جب یہ دعویٰ بے جا نہیں (جیسا کہ کسی حد تک ثابت بھی کیا جا چکا ہے) کہ صحیح رائے، حدیث کے لئے "موقوف علیہ" کا درجہ رکھتی ہے تو پھر اس بات سے بھویں کیوں چڑھتی اور ماتھے پر بل کیوں آ جاتے ہیں جب کہا جاتا ہے کہ حدیث دانی اور حدیث فہمی کے لئے "اہل الرائے" ہونا بھی ضروری ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کا یہ اقتباس اور تراشہ کس قدر صحیح اور برموقعہ ہے جو انھوں نے رائے وحدیث کے تلازم کے سلسلہ میں کتاب "ادب القاضی" کے حوالہ سے مقدمہ فتح الملہم میں درج کیا ہے۔

لا یستقیم الحدیث الا بالرای ای باستعمال الرائے فیہ بان یدرک معانیہ الشرعیہ التی ھی مناط الاحکام ولا یستقیم العمل بالرای ولا اخذبہ الا بانضمام الحدیث الیہ۔

ترجمہ: حدیث رائے کے استعمال ہی سے درست ہو سکتی ہے بایں طور کہ حدیث کے شرعی معانی جو احکام کے لئے مناط ہیں رائے ہی سے ادراک کئے جا سکتے ہیں اور رائے بھی بدون حدیث کے درست نہیں ہو سکتی، یعنی محض رائے پر عمل کرنا درست نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس رائے کے ساتھ حدیث نہ مل جائے۔

جب "اہل الرائے" (امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب) ڈنکے کی چوٹ اور ببانگ دہل یہ کہتے آئے ہیں کہ "صرف رائے" جس کی بنیاد حدیث پر نہ ہو کوئی حقیقت اور وقعت نہیں رکھتی۔ حدیث سے استغناء برت کر محض رائے پر بھروسہ کرنا بھی انسان کو ورطہ ضلالت میں ڈال دیتا ہے اور جب اہل الرائے کی پوری اور مکمل زندگی ان کی فقہ اور مسائل کا ہر پہلو اور ان کے رائے و قیاس کا ہر زاویہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ اشارہ ابرو پر ہزاروں رائیں اور لاکھوں عقلیں آن واحد میں قربان کر دیتے ہیں۔

اہل الرائے کا راہنما اصول: اور جب ان کا لائحہ عمل اور راہنما اصول بھی، علم نبوت کے امین خلیفہ راشد علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہو کہ

لو کان الدین بالرای لکان اسفل الخف بالمسح من اعلاء وقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی ظاہر خفیہ[۱۲]

ترجمہ:۔ اگر دین نری رائے ہی سے ہوتا تو موزے کا نچلا حصہ اوپر کے حصہ سے زیادہ مستحق ہے حالاں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موزہ کے اوپر ہی مسح کرتے دیکھا ہے۔

جب اہل الرائے کا کوئی دانشور اپنی دانش کو، کوئی عقلمند اپنی عقل کو اور کوئی دانا اپنی فہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور آپ کے اسوہ حسنہ کے مقابلہ میں کچھ حیثیت اور کم سے کم وقعت بھی دینے کو تیار نہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر کوسنے والے امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کو کوستے آئے ہیں تو صاحبان عقل و بصیرت کے ہاں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ناقصین سے اصحاب کمال کی مذمت، ان کے کمال کی شہادت ہوتی ہے

واذا اتتک مذمتی من ناقص
فھی الشھادۃ لی بانی کامل

حدیث معاذ بن جبل کی مزید تحقیق: ضد اور ہٹ دھرمی کی دوا دنیا کے کسی دواخانے سے بھی میسر نہیں۔ آپ عقل وفہم کے دعویداروں اور حدیث رسول کے تابعداروں کو بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت معاذ بن جبل ہی کی مشہور حدیث (جو اجتہادات رسول کے عنوان سے پہلے بھی ذکر کی جا چکی ہے) سے نہ صرف رائے وقیاس کی عمدگی محمودیت اور فضیلت بلکہ اس کا ثبوت بھی سمجھ نہ آئے۔ جن کا مبلغ علم اور ذہن کی رسائی "اجتہد برائی" کے لغوی معنی تک کا ادراک بھی نہ کر سکے۔ تو ایسوں کا ہمارے پاس علاج نہیں۔ مگر جن لوگوں کو فیاض ازل نے عقل فہم اور ذوق سلیم سے نوازا ہے وہ تو حدیث مذکور کے بارے میں ازروئے تحقیق یہاں تک دعویٰ کر بیٹھے ہیں کہ

حدیث معاذ صحیح مشہور رواہ الائمۃ العدول وھو اصل فی الاجتھاد والقیاس علی الاصول[۱۳]

ترجمہ:۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے اس کو عادل ائمہ نے روایت کیا ہے

اور یہ حدیث اجتہاد اور قیاس علی الاصول کا ایک اصل اور مدار ہے۔

علمی تحقیق کا ذوق رکھنے والے اگر بغض وعداوت اور تعصب سے خالی ہوں تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ راے۔ قیاس اور اس کے اساس (قطعی نصوص و حدیث معاذ بن جبل وغیرہ) کے تحقیق کے سلسلہ میں بھی لاابالی ہوں۔ مشہور غیر مقلد محقق محمد بن علی المعروف بہ قاضی شوکانی حدیث معاذ بن جبل کے بارے میں فرماتے ہیں۔

وهو حديث صالح الاجتهاد به كما اوضحنا ذالك في بحث مفرد[1] .

ترجمہ:۔ یہ حدیث استدلال واحتجاج کے لئے صلاحیت رکھتی ہے جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت ایک مفرد بحث میں کی ہے۔

جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں ہے: سمجھ میں نہیں آتا کہ حدیث عمل کے دعویداروں کا دعوی کیونکر واقعہ کے مطابق ہو سکتا ہے جب کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) معاذ بن جبل کے معقول اور تسلی بخش جواب "اجتہد برائی" سے بے حد خوش اور مسرور ہوئے۔ نیز آپؐ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مبارک سے تھپکی دے کر نہ صرف ان کی داد وتحسین فرمائی بلکہ اپنی اور خدا تعالی کی رضا کی مہر بھی ثبت فرما دی۔ حدیث ہی پر عمل اور حضور ہی کی پیروی کا دعوی اگر صحیح ہوتا تو اہل الرائے (جن کے سرخیل معاذ بن جبل اور توثیق وتصدیق کرنے والے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہوں) کی تذلیل وتوہین اور تجہیل وتحمیق نہ کی جاتی۔

اے کاش! امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے گریبان میں ہاتھ ڈالنے والوں کی آنکھ آخرت میں کھلنے سے پہلے ہی دیکھ لیتی کہ یہ ہاتھ ان کے اپنے ہی گریبان میں ہے۔

جب آنکھ کھلی دیکھا' اپنا ہی گریباں ہے

اہل الرائے کا مقام نبوت کی نگاہ میں: نصف النہار پر آئے ہوئے سورج کی لمعانیت روشنی اور تابانیت سے اگر کسی طبقہ کی آنکھیں چندھیا جاتی ہوں تو اس کا علاج' مزاج طبیعت اور سرشت کی تبدیلی کے بغیر ناممکن ہے تاہم علامہ ابن کثیر نے مقدور بھر علاج' اظہار حق اور اتمام حجت کو ضروری سمجھتے ہوئے اپنی مشہور عالم تفسیر ابن کثیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت یوں نقل فرمائی ہے۔

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العزم فقال مشاورۃ اھل الرائے ثم اتباعھم:

ترجمہ:۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عزم کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کیا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا "اہل الرائے" سے مشورہ کر کے پھر ان کی پیروی کرنا۔

نبوت کی نگاہوں میں "اہل الرائے" کے اس قدر عظیم منصب و مقام کو فضیلت کا نصف النہار نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

ہم شاد ہیں کہ ہیں تو کسی کی نگاہ میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر واضح ارشاد کے ہوتے ہوئے بھی حدیث ہی پر عمل کے دعویدار اپنا یہ دعویٰ تسلیم کرانے پر کیوں اصرار کرتے ہیں کہ "مطلقاً" رائے مذموم ہے اور اہل الرائے ہی حدیث کا انکار کرتے ہیں۔

یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور رائے و کثرت استشارہ: ہر دور میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو بزعم خود اپنے آپ کو دنیا کا مقتدا بھی سمجھتے ہیں اور قرآن و حدیث کا معیار بھی۔ دنیا کو بھی یہی باور کرانے کے لئے اتباع قرآن، اتباع حدیث اور اتباع رسولؐ کے عنوانات باندھ باندھ کر "فکر آخرت" اور "خدمت اسلام" کے روپ میں فکر بطن اور حب جاہ کی تکمیل کی خاطر کسی بھی ایسے کام کے کر گزرنے سے دریغ نہیں کرتے جس سے دین کی جڑوں اور اسلام کی بنیادوں پر تیشہ بھی چلتا ہو۔

حضرت فاروق اعظم عمر فاروق رضی اللہ عنہ جنہوں نے نبوت سے نہ صرف یہ کہ خود قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا تھا بلکہ ان کے سامنے براہ راست پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سننے والے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کثرت سے موجود تھے مگر اس کے باوجود بھی وہ قرآن و حدیث کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے رائے اور کثرت استشارہ کو ضروری سمجھتے تھے۔

وانہ مقدم عندھم فی العلم والرائے و کثرت الاستشارہ:

ترجمہ:۔ حضرت عمرؓ حضرات صحابہؓ میں علم، رائے اور زیادہ مشورہ لینے میں پیش پیش آگے تھے۔

حدیث ورائے کے اس قدر واضح تلازم کے تسلیم کرنے میں بھی اگر پس وپیش ہو گا تو ارباب بصیرت بھی یہی فیصلہ دیں گے کہ ایسا آدمی صرف امام اعظم ابو حنیفہؒ ہی کا بداندیش نہیں بلکہ پوری محمدی تعلیمات، فاروقی اور اسلام کے مکمل ضابطہ حیات کا بداندیش ہے اور اسلام کی بنیادوں پر تیشہ چلانے کے مترادف ہے۔

از کوزہ ہماں برآورد کہ دروست

حضرت فاروق اعظمؓ نہ صرف یہ کہ رائے واستشارہ میں خود پیش پیش تھے بلکہ دوسروں کو بھی مقدم اور اس میں مزید رغبت دینے کا بھی حد درجہ اہتمام فرماتے تھے، اپنے دور خلافت کے مشہور تابعی قاضی شریحؒ کو ایک مکتوب میں یہاں تک تحریر فرمایا۔

فاختر الامرین ان شئت ان تجتهد برائیک ثم تقدم فتقدم۔

ترجمہ:۔ ان دو امور میں جونسا تم چاہو پسند کر لو یا تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اس میں جتنا آگے بڑھ سکتے ہو بڑھو۔

نبوتؐ کی عدالت میں: بات یہ چل رہی ہے کہ فقہ ورائے کی طرف امام صاحب کا انتساب، امام اعظم ابو حنیفہ کے لئے باعث تذلیل و تحقیر نہیں۔ بلکہ یہ فیاض ازل ہی کی بخشش وعنایت اور فضل وعطا اور خیر کثیر ہے جس سے آپ کو نوازا گیا ہے اور یہ ایک ازلی، انتخابی اور اجتبائی شان ہے جو امام اعظم ابو حنیفہ کو حاصل ہے۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

جہاں تک امام صاحب کے معاندین، مخالفین اور حاسدین کی بات ہے ان کے ہاں اگر امام صاحب کی یہی اجتبائی شان فضیلت، خدائی انتخاب اور ازلی عنایت وبخشش موجب تنقیص و تذلیل ہو تو اس سے ایک روشن حقیقت کی تکذیب لازم نہیں آسکتی یرقان کے مریض کو اگر کائنات کا ہر ذرہ زرد نظر آتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آجاتا کہ فی

الواقع بھی ساری کائنات زردہ ہے۔ ہم یہ مسئلہ کسی ادارہ وغیرہ سے نہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ سے بھی نہیں۔ آپ کے مقلدین و متوسلین سے بھی نہیں۔ فقہا و محدثین سے بھی نہیں۔ معاصرین سے بھی نہیں۔ آپ کے تلامذہ سے نہیں، کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے بھی نہیں بلکہ براہ راست پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی عدالت میں لے جاتے اور ہی سے دریافت کر لیتے ہیں۔ تنازعتم فی شیئی فردو الی اللہ والرسول ○ (الایۃ)

چنانچہ روئے زمین پر اصح الکتب بعد کتاب اللہ ھو الصحیح البخاری کے باب من یرد اللہ به خیرا یفقه فی الدین میں بروایت امیر معاویہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فیصلہ صادر فرمایا ہے۔

قال حمید بن عبدالرحمن سمعت معاویۃ خطیبا یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین و انما انا قاسم واللہ یعطی ولن تزال هذه الامة قائمة علی امر اللہ لا یضرهم من خالفهم حتی یاتی امر اللہ

ترجمہ:۔ (بحذف اسناد) حمید بن عبدالرحمن نے کہا کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطبہ دیتے ہوئے سنا کہتے تھے کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ نے فرمایا جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بڑی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے اور میں تو صرف بانٹنے والا ہوں اور اللہ عطا کرتا ہے اور جب تک یہ امت اللہ کے احکام پر رہے گی اس کو نقصان نہ دے گا جو شخص اس کی مخالفت کرے گا یہاں تک کہ اللہ کا امر (قیامت یا ان کی موت) آئیگا۔

دل، دماغ اور آنکھیں رکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ عدالت نبوی اور دربار رسالت سے نہ صرف یہ کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ہی کے حق میں فیصلہ صادر ہوا بلکہ یفقهه فی الدین کے تاج اور اعزاز سے بھی آپ ہی کو نوازا گیا ہے۔

شفیق ان کی نگاہ ہو میری جانب
زمانہ پھر جدھر چاہے ادھر ہو

اگر مخالفین و حاسدین کو اس قدر واضح حقیقت بھی نظر نہ آئے تو یہ ان کی اپنی کمال بد نصیبی ہے اس سے امام اعظم ابو حنیفہ کی شان میں کوئی نقصان نہیں آ جاتا۔

نہیں ہے معتقدان کا اگر حاسد تو کیا غم ہے
ہوا ہے منکر سجدہ کا گر ابلیس نہ لیا نقصان آدم کا

فاروق اعظم کی عدالت میں : معاف رکھنا' صمیم قلب اور دل کی گہرائیوں سے حد درجہ پر خلوص گزارش ہے کہ مان لو' اب بھی نبوت کا فیصلہ مان لو۔ نبوت کے فیصلہ کے بعد اگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں انصاف طلب کرے گے تو پھر فیصلہ بھی وہی ہو گا جو نبوت کے فیصلہ کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

علامہ عینی کی وضاحت : تتمہ' اس کے مناقب و فضیلت اور دربار رسالت کی وساطت سے امام اعظم ابو حنیفہؒ کی فقہی بصیرت و مہارت پر کائنات کی طرف سے "ارادہ خیر" کے تمغہ اعزاز کا عطیہ' یہ تو ایک علیحدہ عنوان ہے جس پر آئندہ مناسب موقعہ پر بحث کی جائے گی۔ انشاء اللہ اس وقت تو بات "حدیث و رائے کے تلازم" کی چل رہی ہے کہ حدیث بغیر رائے کے اور رائے بغیر حدیث کے یعنی جب دونوں کی حیثیت کو علیحدہ علیحدہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر دین کی وہ حیثیت باقی نہیں رہتی جس کی تعلیم شارع علیہ السلام دیتے رہے۔

ابھی چند سطور قبل "نبوت کی عدالت" کے عنوان کے تحت بخاری شریف کی حدیث درج کرنے کے بعد بھی مقصود درحقیقت رائے و قیاس کا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تلازم پر استدلال کرنا ہے جیسے کہ علامہ عینی حدیث مذکورہ کی شرح میں رقم طراز ہیں۔

قال النوربشتی اعلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلم اصحابہ انہ لم یفضل فی قسمتہ مااوحی اللہ الیہ احد من امتہ بل سوی فی البلاغ وعدل فی القسمتہ وانما التفاوت فی الفہم وھو واقع من طریق العطاء ولقد کان بعض الصحابہ رضی اللہ عنہم یسمع الحدیث فلا یفہم منہ الا الظاہر الجلی ویسمعہ آخر منہم او من بعدھم فیستنبط منہ مسائل کثیرۃ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

ترجمہ:۔ علامہ تور بشتی (فضل اللہ شافعی متوفی 440) نے فرمایا۔ جان لے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو آگاہ کر دیا کہ آپ نے وحی الٰہی کی تقسیم میں اپنی امت میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی بلکہ اس کی تبلیغ میں سب کو برابر رکھا اور تقسیم میں عدل کیا تفاوت تو صرف سمجھ میں ہے اور وہ عطیہ الٰہی ہے۔ بیشک بعض صحابہ ؓ حدیث کو سنتے تھے۔ پس اس سے سوائے ظاہر جلی معنی کے اور نہ سمجھتے تھے۔ حالانکہ ان میں سے دوسرے یا وہ جو ان کے بعد ہوئے (جیسے امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب) اسی حدیث کو سنتے تھے پس بہت سے مسائل کا استنباط کرتے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔

انسانی فطرت اور سرشت میں عقل و خرد کی ودیعت اور سوجھ بوجھ کا یہ ازلی تفاوت اور وہ بھی یہاں تک کہ بعض صحابہ ؓ بھی حدیث کے ظاہر جلی کے سوا کچھ نہ سمجھ سکتے ہوں کہ بعض دیگر صحابہ اور بعض دوسرے ان کے بعد آنے والے اپنے پہلوں سے سنی ہوئی حدیث کے ظاہری جلی سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس سے بہت سے مسائل کا استنباط بھی کر سکتے ہیں۔ یہ اس بات کا واضح اور بین ثبوت ہے کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال مناسبت اور حدیث دانی و حدیث فہمی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت فرمودہ عقل سلیم اور صحیح رائے و قیاس کی استعداد بھی اشد ضروری ہے جس سے فیاض ازل نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کو بدرجہ اتم نوازا تھا۔ ذالک فضل اللہ یوتہ من یشاء

علامہ عبدالوہاب شعرانی کی رائے: امام اعظم ابوحنیفہؒ اس نعمت سے کس قدر نوازے گئے تھے نیز ان کی فقہ و رائے ان کا قیاس و اجتہاد کس قدر قرآن و حدیث ہی سے مستنبط اور اس کے موافق تھا۔

بغض و حسد اور کینہ و عداوت کے چشموں سے آپ کی سیرت اور عظیم فقہ کا مطالعہ کرنے والے تاقیام قیامت بھی اس حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ جس حقیقت کو دیانت عدل و انصاف اور قرآن و حدیث کے معیاری طریق پرکھ سے امام عبدالوہاب شعرانی (جنہوں نے مذاہب اربعہ اور ان کے دلائل کا بغور مطالعہ کیا ہے) نے پایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

قد اتبعت بحمد اللہ اقوالہ واقوال اصحابہ لما الفت کتاب ادلتہ المذاھب فلم اجد

منتخب کر لیتے ہیں اور ان کے دائرہ سے نہیں نکلتے۔ البتہ جب کوئی قول تابعین کا آتا ہے (اور وہ ہمارے فیصلہ کے خلاف ہوتا ہے تو) اس سے مزاحمت کرتے ہیں۔ خالد بن صبیح نے بیان کیا میں نے ابو حمزہ سکری سے بارہا سنا کہ جو کچھ میں نے امام ابو حنیفہ سے سنا ہے وہ مجھ کو ایک لاکھ درہم و دنانیر سے زیادہ محبوب ہیں۔

1- یہ حضرات امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے۔

وکیع بن الجراح

یزید بن ہارون

عاصم النبیل

عبدالرزاق

عبیداللہ بن موسی

ابو نعیم فضل بن دکین

ابو عبدالرحمٰن المقری

2- امام احمد اور امام بخاری دونوں کے اساتذہ میں مندرجہ بالا میں سے چار ہیں۔

عبدالرزاق

عبیداللہ بن موسی

ابو نعیم فضل بن دکین

ابو عبدالرحمٰن المقری

چنانچہ حافظ ذہبی نے ابو عبدالرحمن مقری کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ سمع من عون و ابی حنیفہ و روی عنہ بخاری و احمد۔

3- امام مسلم ابو داود اور امام احمد دونوں کے شاگرد ہیں۔

4- امام ترمذی اور ابن خزیمہ دونوں امام بخاری کے شاگرد ہیں۔

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ امام شعبی کی ذات گرامی بواسطہ امام ابو حنیفہ علم حدیث میں سب کی استاد ہے۔ اور باقی سب محدثین امام صاحب کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

جامع المسانید کی کل روایات=	1710	1- جامع المسانید = 1710
مرفوع احادیث=	916	2- کتاب الاثار 899
غیر مرفوع=	794	3- عقود الجواہر المنیفہ 606
مرفوع میں سے مسند=	356	4- موطاء امام محمد
غیر مرفوع میں آثار صحابہ=	311	
غیر مرفوع میں آثار غیر صحابہ=	483	
ابراہیم نخعی کے جمع شدہ آثار=	310	
کتاب الاثار کل روایات	999	
مسند امام اعظم کی روایات	523	
عقود الجواہر المنیفہ کی روایات	600	

متون حدیث کی کل تعداد بالاتفاق محدثین عظام' سفیان ثوری' شعبہ' یحیٰی ابن سعید القطان' عبدالرحمن' احمد بن حنبل چار ہزار ہے۔

بلاشبہ تمام وہ مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار آنحضرت ﷺ سے روایت کی گئی ہیں ان کی تعداد چار ہزار ہے ا- علی بن جعد جوہری جو حدیث کے بہت بڑے حافظ' امام بخاری اور امام ابو داود کے استاد ہیں سے نقل کیا گیا ہے-

قال علی بن الجعد ابو حنیفہ اذا جاء بالحدیث جاء بہ مثل الدر۔

ترجمہ :- ابو حنیفہ جب بھی حدیث پیش کرتے ہیں تو وہ موتی کی طرح آبدار ہوتی ہے۔

رفع اشکال:- امام اعظم ابو حنیفہ اپنے معاصر محدثین اور تلامذہ حدیث میں حاکم (جو حضور اقدس ﷺ کی تمام احادیث پر متناً" و سنداً" مکمل دسترس رکھتا ہو) مانے جاتے تھے اور وہ آپ کو علم حدیث کا شہنشاہ تسلیم کرتے تھے۔ بظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے اور عموماً" وارد کیا جاتا ہے کہ امام بخاری نے تو اپنی صحیح کا انتخاب چھ لاکھ احادیث سے کیا ہے جب کہ امام ابو حنیفہ صرف 70 ہزار احادیث کا انتخاب کر کے "کتاب الآثار" لکھتے ہیں تو یہاں دونوں کے درمیان تقابل کی صورت میں جو نتیجہ نکلتا ہے وہی معترضین کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جس سے امام ابو حنیفہ کی شخصیت کو مجروح

کیا جاتا ہے۔

ایسا اشکال اور اعتراض تو وہ لوگ کر سکتے ہیں جنہیں علم حدیث سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو حالاں کہ علم ... مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ احادیث کی قلت اور کثرت در حقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں سند اور سند کسی راوی کے بدلنے سے حدیث کی گنتی اور تعداد بدل جاتی جب کہ نفس حدیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زائد نہیں ہے

احادیث صحیحہ کی تعداد:۔ امام ابو جعفر محمد بن الحسین البغدادی نے کتاب التمییز میں امام سفیان ثوری، امام شعبہ، امام یحییٰ، امام عبدالرحمن بن مہدی اور امام احمد بن حنبل کا متفقہ فیصلہ نقل کیا ہے۔

ان جملہ الاحادیث المسندہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الصحیحہ بلا تکرار اربعۃ آلاف و اربع مائۃ[1]

ترجمہ:۔ بلا شبہ وہ تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار حضور ﷺ سے مروی ہیں ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

چنانچہ ارباب صحاح نے بھی مذکورہ تعداد کے قریب قریب اپنی کتابوں میں احادیث کی تخریج کی ہے۔ چنانچہ حافظ عراقی نے صحیح بخاری کے مکررات نکال کر احادیث کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔

امام نووی نے بھی صحیح مسلم کی روایات کی تعداد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ و مسلم باسقاط المکرر نحو اربعۃ آلاف[1]

امام زرکشی نے سنن ابی داود کی احادیث کی تعداد چار ہزار آٹھ سو گنوائی ہے۔

بہرحال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت 80ھ اور امام بخاری کا سن ولادت 194ھ ہے دونوں کے درمیان 114 سال کے طویل عرصہ میں ایک حدیث کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کیا ہو گا۔ تو دونوں کے درمیان چھ لاکھ اور 70 ہزار کا جو فرق ہے وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی نے مسند ابی حنیفہ میں سند متصل یحییٰ بن نصر کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں ابو حنیفہ کے ایسے مکان میں داخل ہوا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا میں نے کہا یہ کیا ہے فرمایا یہ احادیث ہیں۔ میں نے ان میں سے تھوڑی سی بیان کی ہیں۔[1]

یحییٰ بن معین کہتے ہیں ابو حنیفہ ثقہ ہیں جو حدیث امام صاحب کو یاد ہوتی بیان کرتے جو یاد نہ ہوتی بیان نہیں

کرتے۔!!

امام بخاری کا زمانہ چونکہ اتباع تابعین کے بعد کا ہے۔ زمانے کی دوری کی وجہ سے ایک ایک حدیث کے ہزاروں طرق رونما ہو چکے تھے اس لئے خود ان کی کتاب بخاری ان کے اقرار کے مطابق چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب ہوئی ہے۔!! لیکن ابو حنیفہ کا زمانہ صحابہ اور کابر تابعین کا زمانہ ہے اس لئے یہاں طرق روایت میں وسعت نہیں۔ چنانچہ ابو بکر ابن محمد زرنجری لکھتے ہیں۔

انتخبت ابو حنیفۃ الآثار من اربعین الف حدیث۔!!

حافظ ابو یحیٰ زکریا بن یحیٰ نیشاپوری امام اعظم سے بالسند ناقل ہیں کہ میرے پاس حدیث کے صندوق بھرے ہوئے موجود ہیں۔ مگر میں نے تھوڑی سی حدیثیں نکالی ہیں۔ جن سے لوگ نفع اندوز ہوں گے!!

مسند امام شافعی اور ایک اہم نکتہ:۔ ایک مسند بھی امام شافعی کی طرف منسوب ہے۔ جس کی حقیقت یہ ہے کہ جن احادیث کو امام شافعی اپنے شاگردوں سے بیان کیا کرتے تھے۔ ان میں سے جس قدر حدیثیں، ربیع بن سلمان (شاگرد) بواسطہ امام شافعی سے ابو العباس محمد بن یعقوب اصم نے سنی تھیں۔ ان حدیثوں کو ابو جعفر محمد بن مطر نیشاپوری نے کتاب الام و مبسوط سے چھانٹ کر الگ جمع کر لیا تھا۔ چونکہ یہ کام ابو العباس محمد بن یعقوب اصم کی فرمائش سے وقوع میں آیا تھا۔ اس لئے وہی مسند امام شافعی کو طرف منسوب کی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ خود ابو العباس نے ان حدیثوں کو جمع کیا۔ اور محمد بن مطر صرف کاتب تھا۔ مگر یہ کتاب نہ مسندوں کے اطوار پر ہے نہ ابواب کی ترتیب اس میں ہے۔ کیونکہ مسند محدثین کی اصطلاح میں اس کتاب کو کہتے ہیں کہ جس کی احادیث کو صحابہ پر ترتیب دیں۔ مثلاً روایات ابو بکر الگ اور روایات عمر الگ لکھیں۔ چونکہ غیر مقلد امام ابو حنیفہ سے امام شافعی کو اچھا سمجھتے ہیں اس لئے وہ مسند امام شافعی پر اعتراض نہیں کرتے۔ ورنہ طریقہ جمع احادیث میں مسند امام اعظم اور مسند امام شافعی میں کوئی فرق نہیں۔

یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اساتذہ میں سے عبدالکریم بن ابی المخارق ضعیف تھے۔ یہ نام کی غلط فہمی تھی کیونکہ عبدالکریم الجزری بھی ایک بزرگ تھے۔ اور اتفاق سے دونوں بعض مشائخ میں شریک تھے۔ ورنہ عبدالکریم بن المخارق کی روایات بخاری میں تعلیقاً موجود ہیں۔ جن کا درجہ موصول کے برابر تسلیم کیا گیا۔ ورنہ بخاری کی وہ حدیثیں بھی ضعیف تصور کی جانی چاہئیں۔ عبدالکریم بن المخارق سے موطا میں روایت موجود ہیں۔ امام مالک

کی تصریح یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جس کو داخل کیا ہے وہ ثقہ ہے ضعیف نہیں۔

سوال ہے کیا کوفہ اور عراق کی حدیثیں مشکوک ہیں؟ جواب۔ پہلے حدیث کی کتابوں سے صرف حجاز کی روایت چھوڑیں باقی نکال دیں۔ پھر حجاز کی حدیثوں میں جن کے راوی عراقی کوئی بصری ہو نکال دیں۔ پھر راویوں پر جرح کریں۔ جو معیار پر اتریں ان کو شمار کریں۔ اور بتائیں کہ پیچھے کیا رہ گیا ہے؟ شمائل ترمذی' جز القراء للبخاری اور نسائی کے راوی ابو حنیفہ کے نام پر (شم' ز' ش) علامت موجود ہے۔ (تقریب خلاصہ تہذیب)

امام بخاری' اور ائمہ اربعہ کے تعلقات:۔ بخاری اور مسلم دونوں نے ابو حنیفہ اور شافعی سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ احمد بن حنبل سے بخاری نے دو اور امام مالک سے پانچ روایات بخاری میں لی ہیں۔

امام بخاری کے ثلاثیات 22 ہیں۔ جن میں گیارہ ثلاثیات کے راوی ابراہیم کی ہیں۔ جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں۔

امام بخاری کے ان راویوں پر نص موجود ہے۔

1- جریر بن حازم۔ غلطی کرتا تھا۔ امام احمد بن حنبل

2- قبیصہ بن عقبہ۔ غلطی کرتا تھا۔ امام احمد بن حنبل

وضاح بن عبداللہ۔ غلطی کرتا تھا۔ ابو حاتم

4- سلیمان بن حیان۔ حافظ کمزور تھا۔ ابو داود

5- عبدالعزیز بن حجر۔ غلطی کرتا تھا۔ ابو زرعہ

امام نسائی نے کتاب الضعفاء مطبوعہ اللہ آباد ص 35 میں لکھتے ہیں۔ و ابو حنیفہ لیس قوی فی الحدیث لیکن نسائی میں امام ابو حنیفہ کی روایت عاصم سے قبول کی ہے۔ و فی کتاب النسائی حدیثہ عن عاصم عن ابی عباس قال لیس علی من اتی البہیمہ۔ تہذیب التہذیب

اگر واقعی نسائی کے نزدیک امام صاحب قوی نہ تھے تو ان سے روایت کیوں لی۔ اور اپنی کتاب کو صحیح کیوں کہا؟

حضرت عمر سے 545

حضرت علی سے 586

ابن مسعود سے 848 حدیثیں روایت ہیں۔

جب کہ امام ابو حنیفہ کے مسائل تراسی ہزار تھے بلکہ دوسری روایت کے مطابق بارہ لاکھ تھے۔

صحیح بخاری کے راوی۔ جن پر جرح کی جا سکتی ہے اور ان کی تفصیل یوں ہے

مرجیہ 13

شیعہ 2

قدریہ 28

ناصبیہ 5

بحوالہ مقدمہ فتح الباری ابن حجر عسقلانی

مقدمہ فتح الباری اور میزان الاعتدال میں بخاری کے مجروح راویوں کی تعداد 100 ہے خود بخاری نے اپنے راویوں سے روایت کی اور ان پر جرح بھی کی۔

اسید بن زید' ایوب بن عائذ' ثابت بن محمد' زبیر بن محمد' زیاد بن ربیع' عطاء بن میمونہ' قیس بن منھالہ

امام مسلم نے بخاری سے صحیح مسلم میں ایک روایت بھی نقل نہیں کی اور بخاری پر تنقید کی۔

بخاری نے ذہبی سے 30 حدیثیں لیں۔ لیکن نام چھپاتے رہے۔ کہیں محمد' کہیں محمد بن یحییٰ کہیں محمد بن عبداللہ بیان کرتے رہے۔

امام مالک اور امام ابو حنیفہ رافضی شیعہ سے روایت نہ لیتے تھے۔!!

بخاری نے عباد بن یعقوب سے روایت کی اور اس پر تہمت ہے۔

محمد بن زیادہ ناصبی تھے۔

جریر بن عثمان ناصبی تھے۔

بخاری اور مسلم

دونوں نے حدیث روایت۔ حالانکہ محمد بن حازم اور عبیداللہ بن موسیٰ۔

دونوں شیعہ تھے!!

بخاری کے صرف تلامذہ میں سے چار تلامذہ کا آگے حدیث کی روایت کرنے کا سلسلہ چلا۔ باقیوں کا سلسلہ روایت موجود نہیں۔

جب کہ موطا کے راوی 16 ہیں۔

امام ابو حنیفہ کی روایت 17 تلامذہ کرتے ہیں۔

صحیح مسلم کی شہرت اگرچہ تواتر کی حد تک پہنچی ہے۔ لیکن مسلم کی روایت کا سلسلہ جس ہستی پر چلا وہ حنفی تھا اور اس کا نام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد تھا۔[11]

خطیب بغدادی کے شاگرد حافظ ابو نعیم اصفہانی کے مطابق امام ابو حنیفہ نے مندرجہ ذیل صحابہ سے حدیث سنیں۔

- انس بن مالک
- عبداللہ بن حارث
- عبداللہ بن ابی اوفیٰ

خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

حدیث کے مشہور امام چار ہیں۔

مدینہ میں سعید بن مسیب

کوفہ میں شعبی

بصرہ میں حسن بصری

شام میں مکحول۔[11]

امام ابو حنیفہ امام شعبی کے درس میں سنہ 100ھ میں بیس سال کی عمر میں داخل ہوئے۔

امام شعبی امام ابو حنیفہ یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔

ابو حنیفہ عن الشعبی عن المغیرہ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الخفین۔[12]

اس حدیث کو حارثی کے علاوہ حافظ طلحہ بن محمد، حافظ حسین بن محمد، حافظ ابو بکر بن عبدالباقی اور امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کیا۔ اسی حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا۔ اسی حدیث کو مسلم نے ذکر کیا۔ شعبی تیسرے طبقہ کے حافظ ہیں۔[13]

یہاں ہم امام صاحب کے تلامذہ محدثین کے کچھ نام لکھتے ہیں ساتھ ہی ان کتب کا حوالہ بھی دیا جا رہا ہے جن میں ان کی روایات کو جگہ ملی۔

تلامذہ محدثین امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ:۔ 1- عبداللہ بن مبارک۔ خلیلی نے کہا کہ متفق علیہ امام ہیں۔ نسائی۔ کہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے بزرگ اور صاحب اخلاق حمیدہ ہیں۔ نوویؒ کہ امامت و جلالت پر اجماع ہے۔ امام احمدؒ کہ امام وقت و افضل المحدثین تھے اور کل احادیث ازبر تھیں۔ باجود اس کے کہا کرتے تھے کہ امام صاحب کے علوم کی طرف ہر محدث محتاج ہے۔ اور بعد تکمیل احدیث امام صاحب کے ساتھ آخر عمر تک رہے۔

تلامذہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کا تقابلی مطالعہ

مقری:۔ محدثین میں شیخ الاسلام اور امام سمجھے جاتے تھے۔ امام صاحب کے شاگرد تھے اور ان کو شاہ مرداں کہا کرتے تھے۔

ابراہیم بن طہمان:۔ تذکرہ میں ہے کہ الامام الحافظ کہے جاتے تھے۔ امام احمد کی مجلس میں ذکر آتا تو سیدھے ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔ تذکرہ و تبیض الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

یزید بن ہارون:۔ تذکرہ میں الامام القدوہ شیخ الاسلام۔ 40 سال عشاء کے وضو سے نماز صبح ادا کی۔ تلامذہ کا شمار نہیں ستر ہزار ایک وقت میں ہوتے تھے تذکرہ و تبیض الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد تھے اور سب اساتذہ پر ترجیح دیتے تھے۔ کہ ان کا مثل بہت تلاش کیا مگر نہ ملا۔

حفص بن غیاث:۔ کردری نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے امام صاحب سے ان کی کتابیں اور آثار سنے ہیں۔ خطیب کا بیان ہے کہ امام صاحب کے مشہور شاگردوں میں ہیں۔

ابو عاصم الضحاک النبیل:۔ تذکرہ میں ہے کہ الحافظ اور شیخ الاسلام کہے جاتے تھے۔ تہذیب الکمال و تبیض میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ:۔ تذکرہ الحفاظ میں صاحب ابی حنیفہ کا لقب دیا ہے مدت تک ساتھ رہے اور لکھنے کا

کام سپرد تھا

یحیٰ بن سعید القطان:۔ حلقہ درس میں شرکت کرتے۔ اکثر اقوال لئے امام صاحب کے قول پر فتوی دیتے حالانکہ سید الحفاظ تھے۔

عبدالرزاق بن ہمام:۔ تذکرہ میں الحافظ الکبیر۔ امام بخاری نے ان کی کتاب سے استفادہ کیا۔ ذہبی نے اس کتاب کو علم کا خزانہ کہا۔ تہذیب الکمال و تبییض الصحیفہ میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد تھے صحاح ستہ میں ان سے روایات ہیں۔

اسحق بن یوسف ازرق:۔ تہذیب الکمال و تبییض الصحیفہ میں ہیکہ امام صاحب کے شاگرد ہیں صحاح ستہ میں ان سے روایات ہیں۔

جعفر بن عون۔ خیرات حسان	ترمذی ابن ماجہ میں
حارث بن نبھان۔ تہذیب التہذیب	ترمذی ابن ماجہ
حیان بن علی العنبری۔	ابن ماجہ میں ان سے
حماد بن دلیل۔	ابو داود میں
حفص بن عبدالرحمن البلخی۔	نسائی میں
حکام بن مسلم الرازی۔	مسلم وغیرہ میں
حمزہ بن حبیب الزیات قاری۔ تہذیب الکمال	
خارجہ بن مصعب الضبعی۔	ترمذی، ابن ماجہ میں
داود بن نصیر الطائی۔ نخبات الانس جامی	نسائی میں ان سے
زید بن حباب عکلی۔ تہذیب التہذیب	مسلم وغیرہ میں
شعیب بن اسحق بن عبدالرحمن الدمشقی۔	بخاری و مسلم میں
صباح بن محارب۔	ابن ماجہ
صلت بن الحجاج الکوفی۔ تہذیب الکمال	بخاری

عائذ بن حبیب العبسی یہ نسائی و ابن ماجہ میں روایات ہیں۔ تہذیب الکمال، تبییض الصحیفہ، تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

عباد بن العوام۔ صحاح ستہ میں تہذیب الکمال و تبییض خیرات

عبدالحمید بن عبدالرحمن الحمانی۔ بخاری و مسلم وغیرہ تہذیب التہذیب

عبدالعزیز بن خالد بن زیاد ترمذی۔ نسائی میں

عبدالکریم بن محمد الجرجانی۔ ترمذی میں

عبدالعزیز بن ابی رواد۔ بخاری وغیرہ میں

عبیداللہ بن عمرو الرقی۔ صحاح ستہ میں

عبیداللہ بن موسی۔

علی بن ظبیان الکوفی۔ ابن ماجہ میں خلاصہ

علی بن عاصم الواسطی۔ ابو داود، ترمذی میں

علی بن مسہر۔ صحاح ستہ میں ان سے

ابو نعیم الفضل بن دکین

الفضل بن موسی السینانی۔ اسحق بن راہویہ نے فرمایا کہ میرے اساتذہ میں کوئی ان سے اوثق نہیں

عبدالوارث بن سعید۔ صحاح ستہ میں ان سے روایات ہیں۔ تہذیب الکمال تبییض الصحیفہ میں ہے کہ

القاسم بن الحکم العرنی۔ ترمذی میں تہذیب التہذیب

القاسم بن معن المسعودی۔ نسائی میں

قیس بن الربیع۔ ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ

محمد بن بشر العبدی۔ صحاح ستہ میں ان سے

محمد بن الحسن بن آتش الصنعانی۔ مسند امام احمد میں

محمد بن خالد الوہبی۔ ابو داود، ابن ماجہ وغیرہ تہذیب التہذیب

محمد بن عبدالوہاب العبدی۔ ترمذی، نسائی میں

نام المسند	[illegible]
محمد بن یزید الواسطی۔	ترمذی' نسائی میں
مروان بن سالم۔	نسائی میں روایات ہیں
مصعب بن مقدام۔ مسلم' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ میں	تہذیب التہذیب
المعافی بن عمران الموصلی۔	بخاری' ابو داود' نسائی۔
مکی بن ابراہیم البلخی۔	صحاح ستہ میں روایات ہیں۔ تہذیب التہذیب

النعمان بن عبدالسلام الاصبہانی۔ ابو داود' نسائی میں ان سے روایات ہیں' تہذیب الکمال' تبییض الصحیفہ اور تہذیب التہذیب میں ہے کہ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

نوح بن دراج القاضی۔	تہذیب الکمال' تبییض الصحیفہ و تہذیب التہذیب
نوح بن ابی مریم۔	
ہریم بن سفیان ہیں	صحاح ستہ میں روایات ہیں۔
ہوذہ بن خلیفہ۔	ابو داود میں
ہیاج بن بسطام الرجمی۔	ابن ماجہ میں
یحییٰ بن یمان۔	بخاری و مسلم میں
یزید بن زریع۔	صحاح ستہ میں
یونس بن بکیر۔	مسلم' ابو داود وغیرہ
ابو اسحق الفزاری۔	صحاح ستہ میں
موسیٰ بن نافع ابو الشہاب الاکبر الحناط۔	بخاری و مسلم وغیرہ
حماد بن زید۔	صحاح ستہ سفیان ثوری ان کے سامنے دوزانوں ہوتے تھے۔ خیرات میں بحوالہ ابن مدینی حدیث میں امام تھے۔

یحییٰ بن القطان۔ سید الحفاظ تھے' صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں' امام احمد' امام یحییٰ بن معین' ابن المدینی وغیرہ اکابر محدثین کے شیخ ہیں۔ ابن المدینی (شیخ کبیر امام بخاری کا قول ہے کہ یحییٰ القطان سے بڑا رجال کا عالم میں نے نہیں دیکھا۔ یہ بھی امام صاحب کے شاگرد اور ان کے مذہب کے متبع تھے[2]

تلامذہ کی عظمت کا اندازہ ان کے اساتذہ سے ہوتا ہے۔ امام بخاری کے اساتذہ کا اولین طبقہ تابعین تھے۔ اور وہ یہ تھے۔

1- مکی بن ابراہیم جن کے 11 ثلاثیات ہیں۔

2- ابو عاصم النبیل جن کے 5 ثلاثیات ہیں۔

3- عبیداللہ بن موسی جب 3 ثلاثیات ہیں۔

4- ابو نعیم الفضل بن دکین جب کے 2 ثلاثیات ہیں۔

5- خلاد بن یحییٰ جن کی 1 حدیث ثلاثی ہے۔

ان تمام میں سوائے خلاد بن یحییٰ کے سب کے سب امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں۔ گویا بائیس میں سے اکیس ثلاثیات امام اعظم کے شاگرد تھے اور امام بخاری کے استاد تھے۔ جب کہ امام ابو حنیفہ کے استاد چار ہزار تھے۔ امام بخاری فرماتے ہیں میں نے 1080 حضرات سے حدیث لکھی جن میں محدث صرف ایک تھا۔ جب کہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام علی بن عاصم واسطی عراقی کے حلقہ میں تیس ہزار شاگرد تھے۔ اور امام عاصم بن علی جن کا لقب ابو الحسین سنہ 220 ہیں۔ امام علی بن عاصم کے بیٹے ہیں۔ اور یہ امام بخاری کے استاد بھی ہیں۔ ان کے شاگردوں کا حلقہ ایک لاکھ ہوتا تھا۔

امام ابو حنیفہ کے ایک اور شاگرد یزید بن ہارون کے شاگردوں کا حلقہ ستر ہزار بتایا گیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے اساتذہ کا پہلا طبقہ صحابہ کرام تھے۔ چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی نے تبییض الصحیفہ میں حضرت انس کی حدیث کا حوالہ دیا ہے جو امام صاحب کی روایت ہے اس روایت میں 16 طرق ہیں۔ ان طرق کے اکابر یہ ہیں۔ ابی بن کعب۔ جابر۔ حذیفہ۔ حسین بن علی۔ سلمان۔ سمرہ۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ ابن مسعود۔ علی۔ عمادیہ۔ سیدہ۔ ابو سعید۔ ابو ہریرہ۔ عائشہ۔ ام ہانی۔ حضرت انس بصرہ کے رہائشی تھے۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ میں بیس سے زیادہ بار بصرہ گیا ہوں۔ تاکہ انس کی زیارت ہوتی رہے۔

1- حماد بن مسلم ابو سلیمان ان حضرات کے شاگرد ہیں لیکن ان میں ابراہیم نخعی زیادہ مشہور تھے۔

انس بن مالک

زید بن وہب

سعید بن المسیب

سعید بن جبیر

عکرمہ مولی ابن عباس

ابو وائل

ابراہیم نخعی

عبداللہ بن برید

عبدالرحمن بن سعد

2- حماد بن مسلم ابو سلیمان ان حضرات کے استاد ہیں۔

عاصم

شعبہ

سفیان ثوری

حماد بن سلمہ

مسعر بن کدام

ابو حنیفہ نعمان

سلیمان بن مہران

3- حماد بن مسلم ابو سلیمان سے مندرجہ ذیل حضرات نے حدیثیں روایت کی ہیں۔

امام مسلم

امام ترمذی

امام ابن ماجہ

4- امام ابو حنیفہ کو کل چار ہزار احادیث ہیں۔ ان میں دو ہزار حماد سے اور دو ہزار باقی تمام اساتذہ سے حاصل کیں۔[13]

تلامذہ محدثین و اصحاب امام اعظم رضی اللہ عنہ۔ جامع مسانید امام اعظم جلد دوم میں امام صاحب کے ان تلامذہ کے اسماء گرامی پھیلے ہوئے ہیں جن کو صاحب جامع نے اصحاب الامام لکھ کر ممتاز حیثیت دی ہے۔ اور بعض ان کی حالات قدر کی طرف بھی اشارات کئے ہیں۔ مثلاً وہ شیوخ اصحاب صحاح ستہ یا شیوخ بخاری و مسلم میں سے ہیں۔ ساتھ ہی امام صاحب کے اصحاب نہیں ہے اور امام صاحب کی اسانید کے رواۃ میں سے بھی ہیں۔ کچھ نام ان میں سے یہاں بھی درج کرتے ہیں۔

محمد بن ربیعہ۔ ابو عبداللہ الکلابی الکوفی	یروی عن الامام فی المسانید
محمد بن خازم ابو معاویہ الضریر۔ (راوی صحاح ستہ)	ولادت سنہ 113ھ وفات سنہ 195
محمد بن فضیل بن غزوان الکوفی۔	سنہ 195ھ
محمد بن عمرو الواقدی مدنی قاضی بغداد۔	(ابن ماجہ) سنہ 207
محمد بن جابر الیمامی۔	(ابو داود و ابن ماجہ)
محمد بن حفص بن عائشہ۔	یروی عن الامام فی المسانید
محمد بن ابان ابو عمر۔	
محمد بن خالد الوہبی الحمصی الکندی	کثیراً
محمد بن یزید بن مدمج الکوفی	
محمد بن صبیح بن السماک الکوفی۔ ابو العباس	
محمد بن سلیمان ابن حبیب ابو جعفر البغدادی	
محمد بن سلمہ الحرانی ابو عبداللہ	وفات سنہ 191
محمد بن عبید ابو عبداللہ الطنافسی الکوفی الاحدب	سنہ 203ھ سمع الامام و روی فی
محمد بن جعفر ابو عبداللہ البصری (غندر) شیخ مشائخ البخاری و مسلم و شیخ احمد	روی عن الامام فی
محمد بن یعلی السلمی الکوفی۔	
محمد بن الزبرقان ابو ہمام الاہوازی	

اسم تلمیذ　　　　　　　　　　　　تحریر اساسی روایت

محمد بن الحسن الواسطی　　　　کتب عنہ البخاری اول سنہ انحدرانی البصرہ

محمد بن بشیر ابو عبداللہ الکوفی　　　　وفات سنہ 203ھ

محمد بن الفضل بن عطیہ المروزی

محمد بن یزید للواسطی ابو سعید الکلاعی　　　　سنہ 188ھ

محمد بن الحسن المدنی

محمد بن عبدالرحمن ابو عمرو القرشی الکوفی القاضی　　　　روی عنہ الثوری و مع جلالہ قدرہ

محمد بن احق بن یاسر بن خیار المدنی (صاحب المغازی) طول الخطیب فی الحراء علیہ ثم حکی فیہ طعنا کما فعل باجلہ العلماء

محمد بن میسر ابو سعد الجعفر اصلاغانی　　　　روی عن الامام کثیرا" فی ہذہ المسانید

ابراہیم بن محمد ابو احاق الفزاری　　　　ولادت سنہ وفات سنہ 186ھ یروی عن الامام فی المسانید

من شیوخ شیخ البخاری و مسلم و من شیوخ الامام الشافعی روی عنہ فی مسندہ الکبیر

ابراہیم بن میمون ابو احق الخراسانی　　　　و یروی عن الامام فی المسانید

ابراہیم بن طہان الخراسانی　مع جلالہ قدرہ　　　　کثیرا"

ابراہیم الجراح　قاضی مصر' اخو وکیع بن الجراح' روی کثیرا" عن ابی یوسف و

ابراہیم بن المختار

اسماعیل بن عیاش بن عیب الحمصی العنسی　وفات سنہ 181ھ　　　　وہو من کبار محدثی تابعی التابعین

ابراہیم بن سعید بن ابراہیم القرشی المدنی　وفات سنہ 183ھ　　　　یروی عن الامام فی المسانید

ابراہیم بن عبدالرحمن الخوارزمی

اسماعیل بن ابی زیادہ　من اصحاب الامام

اسماعیل بن موسی الکوفی الفزاری　وفات سنہ 145ھ

اسماعیل بن یحییٰ بن عبداللہ بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ (کوفی)

احق بن یوسف الواسطی　مع جلالہ قدرہ ہو کونہ من شیوخ احمد و یحییٰ بن معین و ہو شیخ بعض شیوخ البخاری و مسلم

وفات سنہ 195ھ　　　　یروی منہ الاحادیث الکثیرہ

[illegible]

[illegible]

اسحٰق بن حاجب بن ثابت العدل۔ وفات سنہ 199ھ

اسحٰق بن بشر البخاری من فرباء بخاری

اسباط بن محمد بن عبدالرحمٰن القرشی مع کونہ من شیوخ شیوخ البخاری و مسلم

وفات سنہ 186ھ ومن شیوخ الامام احمد و یحییٰ بن معین

اسد بن عمرو البجلی وفات سنہ 190ھ یروی عن الامام کثیراً مع کونہ من شیوخ احمد و امثالہ من صغار اصحاب

ابو بکر بن عیاش نام سے مشہور نہیں ہیں اور نام متعین بھی نہیں۔ وفات سنہ 193ھ۔ امام اعظم مخرج عنہ کثیر فی البخاری و مسلم و یروی عن الامام الخ۔

اسرائیل بن یونس بن ابی اسحٰق السبیعی۔ ولادت سنہ 100ھ وفات سنہ 160ھ' 161ھ

ائمہ الحدیث و من شیوخ شیوخ الشیخین یروی عن الامام الخ وھو من شیوخ احمد ایضاً"

ابان بن ابی عیاش البصری من کبار اصحاب الحسن البصری یروی عن الامام فی المسانید

ایوب بن ہانی

احمد بن ابی طیبہ

اسماعیل بن ملحان

اسماعیل بن بیاع السابری

اسماعیل بن طہمان

اخضر بن حکیم

الیسع بن طلحہ

ابراہیم بن سعید

ابیض بن الاغر

اسحٰق بن بشیر البخاری وفات سنہ 206ھ

قال الخطیب روی عنہ جماعت من الخراسانی و قال اقدمہ ہارون الرشید بغداد فحدث بہا۔

بکر بن خنیس یروی عن الامام فی المسانید

بشر بن المفضل البصری وفات سنہ 187ھ

بکیر بن معروف الاسدی الدمشقی قاضی نیشاپوری وفات سنہ 163ھ

بلال بن ابی بلال مرداس انفزاری۔ مع انہ شیخ شیخ البخاری

بشیر بن زیاد

بشار بن قیراط

بقیہ بن الولید الکلاعی الحضرمی وفات سنہ 177

جنادہ بن مسلم العامری الکوفی یروی عن الامام فی المسانید

جارود بن یزید ابو علی العامری النیشاپوری

جریر بن عبدالحمید الکوفی الرازی وفات سنہ 187ھ

جعفر بن عون الحریثی الکوفی وفات سنہ 207ھ

جریر بن حازم البصری وفات سنہ 170 مع جلالہ قدرہ

حماد بن زید ابو اسماعیل الازرق وفات سنہ 179ھ یروی کثیرا"

حماد بن اسامہ الکوفی

حماد بن زید البصری

حماد بن یحیٰ ابو بکر الابح

حسن بن صالح بن حی الکوفی ولادت سنہ 100ھ وفات سنہ 167ھ

الحسن بن عمارہ (خت، ت، ق) وفات سنہ 153ھ یروی کثیرا"

حفص بن غیاث النخعی الکوفی من کبار اصحاب الامام وفات سنہ 196ھ (من رجال الستہ)

حاتم بن اسماعیل الکوفی سکن المدینہ وفات سنہ 187ھ

حسان بن ابراہیم الکرمانی

حمزہ بن حبیب ال۔مقری الکوفی وفات سنہ 156ھ، 158ھ یروی کثیرا"

حمید بن عبدالرحمن الکوفی

الحسن بن الحسن بن عطیہ العوفی الکوفی وفات سنہ 211ھ
حکیم بن زید قاضی مرو و من اصحاب الامام
الحسن بن فرات التیمی — یروی کثیرا"
حبان بن سلیمان الجعفی الکوفی — یروی عن الامام فی المسانید
حسین بن الولید النیشاپوری القرشی وفات سنہ 203ھ
حسن بن الحر الکوفی
حریث بن نبہان
حسن بن بشری الکوفی وفات سنہ 221ھ
حسین بن علوان الکلبی
الحسن بن المسیب وہو معروف عند اصحاب الحدیث
خالد بن عبداللہ الواسطی — ممن یروی الکثیر عن الامام فی المسانید
وفات سنہ 192ھ — و ھو من شیوخ الامام احمد
خالد بن خداش المہلبی وفات سنہ 223ھ — قلیلا" و کثیرا" عن اصحاب الامام و
خالد بن سلیمان الانصاری — یروی عن الامام و شیخ شیخ البخاری
خلف بن خلیفہ بن صاعد الاشجعی — و ھو من شیوخ شیوخ البخاری و مسلم
خارجہ بن مصعب ابو الحجاج الخراسانی الضبعی
خارجہ بن عبداللہ بن سعد بن ابی الوقاص من اہل المدنیہ — یروی عن الامام فی المسانید
خاقان بن الحجاج — من کبار العلماء
خلف بن یاسین بن معاذ الزیات — من اصحاب الامام
خویل الصفار (و قیل خویلد الصفار) — و قال البخاری ھو خلاد الصفار الکوفی
خالد بن عبدالرحمن السلمی
داود الطائی (زاہد ہذہ الامہ) انہ من اجلاء اصحاب الامام — و روی عنہ فی المسانید کثیرا" وفات سنہ 160ھ

نام المسند	[illegible]
داود بن عبدالرحمن المکی	و روی عنہ الامام ایضاً"
داود الزبرقان	مع جلالہ قدرہ و تقدمہ
داود بن المحبر الطائی البصری	وفات سنہ 206ھ
زکریا بن ابی زائدہ الھمدانی الکوفی	کثیراً" مع جلالہ قدرہ و تقدمہ و کونہ من شیوخ شیوخ الشیخین
زہیر بن معاویہ الدیج الکوفی	
زائدہ بن قدامہ الثقفی الکوفی	مع تبحرہ فی علوم الحدیث
زافر بن ابی سلیمان الایادی القوہستانی قاضی بجستانی	روی عن الامام فی المسانید
زید بن الحباب بن الحسن التیمی الکوفی	روی عن الامام کثیراً" مع جلالہ و کونہ شیخ احمد و امثالہ کثیراً"
زہیر بن سعید الہاشمی القرشی	
زکریا بن ابی العتیک	
نافع المقری المدنی	
نعیم بن عمر المدنی	
نوح بن دراج الکوفی (قاضی الکوفہ وفات سنہ 182ھ	
نوح بن ابی مریم الکوفی	
نصر بن عبدالکریم البلخی وفات سنہ 199ھ	صاحب مجلس الامام
نعمان بن عبدالسلام ابو المنذر	

ضروری ارشادات:- 1- علامہ موفق نے لکھا کہ مشائخ اسلام میں سے مختلف اطراف و اکناف کے سات سو مشائخ نے امام صاحب سے روایت حدیث کی یعنی چھوٹوں کا ذکر نہیں کیا وہ تو ہزاراں ہزار ہوں گے۔ حالانکہ اس زمانہ کے چھوٹے بھی بعد کے محدثین کے کبار شیوخ ہوئے ہیں۔

2:- علامہ مزی نے تہذیب الکمال میں 95 شیوخ حدیث کے نام گنائے جو امام صاحب کے حدیث میں شاگرد تھے۔ اور غالباً" وہ وہی ہیں جن کے اسماء گرامی علامہ سیوطی نے تبییض الصحیفہ بمناقب الامام ابی حنیفہ میں لکھے ہیں۔

3:- حافظ ابن حجر نے اپنی روایتی عصبیت کو کام میں لا کر ان شیوخ کی تعداد صرف 23 دکھلائی اور بڑے بڑے محدثین جیسے ابن مبارک، داؤد طائی وغیرہ کے نام حذف کر دیئے۔

4:- حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں بطور مثال 8 فقہاء اور 8 کبار محدثین حفاظ حدیث کا ذکر کیا اور کثیر ایسے سے کیا کہ ان کے علاوہ اُن جیسے بہت ہیں۔

5:- علی بن المدینی (شیخ کبیر امام بخاری) نے فرمایا کہ امام صاحب سے ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن العوام اور جعفر بن عون نے روایت حدیث کی۔

6:- امام بخاری نے مزید اختصار کر کے لکھا کہ امام ابو حنیفہ سے عباد بن العوام، ہشیم، وکیع، مسلم بن خالد، ابو معاویہ مقری نے روایت حدیث کی اور تاریخ میں یہ بھی لکھ گئے کہ امام صاحب کی حدیث سے لوگوں نے سکوت کیا۔ حالانکہ چند بڑوں کے نام تو انہوں نے خود بھی لکھے جنہوں نے بقول امام بخاری ہی امام صاحب کی حدیث روایت کی، پھر سکوت کا دعویٰ کیسے صحیح ہوا۔ دوسرے ابن مبارک اور ثوری جیسے ائمہ حدیث کی روایت حدیث کی شہادت ان کے شیخ اعظم علی ابن المدینی نے پیش کر دی۔ امام بخاری کو کیا خبر تھی کہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب کو حدیث کے میدان سے نکال کر دور پھینکنے کی مہم جو ان سے بلکہ ان کے شیخ حمیدی وغیرہ سے شروع ہو کر حافظ ابن حجر وغیرہ سے پاس ہو کر اس دور کے متعصب غیر مقلدین تک پہنچی وہ نہ صرف ناکام ہو گی بلکہ اس سے حدیث کو بھی نقصان پہنچے گا۔ جس کی تلافی ناممکن ہو گی۔ واللہ المستعان۔

امام اعظم ابو حنیفہ کا علمی رشتہ اپنے ہمعصر محدثین کے ساتھ اور اپنے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اور اپنے شاگردوں کے ساتھ رہا ہے۔ آئندہ صفحات میں اس تعلق کو جدول کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے۔ لہٰذا آپ جدول نمبر1 سے لے کر جدول نمبر10 کو ملاحظہ فرمائیں۔

چارٹ - ۱
امام اعظم
ابوحنیفہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ
عبداللہ بن المبارک
یحییٰ بن زکریا
حفص بن غیاث
عبداللہ بن یزید
ابراہیم بن طہمان
۱- عبدالرحمٰن بن مہدی
۲- یحییٰ بن معین
۳- ابوبکر بن ابی شیبہ
۴- احمد بن حنبل
۱- ابوکریب
۲- یعقوب
۳- ابراہیم بن موسیٰ
۱- اسحاق بن راہویہ
۲- عثمان بن ابی شیبہ
۳- علی بن المدینی
۴- یحییٰ بن معین
۱- احمد بن حنبل
۲- بخاری
۳- الحارث بن محمد
۴- اسحاق
۱،۲- بخاری و مسلم
۳- ابوداؤد
۴- ترمذی
۵- نسائی
۶- ابن ماجہ

چارٹ - 2
امام اعظم
ابوحنیفہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ
مکی بن ابراہیم
ابوعاصم النبیل
یزید بن ہارون
وکیع بن الجراح
علی بن مسہر
1- الکدیمی
2- یحیی بن معین
3- الذہلی
4- عباس الدوری
1- الدارمی
2- ابومسلم الکجی
3- الحارث ابن ابی اسامہ
1- عبد بن حمید
2- ابوخیثمہ
3- ابوبکر بن ابی شیبہ
1- ابوکریب
2- علی بن المدینی
1- علی بن حجر
2- ہناد بن السری
3- سوید بن سعید

چارٹ - 3

امام اعظم
ابو حنیفہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ
عبداللہ ابن المبارک
امام داؤد الطائی
یحییٰ بن سعید القطان
عبدالرزاق
امام محمد
قاضی ابو یوسف
زفر
امام شافعی
امام مزنی
امام طحاوی
امام طبرانی
حسن بن زیاد
یزید بن ہارون
ابو نعیم الاصفہانی
الخطیب البغدادی
امام احمد بن حنبل
علی بن المدینی
یحییٰ بن معین - امام بخاری - امام مسلم - امام ابوداؤد
ترمذی
نسائی

چارٹ - 4

امام اعظم
ابو حنیفہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ
عبد اللہ المبارک
عبد الرحمٰن بن مہدی، اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، یحییٰ الذہلی
یحییٰ بن معین: امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، ابوزرعہ
عبد اللہ بن یزید المقری
امام احمد: امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابوزرعہ، ابوالقاسم البغوی
امام بخاری: محمد بن نصر مروزی، جزرہ، مطین، ابن خزیمہ
ابو عاصم النبیل
الرازی: مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، جعفر الفریابی
ابومسلم الکجی: ابوبکر القطیعی، ابوالقاسم الطبرانی، النجاد
الکدیمی: ابن الانباری، ابوبکر القطیعی
مکی بن ابراہیم
الذہلی: ابوزرعہ، ابن خزیمہ، السراج، بخاری
ابوکریب: بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ
یحییٰ بن زکریا
یعقوب بن ابراہیم، یحییٰ بن صاعد، قاسم المطرز

چارٹ - 5

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حفص بن غیاث
- اسحاق ابن ابراہیم : بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی
- عثمان بن ابی شیبہ : ابویعلیٰ، جعفر الفریابی، نسائی، ابن ماجہ

ابراہیم بن طہمان
- بخاری : محمد بن نصر مروزی، ابن خزیمہ، صالح بن [illegible]
- نسائی : ابو بشر الدولابی، ابوالقاسم، البغوی

وکیع بن الجراح
- علی ابن المدینی : ذہلی، بخاری، ابویعلیٰ
- ابوبکر بن ابی شیبہ : ابوزرعہ، بقی بن مخلد، الفریابی

علی بن مسہر
- علی بن حجر : بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی
- ہناد بن السری : ابوزرعہ، ابوالعباس، عبدان

مسعر بن کدام
- یحییٰ ابن آدم : احمد، اسحاق، عبد بن حمید، حسن بن علی
- ابونعیم : محمد بن یحییٰ الذہلی، بخاری، دارمی، [illegible]

چارٹ - ۸

امام بیہقی
دارقطنی
ابن خزیمہ
بخاری
ابن ماجہ
ترمذی
امام احمد
مسلم ترمذی
عبد بن حمید
احمد بن حنبل
یزید بن ہارون
دارمی
ابو عاصم
ابو یعلی الموصلی
یحییٰ بن معین
عبدالرزاق
ابوعبدالرحمان المقری
امام اعظم
ابوحنیفہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حماد
عبدالرحمن بن ہرمز
عطاء بن ابی رباح
عمرو بن دینار
عامر بن شراحیل
ابراہیم
علقمہ
ابوہریرہ
ابوسعید خدری
ام سلمہ
عائشہ
ابن عباس
ابن عمر
علی
عمران بن حصین
عبداللہ بن مسعود
عبداللہ بن عمر
ابن عباس
جابر
جریر۔ عدی
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

چارٹ - 9

محدثین اصحاب کتب امام اعظم سے روایت کرتے ہیں۔

رضی اللہ عنہ
ابو حنیفہ
امام الائمہ
بخاری
ترمذی
ابن ماجہ
نسائی
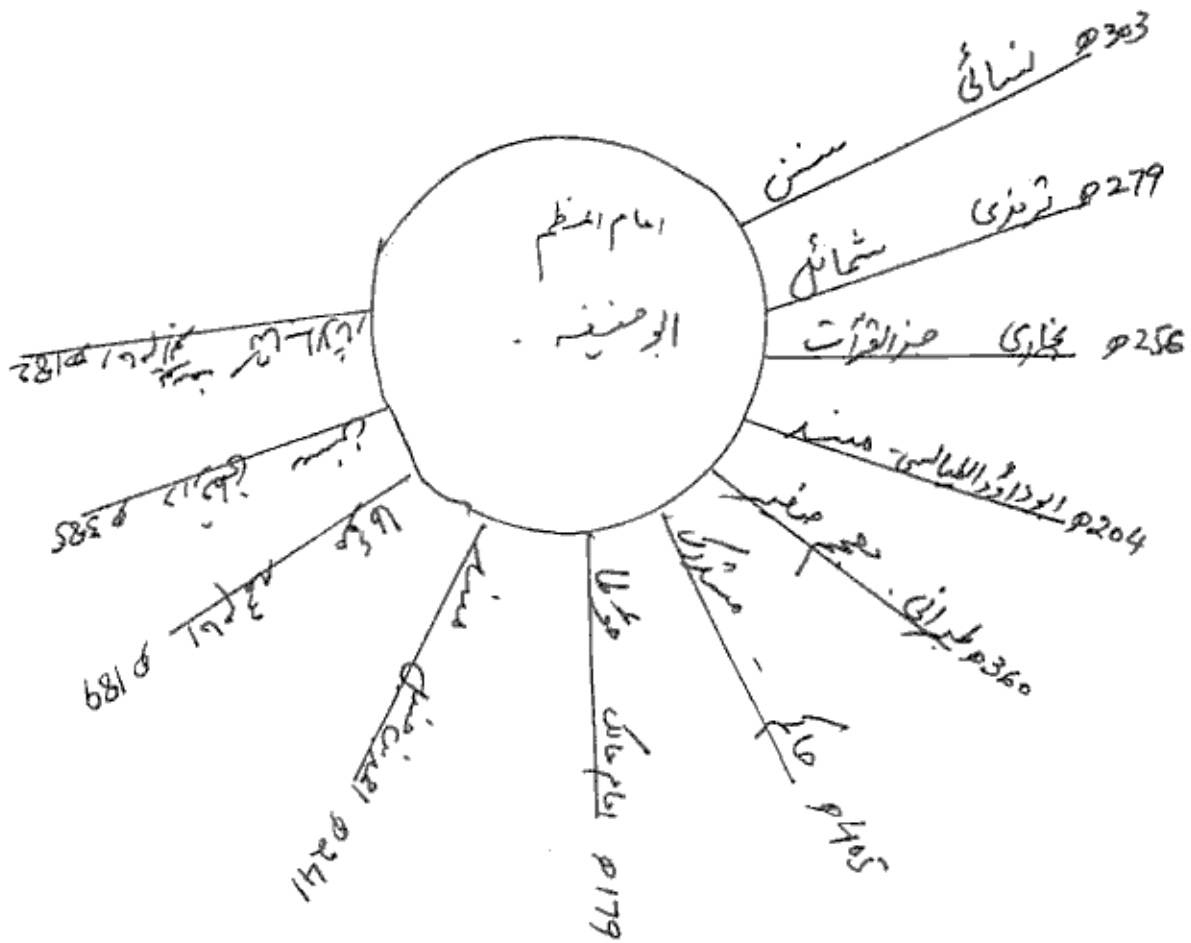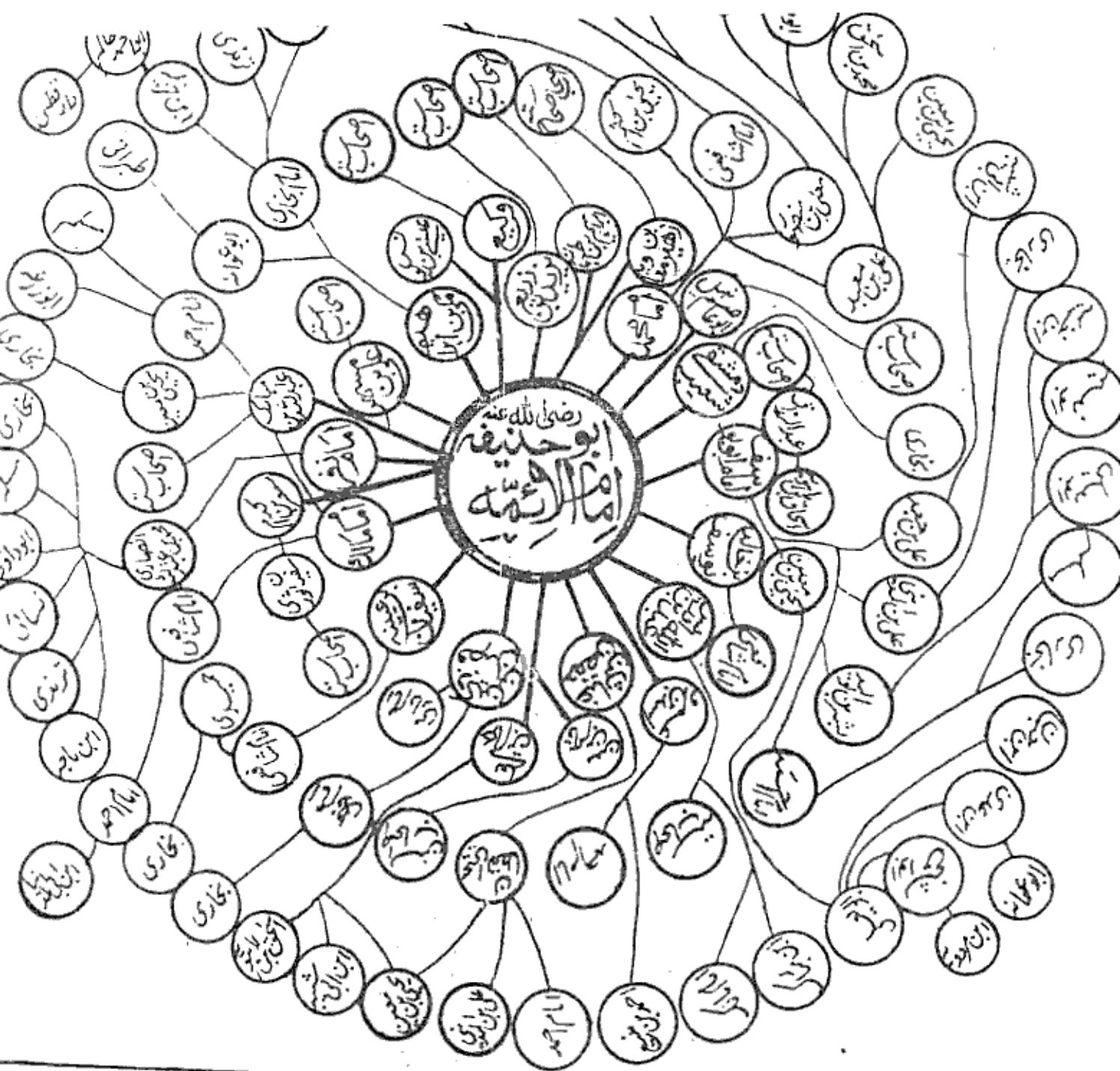
گرفتاری اور وفات

عام طور سے تاریخ کی کتابوں سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ آپ کو عہدہ قضا سے انکار کی وجہ سے گرفتار کیا گیا۔ دوم یہ کہ آپ نے نفس ذکیہ کے خروج میں حکومت کے مخالف گروپ کی موافقت کی تھی۔

عہدہ قضا سے انکار:- گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ امام صاحب نے ابن ہبیرہ کے زمانے میں بھی قضاء کے عہدے سے انکار کر دیا تھا اور خلیفہ ابو جعفر منصور کو بھی صفائی کے ساتھ جواب دے دیا تھا کہ میں ہرگز یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا۔ میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں اور اس پر قسم بھی کھائی تھی۔ اس پر امام صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ علامہ ابو زہرہ مصری لکھتے ہیں:-

> "داؤد بن راشد کہتے ہیں کہ جس وقت امام صاحب کو سزا دی جاتی تھی تو میں موجود تھا آپ کو روزانہ قید سے نکالا جاتا تھا اور دس کوڑے مارے جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کو 110 کوڑے مارے گئے اور آپ سے قضاء کے قبول کرنے کو کہا جاتا تھا اور آپ یہی فرما دیتے تھے کہ میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں چنانچہ جب مسلسل یہی سزا دی گئی تو آپ نے خدا سے دعا کی الٰہی! مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھ۔ چنانچہ آپ کو زہر دیا گیا اور آپ کا اسی میں انتقال ہوا۔"

لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا عوامل تھے جن کی بناء پر آپ نے اتنی سختی برداشت کی اور عہدہ قضا کو قبول نہ کیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آپ نے بربنائے تقویٰ ایسا کیا تھا تاریخی روشنی میں بھی یہ وجہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

قضاء سے انکار کا سبب:- حضرت عمرؓ کے زمانے میں عدلیہ کے شعبہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا لیکن باوجود اس کے عدلیہ بالکل آزاد تھا۔ کوئی دباؤ اس پر نہیں ڈالا جاتا تھا چنانچہ علامہ حموی نے حاشیۃ الاشباہ میں تحریر فرمایا ہے:-

> "جب حضرت عمرؓ کے ملکی مشاغل بہت زیادہ بڑھ گئے تو انہوں نے عدلیہ کو حضرت ابو درداء کے سپرد کر دیا۔ انہیں ایام میں ان کے پاس دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے حضرت ابو درداء نے ایک کے حق میں فیصلہ کر دیا تو دوسرا شخص حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور اپنی شکایت پیش کی تو آپ نے

فرمایا :۔

لو کنت انا مکانہ لقضیت لک

اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو تیرے حق میں فیصلہ کرتا۔

اس شخص نے کہا آپ تو خلیفہ ہیں کیوں نہیں فیصلہ کرتے آپ نے فرمایا یہاں میرے پاس کوئی نہیں ہے اور رائے ایک مشترک چیز ہے یعنی اس میں ہم دونوں برابر ہیں۔ لیس ھناک نص والرائے مشترک"

اس سے ظاہر ہے کہ عدلیہ کے معاملات میں خلیفہ وقت بھی دخل اندازی نہیں کرتا تھا لیکن اس کے برخلاف خلافت بنی امیہ میں اگر درباریوں کے خلاف کوئی فیصلہ کر دیا جاتا تو قاضی کو بے عزتی کے ساتھ معزول کر دیا جاتا تھا۔ خلافت عباسیہ میں ہارون رشید کے خلیفہ ہونے کے پہلے تک ایسا ہی رہا چنانچہ خلیفہ منصور کے زمانے میں قاضی شریک کا بہت برا حشر ہوا۔ منصور کے بیٹے مہدی کے زمانے میں مہدی کے ایک فوجی کے خلاف قاضی عبیداللہ بن حسن کی عدالت میں ایک تاجر نے اپنا مقدمہ پیش کیا' ادھر پیشی ہوئی ادھر مہدی کا پیغام پہنچا "دیکھو جس زمین کے متعلق فلاں افسر اور فلاں تاجر کے درمیان جھگڑا ہے اس میں فیصلہ افسر کے حق میں دو۔" لیکن قاضی عبیداللہ نے فوجی افسر کے خلاف فیصلہ دیا اس پر مہدی نے ان کو معزول کر دیا۔

بعض دفعہ تو قاضی کی اہلیت کا بھی سوال نہیں تھا خواہ وہ مستحق قضا ہو یا نہ ہو لیکن حکومت کا وفادار ہو اسی کو قاضی کر دیا جاتا تھا چنانچہ اموی دور خلافت میں قاضی عابس کے بارے میں مروی ہے کہ وہ پورا قرآن بھی نہیں پڑھا تھا۔ لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتا تھا' فرائض سے بھی واقف نہیں تھا لیکن پورے مصر کا قاضی کا تھا کیونکہ اس نے یزید کی بیعت کے سلسلہ میں بڑی خدمات انجام دیں تھیں۔

یہ حالات تھے جن کے پیش نظر امام صاحب نے عہدہ قضاء سے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ اپنے فیصلوں کو حکومت سے متاثر نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہ اس زمانہ میں ممکن نہیں تھا کہ عدل و انصاف حکومت کی مرضی کے مطابق نہ لیا جائے یہ دیکھتے ہوئے امام صاحب نے انکار کر دیا تھا۔

بغاوت کا الزام :۔ امام صاحب کی گرفتاری کا دوسرا سبب بغاوت حکومت سے بغاوت بتلایا جاتا ہے جس کو ہم سطور ذیل میں علامہ شبلی کے قلم سے نقل کر رہے ہیں۔

132ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنی بنی امیہ کا خاتمہ ہو گیا اور آل عباس تخت و تاج کے مالک ہوئے اس خاندان کا پہلا فرماں روا ابو العباس سفاح تھا اس نے چار برس حکومت کی 136ھ کے بعد اس کا بھائی منصور تخت نشین ہوا۔ عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا یہاں تک کہ خلفائے بنی امیہ کی قبریں اکھڑوا کر ان کی ہڈیاں تک جلا دیں تھیں تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہیں بیٹھا تھا جابجا بغاوتیں اٹھیں ان فتنوں کو فرو کرنے میں سفاح اور منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا تمام ملک کی آنکھیں ان کے جانشینوں پر لگی تھیں لیکن ان خون ریزیوں نے سب کے دل افسردہ کر دیئے چنانچہ ایک موقع پر منصور نے کہا۔ کیا کروں؟ کام کے آدمی نہیں ملتے؟ عبدالرحمن نے کہا بازار میں جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے قلت بھی اسی کی ہوتی ہے۔

منصور نے یہ ستم بھی کیا کہ سادات کی بھی خانہ بربادی شروع کر دی اس میں شبہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال پکا رہے تھے اور ایک لحاظ سے ان کا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک ان کی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی۔ صرف بدگمانی پر منصور نے سادات علومین کی بیخ کنی شروع کی جو لوگ ان میں ممتاز تھے ان کے ساتھ بے رحمیاں کیں محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھے اور اس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے ان کو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان بے رحمیوں کی بڑی داستان ہے جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیے آخر تنگ آ کر 145ھ میں انہیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی' بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتیٰ کہ امام مالک نے فتویٰ دے دیا کہ منصور نے جبراً" بیعت لی ہے خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے۔ نفس ذکیہ اگرچہ نہایت دلیر' قوی بازو' جنگ سے واقف تھے لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان 145ھ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے میدان جنگ میں مارے گئے ان کے بعد ان کے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور اس سرو سامان سے مقابلہ کو اٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے سرہانے سے تکیہ اٹھا لیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا۔

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑا عالم اور مقتدائے عام تھے ان کے دعویٰ خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں خاص کوفہ میں کم و بیش بیس لاکھ آدمی ان کے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے۔ مذہبی

گروہ خاص کر علماء و فقہاء نے عموماً ان کا ساتھ دیا۔ امام صاحب نے بھی ان کی تائید کی۔ خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے جس کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔ نامہ دانشوراں میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے ابراہیم کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اما بعد فانی قد جهزت الیک اربعة آلاف درهم ولم یکن عندی غیرها ولولا امانات عندی للحقت بک فاذا لقیت القوم و ظفرت بهم فافعل کما فعل ابوک فی اهل صفین اقتل مدبرهم و جریهم ولا تفعل کما فعل ابوک فی اهل الجمل فان القوم لهم فئة۔

"میں آپ کے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں اس وقت اسی قدر موجود تھے اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ ہوتیں تو میں ضرور آپ سے ملتا۔ جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو حضرت علیؓ نے اہل صفین کے ساتھ کیا تھا زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کئے جائیں۔ ایسا نہ کرنا جیسا حضرت علیؓ نے جنگ جمل میں کیا تھا کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے۔

اس خط اور علامہ شبلی کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب ابراہیم کے طرفدار تھے لیکن میری رائے یہ ہے کہ نامہ دانشوران اور علامہ شبلی کی یہ تحقیق موضوعات شیعہ کے سہارے ہے۔ خط کی عبارت پکار رہی ہے کہ یہ امام صاحب کی عبارت نہیں ہے بلکہ بعد کے لوگوں کی ایجاد ہے کیونکہ امام صاحب جیسے محقق پر اپنے قریبی زمانے کے واقعات پوشیدہ نہیں تھے کون نہیں جانتا کہ نزاعات صحابہؓ میں خارجیوں کی ریشہ دوانیوں کو کافی دخل تھا چنانچہ جنگ جمل محض خارجیوں کے شبخون مارنے کے مغالطہ میں پیش آئی ورنہ اس جنگ کے قائدین حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ میدان جنگ سے علیحدہ ہو گئے اور بات تقریباً طے ہو گئی تھی لیکن رات کو ستر خارجیوں نے (جن کو حضرت علیؓ نے اپنے لشکر سے نکال دیا تھا) حملہ کر دیا جس کی وجہ سے محض دھوکہ میں جنگ ہوئی ایسے ہی جنگ صفین میں خارجیوں نے معاملہ کو بگاڑ دیا تھا۔

امام صاحب کی طرف جو خط منسوب کیا گیا ہے اس کی عبارت شیعوں کی وضع کردہ ہے ورنہ آپ خیال فرمائیں جو امام 99 وجوہات سے بھی کفر کا حکم نہ دے وہ مسلمانوں کو ایسا حکم دے سکتا ہے کہ گویا ان کا مقابلہ اہل کفر سے ہے اس بارے میں پوری تفصیل کتاب سیرت اصحاب النبی ﷺ میں مذکور ہے۔

گرفتاری :- 146ھ میں ابراہیم شہید ہو گئے۔ ان کے قتل کے بعد منصور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا اس لئے منصور نے بغداد پہنچ کر امام ابو حنیفہ کو طلب کیا' اور ان کو قتل کرنے یا قید کرنے کا یہ بہانہ تلاش کیا کہ آپ کے سامنے عہدہ قضاء پیش کیا آپ نے انکار کر دیا۔

منصور نے امام صاحب کو گرفتار کر لیا اور جیل خانہ میں بھی ڈال دیا لیکن چونکہ امام صاحب کوئی معمولی شخصیت کے مالک تو نہ تھے اس لئے شہرت ہو گئی اور لوگ اسی حالت میں استفادہ کرنے کے لیے آنا شروع ہو گئے اور جیل خانہ ہی حلقہ درس بن گیا۔ اس حالت میں امام محمد نے بھی امام صاحب سے استفادہ کیا غرض کہ تقریباً" چار سال امام صاحب کو نظر بند رہنا پڑا یعنی 146ھ لغایت 150ھ۔

وفات :- امام صاحب کی وفات جس دن ہوئی وہ دن جمعہ کا' مہینہ شوال کا اور 150ھ تھا خلیفہ کو آپ کی طرف سے اندیشہ تھا کیونکہ آپ کی مقبولیت قید کی حالت میں اور بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ اس لیے دھوکہ میں آپ کو زہر دے دیا گیا جس وقت آپ کو علم ہوا تو سجدہ شکر ادا کیا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

علامہ ابو زہرہ مصری نے تحریر فرمایا ہے کہ جس وقت امام صاحب کی خدمت میں زہر کا پیالہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ (3)

لا اشرب لانی اعلم مافیہ ولا اعین علی قتل نفسی فطرحہ وصب فی فیہ

میں نہیں پیوں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں اس میں جو کچھ ہے اور میں اپنی ہلاکت پر اعانت نہیں کروں گا لہٰذا آپ کو گرایا گیا اور زہر کا پیالہ آپ کے منہ میں انڈیل دیا گیا۔ (3)

یہ روایت اپنے سیاق و سباق اور معنی کے اعتبار سے بالکل غلط ہے اسی طرح کوڑے والی روایت بھی بالکل غلط ہے' کیونکہ ان دونوں روایتوں سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ امام صاحب کی کوئی پوزیشن ہی نہ تھی حالانکہ امام صاحب کے گرد تلامذہ اور عقیدت مندوں کا وہی ہجوم رہتا تھا جو جیل سے باہر تھا۔ آپ صرف نظر بند تھے اور اس روایت سے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آپ تنہا تھے اور آپ کے ساتھ دست درازی کی گئی حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے کیونکہ عقیدت مندوں کا اس قدر ہجوم ہو اور آپ کے ساتھ زبردستی کی جائے ناممکنات میں سے ہے اسی طرح کوڑوں والی روایت بھی ابن ہبیر کے متعلق ہے نہ کہ خلیفہ منصور کے متعلق۔

صلوۃ جنازہ اور تدفین :- امام صاحب کے انتقال کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا شہر امنڈ آیا حسن بن عمارہ (جو

آپ کے استاد بھی ہوتے تھے) قاضی شہر نے آپ کو غسل دیا۔ غسل کے وقت حسن بن عمارہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:۔

"اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ نے تیس سال سے افطار نہیں کیا اور نہ چالیس سال سے رات کو آرام کیا' آپ ہم سب میں سب سے زیادہ فقیہ' سب سے زیادہ عابد' سب سے زیادہ پرہیزگار تھے"۔

غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی بہت زیادہ کثرت ہو گئی تھی' پہلی نماز (جو حسن بن عمارہ نے پڑھائی تھی) میں پچاس ہزار آدمی شریک تھے آپ کے جنازہ کی نماز چھ مرتبہ ہوئی اور دفن کے بعد 40 دن تک آپ کی قبر پر لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ خلیفہ منصور نے بھی آپ کی صلوۃ جنازہ قبر پر ہی جا کر پڑھی۔

امام صاحب کی وصیت کے مطابق آپ کی قبر شریف خیزران کے مقبرے میں بنائی گئی آپ کے خیال میں وہی جگہ ایسی تھی جو مغصوبہ نہیں تھی امام صاحب کے انتقال کے بعد تین دن تک مسلسل جنات کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔

امام صاحب کا مقبرہ:۔ 459ھ میں آپ کی قبر پر شرف الملک ابو سعید نے قبہ تعمیر کرایا اور اسی کے قریب ایک مدرسہ بھی تعمیر کرایا اس وقت ابو جعفر مسعود بن ابی الحسن عباسی بھی موجود تھا جس نے یہ اشعار پڑھے۔

دیکھتے نہیں ہو علم مر چکا تھا لیکن اس کو اس قبر میں پوشیدہ ہستی نے زندہ کیا

اسی طرح یہ زمین بھی مر چکی تھی اس کو ابو سعد نے زندہ کیا۔

جب اسماعیل بادشاہ بغداد پر قابض ہوا تو رافضیوں نے اس قبہ اور مدرسہ کو بالکل مسمار کر دیا تھا اور اس جگہ کوڑا کرکٹ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ یہی معاملہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے مقبرے کے ساتھ کیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اشرار سے بغداد کو بہت جلد پاک و صاف کر دیا۔

974ھ میں سلطان سلیم بن سلیم نے از سر نو دونوں مزاروں پر قبے تعمیر کرائے جو کہ اب تک باقی ہیں۔ امام صاحب کی قبر شریف دیکھ کر کسی عربی شاعر نے چند اشعار کہے ہیں جن کا ترجمہ پیش ہے۔

امام صاحب کی قبر جنت الخلد کا ایک باغیچہ ہے

اس جگہ بہت زیادہ شرافتیں ابلتی ہیں

اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے جب تک ستارے منور ہیں۔

شیخ فریدالدین عطارؒ کا خراج عقیدت بحضور امام ابوحنیفہؒ

آں اماما نے کہ کردند اجتہاد — رحمت حق بر روان جملہ باد
بو حنیفہ شد امام باصفا — آں سراج امتان مصطفےٰ
باد فضل حق قرین جان او — شاد باد ارواح شاگردان او
صاحبش بو یوسف قاضی شدہ — وز محمد ذوالمنن راضی شدہ
شافعی، ادریس، مالک بازفر — یافت زیشاں دین احمد زیب فر
احمد حنبل کہ بود او مرد حق — درہمہ چیز ازہمہ بردہ سبق
روح شاں درصدر جنت شاد باد — قصر دیں از علم شاں آباد باد

❀ ❀ ❀

منقبت

خدا کی اک آیہ شریفہ، امام اعظم ابو حنیفہ
رسول مقبول کا خلیفہ، امام اعظم ابو حنیفہ

فقیہ سارے عیال جس کے امام مانیں کمال جس کے
وہ حجت و صدق کا صحیفہ امام اعظم ابو حنیفہ

سلوک و عرفان کی علامت زفرق تابہ قدم کرامت
امام اعظم ابو حنیفہ، امام اعظم ابو حنیفہ

زمانہ ہر عہد ہر صدی میں کریگا اخذ فیوض جس سے
جہاں میں وہ ہستی، سفینہ، امام اعظم ابو حنیفہ

وہ جس سے اذہان ہیں معنبر وہ جس سے تائب بسا ہے گھر

حدیث کی نکہت لطیفہ امام اعظم ابو حنیفہ

حفیظ تائب

ببارگاہ امام اعظمؒ

نگہبان شریعت حضرت نعمان بن ثابت
حدی خوان طریقت حضرت نعمان بن ثابت
سراج امت و مشکوہ ملت، مشعل قدرت
مہ چرخ فقاہت، حضرت نعمان بن ثابت
علم بردار سنت، حجتہ اللہ، آیہ رحمت
قطیع رفض و بدعت، حضرت نعمان بن ثابت
تفقہ میں بھی لاثانی، تدبر میں بھی لاثانی
امام اہل سنت، حضرت نعمان بن ثابت
سراپا ورع و تقویٰ، سربسر ایمان و حق گوئی
مجسم علم و حکمت، حضرت نعمان بن ثابت
رسول دوسرا نے جن کی آمد کی بشارت دی
وہی آقائے نعمت، حضرت نعمان بن ثابت
ہوئی تدوین علم شرع تاب جن کے ہاتھوں سے
وہ فرزند رسالت، حضرت نعمان بن ثابت

❀ ❀ ❀

منقبت امام اعظم حضرت نعمان بن ثابتؓ

زباں ہر دم مری مدحت سرائے بو حنیفہ ہے
میں حنفی ہوں، میرے دل میں ولائے بو حنیفہ ہے

جھکاتے ہیں قیصران زمانہ سر جہاں آ کر
وہ رشک آسماں دولت سرائے بو حنیفہ ہے

سراج بزم عرفاں ہیں، چراغ راہ ایماں ہیں
جہاں جس سے ہے روشن وہ ضیائے بو حنیفہ ہے

عطا حق نے کیا ہے تابعیت کا شرف ان کو
جو طالب ہے ہدایت کا، فدائے بو حنیفہ ہے

ہے شاگرد ان کے رہنما راہ حقیقت کے
مسلم دہر میں عز و علائے بو حنیفہ ہے

صدارت کا ملا منصب انہیں بزم شریعت میں
جہان علم کی عظمت برائے بو حنیفہ ہے

لقب امام اعظم بلا شرکت ہے نقش ان پکے بو حنیفہ ہے

پیاس اپنی بجھائیں تشنگان علم دیں آ کر
کھلا شام و سحر باب عطائے بو حنیفہ ہے

خدا کے فضل سے، ختم الرسل ﷺ

کی   بسم   رحمت   ہے
زباں محمود کی وقفِ ثنائے بو حنیفہ ہے
رشید محمود

❀ ❀ ❀

تواریخ ولادت و وصال

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بو حنیفہ آں امام ذوالکرام — مستفیض آمد زفیضش خاص و عام
نیک صورت، نیک سیرت، نیک روز — نیک خوی و نیک خواہ و نیک نام

سال تولید ش بہ قول اہل سیر — بے نیاز آمد کیے، ثانی امام

کن رقم سلطان بہ سال وصل او — طالب حق گویو محبوب امام

شد قوی دل سال ترحیلش عیاں — مہدی کامل رقم کن والسلام

سیف خوان سالش بہ گر بارہ حلیم — ہم بجواز، اوج، علمش لا کلام

قطب از دوراں سفر کرد اے دریغ — بہر وصل آن شہ والا مقام

باب 2م

1۔ مقدمہ صحیح مسلم نووی۔ ص 98

2۔ سورۃ الحجرات آیت ۔ 6 اسحاق بن نصر

3۔ بخاری ...... بروایت ...... [illegible]

4۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 368، 369، ج 2 دار العلم، بیروت 1957ء

5۔ ایضاً۔ ص 370

6۔ ایضاً۔ ص 310

7۔ تدریب الراوی جلال الدین۔ ص 305، دار العلم، بیروت 1957ء

8۔ ایضاً۔ ص 308

9۔ ایضاً۔ ص 309، ج 1

10۔ ایضاً۔ ص 314

11۔ جامع بیان العلم ابن عبدالبر۔ ص 195، ج 1 مطبوعہ مصر، 1958ء

12۔ ایضاً۔ ص 315

13۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 345 تا 348 دار العلم، بیروت 1957ء

14۔ اختصار علوم الحدیث ابن کثیر۔ ص 105 مطبوعہ قاہرہ، 1941ء

15۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 341 تا 345 دار العلم، بیروت 1957ء

16۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ص 275، ج 9 حیدر آباد، دکن، 1962ء

17۔ القول المسدد فی الذب عن مسند احمد۔ ص 29 مطبوعہ بیروت، 1941ء

18۔ تذکرۃ الموضوعات ملا علی قاری۔ ص 82 مطبوعہ دہلی، 1948ء

19۔ ایضاً۔ ص 82

20۔ فتح الملہم شبیر احمد عثمانی۔ ص 68، ج 1 مطبوعہ کراچی، 1970ء

21۔ تقریب نووی۔ ص 202 مطبوعہ قاہرہ، 1934ء

22۔ رد المختار۔ ص 78، ج 3 مطبوعہ مصر، 1930

23۔ التحریر ابن الہمام۔ ص 323 مطبوعہ مصر، 1932ء

25 فواتح الرحموت عبدالعلی بحرالعلوم۔ ص 6 مطبوعہ کانپور، 1936ء

26 ایضاً۔ ص 6

27 التمہید ابن عبدالبر مکی۔ ص 33، ج 2 مطبوعہ بیروت، 1946ء

28 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 147، ج 2، دارالحدیث، قاہرہ، 1952ء

29 مقدمہ فتح الباری۔ ص 162، ج 2 مطبوعہ سہارنپور، 1956ء

30 القول المسدد فی الذب عن مسند احمد - ص 33 مطبوعہ بیروت، 1941ء

31 میزان الاعتدال ابن حجر۔ ص 185، ج 2 مطبوعہ مصر، 1944ء

32 الکفایہ فی علوم الراویہ خطیب بغدادی۔ ص 110 مطبوعہ مصر، 1946ء

33 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 430، ج 1 مطبوعہ مصر، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

34 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 289، ج 11، دارالحدیث، قاہرہ، 1952ء

35 تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 180، ج 14 دار العلم، بیروت 1957ء

36 عمدۃ القاری شرح بخاری۔ ص 167، ج 3 مطبوعہ حیدر آباد دکن، 1937ء

37 تہذیب التہذیب مطبوعہ حیدر آباد۔ جس میں بہت سی غلطیاں موجود ہیں۔

38 محمد ایوب مظاہری نے تراجم الاخبار من رجال شرح معانی الآثار لکھی۔ اور سہارنپور سے شائع ہوئی

39 تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 368، ج 2 مطبوعہ مصر، دار العلم، بیروت 1957ء

40 منہج النقد۔ ص 115، حیدر آباد، دکن، 1962ء

41 ایضاً ص 115

42 ترجمان السنہ بدر عالم میرٹھی۔ ص 176، ج 1 مطبوعہ کراچی، 1970ء

43 تاریخ ابو زرعہ۔ ص 650، ج 1 مطبوعہ مصر، 1950ء

44 تاریخ یحییٰ بن معین۔ ص 608، ج 2 مطبوعہ مکہ 1399ھ

45 مسلم باب فضل الصحابۃ

46 میزان الاعتدال ص 24 مطبوعہ بیروت، 1949ء

47 جس کا نام نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر ہے۔

48 سورۃ الحجرات آیت۔ 6

49 سورۃ الحجرات آیت۔ 12

60. سورۃ نساء آیت۔ 83

61. ترجمان السنہ بدر عالم میرٹھی۔ ص 193 تا 198' ج 1 مطبوعہ کراچی' 1970ء

62. سورۃ الحجرات آیت۔ 6

63. مسلم۔ ص 11' ج 1 مطبوعہ کراچی

64. ایضاً۔ ص 12

65. فتح المغیث سخاوی۔ ص 459 مطبوعہ حیدر آباد دکن' 1946ء

66. ایضاً۔ ص 460

67. عقد الجید شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ ص 54 مترجم اردو مطبوعہ کراچی' 1955ء

68. سورۃ زمر آیت۔ 18

69. سنن داری۔ ص 145' ج 1 مطبوعہ دہلی

60. مرقات شرح مشکوۃ ملا علی قاری۔ ص 17' ج 5 مطبوعہ سہارنپور' 1965ء

61. مسلم۔ ص 10' ج 1 مطبوعہ دہلی

62. فتح المغیث سخاوی ص 460، 63 ایضاً ص 462

64. مسلم۔ ص 27' ج 1 مطبوعہ دہلی

65. ایضاً۔ ص 10

66. کتاب العلل ترمذی۔ ص 235' ج 2 مطبوعہ دیوبند' 1941ء

67. الجواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 20' ج 1 دار العلم' بیروت 1957ء

68. تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 224' ج 2 دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

69. ایضاً۔ ص 324

70. ایضاً۔ ص 325

71. صحیح بخاری باب [illegible]

72. شرح معانی الآثار طحاوی۔ ص 513' ج 1 مطبوعہ کراچی' 1945ء

73. تہذیب الکمال یوسف مزی۔ ص 4 مطبوعہ بیروت' 1946ء

74. معرفت علوم الحدیث حاکم نیشاپوری۔ ص 52 مطبوعہ مصر' 1940ء

75. الرفع والتکمیل عبدالحی لکھنوی۔ ص 14 مطبوعہ لکھنؤ' 1950ء

76۔ فتح المغیث سخاوی۔ ص 479، مطبوعہ حیدر آباد دکن، 1956ء

77۔ توجیہ النظر الجزائری۔ ص 114 مطبوعہ بیروت، 1934ء

78۔ الاعلان بالتوبیخ سخاوی۔ ص 63 مطبوعہ دہلی، 1947ء

79۔ ایضاً۔ ص 64

80۔ ایضاً ص 65

81۔ جامع ترمذی، باب الشہادہ

82۔ المدخل ص 30 مطبوعہ مصر، 1977ء

83۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی ترجمہ ابو الزناد، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

84۔ ایضاً۔ ص 45

85۔ الجواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 30، ج 1، دار العلم، بیروت 1957ء

86۔ میزان الاعتدال ابن حجر عسقلانی۔ ص 176، ج 1 مطبوعہ مصر، 1936ء

87۔ تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک۔ ص 53، ج 2 مطبوعہ بیروت، 1957

88۔ تہذیب التہذیب ترجمہ زید بن عیاش، دار الحدیث، قاہرہ، 1952ء

89۔ فتح القدیر ابن الہمام۔ ص 151 مطبوعہ مصر، 1941ء

90۔ تذکرۃ النعمان۔ ص 128 احمد رضا مطبع دیوبند، 1967ء

91۔ الجواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 102، دار العلم، بیروت 1957ء

92۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 325، ج 1 مطبوعہ مصر، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

93۔ الانتقاء ابن عبدالبر۔ ص 130 مطبوعہ قاہرہ، 1945ء

94۔ اوجز المسالک شرح موطا امام مالک مولانا زکریا۔ ص 61، ج 1 مطبوعہ دیوبند، 1957ء

95۔ ایضاً۔ ص 61

96۔ ابن ماجہ باب المناسک۔ بروایت ابن عباس۔

97۔ الانتقاء ابن عبدالبر مالکی۔ ص 131 مطبوعہ قاہرہ، 1945ء

98۔ اوجز المسالک مولانا زکریا۔ ص 312، ج 3 مطبوعہ دیوبند، 1957ء

99۔ فتح الباری۔ ص 46، ج 4 مطبوعہ حیدر آباد دکن، 1950ء

100۔ ایضاً ص 47

101۔ ایضاً۔ ص 46

102 امام اعظم ابو حنیفہ مفتی عبد الرحمن۔ ص 63 مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور 1969ء
103 ایضاً ص 64 104 ایضاً ص 63
105 الجواہر المضیہ عبد القادر قرشی۔ ص 25، ج 2 مطبوعہ مصر، 1957ء

106 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 234، ج 1 مطبوعہ مصر، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

107 توضیح الافکار محمد بن اسماعیل یمانی۔ ص 63 طبع مصر

108 جامع المسانید خوارزمی۔ ص 308، ج 2 مطبوعہ حیدر آباد، دکن، 1962ء

109 تنقیح الانظار شرح توضیح الافکار محمد بن ابراہیم الوزیر۔ ص 63، ج 1، 1934ء

110 ایضاً۔ ص 56

111 التقریب نووی۔ ص 51 مطبوعہ مصر، 1934ء

112 عقود الجواہر المنیفہ زبیدی۔ ص 23، ج 1 مطبوعہ کراچی، 1967ء

113 تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 77 دار العلم، بیروت 1957ء

114 الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ، نواب صدیق حسن خان۔ ص 87 مطبوعہ لکھنؤ، 1941ء

115 مناقب موفق احمد مکی۔ ص 95، ج 2، دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

116 ایضاً۔ ص 95

117 مقدمہ مسلم شرف الدین نووی۔ ص 316 مطبوعہ مصر، 1947ء

118 المصفیٰ شاہ ولی اللہ۔ ص 21 مطبوعہ دہلی۔ 1956ء

119 التعلیقات علی تنقیح الافکار۔ ص 216، ج 2 مطبوعہ قاہرہ، 1934ء

120 مقدمہ مسلم شرف الدین نووی۔ ص 225 مطبوعہ مصر، 1946ء

121 تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 222، ج 13 مطبوعہ مصر، 1957ء

122 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 75، ج 1 مطبوعہ مصر، قاہرہ، دار العلم، 1941ء
123 ابن ماجہ۔ باب الطہارۃ بروایت ابو بکر بن شیبہ۔
124 مسلم۔ ص 424، ج 1

125 تذکرۃ المحدثین بجنوری۔ ص 82 مطبوعہ دہلی۔ 1948ء

126 مناقب ذہبی۔ ص 11، 12، حیدر آباد، دکن، 1962ء

127۔ ایضاً۔ ص 12

128۔ ایضاً۔ ص 38

129۔ مقدمہ فتح الباری۔ ص 524 مطبوعہ بیروت، 1948ء

130۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 359، ج 1، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

131۔ موفق احمد مکی۔ ص 94، ج 1 مطبوعہ مصر، دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

132۔ مسانید الامام۔ ص 353 تا 574، ج 2 مطبوعہ حیدر آباد دکن، 1967ء

133۔ ابو حنیفہ مترجم اردو، ابو زہرہ مصری۔ ص 50 مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد، 1977ء

134۔ حاشیہ حموی علی الاشباہ والنظائر ابن نجیم مصری۔ ص 125 مطبوعہ مصر، 1985ء

135۔ سیرت نعمان شبلی نعمانی۔ ص 34، 35 پنجاب پریس لاہور، 1985

136۔ ایضاً۔ ص 37۔

137۔ ایضاً۔ ص 38

138۔ الخیرات الحسان، ابن حجر مکی۔ ص 62 مطبوعہ کراچی، 1960ء

139۔ ایضاً۔ ص 62

140۔ مناقب امام اعظم کردری۔ ص 23، ج 2 مطبوعہ حیدر آباد دکن، 1946ء

141۔ مناقب امام، کردری۔ ص 33، ج 2 مطبوعہ حیدر آباد دکن، 1946ء

فہرست آیات قران کریم

فہرست ماخذ حدیث و آثار

نمبر شمار	صفحہ نمبر	حدیث	راوی	ماخذ
-1	790	ابغض الحلال عند اللہ	انس بن مالک	کتاب الطلاق۔ کنز العمال۔ علی متقی
-2	840	اتوضو من الحمیم	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	کتاب الطہارہ۔ سنن ابن ماجہ
-3	785	احرص علی ما ینفعک	جابر بن عبداللہ	کتاب العلم الجامع الصحیح البخاری
-4	31	اذا قرء فانصتو	عبداللہ بن عمر	کتاب الصلوۃ سنن داری
-5	836	اذا کان الماء قلتین	عبداللہ بن عمر	کتاب الطہارہ سنن ابی داؤد
-6	240	اذا خیرت المرءۃ نفسہا	ابو حنیفہ	کتاب النکاح کتاب الآثار
-7	1058 -837	اذا قرء ولاالضالین ..	وائل بن حجر	کتاب الصلوۃ ابو داود
-8	713	اذا حکم الحاکم	عمر بن العاص	کتاب الاجتھاد سنن البیہقی
-9	974 -973	اذا ولغ الکلب فی الماء ۔	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	کتاب سنن ابن ماجہ
-10	1058	اذا افتتح الصلوۃ	براء بن عازب	کتاب الصلوۃ سنن ابی داؤد
-11	1065	اذا سئل عن ذالک قال	عبداللہ بن عمر	کتاب الطلاق الصحیح مسلم
-12	32	اذا سلم احدکم	ابو سعید خدری	کتاب الادب سنن ابی داؤد
-13	973	اذا شرب الکلب	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	کتاب الطہارہ الجامع الصحیح البخاری
-14	978	اذا قیمت الصلوۃ فلا صلوۃ	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	کتاب الامامہ سنن نسائی
-15	737	اذھب فاضرب عنقہ	علی بن ابی طالب	کتاب الحدود سنن البیہقی
-16	1061	ارئت لو طلقتہا ثلاثۃ	عویمر عجلانی	کتاب جواز الطلاق الجامع صحیح بخاری
-17	75	ارم فداک ابی و امی ..	علی بن ابی طالب	کتاب الفضل تجرید البخاری
-18	790	اسہاکوا اعرضہا و ادھنوا	عروہ بن زبیر	کتاب اللباس الجامع الترمذی

	نمبر	حدیث	راوی	ماخذ
10	972	العائد فی ھبہ کالکلب ...	ابن عباس	الجامع الصحیح بخاری
11	583	القرنی لولیلۃ قبل الکوفۃ	عمر بن خطاب	کتاب الفضل الصحیح مسلم
[illegible]	946-838	المتباعیان بالخیار ...	عبداللہ بن عمر، سمرہ	کتاب التجارہ سنن ابن ماجہ
13	1041	الایم احق بنفسہا ...	عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	کتاب استیمار سنن ابن ماجہ
14	739	امح رسول اللہ صلعم قال لا ___	براء بن عازب	کتاب صلح حدیبیہ الصحیح مسلم
15	1070	امر رجلان یصلی بہم ...	یحیٰ بن سعید	کتاب الصلوۃ مصنف ابن ابی شیبہ
16	60	ان الجنۃ تشاق	انس بن مالک	مناقب صحابہ الجامع الترمذی
17	232	ان امرأۃ ثابت بن قیس ___	ابو حنیفہ	کتاب الطلاق کتاب الآثار
18	2411	ان سراقۃ بن مالک قال	ابو حنیفہ	کتاب المناسک کتاب الآثار
19	968-796	ان النبی صلعم صلی	محمد بن المثنی	کتاب الصلوۃ سنن دار قطنی
50	950	ان النبی صلعم قضی ان الخراج	عائشہ	کتاب البیع سنن ابن ماجہ
51	1010	ان النبی صلعم نہی ...	مالک بن انس	کتاب النکاح سنن ابن ماجہ
52	980	ان رسول اللہ صلعم مر ...	عبداللہ بن مالک	کتاب الصلوۃ معجم طبرانی
53	848	ان غیلان بن سلمۃ الثقفی ...	عبداللہ بن عمر	کتاب البیوع سنن البیہقی
[illegible]	942-877	ان المیت لیعذب ببکاء ...	ابو موسیٰ اشعری	کتاب المیت سنن ابن ماجہ
55	314	ان اللہ ینزل ___	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	کتاب الصلوۃ سنن ابی ابو داؤد
56	783	ان ابنی کان عسیفا" ...	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	کتاب الجہاد الترغیب الترہیب للمنذری
57	583	ان خیر التابعین رجل ...	عمر بن خطاب	کتاب الفضل مسند امام احمد
58	1064	ان عمی طلق امرأتہ ___	مالک بن حارث	کتاب الطلاق کتاب الآثار
[illegible]	789	ان اللہ لا یقبض العلم ...	عمران بن حصین	کتاب العلم التذکرہ فی احادیث المشتہرہ زرکشی
[illegible]	1165	ان عبداللہ رجل صالح ___	اسحاق بن نصر	کتاب الفضل الجامع الصحیح بخاری
[illegible]	1062	ان رجلاً طلق امرأتہ ...	عائشہ	کتاب الطلاق سنن ابو داؤد

نمبر	صفحہ	حدیث	راوی	ماخذ
62-	1071	ان علیا دعا اللہ ...	عبدالرحمن سلمی	کتاب الصلوٰۃ سنن دارمی
63-	1078	ان رجلا ضرب الرسر...	عثمان بن حنیف	کتاب الصلوٰۃ الجامع الترمذی
64-	637	ان کان منک شئی	طلق بن علی	کتاب الطہارہ سنن ابی داود
65-	237	انہ قال لیس فی القبلۃ ...	ابو حنیفہ	کتاب الطہارہ کتاب الآثار
66-	201	انہ خرج لحاجتہ	مغیرہ بن شعبہ	کتاب الحاجۃ الجامع الصحیح للبخاری
67-	210	انہ قال اذا مضت ...	عائشہ	کتاب الصوم الجامع الصحیح للبخاری
68-	211	انہ قال سئلت ...	ابو حنیفہ	کتاب الطہارہ کتاب الآثار
69-	211	انہ قال یحرم ... ابو حنیفہ		کتاب الرضاع کتاب الآثار
70-	8	انہ یبعث امۃ واحدۃ ...	زید بن عمر بن نفیل	کتاب الفضل سنن دار قطنی
71-	397	انہ راہ یصلی فی قمیص ...	عمر بن سلمہ	کتاب الصلوٰۃ سنن ابن ماجہ
72-	1976	انہ کان قاعدا فی المسجد ...	عبداللہ بن مسعود	کتاب الصلوٰۃ مصنف عبدالرزاق
73-	1968	انہ طلق امراۃ البتۃ ...	ابن رکانہ	کتاب الطلاق سنن ابن ماجہ
74-	45	انما الطیرۃ فی المراۃ ...	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	کتاب الجہاد الجامع الصحیح البخاری
75-	1055	انما جعل الامام لیوم ...	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	کتاب الصلوٰۃ ابن ماجہ الصحیح مسلم
76-	1063	انما انت قاضی الواحدۃ ...	نعمان بن ابی عیاش	کتاب الطلاق موطا امام مالک
77-	182-190 926	انما الاعمال بالنیات ...	عمر بن خطاب	کتاب کیف بدا الوحی الجامع الصحیح بخاری
78-	1064	انی طلقت امراتی ...	عبداللہ بن عباس	کتاب الطلاق معانی الآثار
79-	1064	انی طلقت امراتی ...	ابو ثابت	کتاب الطلاق معانی الآثار
80-	70	اھتدوا بھدی عمار ...	حذیفہ بن الیمان	کتاب الفضل الجامع الترمذی
81-	103	اولی بی المتقون من کانو ...	جابر بن عبداللہ	کتاب المتقین تجرید البخاری
82-	1067	ایما رجل طلق امراۃ ...	عبداللہ بن مسعود	کتاب الطلاق سنن دار قطنی

نمبر	صفحہ	حدیث	راوی	حوالہ
83-	784	بلغوا عنی للتبلیغ الشاہد	ابن عباس	کتاب العلم الجامع للبخاری
84-	1165	بئس اخوا العشیرہ —	انس بن مالک	باب الفضائل الجامع الترمذی
85-	742	تسحروا فان فی السحور	انس بن مالک	کتاب الصیام سنن ابن ماجہ
86-	48	تعلموا الفرائض و السنن	معاذ الجہنی	کتاب الفرائض سنن دارمی
87-	201	توضاء النبی صلعم —	مغیرہ بن شعبہ	کتاب الطہارہ الصحیح مسلم
88-	840	توضوا مما غیرت النار —	ابو ہریرہ رض	کتاب الطہارہ سنن ابن ماجہ
89-	934	التمر بالتمر مثلا بمثل —	ابو ہریرہ رض	کتاب التجارہ کتاب الآثار
90-	62	تمسکوا بعہد —	عبداللہ بن عمر	کتاب الفضل الجامع الترمذی
91-	48	تعلموا اعراب القرآن —	علی بن ابی طالب رض	کتاب العلم ترغیب ترہیب
92-	1083	توضاء فمسح —	مغیرہ بن شعبہ	کتاب الطہارہ الجامع الصحیح بخاری
93-	808	ثلاث من کن فیہ وجد —	سعد بن طارق	حلاوۃ الایمان الجامع الصحیح بخاری
94-	983	ثم انصرف النبی صلعم —	قیس بن قہد	کتاب الصلوٰۃ الجامع ترمذی
95-	207	ثلاثۃ یوجر فیہن —	ابو حنیفہ	کتاب الاجر بعد الموت کتاب الآثار
96-	809	حب الوطن من الایمان —	حذیفہ بن الیمان	کتاب الایمان الجامع ترمذی
97-	983	خرج رسول اللہ صلعم فاقیمت الصلوۃ —	عبداللہ بن عمر	کتاب الصلوٰۃ جامع ترمذی
98-	162-153	خیر القرون قرنی —	عبداللہ بن مسعود رض	باب فضل الصحابہ الصحیح مسلم الجامع ترمذی
99-	11	خیر الناس قرنی —	عبداللہ بن مسعود رض	کتاب الفضل الجامع الترمذی
100-	1095	دب الیکم داء الامم —	عائشہ	کتاب العلامات القیامہ سنن دار قطنی
101-	66	رضیت لامتی ما رضی لہا —	حذیفہ بن الیمان رض	کتاب الفضل الصحیح مسلم
102-	1060	رفع الیدین مع التکبیر فی القنوت —	عبداللہ بن مسعود رض	کتاب الصلوٰۃ سنن بیہقی
103-	790	رفع عن امتی الخطاء و النسیان —	ابن حبان	کتاب النسیان الجامع الترمذی
104-	207- 637	سئل عن الوضو —	عبداللہ بن مسعود رض	کتاب الطہارہ موطا امام محمد

صفحہ	حدیث	راوی	ماخذ
163	سئل ر[illegible]ل النبی صص ...	عائشہ رضی اللہ عنہا	باب فضل الصحابہ الصحیح مسلم
647	سئل رسول اللہ صلعم ...	علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	کتاب المشورہ الجامع الترمذی
1065	سئل عمن طلق ثلاثاً ...	عبداللہ بن عمر	کتاب الطلاق الجامع الصحیح البخاری
793	شبک بیدی ابو القاسم ...	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	کتاب الخلق الجامع الترمذی
750	شرقوا او غربوا ...	ابو ایوب انصاری	کتاب الطہارۃ الجامع صحیح کتاب الوضو بخاری
1069	صلی بالناس عشرین رکعۃ ...	رافعی	کتاب الصلوۃ فتح الباری شرح بخاری ابن حجر عسقلانی
523	صل فانک لم تصل ...	علی بن یحیی	کتاب الصلوۃ الجامع الترمذی
158-195	طلب العلم فریضۃ ...	انس بن مالک	کتاب العلم سنن ابن ماجہ
790			
129-153	الربی لمن رأی ...	ابو سعید خدری	باب فضل الصحابہ الصحیح مسلم
171			
1077	عن التکبیر فی الصلوۃ ...	ابو موسیٰ اشعری	کتاب الصلوۃ مصنف ابن ابی شیبہ
738	فان لعۃ رسول اللہ صلعم ...	علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	کتاب الحدود معانی الآثار
524	فاذا فعلت ذلک ...	حذیفہ بن الیمان	کتاب الصلوۃ کتاب الآثار
920	فرب حامل فقہ ...	ابو درداء	کتاب العلم معجم طبرانی
942	فرائی ان الامر کلہ للہ ...	عبداللہ بن عمر	کتاب التوکل مصنف ابن ابی شیبہ
1041	فسالہ عن راعیتہ ...	کعب بن مالک	کتاب ذبحۃ المرأۃ سنن ابن ماجہ
1063	فسئل عبداللہ بن عباس ...	عبداللہ بن عباس	کتاب الطلاق موطا امام مالک
1070	فصلی بہم عشرین رکعۃ ...	عمر بن خطاب	کتاب الصلوۃ کنز العمال علی متقی
709	فافتوا بالرائی ...	عبادہ بن صامت	کتاب الرائی کنز العمال علی متقی
746	فاقراہ فی سبع ...	جابر بن عبداللہ	کتاب الفضائل سنن ابن ماجہ
1066	فقال طلقت امرأتی ...	عطاء	کتاب الطلاق کتاب الآثار

	صفحہ	حدیث	راوی	ماخذ
-147	1060	كان يوتر [illegible] ...	ابى بن كعب	كتاب الصلوة معانى الآثار
-148	1070	كان يقومون [illegible]	يزيد بن [illegible]	كتاب الصلوة سنن [illegible]
-149	1079	كان لنا [illegible]	انس بن مالک	كتاب المناقب الجامع الصحیح بخارى
-150	971	كان اذا كبر رفع يديه	ابو قلابه	كتاب الصلوة الصحیح مسلم
-15	970-921	كان يرفع يديه [illegible] ...	عبداللہ بن عمر	كتاب الصلوة سنن ابن ماجہ
-152	970	كان رسول الله صلعم يرفع ...	عبداللہ بن عمر	كتاب الافتتاح سنن نسائى
-153	210	كان يعلمنا التشهد	البراء بن عازب	كتاب الصلوة كتاب الآثار
-154	921	كان لا يرفع يديه الا ...	براء بن عازب	كتاب الصلوة سنن ابن ماجہ
-155	16	كنا نقول و رسول الله صلعم ...	عبداللہ بن عمر	كتاب الفضل الجامع الصحیح البخارى
-156	748	كنا ننهى عن اتباع الجنائز	ام عطیہ	كتاب الجنازه سنن ابى داود
-157		[illegible]	مجاہد	كتاب الطلاق سنن ابى داود
-158		كيف كان يكبر	ابو موسى اشعرى	كتاب الصلوة سنن ابى داود
-159	1073	كيف كان صلوة الرسول صلعم ...	ابو سلمہ	كتاب الصلوة الجامع الصحیح بخارى
-160	34-35، 1057	لا صلوة لمن لم يقرأ ...	عبادہ بن صامت	كتاب الصلوة الجامع الصحیح بخارى
-16	741	لا صام من صام الابد ...	عبداللہ بن عمر	كتاب الصوم سنن ابن ماجہ
-16	790	لا صلوة لجار المسجد الا ...	على بن ابى طالب	كتاب الصلوة الجامع الترمذى
-16	735	لا يصلين احد العصر ...	عبداللہ بن عمر	كتاب الصلوة معانى الآثار
-16	753	لا يبولن احدكم فى الماء ...	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	كتاب الطہارہ سنن ابى داود
-16	744	لا يتمنين احدكم ...	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	كتاب الجنائز سنن نسائى
-16	661	لا يجتمع امتى على الضلالة ...	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	كتاب الاجماع سنن دارمى
-16	11	لا تسبوا اصحاب فولدى ...	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	كتاب الفضل الجامع الصحیح البخارى

نمبر	صفحہ	حدیث	راوی	ماخذ
168-	1014	لا وصیۃ لوارث	انس بن مالک	کتاب الوصایا سنن ابن ماجہ
169-	1064	لا تزال امتی ...	انس بن مالک	کتاب الطلاق معانی الآثار
170-	942	لا تدرکہ الابصار	عائشہ ؓ	کتاب الرؤیت سنن نسائی
171-	982	لا تتخذوا رکعتی الفجر	عائشہ ؓ	کتاب الصلوۃ سنن ابی داود
172-	207	لم یجمع اصحاب محمد —	ابو یوسف	کتاب الفضل کتاب الآثار
173-	943	لم یکذب ابراہیم الا ثلث	ابو ہریرہ ؓ	کتاب الکذب الجامع الصحیح بخاری
174-	982	لم یکن النبی صلعم شئی —	عائشہ ؓ	کتاب الصلوۃ الجامع الصحیح البخاری
175-	159	لو وثق العبد	ابو تمیم	کتاب الزہد سنن ابن ماجہ
176-	63	لو کنت مومراً من غیر —	علی بن ابی طالب	کتاب الفضل الجامع الترمذی
177-	58	لو استخلف ...	سعد بن ابی وقاص	کتاب الفضل الجامع الصحیح البخاری
178-	532	لیس من امتی علی	ابو حنیفہ ؒ	کتاب الحدود سنن نسائی
179-	795	لعن رسول اللہ صلعم	وکیع بن ابی الجراح	کتاب الطب الترغیب الترہیب
180-	991	لیلینی اولو الاحلام والنہی —	عبد اللہ بن مسعود ؓ	کتاب الصلوۃ مسند احمد
181-	950	لیوم القوم اقرأھم	ابی بن کعب	الکتاب الوتر محمد بن نصر مروزی
182-	956	لیومکم اکثرکم قرآناً	عبد اللہ بن مسعود	النیل الاوطار محمد علی شوکانی
183-	70	ما خیر عمار بین امرین —	عائشہ ؓ بنت ابو بکر ؓ	کتاب الفضل جامع الترمذی
184-	758	ما رأی رسول اللہ صلعم —	حذیفہ بن الیمان	کتاب الفضل الجامع الترمذی
185-	73	ما حدثکم حذیفہ	حذیفہ بن الیمان	کتاب الفضل الجامع الترمذی
186-	62	ما حدثکم ابن مسعود	حذیفہ بن الیمان	کتاب الفضل الجامع الترمذی
187-	1210	المحرم لا یلبس السراویل	عبد اللہ بن عباس	کتاب المناسک سنن ابن ماجہ
188-	852	مطل الغنی ظلم ..	عبد اللہ بن عمر	کتاب الظلم مصنف عبد الرزاق
189-	70	مرحبا بالطیب	علی بن ابی طالب ؓ	کتاب الفضل الجامع الترمذی

نمبر	صفحہ	حدیث	راوی	ماخذ
23	749	یا رسول اللہ ...... تامرنی	بریدۃ	کتاب الطلاق مشکوۃ المصابیح
-23	1067	یا رسول اللہ ...	عبد اللہ بن عباس رض	کتاب الطلاق سنن ابی داود
-23	191	یطلع اللہ لیلۃ النصف	ابو موسی الاشعری رض	باب لیلۃ النصف سنن ابن ماجہ
-23	971	یرفع ابہامیہ الی شحمۃ	وائل بن حجر	کتاب الصلوۃ سنن نسائی
-236	174	یرحمک اللہ فانک علیم معلم —	عبد اللہ بن مسعود رض	باب الفضل الصحیح مسلم
-237	34	یحشر اللہ العباد فینادیہم	جابر بن عبد اللہ	الترغیب والترہیب
-238	804	یصلی بنا فیقراء فی الظہر	ابو قتادہ انصاری	کتاب الصلوۃ مسند احمد
-239	1070	یصلی فی شہر رمضان	عبد اللہ بن عباس	فتاوی قاضی خان ص 11
-240	1070	یصلی بالناس فی رمضان	ابی بن کعب	کتاب الصلوۃ مصنف ابن ابی شیبہ
-241	1069	یصلی فی رمضان —	عبد اللہ ابن عباس رض	کتاب الصلوۃ زجاجۃ المصابیح سید ابو الحسن ... ص 510
-242	1076	یعلمنا التکبیر فی العیدین	عبد اللہ بن مسعود رض	کتاب الصلوۃ مصنف ابن ابی شیبہ
-243	973	یغسل الاناء من ولوغ الکلاب —	ابو ہریرہ رض	کتاب الطہارہ سنن دار قطنی
-244	708	یقیسون الامور برائیہم —	عبد اللہ بن عباس رض	کتاب الرائی سنن دار قطنی
-245	1082	یقبل بعض ازواجہ	عائشہ رض	کتاب الصلوۃ سنن نسائی
-246	1060	یقراء فی الوتر —	عمران بن حصین	کتاب الصلوۃ سنن نسائی
-247	1060	یقول فی کل رکعتین ...	عائشہ رض	کتاب الصلوۃ الصحیح مسلم
-248	200	یمسح علی الخفین —	مغیرہ بن شعبہ	کتاب الطہارہ سنن ابن ماجہ
-249	1056	ینہی عن القرات خلف الامام	عمران بن حصین	کتاب الصلوۃ سنن بیہقی
-250	1059	ینہانا فی الصلوۃ فی الصدور	ابو ہریرہ رض	کتاب الصلوۃ الجامع ترمذی
-251	1056	ینہون عن القرات —	زید بن اسلم	کتاب الصلوۃ عمدۃ القاری شرح الصحیح بخاری

فہرست اسماء الکتب مع تاریخ وفات مؤلفین و مصنفین

الف

ابو داود۔ سلیمان بن اشعث م 275ھ

ابو حنیفہ ابو زہرہ مصری۔

ابن ماجہ۔ م 273ھ

اتحاف النبلاء۔ نواب صدیق حسن خان۔ م 1307ھ

الاتقان فی علوم القرآن۔ جلال الدین سیوطی۔ م 911ھ

الاجوبہ الفاضلہ۔ ذہبی۔ 478ھ

الاجوبہ الفاضلہ۔ عبدالحی لکھنوی۔ م 1304ھ

احکام القرآن۔ ابو بکر جصاص رازی۔ 370ھ

احکام الاحکام۔ سیف الدین آمدی

الاحکام فی اصول الاحکام۔ ابن حزم اندلسی۔ 456ھ

احسان الباری تفہیم البخاری۔ محمد سرفراز خان۔ (حیات ہیں)

احیاء العلوم۔ امام غزالی۔ 505ھ

احسن الکلام۔ شرح بلوغ المرام۔ محمد سلیمان گیلانی

احکام القرآن ابو بکر ابن العربی۔ 546ھ

اختصار علوم الحدیث۔ ابن کثیر۔ 774ھ

اختصار۔ نواب صدیق حسن خان۔ 1307ھ

اختلاف ابی حنیفہ و ابی لیلی۔ امام ابو یوسف۔ 182ھ

اخبار۔ ابی حنیفہ۔ محمد بن عبداللہ صیمری

الادب المفرد۔ امام بخاری۔ 256ھ

الاذکار۔ شرف الدین۔ 676ھ

ارشاد الباری۔ شرح بخاری۔ قسطلانی۔ 329ھ

ارشادہ الفحول محمد علی شوکانی۔ 1250ھ

ازالہ الخفاعن سیرت الخلفاء۔ شاہ ولی اللہ۔ 1176ھ

الاستیعاب فی معرفہ اصحاب۔ ابن عبدالبر مالکی۔ 463ھ

اسد الغابہ۔ فی تمیز الصحابہ۔ عزالدین ابن الاثیر۔ 630ھ

اسماء الرجال۔ تقی الدین ندوی

اشارات المرام شرح بلوغ المرام۔ قاضی شرف الدین حسین ابن المغربی۔

الاصابہ فی تمیزالصحابہ ابن حجر عسقلانی۔ 852ھ

اصول البزدوی۔ منصوربن محمد بن علی فخر الاسلام 493ھ

اصول تخریج محمود طحان۔

اصول سرخسی۔ شمس الدین سرخسی۔ 483ھ

اصول فقہ۔ قاری حبیب الرحمن صدیقی۔

اعلام الموقعین۔ ابن القیم۔ 751ھ

الاعلان بالتوبیخ لمن ذم الاریخ۔ شمس الدین سخاوی۔ 902ھ

الاعتصام (ماہنامہ 9 فروری۔ 1961) ابراہیم سیالکوٹی۔

الاعتصام۔ ابو اسحاق شاطبی۔

الفیہ الحدیث۔ زین الدین عراقی۔ 806ھ

اقوال الصحیح فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ۔ شمس الدین احمد۔

اقوام المسالک۔ زاہد الکوثری۔ 1371ھ

الاکمال فی مشتبہ الانساب والرجال من رواۃ۔ ابن ماکولا سعد سمعانی۔

الاکمال فی اسماء الرجال۔ شیخ ولی الدین خطیب۔ 800ھ

امام ابن ماجہ اور علم حدیث۔ عبدالرشید نعمانی۔ (حیات ہیں)

انوار الباری۔ شرح بخاری۔ احمد رضا بجنوری۔

الانتصار الامام ائمہ الامصار۔ سبط ابن الجوزی۔

الانتقاء فی فضائل الثلاثہ الفقہاء۔ ابن عبدالبر مالکی۔ 463ھ

انسان العین فی مشائخ الحرمین۔ شاہ ولی اللہ۔ 1176ھ

اوشحہ ظہیر احسن شوق نیموی۔ 1325ھ

اوشحہ ابو مشکور سالمی۔

اوجز المسالک شرح موطا امام مالک۔ محمد زکریا کاندھلوی۔ 1402ھ

البدایہ والنہایہ۔ ابن کثیر۔ 774ھ

بدایۃ المجتہد۔ ابن رشد۔

بلوغ الامانی۔ زاہد الکوثری 1371ھ

بلوغ الامانی۔ احمد عبدالرحمن البناء

بستان المحدثین۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ 1239ھ

بنایہ شرح ہدایہ۔ بدرالدین عینی۔ 855ھ

بخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ 251ھ

الباعث الحثیث۔ احمد محمد شاکر

ت

تاریخ طبری۔ محمد بن جریر طبری۔ 310ھ

تاریخ بغداد۔ خطیب بغدادی۔ 463ھ

تاریخ العرب المطول۔ ڈاکٹر فلپ حتی۔

تاریخ اسلام احمد امین مصری۔

تاریخ ادب عربی۔ حسن زیات۔

تاریخ علم فقہ محمد خضری بک۔

تاریخ کبیر محمد بن اسماعیل بخاری۔ 256ھ

تاریخ المحدثین۔ (طرح التثریب) ابوزرعہ۔ 926ھ

تاریخ المحدثین یحیی بن معین۔ 233ھ

تاریخ ہمدان۔ حافظ ابن شیرویہ۔

تاریخ اہل حدیث مولانا امیر صاحب۔ 1375ھ

تاریخ صغیر امام بخاری۔ 256ھ

تانیب الخطیب۔ زاہد الکوثری۔ 1371ھ

تبییض الصحیفہ۔ جلال الدین سیوطی۔ 911ھ

تبصیر۔ ابو المظفر سفرائینی۔ 400ھ

تحریک آزادی فکر۔ محمد اسماعیل سلفی 1383ھ

تحفہ الاکملہ علی حواشی تحفہ الطلبہ۔ ابراہیم الوزیر الیمانی۔ 840ھ

تحفہ الباری شرح بخاری۔ یحیی زکریا انصاری۔ 926ھ

تحفہ الاحوذی شرح ترمذی۔ عبدالرحمٰن مبارک پوری۔ 1353ھ

التحریر ابن الہمام۔ 861ھ

تدریب الراوی۔ جلال الدین سیوطی۔ 911ھ

تذکرۃ الموضوعات۔ ملا علی قاری۔ 1014ھ

تذکرۃ النعمان۔ احمد رضا بجنوری۔

تذکرۃ الحفاظ۔ شمس الدین ذہبی۔ 748ھ

ترجمان القرآن۔ محی الدین احمد۔ ابو الکلام آزاد۔

ترجمان السنہ۔ مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی۔ 1385ھ

تزیین الممالک۔ جلال الدین سیوطی۔ 911ھ

تعلیقات علی شروط الائمہ الخمسہ حازمی۔ 584ھ

تعلیقات علی دراسات۔ ابن رجب حنبلی۔ 795ھ

تعلیقات علی الاجوبہ الفاضلہ ذہبی۔ 748ھ

تعلیقات علی الموضوعات۔ جلال الدین سیوطی۔ 911ھ

تعلیقات علی توضیح الافکار۔ محی الدین عبدالحمید۔

التعلیق الممجد علی موطا امام محمد عبدالحی لکھنوی۔ 1304ھ

تعلیقات علی الموافقات۔ ابو اسحاق شاطبی۔

تعلیقات علی المناقب۔ زاہد الکوثری۔ 1371ھ

تفسیر روح المعانی محمود آلوسی بغدادی۔

تفسیر ابن کثیر۔ 774ھ

تفسیر مظہری ثناء اللہ پانی پتی۔ 1225ھ

تفسیری عثمانی۔ شبیر احمد عثمانی۔ 1369ھ

تفسیر فتح القدیر محمد علی شوکانی۔ 1250ھ
تفسیر المفسرون محمد حسین ذہبی مصری۔
تفہیمات شاہ ولی اللہ 1176ھ
تقریب۔ شرف الدین نووی۔ 676ھ
تقدمہ الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم۔ 327ھ
تقدمہ نصب الرایہ۔ زاہد الکوثری۔ 1372ھ
تقریب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ 773ھ
تلقیح فہوم اہل الاثر۔ ابن الجوزی۔ 751ھ
تمہید ابن عبدالبر مالکی۔ 463ھ
تنقیح الانظار۔ زین الدین عراقی۔ 806ھ
تنویر الحوالک شرح مؤطا امام مالک ابن عبدالبر مالکی۔ 463ھ
تنویر الصحیفہ۔ یوسف بن عبدالہادی حنبلی۔ 909ھ
توضیح الافکار۔ علامہ یمانی۔ ابراہیم الوزیر۔ 840ھ
توجیہ النظر شرح نخبۃ الفکر طاہر الجزائری۔ 1337ھ
تہذیب السنن شرح ابی داؤد ابن قیم۔ 751ھ
تہذیب الکمال۔ یوسف المزی۔ 142ھ
تہذیب التہذیب۔ ابن حجر عسقلانی۔ 773ھ
تہذیب الکلام حافظ ابو الحجاج۔ مزی شافعی۔ 642ھ
تہذیب الاسماء و اللغات۔ شرف الدین نووی۔ 676ھ

ج

جامع الصغیر۔ جلال الدین سیوطی۔ 911ھ
جامع بیان العلم وفضلہ ابن عبدالبر۔ 473ھ
جامع الترمذی۔ 270ھ
جامع العلوم والحکم۔ حافظ ابن رجب۔ 795ھ
جامع الاصول۔ ابن اثیر جزری۔ 606ھ

جامع التحصیل لاحکام المراسیل۔ صلاح الدین علائی۔ 761ھ

جامع الصحیح بخاری۔

جامع المسانید۔ خوارزمی م 435ھ

جزء رفع یدین۔ بخاری۔ 256ھ

جزء آمین۔ بخاری۔ 256ھ

جزء قرأت بخاری۔ 256ھ

الجوہر النقی۔ حافظ علاء الدین ماردینی۔ 750ھ

الجواہر المنیہ۔ ملا علی قاری۔ 1014ھ

الجواہر المضیہ علامہ ابن ابی الوفا۔ حافظ عبدالقادر قرشی۔ 775ھ

الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ۔ نواب صدیق حسن خان۔ 1307ھ

ح

حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ ولی اللہ 1176ھ

حدائق الحنفیہ۔ فقیر محمد جہلمی۔

حسن التقاضی۔ امام ابو یوسف۔ 182ھ

حلیۃ الاولیاء۔ احمد بن عبداللہ۔ ابو نعیم اصفہانی۔ 430ھ

الحطہ فی ذکر اصحاب الستہ۔ نواب صدیق حسن خان۔ 1307ھ

الحظ الاوفر فی الحج الاکبر۔ ملا علی قاری۔ 1014ھ

الحدیث والمحدثون۔ ابو زہرہ مصری۔

حاشیہ بلوغ الامانی۔ زاہد الکوثری۔ 1371ھ

حاشیہ علی الاشباہ والنظائر۔ علامہ احمد بن محمد حموی۔ 718ھ

حیات ابن القیم اردو ترجمہ۔ رشید احمد۔

حیات ابو حنیفہ۔ (اردو) غلام احمد حریری۔

خ

خیرات الحسان۔ ابن حجر مکی۔ 974ھ

د

الدیباج المذہب۔ احمد عبداللہ العجلی۔ 261ھ

الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب۔ ابراہیم بن محمد المعروف ابن فرحون مالکی۔

دلیل الطالب نواب صدیق حسن خان۔ 1307ھ

در منثور سیوطی۔ 911ھ

دار قطنی۔ علی بن عمر۔ 385ھ

درمختار۔ علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی۔ 1088ھ

دراسات اللبیب۔ محمد معین سندھی۔ 1161ھ

ذ

ذب ذبابات۔ عبداللطیف سندھی۔

ر

الرفع والتکمیل۔ عبدالحی لکھنوی۔ 1304ھ

الروض الباسم حافظ محمد ابراہیم الوزیر۔ 840ھ

ریاض المرتاض۔ نواب صدیق حسن خان۔ 1307ھ

الرسالہ المستطرفہ۔ محمد بن جعفر کتانی۔

الرسالہ امام شافعی۔ 204ھ

الرد علی سیر الاوزاعی۔ 204ھ

الرد علی البکری۔ ابن تیمیہ۔ 652ھ

رد المختار۔ علامہ ابن عابدین (محمد امین) شامی۔ 1252ھ

ز

زاد المعاد۔ ابن القیم 751ھ

زہر الربی علی المجتبیٰ۔ جلال الدین سیوطی۔ 911ھ

س

سنن ابی داؤد ـ 275ھ

سنن دارمی ـ 255ھ

سنن الکبریٰ بیہقی ـ 458ھ

سنن نسائی ـ 303ھ

سنن دارقطنی ـ 385ھ

السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی ـ محمد مصطفیٰ سباعی مصری ـ

السہم المصیب فی کبد الخطیب ـ ملک مظفر ایوب حنفی ـ 621ھ

سبیل رسول ـ محمد صادق سیالکوٹی ـ

سیرت النعمان ـ شبلی نعمانی ـ

سیر اعلام النبلاء ـ شمس الدین ذہبی ـ 748ھ

ش

شرح مسلم نووی ـ 676ھ

شرح نخبۃ الفکر ابن حجر عسقلانی ـ 852ھ

شرح مسند احمد ـ المیمن

شرح مواہب اللدنیہ ـ زرقانی ـ

شرح مسند الامام محمد حسن سنبھلی لکھنوی ـ 1305ھ

شرح مسند ملا علی قاری ـ 1014ھ

شرح الاحیاء زین الدین عراقی ـ 806ھ

شرح الفیہ سخاوی ـ 902ھ

شرح مختصر ـ جرجانی ـ

شرح سخاوی ـ امام سخاوی ـ 902ھ

شرح فقہ اکبر ـ ملا علی قاری ـ 1014ھ

شرح القاری ـ ملا علی قاری ـ 1014ھ

شرح نزہۃ النظر ـ ملا علی قاری ـ 1014ھ

شرح الاذکار۔ ابن اعلان۔

شرح مسند الامام۔ ابو الوفا افغانی۔

شرح معانی الآثار۔ ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی۔ 321ھ

شروط الائمۃ الخمسہ۔ ابو بکر حازمی۔ 584ھ

شذرات الذھب۔ ابن العماد حنبلی۔ 1089ھ

ص

صحیح مسلم۔ مسلم بن حجاج۔ 261ھ

صحیح بخاری۔ 256ھ

ض

الضوء اللامع۔ شمس الدین سخاوی۔ 902ھ

ط

الطرق الحکمیہ۔ علامہ ابن قیم الجوزی۔ 751ھ

طبقات الکبری۔ عبدالوہاب شعرانی۔ 973ھ

طبقات ابن سعد۔ محمد بن سعد بصری۔ 230ھ

طبقات الشافعیہ۔ شاطبی۔ 790ھ

طبقات حنابلہ۔ ابن ابی یعلی۔ 526ھ

طبقات الشافعیہ۔ تقی الدین سبکی۔ 771ھ

طحاوی شریف۔ ابو جعفر طحاوی۔ 321ھ

ظ

ظفر الامانی۔ شرح مختصر جرجانی۔ عبدالحی لکھنوی۔ 1304ھ

ع

عقود الجمان۔ محمد بن یوسف شافعی۔ 942ھ

علم رجال الحدیث۔ محمد مظاہری ندوی۔

عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر۔ سمعانی۔ 502ھ

عمدۃ القاری شرح بخاری۔ بدرالدین عینیؒ۔ 855ھ

عمدۃ الرعایہ شرح ہدایہ۔ عبدالحی لکھنوی۔ 1304ھ

عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ ابو حنیفہ۔ مرتضیٰ زبیدی۔ 1205ھ

عقید الجید۔ شاہ ولی اللہ۔ 1176ھ

عجالہ نافعہ۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ 1239ھ

العرف الشذی۔ شرح ترمذی۔

عون الباری شرح بخاری۔ نواب صدیق حسن خان۔ 1307ھ

عینی۔ بدرالدین عینی۔ 855ھ

عنایہ شرح ہدایہ۔ اکمل الدین۔

علوم الحدیث عبیداللہ 1407ھ

غ

غیث الغمام۔ عبدالحی لکھنوی۔ 1304ھ

غنیۃ الطالبین۔ عبدالقادر جیلانی۔

ف

فجرالاسلام احمد امین مصری۔

الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ۔ عبدالحی لکھنوی۔

الفقیہ والمتفقہ۔ خطیب بغدادی۔ 463ھ

فتح القدیر۔ قاضی شوکانی۔ 1250ھ

فتح القدیر ابن الہمام۔ 861ھ

فہرست ابن ندیم۔ ابو الفرج محمد بن یعقوب بن اسحاق بن ندیم۔ 385ھ

فقہ اکبر۔ امام ابو حنیفہ۔ 150ھ

فہم حدیث فہیم عثمانی۔

فتاوی عزیزی۔ شاہ عبدالعزیز۔ 1239ھ

فتاوی ابن تیمیہ۔ 652ھ

فیض الباری شرح بخاری۔ انور شاہ۔ 1352ھ

فیوض الحرمین شاہ ولی اللہ۔ 1176ھ

فواتح الرحموت۔ عبدالعلی بحرالعلوم

فتاوی قاضی خان۔ فخرالدین حسن بن منصور۔

فتح الملہم شبیر احمد عثمانی۔ 1369ھ

فتح العلام فی شرح بلوغ المرام۔ نواب صدیق حسن خان۔۔ 1307ھ

فتح المغیث۔ شمس الدین سخاوی۔ 902ھ

ق

قرۃ العینین۔ شاہ ولی اللہ۔ 1176ھ

قلائد الازھار۔ مفتی مہدی حسن۔

القواعد فی علوم الحدیث۔ ظفر احمد عثمانی۔ 1394ھ

قیام اللیل۔ محمد بن مروزی۔ 371ھ

قواعد التحدیث۔ جمال الدین قاسمی۔۔ 1332ھ

ک

کتاب العلل۔ ترمذی۔ 279ھ

کتاب الفاصل۔۔ رامہرمزی۔ 360ھ

کتاب الآثار۔ امام محمد۔ 187ھ

کتاب الخراج۔ امام ابو یوسف۔ 183ھ

کتاب الکنی والاسماء۔ ابو محمد بن احمد دولابی۔ 320ھ

کتاب الجرح والتعدیل۔ ابن ابی حاتم۔ 327ھ

کتاب الام۔ امام شافعی۔ 204ھ

کتاب الانساب۔ حافظ ابو سعید سمعانی۔ 562ھ

کتاب المنتظم۔ ابن الجوزی۔ 597ھ

کتاب النحو۔ ابو عمر الدانی۔

کتاب اختلاف الحدیث۔ امام شافعی۔ 204ھ

کتاب الضعفاء الصغیر۔ نسائی۔ 303ھ

کتاب التحریر۔ ابن الہمام۔ 861ھ

کتاب الجامع۔ عبدالقادر قرشی۔ 775ھ

کتاب الروح۔ ابن القیم 751ھ

کتاب الاعتبار فی بیان ناسخ المنسوخ۔ ابو بکر ہمدانی۔ 584ھ

کتاب العلل ترمذی۔ 279ھ

کتاب الاسرار۔ بدرالدین عینی۔ 855ھ

کتاب المغنی۔ ابن قدامہ۔

کنز العمال علی متقی۔ 975ھ

کشف الظنون مصطفیٰ بن عبداللہ المعروف حاجی خلیفہ چلپی۔

کشف الاسرار عبدالعزیز بخاری۔

الکفایہ فی علوم الروایہ۔ خطیب بغدادی۔ 463ھ

کوکب الدری شرح بخاری۔ محمد زکریا۔ 1402ھ

ل

لسان المیزان۔ ابن حجر عسقلانی۔ 852ھ

لحات النظر فی سیرۃ امام زفر۔ زاہد الکوثری۔ 1371ھ

م

ما تمس بن الیہ الحاجہ عبدالرشید نعمانی۔ (حیات ہیں)

مجمع الزوائد نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی۔

مجموعہ الرسائل۔ امام ابن تیمیہ۔ 728ھ

مجموعہ فتاوی عزیزی۔ شاہ عبدالعزیز۔ 1239ھ

مجمع البحار ۔ طاہر پٹنی۔ 986ھ

المحلی۔ امام ابن حزم۔ 456ھ

مختصر جامع بیان العلم ابن عبدالبر۔ 463ھ

مختصر الروضہ۔ سلیمان عبدالقوی حنبلی۔

مختصر فتاوی مصریہ۔ بدر الدین علی حنبلی۔ 777ھ

المدخل فی اصول الفقہ۔ محمد معروف الدوالیبی۔

المدخل فی اصول الحدیث۔ حاکم نیشاپوری۔ 405ھ

مرقات شرح مشکوۃ۔ ملا علی قاری۔ 1014ھ

مراۃ الزمان۔ ابن سبط الجوزی۔

میزان الاعتدال۔ حافظ ابن حجر عسقلانی۔ 852ھ

مستدرک۔ حاکم۔ 405ھ

مسلم۔ امام مسلم بن حجاج۔ 166ھ

مسند دارمی۔ 255ھ

مسند بزار۔ ابن اسامہ بزار۔ 292ھ

مسند ابن شاہین۔ عمر بن احمد۔ [illegible]ھ

مسئلہ اجتہاد۔ محمد حنیف ندوی۔

المشتبہ فی اسماء الرجال۔ شمس الدین ذہبی۔ 748ھ

مشکوۃ المصابیح۔ شیخ ولی الدین ابی عبداللہ خطیب شافعی۔ 740ھ

مشاہدات۔ قاری محمد طیب دیوبندی۔ 1403ھ

مصفی شرح موطا شاہ ولی اللہ۔ 1176ھ

مصنف ابن ابی شیبہ۔ 235ھ

مصطلح الحدیث۔ صبحی صالح مصری۔

مصنف عبدالرزاق۔ 211ھ

مظاہر حق۔ قطب الدین دہلوی۔

معجم البلدان۔ یاقوت الحموی۔

معجم المصنفین۔ شیخ محمود حسن خان ٹونکی۔

معجم صغیر طبرانی۔ 360ھ

معجم طبرانی۔ سلیمان بن احمد طبرانی۔ 360ھ

معالم السنن۔ خطابی۔ 388ھ

معانی الآثار۔ طحاوی۔ 321ھ

معرفت سنن و الآثار بیہقی۔ 458ھ

معرفۃ السنۃ۔ بیہقی۔ 458ھ

معرفت علوم الحدیث۔ عبدالرشید نعمانی۔ (حیات ہیں)

مفتاح الجنۃ۔ سیوطی۔ 911ھ

مفتاح السعادۃ طاش کبریٰ زادہ۔

مقدمہ فتح الملہم۔ شبیر احمد عثمانی۔ 1369ھ

مقدمہ تاریخ دمشق۔ ابن عساکر۔

مقدمہ ابن صلاح۔ 643ھ

مقدمہ کتاب الآثار عبدالرشید نعمانی۔ (حیات ہیں)

مقدمہ فتح الباری۔ ابن حجر عسقلانی۔ 773ھ

مقدمہ مسند امام اعظم عبدالرشید نعمانی۔ (حیات ہیں)

مقدمہ اعلاء السنن۔ ظفر احمد عثمانی۔ 1369ھ

مقدمہ اصول شیخ عبدالحق۔ 1052ھ

مقدمہ نزہۃ النظر اسحاق عزوز۔

مقدمہ ابن خلدون۔ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون۔ 808ھ

مقام ابی حنیفہ۔ سرفراز خان۔ (حیات ہیں)

المقاصد الحسنۃ۔ شمس الدین سخاوی۔ 902ھ

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی۔ شیخ احمد سرہندی۔ 1034ھ

الملل والنحل۔ عبدالکریم شہرستانی۔ 548ھ

منہاج السنۃ۔ ابن تیمیہ۔ 652ھ

مناقب عبدالعزیز۔ دراوردی۔

مناقب موفق بن احمد مکی۔ 568ھ

مناقب ملا علی قاری۔ 1014ھ

مناقب محمد بن محمد کردری۔ 827ھ

مناقب ابن حجر عسقلانی۔ 852ھ

مناقب البزازی۔ ابن اسامہ بزاز۔

مناقب ذہبی۔ 748ھ

منیۃ الالمعی۔ قاسم بن قطلوبغا۔ 779ھ

منہج النقد فی علوم الحدیث شاطبی۔ ابراہیم بن موسیٰ شاطبی۔ 790ھ

المنار شرح کشف الاسرار۔ عبدالعزیز بخاری۔

منتقی الاخبار شرح نیل الاوطار حافظ مجد الدین ابن تیمیہ۔ 728ھ

منصب امامت۔ شاہ ولی اللہ۔ 1176ھ

موطا امام مالک 179ھ

موطا امام محمد۔ 189ھ

موضوعات کبیر۔ ملا علی قاری۔ 1014ھ

موضح اوہام الجمع والتفریق۔ خطیب بغدادی۔ 463ھ

الموافقات ابو اسحاق شاطبی۔

ن

نزہۃ النظر۔ علامہ ابن حجر عسقلانی۔ 852ھ

نسائی۔ 303ھ

نیل الامانی۔ شرح مختصر جرجانی۔

نیل الاوطار۔ محمد علی شوکانی۔ 1250ھ

نخبۃ الفکر۔ ابن حجر عسقلانی۔ 852ھ

نشر العلمین المنیفین۔ جلال الدین سیوطی۔ 911ھ

نہایہ فی غریب الحدیث والاثر ابن اثیر جزری۔ 606ھ

نہایۃ السول جمال الدین قاسمی۔ 1332ھ

نظامی شرح حسامی۔

نسیم الریاض۔ احمد خفاجی۔

نصب الرایہ شرح ہدایہ۔ عثمان بن علی محمد زیلعی۔ 743ھ

و

وفاء الوفاء

الوابل الصیب۔ ابن القیم۔ 751ھ

وفیات الاعیان۔ ابن خلکان۔ 681ھ

ھ

ھدایہ۔ برھان الدین مرغینانی۔

ہدایہ السائل الی ادلۃ المسائل۔ نواب صدیق حسن خان۔ 1307ھ

ھدی الساری۔ مقدمہ فتح الباری، ابن حجر عسقلانی۔ 852ھ

ی

یواقیت والجواہر۔ عبدالوہاب شعرانی۔ 973ھ

فہرست اسماء الرجال مع تاریخ وفات

الف

1-	ابو اسحاق سفرائینی استاد ابراہیم بن محمد	م 400
2-	ابو اسحاق الشیرازی ابراہیم بن علی بن یوسف	م 476
3-	ابو اسحاق الشیبانی الامام سلیمان بن فیروز الکوفی الحافظ	م 144
4-	ابو اسحاق السبیعی عمرو بن عبداللہ	م 127
5-	ابو اسحاق خزاری حافظ ابراہیم بن محمد	م 185
6-	ابو اسحاق ابراہیم بن محمد سبط ابن العجمی	م 841
7-	ابو اسحاق و ملیح سنجری	م 351
8-	ابو احمد محمد بن حامد	م 377
9-	ابو احمد حاکم	م 873
10-	ابو الاحوص سلام بن سلیم الحافظ الکوفی	م 179
11-	ابو بکر محمد بن موسی خازی	م 584
12-	ابو بکر البزاز	م 292
13-	ابو بکر بن ابی خیثمہ	م 279
14-	ابو بکر محمد بن نقطہ	م 629
15-	ابو بکر احمد بن محمد بن ہارون بغدادی الخلال	م 311
16-	ابو بکر احمد بن علی الرازی	م 370
17-	ابو بکر احمد بن ابراہیم الاسماعیلی الجرجانی	م 371
18-	ابو بکر حمیدی مکی	م 219
19-	ابو بکر احمد بن موسی مردویہ الاصبہانی	م 416
20-	ابو بکر اسماعیلی	م 371
21-	ابو بکر الخطیب حافظ احمد بن علی بن ثابت	م 462

22-	ابو بکر بزاز	م 292
23-	ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری	م 117
24-	ابو بکر الجصاص الرازی احمد بن علی امام	م 370
25-	ابو بکر بن مردویہ اصفہانی	م 416
26-	ابو بکر بن حزم قاضی خزاعی انصاری	م 120
27-	ابو بکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام	م 94
28-	ابو بکر احمد بن محمد البرقانی خوارزمی	
29-	ابو بکر بن ابی شیبہ	م 235
30-	ابو بکر البرقانی	م 425
31-	ابو بکر احمد بن علی	م 398
32-	ابو بکر [illegible] العربی	م 546
33-	ابو بکر [illegible] عبدان شیرازی	م 388
34-	ابو بکر الفریابی	م 303
35-	ابو بکر محمد بن محمد بن رجاء نیشاپوری	م 286
36-	ابو بکر محمد بن عبداللہ جوزقی نیشاپوری	م 388
37-	ابو بکر بن ایوب حنفی	م 621
38-	ابو بکر بن ابی عاصم	م 287
39-	ابو بکر حازمی	م 584
40-	ابو بکر صدیق	م 13
41-	ابو البشر محمد بن احمد دولابی	م 320
42-	ابو بردہ الحارث ابن ابی موسی الاشعری قاضی الکوفہ	م 104
43-	ابو ثور امام ابراہیم بن خالد بن ابی الیمان	م 340
44-	ابو جعفر بن زبیر غرناطی حافظ	م 708
45-	ابو جعفر عقیلی	م 322
46-	ابو جعفر طحاوی	م 321

72- ابو حفص عمر بن شاہین — م 385

73- ابو حفص کبیر حنفی امام احمد بن حفص — م 217

74- ابو حفص عمر بن بدر موصلی — م 623

75- ابو حفص عمر بن ابراہیم بن عبداللہ عکبری — م 387

76- ابی حاتم محمد بن حبان — م 354

77- ابو حاتم عبدالرحمن رازی — م 327

78- ابو حاتم امام حافظ محمد بن ادریس — م 277

79- ابو حاتم عبدری — م 438

80- ابو حیان اندلسی اثیر الدین محمد بن یوسف الغرناطی — م 654

81- ابو حامد ہروی — م 344

82- ابو الخیر مرشد بن عبداللہ الیزلی — م 90

83- ابو خیثمہ زہیر بن حرب — م 234

84- ابو داؤد امام سلیمان بن الاشعث — م 275

85- ابو داود ظاہری — م 202

86- ابو دواد الطیالسی — م 204

87- ابو ذر عبد بن احمد بن محمد بن عبداللہ انصاری — م 434

88- ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان القرشی — م 130

89- ابو زرعہ رازی حافظ عبیداللہ بن عبدالکریم — م 294

90- ابو زرعہ حافظ دمشقی عبدالرحمن بن عمرو — م 281

91- ابو زبیر محمد بن مسلم — م 128

92- ابو زید المروزی امام محمد بن احمد — 371

93- ابو سعید صلاح الدین خلیل بن کیکلدی علائی — م 761

94- ابو سعید ہیثم بن کلیب شاشی — م 335

95- ابو سعد عبدالکریم بن محمد سمعانی — م 562

96- ابو عتیق بن داود الیمانی فارسی

-97	ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد شیبانی المعروف ابن الاثیر	م 606
-98	ابو سلیمان خطابی	م 288
-99	ابو الشیخ اصفہان عبداللہ بن محمد بن حیان حافظ الامام	م 399
-100	ابو شامہ علامہ شہاب الدین عبدالرحمن بن اسماعیل	م 665
-101	ابو طلحہ منصور بن محمد علی بزدوی	م 329
-102	ابو طاہر مقدسی حافظ احمد بن محمد	م 576
-103	ابو علی حسین بن محمد نیشاپوری	م 365
-104	ابو علی غسانی المعروف جیانی اندلسی	م 498
-105	ابو علی حسین بن محمد سرخسی	م 365
-106	ابو علی سعید بن عثمان بن سعید بن الساکن بغدادی	م 353
-107	ابو عمرو خلیفہ بن خیاط	م 240
-108	ابو عاصم النبیل ضحاک بن مخلد	م 212
-109	ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق الحافظ الکبیر	م 316
-110	ابو العالیہ رفیع بن مہران	م 93
-111	ابو عبداللہ محمد بن یحیی	م 243
-112	ابو عبداللہ محمد دمشقی حنفی معروف بہ ابن طولون	م 935
-113	ابو عبداللہ حاکم	م 405
-114	ابو عبداللہ حکم بن سعید	م 295
-115	ابو عبداللہ بن محمد الحارثی	م 340
-116	ابو عبداللہ مروزی	م 228
-117	ابو عبداللہ حسن بن ابراہیم ہمدانی جوزقی	م 543
-118	ابو عبداللہ محمد بن العباس بن ابی ذہل	م 378
-119	ابو عبداللہ ابرزالی	م 636
-120	ابو عبداللہ الحمیدی	م 488
-121	ابو عبداللہ الصیمری حسین بن علی	م 436

122- ابو عبداللہ محمد بن یحیی جرجانی — م 379

123- ابو عبداللہ بن ایبک الذہبی — م 748

124- ابو عبداللہ بخاری — م 256

125- ابو عبداللہ محمد بن عباس المعروف بہ ابن ابی ذہل الہروی — م 378

126- ابو عبداللہ بن الفخار مالکی — م 81

127- ابو عبداللہ الحسین بن محمد — م 521

128- ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشیر فربری — م 320

129- ابو عبداللہ محمد بن الحسن — م 677

130- ابو عبداللہ محمد بن مخلد بن حفص دوری بغدادی — م 231

131- ابو عبداللہ حافظ الحسینی) محمد بن علی الحسن بن حمزہ — م 765

132- ابو عبداللہ بن مندہ — م 395

133- ابو عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری — م 276

134- ابو عروبہ الحرانی — م 318

135- ابو العلاء محمود بن ابی بکر کلاباذی — م 700

136- ابو العباس احمد بن عبداللہ مکی المعروف محب الطبری — م 964

137- ابو العباس سراج — م 313

138- ابو المعالی عبدالملک الجوینی امام الحرمین — م 478

139- ابو العباس احمد بن ابی الصلت الحمانی — م 308

140- ابو عبید امام القاسم بن سلام — م 224

141- ابو عبیدہ معمر بن مثنی تمیمی بصری — م 210

142- ابو عمر محمد بن عبدالواحد المعروف غلام ثعلب — م 345

143- ابو عمرو بن العلا بن عمار المقری البصری — م 154

144- ابو الفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی — م 597

145- ابو الفرج عبدالرحمن بن احمد بغدادی ثم دمشقی — م 795

146- ابو الفتح ازدی — م 374

147	ابو الفداء اسماعیل بن علی الشافعی	م 732
-148	ابو الفضل علی بن مراد موصلی	م 147
-149	ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی	م 507
-150	ابو الفضل فلکی	م 438
-151	ابو القاسم ھبۃ اللہ بن حسن اللالکائی	م 418
-152	ابو القاسم سہیلی	م 581
-153	ابو القاسم عبدالرحمن الغافقی الجوہری	م 388
-154	ابو القاسم علی بن حسن ھبۃ اللہ دمشقی شافعی معروف بہ ابن عساکر	م 571
-155	ابو القاسم بن عساکر	م 578
-156	ابو القاسم بن بشکوال	م 578
-157	ابو القاسم طلحہ بن محمد جعفر العدل بغدادی	م 380
-158	ابی قلابہ عبداللہ بن زید بصری	م 104
-159	ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری	76
-160	ابو محمد بغدادی المعروف خلال	م 439
-161	ابو محمد الحارثی الحافظ عبداللہ	م 340
-162	ابو محمد عبداللہ بن یوسف ذیلعی	م 762
-163	ابو محمد الجوینی امام الحرمین	م 478
-164	ابو محمد قاسم بن اصبغ	م 340
-165	ابو محمد حسن بن عبدالرحمن رامہرمزی	م 360
-166	ابو موسیٰ المدینی حافظ محمد بن ابی بکر عمر بن ابی عیسیٰ	م 571
-167	ابو موسیٰ اشعری محمد بن ابی بکر المدینی اصفہانی	م 581
-168	ابو محشر عبدالکریم شافعی	م 478
-169	ابو مقاتل حفص بن مسلم (سمرقندی)	م 208
-170	ابو المطرف بن فطیس اندلسی	م 402
-171	ابو المحاسن محمد بن علی حسینی	م 765

172	ابو مسعود دمشقی	م 400
173	ابو نصر کلاباذی	م 398
174	ابو نصر عبید اللہ بن سعد وائلی	م 444
175	ابو نعیم الفضل بن دکین عمرو بن حماد	م 219
176	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی	م 430
177	ابو نعیم عبد المالک بن محمد جرجانی	م 322
-178	ابو الولید الباجی امام حافظ سلیمان بن خلف	م 474
-179	ابو الولید طیالسی ہشام بن عبد الملک حافظ	م 237
-180	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	م 57ھ
-181	ابو الہذیل علاف	م 235
-182	ابو ہارون عبدی عمارہ بن جوین	م 134
-183	ابو یحیی زکریا بن یحیی الساجی	م 307
-184	ابو یحیی الحمانی عبد الحمید بن عبد الرحمن	م 202
185	ابو یعلی (خلیلی) بن عبد اللہ بن حمزہ	م 440
186	ابو یعلی موصلی امام حافظ احمد بن علی	م 307
-187	ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم وراق	م 403
-188	ابو یوسف امام قاضی	م 182
-189	ابن ابی اسامہ حارث تمیمی	م 282
-190	ابن ابی ذہل	م 378
-191	ابن ابی ذئب محمد بن عبد الرحمن ابو الحارث	م 159
-192	ابن ابی شیبہ ابو بکر حافظ عبد اللہ بن محمد	م 235
-193	ابن ابی حاتم	م 327
-194	ابن ابی الفوارس ابو الفتح محمد بن احمد بغدادی	م 412
-195	ابن ابی الدنیا	م 281
-196	ابن ابی یعلی امام ابو عبد الرحمن محمد بن عبد الرحمن	م 148

197	ابن ابی ملیکہ امام ابو بکر بن عبداللہ بن عبداللہ	م 117
198	ابن الاثیر عزالدین الجزری علی بن محمد امام ابو الحسن بن محمد	م 630
199	ابن اثرم	م 344
-200	ابن الانباری الحافظ ابو بکر بن القاسم	م 328
201	ابن الابار	م 635
-202	ابن بشکوال الحافظ الامام ابو القاسم خلف بن عبدالملک	م 578
203	ابن تیمیہ (حافظ) الحرانی تقی الدین ابو العباس احمد بن عبدالحلیم	م 728
-204	ابن جریج ابو خالد عبدالملک ابو الولید الرومی	م 150
-205	ابن جریر ابو جعفر محمد بن جریر طبری	م 310
-206	ابن جمیع محمد بن احمس	م 402
-207	ابن الجوزی ابو الفرج عبدالرحمن بن علی	م 597
-208	ابن جارود	م 307
209	ابن حبان حافظ ابو حاتم محمد بستی	م 354
-210	ابن حجر حافظ عسقلانی شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی	م 852
-211	ابن حجر مکی شافعی ابو العباس شہاب الدین احمد	م 974
-212	ابن حجر ہیثمی	م 995
-213	ابن حمزہ حسینی	م 765
-214	ابن حزم حافظ ابو محمد علی بن محمد	م 456
-215	ابن خیثمہ	م 279
-216	ابن خزیمہ ابو بکر محمد بن اسحاق	م 331
-217	ابن خراش ابو جعفر احمس بن الحسن	م 334
-218	ابن خراط	م 582
-219	ابن خسرو بلخی محدث ابو عبداللہ حسین بن محمد	م 522
-220	ابن خلکان قاضی شمس الدین ابو العباس احمد بن محمد	م 681
-221	ابن رفیق العبد الامام الحافظ تقی الدین ابو الفتح محمد بن علی	م 702

222	ابن ربیع شیبانی	م 944
223	ابن رجب حافظ شیخ زین الدین ابو الفرج حنبلی	م 795
224-	ابن رشیق قیروانی	م 456
225-	ابن السبکی علامہ تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب بن تقی الدین	م 771
226-	ابن سعد ابو عبداللہ محمد زہری	م 230
227-	ابن سیرین محمد ابو بکر امام	م 110
228-	ابن سید نا الناس ابو الفتح علامہ الحافظ ابو بکر	
	محمد بن احمد یعمری شافعی	م 659
229-	ابن شہاب زہری	123
230-	ابن الشاہین الحافظ ابو حفص عمر بن احمد البغدادی	م 358
231-	ابن شبرمہ عبداللہ ابو شبرمہ الضبی	م 144
232-	ابن الصلاح حافظ شیخ تقی الدین ابو عمر	م 643
233-	ابن طولون حافظ شمس الدین محمد بن علی بن احمد	م 935
234-	ابن عجلان ابو عبداللہ محمد	م 148
235-	ابن عبدالبر معزی حافظ یوسف بن عبداللہ ابو عمر	م 463
236-	ابن عدی عبداللہ ابو احمد الجرجانی حافظ	م 365
237-	ابن العربی ابو بکر حافظ محمد بن عبداللہ بن احمد	م 546
238-	ابن عباس رضی اللہ عنہ	م 68
239-	ابن عساکر حافظ محدث علی بن الحسن ابو القاسم دمشقی	م 571
240-	ابن علیہ ابو البشر اسماعیل بن ابراہیم البصری	م 193
241-	ابن العماد حنبلی ابو الفلاح عبدالحی بن احمد بن محمد	م 1089
242-	ابن عراق کنانی	م 963
243-	ابن عون امام ابو عدن عبداللہ	م 151
244-	ابن عیینہ حافظ ابو محمد سفیان	م 198
245-	ابن فہد حافظ تقی الدین	م 871

246	ابن قدامہ	م620
247	ابن قتیبہ علامہ ابو محمد عبداللہ بن مسلم	م276
248	ابن القاسم المصری ابو عبداللہ عبدالرحمن	م191
249	ابن قطلوبغا حافظ ابو العدل زین الدین قاسم	م779
250	ابن القیسرانی حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی	م507
251	ابن القیم جوزی حافظ ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن القیم	م751
252	ابن کثیر حافظ ابو الفدا عماد الدین اسماعیل بن عمر	م774
253	ابن الماجشون ابو عبداللہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ	م213
254	ابن ماجہ امام ابو عبداللہ محمد بن یزید	م273
255	ابن ماکولا حافظ ابو نصر امیر	م475
256	ابن ملقن	م805
257	ابن المدینی حافظ ابو الحسن	م234
258	ابن نقطہ	م639
259	ابن الانماط	م619
260	ابن المفضل	م616
261	ابن اسحاق مدنی	م151
262	ابن مردویہ حافظ ابو بکر احمد بن موسیٰ الاصفہانی	م416
263	ابن المقری محمد بن ابراہیم الاصفہانی ابو بکر	م281
264	ابن مکرم حافظ الامام المسند ابو بکر محمد بن الحسین	م309
265	ابن الملقن عمر بن علی علامہ سراج الدین ابو حفص	م804
266	ابن مندہ حافظ عبداللہ محمد بن اسحاق	م395
267	ابن الندیم ابو الفرج محمد بن اسحاق	م385
268	ابن نمیر محمد بن عبداللہ بن نمیر حافظ ابو عبدالرحمن الہمدانی	م234
269	ابن وہب عبداللہ امام ابو محمد	م197

270-	ابن الہمام حافظ کمال الدین محمد بن عبدالواحد	م 861
271-	ابن یعلی قاضی ابو الحسین محمد بن ابی لیلی	م 526
272-	احمد بن حنبل الشیبانی امام	م 241
273-	احمد بن سنان	م 258
274-	احمد بن سلمہ ابو الفضل حافظ	286
275-	احمد بن الصلت ابو العباس الحمانی	م 308
276-	احمد بن عبداللہ	م 217
277-	احمد بن علی مروزی	م 292
278-	احمد بن عمرو البصری ابو بکر	م 292
279-	احمد بن [illegible]	م [illegible]
280-	احمد بن مخلدی الاصفہانی	م 272
281-	احمد بن منصور ابو بکر	م 265
282-	احمد بن منیع حافظ ابو جعفر البغدادی	م 244
283-	احمد بن اسماعیل بن محمد ابو حذافہ	م 259
284-	احمد بن ابی بکر العوفی	م 243
285-	احمد بن حازم	م 276
286-	احمد بن حمید ابو الحسن	م 220
287-	احمد بن محمد کلابازی	م 398
288-	احمد بن عبداللہ العجلی	م 261
289-	احمد بن سلمہ نیشاپوری البزاز	م 286
290-	احمد بن کامل بغدادی	م 350
291-	احمد بن حنبل	م 241
292-	احمد بن رزین بن معاویہ عبدری المعروف ابن الاثیر الجزری	م 630
293-	احمد بن محمد قرطبی المعروف بہ ابن ابی حجہ	م 642
294-	احمد بن محمد بن خلکان	م 681

نمبر	نام	سن
295	احمد بن علی بن منجویہ م	م 328
-296	احمد بن حسین ابو بکر بیہقی	م 458
297	احمد بن عمرو شیبانی	م 287
298	احمد بن محمد بن ابی حجہ قرطبی	م 642
299	احمد بن عبید صفار	م 352
-300	احمد بن ہارون بردیجی	م 301
301	احمد بن علی بن حجر عسقلانی	م 852
302	احمد بن ابو بکر بوصیری	م 480
303	احمد بن محمد النہروی	م 401
-304	احمد بن حسین بیہقی	م 58
-305	احمد بن اسحاق دیناری	م 318
-306	احمد بن محمد النحاس	م 338
-307	احمد بن صالح حافظ مصری	م 248
-308	احمد بن محمد شریف الحسینی حلی مصری	م 695
-309	احمد عبداللہ بن محمد ابن عدی جرجانی	م 365
-310	احمد بن احمد کردزی	م 763
-311	احمد بن محمد کلاباذی	م 398
-312	احمد بن المعروف ابن منجویہ	م 428
-313	احمد بن عبداللہ عجلی	م 261
-314	ابراہیم نخعی	م 96
-315	ابراہیم بن محمد ابو اسحاق فزاری	م 186
-316	ابراہیم بن معقل بن حجاج نسفی	م 294
-317	ابراہیم بن محمد حلبی	م 851
-318	ابراہیم بن اسحاق حربی	م 285
-319	ابراہیم بن خلکان شافعی	

320- ابراہیم بن محمد بن دقاق م 809

321- ابراہیم بن محمد بن حمزہ دمشقی حنفی م 1120

322- ابراہیم بن حسین عراقی م 806

323- ابراہیم بن محمد ابو مسعود دمشقی م 400

324- ابراہیم بن مسلم ہجری م 130

325- ابراہیم بن طہمان خراسانی م 163

326- ابراہیم بن سعد م 104

327- امیر علاء الدین علی بن بلبان

328- امجد علی مفتی م 1333

329- النجاد ابو بکر احمد بن سلیمان م 348

330- الٰہی بخش فیض آبادی م 1306

331- اشرف علی تھانوی م 1362

332- امیر سنجر م 745

333- انس بن مالک م 93

334- انور شاہ کشمیری م 1352

335- اکمل الدین محمد بن محمود حنفی م 786

336- اسماعیل بن عیاش م 181

337- اسماعیلی م 371

338- اسماعیل بن عمر القرشی دمشقی ابن کثیر م 774

339- اسماعیل بن عیسیٰ مکی م 892

340- اسماعیل بن محمد عجلونی م 1122

341- اسماعیل بن احمد بن فرات م 414

342- اسامہ بن زید م 54

343- اسحاق الازرق م 201

344- اسحاق الکوسج م 251

-345	اسحاق بن ابراہیم ابو یعقوب البصری	238م
-346	اسحاق بن راہویہ	337م
-347	اسحاق بن منصور نیشاپوری	251م
-348	اسرائیل بن موسیٰ حافظ	338م
-349	اسرائیل بن یونس السبیعی	162م
-350	اسماعیل بن بشیر ابو البشیر البصری	655م
-351	شہاب بن فضل اللہ	749م
-352	اعمش امام ابو محمد سلیمان بن مہران	148م
-353	اوزاعی امام ابو عمرو عبدالرحمن	157م
-354	ایوب الخلوتی محدث	1071م
-355	ایوب بن تمیمہ السختیانی	131م
-356	امام ابو یوسف	183م
-357	امام ابو الولید الباجی	474م
-358	امام مالک مدنی	179م
-359	امام مسلم	261م
-360	امام ابراہیم الحربی	285م
-361	امام احمد بن حنبل	241م
-362	امام احمد بن محمد طحاوی	321م
-363	امام دارمی	255م
-364	امام ابن ماجہ	273م
-365	امام ابو داود	275م
-366	امام ترمذی	279م
-367	امام نسائی	303م
-368	امام بن السکن	352م
-369	امام عبداللہ بن محمد حارثی کلاباذی	340م

370-	امام عبدالرحمن بن عمر اوزاعی شامی	م 156
371-	امام علاء الدین علی متقی بن حسام الدین	م 975
372-	امام عبدالرزاق	م 211
373-	امام طبرانی	م 360
374-	امام رامہرمزی	م 360
375-	ابو حنیفہ	م 150
376-	امام محمد	م 187
377-	امام محمد بن احمد بن شعیب	م 357
378-	امام محمد بن محمد الکردری	م 827
379-	امام دار قطنی	م 385
380-	امام بیہقی	م 458
381-	امام بخاری	م 256
382-	امام بغوی	م 516
383-	امام ابن حبان	م 554
384-	امام حازم ہمدانی	م 584
385-	امام حاکم	م 405
386-	امام ابن الجوزی	م 597
387-	امام ابن الاثیر جزری	م 606
388-	امام ابن القطان	م 628
389-	امام ابن صلاح	م 643
390-	امام نووی	م 676
391-	امام ابن حزم	م 456
392-	امام ابن حجر ہیثمی	م 807
393-	ابن حجر عسقلانی	م 850
394-	امام بدرالدین عینی	م 855

395-	امام جلال الدین سیوطی	م 911
396-	امام جعفر طحاوی	م 321
397-	امام قسطلانی	م 923
398-	امام یحییٰ زکریا انصاری	م 926
399-	امام ابن عدی	م 365
400-	امام زفر	م 158
401-	امام ادریس شافعی	م 204

ب

402-	البردیجی امام	م 303
403-	برہان الدین حلبی	م 852
404-	بدرالدین زرکشی	م 714
405-	بشر مریسی	م 218
406-	برقانی امام	م 425
407-	بدر بن جماعہ علامہ محمد بن ابراہیم الکنانی الحمدی	م 733
408-	بزدوی فخرالاسلام علی بن محمد ابوالحسن	م 482
409-	بزدوی صدر الاسلام محمد بن محمد ابو الیسر	م 493
410-	بزدوی منصور بن محمد ابو طلحہ	م 220
411-	بشر بن المفضل امام ابو اسماعیل	م 186
412-	بغوی، عبداللہ بن عبدالعزیز ابو القاسم	م 317
413-	بقی بن مخلد اندلسی	م 276
414-	بلقینی حافظ علم الدین صالح بن عمر	م 868
415-	بیہقی امام ابو بکر احمد بن الحسین	م 458

ت

416-	ترمذی	م 279

417	تقی الدین بن فہد	م 871
418	تفتازانی سعد الدین العلامہ	م 796
419	التنوخی ابو یعقوب	م 252
420	تور بشتی حافظ شہاب الدین فضل اللہ بن الحسین	م 660

ث

421	ثناء اللہ پانی پتی قاضی	م 1225

ج

422	جلال الدین سیوطی	م 911
423	جابر بن عبداللہ	م 78
424	جمال الدین محمود بن احمد قونوی دمشقی حنفی معروف بہ ابن سراج	م 770
425	جمال الدین یوسف مزی	م 742
426	جمال الدین پٹنی	م 963
427	جریر بن عبدالحمید خراسانی	م 188
428	جریر بن حازم	م 170
429	جامع بن ابی رشد	م 148
430	جریر بن عبدالحمید	م 170
431	جزرہ الحافظ ابو علی صالح بن محمد	م 293
432	الجعابی ابو بکر حافظ محمد عمر بن محمد بن سالم	م 355
433	جعفر بن برقان الامام ابو عبداللہ	م 154
434	جعفر بن محمد نسفی	م 432
435	جعفر صادق امام ابو عبداللہ	م 148
436	الجوزجانی ابو سلمان موسیٰ بن سلیمان	م 311
437	جوہری علی بن جعد حافظ ابو الحسن	م 230

-438	جوہری ابو اسحاق حافظ ابراہیم بن سعید الطبری	م 247
-439	جوینی امام عبداللہ بن یوسف شافعی	م 439
-440	جہم بن صفوان بعد	م 298

ح

-441	حافظ امیر علی بن ماکولا	م 475
-442	حافظ ابو بکر محمد بن موسی حازمی	م 584
-443	حافظ ابو ذر ہروی	م 434
-444	حافظ الدین بن عبدالرحمن بن احمد بن رجب حنبلی	م 795
-445	حافظ ذہبی	م 748
-446	حافظ عبدالعظیم منذری	م 656
-447	حافظ ابن قیم	م 751
-448	حافظ ابو الفتح محمد بن محمد بن سید الناس الیعمری	م 734
-449	حافظ الدین بن عبدالرحیم بن حسین عراقی	م 806
-450	حافظ ابو علی سرخسی نیشاپوری	م 365
-451	حافظ ابو بکر اسماعیل جرجانی	م 371
-452	حافظ عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی	م 911
-453	حافظ حسن بن احمد سمرقندی	م 491
-454	حافظ عجلی	م 264
-455	حافظ عبدالغنی المقدسی	م 600
-456	حافظ مغلطائی	م 763
-457	حافظ ابن حجر عسقلانی	م 852
-458	حافظ احمد بن علی المعروف خطیب بغدادی المعروف ابن الصلاح	م 463
-459	حافظ ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمن شہرزوری	م 642
-460	حافظ حسن بن احمد سمرقندی	م 491
-461	حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن علی اصفہانی معروف	

	بہ ابن المقری	380م
462-	حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر بن قیسرانی المقدسی	507م
463-	حافظ ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری حنفی	481م
464-	حافظ ابو القاسم عبداللہ بن محمد ابی العوام سعدی حنفی	335م
465-	حافظ الدین محمد بن محمد کردری	827م
466-	حافظ ابو الخیر شمس الدین محمد بن عبدالرحمن شافعی	902م
467-	حافظ ابو العباس احمد بن محمد بن سعید ہمدانی معروف بہ ابن عقدہ	332م
468-	حافظ ابو الحسن عمر بن حسن اشنانی	339م
469-	حافظ حسین بن محمد بن خسرو بلخی حنفی	522م
470-	حافظ ابو حفص عمر بن احمد عثمان بغدادی معروف بہ ابن شاہین	385م
471-	حافظ محمد بن طاہر	570م
472-	حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی	430م
473-	حافظ ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر عدل بغدادی حنفی	380م
474-	حافظ ابو احمد عبداللہ بن عدی جرجانی	365م
475-	حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد حارثی بخاری حنفی	380م
476-	حافظ ابو الحسن محمد بن مظفر بن موسیٰ بزاز بغدادی حنفی	379م
477-	حسام الدین علی بن احمد مکی	
478-	حیدر حسن خان ٹونکی	1361م
479-	حارث بن عبداللہ عوام	65م
480-	حازمی ابو بکر محمد بن موسیٰ الامام	584م
481-	الحاکم ابو عبداللہ امام محمد بن عبداللہ	405م
482-	حاکم کبیر ابو احمد بن محمد نیشاپوری	478م
483-	حامد بن محمد شعیب صوفی ابو العباس	309م
484-	حیان بن علی امام	172م
485-	حبیب بن ابی ثابت	119م

486- حسن بصری امام ابو سعید — م 110

487- حسن بن عرفہ ابو علی العبدی — م 270

488- حسن بن زیاد امام اللولوی امام ابو علی — م 204

489- حسن بن الربیع — م 221

490- حسن بن صالح — م 169

491- حسین بن مسعود بغوی — م 516

492- حسین بن محمد نیشاپوری

493- حسن بن عبداللہ ابو احمد عسکری — م 382

494- حسن بن یسار — م 110

495- حسن بن سفیان — م 303

496- حسن بن صاغانی — م 650

497- حفص بن عبدالرحمن بلخی — م 199

498- حفص بن غیاث بن طلق قاضی ابو عمر — م 194

499- حماد بن امام اعظم — م 176

500- حماد بن زید الحافظ — م 179

501- حماد بن سلمہ امام الحافظ — م 167

502- حماد بن شاکر نسفی — م 290

503- حماد بن شاکر نسفی ابو محمد — م 311

504- حمزہ بن حبیب الزیات ابو عمارہ — م 158

505- حمید بن عبدالرحمن ابو عوف — م 190

506- حمیدی حافظ ابو بکر عبداللہ بن زبیر — م 219

خ

507- خطیب احمد بن علی بغدادی — م 463

508- خوارزمی — م 435

509- خالد بن سلیمان بلخی — م 199

- 510 خالد بن مخلد — م 213
- 511- الحساف امام ابو بکر احمد بن عمر — م 261
- 512- خطابی علامہ امام محمد بن محمد ابو سلیمان — 388
- 513- خلف بن محمد واسطی — م 438
- 514- خلف بن ایوب — م 205
- 515- خلف بن سالم — م 231
- 516- خلیلی حافظ ابو علی خلیل بن عبداللہ — م 446
- 517- خلیل احمد سہارن پوری — م 1345
- 518- خلال — م 439

د

- 519- دار قطنی امام حافظ ابو الحسن علی بن عمر — م 385
- 520- الدارمی ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن امام — م 255
- 521- دولابی محمد بن احمد ابو بشیر حافظ — م 310

ذ

- 522- ذکی الدین منذری — م 748
- 523- ذہبی شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد حافظ — م 748

ر

- 524- رزین سرقسطی — م 535
- 525- رزین بن معاویہ عبدری مالکی محدث — م 525
- 526- الرہاوی — م 616
- 527- رافعی محدث ابو القاسم امام الدین عبدالکریم بن محمد — م 623
- 528- رامہرمزی الحسن بن عبدالرحمن ابو محمد القاضی — م 350
- 529- ربیع بن صبیح ابو حفص بصری — م 160
- 530- ربیعہ بن عبدالرحمن ابو عثمان — م 136

-531	رجاء بن حیوۃ تابعی ابو نصر الکندی امام	م 212
-532	زین الدین قاسم بن قطلوبغا حنفی	م 879
-533	زین الدین عبدالرحیم عراقی	م 806
-534	زائدہ بن قدامہ امام ابو الصلت	م 161
-535	زاہد کوثری علامہ زاہد	م 1371
-536	الزبیدی مرتضی السید ابو الفیض محمد بن محمد	م 1205
-537	زر بن حبیش (ابو مریم الاسدی)	م 52
-538	زرکشی حافظ بدرالدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ	م 751
-539	زرقانی	
-540	زعفرانی حافظ ابو علی حسن بن محمد بغدادی	م 1260
-541	زفر بن الہذیل العنبری امام	م 157
-542	زکریا انصاری شیخ الاسلام ابو یحیی	م 925
-543	زکریا ساجی ابو یحیی محدث	م 282
-544	زکریا بن عدی	م 213
-545	زکریا کاندھلوی	م 1402
-546	زہری امام ابو بکر محمد بن مسلم بن شہاب	م 144
-547	زہیر بن حرب حافظ ابو خیثمہ	م 234
-548	زہیر بن معاویہ	م 175
-549	زیاد بن ایوب بن زیاد طوسی ابو ہاشم	م 152
-550	زیلعی جمال الدین حافظ	م 762
-551	ذہلی محمد بن یحیی	م 255

س

-552	سفیان ثوری کوفی	م 161

553	سفیان بن عیینہ	م 198
554	سعید بن ابی عروبہ البصری	م 156
555-	سعید بن منصور	م 227
556	سعید بن المسیب	م 93
557	سعد بن عبادہ	م 15
558	سیوطی	م 911
559	السرخسی شمس الائمہ ابو حامد محمد بن احمد	م 483
560-	سلمہ بن کہیل	م 121
561-	السمعانی حافظ ابو سعد عبدالکریم تاج الاسلام	م 502
562-	سندھی ابو الحسن علامہ محدث	م 1238
563-	سیوطی جلال الدین حافظ	م 911
564-	سالم بن عبداللہ	م 106
565-	السبکی تاج الدین علامہ ابو نصر عبدالوہاب	م 771
566-	سخاوی حافظ شمس الدین ابو الخیر	م 902
567-	سالم بن یسار	م 93
568-	سالم بن عبداللہ بن عمر	م 104
569-	سراج الدین عمر بن رسلان البلقینی	م 805
570-	سراج الدین عمر بن علی المعروف ابن ملقن	م 805
571-	سلطان اورنگ زیب عالم گیر	م 1184
572-	سید شریف جرجانی	م 816
573-	سید امیر علی لکھنوی	م 1337
574-	سید عبدالحی حسنی	م 1341
575-	سرخسی	م 365
576-	سلیمان بن احمد طبرانی	م 360
577-	سلطان ملک مظفر عیسیٰ بن سیف الدین حنفی	

ش

602	شرف الدین نودی	م 676
603	شریف رشی محمد بن [illegible]	م 406
604	شیخ زکریا انصاری	م 928
-605	شیخ محی الدین عبدالقادر قرشی	م 775
606	شمس الحق	م 1349
-607	شیخ جمال الدین قونوی	م 770
-608	شیخ محمد حلیم عطا سلونی	م 1375
-609	شیخ عبداللہ صدیقی اللہ آبادی	م 1300
-610	شیخ سلام قلقہ دہلوی	م 1229
-611	شبیر احمد عثمانی	1369
-612	شیخ عبدالعزیز دہلوی	م 1239
-613	شیخ علی متقی ہندی	975
-614	شیخ عابد سندھی	م 1375
615	شیخ عبدالوہاب مدراسی	م 1285
616	شیخ محمد یوسف حسینی گل برگوی	م 825
-617	شیخ احمد بن عبدالاحد مجدد الف ثانی	م 1034
-618	شیخ عبدالنبی شطاری اکبر آبادی	م 1100
-619	شیخ محمد ادریس نگرامی ندوی	م 1330
-620	شیخ عطاء اللہ بن صبغۃ اللہ مدراسی	م 1327
-621	شیخ عبداللہ بن صبغۃ اللہ مدراسی	م 1288
-622	شیخ محمد طاہر پٹنی	م 986
-623	شیخ عبداللہ بن عبدالقادر مدراسی	م 1267
-624	شیخ نظام الدین علوی کاکوروی	م 981
-625	شیخ عبدالحق دہلوی	م 1052
-626	شیخ حسن بن محمد صغانی لاہوری	م 637

627 شیخ عبدالحق بن فضل اللہ نیوتنی — م 1286

628 شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی — م 998

629 شیخ محمد شاہ دہلوی — م 1009

630 شیخ احمد بن صبغۃ اللہ مدرای — م 1307

631 شیخ محمد سعید بن صبغۃ اللہ مدرای — م 1314

632 شیخ ظہیر احسن شوق نیموی — م 1325

ص

633- صالح جزرہ — م 293

634- صفی الارموی — م 723

635 مسکفی صدر الدین موسیٰ بن زکریا بن ابراہیم — م 650

636- صلاح الدین علائی — م 761

ط

637- طبرانی — م 360

638- طاؤس بن کیسان یمانی — م 106

639- طاہر الجزائری — م 1337

640- طیبی — م 743

641- طحاوی حافظ ابو جعفر امام احمد بن محمد — م 321

ظ

642- ظہیر الدین مرغینانی — م 506

643- ظفر احمد عثمانی — م 1394

ع

644- عبداللہ بن مبارک مروزی خراسانی — م 181

645- عبداللہ بن عمرو بن عاص — م 63

646	عبداللہ بن محمد بن عوام سعدی	م 335
647	عبداللہ بن یوسف بن محمد زیلعی	م 762
648	عبداللہ بن عمرو القواریری	م 237
649	عبداللہ بن احمد	م 290
650	عبداللہ بن علی اندلسی	م 542
651	عبداللہ بن احمد بن ربیعہ دمشقی	م 373
652	عبداللہ بن محمد اصفہانی	م 369
653	عبداللہ بن حیدر قزوینی	م 125
654	عبداللہ بن عباس	م 68
655	عبداللہ بن رکعان قرشی	م 115
656	عبداللہ بن محمد ابو جعفر	م 226
657	عبداللہ بن محمد ابوبکر	م 234
658	عبدالملک بن عمیر	126
659	عبیداللہ بن عبداللہ ابو عبداللہ	م 98
660	عبیداللہ بن موسیٰ	م 213
661	عبیدہ بن عمرو السلمانی المرادی	م 72
662	عثمان بن ابی شیبہ حافظ ابو الحسن	م 39
663	عثمان بن سعید دارمی حافظ ابو سعید	م 280
664	عثمان بن ابو الحسن	م 139
665	عثمان بن علی بن محمد زیلعی حنفی	م 743
666	عراقی زین الدین حافظ عبدالرحیم بن الحسین	م 806
667	عطا بن ابی رباح المکی ابو محمد	م 114
668	عطاء بن السائب	م 146
669	عفان بن مسلم الصفار حافظ ابو عثمان	م 220
670	عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ ابو عبداللہ	م 107

671	علاء بن عبدالرحمن	م 139
672	علاء بن عبدالجبار ابو الحسن	م 212
673	العلائی ابو سعید صلاح الدین خلیل بن کیکلدی	م 761
674	علقمہ بن قیس النخعی بن عبداللہ امام	م 61
675	علقمہ بن مرثد ابو الحارث	م 130
676	عروہ بن زبیر	م 93
677	عامر بن شراحیل شعبی	م 103
678	عمار بن رجاء ابو یاسر	م 267
679	عمرو بن حافظ	م 225
680	عمرو بن شعیب ابو ابراہیم	م 118
681	عمرو بن عبید معتزلی	م 143
682	عمرو بن عبید ابو عثمان	م 44
683	عمر بن احمد دار قطنی	م 285
684	عمر بن ربیعہ ابو الخطاب	م 101
685	عمر بن عبدالعزیز اموی	م 111
686	عمر بن محمد بن فتوح بیتونی دمشقی	م 1080
687	عمرہ بنت عبدالرحمن	م 98
688	عون بن عبداللہ ابو عبداللہ	م 120
689	عیاض قاضی ابو الفضل	م 544
690	عیسیٰ بن احمد ابو یحیی	م 268
691	عیسیٰ بن یونس السبیعی حافظ ابو عمر	م 187
692	عیسیٰ بن موسیٰ ابو احمد	م 186
693	عینی بدرالدین حافظ ابو محمد محمود بن احمد	م 855
694	عیسیٰ مغربی جعفری مالکی	م 1080
695	عاصم بن ابی النجود ابو بکر الاسدی	م 127

696	عبادہ بن صامت	34م
697	عبد بن حمید	249م
698	عبدالحمید بن عبدالرحمن	202م
699	عبدالرحمن بن مہدی امام حافظ ابو سعید	198م
700	عبدالرحمن بن ابی لیلی	148م
701	عبدالرحمن بن ابی حاتم	327م
702	عبدالرحمن بن خلدون رازی	732م
703	عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی شامی	158م
704	عبدالرحمن بن عائذ ازدی	80م
705-	عبدالرحمن بن ہرمز	117م
606	عبدالرحمن بن قطیس قاضی قرطبہ	402م
707-	عبدالرحمن بن علی المعروف ابن ربیع شیبانی زبیدی	944م
708-	علی بن حسین ابن عساکر	571م
709-	علی بن ابی بکر مرغینانی	593م
710-	علی بن مراد موصلی	147م
711-	علی بن عمردار قطنی	375م
712-	علی بن ماکولا	475م
713-	علی بن ابو بکر بن سلیمان ہیثمی	807م
714-	علی متقی	975م
715-	علی بن عثمان ماردینی ترکمانی	750م
616-	علی بن الحسن	251م
717-	علی بن ظبیان	192م
718-	علی بن عبدالعزیز ابو الحسن	286م
719-	علی بن محمد بن اسحاق حافظ ابو الحسن الطنافسی	233م
720-	علی بن المدینی حافظ ابو الحسن	234م

721- علی بن مسہر حافظ ابو الحسن — م 159

722- علی بن مفضل مقدسی — م 611

723- عزالدین محمد بن احمد خلیل — م 1057

724- عزالدین بن الاثیر — م 630

725- عطا بن ابی رباح — م 115

626- عبدالغنی بن سعید ازدی مصری — م 409

727- عبدالغنی مقدسی — م 600

728- عبدالغنی بن عبدالواحد مقدسی — م 600

729- عبدالعظیم منذری — م 656

730- عبدالحئی بن محمد لکھنوی ہندی — م 1264

731- عبدالرحیم بن حسن عراقی — م 806

732- عبدالحق بن عبدالرحمن المعروف ابن الخراط — م 582

733- عینی امام — م 855

734- عبیدہ بن عمرو سلمانی مرادی — م 72

735- عبدالرزاق بن ہمام صنعانی — م 2211

636- عبدالعزیز بن احمد حلوائی — م 433

737- عبدالعزیز کرانی ماتی — م 3359

738- عبدالعزیز بن احمد محمد دمشقی — م 466

739- علاء الدین مغلطائی — م 7662

740- عقیل امام — م 322

741- عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج مکی — م 150

742- عبدالرزاق ابن ہمام — م 2211

743- علاء الدین علی بن حسام ہندی — م 975

744- عبدالرؤف المناوی — م 1031

غ:

-666 قاسم بن محمد بن ابی بکر م 112

-667 القاسم بن معن م 175

-668 قتادہ بن دعامہ دوسی م 117

-669 قطب الدین دہلوی م 1023

-770 قطب الدین ابو بکر چھچی شافعی م 652

-771 قطب الدین محمد بن علاء الدین مکی م 990

-772 قتیبہ م 276

-773 قاسم بن قطلوبغا م 879

-774 قسطلانی م 923

-775 قبیصہ بن ذویب 86

ک

-776 کعب الاحبار م 32

-777 کردری م 827

-778 کرابیسی ابو علی الحسین بن علی م 245

-779 کسائی، ابو الحسن، علی بن حمزہ الاسدی م 189

ل

-780 لالکائی حافظ ابو القاسم ہبۃ اللہ بن الحسن م 498

-781 لیث بن سعد امام ابو الحارث م 175

م

-782 محمد ادریس کاندھلوی م 1394

-783 محمد زکریا کاندھلوی م 1402

-784 محمد بن یوسف صالحی دمشقی شافعی م 942

-785 محمد بن عبدالوہاب م 1206

-686 محمد علی شوکانی م 1250

787-	محمد بن عبدالباقی زرقانی مصری مالکی	م 1014
788-	محمد بن محمود خوارزمی	م 665
789-	محمد بن سیرین	م 110
790-	محمد بن موسیٰ الامیری	م 808
791-	محمد بن نصر الحمیدی اندلسی	م 488
792-	محمد بن یعقوب شیبانی المعروف ابن الاخرم	م 344
793-	محمد بن سعد کاتب الواقدی	م 230
794-	محمد بن اسماعیل صنعانی	م 1182
795-	محمد المروزی	م 682
696-	محمد بن عبدالحق اشبیلی	م 582
797-	محمد بن احمد بن عبدالہادی مقدسی	م 724
798-	محمد بن عبدالرحمن سخاوی	م 902
799-	محمد بن علی شوکانی	م 1250
800-	محمد بن علی بن حسین دمشقی	م 765
801-	محمد حمات زادہ بن حسن حمات زادہ	م 1175
802-	محمد بن بحر اصفہانی	م 323
303-	محمد بن ابی الفوارس بغدادی	م 412
804-	محمد بن نصر بغدادی	م 323
805-	محمد نصر مروزی	م 294
806-	محمد بن عثمان بن ابی شیبہ	م 297
807-	محمد بن وضاح	م 289
808-	محمد بن سعد	م 235
809-	محمد بن مستیز المعروف قطرب	م 206
810-	محمد بن ادریس شافعی	م 204
811-	محمد بن اسحاق	م 311

812- محمد بن اسماعیل امیر یمانی — م 1182

813- محمد ابن المظفر بن موسیٰ بغدادی — م 375

814- محمد جمال الدین قاسمی — م 1332

815- محمد بن محمد بن سلیمان مغربی — م 1094

816- محمد بن خلفہ مالکی — م 828

817- محمد عبد الباقی ایوبی — م 1364

818- محمد بن عبد الواحد معروف بہ ابن ہمام — م 861

819- محمد بن خالد وہبی — م 190

820- المعافی بن عمران موصلی — م 185

821- منذر بن مسہد — م 228

822- محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد عقیلی — م 322

323- محمد بن داود کردری — م 925

824- محمد بن جریر طبری — م 310

825- محمد کاسی آفندی — م 1136

826- محمد بن محمود طربزونی مدنی حنفی — م 1200

827- محمد بشیر ظافر ابو عبد اللہ مالکی — م 1325

828- محمد بن علی بن حجر عسقلانی — م 773

829- محمد بن مغربی — م 1094

830- محمد بن اسماعیل بخاری — م 251

831- محمد بن یوسف کندی — م 350

832- محمد بن مہدی — م 272

833- محمد بن عبد اللہ — م 338

834- محمد بن محمد حسین طرابلسی — م 1177

835- محمد بن یحییٰ مدنی — م 243

836- محمد بن عباد خلاطی — م 653

837-	محمد بن طاہر پٹنی	م 986
838-	محمد ادریس نگرامی ندوی	م 1330
839-	محمد بن محمد بن محمد حسین طرابلسی	م 1177
840-	محمد بن محمد عبدالرزاق بلگرامی حنفی معروف بہ سید مرتضیٰ حسین زبیدی	م 1205
841-	محمد بن عبداللہ جوزقی	م 388
842-	محمد حسن سنبھلی	م 1305
843-	محمد بن طاہر مقدسی ابن قیسروانی	م 507
844-	محمد بن عبدالرحمن بن ابی ذئب	م 158
845-	محمد بن یوسف صالحی شافعی دمشقی	م 942
846-	محمد بن ابان بلخی	م 242
847-	محمد بن ابراہیم بن حبیش بغوی	م 338
848-	محمد بن ابراہیم الوزیر الحافظ الیمانی	م 840
849-	محمد بن ابراہیم بن مسلم	م 273
850-	محمد بن اسماعیل الیمانی امیر علیہ	م 182
851-	محمد بن جابر المحاربی ابو الخیر الکوفی	م 260
852-	محمد بن الحنیفہ محمد بن علی بن ابی طالب	م 240
853-	محمد بن سماء بن عبیداللہ التیمی حافظ ابو عبداللہ	م 233
854-	محمد بن عبداللہ بن حکم ابو عبداللہ	م 268
855-	محمد بن عبداللہ بن نمیر حافظ ابو عبدالرحمن	م 234
856-	محمد بن عبداللہ کوفی ابو جعفر	م 227
857-	محمد بن العلاء بن کریب الہمدانی	م 248
858-	محمد بن محمد نیشاپوری	م 280
859-	محمد بن المنکدر ابو عبداللہ	م 120
860-	محمد بن یوسف غریابی	م 212

861-	محمد المہدی عباسی محمد بن ابی جعفر المنصور	م 129
862-	مالک بن اسماعیل	م 217
863-	مامون الرشید	م 218
864-	محارب بن دثار السدوسی ابو مطرف	م 116
865-	ملا علی قاری	م 1014
866-	موفق احمد مکی خوارزمی	م 568
867-	محی الدین عبدالقادر قرشی	م 775
868-	محی الدین نووی	م 676
869-	مستقیم زادہ سلیمان سعید الدین آفندی	م 1168
870-	معافی بن عمران موصلی	م 185
871-	معمر بن راشد یمنی	م 153
872-	مفتی عبداللہ ٹونکی	م 1339
873-	مولوی سخاوت علی جون پوری	م 1264
874-	مبارک بن محمد بن الاثیر	م 606
875-	مزنی، امام ابو ابراہیم اسماعیل بن یحیی	م 294
876-	المزی، حافظ جمال الدین ابو الحجاج	م 624
877-	مسدد بن مسرہد بصری حافظ ابو الحسن	م 224
878-	مسروق الہمدانی (ابن الاجدع) ابو عائشہ	م 63
879-	سعد بن کرام بن ظہیر حافظ ابو سلمہ	م 153
880-	مسلم بن ابراہیم بصری الفراہیدی حافظ ابو عمر	م 222
881-	مسلم بن قاسم حافظ اندلسی قرطبی	م 353
882-	مصعب بن عبداللہ الزبیدی ابو عبداللہ مزی	
883-	معاویہ بن ابی سفیان امیر ابو عبدالرحمن	م 60
884-	معتصم باللہ ابو اسحاق بن ہارون الرشید عباسی	م 227
885-	معقل بن منصور دارمی حافظ ابو لیلی	م 112

نمبر	نام	وفات
886	معمر امام ابن راشد ابو عروہ	م 153
-887	معن بن عیسیٰ ابو یحییٰ	م 198
-888	مغلطائی علاء الدین حافظ ابو عبداللہ	م 762
-889	مقدسی عبدالغنی حافظ ابو محمد	م 600
-890	مکحول دمشقی امام ابو عبداللہ	م 112
-891	مکی بن ابراہیم بلخی ابو السکن	م 215
892	مندل بن علی الغزی ابو عبداللہ	م 168
-393	منذری حافظ زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم	م 655
894	منصور ابو جعفر عبداللہ بن محمد العباسی	م 158
-895	منصور بن المعمر الکوفی حافظ ابو عتاب	م 132
-896	موسیٰ بن اسحاق، محدث قاضی	م 297
-897	موسیٰ بن داؤد الضبی ابو عبداللہ	م 217
-898	موسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ	م 104
-899	موسیٰ بن عقبہ بن عباس ابو محمد	م 141
-900	محمود الحسن دیوبندی	م 1339
-901	محمود غزالی معتزلی	

ن

نمبر	نام	وفات
-902	نظام	م 221
-303	نواب صدیق حسن خان بھوپالی	م 1307
-904	نابلسی عبدالغنی بن اسماعیل	م 1143
-905	نافع امام، ابو عبداللہ العدوی مولی ابن عمر	م 118
-906	نافع بن عبدالرحمن بن ابی نعیم اللیثی مدنی	م 161
-907	نخعی، ابراہیم امام	م 95
-908	نسائی، امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب	م 303
-909	نصر بن سیار بن صاعد ابو الفتح	م 572

نمبر	نام	وفات
910	نصر بن عبدالکریم	م 169
911	نضر بن شمیل ابو الحسن	م 203
912	نعیم بن حماد خزاعی	م 228
913	نعیم بن الطوسی	م 290
-914	نوح بن مریم ابو عصمہ	م 173
-915	نووی، امام ابو زکریا محی الدین یحیی بن شرف	م 676
916	ہناد بن السری	م 243

نمبر	نام	وفات
917	وکیع بن الجراح	م 198
918	وہب بن منبہ	م 114
-919	واقدی ابو عبداللہ محمد بن عمر بن واقد	م 207
-920	وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی امام ابو سفیان	م 196
-921	ولی الدین العراقی حافظ ابو زرعہ احمد بن عبدالرحیم	م 826
-922	ولید بن مسلم القرشی ابو العباس الدمشقی	م 194

ہ

نمبر	نام	وفات
-923	ہیثم بن بشیر واسطی	م 188
-924	ہشام بن عروہ بن الزبیر ابو المنذر	م 146
-925	ہشام دستوائی بن عبداللہ ابو بکر	م 152
-926	ہشام بن محمد کلبی	م 204
-927	ہمام بن منبہ بن کامل ابو عقبہ	م 131
-928	ہیثم بن بشیر امام الحافظ الثقہ ابو احمد	م 183
-929	ہناد بن السری بن مصعب حافظ	م 243
-930	ہیثمی، نور الدین حافظ ابو الحسن	م 807
-931	ہبۃ اللہ بن عبدالرحیم الحموی	م 718

932-	ھبۃ اللہ بن علی بن جعفر ابن ماکولا	م 475
933-	ھبۃ اللہ بن سلامۃ	م 410
934-	ھبۃ اللہ بن احمد انصاری الاکانی	م 524
935-	ھبۃ اللہ حسن بن عساکر شافعی	
936-	ہارون بن عبداللہ الکمال	م 243
937-	ہارون الرشید عباسی، ابو جعفر بن محمد المہدی	م 193

ی

938-	یاقوت حموی رومی علامہ ابو عبداللہ	م 626
939-	یحیٰی بن آدم العلاء ابو زکریا القرشی	م 203
940-	یحیٰی بن اکثم قاضی	م 243
941-	یحیٰی بن ایوب ابو العباس	م 168
942-	یحیٰی بن عبداللہ بن بکیر ابو زکریا المصری	م 231
343-	یحیٰی بن ابی بکیر	م 203
944-	یحیٰی بن زکریا بن ابی زائدہ ابو سعید	م 184
945-	یحیٰی بن سعید انصاری ابو سعید	م 120
946-	یحیٰی بن سعید القطان حافظ	م 198
947-	یحیٰی بن عبدالحمید	م 228
948-	یحیٰی بن یحیٰی لیثی مصمودی ابو محمد	م 234
949-	یحیٰی بن یحیٰی بن بکر بن عبدالرحمن	م 246
950-	یحیٰی بن یحیٰی بن بکیر حافظ ابو زکریا	م 226
951-	یحیٰی بن معین امام ابو زکریا	م 233
952-	یوسف بنوری مولانا	م 1397
353-	یوسف مزی	م 742
954-	یوسف بن خالف بن عمر امام ابو خالد	م 198
955-	یوسف بن حسن بن عبدالہادی	م 909

956- یوسف بن یعقوب الامام الحافظ ابو محمد — م 297

957- یونس بن بکیر الحافظ ابو بکر الشیبانی — م 199

958- یونس بن یزید بن ابی النجاد ابو یزید — م 152

959- یعقوب بن ابراہیم الدورقی — م 252

960- یعقوب بن ابراہیم الانصاری قاضی امام

961- یعقوب بن شیبہ البصری — م 262

962- یعقوب بن شیبہ بن الصلت ابو یوسف السدوسی — م 209

963- یزید بن ہارون حافظ ابو خالد — م 206

964 یزید بن ابی حبیب — م 128

فہرست اماکن

الف

ب

پ

ت

لعمر 492

ج

جرجان 253

جزیرہ 834، 75، 111، 252، 261، 304،

جاسم 84

ح

حبشہ 4، 31، 44، 66، 80، 220

حجاز 116، 115، 86، 264، 143، 1269، 670، 84، 261، 152، 178، 194، 199، 226، 260، 441، 442

حدیبیہ 79، 44، 76، 80، 77، 739، 15

حضرموت 82

حلب 487

حلوان 487

حمص 253، 492، 20

حنین 81

حیرہ 52

حیدر آباد 290، 319، 328، 386، 392، 425، 426، 485، 488، 494، 495

خ

خرتنگ 745

د

ر

ز

س

ش

ص

ط

غ

ف

ق

ک

ل

م

ن

و

The research work done "IMAM-E-AZAM as a "MUHADDISS " is most imprtant valuable and useful in its respective field.

The precious treasure of his science of hadith which was in Arabic language with the latest critical and analytical of the present age. The work is spread over pages it is straight away fit for publication Inshallah the teachers and students of Hadith at the level of colleges. Universities shall be benefitted. It will also be helpful to the common, lot of the people in understanding the sacred knowledge of Hadith.

As this was very difficult topic and this thesis would't have been completed without the guidance of Prof Dr, Jamila Saddal chairperson of Department of Islamic studies Peshawar University. I am also highly indebted to Prof Dr, Saeed-ullah Qazi. Director of Sheik-Zahid Islamic centre. Prof Dr, Abdul-Qaddir Suliman. Deparment of Islamic studies Peshawar University. Prof Dr, Saeedullah Jan the former chairman of Islamiyat department.

I am also thankful to Prof Dr, Khalid Masood IRI Islamabad who put all his efforts and guide lines in ensuring the successful completin of my thesis. I entend my sincere than ks to my friends for co-operating with me in this gigantic task.

I pray to almighty Allah who is the Lord of entire universe, that he may accept this humble effort and also may make this work a source of my success particularly on the day of Judgements. All praisis to our creator and the Master of Universe.

Hafiz Mohammad Khan.
Assistent Prof.
F. G. Degree college Okara Cantt.
Date 1st May 1998.

CHAPTER X

In this chapter, the attentin has been drawn to introduce a new branch of knowledge which is called Asma-ul-Rejal. The famous scholars in this knowledge were also mentioned. The number of Hadith which are consisted on four (4) books i.e Masnad Imam Azam, Ketab-ul-Asar, Mu-atta Imam Mohammad and Aqood-al-Jawaher-al-Manifa were calculated and narrators were highlighted as a Rijals of Hdith accepted by Imam Azam.

Narrators of Bukhari and Muslim were compaired with above mentioned books. Particularly those narrators were discribed who belong to Kufa. At the end of this chapter the students of Imam Azam and the educational relation ship with him and the channel system of narrations were explaned with schedules and charts. So that one can easily understand the educational relation ship between Imam Azam and the other Muhaddisin.

In short, it can be said that this chapter covers following topics.

1. Rejal-ul-Hadith.
2. Cancellation of Hadith due to unreliabel narrators.
3. controversion of Hadith.
4. Impugnment and justification of Hadith.
5. Books about Rejal-al-Hadith.
6. Relation ship between Imam and other Muhaddisin.

CHAPTER IX

In this chapter, the opinions of scholars have been highlighted who belong to different school of thoughts but accepted the authority of Imam Azam in Hadith as a mahaddis.

The opinions of all the well wishers were quoted in to their own words.

Highly reliable muhaddisin were also included among these well-wishers who were distinguished by the knowledge of Hadith of that age.

No body can neglect their contribution in service of Hadith from all over the Islamic world.

In short, it can be said that Imam azam received all those titles which a muhaddis can de serve e. g.

SABAT, HAFIZ, SIQA, MUHADDITH, SADOOQ, JIYAD-UL-HADITH, etc.

CHAPTER VIII

In this chapter historical development of formulation have been described chronologically. In this connection different terms, definitions, rules and principles. Methodology and artistic demand on compilation of Usool-al-Hadith. Basic requirements of narrators of hadith and their standard of arguments and findings have been discussed. Life and works of narrators of Hadith have been described.

In this chapter Ahadith have been divided according to number of narrators in which all kinds of Hadith are also included. All the kinds of hadith have been examined and explained with reference to their definitions as inunciated by Imam Azam, with the help of usool-d-Hadith accepted by Imam orders and judgement were derived in making the FIQH. The relidility of usosol-e-Hadith by Imam have been discussed. Although, it relates to fiqhi problems but we have tried to put both views side by side, so that a student of hadith should be acquainted with definitions of Hadith and examples as well as opinions of Imam Azam should be in their eyes with its importance regarding Fiqa-e-Hanafi.

In short it can be said that this chapter covers following topics.

1. Perfectin of Hadith.
2. Channel system of narration in Hadith.
3. Preservation of Hadith.
4. Muhaddith-e-Hadith.
5. Usool-e-Hadith.
6. Acceptance of Hadith.
7. Extraction of Hadith.
8. Preference in conflecting of Hadith.
9. Self-made-Hadith.
10. Cancellation of Hadith.
11. Re-consideration in Hadith.
12. To follow Hadith with actions.

CHAPTER VII

In this chapter, first of all Ijtihad-ber-rai (Attention for opinions) was discussed.

Supposition and opinion were explained by the written examples. Conflict between opinion and Hadith and preference in seeking the order consequently was considered.

All along with this, the opinion of Imam Azam was presented. Conciseness of Hadith to get clear order fromit, and all the branches of principle of Imam preference and considerations of Hadith was discussed.

In short, it can be said that this chapter covers following topics.

1. The orders of Hadith.
2. Difficulties in Hadith.
3. Change in orders of hadith.
4. Conflict in hadith.
5. Weakness in Hadith.
6. Cancellation of Hadith.
7. Mistakes in Hadith.
8. Preference in Hadith.
9. Da' if (weak) Hadith.
10. Preference was given to Da'if "Hadith" where ever there was Qias (opinion).

CHAPTER VI

In this chapter, all the objections raised by scholars on the Imam in field of hadith were removed these objections were written by the Khateeb Bugdadi (463 A. H) in relation to the un-known scholars in his famous book Tarikh (History of) Bagdad. All the new commers after him were repeating the same in their books with little bet difference from each other. Some of the scholars have already been written the answers in the form of separate books which were consisted on objections raised on Imam about Hadith, introduction of these books was also made. The language used against criticizing scholars, while answering their objections was made polite, so the answer can not heart them.

Briefly it can be said that this chapter covers, following topics.

1. Being ignorant of Imam in the field of Hadith.
2. Being weak in Hadith.
3. Shortage of narrations of Imam Azam.
4. Little knowledge about Hajj.
5. Ignorance about Arabic language.
6. Hadith of Kufa was with out light.
7. Blames of Arjah about him.
8. Dreams and their orders in Shariah.

CHAPTER V

an out-look of written books by Imam were given in this chapter.

Kitab-ul-Asar, the Ist written book in the field of Hadith by him and the basic way of preservation of Hadith was discussed in this chapter. The examplary was dictation and language for his students which was performed by him discussed in detail. Research of prescription of Ketab-ul-asar was also brought in to picture. Introduction of other books whe h were associated to him was also made.

Difference prescriptions of Mu,atta-Imam Mohammad the distinguishing position in narration research in Masnad-Imam Azam and character of narrators of these books were discussed. Difference between chapters and Masaneeds numbers of hadith, the difference between branches of narration and hadith and Ahadi th Sanayat. Sulasiat, Rubaiat and Arbaheeniat with explanation was discribed.

In short, it can be said that this chapter covers following topics.

1. Zawaid-e-Hadith.
2. Mustadrakat-e-Hadith.
3. Mutakhrajat-e-Hadith.
4. Mukhtasarat-e-Hadith.
5. Masaneed-e-Hadith.
6. Narrated channel in hadith.
7. atraf-e-Hadith.
8. Sharooh-e-Hadith.
9. Wahdaniat-e-Hadiht.
10. Sanayat-e-Hadith.
11. Sulasiate-e-Hadith.

CHAPTER IV

The introduction of students of Imam have been highlighted in this chapter some of them were very famous and important figures of that period. Among them, some were very good writers and authors who have written many books in Islamic Juris prodance and Hadith. Imam Sahib has constituted a committee for Islamic constitution. The members of this committee have also been introduced in this chapter. Some of them were writers of masaneeds (books in Hadith) these books were also indicated.

1. Students of Imam Sahib in Hadith.
2. Extraction of Hadith.
3. Hearing of Hadith.
4. Compilers of Hadith.
5. Famous Muhaddisin of Hanafies.
6. Introduction of Foqhas of Hadith.
7. Introduction of books written about Hadith.

CHAPTER III

In this chapter, the teachers and the other respected personalities of Imam Azam who were well known in the field of Hadith in that era have been pointed. Sahaba and Tabeheen both were included among the teachers of Imam Azam. All kinds of good scholars of early time have educated him in science of Hadith. Rely able proof of narration in respect of Hadith as channel of Transmission from Sahaba to Imam Azam is also elaborated. His Journey for seeking the knowledge is discussed accordingly. And Dar-al-Hadith of that era is also highlighted. some narrations of Imam Azam have been presented as taken of example in short, it can be said that this chapter covers following topics.

1. Muhaddith Sahaba which has been inlisted in Tazkerat-ul-Huffaz.
2. Introduction of institutions of Hadith.
3. Introduction of tutors in Hadith.
4. Compilations of hadith.
5. Extraction of Hadith.
6. Deep consideration in Hadith.
7. Steps among the text of Hadith.
8. Honour of narration from companions in Hadith.
9. Preservation of hadith.
10. Standard of Hadith in different school of thoughts.

CHAPTER II

In this chapter the family of Imam Azam has been introduced his birth, child hood early life. The prediction of the Holy Prophet in his fever which was confirmed later. Imam Azam being Tabee (after follower) obtaining Hadith himself directly from Sahaba Keram.

Respected position and life history of Tabeen (after followers) the construction of Kufa. The existence of Muhaddisins in Kufa. The famous institutions of Hadith of that age and the good service of Sahaba, Fuqaha,, and muhaddisins to wards Hadith was discussed.

In short it can be said that this chapter covers following topics.

1. Terminology of Hadith.
2. Acknowledgement of Hadith.
3. Manners of Hadith.
4. Seeking the knowledge of Hadith.
5. Propagation of hadith.
6. Muhiddith of Hadith.
7. Hafiz-e-Hadith.
8. Hakim-e-Hadith.
9. Amir-ul-momeneen-fel-Hadith.
10. Compilation of hadith.
11. Recognition of honesty of Tabeen and opinions and finding of muhaddisin an these ways have also been given due place.

CHAPTER WISE ANALYSIS OF RESEARCH WORK

CHAPTER I

This is the introductory chapter of my research. This chapter consists introduction and contribution of Sahaba Keram in Hadith. In this chapter the contribution and efforts of companions have been high lighted briefly. The share of Sahaba in the field of Hadith. the way of their logic in narration of Hadith and they have been shown as initial narrators. The primary struggle of companions and after followers was introduced in the chapter. Particularly those who belong and brought up in Kufa. In short it can be said that this chapter covers following topics.

1. Need of hadith.
2. Composition of Hadith.
3. The written work in Hadith.
4. the knowledge of Hadith.
5. The history of hadith.
6. The basic source of hadith.
7. The contribution in Hadith.
8. The preservation of Hadith and general introduction of Muhaddisins and special those whobelong and brought up in Kufa and their after followers..

قولا من اقواله او اقوال اتباعه الا وهو ..... الى آیه او حدیث او اثر او الی مفهوم ذلک او حدیث ضعیف کثرت طرقه او الی قیاس صحیح فمن اراد الوقوف علیه ذلک فلیطالع کتابی المذکور ۔

ترجمہ:۔ میں نے بحمد اللہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے اقوال کی تحقیقات کیں جب میں نے کتاب "ادلہ مذاہب" کی تالیف کی۔ پس میں نے آپ کے اقوال میں سے یا آپ کے اصحاب کے اقوال میں سے کوئی قول بھی ویسا نہ پایا جو کسی آیت یا حدیث ضعیف کی طرف جس کے طرق بکثرت ہوں یا اصل صحیح پر جو قیاس صحیح کی طرف مستند نہ ہو جو شخص اس حقیقت سے آگاہ ہونا چاہے وہ ہماری کتاب مذکور کا مطالعہ کرے۔

علامہ ابن اثیر الجزریؒ نے بھی کم و بیش ان ہی الفاظ میں اسی مفہوم کی بات کہہ دی ہے۔۔۔ علامہ ناصر الدین المطرازی رائے کا لغوی معنی بتاتے ہوئے کہتے ہیں:۔

الرای ما ارتاه الانسان و اعتقده ومنه ربیعته الرای بالاضافته اهل المدینه

ترجمہ:۔ رائے اس نظریہ اور اعتقاد کو کہتے ہیں جس کو انسان اختیار کرتا ہے اور اس سے اضافت کے ساتھ ربیعۃ الرائے ہے۔

ربیعۃ الرائے: حافظ ذہبی امام ربیعۃ الرائے کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

وکان امام حافظا فقیها مجتهدا بصیرا بالرائے ولذلک یقال له ربیعته الرائے ۔

ترجمہ:۔ وہ امام، حافظ، فقیہہ، مجتہد اور رائے و قیاس کے بڑے ماہر تھے اس لئے ان کو ربیعۃ الرائے کہا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اور امام نسائی نے آپ کو ثقہ بتایا ہے۔۔۔

مگر جیسا کہ ہو رہا ہے اور ہوتا آیا ہے اس زمانے کے چند محدثوں کے حافظوں (جو بقول حضرت مجددؒ کو تاہ فہم، کم علم، جاہل اور زندیق سے کم نہیں) نے ربیعہ کو رائے کی نسبت سے مبغوض جانا جب جناب عبدالعزیز بن ابی سلمہ

وصف غالب رہا۔ اس لئے آپ "امام اصحاب رائے" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

علامہ ابن خلدون کی تصریحات: اسی حقیقت ہی کے پیش نظر علامہ ابن خلدون بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ کا "کبار المجتہدین فی الحدیث" کے الفاظ سے تذکرہ کر کے آپ کی حدیث دانی، حدیث فہمی، علم حدیث میں فضل و کمال اور فن روایت و درایت میں مہارت و امامت کو تسلیم کرتے ہوئے اسی تصویر کے دوسرے رخ کو بھی سامنے لاتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

ومقامه فی الفقه لا یلحق شهد له بذالک اهل جلاته وخصوصا مالک وشافعی ۔[1]

ترجمہ:۔ فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس میں کوئی دوسرا ان کی نظیر نہیں رکھتا اور ان ہی کے طبقہ کے حضرات خصوصیت سے امام مالکؒ وشافعیؒ نے اس کی شہادت دی ہے۔

علامہ ابن خلدون نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان، چین، ماوراالنہر اور بلاد عجم میں پھیل ہوئے ہیں۔[2]

دنیائے اسلام میں حنفی مکتب فکر کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ قریب قریب تین چوتھائی ملت حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے فقہی مسلک پر اعتماد رکھتی ہے۔ جب کہ ترک تقلید اور فقہ سے اختلاف کا نظریہ رکھنے والے گروہ کو اپنی تنگ نظری اور خشک مزاجی کی وجہ سے امت میں کوئی فروغ حاصل نہ ہوا۔ آخر ایسے گروہ کو فروغ کیوں کر ہی حاصل ہو جو فقہ واجتہاد اور استنباط سے مستغنی رہ کر بھی نت نئے مسائل وحوادث، نوازل اور واقعات کا حل پا سکے۔ اس بنا پر علامہ ابن خلدون کو یہاں تک لکھنا پڑا کہ

ثم درس مذهب اهل الظاهر الیوم بدروس ائمته ۔[3]

ترجمہ:۔ پھر اسی زمانہ میں اہل ظاہر کا مذہب باقی نہیں رہا۔

آگے لکھتے ہیں۔

ولم یبق الا مذهب اهل الرائے من العراق واهل الحدیث من الحجاز ۔[4]

ترجمہ:۔ اور باقی نہیں رہا مگر مذہب اہل الرائے جو عراقی ہیں اور اہل الحدیث جو حجازی تھے۔

قولا من اقوالہ و اقوال اتباعہ الا وھو ۔۔۔۔ الی ایتہ او حدیث او اثر او الی مفہوم ذلک او حدیث ضعیف کثرت طرقہ او الی قیاس صحیح فمن اراد الوقوف علی ذلک فلیطالع کتابی المذکور [1]

ترجمہ:- میں نے بحمد اللہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے اقوال کی تحقیقات کیں جب میں نے کتاب "ادلہ مذاہب" کی تالیف کی۔ پس میں نے آپ کے اقوال میں سے یا آپ کے اصحاب کے اقوال میں سے کوئی قول بھی ویسا نہ پایا جو کسی آیت یا حدیث ضعیف کی طرف جس کے طرق بکثرت ہوں یا اصل صحیح پر جو قیاس صحیح کی طرف مستند نہ ہو جو شخص اس حقیقت سے آگاہ ہونا چاہے وہ ہماری کتاب مذکور کا مطالعہ کرے۔

علامہ ابن اثیر الجزریؒ نے بھی کم وبیش ان ہی الفاظ میں اسی مفہوم کی بات کہہ دی ہے۔۔۔ علامہ ناصر الدین المطرازی رائے کا لغوی معنی بتاتے ہوئے کہتے ہیں:-

الرای ما ارناہ الانسان و اعتقدہ ومنہ ربیعتہ الرای بالاضافتہ اھل المدینہ [2]

ترجمہ:- رائے اس نظریہ اور اعتقاد کو کہتے ہیں جس کو انسان اختیار کرتا ہے اور اس سے اضافت کے ساتھ ربیعہ الرائے ہے۔

ربیعتہ الرائے: حافظ ذہبی امام ربیعہ الرائے کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

وکان امام حافظا فقیہا مجتہدا بصیرا بالرائے ولذلک یقال لہ ربیعتہ الرائے [3]

ترجمہ:- وہ امام، حافظ، فقیہ، مجتہد اور رائے و قیاس کے بڑے ماہر تھے اس لئے ان کو ربیعہ الرائے کہا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اور امام نسائی نے آپ کو ثقہ بتایا ہے۔۔۔"

مگر جیسا کہ ہو رہا ہے اور ہوتا آیا ہے اس زمانے کے چند حدیثوں کے حافظوں (جو بقول حضرت مجددؒ کوتاہ فہم، کم علم، جاہل اور زندیق سے کم نہیں) نے ربیعہ کو رائے کی نسبت سے مبغوض جانا۔ جب جناب عبدالعزیز بن ابی سلمہ

عراق میں داخل ہوئے اور وہاں کے لوگوں نے ربیعۃ الرائے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔

واللہ مارایت احدا بسنتہ منہ

ترجمہ:۔ بخدا میں نے ان سے بڑھ کر سنت میں محتاط کسی کو نہیں دیکھا۔

بھلا اس وہم کا اب کیا علاج کیا جائے جو بدگمانیوں اور افسانوں کے تاریک پردوں میں صدیوں سے چھپا چلا آ رہا ہے ہم نے "ربیعۃ الرائے" کا عنوان قائم کر کے یہی بتانا ہے کہ اس کھیل کے کھلاڑی نئے نہیں بلکہ ربیعہ جیسے حافظ حدیث، متبع سنت اور ثقہ وثبت متبحر عالم دین سے صرف اس لئے پرہیز و اجتناب کیا گیا کہ آپ کے ساتھ رائے کا لفظ آتا تھا۔

اصحاب رائے کہلانے کی ایک لطیف توجیہہ: علامہ شہرستانی اپنی مشہور عالم کتاب الملل والنحل میں لکھتے ہیں

انما سموا اصحاب الرائے لان عنایتھم بتحصیل وجہ من القیاس والمعنی المستنبط من الاحکام وبناء الحوادث علیھا و بما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار وقد قال ابو حنیفۃ علینا ھذا رای وھو احسن ماقدرنا علیہ فمن قدر علی غیر ذالک فلہ ما رای ولنا ما رائینا

ترجمہ:۔ اور ان کا نام اصحاب رائے اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ قیاس کی علت کی جستجو میں خاص اہتمام کرتے ہیں جو احکام سے مستنبط ہوتا ہے اور حوادث کو ان پر مبنی قرار دیتے ہیں امام ابوحنیفہؒ نے خود فرمایا کہ ہمارا یہ علم رائے ہے جس پر ہم پوری سعی کے ساتھ قادر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی اور رائے رکھتا ہے تو اس کو حق پہنچتا ہے جیسا کہ ہمیں رائے کا حق ہے۔

لاریب امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ثوریؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد بن علی الاصبہانی حدیث وفقہ کے جامع امام تھے۔ مگر ان حضرات میں روایت اور حدیث کی حفاظت وخدمت کا وصف غالب رہا۔ اس وجہ سے یہ حضرات "اصحاب الحدیث" کے لقب سے موسوم ہوئے مگر امام اعظم ابو حنیفہ پر باوجود حافظ حدیث ہونے کے اجتہاد و تفقہ اور استنباط کا

وصف غالب رہا۔ اس لئے آپ "امام اصحاب رائے" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

علامہ ابن خلدون کی تصریحات : اسی حقیقت ہی کے پیش نظر علامہ ابن خلدون بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ کا "... کبار المجتہدین فی الحدیث" کے الفاظ سے تذکرہ کر کے آپ کی حدیث دانی، حدیث فہمی، علم حدیث میں فضل و ... اور فن روایت و درایت میں مہارت و امامت کو تسلیم کرتے ہوئے اس تصویر کے دوسرے رخ کو بھی سامنے لا تے ہوئے رقم طراز ہیں۔

ومقامه فی الفقه لا یلحق شهد له بذالک اهل حلافه وخصوصا مالک وشافعی (۱)

ترجمہ:۔ فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس میں کوئی دوسرا ان کی نظیر نہیں رکھتا اور ان ہی کے طبقہ کے حضرات خصوصیت سے امام مالکؒ وشافعیؒ نے اس کی شہادت دی ہے۔

علامہ ابن خلدون نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان، چین، ماوراالنہر اور بلاد عجم میں پھیل ہوئے ہیں۔ (۲)

دنیائے اسلام میں حنفی مکتب فکر کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ قریب قریب تین چوتھائی ملت حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے فقہی مسلک پر اعتماد رکھتی ہے۔ جب کہ ترک تقلید اور فقہ سے اختلاف کا نظریہ رکھنے والے گروہ کو اپنی تنگ نظری اور خشک مزاجی کی وجہ سے امت میں کوئی فروغ حاصل نہ ہوا۔ آخر ایسے گروہ کو فروغ کیوں کر ہی حاصل ہو جو فقہ واجتہاد اور استنباط سے مستغنی رہ کر بھی نت نئے مسائل وحوادث، نوازل اور واقعات کا حل پا سکے۔ اس لئے تو علامہ ابن خلدون کو یہاں تک لکھنا پڑا کہ

ثم درس مذهب اهل الظاهر الیوم بدروس ائمته (۳)

ترجمہ:۔ پھر اسی زمانہ میں اہل ظاہر کا مذہب باقی نہیں رہا۔

آگے لکھتے ہیں۔

ولم یبق الامذهب اهل الرائے من العراق واهل الحدیث من الحجاز۔ (۴)

ترجمہ:۔ اور باقی نہیں رہا مگر مذہب اہل الرائے جو عراقی ہیں اور اہل الحدیث جو حجازی ہیں۔

اہل الرائے عراقی اور اہل الحدیث حجازی۔ یہ دونوں گروہ فقہ کے تسلیم کرنے والے تھے اگرچہ دونوں کا طریق د ایک دوسرے سے قدرے مختلف تھا۔ ان دو گروہوں کے علاوہ تیسرے گروہ کے وجود کی نشاندہی بھی نہیں کی گئی معلوم ہوتا ہے کہ تھا ہی نہیں۔ اگر بالفرض اس کے وجود کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو لازماً" یہ بھی ماننا پڑے گا کہ علماء فقہ، محدثین اور اکابر واسلاف کے ہاں اس کو کوئی پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔

درحقیقت فقہ کی مخالفت' قیاس ورائے اور اجتہاد واستنباط کے انکار کے ساتھ پذیرائی کی توقع بے جا غلط اور ناممکن ہے۔

فقہ حنبلی میں رائے واجتہاد: چونکہ قیاس و رائے اور فقہ واجتہاد کے بغیر امت کو پیش آنے والے تمام مسائل مکمل طور پر حل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے تو امام احمد بن حنبلؒ (جن کا رتبہ اجتہاد وقیاس میں اتنا اونچا نہ تھا) کہ فقہ کو وہ بلند مقام نہ مل سکا جو اوروں کو حاصل ہوا اور نہ ان کے زیادہ مقلدین پیدا ہوئے۔ آخر وہ لوگ جنہیں اپنے سوا دوسرا نظر آتا ہی نہیں۔ خدا ہی کے دیئے ہوئے آنکھوں اور عقل و خرد سے کام کیوں نہیں لیتے۔ کہ جب ایسی فقہ جس میں رائے واجتہاد کا استعمال کم ہو۔ اس کو تو شام وعراق اور اس کے ملحقات سے باہر تعارف بھی حاصل نہ ہو سکا ہو۔

> فاما احمد بن حنبل مقلده قليل بعد مذهبه عن الاجتهاد واصالته في معاضدة الروايته والاخبار بعضها وأكثرهم بالشام والعراق من بغداد و نواحيها وهم أكثر الناس حفظا السنته.. [11]

> ترجمہ:۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب اجتہاد سے بعید رہا ہے اور ان کا اصل الاصول ہی یہ ہے کہ روایت اور اخبار ہی میں سے بعض کی بعض سے تائید اور تقویت حاصل کی جائے اور ان کے اکثر پیرو شام وعراق اور اس کے آس پاس رہتے ہیں اور وہ سب لوگوں سے سنت کے زیادہ محافظ رہے ہیں۔

مگر یہ دعویٰ کہاں تک درست ہو سکتا ہے کہ جن کے ہاں رائے واجتہاد کا وجود نہیں وہی کہتے ہیں ہمارے سوا دوسرا موجود نہیں۔ تعجب ہے ایسوں پر جو سرے سے رائے واجتہاد کا انکار بھی کرتے ہیں اور اپنے ہی وجود کا اصرار بھی

کرتے ہیں۔

فقہ حنفی اور قربت حدیث: یہ بات پہلے بھی کہیں عرض کی جا چکی ہے کہ اکابر واسلاف کی تحقیق کے مطابق فقہ حنفی ہی قرآن و سنت اور صحیح حدیث کے زیادہ موافق ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے: مذہب حنفی میں عمدہ راستہ ہے۔ جو صحیح حدیث کے زیادہ موافق ہے۔"۔

امت مسلمہ کے متاخرین اکابر واسلاف میں مسلّم اور مایہ ناز شخصیت حضرت مجدد الف ثانی بھی یہی فرماتے ہیں کہ "خلافیات فقہی کے اکثر مسائل میں حق بجانب حنفی ہے۔"۔

ذیل میں حضرت مجددؒ ہی کی ایک اور شہادت ملاحظہ فرمایئے۔

بے شائبہ تکلف و تعصب گفتہ می شود کہ نورانیت دین مذہب حنفی بنظر کشفی دررنگ دریائے عظیم می نماید' وسائر مذاہب در رنگ حیاض وجد اول بنظر ے در آیند وبظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ ے آید سواد اعظم از اہل اسلام متابعان ابی حنیفہ اند (مکتوبات ربانی دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب 55 ص 14)	تکلف اور تعصب کی ملاوٹ کے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشفی نظر میں حنفی مذہب کی نورانیت بڑے دریا کے مانند دکھائی دیتی ہے اور دوسرے مذاہب حوضوں اور نالوں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ اہل اسلام کی بڑی اکثریت امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرتی ہے

چونکہ اسلام عالمگیر مذہب ہے اور تاقیامت باقی رہنے والا دین ہے اس لئے تو احناف نہ صرف حدیث کے ظاہری الفاظ اور عبارت النص سے استنباط کرتے ہیں بلکہ دلالۃ النص' اشارۃ النص کے دقیق اور غامض پہلو کو بھی استدلال میں نظر انداز نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کا دائرہ بہت وسیع ہے جس کے استنباط واجتہاد اور صحیح استدلال کی عظیم وسعتوں کو حضرت مجدد الف ثانی نے "بڑے دریا" سے تعبیر کیا۔

شاہ ولی اللہؒ کا اظہار حقیقت:۔ حضرت شاہ ولی اللہ رائے کے مفہوم و مصداق پر مفصل بحث کرتے ہوئے اپنی شہرۂ آفاق اور مایہ ناز کتاب **"حجۃ اللہ البالغہ"** میں لکھتے ہیں۔

بل المراد من اهل الرائے قوم توجهوا بعد المسائل المجمع عليها من المسلمين او بين جمهورهم الى التخريج على اصل من المتقدمين فكان اكثر امرهم حمل النظير والرد الى اصل من الاصول۔

ترجمہ:۔ بلکہ اہل الرائے سے وہ قوم مراد ہے جنہوں نے ان مسائل کے بعد جو تمام مسلمانوں میں یا جمہور کے درمیان اجماعی قرار پا چکے ہیں۔ متقدمین میں کسی شخص کے اصل پر مسائل کی تخریج کی ہو اور ان کا بڑا کام یہ رہا ہے کہ نظیر کو نظیر پر حمل کرتے رہے اور ان کو اصول میں سے کسی اصل کی طرف رد کرتے رہے۔

الغرض اکابر واسلاف کی ان تحقیقات کی روشنی میں ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ رائے کو فی نفسہ برا سمجھنا اہل الرائے کو احادیث کا منکر اور ان سے مستغنی قرار دینا۔ اہل الرائے ہونے کو موجب تنقیص امر تصور کرنا، نیز اہل الرائے ہونے کو صرف احناف ہی کے ساتھ خاص کرنا یہ نہ صرف کمال جہالت کا اظہار اور اپنے اکابر واسلاف کے علوم ومعارف کا انکار ہے بلکہ ایک اظہر من الشمس صداقت اور ایک عظیم حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔

اہل الرائے کی کئی جماعتیں تھیں: جو جان بوجھ کر نہ دیکھنا چاہیں انہیں کیونکہ دکھایا جا سکتا ہے۔ دیکھنے والوں نے تو امام شافعیؒ کو بھی "اہل الرائے" ہی دیکھا۔ امام عجلی نے امام شافعیؒ کو "اہل الرائے" لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر بھی رقم طراز ہیں۔

فاجتمع له علم اهل الرائے وعلم اهل الحديث۔

ترجمہ:۔ امام شافعیؒ میں "اہل الرائے" اور اہل حدیث دونوں کا علم جمع تھا۔

ربیعہ کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ "ربیعۃ الرائے" کے لقب سے مشہور تھے مگر حنفی نہ تھے۔
ابوبکر بن ایوب کی تصریح کے مطابق اہل الرائے کی کئی جماعتیں تھیں۔

قد راینا جماعته من اهل الرای قد ذهبت واضمحلت ومذهب ابی حنیفه باق۔

ترجمہ:۔ ہم نے دیکھا کہ اہل الرائے کی جماعت کے مذاہب تو ختم اور مضمحل ہو گئے مگر امام ابو حنیفہؒ کا مذہب باقی ہے۔

مگر جو لوگ 2 + 2 کو بھی دو ہی کہتے ہیں اگر انہیں "اہل الرائے" کی کئی جماعتیں بھی ایک ہی جماعت نظر آتی ہے۔ تو اس مرض کی تشخیص' تعصب' ضد' عقل کے فتور اور ہٹ دھرمی سے تو کی جا سکتی ہے مگر اس سے ایک حقیقت کی تکذیب لازم نہیں آ سکتی۔

امام عبداللہ بن مبارک کی شہادت: جنہیں بزعم خویش یہ دعویٰ ہے کہ وہ' حضرت محدثین ہی کے بیان فرمودہ احادیث کو لیتے اور محدثین ہی کے مذہب (بقول ان کے غیر مقلدیت) پر عمل کرتے ہیں ان کا یہ دعویٰ اور محدثین سے غیر مقلدیت کی نسبت کہاں تک صحیح ہے یہ ایک علیحدہ موضوع ہے جس پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔ فرصت ملی تو اس بحث کی تکمیل کو ترجیح دوں گا۔ اب کی اس تحریر میں یہ بتانا ہے کہ ایسا دعویٰ کرنے والے بھی عمل کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ لیں۔

اپنے دور کے عظیم محدث امام عبداللہ بن مبارک بھی امام ابو حنیفہؒ کی رائے لیتے اور اس کو اختیار کرنے پر اصرار کر رہے ہیں جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ان کان الاثر قد عرف واحتیج الی الرای نری مالک وسفیان ---- وابو حنیفة احسنهم وادقهم واغوصهم علی الفقه وهو افقه الثلاثه۔

ترجمہ:۔ اگر حدیث معلوم ہو اور رائے کی ضرورت ہو تو مالک' سفیان اور ابو حنیفہؒ کی رائے ماننی چاہیے ابو حنیفہؒ کی نظر زیرکی میں ان میں بہتر اور باریک تر ہے۔ فقہ میں زیادہ گہری ہے اور وہ ان تینوں میں زیادہ فقیہ ہیں۔

امام ابن مبارکؒ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے شاگرد اور علم حدیث میں امیرالمومنین ہیں۔ آپ کی مسند سے بخاری اور مسلم میں سینکڑوں حدیثیں موجود ہیں۔ امام بخاری کا ارشاد ہے کہ امام ابن مبارک اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم

اور محدث ہیں۔

سب سے بڑے عالم اور محدث امام ابن مبارک سے ایک دوسرا قول بھی کتابوں میں نقل ہوتا چلا آیا ہے۔ فرمایا کرتے:

وہ شخص محروم ہے جس کو امام ابوحنیفہؒ کے علم سے حصہ نہیں ملا۔

صرف یہ نہیں بلکہ ابن المبارک تو امام ابوحنیفہؒ پر کسی دوسرے عالم اور امام کی ترجیح کو بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان سے یہ قول بھی منقول ہوا ہے کہ

"اگر مجھے افراد کلام کا الزام نہ دیا جائے تو میں امام ابوحنیفہؒ پر کسی کو ترجیح نہ دوں گا۔"

امام ابوحنیفہؒ کی محدثانہ جلالت قدر اور فقیہانہ عظمت کے تو اس قدر قائل ہیں کہ اپنے حلقہ درس اور ہر محفل میں بے اختیار ان کے منہ سے یہ الفاظ نکل جاتے اور کہہ اٹھتے:

"اگر امام صاحب تابعین کے ابتدائی دور میں ہوتے تو وہ بھی سب ان کا اتباع کرتے۔"

بلکہ وہ اس معاملہ میں اس حد تک آگے بڑھے ہوئے تھے کہ اگر کسی محفل میں صراحتاً یا اشارتاً امام ابوحنیفہؒ پر کوئی اعتراض کرتا یا ان کی جلالت قدر اور عظمت کو ملحوظ نہ رکھتا یا برائی بیان کرتا تو آپ ہر ممکن دفاع پر اتر آتے اور بے اختیار آپ کے منہ سے نکلتا:

"خدا اس شخص کا برا کرے جو ہمارے شیخ امام ابوحنیفہؒ کا ذکر برائی سے کرے۔"

امام عبداللہ بن مبارک کے دکھائے ہوئے اس آئینہ میں محدثین سے اپنی نسبت کا دعویٰ کرنے والے اپنا چہرہ دیکھ لینے کے بعد' اپنا سامنہ لے کر بھی' حدیث اور محدثین سے نسبت کے ادعائی حسن پر غرور وناز کرتے ہیں۔

شیخ یحییٰ بن سعید القطان کی شہادت: تو ہم یحییٰ بن معین کے حوالہ سے شیخ یحییٰ بن سعید القطان کی شہادت بھی پیش کر رہے ہیں جنہیں امام ابوحنیفہؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے پر فخر ہے۔ آپ فن رجال کے امام ہیں آپ کی محدثانہ جلالت قدر اور علمی عظمت اور فقہی قدر و منزلت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور علی بن المدینی جیسے ائمہ فقہ وحدیث آپ کے درس حدیث کے حلقہ میں عصر سے تا مغرب کھڑے رہ کر احادیث کی

تحقیق کیا کرتے تھے۔ تو شیخ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان کو یہ کہتے سنا کہ۔

"ہم اللہ کا نام لے کر جھوٹ نہ بولیں گے۔ ہم ابوحنیفہؒ کی رائے میں اکثر چیزیں اختیار کر لیتے ہیں۔"

یحییٰ بن معین نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ۔

"ہم خدا کا نام لے کر جھوٹ نہ بولیں گے ابوحنیفہؒ سے بہتر رائے ہم نے کسی کی نہیں پائی۔ واللہ ہم امام صاحب کی مجلس میں شریک رہے ہیں۔ میں نے جب بھی ان کے چہرہ کی طرف دیکھا تو یقین ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت سے پوری طرح متصف ہیں۔"

کتابوں میں شیخ یحییٰ بن سعید القطان کا یہ قول تو مشہور ہے ہی کہ

"خدائے بزرگ کی قسم امام ابوحنیفہؒ اس امت میں قرآن وحدیث کے سب سے بڑے عالم ہیں۔"

یحییٰ بن معین نے شیخ یحییٰ بن سعید القطان کے عام معمولات کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

"شیخ یحییٰ بن سعید القطان فتویٰ میں کوفیوں کے قول کی جانب جاتے تھے۔ اور کوفیوں کے اقوال میں ابوحنیفہؒ کا قول لیتے تھے اور ان کے معاصروں میں سے ان کی رائے کا اتباع کرتے تھے۔"

امام عبداللہ بن مبارک اور شیخ یحییٰ بن سعید القطان جیسے ائمہ فقہ وحدیث کی شہادتوں اور سچی گواہیوں پر ان لوگوں کو یقین کب آئے جو روز اول سے کج فہمی اور کج بحثی کی راہ پر چل پڑنے کو لیلائے مقصود سمجھ بیٹھے ہوں۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ خطیب نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی وفور عقل تیز فہمی اور باریک نظری پر جداگانہ باب قائم کیا ہے۔ باری تعالیٰ نے امام صاحب کو جس قدر اعلیٰ ذہانت اور صلاحیت سے نوازا تھا اسی قدر ان کی احکام شرعیہ کے سلسلہ میں تحقیق اور اجتہاد بعض معاصرین اور موجودہ وگزشتہ زمانے کے معاندین کی فہم سے بالاتر ثابت ہوا۔

فہم کی نارسائی اور بعض کی فطری کج بحثی اور کج فہمی امام صاحب سے اختلاف کا باعث بنی غالباً" امام احمد بن حنبل ہی کا یہ فیصلہ ہے۔ ومن جھل شیأ عاداہ

رائے وقیاس اور اس کی اہمیت کو وہ کیا جانیں جنہیں حدیث اور محدثین کی سچی اور مبنی برحقیقت شہادتوں سے

بھی اعراض ہو۔

آخر یہ کیونکر مانا جا سکتا ہے اور کون مان سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب اور معتقدین ومقلدین رائے کی حجیت پر جو اصرار کرتے ہیں درحقیقت یہ حدیثی تعلیمات سے انکار کرتے ہیں۔ جب کہ رائے حجیت پر اجماع اور رائے پر صحابہ کا تعامل و توارث ایک ایسی مسلم حقیقت ہے جس سے آنکھیں بند کر لینے کے باوجود بھی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

تعجب ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی پر عمل کرنے والے بھی اسی حدیث کو تسلیم کرتے ہیں کہ لا مجتمع امتی علی الضلالۃ تو پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اسی پیغمبرؐ کی امت کا سواد اعظم (جس کی تعداد کا انداز نصف یا ثلث اہل اسلام سے کیا گیا ہے) ایک ایسے امام کے تابع ہو گیا ہو جو العیاذ باللہ حدیث سے ناواقف اسلامی علوم سے بے بہرہ اور محض رائے وقیاس اس کا دین تھا۔

پھر اس سواد اعظم نے نہ صرف فقہ و مسائل میں امام صاحب کی اقتدار کی بلکہ اپنی دنیا و آخرت کی سعادتوں اور سرخروئیوں کو بھی ان کے دامن سے وابستہ کر دیا۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ فہم سلیم اگر نارسائی، حسد، بغض اور عناد اور عداوت کا مریض نہ ہو۔ کج فہمی اور کج بحثی سے مکدر نہ ہو تو اسے کبھی بھی یہ باور نہ کرایا جا سکے گا کہ ڈیڑھ ہزار برس کے زمانے میں امت محمدیہ کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں علماء ربانی جس کی تعلیم، تحقیق اور اجتہاد واستنباط سے مستفید ہوئے اور ملکوں ملکوں پھیلے اور جس کی تعلیمات فقہ و رائے پر گروہ در گروہ اولیائے کرام عمل پیرا ہو کر مراتب قرب سے فائز المرام ہوئے وہ ایک ایسا شخص تھا جو حدیث اور علوم نبوت سے کورا تھا۔ (العیاذ باللہ)

اگر بالفرض والمحال یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حنفی فقہا کے علاوہ دوسرے مذاہب کے جن دوسرے ائمہ نے بغیر کسی تعصب کے امام صاحب کی مدح وتوثیق کی ہے جن میں امام سیوطی، شافعی، حافظ ابن حجر مکی شافعی، امام ذہبی شافعی، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی، امام نووی شافعی، امام غزالی شافعی، حافظ ابن عبدالبر مالکی، علامہ یوسف بن عبدالہادی حنبلی سرفہرست ہیں۔ سب جاہل اور علم حدیث سے کورے تھے اور بقول امام ابن حجر مکی جن لوگوں نے امام صاحب کی توثیق کی ہے وہ ان لوگوں سے بہت زیادہ ہیں جنہوں نے ان پر طعن کیا ہے لہٰذا اس سے ت

پوری امت اور اکابر اساطین علم کی تجہیل لازم آتی ہے جب کہ ایسا ہونا خلاف واقعہ خلاف حقیقت اور باطل ہے۔

محمود رائے

امام صاحبؒ کا اہل الرائے ہونا:- یہ عنوان تمام سابق عنوانات سے زیادہ مستحق توجہ اور قابل غور ہے۔ اگر صحیح معنی میں یہ سمجھ آگیا تو بہت حد تک غلط فہمی دور ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص تعصب اور حسد کے نشہ سے چور چور ہو کر غلط روی اور کم فہمی کو دولت عزیز سمجھ کر چھوڑنا ہی نہ چاہے تو اس کا بھلا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ کتب تاریخ اسلام، طبقات رجال اور مناقب وغیرہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا لقب امام اہل الرائے مذکور ہے جس سے بعض نافہم لوگوں کو اچھی خاصی ٹھوکر لگی ہے اور بعض متعصب حضرات نے عمداً اس پر دبیز پردہ ڈال کر عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی مذموم سعی کی ہے اور بجائے اس کے کہ اس بات کو تاریخ کے واضح حوالوں سے حل کر کے اس میں سلجھاؤ پیدا کرتے مزید الجھاؤ پیدا کر کے اس کو ایک چیستان اور معمہ بنا رکھا ہے۔ اس لئے ہم اس بات کو ذرا وضاحت کے ساتھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ امام ابو حنیفہ امام اہل الرائےؒ تھے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا اہل الرائےؒ ہونا لغوی اور شرعی لحاظ سے مذموم اور موجب تنقیص ہے؟ یا محمود اور باعث فضیلت ہے؟ اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحابؒ کس معنی میں اہل الرائےؒ تھے اور کس موقع اور محل پر وہ رائے سے کام لیا کرتے تھے؟ ان امور پر ہم اصولی بحث عرض کرتے ہیں۔ غور فرمایئے۔

رائے کا لغوی اور اصطلاحی معنی:- مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب سے پہلے رائے کا لغوی معنی عرض کریں تا کہ اس کی تہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری باقی نہ رہے۔

علامہ ابوالفتح ناصرالدین المطرزی الحنفیؒ (المتوفی 616ھ) لکھتے ہیں کہ:-

الرای مارآہ الانسان واعتقدہ ومنہ ربیعۃ الرای بالاضافۃ فقیہ اھل المدینۃ

○

ترجمہ:- رائے اس نظریہ اور اعتقاد کو کہتے ہیں جس کو انسان اختیار کرتا ہے اور اسی سے اضافت کے ساتھ ربیعۃ الرائےؒ ہے جو اہل مدینہ کے فقیہ تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کا کوئی نہ کوئی نظریہ یا اعتقاد نہ ہوتا ہو' مشہور لغوی علامہ ابوالفضل القرشی (المتوفی ھ)؛ رقم فرماتے ہیں کہ

ظاہر بات ہے کہ دل کی روشنی اور بصیرت خداوند عزیز کا خاص عطیہ اور موہبت ہے۔ وہ کوئی بری مذموم شے نہیں' بخلاف اس کے دل کا اندھا پن انتہائی طور پر مذموم ہے آخر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بلاوجہ تو نہیں کہ فانها لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور سچ کہا گیا ہے کہ۔

مجھے ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

مولانا شبیر احمد عثمانی کا ارشاد:۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ (المتوفی 1369ھ) نقل کرتے ہیں کہ:۔

والرای هو نظر القلب بُة الی رای رایًا

بدل دید ورای رویا بغیر تنوین بخواب دید ورای روٗ بچشم دیداہ۔

ترجمہ:۔ رای کے معنی دل کی نظر اور بصیرت کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ رای رایا اس نے دل کے ساتھ دیکھا اور رای رویا بغیر تنوین کے' اس نے خواب میں دیکھا اور رأی رؤیۃ اس نے آنکھوں سے دیکھا۔

علامہ جزری کا ارشاد:۔

علامہ ابن اثیر الجزری الشافعیؒ (المتوفی 606ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

والمحدثون یسمون اصحاب القیاس اصحاب الرأی یعنون انهم یاخذون برایهم فیما یشکل من الحدیث اومالم یات فیه حدیث ولا اثر۔(2)

ترجمہ:۔ محدثین اصحاب قیاس کو اصحاب الرائی کہتے ہیں اس سے وہ مراد یہ لیتے ہیں کہ وہ مشکل حدیث کو اپنی رائے اور سمجھ سے حل کرتے ہیں یا ایسے مقام پر وہ اپنے قیاس اور رائے سے کام لیتے ہیں جس میں کوئی حدیث موجود نہیں ہوتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب الرائی وہ حضرات ہیں جو مشکل احادیث اور غیر منصوص مسائل کو اپنے ناخن تدبر اور دل کی بصیرت سے حل کرنے کے خوگر ہوتے ہیں اور محدثین کرامؒ اسی معنی میں ان کو اہل الرائی کہتے ہیں۔

شیخ طاہر حنفی کا ارشاد:۔

اور کم و بیش یہی الفاظ ہیں محدث جلیل الشیخ محمد طاہر الحنفیؒ کے

علامہ شرف الدین الطیبی الشافعیؒ (المتوفی 743ھ) نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کچھ ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے اہل الرائی کی کچھ تنقیص معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ملا علی القاری ان کے ساتھ مناقشہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

یشم من کلام الطیبی رائحته الکنایته الاعتراضیته علی العلماء الحنفیته ظنامنه انهم یقدمون الرای علی الحدیث ولذا یسمون اصحاب الرای ولم یدر انهم انما سموا بذالک لدقة رأیهم وحذاقته عقلهم۔ ○

ترجمہ:۔ رائے کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں اور اسی لیے ان کو اصحاب الرای کہا جاتا ہے مگر علامہ طیبیؒ یہ نہیں سمجھے کہ ان کو اصحاب الرای اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی رائے دقیق اور عقل تیز ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علماء حنفیہ کو اصحاب الرای اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ معاذاللہ اپنی رائے کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں بلکہ وہ اس لیے اصحاب الرای کہلاتے ہیں کہ ان کی رائے بڑی دقیق، عقل بڑی تیز اور بصیرت بڑی گہری ہوتی ہے اور حدیث کے مشکل معانی کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

حافظ ذھبی کا ارشاد:۔

حافظ ذہبیؒ امام ربیعہؒ بن ابی عبدالرحمن الرائی (المتوفی 136ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

وکان اماما حافظا فقیہا مجتہدا بصیرا بالرای ولذالک یقال لہ ربیعته الرای۔

○

ترجمہ:۔ وہ امام، حافظ، فقیہ، مجتہد اور رائے و قیاس کے بڑے ماہر تھے اسی لیے ان کو ربیعۃ

الرای کہا جاتا ہے۔

امام احمدؒ محدث عجلیؒ اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ امام یحییٰ بن سعید القطان ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

مارایت احدا اسد عقلا من ربیعۃ ○

ترجمہ:- میں نے ربیعہ سے زیادہ پختہ عقل والا کوئی نہیں دیکھا۔

عبدالعزیز بن ابی سلمہؒ کا بیان ہے کہ میں جب عراق میں داخل ہوا تو اہل عراق میرے پاس آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ تم ربیعہؒ کی کوئی بات سناؤ جو اپنی رائے سے کام لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ تم ربیعہؒ کو صاحب رائے کہتے ہو؟ حالانکہ

لا واللہ مارایت احدا احوط لسنتہ منہ ○

ترجمہ:- بخدا میں نے ان سے بڑھ کر سنت میں محتاط اور کسی کو نہیں دیکھا۔

اور علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ:-

وکان ثقۃ کثیر الحدیث وکانوا یتقونہ لموضع الرای۔ ○

ترجمہ:- ربیعہؒ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے لیکن لوگ ان سے صاحب رائے ہونے کی وجہ سے پرہیز کرتے تھے۔

داد دیجئے۔ اس گریز واجتناب کی کہ ربیعہؒ جیسے حافظ حدیث متبع سنت اور ثقہ وثبت سے پرہیز کرنے والوں نے محض اس لیے اجتناب کیا کہ ان کے نام کے ساتھ صاحب الرای کا لقب چسپاں تھا۔ پھر بھلا اس وہم کا کیا علاج ہو سکتا ہے جو ظن بلکہ افسانوں کے دبیز پردوں میں صدیوں سے چھپا چلا آتا ہو، مگر بایں ہمہ۔

اہل دانش کی نگاہوں سے یہ پوشیدہ نہیں
اک حقیقت بھی ہوا کرتی ہے افسانوں کے ساتھ

علامہ شہرستانیؒ لکھتے ہیں کہ "امت کے ائمہ مجتہدین دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ تیسرا گروہ یہاں کوئی ہے ہی نہیں۔ ایک اصحاب حدیث اور دوسرے اصحاب الرای۔ اصحاب حدیث اہل حجاز ہیں جو امام مالکؒ، امام شافعی، امام ثوریؒ امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤدؒ بن علی الاصبہانیؒ کے پیروکار ہیں۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ:۔

واصحاب الرای وھم اھل العراق ھم اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن الثابت۔

ترجمہ:۔ اصحاب الرائے اہل عراق ہیں جو ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابتؒ کے اصحاب ہیں۔

اور پھر ان کے اصحاب الرائے ہونے کی وجہ یوں بیان کی ہے کہ:۔

وانما سموا اصحاب الرای لان عنایتھم بتحصیل وجہ من القیاس والمعنی المستنبط من الاحکام وبناء الحوادث علیھا وربما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار وقد قال ابوحنیفۃؒ علمنا ھذا رای وھو احسن ماقدرنا علیہ فمن قدر علی غیر ذالک فلہ مارای ولنا مارایناہ۔

ترجمہ:۔ اور ان کا نام اصحاب الرائے اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ قیاس کی علت کی جستجو میں خاص اہتمام کرتے ہیں اور اس معنی کے حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں جو احکام سے مستنبط ہوتا ہے اور حوادث کو ان پر مبنی قرار دیتے ہیں اور کبھی وہ قیاس جلی کو خبر واحد پر مقدم بھی کر دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے خود فرمایا کہ ہمارا یہ علم رائے ہے جس پر ہم پوری سعی کے ساتھ قادر ہوئے ہیں اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی اور رائے رکھتا ہے تو اس کو حق پہنچتا ہے جیسا کہ ہمیں رائے کا حق ہے۔

اگرچہ مذکورہ بالا اکابر امت حدیث وفقہ کے جامع امام تھے یعنی جس طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ حدیث سے بے بہرہ نہ تھے، اسی طرح دیگر اکابر فقہ اجتہاد کی صفت سے محروم نہ تھے، مگر جب ان دونوں صفتوں کا تقابل اور توازن کیا جائے تو یہ کہنا قطعی طور پر صحیح ہے کہ دوسرے ائمہ میں روایت اور حدیث کی حفاظت اور خدمت کا وصف غالب رہا اور وہ بایں وجہ اصحاب الحدیث کے لقب سے موسوم ہوئے اور امام ابوحنیفہؒ پر باوجود حافظ حدیث ہونے کے اجتہاد و تفقہ اور استنباط کا وصف غالب تھا۔ بدیں وجہ وہ اہل الرائے کہلائے نہ یہ کہ وہ حدیث سے بے پروا ہو کر صاحب رائے بنے۔

علامہ ابن خلدون کا ارشاد:۔ علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وانقسم الفقه فیہم الی طریقین طریقہ اهل الرائے والقیاس وهم اهل العراق وطریقہ اهل الحدیث وهم اهل الحجاز وکان الحدیث قلیلا" فی اهل العراق کماقد مناہ فاستکثروا من القیاس ومهروا فیہ فلذالک قیل اهل الرای ومقدم جماعتهم الذی استقر المذہب فیہ وفی اصحابہ ابوحنیفۃ72

ترجمہ :۔ علم فقہ ان میں دو قسموں میں بٹ گیا ایک طریقہ اہل الرائے اور قیاس کا ہے اور وہ اہل العراق ہیں اور دوسرا طریق اہل الحدیث کا ہے اور وہ اہل الحجاز ہیں اور اہل عراق میں حدیث کم تھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں (کہ حدیث کے بارے میں ان کی شرطیں کڑی تھیں) اس لیے انہوں نے بکثرت قیاس سے کام لیا اور اس میں ان کو مہارت حاصل ہو گی اور اسی مہارت فی القیاس کی وجہ سے ان کو اہل الرائے کہا جاتا ہے اور اس جماعت کا پیشرو جس کی اپنی وجہ سے اور اس کے اصحابؒ کی وساطت سے یہ مذہب حنفی قرار پایا ہے امام ابوحنیفہؒ ہیں۔

یاد رہے کہ وہی علامہ ابن خلدونؒ ہیں جنہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو من کبار المجتہدین فی علم الحدیث کے الفاظ سے ذکر کیا ہے اور جن لوگوں نے امام موصوف کو قلت حدیث کی کند تلوار سے زخمی کرنے کی نامبارک سعی کی تھی ان کو علامہ ابن خلدونؒ نے المبغضین کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور صاف بتایا ہے کہ چونکہ امام صاحبؒ کی شرطیں روایت کے بارے میں سخت اور کڑی ہیں' اس لئے ان سے روایتیں بہ نسبت ان محدثین کرامؒ کے جن کی شرطوں کا دائرہ بڑا وسیع ہے کم ہیں نہ اس لیے کہ فن روایت وحدیث میں وہ بے بضاعت اور کم مایہ تھے اور جب ان کے قیاس واجتہاد اور فقہ ورائے کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے سر پر مہارت فی القیاس کا سنہری سہرا باندھتے ہیں اور صریح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:۔

ومقامہ فی الفقہ لایلحق احد شہد لہ بذالک اهل عصرہ وخصوصا مالک والشافعی73

ترجمہ :۔ فقہ میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ اس میں کوئی دوسرا ان کا نظیر نہیں ہو سکتا اور ان ہی کے طبقہ کے حضرات اور خصوصیت سے امام مالکؒ اور شافعیؒ نے اس کی شہادت دی ہے۔

تیسرا گروہ :۔ ان دو گروہوں کے علاوہ ایک تیسرے گروہ کا ذکر بھی کتب اختلاف و تاریخ میں آتا ہے جن کو اہل الظاہر

کہا جاتا ہے مگر ان کو اپنی تنگ نظری اور خشک مزاجی کی وجہ سے کبھی کوئی فروغ حاصل نہیں ہوا جن کا اہم نظریہ ترک تقلید اور فقہ سے اختلاف تھا اور دعویٰ یہ تھا کہ صرف قرآن و حدیث ہی کو پیش نظر رکھا جائے اور بس مگر اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام عالمگیر مذہب اور تاقیامت باقی رہنے والا دین ہے اور نت نئے مسائل وحوادث اور نوازل و واقعات کا پورا حل بغیر فقہ و اجتہاد اور استنباط کے کیسے اور کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اہل الظاہر کسی وقت کچھ ابھرے کے باوجود بھی تقریباً دنیا میں ناپید ہی رہے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن خلدونؒ ہی لکھتے ہیں کہ:۔

ثم فقد مذهب اهل الظاهر اليوم بفقد ائمته۔[۱۱]

ترجمہ:۔ پھر اس زمانہ میں اہل الظاہر کا مذہب باقی نہیں رہا کیونکہ ان کے ائمہ ہی ختم ہو گئے ہیں۔

اور تصریح کرتے ہیں کہ:۔

ولم يبق الا مذهب اهل الراى من العراق واهل الحديث من الحجاز

ترجمہ:۔ اور باقی نہیں رہا مگر مذہب اہل الرائے کا جو عراقی ہیں اور اہل الحدیث کا جو حجازی ہیں۔

مورخ اسلام کی اس علمی اور ٹھوس تحقیق سے یہ بات بھی آشکار ہو گئی کہ اہل العراق اور اہل الحجاز دونوں گروہ اور طائفے فقہ کے تسلیم کرنے والے اور اس پر عمل پیرا ہونے والے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک کا طریق کار دوسرے کے انداز فکر سے قدرے مختلف ہے مثلاً اگر ایک گروہ حدیث کے ظاہری الفاظ اور عبارۃ النص ہی سے استنباط کرتا ہے تو دوسرا گروہ دلالۃ النص اشارۃ النص اور اقتضاء النص کے دقیق اور غامض پہلو کو بھی استدلال میں نظر انداز نہیں کرتا اس لیے اس کے علم فقہ کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کے علمی مہمانوں کو ہزارہا نئے نئے مسائل میں اس کے ہاں کسی طرح تشنگی پیش نہیں آتی۔ اسی وجہ سے نصف دنیا سے زیادہ لوگ اس کے فیض سے مستفید ہو رہے ہیں اور اس کے دلدادہ ہیں۔

علامہ ابن خلدونؒ ہی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے مقلد اس وقت عراق، ہندوستان، چین، ماوراء النہر و بلاد العجم کلہا (عجم کے سب شہروں) میں پھیلے ہوئے ہیں۔[۱۲]

اس سے فقہ حنفی کے فروغ، اس مذہب میں فقہاء کی کثرت اور لوگوں کے عام رجحان کی ایک اور وجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے، بقیہ وجوہ اپنے مقام کی بحث ہے اور اس کے مقابلہ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ باوجود استاذ المحدثین اور

مقتداء اہل سنت ہونے کے سبب فقہ کے اس بلند مقام پر نہیں پہنچ سکے تو ان کے مقلدین کی تعداد بھی بڑی حد تک
بلکہ ندارد رہی ہے۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ قیاس و رائے اور فقہ واجتہاد کے بغیر پوری امت کے سب نئے
آنیوالے مسائل مکمل طور پر حل نہیں ہو سکتے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا رتبہ اجتہاد وقیاس میں اتنا اونچا نہ تھا
لیے ان کے مقلدین بھی زیادہ پیدا نہ ہو سکے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدونؒ ہی رقمطراز ہیں کہ:۔

فاما احمد بن حنبلؒ فمقلده قليل لبعد مذهبه عن الاجتهاد واصالته في معاضدة
الروايته والأخبار بعضها ببعض واكثر هم بالشام والعراق من بغداد ونو احيها وهم
اكثر الناس حفظا للسنته۔(۳)

ترجمہ :۔ ان کا مذہب اجتہاد سے بعید رہا ہے اور ان کا اصل الاصول ہی یہ ہے کہ روایت، اور
اخبار ہی میں سے بعض کی بعض سے تائید اور تقویت حاصل کی جائے اور ان کے اکثر پیرو شام،
عراق اور اس کے آس پاس رہتے رہے ہیں اور وہ سب لوگوں سے سنت کے زیادہ محافظ رہے
ہیں۔

اور نواب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"مذہب امام احمدؒ خود در قدیم وحدیث زمان قلیل بودہ زیرا کہ اجتہاد او قلیل بلکہ اقل بلکہ نیست
ومذہب او ہمیں عمل برحدیث بود"۔ (۵)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"واکثر اہل اسلام اور ابنظر امتحان نگاہ کنی حنفیاں ومالکیان وشافعیان اند"۔ (۶)

یہ واضح عبارتیں مزید کسی اور وضاحت کے لئے تشنہ نہیں ہیں۔

اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وبواسطہ ہمیں مناسبت کہ حضرت روح اللہ وارد تواند بود آنچہ خواجہ محمد پارساؒ فصول ستہ نوشتہ
است کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام بعد ازل نزول، مذہب امام ابی حنیفہؒ عمل
خواہد کرد یعنی اجتہاد حضرت روح اللہ موافق اجتہاد امام اعظمؒ خواہد بود نہ آنکہ تقلید ایں مذہب
خواہد کرد علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کہ شان او علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ازاں بلند تراست کہ

تقلید علماء امت فرماید بے شائبہ تکلف و تعصب گفتہ میشود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر کشفی
در رنگ دریائے عظیم مینماید و سائر مذاہب در رنگ حیاض وجداول بنظرمی در آیند وبظاہر ہمہ
کہ ملاحظہ نمودہ می آید سواد اعظم از اہل اسلام متابعان ابی حنیفہ۔ اند علیہم الرضوان۔

ترجمہ :- اور اسی مناسبت کی وجہ سے ہے جو امام ابو حنیفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رکھتے ہیں
جو کچھ کہ حضرت خواجہ محمد پارساؒ نے اپنی کتاب فصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ
الصلوۃ والسلام نازل ہونے کے بعد امام ابو حنیفہ کے مذہب پر عمل کریں گے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ
السلام کا اجتہاد امام اعظم کے اجتہاد کے موافق ہو گا نہ کہ وہ ان کی تقلید کریں گے کیونکہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ علمائے امت میں سے کسی کی تقلید کریں
تکلف اور تعصب کی ملاوٹ کے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشفی نگاہ میں حنفی مذہب کی نورانیت
بڑے دریا کی مانند دکھائی دیتی ہے اور دوسرے مذاہب حوضوں اور نالیوں کی صورت میں دکھائی
دیتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ اہل اسلام کی بڑی اکثریت امام اعظم کی
پیروی کرتی ہے ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا یہ ارشاد کوئی کم وزنی شہادت نہیں ہے اور نہ یہ تعصب کی پیداوار ہے بلکہ نفس الامر
اور حقیقت کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ فقہ حنفی ضروریات کو پورا کرنے والی فطری بصیرت ہے مشہور غیر مقلد عالم
مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالویؒ (المتوفی 1387ھ) لکھتے ہیں کہ علامہ شیخ علی المتقیؒ صاحب کنزالعمال (المتوفی
975ھ) اور شیخ محمد طاہر پٹنوی مولف مجمع البحار (المتوفی 984ھ) حضرت شیخ الامام احمد الفاروقی سرہندیؒ (المتوفی
1034ھ) وغیرہم رحمہم اللہ یہ حضرات فروع میں عملاً حنفیت سے متاثر تھے' لیکن ان حضرات میں نہ جمود تھا نہ
تعصب۔81

شاہ ولی اللہ کا ارشاد :- حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رائے کے مفہوم ومصداق پر طویل بحث کرتے ہوئے
ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

لیس المراد بالرای نفس الفهم والعقل فان ذالک لاینفک من احد من العلماء ولا
الرای الذی لایعتمد علی السنته اصلا" فانه لاینتحله مسلم البته ولاالقدرة علی

الاستنباط والقیاس فان احمدؒ واسحاقؒ بل الشافعیؒ ایضً لیسوا من اہل الرای
بالاتفاق وھم یستنبطون ویقیسون بل المراد اہل الرای قوم توجہوا بعد المسائل
المجمع علیھا بین المسلمین او بین جمھورھم الی التخریج علی اصل رجل
من المتقدمین فکان اکثر امرھم حمل النظیر علی النظیر والرد الی اصل من
الاصول دون تتبع الاحادیث والآثار والظاہری من لایقول بالقیاس ولا باثار
الصحابتہ والتابعین کداود وابن حزم وبینھما المحققون من اہل السنتہ کا
حمد واسحاقؒ

ترجمہ :- "رائے سے نفس فہم اور عقل مراد نہیں کیونکہ اس سے اہل علم میں کوئی بھی عاری
نہیں ہوتا اور اس رائے سے ایسی رائے بھی مراد نہیں جس کی بنیاد سنت پر بالکل مبنی نہ ہو کیونکہ
ہرگز کوئی مسلمان اس کو اپنے لیے گوارا نہیں کرتا اور اس سے استنباط اور قیاس پر قدرت بھی
مراد نہیں کیونکہ امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ بلکہ خود امام شافعیؒ بھی بالاتفاق اہل الرای سے نہیں ہیں
حالانکہ استنباط وقیاس وہ بھی کرتے رہے ہیں۔ بلکہ اہل الرائے سے وہ قوم مراد ہے جنہوں نے ان
مسائل کے بعد جو تمام مسلمانوں میں یا جمہور کے درمیان اجماعی قرار پا چکے ہیں۔ متقدمین میں
سے کسی شخص کے اصل پر مسائل کی تخریج کی ہو اور اس کا بڑا کام یہ رہا ہے کہ نظیر کو نظیر پر
حمل کرتے رہے اور ان کو اصول میں سے کسی اصل کی طرف رد کرتے رہے بغیر اس کے کہ وہ
احادیث کا تتبع کرتے' اور ظاہری وہ ہے جو نہ تو قیاس کا قائل ہو اور نہ آثار صحابہ کا اور آثار
تابعینؒ کا جیسے داؤد (بن علیؒ) اور (علامہ) ابن حزمؒ اور ان دونوں طبقوں کے درمیان محققین اہل
السنت کا طبقہ ہے جیسے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحاقؒ

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت میں دون تتبع الاحادیث کے جملہ سے اگر کوئی یہ سمجھے یا سمجھانے کی کوشش
کرے کہ اہل الرای وہ ہوتا ہے جو احادیث سے بے پروا اور مستغنی ہو تو یہ نہ صرف یہ کہ ظلم صریح ہو گا بلکہ یہ
توجیہ القول بما لایرضی بہ قائلہ کا مصداق بھی ہو گا کیونکہ خود حضرت شاہ صاحبؒ اسی عبارت میں اس کی
وضاحت فرما چکے ہیں کہ رائے سے ایسی رائے ہرگز مراد نہیں جس کا اٹھاؤ اور بنیاد سنت پر نہ رکھی گئی ہو کیونکہ کوئی

مسلمان ایسی رائے کو اپنانے کے لئے کسی طرح اور کسی صورت میں راضی نہیں ہے۔ بلکہ اہل الرائے سے مراد ایک قوم ہے جو اجماعی اور اتفاقی مسائل کے بعد غیر منصوص فروع اور جزئیات میں کسی متقدمین میں سے کسی شخص کے طے شدہ اصول وضوابط اور قواعد پر (جن کی بنیاد اس نے اپنے اجتہاد و سنت کے اعتبار سے قرآن وسنت پر رکھی ہے) مسائل اور جزئیات کی تخریج اور تفریع کرتی ہو کہیں نظیر کو نظیر پر حمل کرتی ہو کہیں مفروع عنہا اصول میں سے کسی اصل کی طرف مسئلہ اور جزئی کو رد کرتی ہو جس کی وجہ نظریہ ظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن وسنت اور تمام یا جمہور مسلمانوں کے اجماعی اور اتفاقی مسائل کے بعد ہر ہر پیش آمدہ جز ئی صاف اور صریح الفاظ میں کہاں سے صحیح حدیث دستیاب ہو سکتی ہے؟ اس لیے ایسے مسائل میں تتبع احادیث کو وہ ضروری نہیں سمجھتے بلکہ متقدمین میں سے کسی کے اصول کے تحت ان کا حل تلاش کرتے ہیں۔ یہ ایک خالص علمی بحث ہے مگر افسوس ہے کہ بعض ناقہم بلاوجہ اعتراض کرتے ہیں۔

ان مسائل میں ہے کچھ ظرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں

اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"پس محمدؒ در تصنیف خود رائے ایں سہ (امام ابراہیمؒ امام ابوحنیفہؒ وامام ابویوسفؒ) را فراہم کرد وبسیار نفع بمردم رسید واصحاب ابی حنیفہ متوجہ ایں تصانیف شدند بتلخیص وتفریع وتخریج وتاسیس واستدلال"۔ (۲)

اور ان تینوں کی رائے کی بنیاد قرآن وسنت پر قائم ہے۔

یہ بات بھی بخوبی ملحوظ خاطر رہے کہ اصحاب الرائے بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (جزئیات ومسائل میں) احادیث کا تتبع تو نہیں کرتے تھے مگر جب کسی جزئی میں ان کو حدیث مل جاتی تو پھر وہ رائے کو قابل عمل نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام زفر بن الہذیلؒ جن کی رائے اور فقہ پر حضرت امام ابو حنیفہ بھی ناز کرتے تھے اور فرماتے تھے هواقيس اصحابی (۳) کہ میرے جملہ تلامذہ میں وہ قیاس کا زیادہ ماہر ہے اور انہوں نے ہی بصرہ میں سب سے پہلے امام ابو حنیفہ کی رائے اور فقہ پہنچائی تھی

رائے پر کس وقت عمل کیا جاتا ہے:۔ ان سے حضرت امام عبداللہ بن المبارکؒ نقل کرتے ہیں کہ:۔

سمعت زفرؒ یقول نحن لا ناخذ بالرائی ما دام اثر واذا جاء الاثر ترکنا الرائی

ترجمہ:۔ میں نے امام زفرؒ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ جب تک کوئی حدیث موجود ہوتی ہے ہم رائے پر عمل نہیں کرتے اور جب کوئی حدیث مل جاتی ہے تو ہم اپنی رائے کو ترک کر دیتے ہیں۔

اس کی مزید بحث انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی' یہاں تو صرف اس قدر ذکر کرنا ہے کہ اصحاب الرائے نے ابتداء میں حدیث کو چھوڑا ہے اور نہ انتہا میں اہل علم کے طریقہ کے مطابق کسی حدیث میں روایتی یا درایتی لحاظ سے کوئی علت قادحہ نظر آئے یا کوئی حدیث کسی دوسری سے متعارض ہو یا منسوخ ہو یا کسی اور قوی عذر کی وجہ سے اس کو ترک کرتے ہیں تو یہ بات الگ ہے مگر کوئی صاحب فہم اور دیانت دار انسان اس کو ترک حدیث نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ طریقہ تو اقدر مشترک کے طور پر تمام محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں رائج ہے اور اس باطل نظریہ کے تحت پھر تو سبھی تارک حدیث کہلائیں گے۔ (العیاذ باللہ) نواب صاحبؒ حضرت شاہ صاحبؒ کی سابق عبارت کا مطلب اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

"بلکہ نیست مراد بہ رائے نفس فہم و عقل چہ ازاں خود احدے از علماء منفک نمی تواند شد و نہ آں رائے کہ نیست معتمد بر سنت اصلا" زیرا کہ آں را خود مسلمانی حلال نمی تواند دانست البتہ"۔

اگر اہل رائے مسلمان ہیں؟ اور ان کے مسلمان نہ ہونے کی آخر کوئی وجہ بھی تو نظر نہیں آتی تو پھر وہ کیوں ایسی رائے قائم کرتے ہوں گے جو سنت سے متصادم ہو اور اس کی بنیاد سنت پر نہ رکھی گئی ہو۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"جماعتے کہ ایں اکابر دین را اصحاب رائے میدانند اگر ایں اعتقاد دارند کہ ایشاں بہ رائے خود حکم میکردند و متابعت کتاب و سنت نمی نمودند پس سواد اعظم از اہل اسلام بزعم فاسد ایشاں ضال و مبتدع باشند بلکہ از جرگہ' اہل اسلام بیروں بوند ایں اعتقاد نکند مگر جاہلے کہ از جہل خود بے خبر است یا زندیقے کہ مقصودش ابطال شطر دین است ناقصے چند احادیث چند را یاد گرفتہ اند و احکام شریعت را منحصر دراں ساختہ اند و ماورائے معلوم خود را نفی میمانید و آنچہ نزد ایشاں ثابت شدہ منفی میسازند۔

ہمچو کرم آں کہ در سنگے نہاں است
زمین و آسمان او ہماں است۔

ترجمہ:- وہ جماعت جو ان اکابر دین کو اصحاب رائے سمجھتی ہے اگر یہ اعتقاد کرتی ہے کہ یہ حضرات اپنی رائے سے حکم کرتے تھے اور کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق مسلمانوں کی اکثریت گمراہ اور بدعتی ہو گی بلکہ اہل اسلام کے ٹولہ ہی سے باہر ہو جائے گی اور یہ خیال یا تو وہ جاہل کرے گا جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے اور یا وہ زندیق کرے گا جس کا مقصد نصف دین کو باطل کرنا ہے' کچھ کوتاہ فہم چند حدیثیں یاد کر کے احکام شریعت کو انہی میں منحصر کرتے ہیں اور اپنے معلومات کے علاوہ اور چیز کی نفی کرتے ہیں اور جو چیز ان کے نزدیک ثابت نہ ہو اس کی نفی کرتے ہیں۔ جیسے وہ کیڑا جو پتھر میں چھپا ہوا ہو' اس کی زمین و آسمان بس (وہی) ہے۔

غیر مقلدین حضرات حضرت مجدد صاحبؒ کی اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور پھر از راہ انصاف یہ فرمائیں کہ حضرت مجدد صاحبؒ کیا فرما گئے ہیں؟

الغرض نہ تو رائے اور سمجھ فی نفسہ کوئی بری شے ہے اور نہ اہل الرائے احادیث کے منکر اور ان سے مستغنی ہیں اور نہ اہل الرائے ہونا کوئی موجب تنقیص امر ہے اور یہ بھی درست نہیں کہ صرف علماء حنفیہ ہی اہل الرای ہیں اور ان کے علاوہ اہل الرای اور کوئی نہیں ہوا۔ جیسا کہ مولانا مبارک پوری صاحبؒ (وغیرہ) کو اس کا مغالطہ ہوا ہے۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

فاعلم ان اهل الرای هم العلماء الحنفیه (۔۔۔)

ترجمہ:- جاننا چاہیے کہ اہل الرای علماء حنفیہ ہی ہیں۔

اہل الرائے بھی اہل الحدیث ہیں:- ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ امام یحییٰؒ نے حضرت امام شافعیؒ کو صاحب الرای کہا ہے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:-

فاجتمع له علم اهل الرای و علم اهل الحديث (84)

ترجمہ:۔ امام شافعیؒ میں اہل الرائے اور اہل الحدیث دونوں کا علم جمع ہو چکا ہے۔

اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ربیعہؒ اہل الرائے بلکہ ملقب بہ الرائے تھے اور حنفی نہ تھے اور الملک المظفر ابوبکر بن ایوب الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد راینا مذاهب جماعته من اهل الرای قد ذهبت واضمحلت ومذهب ابی حنیفته رضی الله تعالیٰ عنه باق۔

ترجمہ:۔ ہم نے دیکھا کہ اہل الرائے کی جماعت کے مذاہب تو ختم اور مضمحل ہو گئے مگر امام حنیفہ کا مذہب باقی ہے۔

مشہور امام اور محدث ابن قتیبہؒ (المتوفی 276ھ) نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی سرخی قائم کی ہے اور نیچے یہ نام لکھے ہیں:۔ ابن ابی لیلیٰؒ، ابو حنیفہ، ربیعۃ الرائے، زفرؒ اوزاعیؒ سفیان ثوریؒ، مالک بن انسؒ، ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ (۱)

الغرض اہل الرای تو اور بھی ہیں مگر فقہ واجتہاد اور قیاس و رائے میں جو بلند مقام حضرت امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحابؒ کو ملا وہ اور کسی کو نہ مل سکا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

1- کیا رائے کے بغیر حدیث سمجھی جا سکتی ہے؟

رائے کے لغوی اور اصطلاحی معنے کے بعد اس امر پر بھی غور کرنا ہے کہ کیا رائے اور فہم کے بغیر حدیث سمجھی بھی جا سکتی ہے؟ اگر سمجھی جا سکتی ہے تو ٹھیک ہے، پھر رائے لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر رائے اور فہم کے بغیر حدیث نہیں سمجھی جا سکتی تو پھر وہ مذموم کیسے ہو گئی؟ کیا کوئی مذموم چیز بھی کسی مقبول و محمود چیز کا ذریعہ اور موقوف علیہ بن سکتی ہے؟

طاش کبریٰ زادہ کا ارشاد:۔ مولیٰ طاش کبریٰ زادہؒ حضرت امام محمد بن الحسنؒ کے حالات میں جو خود چوٹی کے اصحاب الرائے میں شمار ہوتے ہیں لکھتے ہیں کہ:۔

نشاء بالکوفته وغلب علیه الرائی ای الاجتهاد (۱)

ترجمہ:۔ وہ کوفہ میں پیدا ہوئے اور ان پر رائے یعنی اجتہاد کا غلبہ تھا۔

کتاب ادب القاضی میں تصریح فرماتے ہیں کہ:۔

لا یستقیم الحدیث الا بالرای ای باستعمال الرائی فیہ بان یدرک معانیہ الشرعیۃ
التی ھی مناط الاحکام ولا یستقیم الرائی الا بالحدیث ای لا یستقیم العمل
بالرائی والا خذبہ الا بانضمام الحدیث الیہ

ترجمہ:۔ حدیث رائے کے استعمال ہی سے درست ہو سکتی ہے بایں طور کہ حدیث کے شرعی معانی جو احکام کے لیے مناط ہیں رائے ہی سے ادراک کیے جا سکتے ہیں اور رائے بھی بدون حدیث کے درست نہیں ہو سکتی یعنی محض رائے پر عمل کرنا درست نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس رائے کے ساتھ حدیث نہ مل جائے۔

انصاف سے فرمایئے کہ صاحب الرائے امام احمد بن الحسنؒ کیا فرما گئے ہیں؟ یہی فرمایا ہے کہ نری رائے کوئی حقیقت اور وقعت نہیں رکھتی جب تک کہ اس کی بنیاد حدیث پر نہ رکھی جائے مگر بایں ہمہ کوسنے والے ان کو صاحب الرائے کہہ کر کوسنے سے باز نہیں آتے۔ انصاف کا تقاضا تو ہے کہ خذ ما صفا ودع ماکدر

ابن حجر مکی کا ارشاد:۔ امام ابن حجر مکی الشافعیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

وقد قال المحققون لا یستقیم العمل بالحدیث بدون استعمال الرائی فیہ اذھو
المدرک لمعانیہ التی ھی مناط الاحکام ومن ثمہ لمالم یکن لبعض المحدثین
تامل لمدرک التحریم فی الرضاع قال بان المرتضعین بلبن شاۃ تثبت بینھما
المحرمیۃ ولا العمل بالرای المحض ومن ثم لم یفطر الصائم بنحو الاکل ناسیا

ترجمہ:۔ محققین نے فرمایا ہے کہ بغیر استعمال رائے کے عمل بالحدیث درست نہیں ہو سکتا کیونکہ رائے ہی سے معانی کا ادراک ہوتا ہے جس پر احکام کا دارومدار ہے اور اسی وجہ سے جب بعض محدثین کو رضاعت کی تحریم کی علت کا ادراک نہ ہو سکا تو اس نے یوں کہہ دیا کہ بکری کا دودھ پینے والے دو بچوں کے درمیان رضاعت کا حکم ثابت ہے اور اسی طرح رائے محض پر بھی عمل صحیح نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ بھول چوک سے روزہ کھانے والے کا روزہ نہیں جاتا۔

غور فرمایئے کہ رائے اور دل کی بصیرت سے محروم ہونے والے بعض محدثین نے کیسی ٹھوکر کھائی کہ وہ لڑکی اور لڑکا، آپس میں نسبی اور رضاعی طور پر تو بہن اور بھائی نہیں مگر انہوں نے مل کر ایک ہی بکری کا دودھ پی لیا ہو وہ آپس میں بھائی اور بہن ہو جائیں گے اور ان کا آپس میں نکاح درست نہ ہوگا۔ پھر پوچھنے کی بات یہ ہے کہ گائے بھینس، اونٹنی نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ ان کے دودھ سے رضاعت کیوں نہ ثابت ہوگی؟ اگر بکری رضاعی بہن ہو سکتی ہے تو بھولی بھالی گائے فربہ اندام بھینس اور بلند قد اور دراز گردن اونٹنی کیوں ماں نہیں بن سکتی؟ اور ان بیچاریوں کو ماں بننے کے مامتا سے کیوں محروم کر دیا جائے؟ اور اس فتویٰ کے رد سے تمام روئے زمین پر مسلمانوں کے نکاحوں اور ان کی اولاد کا کیا حکم ہوگا؟ شاید ایسے ہی موقع کے لئے کہنے والے نے کہا ہے کہ۔

"ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویران کنند"

اور جس طرح رائے کی محرومی سے یہ ٹھوکر لگتی ہے اسی طرح حدیث سے استغناء برت کر محض رائے پر بھروسہ کرنا بھی انسان کو ورطہ ضلالت میں ڈال دیتا ہے' اگر محض رائے ہی سے دین کے احکام اخذ کئے جا سکیں تو بھول کر روزہ کھانے والے کا جو خوب سیراب اور سیر شکم ہو کر کھا پی لے۔ روزہ کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟ اور کس کی عقل اس کو باور کرتی ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود روزہ جوں کا توں باقی ہے؟ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد اور حدیث کی موجودگی میں اطعمک اللہ وسقاک (۱) کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے' عقل و رائے کی کیا وقعت اور قیمت ہے؟ یہاں تو محبوب پیغمبر (صلی اللہ علیہ آلہ وسلم) کے اشارہ ابرو پر ہزاروں رائیں اور لاکھوں عقلیں آن واحد میں قربان کرتا ہوں گی۔

عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

حضرت علی ؓ (المتوفی 40ھ) نے دین کے ایسے ہی منصوص مسائل کے مقابلہ میں رائے محض کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:۔

لو کان الدین بالرای لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاہ وقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی ظاہر خفیہ۔ (۲)

ترجمہ:۔ اگر دین نری رائے ہی سے ہوتا تو موزے کا نچلا حصہ اوپر کے حصہ سے مسح کا زیادہ مستحق ہے حالانکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موزہ کے اوپر ہی مسح کرتے دیکھا ہے۔

انسان جب چلتا ہے تو زمین پر اس کے پاؤں کا نچلا حصہ ہی لگتا ہے' اور گردوغبار اور نجاست وغیرہ سے اسی کے زیادہ ملوث اور آلودہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے مسح کا حقدار بھی صرف یہی حصہ ہونا چاہیے مگر چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے اعلیٰ حصے پر ہی مسح کیا ہے تو کسی دانشور کی دانش اور کسی عقلمند کی عقل اور کسی فہیم کی فہم و رائے کی اس پیارے عمل کے مقابلہ میں بھلا حیثیت ہی کیا ہے؟ اس موقع پر اگر تسلی اور چین ہو سکتا ہے تو صرف آپ کی پیاری ادا اور آپ کے پسندیدہ عمل اور بہترین اسوہ حسنہ سے اس لیے کہ

برسوں فلاسفر کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

حدیث سے رائے کی عمدگی کا ثبوت:

جس مسئلہ میں قرآن وحدیث سے بصراحت روشنی نہ پڑتی ہو ایسے مسئلہ میں کون سا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے اور اس کے حل کرنے کے لئے کیا صورت عمل میں لائی جا سکتی ہے۔؟

حقیقت یہ ہے کہ دلائل شرعیہ کے پیش نظر کتاب وسنت کے اصولی قوانین اور ضوابط کو لازی اور قابل عمل قرار دے کر ہر ایسی پیش آمدہ ضرورت کے متعلق جس کی تفصیل وتشریح یا بصراحت تذکرہ قرآن وسنت میں موجود نہ ہو' قرآن وسنت کے جاننے والوں اور صحیح معنی میں مجتہدین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اجتہاد و رائے سے کام لے کر قرآن وسنت کی روشنی میں وقتی' ضروری اور ہنگامی مسائل کو حل کریں اسی کو تفقہ واجتہاد اور قیاس رائے کہتے ہیں۔ مجتہد مطلق کا درجہ اگرچہ نہیں رہا۔ ہاں فی الجملہ اجتہاد قیامت تک باقی ہے لیکن منصوص اور اجماعی مسائل میں اجتہاد کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان میں مسلمان کا فریضہ یہ ہے کہ ہر حال میں ان کی پیروی کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جلیل القدر صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (المتوفی 18ھ) کو جب یمن کا عامل اور گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا "اے معاذ رضی اللہ عنہ

کیف تقضی ان عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی کتاب اللہ قال اجتہد برای ولا آلو فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدرہ فقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم لما یرضی رسول اللہ

ترجمہ:- جب تیرے سامنے کوئی جھگڑا آئے تو اس میں تو کیسے فیصلہ کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تجھے نہ ملے تو پھر تو کیا کرے گا؟ وہ کہنے لگے کہ پھر میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر سنت رسول اللہ اور کتاب اللہ میں تجھے نہ مل سکے تو پھر تو کیا کرے گا؟ انہوں نے فرمایا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ آپ نے حضرت معاذؓ کی چھاتی پر (شفقت کی وجہ سے) دست مبارک مارا اور پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد ہے جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے۔"

شیخ الاسلام حافظ ابو عمرؒ بن عبدالبر المالکیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:-

وحدیث معاذ رضؓ صحیح مشہور رواہ الائمۃ العدول وھو اصل فی الاجتہاد والقیاس علی الاصول۔[۶۱]

ترجمہ:- حضرت معاذ ؓ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے اس کو عادل ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث اجتہاد اور قیاس علی الاصول کے لئے ایک اصل اور مدار ہے۔

حافظ ابوالفداء اسمٰعیلؒ بن عمرؒ بن کثیر الشافعیؒ (المتوفی 774ھ) جو الفقیہ، المفتی اور المحدث وذوالفضائل تھے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

وھذا الحدیث فی المسند والسنن باسناد جید کما ھو مقرر فی موضعہ۔

ترجمہ:- یہ حدیث مسند اور سنن میں جید اور کھری سند کے ساتھ مروی ہے جس کی تحقیق اپنے مقام پر مقرر اور ثابت شدہ ہے۔

مشہور غیر مقلد اور محقق عالم محمد بن علی المعروف بالقاضی الشوکانیؒ (المتوفی 1255ھ) اسی حدیث سے متعلق ارقام فرماتے ہیں کہ:-

وھو حدیث صالح للاحتجاج بہ کما اوضحنا ذلک فی بحث مفرد۔

ترجمہ:۔ یہ حدیث استدلال واحتجاج کے لیے صلاحیت رکھتی ہے جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت ایک مفرد بحث میں کر دی ہے۔

اس صحیح مشہور جید اور صالح لاحتجاج حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جن نوازل وحوادث اور مسائل پر قرآن وحدیث سے روشنی نہ پڑتی ہو ان میں کتاب وسنت کی روشنی میں اجتہاد و رائے سے کام لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے بلکہ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد مسرور اور نہایت خوش ہیں اور اپنے قاصد ونمائندہ کے اس معقول اور تسلی بخش جواب پر راضی ہو کر قولی اور فعلی مسرت کا اظہار فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مبارک مار کر گویا یہ بتلا رہے ہیں کہ کیا ہی بابرکت سینہ ہے جس میں ایسی ایسی عمدہ اور کام کی باتیں پنہاں ہیں، جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی داد تحسین دیئے بغیر نہیں بغیر رہ سکے اور الحمدللہ کے ساتھ قولی طور پر "اجتہد برائی" پر اپنی اور خدا تعالیٰ کی رضا کی مہر ثبت کر دی ہے۔ اب اگر کوئی نادان ایسی رائے کی توہین و تذلیل کرتا اور ایسی رائے قائم کرنے والے اہل لوگوں کی تجہیل کرتا ہے جس کا منبع ومآخذ قرآن وحدیث ہو تو ایسا شخص نہ صرف رائے اور اہل الرائے کا ہی دشمن ہے بلکہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صحیح اور صریح حدیث اور آپ کی پسندیدہ بات کا بھی مخالف ہے اور اس کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے کہیں دوسروں کی عداوت اپنی تباہی کا سبب ہی نہ بن جائے۔

بہت کچھ جل چکا ہے اور جلے گا دیکھئے کب تک

ہے زد میں برق سوزاں کی تراکاشانہ برسوں سے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت یوں آتی ہے:۔

مسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العزم فقال مشاورۃ اھل الرای ثم اتباعھم۔[1]

ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عزم کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ اہل الرائے سے مشورہ کر کے پھر ان کی پیروی کرنا۔

اور نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا، یا رسول اللہؐ اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش ہو کہ جس میں نہ امر ہو نہ نہی تو آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ فقہاء اور عابدین سے مشورہ کرو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معمول:۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ:۔

ان ابابکر رضی اللہ عنہ اذا نزلت به قضية لم يجد لها في كتاب الله اصلا" ولا في السنه اثر قال اجتهد برائي فان يكن صوابا فمن الله وان يكن خطا فمني واستغفر الله۔(3)

ترجمہ:۔ جب ان کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ؐ میں اگر ان کو اس کی وضاحت نہ ملتی تو فرماتے کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر درست ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہو گی ورنہ میری خطا ہو گی اور میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔

حافظ شمس الدین ابن القیم الحنبلیؒ (المتوفی 751ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو اس کو کتاب وسنت میں تلاش کرتے' اگر وہاں سے بھی کامیابی حاصل نہ ہوتی تو امت کے بہترین افراد کو جمع کر کے ان سے رائے لیتے اور اتفاق رائے سے جو ہوتا اسی پر فیصلہ صادر فرما دیتے۔" (4)

اور امام عبداللہؒ بن عبدالرحمن الدارمیؒ (المتوفی 255ھ) نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ **مضمون نقل** کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:۔

فاذا اجتمع رايهم على امر قضى به۔ (5)

ترجمہ:۔ جب ان حضرات کی رائے ایک امر پر جمع ہو جاتی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول:۔ حضرت امام شافعیؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

وانه مقدم عندهم في العلم والراي و كثرة الاستشارة۔ (1)

ترجمہ:۔ وہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں علم رائے اور زیادہ مشورہ لینے میں پیش پیش تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ:۔

هذا راي عمر رضي الله عنه فان كان صوابا فمن الله و ان كان خطاء فمن عمر (رضی)۔ (2)

ترجمہ:۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہے اگر درست ہوئی تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہو گا اور اگر خطا ہوئی تو

عمر رضی اللہ عنہ کی خط لکھا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دور میں مشہور تابعی قاضی شریح (المتوفی 75ھ) کو ایک خط ارسال فرمایا تھا جس میں اس کی تصریح فرمائی تھی کہ اگر کوئی ایسا مقدمہ اور مسئلہ پیش آئے جس پر کتاب وسنت سے روشنی نہ پڑتی ہو اور اس کے بارے میں پہلے کسی نے گفتگو نہ کی ہو تو:۔

فاختر ای الامرین شئت ان شئت ان تجتھد برائک ثم تقدم فتقدم

ترجمہ:۔ ان دو امور میں سے جونسا تم چاہو پسند کر لو یا تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اس میں جتنا آگے بڑھ سکتے ہو بڑھو۔

دوسرا امر انہوں نے ترک الرائے ذکر فرمایا ہے لیکن اجتہاد بالرائے اور ترک دونوں میں ان کو اختیار دیا ہے اور اجتہاد بالرائے اور اس میں تقدم کا ذکر پہلے کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جن مسائل میں اشکالات پیش آتے تھے ان میں ایک وراثت جد کا مسئلہ بھی جب ان کو فیروز نامی بدبخت نے زخمی کیا تو اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

انی رایت فی الجد رایا فان رایتم ان تتبعوہ فقال عثمان ان نتبع رایک فھو رشد وان نتبع رای الشیخ قبلک فنعم ذوالرای کان۔۹

ترجمہ:۔ میں نے دادا کے بارے میں ایک رائے قائم کی ہے اگر تمہارا خیال ہو تو اس کی پیروی کرو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر ہم آپ کی رائے کی پیروی کریں تو وہ کیا ہی بھلی رائے ہے اور اگر ہم آپ سے پہلے بزرگ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کی رائے کی پیروی کریں تو وہ بھی صاحب الرائے تھے۔

اور یہ روایت داری جلد 1 ص 151 طبع دمشق میں بھی موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا معمول:۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود (المتوفی 32ھ) نے فرمایا کہ اگر کسی کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آئے تو کتاب اللہ کے مطابق اس میں فیصلہ صادر کرے اور اگر کتاب اللہ میں نہ مل سکے تو سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے موافق فیصلہ کرے اور اگر سنت میں اس کو کامیابی حاصل نہ ہو تو پھر نیک لوگوں نے (اتفاق) سے جو فیصلہ کیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر ان سے اس کو کچھ نہ ملے تو:۔

فلیجتھد رایہ فان لم یحسن فلیفر ولا یستحی۔ ۱۱

ترجمہ:۔ **پھر اپنی رائے** سے اجتہاد کرے' اور اگر رائے کا مالک نہ ہو تو **صاف اقرار** کرے اور اس میں حیا نہ کرے۔

اور یہ روایت **کچھ تغیر الفاظ** کے ساتھ دارمی میں بھی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

فان لم یکن فیما اجتمع علیہ المسلمون فاجتهد رایک۔

ترجمہ:۔ سو **اگر** مسلمانوں کے اجماع سے بھی وہ حل نہ ہو سکے تو پھر تم اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس کا ارشاد:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (المتوفی 68ھ) کا یہ **معمول** تھا کہ کتاب و سنت کے بعد **حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ** اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کو کوئی ثبوت نہ مل سکتا تو پھر:۔

قال فیہ برایہ۔

ترجمہ:۔ اس میں اپنی رائے سے عمل کرتے۔

حضرت زید بن ثابت کا ارشاد:۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت (المتوفی 45ھ) نے **ارشاد فرمایا** کہ "تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق **فیصلہ** کرو۔ اگر کتاب اللہ میں حکم نہ مل سکے تو پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق **فیصلہ** صادر کرو اور **اگر** سنت میں بھی حکم نہ مل سکے تو پھر:۔

فادع اهل الرائی ثم اجتهدو اختر لنفسک ولا حرج۔ (۱۱۸)

ترجمہ:۔ **تم** اہل الرائے کو بلا کر اجتہاد کرو اور اپنے لیے (مناسب حکم) اختیار کر لو اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری کا خط:۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ (المتوفی 52ھ) کو **ایک** خط لکھا تھا جس میں یہ جملہ بھی لکھا تھا کہ:۔

فیما یختلج فی صدرک مما لم یبلغک فی القرآن والسنته فتعرف الامثال والا شباہ ثم قس الامور عند ذالک۔ (۱۱۹)

ترجمہ:۔ **اگر** کوئی ایسا مسئلہ تیرے دل میں تردد کا ذریعہ بنے جس میں قرآن و سنت سے روشنی نہ

پڑتی ہو تو امثال و نظائر کو پہچان کر اس وقت ان امور کو قیاس کرو۔

یعنی اصل اور مقیس علیہ کی مثال اور نظیر پیش نظر رکھو اور فرع اور مقیس کے اندر علت اور وجہ تلاش کرو' اگر اصل کی علت اس میں پائی جاتی ہے تو اس کی کڑی اس سے ملا کر اصل کا حکم فرع میں ثابت کرو' اسی کو قیاس کہتے ہیں۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۰۱ھ) نے قاضی کے لئے پانچ شرطیں لگائی ہیں کہ:۔

یکون عالما بما کان قبله' مستشیر لذی الرای' زاهد عن الطمع' حلیما عن الخصم' متحملا للائمة۔ [۱]

ترجمہ:۔ وہ ان امور کا عالم ہو جو پہلے گزر چکے ہوں۔ رائے والے سے مشورہ لینے والا ہو' طمع سے پاک ہو' جھگڑا کرنے والے کے مقابلہ میں حلیم ہو' ملامت کو گوارا کر سکتا ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت چھ حضرات کو نامزد کیا تھا کہ یہ حضرات اپنے میں سے جس کو چاہیں خلیفہ بنا دیں' ان میں سے پانچ نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف کو اختیار دے دیا کہ وہ جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں' انہوں نے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ اگر میں تجھے خلیفہ چن لوں تو بتاؤ کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ پر چلو گے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:۔

احکم بکتاب الله وسنته رسوله واجتهد رائی۔ [۱۱]

ترجمہ:۔ میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل کروں گا اور اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جب عراق فتنہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے تو قیس بن عبد نے دریافت کیا' کیا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا تھا؟ آپ نے جواب دیا کہ:۔

ماعهد الی رسول الله صلی الله علیه وسلم بشیئی لکنه رای رایته۔ [۱]

ترجمہ:۔ مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کی بابت کچھ نہیں فرمایا لیکن یہ میری اپنی ذاتی رائے ہے جو مجھے سوجھی ہے۔

محمد ابو زہرہ کا ارشاد:۔ مشہور محقق اور صاحب قلم عالم محمد ابو زہرہ مصری لکھتے ہیں کہ:۔

ان الحکم بالرأی من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشہور واحتمال الخطاء فی اجتہادھم ثابت لانہم لیسوا بمعصومین عن الخطاء .(۹)

ترجمہ:۔ رائے کے مطابق حکم کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشہور ہے اور ان کے اجتہاد میں بھی خطاء کا احتمال ثابت ہے کیونکہ وہ خطا سے معصوم تو نہ تھے۔

حضرت حباب رضی اللہ عنہ بن منذر کی بدر کے موقع پر رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرما کر قبول فرمائی تھی۔

الغرض غیر منصوص مسائل میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جہاں رائے اور اجتہاد سے کام لیا ہے اگر ان کو جمع کیا جائے تو اچھا خاصا دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ مگر ہمارا مقصد دلائل اور براہین کا استیعاب نہیں۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ قرآن وحدیث اور اجماعی مسائل کے بعد رائے وقیاس سے کام لینا خود مرفوع اور صحیح حدیث اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل سے ثابت ہے اور جمہور امت بھی اس کی قائل ہے پھر رائے اور قیاس کی مذمت اور اہل الرائے اور صاحب قیاس کی توہین و تذلیل کیونکر قابل سماعت ہو سکتی ہے؟

نواب صدیق حسن خان کا ارشاد:۔ نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"وخلاف در قیاس شرعی است جمہور از صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ وفقہاء رحمہم اللہ ومتکلمین بآں رفتہ کہ اصل از اصول شریعت است استدلال میرود بداں بر احکام وارده بسمع وظاہر یہ انکارش کردہ اند"(۱)

ترجمہ:۔ قیاس شرعی کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین رحمہم اللہ فقہاؒ اور متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ قیاس اصول شریعت میں ایک اصل ہے جو احکام سماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں قیاس سے استدلال درست ہے اور اہل ظاہر اس کا انکار کرتے ہیں۔

اور نواب صاحبؒ قیاس کے حجت شرعی ہونے کے مثبت ومنفی دلائل پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

سو دلالت سمع بر قیاس نزد اکثر قطعی است ونزد آمدی رحمہ اللہ ظنی ابن عبدالبرؒ گفتہ نیست خلاف درمیان فقہاء امصار وسائر اہل سنت در نفی قیاس در توحید واثبات او دراحکام مگر داود کہ وے در ہر دو نفی آں کردہ۔(۲)

ترجمہ:۔ اور قیاس پر سمعی دلیل کی دلالت اکثر کے نزدیک قطعی ہے اور علامہ آمدیؒ کے نزدیک ظنی ہے۔ امام ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ شہروں کے فقہا اور تمام اہل سنت میں اس بات میں

کوئی اختلاف نہیں کہ توحید (یعنی عقائد) میں قیاس نہیں ہو سکتا اور احکام میں قیاس ہو سکتا ہے اور داؤد ظاہریؒ دونوں میں قیاس کی نفی کرتے ہیں۔

مشہور غیر مقلد اور صاحب قلم عالم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب ندوی لکھتے ہیں کہ:۔

"جہاں تک ان مسائل کا تعلق ہے جن کے بارے میں کوئی متعین نص موجود نہیں ہے تو بغیر کسی اختلاف کے کہا جا سکتا ہے کہ قیاس و رائے مسلم ہے"۔

ان تمام عبارات اور اقتباسات سے یہ امر آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ غیر منصوص مسائل میں قرآن وحدیث واجماع کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظامؒ فقہاء نیک فرجامؒ اور متکلمین ذوالاحترامؒ وغیرہم کے نزدیک قیاس و رائے شرعی حجت ہے اور توحید وغیرہ عقائد کے بنیادی مسائل کے علاوہ اس سے احکام کا اثبات جمہور اہل اسلام اور جملہ اہل سنت کا اتفاقی مسئلہ ہے، ہاں صرف داؤد بن علی الظاہری اور اس قسم کے کچھ حضرات کا اس میں اختلاف ہے مگر جمہور امت کے قول منصور کے مقابلہ میں ان کی اس رائے کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ اور دلائل و براہین کی دنیا میں اس کو کون تسلیم کرتا ہے؟

حضرت امام ابو حنیفہؒ کس وقت رائے قائم کرتے تھے؟

یہ بالکل ٹھیک ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ قیاس واجتہاد اور استنباط و رائے سے کام لیتے تھے' لیکن یہ بات نہایت قابل غور ہے کہ وہ کس موقع اور محل پر اور کس وقت ومقام پر قیاس ورائے سے کام لیتے تھے؟ اس لیے ہم اس عنوان میں بھی قدرے تفصیل سے کلام کرنا چاہتے ہیں' غور فرمایئے۔

حضرت ابو حنیفہ کا اپنا بیان یہ ہے:۔

اخذ بکتاب اللّٰہ فمالم اجد فبسنتہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فان لم اجد فی کتاب اللّٰہ ولا سنتہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اخذت بقول اصحابہ آخذ بقول من شئت منہم وادع من شئت منہم ولا اخرج من قولہم الی قول غیرھم فاما اذا انتھی الامر اوجاء الی ابراہیم والشعبی وابن سیرین والحسن وعطاء و سعید بن المسیب وعدد رجالا فقوم اجتہد وافاجتہد کما اجتہدوا۔

ترجمہ:۔ کہ میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں اگر اس میں حکم نہیں پاتا تو سنت رسول اللہ کو لیتا ہوں اور اگر کتاب وسنت میں حکم نہیں پاتا تو حضرات صحابہ کرام ﷺ کے قول کو لیتا ہوں ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں لیکن سب حضرات صحابہ ﷺ کے قول کو چھوڑ کر کسی اور کے قول کو نہیں لیتا اور جب معاملہ ابراہیم شعبیؒ، ابن سیرینؒ حسنؒ، عطاءؒ سعید بن المسیبؒ تک (اور ان کے علاوہ کچھ اور حضرات کے نام بھی گنے) پہنچتا ہے تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

اسی کے قریب قریب الفاظ شیخ الاسلام ابن عبدالبرؒ کے بھی ہیں۔ اور مولانا مبارکپوری صاحبؒ نے مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

امام ابن حجر کیؒ اور ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ان کان فی المسئلتہ حدیث صحیح تبعہ وان کان عن الصحابتہ والتابعین فکذلک الا قاس فاحسن القیاس۔

ترجمہ:۔ اگر مسئلہ میں صحیح حدیث ہوتی تو آپ اس کی اتباع کرتے اور اگر حضرات صحابہ ﷺ اور

تابعینؒ سے ان کا حکم ملتا تو ان کی پیروی کرتے ورنہ قیاس کرتے اور عمدہ قیاس کرتے۔
علامہ ذہبیؒ امام یحییٰ بن معینؒ کے طریق سے امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:۔

اخذ بکتاب اللہ فمالم اجد فبسنته رسول اللہ والا ثار الصحاح عنه التی فشت فی ایدی الثقات عن الثقات فان لم اجد فبقول اصحابه اخذ بقول من شئت واما اذا انتھی الامر الی ابراہیم والشعبی والحسن وعطاء فاجتھد کما اجتھدوا۔

ترجمہ:۔ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرتا ہوں اگر اس میں حکم نہ ملے تو سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان آثار صحیحہ پر عمل کرتا ہوں جو ثقہ راویوں سے ثقہ راویوں میں پھیل چکے ہوں۔ اگر اس میں بھی کامیابی نہیں ہوتی تو میں آپ کے حضرات صحابہ ؓ کے اقوال میں سے جس کو پسند کرتا ہوں لے لیتا ہوں اور جب نوبت ابراہیمؒ شعبیؒ، حسنؒ اور عطاءؒ تک پہنچتی ہے تو انہوں نے بھی اجتہاد کیا اور میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

امام عبدالوہاب شعرانیؒ امام ابن حجر مکیؒ اور امام سیوطیؒ امام صاحبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علیه وسلم بابی هووامی فعلی الراس والعین وماجاء عن اصحابه تخیر ناو ماجاء عن غیرهم فهم رجال ونحن رجال۔(۱۲۶)

ترجمہ:۔ کہ جو حکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں تو وہ سر اور آنکھوں پر اور جو چیز آپ کے حضرات صحابہ ؓ سے آئے تو ہم ان کے اقوال میں سے کسی کو اختیار کر لیتے ہیں اور اگر غیر صحابہ ؓ سے آئے تو وہ بھی ہماری طرح کے انسان ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضرت امام صاحبؒ بھی بالاتفاق روایت کے اعتبار سے تابعی ہیں اس لحاظ سے تابعینؒ کے ساتھ ان کی نقد واجتہاد میں مزاحمت اور علمی اور تحقیقی رسہ کشی کوئی قابل انکار بات نہیں ہے اور ھم رجال ونحن رجال کہنا کوئی بے موقع اور بے محل امر نہیں ہے، اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے بھی اس کے قریب الفاظ نقل کیے ہیں۔(۱۲۷)
ابوحمزہ السکریؒ کا بیان ہے کہ:۔

سمعت ابا حنیفته یقول اذا جاء ناالحدیث عن النبی صلی اللہ علیه وسلم اخذنا به

واذا جاء نا عن الصحابة تخيرنا واذا جاء نا من التابعين زاحمناهم (۱)

ترجمہ:۔ میں نے امام ابو حنیفہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ جب ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچتی ہے تو ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور جب ہمارے پاس حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال آتے ہیں تو ان میں سے کسی کو اختیار کر لیتے ہیں اور اگر ہمارے پاس تابعینؒ کے اقوال آتے ہیں تو ہم ان سے علمی مزاحمت کرتے ہیں۔

اور حضرت ملا علی قاریؒ امام صاحبؒ کا قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ:۔

ماجاء عن اللہ و رسولہ لانتجاوز عنہ وما اختلف فیہ الصحابۃ اخترناہ وماجاء عن غیرھم اخذنا وترکنا۔ (۱)

ترجمہ:۔ جو حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں پہنچتا ہے تو ہم اس سے تجاوز نہیں کرتے اور جس چیز میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوتا ہے تو ہم ان کے اقوال میں سے کسی کو چن لیتے ہیں اور غیر کے اقوال کو لیتے بھی ہیں اور چھوڑتے بھی ہیں۔

اور مولیٰ احمد بن مصطفیٰؒ امام صاحبؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:۔

ماجاء نا عن الصحابۃ فعلی الراس والعین وماجاء نا عن التابعین فھم رجال و نحن رجال۔ (۱)

ترجمہ:۔ جو چیز ہمارے پاس حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے پہنچتی ہے تو اس کو ہم سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں اور جو تابعینؒ سے آتی ہے سو وہ بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں۔

لیس لاحد ان یقول برایہ مع کتاب اللہ تعالیٰ ولا مع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا مع ما اجمع علیہ اصحابہ۔ (۳)

ترجمہ:۔ کسی شخص کو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے مقابلے میں رائے کا کوئی حق حاصل نہیں اور اسی طرح جس چیز پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا (اور امت) کا اجماع واقع ہو چکا ہو اس کے مقابلہ میں بھی کسی کو رائے پیش کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

ان تمام واضح اور روشن اقتباسات سے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ بات آشکارا ہو گئی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ

تو کتاب وسنت اور اقوال حضرات صحابہ ؓ سے بے نیاز تھے اور نہ منکر بلکہ صاف طور پر وہ کھلے لفظوں میں یہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت اپنی رائے اور قیاس سے کام لیتا ہوں جب قرآن وحدیث اور اقوال حضرات صحابہ ؓ میں سے کسی پر روشنی پڑتی نظر نہیں آتی' اب اہل علم ہی انصاف سے فرمائیں کہ ایسے موقع پر محدث کامل فقیہ دوران اور عالم ربانی کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ آیا کنج عافیت اور زاویہ خمول میں خاموش ہو کر بیٹھ جانا چاہیے تھا؟ یا اپنی خدا داد بصیرت' علمی تفوق اور فقہی بصیرت کے تحت مشکل مسائل اور نوازل کی گتھی سلجھانی چاہیے تھی؟ اور اگر انہوں نے وقت کی اس اہم ضرورت کو اپنے ناخن تدبیر و تفقہ سے حل کر کے امت مرحومہ پر احسان کیا ہے تو اس کی وجہ سے کیا وہ داد تحسین کے مستحق ہیں یا باعث نفرین ہیں؟ ۔

وہ ایک عالم جسے جہاں نے خراج تحسین ادا کیا ہے

وہ ایک مومن جو لطف خالق کی برکتوں سے قربنا ہے

امام موصوفؒ کے زمانہ میں بھی بعض کم فہم یا متعصب لوگوں نے ان کو رائے پر عمل کرنے کی وجہ سے طعنہ دیا تھا جس کا جواب امام موصوفؒ نے یوں دیا کہ :-

عجبا للناس یقولون افتی بالرای مافتی الا بالاثر

ترجمہ :- لوگوں پر تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رائے سے فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ میں تو حدیث کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔

حضرت عبداللہؒ بن المبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ :-

لاتقولو رائی ابی حنیفتہ رحمہ اللہ تعالیٰ ولکن قولوا انہ تفسیر الحدیث۔

ترجمہ :- تم یہ نہ کہا کرو کہ ابوحنیفہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہا کرو کہ وہ حدیث کی تفسیر ہے۔

امام عبداللہ بن المبارکؒ ہی فرماتے ہیں کہ :-

لیکن الذی تعتمد علیہ الا ثر وخذ من الرائی مایفسر لک الحدیث۔

ترجمہ :- تیرا اعتماد حدیث پر ہونا چاہیے اور رائے وفہم سے اتنا حصہ ضرور حاصل کر جو تیرے لیے تفسیر حدیث میں ممد ہو۔

امام صدر الائمہ مکی اپنی سند کے ساتھ امام عبداللہ بن المبارکؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ :-

علیکم بالاثر و لا بد للاثر من ابی حنیفۃ فیعرف بہ تاویل الحدیث و معناہ (3)

ترجمہ:- حدیث واثر کا لینا تم پر لازم ہے لیکن اثر کے لئے امام ابو حنیفہ کی ضرورت ہے تاکہ ان کی وجہ سے حدیث کی تفسیر اور اس کا معنی سمجھا جا سکے۔

اور علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی سند کے ساتھ امام عبداللہ بن المبارکؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:-

ان کان الاثر قد عرف واحتیج الی الرای فرای مالک وسفیان وابی حنیفۃ وابو حنیفۃ احسنھم وادقھم فطنتہ واغوصھم علی الفقہ وھوا فقہ الثلاثۃ (3)

ترجمہ:- اگر اثر و حدیث معروف ہو اور اس میں رائے کی ضرورت پیش آئے تو امام مالک، امام سفیان اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے ملحوظ رکھنی چاہیے اور ابو حنیفہ ان سب میں فقہ کی تہہ تک پہنچنے والے اور ان تینوں میں بڑے فقیہ تھے۔

یہ رائے کبھی تو حدیث کے منطوق کے مطابق ہوتی ہے اور کبھی مفہوم کے موافق۔ اگر حدیث سے اس طرز استدلال کا کسی نے اندازہ لگانا ہو تو وہ حضرت امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ کی صحیح بخاری کے ابواب و تراجم سے لگا سکتا ہے کہ بعض مقامات میں حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانیؒ جیسے اساطین حدیث و فقہ بھی حدیث اور ترجمۃ الباب کی تطبیق کرنے میں حیران و ششدر رہ جاتے ہیں اور توجیہ پر توجیہ کرتے چلے جاتے ہیں کیونکہ ظاہری طور پر دعویٰ اور دلیل کی مطابقت نظر نہیں آئے گی۔ مگر نہایت باریک بینی سے کام لیا جائے تو ہوتی ضرور ہے اسی لیے کہا گیا کہ فقہ البخاری فی الابواب والتراجم

انتہائی تأسف کی بات ہے کہ اگر کوئی ایسی ہی دقیق اور باریک فقہی دلیل حضرت امام ابو حنیفہ کسی حدیث سے استنباط کرتے ہیں تو جھٹ یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث کے مخالف و منکر ہیں اور علمی ترکش اس مقام میں توجیہ سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور بدگمانی اور سوء ظن کا تلاطم خیز سمندر سینوں اور سفینوں میں ابلنے لگتا ہے اور جی بھر کر کہنے والے ان کہنی باتیں کہہ گزرتے ہیں۔

مشہور محدث علی بن خشرمؒ (المتوفی 257ھ) جو ثقہ تھے تہذیب ج 7 ص 316 کا بیان ہے کہ:-

کنا فی مجلس سفیان بن عیینہ فقال یااصحاب الحدیث تعلموا فقہ الحدیث لا یقھرکم اصحاب الرای ماقال ابو حنیفہ شیئا الا ونحن نروی فیہ حدیثا

او حدیثیں۔

ترجمہ:- ہم امام سفیان بن عیینہؒ کی مجلس میں تھے انہوں نے فرمایا کہ اے اصحاب الحدیث تم حدیث میں تفقہ پیدا کرو، ایسا نہ ہو کہ اصحاب الرائے تم پر غالب آ جائیں امام ابو حنیفہؒ نے کوئی چیز ایسی نہیں کہی جس میں ہم ایک یا دو حدیثیں نہ روایت کرتے ہوں۔

اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ اصحاب الرائے کا کام تفقہ فی الحدیث رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام سفیان بن عیینہؒ اصحاب الحدیث کو اصحاب الرائے کی طرف تفقہ فی الحدیث کی ترغیب دے رہے ہیں اور دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ جو کچھ بھی حضرت امام حنیفہ نے کہا ہے اس میں بقول امام سفیان بن عیینہؒ ایک یا دو حدیثیں موجود ہیں اس سے زیادہ امام صاحب کی رائے و فقہ کے حدیث کے مطابق ہونے کی اور کیا دلیل درکار ہے کہ امام حدیث اس کی تائید کرتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ نے جو کچھ کہا ہے ہم اس میں ایک یا دو حدیثیں روایت کرتے ہیں گویا امام صاحبؒ کا قیاس واجتہاد عین حدیث کے مطابق نکلا۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ قرآن و حدیث کی موجودگی میں اور حضرات صحابہ ﷺ کے اقوال و آثار کے ہوتے ہوئے ہرگز رائے اور قیاس سے کام نہ لیتے تھے اور نہ ان کی رائے احادیث و آثار سے بے نیاز ہوتی تھی۔ امام ابو القاسم غستانؒ بن محمدؒ بن عبداللہ بن سالم التیمیؒ (المتوفی ھ) نے کیا ہی خوب نقشہ کھینچا ہے کہ:-

وضع القیاس ابو حنیفتہ کلہ، فاتی باوضح حجتہ وقیاس

وبنی علی الا ثار راس بنایہ، فاتت غوامضہ علی الاساس

ترجمہ:- تمام قیاس کی بنیاد ابو حنیفہؒ نے رکھی ہے اور اس میں انہوں نے واضح حجت اور قیاس سے کام لیا ہے اور انہوں نے اپنے قیاس کی عمارت احادیث پر رکھی ہے اس لیے اس کی باریکیاں مضبوط بنیاد پر کھڑی ہیں۔

باوجودیکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے و قیاس کی بنیاد قرآن وسنت اور حضرات صحابہ کرام ﷺ کے اجماعی مسائل پر قائم ہے اور باوجود اس کے کہ امت کی اکثریت ان کی اصابت رائے کی تعریف کرتی اور ان پر اعتماد کرتی ہے، اس کے ساتھ ان کی وسعت نظری اور علم دوستی کا حال یہ تھا کہ وہ صاف لفظوں میں یہ ارشاد فرماتے تھے کہ:-

ھذاالذی نحن فیہ رای لانجبر احدا علیہ ولا نقول یجب علی احد قبولہ بکراھیتہ

فمن كان عنده شيئ احسن منه فليات به۔[۱۶]

ترجمہ:۔ یہ جو ہم نے اختیار کی ہے رائے ہے ہم اس پر کسی کو مجبور نہیں کرتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ زور سے اس کا قبول کرنا کسی پر واجب ہے، اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہو تو وہ اس کو لے آئے۔

علامہ خطیب بغدادیؒ امام صاحبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

هذا رائي وهو احسن ماقدرنا عليه فمن جاء باحسن من قولنا فهو اولى بالصواب منا۔

ترجمہ:۔ یہ وہ اچھی رائے ہے جس پر ہم قادر ہوئے ہیں اور جو شخص ہمارے قول سے بہتر قول ہمارے پاس لائے تو وہ ہمارے قول سے زیادہ اولی اور بہت درست ہو گا۔

اور امام شعرانی ؒ ان سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ:۔

وكان اذا افتى يقول هذا رائے ابى حنيفه وهو احسن ماقدرنا عليه فمن جاء باحسن منه فهو اولى بالصواب۔[۱۷]

ترجمہ:۔ جب وہ فتویٰ دیا کرتے تھے تو صاف فرماتے تھے کہ یہ ابو حنیفہؒ کی رائے ہے جس پر ہم عمدگی کے ساتھ قادر ہوئے ہیں جو شخص اس سے بہتر رائے پیش کرے تو اس کی رائے زیادہ قابل قدر ہو گی۔

اندازہ کیجئے اس بے نفسی اور تواضع کا کہ اپنی رائے کے ماننے پر کسی کو مجبور نہیں کرتے اور نہ اپنی رائے بجبرو کراہت کسی کے گلے میں مڑھنا چاہتے ہیں، بایں ہمہ تقریباً" نصف امت سے زیادہ حضرات نے ہر دور میں ان کی رائے کو محض اس لیے قبول کیا ہے کہ حضرات صحابہ کرام ؓ کے بعد پوری امت میں ان کی رائے سے بہتر رائے کسی کی ان کو نظر نہیں آئی یہی وجہ ہے کہ چوٹی کے محدثین کرام ؒ اور فقہاء عظامؒ ان کی رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کی پیروی کرتے رہے ہیں جیسا کہ یہ اپنے مقام پر مصرح ہے۔

الحاصل بلاشک امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب اہل الرائے ہیں مگر مذموم اور قبیح رائے کا انہوں نے ہرگز ارتکاب نہیں کیا اور نہ فی نفسہ اہل الرائے ہونا کوئی موجب تنقیص امر اور باعث توہین صفت ہے۔ ہاں اگر کوئی جاہل

یا متعصب اخلاقی پستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مذکورہ بالا تشریح کے ہوتے ہوئے رائے اور اہل الرائے کی تذلیل کرتا یا ان سے عداوت ودشمنی رکھتا ہے تو اس کا علاج اس جہان میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ آنے والے جہان ہی میں اس کی قلعی کھلے گی۔ انشاء اللہ العزیز ۔

رائے کا اطلاق کس طرح ہوتا تھا:۔

چنانچہ امام ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

اعلم انه علیک ان لا تفهم من اقوال العلماء عن ابی حنیفته واصحابه انهم اصحاب الرای ان مرادهم بذالک تنقیصهم ولا نسبتهم الی انهم یقدمون رایهم علی سنته رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ولا علی قول اصحابته لانهم برآء من ذالک فقد جاء ابی حنیفته من طرق کثیرة ماملخصه انه اولا یاخذ بما فی القران فان لم یجد فبسنته فان لم یجد فبقول الصحابته فان اختلفوا اخذ بما کان اقرب الی القران اوالسنته من اقوالهم ولم یخرج عنهم فان لم یجد لاحد منهم قولا لم یاخذ بقول احد من التابعین بل یجتهد کما اجتهدوا۔[۲۹]

ترجمہ:۔ تجھے جاننا چاہیے اور تم پر یہ بات لازم ہے کہ تم علماء کے ان اقوال سے جن میں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب الرائے کو اہل الرائے کہا ہے یہ نہ سمجھو کہ وہ اس سے ان کی تنقیص کرنا چاہتے ہیں اور نہ ان کی اس سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنی رائے کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ ؓ کے قول پر مقدم کرتے ہیں حاشا وکلا وہ اس سے بالکل بری اور بیزار ہیں کیونکہ امام ابوحنیفہؒ سے متعدد طرق سے یہ آیا ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے قرآن پر عمل کرتے تھے، اگر قرآن میں ان کو حکم نہ ملتا تو سنت پر عمل کرتے تھے۔ اگر سنت بھی نہ ملتی تو حضرات صحابہ ؓ کا قول لیتے۔ اگر حضرات صحابہ ؓ کا اختلاف ہوتا تو ان کا جو قول قرآن یا سنت کے قریب تر ہوتا اس کو لے لیتے اور ان کے قول سے خارج نہ ہوتے اور اگر حضرات صحابہ ؓ کا قول بھی ان کو نہ ملتا تو تابعینؒ کا قول نہ لیتے بلکہ جیسا کہ انہوں نے اجتہاد کیا ہے اسی طرح وہ خود بھی اجتہاد کرتے تھے۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول میں بالکل واضح ہے مزید کسی تفصیل کی محتاج نہیں ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام ابا حنیفتہ الی انہ یقدم القیاس علی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم ان ھذا الکلام صدر من متعصب علی الامام متہور فی دینہ غیر متورع فی مقالہ غافلاً عنہ قولہ تعالٰی ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسؤلا [۱۷]

ترجمہ:۔ یہ فصل ان لوگوں کی بات کو ضعیف بتانے میں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ قیاس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر مقدم کرتے ہیں جاننا چاہیے کہ یہ کلام امام موصوفؒ کے بارے میں اس شخص سے صادر ہوا ہے جو متعصب، دین میں بے باک اور گفتگو میں پرہیز کرنے والا نہیں ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے اس قول سے غافل ہے کہ بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں اس سے پوچھ ہو گی۔

اور اس پر اچھی خاصی بحث کرنے کے بعد آگے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

نعلم من جمیع ماقررناہ ان الامام لایقیس ابدا مع وجود النص کما یزعمہ المتعصبون علیہ وانما یقیس عنہ فقد النص۔ [۱۸]

ترجمہ:۔ ہم نے جو بحث کی ہے اس سے بخوبی یہ معلوم ہو گیا ہے کہ امام موصوفؒ نص کی موجودگی میں کبھی قیاس نہیں کرتے تھے جیسا کہ متعصبین نے ان پر یہ الزام لگایا ہے، ہاں وہ اس وقت قیاس کرتے تھے جب نص موجود نہیں ہوتی تھی۔

اور پھر آگے رقمطراز ہیں کہ:۔

فاولھم تبریا من کل رای یخالف الشریعتہ الامام الاعظم ابو حنیفتہ النعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ خلاف مایضیفہ الیہ بعض المتعصبین ویا فضیحتہ یوم القیمتہ من الامام اذاوقع الوجہ فی الوجہ۔ [۱۹]

ترجمہ:۔ ان ائمہ میں سے سب سے پہلے نمبر پر ہر ایسی رائے سے جو شریعت کے مخالف ہو بیزار

ہونے والے امامُ اعظم ابوحنیفہؒ ہیں' برعکس اس کے کہ جو خیال متعصب لوگ ان کی طرف نسبت کرتے ہیں کیا ہی رسوائی ہو گی ایسے متعصب کی قیامت کے دن جب کہ وہ امام صاحب کے رو برو ہو گا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ امام موصوفؒ اور آپ کے اصحابؒ کی یہ صفائی پیش کرنے والے حنفی نہیں تاکہ مذہبی تعصب یا ہٹ دھرمی کا الزام ان پر عائد کر کے ان کی تصریحات کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یہ حضرات شافعی المسلک ہیں اور امام شعرانیؒ تو وہ بزرگ ہیں جن کی متعدد عبارات سے مولانا میر صاحبؒ نے تاریخ اہلحدیث میں اور مولف مسائل التقلید نے (مثلاً دیکھئے ص 3 وغیرہ) استدلال واحتجاج کیا ہے' اور ان کے علم و دیانت پر کلی اعتماد کیا ہے۔

امام شعرانی کی شہادت :۔

یہی امام شعرانیؒ باوجود شافعی ہونے کے احنافؒ کے دلائل و براہین کی قوت سے متاثر ہو کر بانگ دہل یہ فرماتے ہیں کہ :۔

فصل فی تضعیف قول من قال ان ادلته مذہب الامام ابی حنیفته غالباً اعلم یا اخی انی طالعت بحمدللّٰه تعالٰی ادلته المذاهب الاربعته لاسیما ادلته مذهب الامام ابی حنیفته رضی اللّٰه عنه فانی خصصته بمزید اعناء وطالعت علیه کتاب تخریج احادیث الهدایته للحافظ الزیلعی وغیره من کتب الشروح فرایت ادلته رضی اللّٰه عنه وادلته اصحابه مابین صحیح او حسن او ضعیف کثرت طرقه حتی لحق بالحسن او الصحیح فی صحته الاحتجاج به من ثلاثته طرق واکثر الی عشرة (۱۹۰)

ترجمہ :۔ یہ فصل ان لوگوں کے اس قول کی تضعیف میں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے دلائل غالباً ضعیف ہیں اے میرے بھائی تو جان لے کہ بے شک میں نے بحمد اللہ تعالٰی مذاہب اربعہ کے دلائل کا مطالعہ کیا ہے اور خصوصیت سے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے دلائل کا سو میں نے ان کے مذہب کے دلائل کو مزید اہتمام کے ساتھ دیکھا ہے چنانچہ میں نے احادیث ہدایہ کی تخریج میں حافظ زیلعیؒ کا نصب الرایہ اور اسی طرح اور کتب شروح دیکھی ہیں'

میں نے امام صاحبؒ اور ان کے اصحابؒ کے دلائل ملاحظہ کئے ہیں جو صحیح یا حسن حدیث کی طرف راجع ہیں یا ایسی ضعیف حدیثیں ہیں جو کثرت طرق کی وجہ سے حسن یا صحیح کے ساتھ جا ملتی ہیں ۔ اور تین سے دس طرق تک سے مروی ہیں جن سے احتجاج صحیح ہوتا ہے۔

امام شعرانیؒ ہی لکھتے ہیں کہ:۔

وانه ماطعن احد فی قول من اقوالهم الا لجهله به امامن حیث دلیله واما من حیث دقته مدارکم علیه لاسیما الامام الاعظم ابو حنیفه النعمان بن ثابت رضی الله تعالٰی عنه الذی اجمع السلف والخلف علی کثرة علمه وورعه وعبادته ودقه مدارکه واستنباطه۔"

ترجمہ:۔ جس شخص نے ان ائمہؒ کے کسی قول پر طعن کیا ہے تو محض جہالت کی وجہ سے کیا ہے' یا تو وہ دلیل کو نہیں سمجھ سکا اور یا وہ وجوہ قیاس کی باریکی کو نہیں سمجھ سکا خاص کر امام اعظم ابو حنیفہؒ پر طعن تو قابل التفات ہی نہیں کیونکہ سلف وخلف ان کے کثرت علم ورع' عبادت وجوہ قیاس ومدارک اور استنباطات کی دقت اور باریکی پر متفق رہے ہیں۔(

مشہور محدث ابوبکر الاجریؒ (المتوفی 360ھ) نے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں بعض سے یہ نقل کیا تھا کہ نہ ان کے پاس رائے ہے اور نہ حدیث' اس قول کو نقل کر کے امام شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

فان الحس لایصدق هذا القائل فیما قاله فی حق الامام ابی حنیفه وقد تبعت بحمدالله اقواله واقوال اصحابه لما الفت کتاب ادلة المذاهب فلم اجد قولا من اقواله او اقوال اتباعه وهو مستند الی اٰیته او حدیث او اثر اومفهوم ذالک او حدیث ضعیف کثرت طرقه اوالی قیاس صحیح علی اصل صحیح۔(17)"

ترجمہ:۔ اس قائل نے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے حس اس کی تصدیق نہیں کرتی کیونکہ میں نے بحمد اللہ تعالیٰ جب کتاب "ادلتہ المذاہب" تالیف کی تو اس وقت امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب کے دلائل دیکھے ہیں میں نے ان کا اور ان کے اصحاب کا کوئی قول ایسا نہیں دیکھا جو آیت یا حدیث یا اثر یا اس کے مفہوم یا ضعیف حدیث جس کے طرق متعدد ہوں یا کسی

اپنے قیاس کی طرف مستند نہ ہو جو اصل صحیح پر مبنی ہے۔

یہ حوالے تو امام عبدالوہاب کے ہیں جو بقول میر صاحبؒ کے شافعی تھے لیکن بہت متاثر ہے اور یہ بیان بھی ۔۔ مذاہب اربعہ کے دلائل کا موازنہ کرنے کے بعد دیتے ہیں۔

4۔ خبرواحد قیاس پر مقدم ہے

فقہاء احناف کثراللہ جماعتہم کی یہاں تک صراحت موجود ہیں کہ خبرواحد قیاس پر مقدم ہے چنانچہ فقہ حنفی کی مستند اور متداول کتاب در مختار میں فقیہانہ انداز سے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ:۔

وقف علی اصحاب الحدیث لایدخل فیہ الشافعی اذالم یکن فی طلب الحدیث ویدخل الحنفی کان فی طلبہ اولا

ترجمہ:۔ اگر کسی شخص نے اصحاب الحدیث پر کوئی چیز وقف کی تو شافعی المسلک اس میں داخل نہ ہو گا تو قتیکہ وہ حدیث کی طلب نہ کرتا ہو اور حنفی اصحاب الحدیث کے زمرہ میں داخل ہے عام اس سے کہ وہ طلب حدیث سے مصروف ہو یا نہ ہو۔

اور اس کی دلیل اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ:۔

لکونہ یعمل بالمرسل ویقدم خبر الواحد علی القیاس۔ (5)

ترجمہ:۔ اس لیے کہ حنفی مرسل حدیث پر بھی عمل کرتا ہے اور خبرواحد کو قیاس پر مقدم سمجھتا ہے۔

اس عبارت سے جہاں صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوا کہ خبرواحد قیاس پر مقدم ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر مطلقاً" اصحاب الحدیث کا لفظ بولا جائے تو اس سے احناف ہی مراد ہوں گے کیونکہ وہ مرسل حدیث کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور شافعی المسلک مرسل کو تسلیم نہیں کرتے اور یہ حقیقت ہے کہ تمام احادیث کو ماننے والے ہی اہل حدیث ہوں گے، اگرچہ وہ طلب حدیث میں مصروف نہ بھی ہوں کیونکہ وہ اصولاً" سب کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں اگر شافعی المسلک حضرات طلب حدیث میں مشغول ہوں تو اس وجہ سے وہ بھی اصحاب الحدیث کا مصداق ہو سکتے ہیں اور وقف کے حقدار ہیں۔ مرسل حدیث کے حجت ہونے کے بارے میں ہم صحت حدیث اور امام اعظم کے باب میں مزید بحث کریں گے انشاء اللہ

انتہائی حیرت اور سخت تعجب کی بات ہے کہ زمانہ حال کے نو ایجاد فرقہ نے اہلحدیث کا لقب دوسروں کے گھروں سے چھین کر اپنے لیے الاٹ کر رکھا ہے اور ان کو اصحاب الحدیث یا اہل حدیث کہنے اور لکھنے پر بھولے سے بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ اپنے مقام پر اس کی بحث آئے گی' انشاء اللہ العزیز مگر انقلاب زمانہ اور رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ غیر مقلدین کا تعصب بھی عروج پر ہے۔ باقی رہا غیر مقلدین حضرات کا یہ بے جا وہم کہ حنفی صحیح حدیث کے مخالف ہیں یہ وہ اس وقت بھی اپنے امام کے قول کو اخذ کرتے ہیں جب کہ اس کے خلاف کوئی حدیث ثابت ہو جائے تو یہ صرف ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے اور بس چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب الحنفی تقلید واجب اور حرام کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے تقلید واجب کی نشانی بتاتے ہیں کہ:۔

وامارة هذاالتقليد ان يكون عمله بقول المجتهد كالمشروط بكونه موافقاللسنته فلايزال متفحصا عن السنته بقدر الامكان فمتى ظهر حديث يخالف قوله هذا اخذبهذاالحديث واليه اشار الائمته [۱]

ترجمہ:۔ اور اس تقلید کی نشانی یہ ہے کہ مقلد کا عمل مجتہد کے قول پر اس شرط سے مشروط ہے کہ وہ سنت کے موافق ہو اور وہ بقدر امکان سنت کا متلاشی ہو' جب اس قول کے خلاف حدیث ظاہر ہو جائے جو اس قول کے مخالف ہو تو حدیث پر عمل کرے اور اسی کی طرف آئمہ نے اشارہ کیا ہے۔

اور تقلید حرام کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

فان بلغه حديث واستيقن بصحته ولم يقبله لكون ذمته مشغوله بالتقليد فهذا اعتقاد فاسد و قول فاسد ليس فيه شاهد من النقل والعقل وما كان احد من القرون السابقته يفعل ذالك [۲]

ترجمہ:۔ اگر اس کو حدیث پہنچ جائے اور اس کی صحت کا اسے یقین بھی آ جائے مگر بایں ہمہ وہ اس کو اس لیے قبول نہیں کرتا کہ اس کا ذمہ تقلید سے مشغول ہے تو یہ اعتقاد فاسد اور کھوٹا قول ہے اور نقل و عقل اس کی شہادت نہیں دیتے اور قرون ماضیہ میں ایسا کوئی نہیں کرتا تھا۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

اذاصح الحدیث وکان علی خلاف المذھب عمل بالحدیث ویکون ذالک مذھبہ
ولا یخرج مقلدہ من کونہ حنیفہ بالعمل بہ فقد صح عنہ انہ قال اذاصح الحدیث
فھو مذھبی (۱۱)

ترجمہ:۔ جب حدیث صحیح ثابت ہو اور مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے اور حدیث پر عمل کرنا امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر عمل کرنا ہے اور اس وجہ سے ان کا مقلد حنفی ہونے سے خارج نہ ہو گا کیونکہ امام صاحبؒ سے صحیح روایت کے ساتھ یہ ثابت ہو چکا ہے۔ (انہوں نے فرمایا) کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔

اور حضرت ملا علی القاریؒ احنافؒ کا یہ مذہب نقل کرتے ہیں کہ:۔

ان مذھبھم القوی تقدیم الحدیث الضعیف علی القیاس المجرد الذی یحتمل التزییف (۱۲)

ترجمہ:۔ احنافؒ کا قوی مذہب یہ ہے کہ وہ ضعیف حدیث کو بھی محض قیاس پر جو تزییف و کمزوری کا احتمال رکھتا ہو مقدم سمجھتے ہیں۔

حیرت کا مقام ہے کہ جو حضرات حدیث ضعیف کو بھی قیاس مجرد پر مقدم سمجھتے ہوں ان پر یہ الزام کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیث کو ترک کر دیتے ہوں گے؟ باقی اگر کسی حنفی عالم کے کسی غلط استدلال سے یہ تاثر پیدا کرایا گیا ہو تو وہ بھی ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ جب ہم حضرات مجتہدین کو معصوم عن الخطاء تسلیم نہیں کرتے تو غیر مجتہد کو یہ مقام کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ اور نہ ایسی خطاؤں پر حنفی مسلک کا مدار ہے کیونکہ بات ایسے اجتہاد اور قیاس کی ہو رہی ہے جو صحیح ہو۔

ضعیف حدیث بھی رائے پر مقدم ہے

علماء احنافؒ نے حدیث کے بارے میں جو احتیاط کی ہے وہ کسی اور نے نہیں کی یہ الگ بات ہے کہ دائرہ تحقیق میں رہ کر ان سے علمی مناقشہ کیا جا سکتا ہے اور ان کی عائد کردہ شرطوں میں شدت اور سہل انگاری پر گرفت کی جا سکتی ہے، یہ علمی میدان ہے اور اس میں انصاف و دیانت کے ساتھ ہر اہل علم کو اختلاف رائے رکھنے کا حق حاصل ہے مگر امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحابؒ ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر مقدم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقال ابن حزم جميع اصحاب ابی حنیفة مجمعون علی ان مذھبه ان ضعیف الحدیث اولی عنده من القیاس[155]

ترجمہ:- علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ تمام اصحاب امام ابوحنیفہ اس پر متفق ہیں کہ ضعیف حدیث امام صاحبؒ کے نزدیک قیاس (و رائے) سے اولیٰ ہے۔

اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:-

وذکر ابن حزمؒ الاجماع علی ان مذھب ابی حنیفته ان ضعیف الحدیث اولی عنده من الرائے والقیاس اذالم یجد فی الباب غیرہ[156]

ترجمہ:- امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع واقع ہو چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس و رائے سے اولیٰ ہے جب کہ اس باب میں اس کے بغیر اور کچھ نہ مل سکے۔

کیسے اور کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جب حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہی یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی قیاس ورائے سے اولیٰ ہے اور اس پر علامہ ابن حزمؒ جیسے وسیع النظر محق عالم اجماع نقل کرتے ہیں تو ان پر یہ الزام کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں رائے قائم کرتے ہیں اور بایں معنی وہ صاحب الرائے ہیں کہ قرآن وحدیث کو محل استدلال میں درخود اعتناء ہی نہیں سمجھتے (معاذ اللہ) اور ان کا اثاثہ اور دلائل وبراہین کی کائنات ہی فقہ و رائے ہے یہ خیال کس قدر غلط بے بنیاد اور محض جہل و تعصب کی پیداوار ہے نعوذباللہ من شرور انفسنا

چنانچہ علامہ خطیب بغدادیؒ اور امام سیوطیؒ مشہور محدث عبداللہ بن داؤد الخریبیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ:-

الناس فی ابی حنیفته حاسد وجاھل و احسنھم عندی حالا الجاھل۔[157]

ترجمہ:- لوگ ابوحنیفہؒ کے بارے میں حاسد اور جاہل واقع ہوئے ہیں اور میرے نزدیک ان میں سے اچھی حالت والا جاہل ہے۔

اور امام عبداللہ بن المبارکؒ قاضی الحسن بن عمارہؒ کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے فرمایا کہ:-

وما یتکلمون فیک الاحسدا۔ [۱۵۳]

ترجمہ:۔ لوگ آپ کے بارے میں محض حسد کی وجہ سے کلام کرتے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ جاہل سے یہ مراد نہیں کہ ان میں کلام کرنے والے علم ہی سے جاہل ہیں بلکہ جاہل سے مراد یہ ہے کہ باوجود محدث فقیہ اور عالم دین ہونے کے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی صحیح علم اور طرز استدلال اور فقاہت سے انداز سے ناواقف ہوں بایں طور کہ ان کا زمانہ نہیں پایا' ان سے اور ان کے اصحاب سے تنفر کی بنا پر ان کی کتابیں نہیں دیکھیں یا حاسدین کے غلط پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر امام صاحبؒ کے علمی مقام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی وغیرہ ذالک اس مقام پر الجاہل کے لفظ سے ایسے ہی حضرات مراد ہیں اگرچہ وہ اپنے مقام پر اکابر محدثین' اساطین علم اور پایہ کے محققین ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت یحییٰ بن معینؒ کے سامنے جب کوئی شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شان میں گستاخی کرتا اور برائی کے ساتھ ذکر کرتا تو وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

حسدوا الفتی اذلم ینالوا فضلہ' فالقوم اعداء لہ وخصوم

کضرائر الحسناء قلن لذوجہا' حسدا وبغیا انہا لدمیم۔ [۱۵۴]

ترجمہ:۔ لوگوں نے اس نوجوان سے حسد کیا جب کہ اس کے رتبہ کو نہ پہنچ سکے سو قوم ان کی مخالف اور دشمن بنی ہوئی ہے جس طرح خوب رو عورت کی سوکنیں اس کے خاوند سے حسد اور زیادتی کرتی ہوئی یہ کہتی ہیں کہ وہ تو بدصورت ہے۔

حافظ ابن عبدالبر المالکیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ونقموا ایضا علی ابی حنیفتہ الارجاء ومن اہل العلم من ینسب الی الارجاء کثیر لم یعن احد بنقل قبیح ماقیل فیہ کما عنوا بذالک فی ابی حنیفتہ لامامتہ وکان ایضا مع ھذا یحسدو ینسب الیہ مالیس فیہ و یختلق الیہ مالا یلیق وقد اثنی الیہ جماعۃ من العلماء و فضلہ۔ [۱۵۵]

ترجمہ:۔ لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کی ارجاء کی وجہ سے بھی عیب جوئی کی ہے اور اہل علم میں سے بہت سے حضرات ایسے ہیں جو ارجاء کی طرف نسبت کئے گئے ہیں لیکن جس طرح امام ابوحنیفہؒ کی

امامت کی وجہ سے اس میں برا پہلو مراد لیا گیا ہے' اوروں کے متعلق ایسا نہیں کیا گیا' علاوہ ازیں ان کے ساتھ حسد بھی کیا گیا ہے اور ایسی چیزیں تراش تراش کر ان کی طرف نسبت کی گئی ہیں جو ان میں نہ تھیں حالانکہ علماء کی بڑی جماعت نے ان کی تعریف بیان کی ہے اور ان کی فضیلت کا اقرار کیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے مرجیہ ہونے کی بحث ہم معترضین اور امام اعظمؒ کے باب میں بیان کریں گے۔ وہاں ہی ملاحظہ کر لی جائے' ان صریح اقتباسات سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مثالب اور عیوب تراش تراش کر اور گھڑ گھڑ کر بیان کرنے میں حاسدین کا بھی کافی سے زیادہ دخل ہے اور تاریخی اور ٹھوس واقعات کے پیش نظر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور غلط فہمی اور جہالت کی وجہ سے انکے بارے میں غیر صحیح نظریہ قائم کرنا تو ڈھکی چھپی بات ہی نہیں ہے اور یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ فہم و بصیرت اور دیانت سے صرف نظر کر کے کوئی شخص امام صاحبؒ کا مقام نہیں سمجھ سکتا۔

بھٹکتا ہی رہے گا اپنی منزل پر نہ پہنچے گا
نہیں ہیں رہروی سے جس کی آداب سفر پیدا

اور اس میں امام ابوحنیفہؒ ہی کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ جس کے ساتھ بھی ضد وعداوت ہوتی ہے یا جس کے علمی تفوق اور کمال کے ساتھ حسد ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایسی کاروائیاں ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ قائل کی مراد کو نہیں سمجھا جاتا اور کوتاہ فہمی کی وجہ سے اس کے ساتھ اختلاف کی نوبت آتی ہے اور غلط کار لوگوں کے ناروا پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر کسی نیک سے نیک آدمی کے متعلق بھی غلط سے غلط نظریہ پیدا ہو جانا کوئی بعید نہیں۔ خصوصاً" اس دور میں جس میں نہ اخبارات تھے نہ ریڈیو اور نہ دیگر تیزی سے خبریں پہنچانے کے ذرائع اور نہ جلدی سے ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کے مواقع ہی آسانی سے دستیاب تھے اور نہ پریس اور مطابع تھے تاکہ بزرگوں کی اپنی کتابیں بکثرت اور بعجلت طبع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں آ جاتیں اور وہ اصل کتابوں کو پڑھ کر ان کے نظریات معلوم کر لیتے بالغرض پہلے زمانوں میں تو کسی کے بارے میں غلط فہمی کا باقی رہ جانا کوئی زیادہ مستبعد امر نہ تھا اس روشن دور میں باوجودیکہ غلط فہمی کے ازالہ کے اسباب کے لئے بے شمار ذرائع موجود ہیں اگر کوئی شخص بزرگان دین کے نظریات ملاحظہ کر کے بھی اپنی ضد کو ترک نہ کرے تو سوائے متعصب کے اس کو اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ اللہ

تعالیٰ تمام مسلمانوں کو تعصب اور ضد سے محفوظ رکھے' اس کے بغیر کوئی اس سے نجات دے ہی نہیں سکتا۔

مذموم رائے

بعض احادیث آثار صحابہؓ اور اقوال علماء سے رائے کی مذمت اور قباحت بھی ثابت ہے جس سے حقیقت ناشناس' متعصب اور خود غرض لوگوں نے بلا کسی تفصیل کے ہر قسم کی رائے مذموم ٹھہرانے کی نامبارک سعی کی اور سادہ لوح عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے اہل الرائے کی دل کھول کر توہین کی ہے اور اس ناہموار راستہ کے ذریعے مطلب پرستی کی منحوس منزل تک رسائی حاصل کرنے کی بے باکوشش کی ہے اس لیے بہت زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس عنوان کو بھی قدرے وضاحت سے پیش کر کے اصل حقیقت کو بے نقاب کریں تاکہ اصلیت کے خوبصورت چہرہ تک پہنچنا دشوار نہ رہے اگرچہ وہ کوئی سر پنہاں نہیں ہے۔۔

نقاب رخ سے ہر جانب شعاعیں پھوٹ نکلی ہیں
ارے او چھپنے والے' حسن یوں پنہاں نہیں ہوتا

قرآن میں رائے :- چنانچہ ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ :-

و من قال فی القرآن برایہ فلیتبوا مقعدہ من النار - (۱۱۱۰)

ترجمہ :- اور جس نے قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور اس کی بات درست بھی نکلی تو اس نے خطا کی۔

اس کی سند میں سہل بن عبداللہؒ واقع ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ متکلم فیہ ہے۔ صرف نظر اس کلام سے اس میں کیا شک و شبہ ہے کہ قرآن کریم کی ایسی تفسیر جو خود قرآن و سنت کی روح کے خلاف ہو اور نری رائے سے ہو اس کے مذموم اور قبیح ہونے میں کیا کلام ہے؟ اور اگر وہ صحیح بھی ہو جائے تو بھی اس لحاظ سے وہ غلط ہے کہ نری رائے سے اقدام کرنا جرم تھا۔

حلال کو حرام کرنا:- ایک روایت اس طرح آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت ستر سے کچھ اوپر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان تمام فرقوں میں فساد والا فرقہ وہ ہے جو

یقیسون الامور برائیھم فیحلون الحرام و یحرمون الحلال ۔ (۱) مستدرک
ترجمہ :- جو امور کو اپنی رائے سے قیاس کرے گی سو وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا رہی دم لے گی۔

اس حدیث کے بارے میں حضرت امام یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا کہ لااصل له (اس کی کوئی اصل نہیں ہے) (۲) اور اس کی سند میں نعیم بن حمادؒ واقع ہے جس پر کڑی جرح پہلے نقل کی جا چکی ہے۔ امام حاکمؒ نے اگرچہ اس کو صحیح علی شرطھما کہا ہے لیکن علامہ ذہبیؒ نے تلخیص مستدرک میں سرے سے اس روایت کو نظرانداز کر دیا ہے اور امام حاکمؒ چونکہ متساہل فی الحدیث ہیں (۳) اس لیے ان کی اس تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس حدیث کے مختلف طرق جمع کرنے میں بعض دیگر محدثین کی طرح علامہ خطیب بغدادیؒ نے کم و بیش چار صفحات میں مبسوط بحث کی ہے اور آخر میں فیصلہ یہ نقل کیا ہے کہ :-

فقال کل من حدث به عن عیسی بن یونس غیر نعیم بن حماد فانما اخذہ من نعیم ۔ (۴)

ترجمہ :- "کہ عیسیٰ بن یونس سے جس نے بھی نعیم بن حماد کے علاوہ یہ روایت لی ہے تو وہ نعیم ہی کے طریق سے ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ دارومدار ہی نعیم بن حماد پر ہے اور وہ مکشوف الحال ہے۔ قطع نظر سند کی بحث کے یہ حدیث ان لوگوں کی مذمت میں ہے جو حلال یا حرام کو بلاثبوت شرعی محض اپنے قیاس سے حرام یا حلال بنا دیں اور ظاہر بات ہے کہ حلت و حرمت تو نص ہی سے ثابت ہو سکتی ہے تو ایسا قیاس جو نص کے مقابلہ میں ہو یقیناً" مذموم ہے اور ایسے لوگ جو نص کے مقابلہ میں قیاس کرتے ہوں باعث صد نفرین ہیں۔

اسرائیل کی ہلاکت کا سبب :- حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ " اسرائیل اس لیے ہلاک ہوئے کہ

فوضعو الرای فضلوا ۔ (۵)

ترجمہ :- "سو انہوں نے رائے پر عمل کیا اور گمراہ ہو گئے۔"

اس کی سند میں کلبی ہے۔ اور وہ ضعیف ہے (۶) امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ تمام محدثین اس کی حدیث کے

ترک پر متفق ہیں جو زجانی فرماتے ہیں کہ وہ کذاب تھا' امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس کا جھوٹ بالکل واضح تھا۔
تعلیق المغنی ج 2 ص 486 میں مجمع الزوائد سے بزار کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع روایت بھی نقل کی ہے جس میں ہے۔ فافتوا بالرای فضلوا واضلوا

مگر اس کی سند میں قیس بن الربیع واقع ہے۔ بعض محدثین اس کی توثیق کرتے ہیں اور اکثر ان کی تضعیف کرتے ہیں امام وکیع فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ابن معین ان کو ضعیف الحدیث لایساوی شیئا کہتے ہیں۔ ابن عیسیٰ ان کی سخت تضعیف کرتے ہیں۔ ابوزرعہ ان کو کمزور کہتے ہیں۔ یعقوب بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں۔ نسائی ان کو متروک الحدیث کہتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ شیعہ بھی تھا اور حدیث میں خطا کرتا تھا۔ ابن سعد ان کو ضعیف کہتے ہیں۔ عجلی دار قطنی اور ابو احمد الحاکم بھی ان کو ضعیف کہتے ہیں۔

اور یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے مجمع الزوائد کی سند کی امام ابن القطان نے تحسین کی ہے لیکن اس کی سند میں وہی قیس بن ربیع ہے اور ابن ماجہ کی سند میں سوید بن سعید واقع ہے جس پر بعض محدثین نے خاصا کلام کیا ہے۔

علاوہ ازیں مذموم رائے کی قباحت اور برائی میں کیا کلام ہے؟ اس کی مزید تحقیق آ رہی ہے۔ انشاء اللہ العزیز۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے ارشاد فرمایا کہ :

ایاکم واصحاب الرای فانہم اعداء السنن اعیتہم الاحادیث ان یحفظوھا فقالو بالرای فضلوا واضلوا۔ ○

ترجمہ :- "تم اصحاب الرائے سے بچو کیونکہ وہ سنت کے دشمن ہیں' احادیث کا یاد کرنا تو ان کے بس کا روگ نہیں لہٰذا انہوں نے رائے پر عمل کر کے گمراہی اختیار کی اور دوسروں کی گمراہ کیا۔"

اس کی سند میں مجالدی بن سعید واقع ہے۔ یہ بھی متکلم فیہ راوی ہے' بعض اس کی توثیق اور اکثر اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ امام یحییٰ بن سعید ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ابن مہدی ان سے روایت نہیں کیا کرتے تھے۔ امام احمد ان کو محض ہیچ تصور کرتے تھے۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ لایحتج بحدیثہ داؤد اودی کہتے ہیں' قوی نہیں نسائی سے بھی ایک روایت میں ان کی تضعیف منقول ہے۔ ابن سعد ضعیف کہتے ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ لایجوز الاحتجاج بہ۔[173] کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔

انتہائی حیرت ہے کہ ایسی ضعیف و کمزور اور بے بنیاد حدیثوں سے رائے اور اہل الرائے کی مذمت کی جاتی اور اس پر داد تحسین حاصل کی جاتی ہے اور اپنے موقع محل پر رائے کو استعمال کرنے کی صحیح حدیثوں کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔

حضرت سہل بن حنیف (المتوفی 38ھ) فرماتے ہیں کہ :-

یاایها الناس اتهموا رائکم علی دینکم (173)

ترجمہ :- "اے لوگو! دین کے بارے میں اپنی رائے کو متہم (اور قابل اعتبار) سمجھو۔"

حضرت امام بخاریؒ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ :-

قال ابوعبدالله اتهموا رائکم یقول مالم یکن فیه کتاب ولا سنته ولا ینبغی له ان یفتیه (175)

ترجمہ :- امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اپنی رائے کو متہم سمجھو، اس کا یہ معنی ہے کہ ایسی رائے جس میں کتاب و سنت نہ ہو تو ایسی رائے پر فتویٰ دینا مناسب نہیں ہے۔

اور شراح حدیث اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ :-

ای لاتعملوا فی امر الدین بالرای المجرد الذین لایستند الی اصل من الدین ... (176)

ترجمہ :- "تم دین کے بارے میں خالی رائے پر جو دین کے کسی اصل کی طرف مستند نہ ہو عمل نہ کرو"

اور امام بخاریؒ نے اپنے صحیح میں ایک مستقل باب یوں قائم کیا ہے کہ :-

باب مایذکر من ذم الرای و تکلف القیاس -

ترجمہ :- "وہ باب کہ جس میں رائے کی مذمت اور تکلف قیاس کرنے کا ذکر ہے۔"

جو رائے کتاب اور سنت کے خلاف ہو :- شراح حدیث بیان کرتے ہیں کہ :-

ای الذی یکون علی غیر اصل من الکتاب والسنة والاجماع واماالرای الذی یکون علی اصل من هذه الثلاثة فهو محمود و هوالاجتهاد و قوله وتکلف القیاس ای الذی لایکون علی هذه الاصول لا نه ظن والظن واما القیاس الذی یکون علی هذه

الاصول فغیر مذموم و هوالاعتبار والاعتبار مامور فالقیاس مامور به و ذالک لقوله تعالیٰ فاعتبروایااولی الابصار فکان حجة ۔

ترجمہ:۔ "یعنی وہ رائے مذموم ہے جو کتاب و سنت اور اجماع کے اصول پر مبنی نہ ہو اور وہ رائے جو ان تینوں میں سے کسی اصل پر مبنی ہو تو وہ پسندیدہ ہے اور اس کو اجتہاد کہتے ہیں اور تکلیف قیاس سے ایسا قیاس مراد ہے جو ان تین اصول پر متفرع نہ ہو کیونکہ وہ نرا گمان ہے اور ایسا ظن مردود ہے اور وہ قیاس جو ان تینوں اصولوں میں سے کسی پر مبنی ہو تو مذموم نہیں اور وہ چوتھا اصل ہے جو ان تینوں سے مستنبط ہے اور قیاس کے معنی اعتبار کے ہوتے ہیں اور اعتبار مامور بہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نظر و بصیرت والو تم اعتبار کرو تو یہ اعتبار و قیاس حجت ہے"۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ:۔

من احدث رایالیس فی کتاب اللّٰہ ولم تمض بہ سنة من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یدر ماھو منہ اذالقی اللّٰہ عزوجل۔ (78)

ترجمہ:۔ جس نے کوئی ایسی رائے قائم کی جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو تو معلوم نہیں کہ جب اس کی ملاقات اللہ تعالیٰ سے ہوگی اس کا کیا حشر ہو گا؟

حضرت امام شعبی فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ جب تم سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کریں تو اس پر عمل کیا کرو۔

وما قالوہ برایھم فالقہ فی الحش۔ (79)

ترجمہ:۔ "اور جو کچھ وہ اپنی رائے سے کہیں تو تم اس کو گھاس میں پھینک دو"۔

اور ایسی مذموم رائے سے ائمہ دین گریز کرتے تھے۔ امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ امام شعبی اتباع آثار و اخبار میں بہت سخت تھے اور (محض) قیاس و رائے سے بہت منع کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ارشاد:۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حکام کو ایک خط لکھا جس میں یہ بھی تھا کہ:۔

لارای لاحدفی کتاب وانمارای الائمة فیمالم ینزل فیہ کتاب ولم تمض فیہ سنة

من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا رای لاحد فی سنة سنها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ :۔ "کتاب میں کسی کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ائمہ کی رائے ان چیزوں میں قابل اعتبار ہو گی جن میں کتاب اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روشنی نہ پڑتی ہو اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی کی رائے قابل سماعت ہی نہیں ہے۔"

ان تمام اقتباسات سے یہ ثابت ہوا کہ ایسی رائے قابل اعتبار نہیں جو کتاب و سنت سے متصادم ہے جو ان تینوں میں سے کسی اصل پر مبنی ہو اور اس کے لیے متعدد دلائل موجود ہیں جن میں ایک اجتہد برائیہی کی مذکور حدیث بھی ہے جو تصحیح محدثین کے ساتھ بحوالہ ذکر کر دی گئی ہے۔

حضرت امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی الشافعی (المتوفی 458ھ) حضرت عمرؓ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے منبر پر یہ فرمایا کہ "اے لوگو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رائے قائم کرتے تھے تو چونکہ آپ پر وحی آلہی نازل ہوتی تھی اس لیے آپ کی رائے درست ہوتی تھی اور ہماری رائے تو ظن اور تکلف ہی ہے۔ آگے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

امام بیہقی کا ارشاد :۔

فما ارادبه واللہ اعلم الرای الذی لامن مشبها باصل وفی معناه ورد ماروی سنة وعن غیره فی ذمه الرای فقد روینا عن اکثر هم اجتهاد الرای فی غیر موضع النص واللہ اعلم۔[41]

ترجمہ :۔ "اس سے واللہ اعلم ایسی رائے مراد ہے جو کسی اصل کے مشابہ اور اس پر مبنی نہ ہو اور اسی کے معنی میں ہے جو حضرت عمرؓ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات سے رائے کی مذمت میں وارد ہوا ہے۔ ہم نے اکثر کی یہ روایت بیان کر دی ہے کہ جہاں نص نہیں ہوتی تھی تو وہاں وہ رائے اور اجتہاد سے کام لیتے تھے۔"

حضرت امام بیہقیؒ کے اس واضح اور صریح قول سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ سے رائے کی مذمت کے الفاظ آئے ہوں یا کسی اور سے، اس سے مراد ہر وہ رائے ہے جو اصول (ثلاثہ کتاب و سنت و اجماع امت) میں سے کسی

اصل کے مشابہ اور اس پر متفرع نہ ہو اور جہاں نص موجود نہ ہو ایسے مقام رائے واجتہاد سے کام لینا اکثر امت سے ثابت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔ ایک جنت میں ہو گا اور وہ ایسا قاضی ہو گا جو حق کو پہچانے اور اس کے مطابق اس کا اجتہاد واقع ہو اور دو دوزخ میں جائیں گے ایک وہ جو عمداً حق کے خلاف فیصلہ کرے اور دوسرا وہ ہے:۔

اجتہد رایہ فاخطاء

ترجمہ:۔ کہ اس نے اجتہاد کیا اور اس کی رائے خطا نکلی۔

امام بیہقی اس کی تفسیر ابوالعالیہؒ (المتوفی 93ھ) سے نقل کر کے اس کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ:۔

ان الخبر ورد فیمن اجتہد رایہ و ھو من غیر اہل الاجتہاد فان کان من اہل الاجتہاد فاخطاء فیما یسوغ فیہ الاجتہاد رفع عنہ خطاء انشاء اللہ تعالٰی بحکم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث عمرو بن العاص و ابی ہریرۃ۔

ترجمہ:۔ کہ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں آئی ہے جو اپنی رائے سے اجتہاد کرے مگر اہل اجتہاد سے نہ ہو سو اگر وہ اہل اجتہاد سے ہو اور ایسی چیز میں اجتہاد کرے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے تو اس سے انشاء اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق جیسا کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے خطاء بالکل رفع ہو جائے گی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ارشاد:۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (المتوفی 43ھ) کی روایت یوں ہے:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اذا حکم الحاکم فاجتہد فاصاب فلہ اجران واذا حکم الحاکم فاجتہد فاخطاء فلہ اجر۔ (بخاری)

ترجمہ:۔ "جب فیصلہ کرنے والا اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد درست نکلے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا اور اگر اس کے اجتہاد میں خطا واقع ہو تو اس کو ایک اجر ملے گا"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت بھی انہی الفاظ کے ساتھ (مذکورہ کتب اور سنن الکبری ج 10 ص 118 وغیرہ میں) آتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اہل اجتہاد سے نہ ہو اور اجتہادی مسائل میں بحث کرتا ہو تو

وہ بھی قصور وار ہو گا لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اہل اجتہاد ہونے کا شاید ہی کوئی انکار کرے۔ دیگر علماء کی شہادتیں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مجتہد ہونے کی تو اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

نذیر حسین دھلوی کا تعریف کرنا:- لیکن غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل حضرت مولانا السید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی 1320ھ) جن کی تعریف میں مولف نتائج التقلید نے کافی صفحات لکھے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ :-

امامنا و سیدنا ابو حنیفہ النعمان افاض اللہ علیہ شابیب العفو والغفران۔ (14)

ترجمہ :- "ہمارے امام اور ہمارے سردار ابوحنیفہ نعمانؒ اللہ تعالیٰ ان پر عفو و مغفرت کی موسلادھار بارش نازل فرمائے۔"

اور پھر آگے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ :-

"ان کا مجتہد ہونا اور متبع سنت اور متقی اور پرہیز گار ہونا کافی ہے ان کے فضائل میں اور آیہ کریمہ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم زینت بخش مراتب ان کے لیے ہے۔" (15)

محمد صادق سیالکوٹی کا تعریف کرنا:- زمانہ حال کے صاحب تصنیف غیر مقلد عالم مولوی محمد صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ خدا کی توفیق اور اس کا فضل آپ کے شامل حال تھا اس کو منظور تھا کہ انہیں دنیا میں علم کا ایک خاص مرتبہ عطا کرے زمانہ کا مجتہد بنائے۔ (16)

نیز لکھتے ہیں کہ آپ کے ہمعصر لاینحل مسائل میں آپ کی طرف سے رجوع کرتے تھے علم کی خوبیوں اور بلندیوں کے سبب آپ امام اعظم کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے علم کی دولت پائی آپ کے شاگرد امامت علم کے مرتبوں کو پہنچ گئے جن میں امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ اور امام زفر بہت مشہور ہیں (17) اور لکھتے ہیں کہ آپ بڑے عابد' زاہد' خدا ترس' متقی' پرہیز گار تھے۔ دل ہر وقت خوف الٰہی سے لبریز رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور تضرع کرتے رہتے اور بہت کم بولتے تھے۔ بڑے سلیم الطبع بلند اخلاق پسندیدہ طبیعت' منکسر مزاج' ملنسار' بردبار عالم باعمل اور فرشتہ خصلت انسان تھے۔ تقویٰ اور خوف خدا آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا دیانت آپ کی مسلم تھی۔ (18)

امام ابن تیمیہ کا جواب:- شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنی لاجواب اور بے نظیر کتاب میں رافضی کا رد لکھتے ہوئے اس کا

اعتراض یوں نقل کیا ہے:۔

فصل قال الرافضی و ذھب الجمیع منھم الی القول بالقیاس والا خذ بالرای فادخلوا فی دین اللہ مالیس منہ و حرفوا احکام الشریعة واتخذ وامذاہب اربعة لم تکن فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی زمن الصحابة واھملو تاویل الصحابة مع انھم نصوا علی ترک القیاس و قالو اول من قاس ابلیس۔۔۔

ترجمہ:۔ "فصل رافضی کہتا ہے کہ سارے اہل سنت قیاس اور عمل بالرائے پر عامل ہیں اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے دین میں ایسی چیز داخل کر دی جو دین میں سے نہیں ہے اور احکام شریعت کو بدل ڈالا ہے اور چار مذہب بنا رکھے ہیں جو نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ترک قیاس کی تاکید کی ہے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا ہے"۔

قارئین کرام! اکثر غیر مقلدین حضرات نے رافضی کے اس پیش کردہ اعتراض کی تقریباً" ایک ایک جزو چرا لی ہے اور اپنے رسالوں' کتابچوں اور اخباروں میں مختلف تعبیرات سے اس کو بیان اور پیش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اس رافضی بیچارے کا جو اس طرز استدلال میں ان کا استاد ہے نام تک نہیں لیتے اور اس کو بیان کرتے وقت عوام کو لفظ لفظ سے یہ باور کرا کر داد تحسین حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں کہ یہ انہی حضرت کے فکر ثاقب کا نتیجہ ہے اور بھولے سے بھی یہ بتانے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ ہم نے یہ پیاری دلیل رافضی کے تھیلے اور پٹاری سے چرائی ہے مگر شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے رافضی کے اس اعتراض کی ایک ایک جزو کو لے کر اس کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیری ہیں اور اس طرح اس کی قلعی کھولی ہے کہ رافضی اور اس قسم کے اور معترض اس کو مدت العمر بھی رفو نہ کر سکیں مگر چونکہ یہ ایک بہت طویل بحث ہے اس لیے ہم اس کے جوابات میں سے یہاں صرف ایک ہی جواب عرض کرتے ہیں جو ہمارے مدعی کے مطابق ہے:۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے رائے اجتہاد اور قیاس ثابت ہے:۔

الوجہ التاسع قولہ الصحابة نصوا علی ترک القیاس یقال لہ الجمہور الذین یثبتون القیاس قالوا قد ثبت عن الصحابة انھم قالوا بالرای واجتہاد الرای وقاسوا کما ثبت

عنهم ذم ماذموہ من القیاس قالوا وکل القولین صحیح فالمذموم القیاس المعارض للنص۔

ترجمہ:- ''نویں وجہ یہ ہے کہ رافضی کا یہ کہنا ہے کہ حضرات صحابہ کرام ؓ نے ترک قیاس کی تاکید ہے' اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ جمہور جو قیاس کو ثابت کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ سے قول بالرای اور اجتہاد و قیاس بھی ثابت ہے جس طرح کہ ان سے قیاس کی مذمت ثابت ہے اور حضرات صحابہ کرام ؓ کے یہ دونوں قول صحیح ہیں کیونکہ ان سے جس قیاس کی مذمت آئی ہے وہ ایسا قیاس ہے جو نص کا معارض ہو۔ (اور قیاس محمود وہ ہے جو نص کے مطابق ہو۔)''

شیخ الاسلامؒ کی اس صریح عبارت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام ؓ اور جمہور امت رائے و اجتہاد اور قیاس کے قائل تھے اور جس قیاس کی مذمت کا ذکر آیا ہے وہ ایسا قیاس اور رائے ہے جو نص کے مقابلہ اور معارضہ میں ہو اور اس کے مردود ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ اور امت محمدیہ میں ایسے مردود قیاس کا قائل کون ہے؟ یہ الگ بات ہے کہ غیر مقلدین حضرات کو تعصب کی عینک استعمال کر کے رافضی کی طرح کچھ کا کچھ نظر آئے اور اہل الرائے والاجتہاد اور ان کے متبعین کو ہی ملزم گردانا جائے مگر اس سے اہل حق کا کیا نقصان؟۔

تجھے کیوں فکر ہے اے گل دل صد چاک بلبل کی
تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے

بدرالدین عینی کا ارشاد:- علامہ بدرالدین العینی الحنفی (المتوفی 777ھ) لکھتے ہیں کہ:-

وبکل حال یجوز اجتهاد الرائی للقاضی والمفتی اذالم یجد فی الحادثه نصامن الکتب والسنة لقول جماهیر السلف وائمته الفقها کمالک والا وزاعی الثوری وابی حنیفة الشافعی احمد بن حنبل وابی عبید وغیرهم واستد لواعلی ذالک بدلائل مثل کتاب عمر الی ابی موسی الاشعری و فیه اعرف الاشباه والنظائر و قس الامور برایک۔ (۱)

ترجمہ:- ''قاضی اور مفتی کے لیے بہر حال رائے اور اجتہاد سے کام لینا جائز ہے جب کہ حادثہ

میں قرآن یا سنت سے نص موجود نہ ہو اور یہی قول ہے جمہور اور سلف اور ائمہ فقہاء کا مثلاً" امام مالک، اوزاعی، ثوری، ابو حنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل اور ابو عبیدہ وغیرہ انہوں نے اس مدعی پر کئی دلائل پیش کئے ہیں۔ مثلاً" ایک یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ الاشعری ؓ کو خط لکھا اور اس میں تحریر فرمایا کہ اشباہ و نظائر کو پہچانو پھر اپنی رائے سے امور کو ان پر قیاس کرو۔

شاطبی کا ارشاد:۔ امام ابراہیم بن موسیٰ بن محمد الشاطبی المتوفی ۷۹۰ھ اپنی محقق کتاب میں حضرت عمر، حسن، مسروق اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے چند آثار رائے کی مذمت میں نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

فهذه الآثار واشباهها تشير الى ذم ايثار نظر العقل على آثار النبى صلى الله عليه وسلم و ذهب جماعة من العلماء الى ان المراد بالرائى المذموم فى هذه الاخبار البدع المحدثة فى الاعتقاد كرائى جهم وغيره من اهل الكلام لانهم قوم استعملوا قياسهم وآرائهم فى رد الاحاديث

ترجمہ:۔ "یہ اور اس قسم کے دیگر آثار اس بات کی رہنمائی کرتے ہیں کہ نظر عقل (یعنی قیاس) کو آنحضرت ﷺ کی احادیث پر مقدم کرنا مذموم ہے اور علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ ان آثار میں جن آراء مذمومہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایسے آراء ہیں جو بدعت اعتقادی کے رنگ میں گھڑ لئے گئے ہوں۔ جیسے جہم وغیرہ اہل کلام کی رائے جنہوں نے اپنے قیاس و رائے کو رد احادیث کے لیے استعمال کیا ہے۔"

پھر آگے بحث کرتے ہوئے یوں ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

وردوا السنن فى ذالک كله برايهم و قياسهم اھ

ترجمہ:۔ "اور انہوں نے اپنی بدعت اعتقادی کے اثبات کے لیے محض اپنے قیاس و رائے سے احادیث کو ٹھکرا دیا ہے۔"

اور قیاس مذموم کی اور کئی صورتیں اور محاصل بیان کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ:۔

فجميع ذالک راجع الى معنى واحد و هو اعمال النظر العقلى مع طرح السنن

اما قصدا او غلطا او جہلا والرای اذا عارض السنة فهو بدعة ضلالة

ترجمہ: "ان سب کا مفہوم ایک ہی نکلتا ہے کہ نظر عقلی (یعنی قیاس) کو استعمال کیا جائے اور اس سے احادیث کو رد کیا جائے عام اس سے کہ یہ رد قصداً ہو یا غلطا اور جہلا اور رائے جب سنت کے معارض ہو گی تو وہ خالص بدعت ضلالت ہو گی۔"

جو رائے سنت کے مقابلہ میں ہو وہ مردود ہے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ایسی رائے و قیاس جو سنت رد اور معارضہ میں ہو وہ مردود ہے اور خصوصاً" رائے و قیاس جو عقائد بدعیہ کے اثبات کے لیے ہو اور احادیث درخور اعتناء نہ سمجھا گیا ہو۔ الغرض جن حضرات سے رائے کی مذمت آئی ہے تو علماء اسلام ان کے اقوال سے یہی مذموم رائے مراد لیتے ہیں۔ باقی مشروح اور محمود و مقبول رائے کو رد اور ترک کرنا (جو قرآن و حدیث اور اجماع امت سے حاصل اور نص کے مقابلہ میں نہ ہو اور اہل الرائے والا اجتہاد نے رائے قائم کی ہو) خود بدعت ہے۔ چنانچہ علامہ الشاطبی ہی مہدی مغربی کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

و کان من رایه ترک الرائی واتباع مذاهب الظاهرية قال العلماء و هو بدعة ظهرت فی الشعريعة بعد المائتين۔

ترجمہ: "اس کی یہ رائے تھی کہ رائے ترک کر دی جائے اور وہ اہل الظاہر کے مذاہب کی پیروی کرتا تھا۔ علماء کا کہنا ہے کہ ترک رائے کا یہ نظریہ بدعت ہے جو دوسری صدی کے بعد شریعت میں ظاہر ہوئی۔"

لیجئے بات کیا نکل آئی؟ آج تو کہنے والے اہل الرائے کو بدعتی کہتے ہیں اور مولف نتائج التقلید وغیرہ نے اس پر خود دل کھول کر زہر اگلا ہے مگر یہاں تو بات یہ نکلی کہ غیر منصوص امور میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر دوسری صدی تک رائے پر عمل ہوتا رہا۔ ہاں دوسری صدی کے بعد اہل الظاہر نے شریعت میں یہ بدعت نکالی کہ رائے پر عمل نہیں کرنا چاہیے اور دوسروں کو بدعتی قرار دینے والے خود ہی بدعتی قرار پائے۔ شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا کہ:

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ترک رائے دوسری صدی کی بدعت ہے:۔ غیر مقلدین حضرات تو تقلید کو چوتھی صدی کی بدعت کہتے ہیں مگر یہاں خیر سے ترک رائے دوسری صدی کی بدعت نکلی۔

علامہ ابن عبدالبر کا ارشاد:۔ حافظ ابو عمر بن عبدالبر حضرت معاذ کی حدیث نقل کر کے اور اس کی تصحیح کر کے پھر لکھتے ہیں کہ:۔

وسائر الفقهاء قالوا في هذه الاثار وما كان مثلها في ذم القياس انه القياس على غير اصل والقول في دين الله بالظن واما القياس على الاصول والحكم لشيئ بحكم نظير فهذا امالا يختلف فيه من السلف(۱)

ترجمہ:۔ "تمام فقہا کا کہنا ہے کہ رائے مذمت کے یہ آثار اور ان کی مانند اور آثار ایسی رائے اور قیاس کو مذموم قرار دیتے ہیں جو اصل پر (متفرع) نہ ہو اور محض ظن سے اللہ تعالیٰ کے دین میں بات کہی گئی ہو۔ بہر حال وہ قیاس جو اصول پر مبنی ہو اور کسی چیز پر اس کی مثل کو دیکھ کر اس پر حکم کیا گیا تو تو اس کے جواز میں سلف میں سے کسی ایک نے اختلاف نہیں کیا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام ابو عمرؒ بن عبدالبرؒ کے عہد تک سلف میں قیاس کا منکر کوئی نہیں تھا۔ اس مقام پر سلف سے مراد وہ حضرات ہیں جو اہل السنت میں داخل ہیں۔ اہل الظاہر نے دوسری صدی کے بعد یہ بدعت نکالی ہے کہ رائے اور قیاس بلا تفصیل کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور نیز وہ لکھتے ہیں کہ:۔

فقالت طائفة الرای المذموم هوالبدع المخالفة في الاعتقاد كرائى الجهم في سائر مذاهب اهل الكلام لانهم قوم قياسهم ورائهم في ردالاحاديث اهـ (۲)

ترجمہ:۔ "ایک طائفہ نے یہ بھی کہا ہے کہ رائے مذموم وہ بدعت ہے جو اعتقاد کی صورت میں سنت کے خلاف اختیار کی گئی ہو جیسے جہم اور باقی اہل کلام کے غلط مذہب والوں کی رائے کیونکہ انہوں نے احادیث کی رد میں اپنے قیاس و رائے سے کام لیا ہے۔"

نواب صاحبؒ نے بھی رائے باطل اور رائے محمود پر کافی بحث کی ہے۔(۳)

قارئین! بحث ضرورت سے زیادہ لمبی ہوتی جا رہی ہے اور ابھی ہم نے بفضلہ تعالیٰ کچھ اور بھی عرض کرنا ہے اس لیے اس بحث کو صرف ایک حوالہ پر ہم ختم کرتے ہیں تاکہ مزید بھی کچھ عرض کر سکیں۔

قاضی محمد علی شوکانی کا ارشاد:۔ مشہور محقق و مدقق غیر مقلد عالم قاضی شوکانی (المتوفی 1255ھ) رائے محمود و مذموم کی بحث کرتے ہوئے اول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

فالعمل بالرأی فی مسائل الشرع ان کان العدم وجود الدلیل فی الکتاب و السنة فقد رخص فیه النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کما فی قوله صلی اللّٰہ علیه وسلم لمعاذ لما بعثه قاضیا بم تقضی قال بکتاب اللّٰہ قال فان لم تجد قال اجتهد رائی و هو حدیث صالح للاحتجاج به کما اوضحنا ذالک فی بحث مفرد اھ[198]

ترجمہ:۔ ''شریعت کے مسئلوں میں عمل بالرای اگر تو اس لیے ہو کہ کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں مل سکی تو اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت و رخصت دی ہے کہ جیسا کہ آپؐ کے اس قول سے ثابت ہے کہ جب آپؐ نے حضرت معاذ ؓ کو قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا کتاب اللہ کے مطابق آپؐ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں تجھے نہ ملے؟ فرمانے لگے پھر میں سنت رسول اللہ پر فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر سنت میں بھی نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟ فرمایا کہ میں اپنے رائے سے اجتہاد کروں گا اور ہم نے مفرد بحث میں اس کی بحث کی ہے کہ یہ حدیث احتجاج کے لیے صالح ہے۔''

ان تمام سابق پیش کردہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ جن آثار اور اقوال میں رائے کی مذمت کا ذکر آتا ہے وہ ایسی رائے ہے جو کتاب و سنت کی مقابلہ میں ہو اور باطل فرقوں کی طرح عقائد باطلہ اور بدعات وغیرہا کے اثبات کے لیے ہو جس سے نصوص کا رد لازم آتا ہو۔ اہل سنت اور ان میں علی الخصوص اہل الرائے اور احناف اور علماء دیو بند ایسی رائے کے ہرگز ہرگز قائل نہیں ہیں۔ ہاں مجتہد سے نادانستہ طور پر خطا سرزد ہو جائے تو وہ بات ہی الگ ہے۔ آخر مجتہد معصوم تو ہرگز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کا ارشاد:۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

واما ان نخالف حدیثا لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ثابتا عنه فارجوا ان لا یوخذ ذالک علینا ان شاء اللّٰہ ولیس ذالک لاحد ولکن قد یجهل الرجل السنة فیکون له قول یخالفها لانه تعمد خلافها و قد یغفل المرء ویخطئی فی التاویل۔[199]

ترجمہ :۔ "اور میہ کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث کی مخالفت کریں تو میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ یہ الزام ہم پر ثابت نہیں ہو سکے گا اور کسی سے بھی اس کی تحقیق نہیں ہو سکے گی۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی سنت سے جاہل ہوتا ہے اور اس میں اس کی خلاف ورزی کر جاتا ہے نہ یہ کہ عمداً وہ ایسا کرتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان غفلت کر جاتا ہے اور تاویل میں خطا کر گزرتا ہے۔"

اس عبارت میں جہاں امام اہل السنت نے اپنی صفائی پیش کی ہے ساتھ ہی ولیس ذالک الحمد فرما کر دوسروں کی صفائی بھی وہ بیان کر گئے ہیں کہ جان بوجھ کر آنحضرت ﷺ کی حدیث صحیح کی مخالفت نہ ہم نے کی ہے اور نہ کسی اور نے کی ہے۔ کسی حدیث سے غفلت و جہالت یا اس کی تفسیر و تاویل میں خطا کا سرزد ہو جانا یہ معاملہ ہی دیگر ہے۔ اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟ اس لیے رائے کی مذمت کے ایسے حوالہ جات سے غلط بحث کرنا اور مدمقابل پر ناحق رعب ڈالنا یا عوام کو مغالطہ دے کر احناف سے متنفر کرنا انصاف و دیانت کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے کیونکہ قدیماً و حدیثاً اور دانستہ کوئی حنفی اس کا مرتکب نہیں ہوا کہ نص کے مقابلہ میں محض رائے کو لے کر نص کو ٹھکرا دیا ہو۔ حدیث کے مقابلہ میں اگر کسی نص قرآنی یا کسی دوسری حدیث سے استدلال کیا ہے تو یہ بات الگ ہے اس سے انکار نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال رائے سے نہیں بلکہ نص اور حدیث سے ہے۔ ہمارے اکابر نے تصریح کی ہے کہ احادیث صحیحہ کا انکار اور نصوص کی تاویل دین کے خلاف ہے۔ چنانچہ مولانا عثمانیؒ سورہ کہف میں یاجوج ماجوج کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

"اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات دین کے خلاف ہے"۔

امام ابو حنیفہؒ پر مخالفت حدیث کا الزام :۔ کہنے کو تو یہ بات بڑی آسان معلوم ہوتی ہے کہ فلاں امام نے حدیث کی مخالفت اور انکار کر دیا ہے اور فلاں نے اپنی رائے اور تفقہ کو ترجیح دے کر حدیث کو رد کر دیا ہے اور حدیث کے خلاف عمل کیا ہے۔" مگر جب ٹھنڈے دل کے ساتھ اس کی حقیقت کو دیکھا جائے تو کسی مسلم امام کے خلاف اس کا ثبوت بڑا مشکل نظر آتا ہے۔ کہ انہوں نے بلا کسی عذر قوی کے حدیث کو ترک کیا ہو۔ مندرجہ ذیل امور پر انصاف سے غور فرمائیں۔

امام بخاری اور حدیث حسن :۔ حضرت امیرالمومنین فی الحدیث امام بخاریؒ (اور اسی طرح امام ابن العربی المالکی

(المتوفی 543ھ) حسن قسم کی حدیث کو قابل استدلال اور احتجاج نہیں تصور فرماتے۔ چنانچہ علامہ قاضی شوکانیؒ اور نواب صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

وکذا یجوز الاحتجاج بما صرح احد الائمة المعتبرین بحسنة لان الحسن یجوز العمل به عند الجمهور ولم یخالف فی الجواز الا البخاری وابن العربی والحق ما قاله الجمهور لان ادلة وجوب العمل بالاحاد و قبولها شاملة له۔[1]

ترجمہ:۔ "اور اسی طرح اس حدیث سے بھی احتجاج جائز ہے جس کو معتبر ائمہ سے کسی نے حسن کہا ہو کیونکہ جمہور کے نزدیک حسن سے استدلال جائز ہے اس میں صرف امام بخاریؒ اور ابن العربیؒ نے اختلاف کیا ہے لیکن حق بات وہی ہے جو جمہور نے کہی ہے کہ حسن حدیث سے استدلال جائز ہے کیونکہ اخبار آحاد کے واجب العمل اور ان کے قبول ہونے کے دلائل حسن کو بھی شامل ہیں۔"

علم حدیث کے ساتھ شغف رکھنے والے اور اصول حدیث و طبقات رواۃ سے آگاہ حضرات جانتے ہیں کہ سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں حدیثیں سند کے لحاظ سے حسن ہیں اور صرف ایک ہزار حسن حدیث تو امام حماد بن سلمہ سے مروی ہے۔[2] تو کیا ایسی تمام حسن قسم کی حدیثیں کتب حدیث سے چن چن کر ان کی ایک فہرست مرتب کر دینی چاہیے اور معتبر محدثین سے بحوالہ ان کا حسن ہونا نقل کر دینا چاہیے اور پھر کتابوں اور رسالوں' اخباروں اور تقریروں میں جماعتی شکل میں یہ مکروہ پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے کہ حضرت امام بخاریؒ تو اتنی حدیثوں کے منکر ہیں؟ حاشا وکلا کہ اس سے کوئی منصف مزاج اہل علم متاثر ہو کر حضرت امام بخاریؒ کے خلاف کچھ کہنے پر آمادہ ہو بس یہی کہے گا کہ چونکہ امام بخاری مجتہد تھے۔ انہوں نے اپنی دیانت اور صوابدید سے ایسا کیا ہے۔ اسی طرح اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے روایات کے بارے میں کوئی سخت اور کڑی شرط لگائی ہو جس کے فقدان کی صورت میں وہ حدیث کو قابل احتجاج و استدلال نہیں سمجھتے تو وہ کیونکر منکر حدیث اور مخالف حدیث قرار دیئے جا سکتے ہیں؟ اور ہم بحوالہ ان کی حدیث کے بارے میں کڑی شرطوں کا ذکر کریں گے۔ غیر مقلدین حضرات کو یہ بات ٹھنڈے دل کے ساتھ سوچنی چاہیے کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ اور وہ کیوں جماعتی صورت میں اس مکروہ پروپیگنڈہ میں اپنا زور صرف کر رہے ہیں۔ آخر ہم بھی۔

ہر چند اہل ضبط ہیں پر بے زباں نہیں

علامہ ابن عبد البر کا ارشاد:- حافظ ابن عبد البرؒ روایت کرتے ہیں کہ:-

عن الليث بن سعد انه قال احصيت على مالك ابن انس سبعين مسئلة لكنها مخالفة لسنة النبي صلى الله عليه وسلم مما قال فيه برايه قال ولقد كتبت اليه في ذالك قال ابو عمر ليس لاحد من علماء الامة يثبت حديثا عن النبي صلى الله عليه وسلم ثم يرده دون ادعاء نسخ عليه باثر مثله اوبا جماع اوبعمل يجب على اصله الانقياد اليه وطعن في سنده ولو فعل ذلك احد سقطت عدالته فضلا عن ان يتخذ اماما" ولزمه اثم الفسق اھ

ترجمہ:- "امام لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک بن انس کے ستر مسئلے ایسے شمار کیے ہیں جو سب کی سب سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں جن میں امام مالک نے محض اپنی رائے استعمال کی ہے اور میں نے ان کو خط کے ذریعہ اس کی اطلاع بھی دی ہے۔ امام ابو عمر فرماتے ہیں کہ علماء امت میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث کو پائے اور پھر اس کو رد کر دے بدون اس کے کہ وہ کسی ایسے ہی اثر کے ساتھ اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرے یا اجماع یا کسی ایسے عمل کے ساتھ جس کی اصل پر عمل واجب ہے۔ منسوخ ہونے کا دعویٰ کرے یا اس کی سند میں طعن کرے اگر کوئی ان وجوہ کے سوا ایسا کرے گا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور اس پر فسق کا گناہ لازم ہو جائے گا۔چہ جائے کہ اس کو امام تسلیم کیا جائے۔"

غیر مقلدین حضرات کو یہ عبارت بار بار پڑھنی چاہیے کہ امام لیث بن سعد جو چوٹی کے محدثین اور فقہاء میں شمار ہوتے ہیں اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ کیا فرما گئے ہیں؟ کہ ستر مسئلے ایسے ہیں جن میں حضرت امام مالک بن انس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی صریح مخالفت کی ہے اور یہ بات بھی انہوں نے چھپا کر نہیں رکھی بلکہ امام مالک کے ساتھ انہوں نے اس میں خط و کتابت بھی کی ہے اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ امام لیث بن سعد کے حضرت امام مالک سے اچھے خاصے دوستانہ تعلقات اور مراسم بھی تھے۔ یہ نہیں کہ انہوں نے محض

حسد اور بغض یا تعصب کی وجہ سے ان کی تحقیر کرنے کی سعی کی ہے اور نہ یوں ہی دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ (معاذاللہ) چنانچہ علامہ ذہبی نقل کرتے ہیں کہ:-

لیث بن سعد کے امام مالک سے تعلقات:-

کان الليث يصل مالکا کل سنة بمائة دينار و کتب مالک اليه ان علی دينا فبعث اليه خمس مائة دينار۔

ترجمہ:- "امام لیث بن سعد امام مالک کو سالانہ ایک سو اشرفی عطیہ دیا کرتے تھے اور امام مالک نے ان کی طرف لکھا کہ مجھ پر قرضہ ہو گیا ہے تو انہوں نے پانچ سو دینار ان کو بھیجے۔"

ایسے دوستانہ ماحول میں یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ اس میں حسد و تعصب کارفرما ہو۔ کیا اب یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا جائے کہ حضرت امام مالک کے ستر مسئلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے سراسر خلاف ہیں اور پھر ان پر فتویٰ لگانا شروع کر دیا جائے۔

اس قدر بھٹکا حیات نوع انسان کا یقین
کارواں کو اعتکو راہنما جاتا رہا

حافظ ابن عبدالبرؒ تو علمی رنگ میں جواب دے گئے ہیں کہ کوئی امام بدوں کسی معقول عذر کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ ہاں اس نے کسی حدیث یا اجماع یا قابل اطاعت عمل سے نسخ کا دعویٰ کیا ہو گا یا سند کے اندر طعن کیا ہو گا جس کی وجہ سے انہوں نے حدیث ترک کی ہو گی۔ اس چیز کو خود مجتہد ہی سمجھ سکتا ہے کوئی دوسرا بھلا کیا جان سکتا ہے؟

علامہ ابن حزمؒ کا ارشاد:- علامہ بن حزمؒ نے اپنی کتاب مراتب الدیانہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام مالک کے مؤطا میں جب مسند حدیثیں شمار کیں تو ان کی تعداد پانچ سو سے اوپر نکلی اور جب مرسل روایتیں گنیں تو وہ تین سو سے زائد نکلیں پھر آگے فرماتے ہیں کہ:-

امام مالک کی تردید ہوئی:-

وفيه نيف و سبعون حديثا قد ترک مالک لنفسه العمل بها

ترجمہ: "ان کے موطا میں ستر سے زیادہ حدیثیں ایسی ہیں جن پر خود امام مالکؒ نے عمل نہیں کیا"

حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے بیان کے مطابق تمام کتب حدیث کے پانچ طبقات ہیں۔ طبقہ اولی موطا امام مالک، بخاری اور مسلمؒ۔ تعجب ہے کہ صرف طبقہ اولی ہی نہیں بلکہ امام مالک کی خود اپنی انتخاب کردہ کتاب کی حدیثیں ستر سے زیادہ ایسی ہیں جن پر انہوں نے عمل نہیں کیا مگر کسی نے حضرت مالک کی امامت اور شان سے انکار نہیں کیا اور نہ ان کو ملعون ٹھہرایا اور اگر کوئی احمق ایسا کرے بھی تو اس کی سنتا کون ہے؟ مگر افسوس تو یہ ہے کہ دستور المبتدی کے ساتھ ساتھ بخاری شریف پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں اب علمی تحقیق رہ گئی ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

امام محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم المالکی (المتوفی) جو الامام، الحافظ اور فقیہ عصر تھے۔ جن کے بارے میں امام الائمہ ابوبکر بن خزیمہؒ المتوفی ۳۱۱ھ جو الحافظ الکبیر امام الائمۃ اور شیخ الاسلام تھے۔ فرماتے ہیں۔

ما رایت فی فقھا الاسلام عرف واقاویل الصحابۃ والتابعین من محمد بن عبداللّٰہ بن عبدالحکم۔

ترجمہ: "میں نے فقہا اسلام میں حضرات صحابہؓ اور تابعین کے اقوال کا محمدؒ بن عبداللہ بن عبدالحکم سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں دیکھا"۔

امام شافعی کی تردید ہوئی: حضرت امام شافعیؒ کے رد میں کتاب تصنیف کی ہے۔

صنف کتاب باسمہ الرد علی الشافعیؒ فیما خالف فیہ الکتاب والسنۃ

ترجمہ: "ایک کتاب لکھی جس کا نام انہوں نے رکھا ہے ایسے مسائل جن میں امام شافعیؒ نے کتاب و سنت کی مخالفت کی ہے۔"

سنت کی مخالفت کا ذکر تو رہا اپنی جگہ اس کتاب میں ابن عبدالحکم نے امام شافعی کو کتاب اللہ کا مخالف بھی ظاہر کیا ہے۔ کیا ہم ایسا ہی سمجھ لیں کہ واقعی حضرت امام شافعی نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے؟ (معاذ اللہ) یہی کہیں گے کہ تعصب مذہبی میں اگر ابن عبدالحکم نے یہ غلطی کی ہے اور یا دیانۃً اپنی فہم

کے موافق انہوں نے حضرت امام شافعی کے مسائل کو کتاب و سنت کے خلاف پایا ہے مگر ان کا ایسا سمجھنا دلائل و براہین سے سراسر غلط ہے۔ قسم بخدا انہیں (یعنی) بعموم فقہ و کرم اللہ

مولف نتائج التقلید نے امام وکیع بن الجراح کو حنفیت اور تقلید کے دائرہ سے خارج کرنے کے لئے عجیب قسم کے پاپڑ بیلے ہیں۔ یہ بحث تو انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آئے گی کہ امام وکیع بن الجراح مقلد تھے یا غیر مقلد؟ حنفی تھے یا غیر حنفی؟ یہاں ان کا اعتراض خود ان کے الفاظ میں سن لیجئے اور پھر اس کا جواب بھی ملاحظہ کر لیجئے لکھتے ہیں۔

کیونکہ تاریخ بغداد وغیرہ میں ہے۔ ذکر الساجی انا ابو سائب قال سمعت وکیع بن الجراح یقول وجدت ابا حنیفة خالف مائتی حدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابو سائب کہتے ہیں میں نے وکیع ایسے جلیل القدر امام حدیث کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنی نظر میں کم از کم امام ابو حنیفہؒ کو دو سو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرنے والا پایا ہے۔

شبیر احمد عثمانی کا سوال :- فتح الملہم شرح صحیح مسلم کے ص 71 پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ کاش کہ دو سو احادیث میں سے کسی ایک حدیث سے انکار کا حوالہ و ثبوت ذکر ہوتا۔

اور حاشیہ پر لکھا ہے کہ

اگر مصنف ابن ابی شیبہ کا ردعلی حنیفةؒ (؟) دیکھ لیتے تو یہ کہنے کی جرات نہ ہوتی۔"

ان عبارات سے مولف مذکور کا اصل مدعٰی تو صرف اس قدر ہے کہ امام وکیع بن الجراح کیونکر مقلد اور حنفی ہو سکتے ہیں جب کہ وہ کم از کم دو سو روایات میں امام ابو حنیفہؒ کو مخالفت حدیث بتا رہے ہیں یہ معلوم نہیں کہ مولف نے کم از کم کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے۔ عبارت عربی میں تو کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا ترجمہ کم از کم ہو۔ مگر خیر ہماری بحث ہے۔ اب یہاں مرکزی نقطے دو ہیں۔ 1- کہ بقول امام وکیع بن الجراح امام ابو حنیفہؒ نے کم از کم دو سو حدیث کی مخالفت کی ہے۔ 2- عثمانی صاحب تو ایک حدیث کے متلاشی ہیں مگر مصنف ابن ابی شیبہ میں امام ابو حنیفہؒ کے رد میں مستقل جزو موجود ہے۔

پہلی شق کا جواب مولف مذکور کا اس سے استدلال چند وجوہ سے باطل ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں

السانی ہے۔ علامہ ذہبی ان کے بارے میں امام ابو الحسن بن القطان سے نقل کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کی توثیق
اور بعض نے ان کی تضعیف کی ہے۔

امام ابوبکر رازی نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ:-

انه ليس بمامون ولا ثقة اهـ

ترجمہ:- نہ وہ مامون ہے اور نہ ثقہ

اور یہ تصریح بھی ان کے متعلق موجود ہے کہ:-

كان وقاعا يتفرد بمنا كير عن مجاهيل بادى التعصب قال ابن القطان و ثقه قوم وضعفه آخرون و كلام ابن حبان فى رواية البخيرمى مذكور فى انساب ابن سمعانى۔

ترجمہ:- "وہ لوگوں کی پگڑیاں اچھالا کرتے تھے اور مجہول راویوں سے منکر روایتیں بیان کرنے سے متفرد ہوتے تھے۔ ان کا تعصب بالکل ظاہر ہے۔ ابن قطان کہتے ہیں کہ ایک قوم نے ان کو ثقہ اور دوسروں نے ان کو ضعیف کہا ہے اور ابن حبان کا کلام بخیری کی روایت سے کتاب الانساب علامہ ابن سمعانی میں مذکور ہے۔"

اگر ہم ان کی تضعیف سے صرف نظر بھی کر لیں جیسا کہ ابن حجر کی رائے ہے۔ تب بھی ان کا تعصب خصوصیت سے احناف کے بارے میں چھپی ڈھکی بات نہیں ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسے متعصب کی روایت کیونکر قبول ہو سکتی ہے؟

تاج الدین سبکی کا ارشاد:- امام تاج الدین سبکی الشافعی (المتوفی ۷۷۱ھ) ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ:-

بل الصواب عندنا ان من ثبت امامته و عدالته و كثر مادحوه و مذكوه وندر جارحوه وكانت هناك قرينة دالة على سبب جرحه من تعصب مذهبى او غيره فانا لا نلتفت الى الجرح فيه و نعمل فيه بالعدالة والا لو فتحنا هذا الباب او اخذنا تقديم الجرح على اطلاقه لما سلم لنا احد من الائمة اذما من امام الا وقد طعن فيه طاعنون وهلك فيه هالكون اهـ ۲۱۵

ترجمہ :- "بلکہ درست بات ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جس کی امامت و عدالت ثابت ہو اور اس کی مدح اور صفائی بیان کرنے والے زیادہ ان پر جرح کرنے والے کم ہوں اور وہاں کوئی قرینہ بھی موجود ہو جو دلالت کرتا ہو کہ جرح تعصب مذہبی وغیرہ کی وجہ سے ہے تو ہم اس کے بارے میں جرح کو قابل التفات نہیں سمجھیں اور ہم ان کو عادل ہی کہیں گے۔ ورنہ اگر ہم یہ دروازہ کھول دیں یا ہم جرح کو علی الاطلاق مقدم سمجھیں تو آئمہ میں سے کون بچ سکتا ہے؟ کیونکہ کوئی امام ایسا نہیں جس میں طعن کرنے والوں نے طعن نہ کیا ہو یا ان میں ہلاک ہونے والے ہلاک نہ ہوئے ہوں۔"

پھر اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں۔

ولکن نری ان الضابط مانقوله من ان ثابت العدالة لایلتفت فیه الی قول من تشهد القرائن بانه متحامل علیه اما التعصب مذهبی او غیره اھ/ ۱۱۰

ترجمہ :- "لیکن ضابطہ یہ ہے جو ہم کہہ رہے ہیں کہ جس کی عدالت ثابت ہو اس کے بارے میں اس شخص کی بات قابل التفات ہی نہیں جس سے متعلق قرائن یہ شہادت دیتے ہوں کہ وہ زیادتی یا تعصب مذہبی وغیرہ کی وجہ سے الزام قائم کرتا ہے۔"

ان ٹھوس اقتباسات کے پیش نظر تعصب مذہبی کے تحت کلام کرنے والے الساجی ہوں یا کوئی اور ہو۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں کلام کریں یا کسی اور امام کے بارے میں جن کی امامت و عدالت ثابت ہو چکی ہو اور ان کی مدح و تعریف بیان کرنے والے زیادہ اور جرح کرنے والے کم اور متعصب ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

وثانیاً" اگر امام وکیع بن الجراح کی یہ روایت صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے جب انہوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسائل کو بغور نہیں دیکھا ہو گا یہ رائے قائم کی ہو گی مگر جب نظر دقیق کے ساتھ ان کے بیان کردہ مسائل کا جائزہ لیا ہو گا تو ان کی رائے بدل گئی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بالآخر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ایسے گرویدہ ہو گئے تھے کہ انہوں نے ان کی تقلید کو اپنے گلے کا ہار بنا لیا تھا اور انہی کے قول اور رائے پر فتوی دیا کرتے تھے۔ اگر واقعی امام وکیع بن الجراح کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ نے بقول مولف نتائج التقلید کم از کم دو سو حدیث کی مخالف کی ہوتی تو وہ کبھی ان کی تقلید نہ کرتے اور نہ ان کی رائے پر فتوی دیتے۔ دو سو حدیث کی مخالفت تو

بہت بڑی چیز ہے۔ **اگر بالفرض امام ابو حنیفہؒ کسی ایک ہی صحیح اور صریح حدیث کے مخالف ہوتے تو بھی امام وکیع بن الجراح جیسے پختہ کار محدث** بھی ان کی مدح و توصیف نہ کرتے اور نہ ان کی تقلید کرتے۔

و ثالثاً علامہ خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ ابن کرامہ (محمد بن عثمان بن کرامہ المتوفی 256ھ **ابو حاتم** فرماتے ہیں کہ **صدوق تھے** اور امام بخاریؒ نے اپنے صحیح میں ان سے احتجاج کیا ہے[1] محدث مسلمہ **فرماتے ہیں** کہ وہ ثقہ ہے۔ ابن حبان **کو ثقات** میں لکھتے ہیں۔ بخاریؒ میں ان کی چار روایتیں ہیں۔[2]) روایت کرتے ہیں کہ:-

قال کنا عند وکیع یوما فقال رجل اخطاء ابو حنیفہؒ فقال وکیع کیف یقدر ابو حنیفہؒ یخطی و معہ مثل ابی یوسف و زفر فی قیاسہما و مثل یحییٰ بن ابی زائدہ و حفص بن غیاث و حبان و مندل فی حفظہم الحدیث والقاسم بن معن فی معرفتہ باللغۃ والعربیہ و داؤد الطائی و فضیل بن عیاض فی زھد ہما وور عہا من کان ھولاء جلساءہ لم یکد یخطی لانہ ان خطا ردوہ۔[3]

وکیع بن الجراح نے امام صاحب کی تعریف کی:-

ترجمہ:- ہم ایک دن وکیع کی مجلس میں تھے کہ ایک شخص نے کہا ابو حنیفہ نے خطا کی ہے۔ امام وکیع نے فرمایا یہ کیسے فرض کیا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے خطا کی ہے۔ جب کہ ابو یوسف اور زفر جیسے قیاس دان اور فقیہ اور یحییٰ بن ابی زائدہ' حفص بن غیاث' حبان اور مندل جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معن جیسے لغت اور عربی کے ماہر اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد اور متقی ان کے ہم مجلس ہوں۔ اندریں حالات امام ابو حنیفہؒ کی خطا کیونکر تسلیم کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ان کی موجودگی میں اگر وہ خطا کرتے تو وہ ان کو راہ راست کی طرف لوٹا دیتے۔

یہ روایت امام ابن حجر مکی مولیٰ طاش کبری زادہ اور حضرت ملا علی القاریؒ نے بھی نقل کی ہے اور ان کی روایات کے آخر میں یوں ہے کہ:-

وان اخطاء ردوہ الی الحق (وفی روایۃ للحق)۔[4]

ترجمہ:- "کہ اگر امام حنیفہ خطا کرتے تو یہ حضرات ان کو حق کی طرف لوٹا دیتے۔"

علامہ الخوارزمی الحنفی (المتوفی ۶۶۵ھ) یہ پوری روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-

ثم قال وکیع رحمہ اللہ والذی یقول مثل ھذا کالانعام بل ھم اضل-[221]

ترجمہ:- "پھر امام وکیع نے فرمایا کہ جو شخص امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں یہ کہتا ہے تو وہ جانوروں کی مانند یا ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہے-"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم امام وکیع بن الجراح کے اس بیان کے ساتھ ایک اور ضروری بحث بھی عرض کر دیں جس کی وجہ سے دیگر غیر مقلدین حضرات کی طرح مولانا مبارک پوری صاحب اور مولف نتائج التقلید وغیرہ حضرات کو خاصی غلط فہمی ہوئی ہے- چنانچہ مولف نتائج التقلید امام وکیع بن الجراح کو حنفیت کے زمرے سے خارج کرنے اور امام ابو حنیفہؒ کا مخالف بتانے کے سلسلہ میں ترمذی شریف[222] کی عبارت نقل کر کے یوں ترجمہ کرتے ہیں، ہم انہی کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں-

"حضرت وکیع اشعار کی حدیث بیان کرتے وقت فرمایا کرتے تھے کہ شعر سنت ثابتہ اور اہل الرائے کوفہ والوں کا قول بدعت ہے لہٰذا ان کے قول باطل کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے- ابو سائب کہتے ہیں کہ ہم حضرت وکیع کی مجلس میں موجود تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ تو اشعار کو مثلہ قرار دیتے ہیں اور مثلہ ہونے کی دلیل میں ابراہیم نخعی اپنے دادا استاد کا قول پیش کرتے ہیں- پس حضرت وکیع اس شخص کا یہ جواب سن کر انتہائی جوش غضب میں فرمانے لگے کہ تیرے جیسے نالائق و منکر سنت کی ادنیٰ سزا یہ ہے کہ تجھے قید کیا جائے اور جب تک تو اپنے اس قول و عقیدہ بد سے توبہ نہ کرے تجھے قید سے نہ نکالا جائے- دو سو حدیث کی مخالفت سے بطور نمونہ ایک صریح صحیح خلاف و انکار کی مثال آپ کے سامنے ہے"-[223]

مولف نتائج التقلید اور ان کے ہمنوا ساتھیوں کا اس سے استدلال بچند وجوہ مردود ہے- اولا اس لیے کہ اس حکایت ہی میں خاصا کلام ہے جس کی مبسوط بحث علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی (المتوفی 779ھ) نے کی ہے-[224]

وثانیا" امام وکیع بن الجراح نے اس ساری عبارت میں امام ابو حنیفہؒ کی شان کے خلاف کوئی ہلکا سا جملہ بھی استعمال نہیں کیا اور اہل کوفہ میں صرف امام ابو حنیفہؒ ہی نہیں بلکہ امام ثوری وغیرہ بے شمار حضرات شامل ہیں جیسا کہ مولانا مبارک پوری صاحب نے اس کی تصریح کی ہے اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور سائل نے جب حدیث کے خلاف ابراہیم کا حوالہ دیا تو اس پر حضرت وکیع بن الجراح برہم ہوئے لیکن امام ابو حنیفہؒ کا نام ادب سے پھر بھی نہیں

لیا۔ اس لئے اس عبارت سے مطلق اور نص کے طور پر امام ابو حنیفہؒ کی تنقیص ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔

و **ثالثاً** امام طحاوی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس ؓ سے اشعار اور ترک اشعار دونوں میں اختیار نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ فعل سنت موکدہ نہ تھا بلکہ محض اباحت اور استحباب کے درجہ میں تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی مطلق اشعار کے ہرگز منکر نہ تھے بلکہ اس اشعار کے منکر تھے۔ جو ان کے زمانہ میں لوگ بے احتیاطی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علم الناس بمذهب ابی حنیفه () امام طحاوی نے اس کی تصریح کی ہے کہ :۔

فقال لم يكره ابو حنيفة اصل الاشعار وانما كره مايفعل على وجه يخاف منه بلاك البدن سراية الجرح لاسيما مع الطعن بالشفرة فارد سدالباب عن العامة لانهم لايراعون الحد في ذالك۔

ترجمہ :۔ "امام ابو حنیفہؒ اصل اشعار کو مکروہ نہیں کہتے بلکہ اس اشعار کو مکروہ کہتے ہیں جو ایسے طریق پر کیا جاتا تھا جس سے قربانی کے جانوروں کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہوتا تھا جب کہ زخم سرایت کر جاتا اور خصوصاً چھری سے زخم کرتا تو امام صاحب نے سد ذرائع کے طور پر اس سے منع کیا کیونکہ عوام اس کی رعایت نہیں رکھ سکتے تھے۔"

اور امام صاحب کا یہی مذہب امام ابو منصور ماتریدی (المتوفی 333ھ) علامہ حصکفی اور ابن عابدین **(وغیرہ)** نے بھی نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ :۔

ويتعين الرجوع الى ماقال الطحاوى فانه اعلم من غيره باقوال اصحابه۔ (فتح)

ترجمہ :۔ "طحاوی نے جو کچھ کہا ہے اسی کی طرف رجوع کرنا متعین ہے کیونکہ وہ اپنے اصحاب کے قول کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔"

اشعار کے مسئلہ میں سب سے زیادہ لے دے حضرت امام ابو حنیفہؒ پر علامہ ابن حزم نے کی ہے۔ **لیکن** حافظ ابن حجر نے ان کا قول نقل کر کے آخر میں یہی لکھا ہے کہ امام طحاوی کے قول کے مقابلہ میں کسی اور کی **بات** تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ باقی یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ نے تو اشعار کا حکم دیا ہے۔ ہلاکت اور غیرہلاکت کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ تو بلاشک ایسا ہی ہے مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی دیگر صحیح اور صریح روایات جانوروں پر **تعدی** کرنے

سے منع کرتی ہیں۔ اہل عرب کے پاس اونٹ بھی زیادہ تھے اور وہ سنت کے مطابق اشعار کا طریقہ بھی بخوبی جانتے تھے۔ بخلاف اکثر اہل عجم کے جن کی بے اعتدالی کو دیکھ کر امام صاحب نے اس غلو کو مکروہ کہا ہے۔

الغرض امام ابو حنیفہؒ کا غلو فی الاشعار کو بدعت کہنا اور چیز ہے اور نفس اشعار تسلیم کرنا الگ بات ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا ارشاد:- اس کی مثال ایسی ہی سمجھیے جس طرح کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لوگوں کے مسجد میں صلوۃ الضحی (چاشت کی نماز) پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ:-

بدعۃ 222

ترجمہ:- "یہ بدعت ہے"۔

امام نووی الشافعی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

ان مراده ان اظهارها فی المسجد والاجتماع لها هو البدعة لا ان صلوة الضحی بدعة 223

ترجمہ:- "ان کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظاہر کر کے پڑھنا اور اس کے لیے اجتماع کرنا یہ بدعت ہے نہ یہ کہ نفس صلوٰۃ الضحی ہی بدعت ہے۔"

اور اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ بعض چیزیں باوجود سنت ہونے کے جب ان کے ساتھ مزید غیر شرعی قیود شامل ہو جائیں تو وہ بدعت ہو جاتی ہیں۔

درابعا اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ امام وکیعؒ بن الجراحؒ نے اپنے فہم کے مطابق اشعار کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے قول کو رد کر دیا ہے تو اسے یہ کیونکر لازم آتا ہے کہ وہ کلی طور پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مخالف تھے یا ان کے مقلد نہ تھے؟ اس امر کی تاریخی طور پر سیکڑوں مثالوں سے قطع کرتے ہوئے صرف اسی پر نگاہ جمایئے کہ کیا حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں اصولاً حنفی نہ تھے۔ مگر بیسیوں مسائل میں انہوں نے امام ابو حنیفہ سے اختلاف رائے کیا اور ان کے خلاف دلائل پیش کئے ہیں کیا اس طریق سے وہ حنفیت سے خارج ہو گئے تھے؟ مولانا مبارک پوری صاحبؒ کا یہ کہنا کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ امام ابو حنیفہ کے مقلد اور حنفی نہ تھے۔ محض تسکین قلب کا سامان ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ترمذی کی اشعار والی عبارت سے امام ابو حنیفہ کا مخالف سنت ثابت کرنا اور امام وکیعؒ بن

الجراحؒ کو ان کا مخالف قرار دینے کر ان کے حلقہ تقلید سے خارج کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ نہ تو حضرت امام ابو حنیفہ؁ کسی صحیح حدیث کے منکر تھے اور نہ امام وکیعؒ بن الجراحؒ غیر مقلد تھے بلکہ وہ پکے حنفی تھے مگر اسی طرح جس طرح کہ اہل علم تقلید کیا کرتے تھے۔

دوسری شق کا جواب: بلاشبہ امام کبیر ابوبکر عبداللہؒ بن محمدؒ بن ابی شیبہؒ (المتوفی 235ھ) نے اپنے مصنف میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کا عنوان یہ ہے:-

هذا ما خالف به ابو حنيفه . الاثر الذي جاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

ترجمہ:- کہ یہ وہ باب ہے جس میں یہ بیان کیا جائے گا کہ ابو حنیفہ؁ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت کی ہے۔

اس باب میں انہوں نے بزعم خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ ایک سو پچیس مسائل میں امام ابو حنیفہ؁ نے احادیث و آثار کی مخالفت کی ہے لیکن اس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ امام ابن ابی شیبہؒ نے اپنی فہم سے جو کچھ احادیث سے سمجھا ہے امام ابو حنیفہ؁ کے فقہ کو اس سے متصادم پاتے ہوئے حدیث کی مخالفت کی بھیانک شکل میں پیش کیا ہے۔ بالفاظ دیگر ان دونوں بزرگوں کے درمیان تفقہ اور اس کے طریق کار کا اختلاف ہے۔ گویا یوں کہہ لیجئے کہ امام ابو حنیفہ؁، امام ابن ابی شیبہؒ کے فقہی مذہب کے خلاف ہو گئے۔ (معاذاللہ) اور اس سے بڑھ کر اس کی اور کوئی حقیقت نہیں۔

بس اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

بعینہ یوں سمجھیے جس طرح امام لیثؒ بن سعدؒ نے امام مالکؒ کو ستر حدیثوں کا مخالف بتایا ہے اور علامہ ابن حزمؒ نے ان کو ستر سے زائد حدیثوں کا تارک گردانا ہے یا جس طرح امام ابن عبدالحکمؒ نے حضرت امام شافعیؒ کو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف گردانا ہے۔ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ائمہ دین جن پر عالم اسباب میں علوم شریعت کا انحصار ہے

یہ یاد رہے کہ امام ابن ابی شیبہؒ کے جواب میں بہت سے علماء اسلام نے تردیدی کتابیں لکھی ہیں جن میں

خصوصیت سے مندرجہ ذیل حضرات کی کتابیں قابل ذکر ہیں:۔

1- حافظ عبدالقادر القرشی الحنفیؒ مؤلف الجواہر المضیئہ' ان کی کتاب کا نام الدر رالمنیفنہ فی الرد علی ابن شیبنہ فی مالور دہ علی ابی حنیفتہ ہے۔

2- حافظ حدیث اور فقیہ وقت قاسمؒ بن قطلوبغا الحنفیؒ المتوفی 879ھ) جن کو حافظ ابن حجرؒ باوجود استاد ہونے کے ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ الامام العلامہ المحدث الفقیہ اور الشیخ الفاضل المحدث الکامل الاوحد۔ ان کی کتاب کا نام الاجوبنہ المنیفنہ عن اعتراضات ابن ابی شیبتہ علی

3- محمد زاہد کوثری الحنفی (المتوفی 1372ھ) ان کی تالیف کا نام النکت الطریفنہ فی التحدث عن ردو د ابن ابی شیبتہ علی ابی حنیفتہ ہے۔

غرضیکہ حضرت امام ابو حنیفہ نے نہ تو حدیث اشعار کا انکار اور مخالفت کی ہے اور نہ کسی ایسی حدیث کی جو ان کی عائد کردہ شرطوں کے مطابق ہے' ان پر ان کا حدیث یا مخالفت حدیث کاالزام بالکل بے بنیاد اور محض و خالص افتراء ہے۔ ہاں چونکہ وہ مجتہد ہیں اس لیے یہ تو ممکن ہے کہ کسی شرط کے عائد کرنے میں غلطی کر گئے ہوں جس طرح کہ حضرت امام بخاریؒ نے حدیث حسن کو قابل استدلال نہیں گروانا۔ حالانکہ گزر چکا ہے کہ ان کا یہ نظریہ بغیر ابن العربیؒ کے اور تمام متقدمین و متاخرین کے خلاف ہے' مگر اس سے ان کی دیانت پر کیا اثر؟ اور اسی طرح فقہی اور معنوی طور پر خطائے اجتہادی نہ تو قابل انکار چیز ہے اور نہ قابل گرفت صحیح' صریح اور مرفوع روایت سے گزر چکا ہے کہ مجتہد بصورت خطا بھی ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے اور اس پر کوئی گرفت نہیں ہوتی' بقول شخصے۔

اس کے الطاف بہت ہیں کہ گنہگار بہت

مخالفت حدیث کی ایک نفیس بحث (خود حدیث نبویؐ کے تناظر میں)

اس مقام پر اصولی طور پر یہ بحث بھی بھلی معلوم ہوتی ہے کہ مخالفت حدیث کا مفہوم کیا ہوتا ہے؟ کیا ہر مقام پر مخالفت سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی مخالفت مراد ہوتی ہے یا ان الفاظ کے اندر جو معنی اور مدلول پنہاں ہوتا ہے' اس کی مخالفت بھی مراد ہوتی ہے؟ اور اگر کوئی شخص آپ کے ظاہری الفاظ کی تو مخالفت کرتا ہے لیکن ان کے اندر جو معنی مستنبط ہوتا ہے اس کی اطاعت کرتا ہے جو بظاہر لفظوں سے متبادر نہیں ہوتا تو کیا اس شخص کو مخالفت حدیث کا ملزم قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی چیز سے منع فرمایا ہے تو کیا ہر مقام پر اس منع اور نہی سے حرمت اور کراہت تحریمہ ہی مراد ہو گی یا اس سے ترک اولیٰ اور کراہت تنزیہہ بھی مراد ہو سکتی ہے؟ اور اگر آپ نے کوئی حکم ارشاد فرمایا ہے تو کیا ہر مقام پر وہ امر اور وجوب ہی کے لئے ہو گا یا کہیں محض ارشاد اور مشورہ کے لئے بھی ہو سکتا ہے' جس کا نہ ماننے والا عاصی اور نافرمان نہیں کہلایا جا سکتا؟ ہم نہایت اختصار کے ساتھ صحیح احادیث سے ان امور پر روشنی ڈالتے ہیں' غور فرمائیں۔ صرف گیارہ مثالوں پر اکتفا کیا جا

-۲-

حدیث 1:- حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر (جب کہ یہود بنی قریظہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف انتہائی ریشہ دوانی کرنے کے بعد مدینہ طیبہ سے چند میل دور قلعہ بند ہو گئے تھے) یہ ارشاد فرمایا کہ فوراً" بنو قریظہ کے پاس پہنچو اور

لایصلین احد العصر الا فی بنی قریظۃ فادرک بعضھم العصر فی الطریق فقال بعضھم لانصلی حتٰی ناتیھا وقال بعضھم بل نصلی لم یرد منا ذالک فذکر ذالک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یعنف واحدا منھم۔231

ترجمہ:- تم میں سے کوئی ایک شخص بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں جا کر چنانچہ راستہ میں ان میں سے بعض پر عصر کی نماز کا وقت آ گیا۔ ان میں سے کچھ حضرات نے کہا کہ ہم تو

بنی قریظہ ہی میں جا کر نماز پڑھیں گے اور بعض دیگر نے کہا کہ ہم تو نماز یہاں ہی پڑھیں گے کیونکہ ہم سے یہ تو طلب نہیں کیا گیا کہ ہم نماز نہ پڑھیں انہوں نے نماز پڑھ لی۔ جب آپ کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو آپ نے کسی کو ملامت نہ کی۔

ان میں سے ایک گروہ نے معنی مراد کو ملحوظ رکھ کر عصر کے وقت نماز پڑھ لی اور دوسرے گروہ نے ظاہری الفاظ کو دیکھا اور نماز عصر عشاء کے بعد بنو قریظہ پہنچ کر پڑھی۔ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ پہلا گروہ وہ فقیہ تھا اور وہ دوہرے اجر کا مستحق ہوا اور دوسرا گروہ معذور بلکہ ماجور تھا مگر ایک اجر کا وہ بھی مستحق ہوا۔

تعجب ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی جو نون تاکید ثقیلہ کے ساتھ ہے اور لفظ احد جو نکرہ ہے نہی کے نیچے داخل ہو کر استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ جس سے کوئی فرد مستثنیٰ نہیں مگر بایں ہمہ حضرات صحابہ کرامؓ کا ایک گروہ ظاہری الفاظ کے خلاف عمل کرتا ہے اور وہ پھر بھی قابل ملامت نہیں ٹھہرتا بلکہ ماجور ہوتا ہے اور اجر بھی دوہرا اور مفہوم کو وہ لفظوں کے اندر چھپا ہوا پاتا ہے ظاہری الفاظ میں تو اس کی کہیں بو تک محسوس نہیں ہوتی' چاہیے تو یہ تھا کہ ان حضرات کو مخالف حدیث گردانا جاتا اور آپ کی صریح نہی کا (جو ان کے حق میں قطعی تھی کیونکہ ان کو یہ حکم بالمشافہ ملا تھا) مخالف' قرار دے کر قابل ملامت سمجھا جاتا' مگر ایسا نہیں ہوا' سوچئے کیوں؟ اور جس گروہ نے ظاہری الفاظ دیکھے اور انہی پر عامل ہوا اور عصر کی تاکیدی نماز کو قضا کر دیا تو ایک اجر وہ بھی مستحق رہا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

قال السهيليؒ وغيره فى هذا الحديث من الفقه انه لا يعاب على من اخذ بظاهر حديث او اية وعلى من استنبط من النص معنى يخصصه [236]

ترجمہ:۔ امام سہیلیؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے جو فقہ حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی حدیث یا آیت کے ظاہر پر عمل کیا تو ان پر کوئی عیب نہیں اور ان لوگوں پر بھی کوئی عیب نہیں جنہوں نے نص سے کوئی معنی استنباط کیا جو اس کو مخصص کرتا ہو۔

اگر مخالفت حدیث کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ کی مخالفت ہو اور معنی مستنبط کو نظر

انداز کر دیا جائے تو یہ ضرور مخالفت ہو گی ورنہ یہ عمل بالحدیث ہی ہو گا جو کسی طرح قابل ملامت نہیں ہے۔

2۔ آنحضرت ﷺ کی لونڈی حضرت ماریہؓ کو منافقین کے ایک گروہ نے ان کے چچا زاد بھائی حضرت مابورؓ سے متہم کر دیا۔ یہ خبر اس انداز سے پھیلی کہ خود آنحضرت ﷺ کو بھی اس خبر کا یقین آ گیا اور کچھ قرائن اور شواہد بھی ایسے تھے جن کی وجہ سے آپ کا یہ یقین بے جا نہ تھا۔ آپ نے غیرت میں آ کر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مابورؓ کو جہاں ملے جا کر قتل کر دو' آپ کے الفاظ یہ ہیں کہ:۔

اذھب فاضرب عنقه (1)

ترجمہ:۔ جا اور جا کر اس کی گردن اڑا دے۔

حضرت علیؓ گئے تو دیکھا کہ وہ ایک کنوئیں میں پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھا ہے' اس کو جو وہاں سے کھینچا تو اس کشاکش میں اس کا تہ بند کھل گیا۔ حضرت علیؓ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ:۔

لم یخلق اللہ له ماللرجال۔ (2)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے فطرتاً اس کا آلہ ہی پیدا نہیں کیا۔

اور امام مسلمؒ کے الفاظ میں یہ ہیں کہ:۔

وانه لمجبوب ماله ذکر۔ (3)

ترجمہ:۔ وہ مجبوب و نامرد تھا اس کا سرے سے آلہ تناسل ہی نہ تھا۔

حضرت علیؓ نے جب یہ محسوس کیا کہ اس شخص میں قتل کرنے کی وہ علت ہی نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر مجھے دربار رسالت سے حکم ملا تھا' تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اس ظاہری حکم کی تعمیل نہ کی اور واپس جا کر آپ سے یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

الشاھد یری مالا یری الغائب۔ (4)

ترجمہ:۔ حاضر وہ کچھ دیکھ سکتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا۔

آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا صریح اور بالمشافہ حکم اور وہ بھی تعزیر حد کی مد کا جس میں

بحکم خداوندی کسی نرمی اور رافت کی کوئی گنجائش ہی نہیں کیا درجہ رکھتا ہے؟ مگر حضرت علیؓ اس حکم کی تعمیل کرنے سے اپنے آپ کو قاصر پاتے ہیں اور دربار نبوت سے بجائے ملامت اور سرزنش کے وہ اس ترک حکم پر داد تحسین حاصل کرتے ہیں۔ اب کیا کہا جائے کہ حضرت علیؓ آپ کے اس حکم اور حدیث کی مخالفت کی وجہ سے منکر اور مخالف حدیث ہیں؟ حاشا وکلاء کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

حدیث 3:۔ حضرت علی ؓ ہی کی ایک روایت میں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:۔

فان امته الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زنت فامرنی ان اجلد ھا فاذا ھی حدیث عھد بنفاس فخشیت ان انا جلدتھا ان اقتلھا فذکرت ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال احسنت۔ (مسلم)

ترجمہ:۔ آنحضرت ﷺ کی ایک نوکرانی نے زنا کیا۔ مجھے آپ نے فرمایا کہ جا کر اس کو کوڑے لگا دو، میں گیا تو دیکھا کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے، مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے اس کو سزا دی تو کہیں وہ مر ہی نہ جائے میں بغیر سزا دیئے واپس آپ کی خدمت میں پہنچا اور سارا قصہ سنا دیا۔ آپؐ نے فرمایا تو نے اچھا کیا ہے۔

غور فرمایئے کہ آپ کا ظاہری حکم مقید اور مشروط نہ تھا، لیکن حضرت علیؓ نے جو فقہائے صحابہؓ میں شمار ہوتے ہیں اپنے تفقہ واجتہاد سے یہ سمجھا کہ آپ کا حکم در حقیقت مشروط ومقید ہے۔ بایں شرط کہ وہ لونڈی ہلاک نہ ہو جائے اور زچگی کی حالت میں سزا دینا ہو سکتا ہے کہ اس کی موت پر منتج ہو اس لیے انہوں نے کوئی سزا نہ دی اور واپس چلے آئے۔ آپ نے یہ سن کر بجائے اس کے کہ ان کو عصیاں اور روگردانی کے داغ سے داغدار کرتے الٹا ان کی تائید وتصویب اور تحسین فرمائی احسنت کہ تو نے اچھا کیا۔ برعکس اس کے اگر اس حالت میں حضرت علیؓ اس کو کوڑے لگا دیتے تو آپ کے ظاہری حکم کی تعمیل کی وجہ سے بہت ممکن ہے کہ وہ معتوب ٹھہرتے۔ اس ایک ہی واقعہ سے بہت سے اجتہادی، قیاسی اور فروعی مسائل جو بظاہر بعض احادیث کے ظاہری الفاظ کے مخالف نظر آتے ہیں خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ ہاں مگر مجتہد میں تفقہ واجتہاد

کا ملکہ ہونا ضروری امر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کشتی تفقہ کا پانچواں سوار ہی یہ دعوے کر بیٹھے۔
سچ ہے کہ:۔

ترے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرار دیں ساقی
ہوا علم الیقیں، حق الیقیں، عین الیقیں ساقی

حدیث 4:۔ حضرت براءؓ بن عازبؓ (المتوفی 71ھ) کی ایک طویل حدیث میں، جس میں انہوں نے صلح حدیبیہ کے پورے حالات کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس میں یہ مضمون بھی آتا ہے کہ بالآخر جب آنحضرت ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان معاہدہ ہوا تو آپ نے عہدہ نامہ پر اپنے کاتب حضرت علیؓ سے یہ الفاظ بھی لکھوائے کہ هذا ماقضی علیہ محمد رسول اللہ یعنی یہ وہ عہد نامہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے فریق ثانی سے طے کیا ہے۔ مشرکین کے نمائندہ (سہیل بن عمرو جو بعد کو مسلمان ہو گئے تھے) نے اس پر صدائے احتجاج کی اور کہنے لگا کہ اگر ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کرلیں تو پھر ہمارا آپ کا اختلاف کیا؟ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ آپ کو صلح نامہ سے کاٹنے پڑیں گے اور محمد بن عبداللہ کے الفاظ لکھوانے پڑیں گے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں ﷺ۔ مگر جب مشرکین نہ مانے تو حالات کی انتہائی نزاکت کے پیش نظر آپ نے فرمایا کہ:۔

ثم قال لعلیؓ امح رسول اللہ قال لا واللہ لا امحوک ابدا۔ 9

ترجمہ:۔ علیؓ! رسول اللہ کے الفاظ مٹا دو، حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں کبھی نہ مٹاؤں گا۔
—اور ایک روایت میں یوں آتا ہے:۔

فامر علیا ان یمحاھا فقال علی واللہ لا امحاھا۔

ترجمہ:۔ کہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ یہ الفاظ مٹا دیں مگر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بخدا میں ان کو نہیں مٹاؤں گا۔

بڑا ہی عجیب معاملہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت علیؓ کو نام لے کر امر اور حکم دے رہے ہیں کہ اے علیؓ یہ لفظ مٹا دو مگر حضرت علیؓ ہیں کہ آپؐ کے اس صریح حکم کی تعمیل کرنے کی بجائے حلفیہ طور پر یہ فرماتے ہیں کہ بخدا میں تو کبھی نہ مٹاؤں گا۔ انصاف سے فرمایئے کہ حضرت علیؓ پر کیا فتویٰ لگانا چاہیے؟ اور لگانا بھی چاہیے یا نہیں؟ نظر بظاہر تو فتویٰ نہ

لگانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو اور نام لے کر ہو۔ لیکن اس کے جواب میں حضرت علیؓ خدا تعالیٰ کی قسم اٹھا کر عدم تعمیل پر مصر اور کربستہ ہوں تو پھر وہ فتویٰ بازی سے کیونکر بچ سکتے ہیں؟ اور کب بچ سکتے ہیں؟ (معاذ اللہ) ظاہر بین جانیں اور ان کی فتویٰ بازی' ہاں البتہ دیدہ بصیرت رکھنے والے اور بات کی تہ اور حقیقت کو سمجھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ قریش مکہ کے نمائندوں کی موجودگی میں حضرت علیؓ کے اس ظاہری انکار میں بھی ادب وعشق محمدی سمندر کی اندرونی موجوں کی طرح ابل رہا ہے اور زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ جس رسول اللہ کی محبت اور فدائیت نے دنیا کے تمام لذائذ ومسرتوں سے بے نیاز کر دیا ہے اس کے نقش پاک کو آئینہ سے مٹانا تو رہا الگ بخدا ان کے اس پیارے نام کو سطح کاغذ سے مٹانے پر بھی دل آمادہ نہیں۔

سکوت شمع سر بزم کو خبر ہی نہیں
تڑپ رہا ہے ازل سے مذاق پروانہ

چنانچہ حضرت امام نودی الشافعیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

وهذا الذی فعله علیؓ من باب الادب المستحب لانه لم یفهم من النبی صلی الله علیه وسلم تحتیم محو علیؓ بنفسه ولهذا لم ینکر ولو حتم محوه بنفسه لم یجز لعلیؓ ترکه ولما اقره النبی صلی الله علیه وسلم علی المخالفته۔

ترجمہ:۔ یہ کاروائی جو حضرت علیؓ نے کی ہے ادب مستحب کے باب سے ہے کیونکہ وہ آپ کے قول سے یہی سمجھے تھے کہ اس نوشت کا مٹانا خود علیؓ پر لازم نہیں اور اسی لیے آپؐ نے حضرت علیؓ پر کوئی گرفت نہیں کی' اگر ان کے لئے بدست خود مٹانا ضروری ہوتا تو نہ حضرت علیؓ کے لئے اس حکم کا ترک جائز ہوتا اور نہ آپؐ ان کو اس مخالفت پر برقرار رہنے دیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری الفاظ بھی ملاحظہ کیجئے اور ان کی تہ میں ادب مستحب کا جو معنی خفتہ و پنہاں ہے جس کو حضرت علیؓ کی دور رس اور فقیہانہ نگاہ تاڑ سکتی ہے وہ بھی دیکھ لیجئے جس کا ظاہری الفاظ میں کہیں نام ونشان تک نہیں ملتا' آج تک امت مرحومہ میں

سے کسی کو یہ بات نہ سوجھی کہ وہ حضرت علی کو منکر یا مخالف بنا کر کوستا ہو اور منظم طور پر مخالف حدیث ہونے کا مکروہ پراپیگنڈا ان کے خلاف شروع کرتا ہو گر۔

جو دل میں عشق نہیں دل ہے جنس ناکارہ !
نہ ہو چمک تو ہے آئینہ ایک پارہ سنگ !

حدیث 5 :۔ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص (المتوفی 65ھ) کی یہ شکایت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی کہ انہوں نے تا زیست ہمیشہ روزہ رکھنے اور رات کے قیام کا التزام کر لیا ہے جس کی وجہ سے بقیہ جائز کاموں کے علاوہ حقوق زوجیت میں بھی خلل واقع ہوتا ہے۔ آپؐ نے ان کو اس فعل پر تنبیہہ فرمائی اور فرمایا کہ رات کو قیام بھی کرو اور ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھو' یہ صوم الدھر ہو جائے گا۔ انہوں نے اس سے زیادہ کی خواہش کی تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو' یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور یہ سب سے افضل ہے۔ [242]

اور ایک روایت یوں ہے کہ:۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصام من صام الابدا مرتین۔ [243]

ترجمہ:۔ آنحضرت ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا کہ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا تو اس کا روزہ ہی نہیں ہو گا۔

اس صحیح اور صریح روایت کے ظاہری الفاظ سے صوم الدھر کی ممانعت یا کراہت ثابت ہوتی ہے لیکن امت مرحومہ میں بے شمار لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جو صائم الدھر تھے۔

حضرت امام شعبہؒ بن الحجاج صائم الدھر تھے۔ [244]

امام وکیعؒ بن الجراح صائم الدھر تھے۔ [245]

حضرت امام بخاریؒ صائم الدھر تھے۔ [246]

اگر ہم چاہیں تو کتب اسماء الرجال اور طبقات رواۃ سے سینکڑوں مثالیں ان حضرات کی پیش کر سکتے ہیں جو صائم الدھر تھے مگر صرف ایک حوالہ اور عرض کرتے ہیں:۔

مؤلف نتائج التقلید اپنے استاد محترم حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑیؒ کے

حالات میں زیر عنوان مشاہدہ لکھتے ہیں کہ:۔

"مدت مدید اور عرصہ بعید سے صائم الدھر ہیں۔ صرف ایک ہی وقت شام کو کھایا کرتے ہیں۔"[247]

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ مولانا روپڑی صاحبؒ سحری بھی نہیں کھاتے تھے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیث یوں آتی ہے کہ:۔

تسحروا فان فی السحور برکتہ۔[248]

ترجمہ:۔ یعنی تم سحری (کھایا) کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔

حدیث 6:۔ تسحروا امر کا صیغہ ہے، وجوب کے لئے نہ سہی استحباب سے کیا کم ہو گا؟ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ "سحری کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ مگر اس حوالے کے پیش نظر مولانا حافظ روپڑی صاحبؒ کا عمل اس پر نہیں تھا، اور پہلی روایت کے ظاہری الفاظ کی خلاف ورزی کرنے والے جمہور امت میں علاوہ امام شعبیؒ، امام وکیعؒ، امام بخاریؒ کے خود مولانا روپڑی صاحب بھی ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو لاصام من صام الابدا[249] فرما کر اس کی نہی کی ہے مگر یہ حضرات اس کے خلاف چلتے رہے ہیں تو کیا اب ان تمام حضرات کو مخالف حدیث کہہ کر کوسنا شروع کر دیا جائے؟ یا یہ کہا جائے کہ اگرچہ آپ نے ارشاد تو فرمایا ہے مگر اس کی تہ میں امت مرحومہ کے ساتھ ترفق اور سہولت منظور ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے لیے سہولت سمجھتا ہے اور ایام ممنوعہ کے علاوہ ہمیشہ روزے رکھتا ہے تو وہ اس حدیث کے اندر جو مفہوم پنہاں و پوشیدہ مگر زبان حال سے گویا ہے اس پر عامل ہے اور یہ کاروائی حدیث کے مخالف نہیں اور نہ اس کی وجہ سے کسی پر ملامت جائز اور روا ہے، اور اس طرز عمل میں صرف امام ابو حنیفہ ہی نہیں بلکہ اکثر ائمہؒ ان کے ساتھ ہیں غرضیکہ۔

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

حدیث 7:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصال فطرت بیان فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

وسنف الابط

ترجمہ:- زیر بغل بال اکھاڑے جائیں۔

لغت عربی میں نتف کے معنی موچنے کے ساتھ بالوں کے اکھاڑنے کے آتے ہیں کسی صحیح اور مرفوع روایت میں حلق الابط (استرے کے ساتھ زیر بغل بالوں کا منڈانا) نہیں آیا مگر جمہور امت نتف پر عمل نہیں کرتے بلکہ خود غیر مقلدین حضرات بھی جہاں تک ہم نے دیکھا اور سنا ہے اور جو عمل بالحدیث کے بزعم خویش مدعی بھی ہیں۔ نتف پر عامل نہیں ہیں۔ تو کیا اب سب امت کو اس حدیث کا تارک اور مخالف قرار دے کر ان پر برسنا شروع کر دیا جائے؟

امام نوویؒ اور قاضی شوکانیؒ نتف الابط کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:-

اما نتف الابط فسنته بالاتفاق والافضل فيه النتف لمن قوى عليه ويحصل ايضاً بالحلق وبالنورة وحكى عن يونس بن عبدالاعلى قال دخلت على الشافعى رحمه الله وعنده المزين يحلق ابطه فقال الشافعى علمت ان السنة النتف ولكن لا اقوىٰ على الوجع۔

ترجمہ:- بہرکیف زیر بغل بالوں کا اکھاڑنا بالاتفاق سنت ہے۔ اور افضل اس میں جو اس پر قوی ہو اکھاڑنا ہی ہے اور منڈوانے اور چونہ سے زائل کرنے سے بھی یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ یونسؒ بن عبدالاعلیٰ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں امام شافعیؒ کے پاس گیا تو ان کے پاس حجام تھا جو ان کی بغلوں کے بال استرے سے صاف کر رہا۔ حضرت امام شافعیؒ نے از خود ہی یہ فرمایا کہ میں اس کو جانتا ہوں کہ سنت بالوں کا اکھاڑنا ہی ہے مگر میں تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔

جناب رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث میں بصراحت کوئی ایسی قید ثابت نہیں کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو اکھاڑنے پر قوی ہو مگر شراح حدیث لمن قوى عليه کی قید سے اس کو مقید کرتے ہیں اور استرے اور چونہ سے بھی فرماتے ہیں کہ یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے' اور سب سے بڑھ کر یہ امام اہل سنت حضرت امام شافعیؒ بھی نتف ابط کی حدیث پر باوجود اس کو سنت کہنے کے عمل نہیں کر سکے اور معذرت کر گئے ہیں۔ اب کیا تمام امت کو نتف ابط کی حدیث

کے ظاہری الفاظ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے منکر یا تارک حدیث کہہ دیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جو حضرات روح شریعت سے واقف ہیں اور صرف ظاہری الفاظ پر ہی اکتفا نہیں کرتے وہ آرزوئے تفقہ یہ سمجھتے ہیں کہ مقصود بالذات تو پاؤں کا دور کرنا ہے' خواہ وہ کسی بھی صورت سے حاصل ہو جائے۔

حدیث 8:- حضرت انسؓ بن مالک (المتوفی 93ھ) سے روایت ہے کہ:-

قال النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم لایتمنین احدکم الموت من ضر اصابہ فان کان لابد فاعلا فلیقل اللّٰہم احینی ماکانت الحیواۃ خیرا لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیرا لی۔

ترجمہ:- آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی ہرگز کسی دکھ کی وجہ سے جو اسے پہنچا ہو موت کی تمنا مت کرے سو اگر خواہ یہ تمنا کرنی ہی ہے تو یوں کہے اے اللہ تو مجھے زندہ رکھ اگر میرے لیے زندگی بہتر ہے اور تو مجھے وفات دے دے اگر میرے حق میں وفات بہتر ہے۔

اس حدیث میں لفظ ضرر مطلق ہے' عام اس سے کہ یہ ضرر دینی ہو یا دنیوی اور نہی بھی نون تاکید ثقیلہ کے ساتھ وارد ہوئی ہے مگر شراح حدیث اس مقام میں ضرر کو دنیوی ضرر سے مقید کرتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ "حضرت علیؓ نے موت کی آرزو کی تھی جب کہ معاملات بہت پیچیدہ ہو گئے اور فتنے بڑھ گئے اور قتل وقتال کا بازار گرم ہو گیا اور قیل وقال بہت کثرت سے شروع ہو گئی تھی اور اسی طرح حضرت امام بخاریؒ نے بھی موت کی آرزو کی تھی۔

لما اشتد علیہ الحال ولقی من مخالفیہ الا ھوال

ترجمہ:- جب ان کی حالت سخت ہو گئی اور اپنے مخالفین سے پریشانیوں کا سامنا ہوا۔

اور حدیث نہی عن الموت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ:-

والمراد بالضر ھھنا مایخص العبد فی بدنہ من مرض ونحوہ لافی دینہ۔

ترجمہ:- ضرر سے مراد اس حدیث میں ایسا ضرور ہے جو آدمی کو بدنی طور پیش آئے' مثلاً

بخاری وغیرہ اس سے ایسی ضرر مراد نہیں ہے۔

غور فرمایئے کہ جو شخص ضرر کی دینی اور دنیوی تقسیم کرے گا اور حدیث میں نفی کو عام سمجھے گا تو اس کے خیال کے مطابق حضرت علیؓ اور حضرت امام بخاریؒ وغیرہ اس صحیح حدیث کے مخالف نظر آئیں گے اور اگر وہ اس حدیث کے اندر یہ تقسیم تلاش کرے گا تو اس کو ناکامی ہو گی مگر شراح حدیث اور فقہاء امت کے تفقہ سے یہ گتھی سلجھے گی اور ان اکابر کے خلاف مخالف حدیث ہونے کا ادنیٰ وہم بھی نہیں ہو سکے گا۔

حضرت امام بخاریؒ کو جب اپنے استاد محترم امام محمدؒ بن یحییٰ الذھلیؒ سے بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہوا تو حاکم بخاری اور دیگر بعض اہل وطن کی گہری سازش سے ان کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور سمرقند سے دو فرسخ کی مسافت پر ایک چھوٹے سے گاؤں خرتنگ میں حضرت امام بخاریؒ فروکش ہوئے کیونکہ ان کے کچھ رشتہ دار وہاں رہتے تھے۔ امام عبدالقدوسؒ بن عبدالجبارؒ السمرقندی کا بیان ہے کہ:۔

فسمعته ليلته من الليالى وقد فرغ من صلوة الليل يدعواو يقول فى دعائه اللّٰهم انه ضاقت على الارض بمارحبت فاقبضنى اليک قال فماتم الشهر حتى قبضه اللّٰه اليه وقبره بخرتنگ 254

ترجمہ:۔ میں نے ان کو ایک رات تہجد کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کرتے سنا کہ اے اللہ زمین باوجود کشادہ ہونے کے مجھ پر تنگ ہو گئی ہے سو تو مجھے اپنی طرف اٹھا لے اس کے بعد ایک ماہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا ہی لیا اور ان کی وفات ہو گئی اور ان کی قبر خرتنگ میں ہے۔

جو شخص لایتمنین کی حدیث کو عموی نگاہ سے پڑھے گا تو اسے حضرت امام بخاریؒ کا یہ فعل ضرور مخالف حدیث نظر آئے گا لیکن اگر تعمق و باریک بینی اور تفقہ کی نگاہ سے دیکھے گا تو اسے کوئی مخالفت نظر نہ آئے گی اور ہر چیز اپنے مقام پر رہے گی۔

حدیث 9:۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت

فرمایا کہ تم کتنے عرصے میں قرآن کریم ختم کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر رات آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

اقرأه فی کل سبع لیال مرة

ترجمہ:۔ یعنی ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قرآن ختم کیا کرو۔

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ:۔

فاقرأه فی سبع ولا تزد علی ذالک۔

ترجمہ:۔ ہفتہ میں صرف ایک بار پڑھو اور اس سے زیادہ مت کرو۔

حضرت امام بخاریؒ اختلاف روایات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

قال بعضهم فی ثلاث وفی خمس اکثرهن علی سبع

ترجمہ:۔ بعض نے تین راتوں میں اور بعض نے پانچ میں اور اکثر نے سات راتوں میں ایک بار ختم قرآن کہا ہے۔

گویا فن روایت کی رو سے حضرت امام بخاریؒ نے اکثر روایات (اور ایک روایت میں ہے کہ اکثر رواۃ) کا اتفاق سات راتوں میں قرآن کریم کو ختم کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور بظاہر اسی کو ترجیح دی ہے، چلئے تین ہی راتوں میں قرآن کریم ختم کرنے کی روایات کو لے لیجئے، تب بھی روایت اور حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تین سے کم راتوں میں قرآن کریم ختم کرنے کا ذکر حضرت امام بخاریؒ کے پیش نظر نہیں ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امت مرحومہ میں بہت سے حضرات صحابہؓ میں حضرت عثمان بن عفان (المتوفی 35 ھ)۔[1] حضرت تمیم داریؓ (المتوفی 40ھ)۔[2] اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ (المتوفی 73ھ)۔[3] خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور ائمہ دین میں حضرت امام شافعیؒ صرف رمضان مبارک کے مہینہ میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔[16] اور ایک مرتبہ انہوں نے ایک مسئلہ کی تلاش میں روزانہ تین مرتبہ اور تین دنوں میں نو دفعہ قرآن کریم ختم کیا تھا۔ اور امام وکیعؒ بن الجراحؒ ایک رات میں قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔ امام الجرح والتعدیل یحییٰؒ بن سعید القطانؒ دن میں ایک مرتبہ قرآن

کریم ختم کر دیا کرتے تھے۔ (۱۰۵)

ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں بحوالہ تاریخی طور پر اس کی پیش کی جا سکتی ہیں مگر ہمارا مقصد دلائل و حوالہ جات کا استیعاب نہیں ہم تو صرف اپنی بات کو مبرہن کرنا چاہتے ہیں۔ صرف ایک حوالہ اور سن لیجئے۔ حضرت امام بخاریؒ کے حالات میں کتب تاریخ، طبقات رواۃ اور اسماء الرجال میں یہ بھی مذکور ہے کہ:۔

وکان یختم بالنہار فی کل یوم ختمۃ ویکون ختمۃ عندالافطار کل لیلۃ ویقول عند کل ختم دعوۃ مستجابۃ۔ (۱۰۶)

ترجمہ:۔ امام بخاریؒ ہر روز دن کو ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کر دیا کرتے تھے اور یہ ختم افطار کے وقت ہر شب کو ہوتا تھا اور فرماتے تھے کہ ہر ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے دعوۃ مستجابۃ

اگر حدیث مذکور کے ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو بعض اہل ظاہر کی طرح یہ نظریہ قائم کرنا پڑے گا کہ مذکورہ دنوں سے کم میں قرآن پاک کو ختم کرنا مکروہ تحریمی ہے۔۔۔ اور سلف صالحینؒ کے ان اکابر کو معاذاللہ مکروہ تحریمی کا مرتکب کہنا پڑے گا۔ اگر حدیث کے ظاہری الفاظ کی مخالفت ہی سچ مچ مخالفت ہوتی ہے اور اس کی تہ میں کسی پنہاں معنی اور مضمر حقیقت کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تو یقین جانیئے کہ ان کابر کو مخالف حدیث کا لقب دیا جائے گا اور کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی جس سے ان کی رستگاری ہو سکے مگر معاذاللہ کہ کسی اہل علم کا ضمیر اور دل اس کو گوارا کرتا ہو کہ یہ اکابر مخالف حدیث تھے بلکہ اس حدیث کے دیگر بیان کردہ مطالب کے علاوہ ایک آسان مطلب یہ بھی ہے کہ آپ کا یہ ارشاد امت پر شفقت اور ترحم کے سلسلہ میں ہے تا کہ اتنے دنوں میں غور و فکر سے قرآن کریم پڑھا جائے اور اس کے معنی کو سمجھا جا سکے کیونکہ ہر آدمی تو مثلاً" امام شافعیؒ نہیں کہ مسئلہ اجماع کے سمجھنے کے لئے تین دن میں نو مرتبہ قرآن کریم ختم کر لے اور منتہائے نظریہ ہو کہ یہ مسئلہ استنباط کرنا ہے، ہر ایک کو بھلا یہ مقام کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔

حدیث 10:۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کسی چیز سے نہی فرماتے ہیں لیکن الفاظ کی تفصیل اور تشریح سے خاموش ہوتے ہیں کہ اس میں نہی کا درجہ کیا ہے؟ حرام ہے یا خلاف اولیٰ؟ مگر ... والی نگاہیں اپنی خداداد فراست وبصیرت اور تفقہ سے اس کا مقام متعین کر لیتی ہیں مثلاً" حضرت ام عطیہؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ:۔

نہینا عن اتباع الجنائز ولم یعزم علینا۔

ترجمہ:۔ ہم عورتوں کو جنازوں میں شریک ہونے سے منع کیا گیا ہے لیکن ہم پر اس کی تاکید نہیں کی گئی۔

اور ان کی ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ:۔

کنا ننہی عن اتباع الجنائز ولم یعزم علینا۔

ترجمہ:۔ ہم (عورتیں) جنازوں کے ساتھ جانے سے تو منع کی جاتی تھیں مگر ہم پر اس کی تاکید نہیں کی جاتی تھی۔

حضرت امام نوویؒ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

معناہ نہانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک نہی کراھتہ تنزیہ لانہی عزیمہ وتحریمہ۔

ترجمہ:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں جناب رسول اللہ ﷺ نے جنازوں میں شریک ہونے سے منع کیا ہے لیکن یہ نہی تنزیہی کے درجہ کی ہے یہ نہی تاکیدی اور تحریم کے مرتبہ کی نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام عطیہؓ نے اپنی بصیرت اور تفقہ سے آپ کی اس نہی کا درجہ قائم کیا ہے کہ یہ نہی تحریم کے درجہ کی نہیں بلکہ خلاف اولیٰ اور تنزیہی کے مرتبہ کی ہے۔ حالانکہ حدیث میں صرف نہی کے الفاظ ہیں اور اس میں یہ تقسیم مذکور موجود نہیں ہے مگر اس کے

اندز کی حقیقت اور تہ کو سمجھنا بڑا اہم اور ضروری کام ہے اور اسی کو پا لینے کا نام تفقہ ہے۔

حدیث 11:۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم صادر فرماتے ہیں مگر وہ حکم صرف مشورہ کی حد تک ہوتا ہے اور اس کا ماننا اور نہ ماننا دونوں جائز ہوتے ہیں اور آپ کے ایسے حکم کا انکار (معاذاللہ) آپ کی نافرمانی تصور نہیں ہوتی۔ مثلاً" ملاحظہ کیجئے کہ جب حضرت بریرہؓ کو آزادی حاصل ہوئی تو شرعی مسئلہ کے تحت ان کو اپنے خاوند حضرت مغیثؓ کے پاس رہنے یا نکاح فسخ کرانے کی اجازت ملی انہوں نے حضرت مغیثؓ سے رستگاری کو ترجیح دی اور وہ بے چارے گلیوں میں حضرت بریرہؓ کے پیچھے رو رو کر یہ التجا کرتے رہے کہ تو مجھ سے الگ نہ ہو مگر وہ نہ مانیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بریرہؓ تو مغیثؓ کے پاس ہی رہے تو کیا اچھا ہے۔ وہ کہنے لگی کہ:۔

یارسول اللّٰہ تامرنی؟ قال انما اشفع قالت فلاحاجہ لی فیہ۔(۲)

ترجمہ:۔ یارسول اللہ! کیا آپ مجھ کو اس کا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ حکم تو نہیں دیتا ہاں صرف سفارش کرتا ہوں انہوں نے کہا تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

دیکھیے کہ حضرت بریرہؓ اپنے تفقہ فی الدین کی وجہ سے آپؐ کے حکم وارشاد کا درجہ خود آپؐ ہی سے متعین کرانا چاہتی ہیں کہ اگر یہ حکم اور امر ہے تو مجھے اس کے تسلیم کرنے سے کیا چارہ ہے؟ اور اگر صرف مشورہ ہے تو مجھے قبول کرنے یا نہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ آپؐ کے ارشاد کے بعد حضرت بریرہؓ نے وہی کچھ کیا جو ان کو پسند تھا اور حضرت مغیثؓ سے رہائی حاصل کر لی۔

حدیث 12:۔ بعض مواقع اور مقامات ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان میں جناب رسول اللہ ﷺ کے صریح الفاظ کی مخالفت ہی سے مراد رسالت اور منشائے نبوت کی تعمیل ہو سکتی ہے اور ظاہری الفاظ پر عمل کرنا جرم اور رضائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو گا۔ یقین نہ آئے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ (المتوفی 51ھ) کی روایت ملاحظہ فرمایئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کے مسائل واحکام بتاتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ تم نہ تو کعبہ کی طرف پیٹھ کرو

اور یہ حدیث کے الفاظ [illegible]:

شرقوا او غربوا۔

ترجمہ:۔ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے:

ولکن شرقوا او غربوا۔

ترجمہ:۔ اور لیکن مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔

حضرت امام نوویؒ (وغیرہ) فرماتے ہیں کہ یہ حکم اہل مدینہ اور ان کی سمت والوں کو ہے جن کا قبلہ شمال یا جنوب رویہ ہے۔

اب اگر ہم اس ملک میں مشرق یا مغرب کی طرف منہ کریں گے تو توہین قبلہ کا ارتکاب لازم آئے گا اور یہ بات منشائے نبوت کے خلاف ہو گی کیونکہ ہمارے علاقے کا محل وقوع ہی ایسا ہے، لہٰذا ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صریح الفاظ کی مخالفت کرنا لازم ہے تاکہ ہمارے ملک میں اس حکم کی تہ میں جو مراد نبوت مضمر ہے اس پر عمل ہو سکے اور قبلہ کی تعظیم اور احترام ملحوظ ہے۔

حدیث 13:۔ پھر بھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ خداوند عزیز کے حکم کی حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے مجتہد کو حکم خداوندی سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے اجتہادی حکم پر عمل کرنا پڑے گا اور اس طریق سے آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔ چنانچہ ایک طویل حدیث میں یہ آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب لشکر کو جہاد کے لئے روانہ فرماتے تو امراء لشکر کو نہایت ضروری اور مفید وصایا اور نصائح فرماتے اور ان میں یہ بھی مذکور ہے کہ:۔

واذا حاصرت اہل حصن فارادوک ان تنزلہم علی حکم اللّٰہ فلا تنزلہم علی حکم اللّٰہ ولکن انزلہم علی حکمک فانک لاتدری اتصیب حکم اللّٰہ فیہم ام لا۔

ترجمہ:۔ اور جب تم اہل قلعہ کا محاصرہ کر لو اور وہ تم سے مصالحت کرتے ہوئے یہ ارادہ کریں کہ تم ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر اتارو تو تم ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر پناہ نہ دو لیکن تم ان کو

اپنے حکم پر پناہ دو کیونکہ تم یہ نہیں جانتے کہ کیا تم ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو پا سکو گے یا نہیں۔

اور اسی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اگر وہ تمہیں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمہ پر راضی ہونے کی پیشکش کریں تو تم ان کو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمہ پر مت پناہ دو بلکہ خود اپنے اور اپنے ساتھیوں کے ذمہ پر پناہ دو' کیونکہ یہ بات نہایت آسان ہے کہ تم اپنے اور اپنے اصحاب کے ذمہ کو برقرار نہ رکھ سکو یہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ کو توڑو اور عہد شکنی کرو۔

غور کیجئے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ ان الحکم الا للہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا حکم ہے ہی نہیں اور دوسری اس صحیح حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امراء لشکر کو یہ حکم دیتے ہیں فلا تنزلہم علی حکم اللہ کہ ان کو خدا تعالیٰ کے حکم پر مت اتارو بلکہ اپنے حکم پر ان کو آمادہ کرو کیونکہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی حقیقت اور تہ تک تم رسائی حاصل نہ کر سکو۔ اس مقام پر ہمیں اس بحث سے کوئی غرض نہیں کہ کیا اجتہادی مسائل میں مصیب ایک ہوتا ہے یا سب ہی مصیب ہوتے ہیں؟ یہ اپنے مقام کی بحث ہے مگر اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مجتہد بصورت خطا بھی اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے نہ کہ توبیخ و سرزنش کا۔

امام نووی الشافعیؒ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

هذا النهى ايضًا على التنزيه والاحتياط وفيه حجته لمن يقول ليس كل مجتهد مصيبا بل المصيب واحد وهو الموافق لحكم الله تعالى فى نفس الامر۔ 173

ترجمہ:۔ یہ نہی بھی تنزیہی اور برائے احتیاط ہے اور اس میں ان لوگوں کے لئے حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب نہیں ہوتا بلکہ مصیب صرف وہی ہوتا ہے جس کا فیصلہ نفس الامر میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو۔

اندازہ فرمائیے کہ ایک مقام وہ بھی نکل آیا جہاں مجتہد بحکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم خدا تعالیٰ کے حلم سے بایں وجہ صرف نظر کرتے ہوئے کہ وہ شائد اس تک نہ پہنچ سکے اپنے حکم پر فیصلہ کرنے کا مامور ہے' علاوہ ازیں آپ کی اس ممانعت اور نہی میں تحریم و تنزیہ کی کوئی قید موجود نہیں مگر امام نوویؒ وغیرہ فلا تنزلھم کی نہی کو تنزیہی پر محمول کرتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ ان دقیق اور عمیق علمی باریکیوں کو بھلا درایت و فراست بصیرت و فہم اور فقہ و اجتہاد کے بغیر کس طرح حل کیا جا سکتا ہے؟ مگر ظاہر بینوں کی بے جا شکایات کو دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ فلاں بھی حدیث کا منکر ہے اور فلاں بھی مخالف حدیث ہے اور فلاں بھی تارک حدیث' تارک سنت اور زمرہ اہل حدیث سے خارج ہے اور فلاں بھی (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ہاں مگر صرف وہی عامل بالحدیث اہلحدیث اور اصحاب الحدیث ہیں' باقی سب اہل الحدیث کہلانے کی مستحق نہیں ہے مگر ایسی بیجا شکایات کا کیا علاج ہے؟۔

کس سے کہوں کہ لاکھ امیدیں مٹا گئی وہ ایک بات رنجش بیجا کہیں

قارئین کرام! سلسلہ کلام دراز اور بیان وسیع ہوتا جا رہا ہے' ہم صرف انہی مثالوں پر سردست اکتفا کرتے ہیں جن سے ہر منصف مزاج باآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ کے علاوہ اس کے اندر اور اس کی تہ میں کہیں شرط خفتہ ہوتی ہے اور کہیں قید پوشیدہ ہوتی ہے' کہیں کوئی علت اور حکم پنہاں ہوتا ہے اور کہیں برعکس ظاہری الفاظ کیا اوب مستحب مضمر ہوتا ہے' کہیں امر میں استحباب واباحت کے مراتب مخفی ہوتے ہیں اور کہیں نہی میں احتیاط و تنزیہ کار فرما ہوتے ہیں' کہیں ترفق و ترحم سبب قرار پاتے ہیں اور کہیں مشورہ سہولت کا مقام ہویدا ہوتا ہے اور کہیں صاف لفظ تو کچھ کہتے ہیں مگر ان کے اندر معنی مستنبط کوئی اور ہی جھلکتا ہے جس کو صرف فقیہہ اور مجتہد کی نظر بصیرت اور فراست علمی ہی تاڑ سکتی ہے۔

گر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں
اسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

اس تمام بحث کے بعد ہم ظاہر بینوں کی لفظ پرستی کی سردست صرف ایک ہی مثال عرض کر کے اس عنوان کو ختم کرتے ہیں۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ (المتوفی 73ھ) اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ

سے روایت آتی ہے کہ:۔

حدیث 14:۔

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ نہی ان یبال فی الماء الراکد' وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یبولن احدکم فی الماء الدائمہ ثم یغتسل منہ (1)

ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راکد اور دائم (یعنی رکے ہوئے) پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا ہے' اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص رکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے ہو سکتا ہے کہ کہیں پھر اسے اس سے غسل کرنے کی ضرورت پیش آ جائے۔

تمام نظر و بصیرت والے فقہاء کرامؒ اور محدثین عظامؒ یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح رکے ہوئے پانی کے اندر پیشاب کرنا ممنوع ہے بعینہ اسی طرح پاخانہ بھی ممنوع ہے اور حرام جانوروں کے پیشاب کا بھی یہی حکم ہے اور ایسے پانی کے قریب بھی پیشاب ممنوع ہے جو بہہ کر پانی میں چلا جائے اور کسی برتن میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دینا بھی منع ہے کیونکہ علت یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں پانی ناپاک اور نجس ہو جائے گا۔ مگر مشہور محدث داؤد بن علی الظاہری (المتوفی 270ھ) اور اسی طرح دیگر بعض اہل الظاہرؒ الفاظ پر جمود کا شکار ہو کر اس کے خلاف نظریہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام نوویؒ الشافعیؒ لکھتے ہیں:۔

حکیؒ عن داؤد بن علی الظاہری ان النہی یختص ببول الانسان بنفسہ وان الغائط لیس کالبول وکذا اذا بال فی اناء ثم صبہ فی الماء او بال بقرب الماء وھذا الذی ذھب الیہ خلاف الاجماع وھو من اقبح مانقل عنہ فی الجمود علی الظاہر واللہ اعلم۔ (1)

ترجمہ:۔ داؤدؒ بن علی الظاہریؒ سے حکایت کی گئی ہے وہ کہتے ہیں کہ نہی صرف انسان کے پیشاب سے مخصوص ہے اور پاخانہ پیشاب کے حکم میں نہیں ہے' اور اسی طرح جب کوئی شخص برتن میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دے یا پانی کے قریب پیشاب کرے اور وہ بہہ کر پانی میں چلا

جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں' داؤد ظاہری کا یہ مذہب اجماع کے خلاف ہے اور جمود علی الظاہر کی بد ترین مثال ہے۔

گویا انسان کا پاخانہ اور اس کا لوٹے میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دینا یا پانی کے قریب پیشاب کرنا جو بہہ کر پانی میں چلا جائے اور اسی طرح کتے اور گدھے وغیرہ کا پیشاب ماء راکد کو نجس نہیں کرتا یہ ہے تفقہ کے بغیر ظاہری الفاظ پر عمل بالحدیث کا نمونہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اور شیخ الاسلام ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ:

مما یعلم قطعاً بطلانہ ماذھب الیہ الظاہریہ الجامدۃ من ان الحکم مخصوص بالبول فی الماء حتی لو بال فی کوز و صبہ فی الماء لم یضر عندہم او لو بال خارج الماء فجری البول الی الماء لم یضر عنہم ۔

ترجمہ:۔ اہل ظاہر کے اس بے جا جمود کا بطلان قطعی طور پر معلوم ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم پانی کے اندر پیشاب کرنے کے ساتھ مخصوص ہے حتی کہ اگر کوئی شخص کوزے میں پیشاب کر کے اس کو پانی میں بہا دے تو ان کے نزدیک یہ مضر نہیں ہے اور اسی طرح اگر کسی نے پانی کے باہر پیشاب کیا اور وہ بہہ کر پانی میں چلا گیا تو یہ بھی ان کے نزدیک مضر نہیں ہے اور علم قطعی سے یہ بات معلوم ہے کہ ان کو یہ قول بالکل باطل ہے کیونکہ پانی کے نجس ہونے کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ پانی کو نجاست سے بچایا جائے اور یہ کوئی ظن کا محل نہیں بلکہ قطعی امر ہے۔

داد دیجئے اس عمل بالحدیث کی کہ ظاہری الفاظ کو لے کر کس قدر غلطی کی ہے اور روح شریعت کی کس طرح خلاف ورزی کی ہے اور افصح العرب اور صاحب جوامع الکلم علی صاحبہا الف الف تحیتہ کے بلیغ جملوں کو کس طرح حماقت کی نذر کر دیا ہے۔ فوا اسفا

اور حیرت ہے کہ اس قسم کے حضرات ہی اہل الرائے پر اس طرح برستے ہیں جس طرح بلا وقفہ موسم ساون کی موسلادار بارش برستی ہے اور ان حضرات کو اہل فقہ اور اصحاب الرای کی غلطیاں تو شب تاریک میں ریت کے باریک ذرات میں بھی نظر آ جاتی ہیں مگر اپنی پہاڑ جیسی کوتاہیاں

آفتاب نصف النہار بھی نظر نہیں آتیں' سچ ہے کہ :

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر
دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

امام سبکیؒ نے اہل ظاہر کے اختلاف کے بارے میں تین مسلک نقل کئے ہیں کہ ان کا اختلاف مطلقاً معتبر ہے' مطلقاً معتبر نہیں' قیاس جلی کے خلاف ہو تو معتبر نہیں ورنہ معتبر ہے اور قاضی ابوبکرؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ :-

ان اصحاب الظاہر لیسوا من علماء الشریعة وانماہم نقلته ان ظہرت الثقه۔ (۲۷۲)

ترجمہ :- اصحاب ظاہر علماء شریعت سے نہیں ہیں بلکہ وہ صرف نقال ہیں جب کہ ان کی ثقاہت ظاہر ہو۔

خلاصہ

حضرت امام ابو حنیفہؒ پر قدیما وحدیثا جتنے بھی اعتراضات کئے گئے ہیں وہ حسد وتعصب مذہبی اور جہالت ولاعلمی کی پیداوار ہیں جن کی دلائل وبراہین کی دنیا میں سرے سے کوئی وقعت ہی نہیں ہے اور کچھ علمی طور پر ایسے اعتراضات بھی ہیں جو بعض حضرات نے دیانۃً اٹھائے ہیں مگر ان کے صحیح اور معقول جوابات بھی علماء' احناف نے اپنے مقام پر ذکر کر دیئے ہیں اور ایسے فقہی جزئیات اور اجتہادی مسائل میں جس طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ کے معصوم عن الخطاء ہونے کا دعوے نہیں کیا جا سکتا' اسی طرح باقی ائمہ مجتہدینؒ کا معصوم عن الخطاء ہونا بھی یقیناً باطل ہے اور ایسے مقام میں بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ کل احد یوخذ عنه ویترک الاقول رسول الله صلی الله علیه وسلم

کہ چوں باو نرسیدی تمام بولہی است

علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ کا ارشاد :- شیخ الاسلام ابن عبدالبرؒ امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

الذین رووا عن ابی حنیفه ووثقوه واثنوا علیه اکثر من الذین تکلموا فیه والذین

تکلموا فیہ من اہل الحدیث اکثر ماعابوا علیہ الا غراق فی الرای والقیاس والا رجاء۔ (۹)

ترجمہ:۔ کہ جن لوگوں نے امام بو حنیفہ سے روایت کی اور ان کی توثیق کی اور ان کی تعریف کی ہے وہ ان سے بدرجہا زیادہ ہیں جنہوں نے ان میں کلام کیا ہے اور جن اہل حدیث نے ان میں کلام کیا انہوں نے ان کا زیادہ عیب یہ نکالا ہے کہ وہ رائے وقیاس اور ارجاء میں منہمک ہیں۔

ہم پہلے بحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ جس معنی میں امام صاحبؒ مرجیہ تھے وہ قابل اعتراض نہیں ہے اور جس رائے اور قیاس کے وہ قائل تھے وہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے' پھر ان پر اعتراض کیوں اور کیسے؟ اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

فمن قراء فضائل مالک وفضائل الشافعیؒ وفضائل ابی حنیفتہ بعد فضائل الصحابتہ والتابعین وعنی بہاو وقف علی کریم سیربم وھدیہم کان ذالک لہ عملا زاکیا نفعنااللہ بحب جمیعہم قال الثوری رحمہ اللہ عند ذکر الصالحین تنزل الرحمتہ ومن لم یحفظ من اخبار ہم الامابدر بعضہم فی بعض علی الحسد والہفوات والغضب والشہوات دون ان یعی بفضائلہم حرم التوفیق ودخل فی الغیبتہ وحاد عن الطریقہ۔ (۲۷)

ترجمہ:۔ جس نے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے بعد امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہ کے فضائل پڑھے اور ان کا اہتمام کیا اور ان کی عمدہ سیرت اور خصلت پر مطلع ہوا تو یہ اس کا ایک ستھرا عمل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب کی محبت سے نفع عطا فرمائے۔ امام ثوریؒ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے اور جس شخص نے ان کی خبروں میں سے صرف وہی خبریں یاد کر لیں جو بعض سے ان کے بارے میں حسد' بے ہودگی' غصہ اور نفس پرستی کے طور پر صادر ہوئی ہیں بغیر اس کے کہ ان کے فضائل بھی یاد رکھے تو وہ شخص حرماں نصیب ہے اور وہ غیبت میں داخل ہو گیا اور راہ راست سے دور ہو گیا۔

امام ابن تمیمہ نے امام اعظم پر تنقید کو نہیں مانا:۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:۔

کما ان ابا حنیفہ وان کان الناس خالفوہ فی اشیاء وانکروھا علیہ فلا یستریب احد فی فقہہ وفہمہ وعلمہ وقد نقلوا عنہ اشیاء یقصدون الشناعۃ علیہ وھی کذب علیہ قطعا مثلا مسئلۃ الخنزیر البری ونحوھا۔

ترجمہ:- "مثلاً" امام ابو حنیفہ کی شخصیت دیکھئے کہ اگرچہ لوگوں نے ان کے ساتھ بہت سی چیزوں میں مخالفت کی ہے اور ان کی وجہ سے ان پر انکار بھی کیا ہے مگر کوئی شخص ان کی فقاہت فہم اور علم میں شک نہیں کر سکتا اور لوگوں نے محض ان کی عیب جوئی کرتے ہوئے ان کی طرف کچھ ایسی چیزیں بھی منسوب کی ہیں جو قطعی طور پر جھوٹ ہیں جیسے جنگلی خنزیر کا حلال ہونا وغیرہ۔

سب سے بڑھ کر امام صاحبؒ کے مثالب جن حضرات نے ذکر کئے ہیں۔ ان میں علامہ خطیب بغدادی الشافعی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور ان کا تعصب بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الجوزی الحنبلیؒ اپنی سند کے ساتھ اسمٰعیل بن ابی الفضل القومسی الاصبہانیؒ سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:-

وکان من اہل المعرفۃ بالحدیث یقول ثلاثۃ من الحفاظ لا احبہم لشدۃ تعصبہم وقلۃ انصافہم الحاکم ابو عبداللہؒ ابونعیم الاصبہانی وابوبکر الخطیب وصدق اسمعیل وکان من اہل المعرفۃ۔ [۱]

ترجمہ:- وہ حدیث کے جاننے والے تھے فرماتے تھے کہ تین حفاظ کو میں نہیں پسند کرتا کیونکہ وہ سخت متعصب اور قلیل الانصاف ہیں، امام حاکمؒ ابو نعیم اصبہانیؒ اور خطیب بغدادی اور اسماعیلؒ نے بالکل سچ کہا اور وہ اہل معرفت سے تھے۔

اور اسی قسم کا مقولہ بعینہٖ ان الفاظ کے ساتھ سعد بن علی الریحانیؒ سے بھی منقول ہے۔

اور الملک المعظمؒ لکھتے ہیں کہ:-

قلت کان اسمعیل ھذا حافظا ثقۃ صدوقا لہ معرفۃ بالرجال والمتون عزیز الدیانۃ۔ [۲]

ترجمہ:- میں کہتا ہوں کہ اسمٰعیلؒ مذکور حافظ ثقہ اور صدوق تھے ان کو رجال اور متون میں

ناسی مہارت حاصل تھی اور عمدہ دیانت کے مالک تھے۔

حافظ ابن الجوزی نے خطیب کو متعصب لکھا ہے : حافظ ابن الجوزیؒ نے یہ **مضمون** اپنی کتاب میں السہم المصیب سے بھی ذکر کیا ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے کہ :۔

واما الخطیبؒ فانہ زاد علیہما فی التعصب وسوء القصد۔

ترجمہ :۔ امام خطیبؒ ان دونوں پر تعصب اور برے قصد میں بڑھے ہوئے ہیں۔

اور بہت افسوس کی بات تو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مثالب میں جو روایات وہ نقل کرتے ہیں فن روایت کے لحاظ سے وہ **نہایت ضعیف** کمزور اور مخدوش ہیں بجائے اس کے کہ ہم الملک المعظمؒ کی السہم المصیب یا علامہ کوثریؒ کی تانیب الخطیب کے حوالہ جات سے علامہ خطیبؒ کی ان روایات اور ان کے راویوں کا حال ذکر کریں' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی غیر حنفی ہی کا حوالہ عرض کر دیں تاکہ تعصب مذہبی کا وہم پیدا نہ ہو۔

امام ابن حجر مکی امام اعظم پر تنقید نہیں مانتے : امام ابن حجر مکی الشافعیؒ علامہ خطیب بغدادیؒ کی ان روایات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

ومما یدل علی ذالک ایضاً ان الاسانید التی ذکرھا للقدح لایخلواغالبہا من متکلم فیہ او مجہول ولا یجوزا جماعا ثم عرض مسلم بمثل ذالک فکیف بامام من ائمۃ المسلمین۔

ترجمہ :۔ اس پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ خطیب بغدادیؒ نے امام ابو حنیفہ کی قدح میں جو سندیں پیش کی ہیں وہ بیشتر متکلم فیہ روات یا مجہول راویوں سے منقول ہیں اور ایسی اسانید سے بالاتفاق کسی مسلمان کی ہتک عزت نہیں کی جا سکتی چہ جائیکہ مسلمانوں کے امام کی۔

علامہ خطیب بغدادیؒ نے جہر بسم اللہ اور قنوت کے مسئلہ میں کتابیں لکھی ہیں۔ قنوت کے بارے حضرت انسؓ کی روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ :۔

مازال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت فی صلوۃ الصبح حتی مات

ترجمہ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تادم وفات صبح کی نماز میں قنوت پڑھی ہے۔

اور اس پر وہ بالکل سکوت اختیار کر جاتے ہیں بلکہ اس سے احتجاج کرتے ہیں' امام ابن الجوزی الحنبلیؒ جوش میں آکر

تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وسکوته عن القدح فی هذا الحدیث و احتجاجه به وحاجته عظیمته و عصبیة باردة وقلة دین لانه یعلم انه باطل ۔

ترجمہ:۔ خطیب بغدادیؒ کا اس روایت پر سکوت کر جانا اور اس سے احتجاج کرنا بڑی کمینگی اور برا تعصب اور کم دینی ہے کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ روایت باطل ہے۔

اور علامہ ذہبی الحنبلیؒ نے بھی ان کی اس اخلاقی پستی کا رونا رویا ہے' چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

احمد بن علی بن ثابت الحافظ ابوبکر تکلم فیه بعضهم وهو وابونعیم وکثیر من العلماء المتاخرین لا اعلم لهم ذنبا اکبر من روایتهم الاحادیث الموضوعة فی تالیفهم غیر محذرین منها وهذا اثم وجنایته علی السنن فالله یعفوا عنا وعنهم

ترجمہ:۔ علامہ خطیب بغدادی اور ابو نعیمؒ اور بہت سے علماء متاخرین کا گناہ میں اس سے بڑھ کر نہیں جانتا کہ وہ بے تحاشا اپنی کتابوں میں جعلی روایتیں نقل کرتے ہیں اور یہ گناہ ہے اور سنت وحدیث پر ایک جنایت اور ظلم ہے' سو اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان سب کو معاف فرما دے۔ (آمین ثم آمین)

قارئین کرام! آپ انصاف کے ساتھ ان اقتباسات کو دیکھیں کہ بقول علامہ ذہبیؒ خطیب بغدادیؒ ابونعیم اور اکثر متاخرین نے سنت پر کس قدر ظلم کیا ہے کہ اپنی کتابوں میں بے تحاشا جعلی حدیثوں کی بھرمار کر دی ہے۔ من کذب علی الحدیث بقول علامہ ابن الصلاح (المتوفی 43ھ) درجہ اول کی متواتر حدیث ہے۔ اور امام ابو محمد الجوینی (المتوفی ھ) کے نزدیک آنحضرت ﷺ پر جھوٹ بولنا اور جعلی حدیث بنانا کفر ہے اور جمہور محدثین اس پر متفق ہیں کہ بلابیان موضوع حدیث کو روایت کرنا حرام ہے۔ یہ وہی علامہ ذہبیؒ ہیں جن کے بعض حوالوں سے مولف تاریخ التقلید نے دھوکا دیا ہے ان ٹھوس اور معنی خیز حوالوں کو بھی دیکھیں اور علامہ خطیب کی کتابوں سے متاثر ہو کر حضرت امام ابو حنیفہ جیسے امام المسلمین کی پگڑی اچھالنے والوں کی دیانت اور علمی انصاف بھی ملاحظہ فرمائیں۔ افسوس ہے کہ اہل علم جو ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنے اور سوچنے کے عادی تھے اٹھتے چلے گئے اور اعجاب کل ذی رای برایہ کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اب ہم ان مبارک اور منصف مزاج ہستیوں کو کہاں سے تلاش کریں جن کے دیکھنے کے لئے

ہماری آنکھیں ترستی ہیں۔ آہ!

پیر مغاں کا دم کہاں، اس کی وہ بزم جم کہاں
بادۂ عیش تو ہم کہاں، نشہ بے نشاط سی تھیں

اختلافات تو پہلے بھی ہوتے تھے لیکن عموماً ان میں زیادہ تر احقاق حق اور فریق ثانی کی صحیح نشاندہی سے آگاہ کرنا ہوتا تھا، اور ان میں خیر خواہی، ہمدردی اور دلسوزی کا حتی الوسع خیال ملحوظ رکھا جاتا تھا اور باوجود اختلاف کے فریق ثانی کی علمی اور خداداد بصیرت کی قدر ہوتی تھی یہ انداز تو ہرگز نہ ہوتا تھا جو آج اختیار کیا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے ائمہ کرامؒ کو معاذاللہ گمراہ ثابت کر کے ہی دم لیا جائے اور ان کی تمام خوبیوں اور کمالات کو یکسر پس پشت ڈال دیا جائے اور ان کی علمی تحقیقات کو معاذاللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے عین مدمقابل لا کھڑا کر دیا جائے اور یہ باور کرانے کی بیجا سعی کی جائے کہ ان حضرات نے ایک متوازی دین قائم کر رکھا ہے جس سے اصل دین کی بنیادیں ہی کھوکھلی کر دی گئی ہیں اور یہی حضرات دین حق میں رخنے ڈالنے کے اصل ذمہ دار ہیں۔ (العیاذباللہ) اور خیر سے بات خود نہیں سمجھی ہوتی کہ ان بزرگوں نے کیا فرمایا اور اس کا ماخذ کیا ہے؟ اور ان کے بیان کردہ مسائل کی کڑی کن نصوص روشن براہین اور صحیح دلائل سے جا ملتی ہے؟ اور اگر بمقتضائے بشریت ان سے کہیں کوئی علمی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو اس کی مناسب توجیہ بیان کر کے ان سے بد ظنی کو دور کیا جائے مگر یہ کام تو صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں خوف خدا ہو اور علم اور اہل علم کی قدر و منزلت ہو اور تحزب (گروہ بندی) اور تعصب سے بچے ہوئے ہوں۔ وقلیل ماھم۔ غرضیکہ ائمہ دین کے بارے میں طعن و لعن اور سب و شتم تو بری چیز ہی ہے ان کے متعلق سوء ظن بھی کچھ کم گناہ نہیں جو بزبان حال یہ کہتے ہیں۔

ارے مالی نہ دے گالی بگاڑا ہم نے کیا تیرا
چمن ہے سیر کرنے کو نہ گھر تیرا نہ گھر میرا

کیا محدث اہل الرائے ہو سکتا ہے؟

جی ہاں! آیئے دیکھتے ہیں کہ محدثین میں سے کون کون سے حضرات اہل الرائے تھے۔

محدثین میں اہل الرائے

ائمہ حدیث میں اہل الرائے صرف وہی حضرات ہوئے جو مجتہد کے درجہ تک پہنچے تھے۔ نص صریح نہ ہونے کی صورت میں کسی مسئلہ میں رائے دینا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ ابن قتیبہؒ نے معارف میں اصحاب الرائے کا عنوان قائم کر کے ان میں سفیان الثوریؒ امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ کو بھی ذکر کیا ہے۔ سو اگر کسی نے امام ابو حنیفہ کو اہل الرائے میں لکھ دیا تو یہ ان کے مجتہدانہ مقام کا ایک علمی اعتراف ہے' محدث ہونے کا انکار نہیں پھر صرف احناف میں ہی اہل الرائے نہیں حافظ محمد بن الحارث الخشنی نے قضاۃ قرطبہ میں مالکیہ کو بھی اصحاب الرائے میں ذکر کیا ہے۔ علامہ سلیمان بن عبدالقوی الطوفی الحنبلی نے اصول حنابلہ پر مختصر الروضہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں ہے:۔

اعلم ان اصحاب الرای بحسب الاضافته هم کل من تصرف فی الاحکام بالرای
فیتنازل جمیع علماء الاسلام کان کل واحد من المجتهدین لایستغنی فی
اجتهاده عن نظر و رای ولو بتحقیق المناط و تنقیحه الذی لانزاع فیه

ترجمہ:۔ جان لو کہ اصحاب الرائے باعتبار اضافت تمام وہ علماء ہیں جو احکام میں فکر کو راہ دیتے ہیں۔ سو یہ لفظ تمام علماء اسلام کو شامل ہو گا کیونکہ مجتہدین میں سے کوئی بھی اپنے اجتہاد میں نظرورای سے مستغنی نہیں گو وہ تحقیق مناط سے ہو اور اس تنقیح سے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تدوین فقہ کے کام کو سرانجام دینے کے باعث حضرت امام نے حدیث کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں کیا لیکن فقہی مباحث کے ضمن میں بہت سی احادیث آپ نے اپنے تلامذہ کے سامنے روایت کیں۔ آپ کی جو روایت آپ سے آگے آپ کے تلامذہ میں چلتی رہیں انہیں حصکفیؒ نے جمع کیا ہے پھر ابوالموید محمد بن محمود الخوارزمی نے تمام مسانید کو 665ھ میں یکجا جمع کیا۔ اسی مجموعہ کو مسند امام اعظمؒ کہا جاتا ہے۔ اس کے لائق اعتماد ہونے کے لئے موسیٰ بن زکریا الحصکفی کی ثقہ شخصیت کے علاوہ یہ بات بھی لائق غور ہے کہ عمدۃ المحدثین ملا علی قاریؒ جیسے اکابر نے اس مسند امام کی شرح لکھی ہے

جو مسند الانام کے نام سے معروف ہے اور علماء میں بے حد مقبول ہے۔

امام وکیع بن الجراح کی علمی منزلت اور فن حدیث میں مرکزی حیثیت اہل علم سے مخفی نہیں ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم آپ کی مرویات سے بھری پڑی ہیں' علم حدیث کے ایسے بالغ نظر علماء کا امام ابو حنیفہ سے حدیث سننا اور پھر ان کا اس قدر گرویدہ ہو جانا کہ انہی کے قول پر فتوے دینا حضرت امام کی علمی منزلت کی ناقابل انکار تاریخی شہادت ہے۔

وکیع حضرت امام اعظم کی فقہ سے فتویٰ دیتے تھے :۔ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں:۔

وکان (وکیع) یفتی برای ابی حنیفته وکان یحفظ حدیثه کله وکان قد سمع من ابی حنیفته حدیثا کثیرا۔ [290]

ترجمہ :۔ حضرت وکیع حضرت امام ابو حنیفہ کی فقہ کے مطابق فتوے دیتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام احادیث یاد رکھتے تھے اور انہوں نے آپ سے بہت سی احادیث سنی تھیں۔

حافظ شمس الدین الذہبی (748ھ) بھی وکیع کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

قال یحیی ما رایت افضل منه یقوم اللیل ویسرد الصوم یفتی بقول ابی حنیفته۔ [291]

ترجمہ :۔ وکیع جیسے حافظ الحدیث اور عظیم محدث کا آپ کی تقلید کرنا اور فقہ حنفی پر فتوے دینا حضرت امام کے مقام حدیث کی ایک کھلی شہادت ہے پھر چند نہیں آپ نے ان سے کثیر احادیث سنیں۔

علم حدیث اور علم فقہ کے علاوہ آپ کی کلام پر بھی گہری نظر تھی' عراق کے کوفی اور بصری اعتقادی فتنوں نے حضرت امام کو اس طرف بھی متوجہ کر دیا تھا۔ آپ نے محدثین کے مسلک پر رہتے ہوئے ان الحادی تحریکات کا خوب مقابلہ کیا' خطیب بغدادی (463ھ) لکھتے ہیں۔

"علم عقائد اور علم کلام میں لوگ ابو حنیفہ کے عیال اور خوشہ چیں ہیں۔" [292]

علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں:۔

والامام ابو حنیفه انما قلت روایته لما شدد فی الروایته والتحمل۔

ترجمہ:۔ اور امام ابو حنیفہ کی روایت قلیل اس لیے ہیں کہ آپ نے روایت اور تحمل روایت کی شرطوں میں سختی کی ہے۔

بایں ہمہ آپ کثیر الروایہ تھے و.کیع نے آپ سے کثیر احادیث سنی ہیں۔

حضرت امام اوزاعی (157ھ):

آپؒ محدث تھے اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ علامہ ذہبیؒ آپؒ کو شیخ الاسلام اور الحافظ لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپؒ اس قابل تھے کہ آپؒ کو خلیفہ وقت بنایا جائے۔ امام ابوزرعہ (281ھ) فرماتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ سے دین اور فقہ کا بڑا ذخیرہ منقول ہے۔ آپؒ اہل شام کے مرجع اور مفتی اعظم تھے۔ مدتوں اہل شام میں آپؒ کی پیروی جاری رہی۔ امام ابن مہدیؒ کا بیان ہے کہ حدیث کے مرکزی امام چار ہیں جن میں امام اوزاعیؒ بھی شامل ہیں اور فرمایا کہ اہل شام میں ان سے بڑا سنت کا کوئی عالم نہ تھا۔ امام ابو اسحاق فزاریؒ کا بیان ہے کہ اگر تمام امت کے لئے خلیفہ انتخاب کرنے کا مجھے اختیار دیا جائے تو میں امام اوزاعیؒ کا انتخاب کروں گا اہل شام کے ساتھ اہل اندلس میں بھی ایک عرصہ تک آپؒ کی تقلید جاری رہی۔ ائمہ اربعہؒ کی طرح آپؒ بھی اس وقت کے امام متبوع رہے۔ عبدالرحمن بن مہدیؒ اسی جہت سے کہا کرتے تھے کہ آپؒ امام فی السنہ ہیں۔ امام فی الحدیث نہیں۔ اس سے مراد ان کے محدث ہونے کا انکار نہ تھا۔ مطلب یہ تھا کہ آپؒ سنت قائمہ میں منسلک ہوئے اور امت کے ایک طبقہ میں آپؒ کی پیروی جاری ہوئی۔

حافظ ابن کثیرؒ آپؒ کو الامام الجلیل علامۃ الوقت اور فقیہ اہل الشام لکھتے ہیں۔ امام عبیداللہ بن عبدالکریمؒ نے فرمایا کہ میں نے امام اوزاعیؒ سے بڑا عقلمند، پرہیزگار، عالم، فصیح، باوقار، حلیم اور خاموش طبع کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔

امام سفیان الثوریؒ (161ھ)

آپؒ کوفہ کے رہنے والے تھے کوفہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آمد کے باعث علم کا گہوارہ تھا۔ گو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مسند نشین حضرت امام ابو حنیفہ ہوئے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اختلاف ائمہ میں اہل کوفہ کے الفاظ کو بھی شامل سمجھے جاتے ہیں۔ صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں:۔

سفیان الثوری بامام فی الحدیث ولیس بامام فی السنته والاوزاعی امام فی السنته ولیس بامام فی الحدیث ومالک بن انس امام فی جمیعھا۔ [1]

ترجمہ:۔ آپؒ نے ایک مجموعہ حدیث بھی مرتب فرمایا تھا جس کا نام جامع سفیان ثوری تھا۔ یہ مجموعہ آپ نے کوفہ میں تحریر کیا تھا۔ فتح الباری وغیرہ میں جامع سفیان الثوری کا ذکر کئی جگہ ملتا ہے۔ [306]

عن ثابت الزاھد قال کان اذا اشکل علی الثوری مسئلته قال مایحسن جوابھا الامن حسدناہ ثم یسال عن اصحابه ویقول ماقال فیه صاحبکم فیحفظ الجواب ثم یفتی به۔ [1]

ترجمہ:۔ ثابت زاہدؒ جو کہ امام سفیان ثوریؒ کے تلامذہ اور امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ کے اساتذہ میں ہیں کہتے ہیں کہ جب امام سفیان ثوریؒ کو کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو فرماتے کہ اس کا جواب بہتر طور پر وہی دے سکتا ہے جس پر ہم لوگ حسد کرتے۔ یعنی امام ابو حنیفہ پھر امام ابو حنیفہ کے تلامذہ سے پوچھتے کہ بتلاؤ تمہارے استاد اس بارہ میں کیا فرماتے ہیں اور پھر اس کو یاد رکھتے اور اسی کے مطابق فتوے دیتے تھے۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حدیث کا عالم فقط وہی نہیں جسے کہ حدیث کے الفاظ زیادہ یاد ہوں بلکہ حدیث کا اصل عالم اور امام وہی ہے جو حدیث کے معانی اور اس کے حقائق و دقائق کو بخوبی سمجھتا ہو۔ اور حدیث کی حفاظت وخدمت کا جذبہ رکھتا ہو۔ امام ابو حنیفہ حدیث کے اس قدر قائل تھے کہ حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم رکھتے۔ الحدیث الضعیف احب الی من رای الرجال ان کا مشہور قول ہے کوفہ کے محدثین حدیث کے بغیر فقیہ بننا جرم سمجھتے تھے۔

وکان سفیان الثوری وابن عیینه وعبداللّٰه بن سنان یقولون لوکان احدنا قاضیا لضربنا بالجرید فقیھا لایتعلم الحدیث ومحدثا لایتعلم الفقه۔ [302]

ترجمہ:۔ سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ اور عبداللہ بن سنان کہا کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی قاضی ہو جائے تو دو شخصوں کو ضرور کوڑے لگائیں۔ ایک وہ کہ جو فقہ سیکھتا ہو اور حدیث کا علم

حاصل نہ کرتا ہو اور ایک وہ جو حدیث پڑھتا ہو اور فقہ حاصل نہ کرتا ہو۔

علامہ ذہبیؒ نے امام ثوریؒ کو الامام، شیخ الاسلام، سید الحفاظ اور الفقیہ لکھا ہے۔ امام شعبہؒ و ابن معینؒ اور ایک کثیر تعداد جماعت کہتی ہے کہ سفیانؒ فن حدیث میں امیرالمومنین تھے۔ ابن مبارکؒ نے کہا کہ میں نے گیارہ سو شیوخ سے احادیث کی سماعت کی ہے جن میں سفیان ثوریؒ سے افضل کسی کو نہ پایا۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اس سرزمین پر کوئی بھی ایسا نہیں رہا کہ جس پر تمام امت متفق ہو۔ ہاں مگر حضرت سفیان ثوریؒ ایسے ضرور تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ احد ائمہ الاسلام اور عابد و متقی اور احد التابعین تھے۔ علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ وہ ائمہ مسلمین میں سے تھے اور بڑے امام اور اعلام دین کے بہت بڑے علم تھے۔ سب کا ان کی امامت پر اتفاق ہے۔[306]

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں آپؒ کے مقلد پانچویں صدی کے بعد تک پائے جاتے رہے ہیں۔[3]

حضرت امام مالکؒ (179ھ)

حضرت امام مالکؒ امام دارالہجرۃ کے نام سے معروف ہیں۔ حدیث کی خدمت میں آپؒ نے حدیث کی مشہور کتاب موطا تالیف کی۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کے بعد ستر علماء کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو سب نے مواطات (موافقت) ظاہر کی۔ اسی لیے اس کا نام مؤطاء رکھا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے قول کے مطابق موطاء میں سترہ سو کے قریب روایات ہیں جن میں سے 600 مسند اور 300 مرسل ہیں۔ بقایا فتاوی صحابہ رضی اللہ عنہم اور اقوال تابعین ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے مؤطاء پڑھنے والے حضرات امام شافعیؒ، یحییٰ اندلسیؒ اور امام محمدؒ کے اسماء سرفہرست ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ المؤطاء مگر یہ بات اس وقت کی ہے جب صحیح بخاری اور صحیح مسلم تالیف نہ ہوئی تھیں۔

محدث نے الفاظ حدیث کی خدمت کی تو اس کا نام حافظ حدیث ہوا اور مجتہد نے معانی حدیث کی خدمت کی تو اس کا لقب عالم حدیث اور فقیہ ہوا۔ امام مالکؒ میں اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں خصوصیات ودیعت فرمائی تھیں کہ احادیث کا ذخیرہ بھی جمع کیا اور فقہ کے بھی امام ٹھہرے۔

اخرج ابن ابی حاتم من طریق مالک بن انس عن ربیعتہ قال ان اللہ تبارک وتعالٰی انزل الیکم الکتاب مفصلا وترک فیہ موضعا للسنتہ وسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وترک فیھا موضعا للرای۔[302]

ترجمہ:۔ امام مالکؒ امام ربیعہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ربیعہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مفصل کتاب نازل فرمائی اور اس میں حدیث کے لئے جگہ چھوڑی اور آنحضرت نے بہت سی باتیں حدیث میں بیان فرمائیں اور قیاس کے لئے جگہ رکھی۔

الفاظ مقصود بالذات نہیں، مقصود اطاعت اور اتباع شریعت ہے اور یہ مقصد معانی کے سمجھنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ مقصود بالذات معنی ہیں الفاظ نہیں، الفاظ مقصود بالعرض ہیں۔

امام مالکؒ تبع تابعینؒ کے طبقہ میں تھے۔ آپؒ کے شیوخ واساتذہ کی تعداد نو سو تھی۔ جن میں تین سو تابعین اور چھ سو تبع تابعینؒ تھے[309] امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ آپؒ کو اگر حدیث کے ایک ٹکڑے پر بھی شک پڑ جاتا تو پوری کی پوری حدیث ترک کر دیتے تھے۔ محدثین کے نزدیک اصح الاسانید میں بحث ہے۔ مشہور ہے کہ جس کے راوی مالکؒ نافعؒ سے اور نافعؒ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہوں وہ اسناد سب سے صحیح ہے۔[310] لیثؒ، ابن مبارکؒ، امام شافعیؒ اور امام محمدؒ جیسے مشاہیر امت آپؒ کے تلامذہ میں سے ہیں اور ابن وہبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں منادی سنی کہ مدینہ میں ایک مالک بن انس رضی اللہ عنہ اور ابن ابی ذئبؒ کے سوا کوئی فتوے نہ دیا کرے۔[311] امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام اسحاق بن ابراہیمؒ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ اگر امام مالکؒ امام اوزاعیؒ اور امام ثوریؒ کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو وہی مسئلہ حق اور سنت ہو گا اگرچہ اس میں نص نہ موجود ہو۔[312] ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ ثقہ، مامون، ثبت، متورع، فقیہ، عالم اور حجت ہیں۔[313] علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ الامام الحافظ فقیہ الامت شیخ الاسلام اور امام دارالہجرت تھے۔ آپؒ کا مسلک زیادہ تر اندلس ومغرب پہنچا[314] افریقی ممالک خصوصاً مغربی افریقہ میں زیادہ تر انہی کے مقلد ہیں۔ اس جلالت علم کے باوجود وہ امام ابوحنیفہ کے معتقد تھے۔ نظر مالک فی کتب ابی حنیفہ وانتفاعہ بہا کمار واہ الدراوردی وغیرہ[315] سو یہ حقیقت ہے کہ امام مالک کا امام ابو حنیفہ کی کتابوں کو دیکھنا اور ان سے نفع حاصل کرنا ثابت ہے۔

حضرت امام ابو یوسف (182ھ)

الامام القاضی یعقوب ابو یوسفؒ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ حدیث کے بہت بڑے عالم اور امام تھے علامہ ذہبیؒ نے آپؒ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ آپؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ آپؒ اپنے دور قضا میں ہر روز دو دو سو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔ ابن خلکانؒ کہتے ہیں کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہیں قاضی

القضاۃ کو لقب دیا گیا۔ آپؒ امام ابو حنیفہ کے معروف تلامذہ میں سے تھے۔ سترہ سال آپؒ کے ساتھ رہے۔ سب سے پہلے اصول فقہ آپؒ نے ہی مرتب کیے ابن خلکانؒ لکھتے ہیں۔

ولم یختلف یحیی بن معین واحمد بن حنبل و علی ابن المدینی فی ثقتہ فی النقل۔

ترجمہ:۔ نقل کے بارے میں یحییٰ بن معینؒ اور احمد بن حنبلؒ اور علی بن المدینیؒ کو آپؒ کی ثقاہت میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

امام ابن عبدالبرؒ امام طبریؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ فقیہ، عالم اور حافظ تھے۔ پچاس ساٹھ تک احادیث وہ ایک ہی مجلس میں یاد کر لیا کرتے اور وہ کثیرالحدیث تھے۔ علامہ ذہبیؒ کا کہنا ہے کہ ابو یوسفؒ حسن الحدیث ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھے حدیث کا شوق پیدا ہوا تو سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ کس درجہ کے محدث تھے۔ علامہ عبدالقادرؒ (696ھ) کہتے ہیں کہ مشرق و مغرب تک کی قضا ان کے سپرد تھی۔ امام نسائیؒ آپؒ کو ثقہ لکھتے ہیں۔ امام بیہقیؒ نے بھی آپؒ کو ثقہ فرمایا ہے۔ امام مزنیؒ کا بیان ہے کہ فقہاء اور اصحاب الرائے میں ابو یوسفؒ سب سے زیادہ حدیث کی اتباع کرنے والے تھے۔ امام ابن معینؒ آپؒ کو صاحب حدیث اور صاحب سنت کہتے ہیں۔ اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اصحاب الرائے میں آپؒ سب سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے والے تھے اور اثبت فی الحدیث تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے آپؒ کو الامام العلامہ اور فقیہ العراقین لکھا ہے۔ امام ابن قتیبہؒ (276ھ) بھی آپؒ کو صاحب سنت اور حافظ لکھتے ہیں۔ ہلال بن یحییٰؒ نے فرمایا کہ تفسیر و مغازی اور تاریخ عرب کے حافظ تھے اور فقہ تو آپؒ کے علوم کا ادنیٰ جزء تھا۔ آپؒ نے اعمشؒ، ہشام بن عروہؒ، سلیمان تیمیؒ، ابواسحاق سبائیؒ، یحییٰ بن سعید الانصاری سے بھی احادیث روایت کیں۔ آپؒ نے مختلف علوم میں تصانیف کیں۔ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی مفصل فہرست لکھی ہے۔ کتاب الخراج آپؒ کی مشہور تصنیف ہے جو خلیفہ ہارون الرشید کے نام آپؒ کی چند تحریروں کا مجموعہ ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

وکنت ربما ملت الی الحدیث فکان ھوابصر بالحدیث الصحیح منی۔

حضرت امام محمدؒ (189ھ)

آپؒ امام ابو حنیفہؒ کے نہایت قابل اعتماد شاگرد تھے۔ بلکہ یوں کہیے کہ حضرت امامؒ کے علوم زیادہ تر آپؒ ہی کے

ذریعہ پھیلے۔ آپؒ نے حضرت امام کی وفات کے بعد مزید تکمیل امام ابو یوسفؒ سے کی اور اس کے بعد امام مالکؒ سے بھی موطاء سنا۔ مگر جو عقیدت حضرت امامؒ سے ہو چکی تھی اس کے نقوش کسی دائرہ علم میں مٹ نہ سکے۔ ابو عبیدہؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے بڑھ کر قرآن کا عالم اور کوئی نہیں دیکھا۔ مشہور ہے کہ آپؒ نے علوم دینیہ میں 990 کتب تصنیف کیں۔۔ امام شافعیؒ بھی آپؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ حدیث کی مشہور کتاب' موطاء امام محمد' آپؒ ہی کے نام سے معنون ہے۔ اس کی محدث کبیر ملا علی قاریؒ نے مبسوط لکھی ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے التعلیق الممجد کے نام سے اس پر ایک مبسوط حاشیہ لکھا ہے۔۔ موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمدؒ ہر دو کتب آج بھی دینی مدارس میں دورہ حدیث میں پڑھائی جاتی ہیں۔ امام شافعیؒ کا قول مشہور ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے بقدر ایک اونٹ کی کتابوں کے علم حاصل کیا۔۔ امام بخاریؒ کے استاد یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جامع صغیر خود امام محمدؒ سے لے کر لکھی ہے۔ جو ان کی مشہور تصنیف ہے۔ امام حربیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ آپؒ یہ مسائل دقیقہ کہاں سے بیان فرماتے ہیں تو کہا کہ امام محمدؒ کی کتب سے[62] امام محمدؒ نے مسعر بن کدامؒ سفیان ثوریؒ مالک بن دینارؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ حضرات سے بھی احادیث روایت کیں۔ امام محمدؒ کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے۔ مگر وہ تفسیر حدیث اور ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے تیس ہزار درہم ترکہ میں چھوڑے تھے۔ پندرہ ہزار میں نے نحو' شعر اور ادب پر خرچ کیے اور پندرہ ہزار فقہ وحدیث کی تعلیم پر صرف کیے[63]۔ امام دار قطنیؒ (385ھ) آپؒ کو ثقات اور حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بیس عدد ثقات اور حفاظ حدیث نے بیان کی ہے جن میں امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ' یحییٰ بن سعید القطانؒ' عبداللہ بن المبارکؒ' عبدالرحمن بن مہدیؒ اور ابن وہبؒ وغیرہ شامل ہیں[64]

حضرت امام شافعیؒ (204ھ) امام محمد بن ادریس الشافعی کی پرورش انتہائی نامساعد حالات اور تنگدستی میں ہوئی۔ بسا اوقات آپؒ کو علمی یادداشتوں کو تحریر کرنے کے لیے کاغذ بھی میسر نہ آتا تھا۔ آپؒ جانوروں کی ہڈیوں پر بھی لکھ لیتے تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچے مؤطا حفظ کر چکے تھے۔ دوسرے سال عراق چلے گئے۔ آپؒ کو پندرہ سال کی عمر میں آپؒ کے شیخ مسلم بن خالدؒ نے فتوے نویسی کی اجازت دے دی تھی۔ علم حدیث و فقہ اور تفسیر و ادب میں کمال حاصل کیا۔ امام نوویؒ نے شرح مہذب میں لکھا ہے کہ امام عبدالرحمنؒ کے فرمانے پر آپؒ نے اصول فقہ پر (الرسالہ) تحریر کیا۔ آپؒ کو اصول فقہ کا موسس کہا جاتا ہے۔ فقہ میں آپؒ صرف صحیح احادیث کو لیتے اور

ضعیف کو ترک کر دیتے۔ آپؒ کی تصنیف کتاب الام اور الرسالہ آج بھی دستیاب ہیں۔

وقال الزعفرانی کان اصحاب الحدیث رقوداً حتی ایقظهم الشافعی وقال ربیع بن سلیمان کان اصحاب الحدیث لا یعرفون تفسیر الحدیث حتی جاء الشافعی۔

ترجمہ:- زعفرانیؒ کہتے ہیں کہ اصحاب حدیث محو خواب تھے۔ امام شافعیؒ نے آکر انہیں بیدار کیا (یعنی معانی اور فقہ کی طرف متوجہ کیا) ربیع بن سلیمانؒ کہتے ہیں۔ کہ اصحاب حدیث تفسیر اور شرح سے واقف نہ تھے امام شافعیؒ نے آکر حدیث کے معانی سمجھائے۔

علامہ ذہبیؒ آپؒ کی تعریف یوں کرتے ہیں:-

الامام العلم حبر الامت و ناصر السنتہ[32]

ترجمہ:- اونچے درجہ کے امام امت کے عالم اور سنت کے مددگار تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں اگر امام شافعیؒ نہ ہوتے تو میں حدیث کے ناسخ و منسوخ کو ہرگز نہ پہنچتا ان کی مجلس میں بیٹھنے سے مجھ کو یہ سب کچھ حاصل ہوا۔ علماء کا آپؒ کی ثقاہت و عبادت اور نزاہت و امانت اور زہد و ورع پر اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ جب بغداد تشریف لائے تو امام احمد بن حنبلؒ نے اس حلقہ درس کو چھوڑ دیا جس میں یحییٰ بن معینؒ اور ان کے معاصرین شریک ہوتے تھے اور امام شافعی کی صحبت اختیار کی۔ حتیٰ کہ اگر امام شافعیؒ کہیں جاتے تو امام احمدؒ ان کی سواری کے ساتھ ساتھ چلتے۔ یحییٰ بن معینؒ کو یہ ناگوار گزار اور کہلا بھیجا کہ یہ طریقہ ترک کر دیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے کہلا بھیجا کہ اگر فقہ (مفہوم حدیث) سمجھنا چاہتے ہو تو امام شافعیؒ کی سواری کی دم پکڑ کر چلو۔ آپؒ کے خادم بنو۔ ۔ آپ فقہ و حدیث کے امام اور جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ سخی بھی تھے۔ بقول حمیدیؒ آپؒ ایک مرتبہ صنعاء سے تشریف لائے۔ خیمہ مکہ سے باہر لگا ہوا تھا اور آپؒ کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ لوگ آپؒ کی ملاقات کے لیے آتے تھے تو آپؒ ان میں تقسیم فرماتے۔ یہاں تک دس ہزار دینار اسی جگہ تقسیم کر دیتے۔[33]

شروع شروع میں تحقیق اسناد پر آپؒ کی توجہ زیادہ تھی۔ ان کے ہاں حدیث کی قبولیت کا معیار اس کی صحت سند تھا' استفاضہ عمل کو کچھ نہ سمجھتے تھے لیکن آخری دور میں آپؒ بھی اس طرف پلٹے جو امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا نظریہ تھا کہ تواتر عمل کے ہوتے ہوئے اسناد کی ضرورت نہیں رہتی۔ بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں ان کے پاس

کوئی صحیح حدیث نہ تھی۔ آپؒ نے یہاں اہل مکہ سے مسلی اسفاً سے استدلال کیا۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں۔

وقال الشافعی و ھکذا ادرکت ببلدنا بمکتہ یصلون عشرین رکعتہ۔[331]

ترجمہ:۔ اور امام شافعی نے کہا اور اسی طرح پایا ہم نے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔

اس فکری تبدیلی کے باعث بہت سے مسائل میں آپؒ کے دو دو قول ملتے ہیں قول قدیم اور قول جدید۔ ا فقہاء شافعیہ میں اس کی بحث رہی ہے۔

امام شافعیؒ کے تفردات کبھی آپؒ اپنی تحقیق میں سب آئمہ کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ ان مسائل کو آپؒ کے تفردات کہا جاتا ہے۔ فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھنے میں آپؒ دوسرے سب اماموں سے علیحدہ ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔ مگر اسے فرض نہ سمجھتے تھے۔ آئمہ اربعہ میں سے تین امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض نہیں کہتے۔ امام شافعیؒ اس مسئلہ میں سب سے علیحدہ ہیں اس طرح آپؒ کے کچھ اور تفردات بھی ہیں۔

مسئلہ طلاق میں آپؒ جمہور امت کے ساتھ ہیں منفرد نہیں۔ آپؒ ایک مجلس میں تین دفعہ دی گئی طلاق کو تین طلاق قرار دیتے تھے۔ آپؒ کے مقلدین کو بھی اس مسئلہ میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ ایک مجلس میں تین دفعہ دی گئی طلاق کو سنت کے خلاف ہے طلاق بدعت ہے لیکن اس کے واقع ہو جانے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف نہیں۔

حضرت امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں۔

وقد اختلف العلماء فی من قال لا مراتہ انت طالق ثلث فقال الشافعی و مالک و ابو حنیفتہ و احمد و جماھیر العلماء من السلف و الخلف یقع الثلاث۔[333]

ترجمہ:۔ سو یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ مسئلہ طلاق میں آپؒ دوسرے آئمہ سے منفرد تھے اور ان کا طریقہ موجودہ دور کے غیر مقلد حضرات کا سا تھا۔

آپؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا بہت احترام کرتے۔ دل و دماغ سے ان کی جلالت علمی کا اعتراف کرتے ایک دفعہ حضرت امامؒ کی مسجد میں نماز پڑھی تو رکوع کے وقت رفع یدین نہ کیا۔ لوگوں نے اسے پوچھا تو فرمایا کہ حضرت امامؒ کا علمی رعب میرے دل پر چھا گیا تھا۔ احترام اکابر کی اس سے بڑی روشن مثال اور کیا ہو گی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (241ھ) اپنے زمانہ کے متفق علیہ امام اور جلیل القدر محدث تھے۔ علی بن المدینیؒ

فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو دو اشخاص کے ذریعے عزت نصیب فرمائی پہلے شخص فتنہ ارتداد کے وقت حضرت ابو بکر صدیق تھے اور دوسرے فتنہ خلق قرآن کے وقت حضرت امام احمد بن حنبلؒ تھے۔ امام احمدؒ المحدثین تھے بخاری۔ مسلمؒ اور ابوداؤدؒ سب حضراتؒ آپؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ آپؒ صاحب مذہب ہیں۔ آپؒ کی فقہ فقہ حنبلی کے نام سے موسوم ہے۔ آپؒ کو ایک لاکھ کے قریب احادیث یاد تھیں۔ آپؒ کی مسند احمد میں بہت سی وہ احادیث جمع ہیں جو دوسرے محدثین کے ہاں نہیں ملتیں۔ ثابت قدمی، حق گوئی اور اتباع سنت میں اپنی مثال آپ تھے۔ یہ آپؒ کا استقلال ہی تھا کہ فتنہ خلق قرآن میں روزانہ کوڑے کھاتے مگر خلق قرآن کا اقرار ہرگز نہ کرتے۔ جب انتقال ہوا تو آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں جنازہ میں شریک ہوئیں۔ حنبل بن اسحق جو امامؒ کے بھتیجے ہیں انہوں نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ آپؒ نے مسند احمد سات لاکھ سے زیادہ ذخیرہ احادیث سے منتخب کی ہے۔

علامہ خطیب بغدادیؒ (423ھ) اپنی سند کے ساتھ احمد بن محمد بن خالد البراثیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ہماری موجودگی میں ایک شخص امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حلال و حرام کے ایک مسئلے کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا خدا تجھ پر رحم کرے کسی اور سے پوچھ لے۔ سائل نے کہا حضرتؒ ہم تو آپؒ ہی سے اس کا جواب سننا چاہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا۔

سل عافاک اللہ غیرنا سل الفقہاء سل اباثور [۳۴]

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ تجھے عافیت سے رکھے کسی اور سے پوچھ لے فقہاء سے پوچھ ابو ثور سے پوچھ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ پر حدیث کا غلبہ تھا۔ فقہ میں آپؒ دوسرے آئمہ کی طرف رجوع کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ آپؒ سرخیل محدثین اور مقتدائے ملت ہیں اور اہلسنت کے امام ہیں۔ مگر مسائل کے بارہ میں کس قدر احتیاط سے چلتے ہیں کہ دوسرے فقہا کا راستہ دکھاتے ہیں۔ اور خود فتوے دینے سے حتی الوسع احتراز کرتے ہیں۔ آپؒ فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا اس لیے حکم دیتے کہ فقہاء قرآن و حدیث کے مطابق ہی مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ امام احمدؒ کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام، سید المسلمین، الحافظ اور الحجۃ [۳۵] امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بغداد میں امام احمدؒ سے بڑا کوئی محدث نہیں دیکھا۔ [۳۶] محدث ابراہیم حربیؒ کہا کرتے تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ میں اللہ تعالیٰ نے اولین و آخرین کے علوم جمع کر دیئے تھے۔ [۳۷]

حضرت امام احمدؒ کا نظریہ حدیث حضرت امام احمد بن حنبلؒ آثار صحابہ کو اپنے لیے حجت اور سند سمجھتے تھے۔ آپؒ کا عقیدہ تھا کہ صحابہ آسمان ہدایت کے روشن ستارے ہیں۔ امت پر ان کی پیروی لازم ہے۔ صحابی کی بات کو حجت تسلیم کرنے میں آپؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (423ھ) لکھتے ہیں۔

(قال ابو عمرو) جعل للصحابته فی ذلک مالم یجعل لغیر هم واظنه مال الی ظاہر حدیث اصحابی کالنجوم واللہ اعلم والی نحو ھذا کان احمد بن حنبل مذھب [(1)]

ترجمہ:۔ امام ابو حنیفہ نے صحابہ کے لیے وہ درجہ مانا ہے جو دوسرے راویوں کے لیے نہیں آپ حدیث اصحابی کالنجوم کے ظاہر کی طرف مائل ہیں امام احمد کی بھی یہی رائے تھے۔

اسی اصول پر آپؒ کا موقف یہ تھا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حضورؐ کے صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ پوری صراحت سے فرما چکے ہیں کہ سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی مگر امام کے پیچھے [(2)] آپ ہی سوچیں کہ صحابی کا اس قدر صریح فیصلہ کیا نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرح حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا موقف بھی یہی ہے کہ حدیث ضعیف کو اپنے قیاس اور اجتہاد پر مقدم کرنا چاہیے۔ ضعیف حدیث کو کلیتاً نظر انداز کر دینا قطعاً صحیح نہیں جب کسی موضوع پر صحیح حدیث نہ ملے تو وہاں ضعیف حدیث کو ہی لے لینا چاہیے۔ حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک اس باب میں ایک ہے۔ حافظ ابن قیمؒ (751ھ) لکھتے ہیں۔

تقدیم الحدیث الضعیف و اثار الصحابته علی القیاس والرای قوله و قول احمد۔ [(3)]

ترجمہ:۔ سو ضعیف حدیث اور آثار صحابہ کو قیاس اور رائے پر مقدم کرنا امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور یہی قول امام احمد کا ہے۔

نوٹ: صحابہ کی پیروی سے جو فقہ مرتب ہوئی اللہ تعالیٰ اسے بڑے قبولیت سے نوازتے رہے ہیں۔ تاریخ اسلامی میں حکومتی سطح پر زیادہ تر دو ہی فقہ نافذ العمل رہی ہیں۔ فقہ حنفی اور فقہ حنبلی۔ دور اول میں قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسفؒ تھے۔ اس دور میں سعودی عرب کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی ہے کہ انہوں نے اللہ کی حدود قائم کیں اور فقہ حنبلی کے مطابق فیصلے کیے۔

جن حضرات کا ہم نے یہاں تذکرہ کیا ہے۔ وہ سب آئمہ حدیث تھے۔ آئمہ حدیث میں صرف وہی حضرات شامل نہیں ہوتے جو کہ صرف روایات کو اسانید اور مختلف طرق سے بیان کر سکیں۔ بلکہ وہ بھی آئمہ حدیث ہوتے ہیں جو حدیث کی کسی بھی نوع کی خدمت کریں۔ خواہ اسناد بیان کریں' خواہ مسائل کا استنباط کریں اور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔

صاحب کنز العمال لکھتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو اہل الرائے اور اہل الفقہ کو مشورہ کے لیے بلاتے۔ مہاجرین و انصار میں سے اہل عمل کو بلاتے' حضرت عمر' حضرت عثمان حضرت علی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت کو بلاتے۔ یہی لوگ حضرت ابو بکر کے زمانہ خلافت میں فتوے دیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمر خلیفہ ہوئے وہ بھی انہی حضرات سے مشورہ لیا کرتے تھے اور فتوے کا مدار انہی حضرات پر تھا۔[۱۱۱]

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ علماء حدیث سب صحابہ کرام تھے۔ مگر اہل الرائے اور اہل الفقہ صرف فقہاء صحابہ ہی تھے۔ فقہ حدیث سے جدا کوئی چیز نہ تھی۔ یہ حدیث کی ہی تفسیر ہوتی تھی۔ اسے محض رائے سمجھ لینا بہت بڑی غلطی ہے۔ سوید بن نصر جو کہ امام ترمذی اور امام نسائی کے شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

لا تقولو رای ابو حنیفتہ ولکن قولوا تفسیر الحدیث۔[۱۱۲]

ترجمہ:۔ یہ نہ کہا کرو ابو حنیفہ کی رائے بلکہ کہو یہ حدیث کی شرح اور تفسیر ہے۔

فقہ حدیث سے الگ کوئی چیز نہیں فقہ کے خلاف ذہن بنانا خود حدیث سے بدگمان کرنا ہے۔ لفظ رای یہ عقلی استنباط کا ہی دوسرا نام ہے۔ اجتہاد رائے سے ہی تو ہوتا ہے۔ حضرت عمر نے قاضی شریح کو لکھا تھا۔

فاختر ای الامرین شئت ان شئت ان تجتھد برائیک۔[۱۱۳]

ترجمہ:۔ ان دو کاموں میں سے جس کو چاہے اختیار کر لے چاہے تو اپنی رائے سے اجتہاد کر لینا۔

حضرت زید بن ثابت نے اس کے ساتھ دوسرے مجتہدین سے معلوم کر لینے کی بھی تعلیم دی ہے۔ فاسئل اھل الرای ثم اجتھد و اختر لنفسک ولا حرج۔ دوسرے اہل الرائے سے بھی پوچھ لینا پھر اجتہاد کرنا اور اپنا

توقف اختیار کرنا اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ عباسؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ سب اہل الرائے تھے۔

باب ہشتم

1ے سورۃ الحشر آیت 2

2ے ایضاً آیت 21

3ے سورۃ النساء آیت 59

4ے سورۃ بنی اسرائیل آیت 23

5ے تفسیر روح المعانی علامہ محمود آلوسی بغدادی

6ے تفسیر ابن کثیر۔ ص 3، ج 1

7ے ابو داود، ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ

8ے مشکوٰۃ

9ے ابو داود

10ے اصول فقہ، قاری حبیب الرحمن صدیقی، قرآن محل کراچی، 1964ء

11ے اسلامی دستور۔ ص 17

12ے ایضاً

13ے ملخصاً از اصول فقہ، قاری حبیب الرحمن صدیقی، قرآن محل کراچی، 1964ء

14ے نہایہ السول جمال الدین۔ ص 228، دارالحدیث، قاہرہ، 1952ء

15ے طبقات ابن سعد۔ ص 136، ج 3، دارالشعب، قاہرہ، 1961ء

16ے الاقوال الصحیح فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ۔ ص 341، شمس الدین احمد نعمان اکیڈمی، گلی مسجد ڈیوڑھا پھاٹک گوجرانوالہ، 1980ء

17ے

18ے مستدرک حاکم۔ ص 24، ج 2

19ے سنن دارمی۔ ص 80

20ے منہاج السنہ لابن تیمیہ۔ ص 156، ج 3، 1955ء

21ے الاقوال الصحیح فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ۔ ص 342، 1980ء

22- مستدرک حاکم۔ ص [illegible] ج 1

23- سنن کبریٰ۔ ص 115 ج 10

24- ابو حنیفہ' محمد ابو زہرہ۔ ص 45' 1985ء

25- مستدرک حاکم ص 442' ج 3

26- مقدمہ فتح الملہم شبیر احمد عثمانی۔ ص 72' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1977ء

27- ابو داود

28- جامع بیان العلم ابن عبدالبر ص 338 مطبوعہ مصر 1947ء

29- فتح القدیر ابن الہمام ص 315 ج 2 مصر 1940ء

30- تفسیر ابن کثیر ص 20 ج 1 دار العلم کراچی 1965ء

31- کتاب اختلاف الحدیث شافعی ص 17 ج 7 بیروت 1977ء

32- کنز العمال علی متقی ص 174 ص 2 مصر 1935ء

33- سورۃ نساء آیت 59

34- بخاری باب من یرد اللہ

35- عمدۃ القاری شرح بخاری ص 88 مصر 1942

36- سورۃ الجمعہ آیت 4

37- کتاب المیزان عبدالوہاب شعرانی ص 55 ج 1 مصر 1942

38- نہایہ ابن اثیر جزری ص 179 ج 2 مصر 1940

39- ایضاً" ص 179 ج 1

40- تذکرۃ الحفاظ ذہبی ص 148 ج 1 مصر 1960

41- تاریخ بغداد خطیب بغدادی ص 445 ج 8 مصر 1955ء

42- الملل والنحل عبدالکریم شہرستانی ص 148 ج 2

43- مقدمہ ابن خلدون ص 447

44- ایضاً" ص 447

45- " " 446

46- " " 446

47- " " 448

48- حجۃ اللہ البالغۃ [illegible] ص 161 [illegible] 1953ء

49- [illegible]

51۔ الجواہر المضیہ حافظ عبدالقادر قرشی ص 160 ج 1 مطبوعہ مصر 1946ء

52۔ مناقب ذہبی ص 25

53۔ ایضاً" ص 26

54۔ ایضاً" ص 27

55۔

56۔ میزان الاعتدال ذہبی (مقدمہ) ص 13 مطبوعہ مصر 1926ء

57۔ ایضاً" ص 44

58۔

59۔ فتح الباری ابن حجر ص 461 مطبوعہ مصر 1954ء

60۔ خیرات الحسان۔ ص 197 ج 1 طبع دکن حیدر آباد۔ 1977ء [illegible] سورۃ الحج آیات 46 -

61۔ مقدمہ فتح الملہم۔ ص 72 ادارہ نشر القرآن کراچی 1995ء

62۔ نہایہ۔ ص 179 ج 2 طبع مصر و مقدمہ تحفۃ الاحوذی۔ ص 206 دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

63۔ مجمع البحار۔ ص 450 ج 1 دار العلم بیروت 1957ء

64۔ مرقات۔ ص 78 ج 2 مقدمہ تحفۃ الاحوذی۔ ص 206 لکھنؤ 1985ء

65۔ تذکرۃ۔ ص 148 ج 1 قاہرہ دار العلم 1941ء

66۔ تاریخ بغداد۔ ص 425 ج 8 دار العلم بیروت 1957ء

67۔ ایضاً"۔ ص 423 ج 8

68۔ ایضاً" ص 224

69۔ تاریخ بغداد۔ ص 428 ج 8 دار العلم بیروت 1957ء

70۔ کتاب الملل والنحل۔ ص 146 ج 2 دار المعارف حیدر آباد دکن 1946ء

71۔ ایضاً"۔ ص 146

72۔ مقدمہ ابن خلدون۔ ص 446 طبع مصر 1355ء

73۔ ایضاً"۔ ص 447

74۔ مقدمہ ابن خلدون۔ ص 446، قاہرہ، دار العلم، 1955ء

75۔ ایضاً۔ ص 447

76۔ ایضاً۔ ص 448

77۔ مقدمہ۔ ص 448

78۔ ہدایہ السائل الی ادلۃ المسائل، نواب صدیق حسن خان۔ ص 181، لکھنؤ، 1946ء

79۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، شاہ ولی اللہ۔ ص 171، مجتبائی پریس، دہلی، 1971ء

80۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب نمبر 55، ص 14، دہلی، 1956ء

81۔ مقدمہ معیار الحق۔ ص 5، چٹان پریس لاہور، 1988ء

82۔ حجۃ اللہ البالغہ۔ ص 161، ج 1، مجتبائی پریس، دہلی، 1958ء

83۔ ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل نواب صدیق حسن خان۔ ص 68، لکھنؤ، 1955ء

84۔ الجواہر المضیہ۔ ص 234، ج 1، دار العلم، بیروت 1957ء

85۔ مناقب ابی حنیفہ ملا علی قاری۔ بحوالہ جواہر ص 534، ج 2، دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

86۔ مکتوبات امام ربانی دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوبات نمبر 55، ص 15 طبع امرتسر، 1957ء

87۔ ہدایہ السائل الی ادلۃ المسائل نواب صدیق حسن خان۔ ص 284، 1955ء

88۔ تحفۃ الاحوذی مولانا مبارکپوری ص 77 سطر مبارکپور 1427ھ 89۔ مقام ابی حنیفہ سرفراز خان ص 1991ء

90۔ سیرت نعمان، شبلی نعمانی۔ ص 88، پنجاب پریس لاہور، 1985ء

91۔ مفتاح السعادہ طاش کبری زادہ۔ ص 107، ج 2، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

92۔ مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم بشیر احمد عثمانی۔ ص 72، ادارہ نشر القرآن کراچی، 1985ء

93۔ خیرات الحسان فی مناقب نعمان، ابن حجر مکی۔ ص 71، ادارہ نشر القرآن کراچی، 1975ء

94۔ ابو داود۔ ص 316، ج 1

95۔ ایضاً۔ ص 22، ج 1

96۔ ابو داود۔ ص 149، ج 2

97۔ جامع بیان العلم و فضلہ بن عبدالبر۔ ص 77، ج 2، دار العلم، بیروت 1957ء

98۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 290، ج 4، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

۹۹۔ تفسیر ابن کثیر۔ ص [illegible] ج ا

۱۰۰۔ فتح القدیر قاضی شوکانی۔ ص 319 ج [illegible] دار المعلم، بیروت 1997ء

۱۰۱۔ تفسیر ابن کثیر۔ ص 190 ج ا

۱۰۲۔ مجمع الزوائد۔ ص 178 ج ا دار الحدیث، قاہرہ 1952ء

۱۰۳۔ طبقات ابن سعد۔ ص 136 ج [illegible] دار الحدیث، قاہرہ 1951ء

9

104۔ اعلام الموقعین۔ ص 51' ج 1' دار العلم' بیروت 1957ء

105۔ داری۔ ص 58' ج 1

106۔ اختلاف الحدیث' امام شافعی۔ ص 17' ج 1' دار العلم' بیروت 1957ء

107۔ میزان الکبری عبدالوہاب شعرانی۔ ص 49' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1946ء

108۔ داری۔ ص 60' ج 1

109۔ مستدرک حاکم۔ ص 340' ج 4

110۔ ایضاً۔ ص 94' ج 4

111۔ داری۔ ص 61' ج 1

112۔ ایضاً۔ ص 59' ج 1

113۔ سنن الکبری۔ ص 115' ج 10

114۔ ایضاً

115۔ ایضاً۔ ص 117' ج 10

116۔ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری۔ ص 79' حیدر آباد دکن' 1942ء

117۔ ابو داود۔ ص 285' ج 2

118۔ ابو حنیفہ حیاتہ و اثرہ و آراءہ' محمد ابو زہرہ۔ ص 308' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

119۔ مستدرک حاکم۔ ص 487' ج 3

120۔ ہدایہ السائل الی ادلۃ المسائل نواب صدیق حسن خان۔ ص 418' حیدر آباد دکن' 1946ء

121۔ مسئلہ اجتہاد' محمد حنیف ندوی۔ ص 60' لکھنؤ' 1977ء

122۔ تاریخ بغداد' خطیب بغدادی۔ ص 368' ج 13' دار العلم' بیروت 1957ء

123۔ الانتقاء فی فضائل ثلاثۃ الخلفاء' ابن عبدالبر۔ ص 143' دار السفہ' بیروت' 1946ء

124۔ خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 27' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

125۔ مناقب ابی حنیفہ' شمس الدین ذہبی۔ ص 2' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

126۔ المیزان الکبریٰ' عبدالوہاب شعرانی۔ ص 29' ج 1' دار العلم' بیروت 1957ء

127ـ الانتقاء حافظ ابن عبدالبر۔ ص 144، طبع مصر، قاہرہ، 1946ء

128ـ ایضاً

129ـ جواہر المضیہ۔ ص 473، ج 2، دار العلم، بیروت 1957ء

130ـ مفتاح السعادہ طاش کبری زادہ۔ ص 67، ج 2، دمشق، 1941ء

131ـ خیرات الحسان فی مناقب النعمان۔ ص 27، قرآن محل، کراچی، 1981

132ـ خیرات الحسان فی مناقب النعمان۔ ص 27، نیز تبییض الصحیفہ سیوطی۔ ص 28، قرآن محل، کراچی، 1981ء

133ـ الجواہر المضیہ۔ ص 460، ج 2، دار العلم، بیروت 1957ء

134ـ جامع بیان العلم ابن عبدالبر۔ ص 132، ج 2، دارالحدیث، بیروت، 1952ء

135ـ مناقب صدرالائمہ موفق بن احمد مکی۔ ص 53، ج 2، دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

136ـ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 313، ج 13، دار العلم، بیروت 1957ء

137ـ معرفت علوم الحدیث۔ ص 66، نیز تہذیب التہذیب۔ ص 316، ج 7، دارالحدیث، قاہرہ، 1952ء

138ـ الانتقاء ابن عبدالبر۔ ص 140، دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

139ـ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 352، ج 13، دار العلم، بیروت 1957ء

140ـ المیزان الکبریٰ، عبدالوہاب شعرانی۔ ص 50، ج 1، دار العلم، بیروت 1957ء

141ـ خیرات الحسان فی مناقب النعمان۔ ص 26، 27، ادارہ نشر القرآن کراچی، 1995ء

142ـ المیزان الکبریٰ، عبدالوہاب شعرانی۔ ص 56، ج 1، دار العلم، بیروت 1957ء

143ـ ایضاً۔ ص 57

144ـ ایضاً۔ ص 50

145ـ المیزان الکبریٰ عبدالوہاب شعرانی۔ ص 57، 58، ج 1، دار العلم، بیروت 1957ء

146ـ المیزان الکبریٰ، عبدالوہاب شعرانی۔ ص 54، ج 1، دار العلم، بیروت 1957ء

147ـ ایضاً۔ ص 55

148ـ تاریخ اہل حدیث، میر صاحب۔ ص 115، اردو پریس لاہور، 1977ء

149ـ درمختار محمد بن علی حصکفی المتوفی 1088ء، حیدر آباد دکن، 1942ء

در المختار محمد امین شامی المتوفی 1252ء۔ ص 469' ج 2' حیدر آباد دکن' 1942ء

عقد الجید شاہ ولی اللہ۔ ص 84' مجتبائی پریس' دہلی' 1938ء

ایضاً"۔ ص 85

شامی محمد امین شامی۔ ص 70' ج 1' دار العلم' بیروت 1957ء

مرقات شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری۔ ص 3' ج 1' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 27' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

دلیل الطالب نواب صدیق حسن خان۔ ص 887' حیدر آباد دکن' 1942ء

تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 367' ج 13' نیز تبییض الصحیفہ سیوطی۔ ص 22' دار العلم' بیروت 1957ء

تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 367' ج 13' دار العلم' بیروت 1957ء

الجواہر المنیفہ عبدالقادر قرشی۔ ص 468' ج 2' دار العلم' بیروت 1957ء

جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبر۔ ص 48' ج 2' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

ترمذی۔ ص 119' ج 2' نیز مشکوٰۃ۔ ص 35' ج 1

مستدرک حاکم۔ ص 430' ج 4' نیز تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 307' ج 13' دار العلم' بیروت 1957ء

میزان الاعتدال۔ ص 535' ج 2' نیز تہذیب التہذیب۔ ص 460' ج 10' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

احسن الکلام۔ ص 84' ج 2' حیدر آباد دکن' 1945ء

تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 311' ج 13' دار العلم' بیروت 1957ء

دار قطنی۔ ص 486' ج 2'

67۔ تعلیق المغنی۔ ص 486' ج 2

68۔ تہذیب التہذیب۔ ص 180' ج 9' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

69۔ ایضاً"۔ ص 393 تا 395' ج 1

70۔ ابن ماجہ۔ ص 7

71۔ تہذیب التہذیب۔ ص 273' ج 4' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

172ـ دار قطنی۔ ص 486، ج 2

173ـ تہذیب التہذیب۔ ص 40، ج 10، دارالحدیث، قاہرہ، 1952ء

174ـ بخاری۔ ص 1087، ج 2

175ـ ایضاً" ص 87

176ـ حاشیہ بخاری۔ ص 1087، ج 2

177ـ ایضاً" ص 229

178ـ داری۔ ص 57، ج 1

179ـ ایضاً" 57

180ـ ایضاً"۔ ص 114

181ـ سنن الکبری۔ ص 117، ج 1

182ـ ایضاً" ص 117

183ـ بخاری۔ ص 1092، ج 2

184ـ معیار الحق۔ ص 2، طبع چٹان پریس لاہور، 1977ء

185ـ ورثۃ الحجرات 13

186ـ ایضاً"۔ ص 13، نیز تاریخ اہل حدیث۔ ص 73، اردو پریس لاہور، 1977ء

187ـ سبیل رسول، محمد صادق۔ 332، پنجاب پریس، لاہور، 1972ء

188ـ ایضاً"۔ 334 (189) ایضاً"

189ـ منہاج السنۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ ص 89، ج 2، دارالحدیث، قاہرہ، 1941ء

190ـ ایضاً"۔ ص 92، ج 2

191ـ مختصر الفتاوی المصریہ۔ ص 554 طبع مصر، 1976ء

192ـ الاعتصام شاطبی۔ ص 291، ج 2 طبع مصر، 1977ء

193ـ ایضاً"۔ ص 89، ج 2

193ـ ایضاً"۔ ص 138

194ـ الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ نواب صدیق حسن خان۔ ص 15، لکھنؤ، 1944ء

تفسیر فتح القدیر قاضی شوکانی۔ ص 219' ج 3 طبع مصر' 1946ء

جامع بیان العلم و فضلہ حافظ ابن عبدالبر۔ ص 77' ج 2' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

الرسالہ امام شافعی۔ ص 31'

تفسیر عثمانی' شبیر احمد عثمانی۔ ص حاشیہ سورۃ کہف۔ ص 393

نیل الاوطار قاضی شوکانی۔ ص 22 طبع مصر' 1941ء

تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 15' ج 3' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبر۔ ص 148' ج 2' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 209' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

تعلیق المجد عبدالحی لکھنوی۔ ص 20' مجتبائی' پریس دہلی' 1977ء

حجۃ اللہ البالغہ ص 133' ج 1 مجتبائی پریس دہلی' 1971ء

تذکرۃ الحفاظ۔ ص 115' ج 2' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

ایضاً۔ ص 224' ج 1

ایضاً

فتح الملہم شرح مسلم شبیر احمد عثمانی۔ ص 71' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1985ء

میزان الاعتدال ذہبی۔ ص 15' دمشق' 1972ء

مقدمہ نصب الرایہ شرح ہدایہ۔ ص 58' قاہرہ' 1942ء

حاشیہ تاریخ بغداد۔ ص 325' ج 13' قاہرہ' 1936ء

لسان المیزان ابن حجر عسقلانی۔ ص 488' ج 2' دارالمعارف حیدر آباد' 1936ء

طبقات الشافعیہ الکبریٰ' تاج الدین سبکی۔ ص 188' ج 1 طبع مصر' 1933ء

ایضاً ص 188

تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 41' ج 3' دار العلم' بیروت 1957ء

تہذیب التہذیب۔ ص 339' ج 9' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 14' ج 14' دار العلم' بیروت 1957ء

220۔ خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 28' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

221۔ جامع المسانید خوارزمی۔ ص 33' ج 1 طبع دکن حیدر آباد' حیدر آباد دکن' 1962ء

222۔ ترمذی۔ ص 116' ج 1' نیز تحفۃ الاحوذی عبدالرحمن مبارکپوری۔ ص 106' ج 2' دہلی' 1951ء

223۔ نتائج التقلید۔ ص 109 مطبع اسلامیہ' کانپور'

224۔ منیتہ الالمعی قاسم بن قطلوبغا بحوالہ نتائج التقلید۔ ص 39' مطبع اسلامیہ کانپور

225۔ فتح الملہم شبیر احمد عثمانی۔ ص 310' ج 3' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

226۔ ایضاً ص 310

227۔ فتح الباری ابن حجر عسقلانی بحوالہ فتح الملہم۔ ص 310' ج 3' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1977ء

228۔ بخاری۔ ص 238' ج 1' نیز مسلم۔ ص 409' ج 1

229۔ شرح مسلم' نووی شافعی۔ ص 409' ج 1

230۔ الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع سخاوی شافعی' بیروت' 1941ء

231۔ بخاری۔ ص 591' ج 2

232۔ زاد المعاد حافظ ابن قیم۔ ص 72' ج 2' دار الحدیث' بیروت' 1962ء

233۔ فتح الباری۔ ص 67

234۔ مسلم۔ ص 368' ج 2

235۔ مستدرک۔ ص 39' ج 4

236۔ مسلم۔ ص 368' ج 2

237۔ مسند احمد باب [illegible]

238۔ مسلم۔ ص 71' ج 2

239۔ بخاری۔ ص 372' ج 1

240۔ مسلم۔ ص 105' ج 2

241۔ شرح مسلم۔ ص 104' ج 2

242۔ بخاری۔ ص 265' ج 1

بخاری ایضاً

مقدمہ تحفۃ الاحوذی عبدالرحمٰن مبارکپوری۔ ص 222، مجتبائی پریس، دہلی، 1968ء

تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 470، ج 2، دار العلم، بیروت 1957ء

میزان الکبریٰ عبدالوہاب شعرانی۔ ص 50، ج 1، ادارہ نشر القرآن کراچی، 1995ء

نتائج التقلید۔ ص 30، عربی پریس، دہلی، 1970ء

بخاری۔ ص [illegible]، ج 1، نیز مسلم۔ ص 350، ج 1

ابن ماجہ۔ باب [illegible]

بخاری۔ ص 175، ج 2 [illegible]

شرح مسلم۔ ص 129، ج 1

بخاری۔ ص 847، ج 2

البدایہ والنہایہ۔ ص 219، ج 1، دار العلم، بیروت 1957ء

تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 34، ج 2، نیز طبقات الشافعیہ الکبریٰ۔ ص 14، ج 2، دار العلم، بیروت 1957ء

بخاری۔ ص 755، ج 2

ایضاً۔ ص 756، ج 2

ایضاً، [illegible] 756

قیام اللیل۔ ص 61 و طبقات ابن سعد۔ ص 53، ج 3، حلب، 1376ھ

طحاوی۔ ص 205، ج 1، تہذیب التہذیب۔ ص 511، ج 1، دار الحدیث، قاہرہ، 1952ء

طحاوی۔ ص 205، ج 1، و قیام اللیل۔ ص 63، حلب، 1376ھ

تذکرۃ الحفاظ۔ ص 329، ج 1، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

مفتاح الجنۃ سیوطی۔ ص 29 طبع مصر، 1941ء

تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 470، ج 12، دار العلم، بیروت 1957ء

ایضاً۔ ص 141، ج 14

ایضاً۔ ص 12، ج 2

بخاری۔ ص 170، ج 1

مسلم۔ ص 304، ج 1

شرح مسلم نووی۔ ص 304، ج 1

بخاری۔ ص 795، ج 2

بخاری۔ ص 26، ج 1

مسلم۔ ص 130، ج 1

مسلم۔ ص 82، ج 2

مسلم شرح نووی۔ ص 82، ج 2

مسلم۔ ص 138، ج 1

شرح مسلم نووی۔ ص 138، ج 1

کتاب الامام فی حدیث الاحکام ص 214۔ مطبوعہ دارالعلم قاہرہ 1946ء۔

طبقات۔ ص 45، ج 2

جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبر۔ ص 149، ج 2، دارالحدیث، قاہرہ، 1952ء

ایضاً۔ ص 162، ج 2

منہاج السنہ ابن تیمیہ۔ ص 259، ج 1، دارالسنہ، قاہرہ، 1941ء

المنتظم ابن الجوزی۔ ص 269، ج 8، دارالسنہ، قاہرہ، 1948ء

السہم المصیب فی کبد الخطیب الملک المعظم۔ ص 134 طبع دیوبند، 1957ء

سہم المصیب ابن الجوزی بحوالہ تانیب الخطیب زاہد کوثری۔ ص 11 طبع مصر، 1957ء

خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر۔ ص 69، قرآن محل، کراچی، 1985ء

نصب الرایہ شرح ہدایہ۔ ص 136، ج 3 طبع مصر، 1942ء

شرح نخبہ الفکر ابن حجر۔ ص 11، ادارہ نشر القرآن کراچی، 1995ء

شرح نخبہ الفکر ابن حجر۔ ص 59، ادارہ نشر القرآن کراچی، 1995ء

کتاب الانتقاء بحوالہ جامع بیان العلم ابن عبدالبر۔ ص 149، ج 2، دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 282، ج 1، قاہرہ، دارالعلم، 1941ء

تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 161، ج 13، دارالعلم، بیروت 1957ء

مقدمہ ابن خلدون۔ ص 92' بیروت' 1981ء

تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 15' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

تہذیب التہذیب۔ ص 139' ج 6' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 168' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

البدایہ والنہایہ۔ ص 115' ج 10' قاہرہ' 1936ء

الاکمال۔ ص 628' دار المعارف' حیدر آباد دکن' 1940ء

ایضاً۔ ص 22

فتح الباری کتاب الجہاد۔ ص 53' ج 6

مناقب صدر الائمہ موفق بن احمد مکی۔ ص 268' ج 1' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 190' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

ایضاً۔ ص 191

البدایہ والنہایہ۔ ص 134' ج 10' قاہرہ' 1936ء

تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 152' ج 9' دار العلم' بیروت 1957ء

تدریب الراوی سیوطی۔ ص 360' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

در منثور سیوطی۔ ص 36' قاہرہ' 1960ء

تہذیب الاسماء نووی۔ ص 30' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

ترجمان السنہ بدر عالم۔ ص 242' ج 1' اسلامک پبلیکیشنز لاہور' 1972ء

مشاہیر امت' قاری محمد طیب۔ ص 29' دیوبند' 1978ء

تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 195' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

تہذیب التہذیب۔ ص 8' ج 10' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

بستان المحدثین شاہ عبد العزیز۔ ص 26' دہلی' 1957ء

انتقاء۔ ص 14' دار العلم' بیروت 1957ء

ترجمان السنہ۔ ص 250' ج 1' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

انتقاء۔ ص 172' دار العلم' بیروت 1957ء

مستدرک حاکم۔ ص 177' ج 1

تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 255' ج 14' دار العلم' بیروت 1957ء

الجواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 221' ج 2' دار العلم' بیروت 1957ء

کتاب الضعفاء الصغیر نسائی۔ ص 27' حلب' 1977ء

السنن الکبریٰ' بیہقی۔ ص 247' ج 1'

البدایہ والنہایہ۔ ص 180' ج 10' دارالحدیث' قاہرہ' 1938ء

تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 269' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

مقدمہ اعلاء السنن' ظفر احمد عثمانی۔ ص 2' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

تہذیب الاسماء۔ ص 81' ج 1' دار المعارف' حیدر آباد دکن' 1942ء

تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 173' ج 2' دار العلم' بیروت 1957ء

نصب الرایہ۔ ص 409' ج 1' بیروت' 1940ء

تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 329' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

مشاہیر امت قاری محمد طیب۔ ص 28' دیوبند' 1985ء

ترجمان السنہ' بدر عالم۔ ص 246' ج 1' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

جامع الترمذی۔ ص 139' ج 1'

شرح مسلم نووی۔ ص 290' ج 1

تاریخ بغداد خطیب بغداد۔ ص 66' ج 6' دار العلم' بیروت 1957ء

تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 12' ج 2' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 419' ج 4' دار العلم' بیروت 1957ء

تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 17' ج 2' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبر۔ ص 11' ج 1' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

اعلام الموقعین۔ ص 21' دار الکتب العربیہ بیروت 1965ء

ع

- کنز العمال علی متقی۔ ص 134' ج 3' مجتبائی پریس' دہلی' 1942ء
- مناقب صدر الائمہ موفق بن احمد۔ ص 51' ج 2' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء
- سنن داری۔ ص 60' ج 1'
- سنن کبریٰ بیہقی۔ ص 115' ج 10
- مستدرک حاکم۔ ص 340' ج 4
- میزان الکبریٰ عبد الوہاب شعرانی۔ ص 49' ج 1' بیروت' 1978ء
- شرح فقہ اکبر۔ ص 79' قاہرہ' 1951ء
- سنن داری۔ ص 59' ج 1
- مستدرک حاکم۔ ص 447' ج 3

آٹھواں
باب

صحتِ حدیث
اور امام اعظم

فہرست مضامین

باب ہشتم

(1)

اصطلاحات فن حدیث

1- حدیث :-

(الف) معنی لغوی: نیا، گفتگو، جمع احادیث

(ب) اصطلاحی: وہ قول یا فعل یا تقریر و حال جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت ہو نیز صحابہ کے قول و فعل و تقریر اور تابعی کے قول و فعل کو بھی حدیث کہتے ہیں۔[1]

تقریر سے مراد ہے کس امر واقعہ کے سامنے یا علم میں آنے پر خاموش رہنا' اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کی وجہ سے آپؐ کی خاموشی' ایسے ہی صحابہ کی جو عظمت ہے اس کی بنا پر ان کی خاموشی تائید کی دلیل ہے۔[2] یعنی "تقریر" کا مفہوم ہے "خاموش تائید" اور "حال" سے جسمانی و اخلاقی احوال مراد ہیں یعنی حلیہ اور اخلاق و عادات وغیرہ خواہ ان کا تعلق بیداری کی حالت سے ہو یا نیند کی۔[3]

2- اثر:-

(الف) تعریف لغوی: کسی چیز کا باقی ماندہ حصہ' نشان' جمع آثار۔

(ب) تعریف اصطلاحی: کی بابت تین اقوال ہیں۔

1- حدیث کا ہم معنی و مترادف ہے' اسی نسبت سے محدث کو "اثری" کہتے ہیں۔

2- صحابہ یا تابعین کی طرف منسوب قول و فعل۔

3- وہ چیز جس کی نسبت صحابہ کی طرف ہو۔[4]

عموماً محدثین کا معمول قول اول کے مطابق عمل ہے۔[5]

3- سنت:-

(الف) معنی لغوی! طریقہ، عادت، جمع سنن

(ب) اصطلاحی! مفاہیم کئی ہیں مثلاً

-1 بمعنی حدیث ______ اس معنی میں زیادہ معروف و مستعمل ہے۔

-2 حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل

-3 کتاب و سنت سے ثابت حکم۔

-4 بدعت کا بالمقابل حکم۔

-5 فرض واجب کے علاوہ دوسرے اعمال جن کے کرنے کا مطالبہ ہو، بالخصوص جس کی لزوم کے بغیر تاکید ہے، کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر عتاب ہے۔

-6 حضرات صحابہ و تابعین کے معمولات و فتاوی اور ان سے منقول اصول و قواعد۔

-4 سند:-

(الف) معنی لغوی! سہارا، جمع اسناد

(ب) اصطلاحی! ناقلین حدیث و خبر کے ناموں پر مشتمل حصہ۔

-5 متن:-

(الف) زمین کا سخت ابھرا ہوا حصہ، پشت، جمع متون

(ب) سند کے بعد کا حصہ کلام

(یعنی اصل مضمون، واقعہ اور قول و حال جس کا نقل کرنا مقصود ہوتا ہے)۔

-6 راوی:-

(الف) لغوی معنی! روایت کرنے والا، نقل کرنے والا، جمع رواۃ

(ب) اصطلاحی حدیث کو نقل کرنے والا، سند حدیث میں آنے والا ہر فرد "راوی" کہلاتا ہے۔ اور مجموعہ "مسند" کہلاتا ہے۔

-7 مروی:-

(الف) معنی لغوی روایت کیا ہوا، نقل کردہ، جمع مرویات

(ب) اصطلاحی! وہ امر جسے روایت کیا جائے خواہ قول ہو یا فعل جسے "مسند" کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی کو "متن" کہتے ہیں اور روایت بھی جس کی جمع "روایات" آتی ہے۔

8- اسناد:-

(الف) معنی لغوی! ٹیک لگانا، سہارا دینا

(ب) اصطلاحی! کسی بات کو اس کے کہنے والے کی طرف منسوب کرنا، بمعنی سند

9- مسند:-

(الف) تعریف لغوی! منسوب، سہارا دیا ہوا۔

(ب) اصطلاحی! تین معانی ہیں۔

1- ہر وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی احادیث کو یکجا جمع کیا گیا ہو۔

2- وہ حدیث جو مرفوع ہو اور اس کی سند متصل[7] ہو۔

3- سند۔

القاب اہل فن

10- مسند:-

(الف) تعریف لغوی! نسبت کرنے والا، سہارا دینے والا

(ب) اصطلاحی! سند کے ساتھ روایت کو نقل کرنے والا۔

11- محدث:-

وہ عالم جسے حدیث کے الفاظ و معانی دونوں کا علم ہو اور روایات اور ان کے راویوں کے بڑے حصے سے واقف ہو، محض الفاظ روایت کا ہی ناقل نہ ہو۔[8]

12- حافظ:-

جمع حفاظ

معنی اصطلاحی! کی بابت تین قول ہیں۔

(الف) بمعنی محدث اکثر محدثین کے نزدیک۔

(ب) ایسا محدث جس کی محدثین کے ہر طبقہ کے افراد کی بابت معلومات غیر معلومات سے زائد ہوں۔

ہر طبقہ کے افراد سے مراد عہد صحابہ و تابعین سے لے کر خود اس محدث کے عہد تک کے راویات حدیث ہیں بالخصوص عام متون حدیث و علوم حدیث کی تدوین کے عہد تک کے محدثین اس لیے کہ اس کے بعد اس سلسلہ کی کتابوں پر ہی اعتماد کیا جانے لگا۔ جنہیں آئمہ محدثین نے پوری تحقیق و احتیاط کے ساتھ تصنیف کیا ہے۔

(ج) ایسا محدث جس کو کم سے کم ایک لاکھ احادیث کا پورا علم ہو۔[9]

ان دونوں تعریفات کے اعتبار سے "حافظ" محدث سے فائق ہوتا ہے۔ "حفاظ محدثین" بہت بڑی تعداد میں گذرے ہیں۔ متقدمین' اہل تحقیق محدثین تقریباً سب کے سب اسی صف میں شمار ہوتے ہیں۔ سیوطی نے ان سے واقفیت کو مستقل ایک علم بتایا ہے اور ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" کے نام سے کتاب لکھی ہے اور ذہبی کے بعد کئی محدثین نے "تذکرۃ الحفاظ" پر اضافے کیے ہیں۔

13- حجت :-

(الف) تعریف لغوی! دلیل

(ب) اصطلاحی! وہ محدث جس کو تین لاکھ احادیث کا پورا پورا علم ہو۔

14- حاکم :-

وہ محدث جس کی احادیث سے واقفیت اتنی جامع ہو کہ شاید ہی کچھ حصہ اس کی معلومات سے باہر ہو۔[11]

15- **امیر المومنین فی الحدیث :-** یہ بھی اکابر اہل فن کے امتیازی القاب میں سے ہے بلکہ یہ سب سے اعلیٰ و ارفع ہے' اس کا مصداق وہ اہل تحقیق آئمہ فن قرار دیئے گئے ہیں جو فن کی جملہ معلومات میں ان تمام افراد سے فائق ہوں جن کو اس کے علاوہ دیگر القاب کا مصداق قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ سب اس کی طرف رجوع کرتے ہوں اور اس کی آراء و تحقیق کو بنظر اطمینان و اعتماد دیکھتے ہوں۔

محدثین نے جن حضرات کے لیے یہ لقب تجویز کیے ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔ سفیان ثوری' شعبہ بن حجاج' حماد بن سلمہ' عبداللہ بن مبارک' احمد بن حنبل' بخاری و مسلم رحمہم اللہ وغیرہ۔[11]

16- تنبیہ:- مذکورہ القاب کی نسبت جو تحدیدات ذکر کی گئی ہیں یہ اور ان کا اختلاف دراصل ہمارے اسلاف کی نسبت سے ہے جو تعریف کرنے والوں کے عرف و ماحول اور معیار پر مبنی ہے' چنانچہ سیوطی نے مزی سے "حفظ" کی وہ حد جس تک پہنچ جانے پر "محدث" "حافظ" کہلانے کا مستحق قرار پاتا ہے اس حد کی بابت نقل کیا ہے' کہ "اہل عرف کی طرف رجوع کیا جائے" اور بعض حضرات سے یہ تصریح بھی نقل کی ہے کہ معروف تعریفات و تحدیدات ان لوگوں کے زمانے کے اعتبار سے تھیں جن کے حق میں وہ منقول ہیں اور جن سے منقول ہیں۔[12]

17- عہد حاضر:- کی نسبت سے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے مذکورہ بعض القاب کی تحدیدات فرمائی ہیں' جن کو "شیخ عبدالفتاح ابوغدہ" نے مستحسن قرار دیتے ہوئے بعض حضرات سے اس کی تائید بھی نقل کی ہے' حضرت تھانوی فرماتے ہیں۔

محدث وہ ہے جو کتب حدیث کے مطالعہ اور درس و تدریس کے ساتھ ہی زیادہ تر اشتغال رکھے۔

حافظ' ایسا اشغال رکھنے والا وہ عالم جو فنی تحقیقات کے اس مقام پر پہنچ جائے کہ حدیث کو سنتے ہی اس کی معلومات اس کو بتا دیں کہ یہ حدیث "صحاح" میں سے ہے "حسان" یا یہ کہ "ضعاف" میں سے ہے' نیز اس کو ایک ہزار سے زائد احادیث محفوظ ہوں۔

حجت' وہ محدث کہلائے گا جو فن کی معلومات و تحقیقات میں اتنا عالی مقام رکھتا ہو کہ وہ کسی حدیث کی تحقیق کی نسبت سے جو کچھ کہہ دے اس کے ہم عصر اس کو تسلیم کریں۔[13]

(2) معرفت حفاظ

1- تمہید:- پچھلے اوراق میں القاب اہل فن گذر چکے ہیں ان میں "حافظ" سے اوپر دو القاب مذکور ہیں اور "حافظ" کے بعد تین' بعد والے تینوں "حافظ" سے فائق ہیں۔ ترتیب وار جیسے کہ "حافظ" کو پہلے دونوں پر فوقیت حاصل

ہے۔

یہاں "حافظ" کی معرفت سے محض انہیں محدثین کے احوال سے واقفیت مراد نہیں ہے جن کو اس لقب سے نوازا گیا ہے۔ بلکہ تمام اہل تحقیق اہل فن' مراد ہیں جن کو "حافظ" سے لے کر "امیر المؤمنین فی الحدیث تک کے القاب سے نوازا گیا ہے جیسا کہ ان کتب سے ظاہر ہے جن کو "حفاظ" کے احوال کے متعلق ترتیب دیا گیا ہے کہ ان میں ان تمام درجوں کے اہل فن و اہل تحقیق کے تذکرے ہیں۔[4]

2- **حفاظ کون لوگ ہیں :-** اوپر واضح کر دیا گیا ہے کہ یہاں فن سے تعلق رکھنے والے کن لوگوں کو "حفاظ" کا مصداق قرار دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن حضرات نے حدیث و علوم حدیث کی بابت نمایاں' قابل قدر' کارنامے انجام دیئے ہیں خواہ تصنیف کی لائن سے ہو یا صرف درس و تدریس کی لائن سے' ایسے لوگ حدیث و علوم حدیث کی بابت اپنے تبحر و تحقیق کی وجہ سے "حفاظ" میں شمار کیے گئے ہیں۔ اور حدیث کی اہمیت و عظمت کی نسبت سے امت کے بے شمار افراد اس فہرست میں شامل ہیں اور ہر دور و ہر عہد کے' جیسا کہ ان کے تذکرہ پر مشتمل کتب سے ظاہر ہے' سیوطی نے تدریب کے آخر میں 93 نمبر پر اس کو علوم حدیث میں ذکر کیا ہے اور یہ آخری علم ہے جس پر انہوں نے کلام کیا ہے اور کئی صفحات میں تفصیل کے ساتھ مختلف زمانوں کے ایسے افراد کا ذکر کیا ہے جو ہماری وضاحت کے مطابق اس کے مصداق کے تحت آتے ہیں۔[5]

3- **مشہور و اہم مؤلفات :-** یوں تو رجال کی ان تمام کتابوں میں "حفاظ" کا تذکرہ ہے جو مختلف انداز میں ہر عہد و زمانے کے علماء و محدثین کے احوال پر تالیف کی گئی ہیں' مگر صرف انہیں کتابوں میں جو صرف "ثقات" کے ذکر پر مشتمل ہیں یا "ثقات و ضعفاء" دونوں کے تذکرے ان میں ہیں ایسی کتابوں کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے' لیکن بعض کتابیں "تذکرہ حفاظ" کی نسبت سے بایں معنی معروف ہیں کہ ان کو اسی عنوان سے تالیف کیا گیا ہے اور ان کتابوں میں ان حضرات کے تذکرے ہیں جن کے منصب علمی کی وضاحت کرتے ہوئے ان کے متعلق علماء نے مذکورہ وسیع مفہوم کے مطابق "حافظ" ہونے کی تصریح کی ہے۔[6]

یہ کام شمس الدین ذہبی م 748ھ نے اپنی کتاب "تذکرۃ الحفاظ" میں کیا ہے اور دوسرے حضرات نے اپنی تالیفات میں کیا ہے جن کو ذہبی کی کتاب پر اضافے کی حیثیت سے "ذیل تذکرۃ الحفاظ" اور اس جیسے عناوین سے تالیف کیا ہے۔ یہ کام کرنے والے' تینوں حضرات ہوئے ہیں۔

1- ابو المحاسن حسینی و مشقی م 765ھ بعنوان "ذیل تذکرۃ الحفاظ"۔

2- تقی الدین بن فہدم 871ھ بعنوان "لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ"۔

3- جلال الدین سیوطی م 911ھ بعنوان "ذیل طبقات الحفاظ"

سیوطی نے ذہبی کے تذکرہ کی بعنوان "طبقات الحفاظ" تلخیص بھی کی ہے مگر مفید اضافوں کے ساتھ' مذکورہ تینوں افراد کے اضافے "مجموعہ" تذکرۃ الحفاظ کے نام سے یکجا شائع کیے گئے ہیں' ذہبی نے 700ھ تک کے ایسے حضرات کا ذکر کیا ہے جن کی تعداد (1176) ہے' اضافہ کرنے والوں نے اپنے اپنے عہد و زمانے کے ایسے حضرات کا ذکر کیا ہے۔ سیوطی نے دسویں صدی تک کے افراد کا ذکر کیا ہے۔[17]

(3) آداب المحدث

محدث کی تعریف میں گذر چکا ہے کہ وہ الفاظ اور معانی دونوں کا عالم ہوتا ہے۔ یہاں محدث کے آداب بیان کئے جاتے ہیں کہ محدث کو تیرہ علوم میں مہارت تامہ حاصل ہوتی ہے۔

1- **معرفت نیت :-** ایک طالب حدیث کو یہ جان لینا ضروری ہے کہ علم الحدیث ہی وہ علم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے صحت کے ساتھ علم کا ذریعہ ہوتا ہے' تاکہ آپ کی طرف قول و فعل میں سے کوئی ایسی شئی منسوب نہ ہو جائے جو حضور کی اپنی نہ ہو۔ اصل حدیث کے لئے اس سے زیادہ اور کیا شرف و عزت کا سبب ہو سکتا ہے کہ ان کے لئے حصول حدیث کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قیامت کے دن ان کا امام ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ (یوم ندعو کل اناس بامامہم) قیامت کا وہ دن ہو گا جس میں ہر شخص کو ہم اس کے امام (پیشوا) کے ساتھ جمع کریں گے' نیز تمام علوم شرعیہ دینیہ کا موقوف علیہ علم حدیث ہے۔ خصوصاً" علم فقہ کا محتاج ہونا تو بالکل واضح ہے علم التفسیر میں بھی قرآن کریم کی آیات کی وہی تفسیر حقیقی تفسیر ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کی گئی ہو یہی وہ علم ہے جو ایک طرف مکارم اخلاق کا مخزن ہے اور دوسری طرف علوم آخرت کا مبداو منتہا ہے' کہا جا سکتا ہے کہ جو مسلم دنیا میں اس سے محروم رہا وہ دنیا اور آخرت کی ایک بڑی خیر و نعمت سے محروم رہا جس نے اس علم کو حاصل کر لیا اس نے دنیا و آخرت کی ایک عظیم نعمت و خیر کو حاصل

کر لیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ طلب حدیث کے وقت انسان پر خلوص نیت رکھتا ہو اور دنیوی اغراض سے اپنے قلب کو پاک و صاف کر چکا ہو اس کو دنیوی ریاست و عزت و جاہ کا ذریعہ بنانے کی نیت نہ رکھتا ہو' بلکہ بڑا مقصد یہ ہو کہ وہ اس کے حصول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی اشاعت اور تبلیغ کرے گا تاکہ آپ کی امت کے لئے دنیا و آخرت دونوں کی نجات حاصل ہو سکے' آنحضرت صلعم نے اسی سلسلہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ (انما الاعمال بالنیات) اعمال پر جزا و سزا کا مرتب ہونا نیت پر موقوف ہے۔

سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حبیب بن ثابت سے عرض کیا ہمارے سامنے کوئی حدیث بیان فرمائیں فرمایا پہلے حسن نیت پیدا کر لو۔ اس کے بعد یہ مطالبہ کرو۔ کسی نے ابوالاحوص سلام بن سلیم رحمتہ اللہ علیہ سے حدیث سنانے کی خواہش ظاہر کی فرمایا اس کے متعلق میری کوئی نیت نہیں ہے اس نے عرض کیا۔ تب بھی آپ کو اجر ملے گا' فرمایا یمنونی الخیر الکثیر و اتمنی مجوت کفافا" لا علیّ ولالیا) لوگ مجھے خیر کثیر کی امید دلاتے ہیں لیکن میری یہ آرزو ہے کہ مجھے نجات اس طرح مل جائے نہ مجھ پر الزام ہو اور نہ میرے عمل کا بدلہ ہو۔[8]

2- **درس حدیث:-** درس حدیث دینے کے لئے کیا عمر متعین ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن خلاد کا بیان ہے کہ پچاس سالہ عمر ہونا چاہئے لیکن چالیس سال کی عمر میں کوئی حرج نہیں ہے! قاضی عیاض نے اس تعین کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ عموماً" سلف اور ان کے بعد والے محدثین نے اس عمر کو پہنچنے سے قبل ہی درس و تدریس کے سلسلہ کو شروع کیا ہے جن کے من جملہ' عمر بن عبدالعزیز' سعید بن جبیر' ابراہیم نخعی ہیں امام مالک بن انس بیس سال سے کچھ تھوڑی زیادہ عمر میں شیخ الحدیث ہو گئے تھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ صرف سترہ سال کی عمر تھی آپ کے درس میں کثرت سے لوگ شامل ہوتے حالانکہ اس وقت آپ کے وہ شیوخ بھی موجود تھے جن سے آپ نے حدیث حاصل کی تھی۔ مثلاً" ربیعہ و زہری و نافع و ابن منکدرو ابن ہرمزوغیرہم۔ اسی طرح دیگر آئمہ متقدمین و متاخرین کی حالت تھی۔ حضرت منکدر نے اٹھارہ سال کی عمر میں درس دینا شروع کر دیا تھا۔ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جب اور جس عمر میں کسی شخص میں ایسی صلاحیتیں اور اوصاف پیدا ہو جائیں جو ایک محدث کی شان کے لئے ضروری ہیں درس حدیث کے لئے مجلس قائم کرنے کا اس کو حق حاصل ہے! خواہ عمر کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح جب کسی شخص کو بوڑھا ہونے' نابینا ہونے یا زبان میں کسی بیماری کا لاحق ہونے کی وجہ سے یہ محسوس ہو کہ وہ تحدیث میں نقصان کا سبب

ہو گا اس کو چاہیے کہ اس سلسلہ کو بند کر دے۔ ابن خلاد رحمتہ اللہ علیہ نے ثانی حالت کے لئے بھی اسی سال کا تعین کیا ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت انس و سہل ابن سعد وغیرہ صحابہ اس عمر کو پہنچنے کے بعد بھی حدیث بیان کرنے کے سلسلہ کو جاری رکھے رہے۔ تابعین میں سے قاضی شریح و مجاہد و شعبی نے جاری رکھا۔ تبع تابعین میں سے امام مالک ولیث و بن عیینہ نے ایسا ہی کیا صحابہ میں سے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے سو سال کی عمر ہو جانے کے بعد احادیث بیان کیں اور تابعین میں سے شریک بن عبداللہ نمیری ہیں۔ تبع تابعین میں سے حسن بن عرفہ اور ابو القاسم عبداللہ بن محمد البغوی وابو اسحق ابراہیم بن علی الہجیمی حدیث بیان کرتے رہے حالانکہ آخر الذکر کی عمر ایک سو تیس سال ہو چکی تھی۔ خلاصہ یہ کہ حدیث بیان کرنے کی ابتداء و انتہا کا ہر ملک و زمانے اور ان لوگوں کے حالات کو پیش نظر رکھ کر حکم لگایا جائے گا۔[19]

3- **معرفت سماع بالذات**:- بہتر یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس کی اپنی ذات سے کسی سبب کی بناء پر اولیٰ موجود ہو مثلاً" عمر میں زائد یا علم یا سند یا سماع حدیث میں مرجع ہے۔ یعنی اس کی کی سند متصل ہے۔ سماع بالذات ہے اس کی سماع اس کے مقابلہ میں بالاجازت ہے وغیرہ تو اس کے مقابلہ میں خود حدیث بیان کرنے کی جرات نہ کرے۔ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ جس شہر میں انسان سے کوئی شخص افضل موجود ہو تو اس کے مقابلہ میں حدیث بیان کرنا مکروہ ہے یحیٰ بن معین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے ایسا کیا کہ اپنے سے افضل شخص کے موجود ہوتے حدیث بیان کی سمجھ لو کہ یہ احمق ہے' نیز افضل کے موجود ہوتے اگر اس سے کسی حدیث کا مطالبہ کیا جائے تو باوجود اس حدیث کا عالم ہونے کے اس افضل کا حوالہ دے کر اس کی طرف متوجہ کر دے کتاب الاقتراح میں کہا ہے کہ اگر ادنیٰ میں کوئی ایسی صفت اعلیٰ کے مقابلہ میں موجود ہے جو اعلیٰ میں نہیں ہے مثلاً" اعلیٰ کی اسناد عامیانہ ہے اور ادنیٰ اس سند کا عالم و ضابطہ ہے تو ایسے موقعہ پر توقف کرنا چاہئے کیونکہ اعلیٰ کی طرف سائل کو راہ دکھا دینے سے خلل کا اندیشہ بھی ہو سکتا ہے۔ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک کسی افضل کے موجود ہوتے ہوئے ادنیٰ کا حدیث بیان کرنا نہ تو مکروہ ہے اور نہ ہی خلاف اولیٰ کیونکہ علماء نے اس حدیث سے (ان ابنی کان عسیفا") پھر اسی حدیث میں اس شخص کا یہ کہنا (فاخبرونی) اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود ہوئے صحابہ کرام فتوی دیا کرتے تھے' مذکورہ حدیث کو بخاری و مسلم نے بالاتفاق روایت کیا ہے جس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے حضور سے عرض کیا) کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ

کے مطابق فیصلہ فرمائیے اور مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں کچھ عرض کروں۔ حضور نے فرمایا کہو۔ عرض کیا! میرا لڑکا اس دوسرے شخص کے یہاں مزدوری کرتا تھا اس سے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کا فعل سرزد ہو گیا پس مجھے علماء نے اطلاع دی کہ میرے لڑکے پر سنگساری کی حد جاری ہو گی۔ چنانچہ میں نے (اس کے معاوضہ میں) ایک سو بکریاں اور ایک باندی فدیہ میں دے دیں پھر میں نے دوبارہ اہل علم سے سوال کیا انہوں نے فرمایا کہ میرے لڑکے پر سو کوڑوں کی حد جاری ہو گی اور ایک سال کے لئے وطن سے باہر نکال دیا جائے گا۔ سنگساری صرف اس شخص کی بیوی کی حد ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا' لیکن اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا" حدیث بشرط ضرورت لی گئی اس واقعہ سے علماء نے استنباط کیا ہے کہ افضل کے موجود ہوتے مفضول کا فتویٰ بلا کراہیت جائز ہے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ آپ نے سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا۔ حدیث بیان کیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا آپ کے موجود ہوتے ہوئے ایسا کروں۔ فرمایا کیا تم اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت نہیں سمجھتے کہ میں موجود ہوں اور تم حدیث بیان کرو اگر تم سے خطاء ہو جائے گی تو میں تمہاری اصلاح کرونگا۔

اگر محدثین کی ایک جماعت سماع وغیرہ صفات میں یکساں ہو ایسی حالت میں کسی ایک شخص کا درس حدیث دینا دوسروں سے بری کر دے گا یعنی کسی ایک کے عمل سے دوسروں سے مواخذہ ساقط ہو جائے گا لیکن اگر صرف ایک ہی فرد اس قابل ہے کہ درس حدیث کا کام انجام دے اس کے علاوہ دوسرا شخص موجود نہیں ایسی حالت میں اس شخص پر درس کا کام فرض عین ہو جائے گا۔ درس دینے کے وقت درس کی مجلس میں ہر قسم کے لوگ شامل ہو سکتے ہیں خواہ وہ صحیح النیت ہوں یا نہ ہوں اس لئے کہ اگرچہ اسوقت کسی شخص کی نیت درست نہیں ہے لیکن ممکن ہے کہ اس وقت کے بعد اس کی نیت میں خلوص عطا فرما دیا جائے حضرت معمر و حبیب بن ثابت کا بیان ہے کہ جس وقت ہم نے حدیث کی طلب شروع کی اس وقت ہماری اس کے متعلق کوئی نیت نہ تھی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا جوئی کے لئے طلب حدیث ہمارے اندر پیدا فرما دی۔ انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ثواب عظیم کی نیت کے ساتھ حدیث کی نشرواشاعت کرے اور لوگوں میں یہ جذبہ پیدا کرے کہ ان کی طبائع حصول حدیث کی طرف راغب ہوں اوران کے قلوب میں حدیث کے لئے الفت پیدا ہو۔ صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مروی ہے۔ ابلغو عنی لیبلغ الشاھد الغائب میری طرف سے لوگوں کو پہنچاؤ جو لوگ حاضر ہیں وہ ایسے لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں

حاضر نہیں ہیں! حاکم کے اربعین میں ایک روایت نقل کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (جس شخص نے میری امت کی طرف میری ایک حدیث پہنچائی جس سے اس کا مقصد قیام سنت در رد بدعت ہو اس کے لئے جنت ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کسی وقت میں ہم دل شکستگی اختیار نہ کریں اور لوگوں کو سنن کا علم پہنچاتے رہیں۔[51]

4- **معرفت حضور مجلس:-** حدیث کی مجلس میں پاک و صاف باوضو ہو کر حاضر ہونا خوشبو کا استعمال کرنا مستحب ہے سر اور داڑھی کے بال سنوارے ہوئے ہوں صدر مجلس میں وقار و ہیبت کے ساتھ متمکن ہو! امام مالک رحمتہ اللہ کا عمل اسی پر تھا کسی نے آپ سے دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا اس عمل سے میرا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا اعزاز و وقار ہے۔ آپ راستہ چلتے کھڑے ہو کر حدیث بیان کرنا مکروہ خیال فرماتے (بیہقی) کسی شخص کو اس مجلس میں آواز بلند کرنے کی اجازت نہ دے اگر کوئی شخص اس کا مرتکب ہو جائے اس کو آئندہ کے لئے تنبیہہ کر دیتے۔ تمام حاضرین مجلس کی طرف برابر کی توجہ سے کام لے۔ حمد و صلوۃ سے مجلس درس کو شروع کرے اور اسی پر ختم کرے اور جو حالات کے مطابق دعا مناسب ہو آخر میں وہ دعا کرے۔ حدیث کو اتنی تیزی سے نہ پڑھے کہ اس کے بعض الفاظ سمجھنے میں نہ آسکیں کیونکہ یہ حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کلام فرمایا کرتے تو اتنے اطمینان کے ساتھ کہ اگر اس کے کلمات شمار کرنے والا شمار کرنا چاہتا تو شمار کر سکتا تھا درس کی مجلس میں شیخ یا قاری کسی شخص کی تنظیم کے لئے نہ کھڑا ہو ابو زید مروزی سے مروی ہے آپ نے فرمایا حدیث کا قاری قرات کی حالت میں اگر کسی شخص کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گا اس کے نامہ اعمال میں ایک گناہ کا ارتکاب لکھ دیا جائے گا۔[52]

5- **توفیق خداوندی:-** طالب حدیث کو چاہئے کہ طلب حدیث کے وقت توفیق خداوندی و سہولت تحصیل و درستی کی خدا سے استدعا کرے بہترین اخلاق و پسندیدہ ادب کو اپنا شعار بنائے۔ حصول حدیث سے اس کی نیت خالص اللہ تعالٰی کی رضامندی حاصل کرنا ہو' ابو عاصم نبیل فرماتے ہیں جو شخص حدیث شریف کا طالب ہوتا ہے وہ درحقیقت امور دین میں ایک اعلی درجہ کے علم کو طلب کرتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ خود بھی انسانوں میں بہترین درجہ کا انسان ہو! جہاں اس کے حصول میں امکانی جدوجہد ہو سکے اس میں کوتاہی نہ کرے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا" روایت ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا تھا۔ (احرص علی ما ینفعک واستعن باللّٰہ ولاتعجز) جو علم تمہارے لئے نافع ہو اس کے حصول میں حرص سے کام لو۔ خدا سے اس کے سلسلہ میں مدد مانگو اور اپنے آپ کو اس

کے حصول میں عاجز نہ بناؤ۔ یحییٰ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے (لا ینال العلم براحتہ الجسم) یعنی علم جسمانی راحت کے ساتھ حاصل نہیں ہوا کرتا۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں (جو شخص ملال و لاپرواہی سے طلب علم کرتا ہے کبھی کامیاب نہیں ہوتا) طالب کو چاہئے کہ مقامی شیوخ میں جو شیخ اسناد و علم و فضل زہد و دین میں شہرت رکھتا ہو اس سے رجوع کرے پھر یکے بعد دیگر شیوخ سے ان روایات کی سماعت حاصل کرے جن میں سے وہ حضرات منفرد ہوں۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد پھر ایسے مقامات کا سفر اختیار کرے جہاں بڑے درجہ کے حفاظ حدیث کی ملاقات ممکن ہو۔ عبادات و آداب و اخلاق و فضائل اعمال میں جو احادیث حاصل ہوں ان پر عمل کرے یہ درحقیقت حدیث کی زکوۃ اور اس کے محفوظ ہونے کا ذریعہ ہوگا۔[23]

طالب پر لازم ہے کہ اپنے شیخ اور اس سے مسموعات کی نہایت عزت و توقیر کرے کیونکہ علم کی عزت اور اس سے انتفاع کا ایک یہی ذریعہ ہے اپنے شیخ کی جلالت شان اور اس کے اپنی طرف رجحان کو ملحوظ رکھے جہاں تک ممکن ہو ایسا طریقہ اختیار کرے کہ شیخ کی رضامندی کا سبب ہو اس کو تنگی و ملال میں ڈالنے والا نہ ہو! شیخ کی خدمت میں اتنی طویل مجلس نہ ہو کہ جس سے شیخ کے قلب پر کسی تندگی و ملال کا اثر پیدا ہو کیونکہ یہ عمل عموماً" شیخ کے حق میں سوء اخلاق کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسماعیل ابن ابی خالد رحمتہ اللہ اخلاق کے لحاظ سے شیوخ میں احسن اخلاق سے متصف تھے لیکن تلامذہ (سامعین) کی بداطواری نے ان کے اخلاق میں تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب آپ حدیث کی مجلس سے فارغ ہو کر چلنے لگے تو ایک شخص نے آپ سے کسی حدیث کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا اگر تم میری طاقت سے باہر کسی شے کی مجھے تکلیف دو گے تو ہو سکتا ہے کہ کسی وقت مجھ سے بد اخلاقی صادر ہو جائے! جو امور طالب کو اپنی مشغولی کے سلسلہ میں پیش آتے ہوں ان میں شیخ سے مشورہ لے شیخ پر لازم ہے کہ اپنے شاگرد کے حق میں نصیحت سے کام لیتا رہے۔ طالب کو چاہئے کہ جب کوئی حدیث کسی شیخ سے حاصل کرے اپنے ساتھی کو پہنچانے کی کوشش کرے اس سلسلہ میں بخل سے کام نہ لے احادیث کا نشر اس کے فرائض میں سے ایک فریضہ ہے اس سے انتہائی پرہیز کرے کہ حصول علم میں حیاء یا تکبر مانع آ جائے چھوٹے اور بڑے ہر شخص سے علم حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ کتاب حدیث کے متعلق جو کچھ بھی جتنا سنے وہ پورا پورا لکھے اس کے انتخاب کی کوشش نہ کرے نہ معلوم کس وقت اس کو اس حصہ کی ضرورت پیش آ جائے جس کو اس نے اپنے انتخاب میں چھوڑ دیا ہو۔ تحریر کا کام اپنی ذات سے انجام دے لیکن اگر خود عاجز ہو تو پھر کسی دوسرے حافظ و ضابط سے کام لے۔[24]

طالب کو چاہئے کہ صرف حدیث کے سماع اور اس کے تحریر کر لینے پر ہی کفایت نہ کرے بلکہ یہ ضروری ہے کہ حدیث کی سماعت و کتابت کے بعد اس کی معرفت کے حاصل کرنے میں فہم سے کام لیتے ہوئے حدیث کے صحیح و حسن و ضعف کو پہچاننے کی طرف متوجہ ہو۔ حدیث کے حقیقی مقصد یا حکم فقہی اور اس کے الفاظ کے لغوی معنی اور معنی مراد پر غور و فکر کرے۔ عبارت کے اعراب و اسماء رجال کے ذریعہ اس کی تحقیق کرے جو کتب حدیث کی مدون ہو چکی ہیں ان پر پورا پورا عبور حاصل کرے جو الفاظ و کلمات مشکلات میں سے ہیں ان کی تحقیق کے لئے متعلقہ فنون کی طرف رجوع کرے۔[25]

احادیث کی تصنیف و جمع کرنے کا طریقہ:- متقدمین اہل حدیث نے احادیث کے جمع کرنے میں متعدد طریقے اختیار کئے ہیں۔ اول یہ کہ احادیث کو ابواب فقیہ پر جمع کیا گیا ہے جیسے کہ صحاح ستہ یعنی بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ چنانچہ ان کتب میں ہر مسئلہ کے متعلق مستقل ابواب مقرر کر کے احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ دوسرا طریقہ احادیث کو مسند کی صورت میں جمع کیا وہ نعیم بن حماد ہیں۔ خطیب نے بیان کیا ہے کہ اسد بن موسیٰ نے بھی ایک مسند تیار کی تھی یہ اگرچہ نعیم بن حماد سے عمر میں بڑے تھے لیکن ہو سکتا ہے کہ مسند کی تحریر میں نعیم کی طرف سے ابتداء ہوئی ہو مسند طریقے پر جمع کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر صحابی کی روایات صحیحہ و ضعیفہ کو جمع کر لیا جائے اور اس کی ترتیب اس طرح تھی کہ حروف تہجی کے لحاظ سے اسماء صحابہ کو ترتیب دے کر ہر صحابی کی حدیث کو اس کے تحت جمع کر دیا گیا تھا جیسا کہ علامہ طبرانی نے کیا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحابہ کے قبائل کا لحاظ کرتے ہوئے مسند کو ترتیب دیا جائے۔ مثلاً ہاشمی صحابہ کو درجہ بدرجہ مقدم و مؤخر کر کے احادیث کی تالیف کی جائے ان کے بعد جو ان سے اقرب فالاقرب ہوں۔ پھر عشرہ مبشرہ پھر اہل حدیبیہ' پھر مہاجرین سابق اسلام پھر اصاغر صحابہ وغیرہ۔ پھر امہات المومنین ان کے بعد دیگر صحابیات بعض محدثین نے ایسا بھی کیا ہے کہ احادیث کو ابواب پر تقسیم کر کے ابواب فقیہ سے قطع نظر کرتے ہوئے ترتیب دیا ہے۔ مثلاً" باب رویت باری تعالیٰ باب رفع الیدین باب الملائکہ' باب البسملہ وغیرہ۔[26]

6- **معرفت الاسناد:-** ایک طالب حدیث کے ذمہ یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اسناد عالی و اسناد نازل کی [illegible] کے علم کے یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے درمیان روایت

[illegible]

ہوں۔ اور اس کے خلاف، جو اسناد ہو گا وہ اسناد نازل کہلائے گا۔ اسناد کا یہ طریقہ اس امت مسلمہ کے خصوصیات میں سے ہے کہ ایک ثقہ شخص دوسرے ثقہ سے وہ پھر تیسرے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول اور فعل کو انتہائی حفاظت و صحت سے وہ پھر تیسرے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول اور فعل کو انتہائی حفاظت و صحت کے ساتھ نقل کرتا چلا آئے۔ کیونکہ ارسال و اعضال و انقطاع کے طریقے پر اخبار کی نقل یا کذاب و مجہول الحال راویوں کے توسط سے کسی اطلاع کا پہنچنا تو یہود اور نصاریٰ میں بھی موجود تھا۔ سلف کے واقعات و حالات پر نظر ڈالنے کے بعد یہ قطعی طور پر کہا جائے گا کہ اسناد کا طریقہ ایک سنت بالغہ موکدہ ہے اسی کے حصول کے لئے خود صحابہ کرام و بعد والے آئمہ عظام نے بڑے بڑے طویل و دشوار گذار راستوں کے سفر اختیار کئے تھے۔ علو اسناد کی پانچ قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ اول وہ جو نہایت پاکیزہ اراد کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک قلیل سے قلیل تر واسطے کے ساتھ ہو۔ یہ علو اسناد کا اعلیٰ درجہ ہے کیونکہ جتنا زیادہ قرب آنحضرت صلعم سے حاصل ہوگا اتنا ہی زیادہ سند کو اعلیٰ درجہ حاصل ہو گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ درمیانی واسطہ صحیح و نظیف ہو۔ اگر قرب کے باوجود درمیانی راستہ ضعیف ہوئے تو پھر اس سند کو علو کا کوئی درجہ حاصل نہ ہو گا۔ کیونکہ محض قرب رسول اللہ صلعم ہی علو اسناد کا سبب نہیں ہے۔ خصوصاً" جبکہ بعض کذاب راوی درمیانی واسطہ ہوں جیسے ابن ھدبہ وابن دینار و خراشہ و نعیم بن سالم و یعلی بن اشدق وابی الدنیا الاشیح کہ ان لوگوں کو صحابہ سے حدیث کی ساعت حاصل کرنے کا صرف دعوی ہی دعوی تھا۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ آئمہ حدیث میں سے کسی امام اور راوی کے درمیانی واسطہ بہت کم ہو۔ یعنی امام حدیث سے سنداً" قرب ہو۔ جیسے امام اعمش و ہشیم و ابن جریج و اوزاعی و مالک ابن انس و شعبہ و غیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اگرچہ امام الحدیث سے اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک راویوں کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

تیسرا درجہ سند عالی کا وہ ہے جو علو مقید کہلاتا ہے۔ اس کی یہ صورت ہے کہ راوی کی حدیث کسی ایسی سند سے مروی ہو جو صحیحین یا دیگر صحاح معتبرہ میں سے کسی کی سند سے متحد ہو جائے اور اس کتاب یعنی صحیح کا راوی شیخ اس کے درمیان واسطہ واقع نہ ہوا ہو۔ اس درجہ میں چار صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ (1) موافقت (2) ابدال (3) مساوات (4) مصافحہ۔ موافقت کے یہ معنی ہیں کہ مثلاً" آپ امام مسلم کے کسی شیخ سے کوئی حدیث روایت کریں اور آپ کے راویوں کی تعداد اس شیخ تک پہنچنے میں کم ہو اس تعداد کے مقابلہ میں جبکہ آپ اس کو امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ کے واسطے سے نقل کرتے۔ (2) ابدال کی یہ صورت ہے کہ آپ کسی ایسے شیخ سے روایت کریں جو امام مسلم کا شیخ تو نہیں

ہے لیکن درجہ میں ان کے شیخ سے کم بھی نہیں ہے۔ (3) مساوات کے یہ معنی ہیں راوی کی سند کے رجال صحابی تک پہنچے ہوئے تعداد میں اتنے ہی ہوں جتنے کہ مثلاً" امام مسلم اور صحابی کے درمیان ہیں (4) اور مصافحہ کا طریقہ یہ ہے کہ یہی مذکورہ مساوات خود داری کو حاصل نہ ہو بلکہ راوی کے شیخ کو حاصل ہو گیا اس راوی نے اپنے شیخ کے توسط سے امام مسلم سے مصافحہ کر لیا لیکن اگر یہ صورت راوی کے شیخ کے شیخ میں پائی گئی تو اس وقت یہ مصافحہ راوی کے شیخ کے حق میں متصور ہو گا راوی کے حق میں نہیں علی ہذا القیاس سند عالی کا چوتھا درجہ یہ ہے کہ مثلاً" دو شیخوں سے روایت کریں اور ان دونوں شیخوں کے اور ہمارے درمیان صرف ایک ایک راوی ہو لیکن ان دونوں شیخوں میں سے ایک اپنی وفات کے لحاظ سے مقدم ہو تو اس مقدم کی سند دوسری سند کے مقابلہ میں سند عالی ہو گی پانچویں قسم سند عالی کی تقدم فی السماع ہے یہ تقدم کبھی تو چوتھی صورت میں حاصل ہوتا ہے اور کبھی اس کے علاوہ اور صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے مثلاً" چوتھی صورت میں اگر ہم نے اس شیخ سے پہلے سماعت حاصل کی تھی جو وفات میں مقدم ہے اور دوسرے سے اس کے بعد' تو یہاں تقدم وفات کے ساتھ ہی تقدم سماع بھی موجود ہے۔ لیکن اگر دو شخصوں نے ایک شیخ سے سماع اس طرح حاصل کی کہ ایک نے 60 سال تک سماع کی اور دوسرے نے بعد کے 40 سال حاصل کی تو پہلے کی سند دوسرے سے عالی ہو گی۔۔۔ باقی رہا سند کا نزول وہ علو کی جس صورت کیخلاف ہو گا اسی درجہ کا نزول کہلائے گا۔

7- **اقسام حدیث:-** ایک طالب حدیث پر لازم ہے کہ وہ تمام اقسام حدیث کی معرفت حاصل کرے خصوصیت کے ساتھ حدیث مشہور عزیز و غریب جیسے اقسام ذہن میں حاضر رہیں۔ حدیث مشہور کی تعریف اس کتاب میں بیان اقسام حدیث میں گذر چکی ہے۔ لیکن یہاں اس کے متعلق کچھ مزید توضیح کی ضرورت ہے بلکہ صحیح و حسن و ضعیف تینوں قسمیں اس میں مشترک ہیں کبھی صحیح ہو گی کبھی حسن کے درجہ میں اور کبھی ضعیف اس کے علاوہ مشہور کی دو قسمیں اور ہیں۔ اول وہ جو کہ مخصوص طور پر اصحاب حدیث میں مشہور ہو دوم وہ جو اصحاب حدیث و عوام سب میں مشہور ہو۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض حدیثیں عوام میں بے انتہا شہرت حاصل کر لیتی ہیں حالانکہ اصحاب حدیث کی نظر میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہوتی بعض سند کے اعتبار سے خبر واحد ہوتی ہیں بعض کی سند ہی کا پتہ نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں علامہ زرکشی نے ایک مخصوص کتاب (التذکرہ فی احادیث المشتہرہ) تصنیف کی ہے۔ اولاً" ہم اس حدیث کی مثال پیش کرتے ہیں جو اہل حدیث کے اصطلاحی معنی کے اعتبار سے حدیث مشہور کہی جائے اور صحیح بھی ہو (ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا" ینتزعہ)[27] و (من اتی الجمعتہ فلیغتسل)[28] حاکم اور ابن صلاح نے حدیث مشہور و صحیح کی

مثال میں یہ حدیث پیش کی ہے۔ انما الاعمال بالنیات) وہ مشہور حدیث جو درجہ حسن میں ہو (طلب العلم فریضتہ علی کل مسلم) شیخ مزی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث اتنے طرق سے روایت کی گئی ہے کہ ضعف کے درجہ سے ترقی کرتے ہوئے حسن کے درجہ کو پہنچ گئی ہے۔ اور (الاذنان من الراس) مشہور حدیث ہے جو کہ ضعیف ہے اور ان احادیث کی مثال جو صرف اصحاب حدیث میں مشہور ہوں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قنت شہرا" بعد الرکوع یدعو علی (عل وذکوان) اس حدیث کو بخاری و مسلم نے بایں سند روایت کیا ہے عن سلیمان الیتمی عن ابی مجلز عن انس پھر اسی کو ابو مجلز کے غیر سے بھی روایت کیا ہے۔ سلیمان کے علاوہ دوسرے راوی سے بھی روایت کیا ہے۔ اور سلیمان سے ایک کثیر تعداد نے روایت کیا ہے لہذا یہ اہل حدیث میں تو بہت مشہور ہے لیکن در حقیقت یہ حدیث غریب ہے کیونکہ دوسرے محدثین سلیمان تیمی اور حضرت انس کے درمیان ابو مجلز کا واسطہ سند میں نہیں بیان کرتے فرماتے ہیں کہ تیمی نے بغیر واسطہ حضرت انس سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ایسی ہی چند حدیثیں وہ ہیں جو اہل حدیث اور دیگر علماء و عوام سب میں مشہور ہیں لیکن ان میں سے بعض صحیح ہیں اور بعض ضعیف اور بعض حسن بعض بے اصل ہیں۔ مثلاً" من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ مشہور صحیح ہے اور تیسرا میں ابغض الحلال عنداللہ الطلاق مشہور ہے۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے من سئل عن علم فکتمہ الخ اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے (لاصلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد) ضعیف ہے لیکن مشہور ہے استاکو اعر ضاه ادھنو غبا واکتحلوا اوترا") ابن صلاح فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی بہت جستجو کی لیکن اس کی نہ کوئی اصل پائی اور نہ کتب حدیث میں اس کا کہیں ذکر پایا۔ رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ) ان اللہ وضع کے لفظوں سے اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے اور علماء اصول میں یہ حدیث مشہور بھی ہے۔ ایک حدیث علماء نحو میں مشہور ہے۔ (نعم العبد صہیب لولم یخف اللہ لم یعصہ عراقی نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل ہی نہیں۔ بعض مشہور احادیث ایسی بھی ہیں جو فقہ و اصول فقہ کی اصطلاح میں متواتر کہلاتی ہیں حالانکہ وہ محدثین کی متواتر کی تعریف کے اعتبار سے متواتر نہیں ہیں۔

حدیث غریب، جب مشہور آئمہ حدیث جیسے کہ زہری قتادہ وغیرہ سے کوئی ایک ہی راوی روایت کرنے میں منفرد ہو تو اس حدیث کو غریب کہا جائے گا۔ لیکن اگر مذکورہ آئمہ سے دو یا تین راوی اس حدیث کی روایت کریں تو یہ

حدیث عزیز کہی جائے گی۔ اس تعداد سے بھی زائد روایت کرنے والے ہوں پھر مشہور کا درجہ حاصل کرے گی۔ اور اس سے قبل مشہور کی تعریف و تقسیم کی جا چکی ہے ابن صلاح کا کہنا ہے کہ جس طرح کسی امام سے روایت کرنے میں صرف ایک ہی فرد ہی روایت کرنے والا ہو تو حدیث غریب کہلاتی ہے اسی طرح اگر کوئی شخص کسی حدیث کے متن میں کوئی زیادتی بیان کرنے میں منفرد ہو تو وہ حدیث بھی غریب ہی کہلائے گی خواہ یہ زیادتی متن میں ہو یا سند میں ہو۔ اور جس طرح مشہور حدیث صحیح و غیر صحیح کی طرف منقسم ہوتی ہے اسی طرح سے غریب بھی صحیح و غیر صحیح دونوں اقسام میں مشترک ہوا کرتی ہے۔ لیکن غریب کا زیادہ حصہ غیر صحیح احادیث ہی میں پایا جاتا ہے۔ اب چونکہ غرابت کبھی متن میں ہوتی ہے اور کبھی سند میں اس لئے غریب کی دو قسمیں مزید وجود میں آ جاتی ہیں۔ غریب المتن و غریب السند۔ اگر کوئی متن صحابہ کرام کی ایک جماعت سے بہت مشہور ہے۔ اور ان میں سے کسی صحابی سے کسی ایک ہی شخص نے روایت کیا تو یہ سنداً" غریب ہو گی و متناً" مشہور لیکن اسکا عکس یعنی متن کے لحاظ سے غریب ہو اور سند کے اعتبار سے نہ ہو اس کا وجود اب تک نہیں پایا گیا۔[36]

علامہ عراقی نے فتح المغیث میں کہا ہے کہ مشہور و غریب جس طرح صحیح و غیر صحیح اقسام میں مشترک ہیں اسی طرح عزیز بھی مشترک ہے یعنی کبھی صحیح ہوتی ہے کبھی حسن اور کبھی ضعیف۔[37]

8- **معرفت غرائب الحدیث:-** وہ مشکل و بعید از فہم قلیل الاستعمال الفاظ جو احادیث کے متنوں میں استعمال کئے گئے ہوں ایک طالب حدیث پر ایسے الفاظ میں غور و خوض کرنا اور غریب الحدیث کے فن سے ان کی معرفت حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ یہ فن نہایت دقیق و اہم ہے۔ مخصوص طور پر اہل حدیث کے لئے پھر عام اہل علم کے لئے اس کی معرفت حاصل نہ کرنا ایک بڑا قبیح فعل ہو گا۔ چونکہ یہ فن حدیث سے متعلقہ دیگر فنون کی نسبت زیادہ مشکل ہے اس لئے اس میں دیگر علوم کی نسبت سے زیادہ غور و خوض کی ضرورت ہے۔ کامل معرفت کے بغیر احادیث کے کسی کلمہ کی تفسیر کر دینا ایک خطرناک اقدام تصور کیا جائے گا۔ احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے غریب الحدیث کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا جو لوگ اس فن کے ماہر ہیں ان سے اس کے متعلق دریافت کرو۔ میں یہ مکروہ خیال کرتا ہوں کہ تخمینہ وظن کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے کسی کلمہ کی تفسیر کروں اور غلطی میں مبتلا ہو جاؤں۔ محمد بن عبدالملک تاریخی نے ابو قلابہ عبدالملک بن محمد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اصمعی سے دریافت کیا۔ ابو سعید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں یہ روایت کیا ہے الجار احق

بسقبہ) اس میں لفظ (سقب) کے کیا معنی ہیں۔ اصمع نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تفسیر نہیں کر سکتا البتہ عرب کے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ سقب لزیق کو کہتے ہیں یعنی جو متصل و چمٹا ہوا ہو۔ اس فن میں علماء نے خاصی تصنیفات کی ہیں اور کامیاب ہوئے ہیں۔ ابو عبداللہ حاکم سے مروری ہے کہ غریب الحدیث کے فن میں سب سے اول جس نے تصنیف کی وہ نصر بن شمیل ہیں بعض علماء نے کہا ہے کہ نہیں بلکہ ابو عبیدہ معمر بن المثنی ہیں لیکن دونوں حضرات کی تصنیفات مختصر ہیں حاکم نے کتاب معرفتہ علوم الحدیث میں اپنی سند سے بلال بن العلا الرقی سے نقل کیا ہے کہ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے چار شخصوں کے ذریعہ اس امت پر (مخصوص) احسان فرمایا ہے فقہ احادیث میں امام شافعی کے ذریعہ اور غریب الحدیث میں ابو عبیدہ القاسم بن سلام کے اور احادیث مکذوبہ کی چھان بین میں یحیی بن معین کے اور ثبت فی المحنت میں احمد بن حنبل کے ذریعہ۔ چنانچہ ابو عبیدہ القاسم بن سلام نے اپنی مشہور کتاب کبیر فی غریب الحدیث والاثار تصنیف کی اور اپنے مابعد تمام دیگر مصنفین کے لئے پیشترو ثابت ہوئے۔ اس کے بعد ابو عبیدہ سے جو کچھ چھوٹ گیا تھا اس کو ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری المعروف قتیبی نے اپنی تصنیف میں پورا کر دیا۔ اس فن میں یہ تین ایسی تصنیفات ہیں جو امہات الکتب کہلاتی ہیں اس کے بعد جتنی تصنیفات ہوئیں وہ سب ان حضرات کے مذکورہ تصنیفات ہی سے اخذ و استفادہ کے ساتھ وجود میں آئیں[32]

حدیث کے کسی مشکل لفظ کی تفسیر کا سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ کسی لفظ کی تفسیر کے لئے احادیث ہی کی دوسری روایات پر غور کیا جائے مگر ان روایات سے اس لفظ کی تشریح ہو جائے تو وہی اس کی تفسیر میں بیان کیا جائے۔ مثلاً" ابن صیاد کی حدیث میں یہ جملہ آیا ہے۔ (قد خبات لک خبیا" فما ھو قال الدخ ایک مشکل لفظ ہے۔ ایک جماعت نے اس کی ایسی تفسیر کی ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہوتی حاکم نے معرفتہ علوم حدیث میں کہا ہے کہ (الدخ) بمعنی (الزخ) ہے جس کے معنی جماع کے ہیں حالانکہ یہ ایک فحش قسم کی تفسیری غلطی ہے۔ کیونکہ حدیث کے مطلب تو یہ ہیں کہ حضور انور صلعم نے اس سے فرمایا تھا (میں نے تیرے بتلانے کے لئے اپنے دل میں ایک بات چھپا رکھی ہے بتا وہ کیا ہے جس کے جواب میں ابن صیاد نے کہا۔ (الدخ) یعنی دخان (دھواں) کیونکہ ایک لغت میں دخان کو (دخ) بھی کہتے ہیں اور حدیث کی بعض روایات میں اسی معنی میں استعمال بھی ہوا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔ (ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی قد خبات لک خبیئا و خبالہ یوم تاتی السماء بدخان مبین فقال ابن صیاد ھو الدخ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخساء

فلن تعد وقدرک) یہ حدیث صحیح و ثابت ترمذی وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے[۱۸] اس کی عبارت سے واضح طور پر (الدرج) کی تفسیر ہو جاتی ہے اور دوسری کسی طرف جانے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔

9- **معرفت حدیث مسلسل** :- کسی شے کے اول سے لے کر آخر تک سلسلہ وار رہنے کو تسلسل کہتے ہیں۔ یہاں تسلسل سے یہ مراد ہے کہ حدیث کی سند کے روایت کرنے والوں کی روایت کے وقت ایک صفت یا ایک ہی حالت مسلسل قائم رہی ہو۔ خواہ یہ حالت و صفت سند کے الفاظ میں ہو یا راویوں کے حالات میں ہو۔ اور ایسی حدیث کو جس میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہو حدیث مسلسل کہتے ہیں اس کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں چند صورتیں بطور مثال کے پیش کی جاتی ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک یہ حدیث ان النبی صلی اللہ تعلیہ وسلم قال له یا معاذ انی احبک فقل فی دبر کل صلوۃ الھم اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادک اس طرح مسلسل ہو گی کہ اس کی سند کا ہر راوی روایت کرنے کے وقت اپنے تلمیذ سے برابر یہ کہتا رہے۔ (انی احبک فقل) جیسا کہ حضور نے ابو ذر سے یہ فرمایا تھا۔ حتیٰ کہ آخری راوی تک یہی طریقہ قائم ہے۔ دوسری حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدی (قال شبک بیدی ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم وقال خلق اللہ الارض یوم السبت)[۱۹] مسلسل ہو گی جبکہ اس کی سند کا ہر راوی اپنے شاگرد سے روایت کرنے کے وقت اسی طرح شبیک کرے جس طرح آنحضرت نے حضرت ابوہریرہ کی تھی " راوی کو یہ اختیار ہو گا کہ اس حدیث کو اسی صفت کے ساتھ موسوم کر دے جس صفت کے ساتھ اس کا سلسلہ چلا آ رہا ہے مثلاً" اول کا نام مسلسل (انی احبک) دوسری کا نام مسلسل بالتشبیک رکھ دیا جائے۔ ابو عبداللہ حاکم نے معرفتہ علوم الحدیث میں مسلسل حدیث کے کچھ نام شمار کرائے ہیں مثلاً" مسلسل (بعثت) مسلسل (قم فصب) مسلسل (فان قیل لفلان) مسلسل باخذاللحیۃ مسلسل (عدھن بیدی) وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اگر سند کے کسی مقام پر صفت یا حالت کا سلسلہ باقی نہ رہا اور بعد میں پھر قائم ہوا تو پھر یہ حدیث کامل مسلسل نہ رہے گی۔[۱۲]

10- **معرفت ناسخ و منسوخ** :- علوم حدیث سے متعلق فنون میں یہ فن بھی ایک اہم اور مشکل فن ہے طالب حدیث کے لئے خصوصاً" ایک فقیہ کے لئے اس کی معرفت انتہائی ضروری ہے۔ علامہ ابن صلاح نے امام زہری رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ناسخ اور منسوخ کی معرفت سے کثیر فقہا بھی عاجز تھے۔ البتہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کو اس سلسلہ میں بڑی مہارت حاصل تھا۔ محمد بن مسلم بن وارہ نے حضرت

امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ جب یہ مصر سے واپس ہو کر امام احمد کی خدمت میں حاضر ہوئے امام نے آپ سے دریافت کیا۔ تم نے کتب شافعی کے نسخہ بھی حاصل کئے محمد بن مسلم نے کہا نہیں فرمایا تم نے بڑی کوتاہی کی۔ کیونکہ مفسر و مجمل و ناسخ و منسوخ کی معرفت ہم کو اسی وقت حاصل ہوئی جبکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں ہم شامل ہوئے امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا یہ مطلب تھا کہ امام شافعی سے قبل یہ فن وجود میں نہ آیا تھا اور ان اصطلاحات سے کوئی صاحب حدیث واقف نہ تھا۔ ابن صلاح کا فرمانا ہے کہ بعض اہل حدیث نے احادیث ناسخ و منسوخہ میں ایسی احادیث کو بھی داخل کر دیا ہے کہ جو در حقیقت اس میں داخل نہیں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ لوگ نسخ کے معنی اور اس کی شروط کو نہ جان سکے اس لئے مناسب ہے کہ پہلے نسخ کے معنی واضح کر دئے جائیں۔ "شارع کا کسی مقدم حکم کو کسی متاخر حکم کے ذریعہ اٹھا دینا نسخ کہلاتا ہے ناسخ و منسوخ احادیث کی معرفت کے متعدد طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تصریح فرمادیں۔ مثلاً" حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو صحیح مسلم میں روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو قبور کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب تم زیارت کر سکتے ہو۔ یا یہ حدیث کہ" میں نے تم کو قربانی کا گوشت تین یوم سے زیادہ کھانے اور رکھنے سے منع کیا لیکن آئندہ جب تک چاہو کھاؤ، رکھو، جمع کرو' یا میں نے تم کو فلاں فلاں برتنوں کے استعمال سے منع کیا تھا لیکن اب تم استعمال کر سکتے ہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ روایت کرنے والے صحابی اس کے نسخ کو بیان کر دیں جیسا کہ ترمذی وغیرہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ منی کے خارج ہونے پر ہی غسل کا وجوب ابتداء اسلام میں تھا اس کے بعد اس سے منع کر دیا گیا بلکہ اب دونوں شرمگاہوں کے اتصال ہی سے غسل واجب ہو جائے گا خواہ منی کا خروج محسوس ہو یا نہ ہو۔ اور جیسا کہ نسائی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ (دو امروں میں سے آخر امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ آپ نے آگ پر پکی ہوئی چیز کے بعد وضو کرنا ترک کر دیا تھا علی ہذالقیاس تیسرا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کے تقدم و تاخر کی تاریخ معلوم ہو جائے۔ جیسے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پچھنے لگوانے والا اور جو لگائے دونوں کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں سینگی پچھنے لگوائے) امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ثانی حدیث (ابن عباس) کی اول حدیث کے لئے ناسخ ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عباس 10ھ میں حجتہ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ

([illegible])

علیہ وسلم کے ہمراہ تھے بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور انور کا سابقہ فرمان فتح مکہ کے
موقعہ پر تھا جو 8ھ میں واقع ہوا۔ اس لئے حضرت ابن عباس کی حدیث حضرت شداد کی حدیث سے دو سال متوخر ہے۔
چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی حدیث کے منسوخ ہونے پر علماء امت کا اجماع ہو گیا ہو جیسے کہ اصحاب سنن' ابو داؤد'
ترمذی' ابن ماجہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص
شراب پئے اس کے کوڑے مارو پھر اگر چوتھی مرتبہ بھی پئے تو اس کو قتل کر دو) چنانچہ یہ حدیث باجماع علماء منسوخ ہے
چوتھی مرتبہ کے بعد بھی قتل نہیں کیا جائے گا۔ نیز اجماع کے علاوہ دوسری سنت سے بھی اس حکم کے منسوخ ہونے پر
دلالت موجود ہے۔ چنانچہ ترمذی نے اپنی سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا تھا اگر شراب پئے تو کوڑے مارو پس اگر چوتھی مرتبہ پئے تو قتل کر دو' حضرت جابر نے فرمایا اس ارشاد
کے بعد حضور کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی حضور انورؐ نے اس پر مار
لگائی لیکن قتل نہیں کیا۔ امام زہری نے قبیصہ بن ذویب سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور اجماع بنفسہ نہ کسی کے
لئے ناسخ ہوتا ہے نہ کسی سے منسوخ بلکہ وہ اس امر کی دلیل ہوتا ہے کہ فلاں منسوخ کے لئے ناسخ ہوتا ہے نہ کسی سے
منسوخ بلکہ وہ اس امر کی دلیل ہوتا ہے کہ فلاں منسوخ کے لئے ناسخ کا وجود ہے ابو عبدالحاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں
اس کی مزید مثالیں بیان کی ہیں واللہ تعالیٰ اعلم[42]

۲۲۔ **معرفت تصحیف:۔** احادیث کی سند یا متن میں کسی تصحیف یا تحریف کی معرفت بھی طالب کے لئے ضروری
ہے اور دار قطنی نے اس فن پر ایک مستقل تصنیف کی ہے اسی طرح ابو احمد عسکری نے بھی ایک تصنیف اس سلسلہ
میں کی ہے۔ اب تصحیف کبھی حدیث کے متن میں واقع ہوتی ہے اور کبھی حدیث کی سند میں پھر ایک تقسیم اور بھی ہے
یعنی تصحیف البصر' و تصحیف السمع و تصحیف اللفظ و تصحیف المعنی چنانچہ تصحیف فی المتن کی مثال وہ حدیث ہے جس کو
دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ ابوبکر صولی جامع میں حضرت ابو ایوب کی ایک حدیث کا املا کرا رہے تھے یعنی من صام
رمضان واتبعہ ستامن شوال اس حدیث میں انہوں نے ستا" کی جگہ (شیئا) کا لفظ بول دیا یعنی نقطوں والا ش اور
آخر میں یا اسی طرح حضرت ابو ذر کی حدیث جس کو ہشام ابن عروہ نے نقل کیا ہے۔ تعین ضائعا" ضاد معجمہ کے ساتھ
اور آخر میں یا بصورت ہمزہ لیکن صحیح لفظ (صانعا) ہے ص بے نقطہ اور ن کے ساتھ یا جیسے کہ[43] حضرت وکیع نے حضرت
معاویہ کی اس حدیث میں (لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذین یشققون فی الخطب لفظ خطب کو

ح بے نقطہ کے ساتھ ادا کیا ہے۔ یا جیسا کہ ابو موسی محمد بن مثنی نے حدیث (او شاۃ تنعر میں لفظ "تنعر کو (ن) کے ساتھ ادا کیا حالانکہ یہ لفظ (تیعر) ی کے ساتھ ہے وغیرہ وغیرہ۔

اور تصحیف فی الاسناد کی مثال وہ حدیث ہے جس کو دار قطنی نے ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ محمد ابن جریر طبری نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی سلم نے روایت کیا جن کے منجملہ راویوں میں ایک راوی عتبہ بن بذر ہیں' ابن جریر نے ابن ندر کو جو کہ ن و دال کے ساتھ ہے۔ ابن بذر' ب و ذ کے ساتھ ادا کیا۔ یا یحیی بن معین نے (ابن مراجم) کو (ابن ماحم) ادا کیا۔ تصحیف فی السمع اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص کا نام اور لقب یا اس کا نام اور باپ کا نام کسی دوسرے شخص کے نام و لقب یا نام اور باپ کے نام کے ہم وزن ہونے کی وجہ سے سننے میں آ جائے حالانکہ حروف اور نقاط و شکل میں بالکل اختلاف ہو۔ جیسے حدیث کی سند میں (عاصم الاحوال کو (واصل الاحدب) سن لیا گیا۔ یا اس کا عکس سننے میں آ گیا نسائی نے اس کی مثال میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ عن یزید بن ھارون عن شعبہ عن عاصم الاحول عن ابی وائل عن ابن مسعود اور کہا ہے کہ صواب اس مقام پر (واصل الاحدب) ہے ایسے ہی ابو داؤد اور نسائی نے وضو کی کیفیت کے سلسلہ میں اس طرح روایت کیا ہے۔ عن شعبہ عن مالک بن عرفطہ عن عبد خیر عن علی لیکن صواب' مالک ابن عرفطہ' کی جگہ (خالد ابن علقمہ) ہے۔ تصحیف فی المعنی کی مثال میں دار قطنی نے کہا ہے کہ ابو موسی محمد بن مثنی العنزی جن کا لقب (فن) تھا اصحاب ستہ کے شیوخ میں سے ہیں۔ ایک روز فرمانے لگے' ہم اس خاندان میں سے ہیں جن کو ایک مخصوص شرف حاصل ہے وہ یہ کہ ہم (قبیلہ) عنزہ سے ہیں جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی' اس کا مقصد اس حدیث سے استدلال تھا جس میں یہ وارد ہوا ہے ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی الی عنزۃ نبی صلعم نے عنزہ کی طرف نماز ادا فرمائی۔ شیخ مذکور کو یہاں "عنزہ" سے یہ گمان ہو گیا کہ ان کے قبیلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی حالانکہ یہاں عنزہ سے ایک چھوٹا نیزہ مراد ہے جس کو زمین میں گاڑھ کر حضورؐ نے اس کی طرف نماز ادا فرمائی تھی۔ اس سے زیادہ عجیب وہ واقع ہے جس کو حاکم نے ایک اعرابی سے نقل کیا ہے کہ مذکورہ حدیث سے اس نے یہ سمجھ لیا کہ نماز کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بکری باندھ دی گئی تھی کیونکہ اس نے حدیث کے لفظ (عنزہ) کو جو کہ عین و ن و ز تینوں کے زبر کے ساتھ ہے۔ (عنزہ) عین کے زبر اور ن کے سکون کے ساتھ سمجھ لیا اور ایسی حالت میں اس کے معنی بکری کے بچے کے ہوتے ہیں لہذا یہی سمجھ کر اس نے حدیث کو بیان کرنا بھی شروع کر دیا۔ تصحیف معنوی کے متعلق خطابی نے

اپنے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ جب ان سے جمعہ کی نماز سے قبل تحلیق کی ممانعت کی حدیث روایت کی گئی تو فرمانے لگے کہ میں نے جمعہ کی نماز سے قبل چالیس سال سے کبھی سر نہیں منڈایا۔ وہ تحلیق سے (تحلیق راس) یعنی سر منڈانے کے معنی سمجھے حالاں کہ یہاں اس سے (تحلیق الناس) مراد ہے یعنی جمعہ کی نماز سے قبل لوگ حلقہ حلقہ بنا کر مسجد میں نہ بیٹھیں۔۔

12۔ **معرفت مختلف الحدیث**:۔ ان فنون ہی میں سے جن کا جاننا ایک طالب الحدیث کے لئے بصیرت کا سبب ہو فن مختلف الحدیث ہے۔ اس فن کے متعلق جس نے سب سے اول رہنمائی کی وہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے۔ آپ نے اپنی تصنیف مختلف الحدیث میں باہم احادیث کے جمع کرنے کے کچھ طریقے بتلائے ہیں۔ یہ حصہ آپ کی کتاب الام میں شامل ہے اس کے تصنیف کے لئے آپ نے کسی مستقل تصنیف کا ارادہ نہیں فرمایا اس لئے مختصراً" اس میں بیان کیا ہے۔ البتہ آپ کے بعد ابو محمد بن قتیبہ نے اس کے متعلق ایک عمدہ قسم کی تصنیف کی اور شافعی رحمتہ اللہ کے بیان پر اس میں بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے اس کے بعد محمد ابن جریر طبری اور ابو جعفر طحاوی نے تصانیف کیں جن کا نام مشکل الاثار ہے اور یہ کتاب امام طحاوی کی بڑی معرکتہ الآرا کتاب ہے۔ امام ابوبکر بن خزیمہ مختلف الحدیث کے فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے فرما دیا تھا کہ مجھے کبھی صحیح دو حدیثیں ایسی نظر نہیں آئیں کہ جن میں باہم تضاد پایا جاتا ہو اگر کسی شخص کے پاس ایسی حدیثیں ہیں تو میرے پاس لے آئے ان کے درمیان توفیق پیدا کر دوں گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب کبھی دو حدیثیں بظاہر ایک دوسری سے مختلف نظر آئیں تو ان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کے یہ چند طریقے ہیں یا تو ان کے درمیان سہولت کے ساتھ جمع کرنا ممکن ہو گا یا ممکن نہ ہو گا۔ اگر ممکن ہو تو پھر تعارض یا نسخ کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں اس صحیح وجہ کے ساتھ ان احادیث کو متفق کر دیا جائے گا۔ مثلاً" آنحضرت کی ایک صحیح حدیث ہے کہ (کسی تندرست کے قریب مریض کو نہ رکھا جائے) نیز فرمایا ہے (مجذوم سے ایسا دور بھاگو جیسا کہ شیر سے بھاگتے ہو)۔ اس کے ساتھ ہی حضور سے یہ بھی صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ (بیماری کا ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جانا کوئی حقیقت نہیں رکھتا) لہذا بعض محدثین نے ان احادیث کو متعارض تصور کر لیا اور بعض نے ناسخ و منسوخ کے درجہ میں رکھ دیا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ دونوں کے درمیان توفیق دینے کی کوشش کی جائے جو کہ یہاں ممکن ہے اس کی یہ صورت ہے کہ جس حدیث میں حضورؐ نے یہ فرمایا کہ بیماری کا ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ الحدیث میں آپ نے اہل جاہلیت اور

بعض حکماء کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ ایک شخص کی بیماری' دوسرے کو لگ جاتی ہے اسی لئے حضورؐ نے اس حدیث میں یہ بھی فرمایا ہے۔ (فمن اعدی الاول) سب سے پہلے مریض کو کس کی بیماری لگی۔ یعنی امراض کا پیدا کرنے والا خدا ہے خواہ سبب کے ذریعہ ہو یا (بغیر سبب ہی کے ہو۔ پھر آپ کے ارشادات کے مطابق کسی تندرست کے پاس مریض کو نہ کو یا مجذوم سے ایسا بھاگو جیسے کہ شیر سے بھاگا جاتا ہے اس سے حضور انورؐ کا مقصد یہ ظاہر فرمانا ہے کہ خدا کے کسی مرض کو پیدا کرنے کا ایک طریقہ (سبب) بھی ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ لازمی طور پر دوسرے میں مرض پیدا ہی ہو جائے۔ ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ ایسے مریضوں کے پاس ان کا زیادہ وقت گذرا جن کے مرض متعدی سمجھے جاتے ہیں لیکن ان حضرات پر اس مرض کا کوئی اثر مرتب کسی وقت میں نہ ہوا۔ ایسا بھی دیکھا ہے کہ ایک کسی متعدی مرض والے مریض کا کوئی اثر مرتب کسی وقت میں نہ ہوا۔ ایسا بھی دیکھا ہے کہ ایک کسی متعدی مرض والے مریض کے قریب بھی نہ گیا لیکن مرض میں مبتلا ہو گیا۔[1] یہ وہ صورت تھی کہ دو متضاد حدیثوں کے درمیان جمع کرنا ممکن ہو لیکن اگر ایسا ممکن نہیں نظر آتا تو پھر یہ دیکھا جائے کہ ان میں کون حدیث متاخر ہے اگر دونوں میں سے کسی حدیث کی متاخر ہونے کا علم ہو گیا تو پھر اول یعنی مقدم کے لئے ناسخ تصور کی جائے گی اور اول منسوخ صرف آخری حدیث قابل عمل ہو گی۔ لیکن اگر ایسا بھی ممکن ہو ہو سکا کہ ناسخ و منسوخ کا پتہ چل جاتا۔ اس وقت دونوں کو متعارض خیال کر کے ان دونوں کے درمیان ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ ان میں جس کو بھی دوسری پر ترجیح حاصل ہو جائے وہی قابل عمل قرار پائے گی دوسری اس کے مقابلہ میں مرجوح ناقابل عمل۔ اب ترجیح کبھی راویوں کی کثرت کی وجہ سے دی جاتی ہے کبھی ان کی اعلیٰ صفات کی بنا پر' ابن صلاح نے فرمایا ہے کہ ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دینے کی اسباب تقریباً" پچاس بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہی ہیں۔ حازمی نے اپنی تصنیف کتاب الاعتبار فی الناسخ و المنسوخ میں ابن صلاح کی موافقت کرتے ہوئے ان کو تفصیلاً" بیان کیا ہے جن کو ہم مختصراً" پیش کرتے ہیں۔ (1) کثرت رواۃ (2) کسی ایک حدیث کے راویوں کا دوسری حدیث کے راویوں کے مقابلہ میں صاحب اتقان و احفظ ہونا (3) کسی راوی کا بمقابلہ دوسری کے متفق العدالت ہونا (4) راوی کا بوقت حصول حدیث بالغ ہونا (5) ایک کی سند کے راوی کا بذاتہ سماع سے حدیث حاصل کرنا در دوسرے کی سند راوی کا سماع بالعرض کے ذریعہ حدیث حاصل کرنا (6) ایک کے راوی کا سماع بنفسہ یا بالعرض اور دوسرے کے راوی کے سماع کا یا سماع بالکتاب ہونا یا سماع بالوجادہ ہونا یا سماع بالمناولہ ہونا۔ (7) یا ایک کے راوی کا اس حدیث پر عامل ہونا جس کو وہ روایت کر رہا ہے۔ (8) یا اس

حدیث کے راوی کا خود اپنی ذات سے حدیث کے واقعہ کا متعلق ہونا (9) کسی حدیث کا بمقابلہ دوسری کے سیاق و اقتضاء حکم میں اعلی ہونا (10) راوی کا قرب مکانی (11) راوی کا ہمیشہ اپنے شیخ کے ساتھ ساتھ رہنا (12) راوی کا خود اپنے شہر کے مشائخ سے سماعت حاصل کرنا (13) دونوں حدیثوں میں سے ایک کی مخارج کی تعداد کا کثیر ہونا۔ (14) ایک حدیث کی سند کا حجازی ہونا (15) کسی ایک حدیث کے راویوں کا ایسے مقام پر سکونت پذیر ہونا کہ جہاں کے شیوخ حدیث میں تدلیس کو پسند نہیں کرتے تھے (16) حدیث کی سند کے الفاظ کا اتصال پر دلالت کرنا جیسے سمعت من فلان یا حدثنا فلان (17) حدیث لیتے وقت راوی کا اپنے شیخ سے بالمشافہ و بالمشاہدہ حدیث کو حاصل کرنا۔ (18) کسی ایک حدیث میں اختلاف کا نہ ہونا بلکہ روایت میں یکسانیت ہونا (19) کسی ایک حدیث کے راوی کے لفظوں میں اضطراب کا نہ ہونا۔ (20) حدیث کے مرفوع ہونے پر محدثین کا متفق ہونا (12) حدیث کے اتصال پر اتفاق (22) کسی ایک حدیث کا راوی کا روایت بالمعنی کا قائل نہ ہونا (23) حدیث کے راوی کا فقیہ ہونا (24) حدیث کے راوی کا صاحب تصنیف ہونا اور لوگوں کا اس کی طرف کثرت میلان (25) ایک حدیث میں حکم کا نصاً" یا قولا" طور پر موجود ہونا (26) راوی کی روایت کے مطابق ہی اس کے عمل کا ہونا (27) حدیث کا ظاہر قرآن کے مطابق ہونا (28) کسی حدیث کا دوسری سنت کے موافق ہونا (29) حدیث کا قیاس کے موافق ہونا اور دوسری کا مخالف ہونا (30) کسی حدیث کی تائید میں کسی دوسری مرسل یا منقطع حدیث کا مزید مروی ہونا۔ (13) کسی ایک حدیث پر خلفاء راشدین کا عمل ہونا (32) حدیث پر تمام امت کا عمل ہونا (33) ایک حدیث کے حکم کا قطعی طور پر اس کی عبارت کا منطوق ہونا۔ (34) حدیث کا اپنے معنی کو کسی ضمیر اشارے کی تقدیر کے بتا دینا (35) ایک حدیث کے حکم کا کسی صفت مبینہ سے موصوف ہونا اور دوسری کا صرف حکم کے اسم پر مشتمل ہونا۔ (36) ایک حدیث کے ساتھ اس کے راوی کی تفسیر کا بھی موجود ہونا دوسری کے ساتھ نہ ہونا (37) ایک حدیث کا قولی ہونا دوسری کا فعلی ہونا۔ قولی فعلی پر مرجح ہو گی۔ (38) حدیث میں تخصیص کی مداخلت کا نہ ہونا (39) حدیث کے ذریعہ کسی صحابی پر کسی قسم کی عیب جوئی کا وجود نہ ہونا۔ (40) ایک حدیث کا مطلق ہونا دوسری کا مقید ۔سب ہونا (41) ایک حدیث میں اس کے حکم کے اشتقاق پر دلیل موجود ہونا دوسری میں نہ ہونا۔ (42) ہر دو حدیثوں کے دو فریق میں سے کسی ایک فریق کا دونوں حدیث کی روایت کا قائل ہونا (43) کسی ایک حدیث میں بمقابلہ دوسری کے زیادتی کا موجود ہونا۔ (44) کسی حدیث میں فرض کی ادائیگی اور ذمہ کی برات کے لئے احتیاط کا موجود ہونا۔ (45) دو حدیثوں میں سے کسی ایک حدیث کی نظیر کے حکم پر علماء کا متفق ہونا (46) دو

حدیثوں میں ایک کا ممانعت پر دلالت کرنا دوسری کا اباحت پر دلالت کرنا۔ (47) شرع اسلام سے قبل جو حکم تھا کسی ایک حدیث کا اس کے برقرار ہونے پر دلالت کرنا۔ بعض آئمہ کے نزدیک یہ قابل ترجیح ہو گی ا۔ بعض کے نزدیک دونوں مساوی ہوں گے۔ (48) ایک کا بمقابلہ دوسری کے کسی حد کے ساقط ہونے پر دلالت کرنا یہاں بھی نمبر (47) جیسا اختلاف ہے۔ (49) کسی ایک حدیث کے حکم کا ایسا ہونا کہ عقل اس حکم کے ثبوت کو تسلیم کرتی ہو اور دوسری حدیث کے حکم کا ایسا ہونا کہ اس کو صرف اقرار طور پر تسلیم کیا جا سکتا ہو۔ (50) یا اگر حدیث کسی مقدمہ کے فیصلے کے بارے میں ہے تو اس کے راوی حضرت علی ہوں فرائض میں ہے تو اس کے راوی زید بن ثابت ہوں حلال و حرام میں ہے تو اس کے راوی معاذ بن جبل ہوں۔ علی ہذالقیاس۔ حازمی نے ان مذکورہ پچاس وجوہ کو ترجیح کی وجہ میں بیان کیا ہے لیکن اس مقام پر دیگر وجوہ اور بھی ہیں جن کے بیان کرنے سے کتاب کی طوالت کا اندیشہ ہے اور اس کی بنا پر مناسب یہی ہے کہ ترک کر دیا جائے۔ ایک مخلص طالب کے لئے ان (50) وجوہ ترجیح پر قابو حاصل کر لینا بھی بہت کافی ہے۔[46]

13- **معرفت ارسال خفی و المزید:-** یہاں جس ارسال کو بیان کیا جا رہا ہے اس سے وہ سابق معنی ارسال کا مراد نہیں ہے جو حدیث کے اقسام میں حدیث مرسل کے سلسلہ میں بیان کئے گئے ہیں یعنی جس کی سند سے صحابی کو ساقط کر دیا گیا ہو بلکہ یہاں طالب کی معرفت کے لئے جس ارسال کو بیان کیا جا رہا ہے اس سے عام معنی یعنی سند میں کسی مقام پر کسی وجہ سے انقطاع واقع ہو جانا مراد ہے۔ اس مقام پر یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ارسال کی دو قسمیں ہیں (1) ارسال جلی۔ و ارسال خفی۔ جلی ارسال یہ ہے کہ کوئی شخص ایسے شیخ سے روایت کرے کہ جو اس کا ہم عصر نہ ہو اور اہل حدیث پر اس کا ارسال پوشیدہ نہ رہ سکے۔ جیسے کہ مالک سعید ابن مسیب سے روایت کریں یا جیسے کہ نسائی میں ایک حدیث قاسم بن محمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے۔ (اصاب النبی صلعم بعض نسائہ ثم ناد حتی اصبح)[47] حالانکہ قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود کو نہ پایا تھا اور ارسال خفی یہ ہے کہ راوی ایسے طریقہ پر کسی سے حدیث روایت کرے گویا اس نے اس شیخ سے سماعت حاصل کی تھی حالانکہ اس سے سماعت حاصل نہ کی ہو۔ یا ایسے شیخ سے روایت کرے جو اس کا ہم عصر تو ہے لیکن اس سے ملاقات ہی نہ کی ہو۔ یہ وہ ارسال ہے جو عموماً ایک محدث پر پوشیدہ رہ جاتا ہے۔[48]

(4) تخریج احادیث

1- تعریف :-

(الف) لغوی :- استنباط' کسی چیز کو اندر سے باہر نکالنا (اس باب کے مناسب یہی معنی ہے)۔

(ب) اصطلاحی :- حدیث کے اصل ماخذ اور اس کے مرتبہ کی تحقیق کرنا اور بیان کرنا۔[1]

2- اہمت و فائدہ :- اس علم کی اہمیت ظاہر ہے اس لیے کہ ہر دینی گفتگو تحریر میں احادیث کا ذکر آتا ہے اور ان کا اعتبار' احادیث کے ماخذ اور مراتب کے علم پر موقوف ہے۔

3- تاریخ :- ابتدائی چند صدیوں میں حدیث سے متعلق وسعت معلومات کی بنا پر احادیث کی تخریج کی ضرورت نہیں پیش آئی اس لیے کہ حدیث کے سامنے آتے ہی اہل علم کے ذہنوں میں اس کے ماخذ آجاتے تھے' علوم و فنون کی کثرت و وسعت اور علوم حدیث سے واقفیت کی قلت کی بنا پر اس کی ضرورت محسوس کی گئی تاکہ عام طالبین تحقیق کا وقت مطلوبہ احادیث کی تحقیق میں صرف نہ ہو کر دوسرے علمی کاموں میں صرف ہو' چنانچہ بعض محققین وقت نے فقہ اور تفسیر و تاریخ وغیرہ کی کتابوں میں ذکر کردہ احادیث کی مستقل کتابوں کی صورت میں تخریج کی۔

4- مشہور کتب تخریج :- تخریج کی مشہور کتابوں میں سے بعض یہ ہیں۔

(الف) "تحفته الراوی فی تخریج احادیث البیضاوی" مصنف عبدالرؤف مناوی م 1031ھ

(ب) "نصب الرایته فی تخریج احادیث الهدایته" فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کی احادیث کی تخریج جو عبداللہ بن یوسف زیلعی م 726ھ کی تالیف ہے۔

(ج) "تخریج احادیث المهذب" "مهذب" فقہ شافعی کی کتاب ہے جو ہدایہ کی جیسی اہمیت کی حامل ہے یہ

تخریج محمد بن موسی حازمی م 584ھ کی تصنیف ہے۔

(ھ) "المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار" مصنف عبدالرحیم بن حسین عراقی م 806ھ امام غزالی کی شہرہ آفاق کتاب احیاء العلوم کی تشریح ہے۔

(د) "تخریج شرح العقائد للتفتازانی" از مولانا وحید الزماں لکھنوی۔

(و) "تخریج احادیث صفوۃ" از شیخ احمد بن صبغۃ اللہ مدراسی۔

(ح) "تشید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات الامام الربانی" از شیخ محمد سعید بن صبغۃ اللہ مدراسی اس میں حضرت مجدد الف کے مکاتیب میں ذکر کردہ احادیث کی تخریج کی گئی ہے۔

5- طرق تخریج:- تخریج کے طریقے پانچ ہیں۔

(الف) راوی صحابی کی بنیاد پر

(ب) حدیث کے اولین حرف و لفظ کے ذریعہ

(ج) موضوع حدیث کی بنیاد پر

(د) قلیل الاستعمال لفظ کے ذریعہ

(ہ) سند و متن کے مخصوص احوال کی بنیاد پر

پہلا طریقہ راوی صحابی:- راوی صحابی کو بنیاد بنا کر اس وقت تخریج کی جاتی ہے جبکہ راوی کا نام معلوم ہو اس طریقہ سے حدیث کی تین قسم کی کتابوں سے کام لیا جاتا ہے۔

1- مسانید، جن میں ہر صحابی کی روایات یکجا مذکور ہوتی ہیں۔ خواہ صحابہ کا نام حروف ہجاء کے اعتبار سے دوسری کسی چیز کی رعایت کے بغیر اس میں مذکور ہو۔ یا یہ کہ اسلام میں سبقت یا قبائل و اوطان وغیرہ کی رعایت کے ساتھ ہو۔

2- معجم وہ کتب جن میں حروف ہجا کے اعتبار سے صحابہ کے اسماء و روایات کا تذکرہ ہوتا ہے۔

3- کتب اطراف' وہ کتب جن میں حدیث کے کسی ضروری و اہم حصہ کو ذکر کرنے کے بعد اس کی تمام اسناد کو جمع کیا جاتا ہے اور عموماً" ان کی ترتیب مسانید کے انداز پر ہوتی ہے۔

اس طریقہ کو بنیاد بنا کر تخریج کی صورت یہ ہے کہ اس سلسلہ کی جس کتاب سے کام لینا ہو پہلے اس کے طریق ترتیب کو پیش نظر رکھ کر راوی کا نام تلاش کیا جائے اور راوی کا نام مل جانے پر اس کی روایت کردہ احادیث کو دیکھا جائے تو مطلوبہ حدیث مل جاتی ہے۔ مثلاً" مسند امام احمد سے کوئی حدیث نکالنی ہو تو چونکہ امام احمد نے مختلف چیزوں کو پیش نظر رکھا ہے اس لیے انہوں نے الگ الگ کئی ترتیبیں صحابہ کے اسماء میں قائم کی ہیں' ایک ترتیب ان کی افضلیت کے اعتبار سے' ایک ان کی جائے قیام کے اعتبار سے ایک ان کے قبائل کے اعتبار سے' لہٰذا ان چیزوں کو سامنے رکھ کر فہرست میں صحابی مذکورہ کا نام تلاش کرنا ہو گا۔ اور پھر اس کے بعد ترتیب کے اعتبار سے جہاں اس کا نام ہو وہاں مطلوبہ حدیث کی جستجو کرنی ہو گی' اور چونکہ امام احمد نے متعدد ترتیبیں مختلف بنیادوں پر قائم کی ہیں اس لیے بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک صحابی کا اور اس کی احادیث کا ذکر کتاب کے متعدد مقامات میں ہوتا ہے' اس کی وجہ سے حدیث کے متلاشی کو زحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے' اس لیے بعض اہل علم نے محنت کر کے مسند میں مذکور تمام صحابہ کی ایک فہرست حروف ہجاء کے اعتبار سے مرتب کر دی ہے جس میں یہ بھی نشاندہی کر دی ہے کہ کس صحابی کی روایات مسند کے کن اجزاء میں اور کن صفحات پر ہیں' یہ فہرست مسند کے جزا اول کے آغاز میں ملحق ہے اور مسند کے ساتھ برابر شائع ہو رہی ہے۔

مثلاً" ہم کو حضرت ابو قتادہ انصاری کی روایت کردہ ایک حدیث کی تلاش و تحقیق مقصود ہے تو اولاً" فہرست میں ہم نے ان کا نام تلاش کیا' فہرست میں ان کا نام دیکھنے کے بعد جو کہ نمبر115 پر ہے' ان صفحات کو دیکھا گیا جن میں ان کی روایات کا تذکرہ بتایا گیا ہے۔ مسند کی جلد چہارم کے ص 383 اور جلد پنجم کے ص 295 پر ان کی روایات درج ہیں' دونوں جلدوں کے مذکورہ صفحات کی طرف رجوع کرنے پر ان کی دیگر روایات کے ساتھ ہماری مطلوبہ روایت جلد چہارم کے صفحہ نمبر383 پر مل گئی جو ہے۔

قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی بنا فیقرء فی الظہر و العصر فی الرکعتین الاولین بفاتحتہ الکتاب و سورتین و یسمعنا الا یتہ احیانا وکان یطول فی الرکعتہ الاولی من الظہر و یقصر فی الثانیتہ وکذا فی الصبح۔

دوسرا طریقہ۔ حدیث کا اولین حرف و لفظ :۔ حدیث کے اولین حرف و لفظ کو بنیاد بنا کر اسی وقت تخریج کی جاتی ہے جبکہ حدیث کے ابتدائی کلمات کا یا کم از کم پہلے حرف و لفظ کا علم ہو' اس صورت میں بھی تین قسم کی کتابیں کام آتی ہیں' جن میں حروف تہجی کی رعایت کے ساتھ احادیث کو جمع کیا جاتا ہے خواہ ان کا موضوع و عنوان کچھ بھی ہو یعنی مقصود و محض مشہور احادیث کا جمع کرنا ہو یا عام احادیث کا جو دستیاب ہو سکیں یا کسی خاص کتاب کی احادیث کی فہرست مرتب کرنا۔

1- مشہور احادیث کی جامع بعض اہم کتب :۔

(الف) التذکرۃ فی الاحادیث المشتہرہ بدر الدین زرکشی م 974ھ۔

(ب) الدرر المنتشرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ جلال الدین سیوطی م 911ھ۔

(ج) المقاصد الحسنتہ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الاسنۃ محمد بن عبدالرحمان سخاوی م 902ھ۔

(د) کشف الخفاء و مزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنتہ الناس اسماعیل عجلونی م 1162ھ۔

یہ اس سلسلہ کی ضخیم ترین و جامع کتاب ہے کہ اس میں سابقہ تمام کتب کی روایات کو لے لیا گیا ہے اس میں کل 3254 (تین ہزار دو سو چون) احادیث ہیں مثلاً ایک حدیث ہے "سید القوم خادمھم" اس کے ماخذ کی تلاش کے لیے مذکورہ کتابوں میں سے "المقاصد الحسنتہ" کی طرف رجوع کریں تو حرف سین کی احادیث میں نمبر579 پر یہ حدیث موجود ہے جہاں اس کے الفاظ اور مراجع کی پوری تفصیل و تحقیق موجود ہے۔ صفحات کے اعتبار سے یہ

حدیث ص 246 پر ہے۔

2۔ عام احادیث کی جامع بعض اہم کتب :۔ جن کو متاخرین علماء نے متقدمین کی کتابوں سے۔ آسانید کو حذف کر کے ترتیب و تالیف کیا ہے اور حدیث کے اصل ماخذ کی نشاندہی کے ساتھ حسب موقع ان کی حیثیت کو بھی واضح کیا ہے مثلاً۔

(الف) الجامع الصغیر من احادیث البشیر النذیر (جلال الدین سیوطی م 911ھ) اس کتاب میں دس ہزار سے زائد احادیث ہیں جو عموماً مختصر ہیں اور ان کا احکام سے تعلق نہیں ہے اور ہر حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اس کے ماخذ، راوی صحابی، اور پھر اس کی حیثیت کو ذکر کیا گیا ہے۔

(ب) (الجامع الکبیر) یہ بھی سیوطی کی ہے اور اول کے کئی گنا ہے۔

3۔ مخصوص کتب کی فہارس :۔ یعنی وہ کتابیں جن کا موضوع و مقصود حدیث کی کسی ایک یا چند کتب کی احادیث کی فہرست مرتب کرنا ہے یہ کام متاخرین علماء نے کیا ہے۔ مثلاً

(الف) مفتاح الصحیحین محمد شریف توقادی

(ب) مفاتیح الموطا محمد فواد عبدالباقی م ھ

(د) مفتاح سنن ابن ماجہ محمد فواد عبدالباقی

(ھ فہارس جامع الاصول "جامع الاصول" صحاح ستہ کی جامع ہے، اس طرح یہ کہ ان کی یکجا فہرست ہے۔

تیسرا طریقہ موضوع حدیث :۔ کی مدد سے تخریج اس وقت ممکن ہوتی ہے جب کہ حدیث کا کوئی موضوع متعین کر لیا جائے اور اس کے بعد جو کتابیں موضوعات کی بنیاد پر مرتب کی گئی ہیں حسب ضرورت ان میں حدیث تلاش کی جائے۔ موضوع کی بنیاد پر مرتب کی جانے والی کتابین تین قسم کی ہیں۔

1۔ تمام ابواب دین کی جامع کتب، جو مختلف انداز پر ترتیب دی گئی ہیں۔

(الف) جوامع مثلاً" بخاری و مسلم وغیرہ

(ب) جوامع کے مستخرجات و مستدرکات

(ج) مجامع

(د) وزوائد

(9 مفتاح کنوز السنتہ:- یہ اس سلسلہ کی سب سے اہم کتاب بایں معنی ہے کہ موضوعات کی بنیاد پر اس کو 14 کتب حدیث و سیر کی روایات کی فہرست کے طور پر مرتب کیا گیا ہے' ان چودہ کتابوں میں صحاح ستہ و موطا مالک کے علاوہ' مسند احمد' مسند الطیالسی' مسند زید بن علی' سنن دارمی' اور سیرت ابن ہشام' مغازی واقدی' طبقات ابن سعد شامل ہیں۔ اور تخریج اور بالخصوص موضوع کے ذریعہ تخریج کے لیے اس کتاب کو سب سے اہم و مفید قرار دیا گیا ہے جب کتاب کو استعمال کرنا ہو تو اس کے شروع میں اس سلسلہ کی جو ہدایات درج ہیں ان کو ملحوظ رکھا جائے۔ جو مختصراً" یہ ہیں کہ مسلم کے علاوہ صحاح ستہ و سنن دارمی کی روایات کے لیے کتب اور ابواب دونوں کے نمبر شمار ذکر کیے گئے ہیں مسلم و موطا کے لیے کتب کے ساتھ احادیث کے نمبرات ہیں۔ اور مسند الطیالسی و مسند زید کے لیے احادیث کے نمبرات' اور باقی کے لیے اجزاء و صفحات یا صرف صفحات کے نمبرات اور تمام کتب کے لیے رموز حروف ہجاء سے ذکر کیے گئے ہیں۔

مثلاً" تشہد میں انگلی کے ذریعہ اشارہ والی حدیث کی نشاندہی یوں کی گئی ہے۔

1- مس - ک 15 ح 147 - (2) بد - ک 11 ب 56 (3) حم - اول ص 339 رابع ص 316 و 318 (4) ط - ح 785-

اس کی توضیح یہ ہے کہ مسلم کی کتاب الحج کی نمبر 147 نمبر کی' اور ابوداؤ کتاب المناسک کے باب 56 اور مسند احمد کے جز اول کے صفحہ 339 اور جز رابع کے صفحات 316 و 318 پر' اور موطا کی 785 نمبر کی حدیث ہے۔

کبھی نشاندہی کی تصریحات کے ساتھ کسی جگہ اوپر بائیں کنارے پر بھی ایک عدد مذکور ہوتا ہے جیسے کہ 316 و 318 کے اوپر - 2 - کا عدد ہے تو اس سے صفحہ یا باب کے اندر حدیث کی تکرار کو بتانا مقصود ہوتا ہے جیسے کہ اگر تین "

میم" اوپر بنے ہوں تو کتاب کے اندر متعدد مقامات پر اس کے ذکر کو بتانا مقصود ہوتا ہے۔

اس طریق سے کام کے لیے مفید کتاب "جامع الاصول" بھی ہے جو کہ ابن ماجہ کے بجائے موطا کے ساتھ صحاح ستہ کی جامع ہے۔ اور اس میں ابواب اصل ترتیب میں نہیں آ سکے ہیں ہر حرف کے ابواب کے آخر میں ان کی فہرست و مواقع کا تذکرہ ہے۔ اور اس وقت اس کا جو متداول نسخہ (مطبوعہ) ہے اس کے حاشیہ میں اس کی جملہ احادیث کی تخریج بھی مذکور ہے جس میں ابن ماجہ کو بھی لے لیا گیا ہے' جامع الاصول ہی کے انداز پر کنز العمال بھی ہے کہ وہ بھی جملہ ابواب کی جامع ہے اور اس کی کتب و ابواب کو بھی بعض موضوعات کے پیش نظر حروف ہجاء کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔

2- اکثر ابواب دین کی جامع کتب :- یہ بھی مختلف انداز کی ہیں۔ مثلاً"
(الف) سنن (ب) مصنّفات (ج) موطات (د) سنن کے مستخرجات۔ یہ اکثر و بیشتر فقہی ابواب کے مطابق ہیں۔

3- بعض ابواب دین سے متعلق کتب :- یعنی کسی ایک موضوع یا پہلو سے متعلق روایات کی جامع کتب' ان کی بھی بہت سی اقسام و صورتیں ہیں۔ مثلاً" (الف) اجزاء (ب) ترغیب و ترہیب (ج) زہد و آداب و اخلاق (د) فضائل (ھ) احکام (د) تخریجات وغیرہ۔

تنبیہہ :- جامع' مستخرج' مستدرک' مجمع' زوائد' سنن' مصنف' موطا' اجزاء' وغیرہ سب کی تعریفات اور ان سے متعلق ضروری تفصیلات مولفات حدیث کے تحت گذر چکی ہیں۔

چوتھا طریقہ :- قلیل الاستعمال لفظ :- یعنی عبارت میں آنے والا ایسا لفظ جو بکثرت استعمال نہ ہوتا ہو اس کو "المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی" میں بنایا گیا ہے جسے چند مستشرقین نے ترتیب دیا ہے۔ یہ کتاب سات ضخیم جلدوں میں ہے اس میں نو کتابوں کی احادیث کو لیا گیا ہے جس میں صحاح ستہ کے علاوہ موطا' مسند امام احمد اور سنن

داری شامل ہیں۔ حدیث کے ذکر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اصل ماخذ کے رمز کے ساتھ مسلم کے علاوہ صحاح ستہ کے لیے کتب کے نام اور ابواب کے نمبرات مذکور ہیں اور مسلم و موطا کے لیے کتب کے نام کے ساتھ احادیث کے نمبرات اور مسند احمد کے لیے اجزاء و صفحات کے نمبرات مذکور ہیں۔

اور جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ حدیث کی نشاندہی کے لیے اس کے ایسے لفظ کو پیش نظر رکھا گیا ہے جس کا استعمال کم ہو، ساتھ ہی یہ کہ اسم یا فعل ہو حرف نہ ہو اور نہ علم ہو، اسم و فعل خواہ مجرد ہو یا مزید فیہ اور جامد ہو یا مشتق۔ حرف یا علم کی بنیاد پر نیز قال و جاء جیسے بکثرت استعمال ہونے والے افعال و اسماء کی بنیاد پر حدیث کے ماخذ کو نہیں ذکر کیا گیا ہے۔ جن الفاظ کو لیا گیا ہے ان میں بھی یہ ترتیب ہے اولاً فعل کو ذکر کیا گیا ہے پھر اسماء کو افعال میں پہلے مجرد پھر مزید فیہ، صیغے و دیگر چیزیں ہیں۔ __________ اسماء میں نحوی ترتیب کا لحاظ ہے کہ پہلے مرفوع پھر منصوب پھر مجرور کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور ہر صورت میں مفرد و منون کو غیر منون و مضاف سے پہلے ذکر کیا ہے۔ جیسے کہ پہلے واحد پھر تثنیہ پھر جمع کو لایا گیا ہے۔ اسم فاعل اور اسم مفعول وغیرہ کو جس باب سے وہ متعلق ہوں اسی کے فعل کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک معروف حدیث ہے ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان الحدیث اس میں سے خط کشیدہ چاروں الفاظ لیے گئے ہیں اور باقی تین نہیں۔ اور ان کے پیش نظر حدیث کی نشاندہی یوں کی گئی ہے۔

ثلاث :- م ایمان 66 و 67 خ ایمان 9 و 14' اکراہ 1 (مسلم کتاب الایمان کی حدیث 66 و 67' بخاری کتاب الایمان کا باب 9 و 14 و کتاب الاکراہ کا باب 1)

الایمان :- خ ایمان 9-14' اکراہ 1- ادب 42' م ایمان 66' ن ایمان 6-4 جہ فتن 23' حم 3- 103-114' (بخاری کتاب الایمان باب 9 و 14' و کتاب الاکراہ باب 1 و کتاب الادب باب 42' مسلم کتاب الایمان حدیث 66 نسائی کتاب الایمان باب 6-4' ابن ماجہ کتاب الفتن باب 23' مسند احمد جز' 3' ص 103-114)

چونکہ ایک حدیث جو متعدد کتابوں میں ہو سب جگہ اس کے الفاظ یکساں نہیں ہوتے تھوڑا بہت فرق ہوتا ہے کتاب میں اس کا بھی لحاظ ہے کہ سب سے پہلے جس ماخذ کا ذکر ہوتا ہے اس میں بعینہ وہی لفظ ہوتا ہے جس کو ماخذ کے

ذکر کے لیے بنیاد بنایا گیا ہے۔

پانچواں طریقہ سند و متن کے مخصوص احوال :۔ کو بنیاد بنا کر تخریج کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کہ متن کی بابت وضع کا شبہ ہو یا رواۃ میں سے کسی کی بابت کوئی تردد ہو یا کسی سند کے رواۃ میں کوئی خاص بات ہو، ان امور کی مناسبت سے جو کتابیں تیار کی گئی ہیں ایسی صورت میں ان سے کام لیا جاتا ہے۔

1- اگر وضع کا شبہ ہو خواہ کسی وجہ سے ہو تو "احادیث موضوعہ" سے متعلق تالیفات کام آتی ہیں جن میں اس قسم کی روایات سے متعلق پوری تحقیقات مذکور ہوتی ہیں۔ اس باب کی کتابوں کا ذکر گزر چکا ہے۔ مثلاً" حب الوطن من الایمان احادیث کے باب میں معروف ہے۔ اس کے وضع و عدم وضع کی بابت تحقیق کے لیے ملا علی قاری کی " موضوعات کبیر" کی طرف رجوع کیا جائے تو حرف ہاء کی احادیث میں، ہندی نسخے کے ص 35 پر اس کی تحقیق موجود ہے۔

2- رواۃ میں سے کسی کی بابت کوئی تردد ہو یا ان میں کوئی خاص بات ہو تو رواۃ سے متعلق جو ابواب پیچھے تفصیل سے گزر چکے ہیں، ان کو سامنے رکھ کر ان کے احوال کی بنیاد پر حدیث کی تحقیق و تخریج کی جائے گی۔

6- **طرق و اصول تخریج کی اہم ترین کتاب :۔** اس موضوع پر اب تک بظاہر ایک ہی کتاب "اصول التخریج و دراسۃ الاسانید" سامنے آئی ہے جو ڈاکٹر محمود طحان (حال پروفیسر کلیۃ الشریعۃ جامعۃ الکویت) کی تالیف ہے۔ تخریج سے متعلق مذکورہ تفصیلات انہیں کی گرانقدر کاوش کا ایک اجمالی خاکہ ہیں۔ جن لوگوں کو بکثرت تخریج کی ضرورت پڑتی ہو انہیں بالخصوص اس کتاب کو کم از کم ایک مرتبہ پورے طور پر دیکھ ڈالنے کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے الایہ کہ وہ خود صاحب فن و صاحب فراست ہوں کہ ان کے سامنے راہیں کشادہ ہوتی ہیں۔

(5) تحمل حدیث

1- تمہید:- علماء حدیث نے تفصیل کے ساتھ ان پہلوؤں پر گفتگو فرمائی ہے۔ حدیث نبوی کی اہمیت کے پیش نظر پورے اطمینان و اعتماد کے ساتھ اس کی نقل و حفاظت کے لیے اس کا اہتمام کیا گیا ہے۔

2- تحمل حدیث اور اسلام و بلوغ:- صحیح قول یہ ہے کہ تحمل یعنی حدیث کی تحصیل کے لیے نہ اسلام شرط ہے نہ بلوغ البتہ دوسروں کے سامنے اس کو بیان و نقل کرنے کے لیے دونوں شرطیں ہیں۔ اس لیے اگر کوئی مسلمان بالغ کسی حدیث کو نقل کرے تو وہ مقبول ہو گی خواہ اسلام و بلوغ سے پہلے تحصیل کی ہو یا اس کے بعد' البتہ اگر بلوغ سے پہلے تحصیل کی ہو تو بوقت تحصیل ایسی عمر ضروری ہے جو کہ تمیز کی عمر کہلاتی ہے یعنی بھلے و برے کو سمجھنے اور جاننے کی۔ معتمد علماء اور آئمہ حدیث کا یہی تعامل رہا ہے۔ البتہ بعض حضرات نے پانچ سال کی عمر کو متعین کیا ہے اور محدثین اس کا لحاظ کرتے رہے ہیں۔

3- سماع حدیث کی پسندیدہ عمر:- متاخرین کے یہاں پسندیدہ یہ ہے کہ جب تحصیل علم کی صلاحیت و اہلیت پیدا ہو جائے تو جتنی جلد سے جلد اس مبارک مشغلہ میں لگ سکے لگ جائے اس لیے کہ اب احادیث کی تحصیل کتابوں کے واسطے سے ہوتی ہے کہ تمام احادیث کتابوں میں جمع کی جا چکی ہیں۔ ویسے اہل شام نے تیس سال اہل کوفہ نے بیس سال اہل بصرہ نے دس سال کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔[2]

4- فن حدیث کی تحصیل:- کے لئے ضروری یہ ہے کہ

(الف) عربی زبان سے اس حد تک واقف ہو کہ الفاظ حدیث کے تلفظ اور ان کے سمجھنے میں غلطی نہ ہو۔

(ب) حدیث کو ادھر ادھر کے لوگوں اور محض کتابوں اور رسائل سے نہ حاصل کرے بلکہ معتمد محدثین سے حاصل

کرے اور احادیث کی جامع اہم کتابوں اور حدیث سے متعلق اہم و ضروری علوم و فنون کی کتابوں کے پڑھنے کا اہتمام کرے، تحصیل حدیث کی صورتوں کا ذکر آگے آ رہا ہے اور حدیث سے متعلق علوم و فنون کی بابت ضروری تفصیلات اور اہم کتابوں کا تذکرہ گذر چکا ہے۔

5- **محدث کے آداب و اخلاق:-** جو شخص محدث بننا چاہے یعنی فن حدیث کی تحصیل کرنا چاہے یا حدیث کو حاصل کرنے کے بعد دوسروں تک اس کو پہنچانا چاہے، اس کے لیے کچھ آداب بیان کئے گئے ہیں جن کا لحاظ و پاس ضروری ہے ان کے بغیر اس باعظمت فن کی عظمت نہیں ہوتی اور فن کی برکات بھی نہیں حاصل ہوتیں ان آداب کا خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر و باطن یعنی جسم و لباس اور قلب و خیال کی پاکیزگی کے ساتھ کلام اور صاحب کلام (حدیث اور حضور اقدس) صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری عظمت ہو قلب میں بھی اور مجلس میں بھی، اور جو کچھ سامنے آئے اور سامنے ہو اس پر عمل کا اہتمام ہو۔

6- **مشہور مصنفات:-** اس موضوع پر محدثین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں مثلاً

(الف) "الجامع الاخلاق الراوی و آداب السامع" مصنف خطیب بغدادی م 463ھ

(ب) "جامع بیان العلم و فضلہ وما ینبغی فی روایتہ و حملہ" مصنف ابن عبدالبر م 463ھ

(1) تحصیل حدیث کی صورتیں اور الفاظ نقل

مراد یہ ہے کہ "حدیث" کو حاصل کرنے کی کتنی صورتیں ہیں اور ان کے مطابق بعد میں "کن الفاظ" سے ان کو اپنے شاگرد و استفادہ کرنے والوں کے سامنے حدیث کو بیان کیا جائے۔

محدثین نے آٹھ صورتیں ذکر کی ہیں۔

1- استاذ کی زبان سے سننا، 2- استاذ کے سامنے پڑھنا، 3- اجازت، 4- مناولت، 5- کتابت، 6- اعلان عام، 7-

وصیت' 8- وجادت

ان میں سے ہر ایک سے متعلق کچھ ضروری تفصیلات ہیں کہ ان صورتوں کی کیا کیفیت ہے' اور ہر ایک کا مرتبہ کیا ہے اور ہر ایک کے مطابق حدیث کو نقل کرنے کے کیا کیا الفاظ ہو سکتے ہیں۔

(1) استاذ کی زبان سے سننا

(الف) کیفیت :- استاذ اپنی زبان سے حدیث کے الفاظ کہے خواہ یاداشت سے یا کتاب دیکھ کر' اور مستفیدین سنیں خواہ لکھیں یا نہ لکھیں۔

(ب) مرتبہ :- تحصیل حدیث کی صورتوں میں سب سے اعلی صورت یہی ہے اس لیے کہ اس صورت میں شاذو نادر ہی غلطی ہوا کرتی ہے۔

(ج) الفاظ نقل و اداء :- ابتدائی زمانے میں تو کسی بھی ایسے لفظ کو استعمال کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا تھا جس سے یہ مفہوم ادا ہو جائے مثلاً" ست (میں نے سنا) حدثنی' اخبرنی' انباءنی (مجھ سے بیان کیا) قال لی (مجھ سے کہا۔ ذکرلی (مجھ سے ذکر کیا) مگر بعد میں تمام صورتوں کے لیے الگ الگ الفاظ متعین کر دیئے گئے' اس صورت کے لیے دو الفاظ ہیں۔ سمعت یا حدثنی (جب کہ تنہا کوئی آدمی سنے) اور حدثنا (جبکہ پوری جماعت سننے والی)۔ [۱۵۲]

(2) استاذ کے سامنے پڑھنا

اس کے لیے عربی میں "قراۃ علی الشیخ" (خواندن بر شیخ) اور "عرض" (پیش کرنا) تعبیر استعمال ہوتی ہے۔

(الف) کیفیت :- کسی محدث کی روایت کردہ احادیث کو اس کے سامنے پڑھا جائے اور وہ خود سن کر تصدیق و تصویب کرے خواہ زبانی پڑھا جائے یا کتاب سے اور خود طالب علم پڑھے یا کوئی دوسرا اور خواہ محدث بھی پڑھنے والے کے ساتھ زبانی پڑھتا رہے یا یہ کہ کتاب لے کر وہ خود یا کوئی معتمد مقابلہ کرتا رہے۔

(ب) حکم :- بعض تشدد پسندوں کے علاوہ سب کے نزدیک حدیث کی تحصیل اور اس کے بعد نقل و بیان کے لیے یہ صورت صحیح و معتمد ہے۔

(ج) مرتبہ :- (1) امام بخاری و امام مالک اور اکثر علماء حجاز و کوفہ کے نزدیک پہلی صورت کی مانند ہے۔ (2) امام ابو حنیفہ اور ابن ابی ذئب نیز ایک روایت میں امام مالک سے منقول ہے کہ پہلی صورت سے فائق ہے۔ (3) علماء مشرق کا قول ہے کہ پہلی صورت سے کمتر ہے اور عام محدثین کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

(د) الفاظ اداء و نقل :-

1- احوط :- ایسے الفاظ ہیں جو شیخ کے سامنے پڑھے جانے کے مفہوم کو صراحت کے ساتھ ادا کریں جیسے "قرات علی فلان" (میں نے فلاں کے سامنے پڑھا) یا قرئ علیہ وانا اسمع (شیخ کے سامنے پڑھا گیا اور میں سن رہا تھا)۔

2- راجح :- اکثر محدثین کے یہاں رائج اور معمول ہے۔ اخبرنا ہے جب کہ پڑھنے والا تنہا نہ ہو اور اگر وہ تنہا ہو تو "اخبرنی"۔ اس کے علاوہ باقی چھ صورتیں زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتیں ان صورتوں میں تحصیل حدیث کے بعد روایت کی بابت محدثین کا بہت اختلاف ہے، تاہم ان کا بھی مختصراً ذکر کیا جا رہا ہے۔

(3) اجازت

1- تعریف :- نقل حدیث کی تحریری یا زبانی اجازت

ب۔ کیفیت :۔ استاذ و محدث اپنے شاگرد سے کہے کہ میں تم کو اپنے واسطے سے فلاں کتاب یا فلاں حدیث کی روایت کی اجازت دیتا ہوں۔

ج۔ انواع :۔ اس کی بہت سی ہیں، مثلاً (1) یہ کہ کسی معین آدمی کو معین کتاب کی احادیث کی روایت کی اجازت دی جائے۔ (2) کسی متعین یا غیر متعین آدمی کو اپنی تمام روایات یا دوسری غیر متعین روایات کی اجازت دی جائے۔ (3) غیر موجود کو اجازت خواہ موجود کا تابع بنا کر کہ فلاں اور اس کی اولاد کو اجازت دیتا ہوں یا مستقلاً کہ فلاں کی اولاد کو اجازت دیتا ہوں۔

د۔ حکم :۔ جمہور کے نزدیک صحیح و معمول بہ پہلی صورت ہے، بعض حضرات کا اختلاف بھی ہے اور باقی صورتوں کے متعلق بہت اختلافات ہیں۔

ہ۔ الفاظ نقل و اداء :۔

1- اولی :۔ اجازت کے صریح الفاظ

2- جائز :۔ سننے اور پڑھنے کے تمام الفاظ بشرطیکہ اجازت کی قید موجود ہو مثلاً "حدثنا اجازة" (فلاں نے ہم سے بطور اجازت بیان کیا)

3- رائج و اصطلاح نزد متاخرین :۔ "انبانا"

(4) مناولہ

(الف) تعریف :۔ 1- لغوی دینا، عطا کرنا

2- اصطلاحی :- کسی شیخ و محدث کا اپنے شاگرد کو اپنی کوئی تحریر یا کتاب عطا کرنا۔

ب۔ انواع و احکام :- مناولہ کی دو انواع ہیں۔

1- مناولہ مع اجازت 2- مناولہ بغیر اجازت

1- مناولہ مع اجازت :-

(الف) تعریف :- محدث کسی طالب علم کو اپنی کوئی تحریر، نوشتہ و کتاب یہ کہہ کر دے کہ یہ میری فلاں سے نقل کردہ روایات ہیں تم ان کو میرے واسطے سے نقل کرو، خواہ وہ تحریر اسے ہدیہ کر دے یا نقل کے بعد واپس لے لے۔

(ب) حکم :- روایت جائز ہے، مرتبہ پہلی دونوں سے کمتر اور اجازت کی دوسری تمام صورتوں سے اوپر ہے۔

2- مناولہ بغیر اجازت :-

(الف) تعریف :- محدث اپنی کوئی تحریر کسی کو دے اور زبان سے کچھ نہ کہے۔

(ب) حکم :- صحیح قول یہ ہے کہ اس صورت میں روایت جائز نہیں۔

(ج) الفاظ اداء :-

1- اولی :- وہ الفاظ ہیں جو صراحت کے ساتھ اس صورت کو بتائیں جیسے "ناولنی" یا "ناولنی واجازلی"

2- جائز :- سننے اور پڑھنے پر دلالت کرنے کے تمام الفاظ بشرطیکہ مناولہ کی قید لگی ہو۔ مثلاً "حدثنا مناولته یا اخبرنا مناولته و اجازته"

3- اصطلاح :- بعض نے اس صورت کے لیے انباء کو قرار دیا ہے[55]

(5) کتابت

(الف) کیفیت :- کوئی محدث اپنی سنی ہوئی احادیث کسی موجود یا غائب کے لیے لکھکر یا لکھوا کر دے۔

(ب) انواع :- دو ہیں 1۔ کتابت مع اجازت 2۔ کتابت بغیر اجازت

1- کتابت مع اجازت :- تحریر کے ساتھ یہ کہنا یا لکھنا کہ میں نے جو کچھ لکھ کر تمہیں دیا و بھیجا ہے اس کی روایت کی تم کو اجازت ہے۔

2- کتابت بغیر اجازت :- جس کے ساتھ روایت کی اجازت کا تذکرہ نہ ہو۔

ج۔ احکام :-

1- کتابت مع اجازت :- کی صورت میں روایت جائز و صحیح ہے اور "مناولہ مع اجازت" کی مانند ہے۔

2- کتابت بغیر اجازت :- عام محدثین جواز کے قائل ہیں اس لیے کہ کسی کو لکھ کر دینا یہ بظاہر اجازت کی دلیل ہے، بعض لوگ منع کرتے ہیں۔

د۔ تحریر پر اعتماد کا ذریعہ :- صحیح قول ۔ یہ ہے کہ "مکتوب الیہ" یعنی جس کو لکھ کر دیا گیا ہے وہ کاتب کے خط کو پہچانتا ہو۔ شرعی گواہوں کی شرط نہیں ہے۔

ھ۔ الفاظ اداء :-

1- بہتر و اولیٰ :- وہ تمام الفاظ جو صراحت کے ساتھ اس صورت پر دلالت کریں۔

2- جائز :- سننے اور پڑھنے پر دلالت کرنے والے وہ تمام الفاظ جن کے ساتھ کتابت کی قید لگی ہو، جیسے "حدثنی فلان کتابۃ" وغیرہ۔

(6) اعلام

(الف) **تعریف**:- 1- لغوی:- اعلان کرنا، خبر دینا

2- اصطلاحی:- محدث کا یہ خبر دینا کہ فلاں حدیث یا فلاں کتاب اس کی سنی ہوئی ہے۔

(ب) **حکم**:- اگر اس اطلاع کے ساتھ وہ روایت کی اجازت بھی دے تب تو بالاتفاق روایت جائز ہے۔ ورنہ اکثر محدثین اور فقہا و اصولین جواز کے اور بہت سے حضرات عدم جواز کے قائل ہیں اور نووی و ابن صلاح وغیرہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے البتہ اگر سند صحیح ہو تو ایسی حدیث پر عمل سب کے نزدیک جائز ہے۔

(ج) **الفاء اداء**:- اعلمنی شیخی بکذا (مجھ کو میرے شیخ نے یہ بتلایا ہے)۔[57]

(7) وصیت

(الف) کیفیت:- کوئی محدث اپنی موت یا سفر کے وقت اپنی جمع کردہ کسی کتاب کے حق میں کسی کے لیے وصیت کر جائے۔

(ب) **حکم**:- روایت درست نہیں ہے۔[58]

(8) وجادہ

(الف) **تعریف**:- 1- لغوی:- پانا

2- اصطلاحی:- کسی شخص کا کسی محدث کی تحریر کردہ کسی روایت یا کتاب کا پانا جس کے خط کو وہ پہچانتا ہو۔

(ب) حکم :- ایسی حدیث منقطع احادیث کے قبیل سے ہے۔ جہاں تک سوال ہے اس پر عمل کا تو صحت کا اعتماد ہونے کی صورت میں بعض محققین وجوب عمل کے قائل ہیں ورنہ جواز تو ہے ہی۔ اکثر فقہاء مالکیہ عدم جواز کے قائل ہیں۔

(ج) الفاظ اداء :- "وجدت بخط فلان" یا "قرات بخط فلان" جب کہ اعتماد ہو کہ یہ فلاں کی تحریر ہے ورنہ یوں "بلغنی عن فلان یا وجدت عن فلان" وغیرہ[49]

(6) امام صاحب اور اصول حدیث

امام اعظم نے مقدمہ صحیح مسلم میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک دفعہ بشیر عدوی حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث بیان کرنا شروع کر دی حضرت ابن عباسؓ نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی تو بشیر عدوی نے جھنجلا کر کہا عجیب بات ہے میں حدیث سنا رہا ہوں اور آپ اس پر کوئی توجہ نہیں دے رہے تب حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' عدوی بھائی! ایک وقت وہ تھا کہ جہاں کسی نے قال رسول اللہ صلعم کہا ہم ہمہ تن گوش ہوئے اور اب تو ہم وہی حدیثیں سنتے ہیں جو ہم کو بھی معلوم ہیں۔

ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے اور درمیان سے الفاظ حذف کرتے جا رہے تھے اور فرماتے تھے واللہ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ نہیں دیا۔ اسی طرح انہوں نے حضرت علیؓ کی ایک تحریر دیکھی تو اس میں سے تھوڑے سے الفاظ کے علاوہ سب تحریر مٹا دی۔

حضرت ابن عباسؓ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا ان کے لئے ایسا کرنا جائز تھا اس کا اور اس کے علاوہ اسی قسم کے دوسرے سوالات کا یہی جواب دیا جا سکتا ہے کہ اسلام حدود عرب سے نکل کر عجم میں داخل ہو گیا تھا اور لوگوں کو احکامات اسلام معلوم کرنے کا بیحد اشتیاق تھا اس اشتیاق میں وہ روایتی پابندیوں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے تھے وہ روایت سے بھی بے نیاز تھے اس لئے گمراہ فرقوں اور اہل ہوا کو موقع مل گیا اور انہوں نے قطع و برید کرنا شروع کر دی۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ زناوقہ نے 12 ہزار حدیثیں وضع کیں۔ ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ ہارون رشید کے سامنے ایک زندیق لایا گیا اس نے اس کے قتل کا حکم دیا اس نے کہا اے امیر المومنین آپ ان چار ہزار حدیث کا کیا کریں گے جو میں نے وضع کی ہیں اور جس میں حرام کو حلال کیا ہے حالانکہ اس میں سے حضورؐ کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ رشید نے جواب میں کہا' اے زندیق کیا تو عبداللہ بن مبارک اور ابن اسحاق (الفواری کو بھول گیا وہ اس کا ایک ایک حرف

نکال کر باہر پھینک دیں گے۔[56]

ان چیزوں کے پیش نظر ذہنوں میں یہ بات ابھر سکتی ہے کہ پھر حدیث سے کس طرح استفادہ کیا جائے؟ اس کا جواب بھی یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے لئے اصول و ضوابط مقرر کرنے ہوں گے تب ہی احادیث سے استفادہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ امام صاحب وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے معاصرین کی لعن طعن کا خیال کئے بغیر اصول حدیث مقرر کئے اور لوگوں کو قبول حدیث کا ایک معیار بتلا دیا بعد کو دیگر اصولوں نے حالات و زمانہ کے اعتبار سے ان میں ترمیم و اضافہ کیا' لیکن وہ اصول بدستور رہے سطور ذیل میں امام صاحب کے وہ اصل پیش کئے جا رہے ہیں جن پر احادیث کی صحت و ضعف کا مدار ہے۔

امام صاحب کے اصول :۔ 1۔ ثقہ راویوں کے مراسلات مقبول ہیں۔ بشرطیکہ ان سے قوی تر دلیل موجود نہ ہو (بخاری نے قرات خلف الامام میں اس سے استدلال کیا ہے مسلم میں بھی مراسل موجود ہیں) امام ابو حنیفہ نے اس بارے میں نہایت واضح طور پر فرمایا ہے۔

ومن ضعف بالارسال تبذ شطر السنته المعمول بها۔[57]

ترجمہ :۔ جس نے مرسل ہونے کی وجہ سے حدیث کو ضعیف قرار دے دیا' اس نے معمول بہا سنت کے ایک حصہ کو ترک کر دیا۔

2۔ خبر احاد کو اصول پر پرکھا جائے گا۔ اور اگر وہ اس کے مطابق ہے تو اختیار کیا جائے گا ورنہ ترک کر دیا جائیگا۔

3۔ خبر احاد کو کتاب اللہ کے مقابلہ میں رد کر دیا جائے گا۔

4۔ خبر مشہور کے مقابلہ میں (خواہ فعلی ہو یا قولی) خبرواحد کو ترک کر دیا جائے گا۔

5۔ اگر دو خبرواحد متعارض ہوں تو افقہ راوی کی خبر کو ترجیح ہوگی۔

6۔ اس روایت کو ترک کر دیا جائے گا جس کے راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو جیسا کہ حضرت

ابو ہریرہؓ کی روایت کہ اگر کتا کسی برتن کو چاٹ جائے تو اس کو سات دفعہ دھونا چاہیے حالانکہ وہ فتویٰ تین مرتبہ دھونے پر دیتے تھے۔

7- حدیث اگر متناً یا سنداً زائد ہو تو اس کو ناقص کے مقابلہ میں ترک کر دیا جائے گا۔

8- جس چیز میں عموم بلویٰ ہو اس کے مقابلہ میں خبرواحد کو ترک کر دیا جائے گا کیونکہ قرن اول کے عموم بلویٰ کا اثبات متواتر اور متوارث ہوتا ہے اسی وجہ سے حدود کفارات کو شبہ کی بناء پر رد کر دیا جاتا ہے۔

9- ایک ہی حکم میں اگر کوئی خبرواحد مختلف ہو اور صحابہؓ سے ہو کہ انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے تو اس خبرواحد کو ترک نہ کیا جائے گا۔ بلکہ مناسب تطبیق و تاویل کر لی جائے گی۔

10- جس خبرواحد پر سلف میں سے کسی نے طعن نہ کیا ہو اس کو اختیار کیا جائے گا۔

11- حدود اور عقوبات میں اخف درجہ کی خبرواحد کو لیا جائے گا۔

12- حدیث کے راوی کے لیے سماعت سے لے کر نقل تک استمرار حفظ ضروری ہے۔

13- اس راوی کی روایت معتبر نہیں جو یہ کہے کہ میری بیاض میں ہے ہاں بیاض کی روایت اس وقت معتبر ہو گی جب اس کو زبانی بھی یاد ہو۔

14- احاد میں احوط کو اختیار کیا جائے گا۔

15- متاخر کو مقدم کے مقابلہ میں ترجیح ہو گی کیونکہ اس کی حیثیت ناسخ کی ہے۔

16- خبرواحد صحابہ اور تابعین کے عمل متوارث کے خلاف نہ ہو۔

17- امام اعظم ضبط کتاب کے بجائے ضبط صدر کے قائل تھے۔ صرف اسی راوی سے حدیث لیتے تھے جو اس روایت کا حافظ ہو۔

18- صحابہ اور تابعین کے علاوہ اور کسی شخص کی روایت کو قبول نہیں کرتے تھے۔

19- صحابہ سے روایت کرنے والے ایک یا دو شخص نہ ہوں بلکہ اتقیاء کی ایک جماعت نے صحابہ اس حدیث

کو روایت کیا ہو۔

20- معمولات زندگی سے متعلق تمام احکام میں امام ابو حنیفہ یہ ضروری قرار دیتے تھے کہ ان احکام کو ایک سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہو۔

21- جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ امام اعظم کے نزدیک مقبول نہیں۔

22- جو حدیث خبرواحد اور قرآن کریم پر زیادتی یا اس کے علوم کو خاص کرتی ہو۔ امام صاحب کے نزدیک وہ بھی مقبول نہیں۔

23- جو خبرواحد صریح قرآن کے مخالف ہو وہ بھی مقبول نہیں۔

24- جو خبرواحد سنت مشورہ کے خلاف ہو وہ بھی مقبول نہیں۔

25- اگر راوی کا اپنا عمل اس روایت کے خلاف ہو۔ تو وہ روایت مقبول نہیں ہو گی کیونکہ یہ مخالفت یا کو راوی میں لعن طعن کا موجب ہو گی۔ یا نسخ کے سبب سے ہو گی۔

26- ایک ہی مسئلہ میں مبیح اور محرم دو روایتیں ہیں۔ تو امام اعظم محرم کے مقابلے میں مبیح کو قبول نہیں کرتے۔

27- ایک ہی واقعہ کے بارے میں اگر ایک راوی کسی امر زاید کی نفی کرے اور دوسرا اثبات تو اگر نفی دلیل پر مبنی نہ ہو۔ تو نفی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ نفی کرنے والا واقعہ کو اصل حال پر محمول کر کے اپنے قیاس سے نفی کر رہا ہے اور اثبات کرنے والا۔ اپنے مشاہدہ سے امر زاید کی خبر دے رہا ہے۔

28- اگر ایک حدیث میں کوئی حکم عام ہو اور دوسری حدیث میں چند خاص چیزوں پر اس کے بر خلاف حکم ہو۔ تو امام اعظم حکم عام کے مقابلہ میں خاص کو قبول نہیں کرتے۔

29- حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صریح قول یا فعل کے خلاف اگر کسی ایک صحابی کا قول یا فعل ہو تو وہ مقبول نہیں ہے۔ صحابی کے خلاف کو اس پر معمول کیا جائے گا کہ اس کو یہ حدیث نہیں پہنچی۔

30- خبر واحد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا فعل ثابت ہو اور صحابہ کی ایک جماعت نے اس کے خلاف کیا ہو۔ تو آثار صحابہ پر عمل کیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں یا تو وہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ یا وہ منسوخ ہو چکی ہے ورنہ حضورؐ نے صریح اور صحیح فرمان کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کی جماعت اس کی کبھی مخالفت نہیں کرتی۔

31- ایک واقعہ کے مشاہدہ کے بارے میں متعارض روایات ہوں۔ تو اس شخص کی روایت کو قبول کیا جائے گا جو ان میں زیادہ قریب سے مشاہدہ کرنے والا ہو۔

32- اگر دو متعارض حدیثیں ایسی سندوں کے ساتھ مروی ہوں۔ کہ ایک میں قلت وسائط سے ترجیح ہو۔ اور دوسری میں کثرت ثقہ ہو۔ تو کثرت ثقہ کو قلت وسائط پر ترجیح دی جائے گی۔

33- کوئی حدیثؐ یا کفارے کے بیان میں وارد ہوتی ہو۔ اور وہ صرف ایک صحابی سے مروی ہو۔ تو قبول نہیں ہو گی کیونکہ حدود اور کفارات شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

34- جس حدیث میں بعض اسناد پر طعن کیا گیا ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔

35- احکام شریعت کے ماخذوں کی تلاش اور جستجو پر تفتیش اور تحقیق کے بعد جو اصول ان کے نزدیک محقق تھے۔ خبر واحد ان سے نہ ٹکرائے لہٰذا جب بھی کوئی خبر واحد ان اصولوں سے متصادم ہوتی۔ وہ اس حدیث کو ترک کر دیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ دو دلیلوں میں جو زیادہ قوی دلیل ہو۔ اس پر عمل کرنا ضروری ہے اسی بنا پر اس خبر واحد کو وہ شاذ قرار دیتے تھے۔

36- حدیث (خبر واحد) کتاب اللہ کے عمومات اور واقع تصریحات سے متصادم نہیں ہونی چاہیے لہٰذا جب کوئی حدیث ظاہر کتاب سے ٹکرائی تو وہ ظاہر کتاب پر عمل کرتے اور اس خبر واحد کو چھوڑ دیتے۔ اس سلسلہ میں بھی وہ قوی تر دلیل پر عمل کرنے کے اصول کو اختیار کرتے تھے لیکن اگر حدیث قرآن کے کسی مجمل حکم کا بیان ہوتی۔ یا کسی نئے حکم کے لیے بعض ہوتی تو اس حدیث کو قبول کر لیتے۔ اس لیے کہ ان دو صورتوں

میں حدیث قرآن سے متعارض نہیں ہوتی۔

37- کوئی حدیث (خبر واحد) اسی جیسی حدیث (خبر واحد) سے متعارض نہ ہونی چاہئے۔ اگر دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض ہوتا تو (مقررہ) وجوہ ترجیح کی بنا پر ان تینؒ میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتے اور دوسری کو ترک کر دیتے۔ مثلاً ان دونوں حدیثوں کو روایت کرنے والے صحابیوں میں سے ایک صحابی دوسرے صحابی سے افقہ ہوتا ہے۔ یا ایک صحابی فقیہ ہوتا ہے اور دوسرا غیر فقیہ ہوتا ہے یا ایک صحابی جوان ہوتا دوسرا بوڑھا (یہ تمام احتیاط اور پیش بندی س لئے کرتے ہیں کہ حتی الوسع غلطی کے امکانات سے بچ سکیں)۔

38- حدیث کے راوی کا عمل خود اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف نہ ہونا چاہئے ایسی صورت میں اس حدیث کو ترک کر دیتے تھے (مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کہ کتا اگر برتن میں منہ ڈالے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھونا چاہئے۔ خود حضرت ابو ہریرہؓ کا فتوی اس حدیث کے خلاف تھا) وہ عام نجاسات کی طرح تین مرتبہ برتن کو دھونے کا فتوی دیا کرتے تھے۔

39- حدیث میں کوئی ایسی زیادتی نہ ہو جو صرف اسی حدیث میں ہو (اور کسی بھی دوسری حدیث میں نہ ہو) خواہ وہ زیادتی متن میں ہو یا سند میں ایسی صورت میں حضرت امام صاحب اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جس میں زیادتی نہ ہو (اور زیادتی والی حدیث کو ترک کر دیتے ہیں)۔

40- خبر واحد (حدیث) میں کوئی ایسا حکم مذکور نہ ہونا چاہئے۔ جس کا تعلق عموم بلوی سے ہے۔ یعنی سب ہی لوگ اس میں مبتلا ہوتے ہوں اور سب ہی کو اس کی ضرورت پیش آتی ہو۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں تو اس حدیث کو مشہور یا متواتر ہونا چاہئے تھا۔ نہ کہ صرف ایک ہی شخص ہو۔ یہی اس حدیث کے ضعف کی دلیل ہے اسی لئے حضرت امام بو حنیفہ اس حدیث کو ترک کر دیتے تھے۔

41- جس حدیث (خبر واحد) کو کسی ایک صحابی نے روایت کیا ہو درآں حالیکہ اس حدیث میں مذکور حکم کے بارے میں صحابہ کے درمیان اختلاف رہا ہو۔ مگر کسی ایک صحابی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہ کیا ہو

(یہ عدم التفات) اس کی دلیل ہے کہ یہ (زیر نظر) حدیث ثابت نہیں ہے۔ ورنہ کوئی نہ کوئی صحابی تو ان سے استدلال کرتا (ایسی حدیث پر بھی امام ابو حنیفہ عمل نہیں کرتے)۔

-42 سلف صالحین (صحابہ و تابعین) میں سے کسی نے بھی کبھی اس حدیث (خبر واحد) پر اعتراض نہ کیا ہو۔ ورنہ صحابہ یا تابعین کا اس حدیث پر طعن کرنا اس حدیث کے معتبر نہ ہونے کی دلیل ہے۔ ایسی حدیث پر بھی حضرت امام ابو حنیفہ عمل نہیں کرتے۔

-43 جو احادیث (اخبار آحاد) "حدود" اور شرعی سزاؤں سے متعلق ہوں اور ان میں اختلاف روایات پایا جاتا ہو۔ ابو حنیفہ ان مختلف روایات میں سے جو روایت سب سے پہلے حکم (سزا) والی ہوتی اس پر عمل کرتے اور دوسری روایات کو ترک کر دیتے اس لئے کہ مسلمہ اصول ہے الحدود تندرئ بالشبہات شرعی سزائیں ذرا سے شبہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہیں آج کل عدالتی اصطلاح میں اسی کو "شبہ کا فائدہ" کہا جاتا ہے۔

-44 راوی حدیث کا حافظ حدیث سے لے کر وقت سے لے کر ادا کرنے (یعنی دوسروں کے سامنے بیان کرنے) کے وقت تک یکساں برقرار رہا ہو اس درمیان میں اس کے حافظہ میں کسی طرح کا فتور نسیان وغیرہ نہ پیدا ہو اور نہ امام ابو حنیفہ ایسے راوی کی حدیث کو قابل اعتماد نہ سمجھتے اور اس پر عمل نہ کرتے تھے)۔

نوٹ:۔ یہ شرائط درج ذیل کتب سے لی گئیں ہیں۔

-1 مقدمہ ابن خلدون، ابن خلدون

-2 مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ملا علی قاری۔

-3 احکام القرآن جصاص رازی

-4 حسامی حسام الدین اخسیکثی

-5 نبراس الساری شرح بخاری عبد العزیز پرہاروی

-6 عمدہ القاری شرح بخاری ملا علی قاری

-7 خیرات ابن حجر مکی

-8 فتح القدیر محمد علی شوکانی

-9 میزان الشریعۃ الکبری عبدالوہاب شعرانی

(7) تحمل روایت حدیث اور امام اعظم

امام اعظم نے علم حدیث کے ہر شعبے میں خاص رہنمائی فرمائی ہے اور مستقبل میں جب کہ علوم و فنون میں بہار آنے والی تھی آپ نے راستے کے نشانات کا کچھ اس انداز سے پتہ دیا ہے کہ بعد میں آنے والوں نے ان ہی بتائے ہوئے نشانات پر پوری عمارت قائم کی ہے۔ یہ امر واقعہ ہے جیسا کہ حافظ ابن حزم نے بتایا ہے کہ اقوام دنیا میں کسی کو اسلام سے پہلے یہ توفیق میسر نہیں ہوئی ہے کہ اپنے پیغمبر کی باتیں صحیح صحیح ثبوت کے ساتھ محفوظ کرسکے یہ شرف صرف امت اسلامیہ کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے رسول کے ایک ایک کلمہ کو صحت اور اتصال کے ساتھ جمع کیا ہے آج روئے زمین پر کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو اپنے پیشواء کے ایک کلمہ کی سند بھی صحیح طریق پر پیش کرسکے اس کے برعکس اسلام نے اپنے رسول کی سیرت کا ایک ایک گوشہ پوری صحت و اتصال کے ساتھ محفوظ کیا۔ اور صرف اس سرمایہ علمی کی حفاظت ہی نہیں بلکہ اس علمی سرمایہ کو آگے پہنچانے ' ایک دوسرے سے اسے حاصل کرنے کے طرق بھی مقرر فرمائے ہیں۔ چنانچہ اسی کو محدثین کی اصطلاحی زبان میں تحمل روایت کہتے ہیں۔

(اول) تحمل روایت کے طرق:۔ تحمل روایت کے لئے ارباب روایت نے آٹھ صورتیں مقرر فرمائی ہیں۔ حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں:۔

الاخذ للحدیث و تحمله عن الشیوخ ثمانیته اقسام[62]

پھر ان طرق سے حاصل کردہ احادیث کو بیان کرنے کے لیے تعبیر کا بھی ایک خاص پیمانہ مقرر کیا ہے۔

محدثین نے تحمل روایت کی جو آٹھ صورتیں بتائی ہیں، یہ ہیں۔ سماع، عرض، اجازہ، مناولہ، مکاتبہ، اعلام، وصیۃ، وجادہ

(دوم) سماع و عرض :۔ سماع یہ ہے کہ شاگرد اپنے استاد سے مشافہۃً احادیث سنے چاہے استاد اپنے حافظہ کے بھروسہ پر زبانی سنائے یا پھر کتاب سے دیکھ کر سنائے۔ لکھائے یا نہ لکھائے۔ چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں :۔

سماع الشیخ وھو املاء وغیرہ من حفظ و من کتاب[46]

حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں۔

سواء احدث من کتابہ او من حفظہ باملاء او بغیر املاء[47]

عرض یہ ہے کہ شاگرد پڑھے اور استاد سنے چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

القراءة علی الشیخ حفظا او من کتاب وھو العرض عند الجمھور[48]

سماع ہو یا عرض ان دونوں میں اس موضوع پر تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ان دونوں طریقوں سے روایت کرنا صحیح ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں برابر ہیں یا ان دونوں میں اعلیٰ و ادنیٰ کی نسبت ہے۔

جمہور محدثین نے سماع کو ارفع اقسام قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الصلاح نے مقدمہ میں، حافظ زین الدین عراقی نے الفیہ میں، امام نووی نے تقریب میں، حافظ ابن کثیر نے اختصار علوم الحدیث میں اور حافظ سیوطی نے تدریب میں اس کی تصریح کی ہے لیکن اس موضوع پر دوسری صدی کے محدثین کی آراء ان بزرگوں سے مختلف ہیں۔ دوسری صدی میں امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام لیث بن سعد، امام ابن ابی ذئب، امام شعبہ، امام یحییٰ بن سعید الانصاری، امام عبدالعزیز بن جریج، امام سفیان ثوری اور امام سعید بن ابی عروبہ نے جسے قراۃ علی الشیخ اور عرض کہتے ہیں ارفع اقسام ہے۔ اس سلسلے میں محدثین کی تصریحات یہ ہیں۔

حافظ سیوطی نے امام بیہقی کی مدخل کے حوالہ سے مکی بن ابراہیم کا بیان درج کیا ہے۔

ابن جریج، عثمان بن الاسود، حنظلہ بن ابی سفیان، طلحہ بن ابی اسفیان، طلحہ بن عمرو، امام مالک، محمد

بن اسحاق، سفیان ثوری، ابو حنیفہ، ہشام، بن عروہ، ابن ابی ذئب، سعید بن ابی عروبہ، المثنی بن الصباح، ان سب کا کہنا ہے کہ تمہار استاد تمہارے سامنے پڑھے اور تم سنو۔[67]

حافظ ابوبکر الخطیب نے مکی بن ابراہیم کے حوالہ سے خاص امام ابو حنیفہ کی زبانی بیان لکھا ہے مکی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ فرماتے تھے کہ میں اگر استاد کے روبرو پڑھوں تو مجھے یہ زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ استاد پڑھے اور میں سنوں۔[68]

اسی سلسلے میں امام حسن بن زیاد کے حوالے سے امام اعظم کا جو بیان آیا ہے وہ بھی سن لیجئے اس سے امام صاحب کا موقف واضح اور صاف ہو کر سامنے آ جاتا ہے:-

> حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ فرماتے تھے۔ تمہارا محدث کے روبرو پڑھنا اس سے سننے کے مقابلے میں زیادہ ثابت اور مئوکد ہے کیونکہ جب استاد تمہارے سامنے پڑھے تو وہ صرف کتاب ہی سے پڑھے گا اور جب تم پڑھو گے تو وہ کہے گا کہ میری جانب سے وہ بیان کرو جو تم نے پڑھا ہے اس لیے یہ مزید تاکید ہو گی۔[69]

حافظ ابن کثیر نے امام اعظم کے اس موقف کو ان الفاظ میں پیش فرمایا ہے:-

وعن مالک وابی حنیفته وابن ابی ذئب انها اقوی

امام مالک، ابو حنیفہ اور ابن ابی ذئب کہتے ہیں کی یہی قوی ہے۔

امام نووی نے امام صاحب کے اس موقف کو ذرا اور طرح پیش کیا ہے۔

والثابت عن ابی حنیفته وابن ابی ذئب وهو روایت عن مالک

امام ابو حنیفہ اور ابن ابی ذئب اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ قراۃ علی الشیخ کو شیخ سے سننے پر ترجیح دی جائے۔[70]

حافظ ابن الصلاح نے بھی اس کا تذکرہ فرمایا ہے:-

فنقل عن ابی حنیفه وابن ابی ذئب و غیر هما ترجیح القراة علی الشیخ علی السماع من لفظه[71]

امام ابو حنیفہ امام ابن ابی ذئب نے قراۃ علی الشیخ کو سماع پر ترجیح دی ہے۔

حافظ زین الدین عراقی نے امام اعظم اور ابن ابی ذئب کا نام لکھ کر بتایا ہے۔

فلرجحا العرض و عکسه اصح وجل اهل المشرق نحوه جنح[72]

اس داستان کو طول دینے اور ارباب حدیث کی تصریحات کے تکرار سے میرا مقصود علم کے ان یتیم خانوں میں محدثین کی یہ صدائے غریب پہنچانا ہے جو بجلی کی روشنی اور پنکھوں کی ہوا میں بیٹھ کر یہ کہتے رہتے ہیں کہ ابو حنیفہ حدیث سے بے بہرہ تھے اور ابلہ فریبی کے لیے ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ وہ فقیہ تھے اور صرف فقیہ۔ انصاف آپ کے ہاتھ ہے۔

بہرحال تحمل روایت کا کوئی طریق ہو سماع ہو یا قراۃ علی الشیخ اس پر سب کا ہی اتفاق اور ایکا ہے کہ دونوں طرح سے روایت کا صحیح ہے لیکن بیان روایت کے لیے دوسرے طریق یعنی قراۃ علی الشیخ میں جو تعبیری پیانہ اختیار کیا جاتا ہے اس میں اگرچہ اس حد تک تو سب یک زبان ہیں کہ تعبیریوں ہونی چاہیے۔ قرات علیه (میں نے اس کے سامنے پڑھا) یا قری علیه وانا اسمع (اس کے سامنے پڑھا گیا اور میں سن رہا تھا) وغیرہ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس طریق میں حدثنا یا اخبرنا کا تعبیری پیانہ بھی استعمال کرنا درست ہے یا نہیں۔ عام ارباب روایت اور محدثین اس سے روکتے ہیں۔ امام احمد' نسائی اور دوسرے محدثین کا یہی مذہب ہے خطیب بغدادی نے لکھا ہے:۔

هو مذہب خلق کثیر من اصحاب الحدیث

محدثین کی اکثریت کا مذہب یہی ہے۔[73]

حافظ ابن کثیر نے اسے مسلم' نسائی اور جمہور کا مذہب قرار دیا ہے لیکن اس موضوع پر امام اعظم' ابو حنیفہ کا مذہب ان بزرگوں سے بالکل جداگانہ ہے۔ امام اعظم اس صورت میں حدثنا کی تعبیر کو جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ

حافظ ابو بکر الخطیب فرماتے ہیں کہ :-

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے دریافت کیا کہ ایک شخص جس نے حدیث محدث کو سنا کر حاصل کی ہے کیا اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ حدثنا کہے؟ فرمایا کہ ہاں اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ یہ کہے کہ حدثنی فلان اور سمعت فلانا
اور اس کا یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کے سامنے اقراری دستاویز کو پڑھا جائے اور کہہ دے کہ اس نے میرے سامنے اس دستاویز کے سارے مندرجات کا اقرار کیا ہے۔[74]

ایک دوسرے موقعہ پر خطیب بغدادی ہی رقمطراز ہیں :-

امام ابو عاصم النبیل کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک' ابن جریج' سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ سے دریافت کیا کہ ایک شخص اگر شیخ کے سامنے حدیث پڑھ رہا ہے تو کیا اسے نقل روایت کے موقع پر حدثنا کہنا درست ہے؟ سب کا متفقہ جواب یہ تھا کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اما ابو عاصم ہی کا ایک اور بیان اس سے زیادہ واضح ہے فرماتے ہیں :-

میں نے امام مالک' ابن جریج' سفیان ثوری اور ابو حنیفہ سے پوچھا کہ محدث کے سامنے ایک شخص خود حدیث پڑھتا ہے پھر وہ کہتا ہے کہ حدثنا فلان اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ سب کا جواب یہ تھا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ ابو عاصم کہتے ہیں کہ ان میں دو حجازی اور دو عراقی ہیں۔

مشہور محدث یحیٰی بن ایوب کہتے ہیں :-

میں نے ابو قطن سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے امام ابو حنیفہ نے کہا میرے سامنے پڑھو اور حدثنا کہو۔ اگر میرے خیال میں اس میں کوئی بھی مضائقہ ہوتا تو میں ایسا کرنے کا تمہیں ہرگز حکم نہ دیتا۔[75]

امام نووی نے تقریب میں اسے دوسری صدی کے محدثین کا مذہب قرار دیتے ہوئے اس موضوع پر امام بخاری

کی ہمنوائی کا بھی تذکرہ کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں :-

انہ مذہب الزهری و مالک و ابن عیینه و یحی القطان و البخاری و جماعته من المحدثین و معظم الحجاز ییین والکوفیین۔[76]

قاضی عیاض، حافظ سیوطی، حافظ ابن کثیر بھی اس معاملے میں امام نووی کے ہم زبان ہیں۔

(سوم) **تحمل روایت اور اجازت :-** تحمل روایت کے طریقوں میں سے اجازت بھی محدثین کے یہاں ایک طریق ہے۔ محدثین کی زبان میں اجازت یہ ہے کہ شیخ کسی بھی شخص کو اپنی مرویات کی روایت کا زبانی یا تحریری پروانہ دے دے۔

اجازت کی ایک نہیں بلکہ محدثین کے نزدیک متعدد صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی خاص شخص کو کسی خاص حدیث کی اجازت دی جائے مثلاً یوں کہے کہ میں نے تم کو حدیث کی اجازت دی ہے۔ جمہور محدثین اس کے جواز کے قائل ہیں اور اس طریق سے علمی سرمایہ کی روایت کو درست کہتے ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں۔

والصحیح الذی قاله الجمهور من الطوائف واستقر علیه العمل جواز الراویته والعمل بها۔

سب کے نزدیک صحیح اور سب کا عمل جس پر ہے وہ یہی ہے کہ اس کی روایت اور اس پر عمل درست ہے۔[77]

لیکن محدثین میں مشہور امام نقد و نظر شعبہ اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں اور حافظ سیوطی نے تدریب میں امام آمدی کے حوالہ سے امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا اور قاضی عبدالوہاب کے حوالہ سے امام مالک کا بھی یہی موقف قرار دیا ہے چنانچہ آمدی نے تصریح کی ہے :-

قال ابو حنیفته و ابو یوسف لا تجوز الروایته بالاجازة مطلقا"۔[78]

(چہارم) **تحمل روایت اور مناولہ :-** تحمل روایت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ مناولہ بھی ہے۔

مناولہ یہ ہے کہ محدث طالب کو اپنی مسموعات پر مشتمل کتاب دے اور کہہ دے کہ اسے تم میری جانب سے روایت کرو پھر طالب کو کتاب کا مالک بنا دے یا لکھنے کے لیے کتاب عاریتاً دے دے یا طالب شیخ کے پاس اپنی مسموعات کی کتاب لے کر آئے شیخ اسے دیکھ کر طالب کو کہہ دے کہ تمہیں اس کتاب کے مشمولات کی میری جانب سے روایت کی اجازت ہے اس کو عرض المناولہ کہتے ہیں۔ اس موقعہ پر محدثین کے یہاں یہ سوال ابھر آیا ہے کہ بلحاظ قوت اس کا کیا حکم ہے؟ اس ابھرے ہوئے سوال کے جواب میں علماء مختلف الخیال ہیں۔ امام نووی نے بتایا ہے کہ امام زہری' ربیعہ' یحییٰ بن سعید' مجاہد' امام شعبی' علقمہ' ابراہیم' ابو العالیہ' ابو الزبیر مکی' ابو المتوکل' مالک' ابن وہب' ابن القاسم' ان سب کی رائے یہ ہے کہ عرض مناولہ قوت میں تحمل روایت کی پہلی صورت سماع کے برابر اور ہم پلہ ہے لیکن اس کے مقابلے میں امام ابو حنیفہ' سفیان' ثوری' امام اوزاعی اور عبداللہؒ بن المبارک وغیرہ کہتے ہیں کہ عرض مناولہ کا درجہ سماع اور قرات علی الشیخ دونوں سے کمتر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں :-

> والصحیح انها منحطته عن السماع والقراة وهو قول الثوری والا وزاعی وابن المبارک وابی حنیفته
>
> صحیح یہی ہے کہ مناولہ عرض کا مقام سماع اور قرات علی الشیخ سے نیچے ہے یہی ثوری' اوزاعی' ابن مبارک اور ابو حنیفہ کا کہنا ہے[79]

اور امام حاکم نے اسی بات کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح پیش فرمایا ہے :-

> اما فقهاء الاسلام الذین افتوا فی الحلال والحرام فانهم لم یروه سماعا" منهم الشافعی والا وزاعی و ابو حنیفته والثوری وابن حنبل وابن المبارک
>
> فقہا اسلام جو اسلام میں حلال و حرام کا فتویٰ دیتے ہیں وہ عرض مناولہ کو سماع قرار نہیں دیتے جیسے اوزاعی' ابو حنیفہ اور ثوری وغیرہ[80]

بہر حال امام اعظم کا مذہب اس موضوع پر یہی ہے کہ عرض مناولہ سماع و قرات کے ہم پلہ نہیں ہے اور

متاخرین محدثین نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔

تحمل روایت کی باقی صورتیں یعنی مکاتبہ ' اعلام ' وصیت اور وجادہ پر بھی محدثین کے یہاں تفصیلی مباحث اصول حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ میں تو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ علم حدیث کی ہر شاخ میں امام اعظم کی جلیل القدر خدمات موجود ہیں اور محدثین نے ہمیشہ سے اس فن میں ان کی جلالت کا لوہا مانا ہے۔ اسی بناء پر حافظ ابن عبدالبر نے مشہور محدث یزید بن ہارون کا امام اعظم کے بارے میں یہ تاثر نقل کیا ہے۔

ادرکت الف رجل و کتبت عن اکثرھم مارایت فیھم افقہ ولا اورع ولا اعلم من خمستہ اولھم ابو حنیفتہ

میں نے ہزار محدثین کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے اور ان میں اکثر سے احادیث لکھی ہیں لیکن ان سب میں سے زیادہ فقیہ ' سب سے زیادہ پارسا اور سب سے زیادہ عالم صرف پانچ ہیں۔ ان میں اولین مقام ابو حنیفہ کا ہے[81]

امام مکی بن ابراہیم فرماتے ہیں :-

کان ابو حنیفتہ زاھدا" عالما" راغبا" فی الاخرۃ صدوق اللسان احفظ اہل زمانہ

امام ابو حنیفہ زاہد ' عالم ' آخرت کی طرف راغب ' راست گو اور اپنے زمانے میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے[82]

محدث ضمیری نے شیخ الاسلام حافظ یزید بن ہارون سے بھی اسی کے قریب قریب روایت کیا ہے۔

کان ابو حنیفتہ تقیا زاھدا" عالما" صدوق اللسان احفظ اھل زمانہ[83]

اور امام یحییٰ بن سعید القطان جو مشہور ناقد حدیث اور جرح و تعدیل کے امام ہیں وہ فرماتے ہیں :-

انہ واللہ لاعلم ھذہ الامۃ بما جاء عن اللہ و رسولہ

واللہ امام ابو حنیفہ اس امت میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے سب سے بڑے عالم

تعالیٰ

امام ابو عبداللہ الحاکم نے اپنی مشہور کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں نوع التاسع والا ربعین میں ان آئمہ کا تذکرہ کیا ہے جن کی حدیثوں کو حفظ و مذاکرہ اور برکت کے لیے ذخیرہ کیا جاتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:-

هذا النوع من هذه العلوم معرفته الائمته الثقات المشهورين من التابعين و اتباعهم ممن يجمع حديثهم للحفظ و المذاكرة والتبرك بهم و بذكرهم من الشرق الى الغرب

یہ قسم علوم حدیث میں سے ان معتمد، مشہور تابعین اور اتباع تابعین کے بتانے کے لیے ہے جن کی حدیثوں کو حفظ، مذاکرہ کے لیے جمع کیا جاتا ہے۔ اور مشرق سے مغرب تک جن کے ذکر سے برکت لی جاتی ہے۔[55]

یہ عنوان قائم کر کے امام حاکم نے مدینہ، مکہ، مصر، شام، یمن، یمامہ، کوفہ، الجزیرہ، البصرہ، واسط اور خراسان کے محدثین کا تذکرہ کیا ہے ان میں امام ابو حنیفہ کا نمایاں تذکرہ کیا ہے۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ امام اعظم محدث ہونے کی حیثیت سے محدثین کی برادری میں صرف جانے پہچانے نہیں بلکہ بارگاہ محدثین میں ان کی جلالت و امامت علم حدیث میں مسلم ہے۔

(8) افراد و غرائب اور تیسری صدی کے محدثین

چونکہ تیسری صدی کے محدثین نے اتصال کو صحت حدیث کا معیار بنا لیا تھا اس لیے انہوں نے ہر نادر نوشتے اور غیر متداول صحیفے کا کھوج لگایا۔ مختلف اسلامی شہروں کے افراد و غرائب فراہم کیے اور تمام پریشان اور غیر متداول روایات جمع کر لیں اور طرق و اسانید کے ذریعے تمام علوم اسلامی جواب تک خاص خاص سینوں اور سفینوں میں منتشر تھے یکجا ہو گئے۔ دوسری صدی کے مؤلفین عام طور پر اپنی کتابوں میں ان ہی روایات کو جگہ دیتے تھے جو اہل علم میں متداول تھیں۔ قاضی ابو یوسف نے ایسے موقعہ کے لیے یہ جچا تلا معیار پیش فرمایا تھا کہ :-

الرویته تزداد کثرة و یخرج منها مالا یعرف ولا یعرفه اہل الفقه ولا یوافق الکتاب ولا السنته فایاک و شاذ الحدیث و علیک بما علیه الجماعته من الحدیث وما یعرف الفقهاء و مایوافق الکتاب والسنته

روایات میں بلحاظ کثرت اضافہ ہو گا اور غیر معروف حدیثیں منصہ شہود پر آئیں گی جن کو نہ اہل فقہ جانتے ہیں اور جو نہ کتاب و سنت کے موافق ہیں۔ تم حدیث شاذ سے بچ کر رہنا اور صرف اس حدیث کو اپنانا جو جماعت پیش کرے جسے فقہاء جانتے ہوں' جو قرآن و سنت کے موافق ہو[52]

لیکن تیسری صدی کے محدثین میں یہ انداز بدل گیا اور اس کے نتیجے میں افراد و غرائب کے جمع ہو جانے پر ایسی روایات سامنے آئیں کہ جن صحابہ' تابعین اور فقہاء مجتہدین کا عمل نہ تھا اور جو فقہاء میں متداول اور معروف نہ تھیں۔ تیسری صدی میں جن محدثین پر روایتی نقطہ نظر کا غلبہ تھا ان کو ان افراد و غرائب کی صحت پر اصرار تھا۔ ان کا خیال تھا کہ صحیح سند سے ایک چیز کے ثابت ہو جانے کے بعد اس پر عمل میں چون و چرا کرنا دیدہ و دانستہ حدیث کی مخالفت ہے لیکن دوسری صدی کے محدثین ایسی روایات کو شواذ کہتے ہیں۔ تیسری صدی کے محدثین صحت سند پر زور دیتے تھے۔ اس وجہ سے تیسری صدی کے ارباب روایت نے ایسی تمام روایات کو معمول بہ قرار دیا اور ان مسائل میں دوسری صدی کے مجتہدین سے بالکل جداگانہ رائے قائم کر لیا اور صحابہ و تابعین کے جو فتاویٰ ان روایات کے خلاف

تھے ان کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ نحن رجال وھم رجال یعنی جس طرح ان کو اجتہاد کا حق تھا ہمیں بھی ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں ہم یہاں آپ کی ضیافت طبع کے لیے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

مثال 1- ابو داؤد و ترمذی کی حدیث قلتین:- ابو داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ :-

سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الماء وما ینوبہ من الدواب والسباع فقال صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث۔[827]

صرف ابو داؤد میں ہی نہیں بلکہ ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ یہ حدیث خواہ کتنے ہی متعدد طرق سے آئی ہو اور خواہ سند کے لحاظ سے کیسی ہو مگر یہ امر واقع ہے کہ یہ حدیث دوسری صدی میں غیر معروف تھی۔ اسے اہل علم و فتوی میں سے کوئی بھی قابل عمل سمجھتا تھا اور اس بنا پر قاضی ابو یوسف کی زبان شاذ تھی۔

حافظ ابن القیم نے تہذیب سنن ابی داؤد میں اس حدیث کے ہر پہلو پر سر حاصل تبصرہ کیا ہے لیکن اس ساری بحث میں سب سے زیادہ لطیف پہلو وہ ہے جس میں انہوں نے اس حدیث کے شذوذ کو بے نقاب کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اس حدیث حلال و حرام' پاک و ناپاک کے بارے میں فیصلہ کن ہے۔ اور پانیوں کے مسئلہ میں اس کی حیثیت وہی ہے جو زکوۃ کے سلسلہ میں مختلف نصاب ہائے زکوۃ کی ہے۔ اگر اس کی حیثیت ٹھیک ٹھیک ہے تو کیا وجہ ہے کہ یہ حدیث صحابہ میں مشہور نہیں ہوئی اور گوشہ گمنامی میں پڑی رہی۔ حالانکہ امت کو اس کی نصاب زکوۃ سے بھی زیادہ ضرورت تھی کیونکہ زکوۃ تو ہر کس و ناکس پر فرض نہیں ہوتی مگر پانی تو ہر وضو اور غسل میں اسلامی زندگی کی ناگزیر ضرورت ہے اس لیے ضروری تھا کہ یہ حدیث ایسے ہی ذرائع سے ہمارے پاس پہنچتی جن ذرائع سے پیشاب کی نجاست' اس کے غسل کو وجوب اور نماز کی عدد رکعات نقل ہو کر آئی ہیں۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اس حدیث کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنے والے صرف ایک حضرت عبداللہ بن عمر ہیں اور حضرت عبداللہ سے روایت کرنے والے صرف عبید اللہ اور عبداللہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے دوسرے تلامذہ نافع' سالم' ایوب اور سعید بن جبیر کہاں گئے اور اہل مدینہ اور ان کے علماء اس حدیث سے کیوں بے خبر رہے حالانکہ وہ اس حدیث کے سب سے زیادہ ضرورت مند تھے کیونکہ پانی کی ان کے یہاں قلت تھی اور یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت ابن عمر کو یہ حدیث معلوم ہو اور ان کے اصحاب اور ان کے شہر میں جو اہل علم تھے ان کو خبر نہ ہو اور وہ اس کو روایت نہ کریں۔ لہذا اگر یہ حدیث

حضرت ابن عمر کے پاس ہوتی تو ابن عمر کے اصحاب اسے روایت کرتے اور اہل مدینہ کا یہ مسلک ہوتا۔ اس سے بڑھ کر اس حدیث کا شذوذ اور کیا ہو گا؟ اور چونکہ اس کا قائل کوئی نہیں ہے اس لیے اس موضوع پر حضرت ابن عمر کے پاس حدیث کا ہونا ثابت نہیں ہے۔ یہ اس روایت کے شاذ ہونے کا بیان ہے[88]

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث نے بھی اس حدیث کے متروک العمل اور شاذ ہونے پر ایک جامع تبصرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

> اس کی مثال حدیث قلتین ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے اور ایک سے زیادہ طریقوں سے مروی ہے۔ سب کا دارومدار ولید بن کثیر عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبداللہ یا محمد بن عباد بن جعفر عن عبیداللہ بن عبداللہ ہے۔ دونوں عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں اس سند کے بعد اس کے بہت سے طریقے ہیں۔ عبداللہ اور عبید اللہ کی ثقاہت میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن ان علماء میں سے نہیں جن پر فتویٰ کا دارومدار اور لوگوں کا اعتماد تھا۔ اس بنا پر یہ حدیث نہ سعید بن المسیب کے عہد میں ظاہر ہوئی اور نہ زہری کے زمانے میں اور نہ اس پر مالکیہ چلے اور نہ احناف میں سے کسی نے اس پر عمل کیا[89]

دیکھ لیجئے کہ شاہ صاحب نے اس روایت کے دونوں مرکز عبیداللہ اور عبداللہ کے بارے میں یہ کہہ کر۔

وان کانا من الثقات لکنهما لیس ممن و سد الیهم الفتوی وعول علیهم الناس

لفظ بلفظ اور حرف بحرف وہی بات کہہ دی جو ہم نے بتائی ہے کہ یہ روایت اہل عمل اور ارباب فتویٰ میں متداول نہ تھی اور یہی بات قاضی ابو یوسف نے مایعرفه الفقهاء کے ذریعے سمجھائی تھی۔[90]

صرف حدیث قلتین ہی پر موقوف نہیں ہے اور بھی اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

مثال 2۔ ابوداؤد کی حدیث تامین :- ابو داؤد اور ترمذی میں ہے :-

عن وائل بن حجر قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اذا قرء ولا الضالین قال امین ورفع بها صوته[91]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب ولا الضالین کہتے تو اونچی آوز سے آمین کہتے۔

حافظ ابن القیم نے اس حدیث پر جو نوٹ لکھا ہے وہ سن لیجئے۔ فرماتے ہیں :-

حدیث وائل کو شعبہ اور سفیان دونوں نے روایت کیا ہے۔ سفیان کی روایت میں رفع بها صوتہ ہے اور شعبہ کی روایت میں اس کی جگہ خفض بها صوتہ ہے اس حدیث میں چار چیزیں قابل غور ہیں۔ اول یہ کہ شعبہ اور سفیان کا رفع اور خفض میں اختلاف ہے۔ دوم یہ کہ دونوں حجر کی شخصیت میں مختلف ہیں۔ شعبہ کہتے ہیں کہ ابو العبس حجر کی کنیت ہے اور سفیان کہتے ہیں کہ نام ہی حجر بن عبس ہے۔ سوم یہ کہ حجر کا حال معلوم نہیں ہے۔ چہارم یہ کہ ثوری اور شعبہ اسے حجر عن علقمہ عن وائل کی روایت بتاتے ہیں۔ اگرچہ امام دار قطنی نے ثوری کی روایت کی تصحیح کی ہے لیکن یہ محل نظر ہے اور اس بنا پر امام ترمذی نے روایت کی تصحیح نہیں کی[92]

اس روایت کے تفرد اور غرابت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس کے تمام رواۃ چاہے سفیان ہوں یا شعبہ' سلمہ بن کہیل ہوں یا علقمہ بن وائل یا پھر عبدالجبار بن وائل' سب کوفہ کے رہنے والے ہیں حتی کہ امام دار قطنی اس کو اپنی سنن میں نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں :-

هذه سنته تفرد بها اهل الكوفته[93]

اور اس پر طرہ یہ کہ تمام اہل کوفہ میں کوئی بھی آمین بالجہر کا قائل نہیں ہے چنانچہ قاضی شوکانی رقمطراز ہیں :-

كذا روى عن ابى حنيفته والكوفيين[94]

مثال 3۔ صحیحین کی حدیث خیار مجلس :- یہ حدیث مختلف کتابوں میں آئی ہے۔ صاحب منتقی الاخبار نے شیخین کے حوالہ سے اس طرح نقل کی ہے :-

عن ابن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم قال المتبايعان بالخيار مالم يتفرقا۔[95]

خود شیخین نے اسے متعدد پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ اس حدیث کی بناء پر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ کاروباری زندگی میں اگر دو آدمیوں میں کوئی سودا ہو جائے اور بات چیت ختم ہو جائے تو جب تک دونوں سودا کرنے والے ایک جگہ بیٹھے ہیں سودا توڑا جا سکتا ہے اور دونوں میں ہر ایک کو ایسا کرنے کا اختیار ہے لیکن شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :-

فانه حديث صحيح روى بطرق كثيرة و عمل به ابن عمر و ابوهريرة من الصحابة ولم يظهر على الفقهاء السبعته و معاصر يهم فلم يكونوا يقولون به فراى مالک و ابو حنيفته هذا علته قادحته فى الحديث

یہ حدیث صحیح ہے متعدد طریقوں سے مروی ہے اس پر صحابہ میں ابن عمر اور ابو ہریرہ نے عمل کیا ہے لیکن یہ حدیث فقہاء سبعہ اور ان کے معاصرین کے دور میں ظاہر نہیں اس لیے فقہاء سبعہ نے اس پر عمل نہیں کیا اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے فقہاء سبعہ کے عمل نہ کرنے کو اس حدیث کی صحت میں علت قادحہ سمجھا ہے[96]

حافظ ابوبکر الخطیب نے یہ حدیث نقل کر کے امام مالک کے بارے میں انکشاف کیا ہے کہ انہوں نے اس پر اس لیے عمل نہیں کیا کہ مدینہ والوں کا عمل اس کے خلاف تھا چنانچہ فرماتے ہیں :-

رواہ مالک ولم یعمل بہ وزعم انہ رای اہل المدینۃ علی العمل بخلافہ

اس حدیث کو امام مالک نے روایت کیا ہے لیکن اس پر اس لیے عمل نہیں کیا ہے کہ ان کے خیال میں یہ حدیث عمل اہل مدینہ کے خلاف ہے۔[97]

یاد رہے کہ اس کی جو سند خطیب نے بتائی ہے وہ سند زریں ہے جسے علماء نے اجل الاسانید قرار دیا ہے یعنی مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود نافع کا بھی امام مالک کے زمانے میں اس پر عمل نہ تھا۔ اسی لیے خطیب نے لکھا ہے کہ :-

فلم یکن ترکہ العمل بہ قدحا لنافع۔[98]

نافع کا اس پر عمل نہ کرنا حدیث میں قادح نہیں ہے۔ چنانچہ امام محمد نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے :-

وبھذا ناخذ۔[99]

اور امام محمد ہی نے اس کی تفسیر بتائی ہے کہ :-

تفسیرہ عندنا علی ما بلغنا عن ابراھیم النخعی انہ قال المتبایعان بالخیار مالم یتفرقا قال مالم یتفرقا عن منطق البیع اذا قال البائع قدبعتک فلہ ان یرجع مالم یقل الاخر قد اشتریت فاذا قال المشتری قد اشتریت بکذا وکذا فلہ ان یرجع مالم یقل البائع قد بعت۔

اس ارشاد کا مطلب ہمارے نزدیک جیسا کہ ہمیں ابراہیم نخعی سے معلوم ہوا ہے یہ ہے کہ اس

میں تفرق سے تفرق اقوال مراد ہے۔ جب بائع کہہ دے کہ میں نے بیچ دیا تو بائع کو رجوع کا حق اس وقت تک ہے جب تک خریدار یہ نہ کہے کہ میں نے خرید لیا اور اگر مشتری کہہ دے کہ میں نے خرید لیا تو اسے رجوع کا اس وقت تک حق ہے کہ جب تک بیچنے والا یہ نہ کہے کہ میں نے بیچ دیا۔[100]

یہی معنے سمجھانے کے لیے امام اعظم نے وہ تعبیر اختیار کی ہے جو حافظ ابن عبدالبر نے سفیان بن عیینہ کے حوالہ سے پیش کی ہے۔ سفیان کہتے ہیں کہ:۔

میں نے امام ابو حنیفہ کے سامنے یہ حدیث پیش کی کہ البیعان بالخیار مالم یتفرقا تو آپ نے فرمایا کہ اگر سودا کرنے والے دونوں شخص کشتی میں سفر کر رہے ہوں تو ان میں افتراق کب ہو گا۔

کان ابو حنیفہ یضرب لحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الامثال فیرده

ابو حنیفہ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے لیے مثالیں بیان کرتے تھے۔

یہ سفیان بن عیینہ ہی کی خصوصیت نہیں ہے اس سے پہلے حفاظ حدیث نے فقہاء حدیث پر سوالات کئے ہیں۔ چنانچہ ابن ماجہ میں ایک واقعہ آتا ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس کا مکالمہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے کہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

توضؤا مما غیرت النار

حضرت ابوہریرہ کی زبان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سن کر حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ:۔[101]

اتوضاء من الحمیم

حضرت ابو ہریرہ نے حضرت ابن عباس سے یہ بات سنی تو فرمایا:۔

یا ابن اخی اذا سمعت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثاً فلا تضرب له الامثال

اے میرے برادر زادے! جب تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنے تو اس کے لیے

مثالیں نہ بنائے!

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ حدیث خیار مجلس بھی اپنے اس مطلب کے لحاظ سے افراد و غرائب میں سے ہے اسی طرح وہ تمام روایات جن پر عہد صحابہ و تابعین میں ارباب فتویٰ کا عمل نہ تھا۔ ان سب روایات کے بارے میں دوسری اور تیسری صدی کے محدثین کا نقطہ نظر بالکل جدا جدا تھا۔ تیسری صدی کے محدثین ان کو صرف اسنادی نقطہ نظر سے دیکھتے تھے اور اتصال و عدالت کے ذریعے ان روایات کو صحیح گردانتے تھے لیکن دوسری صدی کے محدثین فقہاء ان کو ما علیہ الجماعۃ اور تعامل و توارث اور السنۃ کی روشنی میں جانچتے تھے۔ اس پر تفصیلی تبصرہ آگے آ رہا ہے۔

(۹) لطائف اسناد

1- تعریف :- 1- لغوی :- لطائف، لطیفہ کی جمع ہے ،بمعنی دلچسپ نکتہ۔

(ب) اصطلاحی :- "لطائف اسناد" وہ خصوصی مناسبت جو رواۃ حدیث کے درمیان پائی جائے۔

2- صورتیں :- سات ہیں اس لیے کہ اس کی اصولی بنیادیں تین ہیں۔

(الف) ایک حدیث کی دو یا چند اسناد کے درمیان پائی جانے والی مناسبت جس کی ایک صورت ہے "اسناد عالی و اسناد نازل"

(ب) ایک ہی سند کے رواۃ کے درمیان پائی جانے والی مناسبت جسکی پانچ صورتیں ہیں 2 سے لے کر 6 تک

(ج) ایک استاذ سے روایت کرنے والے دو یا چند رواۃ کے درمیان پائی جانے والی مناسبت جس کی ایک صورت ہے۔ "سابق ولاحق"

یہ کل سات صورتیں ہوئیں جو ترتیب وار مذکور ہیں، تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

1- اسناد عالی و نازل
2- حدیث مسلسل
3- روایت اکابر از اصاغر و بزرگان از کودکان
4- روایت پدران از پسران
5- روایت پسران از پدران
6- روایت معاصرین
7- سابق و لاحق

(1) اسناد عالی و نازل

1- تعریف :- 1- لغوی :- عالی ، بمعنی بلند اور نازل ، بمعنی نیچا۔

(ب) اصطلاحی :-

1- اسناد عالی :- ایک ہی حدیث کی دو سندوں میں سے وہ سند جس کے رواۃ دوسری سند سے کم ہوں۔

2- اسناد نازل :- دو سندوں میں سے وہ سند جس کے رواۃ دوسری سے زائد ہوں۔

2- اقسام علو :- اصول دو ہیں (الف) علو مطلق (ب) علو نسبی

(الف) علو مطلق :- 1- تعریف :- دوسری اسناد کے مقابلے میں کسی صحیح و بے داغ سند کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب۔

2- حکم :- یہ علو کی سب سے اعلیٰ قسم ہے اس لیے کہ راوی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطے جتنے کم ہوں اتنا ہی اعتماد زیادہ ہوتا ہے۔

3- مثال :- بخاری کی وہ ثلاثیات[193] جن کو انہوں نے دوسری اسناد سے بھی روایت کیا ہے اور دوسری اسناد میں رواۃ کی تعداد زائد ہے۔

(ب) علو نسبی :- 1- تعریف :- کسی خاص شخص کی نسبت سے قرب خواہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک واسطے زائد ہوں۔

2- صور اس کی اصولی چار صورتیں ہیں۔

(الف) علو بوجہ قرب کسے از ائمہ حدیث :- دوسری اسناد کے مقابلے میں کسی صحیح و بے داغ سند کے ساتھ کسی امام حدیث سے قریب ، جیسے اعمش و امام مالک وغیرہ سے قرب۔

(ب) علو بوجہ قرب از اسناد کتب مولفہ در حدیث :- دوسری اسناد کے مقابلہ میں کسی صحیح و بے داغ سند کے

ساتھ صحاح ستہ یا دوسری معتمد کتب حدیث میں سے کسی سے قرب متاخرین کا اس صورت سے بڑا شغف رہا ہے اور انہوں نے خود اس کی مختلف اقسام وصور ذکر کی ہیں۔

1- موافقت 2- بدل 3- مساوات 4- مصافحہ۔

1- موافقت :-

(الف) تعریف :- معتمد مصنفین میں سے کسی کے شیخ تک مصنف کے واسطے سے خالی ایسی سند کے ذریعہ قرب جس کے رواۃ مصنف کے واسطے والی سند سے کم ہوں۔

(ب) مثال :- بخاری نے اپنے استاذ قتیبہ کے واسطے سے امام مالک سے ایک حدیث نقل کی ہے' ابن حجر کا بیان ہے کہ اگر ہم اسے بخاری کے واسطے سے نقل کریں تو ہمارے اور قتیبہ کے درمیان آٹھ واسطے ہوں گے' اور اگر بخاری کے دوسرے استاذ ابو العباس سراج کے واسطے سے قتیبہ سے نقل کریں تو سات ہی واسطے ہوں گے' اس صورت میں بخاری کے شیخ سے قرب بخاری کے واسطے کے بغیر ہوگا۔

2- بدل :-

(الف) تعریف :- مصنفین میں سے کسی کے شیخ شیخ تک (استاذ کے استاذ تک) کے مصنف واسطے والی سند سے کم رواۃ پر مشتمل سند سے قرب۔

(ب) مثال :- حدیث سابق کو بخاری کے واسطے سے خالی کسی سند کے ذریعہ "قعنبی" سے نقل کرنا جو کہ بخاری کے شیخ کے شیخ تھے۔

3- مساوات :-

(الف) تعریف :- پوری سند کے رواۃ کا مصنفین میں سے کسی کے سند کے رواۃ کے برابر ہونا۔

(ب) مثال :- بقول ابن حجر نسائی نے ایک حدیث گیارہ واسطوں سے حضور صلی اللہ وسلم سے نقل کی ہے اسے دوسری ایسی سند سے نقل کیا جائے جس میں گیارہ ہی واسطے ہوں تو تعداد رواۃ میں نسائی سے مساوات ہوگی۔

4- مصافحہ :-

(الف) تعریف :- پوری سند کے رواۃ کا مصنفین میں سے کسی کے شاگرد کی سند کے رواۃ کے برابر ہونا۔

(ج) علو بوجہ تقدم وفات راوی :-

1- تعریف :- کسی راوی کی وفات کے پہلے ہو جانے سے علو

2- مثال :- نووی کا بیان ہے کہ میں نے جو روایات تین واسطوں سے بواسطہ بیہقی حاکم سے نقل کی ہیں وہ ان روایات سے عالی ہیں میں نے تین واسطوں سے بواسطہ ابو بکر بن خلف حاکم سے نقل کی ہیں اس لیے کہ بیہقی کی وفات ابو بکر سے کافی پہلے ہوئی ہے بیہقی کی وفات 458ھ اور ابو بکر کی 487ھ میں ہوئی ہے۔

(د) علو بوجہ سبقت سماع و تلمذ :-

1- تعریف :- شاگردی اور سماع و استفادہ میں سبقت کی وجہ سے علو پہلے سننے والا عالی شمار ہو گا۔

2- مثال :- ایک استاذ کے دو شاگردوں میں جس نے پہلے سنا ہے وہ عالی شمار ہو گا۔ اس کی اہمیت و افادہ خاص طور سے ان شیوخ کی شاگردوں میں ظاہر ہوتا ہے جنہیں "اختلاط" کا عارضہ لاحق ہو گیا ہو۔

3- اقسام نزول :- علو کی اقسام کے مطابق ہیں اس لیے کہ "علو" کی ہر قسم کے مقابلے میں "نزول" کی ایک قسم ہے۔

4- حکم علو نزول :-

(الف) جمہور کے نزدیک علو افضل ہے بشرطیکہ دونوں سندیں قوت میں ہم پلہ ہوں اس لیے کہ جیسا کہ ذکر کیا گیا واسطوں کی کمی اعتماد کی بڑھائی ہے۔

(ب) البتہ کسی عارض کی وجہ سے نزول کو بھی فضیلت حاصل ہو جایا کرتی ہے مثلاً یہ کہ اسناد نازل کے رواۃ ثقاہت یا فقاہت یا حفظ میں فائق ہوں۔

5- مشہور مصنفات :- محض "اسناد عالی" اور اسناد (نازل کے بیان میں مستقل کتابیں نہیں ہیں۔ البتہ بعض خاص پہلو پر لکھے گئے رسائل ہیں مثلاً"

(الف) ثلاثیات :- ان سے وہ احادیث مراد ہیں جن کو کسی اہم مصنف و امام تے زمانہ کی دوری کے باوجود صرف

تین واسطوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے' جیسے ابن حجرؒم 852ھ کی "ثلاثیات بخاری" ایسے ہی "ثلاثیات احمد بن حنبل" م 241ھ ا

(ب) ثنائیات :- وہ مرویات جن کو زمانہ کی دوری کے باوجود محض دو واسطوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے جیسے "مالک (حاکم نیشاپوری وابن عساکر جس میں امام مالک کی ایسی مرویات کو جمع کیا گیا ہے۔

(ج) وحدانیات :- وہ مرویات جن کو زمانہ کی دوری کے باوجود محض ایک واسطہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے جیسے وحدانیات الامام ابی حنیفہ (ابو معشر عبدالکریم شافعی 478ھ "بعض دیگر حضرات)

(د) رباعیات :- وہ مرویات جن کو زمانہ کی دوری کے باوجود محض چار واسطوں سے نقل کیا گیا ہے جیسے رباعیات الامام الشافعی (ابو الحسن دار قطنی)(دو حصوں میں)نیز رباعیات اصحاب صحاح ستہ وغیرہ[50]

(10) **امام اعظم اور اسناد عالی :-** آپ پڑھ چکے ہیں کہ امام اعظم کے اساتذہ حدیث میں صحابہ اور تابعین کی وہ عظیم المرتبت اور جلیل القدر ہستیاں ہیں جو اسلامی علوم میں مرکزی حیثیت کی مالک ہیں ان مشائخ کی جلالت قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر قرب امام اعظم کو حاصل ہے۔ بعد کے محدثین اور آئمہ اربعہ میں سے کسی کو نہیں ہے۔ بڑے بڑے محدثین آخر عمر تک سند عالی کی جستجو میں رہے اور اس کی تلاش میں بہتوں نے سفر کی بڑی بڑی محنتیں اور قربانیاں گوارا کیں۔

حافظ ابن حزم نے ایک قابل قدر تحقیق فرمائی ہے جس میں اقوام دنیا کی تاریخ میں مسلمانوں کی اسنادی خصوصیات پر ایک جامع تبصرہ کر کے بتایا ہے :-

> نقل و روایت کا یہ سلسلہ صرف مسلمانوں کی خصوصیت ہے اور زمانے کی ساری کروٹوں کے باوجود اللہ نے مسلمانوں میں یہ سلسلہ باقی رکھا ہے کتنے اللہ کے بندے اس کی خاطر کتنی مسافتیں طے کرتے ہیں یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے[51]

جیسے روایت و تاریخ میں اسناد مسلمانوں کی خصوصیت ہے ایسے ہی اسناد میں اسناد عالی وہ ممتاز سنت ہے جس کی علماء ہمیشہ جستجو کرتے رہے ہیں کیونکہ سند جس قدر عالی ہو گی اسی قدر خطا اور علت کے شائبہ سے پاک ہو گی۔

امام ابو عبداللہ الحاکم نے جو سب سے پہلے قسم بتائی ہے اس کا عنوان ہی معرفۃ عالی الاسناد ہے اور لکھا ہے کہ :-

طلب الاسناد العالی سنته صیحته

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ :-

طلب العلو فیہ سنۃ[58]

حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ

اسناد عالی کی تلاش سلف کی سنت ہے کیونکہ اصحاب ابن مسعود کوفہ سے مدینہ جاتے تھے اور حضرت عبداللہ کی پیش فرمودہ احادیث کو حضرت عمر سے سنتے تھے۔[57]

امام نووی فرماتے ہیں کہ :-

اسی بنا پر اس کے لیے سفر کرنا مستحب ہے۔[58]

امام حاکم نے اس کے مستحب ہونے کا اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو صحیح مسلم میں بحوالہ حضرت انس بن مالک اس طرح آئی ہے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہمیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کی اجازت نہ تھی ہمیں یہ بات بھی بھلی معلوم ہوتی تھی کہ کوئی بیرونی شخص آئے اور آپ سے پوچھے اور ہم سنیں۔ چنانچہ ایک روز ایک شخص آیا اور یوں گویا ہوا۔

نووارد :- ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا اس نے آپ کی جانب سے بتایا ہے کہ آپ کو اللہ سبحانہٗ نے رسول بنایا ہے۔

حضور انور ہاں یہ ٹھیک ہے واقعی میں اللہ کا رسول ہوں۔

نووارد :- آسمان کس نے بنایا ہے؟

حضور انور اللہ سبحانہٗ نے

نووارد :- اور زمین کس نے بنائی؟

حضور انور اللہ سبحانہ

نووارد :- آسمان و زمین اور پہاڑوں میں منافع کس نے رکھے؟

حضور انور اللہ پاک نے

نووارد:- آسمان و زمین اور پہاڑوں میں منافع کس نے رکھے؟

حضور انور اللہ پاک نے

نووارد:- اچھا بتایئے آپ کو اس اللہ کی قسم جس نے آسمان و زمین اور پہاڑ بنائے کیا آپ کو اس نے رسول بنایا ہے؟

حضور انور ہاں

نووارد:- آپ کے قاصد نے بتایا ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں؟

حضور انور میرے قاصد نے ٹھیک بتایا ہے۔

نووارد:- آپ کو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا ہے کہ آپ کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے؟

حضور انور ہاں

نووارد:- آپ کے قاصد نے بتایا ہے کہ ہمارے مالوں میں صدقہ ضروری ہے؟

حضور انور ٹھیک ہے

نووارد:- آپ کو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا ہے کیا یہ حکم آپ کو اسی نے دیا ہے؟

حضور انور ہاں اسی نے دیا ہے۔

نووارد:- آپ کے قاصد نے بتایا ہے کہ ہم پر سال بھر میں ایک ماہ کے روزے فرض ہیں؟

حضور انور ہاں ٹھیک ہے

نووارد:- آپ کو آپ کے روانہ کرنے والے کی قسم کیا آپ کو روزہ کا اس نے حکم دیا ہے؟

حضور انور ہاں مجھے روزے کا اسی نے حکم دیا ہے۔

نووارد:- آپ کے قاصد نے بتایا ہے کہ بشرط استطاعت حج فرض ہے؟

حضور انور ہاں ٹھیک ہے۔

نووارد:- آپ کو روانہ کرنے والے کی قسم کیا آپ کو اسی نے حج کا حکم دیا ہے؟

حضور انور ہاں۔

نووارد:- قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر روانہ کیا میں اس میں کمی نہ کروں گا اور نہ زیادتی

...یہ کہہ کر وہ چلا گیا حضور انور نے فرمایا کہ اگر سچا ہے تو ضرور جنت میں جائے گا۔

امام عبداللہ حاکم نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:[10]

فیہ دلیل علی طلب اجازۃ المرء العلو من الاسناد۔[11]

اور استدلال کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دیہاتی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی زبانی فرائض اور اسلامی زندگی کا علم ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود بدوی سفر کی تکلیف برداشت کر کے بالمشافہ دریافت کرنے کے لیے خدمت گرامی میں آیا۔ اگر بدوی کا یہ عمل ناپسندیدہ ہوتا ہے تو حضور انور اس پر ضرور گرفت فرماتے۔

حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری مدینہ سے عقبہ بن عامر کے پاس صرف ایک حدیث کی خاطر مصر تشریف لے گئے چنانچہ جب وہ مصر پہنچے۔ لوگوں نے ان کی آمد سے عقبہ بن عامر کو مطلع کیا۔ اطلاع ملنے پر فوراً باہر تشریف لائے۔ ملے حضرت ابو ایوب نے فرمایا وہ حدیث سنایئے جو مسلمان کی پردہ پوشی کے بارے میں حضور انور سے سنی ہے کیونکہ اس ارشاد کا حضور سے سننے والا میرے اور آپ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ حضرت عقبہ نے فرمایا ہاں میں نے حضور سے سنا ہے۔

من ستر مسلماً علی خزیتہ سترہ اللہ یوم القیامۃ۔[11]

حضرت ابو ایوب انصاری حدیث سنتے ہی سواری پر سوار ہو گئے اور مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے اور واپسی میں اتنی جلدی کی کہ اونٹنی کا کجاوہ تک نہ کھولا۔[12]

امام ابو عبداللہ الحکام بسند متصل بیان فرماتے ہیں کہ ایک خراسانی حضرت امام شعبی کے پاس آیا اور بولا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس کے پاس کنیز ہو اس نے آزاد کی اور پھر اس نے نکاح کر لیا۔ امام شعبی نے فرمایا کہ ہم سے ابوبردہ نے اپنے والد کے حوالہ سے بتایا کہ ان کے والد کہتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس کنیز ہو اس نے اس کو باادب اور باسلیقہ بنایا ہوا اور تعلیم دی اور خوب تعلیم دی ہو۔ پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کیا ہو اسے دگنا اجر ملے گا اور جس غلام نے اللہ سبحانہ اور اپنے آقا کا حق پورا کیا اسے دوہرا اجر ملے گا۔ امام شعبی نے یہ حدیث بیان فرمانے کے بعد نووارد خراسانی سے کہا تمہیں حدیث مفت ہی بتا دی ورنہ اس سے بھی کمتر کے لیے مدینہ کا سفر کرنا پڑتا تھا۔[13]

الغرض محدثین نے علو اسناد کو ہمیشہ ایک قابل فخر چیز سمجھا ہے کیونکہ روایت میں جس قدر وسائط کم ہوں گے

اسی قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرب ہو گا۔ حافظ ابن الصلاح رقمطراز ہیں۔

لان قرب الاسناد قرب الی رسول اللّٰہ صلی علیہ وسلم والقرب الیہ قرب الی اللّٰہ عزوجل۔[illegible]

یہی علو اسناد کی پانچ قسموں میں سب سے اعلیٰ قسم ہے چنانچہ حافظ جلال السیوطی فرماتے ہیں۔

اجلھا القرب من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من حیث العدد باسناد صحیح نظیف۔[illegible]

اسی لیے اہل فن کے نزدیک صحت اور علو اسناد کا جس قدر اہتمام ہوتا ہے اور کسی چیز کا نہیں ہوتا بلکہ امام مسلم تو علو سند کی خاطر گاہ گاہ سند صحیح چھوڑ کر سند ضعیف سے حدیث لاتے ہیں۔ چنانچہ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر فرماتے ہیں۔

ربما اخرج مسلم الاسناد الضعیف واقتصر علیہ بعلوہ و ترک الاسناد الصحیح لنزولہ۔[illegible]

اور یہی وجہ ہے کہ آئمہ حدیث کے تذکرے میں ان کے علو اسناد کا ذکر خصوصیت سے ملتا ہے بلکہ خاص خاص اسانید عالیہ کو علماء نے مستقل اجزاء میں علیحدہ مدون کر دیا ہے۔

(10) امام اعظم کی احادیات

آئمہ اربعہ میں چونکہ تابعی ہونے کا فخر امام اعظم کو حاصل ہے اور یہ وہ فخر ہے کہ بقول حافظ ابن حجر عسقلانی امام صاحب کے معاصرین میں سے کسی کو نصیب نہیں ہے نہ امام اوزاعی کو شام میں' نہ حماد بن زید اور حماد بن سلمہ کو بصرہ میں' نہ سفیان ثوری کو کوفہ میں' نہ امام مالک کو مدینہ میں' نہ امام مسلم بن خالد کو مکہ میں اور امام لیث بن سعد کو مصر میں۔[illegible] اور اس کے نتیجے میں امام اعظم ابو حنیفہ آئمہ اربعہ میں اس شرف خاص میں ہی امتیازی مقام رکھتے ہیں کہ ان کو بارگاہ رسالت سے براہ راست صرف بیک واسطہ تلمذ حاصل ہے۔ امام صاحب کی ان روایات کو جو آپ نے صحابہ سے سنی ہیں احادیات یا وحدان کہتے ہیں یعنی وہ رویات جو آنحضرت سے بیک واسطہ منقول ہوں۔ چنانچہ علامہ

سخاوی فتح المغیث میں فرماتے ہیں۔

والثنائیات فی الموطا" للامام مالک والوحدان فی حدیث الامام ابی حنیفة(1)

امام اعظم کے یہ وحدان مندرجہ ذیل صحابہ سے آئے ہیں۔

حضرت انس بن مالک' حضرت عبداللہ بن الحارث بن جز' حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ' حضرت واثلہ بن الاسقع' حضرت عبداللہ بن انیس حضرت عائشہ بنت عجرد۔

اس لیے ان روایات کی تعداد چھ ہے۔

1- عن ابی حنیفہ عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
2- عن ابی حنیفہ عن عبداللہ بن الحارث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
3- عن ابی حنیفہ عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
4- عن ابی حنیفہ عن واثلہ بن الاسقع عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
5- عن ابی حنیفہ عن عبداللہ بن انیس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
6- عن ابی حنیفہ عن عائشہ بنت عجرد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

متقدمین میں سے بہت علماء نے امام صاحب کی ان احادیث پر رسالے لکھے ہیں۔ علامہ زاہد کوثری نے اس موضوع پر مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ رسائل تصنیف کرنے والوں میں حافظ ابو حامد محمد بن ہارون الحضرمی جو فن حدیث میں حافظ دار قطنی کے استاد ہیں۔ حافظ ابو الحسن علی بن احمد بن عیسیٰ' النسفی' حافظ ابو معشر عبدلکریم بن عبدالصمد الطبری الشافعی' اور حافظ ابوبکر عبدالرحمن بن محمد السرخسی کے رسائل خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور حفاظ کی مرویات میں داخل ہیں۔ چنانچہ حافظ حضرمی حافظ النسفی اور حافظ طبری کے رسالے حافظ ابن حجر عسقلانی نے المعجم المفہرس میں اور حافظ ابن طولون نے الفہرست الاوسط میں پورے روایت کیے ہیں اور حافظ ابوبکر السرخسی کا رسالہ مشہور محدث سبط بن الجوزی نے الانتصار و الترجیح میں اپنی مرویات میں شمار کیا ہے(2)

حافظ ابو معشر طبری کے رسالہ کو حافظ جلال الدین السیوطی نے بھی تبییض الصحیفہ میں نقل کیا ہے۔

اسناد عالی کی دوسری قسمیں :- اسناد عالی کی قسم اعلیٰ تو آپ پڑھ چکے ہیں۔ اصول حدیث کی کتابوں میں اس کی چار قسمیں اور بتائی گئی ہیں۔

(الف) یہ کہ مشہور امام حدیث سے قرب حاصل ہو چاہے اس امام کے بعد راویوں کی تعداد زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

(ب) حدیث کی معتمد کتابوں میں سے کسی سے قرب حاصل ہو۔ حافظ عسقلانی نے اس کی چار صورتیں بتائی ہیں۔ موافقت' بدل' مساوات اور مصافحہ۔

(ج) یہ کہ علو کا سبب کسی راوی کی وفات کا تقدم ہو خواہ دوسری سندوں اور راویوں کی تعداد برابر ہی کیوں نہ ہو۔

(د) یہ کہ ایک راوی حدیث سننے میں دوسرے راوی سے پہلے ہو دونوں نے ایک حدیث ایک ہی استاد سے سنی ہو مگر ایک نے پہلے دوسرے نے بعد میں سنی ہو۔

دراصل علو حقیقی تو پہلی ہی قسم ہے۔ ان قسموں میں اسنادی علو صرف نسبتی اور اضافی ہے۔ ان چار قسموں میں سے امام ابو عبداللہ الحاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں پہلی قسم کو جس میں کسی مشہور امام حدیث سے قرب حاصل ہو راجح قرار دیا ہے۔ حافظ الدین السیوطی نے ان مشہور آئمہ حدیث ہیثم' اوزاعی' مالک' اعمش' ابن جریج اور شعبہ کے نام بتائے ہیں۔[46] اور الجزائری نے امام حاکم کے حوالے سے یہ ضابطہ لکھا ہے کہ :۔

كل اسناد يقرب من الامام المذكور منه فاذا صحت الروايته الى ذالك الامام بالعدد اليسير فانه اعلى[45]

ہر اسناد جس میں امام مذکور سے قرب ہو جائے جب عدد یسیر کے ذریعے اس امام تک روایت صحیح ہو جائے تو بس یہی اسناد عالی ہے۔

اس کے بعد اسی ضابطہ کی مثال میں یہ روایت پیش کی ہے۔

حدثنا علی بن الفضل حدثنا الحسن بن عرفته حدثنا هيثم عن يونس بن عبيد عن نافع عن ابن عمر قال' قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مطل الغنى ظلم[43]

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

یہ ہم جیسوں کے لیے تمام اسانید میں عالی ہے۔ اس کی سند میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک سات راوی ہیں اور اس کے عالی ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ ہُشیم بن بُشیر امام حدیث

سے قریب تر ہے[122]

مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ جن کے قرب سے محدثین کے یہاں اسناد عالی ہوتی ہے اور جس علو پر ان کو فخر ہے ان کا حال یہ ہے کہ ان میں بیشتر امام اعظم کے تلامذہ ہیں۔ دور کیوں جاتے ہو یہی امام ھیشم بن بشیر جن کے قرب سے یہ اسناد عالی ہوئی ہے امام اعظم کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں چنانچہ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام اعظم کے ترجمہ میں جن آئمہ حدیث کے بارے میں تصریح کی ہے کہ وہ حدیث میں امام اعظم کے تلامذہ ہیں۔ ان میں ان کا نام بھی ہے یہ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ امام ذہبی نے ان کو الحافظ الکبیر' محدث العصر لکھا ہے ھیشم 104ھ میں پیدا ہوئے انہوں نے تابعین سے علم حدیث حاصل کیا مثلاً" امام ابو حنیفہ' امام عمرو بن دینار اور زہری' حضرت ابن عمر اور ابن عباس کے فتاوی پر ان کی نظر وسیع تھی۔ درس میں تہلیل' تسبیح اور تحمید ورد زبان ہوتی تھی جب وہ لا الہ الا للہ کہتے تو وفور تاثر سے ان کی آواز بلند ہو جاتی ہے۔ حافظ ھیشم بخارا کے رہنے والے تھے انکے والد واسط میں مقیم تھے۔ واسط میں قاضی وقت حافظ ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کے درس میں پابندی سے حاضر ہوتے اور فقہ کی تحصیل و تکمیل کرتے تھے۔ ایک بار ھیشم بیمار ہو گئے اور مجلس درس میں حاضر نہ ہوئے ابو شیبہ کو فکر ہوئی انہوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ بیمار ہو گئے ہیں اپنے شاگردوں سے کہا چلو ھیشم کی عیادت کو چلیں۔ تمام اہل مجلس کھڑے ہو گئے اور قاضی صاحب کے ساتھ ھیشم کی عیادت کو ان کے والد بشیر کے گھر پہنچے۔ جب قاضی صاحب فرض عیادت سے فارغ ہو کر اپنے شاگردوں کے ساتھ چلے تو بشیر نے اپنے بیٹے سے کہا بیٹا! میں تمہیں طلب حدیث سے روکتا تھا لیکن آج سے اپنی ممانعت واپس لیتا ہوں۔ قاضی ابو شیبہ جیسا شخص اور میرے دروازے پر آئے۔۔ واضح رہے کہ واسط میں امام اعظم کے تلامذہ میں سے صرف ھیشم نہیں بلکہ کردری نے صرف واسط میں امام اعظم کے جو تلامذہ بتائے ہیں ان کی تعداد تمیں ہے ان میں سے ایک امام ھیشم ہیں۔ امام احمد بن حنبل پانچ سال تک ان کے درس حدیث میں شریک رہے اور فن حدیث میں عبور حاصل کیا۔

(11) امام اعظم کی ثنائیات

امام ابو حنیفہ اگرچہ خود تابعی ہیں مگر ان کو بڑے بڑے تابعین سے حدیث پڑھنے کا موقعہ ملا ہے چنانچہ حافظ ذہبی

نے تذکرۃ الحفاظ میں امام شعبی کو الامام، علامۃ التابعین کہہ کر بتایا ہے کہ هو اکبر شیخ الامام ابی حنیفہ امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ امام شعبی کے پاس رہو۔ میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے کہ لوگ ان سے مسائل پوچھتے تھے اور الصحابۃ متوافرون حالانکہ صحابہ بہت تھے۔ خود امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ سو صحابہ کو پایا ہے۔ ایسے ہی امام ذہبی نے دول السلام میں مشہور تابعی عطا بن ابی رباح کے متعلق تصریح کی ہے کہ اکبر شیوخہ عطاء بن ابی رباح امام اعظم کے سب سے بڑے استاد ہیں۔ اس لیے احادیث کے بعد امام اعظم کی مرویات میں ثنائیات کا درجہ ہے یعنی وہ حدیثیں جو آپ نے تابعین سے سنی ہیں اور تابعین نے صحابہ کرام سے۔ امام مالک چونکہ تابعی نہیں ہیں اس لیے ان کی مرویات میں سب سے عالی مرویات ثنائیات ہی ہیں۔

امام محمد کی کتاب الآثار میں ثنائی روایات حسب ذیل اسانید سے آئی ہیں۔

1- ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
2- ابو حنیفہ عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
3- ابو حنیفہ عن عبداللہ بن ابی حبیبہ قال سمعت ابالدرداء قال قال رسول اللہ
4- ابو حنیفہ عن عبدالرحمن عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
5- ابو حنیفہ عن عطیۃ عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
6- ابو حنیفہ عن شداد عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
7- ابو حنیفہ عن عطاء عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
8- ابو حنیفہ عن عاصم عن رجل من اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم
9- ابو حنیفہ عن عون عن رجل من اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم
10- ابو حنیفہ عن محمد بن عبدالرحمن عن ابی امامہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
11- ابو حنیفہ عن مسلم الاعور عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
12- ابو حنیفہ عن محمد بن قیس عن ابی عامرانہ، کان یہدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(12) امام اعظم کی ثلاثیات

امام شافعی، امام احمد کی کسی تابعی سے ملاقات نہ ہو سکی اس لیے ان کی مرویات میں سب سے اونچا مقام ثلاثیات کا ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات جن کو ان بزرگوں نے اتباع تابعین سے۔ انہوں نے تابعین سے اور تابعین نے صحابہ کرام سے سنا ہے۔

صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے امام بخاری، امام ابن ماجہ، امام ابوداؤد، امام ترمذی نے بعض اتباع تابعین کو دیکھا ہے اور ان سے حدیثیں روایت کی ہیں اس لیے اسناد عالی کے بازار میں یہ اکابر بھی امام شافعی اور امام احمد کے ہم پلہ ہیں۔ حالانکہ امام شافعی کی وفات کے وقت امام بخاری کی عمر دس سال تھی اور امام بخاری کی ثلاثی روایات کی تعداد صرف اکیس ہے اور یہ ان کی مرویات میں سب سے اونچی روایات ہیں۔ امام بخاری کو جن ذرائع سے یہ روایات ملی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

1-	امام مکی بن ابراہیم	گیارہ احادیث
2-	ابو عاصم النبیل	پانچ احادیث
3-	محمد بن عبداللہ الانصاری	تین احادیث
4-	خلاد بن یحییٰ	ایک حدیث
5-	عصام بن خالد	ایک حدیث

ان میں سے دو اول الذکر حضرت مکی بن ابراہیم اور امام ابو عاصم النبیل جن سے ثلاثیات کی تعداد بالترتیب گیارہ اور پانچ ہے اور جو امام بخاری کے مشائخ میں طبقہ اولیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں امام اعظم کے شاگرد ہیں۔ ہم اپنے ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے یہاں ان کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں۔

امام مکی بن ابراہیم :-

مکی بن ابراہیم بلخ کے رہنے والے ہیں حافظ ذہبی سے علامہ سخاوی ناقل ہیں :-

> بلخ میں دوسری صدی کے اواخر میں علماء پیدا ہوئے جیسے کہ عمر بن ہارون، مکی ابراہیم، خلف بن ایوب، قتیبہ بن سعید، محمد بن ابان، عیسیٰ بن احمد، محمد بن علی بن طرخان، پھر وہاں علم حدیث گھٹ کر ناپید ہو گیا[23]

موصوف امام اعظم کے تلامذہ میں سے ہیں چنانچہ صدر الائمہ مکی رقمطراز ہیں کہ :-

مکی بن ابراہیم بلخی بلخ کے امام ہیں 120ھ میں کوفہ میں آئے اور امام ابو حنیفہ کی خدمت میں ملازمت اختیار کی اور آپ سے حدیث و فقہ کا سماع کیا اور بکثرت روایتیں کی ہیں۔[124]

امام مکی فن حدیث کے بہت بڑے امام گزرے ہیں حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

مکی بن ابراہیم الحافظ الامام شیخ خراسان ابو السکن التمیمی۔[125]

بڑے بڑے آئمہ حدیث ان کے شاگرد تھے۔ امام احمد بن حنبل' امام یحیٰی بن معین' امام ذہلی اور امام بخاری نے ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے۔ امام بخاری نے بیشتر ثلاثی حدیثیں ان ہی سے روایت کی ہیں۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ میں نے ساٹھ حج کیے دس سال تک حرم محترم میں ڈیرہ رکھا اور سترہ تابعین سے احادیث لکھیں۔ ان کا بیان ہے کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ لوگوں کو میری ضرورت پڑے گی تو سوائے تابعین کے اور کسی سے حدیثیں نہ لکھتا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں 126ھ میں پیدا ہوا اور سترہ سال کی عمر میں حدیث کی تحصیل شروع کی۔ مکی بن ابراہیم کو تحصیل علم کی طرف امام ابو حنیفہ نے ہی متوجہ کیا تھا چنانچہ امام حارثی عبدالصمد بن فضل کی زبانی ان سے ناقل ہیں کہ :-

میں بخارا میں تجارت کرتا تھا ایک بار امام صاحب کی خدمت میں آنا ہوا تو فرمانے لگے' مکی تم تجارت کرتے ہو لیکن تجارت میں جب تک علم نہ ہو بڑی خرابی رہتی ہے علم تم کیوں نہیں حاصل کرتے ہو اور احادیث قلم بند کیوں نہیں کرتے۔ امام ابو حنیفہ مجھے برابر اس طرف متوجہ کرتے رہے تاآنکہ میں تحصیل علم میں مشغول ہو گیا۔ آخر اللہ سبحانہ' نے مجھے بہت کچھ عطا کیا۔ اسی لیے میں ہر نماز میں اور جب بھی ان کا ذکر آتا ہے ان کے حق میں دعا کرتا ہوں۔ لان اللہ تعالیٰ ببرکتہ فتح لی باب العلم۔[126]

مکی بن ابراہیم کو امام اعظم سے خاص عقیدت تھی ایک بار امام صاحب کا ذکر کیا تو فرمانے لگے کہ کان اعلم زمانہ۔

اسماعیل بن بشیر ناقل ہیں کہ ایک بار ہم امام مکی کی مجلس درس میں حاضر تھے۔ انہوں نے روایت شروع کی حدثنا ابو حنیفۃ حاضرین میں سے ایک اجنبی شخص نے چلا کر کہا کہ حدثنا عن ابن جریج ولا تحدثنا عن

ابی حنیفہ اس پر امام مکی کو اس قدر غصہ آیا کہ چہرے کا رنگ بدل گیا فرمانے لگے۔

اما لا نحدث السفہاء حرمت علیک ان تکتب عنی قم من مجلسی

ہم بیوقوفوں سے حدیث نہ بیان کریں گے مجھ سے حدیثیں نہ لکھو میری مجلس سے کھڑے ہو جاؤ۔

چنانچہ جب تک اس شخص کو مجلس سے نہیں اٹھایا گیا آپ نے حدیث بیان نہیں کی اور جب اس کو نکال دیا گیا تو پھر وہی حدثنا ابو حنیفہ کا سلسلہ شروع کر دیا[1]

الضحاک بن مخلد ابوعاصم النبیل :- مشہور آئمہ حدیث میں سے ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ علامہ صیمری نے ان کو امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ نام تو ان کا الضحاک ہے کنیت ابو عاصم اور نبیل ان کا لقب ہے۔ نبیل کے معنے معزز کے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان کو اس لقب سے کیوں پکارا گیا ہے۔ تذکرہ نویسوں سے اس سلسلے میں بہت سی باتیں نقل کی ہیں۔ امام طحاوی اور حافظ دولابی نے خود ان کا بیان اس سلسلے میں جو نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ امام زفر کے یہاں اکثر ان کی حاضری ہوا کرتی۔ اتفاق سے امام موصوف کے یہاں اسی نام کے ایک شخص اور بھی آیا کرتے جن کی وضع قطع بالکل گری ہوئی تھی۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ انہوں نے حسب معمول امام زفر کے دروازے پر دستک دی۔ لونڈی نے آکر پوچھا کون؟ جواب ملا ابو عاصم لونڈی نے اندر جا کر اطلاع دی کہ ابو عاصم دروازے پر ہیں۔ امام زفر نے دریافت کیا کہ کون سے ابو عاصم؟ لونڈی نے بے ساختہ کہہ دیا کہ النبیل منہما ابو عاصم اجازت لے کر اندر آئے تو امام زفر نے کہا اس لونڈی نے تمہیں وہ لقب دیا ہے جو میرے خیال میں تم سے کبھی بھی جدا نہ ہو گا۔ ابو عاصم کا بیان ہے کہ اس روز سے میرا یہ لقب پڑ گیا۔ حافظ ابن ابی العوام نے بھی بھی اس واقعہ کو بسند متصل بیان کیا ہے ابو عاصم کی وفات 212ھ میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر نوے سال تھی۔ امام بخاری ان کے شاگرد ہیں۔ فقہاء میں بھی بڑے نامور تھے۔ ابن سعد رقمطراز ہیں کہ کان ثقتہ فقیہا" امام عجلی کہتے ہیں ثقتہ کثیر الحدیث وکان لہ فقہ ابو داؤد کہتے ہیں کہ ابو عاصم کو ایک ہزار حدیثیں نوک زبان تھیں[2]

الغرض ان ہی دونوں مکی بن ابراہیم اور ابو عاصم النبیل کے حوالہ سے بخاری کو بالترتیب گیارہ اور پانچ ثلاثیات ملی ہیں۔

دوسرے محدثین میں ابوداؤد اور ترمذی کی ثلاثیات میں صرف ایک ایک روایت ہے مگر ابن ماجہ کی ثلاثی روایت

کی تعداد پانچ ہے۔

حضرت امام اعظم کی روایات میں ثلاثیات کا مقام تیسرے درجے پر ہے یعنی جو روایات امام بخاری' امام ابن ماجہ' امام ابوداؤد اور امام ترمذی کی درجہ اول میں ہیں وہ امام اعظم کے یہاں بلحاظ مقام تیسرے درجہ پر ہیں۔ اس قسم کی روایات کا امام صاحب کے یہاں وافر ذخیرہ ہے مثلاً"

عن ابی حنیفہ عن بلال عن وہب عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابی حنیفہ عن موسیٰ بن ابی عائشہ عن عبداللہ عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابی حنیفہ عن عبداللہ بن ابی نجیح عن عبداللہ بن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(13) امام اعظم کی رباعیات

امام مسلم اور امام نسائی کی کسی تبع تابعی سے بھی ملاقات نہ ہو سکی اور اس وجہ سے ان کو ان سے کوئی حدیث سننے کا موقع نہیں ملا اس لیے ان دونوں امامانِ حدیث کی سب سے عالی روایات رباعیات ہیں جن کو ان کے اساتذہ نے اتباع تابعین سے اور انہوں نے تابعین سے اور انہوں نے صحابہ کرام سے سنا ہے مثلاً امام مسلم کی رباعیات میں ہے :-

حدثنا سوید بن سعید قال حدثنا مروان الفراری عن ابی مالک سعد بن طارق عن ابیہ قال سمعت رسول اللّٰہ علیہ وسلم یقول من قال لا الہ الا اللّٰہ و کفر بما کان یعبد من دون اللّٰہ حرم مالہ و دمہ و حسابہ علی اللّٰہ [2]

اور امام نسائی کی رباعیات میں ہے :-

اخبر نا حمید قال حدثنا عبدالولرث قال حدثنا شعیب عن انس بن مالک

امام اعظم کی مرویات میں رباعیات بالکل آخری درجہ پر ہیں جو روایات نبوت سے قرب میں امام مسلم اور امام نسائی کے یہاں درجہ اول پر ہیں ان کی امام اعظم کے یہاں آخری درجہ کی حیثیت ہے چنانچہ امام محمد نے کتاب الاثار میں ایسی روایات نقل کی ہیں مثلاً"

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن الاسود بن یزید عن عمر بن الخطاب

ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ

اس ساری تفصیل کو پڑھ کر یہ بات پورے طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ ارشادات اور حدیث نبوت کے سلسلے میں ائمہ اسلام میں سے قرب کا جو شرف خاص بارگاہ رسالت سے امام اعظم کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ وحدانیات میں ان کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ ثنائیات میں امام مالک کو مستثنیٰ کرنے کے بعد ان کا ہمسر کوئی نہیں۔ ثلاثیات اور رباعیات تو ان کے یہاں ایک عام درجہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(14) طرق و اسانید حدیث کی تعداد

اگر یہ صحیح ہے اور صحیح نہ ہونے کی وجہ ہی کیا ہے جبکہ امام احمد فرما رہے ہیں کہ احادیث کی کل تعداد سات لاکھ سے کچھ زائد ہے تو یہ صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نہیں ہیں بلکہ آپ کے افعال، اخلاق، احوال اور آپ کی موجودگی میں لوگوں کے کیے ہوئے وہ کام جن پر آپ نے گرفت نہیں فرمائی اور اس کے ساتھ صحابہ کے اقوال، ان کے مفتیوں کے فتاوی، زمانہ خلافت میں ان کی عدالتوں کے فیصلے بلکہ تابعین کے فتاوی اور جج ہونے کی حیثیت میں ان کے فیصلے اور قرآنی آیات پر تشریحی نوٹس بھی ان سات لاکھ میں شمار کیے گئے ہیں۔ یہ خیال بالکل عامی ہے کہ صرف ارشادات نبوت ہی کا نام حدیث ہے۔ الجزائری لکھتے ہیں۔

ان کثیر من المتقدمین کانوا یطلقون اسم الحدیث علی ما یشمل اثار الصحابته والتابعین وتابعیهم وفتاواهم

متقدمین کی اکثریت آثار صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین اور ان کے فتاوی پر لفظ حدیث بولتی ہے۔[130]

اور یہ تعداد بھی سات لاکھ متون حدیث کی نہیں بلکہ طرق کی ہے یعنی سات لاکھ ان اسانید کی تعداد ہے جن کی ذریعے احادیث کے یہ متون ہم تم پہنچے ہیں۔ ایک حدیث اگر چار سندوں سے آئے تو یہ محدثین کی اصطلاح میں چار حدیثیں ہیں چنانچہ علامہ طاہر الجزائری لکھتے ہیں :۔

ویعدون الحدیث المروی باسنا دین حدیثین۔

علامہ ابن جوزی نے تمام ذخیرہ حدیث کے متعلق کھلے لفظوں میں لکھا ہے کہ۔

المراد بھذا العدد الطرق لا المنون[31]

نواب علامہ صدیق حسن خان نے الحطہ میں میرسید شریف سے بھی یہی جملہ نقل کیا ہے[32]

واضح رہے کہ محدثین کے متعلق جو اصول کی کتابوں میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں کہ الجامع الصحیح کی موجودہ احادیث چھ لاکھ حدیثوں کا انتخاب ہے یا امام مسلم فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم کی حدیثوں کو میں نے تین لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا ہے یا امام مسلم فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم کی حدیثوں کو میں نے تین لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا ہے۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں ان کا انتخاب سنن ابو داؤد میں ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ مسند احمد سات لاکھ پچاس ہزار حدیثوں کا انتخاب ہے[33] اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ارشادات نبوت کی یہ تعداد ہے بلکہ یہ ارشادات جن طرق اور اسانید سے آئے ہیں ان کی تعداد ظاہر کرنی مقصود ہے اور تاریخ حدیث میں یہ کوئی مغالطہ نہیں ہے بلکہ جہاں تک طرق و اسانید کا معاملہ ہے وہ اس سے بھی کہیں زائد ہیں یہ تو صرف وہ ہیں جو ان بزرگوں نے اپنی عرق ریزیوں اور دست پائیوں کے بعد فراہم کیے ہیں ان کے علاوہ اگر دوسرے محدثین کی محنتوں اور یاداشتوں کو یکجا کیا جائے تو یہ سلسلہ بے حد بے حساب ہے۔ کیونکہ تابعین کے زمانے میں اگر طرق و اسانید کی تعداد صرف چالیس ہزار تھی تو اتباع تابعین کے دور میں یہی تعداد لاکھوں تک جا پہنچی کیونکہ ایک شیخ نے کسی حدیث کو مثلاً دس شاگردوں سے بیان کیا اب وہ محدثین کی اصطلاح میں دس اسانید اور طرق ہو گئے۔

(15) احادیث صحیحہ کی اصلی تعداد

شاید آپ بے چین ہوں اور ذہنوں میں یہ خلش محسوس کر رہے ہوں کہ اگر یہ طرق و اسانید کی تعداد ہے تو پھر احادیث صحیحہ کی تعداد کیا ہے؟

محدثین و حفاظ حدیث کی بدولت ہم کو طرق و اسانید کے ساتھ متون احادیث صحیحہ کی تعداد کا بھی علم ہو گیا ہے۔ امام ابو جعفر محمد بن الحسین بغدادی نے کتاب التمییز میں امام سفیان ثوری، امام شعبہ بن الحجاج، امام یحییٰ بن

سعید القطان، امام عبدالرحمن بن مہدی اور امام احمد بن حنبل جیسے اکابر کا متفقہ بیان نقل کیا ہے۔

ان جملته الاحادیث المسندة عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعنی الصحیحیته
بلا تکریر اربعته الاف واربع مائه حدیث

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند اور صحیح بلا تکرار ارشادات کی تعداد صرف چار ہزار چار سو ہے۔[134]

یہی وجہ ہے کہ ارباب صحاح میں سے ہر ایک نے اپنی کتابوں میں اسی تعداد کے لگ بھگ احادیث کی تخریج کی ہے۔ چنانچہ حافظ زین الدین عراقی نے مکررات کو نکال کر صحیح بخاری میں آئی ہوئی حدیثوں کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر فرماتے ہیں :۔

عدد احادیث البخاری باسقاط المکرر اربعته الاف[135]

اور امام نووی نے صحیح مسلم کی حدیثوں کی تعداد بھی صرف چار ہزار ہی بتائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں :۔

ومسلم باسقاط المکرر نحو اربعته الاف[136]

امام زرکشی نے سنن ابی داؤد کی حدیثوں کی تعداد چار ہزار آٹھ سو بتائی ہے امام محمد بن اسماعیل یمانی فرماتے ہیں۔

قال الزرکشی ان عدة احادیث ابی داؤد اربعته الاف و ثمانمائته۔[137]

خود امام ابو داؤد نے اس خط میں جو انہوں نے اہل مکہ کے نام لکھا ہے تصریح کی ہے کہ سنن میں احادیث کی تعداد صرف چار ہزار آٹھ سو ہے اور ان میں سے چھ سو مراسیل ہیں۔

ابن ماجہ کے متعلق علامہ یمانی نے ابوالحسن بن القطان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :۔

عدته اربعته الاف حدیث۔[138]

موطا امام مالک جو ذخیرہ حدیث میں قدیم ترین کتاب ہے ابو بکر الابہری فرماتے ہیں کہ اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین کے تمام آثار صرف ایک ہزار سات سو بیس ہیں ان میں ارشادات نبوت کی تعداد چھ سو ہے مرسل 220 موقوف 613 اور تابعین کے فتاوی 285 ہیں۔[139] یہی حال حدیث کی دوسری کتابوں کا ہے۔

ہمارے معاشرے میں قرآن کے ساتھ صحابہ اور تابعین کی طرح سند کی تاریخ کو زبانی یاد کرنے کا رواج نہیں

ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں :-

اگلے لوگ لکھتے نہ تھے صرف زبانی یاد کرتے تھے اور اگر کوئی لکھتا تو یاد کرنے ہی کے لیے لکھتا اور جب زبانی یاد کر لیتا تو اسے مٹا دیتا۔"[40]

قرآن کی طرح حدیث کے یاد کرنے کے جس رواج کا میں نے ذکر کیا ہے یہ صرف میری ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ اکابر سے اس موضوع پر ایسی مثبت تصریحات منقول ہیں جن کی بناء پر میں نے یہ دعویٰ کیا ہے چنانچہ حافظ ابن عساکر نے اسماعیل بن عبیدہ محدث سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

ینبغی لنا ان نحفظ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما نحفظ القران۔[41]

حافظ ابن عبدالبر نے معمر بن الریان کے حوالے سے لکھا ہے :-

ابو نضرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو سعید خدری سے حدیث لکھنے کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ ہم نہیں لکھائیں گے تم ہم سے ایسے ہی لو جیسے ہم نے نبی سے لی ہے یعنی زبانی یاد کرو۔[42]

ایک دوسری روایت میں صریح الفاظ ہیں کہ :-

ان نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم یحدثنا فنحفظ فاحفظوا کما کنا نحفظ۔[43]

سید بن بلال نے ابو بردہ کے حوالہ سے بتایا ہے کہ :-

حضرت ابو موسیٰ اشعری ہم سے حدیثیں بیان کرتے ہم ان کو لکھنے کے لیے جاتے آپ نے فرمایا کہ کیا مجھ سے سن کر قلم بند کرتے ہو ہم نے کہا جی ہاں۔ فرمایا میرے پاس لاؤ آپ نے پانی سے سب کو دھو دیا اور فرمایا کہ زبانی یاد کرو جیسے ہم نے زبانی یاد کیا ہے۔[44]

امام ذہبی نے اسرائیل بن یونس کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ اپنے دادا ابو اسحاق کی روایات کے بارے میں کہتے تھے۔

کنت احفظ حدیث ابی اسحاق کما احفظ السورۃ من القرآن۔[45]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے شہر بن حوشب کے حالات میں لکھا ہے کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ شہر بن حوشب کو عبدالحمید بن بہرام کے حوالہ سے ساری حدیثیں اس طرح زبانی یاد تھیں گویا کوئی قرآن کی سورت پڑھ رہا ہے[46] اور امام ابو داؤد طیالسی کے متعلق مشہور محدث عمر بن فلاس کا مشاہدہ بتایا ہے کہ میں نے محدثین میں ابو داؤد سے زیادہ حافظ

کوئی نہیں دیکھا۔ خود ان کو کہتے سنا ہے کہ فخر نہیں مگر تیس ہزار حدیثیں نوک زبان ہیں۔[1] مشہور تابعی قتادہ بن دعامہ کے بارے میں امام معمر فرماتے ہیں کہ انہوں نے سعید بن ابی عروبہ سے کہا کہ قرآن کھول کر بیٹھ جاؤ میں سورہ بقر سناتا ہوں۔ سعید کہتے ہیں کہ میں نے اول سے آخر تک سنا ایک حرف کی بھی غلطی نہ تھی۔ پھر قتادہ نے کہا کہ۔

لانا صحیفته جابر احفظ مع سورة البقرة۔[2]

یاد رہے کہ جابر کا صحیفہ وہ ہی ہے جس کا تذکرہ آپ آغاز کتاب میں پڑھ چکے ہیں۔ حضرت قتادہ قرآن کے ساتھ اس کے بھی حافظ تھے۔

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ صدر اول میں قرآن کی طرح سنت کو بھی زبانی یاد کرنے کا رواج تھا اور اس رواج کے بنیادی اسباب میں سے ایک سبب یہ تھا کہ اہل عرب کو اپنی خداداد قوت حافظہ پر ناز تھا۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر نے اس طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ :-

کانوا مطبوعین علی الحفظ مخصوصین بذالک۔[3]

صرف یہی نہیں بلکہ ان کی قوت حافظہ پر اس قدر اعتماد تھا کہ لکھنا تو بڑی بات ہے وہ سن کر دوبارہ نہ پوچھنے کو بڑے طمطراق اور ناز سے بیان کرتے تھے چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں خود امام زہری کا بیان ہے کہ :-

ما استعدت علما قط

سنن دارمی میں ابن شبرمہ کی زبانی منقول ہے کہ امام شعبی فرمایا کرتے تھے کہ اے شباک میں تم سے حدیث دوبارہ بیان کر رہا ہوں حالانکہ میں نے کبھی کسی حدیث کے دوبارہ اعادے کی درخواست نہیں کی۔ تذکرے ہی میں امام شعبی کا یہ بھی بیان ہے کہ ماکتبت سوادا فی بیاض میں نے کبھی لکھی نہیں ہے۔ ولا استعدت حدیثا من الانسان اور نہ کبھی کسی شخص سے حدیث سن کر تکرار کی درخواست کی ہے۔ بہر حال یہ ایک واقعہ ہے کہ حدیث نبوی پر قرآن ہی جیسا ایسا دور گزرا ہے جس میں سارا زور صرف زبانی یاد پر ہی تھا۔ حافظ ابن عبدالبر نے اس موضوع پر کراہیۃ کتابۃ العلم کے نام سے اپنی کتاب جامع بیان العلم میں ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے اور ساری بحث کا اس پر خاتمہ کیا ہے۔

جن حضرات نے کتابت کو ناپسند فرمایا ہے جیسے حضرت ابن عباس، امام شعبی، امام زہری، امام نخعی اور قتادہ وغیرہ یہ سب کے سب وہ ہیں جو طبعی طور پر قوت حافظہ رکھتے تھے ان میں سے ایک ایک

شخص صرف ایک بار سننے پر اکتفا کرتا تھا۔ امام زہری سے منقول ہے کہ میں جب بقیع سے گزرتا ہوں تو اپنے کان بند کر لیتا ہوں کہ شاید کہیں کوئی بات اس میں نہ پڑ جائے کیونکہ خدا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بات میرے کان میں پڑی ہو اور اس کو بھول گیا ہوں۔ امام شعبی سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ یہ سب لوگ عرب تھے اور یہ مشہور ہے کہ عربوں کو زبانی یاد رکھنے میں خاص خصوصیت حاصل ہے ان میں سے ایک ایک شخص اشعار کو ایک بار سن کر ہی یاد کر لیتا تھا۔ حضرت ابن عباس کے متعلق آتا ہے کہ انھوں نے عمر بن ربیعہ کے پورے قصیدے کو ایک ہی بار سن کر یاد کر لیا تھا اور آج کوئی شخص بھی اس قسم کا حافظہ نہیں رکھتا۔[52]

(16) حدیث ضعیف اور امام اعظم

محدثین نے ضعیف کی یہ تعریف کی ہے کہ "حدیث ضعیف وہ حدیث ہے کہ جس میں حسن اور صحیح کی صفات نہ ہوں"۔[1]

اور کچھ نے بتایا ہے کہ

"حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جو حسن کے پائے کی نہ ہو"۔

لیکن حدیث ضعیف کی یہ تعریف ان کے بعد میں آنے والے محدثین کرام کی اختراعی ہے جن کے نزدیک حدیث تین قسموں پر مشتمل ہے۔ صحیح، حسن اور ضعیف۔۔ ورنہ متقدمین حدیث کی اس ثلاثی تقسیم سے آشنا نہ تھے۔ ان کے یہاں حدیث کی تقسیم ثنائی تھی یعنی حدیث کی دو ہی قسمیں بتاتے تھے صحیح اور ضعیف چنانچہ امام احمد کے زمانے تک حدیث دو ہی قسموں میں منحصر تھی۔ ان دو کے درمیان حسن کا کوئی درجہ نہ تھا لیکن بعد کے محدثین نے ان دونوں کے درمیان حسن کی صورت نکال لی۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حدیث کی یہ تقسیم صحیح، حسن اور ضعیف امام ابو عیسیٰ ترمذی کی بنائی ہوئی ہے۔ ترمذی سے پہلے یہ تقسیم کسی سے مروی نہیں ہے اور ترمذی نے اس سلسلے میں اپنی مراد بھی واضح کر دی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ حسن وہ ہے جو متعدد طرق سے مروی ہو اور جس کا کوئی راوی کذب سے متہم نہ ہو اور نہ ہی شاذ ہو۔ یہ مرتبہ میں اس صحیح سے کم ہے جس کے راویوں کی عدالت اور ضبط معلوم ہوتا ہے۔ ضعیف وہ ہے جس کا راوی متہم با لکذب ہو یا ردی الحفظ ہو۔[2]

علامہ خطابی نے حسن کی یہ تعریف کی ہے۔

جس کا مخرج معلوم ہو اور جس کے راوی مشہور ہوں۔[3]

لیکن حافظ ابن تیمیہ کو علامہ خطابی سے اختلاف ہے وہ امام ترمذی کے ہمنوا ہیں۔ حدیث حسن وہ ہے جو متعدد طرق سے مروی ہو اور اس کا کوئی راوی کذب سے متہم نہ ہو اور نہ وہ شاذ ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ متاخرین جسے حسن کہتے ہیں وہ متقدمین کے یہاں ضعیف ہے چنانچہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں۔

لیس المراد بالحدیث الضعیف فی اصطلاح السلف ھو الضعیف فی اصطلاح المتاخرین بل ما یسمیہ المتاخرون حسنا" قد یسمیہ المتقدمون ضعیفا"

ترجمہ :- ضعیف کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحیں الگ الگ ہیں۔ متاخرین جسے حسن کہتے ہیں متقدمین کی زبان میں اس کا نام ضعیف ہے[41]

اسی ضعیف کے بارے میں محدثین نے امام اعظم کا یہ موقف بتایا ہے کہ وہ اسے رائے اور قیاس کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حزم نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

اس پر اجماع ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ حدیث ضعیف رائے اور قیاس پر مقدم ہے بشرطیکہ اس موضوع پر صحیح حدیث نہ ہو[42]

حافظ ابن القیم رقمطراز ہیں۔

اصحاب ابی حنیفہ مجمعون علی ان مذہب ابی حنیفہ ان ضعیف الحدیث اولی عندہ من القیاس والرای

ترجمہ :- ابو حنیفہ کے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس اور رائے سے بہتر ہے[43]

بلکہ حافظ ابن القیم ہی نے اس موضوع پر امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کی ہم آہنگی کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

فتقدیم الحدیث الضعیف و آثار الصحابہ علی القیاس و الرای قولہ و قول الامام احمد بن حنبل

ترجمہ :- حدیث ضعیف اور آثار صحابہ کو قیاس اور رائے پر مقدم کرنا امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے[44]

لیکن ضعیف سے متاخرین کی مراد اصطلاحی ضعیف نہیں بلکہ حسن مراد ہے۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

ہمارا یہ کہنا کہ حدیث ضعیف رائے اور قیاس سے بہتر ہے۔ اس سے ضعیف متروک مراد نہیں ہے بلکہ حسن ہے اور اصطلاح میں ترمذی سے قبل حدیث کی دو ہی صورتیں تھیں۔ صحیح یا ضعیف اور ضعیف کی دو قسمیں تھیں۔ ضعیف متروک اور غیر متروک۔ چنانچہ ائمہ حدیث کی زبان پر یہی اصطلاحیں جاری تھیں۔ اس کے بعد وہ لوگ آئے جن کو صرف اصطلاح ترمذی ہی کا پتہ تھا جب ان کے کان میں بعض ائمہ حدیث کا یہ قول پڑا کہ حدیث ضعیف قیاس سے بہتر ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ ایسی حدیث سے حجت لائی جا رہی ہے جو بہ اصطلاح ترمذی ضعیف ہے تو یہ ان لوگوں کے طریقہ کو ترجیح دینے لگے جو حدیث صحیح کے لئے ؟ کا اظہار کرتے ہیں[159]

حافظ ابن القیم نے یہی بات پوری صراحت سے لکھی ہے فرماتے ہیں۔

ضعیف سے باطل و منکر مراد نہیں ہے۔ اور نہ وہ روایت ہے جس کے راویوں میں کوئی متہم ہو بلکہ حدیث ضعیف ان کے یہاں صحیح کی قسیم ہے۔ قسم نہیں ہے ان کے یہاں حدیث کی ثلاثی نہیں بلکہ ثنائی تقسیم ہوتی تھی۔ اور ضعیف ان کے یہاں مراتب والی تھی[160]

علامہ ابن علان صدیقی نے امام احمد کے اس ارشاد پر کہ حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس موضوع پر کوئی صحیح حدیث نہ ہو۔ یہ نوٹ لکھا ہے کہ

حدیث ضعیف کے بارے میں امام احمد سے جو منقول ہے تو اس میں ضعیف سے مراد وہ ضعیف ہے جو صحیح کے مقابلے میں ہو یہ خود امام احمد اور متقدمین کا عرف ہے کیونکہ ان کے یہاں حدیث کی دو ہی قسمیں صحیح اور ضعیف ہیں اور یہ ضعیف حسن کو بھی شامل ہے اور باقی متاخرین کی اصطلاحی ضعیف تو وہ امام احمد کی ہرگز مراد نہیں ہے[161]

اور یہ صرف امام احمد ہی کی نہیں بلکہ امام اعظم ابو حنیفہ کے ارشاد میں بھی ضعیف ہے۔ متقدمین کی اصطلاحی ضعیف مراد ہے چنانچہ علامہ ابن علان ہی نے علامہ زرکشی کے حوالہ سے یہ انکشاف فرمایا ہے کہ

و قریب من هذا قول ابن حزم الحنیفه متفقون علی ان مزہب ابی حنیفه ان ضعیف الحدیث عندہ اولی من الرای و الظاہر ان مراد ھم بالضعیف ما سبق[162]

الغرض صرف امام اعظم ہی کا نہیں بلکہ تمام ائمہ کا مذہب یہی ہے کہ قیاس و رائے کے مقابلے میں حدیث

ضعیف پر عمل کیا جائے چنانچہ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں۔

لیس احد من الائمہ الا وھو موفقہ علی ھذ الاصل من حیث الجملہ

ترجمہ:- اماموں میں سے ہر ایک بالاجمال اس موضوع پر امام احمد کا ہمنوا ہے۔[62]

لیکن یہاں اتنی بات ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ یہ ائمہ جس حدیث ضعیف سے استدلال کرتے ہیں وہ ضعیف الاسناد تو محدثین تک پہنچنے میں ضرور ہوتی ہے مگر ضعیف المتن نہیں ہوتی ہے اتصال عمل کی کسی شاہد صحیح کی ظاہر قران کی اور بالاخر کثرت طرق کی اسے یقیناً" تائید حاصل ہوتی ہے۔ اسنادی کمزوری کی حد تک حافظ ابن تیمیہ بڑے پتے کی بات فرما گئے ہیں۔

ایک شخص محدثین کے یہاں حدیث میں غلطیوں کی وجہ سے ضعیف قرار پا جاتا ہے۔ لیکن اس کی حدیثوں میں زیادہ تر صحیح ہوتی ہیں۔ وہ اس سے محض اعتبار[63] و اعتضاد کی خاطر حدیثیں روایت کرتے ہیں کیونکہ تعدد طرق اور کثرت اسانید سے روایت میں اتنی قوت آ جاتی ہے کہ اس کے ذریعے علم حاصل ہو جاتا ہے۔ چاہے روایت کرنا والے فاسق و فاجر ہی ہوں۔ اور اگر روایت میں غلطیوں کے باوجود بیان کرنے والے علماء اور عادل ہوں تو پھر کیا ہی کہنے جیسے عبداللہ بن لہیعہ۔ یہ اکابر علماء میں سے ہیں۔ لیکن کسی وجہ سے ان کی روایات میں غلطیاں ہوتی ہیں حالانکہ ان کی روایات بیشتر صحیح ہوتی ہیں[64]

آیئے سرراہے چند مثالیں بھی سن لیجئے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ائمہ دین نے دین کی زندگی میں ضعیف حدیثوں سے کس طرح اور کس انداز میں فائدہ اٹھایا ہے۔

پہلی مثال

حدیث قہقہہ سے وضو ٹوٹنے پر استدلال:- مسئلہ یہ ہے کہ نماز کی حالت میں اگر قہقہہ مار کر ہنسا جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس موضوع پر احادیث مسندہ اور مرسلہ دونوں آتی ہیں۔ احادیث مسندہ میں ابی موسی اشعری' ابو ہریرہ' عبداللہ بن عمرؓ انس بن مالک' جابر بن عبداللہ' عمران بن الحصین اور ابی الملیح کی احادیث آتی ہیں۔ لیکن ان میں کوئی روایت بھی محدثانہ نقطہ نظر سے اصطلاحی صحت کے معیار پر پوری نہیں ہے۔ ابی موسی کی روایت طبرانی میں

ہے اگرچہ حافظ ہیثمی نے اس راوی کی توثیق کی ہے لیکن ان میں محمد بن عبدالملک مختلف فیہ ہے۔ حدیث ابی ہریرہ سنن دارمی میں ہے مگر منقطع ہونے کے ساتھ عبدالعزیز اور عبدالکریم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حافظ ابن عدی فرماتے ہیں۔

و البلاء فی ھذا الاسناد من عبدالعزیز و عبدالکریم و ھما ضعیفان۔[663]

عبداللہ بن عمر کی حدیث کے بارے میں ابن الجوزی کا العلل المتناہیہ میں فیصلہ یہ ہے

ھذا حدیث لا یصح

حدیث انس سنن دار قطنی میں ہے اس میں بھی داؤد متروک الحدیث اور ایوب ضعیف ہے۔ دار قطنی فرماتے ہیں۔

رواہ داود بن المحبر متروک یضع الحدیث عن ایوب و ھو ضعیف[664]

حدیث جابر بن سنن دار قطنی میں ہے لیکن اس میں یزید بن سنان ضعیف ہے۔ عمران بن الحصین کی روایت عمرو بن قیس اور عمرو بن عبید کی وجہ سے پایہ اعتبار سے گری ہوئی ہے۔

ابو الملیح کا اس موضوع پر بیان اپنے اضطراب کی وجہ سے محدثین کے دربار میں مخدوش ہے یہی حال ان روایات کس ہے جو مسندہ نہیں بلکہ مرسلہ ہیں۔ ان پر تفصیلی کلام حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں فرمایا ہے۔ بہرحال نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کے موضوع پر جس قدر روایات آتی ہیں وہ مسند ہوں یا مرسل۔ محدثین کے یہاں متکلم فیہ ہیں اور حافظ ابن القیم کا یہ کہنا درست ہے کہ

اجمع اہل الحدیث علی ضعفہ[667]

اس کے باوجود کہ عقلیت کا تقاضا بھی ہے اور قیاس بھی چاہتا ہے کہ قہقہہ سے وضو نہ ٹوٹے امام ابو حنیفہ نے قہقہہ کو وضو کے لئے ناقض قرار دیا ہے۔ اس باب میں بہت سے امور تفصیل طلب ہیں لیکن یہاں مزید اطناب کا موقعہ نہیں ہے۔

دوسری مثال

نبیذ تمر سے وضو کی حدیث:۔ اگر اور کوئی پانی نہ ہو اور صرف کھجوروں کی نبیذ ہی ہو تو نبیذ ہی سے وضو جائز ہے

اس کے لئے تیمم روا نہیں ہے۔ اس موضوع پر دو حدیثیں آتی ہیں۔ ایک حدیث ابن مسعود اور دوسری حدیث ابن عباس۔ حدیث ابن مسعود پر محدثین نے خاص محدثانہ اور امور خانہ کلام کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں حافظ ابو زرعہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

حدیث ابی فزارہ فی الوضوء لیس بصحیح و ابو زید مجہول

حافظ ابو جعفر طحاوی فرماتے ہیں۔

ان حدیث ابن مسعود روی من طرق لا تقوم بمثلھا حجۃ[168]۔

اگرچہ حدیث ابن مسعود کو ابو داود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے لیکن محدثین کے یہاں اس کی صحت مخدوش ہے۔ خود صاحب ہدایہ کو اس کے اضطراب کی شکایت ہے۔ حافظ منذری نے مشہور محدث ابو احمد الکرابیسی سے نقل کیا ہے۔

لا یثبت فی ھذا الباب من ھذہ الروایہ حدیث بل اخبار الصحیحہ عن عبداللّٰہ ناطقہ بخلافہ

ترجمہ :- اس بات میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے بلکہ عبداللہ سے صحیح حدیثیں اس کے خلاف ہیں[169]۔

عبداللہ بن عباس کی حدیث سنن ابن ماجہ میں ہے لیکن حافظ بزاز کا فیصلہ ہے

ھذا حدیث لا یثبت

ترجمہ :- یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

تیسری مثال

حدیث مقدار ایام حیض:- حیض کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کے موضوع پر جو حدیث آتی ہے وہ اگرچہ ابو امامہ، واثلہ بن الاسقع، معاذ بن جبل، ابو سعید، انس بن مالک اور عائشہ کے حوالہ سے آتی ہے اور حدیث کے متعدد کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن ان کے راویوں میں مجاہیل ضعفاء کا اتنا ہجوم ہے کہ محدثین کے معیار کے مطابق اسکی صحت کی کوئی ضمانت نہیں ملتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود قابل قبول سمجھ لی گئی۔

بہرحال امام اعظم قیاس اور رائے کے مقابلے میں حدیث ضعیف پر بھی عمل کرتے ہیں اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ امام اعظم کے زمانے میں معاشرے کی عملی تائید کی وجہ سے ان حدیثوں کا درجہ حسن ہو جاتا ہے۔ علامہ بابرتی نے شاید اسی بنا پر لکھا ہے کہ

و الحدیث مشہور ثبت بطرق مختلفہ و عملت بہ الصحابۃ[172]

حافظ ابن الھمام فرماتے ہیں۔

فھذہ عدۃ احادیث عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم متعددہ الطرق و ذالک یرفع الضعیف الی الحسن۔[172]

ترجمہ:۔ یہ حضور انور ﷺ کی چند حدیثیں ہیں اور متعدد طرق سے آنے کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچ گئی ہیں۔

حافظ سخاوی فرماتے ہیں۔

حسن لغیرہ بھی قابل احتجاج ہو جاتی ہے جب وہ متعدد طرق سے آئے۔

امام نووی بھی علامہ سخاوی کے ہم زبان ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ

حدیثوں کی سندیں اگر الگ الگ ہوں چاہے وہ ضعیف ہوں، ان کا مجموعہ باہم تقویت کی وجہ سے حدیث کو حسن اور قابل احتجاج بنا دیتا ہے۔

امام بیہقی کی بھی یہی رائے ہے کہ حدیث ضعیف کثرت طرق سے آئے تو قوی ہو جاتی ہے۔ بلکہ عون الباری میں امام نووی کے حوالہ سے یہاں تک نقل کر دیا ہے کہ

حدیث ضعیف اگر متعدد طرق سے مروی ہو تو وہ ضعیف سے حسن اور مقبول و معمول بہ ہو جاتی ہے۔[172]

ارباب روایت کے یہاں عمل کے بارے میں تین مسلک ہیں۔

اول یہ کہ ضعیف پر قطعاً عمل نہ کیا جائے ابن سید الناس نے اسی کو یحییٰ بن معین کا مسلک قرار دیا ہے۔ علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں ابو بکر بن العربی کا یہی میلان بتایا ہے۔ بلکہ صاحب قواعد التحدیث کی تصریح کے مطابق محدثین میں بخاری اور مسلم کا بھی یہی مسلک ہے۔

دوم یہ کہ حدیث پر ہر حال میں عمل کیا جائے گا۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں۔

تعزی ذالک الی ابی داود و احمد لانھما یریان اقوٰی من رای الرجال۔[173]

سوم یہ کہ صرف فضائل میں ضعیف پر عمل کیا جائے احکام میں ضعیف پر عمل نہ کیا جائے چنانچہ امام حاکم رقمطراز ہیں:

میں نے ابو زکریا عنبری سے سنا وہ فرماتے تھے کوئی حدیث اگر حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کرتی ہو اور کسی حکم کو واجب نہ کرتی ہو اور صرف ترغیب و ترہیب سے تعلق رکھتی ہو تو اس سے چشم پوشی کی جائے گی۔ اور اس کے راویوں پر جرح میں تساہل سے کام لیا جائے گا۔ اور جیسا کہ امام عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی اکرم ﷺ سے حلال و حرام اور احکام کی روایت کرتے ہیں تو اسانید کے بارے میں سختی برتتے ہیں اور رجال پر نقد کرتے ہیں۔ اور جب فضائل و عقاب کی روایت کرتے ہیں تو اسانید میں نرمی اختیار کرتے ہیں اور احادیث میں تسامح سے کام لیتے ہیں۔ میمونی نے امام احمد کا بھی ایسا ہی بیان بتایا ہے۔ کہ رقاق کی حدیثوں میں تساہل مناسب ہے لیکن احکام میں نہیں۔[174]

علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ

اگر حدیث ضعیف ہو لیکن موضوع نہ ہو تو محدثین اس کی اسناد میں تساہل کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور یہ بھی جائز قرار دیتے ہیں کہ ضعف کی تصریح کے بغیر بیان بھی کر سکتا ہے جب کہ حدیث کا تعلق احکام و عقائد سے نہ ہو بلکہ مواعظ، قصص اور فضائل میں ترغیب و ترہیب سے ہو۔ اگر حدیث احکام و عقائد سے متعلق ہو تو اس میں تساہل قطعاً ناجائز ہے۔ ائمہ حدیث میں عبدالرحمن بن مہدی، عبداللہ بن المبارک اور احمد بن حنبل کی یہی رائے ہے۔[175]

حافظ ابن الھمام نے تصریح کی ہے کہ

حدیث اگر ضعیف ہو اور موضوع نہ ہو تو اس سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے۔[176]

لیکن حافظ سیوطی نے تدریب الراوی میں اور حافظ سخاوی نے القول البدیع میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے بتایا ہے کہ حدیث ضعیف کی قبولیت کے لئے تین شرطیں ہیں۔

اول یہ کہ حدیث میں ضعف زیادہ نہ ہو یعنی حدیث کے راوی ایسے نہ ہوں جو جھوٹ میں شہرت رکھتے ہوں یا ان پر دروغ گوئی کی تہمت ہو یا کھلم کھلا غلطیوں کا شکار ہوں۔

دوم یہ کہ حدیث جس مضمون پر مشتمل ہے اس کی کوئی اصل شریعت میں موجود ہو بات محض بے اصل اور من گھڑت نہ ہو۔

سوم یہ کہ عمل کے وقت میں اس کے ثابت ہونے کے عقیدہ نہ رکھا جائے بلکہ ازروئے احتیاط اس پر عمل ہو۔ آخری دو شرطین حافظ عز الدین بن عبدالسلام اور علامہ ابن دقیق العید کی بتائی ہوئی ہیں۔ اور پہلی شرط کو علامہ علائی نے اتفاقی قرار دیا ہے۔

مولانا عبدالحی نے ظفر الامانی فی شرح مختصر الجرجانی میں ان سہ گانہ شرطوں کا تذکرہ کر کے مثالیں بھی دیں ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

> فقہاء احناف کا فیصلہ ہے کہ اذان کے کلمات آہستہ آہستہ دوہری آواز سے اور تکبیر جلدی اکہری آواز سے کہی جائے اور ایسا کرنا مستحب ہے اور اس پر انہوں نے ترمذی کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جو بحوالہ حضرت جابر ان الفاظ میں آئی ہے کہ ..... حضور انور ﷺ نے بلال سے فرمایا کہ اے بلال جب اذان دو تو آہستہ آہستہ دو اور جب تکبیر کہو تو جلدی کرو ...... الخ۔ امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ ھو اسناد مجہول۔ امام دار قطنی نے اس کے راوی عبدالنعیم کی تضعیف کی ہے اس کے باوجود چونکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کافی ہو جاتی ہے اس لئے فقہاء نے اس پر عمل کو مستحب قرار دیا ہے۔ نیز فقہاء حنفیہ وضو میں گردن کے مسح کو مستحب قرار دیتے ہیں اور اس پر وہ ایک ایسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو خالص محدثانہ نقطہ نظر سے ضعیف ہے۔ ابو داود میں ہے کہ طلحہ بن مصرف اپنے والد اور دادا کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سر کا مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے تاآنکہ آپ نے قذال تک مسح کیا۔ قذال گردن کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں یہ روایت معانی الاثار میں بھی ہے۔ لیکن یہ سب روایات طلحہ کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہیں۔ ابن القطان نے طلحہ' ان کے والد اور ان کے دادا کو مجہول قرار دیا ہے۔[77]

علامہ دوانی کا شبہ اور اس کا جواب:۔ علامہ دوانی نے انموذج العلوم میں یہاں ایک شبہ اٹھا کر ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے ایک پریشانی میں ڈال دیا ہے۔ علامہ موصوف کے اس شبہ کو مولانا عبدالحی نے الاجوبۃ الفاضلہ میں' مولانا صدیق حسن خان نے الحطہ میں اور علامہ جمال الدین القاسمی نے قواعد التحدیث میں بڑی آب و تاب سے بیان کیا ہے۔ ان کے شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء ایک طرف فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف سے استحباب اور جواز معلوم ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی ان ہی کا ارشاد ہے کہ استحباب ہو یا جواز' یہ بھی احکام شرعیہ میں سے ایک حکم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف احکام کے اثبات کے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ اتنی بات سب ہی جانتے ہیں کہ حدیث ضعیف سے استحباب و جواز ثابت ہو گا تو اس کے نتیجے میں اس سے حکم شرعی کا اثبات ہو گا۔ اس لئے ایک طرف یہ کہنا کہ حدث ضعیف سے استحباب و جواز ثابت ہو جاتا ہے اور دوسری طرف یہ بتانا کہ حدیث ضعیف سے احکام ثابت نہیں ہوتے دونوں میں اس لحاظ سے یقیناً" تضاد ہے کہ استحباب اور جواز بھی خود حکم شرعی ہے اگر حدیث ضعیف سے حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا تو لازماً" استحباب بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

علماء نے اس شبہ کے متعدد جوابات دیئے ہیں اور خود علامہ دوانی نے بھی اس کے ازالہ کی بہترین کوشش فرمائی ہے۔

علامہ احمد الخفاجی نے نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

> حدیث ضعیف سے فضیلت کا ثابت ہونا کسی حکم کے ثابت ہونے کو مستلزم نہیں ہے ایسا عمل جس کا استحباب صحیح حدیث سے ثابت ہو اس کا ثواب یا اسے کرنے کی ترغیب یا صحابہ کی فضیلت یا اذکار ماثورہ کی فضیلت اگر کسی ضعیف حدیث سے معلوم ہو جائے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اصل حکم ہی حدیث ضعیف سے ثابت ہو رہا ہے۔ اعمال اور فضائل اعمال میں بہت بڑا فرق ہے۔[178]

علامہ خفاجی کی بات بڑی گہری ہے اور اپنے اس بیان کے ذریعے وہ پڑھنے والوں کے کوزہ ذہن میں یہ بات اتارنا چاہتے ہیں کہ حدیث ضعیف سے کسی عمل کا وجود ثابت نہیں کیا جاتا ہے۔ بلکہ ثابت شدہ موجود عمل جس کا وجود دلائل شرعیہ سے پہلے ثابت ہو چکا ہے صرف اس کی فضیلت کو حدیث ضعیف کے ذریعے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً نماز

تہجد کی سنیت دلائل شرعیہ سے ثابت ہے اب اس ثابت شدہ سنت کی ترغیب کے لئے یا ان کی بزرگی کے اظہار کے لئے حدیث ضعیف کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ علامہ موصوف نے اس طرح علامہ دوانی کے اٹھائے ہوئے سوال کا جواب دیا ہے۔ مولانا صدیق حسن خان نے صرف علامہ موصوف کے جواب پر ہی اکتفا فرمایا ہے۔ اور اس سلسلے میں اپنی کوئی قیمتی رائے ظاہر نہیں فرمائی ہے۔ جمال الدین القاسمی نے علامہ موصوف پر بہت بڑی برہمی کا اظہار فرمایا ہے۔ اور مولانا عبدالحی نے یہ فرما کر علامہ خفاجی کی بنائی ہوئی عمارت کو بے جان کر دیا ہے۔ کہ خفاجی کا یہ موقف فقہا اور محدثین دونوں کے خلاف ہے۔ فقہاء کے اس لئے کہ وہ ضعیف حدیث سے بلا شبہ ایسے عمل کے استحباب کو ثابت کرتے ہیں۔ جس کا استحباب احادیث صحیحہ سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔ محدثین کے اس لئے کہ وہ حدیث ضعیف کا فضائل' مناقب اور ترغیب و ترہیب کے موضوع پر ذکر کرتے ہیں۔ اگر فضائل اعمال سے وہی کچھ مراد ہے جو خفاجی بتا رہے ہیں تو اس کا مقابلہ ترغیب و ترہیب میں قبولیت سے نہیں ہو سکتا۔ علامہ کا یہ ارشاد امام نووی کی اس تصریح کے بھی خلاف ہے جو انہوں نے الاذکار میں کی ہے۔

اذا ورد حدیث ضعیف بکر ابیہ بعض البیوع او الانکحہ' فالمستحب ان یتنزہ عنہ۔[179]

ترجمہ:۔ جب کوئی ضعیف حدیث نکاح یا سودے کی کراہت کو بتائے تو اس سے بچنا ہی اچھا ہے۔

اور حافظ ابن الہمام کے اس نظریہ کے بھی خلاف ہے۔

یثبت الاستحباب بالحدیث الضعیف۔[180]

ترجمہ:۔ استحباب حدیث ضعیف سے ثابت ہو جاتا ہے۔

نیز اگر بالفرض وہ ہی کچھ امرواقعہ ہے جو خفاجی بتا رہے ہیں تو پھر ان شرائط میں کوئی افادیت نہیں رہتی جو قبول ضعیف کے لئے محدثین میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے قائم ہیں کیونکہ اگر ضعیف سے صرف ان اعمال کی فضیلت ہی بیان ہو سکی ہے جو احادیث صحیحہ کے ذریعے ثابت ہو چکے ہوں۔ تو پھر یہ قید بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے کہ حدیث ضعیف جس مضمون پر مشتمل ہو اس کی کوئی اصل موجود ہو اور یہ شرط بھی بالکل بے جان ہو جاتی ہے کہ عمل کے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھتا ہے۔ مولانا عبدالحی علیہ فرماتے ہیں۔

اس مقام پر واقعی اور سچی بات یہ ہے کہ جب کسی کام کا جواز یا استحباب کسی خاص حدیث صحیح سے ثابت نہ ہو اور اس موضوع پر کوئی ضعیف حدیث آ جائے لیکن اس کا ضعف شدید نہ ہو تو اس سے جواز و استحباب ثابت ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کام کی کوئی اصل شریعت موجود ہو اور یہ کام اصول شرعیہ اور دلائل صحیحہ کے منافی نہ ہو۔[181]

خود علامہ دوانی نے اس سوال کا جو جواب دیا ہے وہ اگرچہ ذرا طویل ہے لیکن اسے یہاں نظر انداز کرنے سے بات ادھوری رہ جائے گی اسے لئے یہاں اس کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

اس موضوع پر قابل اعتماد بات یہ ہے کہ جب کسی بھی کام کی خوبی کسی حدیث سے معلوم ہو جائے اور وہ کام ناجائز اور مکروہ ہونے کے اندیشے سے بالاتر ہو تو ایسے موقعہ پر ضعیف عمل جائز اور مستحب ہے کیونکہ یہ ناجائز ہونے کے اندیشے سے پاک ہے اور اس پر ثواب کی توقع ہے اور اس توقع کی وجہ سے کام میں اباحت اور استحباب کی کشش ہوتا ہے بنابریں ثواب کی امید پر عمل ہی میں احتیاط ہے۔ اور اگر خود کام ہی ناجائز اور استحباب کے درمیانی مقام پر ہو تو پھر ناجائز ہونا راجح ہے۔اور اگر کام کراہت اور استحباب سے دوچار ہو تو اس میں فکر و غور کے لئے کافی گنجائش نکل سکتی ہے عمل کی صورت میں مکروہ کا شکار ہو سکتا ہے اور ترک کی حالت میں مستحب سے دستبرداری کی راہ ہے۔ اگر کراہت کا اندیشہ قوی ہو اور استحباب کا احتمال کمزور ہو تو ایسی حالت میں ترک وک ترجیح دی جائے گی۔ اور اگر کراہت کا اندیشہ کمزور ہو تو عمل میں احتیاط کا پہلو ہے اور اگر طرفین برابر ہوں تو پھر بھی عمل میں استحباب کو اپنایا جائے گا۔ ان تمام صورتوں میں حدیث ضعیف پر عمل اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ عدم جواز کا احتمال نہ ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کسی کام کا جواز ان صورتوں میں حدیث ضعیف سے نہیں بلکہ باہر سے معلوم ہوتا ہے اور استحباب کا پتہ بھی حدیث ضعیف سے نہیں بلکہ ان قواعد شرعیہ سے ہوتا ہے جو دین کی زندگی میں احتیاط کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ اس لئے احکام میں سے کوئی چیز بھی حدیث ضعیف سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ ان میں حدیث ضعیف کے ذریعے استحباب کا احتمال رونما ہوتا ہے اس لئے احتیاطاً" اس پر عمل کیا ہے اور احتیاطاً" عمل کا استحباب خود قواعد شرعیہ سے معلوم ہے۔[182]

مولانا عبدالحی نے اس موضوع کے تفصیلی مباحث اور ان کی گہرائیاں ظفرالامانی میں سمیٹ دی ہیں بہرحال متقدمین ہوں یا متاخرین۔ ضعیف میں اختلاف کے باوجود عمل بالضعیف پر متفق ہیں۔ اگرچہ اس کی وجوہات میں اختلاف ہے۔

متقدمین حدیث ضعیف پر عمل تابعین اور اتباع تابعین کی عملی تائید کی وجہ سے کرتے ہیں اور متاخرین تعدد طرق سے آنے کی بنا پر۔

متاخرین کے مابین جس حدیث ضعیف پر عمل کے بارے میں اختلاف ہے وہ ان کی اپنی اصطلاحی ضعیف ہے۔ اس کا متقدمین کی ضعیف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

17۔ **روایت بالمعنی:۔** امام صاحب کے زمانہ میں روایت بالمعنی کا زیادہ رواج تھا جس کی وجہ سے احکامات میں بہت کافی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے جس کو ابن ماجہ نے بھی اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

ان المیت یعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداہ و آکاسباہ و اناصراہ و اجبلاہ۔[183]

ترجمہ:۔ مردہ پر زندہ کے بکاء کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے جب وہ یہ الفاظ کہہ کر بین کریں۔

حضرت عائشہ ؓ سے کسی نے یہ بیان کیا کہ حضرت ابن عمر یوں کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عمر کو سہو ہو گیا ہے واقعہ یہ تھا کہ ایک یہودیہ عورت کا انتقال ہوا تو اس کے رشتہ دار بین کر کے روتے تھے اس پر حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

ولا تزر وازرۃ وزر اخری [184]

ترجمہ:۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ملاحظہ ہو راوی نے یہاں قاعدہ کلیہ کے طور پر حدیث بیان کر دی۔ غزوہ بدر میں جب حضور ﷺ اس گڑھے (قلیب) کے پاس پہنچے جہاں کافروں کی لاشیں پڑی تھیں تو ارشاد فرمایا۔

فَھَل وجدتم مَا وَعَدَ ربکم حقا" [185]

ترجمہ:۔ جو کچھ تمہارے رب نے کیا اس کو تم نے حق پایا۔

لوگوں نے عرض کیا کیا آپ مردوں سے خطاب کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

لقد علموا ما دعوتھم

ترجمہ:- میں نے جس چیز کی دعوت دی تھی انہیں معلوم ہو گیا۔

اسی ایک واقعہ میں دو حدیث ہیں' ایک میں لفظ "سماع" اور دوسرے میں لفظ "علم" ہے اسی روایت بالمعنی کے اختلاف کی وجہ سے آگے چل کر اختلاف پیدا ہو گیا۔ اسی طرح مناسک حج میں ایک روایت آتی ہے۔

اقتلوا الاسودین الحیہ والعقرب [186]

ترجمہ:- سانپ اور بچھو کو مار ڈالو۔

روایت بالمعنی کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان دونوں کے قتل کا حکم دیا' امام صاحب نے روایت بالمعنی کے لئے یہ اصول مقرر کر دیا۔ رواۃ فقیہ ہوں اور ثقہ ہوں۔

ان دو شرطوں کے ساتھ امام صاحب نے اپنے زمانہ تک روایت کو قبول کیا یعنی امام صاحب عہد تابعین کے بعد روایت بالمعنی کی اجازت نہیں دیتے امام طحاوی نے بسند متصل بیان کیا ہے۔

لا ینبغی للرجل ان یحدث من الحدیث الا بما حفظ من یوم سمعه الی یوم یحدث بعه [187]

ترجمہ:- امام صاحب فرماتے ہیں آدمی کو وہی حدیث بیان کرنا چاہیے جو سننے کے دن سے روایت کرتے وقت تک بالکل یاد ہو۔

امام صاحب کا بھی یہی مسلک ہے۔

لا تجوز الروایه بالمعنی مطلقا۔[188]

ترجمہ:- روایت بالمعنی مطلقاً" جائز نہیں ہے۔

مابعد کے محدثین کے نزدیک چونکہ یہ شرائط سخت ہیں اس لئے انہوں نے نرمی سے کام لیا جس کی وجہ سے آثار فی الحدیث ہو گیا ان ہی شرائط کی وجہ سے ابن صلاح امام صاحب اور امام مالک کو متشدد کہتا ہے حالانکہ امام صاحب نے یہ ضابطہ اس حدیث کی روشنی میں مقرر کیا ہے۔

نضر اللہ امرا سمع منا فبلغه کما سمعه [189]

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو شاداب رکھے جس نے ہم سے جیسا سنا ویسا ہی نقل کر دیا۔

یہ حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو بالسند المتصل امام صاحب تک پہنچتی ہے یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کی روایات بہت زیادہ نہیں ہیں وہ روایت بالمعنی کو ناجائز قرار دیتے ہیں وہ حالات زمانہ کی وجہ سے مجبور تھے۔ بلکہ معذور تھے حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں۔

> ان حدیثوں نے بہت نقصان اور ضرر پہنچایا' کیونکہ واضعین کے ثقہ اور تورع کی وجہ سے احادیث بالمعنی مقبول ہوئیں وضع کے بعد مسابلات غلط فہمیوں' بے احتیاطیوں کا درجہ تھا جس کی وجہ سے ہزاروں اقوال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو گئے بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے۔ اور اکثر حروف تفسیر حذف کر دیتے تھے جس کی وجہ سے سامعین کو دھوکہ ہوتا تھا اور وہ ان کے تفسیری جملوں کو حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے۔(90)

امام زہری اور وکیع کے یہاں اس کی مثالیں بکثرت ہیں لیکن امام صاحب حدیث میں اس کو پسند نہیں کرتے ہیں۔

روایت بالمعنی اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ:- اس نقطہ پر متقدمین اور متاخرین سب کا تقریباً" اتفاق ہے کہ اگر روایت کرنے والا حافظ اور عارف نہ ہو تو اس کے لئے روایت بالمعنی کی کوئی گنجائش نہیں ہے چنانچہ حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں۔

> اگر کوئی شخص حدیث بالمعنی روایت کرنا چاہے تو اگر الفاظ اور مقاصد روایت سے آشنا نہ ہو تو سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کے لئے روایت بالمعنی جائز نہیں ہے۔ اسے روایت باللفظ ہی کرنی چاہیے۔(91)

امام نووی فرماتے ہیں کہ

> اگر الفاظ اور مقاصد سے نا آشنا ہو اور معانی کے ڈھانچہ سے ناواقف ہو تو بالاتفاق اس کے لئے روایت بالمعنی ناجائز ہے۔ روایت باللفظ ہی کرنی چاہیے۔(92)

حافظ ابن کثیر نے اختصار علوم الحدیث میں بھی تصریح فرمائی ہے۔ لیکن علماء کا اس موضوع پر اختلاف ہے کہ اگر راوی علام و عارف ہو تو کیا اس کے لئے روایت بالمعنی کی کوئی گنجائش ہے۔ حافظ ابو بکر الخطیب نے اکثر سلف کی طرف

نسبت کر کے لکھا ہے کہ وہ اسے بھی ناجائز کہتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

سلف کی اکثریت اور حدیث میں ارباب تحقیق کہتے ہیں کہ روایت بالمعنی ناجائز ہے بلکہ نہایت ضروری ہے۔ کہ روایت باللفظ ہو اس میں کسی قسم کی کوئی کمی یا زیادتی اور کسی طرح کی تقدیم اور تاخیر نہ کی جائے۔ اس موضوع پر کچھ روایات ہم پیش کر چکے ہیں ان اکابر نے عالم اور غیر عالم میں اس موضوع پر کوئی فرق نہیں کیا ہے۔[193]

حافظ جلال الدین السیوطی نے اسی کو سلف میں قاسم بن محمد، امام ابن سیرینؒ اور رجاء بن حیوۃ کا مسلک قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

كان القاسم بن محمد و ابن سيرين و رجاء بن حيوه يعيدون الحديث على حروفه[194]

ترجمہ:۔ قاسم، ابن سیرین رجاء روایت باللفظ کرتے تھے۔

امام ذہبی نے صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کو اسی نظریہ کا علم بردار بتایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

كان ممن يتحرى فى الاداء و يشدد فى الروايه و يزجر تلامذته عن التهاون في ضبط الالفاظ

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ادائیگی میں تحری کرتے تھے اور روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ضبط الفاظ میں تہاون سے بڑے زور سے روکتے تھے۔[195]

اگرچہ امام غزالی نے المستصفی میں، امام رازی نے محصول میں، علامہ قرافی نے شرح تنقیح الفصول میں، حافظ سیوطی نے تدریب الراوی میں اور علامہ الجزائری نے توجیہ النظر میں یہ بتایا ہے کہ امام ابو حنیفہ نقل روایت میں روایت بالمعنی کے جواز کے قائل ہیں لیکن مشہور محدث ملا علی قاری نے شرح مسند امام میں امام اعظم کے بارے میں حافظ ابو جعفر طحاوی کی ایک روایت کی وجہ سے دعوی کا ہے کہ امام اعظم کسی درجے میں بھی روایت بالمعنی کے جواز کے قائل نہیں ہیں۔ حافظ ابو جعفر کی وہ روایت جس کو دلیل بنا کر انہوں نے امام اعظم کا یہ موقف بتایا ہے یہ ہے

حدثنا سليمان بن شعيب حدثنا ابى قال املا علينا ابو يوسف قال قال ابو حنيفه لا ينبغى للرجل ان يحدث من الحديث الا ما يحفظه من يوم سمعه الى يوم

یحدث بہ

ترجمہ:۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو اس وقت تک حدیث نہیں بیان کرنی چاہیے جب تک اسے سننے کے دن سے لے کر بیان کرنے کے دن تک یاد نہ ہو۔[116]

اور اس سے ملا علی قاری نے امام اعظم کا یہ مسلک مقرر فرمایا ہے کہ

حاصلہ انہ لم یجوز الروایہ بالمعنی و لو کان مرادفاً للمبنی خلافاً للجمہور من المحدثین

ترجمہ:۔ امام اعظم روایت بالمعنی کو ناجائز کہتے ہیں چاہے وہ مرادف الفاظ ہی میں کیوں نہ ہو یہ جمہور محدثین کے خلاف ہے۔[117]

یہی قرین قیاس ہے کیونکہ وہ جب یہ پابندی لگاتے ہیں کہ جب تک روایت سننے کے دن سے بیان کرنے تک زبانی یاد نہ ہو روایت بیان نہ کرے اور وہ حفظ کے ساتھ یہ قید بھی اضافہ کرتے ہیں کہ راوی روایت کا حافظ ہونے کے ساتھ عارف بھی ہو تو وہ یہ کب گوارا کر سکتے ہیں کہ روایت کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ بلکہ امام اعظم نے تو اس میں اتنی شدت اختیار کی ہے کہ اگر حفظ و معرفت کا سرمایہ راوی کے پاس نہ رہا ہو چاہے وہ روایت باللفظ ہی ہو لیکن راوی کو یاد نہ ہو مگر لکھی ہوئی اس کے پاس موجود ہو تو صرف کتاب کے سہارے راوی کو روایت کی اجازت نہیں دیتے چنانچہ امام نووی رقم طراز ہیں۔

اذا وجد سماعہ فی کتابہ و لا یذکرہ فعن ابی حنیفہ و بعض الشافعیہ لا یجوز روایتہ

ترجمہ:۔ اگر حدیث راوی کے پاس کتاب میں لکھی ہوئی ہو لیکن اسے زبانی یاد نہ ہو تو امام ابو حنیفہ اس کی روایت کرنے کا جائز نہیں سمجھتے۔[118]

اس سے محدث قاری ہی کی تائید ہوتی ہے خطیب بغدادی نے یحییٰ بن معین کا جو بیان لکھا ہے اس سے امام اعظم ؒ کے اس موقف پر جس کی نشاندہی ملا علی قاری نے کی ہے مزید روشنی پڑتی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا کہ اگر کسی شخص کے پاس اپنی لکھی ہوئی حدیث ہو لیکن وہ اسے زبانی یاد نہ ہو تو کیا کرے؟ فرمایا کہ ابو حنیفہ تو یوں فرماتے ہیں کہ جس حدیث کا آدمی حافظ اور

عارف نہ ہو اسے بیان نہ کرے۔[41]

ظاہر ہے کہ حفظ کا الفاظ سے اور معرفت کا معانی سے ہی تعلق ہے یعنی راوی کو الفاظ بھی محفوظ ہونے چاہیں اور الفاظ کے ساتھ معانی بھی اس کے جانے پہچانے ہوں۔ اس قید اور پابندی کے پیش نظر روایت بالمعنی کی امام اعظم کے یہاں کب گنجائش ہو سکتی ہے۔ صاحب کشف الاسرار نے اسی کو عزیمت قرار دیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

العزیمۃ ان یحفظ المسموع من وقت السماع والفھم الی وقت الاداء وھذا مذھب ابی حنیفہ فی الاخبار والشھادہ

ترجمہ :- عزیمت یہی ہے کہ سنی ہوئی بات کو سننے اور سمجھنے کے وقت سے نقل روایت کے وقت تک یاد رکھے یہی اخبار و شہادت میں ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔[42]

اور عزیمت کے مقابلے میں رخصت بتا کر جس چیز کا ذکر کیا ہے وہ محدثین کی رخصت نہیں بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کوئی حدیث معلوم ہو اور اس سے کوئی شخص علمی استفادہ کرنا چاہتا ہے تو یہ اپنے جواب میں حضور انور ﷺ کے ارشاد کو اپنے الفاظ میں پیش کر سکتا ہے بشرطیکہ اسے ارشاد نہ صرف یاد ہو بلکہ اسے پورے طور پر سمجھے ہوئے بھی ہو لیکن اس میں بنیادی شرط یہ ہے کہ

اول:- ارشاد کا تعلق محکمات سے ہو۔

دوم:- بیان کرنے والا وجوہ لغت سے آشنا ہو' اس کا منشا یہ ہے کہ اگر ارشاد عام ہو تو پھر اس میں روایت بالمعنی کی اجازت نہیں ہے۔ ایسے ہی اگر ارشاد مشکل' مشترک اور مجمل کا حامل ہو تو پھر روایت بالمعنی کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی رقم طراز ہیں۔

والرخصہ ان ینقلہ بمعناہ فان کان محکما لا یحتمل غیرہ یجوز نقلہ بالمعنی لمن لہ بصیرہ فی وجوہ اللغہ وان کان ظاہرا یحتمل غیرہ فلا یجوز نقلہ بالمعنی الا للفقیہ المجتھد و ماکان من جوامع الکلم او المشکل اور المشترک او المجمل لا یجوز نقلہ بالمعنی للکل

ترجمہ :- رخصت یہ ہے کہ حدیث میں روایت بالمعنی کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ محکم ہو اور روایت کرنے والا لغت و زبان کی گہرائیوں سے واقف ہو اور اگر حدیث عام ہو تو پھر بالمعنی

روایت غیر مجتہد کے لئے جائز ہے۔ ایسے ہی وہ حدیثیں جن میں جوامع الکلم، مشکل، مشترک اور مجمل آئے ہوں ان سب میں روایت بالمعنی ناجائز ہے۔[201]

فقیہ مجتہد کی قید بھی یہ بتانے کے لئے لگائی ہے کہ وہ فتویٰ میں روایت کے معانی کو اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہے اس موقعہ پر حافظ ابن حزم بڑی عمدہ بات لکھ گئے ہیں۔

حضور انور ﷺ کی حدیث کا حکم تو یہی ہے کہ اس کی روایت باللفظ ہونی چاہیے۔ کسی حالت میں کسی قسم کا کوئی تغیر تبدل نہ ہو صرف ایک صورت میں روایت بالمعنی کر سکتا ہے اور وہ یہ کہ راوی حدیث کا حافظ ہو۔ اور ساتھ ہی حتمی طور پر اس کے معانی سے بھی پورا واقف ہو۔ اس حالت میں اگر اس سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے تو یہ مفتی کی حیثیت میں حدیث کے معنی اور مدلول کو جواب میں اپنے الفاظ میں پیش کر سکتا ہے یا کسی سے مباحثہ کر رہا ہو موقعہ استدلال میں اپنے لفظوں میں حدیث کے معنی پیش کر سکتا ہے۔ یہی قرآنی آیات کا حکم ہے اس حد میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اگر راوی ہونے کی حیثیت میں حدیث بیان کرے اور ارشاد کی حضور انور ﷺ کی طرف نسبت کرے تو اس کے لئے ناگزیر ہے۔ کہ الفاظ نبوی ویسے ہی پیش کرے جیسے سنے ہیں۔ اس میں حرف کی بھی تبدیلی جائز نہیں ہے چاہے الفاظ میں معنوی ترادف بھی ہو۔[202]

میں سمجھتا ہوں کہ ملا علی قاری نے امام اعظم کے مذہب کی اس موضوع پر جو نقاب کشائی کی ہے۔ اس کا مفاد بھی قریب قریب یہی ہے اور فقہاء اصولیین نے روایت بالمعنی میں جو رخصت دی ہے ان کا منشاء بھی اسی قسم کی رخصت کی نشاندہی ہے۔ بہرحال امام اعظم، امام مالک اور خطیب بغدادی کے الفاظ میں سلف کی اکثریت کا مذہب یہی ہے۔ لیکن بعد کو محدثین اس کی پابندی نہ کر سکے اور انہوں نے پہلے کتابت کے سہارے حفظ کی گرفت کو ڈھیلا کیا۔ بعد ازیں رُوی سے معرفت کی قید کو یہ کہہ کر ہٹایا کہ عارف ہو یا نہ ہو حدیث روایت کر سکتا ہے اور معلوم ہے کہ الفاظ کی نگرانی اگر حفظ کے ذریعے ہوتی ہے تو معانی کی حفاظت کا واحد ذریعہ معرفت ہے۔ لیکن محدثین کو اس میں شدت معلوم ہوئی تاآنکہ حافظ سیوطی نے برملا اس کی سنگینی کا یہ کہہ کر شکایت کی۔

هذا مذهب شديد قد استقر العمل على خلافه

ترجمہ:- یہ مذہب بہت سخت ہے محدثین کا عمل اس کے خلاف ہے۔

اور اس شکایت کے بعد انہوں نے واشگاف لفظوں میں اقرار کیا کہ

لعل الرواة فی الصحیحین ممن یوصف بالحفظ لا یبلغون النصف

ترجمہ :۔ شاید صحیحین کے نصف راوی بھی حفظ کی قید پر پورے نہ اتریں۔

اس کے بعد محدثین کے بارگاہ میں روایت بالمعنی کی بھی اجازت دے دی گئی ہے اس سلسلے میں محدثین کی تصریحات یہ ہیں۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

> اگر راوی عالم ہو الفاظ اور اس کے مدلولات سے واقف ہو۔ جمہور علماء نے روایت بالمعنی کو جائز قرار دیا ہے اور اسی پر عمل ہے[203]

حافظ ابو بکر الخطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

> جمہور فقہاء کہتے ہیں عالم بمواقع الخطاب کے لئے روایت بالمعنی جائز ہے اور علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ جاہل بمواقع الخطاب کے لئے یہ ناجائز ہے[204]

حافظ ابن الصلاح رقم طراز ہیں۔

> صحیح یہی ہے کہ سب صورتوں میں روایت بالمعنی جائز ہے بشرطیکہ راوی عالم ہو[205]

امام نووی فرماتے ہیں۔

> جمہور سلف اور خلف مختلف گروہوں میں سے کہتے ہیں کہ سب میں روایت بالمعنی جائز ہے جب کہ قطعی طور پر معنی کی ادائیگی کر سکتا ہو[206]

علامہ الجزائری نے اس موقعہ پر جو بیان قلم بند کیا ہے اس سے پوری صورت حال واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

> علماء کا ایک گروہ تو یہ کہتا ہے کہ روایت بالمعنی مطلقاً ناجائز ہے۔ یہی اکثر محدثین، فقہاء اور اصولیین اور ظاہریہ کا مذہب ہے عبداللہ بن عمر اور تابعین کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے استاد ابو اسحاق اسفرائنی اور ابو بکر رازی کا بھی یہی کہنا ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ امام مالک کا بھی صحیح مذہب یہی ہے۔ اور امام مالک کا یہ ارشاد کہ لا اکتب الا عن رجل یعرف ما یخرج من راسہ (میں صرف اس شخص کی روایت قلم بند کرتا ہوں جو اپنے منہ سے نکلی ہوئی

بات کو جانتا ہے) اسی کا موید ہے کیونکہ یہ بات آپ نے اس سوال کے جواب میں فرمائی تھی کہ آپ نے زمانہ پانے کے باوجود بہت سے لوگوں سے روایت کیوں نہیں لی؟ نیز امام مالک نے اپنے بہت سے لوگوں سے بھی روایت نہیں لی ہے جو فضل و تقویٰ میں مشہور تھے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ یہ اکابر اپنی حدیثوں کے عارف نہ تھے۔ امام بیہقی اور خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے کہ امام مالک حدیث میں روایت بالمعنی کے جواز کے قائل نہ تھے۔ اور باقی میں اسے درست سمجھتے تھے۔ بعض بزرگوں نے روایت بالمعنی میں اتنا تشدد اختیار کیا ہے۔ کہ وہ حرف کی تبدیلی کو بھی گوارا نہیں کرتے چاہے وہ مرادف ہی کیوں نہ ہو اور کلمات کی تقدیم و تاخیر کو بھی پسند نہیں کرتے بلکہ بعض تو مشدد کو مخفف اور مخفف کو مشدد کرنے سے بھی روکتے ہیں۔ اور ان کا موقف یہ ہے کہ اگر روایت میں کسی درجے میں بھی تبدیلی ہو گی تو اس سے راوی اس وعید کا مصداق ہو جائے گا۔ جو اس سلسلے میں آئی ہے اور اس لئے بھی روایت بالمعنی درست نہیں ہے کہ حضور انور ﷺ کی ذات گرامی جوامع الکلم کی صفت سے موصوف ہے اور آپ کے سوا دوسرا کوئی خواہ فصاحت و بلاغت کے کتنے ہی اونچے مقام پر ہو حضور انور ﷺ کی گرد پا کو بھی نہیں پا سکتا۔ یہ امرواقعہ ہے کہ بسا اوقات روایت بالمعنی کرنے والا اپنی جگہ مطمئن ہوتا ہے کہ اس نے معنیٰ کا حق ادا کر دیا لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوتا اس کا احادیث میں مشاہدہ ہو سکتا ہے مثال کے طور پر امام شعبہ کا حدیث میں جو مقام ہے وہ سب ہی جانتے ہیں لیکن شعبہ ہی نے جب اسماعیل بن علیہ سے یہ حدیث سنی کہ نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یتزعفر الرجل اسے اپنے لفظوں میں اس طرح پیش کیا کہ نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن التزعفر' تو معاملہ کہیں کا کہیں پہنچ گیا۔ شعبہ کی روایت بالمعنی نے ایک عمومی ضابطہ کی صورت اختیار کر لی جب کہ اسماعیل کی روایت اسے مردوں سے مخصوص بنا رہی تھی۔ معاملہ میں کتنی بڑی نزاکت ہے اور نزاکت بھی ایسی کہ شعبہ جیسا امام فن محسوس نہ کر سکا۔ لیکن اسماعیل نے تاڑ لی اور شعبہ کو بتا دیا۔[207]

اور پوری وضاحت اور قوت سے یہ بات لکھنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ

کان ینبغی ان یکون ھذا المذہب ھو الواقع و لکن لم یتفق ذالک

ترجمہ:۔ اچھا تو یہی تھا کہ یہی مسلک اختیار کیا جاتا مگر ایسا نہیں ہوا ہے۔

ایسا نہیں ہوا تو پھر کیا ہوا؟ یہ بھی ان کی زبانی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں۔

ذہب جمہور العلماء الی جواز الروایہ بالمعنی لمن یحسن ذالک بشرط ان یکون جازما بانہ ادی معنی اللفظ۔

ترجمہ:۔ جمہور علماء نے روایت بالمعنی کے جواز کو اپنا لیا ہے بشرطیکہ راوی کو مطلب کی ادائیگی پر یقین ہو اور اسے اس کا ڈھنگ آتا ہو[208]

بے محل نہ ہو گا اگر اس موقعہ پر سنہ 542ھ کے ایک محقق علامہ ابن عطیہ کی رائے پر بھی نظر ڈال لی جائے حدیث میں روایت بالمعنی کے جواز نے جو عام شکل اختیار کر لی تھی اس پر بحث کرتے ہوئے یہ قابل مصنف رقم طراز ہے

روایت بالمعنی میں یہ اختلاف صرف زمانہ صحابہ تک ہے۔ صحابہ کے علاوہ کسی کے لئے بھی روایت بالمعنی کی گنجائش نہیں ہے چاہے راوی معنی کو اپنے الفاظ میں کیسے ہی بھرپور انداز میں پیش کرے۔ اگر ہم صحابہ کے بعد اوروں کے لئے بھی اس کی گنجائش پیدا کر لیں تو ہم حدیث کی روایت پر اعتماد نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ ہر ایک ہمارے زمانے تک منقول میں تبدیلی کرتا ہے اور اپنی رائے سے حرف کی جگہ حرف لے آتا ہے اس طرح خبر خبر نہیں رہتی صحابہ کا معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے ان میں دو اہم خصوصیتیں ہیں۔ ایک فصاحت و بلاغت کیونکہ ان کی جبلت عربی ہے اور ان کی زبان میں صحیح سلیقہ ہے۔ دوسرے یہ کہ صحابہ نے حضور انور ﷺ کے قول و فعل کو آنکھوں سے دیکھا ہے۔ مشاہدہ معنے کے سمجھنے میں معین و مددگار ہوا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مخبر اور معاین میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ صحابہ احادیث میں جو یہ تعبیر اختیار کرتے ہیں کہ امر رسول اللہ ﷺ اور نھی رسول اللہ ﷺ ھکذا۔ تو حضور کے الفاظ ذکر نہیں کرتے بات حضور ﷺ کی ہوتی ہے اور الفاظ کا جامہ صحابہ کا ہوتا ہے۔ یہ خبر بالکل صحیح ہوتی ہے۔ اس میں کسی انصاف پسند کے لئے شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے[209]

اس حد تک دوسری صدی کے محققین میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ بات صحابہ کی حد تک ایک عقلی

ضابطہ کی بات ہے واقعی یہ بہترین مسئلہ کا حل ہے اور اس میں کبھی بھی دو رائیں نہیں ہوئی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ہوا کیا؟ کیا فی الواقع روایت بالمعنی حدیث میں صحابہ تک محدود رہی ہے؟ افسوس ہے کہ اس کا جواب محدثین کے یہاں نفی میں ہے۔ عربی تو عربی عجمی اور مولدین راویوں نے احادیث کو بالمعنی روایت کیا ہے حتی کہ عربی ادب اور علماء بلاغت کے یہاں حدیث کی زبان بھی اس وجہ سے حجت و استدلال کی زبان نہ رہی۔ حافظ جلال الدین السیوطی نے اس پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

حضور انور ﷺ کا کلام تو زبان کی حد تک اس کے صرف اس حصے سے استدلال کیا جا سکتا ہے جس کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ روایت باللفظ ہوئی ہے اور یہ حدیث میں بے حد کم اور نادر ہے "و ذالک نادر جدا" صرف چند گنتی کی چھوٹی چھوٹی حدیثوں کو چھوڑ کر اکثر حدیثوں کی روایت بالمعنی ہے اور یہ روایت بالمعنی بھی عجمیوں اور مولدین کے ہاتھوں تدوین حدیث سے پہلے ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے اسے اپنے انداز میں اپنی عبارت میں روایت کی ہے۔ انہوں نے کمی بیشی بھی کی ہے۔ اور تقدیم و تاخیر بھی اور الفاظ کی تبدیلی بھی۔[210]

اور اس آخری دور میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے بھی تشریح کی ہے کہ

جمهور الرواة كانوا يعتنون بروس المعانى لا بحواشيها

ترجمہ:- عام راوی صرف روایت بالمعنی کرتے ہیں اور بس۔[211]

بلکہ علامہ جزائری نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ

روایت بالمعنی پر مشتمل حدیث سے صرف اصل مسئلہ پر استدلال کیا جا سکتا ہے کسی کلمہ کی حدیث میں تقدیم و تاخیر یا حروف عطف وغیرہ سے کوئی استدلال نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی الفاظ اور ان کی ترکیب سے بھی کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ روایت بالمعنی کرنے والے راویوں کی اکثریت نقل روایت میں اس کا نہ کوئی اہتمام کرتی ہے اور نہ لحاظ بلکہ احادیث کے کچھ راوی تو ایسے ہیں جن کو عربی زبان سے بھی پوری واقفیت نہیں چہ جائے کہ زبان اور ادب کے اسرار و لطائف سے۔[212]

ہمیں چاہیے کہ معاملے کے اس پہلو پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔

یقیناً" اگر روایت بالمعنی کا دائرہ کار صرف صحابہ تک ہی رہتا تو معاملہ میں اتنی سنگینی نہ آتی جس قدر السیوطی، الجزائری اور حکیم الامت نے محسوس کی ہے۔ کہ روایت بالمعنی کی وجہ سے حدیث کی زبان حجت نہ رہی اور حدیث میں انداز کلام اور پیرایہ بیان سے استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ صحابہ بہرحال عرب تھے ان کو لسانی لطافتوں اور نزاکتوں کے ساتھ متکلم کے مذاق سخن سے بھرپور واقفیت تھی۔ ان کے دلوں پر حضور انور ﷺ کی شخصیت کا بڑا گہرا اثر تھا۔ ان کے لئے آپ کی بات اور آپ کے واقعات و حالات کی حیثیت عام انسانی وقائع جیسی نہ تھی۔ وہ آپ کی ایک ایک تقریر ایک ایک گفتگو اور آپ کی زندگی کے ایک ایک عمل سے وہ علم حاصل کر رہے تھے جو ان کو اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا تھا وہ خود جانتے تھے کہ ہم اس سے پہلے جاہل تھے اور یہ پاکیزہ ترین شخصیت ہمیں علم کی دولت سے مالا مال کر رہی ہے۔ اس لئے وہ آپ کی ہر بات کو پوری توجہ سے سنتے اور آپ کے ہر کلم کو دیکھتے تھے کیونکہ ان کو اپنی زندگی میں اسی کی پیروی کرنی تھی ظاہر ہے کہ اس احساس کے ساتھ آدمی جو کچھ سنتا اور دیکھتا ہے اسے سمجھنے اور یاد رکھنے میں وہ سہل انگاری سے کام نہیں لے سکتا۔ وہ قرآن کی رو سے یہ بھی جانتے تھے اور نبی اکرم ﷺ کے بار بار متنبہ کرنے سے بھی ان کو اس کا شدید احساس تھا کہ نبوت کے ذمہ جھوٹ تراشنا ایک سنگین گناہ ہے وہ اپنے اندر اس بات کی بہت بڑی ذمہ داری محسوس کرتے تھے کہ بعد کے آنے والوں تک حضور انور ﷺ کے حالات اور آپ کی ہدایت و تعلیمات کو پہنچانا قرآن کا عائد کردہ فریضہ ہے۔

لتکونوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا" 213

اسی وجہ سے صحابہ کے حالات میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں کہ حدیث بیان کرتے ہوئے وہ کانپ جاتے تھے ان کے چہرے کا رنگ فق ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے ابو عمرو شیبانی کی زبانی حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے بارے میں انکشاف کیا ہے کہ

> میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس بیٹھتا سال سال بھر کبھی زبان پر قال رسول اللہ نہ آتا۔ اگر کبھی آتا تو کپکپی طاری ہو جاتی اور فرماتے کہ حضور ﷺ نے یوں فرمایا یا اس جیسا یا اس کے قریب فرمایا۔ 214

پھر اکابر صحابہ خاص طور پر عام صحابہ کی احادیث روایت کرنے میں نگرانی کرتے ان کو روایت میں احتیاط کی تلقین کرتے تھے۔ امام ذہبی نے حضرت ابو بکر کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ احادیث میں احتیاط اور تحری کی تلقین کرتے تھے۔

حضرت فاروق اعظم کے متعلق بھی یہ انکشاف کیا ہے کہ انہوں نے محدثین کے لئے نقل روایت میں احتیاط کی شاہراہ قائم کی ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں خاص طور پر لکھا ہے کہ:

فقد زجر الامام علی عن روایه المنکر و حث علی التحدیث بالمشہور

ترجمہ :- حضرت علی نے منکر روایت سے منع کیا ہے۔ اور مشہور روایات کو بیان کرنے کی ترغیب دی ہے۔[215]

اور ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ زمانہ صحابہ میں حضور انور ﷺ کی احادیث کا بہت بڑا حصہ وہ تھا جس کی حیثیت محض زبانی روایات کی نہیں تھی بلکہ صحابہ کے معاشرے میں ان کی شخصی زندگیوں میں' ان کی معیشت اور حکومت و عدالت میں اس کی پوری حکمرانی تھی اور عملاً" نافذ تھی۔ اس کے آثار و نقوش ہر طرف لوگوں کو چلتے پھرتے نظر آتے تھے پورا معاشرہ اس کو استعمال کرتا تھا۔ فقہاء کی زبان میں اسی کا نام السنۃ ہے اور حدیث اسی کی تاریخ ہے اور یہ السنہ ہی زمانہ تابعین میں حدیث کی صحت کا ایک معیاری پیمانہ تھی۔

حافظ ذہبی نے دور تابعین کے بارے میں طبقہ خامسہ کے آخر میں جو نوٹ لکھا ہے اس کو پڑھ کر آپ دور صحابہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

مسلمان عزت و برتری میں اور علم کی گہرائی میں بہت اونچے مقام پر تھے جہاد کے پھریرے لہرا رہے تھے۔ سنتیں شاہراہ عام پر تھیں۔ اور بدعتیں سرنگوں۔ اعلان حق کرنے والوں کی کثرت تھی۔ عبادت گزاروں کا ہجوم تھا۔ پوری انسانیت زندگی میں سکھ اور چین کا سانس لے رہی تھی۔ اسلامی فوجیں اقصائے مغرب میں جبرالٹر' حبشہ اور ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھیں۔[216]

یہ دور تابعین کی نقاشی ہے صحابہ تو پھر صحابہ ہیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

بہرحال صحابہ کی ذات گرامی کا موضوع بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر روایت بالمعنیٰ کا دائرہ کار صحابہ کرام تک ہی محدود رہتا تو شاید معاملہ میں اتنی سنگینی ہرگز نہ آتی اسی بنا پر امام اعظم کے نزدیک روایت باللفظ کا اعتباری مقام صحابہ کے بعد ہے۔ چنانچہ ان کے یہ الفاظ صراحۃ" اس کی دلیل ہیں کہ

لا ینبغی للرجل ان یحدث من الحدیث الا بما حفظہ من یوم سمعہ الی یوم

یحدث بمہ[217]

سوال تو صحابہ سے لینے کے بعد روایت کرنے والوں کا ہے کیا ان کے لئے بھی روایت بالمعنی کی گنجائش ہے کہ جب کہ ان میں عجمی اور مولدین بھی ہیں۔ اس بارے میں امام اعظم کا موقف وہی ہے جو ملا علی قاری نے پیش کیا ہے۔ اگرچہ محدثین کے دربار سے اس پر تشدید کا آوازہ کسا گیا ہے لیکن فی الحقیقت تاریخ السنتہ کی یہ بڑی ہی درد انگیز بے انصافی ہے۔ جو حدیث کے اس عظیم الشان امام کے ساتھ جائز رکھی گئی ہے۔ جس طرح بے درد نکتہ چینیوں نے اس سمجھنے کی کوشش نہیں کی اسی طرح معتقدوں نے بھی اس کے فہم و بصیرت سے حدیث میں بے رخی اختیار کر لی۔

اوروں کا پتہ نہیں مگر میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ فخرالسلام بزدوی نے ضبط کی تشریح کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے کہ

> ضبط کا مفہوم یہ ہے کہ کلام کو ایسے طریق سے سنا جائے جیسے سننے کا حق ہے پھر اس کی مراد کو سمجھا جائے پوری کوشش سے اسے یاد کیا جائے پھر اس کی حفاظت کر کے اس کی پابندی کی جائے اور اسے ادا کرتے وقت اس کے مذاکرہ کا اہتمام کرتے رہنا چاہیے مبادا وہ ذہن سے اتر جائے۔[218]

تو اس سے ان کا مقصود بھی یہی سمجھانا ہے کہ ضبط میں الفاظ کا یاد رکھنا' ان کی حفاظت کرنا بنیادی شرط ہے۔ اس لئے یہ ایک بے غبار حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک روایت بالمعنی کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔ اور فخرالاسلام ہی سے روایت بلامعنی پر شدید پابندی جو حافظ ابن الاہمام نے نقل کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

> والعزیمہ فی الاداء باللفظ و الرخصہ معناہ بلا نقص و زیادہ للعالم باللغہ و مواقع الالفاظ و قال فخر الاسلام الا فی نحو المشترک و المجمل و المتشابہ بخلاف العام والحقیقت المحتملتین للخصوص و المجازا ماالمحکم منہما فتکفی اللغہ
>
> ترجمہ :- عزیمت تو روایت میں باللفظ ہی ادائیگی ہے اور رخصت روایت بالمعنی ہے بشرطیکہ راوی زبان دان اور مواقع الفاظ سے واقف ہو اور کمی زیادتی نہ کرنے اور فخرالاسلام نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ روایت کی تعلق مجمل' مشترک اور متشابہ سے نہ ہو ہاں اگر عموم و خصوص ہو تو

اس سے مستثنیٰ ہے اور محکم اگر ہو تو صرف زبان داں ہونا کافی ہے۔[219]

دوسرے اصولیین بھی فخر الاسلام کے ہمنوا ہیں سعد الدین تفتازانی اور اصول بزدوی کے شارح علامہ عبدالعزیز بخاری نے بھی اسی قسم کی تصریح کی ہے۔

حدیث کے اصطلاحی الفاظ:۔ زمانہ قدیم میں آج کل کی طرح آلات مکبر الصوت نہیں تھے لہٰذا بڑی بڑی درسگاہوں میں جہاں ہزاروں کی تعداد میں سامعین ہوتے تھے آواز کو منتقل کرنے کے لئے سامعین مناسب مقامات پر مقرر کئے جاتے تھے اس طریقہ کی وجہ سے محدثین میں اختلاف پیدا ہوا کہ جس نے مستملی کی آواز کو سن کر حدثنا کہا وہ حدیث کو شیخ کی طرف منسوب کر سکتا ہے؟ امام صاحب کہتے ہیں کہ نہیں کر سکتا بلکہ اس شخص کو اخبرنا کہنا چاہیے حافظ ابو نعیم، فضل بن وکیع، زائد بن قدامہ، حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ امام صاحب کا مسلک صحیح ہے یہاں بھی امام صاحب نے روایت بالمعنی کے پیش نظر ایسا کیا تھا کیونکہ سامعین روایت بالمعنی بھی کر دیتے تھے۔ لیکن جو لوگ روایت بالمعنی کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے یہاں حدثنا اور اخبرنا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی وجہ سے امام حسن نے متعدد روایتوں میں حدثنا ابو ہریرہ کہا ہے حالانکہ ان کی ابو ہریرہ ؓ سے ملاقات نہیں ہے ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے یہ حدیث بیان فرمائی تو میں اس جگہ موجود نہ تھا اس شہر کے دوسرے باشندوں سے سن کر میں نے حدثنا کہا ہے امام حسن بصری کی اس بات کو دوسرے محدثین نے بھی اختیار کیا حالانکہ یہ بات صراحتاً غلط ہونے کے علاوہ درمیان کے راوی کے بارے میں اشتباہ پیدا کرتی ہے اس وجہ سے امام صاحب اس طریقہ کو ناجائز کہتے ہیں۔

مجہول اور ضعیف راویوں سے روایت:۔ شاید آپ یہ خلش محسوس کریں کہ امام اعظم نے جن سے روایات لی ہیں ان میں کچھ مجہول ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کی بعد میں آنے والے محدثین نے تضعیف کی ہے، اسے بنیاد بنا کر کہنے والوں نے مختلف باتیں بنائی ہیں۔

آج سے بہت پہلے شیعہ حلقوں کی جانب سے یہ آواز اٹھائی گئی کہ چونکہ امام اعظم ضعیف راویوں سے روایت کرتے ہیں اس لئے ان کی ذات گرامی حدیث و روایت کے بازار میں کوئی معیاری حیثیت کی مالک نہیں ہے اور یہ امام موصوف کی قلت حدیث کی دلیل ہے۔ خود ان کے الفاظ یہ ہیں۔

اما الحدیث فلانہ کان یروی عن المضعفین و ما ذالک الا لقلۃ علمہ بالحدیث[220]

چونکہ یہ دعویٰ جس بنیاد پر کیا گیا ہے وہ بہت بڑا دھوکہ اور فریب ہے اس لئے میں پہلے اس فریب کا دامن

چاک کر کے ناظرین کو اصل حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔

اصل یہ ہے کہ راویوں کی تضعیف و توثیق ایک اجتہادی چیز ہے۔ ایک شخص ایک کی رائے میں ضعیف ہے اور وہی دوسرے کے خیال میں ثقہ ہے۔ اسی بنا پر حافظ سخاوی نے حافظ ذہبی کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے۔

اس فن کے علماء میں دو کا کبھی کسی ایک ضعیف کے ثقہ ہونے پر یا ایک ثقہ کے ضعیف ہونے پر اتفاق نہیں ہوا ہے۔[221]

بادی النظر یہ ایک مبالغہ آمیز دعوی ہے لیکن دو سے عدد مراد نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ سب کا اتفاق مشکل ہے اور یہ ایسا ہے جیسے ہم اردو میں بولتے ہیں کہ اس مسئلہ پر کبھی دو رائیں نہیں ہوئی ہیں۔ یہاں دو سے عدد مراد نہیں اختلاف کی نفی ہے۔ تضعیف و توثیق کے اجتہادی ہونے کی وجہ سے حافظ ذہبی نے اس فن میں لب کشائی کرنے والوں کی ایک سے زیادہ قسمیں قرار دی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو تخریج میں متشدد ہیں مگر توثیق میں معتدل ہیں۔ ایک دو غلطیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں یہ لوگ جس کسی شخص کی توثیق کریں تو اسے دانتوں سے دبالینا چاہیے اور اگر کسی کی تضعیف کریں تو دیکھنا چاہیے کہ اس معاملہ میں ان کا ہمنوا ہے اگر ہے اور اہل فن میں سے کسی نے اس کی توثیق نہ کی ہو تو یہ راوی بہرحال ضعیف ہے اور اگر کسی نے توثیق کی ہے تو پھر ایسے شخص کے بارے میں جرح مبہم ہرگز قبول نہ کی جائے[222] اور اسی بنا پر حافظ سخاوی نے امام نسائی کا یہ زرین فیصلہ نقل کیا ہے۔

لا یترک حدیث الرجل حتی یجتمع الجمیع علی ترکہ[223]

بتانا چاہتا ہوں کہ تضعیف و توثیق اگر منصوص نہیں بلکہ اجتہادی ہیں تو اس میں اختلاف رائے کی گنجائش ہے اور جب امام اعظم کے متعلق محدثین نے تصریح کی ہے کہ آپ فن جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ جیسا کہ آپ آئندہ اوراق میں پڑھیں گے۔ تو یہ کہنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے کہ امام اعظم کا علم حدیث میں پایہ اس لئے کم ہے کہ ان کی روایت کردہ حدیثوں میں کچھ راوی ضعیف بھی ہیں۔ یہ تو فکر و نظر کا اختلاف ہے ایک شخص ایک محدث کی نظر میں اگر ضعیف ہو تو ضروری نہیں ہے کہ وہ سب کی نظر میں ضعیف ہوں۔ یہ رجال کا سارا دفتر موجود ہے۔ اسے دیکھئے اور دیکھ لیجئے کہ راویوں کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کیسے کیسے مختلف خیال رکھتے ہیں۔

حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر فرماتے ہیں کہ

امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ روایت مجہول قابل پذیرائی ہے اور یہ صرف امام اعظم کا نہیں بلکہ اور بھی بہت سے اکابر کا یہی مسلک ہے[221]

(17) علم اسناد و روایت میں مجہول کا مسئلہ

مجہول کا مسئلہ علم اسناد و روایت کا ایک اہم ترین مسئلہ ہے اس لئے ہم اس کے بارے میں اپنے ناظرین کی ضیافت طبع کی خاطر ذرا سی تفصیل پیش کرتے ہیں۔ مجہول کی تعریف خطیب بغدادی نے یہ کی ہے کہ

> محدثین کی زبان میں مجہول وہ شخص ہے جو علمی طلبگاریوں میں کوئی شہرت نہ رکھتا ہو۔ جس سے اہل علم روشناس نہ ہوں اور اس کی حدیث صرف ایک آدھ راوی کی وساطت سے آئی ہو۔ اگر ایک کی جگہ اس سے روایت کرنے والے دو ہوں تو جہالت تو ختم ہو جائے گی مگر عدالت ثابت نہ ہو گی[222]

حافظ ابن الصلاح نے خطیب کی اس تعریف پر اعتراض کیا ہے کہ اگر مجہول وہی ہے جس سے روایت کرنے والا ایک آدھ راوی ہو تو پھر صحیح بخاری میں ایک سے زیادہ ایسی حدیثیں ہیں جن کا راوی ایک کے سوا کوئی نہیں ہے مثلاً مرداس اسلمی کہ ان سے قیس بن حازم کے سوا کوئی اور راوی نہیں ہے۔ مسلم میں بھی ایسی بے شمار حدیثیں ہیں۔ کہ ایک کے علاوہ ان کا راوی کوئی نہیں ہے۔ صحیحین کے مولفین کا یہ طرز عمل بتا رہا ہے کہ اگر ایک بھی روایت کنندہ ہو تو مجہول مجہول نہیں رہتا۔

حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے خطیب کی تعریف پر یہ اعتراض کیا ہے کہ محدثین نے راوی کی ذات اور اس کی عدالت کے بارے میں نہ علم کی شرط لگائی اور نہ وہ یہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ عدالت کو بتانے والوں کی تعداد درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہو۔ اگر وہ ایسی کوئی شرط لگاتے تو دلائل ان کا قطعاً ساتھ نہ دیتے اور یہ شرط بے دلیل ہوتی۔ کیونکہ خبرواحد ظنی ہوتی ہے اور طبقات میں علمی مقدمات کی شرطیں بے سود اور بے محل ہیں۔ قوت دلیل کی روح تو یہی ہے کہ اگر اس سے ایک بھی روایت کرے اور وہ اس کی توثیق کر دے تو راوی سے جہالت کا دھبہ ہٹ جائے گا اور یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ خطیب نے مجہول کی تعریف میں دو چیزیں بلا دلیل اضافہ کر دی ہیں۔ ایک مجہول کی طلب علم میں

شہرت اور دوسرے اہل علم میں سے دو کا اس سے روایت کرنا' حافظ جلال الدین السیوطی نے خطیب اور ابن الصلاح کے اختلاف کا تذکرہ کر کے خطیب کی ہم نوائی کی ہے۔ اور ابن الصلاح کی بات کو یہ کہہ کر بے وقار کر دیا ہے کہ جن حضرات کو ابن الصلاح نے مثالاً" پیش کیا ہے وہ صحابہ ہیں اور صحابہ کی عدالت اتفاقی ہے۔ علامہ نووی بھی سیوطی کے ہم زبان ہیں۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ سیوطی اور نووی نے جس تار پر انگلی رکھی ہے یعنی یہ کہ یہ صحابہ ہیں اور صحابہ کی عدالت مسلم ہے۔ یہ خود ایک مستقل مسئلہ ہے کہ کیا صحبت کے ثبوت کے لئے صرف ایک کا روایت کرنا کافی ہے یا اس کے لئے ضروری ہے کہ روایت کرنے والے دو ہوں۔ اس سے ہٹ کر پھر بھی بات اپنی جگہ رہتی ہے یعنی اگر غیر صحابی سے روایت کرنے والا ایک ہو تو پھر بھی راوی معروف ہے یا مجہول۔ صحیح بخاری میں خود صحابہ کی ایسی بے شمار مثالیں ہیں جن سے روایت کرنے والے ایک ہیں۔

اگر خطیب ہی کی بات صحیح ہو تو پھر بھی بخاری و مسلم جیسی شخصیتیں بھی اس سے محفوظ نہیں۔ حافظ عسقلانی نے اصل اعتراض کی طرف توجہ نہیں فرمائی صرف عراقی کی مثالوں کی توجیہ کر کے خاموش ہو گئے۔

مجہول کی دو قسمیں

دراصل مجہول کی دو قسمیں ہیں۔ مجہول العین اور مجہول الوصف۔

مجہول الوصف دو طرح کا ہوتا ہے۔

ایک وہ جو ظاہر و باطن میں مجہول العدالۃ ہو۔ دوسرے وہ جو باطن میں مجہول اور ظاہر میں معروف ہو۔ ان میں ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں مجہول محدثین کے یہاں چند قسموں پر منقسم ہے۔

مجہول العدالہ ظاہراً" و باطناً"۔ اس کی روایت جماہیر محدثین کے نزدیک ناقابل قبول ہے دوسرا وہ جو باطن میں مجہول العدالۃ ہو مگر ظاہر میں معروف ہو اسی کا نام محدثین کی زبان میں مستور ہے۔ اس کی روایت قابل قبول ہے امام سلیم رازی کی بھی یہی رائے ہے اور حدیث کے مشہور مولفین کا راویوں کے بارے میں اسی رائے پر عمل بھی ہے۔ حافظ جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں کہ اگر راوی ظاہراً" و باطناً" مجہول العدالۃ ہو تو جمہور کے نزدیک اس کی روایت

ناقابل قبول ہے مگر محدثین ہی کی ایک جماعت اسے قبول کر لیتی ہے۔ روایت مستور کچھ محدثین کے یہاں قابل قبول ہے۔ ابن الصلاح نے اسی کو اپنایا ہے اسے اور نووی نے شرح المہذب میں اسی کی تصحیح کی ہے۔ جمال الدین اسنوی فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کے بارے میں بلوغ اور اسلام کا علم ہو جائے اور اس کی عدالت کا پتہ نہ ہو تو اس کی روایت قابل اعتماد نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کا فیصلہ ہے کہ ایسے شخص کی روایت قابل پذیرائی ہے لیکن ضروری ہے کہ وہ اپنے فسق میں معروف نہ ہو کیونکہ معروف الفسق بالاجماع مردود ہے۔

ابن السبکی نے جمع الجوامع میں لکھا ہے کہ مستور کی روایت امام ابو حنیفہ کے نزدیک قابل قبول ہے اور دوسرے محدثین کا خیال اس کے برعکس ہے۔

صاحب فواتح الرحموت فرماتے ہیں کہ مستور کی روایت جمہور کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے لیکن امام ابو حنیفہ نے غیر ظاہر روایت میں اس کو قبول کیا ہے یہی ابن خلکان کا مختار ہے۔

اختلاف عصرو زمان:۔ اگرچہ ہماری رائے میں یہ مسئلہ اختلاف عصرو زمان سے تعلق رکھتا ہے جن کے زمانے میں معاشرے میں عدالت غالب ہے وہ مستور کی روایت کو قبول کرتے ہیں۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے امام اعظم کے دور کے بارے میں لکھا ہے۔

ولا شک ان الغالب علی حملته العلم النبوی فی ذالک الزمان العدالته

اسی لئے موصوف نے العواصم' الروض الباسم اور تنقیح الانظار میں اور امیر محمد بن اسماعیل یمانی نے توضیح الافکار میں اسے پوری وضاحت اور دلائل سے ثابت کیا ہے مگر اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ اس مسئلہ کی اساس یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں عدل اصل ہے یا فسق؟ اور اگر عدل ہی اصل ہے تو پھر عدالت کیا ہے؟

حافظ ابن تیمیہ نے عدالت کو بھی اختلاف عصرو زمان کا مسئلہ قرار دیا ہے جیسا کہ الجزائری نے ان سے نقل کیا ہے ان کا پہلا فقرہ ہی یہ ہے۔

العدل فی کل زمان و مکان و قوم بحسبه

الغرض یہ موضوع بڑا طویل الذیل ہے کچھ ہو اتنی بات اتفاقی ہے کہ راوی کے لئے عدالت شرط ہے اور کفر مانع روایت ہے کلام صرف اس میں ہے کہ جن کی عدالت کا علم نہ ہو اس میں فیصلہ کن بات یہ ہے کہ اگر راوی اس دور سے تعلق رکھتا ہو جس میں عدالت غالب ہو تو اس کو روایت قابل اعتماد ہو گی۔ فخرالاسلام لکھتے ہیں۔

لان العدالہ اصل فی ذلک الزمان (۲۲)

امام اعظم کا زمانہ عدالت کا زمانہ ہے حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر فرماتے ہیں۔

یہ ایک بے غبار حقیقت ہے کہ زمانہ امام اعظم میں راویوں پر عدالت غالب تھی اوراس کی شہادت جناب رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ملتی ہے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (۲۳)

(18) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ضعفاء سے روایت ان کی تعدیل ہے

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام احمد کو اگر کسی مسئلہ پر حدیث نہ ملتی تھی تو ضعیف ہی پر عمل کرتے تھے اور اپنے مسند میں بھی اس قسم کی حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ امام موصوف کا یہ طرز عمل حدیث سے ناواقفیت کی بنا پر نہیں بلکہ غایت احتیاط کی وجہ سے ہے۔ حافظ ابن مندہ فرماتے ہیں کہ امام ابو داود کو جب کسی موضوع پر کوئی صحیح حدیث نہ ملتی تو ضعیف راویوں سے روایت لیتے ہیں ان محدثین کا یہ طرز عمل اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ ضعیف راویوں سے روایت لینا علم حدیث سے ناواقفیت ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ فن کار ہونے کی علامت ہے۔ جس حدیث کو یہ اکابر روایت کرتے ہیں اور نہ ان کی روایات کا درجہ باطل، موضوع، ساقط اور متروک کا ہے۔ ضعیف کہلاتی ہے جس کا راوی صادق تو ہو مگر حافظہ اور ضبط کی دولت سے مالا مال نہ ہو یا رویات کے رفع میں یا اسناد میں اضطراب ہو۔ یہی وہ حدیث ہے جس کے بارے میں علماء کے خیالات مختلف ہیں۔ اس میں تضعیف کا مدار راوی کا حافظہ ہے اس لئے امام اعظم کا ضعفاء سے روایت لینا فن ناآشنائی نہیں بلکہ فن کار ہونے کی دلیل ہے۔

بات آئندہ اوراق میں تفصیل سے آئے گی کہ امام اعظم صرف فقہ و حدیث کے امام نہیں بلکہ امام الجرح و التعدیل بھی ہیں اس لئے جن راویوں سے امام اعظم روایت کرتے ہیں یہ ان راویوں کی تعدیل ہے بعد میں آنے والے لوگوں نے اگر امام موصوف سے اپنے علم کی بنا پر ان راویوں کے بارے میں جرح کرکے اختلاف کیا ہے تو یہ ایسی کوئی وزنی بات نہیں ہے جس کو حدیث سے ناواقفیت کی بنیاد قرار دیا جائے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے اسے ذرا کھول کر سمجھایا ہے۔

جن راویوں سے امام اعظم نے روایات لی ہیں اور ان میں سے جن کی تضعیف کی گئی ہے ان کا ضعف اختلافی ہے اور ان کے بارے میں امام اعظم کا مسلک یہ ہے کہ یہ ضعیف نہیں ہیں اس لئے ان سے روایت میں کوئی قباحت نہیں اور اس معاملے میں امام اعظم منفرد نہیں ہیں دوسرے محدثین کا بھی طرزِ عمل کچھ ایسا ہی ہے اور تو اور امام بخاری اور مسلم بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ امام احمد کی حدیث میں جلالت شان سے کون واقف نہیں ہے مگر اس کے باوجود وہ ضعیف راویوں سے حدیثیں روایت کرتے ہیں[228]

بلکہ خود امام بخاری بھی ایسے حضرات سے روایت کرتے ہیں جن کی توثیق و تضعیف خود ائمہ حدیث کے نزدیک اختلافی ہے۔ حسن بن عمارہ کے حوالہ سے صحیح بخاری کی کتاب المناقب میں حدیث موجود ہے حالانکہ بتانے والوں نے بتایا ہے کہ

اطبقوا علی ترکہ[229]

ایک اور راوی اسید بن الجمال ہیں۔ ان سے امام بخاری نے کتاب الرقاق میں ایک حدیث روایت کی ہے مگر ان کا حال یہ ہے کہ نسائی متروک کہتے ہیں۔ یحیی بن معین نے ان پر جھوٹی حدثیں بنانے کی تہمت لگائی ہے۔ حافظ ابن حبان کا دعوی ہے کہ یہ نہ صرف مناکیر لاتا ہے بلکہ احادیث کی چوری بھی کرتا ہے حتی کہ مقدمہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے صاف لکھ دیا ہے کہ

لم ار لاحد توثیقا۔[230]

اور امام مسلم اپنی صحیح میں لیث بن مسلم جیسے ضعیف راوی سے حدیث لائے ہیں۔ اس بنیاد پر کیا کوئی عقل مند امام بخاری اور امام مسلم کو علم حدیث سے بے بہرہ اور ناآشنائے فن کہہ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، انصاف، انصاف۔

ذرا معاملے کے اس پہلو پر بھی غور فرمایئے کہ امام اعظم کے یہاں قرآن کے بعد اصل چیز سنت ہے اور مسائل کے اثبات کے لئے وہ سنت ہی کو استعمال کرتے ہیں اور سنت ہی کو وہ احادیث کی صحت کا معیار قرار دیتے ہیں اور جو حدیث سنت کے خلاف ہو اسے وہ شاذ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام ابو یوسف ایک مقام پر اس معیار کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں۔

احادیث میں بہتات ہو رہی ہے اور ایسی روایات نمایاں ہو رہی ہیں جو نہ معروف ہیں نہ ان کو فقہاء جانتے ہیں اور نہ وہ قرآن و سنت کے موقف ہیں اس لئے ایسی شاذ روایات سے بچ کر رہو اور ان حدیثوں کو اپناؤ جن کی پشت پر جماعتی عمل کی تائید ہو جو فقہاء کے یہاں معروف ہوں اور جو کتاب و سنت کے موافق ہوں۔[231]

(19) ضعیف روایات کا درجہ شواہد اور توابع کا ہے

اگر ایک مسئلہ امام اعظم کے یہاں سنت سے اس دور میں ثابت ہے جب کہ امام ذہبی کی تصریح کے مطابق السنن مشہورہ والبدع مکبوتہ سنتیں معاشرے میں عام ہیں تو پھر ان احادیث کے حیثیت امام اعظم کے یہاں صرف توابع اور شواہد کی ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر فرماتے ہیں۔

امام اعظم نے ضعفاء سے جو روایات لی ہیں ان کا درجہ شواہد اور متابعات کا ہے ورنہ نفس مسئلہ تو قرانی عموم سنت یا قیاس سے ثابت ہے۔ ثابت شدہ مسائل کے لئے ان روایات کو بطور شواہد پیش فرمایا ہے۔ یہی طرز عمل امام مالک کا بھی ہے۔ چنانچہ امام موصوف نے عبدالکریم بن ابی المخارق البصری کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر تمہید میں رقم طراز ہیں کہ عبدالکریم کا مجروح ہونا اتفاق ہے۔ ایسے ہی امام شعبہ نے باوجود جلالت قدر کے ابان بن ابی عیاش سے روایت لی ہے۔ حالانکہ موصوف نے خود ابان کی پوزیشن یہ بیان کی ہے کہ ابان کی روایت کے مقابلے میں مجھے گدھے کا پیشاب پی لینا گوارا ہے امام سفیان ثوری نے بعض لوگوں کے بارے میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ ان سے روایت نہ لی جائے اور جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ تو ان سے روایت لیتے ہیں فرمایا میں ان ہی احادیث کی ان سے روایت کرتا ہوں جن سے میں خود واقف ہوں۔ امام مسلم کی صحیح کو اٹھا کر دیکھئے وہ گاہ گاہ علو اسناد کی خاطر صحیح سند کو چھوڑ کر ضعیف سند سے روایت لیتے ہیں۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ علم حدیث کو فن کاروں کا ضعفاء سے روایت لینا ناآشنائے فن ہونے کی نہیں بلکہ امام فن ہونے کی علامت ہے۔[232]

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس بنیاد پر امام اعظم کو ناآشنائے فن قرار دیتے ہیں وہ خود علم حدیث کی گہرائیوں سے ناآشنا ہیں۔ اگر ان کو فنی واقفیت ہوتی تو ان کی زبان قلم پر ایسی غیر ذمہ دارانہ بات ہرگز نہ آتی۔ یہاں بھی حافظ محمد ابن ابراہیم الوزیر پتے کی بات فرما گئے ہیں۔

امام اعظم اس فن کے مشہور حفاظ میں سے تھے۔ صرف اتنی بات ہے کہ عمر رسیدہ ہونے کے بعد آپ کے حافظہ میں پہلے جیسی قوت نہ تھی اور آخر عمر میں قوت نہ رہنا صرف امام اعظم کی خصوصیت نہیں ہے اس میں دوسرے ائمہ بھی امام اعظم کے شریک ہیں۔ یہ نہ کوئی عیب ہے اور نہ ان کی شان اجتہاد اور محدثانہ مقام پر کوئی حرف ہے۔ امام الحسن بصری' ابو قلابہ' ابو العالیہ اور امام عطاء کے مقابلے میں سعید بن المسیب' محمد بن سیرین اور ابراہیم نخعی کی حدیثیں زیادہ صحیح ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے سوا اوروں کا علم مخدوش ہے امام اعظم کی احادیث پر جن محدثین نے کلام کیا ہے اس کا منشاء بھی قوت حفظ ہے۔ نادان سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے علم حدیث اور اجتہاد پر حرف گیری ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مقابلے میں فلاں کا حافظہ تیز ہے۔۔ لیکن صرف حافظہ کی قوت نہ سرمایہ فضیلت ہے اور نہ علمی تفوق و برتری کی نشانی ہے آخر صحابہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حافظ حدیث کون ہو گا لیکن صحابہ میں اعلم' افقہ اور افضل حضرت ابو ہریرہ نہ تھے۔[233]

دس پر حافظ ابن القیم نے الوابل الصیب میں ایک مفید اور کار آمد نصیحت لکھی ہے فرماتے ہیں

حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا باہم فتاوی میں کیا مقابلہ۔ حضرت ابو ہریرہ بے شک حافظ حدیث ہیں۔ اور تمام امت میں علی الاطلاق حافظ ہیں حدیث کو جیسے سنا بیان کر دیا۔ ان کی ساری تگ و دو کا مرکز صرف روایات تھا۔ برخلاف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کہ ان کی تمام تر ہمت تفقہ اور استنباط مسائل پر مرکوز تھی۔[234]

اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس حبر الامہ اور ترجمان ہیں مگر ان کی ساری ان حدیثوں کی تعداد جن میں دید و شنید کی تصریح ہے شاید بیس سے زیادہ نہ ہو لیکن حدیث و قرآن سے ان کے فقہ و استنباط کا حال یہ ہے کہ ان کے علم و فقہ سے دنیا بھرپور ہے۔ حافظ ابن حزم نے دعوی کیا ہے۔

جمعت فتواه فی سبعہ اسفار کبار

حالانکہ جس طرح اور لوگوں نے حضور انور ﷺ سے سنا حضرت ابن عباس نے بھی سنا یہاں الجزائری نے جو امام ترمذی سے اسی موضوع پر نقل کیا ہے وہ بھی نظر انداز کرنے کے لائق نہیں ہے فرماتے ہیں۔

کچھ محدثین نے اجلہ اہل علم پر کلام کر دیا ہے اور صرف حفظ کی بنا پر ان کی تضعیف کی ہے اگرچہ اوروں نے ان کی جلالت شان اور صداقت کے پیش نظر ان کی توثیق کی ہے۔[235]

الجزائری نے یہ نقل کرنے کے بعد جو اسی کے متعلق آخری بات بتائی ہے وہ بھی سن لیجئے۔

لم یسلم من الخطاء والغلط احد من الائمہ مع حفظھم۔[236]

(۵۰) محدثین ایک دوسرے کی خطاؤں کی نشاندہی فرماتے رہے

یہ واقعہ ہے کہ علم و تحقیق کے میدان میں غلطی اور خطاء کے دھبے کچھ نہ کچھ سب کے دامنوں پر ہیں حافظ ذہبی نے سچ لکھا ہے۔

انا لا ندعی العصمہ من السہو و الخطاء فی الاجتھاد فی غیر الانبیاء۔

آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ امام ابو زرعہ اور امام ابو حاتم نے تاریخ و رجال کے سلسلے میں امام بخاری کی بہت سی غلطیاں نکالی ہیں چنانچہ حافظ ابن ابی حاتم نے امام بخاری کے تاریخی اوہام پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام 'کتاب خطاء البخاری' ہے۔ اس کتاب میں ابن ابی حاتم نے ان دونوں حضرات سے بیشتر استفادہ کیا ہے۔ حافظ زین الدین عراقی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جمع فیہ اوھامہ فی التاریخ

علامہ سخاوی فرماتے ہیں۔

لابن ابی حاتم جزء کبیر عندی انتقد فیہ علی البخاری۔[237]

خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

قد جمع عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی الاوھام التی اخذ ابو زرعہ فی کتاب

مفردات[239]

وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب بالکل نوعمری میں مرتب کی تھی جب کہ امام موصوف کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی اس لئے اس میں بہت غلطیاں رہ گئی ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سے نام امام موصوف کو ایسے نوشتوں سے نقل کرنے پڑے کہ جن پر نہ نقطے لگے ہوئے تھے۔ اور نہ ان کو ضبط کیا گیا تھا۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے ابو علی صالح بن محمد کے بارے میں لکھا ہے کہ۔

> ایک بار ابو زرعہ رازی نے ان سے فرمایا کہ اے ابو علی ! اسماء الرجال پر محمد بن اسماعیل بخاری کی کتاب میری نظر سے گزری اس میں تو بڑی غلطیاں ہیں میں نے ان سے عرض کیا مصیبت یہ ہے کہ ان کے پاس بخارا کا جب کوئی شخص عراق سے ہو کر آتا تھا یہ اس کی کتاب لے کے دیکھتے تھے۔ اہل بخارا کی عادت ہے کہ نہ تو وہ اسماء کو ضبط کرتے ہیں اور نہ ان پر نقطے لگاتے ہیں۔ لہذا جب ان کی نظر سے کوئی ایسا نام گزرتا کہ جس سے یہ پہلے واقف نہ ہوتے اور نہ وہ ان کی اپنی کتابوں میں موجود ہوتا تو یہ اسے غلط طور پر اپنی کتاب میں نقل کر دیتے ورنہ خراسانیوں میں ان سے زیادہ سمجھدار میں نے کسی کو نہیں پایا۔ [257]

خطیب بغدادی نے موضح اوہام الجمع والتفریق میں امام بخاری کے ان اوہام و اغلاط کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ اور کتاب مذکور میں 212 صفحات اسی تذکار پر مشتمل ہیں۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ امام بخاری کے بعض حامیوں نے بجائے اس کے کہ ان تنقیدات و تعقبات کا کوئی علمی اور تحقیق جواب دیتے۔ امام ابو زرعہ' امام ابو حاتم اور امام مسلم پر الزامات لگائے۔ چنانچہ کہنے والے یہاں تک کہ گئے۔

> تاریخ میں محمد بن اسماعیل کی کتاب ایسی ہے کہ اس پر کوئی کتاب سبقت نہ لے جا سکی۔ اور ان کے بعد جس نے بھی تاریخ یا اسماء الرجال پر کچھ لکھا ہے وہ اس سے بے نیاز نہیں ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کتاب کو اپنی ہی بنا لیا ہے جیسے ابو زرعہ' ابو حاتم اور مسلم اور کچھ نے ان کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

یہ حاکم کبیر کی رائے ہے جسے علامہ تاج الدین السبکی نے الطبقات الشافعیہ الکبری میں ان کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ حاکم کبیر کو زیادہ غصہ امام مسلم پر ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

جو شخص بھی امام مسلم کی کتاب الاسماء والکنی کا غور سے مطالعہ کرے گا اسے پتہ لگ جائے گا کہ امام مسلم کی کتاب بالکل امام بخاری کی کتاب کی کاپی ہے۔

لیکن یہ حاکم کبیر کی غلطی اور محض بدگمانی ہے جو سراسر واقعہ کے خلاف ہے۔ تعجب ہے کہ کچھ بزرگوں نے خود امام بخاری پر بھی یہی الزام لگایا ہے۔ چنانچہ ان ہی حاکم کبیر کے معاصر حافظ مسلمہ بن قاسم اندلسی کتاب الصلہ میں لکھتے ہیں کہ

> امام بخاری نے اپنے استاد علی بن المدینی کی کتاب العلل کو ان کی غیر حاضری میں ان کے صاحبزادے کو مال کا طمع دے کر حاصل کیا اور پھر اسی کتاب کی عبارتوں کو اپنی طرف سے علی بن المدینی کے سامنے پیش کرتے رہے اور آخر اسی کی وجہ سے درس سے بے نیاز ہو کر خراسان کی راہ لی۔

یہ واقعہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔

فن جرح و تعدیل اور اسماء الرجال میں امام ابو زرعہ، ابو حاتم اور امام مسلم کا جو پایہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے ان بزرگوں کی نسبت اس قسم کی خیانت علمی اور سرقہ کا کون گمان کر سکتا ہے۔ غور فرمایئے تاریخ و رجال میں راویوں کے نام ان کے شیوخ و تلامذہ، اوطان، سن ولادت و وفات اور جرح و تعدیل کا بیان ہوتا ہے۔ اب راویوں کے نام وہی، شیوخ و تلامذہ وہی، وطن وہی، سن ولادت و وفات وہی اور جرح و تعدیل میں اکثر و بیشتر اتفاق رائے۔ پھر ایسی صورت میں جب کہ یہ سب امور یکساں اور متحد ہیں معاصرین ائمہ فن کی تصنیفات میں اکثر و بیشتر معلومات کا ایک جیسا ہو جانا کون سے تعجب کی بات ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ ان ائمہ نے اپنی تصانیف میں امام بخاری کی تاریخ کو اپنے سامنے رکھا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر کتاب سامنے نہ ہوتی تو تنقید کس پر کرتے بلکہ ترتیب بھی وہی اختیار کی ہے اور اسی لئے حاکم کبیر کو شبہ ہو گیا کہ امام مسلم وغیرہ امام بخاری کی کتاب کو اپنے نام سے منسوب کر رہے ہیں چنانچہ خطیب بغدادی ان ہی حاکم کبیر سے ناقل ہیں۔

> مجھ سے حاکم کبیر ابو احمد محمد بن محمد نیشاپوری کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں رے میں تھا کہ ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ ابو محمد بن ابی حاتم کے پاس کتاب الجرح و التعدیل پڑھ

رہے ہیں پھر جب وہ پڑھنے سے فارغ ہوئے تو میں نے ابن عبدویہ وراق سے کہا کہ یہ کیا ہنسی کر رکھی ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ محمد بن اسماعیل بخاری کی کتاب التاریخ کو اس کتاب کی شکل میں اپنے استاد کے سامنے پڑھ رہے ہو حالانکہ تم اسے ابو زرعہ اور ابو حاتم کی بتاتے ہو اس پر وراق نے کہا کہ اے ابو احمد تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جس وقت ابو زرعہ اور ابو حاتم کے پاس یہ کتاب لائی گئی تو ان بزرگوں نے کہا کہ یہ علم خوب ہے اس سے بے پروائی نہیں برتی جا سکتی اور ہم لوگوں کے لئے یہ زیبا نہیں کہ ہم اسے دوسرے سے نقل کریں۔ اس لئے ان دونوں حضرات نے ابو محمد عبدالرحمن رازی کو بٹھایا۔ وہ یکے بعد دیگرے ایک ایک راوی کے متعلق ان سے پوچھتے گئے اور پھر یہ دونوں حضرات کہیں اس کتاب سے زیادہ اور کہیں اس سے کم بیان کرتے چلے گئے اور اسے عبدالرحمن نے ان دونوں کی طرف منسوب کر دیا۔[415]

حاکم کبیر کے اس بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امام بخاری کی تاریخ امام ابو زرعہ اور امام ابو حاتم کے سامنے آئی ان بزرگوں کے علمی جلال نے یہ گوارا نہیں کیا کہ ان کے وطن کا علمی معاشرہ اس فن میں باہر کا دست نگر رہے۔ انہوں نے اسی ڈھنگ اور اسی اسلوب پر عبدالرحمن رازی کو ایک مستقل کتاب املاء کرائی جو معلومات کے سرمایہ میں امام بخاری کی کتاب سے زیادہ ہے۔ اسی کتاب کا نام الجرح و التعدیل ہے۔ امام ذہبی رقمطراز ہیں۔

کتابه فی الجرح و التعدیل یقضی له بالرتبه العلیا فی الحفظ۔

بہرحال خطا اور غلطی سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے سوائے حضرات انبیاء علیہم السلام کے اور خطا اور غلطی سے فن آشنائی پر کوئی حرف نہیں آتا۔

خیر یہ بات تو ضمنی تھی۔ گفتگو تو امام اعظم کے اساتذہ کے متعلق ہو رہی تھی اور درمیان میں یہ بات آ گئی تھی کہ کہنے والے کہتے ہیں کہ۔

1- امام اعظم نے مجاہیل سے روایت کی ہے۔
2- امام اعظم نے ضعفاء سے روایت کی ہے۔
3- امام اعظم کے حافظہ میں قوت نہ رہی تھی۔

اس لئے امام اعظم کا علم حدیث میں کوئی مقام نہیں ہے ان ہی وساوس اور غلط فہمی کو دور کرنے کی خاطر ہم نے ان

صفحات میں کوشش کی ہے۔

(21) مرسل (2)

1- تعریف :-

ا- لغوی :- مرسل بمعنی چھوڑا ہوا۔

ب- اصطلاحی :- وہ حدیث جس کی سند کے آخری حصہ سے تابعی کے بعد کا راوی ذکر نہ کیا جائے۔ اس وصف کو "ارسال" کہتے ہیں۔

2- صورت :- تابعی خواہ چھوٹا ہو یا بڑا یوں کہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا - او فعل کذا - او فعل بحضرۃ کذا

3- مثال :- مسلم کی روایت

حدثنی محمد بن رافع ثنا حجین ثنا اللیث عن عقیل عن ابن شہاب عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المزابنۃ

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "مزابنۃ" (جو کہ دور جاہلیت میں خرید و فروخت کی رائج صورتوں میں سے ایک صورت تھی اس کے نامکمل ہونے کی وجہ سے اس سے منع فرمایا) - (کتاب البیوع)

اس حدیث کو حضرت سعید بن مسیب نے جو کہ اکابر تابعین میں سے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست نقل کیا ہے اور اپنے بعد کے راوی کا ذکر چھوڑا ہے جو جس کی کم از کم حد یہ ہے کہ ایک صحابی ہو' اور احتمال ایک سے زائد کا ہے جو کہ صحابی بھی ہو سکتا ہے اور تابعی بھی' اس لئے کہ کبھی ایسا ہوتا کہ تابعی کسی دوسرے تابعی کے واسطے سے حدیث حاصل کرتا ہے جیسے کہ صحابہ میں بھی ایسا ہوتا رہا کہ ایک دوسرے سے بھی سنتے اور روایت

کرتے رہے۔

4- مرسل نزد فقہاء و اصولیین :- ہر وہ حدیث جس کی سند متصل نہ ہو۔ یعنی اس کے تمام راوی مذکور نہ ہوں، خواہ اس کی کوئی صورت ہو شروع کا راوی مذکور نہ ہو یا اخیر کا۔ اور ایک یا دو مذکور نہ ہوں یا تمام، پے در پے مذکور نہ ہوں یا الگ الگ۔ یعنی "مردود بسبب سقوط از سند" کی تمام صورتیں ان کے نزدیک "مرسل" کہلاتی ہیں۔[1]

حکم :- مرسل اصلاً ضعیف و مردود ہے اس لئے کہ اولاً تو وہ قبولیت کے شرائط میں سے ایک یعنی اتصال سند سے خالی ہوتی ہے، اور ثانیاً یہ کہ غیرمذکور راوی کا حال معلوم نہیں ہوتا جو کہ غیر صحابی بھی ہو سکتا ہے اور اس کے حالات کا کوئی ٹھیک نہیں کہ کیسے ہوں صحابی کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ ہر حال میں معتبر ہے۔

لیکن اس پر عمل کی بابت علماء کا اختلاف ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مرسل کے انقطاع یعنی راوی کے سقوط و عدم ذکر کی ایک خاص نوعیت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اکثر صحابی غیرمذکور ہوتا ہے اور وہ سب کے سب عادل و معتبر ہیں ان کی شخصیات اور شخصی احوال کا معلوم نہ ہونا اثر انداز نہیں ہوتا، سیوطی نے دس اقوال بیان کئے ہیں جن کا حاصل اور ان میں اہم تین اقوال ہیں۔

(الف) جمہور محدثین اور اکثر اصولیین و فقہاء :- کے نزدیک ضعیف مردود ہے اس لئے کہ راوی غیر مذکور کا حال معلوم نہیں اور بہت ممکن ہے کہ وہ غیر صحابی ہو۔

(ب) ائمہ ثلاثہ :- (ابو حنیفہ، مالک، احمد در قول مشہور) اور ایک جماعت علماء کے نزدیک مقبول و لائق احتجاج ہے بشرطیکہ ارسال کرنے والا یعنی اپنے سے اوپر کا نام ذکر نہ کرنے والا ثقہ (معتمد) ہو اور کسی معتمد سے ہی ارسال کرے کہ اسی کا نام چھوڑے اس لئے کہ ثقہ تابعی جب تک کسی ثقہ سے کوئی بات نہ سنے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہیں کرتا تھا، اسی وجہ سے حضرات تابعین کے متعلق منقول ہے کہ وہ مرسل پر نکیر نہیں کیا کرتے تھے۔

(ج) امام شافعی و بعض علماء :- کے نزدیک چند شرطوں کے ساتھ مقبول ہے۔

1- ارسال کرنے والا اکابر تابعین میں سے ہو جیسے حضرت سعید بن مسیب۔

2- جب غیرمذکور راوی کا نام لیا جائے اور تعیین کی جائے تو ثقہ کا ہی نام لیا جائے۔

3- معتمد حفاظ حدیث اگر اس حدیث کو روایت کریں تو مخالفت نہ پائی جائے۔

4- امور ذیل میں سے کسی ایک کی موافقت پائی جائے۔

(ب) مرسلا" وہی ہو مگر ارسال کرنے والا اور اس کے اساتذہ و رواۃ سند پہلی مرسل کے رواۃ سے الگ ہوں۔

(ج) کسی صحابی کے قول کے موافق ہو - یا

(د) اکثر اہل علم اس کے مضمون کے مطابق فتوی دیتے ہوں۔[242]

اگر یہ شرطیں پائی جائیں تو "اصل حدیث مرسل" اور اس کی "مؤید حدیث" دونوں صحیح قرار پائیں گی۔ اور اگر ایک طریق و سند سے مروی کوئی صحیح روایت ان کے مخالف ہو اور ان تینوں روایات کے درمیان جمع کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو "مرسل حدیث" دو سندوں سے مروی ہونے کی بناء پر راجح قرار پائے گی۔[243]

6- مرسل صحابی :-

(الف) تعریف :- وہ حدیث جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کوئی چیز کسی ایسے صحابی کے واسطے سے منقول ہو جس نے خود نہ تو اس کا مشاہدہ کیا ہو اور نہ براہ راست سنا ہو۔

خواہ کم عمری کی وجہ سے یا تاخیر سے اسلام لانے کی وجہ سے یا موقع پر موجود نہ ہونے کی وجہ سے۔ اکثر صغار (کم عمر) صحابہ مثلاً" حضرت ابن زبیر' ابن عباس وغیرہ کی روایات اسی قسم کی ہیں۔

(ب) حکم :- جمہور کے نزدیک مقبول و لائق احتجاج ہے اس لئے کہ یہ احتمال کہ شاید صحابی نے کسی تابعی سے سنا ہو شاذو نادر کے درجہ کا ہے جس کا عام حالات میں اعتبار نہیں' اور صحابہ ایسے مواقع پر ضرور تصریح فرما دیا کرتے ہیں اگر وہ یہ تصریح نہ کریں اور براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے بیان کریں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے خود کسی صحابی سے سنا ہے اور صحابی کا ذکر نہ کرنا اثر انداز نہیں۔

7- مشہور و اہم مصنفات :-

(الف) مراسیل ابی داؤد م 275ھ' مراسیل ابن ابی حاتم م 327ھ' جامع التحصیل لاحکام المراسیل۔ مصنف ابو سعید صلاح الدین خلیل بن کیکلدی علائی م 761ھ)[244]

8- مرسل نزد احناف :- احناف کی روایت اگر کسی تابعی یا تبع تابعی کی ہو تو مطلقاً" قبول کرتے ہیں' اور اگر تبع تابعین کے بعد کے لوگوں کی ہو تو ثقہ راوی کی مطلقاً" اور دوسروں کی تحقیق و اعتماد کے بعد ہی قبول کرتے ہیں۔[1]

(22) مرسل خفی

1- تعریف :- وہ حدیث جسے راوی کسی ایسے شخص سے نقل کرے جس سے اس کی معاصرت کے باوجود ملاقات یا سماع ثابت نہ ہو۔

2- مرسل خفی اور مدلس کے درمیان فرق :- (الف) ابن قطان نے یہ ذکر کیا ہے کہ "مرسل" اس شخص کی روایت ہوتی ہے جس کا اس شخص سے سماع (یعنی تحصیل حدیث) نہ ثابت ہو جس کو وہ اپنے شیخ کی حیثیت سے ذکر کرتا ہے۔ ہاں معاصرت ہوتی ہے اور ملاقات بھی ہو سکتی ہے اور "مدلس" میں معاصرت و ملاقات کے ساتھ "سماع" بھی ہوتا ہے۔ (ب) ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ معاصرت کے ساتھ اگر ملاقات کا علم نہ ہو تو "مرسل" کہیں گے۔

3- اہمیت :- یہ فن بھی علوم حدیث میں ایک مہتم بالشان اور نہایت مفید فن ہے اس میں درک انہیں لوگوں کو ہوتا ہے جنہیں فن کی وسیع واقفیت کے ساتھ روایات اور ان کے طرق کا بھی وافر علم ہو۔

4- مثال :- ابن ماجہ کی حدیث ہے بطریق عمر بن عبدالعزیز عن عقبۃ بن عامر فوعاً" "رحم اللہ حارس الحرس" (اللہ ہی محافظین کی نگہبانی کرنے والوں پر رحم فرمائے)۔[2]

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ملاقات عقبہ سے ثابت نہیں جیسا کہ "مزی" نے اطراف میں ذکر کیا ہے۔

5- ذرائع علم :- تین ہیں۔

(الف) کسی امام فن کی تصریح کہ راوی کی اس کے شیخ سے ملاقات یا سماع ثابت نہیں۔

(ب) خود راوی کی اپنی بابت تصریح

(ج) حدیث کا دوسری سند سے زائد راوی کے ساتھ منقول ہونا۔ (ویسے اس شق کی بابت علماء کا اختلاف ہے اس لیے کہ یہ ایک مستقل قسم "المزید فی متصل الاسانید" بھی ہو سکتی ہے)

6- حکم:- ضعیف ہے اس لیے کہ اس میں انقطاع ہوتا ہے۔

7- مشہور مصنفات:- (الف) "کتاب التفصیل لمبہم المراسیل" مصنف، خطیب بغدادی م 463ھ {47}

مرسل کے بیان میں محدثین نے اتصال کو اتنی اہمیت اس لیے دی ہے کہ اسانید کے سلسلہ میں وسائط کی بہتات کی وجہ سے ایسا کرنا ناگزیر تھا۔ ایک ایک راوی کے بارے میں ان کو یہ تحقیق کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی کہ جس سے وہ روایت لیتا ہے وہ اس کا معاصر ہے یا نہیں ہے۔ معاصر ہے تو اس سے اس کی ملاقات ہوئی ہے یا نہیں اور اگر ملا ہے تو اس نے یہ خاص حدیث اس سے سنی ہے یا کسی اور سے سن لی اور اس کا حوالہ دے دیا ہے ایسے بہت سے امور کی نشان دہی میں محدثین کو جان کی بازی لگانی پڑی ہے لیکن دوسری صدی کے مؤلفین کو چونکہ براہ راست مشاہیر تابعین یا کبار اتباع تابعین سے شرف تلمذ تھا اس لیے ان کو نہ اسناد کے بارے میں تحقیقات کی زیادہ ضرورت پیش آئی اور نہ ان کے یہاں اتصال کو اس قدر اہمیت تھی۔ ان کے یہاں مسند و مرسل کی کوئی تفریق نہ تھی مرسل بھی مسند کی طرح حجت تھی۔

حدیث مرسل محدثین کی اصطلاح میں وہ حدیث کہلاتی ہے جس میں تابعی اپنے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین جو واسطہ ہے اس کو بیان کیے بغیر قال رسول اللہ کہے جیسا کہ عام طور پر مکحول و مشقی' ابراہیم' سعید بن المسیب اور حسن بصری اور دیگر تابعین کا معمول تھا۔ پھر اگر راوی نے دو راویوں کے درمیان جو شخص واسطہ ہے اسے چھوڑ دیا جیسے ایک شخص حضرت ابو ہریرہ کا ہم عصر نہ ہونے کے باوجود کہے قال ابو ہریرہ تو ایسی روایت محدثین کی زبان میں منقطع کہلاتی ہے اور اگر ایک سے زیادہ واسطے حذف کر دیے تو اسے معضل کہتے ہیں اور فقہاء و اصولین کے یہاں ان سب کو مرسل کہتے ہیں۔

(23) حدیث مرسل اور دوسری صدی کے ائمہ حدیث

حدیث مرسل کے بارے میں تیسری صدی میں ارباب روایت نے اپنا موقف دوسری صدی کے مئولفین سے اتصال کے خاطر الگ بنا لیا ورنہ تیسری صدی سے پہلے ابتدائی وسائط کم ہونے کی وجہ سے ہی حدیث مرسل کو دین میں

مسند کی طرح حجت مانتے تھے اور مسائل و فتاویٰ کی بنیاد اسی پر قائم تھی۔ حافظ ابن جریر فرماتے ہیں۔

تابعین سارے کے سارے مرسل کے قبول پر متفق تھے ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی بھی امام سے دوسری صدی کے اختتام تک اس کا انکار ثابت نہیں ہے۔[248]

علامہ یمانی نے حافظ ابن جریر کا یہ فیصلہ حافظ ابن عبدالبر اور حافظ بلقینی سے نقل کیا ہے امام ابو داؤد نے اپنے اس خط میں جو اہل مکہ کے نام لکھا ہے مرسل حدیث کے بارے میں اقرار کیا ہے کہ :-

باقی رہیں احادیث مرسلہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کو گزشتہ علماء مثلاً سفیان ثوری' امام مالک' امام اوزاعی سب ہی قابل استدلال سمجھتے تھے تا آنکہ امام شافعی آئے اور انھوں نے اس پر لب کشائی فرمائی اور امام احمد نے بھی اس موضوع پر ان کا اتباع کیا۔[249]

بلکہ حافظ ابن جریر تو یہاں تک کہہ گئے کہ یہ کہنا کہ مرسل حجت نہیں ہے۔ بدعة حدثت بعد المائتين تیسری صدی کی بدعت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دوسری صدی کے بزرگوں کو غلبہ عدالت کی وجہ سے اپنے زمانے کے بزرگوں پر ایسا ہی اعتماد تھا جیسا اس زمانے میں ابن حجر اور دار قطنی کو بخاری و مسلم پر ہے کیونکہ اس دور میں عدالت غالب تھی چنانچہ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر فرماتے ہیں :-

ولا شک ان الغالب علی حملته العلم النبوی فی ذالک الزمان العدالته

بے شک اس زمانے میں اہل علم میں عدالت غالب تھی۔

یہ حقیقت ہے کہ ایک متدین' متقی اور پرہیز گار شخص سے امید بھی یہی کی جا سکتی ہے کہ اس بڑی ذمہ داری کو انھوں نے اطمینان کے بعد ہی اٹھایا ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بات کو منسوب کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ آپ کی طرف کسی بات کو منسوب کرنا دراصل اللہ سبحانہ کی طرف منسوب کرنا ہے جس کے دین و ایمان' سیرت و کردار پر بھروسہ کیا جاتا ہو کیا اس سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ قصداً" اللہ کے دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کر دیں گے جسے وہ جانتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت درست نہیں ہے یقیناً" ایک حیثیت سے یہ افتراء علی اللہ اور قول علی اللہ بغیر علم ہے اور قرآن میں ایک سے زیادہ مقامات پر اسے سب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے۔ جن بزرگوں کی عدالت مسلم ہو یقیناً" ان سے اس کی توقع نہیں ہو سکتی یہ کھلا ہوا ایک عقلی قانون

ہے۔ اسی بناء پر ان بزرگوں کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر لکھتے ہیں۔

مراسیل الصحابۃ والتابعین وائمۃ الحدیث مقبولۃ۔

سوچا جائے کہ ائمہ حدیث کے مراسیل آج بھی ہمارے یہاں کیا اسی بنا پر مقبول نہیں ہیں؟ ائمہ حدیث کی جو کتابیں آج رائج ہیں کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اصول حدیث کے مقررہ اصول کے مطابق کا اتصال ثابت ہے؟ اب ان کتابوں کی مرویات کو ان کتابوں کے مؤلفین تک جن اسانید تک پہنچاتے ہیں اور جن رجال کے ذریعے ہم تک پہنچ رہی ہیں کیا ان کی عدالت' ثقاہت' امانت' حفظ و ضبط کی ہم نے اسی طرح چھان بین کی ہے جس طرح امام بخاری اور امام مسلم نے اپنے اساتذہ سے لے کر صحابہ تک کی ہے۔ ان کتابوں کی مرویات کو ان کی طرف منسوب کرنے کی ہمارے پاس اس کے سوا دلیل ہی کیا ہے کہ :۔

والدلیل علی ذالک ان العلماء مازالو اینسبون فی مصنفاتھم الاحادیث الی من اخرجھا۔

اس بات کی اس کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہمیشہ سے علماء اپنی تصانیف میں حدیثوں کو ان محدثین کی طرف نسبت کرتے رہے ہیں۔[52]

اس لیے جیسا کہ ہمیں ان ائمہ حدیث کی بیان کردہ حدیثوں پر باوجود اتصال نہ ہونے کے اعتماد ہے ایسا ہی امام مالک کو سعید بن المسیب کے اور امام ابو حنیفہ کو امام شعبی اور ابراہیم نخعی کے روایت کردہ ارشادات پر اعتماد تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :۔

ابراہیم نخعی نے ایک موقعہ پر جب کہ انہوں نے یہ حدیث روایت کی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور ان سے کہا گیا تھا کہ کیا تمہیں اس کے سوا اور کوئی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد ہی نہیں۔ کہا کہ کیوں نہیں؟ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ قال عبداللہ' قال علقمۃ مجھے زیادہ پسند ہے۔ اسی طرح شعبی جس وقت ان سے ایک حدیث کی بابت سوال کیا گیا اور کہا گیا کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کر دیا جائے تو یہ جواب دیا تھا کہ نہیں مرفوع نہ کرو ہم کو یہ زیادہ محبوب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص تک اس کو نقل کیا جائے کیونکہ اگر روایت میں کمی و بیشی ہوگی تو وہ

بعد کے مخص پر ہی رہے گی۔[252]

بہر حال دوسری صدی کے مؤلفین کے یہاں حدیث کے صحیح ہونے کے لیے مسند ہونا ضروری نہ تھا بلکہ وہ مرسل اور منقطع سب کو یکساں دین میں حجت قرار دیتے تھے۔

اگرچہ مرسل کا انکار تیسری صدی کے محدثین نے اسنادی وسائط میں زیادتی کی وجہ سے اپنے خیال میں احتیاط کی بناء پر کیا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو متعدد مسائل میں جہاں مرسل کے علاوہ اور کوئی روایت مسند ان کے علم میں نہ تھی۔ اگلے ائمہ سے اختلاف کرنا پڑا۔ متاخرین میں دار قطنی اور بیہقی بڑے نامور محدث گزرے لیکن ان دونوں کا حال یہ ہے کہ سند پر سند اور روایت پر روایت ذکر کرتے چلے جاتے ہیں اور اس کے ضعیف ہونے کی ان کے پاس کوئی وجہ نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ اسے مرسل ثابت کریں یا موقوف کہہ دیں۔

یہ نہ بھول جائیے کہ مصنفین صحاح میں سے اگرچہ امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ مرسل روایات حجت نہیں ہیں لیکن یہ تمام ارباب صحاح کا متفقہ فیصلہ نہیں ہے۔

امام ابو داؤد فرماتے ہیں :۔

فاذالم یکن مسند ضدالمرسل ولم یوجد مسند فالمرسل یحتج به ولیس هو مثل المعضل فی القوة۔[253]

جب مسند مرسل کے خلاف نہ ہو اور مسند موجود نہ ہو تو مرسل سے احتجاج کیا جائے گا اور وہ قوت میں معضل کی طرح نہ ہو گی۔

مراسیل صحابہ کے بارے میں تقریباً تمام علماء کرام متفق ہیں کہ وہ حجت ہیں۔ چنانچہ امام بیہقی کتاب القراۃ میں لکھتے ہیں کہ مراسیل صحابہ حجت ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ مراسیل صحابہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک حجت ہیں۔ اور ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں کہ ہمارے نزدیک اور دیگر تمام علماء کرام کے نزدیک مرسل صحابی حجت ہے۔[254]

اور علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ :۔

صحابہ کرام کے مراسیل حدیث مسند کے حکم میں ہیں۔[255]

کبار تابعین کے بارے میں بھی امام بیہقی نے تصریح کی ہے کہ :۔

مراسیل کبار تابعین بھی مراسیل صحابہ کی طرح حجت ہیں جبکہ ان کے راویوں میں عدالت اور

شہرت ہو اور کمزور و مجہول رواۃ کی روایت سے اجتناب ہو۔[256]

اس موقعہ پر حافظ ابو سعید صلاح الدین العلائی نے جامع التحصیل لاحکام المراسیل میں بڑے پتے کی بات لکھی ہے۔

> جن لوگوں نے احادیث میں عنعنہ سے کام لیا ہے اور پر تدلیس کا شبہ ہے وہ سب ایک درجہ کے نہیں ہیں۔ کچھ تو اپنی جلالت قدر کی وجہ سے اس زمرہ میں شمار ہی نہیں ہو سکتے۔ مثلاً" یحیٰی بن سعید' ہشام بن عروہ اور موسیٰ بن عقبہ کچھ ایسے ہیں جن کی تدلیس کو ائمہ نے برداشت کیا ہے اور ان کی روایت لی ہے چاہے انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی ہے اور ایسا صرف ان کی جلالت شان اور امامت کی وجہ سے ہے مثلاً" امام زہری' امام اعمش' ابرہیم نخعی' الحکم بن عتیبہ' جریج' الثوری' ابن عیینہ' شریک اور ھیشم بن بشیر' ان کی روایات صحیحین میں موجود ہیں۔[257]

موسیٰ بن عقبہ کی صحیح بخاری میں روایت موجود ہے لیکن اسماعیل نے تصریح کی ہے کہ ان کا امام زہری سے سماع ثابت نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں ابان بن عثمان کی بحوالہ عثمان عفان روایت موجود ہے حالانکہ امام احمد فرماتے ہیں کہ ابان نے عثمان سے نہیں سنا ہے اس انقطاع کے باوجود ان روایات کا کتابوں میں ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے یہاں بھی مرسلات کو شرف حاصل ہے۔ اس موقع پر ہمیں حافظ ابن رجب حنبلی کی وہ بات پسند آئی ہے جو مشہور علامہ زاہد کوثری نے ان سے نقل کی ہے اور جس کے ذریعے انہوں نے مراسلات کے موضوع پر دوسری اور تیسری صدی کے مؤلفین کے درمیان مفاہمت کی کوشش کی ہے فرماتے ہیں :-

> دونوں کے نقطہ نظر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ محدثین کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان کے محدثانہ اور روایتی نقطہ نظر سے انقطاع اور عام اتصال کی بنا پر اگر کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور وہ مرسل ہے تو وہ درجہ صحت میں آجائے اور فقہاء یعنی دوسری صدی کے محدثین کی نظر اس کی اسناد پر نہیں بلکہ ان معنے پر ہوتی ہے جو حدیث مرسل میں بیان ہو رہے ہیں اور اس کی پشت پر ایسے قرائن موجود ہیں جو ان معنے کی صحت کی دلیل ہیں۔۔۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کی نظر اسناد پر ہوتی ہے اور دوسری صدی کے محدثین کے پیش نظر صرف معنے ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایسے دور میں ہیں جس پر اسناد کی تحقیق کی چنداں ضرورت ہی نہیں ہے۔

(24) عدالت صحابہؓ کی نرالی شان

صحابہ عام ثقہ رواۃ کی طرح نہیں۔ دیگر راوی گو کتنے ہی ثقہ ہوں کثرت رواۃ سے ان کی روایت میں قوت ضرور آتی ہے لیکن صحابی ایک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردے تو اب مناسب نہیں کہ اس کی تائید میں اور صحابہ سے بھی مزید تحقیق کی جائے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اس تحقیق کرنے والے نے صحابی کو ناقل ہی سمجھا خود سند نہ سمجھا۔ ورنہ اس کے بعد وہ ایک صحابی سے سن کر دوسرے کسی اور راوی کی تلاش نہ کرتا۔ صحابہؓ سے اس کی تائید لینا اگر روایت میں قوت پیدا کرتا۔ تو امیر المومنین حضرت عمرؓ حضرت سعدؓ سے مروی روایت کے بعد اس کی مزید تحقیق سے نہ روکتے علم جس قدر پختہ ہو اس میں کیا حرف تھا۔ معلوم ہوا صحابیؓ کا حضورؐ سے کسی بات کو نقل کردینا علم کو وہ نقطہ عروج ہے کہ اب اس کے بعد کوئی خلجان باقی نہ رہنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

اذا حدثک سعد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا تسئل عنہ غیرہ

جب سعد تمہارے پاس حضور کی کوئی بات نقل کریں تو اس کے بارے میں کسی اور سے نہ پوچھنا۔[258]

(25) مرسلات صحابہؓ پر اعتماد

ائمہ اربعہ میں گو اختلاف ہے کہ روایت مرسل جس میں تابعی ﷺ سے براہ راست روایت کرے قبول کی جائے یا نہ؟ امام اعظمؒ، ابو حنیفہ النعمان اور امام مالک ثقہ تابعی کی مرسل کو قبول کرتے ہیں اور امام شافعی و امام بخاری اسے قبول نہیں کرتے۔ لیکن اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ صحابہ کی مرسلات سب کی سب قبول ہیں۔

صحابہ کی مرسلات سے وہ روایات مراد ہیں جن میں صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دور کی روایت نقل کرے۔ جب وہ اس دور میں مسلمان نہ ہوا تھا یا حضورؐ کے ہاں موجود نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے وہ بات کسی اور صحابی سے سنی ہو جو وہاں موقع پر موجود ہوگا سنی ہوگی اور اب وہ اس کا نام ذکر نہیں کر رہا ہے یا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور اب وہ اسے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نام سے روایت نہیں کر رہا۔ اس دور کی بات کو اپنی

طرف سے روایت کر رہا ہے۔ صحابہؓ کی یہ مرسلات بالاتفاق مقبول ہیں۔ درمیانے راوی کی تلاش اس وقت ہوتی ہے جب اس کی ثقاہت معلوم کرنی ضروری ہو۔ صحابہؓ چونکہ کلھم ثقہ اور عادل ہیں اس لیے ان میں سے کسی کا معلوم نہ ہونا قبولیت روایت میں قادح نہیں ہو سکتا۔

مثلاً" صحیح بخاری کی دوسری روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے آپ اس میں بیان کرتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا؟ ظاہر ہے کہ اس وقت تک حضرت عائشہ کی پیدائش بھی نہ ہوئی تھی اور وہ دور آپ کا دیکھا ہوا نہ تھا۔ آپؓ نے یہ حالات و واقعات کسی اور صحابی سے یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوں گے۔ مگر آپ اس واسطہ روایت کو ذکر نہیں کر رہیں۔ یہ مرسل روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ثقاہت اور جلالت شان کے پیش نظر کسی طرح بھی رد نہ کی جائے گی صحابہ کی مرسلات تو ان ائمہ کے نزدیک بھی معتبر اور لائق اعتماد ہیں جو اوروں کی مرسل روایات کو قبول نہیں کرتے۔ امام نووی مقدمہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:-

واما مرسل الصحابی وھو روایۃ مالم یدرکہ او یحضرہ کقول عائشہ رضی اللہ عنہا اول مابدی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فمذھب الشافعی والجماھیر انہ یحتج بہ وقال الاستاذ الامام ابو اسحق الا سفرایئنی الشافعی انہ لا یحتج بہ الا ان یقول انہ لا یروی الا عن صحابی والصواب الاول۔ 259

ترجمہ:- اور رہا معاملہ مرسلات صحابہ کا اور وہ ایسی روایات ہیں جن کا زمانہ اس راوی نے نہ پایا ہو یا زمانہ پایا ہو مگر اس مجلس میں اس نے حاضری نہ پائی ہو تو امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ صحابہ کی مرسل روایات سے حجت پکڑی جا سکتی ہے۔ البتہ امام ابو اسحق اسفرائنی کہتے ہیں اس قسم کی روایات سے استناد صحیح نہیں۔ ہاں اگر وہ کہے کہ وہ صحابی، صحابی کے علاوہ کسی اور سے روایت نہیں لیتا تو پھر اسے ان کے ہاں بھی قبول کیا جا سکے گا اور صحیح بات پہلی ہے (کہ مرسلات صحابہ مطلقاً" لائق قبول ہیں)۔

آپ ایک دوسرے مقام پر ایک حدیث کی بحث میں لکھتے ہیں:-

ھذا الحدیث من مراسیل الصحابۃ و ھو حجۃ عند الجماھیر 260

ترجمہ :- یہ حدیث صحابہ کی مرسل روایات میں سے ہے اور وہ جمہور علماء اسلام کے نزدیک حجت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی ایک بحث میں لکھتے ہیں :-

ویستفاد من الحکم بصحته ما کان ذلک سبیله صحته الاحتجاج بمراسیل الصحابته[261]

ترجمہ :- اس طرح کی باتوں پر صحیح کا حکم لگانے سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ صحابہ کی مرسل روایات سے حجت پکڑنا قانونی طور پر صحیح ہے۔

اس تفصیل سے بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ پہلے دور میں قبولیت روایت کا مدار اعتماد اور وثوق پر ہی رہا ہے۔ روایت کا متصل ہونا ضروری نہ تھا صحابہ کرام کا عادل اور ثقہ ہونا یقینی اور قطعی دلائل سے معلوم تھا تو اب ان کی مرسلات بھی حجت سمجھی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی عدالت پر مہر کر دی تو اب اس کی کیا ضرورت ہے کہ ائمہ حدیث میں سے کوئی ان کی تعدیل کرے خطیب بغدادی (463ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں۔

ان عدالته الصحابته ثابتته معلومة بتعدیل اللّٰہ لھم ... فلا یحتاج احد منھم مع تعدیل اللّٰہ لھم المطلع علی بو اطنھم الی تعدیل احد من الخلق لہ[262]

ترجمہ :- صحابہ کی عدالت اللہ تعالیٰ کی تعدیل سے معلوم اور ثابت ہے۔ سو صحابہ میں سے کوئی بھی کیوں نہ ہو وہ کسی کی تعدیل کا محتاج نہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی تعدیل حاصل ہے جو ان کے بواطن امور پر پوری طرح مطلع ہے اور انھیں عادل قرار دے رہا ہے۔

صحابہ کے اسی عمومی اعتماد کا اثر دوسرے صحابہ میں بھی تھا۔ علمی حلقوں میں اعتماد عام تھا۔ علمی حلقے سب اعتماد پر چلتے تھے اس دور میں اسناد پر زیادہ زور نہ تھا۔ خیر اور صداقت عام تھی۔ اسنادی مباحث' ہر دو راویوں کے مابین فاصلے اور رابطے اور روایات میں اتصال و ارسال کی بحثیں اس وقت چلیں جب امت میں فتنے پیدا ہوئے۔ جھوٹ عام ہونے لگا سو ضروری ہوا کہ اس وقت کے ائمہ حدیث اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھائیں اور حق یہ ہے کہ اس وقت دینی سرمائے کے تحفظ کے لیے ایسے اقدامات ضروری تھے امام ابن سرین (110ھ) ایک جگہ فرماتے ہیں :-

عن ابن سیرین قال لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنته قالوا

سمولنا رجالکم فینظر الی اهل السنته ویوخذ حدیثم وینظر الی اہل البدع فلا یؤخذ حدیثہم 263

ترجمہ :۔ امام سیرین سے روایت ہے کہ پہلے دور میں لوگ سند کے بارے میں اتنے فکر مند نہ ہوتے تھے لیکن جب فتنے اٹھے تو علماء کہنے لگے اپنی روایت کے راوی سامنے لاؤ تاکہ اہل سنت اور اہل بدعت کی پرکھ ہو' اہل سنت کی حدیثیں لے لی جائیں اور اہل بدعت کی روایات سے پرہیز کی جائے۔

حضرت امام شافعی اس نئے دور کے مجدد سمجھے جاتے ہیں جنھوں نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا اور آئندہ کے لیے تحقیق حدیث کی اساس صحت سند کو قرار دیا اور راویوں کی جرح و تعدیل اور اتصال رواۃ اس نئے دور کا بڑا موضوع قرار پایا ـــــ اس درجہ کی پڑتال کی ضرورت دور اول میں کبھی محسوس نہ ہوئی تھی۔

(27) قبول مرسل میں ائمہ اربعہ کا اختلاف

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ قبول مرسل میں امام شافعی اور امام بخاری کا امام ابو حنیفہ اور امام مالک سے اختلاف دراصل اصول کا اختلاف نہ تھا' حالات کا اختلاف تھا۔ قبول روایت میں اعتماد کو سب ائمہ کے ہاں اصولی درجہ حاصل رہا ہے جب تک امت میں صداقت اور انصاف غالب تھے گو فتنے پیدا ہو چکے تھے روایات اعتماد پر بھی قبول کی جاتی تھیں۔ جب وہ حالات نہ رہے' فتنوں کا تخم تخمنل درخت بن گیا۔ تو بعد کے ائمہ نے صحت اسناد اور اتصال رواۃ پر توجہ تیز کر دی اس حد فاصل پر امام شافعی نے مجددانہ کردار ادا کیا۔ فجزاہ اللہ جزاء حسنا۔

اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ پہلے دور کی کتب حدیث جیسے موطا امام مالک' موطا امام محمد مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں اسانید اس پیرایہ بیان اور اہمیت شان سے نہیں ملتیں جس انداز میں ہم انہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں پاتے ہیں۔ اسکی وجہ کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے دور میں اعتماد غالب تھا صحابہ کی مرسلات جس اصول پر قبول ہوتی تھیں وہ اصول اعتماد اگر کہیں بعد میں بھی کسی بزرگ پر راہ پا گیا تو اس کی مرسلات بھی قابل قبول سمجھی گئیں۔ مرسلات حسن' مرسلات

کے باوجود اعتماد روایت میں کچھ کمی ضرور آئے گی۔ اس وقت اس اصول پر بحث کرنا مقصود نہیں۔ موضوع حدیث کے عنوان میں اس پر ہم کچھ بحث کر آئے ہیں۔ یہاں بتلانا صرف یہ ہے کہ قبولیت روایت میں اصل الاصول ہمیشہ اعتماد رہا ہے اور اسے کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ایک جگہ لکھتے ہیں:-

راوی الحدیث اعرف بالمراد بہ من غیرہ ولا یسما الصحابی المجتہد۔[1]

ترجمہ:- حدیث کا راوی اس کی مراد کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ صحابی مجتہد ہو۔

صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی حدیث نقل کرتے تو بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ بعض مضامین حدیث روایت کر دیتے اور کچھ باتیں رہ بھی جاتیں جو دوسرے صحابہؓ کے ہاں یا انہی صحابہ کی کسی دوسری روایت میں مل جاتیں۔ یہ بعض مضامین کا رہ جانا اس پہلو سے کبھی نہ ہوا تھا کہ وہ بعض اجزاء باقی حدیث کے معنی پر اثر انداز ہوں۔ بلکہ ہر حصہ مضمون اپنی جگہ مستقل حیثیت سے روایت ہوتا تھا۔

سو ائمہ حدیث اس پر متفق رہے ہیں کہ روایت حدیث میں کسی بات کا نقل سے رہ جانا باقی روایت میں موجب قدح نہیں ہے۔ امام زہری (124ھ) حدیث افک کے واحد راوی ہیں جو مختلف تابعین کرام سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:-

کلھم حدثنی طائفۃ من حدیثھا۔[2]

"کہ ان راویوں نے حدیث افک کے کسی حصہ کو میرے سامنے بیان کیا ہے۔"

امام زہری تصریح نہیں کرتے کہ کون سا حصہ کن راویوں نے بیان کیا ہے لیکن یہ راوی چونکہ سب کے سب ثقہ ہیں۔ اس لیے یہ جانے بغیر کہ کس کس راوی نے کیا کیا کہا ہے۔ پوری حدیث بالاتفاق قبول کر لی گئی ہے اور ساری حدیث صحیح تسلیم کر لی گئی ہے۔ امام نووی (676ھ) کی شرح میں لکھتے ہیں:-

ھذا الذی فعلہ الزھری من جمعہ الحدیث عنھم جائز لا منع منہ ولا کراھتہ فیہ

ابراہیم، مرسلات زہری وغیرہ پر محدثین نے مستقل آراء قائم کی ہیں۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ جونہی اعتماد میں کمی آنے لگی۔ محدثین کرام صحت سند اور اتصالِ رواۃ پر زیادہ زور دینے لگے۔ حضرت امام شافعی ان دونوں طریقوں کی حد فاصل سمجھے جاتے ہیں اور بعد کے دور کے محدثین پھر تقریباً سب اسی راہ پر چلے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

آپ نے قبولیت روایت میں اس وقت کے حالات کے مناسب صحت اسناد اور اتصالِ رواۃ پر بہت زور دیا۔ اختلاف الحدیث کے نام سے آپ نے اس موضوع پر ایک کتاب قلمبند فرمائی اور حق یہ ہے کہ آپ نے فن حدیث کا رخ اسناد کی طرف موڑ دیا۔ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ اس میں ہر وقت کی ضرورت کے مطابق اصحاب کردار پیدا ہوئے جنہوں نے وقت کی ضرورتوں کے تحت تحقیقات کے دہانے کا رخ صحیح سمت کی طرف کر دیا۔

نوٹ:۔ اس سے یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ پہلے دور میں اسانید قائم نہ تھیں اور حدیث پوری سند سے روایت نہ ہوتی تھی۔ احادیث کا سلسلہ پوری اسنادی شان سے قائم تھا اور محدثین صحیح و ضعیف میں برابر فرق کرتے تھے۔ احادیث کو اسانید بعد میں فراہم نہیں کی گئیں جب سے احادیث چلی آ رہی ہیں اسی وقت سے سلسلہ اسانید بھی چلا آ رہا ہے ہمارے کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ پہلے دور میں روایت کی قبولیت میں سند کا اتصال زیادہ ضروری نہیں سمجھا گیا عمومی اعتماد بہت حد تک کار فرما رہا ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ سند کی ضرورت اور اہمیت اپنی جگہ موجود تھی۔

(28) عمل راوی کے اختلاف سے اعتماد میں کمی

قبولیت روایت میں اعتماد کو اتنی اصولی حیثیت حاصل رہی ہے کہ اگر کوئی حدیث ثقہ راویوں سے بھی منقول ہو تمام راویوں میں اتصال بھی پایا جاتا ہو، صیغہ تحدیث بھی ہر جگہ موجود ہو، عن کا مظنہ کہیں نہ ہو، روایت اصولی طور پر بالکل صحیح ہو، مگر اس صحابی کا اپنا عمل اس روایت کے خلاف ہو تو فوراً شبہ اٹھے گا کہ شاید یہ حدیث منسوخ العمل ہو یا اس زمانے سے تعلق رکھتی ہو، جب شریعت تکمیل کے تدریجی مراحل طے کر رہی تھی بعض احکام منسوخ ہو جاتے تھے اور ان کی جگہ نئے آ جاتے تھے۔

پہلے دور کی کوئی بات ثقہ راویوں سے منقول ہو وہ صحیح تو ہو گی لیکن بعد کے احکام کی روشنی میں حجت اور لائق عمل نہ سمجھی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی صحابی کا اپنا عمل اس کی اپنی روایت کے خلاف ہو تو ظاہر ہے کہ صحت اسناد

لانه قدبین ان بعض الحدیث عن بعضهم وبعضه عن بعضهم وهولاء الاربعة ائمة حفاظ ثقات من اجل التابعین فاذا ترددت اللفظة من هذا الحدیث بین کونها عن هذا او ذاک لم یضر جاز الاحتجاج بها لانهما ثقتان وقد اتفق العلماء علی انه لو قال حدثنی زید او عمرو وهما ثقتان معروفان بالثقة عند المخاطب جاز الاحتجاج به[266]

ترجمہ:۔ یہ طریقہ جو زہری نے جمع حدیث میں اختیار کیا ہے جائز ہے ممنوع نہیں اور اس میں کوئی ناپسندیدگی نہیں۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ حدیث کا کچھ حصہ ان میں سے کسی سے ہے اور کچھ حصہ دوسروں سے ہے اور یہ چاروں تابعین حفاظ حدیث اور اپنے فن کے امام ہیں۔ اگر اس میں کچھ تردد رہا ہے کہ یہ لفظ اس راوی کی روایت سے ہے یا اس راوی کی روایت سے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں اس سے احتجاج جائز ہے کیونکہ وہ دونوں ثقہ ہیں اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص کہے مجھے یہ حدیث زید نے بتائی یا عمرو نے اور وہ دونوں ثقہ ہیں مخاطب کے ہاں معروف ہیں تو اس سے حجت پکڑنا اور احتجاج کرنا جائز ہے۔

(29) افقہ راویوں کی روایت کو ترجیح

محدثین میں اس پر بھی کلام رہا ہے کہ روایت کی ترجیح راویوں کی قوت حفظ پر ہونی چاہئے یا اس میں ان کی فقاہت بھی سبب ترجیح ہو سکتی ہے۔ ایک شخص حفظ و یاداشت میں زیادہ معروف ہے اور دوسرا علم و دانش میں گہرائی رکھتا ہے تو کس کی روایت ان میں سے زیادہ لائق ترجیح ہو گی؟

محدثین میں روایت بالمعنی کا رواج نہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ ترجیح قوت حفظ کی بناء پر ہوتی لیکن روایت بالمعنی کا شیوع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ راوی جتنا گہرا عالم اور فقیہ ہو گا اتنا ہی بات کے مغز کو زیادہ پائے گا اور یہ نہ ہو گا کہ وہ روایت بالمعنی کی صورت میں بات اور کچھ کہہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

نضر اللہ امراسمع منا شیئا فبلغه کما سمعه فرب مبلغ اوعی له من سامع۔[267]

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز کرے جس نے ہماری کوئی حدیث سنی۔ اور اسے اسی طرح آگے پہنچا دیا جیسا کہ اس نے سنا تھا۔ کیونکہ آگے سننے والے کئی ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسے سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھ سکیں۔

اوعی (زیادہ حفاظت کرنے والا) سے مراد اسے زیادہ سمجھنے والا ہے جتنا راوی فقیہ ہو گا اتنا ہی وہ اس مضمون کو زیادہ سنبھالنے والا ہو گا اور اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (32ھ) کی ہی ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فرب حامل فقه الی من هوا فقه منه۔[268]

ترجمہ:۔ ایسے کئی حامل فقہ ہیں جو اس بات کو اس شخص تک لے جائیں جو ان سے زیادہ اس بات کو سمجھتے ہوں۔

معلوم ہوا کہ جتنا کوئی راوی زیادہ فقیہ ہو گا اتنا ہی مقصد حدیث کو زیادہ پانے والا ہو گا' امام احمد بن حنبل (241ھ) حدیث کی فقہ کو اس کے حفظ سے زیادہ اہم سمجھتے تھے۔ امام علی بن المدینی (233ھ) بھی فقہ حدیث کو ہی سب سے اشرف علم شمار کرتے تھے۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

قال احمد بن حنبل معرفته الحدیث والفقه فیه احب الی من حفظه وقال علی بن المدینی اشرف العلم الفقه فی متون الاحادیث و معرفته احوال الرواة۔[269]

ترجمہ:۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں حدیث اور فقہ کی معرفت مجھے اس کے حفظ سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ امام علی بن المدینی کہتے ہیں میں سب سے اشرف علم متون حدیث اور احوال رواۃ کی معرفت میں فقہ کو کار فرما کرنا ہے۔

غور کیجئے ان ائمہ فن نے فقہ اور حدیث کے معنی مضمون کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ امام ابو حنیفہ اس بات کے پرجوش حامی تھے کہ مدار ترجیح راویوں کی فقاہت ہونی چاہیے۔ جتنا کوئی راوی زیادہ افقہ ہو گا اتنی ہی اس کی روایت کو ترجیح ہو گی۔ امام اہل شام امام اوزاعی (157ھ) سے امام ابو حنیفہ (150ھ) کی رفع الیدین عندالرکوع کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو امام اوزاعی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث پڑھی۔

حدثنی الزہری عن سالم عن ابیہ عبداللہ بن عمر بن الخطاب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حذاء منکبیہ اذا افتتح الصلوۃ و عندالرکوع عندالرفع منہ۔

ترجمہ:۔ زہری نے مجھے سالم سے انہوں نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مجھے حدیث سنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت اپنے کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور رکوع کے وقت بھی اور رکوع سے اٹھتے بھی۔

اس پر حضرت امام ابو حنیفہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث پڑھ دی۔

حدثنا حماد عن ابراہیم النخعی عن علقمہ والا سود کلا ھما عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوۃ ولا یعود لشی من ذلک۔

ترجمہ:۔ حماد نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے اور ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ حدیث سنائی کہ نبی کریمؐ صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے کسی دوسرے مقام پر رفع یدین نہ کرتے تھے۔

اس پر امام اوزاعی نے کہا:۔

احدثک عن الزہری عن سالم عن عبداللہ وتقول حدثنی حماد عن ابراہیم

ترجمہ:۔ میں تمہیں زہری سے وہ سالم سے وہ عبداللہ بن عمرؓ سے حدیث سنا رہا ہوں اور تم مجھے حماد سے اور وہ ابراہیم سے حدیث سنا رہے ہو؟

اس کے جواب میں امام ابو حنیفہ نے کہا:۔

کان حماد افقہ من الزہری وکان ابراہیم افقہ من سالم و علقمہ لیس بدون ابن عمر فی الفقہ وان کانت لابن عمر صحبتہ و عبداللہ ھو عبداللہ۔[27]

ترجمہ:۔ حضرت حماد امام زہری سے زیادہ فقیہ تھے حضرت ابراہیم نخعی حضرت سالم سے زیادہ فقیہ تھے اور علقمہ فقہ میں حضرت ابن عمر سے کم نہیں۔ اگرچہ حضرت ابن عمر کی صحابیت کو جو

شرف حاصل ہے وہ علقمہ کو نہیں۔ باقی رہے حضرت عبداللہ بن مسعود تو وہ عبداللہ بن مسعود ہیں۔

(30) ثقہ راوی ضعف عمر کے باعث اگر یاد نہ رکھ سکے

قبول روایت میں جب اصل الاصول اعتماد ہے تو پیرانہ سالی میں جب حافظہ قوی نہ رہے تو ثقہ راویوں کی اس دور کی روایت پھر سے زیر بحث آ جائے گی۔ محدثین فن حدیث میں اس درجہ محتاط رہے ہیں کہ انہوں نے ثقہ راویوں کی روایات میں بھی اول دور اور آخری دور کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور تو اور صحابہ کرامؓ بھی اس عمر میں روایت نقل کرنے سے جہاں تک ہو سکے احتراز کرتے تھے حضرت زید ارقمؓ (66ھ) اپنے اس دور کا یوں ذکر کرتے ہیں۔

واللہ لقد کبرت سنی وقدم عهدی و نسیت بعض الذی کنت اعی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما حدثتکم فاقبلوه وما لا فلا تکلفونیه۔[27]

ترجمہ:۔ اے بھتیجے میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرا وقت آ پہنچا ہے اور میں بعض باتیں جو حضورؐ کی مجھے یاد تھیں بھول چکا ہوں سو میں جو خود بیان کروں وہ تو لے لیا کرو اور از خود مجھ سے نہ پوچھا کرو مجھے روایت کرنے کی تکلیف نہ دو۔

(31) تصحیح روایت میں محدثین پر اعتماد

محدثین میں حدیث کی تصحیح کے دونوں طریقے رائج رہے ہیں۔ (1) راویوں کی ثقاہت ان کے باہمی اتصال اور شذوذ و نکارت سے سلامتی معلوم کر کے بھی کسی حدیث کو صحیح کہہ سکتے ہیں۔ (2) کبھی ان تفصیلات میں جائے بغیر اکابر علمائے فن کی تصحیح پر اعتماد کر کے بھی کسی حدیث کو صحیح کہا جا سکتا ہے قبولیت روایت میں اصل الاصول اعتماد ٹھہرا تو جس طرح سے بھی یہ اعتماد حاصل ہو سکے روایت قابل قبول ہو جاتی ہے۔

ہر فن میں اکابر فن کی تقلید کی جاتی ہے۔ اس سے انسان اسی وقت نکلتا ہے جب خود براہ راست راویوں کی جانچ

پڑتال کر سکے اور اس کی جملہ طرق پر نظر ہو سکے۔ اس کے بغیر اعتماد سے چارہ نہیں اس اعتماد کو بھی علم کی ایک شان سمجھنا چاہیے۔ تقلید سے مراد دوسرے کے علم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی دلیل مانگے بغیر اس کی بات کو قبول کرنا ہے جس بات پر خود مضبوط علم حاصل نہ ہو تقلید سے چارہ نہیں۔ ہاں جب کسی بات کی براہ راست تحقیق ہو جائے اور اس میں کوئی شک اور دغدغہ نہ رہے تو پھر تقلید درست نہیں لیکن جب تک راویوں کا پورا علم خود حاصل نہ ہو۔ محدثین کرام جو ائمہ فن ہیں ان کی تصحیح اور ان کی تضعیف سے بھی علماء حدیث کسی روایت کو صحیح یا ضعیف کہہ سکتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن مہدی (198ھ) جرح و تعدیل کے جلیل القدر امام ہیں۔ آپ اس اعتماد کے یہاں تک قائل تھے کہ اسے الہام کا درجہ دیتے تھے جس طرح الہام کی خارج میں کوئی دلیل نہیں ہوتی ایک وجدان ہے جو اندر ہی اندر بولتا رہتا ہے اسی طرح محدثین کرام کو فن کے کمال سے جو ذوق و وجدان ملتا ہے اس پر وہ بعض حدیثوں کو راویوں کی ثقاہت اور سند کے اتصال کے باوجود قبول نہیں کرتے۔ حضرت عبدالرحمن بن مہدی (198ھ) کہتے ہیں:۔

ومعرفتہ الحدیث الھام فلو قلت للعالم لعلل الحدیث من این قلت ھذا؟ لم یکن لہ حجۃ[272]

ترجمہ:۔ حدیث کی معرفت ایک الہامی چیز ہے جو دل میں اترتی ہے۔ اگر میں علل حدیث کے کسی عالم سے کہوں کہ تم یہ بات کہاں سے کہہ رہے ہو تو اس کے پاس اس کا جواب نہ ہو گا۔

حافظ شمس الدین لذہبی لکھتے ہیں:۔

اذ االعمدۃ فی زماننا لیس علی الرواۃ بل علی المحدثین والمفیدین والذین عرفت عدالتھم و صدقھم فی ضبط اسماء السامعین[273]

ترجمہ:۔ ہمارے پاس اس دور میں (تحقیق حدیث میں) اعتماد راویوں پر نہیں کیا جا سکتا بلکہ محدثین اور اساتذہ پر ہے اور ان لوگوں پر جن کی عدالت اور سچائی راویان حدیث کے ناموں کو یاد رکھنے میں جانی پہچانی جا چکی ہے۔

جب تک راویان حدیث اپنی سند سے حدیثین روایت کرتے رہے تحقیق حدیث کا طریق راویوں کی جانچ پڑتال ہی رہا۔ لیکن جب سند والی کتابیں مدون ہو چکیں اور اس جمع شدہ ذخیرے سے ہی حدیث آگے چلی تو اس دور میں علیحدہ علیحدہ راویوں کی جانچ پڑتال کے ساتھ حاذق محدثین کی تحقیق اور اکابر اساتذہ فن کا ذوق بھی ساتھ instinct چلنے لگے

تو انہیں راویوں کی بجائے اساتذہ فن کے فیصلوں پر اعتماد حقیقت کے زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ علل حدیث میں اکابر فن پر اعتماد کے بغیر طلبہ حدیث آگے نہیں چل سکتے۔ یہاں اہل فن کی تقلید سے چارہ نہیں۔ ہر شخص کا ذوق اس درجے میں پختہ نہیں ہوتا کہ محض راویوں کے حالات جان کر پوری سند اور پوری حدیث پر وہ کوئی حکم لگا سکے۔ حافظ جلال الدین السیوطی لکھتے ہیں :۔

ان الجرح انما جرز فی الصدر الاول حیث کان الحدیث یوخذ من صدور الاحبار لا من بطون الاسفار فاحتیج الیہ ضرورۃ للذب من الاثار و معرفۃ القبول والمردود من الحدیث والاحبار واما الان فالعمدۃ علی الکتب المدونتہ[274]

ترجمہ :- راویوں پر جرح کرنا پہلے دور میں اس لیے جائز رہا کہ حدیث علماء کے سینوں سے لی جاتی تھی نہ کہ کتابوں کے اوراق سے سو اس کی ضرورت رہی تاکہ آثار کی حفاظت کی جا سکے اور احادیث و اخبار میں مقبول و مردود کو پہچانا جا سکے۔ لیکن اب اعتماد کتب مدونہ پر ہونا چاہئے۔

امام احمد بن حنبل (241ھ) کی کتاب کتاب العلل و معرفۃ الحدیث' امام ترمذی (279ھ) کی کتاب العلل اور ابن ابی حاتم کی کتاب الجرح و التعدیل اس سلسلہ کی بہت مفید کتابیں ہیں۔ امام احمد کی یہ کتاب انقرہ سے اور ابن ابی حاتم کی یہ کتاب حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔

ایک موضوع پر دو حدیثیں مروی ہوں۔ راوی ہر دو کے ثقہ ہوں اور اتصال روا بھی اپنی جگہ قائم ہو اور سند

محدثی اس کو الہام الہی سے تعبیر کرتے تھے پھر بھی کوئی حل نہ ملے تو ترجیح و تطبیق کی راہ لینے سے چارہ نہیں۔

(32) ترجیح و تطبیق میں ائمہ کے مختلف اسلوب

شریعت تدریجاً" تکمیل کو پہنچی ہے کئی امور جو پہلے جائز یا ناجائز تھے بعد میں ناجائز اور جائز قرار پائے سو اگر کسی موضوع پر متضاد روایات ملیں تو پہلے جو بات ذہن میں آتی ہے یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک حکم پہلے دور کا ہو گا جو اب منسوخ ہو چکا یہ اس صورت میں ہے کہ دونوں کی تاریخ معلوم ہو سکے اور اگر عقلاً" دونوں میں سے کسی کو

آگے پیچھے کیا جائے تو یہ نسخ اجتہادی ترجیح کے بعد لائق غور ہو گا۔
نسخ کی بات نہ کھلے تو پھر راجح کو دیکھا جائے وجوہ ترجیح سامنے آنے سے ایک بات خود بخود کمزور دکھائی دینے لگے
گی ترجیح نہ دے سکیں تو نسخ اجتہادی سے کام لیں اس کے بعد تطبیق کی راہ ہے کہ ہر ایک کو محل پر محمول کیا جائے
پھر بھی بات نہ بنے تو دونوں کو رہنے دیا جائے اور تساقط پر فیصلہ کیا جائے امام ابو حنیفہ کے ہاں پہلے نسخ پھر ترجیح پھر تطبیق اور
پھر تساقط کی ترتیب ہے شافعیہ کے ہاں پہلے تطبیق پھر ترجیح پھر نسخ اور پھر تساقط کا عمل ہو گا۔

ولذا تعارض الحدیثان ففی کتب الشافعیه یعمل بالتطبیق ثم الترجیح ثم
بالنسخ ثم بالتساقط و فی کتبنا یوخذا ولا بالنسخ ثم بالترجیح ثم بالتطبیق
ثم بالتساقط۔[275]

(33) حدیث شاذ اور امام اعظم

یہ امر واقع ہے کہ آج بھی تدوین حدیث کے بعد حدیث کے نام پر جو علمی سرمایہ موجود ہے وہ تین قسم کا ہے۔
کچھ وہ حدیثیں ہیں جن کے الفاظ محفوظ ہیں اور کچھ وہ ہیں کہ الفاظ تو محفوظ نہیں لیکن ان کے معانی محفوظ ہیں اور کچھ
حدیثیں ایسی ہیں جن کے الفاظ میں اختلاف ہے اور ساتھ ہی ان کے راویوں کی عدالت بھی اختلافی ہے قسم اول اور
قسم ثانی محدثین اور فقہاء کے یہاں مفہوم و مدلول کے تعیین میں اختلافی ہے اور آخری قسم خود محدثین کے یہاں صحت
اور ثبوت کے لحاظ سے اختلافی ہے چنانچہ حافظ ابوبکر عقال الصقلی فرماتے ہیں:۔

احادیث محدثین کے یہاں دائرہ ضبط میں اس طرح آئی ہیں کہ کچھ ایسی ہیں جن کی نقل میں حضور
انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعینہ الفاظ محفوظ ہو گئے ہیں۔ یہی وہ حدیثیں ہیں جو ہر قسم کی علت
سے پاک و صاف ہیں۔ کچھ حدیثیں وہ ہیں کہ نقل میں معانی تو محفوظ ہیں مگر اصل الفاظ تک
محدثین کی رسائی نہیں ہوتی ہے۔ اور کچھ حدیثیں وہ ہیں کہ جن کے الفاظ مختلف ہیں اور جن
کے راویوں کی عدالت بھی اختلافی ہے یہی وہ حدیثیں ہیں جن میں علتیں ہوتی ہیں۔ فنکار ہی
اصول صحیحہ کے مطابق ان میں صحیح اور ضعیف کی تمیز کر سکتے ہیں۔[276]

محدثین نے صحیح حدیث کی تعریف یہ بتائی ہے کہ جس کے راویوں میں ضبط' عدالت کے ساتھ سند کا اتصال ہو اور اس میں شذوذ اور علت قادحہ نہ ہو۔ گویا حدیث کے صحیح ہونے کی ایک ناگزیر منفی شرط یہ ہے کہ وہ شاذ نہ ہو لیکن شاذ کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں محدثین میں باہم اختلاف ہے۔

حافظ ابن کثیر نے حافظ ابو یعلی الخلیلی سے شاذ کی یہ تعریف نقل کی ہے :-

والذی علیہ الحفاظ ان الشاذ ما لیس لہ الا اسناد واحد یشذبہ ثقتہ او غیر ثقتہ۔

حفاظ کے نزدیک شاذ یہ ہے کہ اس کی صرف ایک ہی سند ہو اور اس طرح ثقہ یا غیر ثقہ اس میں شذوذ پیدا کر رہا ہو۔[277]

اور امام حاکم نے شاذ کی یہ تعریف بتائی ہے۔

ھو الذی ینفرد بہ الثقتہ ولیس لہ متابع

ثقہ راوی کا اپنا یگانہ بیان جس کا متابع کوئی نہ ہو شاذ کہلاتا ہے۔[278]

لیکن حافظ ابن الصلاح نے دونوں پر بڑی کڑی تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ اگر شاذ یہی ہے تو امام بخاری کی پہلی حدیث بھی شاذ ہے اور اس پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں :-

اس تعریف کی بنیاد پر تو حدیث انما الاعمال بالنیات بھی شاذ ہے[279] کیونکہ یہ بھی ایک فرد ہے جسے حضرت عمر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منفردا" روایت کرتے ہیں پھر حضرت عمرؓ سے علقمہ بھی منفردا" روایت کرتے ہیں اور علقمہ سے اسے روایت کرنے میں محمد بن ابراہیم اور محمد بن ابراہیم سے یحییٰ بن سعید منفرد ہیں۔ محدثین کے نزدیک یہی ثابت ہے اور اس سے بھی زیادہ واضح مثال عبداللہ بن دینار کی یہ حدیث ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الولاء وھبتہ[280] اس میں بھی عبداللہ بن دینار منفرد ہے۔ ایسے ہی وہ حدیث جو بحوالہ مالک از زہری از انس آئی ہے جس میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کے سر پر ڈھال تھی۔ اس میں مالک امام زہری سے منفرد ہیں۔ یہ سب روایات صحیحین میں موجود ہیں اور ان کی سند بھی صرف ایک ہی ہے جس کا تعلق ثقہ کے تفرد سے ہے۔ غرائب صحیح میں اس کا وافر ذخیرہ ہے۔ امام مسلم کا اپنا اقرار ہے کہ امام زہری کی نوے حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کی اسناد

میں وہ منفرد ہیں اور ان کی کوئی ہمنوائی نہیں کرتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح نے اس مشکل کا خود ہی حل بھی پیش فرمایا ہے۔ لیجئے وہ بھی ان کی زبانی سن لیجئے وہ فرماتے ہیں :-

اصل واقعہ یہ ہے کہ راوی اگر کوئی روایت منفرداً" پیش کرتا ہے تو ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ اس کی یہ روایت اگر اس سے زیادہ کسی حافظ و ضابط کی روایت کے خلاف ہو تو یہ شاذ مردود ہے۔ اور اگر اس کی روایت میں مخالفت کا کوئی پہلو نہ ہو تو پھر اس منفرد کی حیثیت کو دیکھا جائے اگر حافظ عادل اور ثقہ ہو تو اس کے تفرد کو شرف پذیرائی دیا جائے اور اس میں یگانگت قادح نہیں ہو گی جیسا کہ پہلی مثالوں میں ہے اور اگر راوی کے حفظ و اتقان پر بھروسہ نہ ہو تو اس کی روایت دائرہ صحت سے خارج تصور کی جائے گی۔[281]

قاضی بدرالدین بن جماعہ نے حافظ ابن الصلاح کی اس پیش فرمودہ قرار داد کی تائید فرمائی ہے لیکن حافظ محمد بن ابراہیم نے اس پر بھی ایک سوال قائم کر دیا ہے اور بہت کچھ چنیں و چناں کے بعد نتیجہ یہ نکالا ہے کہ :-

شاذ اور نکارت کی بنا پر حدیث میں محدثین کے لیے قدح بے حد مشکل ہو گئی۔[282]

یہ خالص محدثانہ رنگ میں ان محدثین کا نقطہ نظر ہے جن پر اسناد روایت کا غلبہ ہے۔ دوسری صدی میں شاذ کی تعریف اور اس کی حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے محدثین نے جو انداز اختیار کیا ہے وہ اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ ہر ایسی حدیث کو شاذ قرار دیتے ہیں جو اس موضوع پر آئی ہوئی دوسری حدیثوں اور معانی قرآن کے خلاف ہو۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر نے امام اعظم کے نقطہ نظر کو ایک موقعہ پر محدثین کو جواب دیتے ہوئے اس طرح واضح کیا ہے :-

کثیر من اهل الحدیث استجاز وا الطعن علی ابی حنیفته لرده کثیرا من اخبار لاحاد العدول لانه کان یذهب فی ذالک الی عرضها علی ما اجتمع علیه من الاحادیث و معانی القرآن فما شذ من ذالک رده و سماه شاذا۔

بہت سے محدثین نے امام ابو حنیفہ پر اس لیے اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے بہت سے ثقہ شخصوں کی حدیثوں پر عمل نہیں کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب کا دستور یہ تھا کہ وہ خبر

واحد کو اس باب کی دوسری حدیثوں اور معانی قرآن کے مجموعہ سے ملا کر دیکھتے اگر خبر واحد کا
مضمون ان سے مطابقت کھا جاتا تو اس پر عمل کر لیتے ورنہ اس کو قبول نہ کرتے اور اس کو شاذ
حدیث فرماتے۔[283]

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ امام اعظم اس حدیث کو شاذ بتاتے ہیں جو معانی قرآن اور اس موضوع پر آئی ہوئی دوسری حدیثوں کے خلاف ہو۔ امام اعظم کا شاذ کے موضوع پر یہ موقف قابل داد ہے اور امام مالک بھی امام صاحب کے ہمنوا ہیں۔ اسی بنا پر امام مالک حدیث ولوغ کلب کی تضعیف فرماتے تھے۔ شاطبی فرماتے ہیں کان مالک یضعفه امام مالک اسے ضعیف کہتے تھے۔[284] لیکن حالات کے تحت طبیعتوں اور مزاجوں میں اختلاف رونما ہو گیا۔ جن کے مزاجوں میں سنّہ کا رنگ غالب تھا۔ انہوں نے امام اعظم کی ہمنوائی کی۔ چنانچہ امام شافعی سے جو شاذ کی تعریف منقول ہے وہ بھی اس کے قریب قریب ہے وہ فرماتے ہیں کہ:-

شاذ یہ نہیں ہے کہ ثقہ راوی کوئی ایسی حدیث روایت کرے جس کو اس کے علاوہ کوئی روایت
نہیں کرتا بلکہ شاذ یہ ہے کہ ثقہ راوی ایسی حدیث روایت کرے جو عام لوگوں کی روایت کے
مخالف ہو۔[285]

جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ یخالف ماروی الناس سے امام اعظم کے موقف کی تائید فرمائی ہے لیکن چونکہ امام موصوف نے تیسری صدی کا کچھ حصہ پایا ہے اور اس دور میں جملہ بلاد اسلامیہ کے افراد و غرائب بازار میں عام ہو گئی تھیں اس لیے تعبیر اس ماحول کی علمی فضا سے متاثر ہو گئی ہے اور معاملہ صرف روایت و اسناد پر آ کر ٹھہر گیا ہے۔
قاضی ابو یوسف نے ایسی روایت کو شاذ قرار دیا ہے۔ جو کتاب و سنت کے موافق نہ ہوں اور جو فقہاء مجتہدین میں معروف نہ ہوں۔ چنانچہ وہ ایک موقعہ پر لکھتے ہیں :-

فإیاک و شاذ الحدیث و علیک بما علیه الجماعته من الحدیث وما یعرفه الفقهاء
مایوافق الکتاب والسنته۔

ایک دوسرے موقعہ پر فرماتے ہیں :-

وهو عندنا شاذو الشاذ من الحدیث لا یوخذبه
یہ حدیث شاذ ہے اور شاذ حدیث ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے۔[286]

بہر حال دوسری اور تیسری صدی کے محدثین شاذ حدیث کے موضوع پر مختلف الخیال ہیں۔

(34) حدیث و قیاس میں تعارض اور امام اعظم

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ احکام متناہی ہیں اور حوادث و واقعات جو روزانہ نت نئے پیش آ رہے ہیں وہ ان گنت ہیں۔ الشہرستانی رقمطراز ہیں :-

> ہمیں اس کا قطعاً" علم ہے کہ حوادث و واقعات خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے' بے حساب اور بے شمار ہیں۔ اور یہ بھی ہمیں پتہ ہے کہ ہر ہر واقعہ اور حادثہ کے بارے میں صاف اور صریح حکم نہیں ہے اور ایسا ممکن بھی نہیں ہے۔ جب صورت حال یہ ہے کہ حوادث و واقعات ان گنت اور احکام مقررہ ہیں تو اس کا نتیجہ لازماً" یہ ہے کہ لامتناہی متناہی کی گرفت میں نہیں آ سکتا۔ اس لیے یہ بات حتمی اور قطعی ہے کہ اسلام میں اجتہاد و قیاس کا خاص مقام ہے تاکہ ہر پیش پا افتادہ حال کے لیے اجتہاد کے ذریعے راستہ معلوم ہو سکے۔[287]

قرآن نے ان حوادث کے لیے اعتبار اور نبوت نے اجتہاد کا امت کو پروانہ دے کر ایک طرف اسلامی قانون کو بازیچہ اطفال بننے سے محفوظ کر لیا اور دوسری طرف اسلامی معاشرے کو بے را ہ روی' آوارگی اور بے قیاس زندگی کی برائیوں سے بچا لیا۔ اس بناء پر چند گنے چنے لوگوں کو چھوڑ کر پوری امت نے قیاس کی شریعت کو مانا ہے۔ امام شافعی کے مشہور شاگرد (امام مزنی رحمتہ اللہ علیہ قیاس پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

> حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک دینی معاملات میں فقہاء قیاس سے برابر کام لیتے رہے ہیں۔ ان کا اس پر اجماع ہے کہ حق کی نظیر حق ہے اور باطل کی نظیر باطل ہے لہذا قیاس کا انکار درست نہیں ہے کیونکہ وہ مماثل اشیاء پر مماثل احکام کا نام ہے۔[288]

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ :-

> حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پیش آنے والے حوادث میں اجتہاد سے کام لیتے تھے اور بعض احکام کو بعض پر قیاس کرتے تھے وہ ایک نظیر سے دوسری نظیر قائم کرتے تھے۔[289]

امام ابوبکر سرخسی نے اس موضوع پر مفید اور بڑے پتے کی بات لکھی ہے:[290]

قیاس سے شریعت میں کام لینا صحابہ اور ان کے بعد تابعین اور ائمہ دین کا مذہب ہے۔ سب سے پہلا شخص جس نے قیاس کے جواز کا انکار کیا ہے وہ ابراہیم نظام ہے۔ بغداد کے کچھ متکلمین نے اسی کی پیروی کی ہے۔ بعد ازیں ایک سادہ لوح شخص داؤد نامی آئے اور انہوں نے متقدمین کے اس سے متعلق افکار معلوم کیے بغیر ہی قیاس پر عمل کے ابطال کا اعلان کر دیا۔ اور لوگوں کو بتایا کہ شریعت میں قیاس حجت نہیں ہے۔ ان کی پیروی میں وہ وہ تمام ظاہریہ جو غور و فکر کی نعمت سے ان کی طرح بے نیاز ہیں یہی کچھ کہنے لگے اور ان میں سے کچھ نے یہی بات قتادہ، مسروق اور ابن سیرین کی طرف منسوب کی ہے۔ یہ ان بزرگوں پر بہتان ہے۔ ان کا مقام اس سے کہیں بالا و بالا ہے کہ وہ اس قسم کی بات کہیں۔[291]

علامہ شوکانی بھی انکار قیاس کی خشت اول کی نشاندہی میں السرخسی کے ہمزبان ہیں۔

اولین شخص جس نے قیاس کا کھلم کھلا انکار کیا نظام ہے۔ اور اس کی معتزلہ میں سے کچھ لوگوں نے پیروی کی ہے مثلاً" جعفر بن حرب، جعفر بن حبشہ، محمد بن عبداللہ، ان ہی کے سیکھے ہوئے داؤد ظاہری ہیں۔[292]

حافظ ابن عبدالبر مغربی نے حافظ ابوالقاسم بغدادی کے حوالہ سے بتایا ہے کہ :-

ماعلمت احداً سبق النظام الی القول بنفی القیاس

نظام سے پہلے قیاس کا منکر میرے علم میں کوئی نہیں ہے۔ اور اپنا یہ تاثر ظاہر کیا ہے۔

لا خلاف بین فقهاء الامصار وسائر اهل السنته فی نفی القیاس فی التوحید و اثباته فی الاحکام الا داؤد الظاهری فانه نفاه

فقہاء اور تمام اہل السنت کا موقف یہ ہے کہ عقائد میں قیاس روا نہیں ہے اور احکام میں درست ہے داؤد نے احکام میں بھی انکار کیا ہے۔[293]

تمام اہل السنت کی قید پر حیرت کی کوئی بات نہیں کیونکہ شیعہ کا موقف اس موضوع پر اہل السنت سے بالکل جدا ہے ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ فرماتے ہیں :-

ایک طبقے نے قیاس کے موضوع پر شدید مخالفت کی ہے ان میں اول مخالف شیعہ ہیں اور اسے قطعاً" حجت نہیں مانتے ہیں۔ ان کے بعد اہل ظاہر ہیں اور ان کے سرگروہ داؤد ظاہری اور مذہب ظاہریہ کے مشہور ناشر حافظ ابن حزم ہیں۔[294]

الغرض یہ مسئلہ اہل حق میں کوئی خاص اختلافی نہیں ہے اور جن کو اختلاف ہے ان کی مخالفت اجماع میں قادح نہیں ہے جیسا کہ سیوطی نے تصریح کی ہے۔

البتہ محل بحث یہ ہے کہ اگر قیاس اور خبرواحد میں تعارض ہو جائے تو کیا کیا جائے کیا خبرواحد کو مخالف قیاس ہونے کی وجہ سے رد کر دیا جائے اور یا پھر خبرواحد کو قبول کر کے قیاس کو رد کر دیا جائے۔

اس موضوع پر امام اعظم کی ترجمانی کرتے ہوئے بیگانوں نے نہیں بلکہ یگانوں نے کچھ پیچیدگی پیدا کر دی ہے۔

فخرالاسلام بزدوی علی بن محمد کا کہنا یہ ہے کہ اگر خبرواحد کے راوی اصحاب کبار ہوں۔ مثلاً خلفاء راشدین' عبداللہ بن مسعود' زید بن ثابت' معاذ بن جبل' ابو موسی اشعری' عائشہ اور دیگر صحابہ جو علم و فضل میں شہرت رکھتے ہوں تو ان کی روایت کردہ حدیثوں کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔ خود فخرالاسلام نے اس کی توجیہ اس طرح کی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث نبوی کا حفظ و ضبط بڑا کٹھن کام ہے آپ کو اللہ کی جانب سے شان جامعیت ملی تھی۔ صحابہ میں روایت بالمعنی کا عام رواج تھا۔ اگر راوی حدیث کے معلوم کرنے اور اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہو تو اس بات کا خطرہ در پیش ہوتا ہے کہ حدیث کا کوئی جز اس سے نہ رہ جائے اور اس طرح حدیث میں قیاس سے ایک شبہ زائد داخل ہو جائے گا لہٰذا اس میں احتیاط بھی زیادہ چاہیے۔ اور اس قصور فہم سے ہمارا مطلب صرف مقابلے کے وقت میں فقہ حدیث میں احتیاط ہے صحابہ کی تحقیر ہرگز مقصود نہیں ہے امام محمد متعدد مواقع پر امام ابو حنیفہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے انس بن مالک کی روایت کو اپنایا ابوہریرہ تو ان سے بڑھ کر ہیں۔ اس باب میں ہمارے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ ایسے راویان حدیث کی روایت اس وقت ترک کی جائے گی جب اس کے قبول کرنے میں کسی طرح کی گنجائش نہ ہو گی۔ جب قیاس کے سب دروازے بند ہو جائیں گے اس وقت وہ حدیث کتاب اور سنت مشہورہ کی مخالف تصور کی جائے اور اجماع کی بھی۔[295]

فخر الاسلام بزدوی نے امام اعظم کا جو موقف قرار دیا ہے یہ دراصل امام اعظم کا نہیں بلکہ عیسی بن ابان کا موقف ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالعزیز بخاری رقمطراز ہیں:۔

هذا مذهب عيسى بن ابان و تابعه أكثر المتأخرين۔

یہ عیسی ابن ابان کا مذہب ہے اور اسی کی اکثر متاخرین نے پیروی کی ہے۔

ورنہ جہاں تک امام اعظم کے اس موضوع پر موقف کا تعلق ہے وہ نہیں جو فخر الاسلام بتا رہے ہیں بلکہ وہ ہے جو ان کے بھائی صدر الاسلام سے صاحب تحقیق نے نقل کیا ہے کہ حدیث اور قیاس میں اگر تعارض ہو جائے تو حدیث کو قیاس پر مقدم کیا جائے گا بشرطیکہ حدیث صحیح ہو اور کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو۔ صدر الاسلام نے امام اعظم کے اس مسلک کی توجیہ فرمائی ہے کہ:۔

راوی کی عدالت اور ضبط ثابت ہو جانے کے بعد روایت میں تغیر و تبدل کا خیال ایک امر موہوم ہے۔ ظاہر ہے کہ راوی جو کچھ پیش کرتا ہے یہ اس کی سنی ہوئی بات ہے بالفرض اگر الفاظ میں اس کی جانب سے کوئی تغیر بھی ہوتا ہے تو یہ ایسا تغیر نہیں ہوتا جس سے مطلب بدل جائے کیونکہ ارباب عدالت راویوں کے بارے میں یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ اہل زبان ہیں اور زبان دانی کے ساتھ معنے کی تبدیلی کا گمان محض ایک خیال ہے اور ان کی عدالت و تقوی مان کر ان پر زیادتی اور کمی کا شبہ کرنا بھی بے محل ہے۔ نیز جس قیاس کی بنا پر روایت کو رد کیا جا رہا ہے خود اس قیاس کی صحت ہی کی کیا ضمانت ہے؟ قیاس صحیح سے واقفیت بھی دشوار تر ہے لہذا حدیث کو اپنانا ضروری ہے۔[96]

شیخ ابوالحسن کرخی نے بھی امام اعظم کے مسلک کی یہی ترجمانی کی ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالعزیز بخاری فرماتے ہیں:۔

شیخ ابوالحسن کرخی اور ان کے ہمنواؤں کے نزدیک حدیث کے قیاس پر مقدم کرنے کے لیے راوی کی فقاہت شرط نہیں ہے بلکہ روایت کی قبولیت کے لیے صرف راوی میں عدالت اور ضبط ہونا کافی ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ حدیث قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو۔ بلاشبہ ایسی حدیث کو قیاس پر بھی مقدم کیا جائے۔[97]

حافظ ابن الہمام نے بھی امام اعظم کا یہی مسلک بتایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

اذا تعارض خبرا لواحد والقیاس بحیث لا جمع قدم الخبر مطلقاً عندا لاکثر منہم ابو حنیفتہ والشافعی و احمد و ابن حنبل

حدیث اور قیاس میں اگر تعارض ہو جائے اور کسی طرح بھی دونوں کا باہم جمع کرنا ممکن نہ ہو تو پھر حدیث کو بلا شرط مقدم کیا جائے گا۔ اکثر کی رائے یہی ہے ان ہی میں ابو حنیفہ' شافعی اور احمد ہیں۔[298]

دوسرے اکابر نے امام اعظم کے اس موقف کی تائید میں جو دلائل پیش کیے ہیں ان کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں لیکن علامہ عبدالعزیز بخاری نے اسی سلسلے میں جو بات پوری قوت سے بتائی ہے وہ سننے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں

جو بات فخر الاسلام نے پیش فرمائی ہے یہ ہمارے اصحاب سے قطعاً" منقول نہیں ہے ان سے اس کے برعکس جو کچھ روایتہ ہمیں معلوم ہوا ہے وہ صرف یہ ہے کہ خبرواحد قیاس پر مقدم ہے اور اس بارے میں تفصیلاً" ان سے کچھ بھی مروی نہیں ہے۔ واقعات بھی اسی نظریہ کے مؤید ہیں۔ چنانچہ حدیث ابی ہریرہ کی وجہ سے بھول کر کھانے پینے سے روزہ ٹوٹنے کا فیصلہ امام ابو حنیفہ نے اسی بنا پر کیا ہے حدیث اگرچہ خلاف قیاس ہے لیکن اس کے باوجود اسی پر عمل ہے حتیٰ کہ امام اعظم سے منقول ہے کہ لو لا الروایتہ لقلت بالقیاس اس موضوع پر اگر یہ روایت نہ ہوئی تو میں قیاس سے کام لیتا اور یہ بھی امام اعظم سے منقول ہے کہ ماجائنا عن اللّٰہ والرسول فھو علی الراس والعین" اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے جو کچھ ہمارے پاس آئے وہ ہمارے سر آنکھوں پر ہے۔ اس بناء پر ہمارے اسلاف میں سے کسی بھی روایت کی صحت کے لیے راوی کے فقیہ ہونے کی شرط منقول نہیں ہے بلاشبہ یہ بات بعد کو گھڑی گئی ہے۔[299]

فقہ احناف میں جن روایات پر عمل نہیں کیا گیا ہے مثلاً حدیث عرایا' حدیث مصراۃ' اور حدیث قرعہ' اور جن کے متعلق لوگوں نے عمل نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ خلاف قیاس ہیں۔

ان کا جواب دیتے ہوئے امام علامہ ابوالحسن کرخی رقمطراز ہیں :۔

یہ غلط ہے کہ ہمارے اصحاب نے ان حدیثوں پر اس لیے عمل نہیں کیا کہ یہ خلاف قیاس ہیں

بلکہ ان حدیثوں پر عمل نہ کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ حدیثیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف ہیں اور یہ وجہ بھی نہیں کہ ان کے راوی فقاہت کی نعمت سے محروم ہیں۔ حدیث عرایا سنت مشہورہ کے خلاف ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ التمر بالتمر مثل بمثل کیل بکیل کھجور کے بدلے کھجور برابر برابر' ہم یہ تسلیم کرنے کو ہرگز تیار نہیں ہیں کہ ابو ہریرہ فقیہ نہیں تھے۔ آپ زمانہ صحابہ میں فتوی دیتے تھے حالانکہ اس زمانے میں غیر فقیہ کے فتوی دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی ہے اور آپ سے روایت کردہ حدیثوں کو کافی شہرت ہوئی ہے۔[301]

بہرحال یہ حقیقت بے غبار ہے کہ امام اعظم اور آپ کے اصحاب سنت بلکہ اخبار آحاد تک کو قیاس کے مقابلے میں راجح قرار دیتے تھے اور یہی امام اعظم کے موقف کی صحیح ترجمانی ہے۔

(35) اخبار آحاد اور امام اعظم

خبر واحد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی ایک دو یا اس سے زیادہ ہوں لیکن اس میں شہرت کے اسباب نہ ہوں۔ امام اعظم اولین شخصیت ہیں جنہوں نے اخبار آحاد کو قابل استدلال قرار دیا ہے۔ چنانچہ خاص اس موضوع پر حافظ ابن حزم نے امام اعظم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

> ھذا ابو حنیفتہ یقول ماجاء عن اللہ تعالٰی فعلی الراس والعین وماجاء عن رسول اللہ علیہ وسلم فسمعا" وطاعتہ وماجاء عن الصحابتہ تخیرنا من اقوالھم ولم نخرج عنھم وماجاء عن التابعین فھم رجال و نحن رجال۔
>
> یہ ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ اللہ سبحانہ کی جانب سے آئے یعنی قرآن وہ سر آنکھوں پر اور جو کچھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آئے اس کے لیے ہم سراپا شنید و طاعت ہیں اور صحابہ سے جو کچھ آئے تو ان کے اقوال میں سے ہم انتخاب کریں گے اور کسی درجہ میں ان کے ارشادات سے علیحدہ نہ ہوں گے اور اگر تابعین سے آئے تو ہم بھی آدمی ہیں وہ بھی آدمی ہیں۔[302]

ابو حمزہ السکری نے امام اعظم کا جو ارشاد نقل کیا ہے وہ اس سے بھی واضح ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث صحیح سند سے آئے ہم اسی کو لیتے ہیں اور اس سے آگے نہیں جاتے۔[383]

ابو حمزہ کو امام حافظ الدین ابن البزاز کردری نے مناقب میں امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کیا ہے اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حفاظ حدیث کے طبقہ خامسہ میں ذکر کیا ہے ان کا نام محمد بن میمون مروزی ہے اس لیے امام اعظم کے بارے میں ان کی رائے بڑی قیمتی ہے الغرض خبرواحد کے حجت ہونے اور قابل عمل ہونے میں امام اعظم اور تیسری صدی کی محدثین کا موقف ایک ہے۔ حافظ ابوبکر الخطیب خبرواحد کے موضوع پر محدثین کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

خبرواحد پر عمل کرنے کے موضوع پر تمام تابعین کا اتفاق ہے اور تابعین کے بعد آج تک کے فقہاء امصار کا اس پر ایکا ہے ہمارے علم میں اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے اور نہ اس پر آج تک کسی نے کوئی اعتراض کیا ہے۔ ان کا یہ اتفاق بتا رہا ہے کہ ان سب کے نزدیک اس پر عمل واجب ہے اگر کہیں بھی انکار کا کوئی کانٹا ہوتا تو تاریخ میں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔[384]

اس اتفاق کے باوجود اخبار آحاد کے موضوع پر چند اہم مباحث فکر و نظر کی جولانگاہ ضرور رہے ہیں مثلاً یہ کہ اخبار آحاد کے لیے معیار صحت کیا ہے؟ اور اخبار آحاد موجب للعمل ہونے کے ساتھ مفید یقین بھی ہیں یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں منصوص نہیں ہیں اس لیے ان میں فکر و نظر کا اختلاف ناگزیر ہے:۔

(36) اخبار آحاد کا معیار احتجاج

جمہور محدثین کا موقف تو یہ ہے کہ اخبار آحاد اس وقت تک قابل احتجاج نہیں ہو سکتیں جب تک ان میں خاص خاص شرائط نہ ہوں۔ امام شافعی نے ایک سائل کے جواب میں ان شرائط کا تفصیلی جائزہ پیش فرمایا ہے۔:۔

خبرواحد میں حجت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں یہ شرائط ہوں۔ راوی میں ثقاہت اور صداقت کے ساتھ اتنا علم ہو کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اسے جانتا ہو اور الفاظ سے ہٹ کر معنے کو دوسرے لفظوں کا لبادہ پہنانے کی صلاحیت رکھتا ہو یا پھر روایت باللفظ کرتا ہو۔ اگر حافظہ کی مدد

سے بیان کرتا ہے تو حدیث کا حافظ ہو اور اگر کتاب سے روایت کرتا ہے تو کتاب کا حافظ' ثقات راویوں کا ہمنوا ہو' مدلس نہ ہو' اس طرح راویوں کی ساری لڑی اوپر سے نیچے تک ہوتا آنکہ حدیث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے۔[305]

دوسرے محدثین نے بھی اسی معیار کو اپنایا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں :-

اما الحدیث الصحیح فھو الحدیث المسند الذی یتصل اسنادہ بنقل العدل الضابط عن العدل الضابط الی منتھاہ ولا یکون شاذاً ولا معللاً۔

صحیح وہ باسند حدیث ہے جس کی سند میں اتصال ہو' جو عادل ضابط عادل ضابط کی وساطت سے تاآخر روایت کرے اور شاذ و معلل نہ ہو۔

اور اس کے بعد لکھا ہے کہ :-

فھذا الحدیث الذی نحکم لہ بالصحتہ

یہی وہ حدیث ہے جس کے صحیح ہونے کا ہم فیصلہ کرتے ہیں۔[306]

حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں کہ جب محدثین کسی حدیث کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ سند کے لحاظ سے یہ صحیح ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اس حدیث کی قطعیت بتا رہے ہیں چنانچہ علامہ عراقی فرماتے ہیں :-

حیث یقول المحدثون ھذا حدیث صحیح فمرادھم فیما ظھر لنا عملاً بظاھر الاسناد انہ مقطوع بصحتہ فی نفس الامر۔[307]

اور حافظ ابن الصلاح نے بھی یہی بات لکھی ہے :-

لیس من شرطہ ان یکون مقطوعاً بہ

حافظ ابن ابراہیم الوزیر نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ :-

لجواز الخطاء والنسیان علی الثقتہ۔[308]

مطلب یہ ہے کہ صحت سے ان بزرگوں کی مراد صرف اصطلاحی صحت ہے۔ قرآن جیسی واقع صحت نہیں ایک روایت پر اس اصطلاحی صحت کی خواہ کتنی مہریں لگ جائیں لیکن بہر حال غیر معصوم انسانوں کی شہادت اور غیر معصوم

ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے۔ ایسا فیصلہ ہر بات کے لیے حجت کا فائدہ دے سکتا ہے مگر یقینیات اور قطعیات کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی راوی کی شہادت ،ظنیات قطعیہ سے ٹکرا جائے گی تو یقینیات اپنی جگہ سے نہ ہلیں گی۔ راوی کی شہادت کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑے گی۔

دراصل یہاں دو چیزیں ہیں اور دونوں کا مزاج الگ الگ ہے ایک حدیث کی صحت اور دوسرے حدیث کی مقبولیت۔ حدیث کی صحت سے بحث کرنا اگر ارباب روایت کا کام ہے تو حدیث کی قبولیت کو بتانا مجتہدین کا فن ہے ہر گوشہ کی طرح یہاں بھی افراط و تفریط کی دو راہیں پیدا ہو گئی ہیں۔

کچھ وہ ہیں جن کے نزدیک کسی بھی حدیث کا فقہ کی کتابوں میں آ جانا ہی حدیث کی صحت کی ضمانت ہے اور ان کی کتابوں کو مؤلفین کی جلالت علمی سے دب کر حدیث کو صحیح مان لیتے ہیں حالانکہ فقہ کی کتابیں بہر حال مسائل کی کتابیں ہیں ان میں حدیث کی صحت سے کوئی بحث نہیں ہوتی ہے نہ ان کا یہ فن ہے حدیث کے لیے محدثین ہی کی خوشہ چینی چاہیے۔ فقہ احناف میں معرکہ کی کتاب اگر ہدایہ ہے تو فقہ شافعی میں رافعی کی شرح الوجیز ہے۔ ان دونوں کتابوں کی حدیثوں کو دیکھنا ہو تو حافظ زیلعی کی نصب الرایہ اور حافظ ابن حجر کی التلخیص کو دیکھنا ہو گا۔ یہ دونوں محدث ہیں اور یہ ان کا فن ہے۔

ملا علی قاری محدث نے اس حدیث کو جو جمعۃ الوداع میں قضائے عمر کے بارے میں آئی ہے موضوعات میں قطعاً باطل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:۔

> لا عبرة بنقل صاحب النهاية وغيره من بقية شراح الهداية لبسوا من المحدثين ولا اسند والحديث الى احد من المخرجين۔
>
> اس حدیث کو صاحب نہایہ اور ہدایہ کے دوسرے شارحوں کے نقل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ نہ خود محدث ہیں اور نہ محدثین کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں۔[309]

اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے ملا علی قاری کے اس فیصلہ سے عمدۃ الرعایہ کے مقدمہ میں جو نتیجہ نکالا ہے وہ بھی گوش گزار فرمالیجئے:۔

> ملا علی قاری کے اس فیصلہ سے یہ عجیب بات معلوم ہو گئی کہ فقہ کی کتابیں اپنی جگہ مسائل کے لیے خواہ کتنی معتبر سہی اور ان کے مؤلفین بھی چاہے کتنے ہی صاحب کمال اور معتمد ہیں لیکن

فقہ کی کتابوں میں آمدہ حدیثوں پر محدثانہ نظر سے بھرپور اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ کتنی ہی
حدیثیں ہیں جو فقہ کی معتبر کتابوں میں آئی ہیں لیکن فی الواقع وہ موضوع ہیں۔ ہاں اگر مصنف
کتاب زمرہ محدثین سے ہو تو بے شک اس کی بیان کردہ حدیث پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا اگر
مصنف حدیث کو کسی محدث کے حوالہ سے پیش کرے تو اس پر بھروسہ ہو سکتا ہے۔ راز اس میں
یہ ہے کہ اللہ نے ہر فن کے لیے فن کی شخصیتیں بنائی ہیں۔ اپنی مخلوقات میں سے ہر طبقہ کو کچھ
نوع خصوصیات سے مالا مال کیا ہے۔ کچھ محدثین ایسے ہیں جن کو روایت و اسناد ہی سے کام ہوتا
ہے فقہ ان کا میدان نہیں ہے اور کچھ فقہاء ایسے ہیں جن کا مقام بس فقہ میں ہے حدیث میں ان
کو کوئی مہارت نہیں ہوتی۔[312]

مولانا نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور خود انسان کا وجدان بھی یہی باور کرتا ہے کہ فن والوں سے
ہی فن کی بات معلوم ہو سکتی ہے اگر آپ شاعروں سے مسائل یا فقہاء سے اشعار کی تحقیق کریں تو یہ بے محل بات
ہے۔ اس موقعہ پر حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر بڑے پتے کی بات فرما گئے ہیں کہ :-

اختلاف طبقات کے باوجود مسلمانوں کے سارے فرقے اس پر متفق ہیں کہ ہر فن میں اس کے
فنکاروں کی بات سے استدلال کیا جا سکتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو سارے علوم حرف غلط ہو کر رہ جائیں
کیونکہ جو فنکار نہیں ہو یا تو اس میں لب کشائی ہی نہ کرے گا اور کرے گا تو غیر تسلی بخش ہو گی۔
غور کرو اگر قرآن و سنت کے غریب الفاظ کی تحقیق تم قاریوں سے کرو یا قرأت کے مسائل اہل
لغت سے پوچھو' معانی بیان اور نحو کی باتیں تم محدثین سے دریافت کرو اور علم الاسناد' علل حدیث
کی تحقیق کے لیے تم بارگاہ متکلمین کا رخ کرو تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو گا کہ علوم و فنون
ملیا میٹ ہو کر رہ جائیں۔[311]

دوسری طرف ارباب روایت ہیں جنہوں نے محدثین کی تصحیح کو ہی صرف حدیث کی مقبولیت کا معیار بنا لیا ہے۔
انہوں نے ائمہ نقد میں سے دار قطنی وغیرہ پر محدثانہ نقطہ نظر غالب دیکھ کر اپنی توجہات کا مرکز صرف اسناد ہی کو بنا لیا
اور متن سے نظریں ہٹالی ہیں۔ حالانکہ حدیث اسناد و متن دونوں کا نام ہے۔ حدیث کی صحت کی حد تک اسناد کی تحقیق
کرنا اگر محدثین کا کام ہے تو حدیث کے متن کی حد تک قبولیت کو بتانا مجتہدین و فقہاء کا کام ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر

نے حافظ ابن حبان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :-

لن النظر ان کان للسند فالشیوخ لولی وان کان للمتن فالفقہاء

اگر سند سے متعلق تحقیق کرنی ہو تو محدثین سے کرنی چاہیے اور اگر متن کے بارے میں کچھ پوچھنا ہو تو فقہاء سے پوچھنا چاہیے[312]

اس کی وجہ امام حازمی نے یہ بتائی ہے۔

لان قصدھم اثبات الاحکام و مجال نظرھم فی ذالک متسع

فقہاء کا پیش نہاد احکام ثابت کرنا ہے اور اس میں ان کا میدان وسیع ہے۔[313]

علامہ خطابی کو بھی اس افراط و تفریط کی شکایت ہے۔ یہاں ان کے بیان کو ناظرین کی ضیافت طبع کی ظاہر پیش کرنا فائدے سے خالی نہیں ہو فرماتے ہیں کہ :-

میں نے اپنے زمانے میں علماء کو دو گروہ میں منقسم دیکھا ہے۔ محدثین اور ارباب فقہ' ان دونوں علموں میں مقام اور محل کے لحاظ سے انتہائی قرب کے باوجود یہ دونوں طبقے باہم بچھڑے ہوئے بھائی معلوم ہوتے ہیں۔ محدثین کی اکثریت کی تگ و دو تو صرف روایات سمیٹنے اور طرق یکجا کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ غرائب اور شواذ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں متون کا ان کو کوئی پتہ نہیں ہے معانی سے نابلد اور استنباط سے بالکل ناآشنا ہیں۔ فقہاء پر زبان طعن و تشنیع استعمال کرتے ہیں۔ فقہاء کے خلاف ان کا آوازہ ہے کہ یہ سنن کی مخالفت کرتے ہیں لیکن فقہاء کے مقام علمی کی ان بیچاروں کو ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ زبان کی اس غلط کروٹ سے خود ہی گناہ کما رہے ہیں۔ فقہاء کا حال یہ ہے کہ حدیث کی حد تک ان کو قدرے علم تو ہے مگر ان میں صحیح' سقیم' کھری کھوٹی میں تمیز کا بالکل سلیقہ نہیں ہے۔[314]

علامہ الجزائری نے توجیہ النظر میں بھی اس قسم کی شکایت کی ہے۔ بہر حال یہ موضوع تفصیل طلب ہے لیکن چونکہ ایک اہم اصولی سوال ہے اس لیے اس باب میں تحقیق کے راہ یہ ہے کہ حدیث کی صحت کے بارے میں محدثین سے اور حدیث کی قبولیت کے متعلق مجتہدین و فقہاء سے استفادہ کرنا چاہیے۔

اخبار آحاد سے احتجاج کا مسئلہ صرف حدیث کی صحت سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس کا صحت کے ساتھ قبولیت

سے بھی تعلق ہے۔ امام اعظم محدث ہونے کے ساتھ چونکہ فقیہ اور مجتہد بھی ہیں اس لیے حدیث کی صحت کے ساتھ حدیث کی قبولیت کی بھی شرطیں بتائی ہیں۔ حدیث کی صحت کے موضوع پر وہ بھی وہی کچھ فرماتے ہیں جو عام ارباب روایت کا مسلک ہے لیکن حدیث کے مقبول اور قابل عمل ہونے کے لیے انہوں نے کچھ شرائط پیش کی ہیں۔ ان میں اہم یہ ہیں کہ :-

1- روایت دین کے مسلمہ اصولوں کے خلاف نہ ہو۔
2- معانی قرآن سے متصادم نہ ہو۔
3- سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔
4- صحابہ و تابعین کے عمل متوارث کے خلاف نہ ہو۔
5- خبر واحد کا تعلق عموم بلوی سے نہ ہو۔

(37) مسلمہ اصولوں کے خلاف روایت

امر اول یعنی یہ کہ روایت کے مسلمہ اصول کے خلاف نہ ہو۔ اس کی اہمیت تمام ارباب اجتہاد نے ہمیشہ تسلیم کی ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کے اس معیار کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

شریعت کا علمی سرمایہ دو قسم کا ہے قوانین کلیہ اور حوادث جزئیہ۔ قوانین سے مقصود ضوابط عامہ ہیں مثلاً یہ کہ شہادت پیش کرنا مدعی کا کام ہے شریعت دراصل ان ہی قوانین کا نام ہے۔ مجتہد کا کام ہے کہ ان ضوابط کو حوادث جزئیہ سے متاثر نہ ہونے دے۔[315]

علامہ شاطبی اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

قوانین عامہ پر جزئی اور خصوصی واقعات اثر انداز نہیں ہوتے کیونکہ قواعد کلیہ قطعی ہوتے ہیں اور حوادث جزئیہ ظنی ہوتے ہیں۔ گمان و وہم سے یقین و اذعان کی عمارت منہدم نہیں ہو سکتی اور نہ ظن میں یقین کا مد مقابل بننے کی تاب ہے۔ نیز قواعد کلیہ دلائل قطعیہ سے غذا حاصل کرتے ہیں اس لیے ان میں کسی دوسرے احتمام کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔ برخلاف حوادث کے کہ ان میں

ہر وقت اور ہمہ آن دوسرے احتمالات کا امکان رہتا ہے۔ احادیث و اخبار کی حیثیت جزئیات کی ہے اور قواعد کا مقام کلیات کا ہے۔۔

شریعت میں اس کی ایک سے زیادہ مثالیں ہیں۔ صرف ایک مثال ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ قرآن و سنت میں وضو میں سر کے مسح کا ایک عمومی ضابطہ قرآن میں ہے۔

وامسحو برؤسکم [316]

اور سنت سے بھی اس ضابطہ کی کلیت معلوم ہوتی ہے لیکن کچھ حدیثوں میں سر کی جگہ عمامہ پر مسح کا ذکر آیا ہے۔ مسند احمد، بخاری، ابن ماجہ میں بحوالہ عمرو بن امیہ، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، مسلم، نسائی میں بحوالہ بلال، ترمذی میں بحوالہ مغیرہ، طبرانی میں بحوالہ ابی امامہ اور مسند احمد میں بحوالہ ثوبان اور سلمان عمامہ پر مسح کے بارے میں احادیث آئی ہیں۔

ان حدیثوں کی وجہ سے مسح راس کے اس ضابطہ حتمی کو ہرگز ہرگز نہیں چھوڑا جائے گا جو قرآن اور سنت متوارثہ سے ثابت ہے۔ اگر روایات مسح عمامہ صحیح بھی ہوں تو ان کو مطالب کا ایسا جامہ پہنایا جائے گا جس سے مسح راس کی قطعیت پر کوئی حرف نہ آئے۔ علامہ عبداللہ دراز سیاطی رقمطراز ہیں :-

> جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسح عمامہ کی روایات آئی ہیں یہ روایات وضو میں مسح راس کے قاعدہ عام پر ہرگز اثر انداز نہ ہوں گی۔ اگر روایات صحیح بھی ہوں تو ان کو کسی وقت عذر پر محمول کیا جائے گا مثلاً" سر میں زخم یا کسی اور بیماری کو اس قاعدہ عامہ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔[317]

علامہ شاطبی اس پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

> جب بذریعہ استقراء ایک قاعدہ کلیہ ثابت ہو چکا ہے پھر اگر کوئی جزئیہ سامنے آ جائے جو اس قاعدہ کے خلاف ہو تو جزئیہ کے لیے ایسا محمل تجویز کرتا ہو جس سے وہ قاعدہ عام سے ہم آہنگ ہو جائے کیونکہ قاعدہ کی کلیت کا علم تو پوری شریعت کے سسٹم کو دیکھ کر ہوا ہے یہ ناممکن ہے کہ اس خاص جزئیہ کی وجہ سے قواعد کی عمارت کو مسمار کیا جائے۔[318]

اس میں امام مالک بھی امام اعظم کے ہمنوا ہیں۔ اس لحاظ سے یہ دوسری صدی کے فقہاء و محدثین کا مسلک ہے

کہ اخبار آحاد کے قابل عمل اور قابل احتجاج ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلام کے قوانین کلیہ کے خلاف نہ ہوں اور ان بزرگوں کو یہ مسلک ابوبکرؓ عمرؓ عائشہ اور ابن عباس سے ورثہ میں ملا ہے۔ علامہ شاطبی نے الموافقات میں اس پر مستقل عنوان کے تحت بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ ابن عباس اور عمر بن الخطاب نے اخبار آحاد کو اصول اسلامیہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے رد کر دیا تھا اور موضوع پر شاطبی نے امام مالک کا مذہب بھی کھول کر بتایا ہے وہ فرماتے ہیں :۔

اس مسئلے کی سلف میں اصل موجود ہے۔ حضرت عائشہؓ نے حدیث ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ[319] کو اسی وجہ سے رد کر دیا کہ قرآن کے اس ضابطہ عام کی خلاف ہے لا تزرو ازرۃ وزرا خریٰ[320] نیز ابن عباس کی اس روایت کو جس میں رویت باری کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہؓ نے لا تدرکہ الابصار[321] کے ضابطہ کی وجہ سے نامنظور کیا۔ ایسے ہی حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت پر تنقید کی جس میں برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے ہاتھ دھونے کی ہدایت ہے۔ نیز حضرت ابن عمرؓ کی نحوست والی روایت کو ضابطہ قرآنی ان الامر کلہ للّٰہ کے خلاف قرار دیا اور بتایا کہ یہ بات نہیں کہ نحوست کا اسلام نے اعلان کیا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں لوگوں کا اعتقاد یہ تھا۔[322]

الغرض دوسری صدی کے محدثین کا نقطہ نظر اخبار آحاد کے بارے میں واضح اور صاف یہ تھا کہ خبر واحد اگر شریعت کے کسی مسلمہ قاعدے کے خلاف ہو تو اس پر عمل جائز نہیں ہے علامہ شاطبی نے امام مالک کا بھی یہی مذہب بتایا ہے اور علامہ ابن عربی نے بھی امام مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ :۔

اذا جاء الخبر معارضاً لقاعدۃ من قواعد الشرع ھل یجوز العمل بہ ام لا؟ فقال ابو حنیفتہ لا یجوز العمل بہ و قال الشافعی یجوزو تردد مالک فی المسئلتہ قال و مشہور قولہ والذی علیہ المعمول ان الحدیث ان عضدتہ قاعدۃ آخری قال بہ وان کان وحدہ ترکہ

اگر خبر واحد کسی قاعدہ شریعت کے معارض ہو تو کیا اس پر عمل جائز ہے؟ امام ابو حنیفہ تو فرماتے

ہیں کہ ناجائز ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ جائز ہے اور امام مالک کا قول مشہور اور قابل اعتماد یہی ہے کہ حدیث کی تائید میں اگر کوئی قاعدہ ہو تو عمل جائز ہے اور اگر نہ ہو تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔[323]

اس کے برعکس تیسری صدی کے محدثین نے اس اساس سے ہمنوائی نہیں کہ بلکہ انہوں نے اخبار آحاد کے ذریعے آئی ہوئی ہر خبرواحد کے بارے میں فیصلہ کر دیا کہ ہر صحیح حدیث بجائے خود ایک اصول ہے جس طرح قرآن حکیم ایک اصول ہے اور صحیح حدیث وہ ہے جو محدثین کی طے کردہ اصطلاحی صحت پر پوری اترے۔ چنانچہ علامہ خطابی رقمطراز ہیں :۔

والاصل ان الحدیث لماثبت عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وجب القول بہ وصار اصلاً فی نفسہ۔

حدیث جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو اسے اپنانا واجب ہے اور وہ خود ایک اصل ہے۔[324]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی یہی بات لکھی ہے کہ :۔

الحدیث الصحیح اصل بنفسہ

حدیث صحیح خود ایک اصل ہے۔[325]

ابن السمعانی کے حوالہ سے بھی یہی بتایا گیا ہے کہ :۔

متی ثبت الخبر صار اصلاً من الاصول ولا یحتاج الی عرضہ علی اصل اخر

جب حدیث ثابت ہو جائے تو وہ خود ایک اصل ہو جاتی ہے۔[326]

فکر و نظر کے اس اختلاف کا یہ نتیجہ نکلا کہ اسلام کے مسلمات میں ترمیم کرنی پڑ گئی اور ہر حدیث کے صحیح ہونے کے بعد تیسری صدی میں اسلام میں اصول ہی اصول ہو گئے۔ مثلاً عرض کرتا ہوں کہ صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں حدیث آتی ہے۔

عن ابی ہریرہ انہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یکذب ابراہیم الا ثلاث کذبات ثنتین منھا فی ذات اللّٰہ تعالٰی قولہ انی سقیم وقولہ بل فعلہ

کبیرھم ھذا و واحدۃ فی سارۃ [327]

اگر اس معیار کو مان لیا جائے کہ ہر حدیث ثابت ہونے کے بعد ایک اصل ہے تو نبی کا کذب بھی اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصل بن جائے گا۔ معاذ اللّٰہ ثم معاذ اللّٰہ حالانکہ نبی کی سچائی اور اس کی صداقت مانے ہوئے اصولوں میں سے ایک مسلمہ اصول ہے۔ وحی و نبوت کے سارے کارخانے کی رونق نبوت کے اسی وصف سے وابستہ ہے۔ اسی بنا پر علماء اور شراح حدیث کو اس حدیث کے لیے مطلب کے جامے تلاش کرنے پڑے اور ایک نہیں۔ بلکہ متعدد توجیہات کرنی ناگزیر ہو گئیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث دین کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے کیونکہ نبوت ایک سیرت ہے جو صرف سچائی ہی سے بنتی ہے اور صرف سچائی ہی کے سانچے میں ڈھل سکتی ہے۔ ایک نبی کسی بات سے عاجز نہیں ہوتا لیکن اس بات سے کہ سچ نہ بولے وہ "قطعا" عاجز ہوتا ہے حقیقت اور سچائی کے خلاف جو کچھ ہے کبھی وہ نبوت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انبیاء کی سچائی اور عصمت دین کے یقینیات قطعیہ میں سے ہے اور روایت چاہے کتنی ہی بہتر قسم کی کیوں نہ ہو لیکن ہر حال میں راوی کی شہادت ہے اور راوی بھی غیر معصوم' اس کی شہادت ایک لمحہ کے لیے یقینیات قطعیہ اور دین کے مسلمہ اصولوں کے مقابلے میں تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ اور الجزائری نے جو بعض کی طرف منسوب کر کے اور امام رازی نے جسے امام اعظم کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ :۔

ھذا الحدیث لا ینبغی ان یقبل لان فیہ نسبت الکذب الی ابراہیم

اس حدیث کو شرف قبول حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت ابراہیم کی طرف جھوٹ کی نسبت ہے۔

اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ :۔

جب ایک غیر معصوم راوی کی غلطی ماننے اور معصوم نبی کی طرف جھوٹ کی نسبت میں تعارض ہو جائے تو ہم راوی کی غلطی مان لیں گے لیکن نبی کی طرف جھوٹ کی نسبت گوارا نہ کریں گے[328]

حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے :۔

انا لا ندعی العصمتہ فی الرواۃ

ہم راویوں میں عصمت کے دعویدار نہیں ہیں۔

راویوں میں محدثین زیادہ سے زیادہ عدالت کے مدعی ہیں اور عدالت اور عصمت میں جب بھی تعارض ہو گا تو عصمت کو راجح قرار دیا جائے گا۔ یہ ایک مثل ہے ورنہ اس قسم کی مثالوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔

(38) معانی قرآن سے متصادم روایت

حدیث کی اصطلاحی صحت کے بعد دین کی زندگی میں اسے اپنانے اور اس کی مقبولت کے لیے امام اعظم ایک شرط یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ حدیث کسی درجے میں معانی قرآن سے متصادم نہ ہو اور اس شرط کے عائد کرنے کی وجہ یہ ہے قرآن اپنے مدلول اور مفہوم میں قطعی نہیں ہے لیکن اپنے منطوق میں وہ حتمی اور قطعی ہے اور احادیث اخبار آحاد ہونے اور روایت بالمعنے کی وجہ سے اپنے منطوق' اپنے مفہوم میں ہرگز ہرگز قطعی نہیں ہیں۔ ایک روایت پر اصطلاحی صحت کی خواہ کتنی مہریں ثبت ہو جائیں مگر آپ قطعیت کے ساتھ یہ دعوی نہیں کر سکتے کہ راوی جو کچھ بتا رہا ہے یقیناً" یہ الفاظ نبوت ہی ہیں۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :۔

> قد یختلف صیغ حدیث الاختلاف الطرق و ذالک من جهته نقل الحدیث بالمعنی۔
>
> حدیث میں الفاظ متعدد طرق سے آنے کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں اور یہ اختلاف الفاظ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کی روایت بالمعنے ہوئی ہے۔[329]

امام اعظم کا یہ ضابطہ حافظ ابن عبدالبر نے اس طرح پیش کیا ہے کہ :۔

> امام اعظم اخبار آحاد کو اپنے یہاں جمع کردہ حدیثوں اور معانی قرآن پر پیش فرماتے تھے۔ ان حدیثوں میں جو اپنے معنے میں منفرد ہوتی تھیں ان کو ترک کر دیتے اور ان کا نام شاذ رکھتے۔[330]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار آحاد اگر معانی قرآن کے خلاف ہوتی تھیں تو آپ کے یہاں درجہ قبولیت نہ ملتا تھا۔ خواہ وہ معانی قرآن قرآن کا منطوق ہوں یا مدلول۔ اگر خبر واحد ان کے خلاف ہوتی تو خبر کی صحت میں آپ اسے علت قادحہ قرار دیتے۔ دراصل اخبار آحاد میں تعلیل کا مسئلہ نہایت ہی نازک ترین مسئلہ ہے۔ محدثین کی نظر تو اس موضوع پر صرف اسناد اور الفاظ متن ہی پر ہوتی ہے لیکن مجتہدین کی نظر اس معاملہ میں الفاظ متن اور اسناد ہی پر نہیں

ہوتی بلکہ ان کو تقابلی مطالعہ میں اسے شریعت کے پورے نظام کو سامنے رکھ کر جانچنا ہوتا ہے اس لیے کسی حدیث کے ضعیف ہونے کی وجوہ نہ صرف متعدد ہوتی ہیں بلکہ متباکین ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ امام حازمی رقمطراز ہیں :

پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اخبار آحاد کے ضعیف ہونے کی وجہ ایک سے زیادہ ہونے کے ساتھ مختلف بھی ہوتی ہیں اور اہل علم اس موضوع پر مختلف نقطہ ہائے نظر رکھتے ہیں اور ان میں بزرگترین یہ ہے کہ حدیث کی مقبولیت کا دارومدار ظاہر شرع کی ہمنوائی پر ہے اور محدثین کے نزدیک دوسرے اسباب ہیں[۱۸۸]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کے یہاں تعلیل اخبار کے جو پیمانے مقرر ہیں ان کا تعلق سراسر محدثانہ نقطہ نظر سے ہے اور فقہاء کے یہاں صرف یہی پیمانہ نہیں بلکہ وہ اس کے ساتھ دوسرے سانچوں میں بھی اخبار کو رکھ کر جانچتے ہیں۔ ایک مثال سے اس کی توضیح کرتا ہوں۔

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المتباعیان بالخیار مالم ینفرقا۔

یہ حدیث صحیح ہے اور حدیث کی کتابوں میں متعدد طرق سے مروی ہے۔ محدثین نے اس حدیث پر غور کیا اور غور و فکر کے بعد ان کو اس کی سند میں ایک جگہ نازک ترین علت معلوم ہوئی۔ بتانے والوں نے اس کا سلسلہ سند یوں ظاہر کیا۔

یعلی بن عبید عن سفیان الثوری عن عن عمرو بن دینار عن ابن عمر عن النبی

حدیث متصل ہے لیکن الجزائری کہتے ہیں کہ اس میں علت موجود ہے اور اس علت کی وجہ سے بلحاظ سند حدیث صحیح نہیں ہے چنانچہ فرماتے ہیں :۔

وھو معلل غیر صحیح

آپ پوچھ سکتے ہیں کہ علت کیا ہے؟ الجزائری نے بتایا ہے کہ :۔

والعلتہ فی قولہ عن عمرو بن دینار انما ھو عن عبداللہ بن دینار عن ابن عمر ھکذا رواہ الائمتہ من اصحاب سفیان[؟]ھم یعلی بن عبید و عدل عن عبداللہ بن دینار الی عمرو بن دینار وکلا ھما ثقتہ

اس میں علت یہ ہے کہ سند میں عمرو بن دینار آیا ہے حالانکہ عمرو بن دینار نہیں بلکہ عبداللہ بن

دینار ہے۔ ائمہ نے ایسا ہی روایت کیا ہے ۔علی بن عبید کو وہم ہو گیا اور عبداللہ کی جگہ عمرو مذکور ہو گیا۔[332]

یہ محدثانہ تعلیل ہے لیکن حدیث میں جو فقہاء یعنی امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے علت قادحہ معلوم کی ہے وہ اس کے سوا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ حدیث زمانہ فقہاء سبعہ میں منظر عام پر نہیں آئی اور ان کے معاصرین اس سے آشنا نہیں ہیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :-

فرای مالک وابو حنیفتہ هذا علته قادحته فی الحدیث۔[333]

بہر حال امام اعظم اخبار آحاد کی معانی قرآن کی سانچے میں تول کر حدیث کی مقبولیت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ حافظ ابو جعفر طحاوی فرماتے ہیں :-

> خلاصہ یہ کہ حدیث جب شریعت کے موافق ہو قرآن اس کا مصدق ہو اور آثار اس کے موئد ہوں تو ایسے حدیث کی تصدیق واجب ہے لیکن اگر حدیث شریعت کے خلاف ہو قرآن اس کی تکذیب کرتا ہو تو ایسی حدیث کا رد کرنا ضروری ہے اور یہ اس بات کی کھلی نشانی ہے کہ یہ فرمودہ نبوت نہیں ہے۔[334]

مشہور محدث ابو بکر خطیب بغدادی فرماتے ہیں :-

> اخبار آحاد کو مندرجہ ذیل صورتوں میں قبول نہ کیا جائے گا۔ جب عقل صریح کے خلاف ہو' جب حکم قرآنی کے خلاف ہو' جب سنت مشہورہ کے خلاف ہو اور جب کسی ایسے عمل کے خلاف ہو جو سنت کے قائم مقام ہو کر چل رہا ہے اور جب کسی بھی دلیل قطعی کے خلاف ہو۔[335]

خطیب بغدادی ہی نے الفقیہ و المتفقہ میں یہ بات اس سے زیادہ وضاحت سے پیش کی ہے۔ علامہ زاہد کوثری نے الفقیہ و المتفقہ کے حوالہ سے ان کا یہ بیان قلم بند کیا ہے اور اسے مولانا ابو الوفاء افغانی نے الرد علی سیرالا وزاعی کی تعلیق میں نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں :-

> جب ثقہ مامون راوی کوئی حدیث متصل الاسناد روایت کرے تو اسے صرف ان وجوہ کی بناء پر رد کیا جا سکتا ہے۔
>
> اول عقل کے صریح خلاف ہو۔ دوم حکم قرآنی یا سنت متواترہ کے خلاف ہو۔ اگر ایسا ہو تو یقیناً"

حدیث بے اصل ہے اور یا پھر منسوخ سوم اجماع کے خلاف ہو کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ حدیث صحیح ہو اور امت کسی ایسی چیز پر مجتمع ہو جائے جو اس کے خلاف ہو۔ چہارم راوی کسی ایسی بات کے بیان میں منفرد ہو جسے سب کو جاننا چاہیے پنجم راوی کوئی ایسا انکشاف کرے جسے عادۃ متواتر ہونا چاہیے۔ ان پانچوں صورتوں میں خبر واحد قابل پذیرائی نہ ہو گی[326]

حافظ ابوبکر الجصاص نے قرآنی آیت اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم پر یہ نوٹ لکھا ہے۔

اس آیت قرآنی کا مطالبہ یہ ہے کہ قرآن کا اتباع بہر حال واجب ہے اور قرآن پر اخبار آحاد کو بالادستی حاصل نہیں ہے کیونکہ قرآن کی اتباع دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور احاد کا ثبوت ظنی ہے اس لیے کسی حال میں کسی حدیث کی بناء پر قرآن کو نہ چھوڑا جائے گا اور نہ آحاد کی وجہ سے قرآن پر کوئی اعتراض ہو گا[327]

اس موقعہ پر علامہ عبدالعزیز بخاری کے اس بیان سے چشم پوشی کرنا اس مقام سے بے انصافی ہو جو انہوں نے کشف الاسرار میں لکھا ہے :-

ثقہ راوی کی حدیث کو قرآن کی مخالفت کی بناء پر رد کرنا سب کے درمیان اتفاقی ہے۔ علاوہ ان ظاہریہ کے جو اخبار آحاد کو بھی متواتر کی طرح قطعی کہتے ہیں۔ ان کے مکتب میں خبر واحد اور کتاب اللہ کو ایک ترازو میں تولا جاتا ہے اس سے اس موضوع پر بات ہی بیکار ہے[328]

بہر حال امام اعظم اور امام مالک حدیث کی صحت کے بعد اس کی مقبولیت میں معانی قرآن کے خلاف ہونے کو علت قادحہ قرار دیتے ہیں اور اس بناء پر انہوں نے ایک سے زیادہ حدیثوں کو معلل قرار دے کر ناقابل پذیرائی بتایا ہے۔ ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی میں حدیث آئی ہے۔

عن عبداللہ ان غیلان بن سلمتہ الثقفی اسلم ولہ عشرۃ نسوۃ فی الجاھلیتہ فا سلمن معہ فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تیخیر منھن اربعا"۔

امام ترمذی نے اسے بحوالہ زہری عن سالم عن عبداللہ روایت کیا ہے۔ امام بخاری نے تو محدثانہ انداز میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ :-

ھذا حدیث غیر محفوظ

اور صحیح روایت کی نشاندہی کی ہے۔ شیخ علاؤ الدین مغلطائی فرماتے ہیں کہ :۔

احادیث ھذا الباب کلھا معلولنه و لیست اسانیدھا قویته

لیکن قاضی ابو یوسف نے اس کے بارے میں جو فیصلہ فرمایا ہے اس سے ان کی حدیث و فقہ میں جلالت نشان کا اندازہ ہوتا ہے فرماتے ہیں :۔

ھو عندنا شاذو الشاذ من الحدیث لایؤ خذبه

یہ تو محدثانہ فیصلہ ہے لیکن اس کی جو توجیہ ارشاد فرمائی ہے اس سے ان کی مجتہدانہ جلالت قدر معلوم ہوتی ہے فرماتے ہیں :۔

لان اللّٰه تعالٰی لم یحل الانکاح الاربع فما کان من فوق ذالک کله فحرام من اللّٰه فی کتابه

کیونکہ اللہ سبحانہ' نے ایک وقت میں چار سے نکاح حلال کیا ہے پانچ کا ایک کے نکاح میں اجتماع حرام ہے[339]

دیکھ لیجئے معانی قرآن سے تصادم ہونے کو شاذ ہونے کی علت قرار دیا ہے۔ اسی قبیل سے حدیث مصراۃ ہے یعنی حضرت ابو ہریرہ کی مندرجہ ذیل حدیث۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیوہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اونٹ' بکری کو مصراۃ نہ بناؤ جو کوئی ایسا جانور خریدے تو وہ دودھ دوہنے کے بعد اختیار رکھتا ہے چاہے اسے رکھے اور چاہے تو اسے واپس کر دے اور اس کے ساتھ بائع کو ایک صاع کھجور دے دے۔[340]

امام اعظم نے اس حدیث کو معانی قرآن سے معارض ہونے کی وجہ سے غیر مقبول قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی رو سے سودے کی واپسی کی صورت میں خریدار کو دودھ کا تاوان کھجور کی صورت میں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلاشبہ عیب کی موجودگی میں مشتری کو معاملہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہے لیکن خریدار پر دودھ برتنے کی پاداش میں کھجور کا تاوان قرآن کے بتلائے ہوئے ضابطہ ضمان کے خلاف ہے۔ قرآن نے متلفات اور عدوانات میں تاوان ذوات الامثال میں مثلی بتایا ہے۔ قرآن کی یہ آیات اس کی صریح شہادات ہیں۔

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم[341]

پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو چاہیے کہ جس طرح کا معاملہ اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے بالکل ویسا ہی معاملہ تم بھی اس کے ساتھ کرو۔

ایک اور ارشاد ہے :۔

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہ 342

اور اگر تم سزا دو تو چاہیے کہ اتنی ہی سزا تم دو جیسی تمہیں دی گئی ہے۔

یہ آیات قرآنی صراحتہ کہہ رہی ہیں کہ عدوانات کی حدود میں تاوان مثلیات میں مثل ہوتا ہے ان ارشادات ربانی کی روشنی میں دودھ کا تاوان دودھ ہونا چاہیے کیونکہ دودھ ذوات الامثال سے ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد تاوان کے موضوع پر ایک ضابطہ کی صورت میں امت کو شہرت کی راہ سے ملا ہے اس کا تقاضا بھی یہی ہے یہ آپ کا عدالتی فیصلہ ہے۔

عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضی ان الخراج بالضمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے کہ خراج ضمان کے ساتھ ہے۔ 343

یہ قرآن و سنت کے واضح اصول ہیں اور یہ روایت ان کے معارض ہے اس لیے امام اعظم اس روایت کو مقبول نہیں قرار دیتے۔ حافظ ابو جعفر طحاوی نے اس روایت کا دوسرے پہلو سے جائزہ لیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

دودھ جسے خریدار نے گھر لا کر نکالا ہے اس میں خریدنے سے پہلے کچھ مالک کی ملک تھا اور کچھ خریدار کے یہاں آ کر پیدا ہوا ہے۔ وہ خریدار کی ملک ہے۔ کھجوروں کا جو صاع مالک کو دیا جا رہا ہے وہ اگر سارے دودھ کا بدل ہے تو یہ حدیث الخراج بالضمان کے خلاف ہے کیونکہ جو دودھ خود ملک مشتری میں پیدا ہوا ہے وہ تو اس کا ہے خریدار پر کھجور کا تاوان بلاوجہ ہے چنانچہ امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر خریدار نے مصرورۃ کے علاوہ کسی اور وجہ سے جانور واپس کر دیا تو خریدار پر ضمان نہیں ہے۔ اور اگر یہ صاع اس دودھ کا بدل ہے جو سودے کے وقت جانور کے پستانوں میں موجود تھا تو پھر بیع الکالی بالکالی ہے جس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ دودھ خریدار کی ملک نہیں ہے نہ سودے کی وجہ سے اور حدیث الخراج بالضمان کی رو سے۔ خریدار نے اگر پی لیا ہے تو اس کے ذمہ دین ہے اس لیے

دونوں میں سے کوئی صورت ہو ایک حدیث کا چھوڑنا ناگزیر ہے[344]

علامہ خطابی نے جہاں اس حدیث پر گفتگو فرماتے ہوئے امام اعظم کے موقف کا تذکرہ کیا ہے وہاں واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ امام اعظم پر اس لیے عمل نہیں کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں

انه خبر مخالف للاصول لان فيه تقويم المتلف بغير النقود وفيه ابطال رد المثل فيما له مثل۔

یہ حدیث اصول کے خلاف ہے اس میں تلف شدہ چیز کا ضمان بغیر نقدی کے دیا جا رہا ہے اور اس طرح یہ حدیث مثلیات میں مثل کے دینے کے اصول کو رد کرتی ہے[345]

اور معلوم ہے کہ یہ اصول قرآن کا بتایا ہوا ہے اس لیے یہ حدیث معانی قرآن کے معارض ہے۔ علامہ ابن دقیق العید نے یہ فرما کر کہ :۔

لم يقل ابو حنيفته بهذا الحديث

لکھا ہے کہ ابو حنیفہ اس پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ یہ حدیث ان کی رائے میں اصول معلومہ کے خلاف ہے اور وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اخبار آحاد اگر اصول معلومہ کے مخالف ہوں تو ان پر عمل واجب نہیں ہے۔ حدیث کے اصول معلومہ کے مخالف ہونے پر امام اعظم کے موقف کو جن آٹھ وجہوں سے منقح کیا ہے ان میں اولین وجہ یہ بتائی ہے کہ :۔

یہ کہ مثلیات میں تاوان مثل اور قیمتی اشیاء میں قیمت سے ہوتا ہے اس حدیث میں دودھ اگر مثلیات سے ہے تو اس کا تاوان دودھ سے ہونا چاہیے اور اگر قیمتی ہے تو اس کی قیمت دی جانی چاہیے لیکن حدیث میں تاوان جو تجویز کیا گیا ہے نہ وہ مثل ہے اور نہ قیمتی بلکہ تاوان میں کھجوریں دی گئی ہیں اس لیے یہ حدیث اس اصول کے مخالف ہے[346]

امام اعظم کے موقف کی وضاحت کے بعد ان لوگوں کی جانب سے جوابات بھی نقل کیے گئے ہیں جو ظاہر حدیث پر عمل پیدا ہیں۔ مخالفین اس حد تک تو امام اعظم کے ہمنوا ہیں کہ اخبار آحاد اگر اصول معلومہ کے معارض ہوں تو قابل قبول نہیں ہیں۔ چنانچہ ابن دقیق العید رقمطراز ہیں :۔

خص الرد بخبر الواحد بالمخالفته للاصول لا بمخالفته قياس الاصول۔

لیکن اس میں ان کو تأمل ہے کہ حدیث مصراۃ بھی اصول معلومہ کے مخالف ہے یا نہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ حدیث اصول معلومہ کے مخالف نہیں ہے بلکہ قیاس اصول کے خلاف ہے۔ علامہ شوکانی نے بھی یہی بات لکھی ہے۔

ان التوقف فی خبر الواحد انما ہو اذا کان مخالفا" للاصول لا بقیاس الاصول[347]

یہی جواب امام شوکانی کی رائے میں سب سے زیادہ شاندار ہے یعنی حدیث مصراۃ اصول معلومہ کے نہیں بلکہ قیاس اصول کے مخالف ہے لیکن علامہ ابن دقیق العید نے اس جواب کی یہ کہہ کر وفی ھذا نظر (محل نظر ہے) کمزوری کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ حافظ ابن حجر اور علامہ خطابی کو جب اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ملی کہ حدیث مصراۃ اصول معلومہ کے خلاف ہے تو انہوں نے اصول اور قیاس اصول سے نظر ہٹا کر اپنے مخصوص ذہن کے تحت یہ جدت پیدا کر دی کہ محدثین کی اصطلاحی صحت کے بعد ہر حدیث خود ہی ایک اصل کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے چنانچہ علامہ خطابی فرماتے ہیں :-

ان الحدیث اذاثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجب القبول بہ وصار اصلا" فی نفسہ۔

حدیث جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو اسے اپنانا واجب ہے اور وہ حدیث خود اصل ہے۔[348]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی یہی بات دہرائی ہے۔

الحدیث الصحیح اصل بنفسہ۔[349]

لیکن یہ صرف ان ذہنوں کا تخلیقی کارنامہ ہے جو قرآن کے ساتھ بلحاظ ثبوت احادیث کی قطعیت کو مانتے ہیں۔ یہ عامہ اہل علم کا موقف نہیں ہے اس پر تفصیلی تبصرہ انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا۔

حدیث مصراۃ کے بارے میں امام اعظم کا صحیح موقف تو یہی ہے کہ یہ حدیث معانی قرآن سے معارض ہونے کی وجہ سے درجہ قبولیت حاصل نہیں کر سکی۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ خود احناف نے بھی امام اعظم کے موقف کو صحیح انداز میں پیش نہیں کیا اس لیے یہاں چند در چند سوالات ابھر آئے۔

عیسی ابن ابان نے امام اعظم کے موقف کی ترجمانی اس طرح کی کہ ایسی اخبار آحاد جن کے لیے کسی صورت میں بھی قیاس میں گنجائش نہ نکل سکے اور راوی فقیہ نہ ہو اسے رد کر دیا جائے اور یہ حدیث مصراۃ اسی قبیل سے ہے

چنانچہ حافظ عبدالقادر قرشی لکھتے ہیں :-

مذہب عیسی بن ابان من اصحابنا اشتراط فقه الراوی لتقدیم الخبر علی القیاس و خرج علیه حدیث المصراة و تابعه اکثر المتاخرین۔[350]

حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ ابن القیم، حافظ ابن تیمیہ، علامہ ابن دقیق العید اور علامہ شوکانی نے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا ہے۔ حافظ ابن حجر تو یہاں تک فرما گئے :-

هو کلام اذی قائله به نفسه و فی حکایته غنی عن کلف الرد علیه[351]

فخر الاسلام بزدوی نے امام اعظم کی جو ترجمانی کی ہے وہ بھی بے شمار شبہات کی تخلیق کا ذریعہ بنی ہے انہوں نے صرف قیاس کا سہارا لیا ہے اور اپنے مخاطبوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ چونکہ حدیث مصراۃ قیاس کے معارض ہے اس لیے اسے امام اعظم نے نہیں اپنایا ہے چنانچہ وہ اس حدیث کے مقبول نہ ہونے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

دودھ کے عوض میں ایک صاع کھجور کا دینا ضروری سمجھا گیا ہے ظاہر ہے کہ دودھ خریداری اور بکری پر قبضہ کے بعد ہی دوہا گیا ہو گا لہٰذا وہ خریدار کی ذمہ داری میں داخل ہے کیونکہ وہ اس کا مالک ہے اس لیے تاوان کا سوال ہی نہیں۔ دودھ مال کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ ایسے ہے جیسے بکری کا بچہ۔ اس لیے مشتری پر تاوان کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ نیز اگر دودھ کو مال فرض بھی کر لیا جائے تو یہ اون کی طرح بکری کے تابع ہے پھر بھی خریدار اس کا ذمہ دار نہیں۔ اگر خریدار پر تاوان اس لیے ہے کہ اس نے عقد بیع کیا ہے تو دودھ کے مقابلے میں بکری کی قیمت اتنی کم ہو جانی چاہیے۔ اور اگر اس کی وجہ سے مشتری کے تعدی ہے تو وہ اتنا دودھ واپس کر دے یا اس کی قیمت دے۔ کسی بھی صورت میں ایک صاع تمر دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔[352]

اس بیان کی روح یہ اور صرف یہ ہے کہ حدیث مصراۃ قطعاً" خلاف قیاس ہے اور خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ان بزرگوں کی اپنی رائے ہے۔ ان کی یہ تخریجات امام اعظم کے مسلک کی ترجمانی نہیں کرتی ہیں اور ان کے بیانوں سے امام اعظم کے اصل مسلک کی تصویر سامنے نہیں آتی چنانچہ امام ابو الحسن کرخی نے تصریح کی

ہے کہ:۔

ہمارے اصحاب ان حدیثوں پر اس لیے عمل نہیں کرتے کہ یہ کتاب اللہ اور سنت کے خلاف ہیں نہ کہ اس لیے کہ راوی فقیہ نہیں ہے حدیث مصراۃ کتاب و سنت دونوں کے خلاف ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اس لیے یہ بات بالکل واضح اور صاف ہے اور یہی امام اعظم کا موقف ہے کہ حدیث مصراۃ معانی قرآن اور سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے اس لیے نہیں کہ یہ حدیث خلاف قیاس ہے جیسا کہ بزدوی کا خیال ہے اور اس لیے نہیں کہ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہ ہیں اور وہ غیر فقیہ ہیں جیسا کہ عیسیٰ بن ابان کی رائے ہے۔ یہاں حافظ ابن تیمیہ کی یہ بات بے حد وزنی ہے کہ واپسی کی علت حدیث میں عیب کی بناء پر نہیں بلکہ اس کی علت وہ جعل سازی اور تدلیس ہے جس کا مالک نے دودھ روک کا مظاہرہ کیا ہے۔ قاضی ابو یوسف بھی خریدار کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ ایسا مویشی واپس کر دے۔ اگر فی الواقع حدیث میں جانور کی واپسی کا حکم دھوکے اور تدلیس کی بنا پر ہے تو پھر اس ارشاد نبوت کے ذریعے امام اعظم کا موقف بے حد مستحکم اور پائیدار ہو جاتا ہے کیونکہ دھوکہ دو ہی طرح سے ہوتا ہے گفتار سے یا کردار سے۔ اگر لین دین میں گفتار کے ذریعے دھوکہ دیا گیا تو عدالت کے ذریعے اس کا اقالہ ضروری ہے۔ اور اگر کردار کے ذریعے تدلیس کی گئی ہے تو قانونی طور پر تو اقالہ ضروری نہیں ہے لیکن ازروئے دیانت ضروری ہے۔ قانون ہمیشہ کھلے اور صاف حقائق پر لاگو ہوتا ہے۔ پوشیدہ اور مستور کاروائیاں قانون کے احتساب سے باہر ہیں۔ مان لیا جائے کہ تصریہ دھوکہ اور تدلیس ہے اور اس میں بائع پر واجب ہے کہ معاملہ کو فسخ کرے۔ لیکن یہ وجوب ازروئے دیانت ہے نہ کہ ازروئے قانون۔ اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جعل سازی اور تدلیس کرنے والوں کو ازروئے دیانت حسن معاشرت کی خاطر فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی ایسی جعل سازی وجود میں آجائے تو اخلاق اور باہمی رواداری کا تقاضا یہ ہے کہ جانور واپس لے لیا جائے اور مشتری کی مروت یہ ہے کہ وہ اسے ایک صاع کھجور دے دے یا اس کی قیمت ادا کر دے جیسا کہ خطابی نے قاضی ابو یوسف کی رائے بتائی ہے ورنہ جہاں تک معاملاتی نقطہ نظر سے اس کی قانونی حیثیت کا تعلق ہے وہ تو وہی ہے جو قرآن اور سنت سے ثابت ہے۔ کیونکہ اگر جانور کی واپسی عیب کی بناء پر ہو جیسا کہ محدثین کہتے ہیں یا جعل سازی کی بناء پر ہو جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ کہتے ہیں۔ تو نقصان عیب میں قرآن و سنت کا ضابطہ یہی کہ متلفات اور عدوانات میں تاوان ذوات الامثال میں مثلی ہوتا ہے۔

بہر حال اخبار آحاد کا معانی قرآن کے معارض ہو جانا امام اعظم کے نزدیک علت قادحہ ہے۔

(39) سنت مشہورہ سے معارض حدیث

اخبار آحاد اگر سنت سے معارض ہوں خواہ ان پر اصطلاحی صحت کی محدثین نے کتنی ہی مہریں لگا دی ہوں۔ امام اعظم اس کو بھی اخبار آحاد کے لیے علت قادحہ قرار دیتے ہیں اور اس میں امام اعظم ہی کا نہیں بلکہ دوسری صدی کے سب محدثین کا موقف یہی ہے۔ ابوبکر الخطیب کی زبانی آپ اس کی پوری داستان پہلے سن چکے ہیں۔ ان ظاہریہ کو چھوڑ کر جن کے یہاں ہر حدیث محدثین کی اصطلاحی صحت کا لبادہ پہن لینے کے بعد خود ہی اصل بن جاتی ہے اور جن کے یہاں آحاد کو جانچنے کا کوئی معیاری پیانہ نہیں ہے سب کہتے ہیں کہ اخبار آحاد اگر سنت مشہورہ کے معارض ہوں تو یہ علت قادحہ ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کا جو محسوس پیانہ صحابہ میں چھوڑا ہے اور جسے جماعت صحابہ نے اپنی زندگی کے ہر گوشہ میں اپنایا اور جسے خلافت راشدہ نے اپنے دور اقتدار میں تمام ممالک اسلامیہ میں قانونی طور پر نافذ کیا ہے اور جسے اسلام کہہ کر دنیا نے پکارا ہے۔ یہی حضور انور کی سنت مشہورہ ہے۔ چونکہ یہ عملاً متواتر ہے اس لیے اس کے خلاف سند کی بڑی سے بڑی قوت بھی بطور چیلنج قبول نہیں کی جا سکتی ہے۔ اس کی ایک مثال ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمر بھر کے عمل اور صحابہ کے تعامل سے امت کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ امامت کے لیے وہ شخص آگے ہونا چاہیے جو عاقل، بالغ ہو اور اس ضابطہ کلیہ میں کہیں کوئی استثنا نہیں ہے۔ صرف عمرو بن سلمہ کی ایک منفرد روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے قبیلہ میں صرف چھ سال کی عمر میں امامت کی ہے۔ حدیث صحیح بخاری میں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس طرح آئی ہے کہ :۔

> عمرو بن سلمہ کہتے ہیں کہ زمانہ فتح مکہ میں سب نے اسلام کی طرف پیش قدمی کی۔ میرے والد نے ہماری قوم میں سے اسلام لانے میں پہل کی۔ مسلمان ہونے کے بعد جب میرے والد واپس تشریف لائے تو بتایا کہ میں تمہارے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حق لے کر

آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں فلاں اوقات میں نماز پڑھا کرو۔ جب نماز کا وقت آ جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو امامت کرے۔ لوگوں نے دیکھا کہ مجھ سے زیادہ قرآن کسی کو یاد نہیں ہے کیونکہ میں آنے والے مسافروں سے ملتا جلتا رہتا تھا۔ لوگوں نے مجھے ہی آگے کر دیا اس وقت میری عمر چھ یا سات سال تھی۔ میں ایک چادر اوڑھ کر نماز پڑھا رہا تھا جب سجدے میں جاتا تو برہنہ ہو جاتا۔ قبیلہ کی ایک عورت نے کہا کیا تم اپنے امام کی جائے شرم نہیں ڈھانپتے۔ لوگوں نے میرے لیے کپڑا خرید کر قمیض تیار کی' جس قدر مجھے اس روز خوشی ہوئی کبھی ایسی خوشی نہ ہوئی تھی۔[354]

تیسری صدی کے محدثین نے اس حدیث سے چھ سالہ بچے کے لیے امامت کے جواز کا پروانہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ مشہور محدث محمد بن نصر مروزی نے امام اسحاق بن راہویہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :-

اما امامته الغلام بعد ان يعقل الامامته ويفقه فى الصلاة فجائزة وان لم يحتلم و فيما قال النبى صلعم يؤم القوم اقراءهم وان كان اصغرهم دلالة على ذالك۔[355]

لڑکے کی امامت عقل و فہم کے بعد درست ہے اگرچہ نابالغ ہو اور حضورؐ کا یہ ارشاد کہ لوگوں میں جو زیادہ پڑھا ہوا ہو وہ امامت کرے اس کی دلیل ہے۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ :-

فيه جواز امامته الصبى ووجه الدلالته ما فى وقوله ليؤمكم اكثركم قرآنا من العموم۔[356]

یہ حدیث بچے کی امامت کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ اقراء کم ... الخ کا جملہ عام ہے۔

لیکن دوسری صدی کے محدثین اور فقہاء نے اس حدیث کو اس موضوع پر سنت مشہورہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں سمجھا۔ لیث بن سعد' عطاء بن ابی رباح' ابراہیم نخعی' شعبی' مالک اور ابو حنیفہ نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا اور اس جزئی واقعہ کی یہ تاویل کر دی کہ یہ ان نو مسلموں کا اپنا اجتہاد تھا کہ معصوم بچے کو امام بنا لیا۔ اس لیے اس موضوع پر یہ حجت نہیں ہے۔ دین میں نبوت کا چھوڑا ہوا ضابطہ اور محسوس و مرئی عمل کا پیمانہ امامت کے متعلق وہی ہے جس پر ہمیشہ صحابہ نے عمل کیا ہے۔

تاریخ سنت میں بھی اس محسوس پیمانہ عمل کے بارے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد امتہ کو ملا ہے۔ مثلاً" مالک بن الحویرث کہتے ہیں کہ :-

ہم ایک ود کی صورت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے بیس روز آپ کی خدمت میں رہے آپ بڑے ہی مہربان اور شفیق تھے جب آپ نے ہم میں واپسی کا اشتیاق محسوس کیا تو ارشاد فرمایا کہ واپس جاؤ جہاں رہو تعلیم جاری رکھو اور نماز پڑھو جب تمام کا وقت آئے چاہیے کہ تم میں سے ایک اذان کہے اور لیؤ مکم اکبر کم جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔(۱)

اس واقعہ کو امام بخاری نے ایک جگہ نہیں بلکہ چھ جگہ اپنے مختلف اساتذہ کے حوالے سے نقل کیا ہے ان میں زیادہ مبسوط وہ واقعہ ہے جو ابوالنعمان کے حوالہ سے لکھا ہے۔

منتقی الاخبار میں اس موضوع پر صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس کے فتاوی بھی نقل کیے ہیں کہ بچے کے لیے امامت کی گنجائش نہیں ہے اور قیام لیل میں لیث بن سعد' یحیٰی بن سعید الانصاری' ابن جریج' مجاہد' سفیان ثوری' ابراہیم نخعی کے آثار بھی اسی موقف کی تائید میں آئے ہیں بلکہ عمر بن عبدالعزیز کا وہ مکتوب بھی نقل کیا ہے جس میں انہوں نے اپنے گورنر کو اس حرکت پر ڈانٹ پلائی ہے کہ اس نے نماز کے لیے اپنے بچے کو امام بنا دیا تھا لکھا ہے کہ :-

قدمت غلاما" لم تحتنکه السن ولم تدخله تلک النیته امام" للمسلمین فی صلاتهم

تم نے چھوٹے بچے کو امام بنا لیا۔

امام اعظم نے ان صاف اور واضح ہدایات کی روشنی میں اپنی خداداد فقاہت سے امامت کے اس ضابطہ عام کو جو سنت کی راہ سے آیا ہے اپنی جگہ سے نہ ہلنے دیا۔

یہ تو اس پر خالص مجتہدانہ نظر تھی جس سے سنت کے معارض ہونے کی وجہ سے حدیث پایہ مقبولیت حاصل نہ کر سکی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف یہی علت قادحہ ہے اور اس حدیث کی صحت بالکل ٹکسالی ہے۔ محدثین نے اس کی صحت میں بھی کلام کیا ہے۔ الخطابی فرماتے ہیں کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ عمرو بن سلمہ کا

واقعہ ضعیف ہے اور حافظ ابن القیم نے بدائع الفوائد میں اس روایت کے بارے میں لکھا ہے فیہ رجل مجھول فھو غیر صحیح اس میں ایک مجہول راوی ہے لہٰذا روایت صحیح نہیں ہے اور تو اور حافظ ابن حزم بھی ظاہریت کے باوجود یہاں بول پڑے کہ :-

> اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کے معلوم ہو جانے کے بعد اس پر نکیر نہیں فرمائی تو ہم بچے کی امامت ضرور جائز کہتے لیکن ہمارے علم میں یہ نہیں آیا۔ اگر مان لیا جائے کہ عمرو بن سلمہ بھی اپنے والد کے ساتھ حضورؐ کے پاس گئے تھے اور حضورؐ اس وفد کو جب حکم دے رہے تھے تو یہ بھی موجود تھے۔ پھر بھی اس عمر کا آدمی نہ مامور ہے اور نہ مکلف ہے اس لے عمر امامت کے لیے مخاطب ہی نہیں ہیں۔ اس حکم کے مخاطب صرف مامورین ہیں[358]

(40) اخبار آحاد کا توارث سے معارضہ

امام اعظم اخبار آحاد کو توارث کے پیمانے میں بھی تولتے ہیں اور ہر ایسی حدیث کو معلول قرار دیتے ہیں جو توارث کے خلاف ہو۔ اسی توارث کو السنتہ اور ما علیہ الجماعتہ کہتے ہیں اور اس موضوع پر امام اعظم کو دوسری صدی کے محدثین کی ہمنوائی بھی حاصل ہے چنانچہ مصر کے مشہور محدث و فقیہ لیث بن سعد نے امام مالک کے نام جو خط لکھا ہے اس میں امام موصوف نے اس معیار کو واضح طور پر پیش فرمایا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں :-

> جب کوئی ایسا مسئلہ سامنے آجائے جس پر مصر' شام' عراق میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے زمانہ ابوبکر و عمر و عثمان میں عمل کیا ہو اور اسی پر تا آخر حیات رہے ہوں تو ہماری ایسے مسئلے کے بارے میں رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کی ہرگز ہرگز اجازت نہ دی جائے گی کہ وہ اب کوئی ایسا کام کریں جو صحابہ و تابعین میں ان کے اسلاف کے سر تا سر خلاف ہو[359]

امام مالک عمل اہل مدینہ کی حجیت کے جو قائل ہیں اس کا مبنی بھی توارث ہے۔ حافظ ابن القیم اسی کو عمل مستمر کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی یہ قابل اتباع حجت ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر وہ اعلام میں فرماتے ہیں :-

فھذا النقل و ھذا العمل حجتہ یجب اتباعھا و سنتہ متلقاۃ بالقبول علی الراس
والعینین واذا ظفر العالم بذالک قوت بہ عینہ و اطمانت الیہ نفسہ

یہ نقل اور یہ عمل واجب الاتباع دلیل ہے اور ایک ایسی سنت ہے جسے تلقی بالقبول حاصل ہے
اگر ایسی کوئی دلیل مل جائے تو دل کی ٹھنڈک اور اطمینان کا موجب ہے۔[۳۷۰]

واضح رہے کہ اگرچہ حافظ ابن القیم نے عمل اہل مدینہ کی حجیت سے اختلاف کیا ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں لیکن وہ زمانہ خلافت راشدہ میں اہل مدینہ کے عمل کی حجیت کے قائل ہیں۔ ہاں جب دور خلافت کے بعد صحابہ کی اکثریت مدینہ سے باہر چلی گئی ہے تو پھر وہ اہل حرمین کے عمل کی حجیت کو نہیں مانتے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی بھی شہر میں صحابہ نے ڈیرا لگایا ہو اور وہاں صحابہ کا قائم کردہ جادہ عمل استمراء کے ساتھ امت کو ورثہ میں ملا ہو تو اس میں اور اہل مدینہ کے عمل میں کوئی فرق نہیں ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں :-

اگر کسی ایسے شہر والوں کا جہاں صحابہ منتقل ہو گئے تھے وہاں صحابہ کی تعلیم کے مطابق کوئی عمل
مستمر چلا آتا ہے تو اس عمل میں اور اہل مدینہ کے عمل میں کیا فرق ہے۔[۳۷۱]

ان کو استمرار عمل اور توارث کی حد تک اختلاف نہیں ہے اختلاف کا مرکزی نقطہ مکان اور در و دیوار ہیں۔ توارث کو تو وہ اس حد تک طاقتور قرار دیتے ہیں کہ کتاب الروح میں ایک مقام پر تلقین میت فی القبر کے تذکرے میں حدیث ضعیف لے کر آئے ہیں اور خود فرماتے ہیں کہ یہ اس موضوع پر ضعیف حدیث ہے مگر اس کے ساتھ جواز عمل کا پروانہ انہوں نے جس بنیاد پر دیا ہے وہ بھی تعامل اور توارث ہے چنانچہ فرماتے ہیں :-

فھذا الحدیث وان لم یثبت فاتصال العمل بہ فی سائر الامصار والاعصار من غیر
انکار کاف فی العمل بہ۔[۳۷۲]

حدیث اگرچہ ثابت نہیں لیکن اس کی پشت پر اتصال عمل کی طاقت ہے اس لیے عمل کے لیے
کافی ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے الاستذکار میں امام مالک کے حوالے سے یہ تصریح کی ہے کہ :-

اگر یہ حدیث معمول بہ ہوتی کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھو تو اس پر حضور
انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ ضرور عمل کرتے۔[۳۷۳]

اسی سلسلے میں امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں جو ضابطہ لکھا ہے وہ بھی سن لیجئے :-

جب دو حدیثیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف آئیں تو یہ دیکھا جائے گا کہ آپ کے صحابہ نے کس پر عمل کیا ہے۔[364]

امام عثمان واری محدث کے حوالے سے مشہور محدث امام بیہقی بیان کرتے ہیں کہ :-

جب کسی موضوع پر احادیث مختلف ہوں اور راجح و مرجوح کا پتہ نہ ہو تو ہم یہ دیکھیں گے کہ خلفاء راشدین نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس پر عمل کیا ہم اسی کو راجح قرار دیں گے جس پر خلفاء راشدین کا عمل ہے۔[365]

مشہور مجتہد اور اصولی امام حافظ ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں کہ :-

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ارشاد مروی ہوں اور ان میں سے ایک پر سلف کا عمل ہو تو اسی کو ثابت کہا جائے گا۔ جس پر سلف کا عمل ہے۔[366]

دوسری صدی میں تعامل و توارث کی طاقت اس درجہ معلوم تھی کہ اس دور کے مصنفین اپنی کتابوں میں صرف ان حدیثوں کو اپناتے تھے جن کی پشت پر تعامل کی قوت ہوتی تھی چنانچہ قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں :-

علیک من الحدیث ما تعرفه العامته۔[367]

الغرض امام اعظم ابو حنیفہ اخبار آحاد کے مقبول ہونے کے لیے تعامل کے ہمنوا ہونے کی شرط لگاتے تھے اور اسی معیار پر اخبار آحاد کو جانچتے تھے چنانچہ ایک سے زیادہ مسائل میں اسی معیار سے اخبار آحاد کو تلا گیا ہے نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہیے یا بلند آواز سے۔ اس موضوع پر ایک سے زیادہ حدیثیں آئی ہیں۔ انس بن مالک کی صحیح مسلم کی حدیث بھی ابو حنیفہ کی مئوید ہے۔ محدثین نے اس حدیث کو معلل قرار دیا ہے اور متن میں علت ہونے کی مثال میں سب نے اس حدیث کو پیش کیا ہے چنانچہ الجزائری لکھتے ہیں :-

فعلل قوم روایته اللفظ المذکور لمارا‌ء والاکثرین انما قالوا فیه فکانوا یستفتحون .... الخ۔[368]

کچھ لوگوں نے اس حدیث انس کو معلل قرار دیا ہے۔

اور صاحب دراسات اللبیب نے دعویٰ کیا ہے کہ

هذا حديث البسملته قد علل روايته مسلم بسبع علل

بسملہ کی حدیث روایت مسلم میں سات علل موجود ہیں[371]

اگرچہ اس کا واضح اور شافی جواب حافظ ابن تیمیہ نے فتاوی میں دے دیا ہے اور بتایا ہے کہ اس موضوع پر حضرت انس کی حدیث میں کوئی اضطراب نہیں ہے سب کی سب ہم آہنگ ہیں چنانچہ انہوں نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ:۔

فاحاديث انس الصحيحته كلها موتلفته متفقيته تبين انه نفى الجهر بالقراة وانه لم يتكلم فى قرائتها سرا" لا بنفى ولا اثبات و حنيئذ فلا اضطراب فى احاديثه الصحيحته

حضرت انس کی ساری حدیثیں ملی جلی اور ہم آہنگ ہیں سب یہ بتا رہی ہیں کہ قرات میں بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھی گئی۔ آہستہ پڑھی گئی یا نہیں اس سے حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے حدیث انس مضطرب نہیں ہے[372]

لیکن حافظ زیلعی نے اس موضوع پر توارث اور تعامل کا سہارا لے کر جو فیصلہ کن بات فرمائی ہے وہ بھی گوش گزار فرمائیے۔

بسم اللہ کا نماز میں آہستہ پڑھنا صحابہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ میراث تھی جس پر لوگ چل رہے تھے اور صرف اتنی ہی بات اس مسئلہ میں اطمینان کے لیے کافی ہے کیونکہ جہری نمازیں صبح و شام ہمیشہ پڑھی گئی ہیں۔ اگر حضور انور کا اس موضوع پر کوئی بھی عمل ہوتا تو امت اس محسوس عمل میں کبھی مختلف نہ ہوتی۔ یہ بات ہر کس و ناکس کو معلوم ہوتی اور حضرت انس یوں نہ فرماتے کہ نہ حضور نے بسم اللہ نماز میں بلند آواز سے پڑھی اور نہ خلفاء نے۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آہستہ پر عمل نہ ہوتا۔ اس کی حیثیت بالکل وہی ہے جو ہماری معیشت میں مد اور صاع کی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ضروری کیونکہ نماز تو تمام مسلمانوں کا اشتراکی سرمایہ ہے۔ نیز نمازیں رات دن میں پانچ بار پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے اشخاص تو معاشرے میں مل سکتے ہیں جن کو صاع اور مد کی ضرورت نہیں لیکن ایسا کون مسلمان ہے جسے نماز کی ضرورت نہ

ہو اور پھر اکابر صحابہ کے بارے میں کوئی مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ خلاف پیغمبر پر مواظبت کریں۔[371]

اس موقع پر حافظ ابن تیمیہ بڑے پتے کی بات فرما گئے ہیں۔ اس کو نظر انداز کرنا بے انصافی ہے۔ امور وجود یہ ہی وہ امور ہیں جن کے نقل کرنے اور یاد رکھنے کا عادات اور ہمتیں اہتمام کرتی ہیں اور ان کا نقل کرنا شرعاً" ضروری ہے۔ باقی رہا امور عدمی اور منفی چیزیں۔ تو ان کے نقل کی نہ چنداں ضرورت ہوتی ہے اور نہ عادہ اس کا کوئی اہتمام ہوتا ہے۔ اگر پانچ نمازوں کے علاوہ چھٹی نماز کی کوئی حدیث پیش کرے یا رمضان کے روزوں کے علاوہ کسی روزے کی فرضیت کا دعوی کرے یا رکعات نماز یا فریضہ زکوۃ میں کوئی انکشاف کرے تو ہم اس کو بلا ریب غلط اور جھوٹ کہیں گے اور دلیل ہمارے پاس اس کے سوا کچھ نہ ہوگی کہ اگر ایسا ہوتا تو اس کا ہونا ہوتا۔ منقول نہ ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل ہے۔ بس یہی بسم اللہ کو بلند آواز سے نہ پڑھنے کی دلیل ہے۔[372]

اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھا کر اسی معیار سے رفع یدین کے موضوع پر اخبار آحاد کو ناپ لیں۔ تکبیر تحریمہ کی حد تک تو رفع یدین کا مسئلہ امت میں اتفاقی ہے چنانچہ ابن عسقلانی فرماتے ہیں کہ :-

لم یختلفو ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حین یفتتح الصلوۃ۔

تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین میں کوئی بھی اختلاف نہیں ہے۔

اگرچہ حافظ ابن حزم نے مطلق رفع یدین میں تواتر کا یہ کہہ کر دعوی کیا ہے جیسا کہ ان سے علامہ محمد معین سندھی نے دارسات اللبیب میں نقل کیا ہے کہ :-

ان احادیث الرفع فی کل خفض و رفع متواترۃ توجب یقین العلم۔[373]

لیکن جیسا کہ آپ پہلے سن آئے ہیں کہ دوسرے علماء کو ان کے اس فیصلہ سے اتفاق نہیں ہے ان کا کہنا ہے کہ صرف تکبیر افتتاح کے وقت رفع یدین متواتر ہے۔ چنانچہ علامہ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے تنقیح الانظار میں علامہ محمد بن اسماعیل نے توضیح الافکار میں اور حافظ زین الدین عراقی کی تصریحات اس موضوع پر آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ چونکہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین متواتر ہے اس لیے اس میں علماء کی کبھی دو رائیں نہیں ہوئی ہیں۔ رفع یدین کے

موضوع پر اگر اختلاف ہے تو تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواقع پر ہے۔ اس سلسلے کی سب سے زیادہ مشہور روایت حضرت عبداللہ بن عمر کی ہے۔ یہ روایت خود مواقع رفع یدین میں مختلف ہے چنانچہ حضرت ابن عمر کی روایت بطریق سالم میں تین مواقع پر تذکرہ ہے' تکبیر تحریمہ' عندالرکوع اور رکوع سے اٹھتے وقت' اور بطریق نافع میں قعدہ اولی سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین مذکور ہے اور دونوں بخاری کی روایات ہیں۔ نیز طبرانی کی روایت میں ایک پانچواں رفع یدین سجدہ میں جاتے وقت بھی مذکور ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :-

وعندالتکبیر حین یھوی ساجدا۔[374]

اور صاحب دارسات اللبیب نے ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے بین السجد تین رفع یدین کو حضرت انس' الحسن اور ابن سیرین کے حوالہ سے پیش کیا ہے اور علامہ ابن دقیق العید نے شرح العمدہ میں بین السجد تین رفع یدین کو قانونی قرار دیا ہے اور علامہ عراقی نے بھی محدثانہ نقطہ نظر سے اسے سراہا ہے وہ فرماتے ہیں :-

ھی مثبتہ و ھی مقدمتہ علی النفی۔[375]

امام اعظم نے ان اخبار آحاد کو توارث سے معارض ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے اور ان تمام مواقع میں سے صرف اس رفع یدین کو اختیار فرمالیا جو اسنادا" متواتر ہے اور جسے توارث کی تائید حاصل ہے یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت۔ انہوں نے ان روایات کا جس روشنی میں مطالعہ فرمایا وہ امت کا عمل متوارث ہے۔ کیونکہ کوفہ میں اصحاب امیر المؤمنین علی مرتضیٰ اور اصحاب عبداللہ بن مسعود رفع یدین نہ کرتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کوفہ کی پوری آبادی کے بارے میں مشہور محدث محمد بن نصر مروزی کے حوالہ سے یہ انکشاف کیا ہے کہ :-

لا نعلم مصرا" من الامصار ترکوا رفع الیدین باجماعھم عندالخفض والرفع الا اھل الکوفتہ۔[376]

کوفہ کے سوا تمام شہروں میں ایسا کوئی شہر ہمیں معلوم نہیں جس کی آبادی نے بالاتفاق رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین چھوڑا ہو۔

اور یہی حال زمانہ امام مالک میں مدینہ طیبہ کا ہے۔ چنانچہ ابن رشد نے بدایہ میں اسی کو امام مالک کے روایت ترک کو اختیار کرنے کی بنیاد بتایا ہے وہ فرماتے ہیں :-

ان السبب لروایتہ الترک عن مالک ھو عمل المدینتہ اذذاک فھذا العذرالعظیم لعلہ

مبنی علی الترک۔[377]

امام مالک سے ترک رفع یدین کی روایت آنے کا سبب اہل مدینہ کا عمل ہے۔

مکہ میں رفع یدین عبداللہ بن الزبیر کے زمانے میں شروع ہوا اس سے قبل اہل مکہ کا عمل ترک رفع یدین ہے جیساکہ میمون مکی کے سوال ابن عباس اور اس انداز بیان سے کہ لم ار احدا" یصلیھا ظاہر ہے۔

جب کوفہ' مدینہ اور مکہ کے فقہاء اس پر عمل کر رہے ہیں تو یہ تعامل اور توارث نہیں تو اور کیا ہے؟ بس اسی پیمانے پر احادیث رفع یدین کو امام اعظم نے ناپ کر صرف تکبیر تحریمہ والے رفع یدین کو اختیار فرما لیا اور باقی کو خلاف اولیٰ قرار دیا۔ واضح رہے کہ رفع یدین میں اختلاف جواز اور عدم جواز میں نہیں ہے بلکہ جیساکہ ابو بکر الجصاص نے احکام القرآن میں' حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ اور فتاویٰ میں اور حافظ ابن القیم نے زادالمعاد میں لکھا ہے صرف اولویت اور عدم اولویت میں ہے۔

بہر حال امام اعظم اخبار آحاد کو توارث اور تعامل کی ترازو میں تولتے ہیں۔ حافظ ابن رجب حنبلی نے اسے ائمہ فقہاء اور محدثین کا فیصلہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فضل علم السلف علی الخلف میں رقمطراز ہیں۔

فاما الائمته و فقهاء اهل الحديث فانهم يتبعون الحديث الصحيح حيث كان اذا كان معمولا به عندالصحابته ومن بعدهم و عند طائفته منهم فاما ما اتفق على تركه فلا يجوز العمل به لانهم ماتركوه الا على علم انه لا يعمل به۔

ائمہ مجتہدین اور فقہاء محدثین حدیث صحیح کی پیروی کرتے ہیں بشرطیکہ وہ صحابہ اور تابعین میں معمول بہ ہو یا ان میں سے کسی گروہ کے نزدیک اگر حدیث ایسی ہو جس کے چھوڑنے پر وہ متفق ہو چکے تو اس پر عمل جائز نہیں ہے کیونکہ انہوں نے بہر حال یہ جان کر ہی چھوڑا ہے کہ یہ ناقابل عمل ہے۔[378]

امام ترمذی نے سنن میں اسی کو اپنایا ہے ترمذی کا مطالعہ کیجئے وہ قدم قدم پر ہر موضوع پر حدیث لکھتے ہیں اور پھر اس کی تائید میں امت کا عمل یہ کہہ کر پیش فرماتے ہیں والعمل علی ھذا عنداھل العلم اس سے ان کا منشا اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ اس حدیث کو صحابہ و تابعین کی عملی تائید حاصل ہے اس لیے یہ صحیح ہے اور یہ ترمذی کی خصوصیت نہیں بلکہ تمام اہل علم کا مسلک یہی ہے سکہ بند ظاہریہ کو چھوڑ کر سب یہی کہتے ہیں۔ علامہ محمد معین

سندھی نے نہ معلوم کس دلیل کی قوت سے یہ دعویٰ کیا ہے۔

لیس احد من المحدثین یلتفت فی صحته الحدیث و حسنه الی اشتراط اخذ اھل العلم له

محدثین میں سے کوئی بھی حدیث کی صحت یا حسن میں یہ شرط نہیں لگاتا کہ اسے اہل علم کی عملی تائید حاصل ہو۔[379]

اس کے بعد خود ہی انہوں نے محسوس کر لیا کہ امام ترمذی کا سنن میں طرز عمل یہی ہے۔ اولاً امام ترمذی کے عمل کے لیے تاویل کا جامہ تلاش کرنا شروع کیا۔ جب تاویل چست نہ بیٹھی اور بات بنانے کے باوجود نہ بنی تو یہ کہہ کر طرح دے گئے کہ :-

وان کان الترمذی یری ذالک فھو مما اختص به علی خلاف جماھیر العلماء۔[380]

پتہ نہیں وہ جماہیر علماء کون سے ہیں جو اس موضوع پر امام ترمذی کے مخالف ہیں۔ امام مالک کی تصریح خطیب بغدادی اور ابن عبدالبر کی زبانی ابو داؤد صاحب سنن کی سنن میں، محدث عثمان الدارمی کا بیان امام بیہقی کی معرفت، حافظ ابن حجر عسقلانی کا فتح الباری میں بیان، حافظ ابن رجب کا وضاحتی نوٹ اور حافظ ابوبکر الجصاص رازی کا اعلان آپ پہلے اس موضوع پر پڑھ چکے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں :-

اتفاق سلف و توارث ایشاں اصل عظیم است در فقه

دراصل یہ بات جس ذہنی تحفظ کے ساتھ کہی گئی ہے وہ کچھ اور ہے اگر وہ واضح ہو کر سامنے آ جائے تو راہ کی ساری مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔

(41) اخبار آحاد میں مفاہمت اور امام اعظم

اللہ سبحانہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

ثم جعلنک علی شریعته من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون۔[381]

پھر ہم نے تم کو الامر کی صاف راہ پر لگایا ہے اس کی پیروی کیجئے اور بے علم لوگوں کی خواہشوں

کی پیروی نہ کیجئے۔

شرعۃ من الامر کے معنے ہیں امر یا امور کی راہ۔ امر کا واحد ہے اور یا اوامر کا۔ اگر امور کا واحد ہے تو مقصود یہ ہے کہ آپ کو زندگی کے حقائق کو پورا کرنے کی راہ اللہ نے بتا دی ہے اور اگر اوامر کا واحد ہے تو مطلب یہ ہے کہ آئینی اور قانونی اقتدار کی راہ پر ہم نے تم کو لگا دیا ہے۔ شرعۃ کے معنے راہ کے آتے ہیں دونوں صورتوں میں آیت کا مدلول یہ ہے کہ اسلام کی شریعت صاف اور واضح ہے اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ علامہ شاطبی فرماتے ہیں الشریعتہ لا تعارض فیہا البتہ لیکن چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی زندگی کی پوری تاریخ ہم تک شہور و سنین کی تعیین اور ایام کی ترتیب سے نہیں پہنچی اور جو کچھ صحابہ کے ذریعے پہنچی اس میں بھی بعدکے راویوں نے روایت بالمعنے کی ہے اس لیے ہماری نگاہ میں تعارض محسوس ہوتا ہے اور تعارض کا حاصل یہ ہے کہ :-

ان یاتی حدیثان متضاد ان فی المعنی ظاھرا"

اس تضاد کو دور کرنے کا موضوع اہم ترین ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ یہ کام صرف محدثین کا نہیں بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ فقیہ ہو۔ چنانچہ حافظ ابوبکر حازمی فرماتے ہیں :-

ذالک من وظیفتہ الفقہاء لان قصدھم اثبات الاحکام و مجال نظرھم فی ذالک متسع

یہ فقہاء کا کام ہے کیونکہ حدیث میں ان کا مطمع نظر احکام ثابت کرنا ہوتا ہے اور اس موضوع پر ان کی فکری جولانیاں وسیع ہیں۔[382]

اور امام نووی فرماتے ہیں :-

انما یکمل لہ الائمتہ الجامعون بین الفقہ و الحدیث والاصولیون الغواصون علی المعانی

یہ کام زیبا ہے ان ائمہ کے لیے جن میں حدیث و فقہ کی شان جامعیت پائی جاتی ہے اور وہ اصولیین جو معانی کی گہرائی میں اترے ہیں۔[383]

حافظ سخاوی کے حوالہ سے حافظ محمد بن ابراہیم رقمطراز ہیں :-

ھذا فن تکلم فیہ الائمتہ الجامعون بین الفقہ و الحدیث و قواعدہ مقررۃ فی

اصول الفقہ

اس موضوع پر ان اماموں نے لب کشائی فرمائی ہے جو حدیث و فقہ کے جامع ہیں اور اس کے قواعد اصول فقہ میں مقرر ہیں[۳۸۲]

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کام اہم ہونے کے ساتھ بے حد نزاکت بھی رکھتا ہے اس کی نزاکت یہ ہے کہ یہ ایک کام نہیں بلکہ اس میں بیک وقت متعدد کاموں سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ اور مختلف احادیث میں مفاہمت کرانی پڑتی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو شریعت کے سارے احکام باہم ٹکرا جائیں اور شرعی و قانونی اقدار کی کوئی مستقل حیثیت نہ رہے۔ حافظ ابن حزم نے اس سلسلے میں جس فراخدلی کا یہ فرما کر مظاہرہ کیا ہے کہ :-

اذا تعارض الحدیثان --- ففرض علی مسلم استعمال کل ذالک

اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو تو ہر مسلم کا فرض یہ ہے کہ سب پر ہی عمل کرے۔[۳۸۳]

یقیناً" ایک منفرد زندگی کے لیے آزادی کی حد تک یہ ایک خوبی کی بات ہے لیکن تشریع جب اجتماعی زندگی میں نظم کی مضبوطی، عمل کی پختگی اور توازن اور فکر کی استقامت قائم کرنا چاہے تو ان کی خوبیوں سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے اس فراخدلانہ آزادی کے ساتھ یہاں حد بندی کا کوئی خط خود زندگی کا ایک اہم تقاضا ہے جو ان تمام کی پوری پوری ضمانت دے سکے۔ آئین و قانون کے تمام احکام ہی حد بندیوں کے خطوط سے بنتے اور ابھرتے ہیں یہ خطوط جونہی ہلنے لگتے ہیں۔ نظام قانون کی پوری عمارت ہل جاتی ہے۔ بلاشبہ ہر حدیث پر عمل کرنے کی آزادی کا پروانہ ایک بہت بڑی فراخدلی ہے لیکن حیات اجتماعی میں یہی آزادی ہوائے نفس سے ہمدوش ہو کر بے راہ روی کے نام سے پکاری جاتی ہے ماننا پڑے گا کہ معاملہ صرف اتنا ہی نہیں ہے جتنا ایک منفرد زندگی کے دائرہ کار کی حد تک حافظ ابن حزم نے سوچا ہے بلکہ یہاں زندگی کے حقائق کے تقاضے کچھ اور بھی ہیں۔ کسی ایک گوشہ ہی کو سامنے رکھ کر نہ سوچنا چاہیے دوسرے گوشوں کی بھی خبر رکھنی ضروری ہے۔ یقیناً" اگر ہمیں اخبار آحاد میں آئین و قانون کی اقدار کو بچانے کے لیے کبھی مفاہمت کرنی پڑتی ہے تو کبھی دو حدیثوں میں راجح و مرجوح قرار دینا پڑتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اگر ہماری نظر تاریخ احکام پر ہے اور ہمیں کسی طریق سے دونوں میں سے ایک کا پہلے ہونا اور دوسرے کا بعد میں ہونا معلوم ہو گیا تو ایک کو کالعدم قرار دینا پڑتا ہے اور اس کے لیے ہمیں نبوت کی جانب سے نسخ کی صراحت کا انتظار ضروری نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ علامہ معین سندھی نے دراسات اللبیب میں اتنی موٹی سی بات کو یہ کہہ کر پیچیدہ بنا دیا کہ :-

لیس نسخ الحدیث بالحدیث فان ذالک لا یتحقق الابصریح النسخ المرفوع الی رسول اللّٰہ صلی علیہ وسلم

یہ حدیث سے نسخ نہیں ہے کیونکہ نسخ کے ثابت ہونے کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف صاف نسخ ثابت ہونا چاہیے۔[386]

گویا موصوف نے یہ فرض کر لیا ہے کہ حدیث کے نام پر جو تاریخ سنت محدثین کی روایات سے مدون ہوئی وہ پوری کی پوری تاریخی ترتیب کے ساتھ مرتب و مدون ہوئی ہے حالانکہ صورت معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ حضور انورؐ کی پوری 23 سالہ زندگی میں سنت کی یہ تاریخ کیف ما اتفق امت کو ملی ہے اور وہ بھی صحابہ سے راویوں نے سن کر اپنے الفاظ میں محدثین تک پہنچائی ہے اور ہر محدث حافظ تو ضرور ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس کے مغز سخن کو سمجھ کر ہی کہہ رہا ہے۔ مشہور محدث محمد بن المثنی کو یہ حدیث یاد تھی۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی الی عنزۃ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عنزہ (نیزہ کو سترہ بنا کر نماز پڑھی۔[387]

لیکن آپ یہ سن کر حیران ہوں گے محمد بن المثنی جو ائمہ ستہ حدیث کے شیوخ میں سے ہیں یعنی امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ کے استاد ہیں اور جن کا تعلق قبیلہ عنزہ سے ہے وہ اس حدیث کا یہ مطلب سمجھتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عنزہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے اور اس غلط مطلب کے سہارے وہ اپنے عنزہ ہونے پر ناز کرتے تھے اور کہتے تھے۔

نحن قوم لناشرف نحن من عنزۃ صلی الینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

ہماری قوم کو شرف حاصل ہے کہ ہم قبیلہ عنزہ سے ہیں ہماری طرف رسول اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے۔[388]

امام حاکم نے اسی حدیث میں ایک اور راوی کی کہانی بتائی ہے کہ وہ اس میں عنزہ کو شاۃ (بکری) کے معنے میں سمجھتا تھا اور روایت بالمعنے اس طرح کرتا تھا کہ :-

صلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی شاۃ۔[389]

ان حالات میں کون دعوی کر سکتا ہے کہ جب تک نسخ کی صراحت نہ ہو نسخ کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ زندگی کے

تقاضوں اور قانونی ضروریات کو نظرانداز کر کے محض جذباتی نعرہ لگانا اور کہنا کہ تعارض کے وقت میں دو حدیثوں میں سے ایک کو منسوخ کہنا شریعت کے مقابلے میں بے باکانہ جرات ہے نعرے کی حد تک تو درست ہے لیکن حقائق اور واقعات کی دنیا میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ خود محدثین نے اس کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے البتہ اس میں علماء کے افکار مختلف ہیں کہ ان تینوں مفاہمت، ترجیح اور نسخ میں سے آحاد میں تعارض کے وقت کس کا پلڑا بھاری ہے لیکن اس قدر مشترک پر سب ہی متفق ہیں کہ روایتی و اسنادی حیثیت سے اگر دونوں حدیثیں ایک جیسی ہوں اور تاریخ احکام کے ذریعے ان کی تقدیم و تاخیر کا پتہ ہو یا خیر القرون میں امت نے کسی ایک کو عملاً اپنا لیا تو پھر ایک کو کالعدم اور دوسری کو معمول بہ قرار دیا جائے گا۔ ایسا ممکن نہ ہو تو مفاہمت اور ترجیح سے کام لیا جائے گا۔ مفاہمت یہ ہے کہ دو حدیثوں میں ہم آہنگی اس طرح پیدا کی جائے کہ دونوں زندگی کے حقائق کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ مفاہمت قانون کی ایک بنیادی ضرورت ہے بلکہ اخبار آحاد میں تشریعی زندگی سرتاسر مفاہمت ہی کا نام ہے۔ حافظ ابن حجر نے ایک سے زیادہ مقالات پر تصریح کی ہے کہ اہمال حدیث سے جمع بین الحدیثین زیادہ بہتر ہے۔ امام حازمی نے مفاہمت ہی کو عموم فائدہ کا حامل قرار دیا ہے۔ حافظ ابو جعفر طحاوی نے شرح معانی میں ایک مقام پر اسی سلسلے میں یہ ضابطہ لکھا ہے:-

اولی الاشیاء اذا روی حدیثان عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاحتملا الاتفاق واحتملا التضاد ان تحملها علی الاتفاق

اچھا یہی ہے کہ دو حدیثوں میں باہم مفاہمت کرائی جائے۔[390]

حضرت مولانا عبدالحی نے علامہ ابن امیر الحاج کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

الجمع متعین عند الامکان اذا دار الامر بینہ و بین ھذا العمل باحد ھما بالکلیتہ۔

جب صورت حال یہ ہو جائے کہ مفاہمت ہو ورنہ دونوں میں سے ایک ہاتھ سے جائے گی تو مفاہمت ضروری ہے۔[391]

مفاہمت کے موضوع پر امام اعظم کی ذہانت اور [illegible] احکام تو احکام غیر احکام سے متعلق [illegible] کے بہاں [illegible] ہے۔

دنیا میں اسلام کے رونما ہونے کے بعد اسلام کی دعوت کو قبول کرنے [illegible]

ہے؟ یہ سیرت و تاریخ کا اہم بحث ہے اور اختلاف روایات کی وجہ سے فقہاء مدینہ میں بھی اس میں اختلاف رہا ہے اور دور کبار تابعین میں فقہاء کوفہ بھی اس میں مختلف ہیں۔ کئی حدیثوں میں اولین مسلم حضرت علی کو بتایا گیا ہے۔ ترمذی اور نسائی کی حدیثوں میں یہ شرف حضرت ابوبکر کو دیا گیا ہے کچھ روایات میں حضرت خدیجۃ الکبری کا نام آیا ہے اور بعض حدیثوں میں حضرت زید بن حارثہ کو سب سے پہلا مسلمان ظاہر کیا گیا ہے محدثین نے ان روایات میں روایتی نقطہ نظر سے تحلیل کا کام کیا اور خالص محدثانہ نظر سے ان پر بحث فرمائی۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے اس ساری داستان کو لکھنے کے بعد جو فیصلہ کن بات فرمائی ہے وہ یہ نہیں کہ ان روایات میں راجح کون ہے؟ بلکہ اس موقعہ پر انہوں نے حضرت امام اعظم کا وہ فیصلہ لکھ دیا جس میں امام صاحب نے ان حدیثوں میں مفاہمت کا فارمولا پیش کیا ہے :-

قد اجاب ابو حنیفته بالجمع بین هذه الاقوال ان اول من اسلم من الرجال الاحرار ابوبکر و من النساء خدیجته و من الموالی زید بن حارثه و من الغلمان علی بن ابی طالب۔

ابو حنیفہ نے ان سب میں اس طرح ہم آہنگی پیدا کر دی ہے کہ آزاد مردوں میں اسلام لانے کی اولیت کا شرف ابوبکر کو عورتوں میں سے خدیجۃ الکبری کو غلاموں میں زید کو اور لڑکوں میں سے علی مرتضٰی کو حاصل ہوا ہے۔[392]

احکام اور فقہ پر مشتمل حدیثوں میں مفاہمت کی مثالوں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یہاں ہم تطویل سے بچتے ہوئے اپنے ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے چند مثالیں پیش کرتے ہیں تاکہ مفاہمت کے موضوع پر امام اعظم کی خداداد ذہانت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

مثال نمبر ۱- رفع یدین کی صورت :- نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت جو رفع یدین کیا جاتا ہے اس کی کیفیت میں روایات مختلف آئی ہیں حافظ ابن حجر نے تلخیص میں ساری روایات سمیٹ دی ہیں اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں بھی سب روایت کو یکجا کیا ہے ان میں ابن عمر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں :-

کان رسول اللہ صلی علیه وسلم یرفع یدیه حذو منکبیه اذا افتتح الصلاة۔

حضور انور نماز کے آغاز میں مونڈھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔[393]

ابو داؤد، نسائی میں وائل کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

یرفع ابھامیہ الی شحمتہ اذنیہ [394]

آپ اپنے دونوں انگوٹھوں کو کانوں کی پاڑیوں تک اٹھاتے تھے۔

احمد اور مسلم میں ابو قلابہ کی روایت میں ہے۔

کان اذا کبر رفع یدیہ حتی یحاذی بھما اذنیہ [395]

ہاتھ اٹھاتے وقت دونوں ہاتھ کانوں کے سامنے ہوتے تھے۔

حذومنکبین یعنی مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے کو علامہ ابن دقیق العید نے امام شافعی کا مذہب قرار دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں ھو اختیار الشافعی فی منتھی الرفع اور مذکورہ بالا حدیثوں میں سے محدثانہ نقطہ نظر سے بلحاظ قوت سند حدیث ابن عمر کو راجح قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :-

ورجح مذھب الشافعی بقوۃ السند لحدیث ابن عمر [396]

امام شافعی کے مذہب کو قوۃ سند کی وجہ سے راجح قرار دیا ہے۔

علامہ شوکانی نے بھی قوت سند ہی کو پیش نظر رکھ کر ان حدیثوں کے ساتھ ترجیح کا معاملہ فرمایا ہے لیکن امام اعظم نے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کی جو صورت بتائی ہے کہ :-

یرفع یدیہ حتی یحاذی بابھامیہ شحمتی اذنیہ

رفع یدین اس طرح کرے کہ ہاتھ کے دونوں انگوٹھے کانوں کی پاڑیوں کے آمنے سامنے ہو جائیں۔ [397]

تو اس سے انہوں نے ان حدیثوں کے بارے میں اپنا موقف واضح فرما دیا کہ وہ اس موضوع پر آئی ہوئی حدیثوں میں ترجیح کو نہیں بلکہ مفاہمت کو اپناتے ہیں اور مفاہمت اس طرح ہے کہ جب انگوٹھے کان کی پاڑی سے متصل ہوں گے تو ہاتھ کا بالائی حصہ اگر کانوں کے سامنے ہو گا تو ہاتھ کا زیریں حصہ مونڈھوں کے محاذ میں ہو گا اور اس طرح ابن عمرؓ وائل اور مالک بن الحویرث کی تمام مختلف روایات میں مفاہمت ہو گی۔ اور یہ میری ذاتی رائے نہیں ہدایہ کے مشہور شارح حافظ ابن الہمام نے بھی رفع یدین کی اس صورت سے یہی نتیجہ نکالا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں :-

ولا معارضتہ فان محاذاۃ الشحمتین بالابھامین تسوغ حکایتہ محاذاۃ الیدین بالمنکبین والاذنین

ان حدیثوں میں کوئی معارضہ نہیں ہے کیونکہ جب انگوٹھے پاڑیوں کے سامنے ہوں گے تو ہاتھ
کانوں اور مونڈھوں کے سامنے آ جائیں گے۔[398]

روایات میں ہر راوی کا بیان اپنی اپنی جگہ صحیح ہے کیونکہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کی مدت قلیل ہوتی ہے ہر شخص کی اضطراری نگاہ ہاتھ کے جس حصہ پر پڑی اس کا روایت میں اظہار کر دیا۔

مثال نمبر2 ہبہ کی واپسی پر احادیث میں مفاہمت:۔ حدیث میں آتا ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم العائد فی ھبۃ کالکلب یعود الی قیئہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہبہ دے کر واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا کہ قے کر کے چاٹے۔[399]

یہ حدیث امام بخاری اپنی صحیح میں دو طریق سے لائے ہیں ایک بحوالہ سعید بن المسیب اور دوسری بحوالہ عکرمہ۔
دونوں حدیثوں کی وجہ سے امام بخاری نے پوری قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ:۔

لا یحل لاحدان یرجع فی ھبتہ وصدقتہ

ہبہ اور صدقہ کو دے کر واپس لینا کسی کے لیے روا نہیں ہے۔[400]

لیکن اس کے ساتھ ایک دوسری حدیث بھی آتی ہے۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لا یرجع فی ھبتہ الا الوالد من ولدہ[401]

ہبہ کر کے واپسی کا حق کسی کو نہیں ہے سوائے والد کے کہ وہ اپنے لڑکے سے دے کر واپس لے سکتا ہے۔

جن لوگوں نے حدیث ابن عباس کو صرف ظاہری سطح کو دیکھا کہ ہبہ دے کر واپس لینے کو کتے کے قے چاٹنے سے تشبیہ دی ہے انہوں نے ہبہ کی واپسی کے لیے حرمت کا فیصلہ کر دیا اس لیے کہ قے ناپاک ہوتی ہے اور ناپاک چیز حرام ہے لیکن امام اعظم نے یہاں صرف یہ نہیں دیکھا کہ قے سے تشبیہ دی ہے بلکہ تشبیہ پر بڑے گہرے غور کے بعد بتایا کہ قے واقعی ناپاک ہوتی ہے اور ناپاک چیز حرام بھی ہوتی ہے لیکن حضور انور نے جو تشبیہ دی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ ہبہ دے کر واپس لینے والا اس شخص کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹے۔ بلکہ تشبیہ یہ ہے کہ ہبہ دے کر واپس

لیے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹے۔ ظاہر ہے کہ قے حرام ہے لیکن کتے کے لیے حرام نہیں ہے کیونکہ حلت و حرمت کا تعلق تکلیف سے ہے اور کتا مکلف نہیں ہے اس لیے حدیث کی روح یہ ہے کہ ہبہ کی واپسی مکروہ اور خلاف اولی ہو گی۔ اگر تشبیہ آدمی سے دی جاتی تو پھر ہبہ کی واپسی حرام ہوتی کیونکہ آدمی کے لیے حرام ہے اور یہ کراہت بھی اس وقت ہے جب کہ موہوب لہ ہبہ کنندہ کا قریبی رشتہ دار نہ ہو اور موہوب لہ کی جانب سے ہبہ کنندہ کو اس کا کوئی بدل نہ ملا ہو اور یہ دونوں شرطیں امام اعظم نے دو حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر مقرر فرمائی ہیں۔ رشتہ داری کی شرط نسائی میں آئے ہوئے استثناء الا الوالد من ولدہ سے اخذ کی ہے اور بدل کی شرط دار قطنی اور ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے لی ہے۔

الرجل احق بھبتہ ما لم یثب منھا[402]

ہبہ کا حقدار ہے جب تک اس کا بدل نہ پائے

دیکھ لیجئے کس شاندار طریق سے تمام ارشادات کے درمیان مفاہمت ہو گئی۔

مثال نمبر 3 ارشاد نبوت اور صحابی کے فتوی میں مفاہمت:- صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبعا۔[403]

تمہارے برتن میں جب کتا منہ ڈال دے تو چاہیے کہ اسے سات بار دھو ڈالے۔

سنن دار قطنی میں حضرت ابو ہریرہ کی دوسری حدیث ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغسل الاناء من ولوغ الکلب ثلاثا او خمسا او سبعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برتن میں کتے کے منہ ڈالنے سے برتن کو تین یا پانچ یا سات بار دھویا جائے[404]

حافظ زیلعی نے ابن عدی کے حوالہ سے ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ کی یہ بھی لکھی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیھرقہ ولیغسلہ ثلاث مرات[405]

برتن میں کتا منہ ڈال جائے تو اسے گرا کر تین بار دھوؤ۔

نیز دار قطنی نے اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہ کا یہ فتوی بھی روایت کیا ہے۔

اذا ولـغ الکلب فی الاناء فاهرقه ثم اغسله ثلاث مرات۔[406]

جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسے انڈیلو اور اسے تین بار دھوؤ اور دار قطنی نے حضرت ابوہریرہ کا یہ عمل بھی نقل کیا ہے کہ:۔

انه کان اذا ولـغ الکلب فی الاناء اهرقه وغسله ثلاثه مرات۔[407]

برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اسے گرا کر تین بار دھوتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ سے ان کا فتوی اور ان کا عمل نقل کرنے والے مشہور محدث و مجتہد حضرت عطاء بن ابی رباح ہیں۔

محدثین نے اپنے روایتی مذاق کے مطابق ان حدیثوں کی اسنادی بحث کو سامنے رکھ کر سبع کی روایت کو راجح قرار دیا اور تین کی مرفوع روایت میں عبدالوہاب پر تفرد کا الزام لگا دیا اور ابن عدی کی روایت میں احمد حسین کرابیسی پر یہ تنقید کی کہ ان کا تعلق لفظبہ" سے ہے یعنی ان لوگوں میں سے ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن کے جو الفاظ ہمارے منہ سے نکلتے ہیں وہ مخلوق ہیں۔ یہ کلامی مسائل میں امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں اور جو جرح ان پر کی گئی ہے بالکل اسی قسم کی جرح امام بخاری پر بھی کی گئی ہے چنانچہ حافظ ابو الولید حسان بن محمد نیشا پوری 344ھ نے جب صحیح بخاری پر مستخرج لکھنے کا ارادہ کیا تو ان کے والد بزرگوار نے ان کو ہدایت کی۔

علیک بکتاب مسلم فانه اکثر برکته فان البخاری کان ینسب الی اللفظ

تمہیں مسلم کی کتاب پر مستخرج لکھنا چاہیے کہ اس میں برکت زیادہ ہے کیونکہ امام بخاری مسئلہ لفظ کی طرف منسوب ہیں۔

چنانچہ سعادت مند بیٹے نے باپ کی تعمیل ارشاد میں بجائے صحیح بخاری کے صحیح مسلم پر مستخرج تصنیف کیا۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ابو الولید مذکور کے ترجمہ میں اس واقعہ کو نقل کرکے بڑے افسوس کے ساتھ لکھا ہے کہ:۔

و مسلم ایضاً منسوب الی اللفظ والمسئلته مشکلة۔[408]

اور خود امام مسلم پر بھی لفظیہ ہونے کا الزام معاملہ پیچیدہ ہے۔

اسی فکری اختلاف کی وجہ سے امام مسلم نے امام ذہلی سے جو تمام ارباب صحاح کے فن حدیث میں استاد ہیں اور جن کو تلفظ بالقرآن کے مسئلہ پر امام بخاری سے سخت اختلاف ہو گیا تھا۔ اپنی صحیح میں روایت نہیں لی اور صرف امام ذہلی سے ہی نہیں بلکہ اس اختلاف کے نتیجے میں امام مسلم نے امام بخاری سے بھی اپنی صحیح میں روایت نہیں لی۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :۔

قد نصف مسلم فلم یحدث فی کتابه عن هذا ولا عن هذا [409]

امام مسلم نے اچھا کیا ہے کہ اپنی کتاب میں کسی سے بھی روایت نہیں لی۔

بہر حال یہ علمی چشمک کوئی جرح کی بات نہیں ہے اور اس بنیاد پر نہ امام بخاری مجروح ہو سکتے ہیں اور نہ کرابیسی۔ اس لیے حضرت ابو ہریرہ کی روایت کو شک کی نگاہوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ امام بیہقی نے اس روایت کو یہ کہہ کر در خود اعتناء نہیں سمجھا کہ :۔

اس حدیث کا راوی عبدالملک تمام عطاء بن ابی رباح کے تلامذہ میں اور پھر عطاء تمام ابوہریرہ کے اصحاب میں سے اس روایت میں منفرد ہیں حالانکہ عطاء اور ابو ہریرہ کے تلامذہ سب کے سب سات بار کی روایت کر رہے ہیں۔ اس لیے عبدالملک کی روایت مخالف ثقات ہونے کی وجہ سے قابل پذیرائی نہیں ہے۔ [410]

لیکن امام بیہقی کی یہ معذرت اصول محدثین کے مطابق کچھ جچتی نہیں ہے جب کہ جمہور محدثین اور فقہاء لکھتے ہیں کہ ثقہ کا تفرد قابل قبول ہے۔ عبدالملک بن ابی سلیمان مسلم کے راویوں میں سے ہے۔ اور تمام ارباب سنن نے ان سے روایت لی ہے۔ ابن سعد، ابن عمار موصلی، الثوری، ترمذی، احمد، یحیٰی اور نسائی ان کی ثقاہت اور امانت کے گن گا رہے ہیں۔ امام شعبہ نے اگر ان سے حدیث شفعہ نہیں لی ہے تو خطیب کہتے ہیں کہ یہ ان کی بے انصافی ہے چنانچہ فرماتے ہیں :۔

شعبہ سے اس معاملہ میں بڑی بے انصافی ہوئی ہے کہ انہوں نے محمد بن عبداللہ کی حدیث کو اپنا لیا اور عبدالملک بن ابی سلیمان کی حدیث کو چھوڑ دیا کیونکہ محمد بن عبداللہ کی روایت کے غیر معتبر ہونے میں تمام محدثین متفق ہیں۔ برخلاف عبدالملک کے کہ ان کے بارے میں سب محدثین رطب اللسان ہیں اور ان کا تذکار حسن درجہ شہرت کو پہنچا ہوا ہے۔ [411]

آیئے امام شعبہ کا وہ بیان بھی سن لیجئے جس کے سہارے امام بیہقی نے عبدالملک بن ابی سلیمان کو متروک اور ناقابل احتجاج قرار دیا ہے۔

حدثنا نعیم بن حماد قال سمعت وکیعاً یقول سمعت شعبہ یقول لوروی عبدالملک بن ابی سلیمان حدیثاً اخر مثل حدیث الشفعہ طرحت حدیثہ [412]

شعبہ کہتے ہیں کہ اگر عبدالملک حدیث شفعہ کے علاوہ کوئی اور حدیث روایت کرے گا تو میں اس کی حدیث کو پھینک دوں گا۔

کیوں؟ اس کی وجہ کوئی نہیں بتائی گئی۔ شعبہ کا یہ بیان ہمیں نعیم کی وساطت سے ملا ہے نعیم کی خود شخصیت کیا ہے؟ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابو داؤد کہتے ہیں کہ نعیم کی بیس حدیثیں ایسی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ امام نسائی ان کو ضعیف کہتے ہیں۔ ازدی لکھتے ہیں کہ:۔

کان نعیم یضع الحدیث فی تقویتہ السنۃ و حکایات زورۃ فی ثلب نعمان کلھا کذب۔

نعیم سنت کی تقویت کے لیے حدیثیں گھڑتے تھے اور امام ابو حنیفہ کے مثالب میں جھوٹی حکایتیں بناتے تھے [413]

اوروں کا پتہ نہیں مگر میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ نعیم نے یہاں بھی اپنے گمان کے مطابق سات کے عدد کی سنت کو قوی سے قوی تر بنانے کے لیے مدافعانہ کاروائی کی ہے اور کوشش کی ہے کہ تین کی روایات کو مجروح کر دیا جائے اور اس کے لیے بیچارے عبدالملک کو نشانہ بنا لیا ورنہ عبدالملک کو جملہ محدثین کی حمایت حاصل ہے اور سب کے نزدیک ثقہ ہیں ان کا قصور صرف یہ ہے کہ:۔

کان من احفظ اھل الکوفتہ [414]

یہ کوفہ کے حفاظ حدیث میں سے ہیں۔

امام سفیان ثوری کہتے ہیں کہ حفاظ حدیث لوگوں میں یحییٰ بن سعید، عبدالملک بن ابی سلیمان، اور اسماعیل بن خالد ہیں۔ عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ امام شعبہ عبدالملک کے حافظہ پر بے حد حیران ہوتے تھے۔ امام یحییٰ بن معین سے عبدالملک کی حدیث شفعہ کے بارے میں جب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ لوگوں نے اس حدیث پر گرفت کی ہے

لیکن عبدالملک ثقہ ہیں، صدوق ہیں، ان جیسوں پر گرفت نہیں ہو سکتی۔

بہر حال محدثین نے اپنے نقطہ نظر سے ان حدیثوں میں رد و قبول کا رویہ اختیار کیا اور حافظ ابن القیم اور علامہ شوکانی کو تو یہاں تک جوش آگیا کہ :۔

حدیث جب کسی موضوع پر صحیح ہو جائے اور اس کے مقابلے میں کوئی دوسری حدیث صحیح نہ ہو ہمارا فرض یہی ہے کہ حدیث کو اپنائیں اور اس کے مخالف ہر چیز کو چھوڑ دیں اور ہم حدیث کو کسی کی بھی مخالفت کی وجہ سے نہ چھوڑیں گے خواہ وہ کوئی ہو راوی یا غیر راوی ہے[14]

اور علامہ شوکانی رقمطراز ہیں :۔

کسی حال میں بھی کسی کا قول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں حجت نہیں ہے[15]

اتباع سنت کی حد تک تو یہ بات بالکل درست ہے اور واقعی ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہی ہے لیکن یہاں یہ بحث بے محل ہے کیونکہ یہاں حضورؐ کے ارشاد کا مقابلہ حضورؐ کے ارشاد سے ہے ایک وہ ارشاد ہے جو بخاری میں بحوالہ ابوہریرہ ہے اور دوسرا ابوہریرہ ہی کے حوالہ سے سنن دار قطنی میں ہے اور اس کی تائید میں حضرت ابوہریرہ کا عمل اور ان کا فتویٰ یہی ہے ذرا سوچنے کی بات ہے کہ اگر حضرت ابوہریرہ کا یہ بیان درست ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ برتن میں کتا منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھویا جائے اور درست نہ ہونے کی وجہ ہی کیا ہے جبکہ روایت صحیح ہے اور اس پر ابوہریرہ کا عمل بھی ہے اور عمل کے ساتھ اسی پر ابوہریرہ فتویٰ بھی دے رہے ہیں۔ اور اس کے ساتھ حضرت ابوہریرہ کا یہ بیان بھی درست ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ برتن کو سات بار دھویا جائے تو یہ سوال یہاں بے حد اہم ہے کہ اس سات بار والے بیان کے ہوتے ہوئے حضرت ابوہریرہ نے تین پر کیونکر عمل کیا اور اس پر فتویٰ کیوں دیا۔ حضرت ابوہریرہ کے لیے تو ارشاد نبوت کا درجہ قطعیت میں آیت قرآنی کا ہے کیونکہ وہ خود حضورؐ سے سنتے ہیں۔ یہاں حافظ ابو جعفر طحاوی کی یہ بات جی کو لگتی ہے کہ اگر حضرت ابو ہریرہ نے اس ارشاد کو عمداً" ترک کیا ہے تو اس سے ان کی عدالت پر حرف آتا ہے اور ان کی روایات کا سرمایہ ہی ناقابل قبول ہو جاتا ہے اس لیے ہم ایسا سوچنے کو بھی تیار نہیں ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ نے ان سب حدیثوں کو اور حضرت ابوہریرہ کے فتویٰ اور عمل کو پیش نظر رکھ کر ان میں ایسی مفاہمت کر دی ہے کہ جس سے ان حدیثوں میں سے کوئی حدیث بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلی ہے فرماتے ہیں کہ

تین بار دھونا واجب ہے اور سات کا عدد استحباب کے لیے ہے۔ چنانچہ امام طحاوی فرماتے ہیں :-

یحمل مازاد علی الثلاث فی المرفوع الموقوف علی ابی ھریرة کلیھما علی الاستحباب لورود التثلیث فی المرفوع الموقوف عنہ[417]

تین سے زیادہ عدد کو مستحب قرار دیا جائے گا۔

اور حافظ ابن الہام فرماتے ہیں۔

طھارة الاناء الذی ولغ فیہ الکلب لا تتوقف علی السبع بل تثبت قبل السبع بالثلاث علی ماذکرہ الحاکم فی اشارتہ وھو ایضاً مقتضی نقلھم عن ابی حنیفتہ وجوبھا و استحباب الاربعتہ بعدھا۔

جس برتن میں کتے نے منہ ڈال دیا اس کا پاک ہونا سات پر موقوف نہیں بلکہ وہ سات سے پہلے ہی تین سے پاک ہو چکا ہے جیسا کہ حاکم نے بتایا ہے اور یہی تقاضا ہے امام ابو حنیفہ کی اس روایت کا جس میں کہا کہ تین بار دھونا واجب ہے اور سات بار مستحب ہے[418]

اس طرح دونوں ارشاد نبوت میں اور راوی حدیث کے فتوی میں مفاہمت ہو گئی اور تمام حدیثوں پر اپنی اپنی جگہ عمل ہو گیا۔

مثال نمبر4 جماعت کھڑی ہو جانے پر سنتیں پڑھنا :- اس قسم کی ایک اور مثال ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث آتی ہے :-

عن ابی ھریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبتہ[419]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز قائم کر دی جائے تو فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں ہے۔

اگرچہ حفاظ حدیث کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یا حضرت ابوہریرہ کا فتوی ہے۔ حضرت امام شافعی نے کتاب الام میں اسے حضرت ابو ہریرہ کا فتوی ہی قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ کا مصنف میں اور طحاوی کا شرح معانی میں یہی میلان ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ شاید اسی اختلاف کی بناء پر امام

بخاری نے اس کو اپنی صحیح میں روایت نہیں کیا ہے۔

ظاہر بینوں نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے کہ اگر جماعت کھڑی ہو جائے اور کوئی شخص سنتیں وغیرہ پڑھ رہا ہو تو اس کی سنتیں کالعدم اور باطل ہوں گی۔ چنانچہ علامہ شوکانی نے ظاہریہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

واهل الظاهر انهالا تنعقد صلاة تطوع فی وقت اقامته الفريضته"[1/42]

ظاہریہ کی رائے میں فرض قائم ہونے پر کوئی نفل نماز نہیں ہوتی ہے۔

اور علامہ شوکانی کا اپنا میلان بھی یہی ہے و هذا القول هو الظاهر یہی قول ظاہر ہے لیکن اس حدیث میں نماز کے باطل ہونے کے لیے دور کا بھی اشارہ نہیں ہے۔ نہ یہ اس کا منطوق ہے نہ مدلول اور نہ مفہوم۔ اسی بنا پر ائمہ اربعہ میں سے یہ کسی کا مذہب نہیں ہے۔ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ توڑے نہیں بلکہ پوری کرے۔ امام اعظم کا مذہب صحیح یہ ہے کہ اگر ایک رکعت ملنے کی توقع ہو تو سنتیں مسجد سے باہر ادا کرے۔ رکعت کی قید اس حدیث سے لی گئی ہے۔

من ادرک الرکعته من الصلاة فقد ادرک الصلاة ۔[1/31]

جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔

امام اعظم کا یہ مذہب امام محمد نے جامع صغیر میں ان الفاظ میں لکھا ہے۔

ان يفوته رکعته ويدرک الاخرى فانه يصلى رکعتی الفجر عند باب المسجد فان خشی فوتهما دخل مع الامام ولم يصل رکعتی الفجر۔[422]

اگر کوئی نماز میں آیا اور اس نے صبح کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اسے ایک رکعت جانے کا اندیشہ ہو اور دوسری رکعت ملنے کی امید ہو تو اسے اجازت ہے کہ مسجد کے دروازے کے پاس صبح کی سنتیں پڑھ لے اگر دونوں رکعتوں کے نہ ملنے کا اندیشہ ہو تو جماعت میں شامل ہو جائے اور سنتیں نہ پڑھے۔

صاحب ہدایہ نے باب ادراک الفریضہ میں اسی کو مختار قرار دیا ہے اور علامہ کاشانی نے امام صاحب کا یہی مذہب بتایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی اس روایت میں نماز کھڑی ہونے پر نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے اور اس کا منشا دوسری

حدیثوں کو ملا کر صبح کی سنتوں اور فرض کا بلا فصل ادائیگی پر نکیر کرتا ہے۔ کیونکہ دوسری حدیثوں میں جماعت کھڑی ہونے سے پہلے جماعت کھڑی ہونے پر ادا جماعت سے فراغت کے بعد سب پر نکیر آئی ہے اور ہر جگہ منشا یہی ہے کہ صبح کی سنتوں اور فرضوں میں اتصال نہ کیا جائے بلکہ انفصال ہونا چاہیے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو مختلف پیرایوں میں پیش کیا ہے سب کی روح یہ ہے کہ نماز فجر کی سنتوں اور فرضوں میں فصل کیا جائے بلکہ ایک موقع پر آپ نے یہ بات صراحتہ فرمائی ہے۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مر بعبد اللّٰہ بن مالک وھو منتصب یصلی ثمہ صلوۃ الصبح فقال لا تجعلو ھذہ الصلوۃ کصلوۃ قبل الظھر و بعدھا واجعلوھا بینھا فصلا"۔ [423]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن مالک کے پاس سے گزرے وہ نماز صبح سے پہلے سنتیں پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اس نماز کو ظہر کی نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں جیسا نہ بناؤ ان میں کچھ فاصلہ کرو۔

اس میں وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ مقصود یہ ہے کہ صبح کے فرضوں اور سنتوں میں فاصلہ ہو۔ چاہے یہ فاصلہ زمانی ہو یا مکانی۔ حضور ہی کے دوسرے اعمال سے مکانی فصل معلوم ہوتا ہے اس لیے امام اعظم نے اس ارشاد کی روح سمجھ کر بتایا کہ سنتوں کی ادائیگی اگر مسجد میں نہیں بلکہ مسجد سے باہر ہو جائے تو منشاء نبوت پورا ہو جائے گا۔ تصریح کے بعد قیاس آرائی کا کوئی محل نہیں ہے۔ جب فرما رہے ہیں کہ ان میں فاصلہ کرو تو منطوق کلام اسی کو قرار دیا جائے ورنہ نماز سے قبل سنتوں پر ٹوکنے کے معنے کوئی نہیں ہیں۔ اور نماز کے بعد بھی سنتوں کی ادائیگی پر نکیر آئی ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے:۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے نماز کھڑی ہو گئی۔ میں نے جماعت سے صبح کی نماز ادا کی حضور انورؐ اٹھے تو مجھے نماز پڑھتے دیکھا۔ فرمایا قیس چھوڑ کیا دو نمازیں یک دم میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں صبح کی دو سنتیں نہیں پڑھی ہیں۔ فرمایا پھر بھی نہیں۔

نماز ہوتے ہوئے بھی سنتیں پڑھنے پر نکیر آئی ہے چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جماعت کھڑی ہو جانے پر نماز کی سنتیں پڑھتے

دیکھا۔ جب حضورؐ نماز سے فارغ ہو گئے تو حضور انور نے اس سے فرمایا کیا صبح کی نماز چار رکعتیں ہیں؟ کیا نماز صبح چار رکعت ہے؟

ایک اور حدیث صحیح مسلم میں ہے:۔

ایک شخص مسجد میں آیا حضور انور صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے دو رکعت مسجد میں پڑھی پھر جماعت میں مل گیا۔ حضور نے سلام پھیر کر فرمایا دونوں نمازوں میں کون سی نماز کو تو نے قرار دیا ہے؟ انفرادی کو یا جماعت والی کو؟

ان تمام ارشادات کو غور سے پڑھیے اور بار بار پڑھیے آپ کے سامنے یہ بات منقح ہو کر آ جائے گی کہ منشاء نبوت سنتوں اور فرضوں کو ایک ہی جگہ ملا کر پڑھنے سے روکنا ہے اور مقصد یہ ہے کہ دونوں میں فصل کیا جائے۔

چنانچہ حافظ ابو جعفر طحاوی فرماتے ہیں:۔

اس حدیث نے بتایا ہے کہ حضور انور نے ابن بحینہ کے لیے جس بات پر ناگواری کا اظہار فرمایا ہے وہ سنتوں کو ایک ہی جگہ پر فرضوں سے بغیر کسی فصل کے ملانا ہے۔[121]

اس لیے اگر صبح کی سنتوں کی ادائیگی مسجد سے باہر کر کے مکان کا فصل کر دیا جائے تو منشاء نبوت پورا ہو جاتا ہے صرف امام اعظم ہی نے نہیں بلکہ خود صحابہ کرام نے بھی حضور انورؐ کا یہی منشاء سمجھا ہے کیونکہ اذا قیمت الصلوۃ میں اذا اگر ظرفیہ ہے تو دو ہی صورتیں ہیں ظرف زمان یا ظرف مکان۔ ظاہر ہے کہ ظرف مکان ہے۔ مکان ہونے کی صورت میں اس کی حد بندی ناگزیر ہے موٹی سے موٹی عقل والا بھی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ لاہور کی شاہی مسجد میں صبح کی جماعت کھڑی ہونے پر تمام روئے زمین پر ہر قسم کی نماز حرام ہے۔ اگر یہ واقعہ ہے تو پھر اذا قیمت الصلوۃ میں مکان نماز یعنی مسجد ہی مراد ہے اس لیے نماز کھڑی ہو جانے پر مسجد میں سنتیں نہ پڑھنی چاہئیں۔ یہی امام ابو حنیفہ کا اصل مذہب ہے۔ صحابہ کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ محمد بن کعب نے حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں بتایا ہے:۔

خرج عبداللّٰہ بن عمر من بینمه فا قیمت صلوۃ الصبح فرکع رکعتین قبل ان یدخل المسجد وھو فی الطریق ثم دخل المسجد فصلی الصبح مع الناس رکعتین۔

عبداللہ بن عمر گھر سے نکلے نماز صبح کھڑی ہو چکی تھی۔ آپ نے سنتیں مسجد میں داخل ہونے سے پہلے راستہ ہی میں ادا کئیں بعد ازیں مسجد میں آئے اور جماعت سے نماز پڑھی۔[425]

یہ اور اس قسم کے ایک سے زیادہ آثار صحابہ آئے ہیں۔ امام ابوبکر بن شیبہ نے انیس صحابہ کے آثار پیش کئے ہیں جن سے بیرون مسجد صبح کی نماز کھڑی ہو جانے کے باوجود اداء سنت کا پتہ چلتا ہے:۔

شاید آپ یہاں یہ خلش محسوس کریں کہ امام اعظم کو صبح کی سنتوں کی ادائیگی پر اس قدر اصرار کیوں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ اصرار بھی امام اعظم کا اپنا نہیں بلکہ براہ راست سراج رسالت منیر کا اصرار ہے۔

مسند احمد' ابو داؤد میں ارشاد ہے:۔

لا تتدعوا رکعتی الفجر ولو طردتکم الخیل [426]

صبح کی سنتیں نہ چھوڑو چاہے تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔

حضرت عائشہ نے حضور انور کے عمل کی جو تصویر پیش کی ہے وہ بھی سن لیجئے:۔

لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی شیئی من النوافل اشد تعاھداً منہ علی رکعتی الفجر۔ [427]

نبوت کے اسی اصرار کی بناء پر امام اعظم فجر کی سنتوں کی ادائیگی کو جماعت کھڑی ہو جانے کے باوجود دو شرطوں کے ساتھ جائز بتاتے ہیں۔ اول یہ کہ بیرون مسجد ہو۔ دوم یہ کہ دونوں رکعتوں کے جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر ایسا اندیشہ محسوس کرے تو جماعت میں شامل ہو جائے اور سنتوں کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھے۔ صبح کی نماز کے بعد نہ پڑھے کیونکہ صبح کی نماز کے بعد حضور انور کا بتایا ہوا عام ضابطہ یہ ہے:۔

عن عمر بن الخطاب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الصلوۃ بعد الفجر حتی تطلع الشمس و بعد العصر حتی تغرب الشمس [428]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز سے منع فرمایا ہے۔

صرف حضرت عمرؓ ہی سے نہیں بلکہ التلخیص الجبیر میں حافظ عسقلانی نے بتایا ہے کہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے

یہ ضابطہ نقل کیا ہے۔ ارباب ظاہر نے ترمذی کی ایک روایت میں اپنا خود ساختہ مطلب ڈال کر اسے اس مشہور ضابطہ سے متصادم کر دیا۔

ترمذی میں قیس بن فہد کا یہ واقعہ منقول ہے :۔

خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاقیمت الصلوۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مھلاً" یا قیس اصلاتان معاً" قلت یا رسول اللّٰہ انی لم اکن صلیت رکعتی الفجر قال فلا اذن۔ [41]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے جماعت کھڑی ہو گئی میں نے آپ کے ہمراہ نماز صبح ادا کی بعد ازیں حضورؐ نے نماز سے فراغت کے بعد مجھے نماز پڑھتے پایا تو فرمایا اے قیس چھوڑا کیا دو نمازیں اکٹھی؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے صبح کی دو سنتیں نہیں ادا کی تھیں فرمایا پھر بھی نہیں۔

اس حدیث میں فلا اذن کے معنے فلا باس اذن یعنی تب کوئی مضائقہ نہیں بتا کر اس روایت کو پہلی روایت عمر کے معارض بنا دیا اور بطور خود صبح کی نماز کے بعد سنتیں پڑھنے کا پروانہ دے دیا۔ اور اس واقعہ ہی میں "مھلا" یا قیس (چھوڑا اے قیس) کی گرفت سے ایسے بے خبر ہو گئے گویا یہ بات زبان نبوت نے فرمائی ہی نہیں۔ لیکن امام اعظم نے "مھلا" یا قیس کے زور کی وجہ سے فلا اذن کے معنے فلا اذن اذن تب بھی اجازت نہیں ہے بتا کر مراد نبوت کو مقرر فرمایا اور اس طرح اس واقعہ کو دوسرے ارشادات کے ساتھ متصادم ہونے سے بچا لیا۔ اور فلا اذن کے معنے بھی امام اعظم نے صرف سیاق کلام کی مدد سے نہیں بلکہ حدیث ہی میں آمدہ دوسرے شواہد سے لیے ہیں۔ مثلاً" صحیح مسلم میں واقعہ آیا ہے کہ نعمان بن بشیر نے اپنے ایک لڑکے کو کچھ مال دے دیا۔ ان کی خواہش ہوئی کہ اس معاملہ میں حضور انور بھی گواہ ہو جائیں۔ نعمان حضور انور کی خدمت میں آئے۔ آپ نے دریافت کیا ھل نحلت سائر ابنائک مثلہ کیا تم نے اپنے سارے بیٹوں کو اسی طرح دیا ہے؟ بولے کہ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ فلا اذن یہاں معنے صاف ہیں کہ پھر اجازت نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس پر مبسوط کلام کیا ہے۔ ان شواہد کی روشنی میں امام اعظم نے صبح کی نماز کے بعد سنتوں کی ادائیگی سے منع فرمایا اور طلوع آفتاب کے بعد ان کی ادائیگی کو جائز قرار دیا۔ طلوع آفتاب کے بعد کے متعلق خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد بھی آیا ہے جو حاکم نے مستدرک میں، دار

قطنی، بیہقی اور ترمذی نے اپنی اپنی کتابوں میں بحوالہ حضرت ابو ہریرہ نقل کیا ہے۔

من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھا بعد ما تطلع الشمس

جس شخص نے صبح کی سنتیں نہیں پڑھیں اسے چاہیے کہ آفتاب نکلنے پر پڑھ لے۔

اس طرح امام اعظم نے اس موضوع پر آئی ہوئی مختلف حدیثوں میں شاندار طریق پر مفاہمت کر دی کہ ایک ارشاد نبوت بھی امت کے عمل سے بیگانہ نہ رہا اور سب حدیثوں پر عمل ہو گیا۔

یہ چند مثالیں بطور گلے از گلزار عرض کر دی گئی ہیں تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں کہ مختلف حدیثوں میں مفاہمت کے موضوع پر سیدنا ابو حنیفہ سے اعلیٰ ہوئی فقاہت کیا ہے؟

(42) وجوہ ترجیح اور امام اعظم

اگر دو صحیح حدیثوں میں تعارض ہو اور ان میں باہم مفاہمت کی کوئی صورت نہ ہو تو ان میں ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیا جاتا ہے۔ ترجیح کی حقیقت یہ ہے کہ دو حدیثیں اگر صحت و قوت کے لحاظ سے یکساں اور ہم پلہ ہوں لیکن اپنے مضمون کے لحاظ سے باہم متعارض ہوں تو ان دونوں میں سے ایک کو دوسری کے مقابلہ میں کسی ایسے سہارے کے ذریعے جس میں خود مستقل طور پر حجت بننے کی صلاحیت نہ ہو راجح قرار دیا جائے۔ جن سہاروں کے ذریعے ترجیح کا عمل کیا جاتا ہے۔ محدثین کی اصطلاحی زبان میں ان کو وجوہ ترجیح کہتے ہیں۔ علماء نے ایک سے زیادہ وجوہ ترجیح کی نشاندہی کی ہے۔ علامہ حازمی نے دوسرے علماء کے بارے میں بتایا ہے کہ:۔

قد اورد بعض ائمتنا فی باب الترجیحات نیفا" واربعین وجھا" فی ترجیح احد الحدیثین علی الاخر۔

ہمارے بعض ائمہ نے وجوہ ترجیح چالیس سے زیادہ بتائے ہیں[43]

خود علامہ حازمی نے کتاب الاعتبار میں جن وجوہ ترجیح کا پتہ دیا ہے ان کی تعداد پچاس ہے اور آخر میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ:۔

فھذا القدر کاف فی ذکر الترجیحات و ثم وجوہ کثیرۃ اضربنا عن ذکرھا کیلا

يطول هذا المختصر۔

وجوہ ترجیح کی یہ مقدار کافی ہے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی وجوہ ہیں لیکن ہم نے طوالت کے اندیشہ سے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔[172]

حافظ سیوطی نے وجوہ کثیرۃ کے چہرہ ابہام سے یہ کہہ کر نقاب ہٹائی ہے کہ :-

ووصلها غيره الى اكثر من مائته كما استو فى ذالك العراقى فى نكتنه۔

حازمی کے علاوہ اوروں نے اس تعداد کو ایک سو تک پہنچا دیا ہے جیسا کہ حافظ عراقی نے نکت علی ابن الصلاح میں اس کی تفصیل کی ہے۔[173]

علامہ جمال الدین قاسمی نے تمام وجوہ ترجیح کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھا ہے۔

جو شخص صحابہ' تابعین اور اتباع تابعین کے حالات کا مطالعہ کرے گا وہ یقیناً" اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ بزرگ اس پر متفق تھے اور ان کی اس موضوع پر کبھی بھی دو رائیں نہیں ہوئی ہیں کہ راجح پر عمل کیا جائے اور مرجوح کو چھوڑ دیا جائے۔ ترجیح کے طریقے بہت ہیں۔ لیکن ترجیح کی بنیاد یہ ہے کہ وجہ ایسی ہو جو مسالک شریعہ کے مطابق اور مزاج نبوت کے موافق ہو۔ جس میں یہ چیز موجود ہو وہ وجہ معتبر ہے۔ ترجیح کبھی بلحاظ اسناد' کبھی باعتبار متن' کبھی بحیثیت مدلول اور کبھی کسی بیرونی چیز کی وجہ سے ہوتی ہے۔[174]

ان وجوہ ترجیح کا یہاں موقع نہیں ہے جو محدثین کرام نے قلم بند فرمائی ہیں اور جن کو فقہاء کرام نے اسلام کی قانون سازی کے مختلف مرحلوں پر استعمال کیا ہے۔

ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ اگر دو حدیثیں صحیح ہونے کے باوجود باہم متعارض ہو جائیں تو کیا ان میں سے کسی ایک کو اس بناء پر راجح قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس کے بیان کرنے والے علم و فکر اور فقہ و نظر کی دولت سے مالا مال ہیں۔ اس حد تک سب متفق ہیں کہ راویوں میں فقاہت یقیناً" وجہ ترجیح ہے چنانچہ امام حازمی رقمطراز ہیں۔

وجوہ ترجیح میں سے تیسویں وجہ یہ ہے کہ دو حدیثوں میں سے کسی ایک کے بیان کرنے والے اگر حفظ و ضبط میں ہم پلہ ہوں لیکن ان میں سے ایک کے راوی فقہاء ہوں تو فقہاء کی روایت کو ترجیح ہو گی۔ علی بن خشرم محدث کہتے ہیں کہ ہم سے امام وکیع نے کہا کہ ان دو سندوں میں سے

تمہیں کون سی سند پسند ہے؟ اعمش عن ابی وائل عن عبداللہ یا سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ۔ ہم نے جواباً" عرض کیا ہمیں تو الاعمش عن ابی وائل عن عبداللہ کا سلسلہ سند زیادہ پسند ہے۔ امام وکیع نے بتایا کہ اس سند میں اعمش اور ابو وائل شیوخ حدیث ہیں۔ اور دوسری سند میں سفیان' منصور' ابراہیم اور علقمہ فقہا ہیں اور وہ حدیث جو فقہاء کی راہ سے آئے بلاشبہ اس حدیث سے بہتر ہے جو محدثین کی وساطت سے آئے۔[43]

علامہ ابو السعادات مجدالدین ابن الاثیر نے جامع الاصول میں اس موقعہ پر بڑے پتے کی بات لکھی ہے :-

یہ سلسلہ روایت فقہاء کی راہ میں عبداللہ بن مسعود تک رباعی ہے اور محدثین کی راہ سے ثنائی ہے یعنی فقہاء کے طریق میں عبداللہ تک چار راوی ہیں اور محدثین کے سلسلے میں صرف دو راوی ہیں۔ اس کے باوجود صرف راویوں کی فقاہت کی وجہ سے فقہاء کی روایت کو راجح قرار دیا گیا ہے۔..

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو جائے اور بلحاظ سند دونوں قوی ہوں۔ لیکن ایک کے سلسلہ سند میں شیوخ حدیث ہوں اور دوسری فقہاء کی وساطت سے آ رہی ہو تو خود ارباب حدیث کے نزدیک بھی فقہاء کی روایت کا پلڑا بھاری ہو گا۔ چاہے فقہاء کی روایت کے مقابلے میں محدثین کی روایت کو علو" کا مقام بھی حاصل ہو۔ یعنی فقہاء کے سلسلے میں راویوں کی تعداد زیادہ اور محدثین کے طریق میں راویوں کی تعداد کم ہو۔ علامہ محمد معین سندھی نے اس مقام پر یہ کہہ کر کہ :-

فقه الرواة لا اثر له فی صحته المروی و انما مدارها علی العدالته و الضبط

راویوں کی فقاہت کا روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے روایت کا دارومدار تو راویوں کی عدالت و ضبط پر ہے[43]

اختلاط سے کام لیا ہے۔ گفتگو روایت کی صحت میں نہیں ہے کیونکہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے کہ روایت کی صحت کے لیے فقیہ راوی شرط نہیں ہے۔ اس میں دورائیں نہیں ہیں۔ گفتگو تو اس میں ہے کہ اگر دو صحیح روایتوں میں تعارض ہو جائے' دونوں روایتوں کے راویوں میں عدالت و ضبط یکساں ہو اور ان میں باہم کسی طرح مفاہمت نہ ہو سکے تو کسے راجح قرار دیا جائے ظاہر ہے کہ محدثین فقیہ راوی کو ترجیح میں سبب مؤثر قرار دیتے ہیں۔ آپ امام حازمی کی تصریح پڑھ

چکے ہیں۔ حافظ سیوطی اور حافظ عراقی جیسے اساطین حدیث بھی امام حازمی کے ہم زبان ہیں چنانچہ حافظ جلال الدین السیوطی رقمطراز ہیں:۔

ثالثها ۔ ای من وجوہ الترجیح فقه الراوی سواء کان الحدیث مرویا المعنی او باللفظ ۔ لان الفقیه اذا سمع ما یمتنع حمله علی ظاهره بحث عنه حتی یطلع علی ما یزول به الاشکال۔

وجوہ ترجیح میں سے تیسری وجہ فقیہ راوی بھی ہے چاہے حدیث کی روایت باللفظ ہو یا بالمعنٰے ہو کیونکہ فقیہ جب کوئی ایسی بات سنتا ہے جسے ظاہر پر محمول کرنا دشوار ہو تو اس کے بارے میں بحث و تمحیص سے کام لیتا ہے تاآنکہ وہ ایسی چیز پر مطلع ہو جاتا ہے جس سے راہ کی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔[437]

خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔

ویرجح بان یکون رواته فقهاء لان عنایته الفقیه بما یتعلق من الاحکام و مثله من عنایته غیره بذالک۔

کسی حدیث کو اس کے راویوں کے فقیہ ہونے کی بنا پر ترجیح دی جائے گی کیونکہ فقہاء کی مرکزی توجہ احکام پر دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔[438]

بہر حال علامہ معین الدین سندھی نے یہ کہہ کر اپنے مخاطبوں کو ایک سنگین غلط فہمی میں ڈالنے کی کوشش کی ہے ورنہ امر واقعہ یہ ہے کہ روایت کی صحت کے لیے فقیہ راوی کسی کے نزدیک بھی شرط نہیں ہے۔ فقیہ راوی صحت کے لیے نہیں بلکہ صرف دو صحیح روایتوں میں ترجیح کا سبب ہے۔ ترجیح روایت اور صحت روایت دو الگ الگ موضوع ہیں ان کو باہم غلط ملط کرنا سنگین مغالطہ ہے۔ بہر حال فقیہ راوی کے ترجیح روایت کے لیے وجہ ہونے میں محدثین اور فقہاء کا نقطہ نظر ایک ہے اور یہ ایک بے غبار حقیقت ہے۔ شیخ عبداللطیف سندھی کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے کہ :۔

لا یرتاب احد فی ان فقه الراوی مما یثبت به الترجیح

راوی کی فقاہت روایت کی ترجیح کے لیے مثبت ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں ہے۔[439]

ہاں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر دونوں روایتیں صحیح ہوں اور دونوں میں تعارض ہو اور دونوں میں ایک کے

راوی فقہاء ہوں اور دوسری متعدد طرق سے مروی ہو۔ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ محدثین اور ارباب روایت کا موقف یہ ہے کہ کثیر الطرق روایت کو راجح قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ امام حازمی ارقام فرماتے ہیں :۔

کسی حدیث کو راجح قرار دینے کے وجوہ میں سے ایک درجہ کثرت عدد ہے اس کا روایت پر خاص اثر ہوتا ہے اس طرق سے روایت کے بارے میں علم میں پختگی آتی ہے۔[1111]

خطیب بغدادی فرماتے ہیں :۔

ویرجح بکثرۃ الرواۃ لا حد الخبرین۔[1112]

لیکن اس موضوع پر امام اعظم کو محدثین سے اختلاف ہے ان کا کہنا ہے کہ ایسی دو روایتوں میں ترجیح اس روایت کو دی جائے گی جس کے بیان کرنے والے فقہاء ہوں۔ چنانچہ رفع یدین کے موضوع پر انھوں نے امام اوزاعی سے مناظرے کے وقت اسی اصول کو اپنایا ہے۔ امام اوزاعی سے امام اعظم کا یہ مناظرہ امام موفق نے امام الحارثی کے حوالہ سے بسند متصل نقل کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں قاسم بن اصبغ کے ترجمہ میں امام حارثی کا ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے :۔

عالم ماوراء النہر و محدث الامام العلامہ ابو محمد عبداللہ بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری الملقب بالاُستاذ جامع مسند ابی حنیفۃ۔[1112]

امام حارثی نے اس واقعہ کی سند یہ لکھی ہے :۔

حدثنا محمد بن ابراہیم بن زیاد الرازی حدثنا سلیمان بن الشاذ کوفی قال سمعت سفیان بن عیینۃ یقول اجتمع ابو حنیفہ والا وزاعی بمکنۃ۔

حافظ ابن الہمام نے فتح القدیر میں، علامہ اکمل الدین نے عنایہ میں، ملا علی قاری نے شرح مسند میں، الشیخ ابوالطیب سندھی نے ترمذی کے حاشیہ میں اور السید مرتضیٰ زبیدی نے عقود الجواہر المنیفہ میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ایسی معروف و مشہور داستان کے بارے میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے۔ ایسی معروف و مشہور داستان کے بارے میں راویوں کی معاصرانہ چشمک سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بے اصل ہونے کا دعویٰ کرنا فن کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔

حیرت ہے کہ علامہ محمد معین سندھی نے اس قصہ کے معلق ہونے کا یہ کہہ کر دعویٰ کیا ہے :۔

ان ھذہ الحکایتہ عن سفیان بن عیینہ معلقہ ولم ار من اسندھا۔[1113]

اور ساتھ ہی یہ چیلنج بھی دیا ہے :-

ومن عنده السند فليات به

حالانکہ یہ واقعہ نہ تو غیر مسند ہے جیسا کہ آپ امام حارثی کی زبانی سن آئے ہیں کہ انہوں نے اپنے مسند میں اسے باسند لکھا ہے چنانچہ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں :-

فقد اسندها ابو محمد عبدالله بن محمد بن يعقوب بن الحارث الحارثى البخارى المعروف بالاستاذ تلميذ ابى حفص الصغير بن ابى حفص الكبير تلميذ الامام محمد بن الحسن فى مسنده بقوله حدثنا محمد بن ابراهيم بن زيادة ... الخ -[١٨٨]

اور نہ معلق ہے جیسا کہ امام موفق نے لکھا ہے۔ آیئے اب اصل واقعہ گوش گزار فرمائیے :-

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ اور امام اوزاعی مکہ کے دارالحناطین میں جمع ہوئے۔ گفتگو کے دوران امام اوزاعی نے امام اعظم سے دریافت کیا آپ رکوع میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اس لیے کہ رفع یدین رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ امام اوزاعی نے فرمایا یہ کیونکر ہو سکا ہے مجھے زہری نے بتایا' انہوں نے سالم سے اور سالم نے اپنے باپ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت' رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے جواب دیا مجھے حماد نے بتایا۔ انہوں نے ابراہیم سے سنا ابراہیم نے علقمہ اور اسود سے سنا اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے اور پھر اسے نہیں دہراتے تھے۔ امام اوزاعی نے پھر جواب میں کہا میں آپ کو زہری' سالم اور ان کے والد ابن عمر کی روایت سناتا ہوں اور آپ مجھے حماد اور ابراہیم کی روایت سناتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ جواباً" بولے حماد زہری سے زیادہ فقیہ تھے۔ ابراہیم سالم سے بڑھ کر عالم تھے اور اگر صحابی ہونے کا پاس نہ ہوتا تو میں یہ کہتا کہ علقمہ عبداللہ بن عمر سے زیادہ عالم فقہ تھے اور عبداللہ تو آخر عبداللہ ہیں۔[١٨٩]

عبداللہ سے مراد عبداللہ بن مسعود ہیں یعنی ان راویوں میں کوئی شخص بھی عبداللہ بن مسعود کا ہم پلہ نہیں

ہے

حافظ ابن الہمام نے یہ واقعہ درج کر کے لکھا ہے کہ :-

رفع یدین کے موضوع پر آثار صحابہ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں بہت ہیں اور ان میں گفتگو بڑی طویل الذیل ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ دونوں رفع اور عدم رفع ثابت ہیں اور دونوں کے ثابت ہونے کی صورت میں باہم ترجیح کی ضرورت ہے کیونکہ تعارض موجود ہے۔ عدم رفع ہمارے نزدیک اس لیے راجح ہے کہ نماز اس موجودہ صورت میں مختلف احوال سے گزر کر آئی ہے اقوال اور رفع یدین کی جنس کے افعال ایک وقت میں نماز میں مباح تھے اور وہ منسوخ ہو چکے ہیں۔ اگر یہ حرکتیں بھی اسی درجے میں آ جائیں تو کوئی بعید نہیں ہے۔ رفع یدین چونکہ وجودی حرکت کا نام ہے اس لیے اس میں اس کا احتمال ہے برخلاف عدم رفع کے کہ وہ ایک منفی چیز ہے اس میں اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے عدم رفع حرکت نہیں بلکہ سکون کا نام ہے وہ بلا جماع نماز میں خشوع کے عموم کی وجہ سے مطلوب ہے اور ایک وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ عدم رفع کی روایت کے راوی فقاہت کی وجہ سے رفع یدین کے راویوں پر برتری رکھتے ہیں جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے امام اوزاعی کو جواب دیا ہے۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ :-

رفع یدین اور عدم رفع دونوں قسم کی روایتوں میں موازنہ کرتے ہوئی امام ابو حنیفہ نے عدم رفع کی روایات کو راویوں کی فقاہت کی بنا پر اور امام اوزاعی نے سند کے عالی ہونے کی بنا پر ترجیح دی ہے۔[44]

امام اعظم نے روایت کے اسنادی علو سے ہٹ کر فقاہت کو ترجیح کے لیے کیوں وجہ قرار دیا ہے؟ اس لیے کہ :-

فقاہت کے ذریعے فقیہ میں صحیح اور غیر صحیح کا شعور اور سلیقہ ہوتا ہے جب اسے کوئی ایسی بات معلوم ہوتی ہے جس کا ظاہر مزاج شریعت سے مطابقت نہیں رکھتا تو وہ اس کو اول نظر میں ہی روایت نہیں کرتا بلکہ اس کی حقیقت کا کھوج لگاتا ہے اور اس کے معنی میں سرگرداں رہتا ہے

جب وہ مطمئن ہو جاتا ہے تو روایت کرتا ہے برخلاف غیر فقیہ کے کہ یہ اس کے بس کی بات ہی نہیں ہوتی ہے وہ سنی ہوئی بات کو آگے چلا دیتا ہے۔ اس تعلیل کا تقاضا یہ بھی ہے کہ افقہ کی روایت کو فقیہ کی روایت پر ترجیح دی جائے[447]

ترجیح روایت کے بارے میں دراصل امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے اور فقاہت ان کے نزدیک دو صحیح حدیثوں میں ترجیح کا سبب مؤثر ہے۔ فخر الاسلام بزدوی نے تصریح کی ہے کہ هذا مذهبنا فی الترجیح ---- اور حافظ ابن الہمام نے اسی کو فتح القدیر میں مذہب منصور قرار دیا ہے اور ملا علی قاری نے واشگاف لفظوں میں بتا دیا ہے کہ :-

والمذهب المنصور عند علماءنا الحنفیته الا فقهیته دون الاکثریته۔

کامیاب مذہب احناف کے نزدیک افقہیت ہے اکثریت نہیں ہے۔

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ عددی طاقت اور دونوں کی زیادتی سے کسی روایت کو راجح نہ قرار دیا جائے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ معنویت کہاں ہے؟

ظاہر بین بزرگوں نے امام اعظم کے اس زریں ضابطہ کو تخریبی قسم کا ضابطہ قرار دے کر بے جان بنانے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن شاید ان کو علم نہیں ہے کہ محدثین کے علم حدیث کے متعلق سارے ہی اصول و ضوابط تخریبی ہیں۔ اصول حدیث کا کوئی ضابطہ اور قاعدہ بھی منصوص نہیں ہے یہ بات کہ تعدد طرق کی بنا پر روایت کو ترجیح دی جائی خود تخریبی ہے اور اس کا پس منظر افراد و غرائب کے لیے گنجائش نکالنا ہے یعنی اس کو افراد و غرائب کے لیے بنایا گیا ہے فن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ورنہ اللہ کے دین میں احتیاط کا تقاضا تو یہی ہے کہ دین میں فکر و نظر اور فقہ و بصیرت رکھنے والوں کی بات کا پلڑا بھاری ہو۔ آخر کوئی وجہ تو ہے کہ نماز کی صف اول کے بارے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم تھا جو بحوالہ ابو مسعود انصاری اور بحوالہ عبداللہ بن مسعود مسند احمد، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی میں ان الفاظ میں موجود ہے۔

لیلینی اولو الاحلام والنهی منکم

مجھ سے قریب نماز میں تم میں سے اہل عقل و فہم ہوا کریں۔[448]

اہل علم و فضل کو صف اول میں رکھنے کی اس کے سوا وجہ کیا ہو سکتا ہے جو علامہ شوکانی نے بتائی ہے۔

لیا خذو عن الامام و یاخذ عنهم غیر هم لا نهم امسّ بضبط صفته الصلاة و

حفظها و نقلها و تبليغها۔

تاکہ وہ امام کے اعمال و افعال کی کاپی کریں اور رائے عامہ ان کے اعمال و افعال کی کاپی کرے۔
کیونکہ اہل علم ہی نماز کے طریقہ کو زیادہ ضبط اور حفظ کر سکتے ہیں اور ان میں اسے آگے نقل
کرنے اور پہنچانے کی صلاحیت ہے۔

امام اعظم نے اوزاعی کے سامنے رفع یدین کے موضوع پر یہی کسوٹی پیش فرمائی ہے۔ رفع یدین کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے اور عدم رفع کے موضوع پر حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے۔ ان دونوں حدیثوں کی روایتی اور اسنادی حیثیت دونوں کو مسلم ہے اور ان دونوں روایتوں کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ امام اعظم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کبار صحابہ سے ہیں۔ نماز میں یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف اول میں ہوتے تھے۔ حضور انورؐ نے معلمین قرآن میں سب سے پہلا نمبر ان کا بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ جس چیز کو تمہارے لیے ابن مسعود پسند کرے میں تمہارے لیے اسی پر راضی ہوں اور فرمایا کہ ابن مسعود کے عہد اور تحقیق کو مضبوطی سے قائم رکھو اور اس پر جمے رہو۔ حضرت عمرؓ نے ان کو علم کا انبار کہا ہے اور کوفہ والوں کی طرف معلم قرآن و سنت بنا کر روانہ کیا۔ امام نودی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود خلفاء راشدین سے بھی زیادہ عالم تھے۔ حضرت ابو موسی اشعری کہتے ہیں کہ وہ ہر وقت حضور انورؐ کے پاس رہتے تھے اور حضور انورؐ ان سے کسی وقت حجاب نہ کرتے تھے۔ ان کی وفات ساٹھ سال کی عمر میں 22ھ میں ہوئی ہے۔ مسلمان ہونے والوں میں چھٹے مسلمان ہیں اس لیے ان کا شمار ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ کے ساتھ السابقون الاولون میں ہے۔ ان کا بیان امام اعظم کو پہنچا ہے کہ حضور انور صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر بے شک بزرگ ترین صحابی ہیں لیکن حضور انورؐ کی ہجرت کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی اور وفات کے وقت یہ عمر کی چوبیسویں بہار دیکھ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا شمار نہ السابقون الاولون میں ہے۔ اور نہ یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے علم و فضل میں ہم پلہ ہیں۔ نماز میں حضور کے پیچھے جو مقام عبداللہ بن مسعود کا ہے وہ یقیناً عبداللہ بن عمرؓ کا نہیں ہے اس لیے امام اعظم نے عبداللہ بن مسعود کے بیان کو راجح قرار دیا ہے۔

(43) امام اعظم اور اہل ہوئی سے روایت

روایت کے رد و قبول سے متعلق اس پر تو دوسری اور تیسری صدی کے محدثین کا اتفاق ہے کہ قبول روایت کے لیے اسلام اور عدالت شرط ہے اور شرط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کافر کی حالت کفر میں اور فاسق کی حالت فسق میں روایت مردود ہے۔ اس موضوع پر کبھی دو رائیں نہیں ہوئی ہیں۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوتے ہوئے اپنے مخصوص نظریات کے حامل ہیں جن کے نتیجے میں جمہور امت کی شاہراہ سے ہٹ کر انہوں نے اپنی راہ الگ بنالی مثلاً" خوارج' روافض' نواصب' معتزلہ اور مرجیہ وغیرہ۔ کیا ان کی روایات کو ان کے مخصوص نظریات کے باوجود شرف قبول عطا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ یہ موضوع علم حدیث کے مہمات مباحث میں سے ہے اس لیے علماء نے اپنے مختلف عہدوں میں جی بھر کر اس پر داد تحقیق دی ہے۔ چنانچہ حافظ ابوبکر الخطیب بغدادی رقمطراز ہیں :-

> علماء میں اہل ہوی سے روایت لینے کے موضوع پر ایک سے زیادہ مدارس فکر ہیں۔ سلف میں سے ایک جماعت اسے درست خیال نہیں کرتی۔ ان کا موقف یہ ہے کہ کافر اور فاسق بالتاویل کی پوزیشن بھی کافر معاند اور فاسق عابد کی ہوتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ ان کی روایت ناقابل قبول ہو اور کچھ کی رائے میں اہل اہواء کی روایت کو قبول کر لینا درست ہے بشرطیکہ وہ جھوٹ کو جائز نہ سمجھتے ہوں۔ فقہاء میں سے یہ امام شافعی کی رائے ہے۔ اور کچھ کی رائے یہ ہے کہ اہل اہواء میں سے ان کی رائے قبول کر لی جائے جو ہوی و بدعت کے داعی نہ ہوں۔ دعاۃ کی روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔ یہ امام احمد کی رائے ہے۔ مؤرخین اور متکلمین کی ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ سب اہل اہواء کی روایات قابل قبول ہیں چاہے وہ اپنے نظریات کی وجہ سے کفر ہی کے میدان میں ہوں۔[432]

روایت و تحدیث میں تمام اہل اہواء میں روافض کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس اہمیت کی بنیادی وجہ ان کے وہ نظریات ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ امت کے جمہور سے الگ ہوئے ہیں۔ صحابہ کے بارے میں ان کا موقف علم کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ہے اور تقیہ کا عقیدہ بھی ان کی صداقت کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ اس لیے اس موضوع پر

امام اعظم کا فیصلہ عبداللہ بن المبارک نے یہ بتایا ہے۔

> امام اعظم سے ابو عصمہ نے دریافت کیا کہ اہل ہواء سے روایت کے بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ سب اہل ہواء سے روایت لے سکتے ہو بشرطیکہ وہ عادل ہوں لیکن شیعہ سے روایت نہ لینا۔ کیونکہ ان کے عقیدے کی عمارت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تضلیل پر ہے۔[453]

ہمارے نزدیک یہ مسئلہ بھی دوسری اور تیسری صدی کے اختلافی مسائل میں سے ہے۔ اسی لیے حضرت امام مالک بھی اس مسئلہ میں امام اعظم کے ہم زبان ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ روافض سے روایت نہ کرو۔ مشہور محدث یزید بن ہارون کہتے ہیں ہر صاحب بدعت کی اگر داعی نہ ہو تو روایت لے لی جائے لیکن روافض سے روایت نہ لی جائے۔ شریک بن عبداللہ کی رائے ہے کہ جس سے تم علم لے لو لیکن روافض سے علم نہ لو۔ عبداللہ بن المبارک نے عمر بن ثابت کا نام لے کر بتایا ہے کہ اس سے حدیث نہ لو کیونکہ یہ سلف کو برا کہتا تھا۔ یہ دوسری صدی کے محدثین کے افکار ہیں۔ تیسری صدی میں ان افکار کی بندشوں کو ڈھیلا کرنے کی کوشش شروع ہوئی ہے اور رافضیوں کے بارے میں محدثین نے اپنا موقف بدل دیا۔ امام شافعی نے عام روافض کو اس پابندی سے نکال کر خاص خطابیہ تک اسے محدود کر دیا۔ اور فرمایا کہ ان سے روایت نہ لینی چاہیے۔ اس کے بعد محدثین کی عام رائے اہل اہواء کے بارے میں بلا استثناء شیعہ قائم ہو گئی کہ۔

> تقبل غیر الدعاۃ من اہل الاہواء فاما الدعاۃ فلا تقبل اخبارہم۔
>
> ان میں جو داعی نہ ہوں ان سے روایت لی جائے داعی کی روایت نہ لی جائے۔

اسی کو محدثین کی اکثریت کی حمایت حاصل ہے بلکہ حافظ ابن حبان بستی نے اس پر سب کا اتفاق نقل کیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے اسی کو اعدل الاقوال قرار دیا ہے اور اس کے خلاف سوچنے کو بھی بارگاہ محدثین میں گستاخانہ جرأت بتایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

> والقول بالمنع مطلقا مباعد للشائع عن ائمۃ الحدیث۔
>
> مطلقاً" اسے روکنا اس راہ سے دور ہٹنا ہے جو ائمہ سے مشہور ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو کچھ طے کیا گیا ہے اور جسے اعدل الاقوال کہا گیا ہے کیا واقعات اور حالات نے بھی

اس کا ساتھ دیا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ خود بخاری و مسلم نے دعاۃ سے روایات لی ہیں چنانچہ حافظ عراقی نے لکھا ہے کہ بخاری و مسلم نے دعاۃ اہل اہواء کی روایات لی ہیں۔ حافظ جلال الدین السیوطی نے تدریب الراوی میں بخاری و مسلم کے ان راویوں کی فہرست دی ہے جن سے شیخین نے روایات لی ہیں اور نوبت با ایجا رسید کہ کہنے والوں نے کہہ دیا۔

کتاب مسلم ملان من رواۃ الشیعہ[411]

اور حافظ ابن الصلاح کو اس نظریہ کو روافض سے روایت نہ لینی چاہیئے یہ کہہ کر مرجوح قرار دینا پڑا فان کتبھم طافحتہ بالروایتہ عنھم محدثین کی کتابیں ان کی روایات سے اٹی پڑی ہیں۔ امام ذہبی نے بدعت کی تقسیم کے ذریعے محدثین کی صفائی پیش فرمائی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :۔

بدعت کی دو قسمیں ہیں صغری جیسے تشیع زیادہ یا کم مثلاً وہ حضرات جنہوں نے حضرت علیؓ سے نبرد آزما ہونے والوں کے بارے میں لب کشائی کی ہے۔ یہ طبقہ تابعین میں بہت ہے اور ایسے ہی اتباع تابعین میں اگر ان کی روایات کو تشیع کی بنا پر رد کر دیا جائے تو حدیث کا بیشتر حصہ ختم ہو جائے گا اور بدعت کبریٰ جیسے رفض کامل اور اس میں غلو مثلاً ابو بکر و عمر کے دامن احترام کو ہاتھ لگانا اور لوگوں میں اس کا پروپیگنڈہ کرنا۔ یہ قسم بلاشبہ ناقابل احتجاج ہے۔ مجھے اس قسم کے لوگوں میں کوئی بھی صادق مامون نظر نہیں آتا بلکہ جھوٹ ان کا فیشن اور تقیہ اور نفاق ان کا شیوہ ہے۔[413]

اگرچہ خود امام ذہبی نے بقول سیوطی ایک دوسرے موقعہ یہ بھی لکھا ہے کہ :۔

اس موضوع پر لوگ مختلف الخیال ہیں۔ کچھ کی رائے میں شیعہ سے روایت قطعاً منع ہے اور کچھ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے اور تیسری رائے یہ ہے کہ جو شخص ان کی حدیث کو جانتا ہو اس کے لیے جائز ہے اور دوسرے کے لیے جائز نہیں ہے۔[419]

بعد ازیں حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ سیوطی اور رافضی کی تشریح فرما کر محدثین کے اس بوجھ کو ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ ساری مساعی صرف اس لیے بروئے کار آئی ہیں کہ محدثین سے جو طے شدہ پالیسی کے خلاف عمل ہوا ہے اس کا مداوا ہو جائے لیکن اس مساعی اور کوششوں کی نوعیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ یہ کتابوں کی مدد سے شیعہ اور رافضی کی تشریح فرما رہے ہیں اور دوسری صدی کے محدثین مشاہدے اور واقعات کے زور سے بتا رہے

ہیں کہ :۔

فان اصل عقیدتھم تضلیل اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور عبداللہ بن المبارک نے آپ بیتی سنائی ہے کہ فانہ کان یسب السلف اور یہی صورت حال امام مالک کی ہے۔

اس آخری دور میں شام کے مشہور فاضل نے محدثین کی اس موضوع پر صفائی کرتے ہوئے کھلے بندوں اعلان کر دیا ہے کہ محدثین نے جن اہل اہواء سے روایات لی ہیں وہ مبتدعین نہیں ہیں بلکہ مبدعین ہیں۔ یعنی ہیں تو وہ اہل السنت مگر یار لوگوں نے ان کو بدعتی مشہور کر دیا ہے۔ میری مراد علامہ جمال الدین قاسمی ہیں۔ انہوں نے خاص اس موضوع پر الجرح و التعدیل کے نام سے کتابچہ لکھا ہے جو مصر میں 1330ء میں مطبع المنار نے شائع کیا ہے اور اس آخری دور میں مشہور محدث فاضل علامہ احمد محمد شاکر جن کی حدیث میں علمی خدمت اہل علم کے لیے سامان رشک ہے۔ الباعث الحثیث میں یہ کہہ کر معاملہ ہی صاف کر دیا ہے کہ کسی بھی مکتب فکر سے کوئی راوی تعلق رکھتا ہو روایت میں تو صرف راوی کی صداقت و امانت کا اعتبار ہو گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

العبرۃ فی الروایۃ بصدق الراوی و امانتہ والثقۃ بدینہ و خلقہ

روایت میں تو صرف راوی کی صداقت' امانت' دین میں ثقاہت اور اخلاق کا اعتبار ہو گا۔

غور فرمایئے کہ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ امام اعظم نے یہ کہہ کر

الا الشیعۃ فان اصل عقیدتھم تضلیل اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دینی ثقاہت اور اخلاقی امانت کو چیلنج کیا تھا۔ ان مساعی کے باوجود اس کا حل اب تک کوئی نہ بتا سکا۔ واقعہ یہ ہے کہ خواہ کچھ کہا جائے مگر واقعات کی دنیا میں تحقیق کی بے لاگ عدالت کا فیصلہ ابو حنیفہ کے ساتھ ہے۔

لیکن امام اعظم کا یہ فیصلہ صرف ان کے بارے میں ہے جن کے تشیع کی عمارت اصحاب نبوت کی تضلیل کی اساس پر قائم ہے۔ اس تصریح کی ضرورت بھی حضرت امام کو اس لیے پیش آئی کہ ان کے گرد و پیش میں ایسا طبقہ موجود تھا جیسا کہ عبداللہ بن المبارک کی تصریح سے معلوم ہو چکا ہے اور اس طبقہ کے علاوہ اس دور میں ایسا بھی طبقہ تھا جو صرف حضرت علی کے لیے صحابہ میں برتری کا نظریہ رکھتا تھا جیسا کہ حافظ سیوطی نے تدریب میں بتایا ہے اور ایسا طبقہ تھا جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کے سیاسی جھمیلوں میں حضرت علی کا طرفدار تھا جیسا کہ ذہبی نے تصریح کی ہے

ان طبقوں کی روایت سے امام ابو حنیفہ نے نہیں روکا ہے امام اعظم نے جس دکھتی رگ پر انگشت رکھ کر بتایا ہے وہ یہ اور صرف یہ ہے کہ :-

اصل عقیدتهم تضليل اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم

اور بس۔ اس عقیدے کا حامل طبقہ یقیناً" امام اعظم کے زمانے میں موجود ہے اس میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

آپ مانیں یا نہ مانیں مگر میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ اسی وجہ سے دوسری صدی کے محدثین کو حضرت علی کی بہت سی حدیثوں سے دست بردار ہونا پڑا حالانکہ حضرت علی کے علم' ان سے محبت اور ان سے عقیدت کا برابر تقاضا یہی رہا کہ ان کے بارے میں جو کچھ بھی سنا جائے اس کی تصدیق کی جائے لیکن یہاں حضرت علیؓ کی عقیدت و محبت کا رسول کی عقیدت و محبت اور اس کی حدیث کی عظمت سے مقابلہ تھا۔ اس کی محبت کا تقاضا یہ اور صرف یہ تھا کہ اس کی جانب کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے۔ ایمان کو بچانے کے لیے احتیاط کی راہ یہی تھی کہ چھان بین کی جائے۔

حافظ ابن القیم لکھتے ہیں :-

قاتل الله الشيعته فانهم افسد واكثيرا" من علمه بالكذب عليه ولهذا تجد اصحاب الحديث من الصحيح لا يعتمدون من حديثه الا ماكان من طريق اهل بيته و اصحاب عبدالله بن مسعود۔

اللہ شیعوں کا برا کرے کہ انہوں نے حضرت علی کے علم کا بڑا حصہ ان پر جھوٹ بول کر محدثین کی نظر میں مشتبہ کر دیا ہے اس لیے صحیح حدیث کے متلاشی محدثین بجز حضرت علی کے گھر والوں اور عبداللہ بن مسعود کے اصحاب کی وساطت سے آئی ہوئی حضرت علی کی حدیثوں پر اعتماد نہیں کرتے ہیں۔[462]

اسی دور میں مشہور محدث حماد بن سلمہ نے یہ انکشاف کیا کہ :-

اخبرني شيخ من الرافضته انهم كانوا يجتمعون على وضع الاحاديث۔

مجھے رافضیوں کے ایک سربراہ نے بتایا ہے کہ وہ حدیثیں بنانے کے لیے باقاعدہ اجتماعات کرتے تھے۔[463]

اور آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن حافظ زیلعی نے نماز میں بسم اللہ کے موضوع پر خالص محدثانہ نقطہ نظر سے تفصیلی تبصرہ کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا ہے کہ بسم اللہ آواز سے پڑھنے کے موضوع پر جس قدر روایات آئی ہیں ان کا سرچشمہ ہی شیعہ ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں :-

و غالب احادیث الجھر تجد فی رواتھا من ھو منسوب الی التشیع۔[۱۱۸۷]

بسم اللہ باآواز بلند پڑھنے کی زیادہ روایات شیعہ راویوں کی وساطت سے آئی ہیں۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ نماز میں بسم اللہ کے جہر پر اخبار آحاد کا زیادہ ذخیرہ وضعی اور بناوٹی ہے اور بناوٹی ہونے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ :-

لان الشیعتہ تری الجھر و ھم الکذب الطوائف فوضعوا فی ذالک احادیثہ

کیونکہ نماز میں بسم اللہ باآواز بلند پڑھنے کے قائل ہیں اور شیعہ گروہوں میں سب سے زیادہ دروغ گو ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر حدیثیں بنالی ہیں۔

ان تصریحات سے آپ امام اعظم کے اس دور رس فکر کی صداقت کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس میں تھوڑا سا تسامح بہت بڑی بلا کا سامان ہے۔

(44) اعمال و اقوال صحابہ کا اسلام میں مقام

اصل بات یہ ہے کہ محدثین اور فقہاء کے یہاں اعمال و اقوال اور فتاوی صحابہ سب حجت ہیں ان کو وہ قبول کرتے ہیں۔ ان میں اس موضوع پر دورائیں نہیں ہیں۔ اگر کچھ اختلاف ہے تو وہ انداز قبول میں ہے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں :-

اگر مجھے کتاب و سنت میں کوئی مسئلہ نہیں ملتا تو میں اقوال صحابہ پر عمل کرتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ان کے اقوال سے تجاوز کر کے کسی اور کا قول لوں۔[۱۱۸۸]

امام مالک تو صحابہ کے اعمال و اقوال کو سنت کا درجہ دیتے ہیں وہ فتوی صحابی اور حدیث کے مابین موازنہ کرتے

تھے چونکہ ان اکابر کے یہاں صحابہ کے اعمال و اقوال کا یہ وزن ہے اس لیے ان کے یہاں احادیث کی صحت اور مختلف حدیثوں میں ترجیح کا معیار بھی یہی ہے صرف شیعہ کو اس سے اختلاف ہے وہ صحابہ کے اعمال و اقوال کو قابل احتجاج قرار نہیں دیتے ہیں۔ ابن القیم نے جمہور کے مذہب کو 42 دلائل سے ثابت کیا ہے اور بلاشبہ وہ دلائل قوی اور مؤثر ہیں۔ لیکن یہاں ان کی تفصیل موجب طوالت ہوگی[۴۶۶] ہاں آخری دور میں علامہ شوکانی نے اپنی کتاب ارشاد الفحول میں محدثین و فقہاء کے اس مسلک پر تنقید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اقوال صحابہ حجت نہیں ہیں وہ فرماتے ہیں :-

> حق یہ ہے کہ قول صحابی حجت نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو امت کے لیے مبعوث نہیں فرمایا ہے اور ہمارا رسول ایک ہے کتاب ایک ہے اور جمیع امت اتباع کتاب و سنت پر مامور ہے پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ کے دین میں بغیر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے یہ قول حجت ہے تو وہ دین میں ایسی شرع ایجاد کرتا ہے جس کی پیروی کا اللہ نے حکم نہیں دیا ہے اور ایسا کہنا بہت بڑی بات ہے لہٰذا اللہ کے سوا کسی ایک یا چند بندوں کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ اس کا یا ان کا قول مسلمانوں پر حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے غلط ہے۔[۴۶۷]

ظاہر ہے کہ اس ذہنی تحقیق کے بعد اخبار آحاد کو اعمال صحابہ میں تولنے اور جانچنے کی گنجائش کب گوارا ہو سکتی ہے۔ سندھ کے مشہور عالم محمد معین نے اسی بنا پر لکھ دیا ہے کہ :-

> ویترک عمل الصحابتہ الثابت عنھم بالحدیث الضعیف
>
> صحابہ سے ثابت شدہ اعمال کو حدیث ضعیف کی وجہ سے بھی چھوڑ دیا جائے گا۔[۴۶۸]

اور تقلید کی تردید کے جوش میں یہاں تک فرما گئے کہ :-

> التمسک باثار الصحابتہ عند وجدان المرفوع الصحیح علی خلافہ تمسک ضعیف
>
> جب حدیث مرفوع موجود ہو تو آثار صحابہ کو اختیار کرنا ایک غلط استدلال ہے۔[469]

یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ اسلام کا سارا علمی سرمایہ روایت و اسناد کی نپی

تلی ترازو کے ذریعے صرف حدیث مرفوع کی صورت میں امت کو ملا ہے حالانکہ صورت حالہ یہ نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ جسے ہم سنت کہتے ہیں وہ صحابی کی محسوس اور مرئی زندگی کے ذریعے آئی ہے انہوں نے ہر سنی ہوئی حدیث کو نہ روایت کیا ہے اور نہ اس کا اہتمام کیا ہے۔ اس موقعہ پر حافظ ابن القیم مفید بات فرما گئے ہیں :-

> یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر سنی ہوئی حدیث کو روایت نہیں کیا سوچئے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے کبار صحابہ نے جو کچھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے 23 سالہ حیات نبوت میں سنا ہوگا اس کو کچھ بھی اس سے نسبت ہے جو حدیثوں کو مقدار ان سے مروی ہے حضرت ابوبکرؓ سے صرف سو حدیثیں مروی ہیں۔ درآں حالیکہ حضرت ابوبکرؓ وفات تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے حضور انورؐ کی کوئی بات بھی ان سے چھپی ہوئی نہ تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت سے حضرت ابوبکرؓ کو شرف حضوری اور آپ کے قول و فعل کا علم رہا۔ آپ کی سیرت و کردار کا ہر پہلو ان کی نظر کے سامنے تھا۔ امت میں سب سے زیادہ حضور انورؐ سے ابوبکرؓ ہی واقف تھے۔ یہی حال دوسرے کبار صحابہ کا ہے یعنی جو کچھ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا یا جو آپ کے حالات مشاہدہ کیے تھے ان کے مقابلے ان کی مرویات کی تعداد بہت کم ہے اور اگر یہ اپنے مشاہدات اور مسموعات کو روایت کرتے تو ان کی روایات کی تعداد حضرت ابوہریرہؓ سے کہیں زیادہ ہوتی۔[۱۷۰]

ان بزرگوں سے روایات کم آنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ سنت چونکہ صحابہ کی عملی زندگی میں موجود تھی اس لیے اس کا کوئی داعیہ ہی نہ تھا۔ اور یہ عملی زندگی ان سے منتقل ہو کر تابعین میں آئی ہے اور تابعین میں اس کا داعیہ پیدا ہوا۔

ذرا اس پہلو پر غور فرمایئے کہ ایک طرف امت کا عمل ہے اور دوسری طرف راوی کی شہادت ہے۔ امت کو یقیناً" عصمت حاصل ہے لیکن راوی کی روایت کو عصمت نہیں بلکہ صرف اصطلاحی صحت کا مقام دیا گیا ہے۔ یہ مان لینا کہ راوی کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا یا حافظہ غلط ہو گیا لیکن یہ کہ خیر القرون میں پوری امت پیغمبر کے خلاف جمع ہو گئی ہو ناممکن ہے یہ تواتر عمل ہے اور اس کے خلاف جب بھی ایک شخص کی روایت چیلنج بن کر آئے گی اس کی صحت مجروح

ہو جائے گی۔

یہ ارشاد نبوت کو رد کرنا نہیں بلکہ ارشاد کے ثبوت کا ایک مستحکم اور محتاط معیار ہے۔

(45) حدیث اور روایت حدیث

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ تدوین حدیث کے لیے امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے 100ھ میں باقاعدہ سرکلر جاری ہوا ہے۔ یہ وہ دور ہے کہ ابھی حدیث میں روایت و اسناد کا عام چرچا نہ تھا کیونکہ صحابہ اور تابعین موجود تھے اور سنن عام شہری زندگی میں رائج تھیں۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ خامسہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

اسلام اور مسلمانوں میں عزت و شوکت اور علم اپنے اوج کمال پر تھا دین کی خاطر جدوجہد اور محنت ہو رہی تھیں اور سنتیں برسرعام تھیں بدعات سرنگوں تھیں اور اعلان حق کرنے والے کافی تھے۔[16]

خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمایئے "والسنن مشہورۃ" کہ اس دور میں سنن شہری زندگی میں پھیلی ہوئی تھیں۔ پھیلی ہوئی سنتوں کو سمیٹنا کوئی مشکل کام نہ تھا اور اس کے لیے اسناد و روایت کا سلسلہ چنداں درکار نہ تھا۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن حزم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم کی تعمیل میں ایک نہیں بلکہ متعدد کتابیں لکھیں۔ حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ امام زہری کو بھی خاص طور پر تدوین حدیث کے کام پر سرکاری طور پر مامور کیا گیا تھا۔ امام زہری کا خود اپنا بیان ہے :-

امرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبنا ھا دفترا" دفترا"۔[17]

ہمیں عمر بن عبدالعزیز نے جمع سنن کا حکم دیا ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے امام زہری کے ان دفاتر کا معمر نے بھی تذکرہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں :-

ولید بن یزید قتل ہوا تو امام زہری کی لکھی ہوئی تصانیف کو ولید کے خزانہ سے جانوروں پر لاد کر لایا گیا۔[18]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ روایت و اسناد کا فن رونما ہونے سے پہلے علم حدیث یا السنن کا اندازہ کیا تھا؟

کیونکہ حدیث تو دراصل نبوت کے اقوال، افعال اور احوال کا نام ہے اس کے سوا روایت و اسناد پر حدیث کا اطلاق محدثین کی اپنی اصطلاح ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں :-

> بخدا طلب حدیث، حدیث سے الگ ہے کیونکہ طلب حدیث تو چند در چند امور زائدہ کے لیے ایک عرفی نام ہے اور یہ امور زائدہ ماہیت حدیث سے الگ ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ اس موقعہ پر بڑے پتے کی بات فرما گئے ہیں :-

> لوگوں کو پتہ نہیں ہے کہ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی روایت کی وجہ سے صحیح ہوئی ہے نہیں ہرگز نہیں بلکہ بخاری و مسلم کی احادیث کو روایت کرنے والے اور بھی بے شمار علماء محدثین ہوئے ہیں۔ بخاری و مسلم سے پہلے اور بعد میں ان احادیث کو بیان کرنے والے روایت کرنے والے ان گنت لوگ ہوئے۔ اگر بخاری و مسلم پیدا نہ ہوتے تو نہ دین میں کوئی کمی آتی اور نہ احادیث کے وجود پر کوئی حرف آتا۔ جب ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے تو اس کی حیثیت اس سے کوئی مختلف نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ قرآن کو قراء سبعہ نے روایت کیا ہے۔ قرآن بتواتر منقول ہے۔ قرآن کا قرآن ہونا حدیث کا حدیث ہونا بخاری و مسلم کی روایت پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ احادیث بخاری و مسلم کے وجود پذیر ہونے سے پہلے ہی صحیح اور امت میں مقبول تھیں۔

اسی بناء پر روایت و اسناد کے رونما ہونے سے پہلے زمانہ تابعین میں ایسی تمام روایات جنہیں تابعی حضور انور کے نام سے پیش کرے قابل قبول سمجھی جاتی تھیں۔ اور حافظ ابن جریر کا تو یہاں تک دعوی ہے کہ تابعین کا ایسے ارشادات اپنانے پر اتفاق رہا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر لکھتے ہیں۔

> ابو عمر بن عبدالبر نے تمہید کے آغاز میں تصریح کی ہے کہ امام بن جریر کہتے ہیں کہ مرسل روایات کے قبول کرنے پر تابعین کا اجماع ہے۔

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ اسناد و روایت کے وجود میں آنے سے پہلے بھی حدیث موجود تھی اصل تو حدیث ہی ہے روایت و اسناد تو حدیث کی حفاظت کی خاطر فتنوں کے زمانے کی پیداوار ہے۔ چنانچہ امام مسلم مقدمہ میں امام ابن سیرین کے حوالہ سے رقمطراز ہیں :-

لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنته قالو سموا لنا رجالکم فینظر الی اھل السنته فیوخذ حدیثھم وینظر الی اھل البدع فلا یوخذ منھم[477]

لوگ اسناد کے بارے میں پوچھ گچھ ہی نہ کرتے تھے جب فتنے رونما ہوئے تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ اپنے آدمی بتاؤ۔ اگر راوی اہل السنۃ ہوتا تو روایت لیتے اور اگر بدعتی ہوتا تو روایت اس سے نہ لیتے۔

جوں جوں زمانہ صحابہ و تابعین سے دوری ہوتی گئی اسناد و روایت کے فن میں وسعت آتی گئی حتی کہ جو حدیث زمانہ تابعین میں امام اعظم کو صرف ایک واسطہ اور دو واسطوں سے ملی تھی وہی بخاری و مسلم کے زمانے میں اسناد و روایت کے بازار میں چھ واسطوں کی محتاج ہو گئی۔ مثلاً امام اعظم فرماتے ہیں:۔

عن عطاء عن حمران عثمانؓ توضاء ثلاثاً وقال ھکذا رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتوضاء۔

حمران کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے وضو میں ایک ایک عضو کو تین تین بار دھویا اور فرمایا کہ میں نے ایسے ہی حضور انورؐ کو وضو کرتے دیکھا ہے۔

آیئے یہی حدیث امام بخاری کی زبانی بھی سن لیجئے:۔

حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی قال حدثنی ابراہیم بن سعد عن ابن شھاب ان عطاء بن یزید اخبرہ ان حمران مولی عثمان بن عفان اخبرہ انہ رای عثمان وعابا ناء فافرغ علی کفیہ ثلاث مرار فغسلھا ثم او خل یمینہ فی الاناء فمضمض واستنشق ثم غسل وجھہ ثلاثاً و یدیہ الی المرفقین ثلاثاً ثم مسح ثم غسل رجلیہ ثلاثاً الی اللکعبین ثم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضاء نحو وضونی ھذا ثم صلی رکعتین لا یحدث فیھما نفسہ غفر لہ۔

(46) روایت میں راویوں کا تعبیری اختلاف

یہاں عموماً یہ خلش محسوس کی جاتی ہے کہ جن الفاظ میں محدثین کی معروف کتابوں میں روایات ہوتی ہیں امام

اعظم کی روایات میں وہ الفاظ نہیں ہوتے۔ لوگ تعبیر کے اس اختلاف کو دیکھتے ہیں تو بدل جاتے ہیں اور نہیں جانتے
کہ بات نبوت کی ہے اور تعبیری جامہ بیان کرنے والوں کا اپنا اپنا ہے امام محمد سیرین فرماتے ہیں کہ

میں دس شخصوں سے حدیث سنتا تھا بات ایک ہوتی تھی مگر الفاظ مختلف ہوتے تھے المعنی واحد
واللفظ مختلف۔

حافظ ذہبی نے سفیان ثوری جیسے امام المحدثین کا قول نقل کیا ہے کہ:-

ہم اس کا ارادہ کریں کہ جس طرح ہم نے حدیث سنی ہے بعینہ وہ ہی تم کو سنا دیں تو شاید ہم
ایک حدیث بھی بیان نہ کر سکیں۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سفیان ثوری کی حدیث میں روایت لفظی نہیں بلکہ معنی شیخ کے ہیں اور
الفاظ ان کے۔ ابو حاتم جیسا امام تصریح کرتا ہے میں نے کسی محدث کو نہیں دیکھا کہ وہ حدیث کو ایک لفظ میں ادا کرتا
ہو بجز قبیصہ کے۔ حافظ جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں۔

وذالک نادر جدا وانما یوجد فی الاحادیث القصار علی قلته ایضا فان غالب
الاحادیث روی بالمعنی۔

روایت باللفظ سے بالکل نادر ہے چھوٹی چھوٹی حدیثوں میں بھی بہت کم ہے احادیث کا زیادہ حصہ
روایت بالمعنی پر مشتمل ہے۔

شاید اسی بنا پر حکیم الامت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں یہ فرما گئے:-

کان اهتمام جمهور الرواۃ عندالروایته بالمعنی بروس المعانی دون الاعتبارات
التی یعرفها المتعمقون۔

عام راوی روایت بالمعنٰی کے وقت صرف معانی کا اہتمام کرتے تھے۔ ان حیثیات کو پیش
نظر نہ رکھتے جن کو اہلِ تعمق پسند/ملحوظ رکھتے ہیں۔

اور اسی لیے روایات سے استدلال کرتے وقت صرف مدلول کلام پر نظر ہوتی ہے اسلوب کلام سے کوئی استدلال
نہیں ہو سکتا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:-

فاستدلا لهم بنحو الفاء والواو و تقدیم حرف وتاخیرها و نحو ذالک من

التعمق...[۴۸]

اس لیے حدیث میں فا' واؤ حرف کی تقدیم و تاخیر اور اس قسم کی چیزوں سے استدلال کرنا تعمق ہے۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ محدثین جب روایت بالمعنے کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ بقول حافظ سیوطی احادیث کا زیادہ ذخیرہ روایت بالمعنی ہی کی حیثیت رکھتا ہے تو ایسی صورت میں الفاظ کے اختلاف سے بدک کر کسی حدیث کا انکار کرنا فن حدیث کی کوئی خدمت نہیں ہے بلکہ میں یہاں تک کہتا ہوں کہ محدثین کے یہاں جن روایات کو مرفوع کہا جاتا ہے وہ سب فقہاء کے یہاں سنن اور فتاویٰ کی شکل میں موجود تھیں۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے یہ بات لکھ کر سمجھنے والوں کے لیے کچھ اس طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ :۔

اصل مذهبه فتاوىٰ عبدالله بن مسعود وقضايا علي وفتاواهم وقضايا شريح...[۴۹]

ابو حنیفہ کے مذہب کی اساس عبداللہ کے فتاویٰ اور حضرت علی کے فیصلے ہیں۔

(47) احادیث فقہ اور روایات حدیث

اسی بناء پر محمد بن سماعہ کا کہنا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں بیان کی ہیں۔ یعنی فقہ کے وہ سارے مسائل جو امام صاحب کے شاگردوں نے اپنی کتابوں میں درج کیے ہیں ان سب کا مقام فتاویٰ صحابہ ہونے کی وجہ سے روایات حدیث کا ہے اور ان کا نام احادیث فقہ ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں جس دفتر کا پتہ دیا ہے کہ اس میں فاروق اعظمؓ علی بن ابی طالبؓ اور ابن مسعودؓ کی مرویات صحیحہ مدون ہیں وہ فقہ کے سوا اور کون سا ہے بلکہ قرۃ العینین میں شاہ صاحب نے جو بات لکھ دی ہے کہ :۔

قرآن حکیم کے بعد اصل دین اور سرمایہ یقین علم حدیث ہے جیسا کہ خود قرآن میں ہے۔ ویعلمه الكتاب والحكمته اور علم حدیث جو کچھ بھی امت کے پاس موجود ہے یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی محنتوں کا نتیجہ ہے کیونکہ جن جن بزرگوں نے ان دونوں سے حدیثیں روایت کی ہیں اور ان کے نام سے روایات بیان کی ہیں وہ صرف اس قدر نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مکثرین کی بیشتر

احادیث مرفوعہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی حدیثیں ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ نے اس کی بیان کردہ روایات کو مرفوعاً پیش کیا ہے اور اہل مسانید نے ظاہر حال کے پیش نظر ان بزرگوں کے مسانید میں جمع کر دی ہیں۔ یہ بات فن حدیث کے ماہر سے پوشیدہ نہیں ہے۔[446]

تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ احادیث دراصل ان بزرگوں کے فتاوی ہیں۔ احادیث فقہ اور روایات حدیث کے فرق پر یہاں بحث کرنا مقصود نہیں ہے صرف یہ بتانا ہے کہ اگر روایات فقہ اپنے مصنفین سے متواتر ہیں جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے[447] تو پھر احادیث فقہ قوت و طاقت میں بہت زیادہ قوی اور قابل اطمینان ہیں کیونکہ فقہ کے نام پر جو کچھ ہے وہ امام اعظم کو خود ساختہ نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو کچھ علقمہ نے سنا اور علقمہ سے ابراہیم نخعی نے سنا اور ابراہیم سے جو کچھ حماد نے اور حماد سے جو کچھ امام اعظم نے سنا اسی کا نام فقہ ہے۔

بہر حال بتانا یہ چاہتا ہوں کہ راویوں کی اصل نظر روایت میں مدلول کلام پر ہوتی ہے۔ اسی لیے کتاب میں جو بات حضرت ابن عمرؓ کی جانب سے بصورت فتوی تھی وہ ہی چیز کتب روایت میں حدیث مرفوع بن کر آئی ہے۔

الحافظ ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری 144ھ کے حافظہ کی مثال :- یہ بھی صحابہ کرام اور کبار تابعین کے شاگرد ہیں اور بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی، امام لیث، امام مالک وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ حافظ جلال الدین السیوطی نے اسعاف المبطا میں، حافظ جمال الدین ابو الحجاج المزی نے تہذیب الکمال میں اور حافظ ذہبی نے مناقب میں تصریح کی ہے کہ یہ امام اعظم کے استاد ہیں۔ حافظ عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں ان کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ان کا تعارف ان لفظوں میں پیش کیا ہے۔

احدالاعلام من ائمتہ الاسلام تابعی جلیل[448]

اور امام ذہبی فرماتے ہیں :-

اعلم الحفاظ المدنی الامام[449]

قوت حافظہ اللہ پاک کی جانب سے بے پایاں ارزانی ہوئی تھی۔ صرف اسی روز میں قرآن عزیز نوک زبان کر لیا تھا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ :-

اموی خاندان کے مشہور سربراہ ہشام بن عبدالملک نے امام زہری سے درخواست کی کہ میرے

لڑکوں کے لیے کچھ حدیثیں قلم بند کرا دیجئے۔ امام زہری نے منشی کو چار سو حدیثیں املا کرائیں، باہر تشریف لائے اور محدثین کو ان کا درس دیا۔ کچھ روز کے بعد ہشام نے امام زہری سے کہا کہ وہ آپ کی چار سو حدیثوں والی دستاویز تو ضائع ہو گئی ہے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ہے پھر وہی تمام حدیثیں منشی کو بلا کر املا کرائیں۔ ہشام پہلی کتاب نکال کر لایا اور دونوں کا مقابلہ کیا۔ واقعہ نگار کہتا ہے کہ "فاذا ھو لم یغادر حرفا"

ایک حرف کا بھی دونوں میں فرق نہ تھا۔"

ان کی علمی جلالت قدر کا یہ حال تھا کہ امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے کہ امام زہری سے استفادہ کرو اور وجہ یہ بتاتے تھے کہ امام زہری سے زیادہ سنت کا عالم کوئی نہیں رہا۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ محدثین تین ہیں۔ زہری یحییٰ بن سعید انصاری اور ابن جریج۔

فن روایت و اسناد میں سب سے معتبر، سب سے مستند اور سب سے زیادہ صحیح اسناد کے متعلق آپ امام بخاری کی رائے سن چکے ہیں۔ لیجئے دوسرے علماء کے خیالات بھی سن لیجئے۔ امام عبدالرزاق جو امام بخاری کے استاذ الاساتذہ ہیں فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ صحیح طریق الزہری عن علی بن الحسین عن الحسین عن علی ہے۔ مشہور محدث محمد بن سلیمان نے امام اسحاق بن ابراہیم کے حوالہ سے بتایا ہے کہ اصح الاسانید الزہری عن سالم عن ابن عمر ہے۔ امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں عن عبدالرحمن عن القاسم عن عائشہ کو سب سے زیادہ پائیدار اور معیاری سند کہتے ہیں۔ فضیل بن عیاض منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ بن مسعود مقرر کرتے ہیں اور امام بخاری کے مشہور استاذ عبداللہ بن المبارک سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ کی سند کو اتنی پائیدار اور صحیح قرار دیتے ہیں کہ اس طریق سے روایت کا آنا گویا ذات نبوت سے سننے کے مترادف ہے۔ اور بھی علماء کے اس موضوع پر خیالات ہیں۔[۱۹۱]

ایک لطیف نکتہ :- یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز نے تدوین سنن کے کام پر زہری کو بھی مقرر کیا تھا اس کی وجہ خود امام زہری کے بیان سے معلوم ہوتی ہے جو حافظ ذہبی نے ان کے حوالے سے لکھا

ہے کہ مجھے قاسم بن محمد نے کہا کہ میں تم کو علم کا حریص دیکھتا ہوں کیا میں تم کو علم کا مرکز نہ بتا دوں زہری نے فرمایا کہ ہاں۔ فرمایا پھر عمرہ بنت عبدالرحمن کے پاس جاؤ کیونکہ یہ حضرت عائشہ کی آغوش میں پرورش پائی ہیں۔ امام زہری کہتے ہیں کہ میں ان سے ملا ہوں میں ان کو علم کا دریائے ناپید کنار پایا ہے۔"[92]

عمرہ بنت عبدالرحمن اور قاسم بن محمد یہ دونوں حضرت عائشہ کے شاگردوں میں سے تھے۔

قاسم بن محمد کی شان علمی کی مثال:- قاسم بن محمد تو حضرت عائشہ کے برادر زادے اور فقہاء سبعہ میں سے ہیں۔ امام بخاری نے ان کے متعلق تصریح کی ہے۔

قتل ابوہ فربی یتیماً فی حجر عائشہ فتفقہ بہا۔[93]

ان کے والد قتل ہو گئے۔ انہوں نے یتیمی کا عرصہ حضرت عائشہ کی آغوش میں گزارا اور ان سے علم حاصل کیا۔

قاسم بن محمد مدینہ طیبہ میں اپنے وقت کے بہترین عالم شمار کیے جاتے ہیں۔ امام یحییٰ بن سعید انصاری نے اپنا اور اس دور کے دوسرے علماء کا ان کے بارے میں تاثر بتایا ہے کہ:-

ہم نے اپنے زمانے میں مدینہ میں علم و فضل میں قاسم سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔[94]

مشہور فقیہ حضرت ابو الزنادان کے متعلق فرماتے تھے:-

میں نے کسی نوجوان کو فقہ و سنت کا اتنا بڑا عالم اور ذہنی طور پر نکتہ رس نہیں پایا جتنا قاسم بن محمد کو۔[95]

خالد بن نزار اور ابن عیینہ کا متفقہ بیان ہے کہ:-

دنیا میں حدیث عائشہ کے سب سے بڑے عالم تین ہیں۔ قاسم، عروہ اور عمرہ۔[96]

امام ابن عون بصرہ کے مشہور امام اور حفاظ میں سے ہیں اور جن کو حضرت قاسم سے شرف تلمذ حاصل ہے اور جن کے بارے میں عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں پورے عراق میں ابن عون سے زیادہ دانائے سنت کوئی نہ تھا۔ وہ اپنے استاد کے بارے میں فرماتے ہیں:-

تین آدمی ایسے ہیں کہ مجھے ان جیسا کوئی نہیں ملا۔ میں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ انہوں نے اکٹھے ہو کر علم و فضل کو سمیٹا ہے عراق میں ابن سیرین حجاز میں قاسم بن محمد اور شام میں رجاء بن

حیوہ۔

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حلیتہ الاولیاء میں ثناء اقرانه علیه بالعلم کے عنوان قائم کر کے ان کی علمی حیثیت کے بارے میں ان کے معاصرین کے جو اقوال نقل کیے ہیں ان کو دیکھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

علوم میں قاسم بن محمد کو صرف فضل و کمال ہی حاصل نہ تھا بلکہ اللہ سبحانہ' نے ان کو خاص مجتہدانہ شان سے بھی نوازا تھا۔ الذہبی نے ابن عیینہ کی طرف نسبت کر کے ان کے متعلق جو بات لکھی ہے کہ کان القاسم اعلم اهل زمانه تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے دور کی بے مثال علمی شخصیت تھے ان کی علمیت کا اندازہ خود ان کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ :-

زمانہ ابوبکرؓ و عمرؓ سے عائشہ مسند افتاء پر فائز تھیں میں ان کے پاس ہی رہا۔ عبداللہ بن عباسؓ سے میں نے استفادہ کیا ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ کے علوم سے بہت زیادہ بہرہ یاب ہوا ہوں۔

الغرض ان کی علمی جلالت اور شان امامت پر سب یک زبان ہیں۔

عمرہ بنت عبدالرحمن کا علمی مقام :- عمرہ بنت عبدالرحمن قاضی ابوبکر بن حزم کی والدہ کبشہ کی بہن تھیں اس لیے قاضی صاحب کی خالہ ہوتی ہیں یہ بھی فقاہت میں بہت بڑی شان جلالت کی مالک تھیں۔ امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز کا ان کے بارے میں تاثر یہ تھا کہ ما بقی احد علم بحدیث عائشته من عمرة حضرت عائشہ کی حدیثوں کو عمرہ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔[۴۹۹] قاسم بن محمد نے امام زہری کو عمرہ سے استفادے کا مشورہ دیا تھا امام زہری کا ان سے ملاقات کے بعد ان کے بارے میں تاثر یہ تھا۔

فوجدتها بحرا لا ينزف۔

میں نے ان کو بحر بیکراں پایا ہے۔

چونکہ امام زہری کے پاس قاسم اور عروہ دونوں کا علم تھا اور حدیث عائشہ کا ان دونوں سے بڑھ کر عالم کوئی نہ تھا اس لیے عمر بن عبدالعزیز نے امام زہری کو بھی قاضی ابوبکر کے ساتھ تدوین سنن کا حکم دیا تھا۔

امام زہری صرف احادیث مرفوعہ ہی نہیں بلکہ آثار صحابہ بھی قلم بند فرماتے تھے۔ چنانچہ معمر کہتے ہیں کہ مجھے صالح بن کیسان نے بتایا ہے کہ میں اور امام زہری طلب علم میں دونوں ہمسفر تھے۔ ہم دونوں مرفوع حدیثیں لکھتے تھے مجھ سے امام زہری نے کہا کہ آثار صحابہ بھی لکھیں کیونکہ وہ بھی سنت ہیں میں نے کہا نہیں لیکن امام زہری نے آثار

صحابہ بھی لکھے اور میں نے نہیں لکھے۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ:-

یہ مرویات 2200 ہیں جو کچھ سنتے تھے قلم بند کرتے جاتے تھے۔

ارشادات نبوت پر ان کا لکھا ہوا قلمی سرمایہ کس قدر تھا اس کا اندازہ امام معمر کے اس بیان سے ہو سکتا ہے جو حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں بحوالہ امام عبدالرزاق نقل کیا ہے کہ ولید بن یزید کے قتل ہونے کے بعد امام زہری کا علمی سرمایہ جانوروں پر لاد کر سرکاری کتب خانہ سے نکالا گیا۔ علمی توجہ اور طلب علم میں ذوق و لگن اور شوق کا حال یہ تھا کہ امام لیث بن سعد کہتے ہیں:-

ایک بار کھانے میں امام زہری کے سامنے پلیٹ رکھی گئی کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس اثنا میں کوئی حدیث یاد آ گئی اس قدر محو ہوئے کہ آپ کا ہاتھ پلیٹ میں رہا اور صبح ہو گئی۔

ان کا بھی قلمی سرمایہ ان کے شاگردوں کی وساطت سے آج ذخیرہ حدیث کی زینت ہے گویا یہ علم حدیث کا زمانہ تابعین یعنی پہلی صدی کے آخر میں کتابی ذخیرہ ہے۔

قاضی ابو یوسف نے کتاب میں حافظ طلحہ بن محمد اور حافظ موسیٰ بن زکریا نے اپنی مسند میں ان سے روایات لی ہیں۔

عن ابی حنیفتہ عن الزھری عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن المتعتہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔

ایک دوسری حدیث ہے:-

عن ابی حنیفتہ عن الزھری عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار۔

جو شخص مجھ سے جھوٹ بولتا ہے جان کر اسے اپنا ٹھکانا دوزخ بنا لینا چاہیے۔

یہ روایت امام اعظم نے یحییٰ بن سعید کے حوالہ سے بھی روایت کی ہے۔ اس حدیث کو عشرہ مبشرہ اور ستر صحابہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ شیخین' امام احمد' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے بحوالہ حضرت انسؓ امام احمد' امام بخاری' امام ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے بحوالہ زبیر' امام ترمذی نے بحوالہ حضرت علی مرتضیٰؓ اور

دوسرے محدثین نے مختلف صحابہ سے یہ روایت کی ہے حتیٰ کہ امام نووی نے اس کے تواتر کا دعویٰ نقل کیا ہے۔

(48) مراتب حدیث اور امام اعظم

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ قوت کے لحاظ سے ہر حدیث کا درجہ ایک نہیں ہے بلکہ ان میں فرق مراتب ہے۔ فقہاء اور محدثین دونوں کے نزدیک حدیث کی تین قسمیں ہیں۔ متواتر مشہور اور اخبار آحاد۔ علامہ فخر الاسلام بزدوی نے متواتر کی یہ تعریف کی ہے۔

> متواتر ان حدیثوں کو کہتے ہیں جن کے روایت کرنے والے لاتعداد ہوں اور ان کی عددی اکثریت' ان کی عدالت اور بعد مقامات کی وجہ سے احتمال کی گنجائش نہ ہو کہ یہ سب جھوٹ پر متفق ہو گئے اور اجماع ہر زمانہ میں موجود رہے اور اس کا آخر اور اوسط شہرت کے لحاظ سے یکساں ہو جیسے قرآن' پانچ نمازیں' تعداد رکعت' مقادیر' زکوۃ وغیرہ۔[57]

اتنے زیادہ لوگوں کی کسی محسوس کے بارے میں خبر جن کا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً محال ہو۔[58]

حافظ حجر عسقلانی نے خبر کے متواتر ہونے کی چار شرطیں بتائی ہیں۔ اول بیان کرنے والوں کی تعداد کثیر ہو۔ دوم ان کا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً محال ہو۔ سوم جس کثرت سے بیان کرنے والے ہوں اسی جیسی کثرت از ابتدا تا انتہاء رہے۔ چہارم روایت کا انجام کسی محسوس و مشاہد معاملہ پر ہو اور ان شرطوں کے ساتھ سننے والوں کو اس خبر سے علم یقینی حاصل ہو رہا ہو تو ایسی خبر متواتر ہے۔[59]

حافظ جلال الدین السیوطی نے متواتر کی دو قسمیں بتائی ہیں لفظی اور معنوی۔ تواتر لفظی کی حد تک حافظ ابن حبان بستی اور امام حازمی کا دعویٰ یہ ہے کہ موجودہ ذخیرہ حدیث میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ حافظ ابن الصلاح اور امام نووی بھی ان کے ہمنوا ہیں بلکہ حافظ ابن حبان بستی نے تو حدیث عزیز کا بھی انکار کر دیا ہے۔ حدیث عزیز یہ ہے کہ اس کے بیان کرنے والے سلسلہ سند میں کہیں بھی دو سے کم نہ ہوں اسے نادرالوجود ہونے کی وجہ سے عزیز کہتے ہیں لیکن حافظ ابن حجر نے نزہۃ النظر میں اس کی تغلیط کی ہے اور ایسے ہی قاضی ابوبکر بن العربی کا یہ دعویٰ بھی بے دلیل ہے کہ حدیث کا عزیز ہونا بخاری کی شرائط میں داخل ہے۔ ابن رشید نے صحیح کہا ہے کہ :-

لقد کان یکفی القاضی فی بطلان ما ادعی انہ شرط البخاری اول حدیث مذکور فیہ۔

قاضی کے دعوے کی تغلیط کے لیے بخاری کی پہلی ہی روایت کافی ہے۔

بعض علماء نے تواتر معنوی کی بھی تین قسمیں بتائی ہیں۔ تواتر اسناد' تواتر عمل اور تواتر قدر مشترک۔

اول تواتر اسناد:- یہ کہ حدیث کو شروع سند سے لے کر آخر تک اتنی جماعت روایت کرنے والی ہو جس کا جھوٹ پر ایکا محال ہو۔ اس لحاظ سے محدثین نے حدیث من کذب علی متعمدا" کو متواتر قرار دیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے اس کے راویوں کی تعداد 62 اور حافظ عراقی نے 70 سے زائد لکھی ہے حافظ سیوطی نے اسنادی تواتر پر مشتمل حدیثوں کو ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ کتاب کا نام "الفوائد المتکاثرہ فی الاخبار المتواترۃ" ہے۔ اس کتاب کی تلخیص بھی ان کے ہی قلم سے "الازہار المتناثرہ" کے نام سے نکلی ہے۔ محمد بن جعفر الکتانی نے اس کا ذیل "نظم المتناثرہ من الحدیث المتواتر" کے نام سے لکھا ہے۔ امیر یمانی فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کی حدیثیں اسی تواتر کی مثال ہیں۔ کیونکہ ان کو روایت کرنے والے پچاس صحابہ ہیں ان میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں۔ حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے راویوں کو اکٹھا کیا تو ان کی گنتی پچاس ہوئی۔ حافظ ابن منده اور امام حاکم نے دعوی کیا ہے کہ عشرہ مبشرہ اس کی روایت پر جمع ہیں۔ امام بیہقی امام حاکم کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

لا نعلم سنتہ اتفق علی روایتھا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء الاربعہ ثم العشرہ الذین شھد لھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجنتہ فمن بعدھم من اکابر الصحابتہ علی تفرقھم فی البلاد الشاسعتہ غیر ھذہ السنتہ

ہمارے علم میں ایسی کوئی سنت نہیں ہے جس کی روایت پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خلفاء راشدین' عشرہ مبشرہ اور پھر اکابر صحابہ متفق ہوئے ہوں سوائے اس سنت کے۔[511]

یاد رہے کہ یہ تواتر تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کو حاصل ہے امیر یمانی کی آپ تصریح پڑھ چکے ہیں۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے بھی یہ بات صراحت لکھی ہے کہ:-

فمن امثلتہ ذالک حدیث رفع الیدین عند تکبیرۃ الاحرام بالصلاۃ۔[512]

یہی وجہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین پر امت میں کبھی بھی دو رائیں نہیں ہوئی ہیں۔ علامہ شوکانی نے

نیل الاوطار میں حافظ ابن حزم' حافظ ابن المنذر اور علامہ السبکی کے حوالے سے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں حافظ ابن عبدالبر کے حوالے سے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کو یہ کہہ کر پوری امت کا فیصلہ قرار دیا ہے کہ :-

اجمع العلماء علی جواز رفع الیدین عند افتتاح الصلوۃ
تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین پر پوری امت کا اجماع ہے۔(۳)

یہ اسنادی تواتر ہے اور یہی محدثین کے یہاں زیر بحث آتا ہے۔ حافظ ابن کثیر اور علامہ شوکانی نے ختم نبوت سے متعلق حدیثوں کے بارے میں اسی تواتر کا دعوی کیا ہے۔ علامہ الجزائری نے یہاں ایک فیصلہ کن نوٹ لکھا ہے اس جگہ اسکا ذکر یقیناً" فائدے سے خالی نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

جب علماء کے یہاں متواتر کا بلا قید ذکر آتا ہے تو ہر شخص کا ذہن متواتر کی قسم اول کی طرف ہی جاتا ہے یعنی متواتر لفظی' علماء کا کچھ حدیثوں کے بارے میں اختلاف ہے' کچھ متواتر بتاتے ہیں اور کچھ انکار کرتے ہیں اس میں محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ نزاع محض لفظی ہے دونوں صحیح کہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ متواتر ہے ان کی مراد تواتر معنوی ہے اور جو انکار کرتے ہیں ان کا منشا تواتر لفظی ہے علماء اصول کہتے ہیں کہ قرآن تو تواتر ہی سے ثابت ہے لیکن سنت تواتر اور آحاد دونوں سے ہے لیکن سنت میں متواتر کم ہے بلکہ راجح فیصلہ یہی ہے کہ سنت میں اگر ہے تو صرف تواتر معنوی ہے اور جو بھی سنت میں تواتر کا مدعی ہے اس کی مراد تواتر معنوی ہے۔

دوم۔ تواتر عمل :- اسی کو توارث کہتے ہیں۔ زمانہ نبوت سے لے کر آج تک کسی کام کو کرنے والے اس قدر ہوں کہ عادۃ" ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔ اسلامی عبادات امت کو اسی تواتر سے ملی ہیں اور فرائض نہیں بلکہ واجبات و سنن بھی اسی راہ سے آئے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو اولا" صحابہ کے معاشرے نے اپنایا۔ ان کی شخصی زندگیوں میں' ان کے گھروں میں' ان کی معیشت میں' ان کی تعلیم گاہوں میں' ان کی عدالت اور ان کی حکومت میں' غرض صحابہ کرام کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کے ہر گوشہ میں جس اسوہ حسنہ کا ٹھپہ لگا تھا اور جس کو ان سے والذین اتبعو هم باحسان کی تعمیل میں تابعین نے لیا اور جس کی اتباع تابعین نے کاپی کی ہے اسی کو محدثین تابعین کی زبان میں السنۃ اور اسی کا نام فقہاء اتباع تابعین کے یہاں ما علیہ الجماعۃ ہے۔ نماز پنجگانہ' نمازوں کی رکعتیں' رمضان کے روزے' تراویح کی رکعتیں' مقادیر زکوۃ' اعمال حج' وضو اور حتی کہ وضو میں مسواک کا استعمال

اسی تواتر عمل سے ثابت ہے اور یہ بات سب ہی مانتے ہیں کہ عمل میں قول سے زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ اس پر ابتدائی تبصرہ تلقی الامتہ بالقبول کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ اس کی طاقت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اگر سند کے لحاظ سے حدیث ضعیف بھی ہو لیکن اس کی پشت پر عمل کی قوت ہو تو وہ حدیث بھی صحیح قرار پاتی ہے بلکہ حافظ سخاوی نے لکھا ہے کہ :۔

ینزل منزلتہ المتواتر فی انہ ینسخ المقطوع

اس کے ساتھ متواتر جیسا معاملہ ہوتا ہے یعنی اس سے قطعی منسوخ بھی ہو سکتا ہے۔

محدثین نے تواتر عمل کی وجہ سے ایک سے زیادہ ضعیف حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً" حدیث "لا وصیتہ لوارث" الفاظ مختلفہ میں مروی ہے اور امام ترمذی نے اس کے کچھ طریقوں کی تصحیح اور کچھ کی تحسین بھی فرمائی ہے لیکن حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں :۔

لا یخلو اسناد کل منہا عن مقال

اس کے باوجود انہوں نے لکھا ہے کہ :۔

مشرح الشافعی فی الام الی ھذا الفن متواتر

اس کے متواتر ہونے کی وجہ خود امام شافعی نے جو بتائی ہے وہ ان کی زبانی سنیے :۔

وجدنا اھل الفتیا ومن حفظنا عنھم من اھل العلم بالمغازی من قریش لا یختلفون فی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال عام الفتح "لا وصیتہ لوارث" ویا ثرونہ ممن لقوہ من اھل العلم فکان نقل کافتہ عن کافتہ فھو قوی من نقل واحد۔

ہم نے اہل فتوی کو اور ان اہل علم کو جن سے ہم نے اسلام کا علمی سرمایہ حاصل کیا ہے پایا ہے کہ وہ اس میں متفق ہیں کہ حضور انور نے فتح مکہ والے سال لا وصیتہ لوارث فرمایا ہے اور یہ لوگ اس ارشاد کو اپنے سے قبل اہل علم ہی سے نقل کرتے ہیں اس لیے یہ نقل کافہ عن کافہ ہے یہ خبر واحد سے بھی قوی ہے۔

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تواتر عمل کی کس قدر طاقت ہے۔ اس پر تو تابعین صحیح حدیثوں کو جانچتے تھے اور حدیث کی صحت کا یہ ایک معیار تھا۔

(سوم) تواتر قدر مشترک :- حافظ سیوطی اس کو متواتر معنوی کہتے ہیں۔ ایسی روایات جو متعدد طرق سے آئی ہوں، الفاظ مختلف ہوں، واقعات الگ الگ ہوں لیکن اس میں کوئی قدر مشترک ہو مثلاً" حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شب بیداری کے سلسلے میں کوئی کہتا ہے کہ آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھی، کوئی سات، کوئی نو، کوئی گیارہ، کوئی تیرہ، کوئی پندرہ اور کوئی سترہ بتاتا ہے۔ تعداد کو چھوڑ کر رات کی نماز تہجد اس قدر مشترک ہے۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ دعا میں ہاتھ اٹھانے کی حدیثوں میں بھی اس قسم کا تواتر ہے۔ اس موضوع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سو سے زیادہ حدیثیں آئی ہیں۔

جیسے قرآن تواتر لفظی کے ذریعے امت کو ملا ہے۔ ایسے ہی سنت کا علمی سرمایہ بھی امت کو تواتر عمل، تواتر اسناد اور تواتر قدر مشترک کے ذریعے ملا ہے۔ اور میں کتاب کے آغاز میں بتا آیا ہوں کہ جیسے قرآن کے لیے قراء سبعہ کی روایات ہیں ایسے ہی سنت کے لیے محدثین کی روایات ہیں نہ تو قرآن پر روایات قراء اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ اور نہ سنت پر روایات محدثین اور نہ قرآن کا قرآن ہونا قراء سبعہ کی روایات پر موقوف ہے اور نہ سنت کا سنت ہونا روایات محدثین پر موقوف ہے۔ حدیث تو دراصل تاریخ سنت اور اس کی روایت کا نام ہے۔ حدیث کے اس روایتی سلسلے سے پہلے بھی سنت موجود تھی اور اس کے بعد بھی ہے۔ العلامۃ الشیخ السید انور شاہ کشمیریؒ نے کیسی عجیب بات فرمائی ہے کہ :-

کان الاسناد لئلا یدخل فی الدین ما لیس منہ لا لیخرج من الدین ما ثبت منہ من عمل اھل الاسناد۔

روایت و اسناد کا سلسلہ اس لیے بروئے کار آیا تھا کہ دین میں وہ چیز نہ آنے پائے جو دین نہیں ہے اس لیے نہیں کہ دین سے ثابت شدہ چیز کو خارج کیا جائے۔[16]

قرآن ہو یا سنت دونوں روایتی سلسلے سے الگ ہو کر متواتر ہیں۔ قرآن چونکہ ایک علمی چیز ہے اس لیے اس کا تواتر بھی علمی ہے اور سنت ایک عملی چیز ہے اس لیے وہ عملاً" ہی متواتر ہے اسی بنا پر احناف نے حدیث مشہور کی عام شاہراہ سے ہٹ کر یہ تعریف کی ہے کہ :-

ما کان احاد الاصل متواترا فی القرن الثانی والثالث۔

اور حافظ ابوبکر نے اسی بناء پر مشہور کو متواتر کا قسم نہیں بلکہ اس کی قسم قرار دیا ہے جہاں تک میں سمجھتا ہوں

اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ امام اعظم سے جو صحیح کی تعریف نقل کی گئی ہے اس میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی رقمطراز ہیں:۔

قد کان الامام ابوحنیفة یشترط فی الحدیث المنقول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل العمل بہ ان یرویہ عن ذالک الصحابی جمع اتقیاء عن مثلھم ھکذا۔

جو حدیث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اس کی بابت امام اعظم پہلے یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کو متقی لوگوں کی ایک جماعت اس صحابی سے برابر نقل کرتی چلی آئی ہے۔

یہ قید کہ "اس کو متقی لوگوں کی ایک جماعت صحابی سے برابر نقل کرتی آئے" اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ حدیث اگرچہ صحابی کی ذات تک خبر واحد ہو مگر اس کے بعد اسے نقل کرنے والے جماعت سے متقی اور پارسا راوی ہوں یعنی صحابی سے گزرنے کے بعد قرن ثانی اور قرن ثالث میں وہ متواتر ہو اور جس قید کا امام شعرانی نے پتہ دیا ہے وہ خود امام اعظم سے بصراحت منقول ہے چنانچہ حافظ ذہبی نے امام یحییٰ بن معین کی سند سے امام اعظم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:۔

اخذ بکتاب اللہ فمالم اجد فبسنتہ رسول اللہ والاثار الصحاح التی فشت عنہ فی ایدی الثقات عن الثقات۔

اس میں یہ فقرہ کہ "آپ کی وہ صحیح حدیثیں جو ثقات کے ہاتھوں میں ثقات ہی کے ذریعے شائع ہوئی ہوں" خاص طور پر قابل غور ہے۔ اس میں آپ نے صراحت کے ساتھ جتایا ہے کہ آپ ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو ثقات میں مشہور ہوں۔ بلاشبہ امام اعظم کا زمانہ دور تابعین ہے۔ اس میں سنت تو تواتر عمل سے آنکھوں کے سامنے موجود تھی اور احادیث تواتر اسناد کے ذریعے نیکو کار لوگوں کی وساطت سے آئی تھی۔ کشف الاسرار میں ہے:۔

احادیث کی شہرت کا اعتبار قرن دوم و سوم میں ہو گا۔ قرون ثلاثہ کے بعد شہرت کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس زمانے میں اخبار احاد مشہور ہو گئی تھیں حالانکہ ان کو مشہور نہیں کہتے۔

(49) امام ابو حنیفہ سے منقول روایات میں کمی

امام صاحب کا اصل مستقر کوفہ تھا جس میں 1500 صحابہ نے قیام فرمایا جن میں حضرات علی بن؟ ، ابن مسعود بھی تھے۔ جن کو تمام صحابہ کے علوم کا جامع قرار دیا گیا ہے اور امام صاحب کے متعلق ... انہیں سے ان دونوں حضرات کے اصحاب کے واسطے سے ان کے علوم کے تتبع کرنے کی تصریح آئی ہے۔ اور امام صاحب کے متعلق یہ بھی تصریح ہے کہ کوفہ کی تمام مرویات کو آپ نے جمع کر لیا تھا۔ جیسے کہ محمد بن سلمہ سے منقول ہے کہ امام صاحب نے اپنے تلامذہ کو ستر ہزار سے زائد احادیث کا املا کرایا ہے۔ اور یحییٰ بن نصر محدث سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ ایک مرتبہ امام صاحب سے ملنے گئے تو ان سے جس کمرے میں ملاقات کی نوبت آئی وہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا' وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے عرض کیا کہ یہ کتابیں کیسی ہیں؟ فرمایا کہ "یہ احادیث ہیں میں نے ان کا بس تھوڑا۔ ای حصہ نقل کیا ہے جو کہ لائق انتفاع ہے"۔

ان تصریحات سے امام صاحب کی حفظ کردہ و محفوظ کردہ احادیث کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس مقدار میں رہی ہوں گی۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ مذکورہ بالا قرائن جس قدر زیادتی تعداد کے متقاضی ہیں اور اس انداز کی زائد تعداد کے حفاظ محدثین سے جس مقدار میں روایات منقول ہیں مثلاً ان حضرات سے جن کی محفوظ احادیث کی تعداد پیچھے نقل کی گئی ہے۔ امام صاحب کی جو مرویات منقول و محفوظ ہیں وہ اس کی نسبت سے کم ہیں' اس سے بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے اور اس کو انہوں نے امام صاحب کی تنقیص کا ذریعہ بنا لیا ہے مگر اولاً" تو محض مرویات کی کمی کو علمی نقص کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا ہے امام شافعی و امام مالک کی محفوظ مرویات بھی تو بہت زیادہ نہیں ہیں حتی کہ امام احمد کی مسند بھی' اور صحابہ میں حضرت ابو بکر و حضرت عمر کا مقام معلوم ہے مگر پھر بھی ان کی مرویات کو دوسرے اصاغر صحابہ سے کیا نسبت ہے۔ معروف ہے۔

ثانیاً" یہ کہ امام صاحب کی نسبت سے کابر اہل تحقیق نے اس کے مختلف اسباب تجویز کئے ہیں۔ مثلاً۔

1. استنباط مسائل کے ساتھ اشتغال اصحاب عقود الجمان نے ذکر کیا ہے کہ ہمت حفظ کے باوجود اس کا سبب مسائل کے استنباط کے لئے غور خوض ہے جیسے کہ امام مالک و امام شافعی کی کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی مرویات بھی اسی انداز کی مشغولیات کی وجہ سے ان کے وفور علم کی نسبت سے بہت کم ہیں

2. قبول روایات میں تشدد: بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ چونکہ امام صاحب کے عہد میں فرق ضالہ کا زور اور اس کی وجہ سے وضع احادیث کا سلسلہ بڑھتا جا رہا تھا بالخصوص کوفہ کے مخصوص ماحول کی وجہ سے وہاں کی فضا کچھ زیادہ ہی یہ آب و ہوا رکھتی تھی اس لئے امام صاحب نے روایات کے قبول و رد کا جو معیار اپنایا تھا وہ احتیاط و تشدد میں دوسرے محدثین کے معیار سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ دوسرے مستند محدثین کے نزدیک مقبول احادیث کو بھی وہ بسا اوقات مستحق قبول نہیں قرار دیتے تھے۔[41]

3. نقل روایات بصورت افتاء و مسائل یعنی ایسا نہیں ہے کہ امام صاحب سے روایات و احادیث کم منقول ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ عام جو طریقہ نقل ہے کہ پوری سند کے ساتھ ہی کچھ حذف یا صرف صحابی کے ذکر کے ساتھ یا کسی بھی راوی کے بغیر' صراحت کے ساتھ حضور ﷺ کی طرف یا جس صحابی و تابعی کا اثر ہو اس کی طرف نسبت کر کے حدیث نقل کی جائے۔ اس کے بجائے' امام صاحب نے یہ کیا ہے کہ اس سلسلہ کی چیزیں کو حسب موقع بصورت افتاء و مسائل نقل کیا ہے جس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کہنے والے کا خود اپنا قول ہے حالانکہ وہ دراصل کسی روایت سے حاصل شدہ حکم ہوتا ہے حتیٰ کہ بسا اوقات بعینہٖ روایت کے الفاظ کے ساتھ ہی ہوتا ہے' امام صاحب کا یہ طریقہ دراصل ان کا اپنایا ہوا طریقہ نہیں تھا بلکہ بعض ان اکابر صحابہ کا تھا جو حضور ﷺ کی طرف صریح نسبت سے بڑی حد تک گریز کرتے تھے محض اس احتیاط کی بنا پر کہ کہیں ہم سے نسبت میں کسی لفظ کی کمی یا زیادتی ہوجائے یا غلطی ہو جائے تو اس سلسلہ کی وعید کا مصداق بنیں۔ اس میں سرفہرست حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ طرز کوفہ کے تابعین و علماء نے حاصل کیا جو برابر ان میں باقی رہا۔ اس سلسلہ میں ان سے مختلف تصریحات منقول ہیں[42] اور اسی بنیاد پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر و حضرت ابن مسعود دونوں کا ان صحابہ میں شمول بتایا ہے جو کثرت کے ساتھ احادیث کے ناقل سمجھے جاتے ہیں جن سے ہزار سے زائد احادیث مروی ہیں کہ دونوں کی طرف منسوب اقوال جو بظاہر موقوف ہیں احادیث کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

مقیقہ" مرفوع ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں نقل احادیث و روایات کے ان دونوں طریقوں پر تفصیل سے کلام فرمایا ہے۔ اور امام صاحبؒ ان کے تلامذہ کے اقوال کی نسبت تحریر فرمایا ہے کہ وہ سارے کے سارے ابراہیم نخعی وغیرہ کے آثار ہیں اور ابراہیم نخعی کے آثار جو اگرچہ کسی کی طرف نسبت کر کے منقول نہ ہوں خود ان کی ذاتی آراء نہیں بلکہ ان کے اسلاف کوفہ میں مقیم صحابہ اور ان کے اصحاب کے آثار ہیں۔

مزید یہ کہ ہر حافظ و محدث کو جو روایات محفوظ ہوتی ہیں ان کی کثرت اور عظمت تعداد سے عموماً ان روایات کو کوئی نسبت نہیں ہوتی جو خود اس کی نقل و روات سے محفوظ کی جاتی ہیں۔ امام بخاری وغیرہ کی محفوظ کردہ احادیث کی تعداد گزر چکی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ تصریح بھی کہ بخاری و مسلم وغیرہ میں مکرر و غیر مکرر کتنی روایات ہیں۔ دونوں کو تین تین لاکھ احادیث محفوظ تھیں۔ مگر ان کی کتابوں میں غیر مکرر روایاً بمشکل چار ہزار ہیں' اس لحاظ سے دیکھا جائے تو امام صاحب سے محفوظ کردہ روایات بھی کوئی خاص قلت نہیں رکھتیں' جامع المسانید میں جو روایات غیر مکرر محفوظ کی گئی ہیں وہ تقریباً" دو ہزار ہیں جن میں سے 335 ابراہیم نخعی کے آثار ہیں۔

اور امام صاحب کے مسانید جو جمع کئے گئے ہیں ان میں سے صرف حافظ ابن عقدہ م سنہ 233ھ کے مسند میں ایک ہزار روایات جمع کی گئی ہیں اور امام صاحب کے متعدد مسانید ایسے بھی ہیں جو کہ جامع المسانید میں شامل نہیں ہیں۔ جس کی تفصیل باب کتابیات امام اعظم میں دیکھیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب سے محفوظ کردہ روایات مکررات کے حذف کے ساتھ لگ بھگ چار ہزار ہیں جیسا کہ امام صاحب کے ایک تلمیذ حسن بن زیاد لؤلؤیؒ سے منقول ہے کہ امام صاحب کی مرویات چار ہزار ہیں دو ہزار ان کے استاد خاص حماد سے محفوظ کردہ' اور دو باقی مشائخ سے سنی ہوئی۔ حاکم نے ائمہ ثقات سے متعلق جو نوع قائم کی ہے اس میں امام صاحب کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

صحت حدیث اور قبولیت حدیث کا فرق:۔ حدیث کی صحت اور اس کی قبولیت کے بارے میں امام اعظم نے جو اصول مقرر فرمائے ہیں اور اس فن میں جو ایک فن کار کی حیثیت سے علمی خدمت سرانجام دی ہے۔ اس کی ایک ادنیٰ سی جھلک آپ بالا صفحات میں دیکھ چکے ہیں اور آپ یہ بھی معلوم کر چکے ہیں کہ تیسری صدی میں امام شعبہ اور یحییٰ بن معین کے زمانے تک امام اعظم کی ذات گرامی اس فن میں ارباب حدیث کے یہاں صرف علمی نہیں بلکہ استدلالی

شخصیت تھی۔

امام اعظم کے وضع فرمودہ اصولوں کے بارے میں کچھ بزرگ ایک سنگین غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور انہوں نے اس کے نتیجے میں یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ امام اعظم کے نام سے اس موضوع پر جو بھی سرمایہ ہے وہ سب یار لوگوں کا گھڑا ہوا ہے اور تو اور مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنے خاص خطیبانہ انداز میں برملا کہ دیا کہ

امام ابو حنیفہ اور ان کے صاحبین کو ان اختراعی اصول و قواعد کا وہم و خیال بھی نہ گزرا ہو گا۔

میرے خیال میں یہ ان بزرگوں کی جانب سے بہت بڑی زیادتی ہے۔

دراصل یہاں دو چیزیں ہیں اور دونوں اپنے مزاج کے لحاظ سے الگ الگ ہیں صحت حدیث اور قبولیت حدیث صحت حدیث کے لئے اصول و قواعد اور قوانین و ضوابط بنانا اگر محدثین کا کام ہے تو قبولیت کے لئے شرائط اور قواعد مرتب کرنا ارباب اجتہاد او ر فقہاء کا کام ہے۔ حدیث کی صحت کے لئے بخاری اور مسلم کے نام سے جو شرائط، جو اصول و قواعد اور جو ضوابط متاخرین نے بنائے ہیں۔ اور بتائے ہیں ان میں ایک بھی معاصرت اور لقاء کو مستثنیٰ کر کے امام بخاری اور امام مسلم سے صراحۃً منقول نہیں ہے۔ بلکہ بتانے والوں نے کھلے بندوں یہ انکشاف کیا ہے۔

اعلم ان البخاری و مسلماً و من ذکرنا بعدهم لم ینقل عن واحد منهم انه قال شرطت ان اخرج فی کتابی مایکون علی الشرط الفلانی و انما یعرف ذالک من سبر کتبهم فیعلم بذالک شرط کل رجل منهم

ترجمہ:- امام بخاری اور مسلم وغیرہ سے ایسی کوئی مثبت تصریح نہیں آئی جس میں ان بزرگوں نے یہ بتایا کہ کتاب میں تخریج کی روایت کی فلاں شرط کی میں نے پابندی کی ہے ان کی شرائط کا پتہ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے ہوتا ہے اور بس۔

الجزائری بھی علامہ مقدسی کے ہم زبان ہیں۔ فرماتے ہیں۔

اعلم ان البخاری لم یوجد عنده تصریح بشرط معین و انما اخذ ذالک من تسمیه الکتاب والاستقراء من تفرقه

ترجمہ:- خود بخاری کی کسی شرط کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ہے ان کی کتاب کے نام اور کتاب میں ان کے تفرقات سے لوگوں نے خود یہ اخذ کر لیا ہے۔

اگر حدیث کی صحت کے لئے شرائط و ضوابط کا پیمانہ ان بزرگوں کے طرز عمل سے معلوم کرکے بنایا جا سکتا ہے اور اسے ان بزرگوں کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے تو پھر ائمہ مجتہدین ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد کی کتابوں میں طرز عمل سے اگر متاخرین نے کچھ قواعد معلوم کر کے ان بزرگوں کی طرف منسوب کر دیئے تو اس میں کون سی قباحت ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ صحت حدیث کے موضوع پر قوانین کی تخریج کو صرف برداشت نہیں جاتا بلکہ اس پر تحسین و آفرین کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ لیکن قبولیت حدیث کے میدان میں ائمہ اجتہاد کی طرف منسوب اصول قوانین طبع نازک پر گراں ہوتے ہیں اور ان پر تخریجی ہونے کی پھبتی اور اختراعیت کا آوازہ کسا جاتا ہے۔ فیاللاسف و یا للعار و الی اللہ المشتکی

دوسرے علوم و فنون کی طرح حدیث بھی ایک فن ہے اس کے بھی دوسرے علوم کی طرح تقاضے ہیں۔ بتایا جائے آخر وہ کون سا علم ہے جس میں قواعد و ضوابط تخریجی نہیں ہوتے۔ اشتقاق، تصریف، معانی، بدیع، بیان، نحو وغیرہ زبان اور لغت سے متعلق اصول و قوانین کا نام ہے۔ کیا ان میں کوئی بھی منصوص ہے؟ سب کے سب بعد میں آنے والوں کے اختراعی اور تخریجی قوانین و ضوابط ہیں۔ اس طرح کی تخریج اگر علمی طور پر غلط ہے تو علوم و فنون کی پوری دنیا مشکوک ہو کر رہ جائے گی۔ اور کسی فن کے قواعد و ضوابط کو بھی اعتماد و وثوق کا پروانہ نہیں مل سکتا۔

اس سلسلے میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ کا اسم گرامی بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اور بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے حجۃ اللہ البالغہ اور انصاف میں ان اصول و ضوابط کے تخریجی ہونے کی تصریح کی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

> اکثر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا اختلاف بزدوی وغیرہ کی کتابوں میں بیان شدہ اصولوں پر مبنی ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہ اصول زیادہ تر ان کے اقوال پر تخریج کئے گئے ہیں۔

شاہ صاحب کی اس عبارت سے یہ سمجھنا کہ جملہ قواعد کا علمی سرمایہ تخریجی ہے اور چونکہ تخریجی ہے۔ اس لئے یہ سرمایہ ناقابل اعتبار ہے بہت بڑی زیادتی اور بے انصافی ہے۔ شاہ صاحب تو اس عبارت کے ذریعے اپنے مخاطبوں کے دماغوں میں مقدسی اور حازمی کی طرح ان قواعد کی تاریخی حیثیت پیش فرما رہے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ قوانین تخریجی ہیں اور صاحب مذہب سے خود مروی نہیں ہیں اور اس موضوع پر شاہ صاحب کے اس انکشاف کی حیثیت حرف

بحرف وہی ہے جو مقدسی اور حازمی کے اس انکشاف کی ہے کہ صحت حدیث کے موضوع پر شرائط وغیرہ کا سرمایہ بخاری و مسلم کا خود ساختہ اور پرداختہ نہیں ہے بلکہ ان کے بعد میں آنے والے محدثین کا اختراعی اور تخریجی ہے جیسا کہ آپ پہلے سن آئے ہیں۔

انصاف ہی میں شاہ صاحب نے یہ بھی بتایا ہے کہ

> ان قواعد کی پابندی اور ان پر وارد شدہ اعتراضات کے جوابات میں تکلف سے کام لینا جیسا کہ بزدوی کا کام ہے۔ متقدمین کا ہرگز شیوہ نہیں ہے۔

شاہ صاحب کے اس ارشاد کی حیثیت بھی بالکل اس محاکمہ کی ہے جو حافظ ابن الہمام نے ان متاخرین محدثین کے جواب میں پیش کیا ہے جنہوں نے حدیث کی اصحیت کو بخاری و مسلم کے دائرے میں محدود کر دیا تھا۔ حافظ ابن الہمام نے بتایا کہ

> یہ خواہ مخواہ کی ہے اس میں کسی کی تقلید روا نہیں ہے کیونکہ اصحیت کا مدار تو صرف ان شروط پر ہے جو ان بزرگوں نے اپنی کتابوں میں ملحوظ رکھی ہیں۔ اگر یہی شرطیں ان دو کتابوں کے علاوہ کہیں اور بھی پائی جاتی تو پھر اصحیت کو ان میں محدود کرنا بالکل بے معنی ہے۔

یہ بات حافظ ابن الہمام نے ان سے کہی ہے کہ جو صحیحین کی حدیثوں کی اصحیت کا صرف صحیحین میں ہونے کی وجہ سے دعوی کرتے ہیں۔ اور تو اور حضرت مولانا ابو الکلام آزاد کو شیخ ابن الہمام کے خلاف استغاثہ کرنا پڑا۔ وہ فرماتے ہیں

> ابن الہمام نے اس طرح کے اصول بنانا شروع کر دیئے کہ صحیحین کی ترجیح صحیحین کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ محض ان شروط کی وجہ سے ہے۔ اس لئے اگر دوسری کتاب کی روایت بھی ان شرطوں پر آئی تو قوت میں صحیحین کی روایت کے ہم پلہ ہو جائے گی حالانکہ صحیحین کی ترجیح محض ان شروط کی بنا پر نہیں ہے بلکہ شہرت اور قبول کی بنا پر ہے۔ اور اس پر تمام امت کا اتفاق ہو چکا ہے۔

اتفاق امت، شہرت اور قبول کی پوری داستان محدثین کی زبانی آپ پہلے سن چکے ہیں اس لئے یہاں اس کا تکرار بے معنی ہے۔

بہرحال اگر شاہ صاحب اور حافظ ابن الہمام دونوں کا آپ موازنہ کریں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ دونوں میں ایک روح کام کر رہی ہے فرق ہے تو صرف یہ کہ شاہ صاحب متاخرین فقہاء کے بارے میں وہی بات کہ رہے ہیں جو ابن الہمام نے متاخرین محدثین کے بارے میں کہی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اصول و قواعد صحت حدیث سے متعلق ہوں یا قبولیت سے۔ دونوں تخریجی اور اختراعی اور بعد میں آنے والوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ نہ تو محدثین کے یہاں صحت حدیث کے اول بذریعہ وحی آئے ہیں اور نہ فقہاء کے پاس قبولیت حدیث سے متعلق قوانین منصوص ہیں۔ اگر قواعد و ضوابط کو یہ کہہ کر پس انداز کر دیا جائے کہ یہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں تو تمام نظام شریعت درہم برہم ہو جائے گا۔

اس میں علمی طور پر کوئی شک نہیں کہ اصول و قواعد تخریجی ہیں اس لئے ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے ہاں اس کی جگہ یہ بات عقل کو اپیل کرتی ہے کہ فن کے قواعد اہل فن کے بنائے ہوئے ہونے چاہیں۔ کیونکہ کسی فن میں غیر فنکاروں سے استفادہ فن سے اعتماد ہٹا دیتا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر اس موقعہ پر بڑے پتے کی بات فرما گئے۔

> تمام اسلامی فرقے اس پر متفق ہیں کہ ہر فن میں اس کے فنکاروں کی بات حجت ہو گی اگر ایسا نہ کیا جائے تو علوم و فنون کی دنیا ختم ہو جائے کیونکہ اناڑی اول تو فن میں بات نہ کر سکے گا۔ اور اگر بات کرے گا تو غلط کرے گا۔

یہ بات تو مبنی بر انصاف ہے لیکن اس میں کوئی عقلیت نہیں ہے کہ اصول و قواعد کو تخریجی بتا کر غیر معتبر قرار دے دیا جائے۔ اسے اگر بطور اصل تسلیم کر لیا جائے تو فن قرات میں تجوید کے اصول' ادب و لغت میں لغت و زبان کے قواعد' فقہ میں اصول فقہ' حدیث میں اصول حدیث' تفسیر میں اصول تفسیر سب ہی انسانوں کے وضع کردہ اور تخریجی ہیں۔ ان کو اگر یہ کہہ کر رد کر دیا جائے کہ یہ وضعی اور تخریجی ہیں تو اسلام کے پورے علمی سرمایہ سے دستبردار ہونے پڑے گا۔ اصول و قواعد حدیث کے ہوں یا فقہ ہے۔ سب انسانی محنتوں کے رہینِ منت ہیں اس لئے یہ کہنا کچھ وزن نہیں رکھتا کہ احناف نے کچھ شرطیں لگائی ہیں جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے مجموعہ الرسائل میں لکھا ہے

> بہت سے اہل الرائے نے اکثر احادیث کا ایسی شرطوں کی وجہ سے انکار کر دیا جو انہوں نے خود لگائیں۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ حدیث کے لئے اگر محدثین متاخرین شرطیں مقرر کریں تو یہ درست اور علم کی

خدمت سمجھی جائے اور حدیث ہی کی قبولیت کے میدان میں اللہ کے دین میں احتیاط کی خاطر اگر احناف شرطیں بتائیں تو ان کو خود لگائی ہوئی شرطیں قرار دیا جائے۔ دونوں امتی ہیں دونوں فن کی خدمت اللہ کے دین کی خاطر کر رہے ہیں دونوں کا پیش نماد دین کی حفاظت ہے دونوں میں یہ امتیاز کچھ قرین انصاف نہیں ہے۔

یہ درست ہے کہ یہ اصول و ضوابط بخاری و مسلم کی طرح امام اعظم سے صراحۃً" منقول نہیں ہیں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تدوین قانون کے موقعہ پر حدیث کے بارے میں کچھ ضوابط ان ائمہ مجتہدین کے ضرور پیش نظر ہوں گے۔ جن کی روشنی میں انہوں نے حدیث و سنت کو قانون سازی میں استعمال کیا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے حدیث کی تصنیف کے موقعہ پر کچھ قوانین و ضوابط ضرور ائمہ ستہ حدیث کے پیش نظر تھے جن کی روشنی میں انہوں نے حدیث کے یہ مجامیع تیار کر کے اسلام کی بیش بہا خدمت انجام دی ہے۔ ان سے اگر صراحۃً" اصول و ضوابط کا کوئی سرمایہ منقول نہیں ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ صحت حدیث کے لئے ان بزرگوں کے پیش نظر کوئی ضابطہ ہی نہ تھا ایسے ہی حدیث کی قبولیت کے بارے میں اگر ائمہ مجتہدین ابو حنیفہ' ابو یوسف اور محمد سے اصولی سرمایہ صراحۃً" منقول نہیں تو اس کا بھی ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ تدوین شریعت کے میدان میں یہ بزرگ حدیث کی حد تک کسی قاعدے اور آئین کے پابند نہ تھے یقیناً" آپ کچھ قواعد کے ضرور پابند ہوں گے۔ باقی اُن کا مدون نہ کرنا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں اصول و قوانین کا وجود ہی نہ تھا اور تدوین شریعت کا سارا کام محض جزاف سے ہو رہا تھا۔

جن علماء نے اصول و قوانین پر تدوین کی خدمت انجام دی ہے انہوں نے اس کو ائمہ مذہب سے منقول فروعی علمی سرمایہ سے اخذ کر کے ائمہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج' اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ' الرد علی سیر الاوزاعی اور امام محمد کی الحجۃ علی اہل المدینہ' موطا' کتاب الآثار پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال کر امام اعظم کے استدلال کے قواعد عامہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اوروں کا پتہ نہیں مگر میں تو اپنے مطالعہ میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب الانصاف اور حجۃ اللہ میں ان اصول و قوانین کے خلاف نہیں بلکہ عیسیٰ بن ابان جیسے حضرات کی ان آراء کے خلاف احتجاج کرنا چاہتے ہیں جو شعوری یا غیر شعوری طور پر حنفی فقہ میں داخل ہو گئی ہیں اور جن کو بعض جامد قسم کے فقہاء نے جدل و مناظرے کے لئے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ اس احتجاج میں شاہ صاحب منفرد نہیں بلکہ امام ابو الحسن کرخی اور حافظ ابن الہمام کی زبانی آپ پہلے اس موضوع پر بہت کچھ پڑھ چکے ہیں۔ چنانچہ جن قواعد کا نام لے کر شاہ صاحب نے تردید کی ہے اور

بتایا ہے کہ صاحب مذہب سے منقول نہیں ہے اور ان کے لئے جن محققین کا حوالہ دیا ہے کہ وہ وہی آراء ہیں جن کو متاخرین نے اصول کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

ان قواعد کے ائمہ مذہب سے منقول نہ ہونے پر محققین کا یہ قول کافی ہے کہ یہ قاعدہ کہ ایک راوی جو ضبط و عدالت میں معروف ہو مگر فقہ میں شہرت نہ رکھتا ہو تو اس کی وہ روایت واجب العمل نہ ہو گی جس سے رائے اور قیاس کا دروازہ بند ہو جاتا ہو جیسے حدیث مصراۃ۔ یہ عیسیٰ بن ابان کا مذہب ہے اور بہت سے متاخرین اس کے قائل ہیں۔ لیکن امام کرخی اور بہت سے علماء کے نزدیک راوی کا فقیہ ہونا ضروری نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ قول ہمارے اصحاب سے منقول نہیں ہے بلکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ حدیث قیاس پر مقدم ہے۔

یہ تصریح اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ شاہ صاحب اصول و قواعد کی مطلق نفی نہیں فرما رہے ہیں جو ائمہ نے ارباب مذاہب کی فروعات سے اخذ کئے ہیں بلکہ ان آراء کی تردید کر رہے ہیں جن کا نام اصول رکھ لیا گیا ہے۔ اور جن کا ارباب مذاہب سے تعلق نہیں ہے ورنہ جہاں تک ان اصول و قواعد کا تعلق ہے جو ہم نے کتاب میں حدیث کے موضوع پر امام اعظم کا نام لے کر پیش کیے ہیں وہ امام اعظم نے دلیل و برہان کے تحت اختیار کیے ہیں۔ اور ان پر آج تک کسی بھی محدث نے یہ تنقید نہیں کی ہے کہ یہ اختراعی ہیں اور امام اعظم سے ثابت نہیں ہیں۔ اس موضوع پر امام اعظم کو دوسری صدی کے محدثین کی پوری پوری حمایت حاصل ہے۔ بلا ریب جیسے معانی قرآن سے تصادم کے موقعہ پر کسی حدیث کو رد نہیں کیا بلکہ حدیث کی موجودگی میں قیاس سے متعلق بحث و اجتہاد کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ حکیم الامت نے امام اعظم کے اس موقف کی یہ کہ کر وضاحت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ روزے دار اگر بھول کر کھا پی لے تو امام اعظم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے روزہ نہ ٹوٹنے کا فتویٰ دیتے ہیں حالانکہ روایت ابی ہریرہ قطعاً خلاف قیاس ہے اس موقعہ پر امام اعظم فرماتے ہیں کہ اگر روایت نہ ہوتی تو میں قیاس کے مطابق فتویٰ دیتا۔

اسی سے ان تمام اصول و ضوابط اور قواعد و قوانین کا اندازہ لگا لیجئے جو حدیث سے متعلق آپ پیچھے اوراق میں پڑھ چکے ہیں۔

محدثین کی زبان سے تو آپ صحیح حدیث کی تعریف پڑھ چکے ہیں ان کے یہاں حدیث صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ راویوں میں عدالت و ضبط ہو' سند میں اتصال ہو اور حدیث شاذ اور معلل نہ ہو۔ حدیث کی صحت میں ان پانچ کی حیثیت اساس اور بنیاد کی ہے۔ چنانچہ امیر یمانی ان پانچوں کا ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

فهذه الخمسه هى المعتبره فى حقيقة الصحيح عند المحدثين

ترجمہ:۔ یہی پانچ چیزیں محدثین کے نزدیک صحیح کی حقیقت میں معتبر ہیں۔

لیکن امام اعظم ابو حنیفہ محدثین کی بیان کردہ شرطوں کو ضروری قرار دینے کے ساتھ ضبط کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ ضبط صدر کو راوی کے لئے اتنا ضروری قرار دیتے ہیں کہ راوی کے لئے حدیث کے بیان کرنے میں یہ بنیادی شرط بتاتے ہیں۔ کہ حدیث کی روایت صرف وہ شخص کرے جو حدیث کے سننے کے دن سے بیان کرنے کے دن تک حدیث کا حافظ ہو چنانچہ ابو جعفر طحاوی نے امام اعظم کے بارے میں ۔سند متصل لکھا ہے کہ

قال ابو حنيفه لا ينبغى للرجل ان يحدث من الحديث الا بما حفظه من يوم سمعه الى يوم يحدث به

ترجمہ:۔ ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے مناسب نہیں ہے کہ حدیث بیان کرے مگر صرف وہ شخص بیان کرے جو سننے کے دن سے بیان کرنے کے دن تک حدیث کا حافظ ہو۔

سید الحفاظ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ امام اعظم کا اپنا بھی یہی معمول تھا۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے یحییٰ بن معین کا یہ بیان لکھا ہے۔

امام ابو حنیفہ صرف وہ حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کے وہ حافظ ہیں اور جن کے وہ حافظ نہیں وہ بیان ہی نہیں کرتے۔[54]

امام نووی نے تقریب میں اس کو متشددین کا مسلک قرار دیتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے چنانچہ فرماتے ہیں

فمن المشددين من قال لا حجة الا فيما رواه من حفظه و تذكره روى عن مالك و ابى حنيفه

ترجمہ:۔ کوئی حدیث اس وقت تک حجت اور دلیل نہیں ہو سکتی جب تک راوی اپنی یاد اور

حافظہ سے روایت نہ کرے۔[1]

اور حافظ سیوطی نے امام اعظم کا روایت حدیث میں یہ ضابطہ بیان کرنے کے بعد دوسرے محدثین سے اس کا موازنہ کرتے ہوئے اس میں شدت محسوس کی ہے اور لکھا ہے کہ

هذا مذهب شديد و قد استقر العمل على خلافه فلعل الرواة فى الصحيحين من لم يوصف بالحفظ لا يبلغون النصف

ترجمہ: یہ مذہب بڑا ہی سخت ہے محدثین کا اس کے خلاف عمل ہے کیونکہ اگر اس معیار کے پیش نظر صحیحین کا جائزہ لیا جائے تو نصف راوی ایسے ملیں گے جو حافظ کی اس شرط پر پورے نہ اتریں گے۔[2]

امیر یمانی نے توضیح الافکار میں، حافظ ابن کثیر نے اختصار علوم الحدیث میں اور حافظ ابن الصلاح نے مقدمہ میں یہی بات بتائی ہے ابن الصلاح کے الفاظ یہ ہیں۔

من مذاهب التشديد مذهب من قال لا حجة الا فيما رواه الراوى من حفظه و تذكره و ذالك مروى عن مالك و ابى حنيفه[3]

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ حدیث کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط لگاتے ہیں کہ راوی کو ضبط اس درجہ قوی ہو کہ سننے کے بعد سے بیان کرنے کے وقت تک اسے برابر یاد رہے۔ اگر یاد نہ رہے تو اس کو روایت کرنا درست نہ سمجھتے تھے۔ بعد کے محدثین نے حفظ کی جگہ کتابت کا کافی سمجھ لیا اس لئے ان کے خیال میں اگر راوی کو حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ بھی یاد نہ ہوں تاہم وہ قلم بند صورت میں اس کے پاس موجود ہو تو اس کو روایت کر سکتا ہے چنانچہ محدث خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

ابو زکریا یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے قلم سے لکھی ہوئی حدیث پائے مگر وہ اس کو زبانی یاد نہ ہو تو کیا کرے؟ کہنے لگے کہ ابو حنیفہ تو یہ کہتے ہیں کہ جس حدیث کا انسان حافظ نہ ہو اسے بیان نہ کرے لیکن ہم یوں کہتے ہیں کہ اپنی کتاب میں جو کچھ اپنے قلم سے لکھا ہوا پاوے اسے بیان کر دے چاہے وہ اس روایت کا حافظ ہو یا نہ ہو۔[4]

بہرحال امام اعظم نے ضبط صدر کو دوسرے محدثین سے الگ ہو کر بے حد اہمیت دی ہے اور اس کو حدیث کی

صحت، عدالت، اتصال کے ساتھ بنیادی شرط قرار دیا مگر بعد کو محدثین نے یہ سختی برداشت نہ کی۔ جس قدر زمانہ گزرتا گیا حفظ کی جگہ کتابت رائج ہوتی گئی۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حافظ حدیث کی روایت کو غیر حافظ کی روایت پر ترجیح ہے۔ کیونکہ حافظ نہ ہونے کی حالت میں احتمال ہے کہ کوئی خط میں خط ملا کر نوشتہ میں گڑبڑ کر دے۔ بہرحال امام اعظم نے حدیث کے صحیح ہونے کے لئے جو شرط لگائی وہ اگرچہ تیسری صدی کے محدثین کے یہاں ایک تشدید کی حیثیت رکھتی ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ فخر الاسلام بزدوی ضبط کی دقیق تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

> ضبط کا مفہوم یہ ہے کہ بات کو ایسے طریق پر سنا جائے جیسے سننے کا حق ہے پھر اس کے معنی مراد کو سمجھا جائے۔ امکانی کوشش سے اسے یاد کیا جائے پھر اس کی حدود کی حفاظت کر کے اس کی پابندی کی جائے اور اسے دوسرے تک پہنچاتے وقت تک اس کے مذاکرات کا اہتمام کرنا چاہیے مبادا وہ ذہن سے اتر جائے۔

یہ تصریحات فن حدیث میں امام اعظم کی عظمت شان اور جلالت قدر کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں غالباً جو لوگ امام اعظم کو حدیث میں متشددین میں شمار کرتے رہے ہیں ان کے پیش نظر امام اعظم کی یہی شرائط ہیں جیسے ابن خلدون نے لکھا ہے کہ

> شددوا فی شروط الروایۃ و التحمل و ضعف روایۃ الحدیث الیقینی اذا عارضھا الفعل النفسی
>
> ترجمہ:- امام صاحب نے روایت کی شرطوں اور اس کے تحمل میں سختی کی اور اگر حدیث فعل نفسی کے معارض ہو تو اس کی تضعیف کی ہے۔

لیکن جسے سختی کہا جا رہا ہے اسی کا نام احتیاط ہے۔ اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ دین کی زندگی میں زیادہ احتیاط برتی جائے۔ امام اعظم کی اس احتیاط کا بڑے بڑے محدثین نے اقرار کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابو محمد عبداللہ حارثی بسند متصل امام وکیع سے جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں نقل کرتے ہیں۔

> اخبرنا القاسم بن عباد سمعت یوسف الصفار یقول سمعت وکیعاً یقول لقد وجد الورع عن ابی حنیفہ فی الحدیث ما لم یوجد عن غیرہ
>
> ترجمہ:- جیسی احتیاط حدیث میں امام ابو حنیفہ نے کی ہے کسی دوسرے نے نہیں کی۔

اسی طرح علی بن الجعد سے جو حدیث کے بہت بڑے امام اور حافظ ہیں اور امام بخاری اور ابو داؤد کے استاد ہیں یہ بیان منقول ہے کہ

امام ابو حنیفہ جب حدیث بیان کرتے ہیں تو موتی کی طرح آبدار ہوتی ہے۔

اور یہ امام اعظم کی احتیاط ہی کا نتیجہ ہے کہ امام وکیع بن الجراح جیسا شخص جو حدیث میں امام احمد' امام ابن المدینی' امام یحییٰ بن معین اور امام عبداللہ بن المبارک کا استاد ہے۔ امام اعظم کی ساری حدیثیں نوک زبان کرتا ہے اور جسے سید الحفاظ یحییٰ بن معین حفاظ حدیث میں سب سے اونچا بتلاتے ہیں چنانچہ حافظ ابن عبدالبر یحییٰ بن معین سے ناقل ہیں۔

میرے علم میں وکیع سے اونچا کوئی نہیں ہے وکیع امام ابو حنیفہ کے قول پر فتوی دیتے تھے اور ان کو امام ابو حنیفہ کی ساری حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام ابو حنیفہ سے حدیثیں سنی تھیں۔

(50) امام اعظم اور ردو قبول روایت

محدثین نے روایت کے رد و قبول کے لئے جو شرطیں۔ لکھی ہیں اور جن روایات کو قابل استدلال قرار دیا ہے ان کے نقل کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ بالغ' عاقل ہونے کے ساتھ عدالت اور ضبط کی صفات سے موصوف ہوں۔ حافظ ابن الصلاح نے جماہیر ائمہ حدیث کا فیصلہ یہی بتایا ہے۔ اور حافظ ابن کثیر نے اس میں تیقظ کا اضافہ کر کے لکھا ہے کہ

اگر ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی مخدوش ہو جائے تو روایت مردود ہو جائے گی۔

امام نووی نے تقریب میں اور حافظ سیوطی نے تدریب الراوی میں اسی کی توثیق کی ہے لیکن امام اعظم نے کسی بھی روایت کی قبولیت کے لئے ان شرطوں کے ساتھ یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ اگر روایت کا تعلق اسلام کی عام زندگی سے ہو تو ضروری ہے کہ اس کا نقل کرنا والا ایک نہ ہو بلکہ صحابی سے اس کو نقل کرنے والی ایک جماعت ہو اور جماعت بھی نیک اور پارسا لوگوں کی ہو۔ چنانچہ امام ربانی عبدالوہاب الشعرانی رقمطراز ہیں۔

قد کان الامام ابو حنیفہ یشترط فی الحدیث المنقول عن رسول اللہ صلی اللہ

علیه وسلم قبل العمل به ان یرویه عن ذالک الصحابی جمع اتقیاء عن مثلهم و هکذا

ترجمہ:۔ جو حدیث جناب رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو اس کی بابت امام ابو حنیفہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کو متقی لوگوں کی ایک جماعت اس صحابی سے برابر نقل کرتی آئے۔۔

امام شعرانی نے حدیث کی قبولت کے لئے امام اعظم ابو حنیفہ کی جس شرط کا ذکر کیا ہے وہ بصراحت خود امام اعظم سے منقول ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے امام یحییٰ بن معین کی سند سے امام اعظم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ اور ان حدیثوں سے کہ جو ثقات کے ہاتھوں میں ثقات کے ذریعے شائع ہوئی ہیں۔ پھر اگر یہاں بھی نہ ملے تو آپ کے اصحاب سے جس کا قول چاہتا ہوں اختیار کر لیتا ہوں لیکن جب بات ابراہیم' شعبی' حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح پر آ پڑتی ہے تو جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام اعظم اس حدیث کو قبول فرماتے تھے جس کے پہلے طبقہ میں اگرچہ راوی ایک ہو مگر اس کے بعد وہ مختلف طبقوں میں پھیلی ہو اور اسے ایسے لوگوں نے نقل کیا ہو جو اتقیاء اور پارسا ہوں۔ طبقہ اولیٰ سے صحابہ اور طبقہ ثانیہ سے تابعین مراد ہیں۔

بعد کو محدثین غرائب و افراد' نوادر جمع ہو جانے پر اس کی پابندی نہ کر سکے بلکہ یہ امر واقعہ ہے کہ امام حاکم نے جب صحیح حدیث کی دس قسمیں قرار دیتے ہوئے پہلی قسم کے بارے میں یہ اعلان کیا کہ

ان ا۔ یار البخاری و مسلم اخراج الحدیث عن عدلین عن عدلین الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ:۔ بخاری و مسلم کا مسلک یہ ہے کہ وہ حدیث کو دو عادل راویوں سے روایت کرتے ہیں اور پھر وہ دو اپنے سے اوپر دو سے تاآنکہ یہ سلسلہ اسی طرح دو دو ہو کر حضور ﷺ پر ختم ہوتا ہے۔۔

تو محدثین نے امام حاکم کے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا۔ حافظ ابن حبان نے امام حاکم کے اس اعلان کو حدیث کے خلاف سازش قرار دیا اور بتایا کہ

احادیث سب کی سب اخبار آحاد ہیں جو شخص روایت حدیث میں اس قسم کی شرطیں عائد کرتا ہے دراصل وہ ترک حدیث کی اسکیم بناتا ہے کیونکہ حدیثیں اخبار آحاد کے ذریعے ہی آئی ہیں

امام ابو بکر محمد بن موسیٰ حازمی نے امام حاکم کے اس دعویٰ کو چیلنج کیا اور لکھا کہ:

لیس کذالک لانہما اخرجافی کتبیہما احادیث جماعہ من الصحابہ لیس لہم الارلو واحد و احادیث لا تعرف الا من جھۃ واحدۃ

ترجمہ:۔ یہ واقعات کے خلاف ہے کیونکہ امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں ایسی جماعت سے بھی حدیثیں روایت کی ہیں جن کی روایات میں صحابہ سے صرف ایک ہی راوی ہے۔ اور ایسی حدیثیں بھی جو ایک ہی طریق سے مروی ہیں۔

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی نے بھی امام حاکم کے اس دعویٰ کی واشگاف لفظوں میں تردید کی ہے۔ اور فرمایا۔

شیخین نے اس قسم کی کوئی شرط نہیں لگائی اور نہ ان سے یہ شرط منقول ہے۔ بخدا یہ بہترین شرط ہوتی اگر اس کا صحیحین میں کوئی نام و نشان ہوتا۔ ہمارا مطالعہ یہ ہے کہ یہ قانون ان کتابوں میں قدم قدم پر پارہ پارہ ہے۔

اور پھر خود امام حاکم کی تردید کے بعد یہ تجویز پیش فرمائی کہ امام بخاری و مسلم کا موقف ان کتابوں میں صرف یہ ہے کہ

وہ ایسی حدیثیں روایت کرتے ہیں جس کے راویوں کی ثقاہت اتفاقی ہو۔

لیکن حافظ زین الدین عراقی نے حافظ ابن طاہر کی اس تجویز کو یہ کہ کر بے جان کر دیا کہ

قبول روایت میں امام بخاری و مسلم کا یہ موقف نہیں ہے۔ کیونکہ امام نسائی نے ایسے راویوں پر جرح کی ہے جس سے شیخین نے روایت کی ہے۔

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ محدثین اپنے دور میں امام اعظم کی عائد کردہ شرائط کی حدیث کے رد و قبول میں پابندی نہ کر سکے۔

یہ حقیقت ہے کہ امام اعظم کے اس بیان کی روشنی میں اگر سنت اصل ثانی ہے تو قرآن اصل اول۔ لیکن سنت

کے موضوع پر حدیث اس وقت قبول کی جا سکتی ہے جب وہ بالکل ثقہ اور مصادر مختلفہ سے ثابت ہو کر آئی ہو اور اس کا صدق و ضبط اور نقل ہر لحاظ سے پایہ تصدیق کو پہنچ چکا ہو۔ آپ صرف ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو اس معیار پر صحیح ہیں۔ اور جن کی ثقات کے ذریعے اشاعت ہوئی ہے۔ امام سفیان ثوری نے بھی حدیث کے متعلق امام اعظم کا یہی موقف بتایا ہے کہ

یاخذ بما صح عنده من الاحادیث التی کان یحملها الثقات و بالاخر من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: جو حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں اور ثقات جن کو روایت کرتے ہوں۔ نیز جو حضور ﷺ کا آخری عمل ہوتا ہے یہ اس کو لیتے ہیں۔

اس لحاظ سے امام اعظم کی حدیثوں کا بیشتر حصہ مشہور ہوتا ہے کیونکہ یہی وہ دور ہے جس میں شہرت کو اعتباری حیثیت حاصل ہے ورنہ اس کے بعد اگر کوئی حدیث شہرت پذیر ہوئی ہے تو آئینی اور قانونی لحاظ سے وہ شہرت نہیں جس سے حدیث کو قوت حاصل ہو سکے۔ علامہ عبدالعزیز بخاری رقم طراز ہیں۔

احادیث کی شہرت کی اعتبار قرن دوم و سوم ہو گا۔ قرون ثلاثہ کے بعد شہرت معتبر نہیں ہے کیونکہ اس زمانے میں اکثر اخبار احاد مشہور ہو گئی ہیں۔ حالانکہ ان کو مشہور نہیں کہتے ہیں۔

شاید آپ کو اس پر حیرت ہو مگر اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟ شہرت کا دارومدار تو اسنادی وسائط پر ہے اگر اسنادی وسائط کم سے کم تر ہوں اور مولف کی ذات کو خود ان زمانوں سے تعلق ہو جن میں شہرت کو معتبر قرار دیا گیا ہے تو پھر اس میں حیرت کی کون سی بات ہے۔ آپ اس نظر سے کتاب الاثار کا مطالعہ کریں آپ کو زیادہ حدیثیں اس میں تین واسطوں سے ملیں گی اور یہ واسطے بھی معمولی نہیں بلکہ اجلہ ائمہ اور فقہاء مجتہدین پر مشتمل ہے۔ یہی حدیثیں تیسری صدی میں اسنادی وسائط کے زیادہ ہونے کی وجہ سے آحاد بن گئی ہیں۔ امام اعظم ایسے دور میں پیدا ہوئے ہیں جو زمانہ نبوت سے قریب تر ہے اس لئے آپ نے حدیث کے راویوں کی عدالت کا فیصلہ صدیاں گزرنے پر کتابوں کے ذریعے نہیں بلکہ مشاہدہ کے ذریعے کیا ہے اس لئے احادیث کے بارے میں آپ کی رائے حتمی ہے۔ اسی بنا پر امام شعبہ نے امام اعظم سے تحدیث کی درخواست کی تھی۔ امام شعبہ کو سفیان ثوری امیر المومنین فی الحدیث اور امام احمد حدیث میں امۃ وحدۃ کہتے ہیں امام اعظم کے نام امام شعبہ کا یہ خط آج تک تاریخ کے لئے سرمایہ زینت بنا ہوا ہے۔ خط کا

انکشاف کرنے والا بھی کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ سید الحفاظ یحییٰ بن معین ہیں۔ خط کا مضمون یحییٰ بن معین نے یہ بتایا ہے کہ امام شعبہ نے امام اعظم کو صرف لکھا نہیں بلکہ ان سے حدیث بیان کرنے کی اپیل کی۔ ذرا غور فرمایئے کہ امام اعظم کے علم پر ان کی ثقاہت' عدالت' امانت اور ان کی حدیث میں فن کاری پر امام شعبہ کو کتنا بڑا اعتماد ہے اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ کیا فرما رہے ہیں؟ فرما رہے ہیں ان ،بحدث کہ حدیث بیان کریں۔ تحدیث کی بات صرف اس شخص سے کہی جا سکتی ہے جس کی فن آشنائی پر کلی اعتماد ہو۔ کیونکہ علم حدیث کا ایک شہسوار کبھی کسی ایسے شخص کو یہ بات نہیں کہہ سکتا جو اس کا اہل نہ ہو۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ علم حدیث میں امام صاحب کے نادر الوجود ہونے کی کیا یہ دلیل نہیں ہے کہ امام فن حدیث آپ سے حدیث بیان کرنے کی اپیل کر رہے ہیں۔ اسی بنا پر امام یحییٰ بن معین سے جب حدیث میں امام اعظم کے بارے میں دریافت کیا گیا تو یہ فرما کر کہ

ثقه ما سمعت احداً ضعفه

ترجمہ:۔ میں نے تو کسی سے بھی ان کی تضعیف نہیں سنی۔

امام شعبہ کا مذکورہ بالا خط بطور شہادت پیش کر دیا اور فرمایا کہ شعبہ شعبہ شعبہ تو شعبہ ہی ہیں۔ یعنی جن کی علم حدیث میں جلالت شان اور عظمت قدر پر امام شعبہ کو اعتماد ہو وہاں تو کسی کے لئے یارائے سخن نہیں ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر فرماتے ہیں۔

قد کان الحافظ المشهور بعنایه فی هذا الشان

ترجمہ:۔ امام ابو حنیفہ علم حدیث میں مشہور حافظ حدیث تھے۔

بہرحال امام اعظم نے صحت حدیث کے لئے ایک بہت اونچا معیار قائم کیا تھا ان کے شروط روایت کے لئے معیار تحقیق کی حد تک بمقابلہ محدثین زیادہ سخت تسلیم کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ آپ مقدمہ ابن خلدون اور المیزان الکبریٰ کے حوالہ سے پڑھ چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اپنی شروط میں تیسری صدی کے محدثین کی نسبت متشدد تھے۔

ارباب روایت اور ائمہ اجتہاد کے نقطہ نگاہ میں چونکہ بنیاد ہی پر ایک عظیم فرق ہے۔ اس لئے ان کے پیش فرمودہ اصول و ضوابط میں بھی اختلاف ناگزیر ہے۔ جو حیثیت محدثین کی حدیث کی صحت اور رجال اسناد میں ہے وہی حیثیت مجتہدین کی حلال و حرام کے احکام کی معرفت میں ہے اور دونوں میں ایسے بھی ہیں جن کو دونوں فنون میں امامت حاصل ہے۔

حافظ ابن تیمیہ کتاب الاستغاثہ میں جو بکری کی تردید میں لکھی ہے رقمطراز ہیں۔

امام یحییٰ بن معین' بخاری' مسلم' ابو حاتم' ابو زرعہ' نسائی' ابن عدی' دار قطنی اور ان جیسے حضرات کے کلام کی حیثیت رجال اور صحیح و ضعیف احادیث کے بارے میں وہی ہے جو امام مالک' سفیان ثوری' اوزاعی' شافعی اور ان جیسے حضرات کے کلام کی احکام اور حلال اور حرام کی معرفت کے باب میں ہے۔ اور ائمہ میں ایسے حضرات بھی ہوتے ہیں جو محدثین میں بھی امام ہیں اور فقہا میں بھی اور دونوں جماعتوں میں شامل ہیں۔ گو ان میں سے ایک جماعت کی طرف ان کا انتساب زیادہ موزوں ہے۔ اور حدیث و فقہ کے اکثر امام جیسے مالک' شافعی' احمد اور اسحاق ابن راہویہ اور اسی طرح اوزاعی' ثوری اور لیث ایسے ہی تھے اور اسی طرح ابو یوسف صاحب ابی حنیفہ اور خود امام ابو حنیفہ کا بھی وہ ہی مرتبہ ہے جو ان کے شایان شان ہے۔[۵۲]

محدثین کا خاص موضوع اخبار و آثار کی تنقیح بلحاظ روایت کرنا ہے اور بس۔ اس لئے ان پر اخباری نقطہ نظر غالب ہے اور وہ روایت کو معتبر یا غیر معتبر قرار دینے میں صرف اس کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ اسناد و رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہے؟

اس کے برعکس مجتہدین کے پیش نظر صرف اسناد و رجال ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ان کے پیش نظر بحیثیت مجموعی شریعت حقہ کا پورا سسٹم ہوتا ہے اس بنا پر حدیث کی قبولیت کے ضوابط ان کے یہاں اس کے زیر اثر مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام حازمی فرماتے ہیں۔

اما الفقهاء فمدار الضعف عندهم محصوره و جلها منوط بمرعاة ظاهرة الشرع

ترجمہ :۔ فقہاء کے یہاں اسباب ضعف حدیث محدود ہیں اور ان میں عظیم تر یہ ہے کہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ حدیث ظاہر شریعت سے کس قدر موافق ہے۔[۵۳]

حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے شریعت کے پورے سسٹم پر نظر ہونے کا یہ مطلب بتایا ہے کہ مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان پانچ علموں مع اسانید اور صحیح اور ضعیف کی معرفت' مسائل میں سلف کے ارشادات سے واقفیت' عربی زبان کا علم' استنباط مسائل اور نصوص میں تطبیق کا علم۔[۵۴]

مولانا محمد اسماعیل الشہید نے مجتہدین کو شریعت کے پورے سسٹم پر بحیثیت مجموعی نظر ہونے میں انبیاء سے مشابہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

پس مشابہ بانبیاء دریں فن مجتہدین مقبولین اند۔ پس ایشاں را از ائمہ فن باید شمرد مثل ائمہ اربعہ۔ ہر چند مجتہدین بسیار از بسیار گزشتہ فاما مقبول درمیان جمہور امت ہمیں چند اشخاص اند۔ پس گویا کہ مشابہت تامہ دریں فن نصیب ایشاں گردیدہ۔ بناءً علیہ درمیاں جماہیر اسلام از خواص و عوام بلقب امام معروف گردیدند۔

اس فن میں انبیاء سے مشابہت رکھنے والے مجتہدین ہیں۔ ان کو اس فن کا امام سمجھنا چاہیے جیسے ائمہ اربعہ۔ اگرچہ مجتہدین بہت ہوئے ہیں لیکن جمہور امت میں مشہور یہی چند ہستیاں ہیں۔ اس لئے گویا پوری پوری مشابہت اس فن میں ان کے ہی حصہ میں آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور امت کے خواص و عوام میں یہی بزرگ امام کے لقب سے مشہور ہوئے ہیں[1]

اور امامت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ

امامت در ہر کمال عبارت است از حصول مشابہت تامہ بانبیاء اللہ دراں کمال۔

اور علامہ شاطبی نے اسی کمال کا تذکرہ اسی طرح کیا ہے کہ

انما تحصل درجه الاجتهاد لمن اتصف بوصفين احدهما۔ فهم مقاصد الشريعه على كمالها و الثانى من الاستنباط۔

ترجمہ:۔ درجہ اجتہاد صرف اس شخص کو ملتا ہے جو دو صفتوں سے موصوف ہوتا ہے ایک یہ کو پوری شریعت کے مقاصد کو سمجھتا ہو۔ دوسرے یہ کہ مسائل نکالنے کی قدرت رکھتا ہو[2]

اسی کی جھلک آپ ان اصولوں میں دیکھیں گے جو ان بزرگوں نے رد و قبولیت روایات کے لئے وضع فرمائے ہیں اور جن کے پیش نظر ان بزرگوں کی یہ حیثیت نہیں وہ ذرا سے فکری اختلاف کو دیکھ کر بدک جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ جس طرح روایت و اسناد کو شب و روز کنگھالتے کنگھالتے محدث کو یہ ملکہ ہو جاتا ہے کہ وہ صحیح اور غیر صحیح سند کو اپنے ذوق سے پہچان لیتا ہے چنانچہ بتانے والوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے۔

میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے دریافت کیا کہ آپ سلسلہ روایت میں جھوٹے کا پتہ کیسے لگا

لیتے ہیں؟ فرمایا جیسے حکیم مجنون کا پتہ لگا لیتا ہے۔

اور اسی کمال کو وہ اپنے الفاظ میں یوں تعبیر کرتے تھے کہ:

معرفۃ الحدیث الہام

ترجمہ:- حدیث کی معرفت الہام ہے۔

ٹھیک ٹھیک اسی طرح مجتہد کو یہ ملکہ ہو جاتا ہے کہ متن حدیث پر نظر ڈالتے ہی یہ بتا دیتا ہے کہ حدیث شریعت اسلامیہ کے مزاج سے مناسبت رکھتی ہے یا نہیں۔ احادیث پر نظر ڈالتے وقت مجتہد کا یہی ملکہ رد و قبول کا معیار بن جاتا ہے۔ شریعت کا مزاج عین مزاج نبوت ہے جو شخص شریعت کے مزاج کو سمجھتا ہے وہ نبی کریم ﷺ کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ متون احادیث کو دیکھ کر بتا دیتا ہے کہ ان میں سے کون سا ارشاد اور کون سا عمل صاحب نبوت کا ہو سکتا ہے۔ بہرحال صحیح اور غیر صحیح سند کو پہچاننے کا ملکہ ہو جو محدثین کو ہوتا ہے یا متن حدیث کے رد و قبول کا ملکہ وہ جو مجتہدین کو ہوتا ہے۔ چونکہ یہ دونوں حالتیں سراسر ذوقی ہیں اور کسی ضابطہ کے تحت نہیں آتی ہیں اس لئے ان میں باہم اختلاف کی گنجائش ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے متن حدیث کی حد تک جیسے ائمہ مجتہدین میں بکثرت مسائل میں اختلاف ہوا ہے ایسے ہی صحت اسناد کی حد تک ائمہ روایت کے درمیان بھی روایات میں بکثرت اختلافات ہوئے ہیں۔

ایک حدیث کو امام مسلم اس تحدی کے ساتھ اپنی صحیح میں لاتے ہیں کہ

لیس کل شئی عندی صحیح وضعته ههنا انما وضعت ههنا مااجمعوا علیه

ترجمہ:- ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی اس کو میں نے یہاں درج نہیں کیا۔ میں نے صحیح مسلم میں صرف ان حدیثوں کو درج کیا ہے کہ جن کی صحت پر شیوخ کا اجماع ہے۔

لیکن اس کے باوجود بہتسی حدیثیں ہیں جن کو کسی علت قادحہ کی بنا پر امام بخاری نے روایت نہیں کیا۔ یہاں حافظ عبدالقادر قرشی کا بہت قیمتی بیان پڑھنے کے لائق ہے جو انہوں نے ایک ناقد کی حیثیت سے پیش کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

حافظ رشید عطار نے ان حدیثوں پر ایک کتاب لکھی ہے جو صحیح مسلم میں منقطع آئی ہیں۔ اس کتاب کا نام "الفوائد المجموعه فی شان ما وقع فی مسلم من الاحادیث المقطوعه" ہے۔ اور یہ جو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ حدیث کو اگر شیخین روایت کرلیں۔ تو معاملہ

بڑی لے دے کی ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ایسے ہی مسلم کی حدیث خلق اللہ التربۃ یوم
السبت باتفاق حفاظ ضعیف ہے۔

الغرض بتانا یہ چاہتا ہوں کہ جیسے ائمہ مجتہدین قبولیت حدیث کی حد تک مسائل میں اختلاف رکھتے ہیں ایسے ہی محدثین بھی روایت حدیث کی حد تک صحت حدیث میں اختلاف رکھتے ہیں اور قبولیت و صحت میں ان کے فکری اختلاف کا مظاہرہ ان اصول و ضوابط میں بھی ہوا ہے جو اس موضوع پر ان بزرگوں سے منقول ہیں۔

(51) (1) فقیہ محدث اور محدث کا فرق

ایک مجتہد کے لئے جس کا فریضہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے احکام شرعیہ کا اخذ کرنا ہے۔ یہ تمام شرائط از حد ضروری اور لابدی ہیں۔ ان شرائط کو پیش نظر رکھے بغیر وہ اپنا فریضہ الاستنباط الاحکام الشرعیہ عن لولتہا التفصیلیہ (تفصیلی دلائل شرعیہ سے احکام شرعیہ اخذ کرنا) ادا کر ہی نہیں سکتا۔ خواہ وہ ابو حنیفہ ہوں خواہ مالک' خواہ شافعی خواہ احمد بن حنبل بخلاف محدثین کے جن کا فریضہ صحیح احادیث سے غیر صحیح احادیث الگ کر کے جمع اور محفوظ کر دینا ہے۔ ان کے لئے یہ تمام شرائط خارج از بحث اور ان کی مہم میں رکاوٹ ہیں۔

(2) حدیث اور فقہ کا باہمی تعلق:۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی زبان میں صحابہ کرام کے محاورات میں علم نام ہی فقہ کا ہے۔ یعنی صدر اول میں علم کے نام پر جو چیز معروف تھی وہ روایت حدیث نہیں بلکہ فقاہت تھی۔ حافظ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں صحابہ و تابعین کا علمی تعارف زیادہ تر فقاہت ہی سے کرایا ہے چنانچہ حضرت امام ربانی حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے میں لکھتے ہیں من نبلاء الفقہاء (ج 1' ص 12) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں من نجباء الصحابہ وفقہائہم حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں ہے اقرا اہل البصرہ و افقہھم' حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے مقری اہل دمشق و فقیہھم' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تصریح ہے من اکبر فقہاء الصحابہ' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے۔ الفقیہ المدنی' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں لکھا ہے الفقیہ المفتی' اس طبقہ اولی میں سارے صحابہ میں دو کو مستثنیٰ کر کے کسی ایک کا بھی تعارف تحدیث و روایت کے ذریعے نہیں کرایا۔ دو سے میری مراد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید

پار ہے۔ فنی لحاظ سے یہ محض ادعاء ہے اور حدیث کی قوت کی یہ کوئی قانونی ضمانت نہیں ہے۔
آخر یہ مسلم ہی تو ہے جس میں لیث بن سلیم جیسے ضعیف راویوں سے بھی روایات سے بھی
روایات آتی ہیں۔ یہ کہنا کہ مسلم میں اس قسم کے راویوں کی روایات کا درجہ محض شواہد، توابع
اور اعتبار کا ہے درست نہیں ہے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں۔ کہ شواہد اور توابع کی مدد سے کسی
حدیث کا حال معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ امام مسلم نے کتاب میں اگر صحت کا التزام کیا ہے تو
آپ ہی بتایئے کہ وہ حدیث جو خود ان راہوں سے آتی ہو وہ صحیح کیسے ہوگی؟ سب مانتے ہیں اور
جانتے ہیں کہ محدثین کے یہاں حدیث میں ان اور عن کی تعبیر انقطاع کی نشاندہی کرتی ہے لیکن
بخاری اور مسلم دونوں اپنی کتابوں میں عنعنہ پر مشتمل روایات لائے ہیں اس کے جواب میں یہ
کہنا کوئی معنویت نہیں رکھتا کہ عنعنہ صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں منقطع ہونے
کی نشانی ہے۔ امام مسلم نے بحوالہ ابی الزبیر عن جابر بہت سی معنعن حدیثیں روایت کی ہیں
حالانکہ حفاظ کا فیصلہ ہے کہ ابو الزبیر مدلس ہے۔ حافظ ابن حزم اور حافظ عبدالحق نے لیث بن
سعد کے حوالہ سے بتایا ہے کہ انہوں نے ابو الزبیر سے دریافت کیا کہ مجھے وہ حدیثیں سناؤ جو تم
نے خود جابر سے سنی ہیں۔ انہوں نے صرف سترہ حدیثیں سنائیں۔ اس بنا پر حفاظ کہتے ہیں کہ
لیث کی حدیثیں بحوالہ ابی الزبیر عن جابر صحیح ہیں۔ لیکن مسلم میں جابر کی بحوالہ ابی الزبیر ایسی بھی
حدیثیں ہیں جو لیث کی وساطت سے نہیں آئی ہیں اور جن میں عنعنہ ہے۔

نیز امام مسلم نے جابر اور ابن عمر کے حوالہ سے حجۃ الوداع کے موضوع پر یہ روایت پیش کی ہے
کہ نبی کریم ﷺ دسویں ذی الحجہ کو مکہ تشریف لے گئے آپ نے وہاں طواف افاضہ کیا پھر مکہ ہی
میں نماز پڑھ کر منی واپس تشریف لائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ طواف افاضہ کر کے منی
تشریف لائے اور نماز ظہر منی میں ادا کی۔ دونوں روایتوں کو جمع کرنے کے لئے یہ توجیہ کرتے ہیں
کہ نماز تو مکہ ہی میں ادا کی مگر منی میں بیان جواز کے لئے دوبارہ پڑھی۔ مگر حافظ ابن حزم کہتے
ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں سے ایک بلا شبہ جھوٹ ہے۔ ایسے ہی مسلم میں حدیث اسراء میں
یہ اضافہ آیا ہے کہ واقعہ اسراء آپ کو وحی آنے سے پہلے پیش آیا ہے۔ حفاظ حدیث نے اس پر

خدری ؓ ہیں۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ روی حدیثا کثیرا ۲۶ ورنہ کسی بھی صحابی کا علمی چہرہ پیش کرتے ہوئے حدیث کا نام تک نہیں لیا کہنا یہ چاہتا ہوں کہ فقہ علوم شرعیہ کا آخری درجہ ہے۔

فقہ اور حدیث میں باہمی ربط کیا ہے؟ یہ بات شاہ ولی اللہ محدث کی زبانی سنیے۔ شاہ صاحب علم الدیث کا تعارف کراتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"علم الحدیث کے کچھ طبقات اور اس میں فن کے کچھ مراتب ہیں۔ علم حدیث کے دو درجے ہیں ایک درجہ چھلکے اور سیپی کا ہے اور دوسرا درجہ مغز اور موتی کا ہے۔ علماء نے دونوں کی خدمت کی ہے، علم حدیث میں چھلکے اور سیپی کے درجے کی چیز حدیثوں کو صحت و ضعف، غرابت اور شہرت کی حد تک جاننا ہے یہ خدمت محدثین نے سرانجام دی ہے علم حدیث ہی کا ایک فن یہ بھی ہے کہ اس کے معانی شرعیہ کو سمجھا جائے اس سے احکام جزئیہ مستنبط کیے جائیں۔ عبارت، دلالت، اشارہ و مفہوم کی بنا پر منصوص حکم کو قیاس کیا جائے منسوخ و محکم، مرجوح و مبرم کا پتہ لگایا جائے حدیث کا یہ فن موتی اور مغز کی حیثیت رکھتا ہے اس فن کی خدمت کرنے والے فقہاء اور مجتہدین ہیں۔" ۲۷

علامہ خطابی نے حدیث و فقہ میں اس سے بھی زیادہ لطیف ربط بتایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث و فقہ میں باہم وہی تعلق ہے جو مکان کی دیواروں اور اس کی بنیاد میں ہوتا ہے۔ فقہ حدیث کی بنیادوں پر اٹھی ہوئی عمارت کا نام ہے لکھتے ہیں:

"حدیث کی حیثیت مکان کی اساس و بنیاد کی ہے اور فقہ اس بنیاد پر اٹھی ہوئی عمارت کا نام ہے جو عمارت بغیر بنیاد کے بنائی جائے اس میں استحکام نہیں ہوتا اور صرف بنیادیں بغیر عمارت کے خراب اور چٹیل میدان ہوتی ہے۔" ۲۸

ابوبکر الحازمی نے ایک موقعہ پر لکھا کہ:

"احادیث میں ایک دوسری کو باہم ترجیح دینا یہ فقہاء کا کام ہے کیونکہ ان کا پیش نظر احادیث میں احکام کو ثابت کرنا ہوتا ہے اور اس موضوع پر ان کی جولانگاہ کی وسعتیں اور پہنائیاں بے حد ہیں۔" ۲۹

الغرض اس آیت میں علم کی خاطر رخت سفر باندھنے کا حکم ہے

محدث اور فقیہ میں فرق:- حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث کی زبانی آپ فقہ اور حدیث کا باہمی فرق سن چکے ہیں لیجئے۔ محدث اور فقیہ کا فرق بھی شاہ صاحب ہی کی زبانی معلوم کر لیجئے۔

"محدث اور فقیہ میں فرق ہے' محدث کا کام صرف حدیث کی روایت ہوتا ہے اور اس سلسلے میں وہ یہ دیکھتا ہے کہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف' محرف ہے یا غیر محرف' عربی زبان میں الفاظ غریبہ کے معانی کیا ہیں؟ راویوں کی لڑی عدالت کی ترازو میں پوری اترتی ہے یا نہیں' حدیث کے توابع و شواہد کیا ہیں۔ حدیث اپنے بیان کرنے والوں کے لحاظ سے شہرت اور غرابت میں کیا مقام رکھتی ہے۔ جو محدث علم حدیث میں یہ باتیں جانتا ہے وہ ضابط' حافظ اور متقن کہلاتا ہے۔ فقیہ کا کام مشتبہ الفاظ کی تحدید اور حدیث میں رکن' شرط اور ادب کی تعیین کرتا ہے۔ وہ امر کے صیغوں کو دیکھ کر استحباب اور وجوب کا فیصلہ کرتا ہے اور نواہی میں مکروہ اور حرام کے درجات مقرر کرتا ہے وہ پیش پا افتادہ مسائل کی علتیں اور دلائل جانتا ہے اور علتوں کے لحاظ سے کسی حکم کے مطلق اور مقید ہونے کی نشاندہی کرتا ہے وہ اپنی فقاہت کے زور سے احترازی اور اتفاقی قیود واضح کرتا ہے اور اطلاق و تقیید کی روشنی میں وہ زندگی کے مختلف مسائل کے بارے میں ہر موضوع پر قوانین و ضوابط کلیہ بتاتا ہے اور پھر ان قوانین سے حالات و کوائف میں اٹھے ہوئے سوالات کا جواب دیتا ہے دلائل میں تعارض ہو تو تطبیق دیتا' باہم مفاہمت کراتا' منسوخ بتاتا اور تعارض کے وقت ترجیح دینا فقیہ کا کام ہے"۔ (۲)

(52) کیا امام اعظم نے امام مالک سے روایت لی ہے؟

مدینہ طیبہ کے مشائخ میں بعض علماء نے امام مالک کے شاگردوں میں حضرت امام اعظم کو بھی شمار کیا ہے اور بتایا ہے کہ امام ابو حنیفہ بھی امام مالک کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اس موضوع پر تزئین الممالک میں حافظ سیوطی کو بہت زیادہ اصرار معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے میں انہوں نے کچھ شہادتیں بھی فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً" وہ فرماتے

ہیں کہ :

"امام مالک کے استاد ہونے کا ذکر دار قطنی نے کتاب المدبج میں' ابن خسرو بلخی نے مسند ابی حنیفہ
اور خطیب بغدادی نے کتاب الروایت میں کیا ہے"۔[۱۳۷]

دراصل حافظ سیوطی نے دار قطنی اور خطیب بغدادی کی جن دو روایتوں کا حوالہ دیا ہے۔ یہ دونوں خود روایتی نقطہ نظر سے محدثین کے نزدیک محل نظر ہیں۔ دونوں روایتیں یہ ہیں:۔

"عن محمد بن مخزوم عن جده محمد بن ضحاک ثنا عمران بن عبدالرحیم ثنابکار بن الحسن ثنا حماد بن ابی
حنیفہ عن ابی حنیفہ عن مالک بن انس عن عبداللہ بن الفضل عن نافع بن جبیر عن ابن عباس عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الایم احق بنفسها من ولیها والبکر تستامر و صمتها اقرارھا۔" ۔

رانڈ عورت اپنی زیادہ حقدار ہے اپنے ولی کی نسبت اور نوجوان سے دریافت کیا جائے اس کی خاموشی اقرار ہے۔

خطیب کی روایت یہ ہے :

عن محمد بن علی اصلی الواسطی ثنا ابوذرعة احمد بن الحسین ثنا علی بن
محمد بن مهرویه ثناالمجبر بن الصلت ثنا القاسم بن الحکم العرفی ثنا
ابوحنیفة عن مالک عن نافع عن ابن عمر قال اتی کعب بن مالک النبی صلی الله
علیه وسلم فساله عن راعیته کانت ترعی فی غنمة فتخوفت علی شاة الموت
فذبحتها عجر فامر النبی باکلها۔[۱۳۸]

اقوام المسالک میں ہے کہ تمام دفتر حدیث میں ان مذکورہ بالا دو روایتوں کے علاوہ کوئی حدیث نہیں ہے جس سے امام اعظم کا امام مالک سے تلمذ ثابت ہو لیکن ان دونوں کی تاریخی حیثیت محدثین کے یہاں ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان دونوں روایتوں کی روایتی حیثیت کو محل کلام قرار دیتے ہوئے النکت علی ابن الصلاح میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ :

لم تثبت روایة ابی حنیفة عن مالک وانما اوردها الدار قطنی ثم الخطیب له روینین
وقعتالهما باسنادین فیهما مقال

"امام اعظم کی امام مالک سے روایت ثابت نہیں ہے۔ دار قطنی اور خطیب نے اس بات کا دعوی

ان دو روایتوں کی وجہ سے کیا ہے جن کی اسناد محل کلام ہے"۔

حافظ صاحب نے ان روایات کی جس اسنادی کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ دار قطنی کی روایت میں عمران بن عبدالرحیم راوی ہے یہی شخص اس من گھڑت کہانی کا ذمہ دار ہے۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں حافظ سلیمانی کے حوالہ سے اس کا نام لے کر یہ انکشاف کیا ہے:

هو الذی وضع حدیث ابی حنیفة عن مالك۔

"یہی شخص ہے جس نے ابوحنیفہ از مالک کی حدیث بنائی ہے"۔

دراصل روایت صرف اس قدر تھی کہ حماد بن ابی حنیفہ نے امام مالک سے سنا مگر عمران نے درمیان میں ابوحنیفہ کا اپنی جانب سے اضافہ کر دیا۔ چنانچہ حافظ ابو عبداللہ محمد بن مخلد نے اپنے رسالہ نامی "ماروا الاکابر عن مالک" میں اس کی سند اس طرح بیان کی ہے:

حدثنا ابو محمد القاسم بن هارون ثنا بكار بن الحسن الاصبهانی ثنا حماد بن ابی حنیفة ثنا مالك بن انس الحدیث۔

یہ بھی اس کی تائید ہے کہ اصل سند میں حماد بن ابی حنیفہ عن مالک ہے۔ ابوحنیفہ عن مالک نہیں ہے اور جامع المسانید میں بھی سند اس طرح ہے۔ حافظ سیوطی نے اسی سلسلے میں مسند ابی حنیفہ لابی الضیاء کا بھی حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ثم وقفت علی مسند ابی حنیفة لابی الضیاء الذی جمعه من خمسة عشر مسندا وفیه من روایه ابی حنیفة عن مالك۔

مجھے مسند ابی حنیفہ ابن الضیاء کا نسخہ ملا ہے اسے مولف نے پندرہ مسندوں سے جمع کیا ہے اور اس میں ابوحنیفہ از مالک کی روایت ہے۔

یہ مسند ابی حنیفہ دراصل جامع المسانید کا خلاصہ ہے۔ جامع المسانید اب زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔ اس میں کتاب الاثار کے حوالہ سے یہ روایت ضرور ہے مگر اسے امام محمد بحوالہ امام اعظم عن نافع عن ابن عمر روایت کرتے ہیں۔ البتہ امام محمد نے اپنے موطا میں یہی روایت بحوالہ مالک عن نافع ابن عمر پیش فرمائی ہے۔

دوسری روایت خطیب کی ہے اس میں مجبر بن الصلت کو غلط فہمی ہوئی۔ اس نے عبدالملک کی جگہ مالک کہہ دیا

کیونکہ اس روایت کی جن محدثین نے تخریج کی ہے اس کی تفصیل علامہ خوارزمی نے دی ہے ان تمام روایتوں میں کوئی طریق بھی ایسا نہیں ہے جس میں ابو حنیفہ از مالک آیا ہو۔ اس میں اول تو محمد بن المغیرہ بحوالہ قاسم از ابی حنیفہ ہے اور قاسم کے علاوہ دوسرے طرق میں ابو حنیفہ از مالک نہیں ہے۔۔۔

زیادہ تر غلط فہمی اشہب کی اس روایت سے ہوئی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو امام مالک کے سامنے اس طرح دیکھا ہے جیسے بچہ باپ کے سامنے۔ اشہب کا یہ بیان بھی اصول روایت کے مطابق صحیح نہیں ہے کیونکہ اشہب کا سن ولادت حسب بیان ابن یونس 145ھ ہے یعنی امام اعظم کی وفات والے سال ان کی عمر صرف پانچ سال کی ہے۔ اس عمر میں ان کا مصر سے مدینہ جانا اور امام ابو حنیفہ کو امام مالک کے سامنے دیکھنا انسانی عقل باور نہیں کرتی۔ کوثری لکھتے ہیں۔

"امام ذہبی نے امام مالک کے ترجمہ میں جو واقعہ بیان کیا ہے صحیح نہیں ہے ہاں اگر امام ابو حنیفہ کے صاحبزادے حماد کے متعلق ہو تو شاید درست ہو کیونکہ اشہب کی تاریخ پیدائش 145ھ ہے"۔

تعلیقات میں ہے:

"امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اشہب کی زبانی جو کہانی بیان کی ہے وہ تاریخی طور پر صحیح نہیں ہے کیونکہ اشہب امام شافعی کی عمر کے لگ بھگ ہیں یا محتاط سے محتاط اندازے کے موافق امام ابو حنیفہ کی وفات کے وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ دس سال ہوتی ہے۔ ان کی ملاقات امام مالک سے اس دور میں ثابت نہیں ہے اور ہو بھی کیسے سکتی ہے امام مالک معلم للاطفال نہ تھے کہ اس عمر کے بچے ان کے پاس ہوں۔ دراصل واقعہ کا تعلق ابوحنیفہ سے نہیں بلکہ ان کے صاحبزادے حماد سے ہے"۔

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کی امام مالک سے روایت حدیث محتاج ثبوت ہے اور جن راہوں سے اسے ثابت کرنے کی کوشش سیوطی اور دار قطنی نے کی ہے وہ محدثین کے یہاں ناقابل اعتبار ہیں۔ ورنہ امام اعظم کے لیے یہ خبر قطعاً" قابل عار نہیں ہے کہ وہ امام مالک سے حدیثوں کی سماع کریں بلکہ محدثین کا کہنا ہے کہ ایک محدث اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک وہ اعلیٰ، ہم سر اور کمتر تینوں طبقوں سے روایت نہ کرے۔ امام مالک تو امام اعظم کے

اقران میں سے ہیں۔ امام اعظم نے تو اپنے تلامذہ تک سے حدیثیں بیان کی ہیں چنانچہ امام خراسان ابراہیم بن طہمان سے متعلق امام ذہبی نے تصریح کی ہے کہ:

حدث عنه ابو حنیفة

ابن ابی حاتم نے تقدمۃ الجراح والتعدیل میں ابراہیم کے حوالہ سے امام مالک سے روایت سننے کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"ابراہیم بن طہمان کہتے ہیں میں مدینہ آیا اور حدیثیں لکھی ہیں۔ وہاں سے کوفہ گیا اور امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا سلام کیا آپ نے پوچھا مدینہ میں کس سے استفادہ کیا؟ میں نے نام بتایا۔ آپ نے دریافت کیا کہ کیا مالک بن انس سے بھی کچھ لکھا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا کہ دکھاؤ۔ بعدازیں آپ نے قلم دوات منگا کر نقل کیا"۔

لیکن روایت اقران کے لیے حلقہ درس میں شامل ہونا ضروری نہیں ہے۔ مذاکرے کے ضمن میں بھی روایت ہو سکتی ہے۔ پھر یہاں خود امام ابو حنیفہ کی امام مالک سے روایت کرنا محققین سے ثابت نہیں ہے۔

(53) حافظ مغلطائی کی تحقیق

اگر تاریخی طور پر یہ صحیح ثابت ہو جائے اور حافظ دار قطنی، خطیب بغدادی اور حافظ سیوطی کی بات ہی اپنا لی جائے تو پھر حافظ علاء الدین مغلطائی کا یہ دعوی صحیح ہو جائے گا کہ اسانید و روایت کی دنیا میں سب سے زیادہ جلیل القدر یہ سلسلہ سند ہے۔ ابوحنیفة عن مالک عن نافع عن ابن عمر آپ اصح الاسانید کے سلسلہ میں امام بخاری کی رائے پہلے پڑھ چکے ہیں کہ مالک عن نافع عن ابن عمر کا طریق سلسلۃ الذہب ہے۔ اسی پر قدم جماتے ہوئے حافظ ابو منصور عبدالقاہر تمیمی نے شافعی از مالک از نافع از ابن عمر کو اجل الاسانید لکھا ہے اس پر حافظ مغلطائی نے حافظ عبدالقاہر کا تعاقب کیا اور بتایا کہ اگر صحت روایت کا مدار جلالت شان اور عظمت قدر پر ہے تو پھر تاریخ کی دنیا میں اجل الاسانید

ابوحنیفة عن مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنه

ہے اور اگر جلالت شان نہیں بلکہ اس کا مدار اتقان و ضبط ہے تو پھر ابن وہب، عن مالک یا

القعنبی عن مالک کا طریق بزرگترین ہونا چاہیے۔ حافظ بلقینی نے محاسن الاصطلاح میں حافظ مغلطائی کے اس فیصلہ کی صحت اور قوت کو مانتے ہوئے لکھا ہے کہ

امام ابوحنیفۃ فھو ان روی عن مالک کما ذکرہ الدارقطنی لکن لم یشتھر روایۃ عنہ کاشتھار روایت الشافعی

یعنی اگر ابوحنیفہ عن مالک جیسی شہرت ہوتی تو پھر امام بلقینی کے خیال میں امام ابو حنیفہ کی جلالت قدر کی وجہ سے ابو حنیفہ عن مالک ہی سب سے صحیح اور سب سے بزرگ تر سلسلہ سند ہوتا اور دنیائے روایت میں اسی کو سلسلتہ الذہب کہا جاتا۔ حافظ عراقی نے حافظ مغلطائی اور حافظ بلقینی دونوں کے بیانات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"امام اعظم کی امام مالک سے روایت جو دارقطنی نے غرائب میں لکھی ہے اس کا سلسلہ سند نافع عن ابن عمر نہیں ہیں"

یعنی اگر روایت کا سلسلہ فی الواقع یہ ہو کہ ابوحنیفہ عن مالک عن نافع عن ابن عمر اور روایتی نقطہ نظر سے اس کی صحت ثابت ہو جائے تو پھر حافظ عراقی کی رائے میں اسے ہی اصح الاسانید اور اجل الاسانید ہونا چاہیے۔ یہی بات حافظ عسقلانی نے فرمائی ہے۔

اما اعتراضہ بابی حنیفۃ فلایحسن لان ابا حنیفۃ لم تثبت روایتہ عن مالک

حافظ مغلطائی کا یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ امام اعظم کی امام مالک سے روایت ثابت نہیں ہے۔

اس کا مدلول بھی یہی ہے کہ اگر ابوحنیفہ کی امام مالک سے روایت ثابت ہو جائے تو پھر تاریخ و اسناد کی دنیا میں حافظ عسقلانی کے خیال میں اصح الاسانید یہی ہے۔ اس تمام تفصیل اور ردوکد سے ضمنی طور پر یہ بات بالکل بے نقاب ہو کر سامنے آگئی ہے کہ بارگاہ محدثین اور روایت و اسناد کا تحقیقی مطالعہ کرنے والوں کی نظر میں امام اعظم کا مقام سب سے اونچا ہے۔ اتنا اونچا کہ محدثین کے یہاں آپ کی ذات کو اصح الاسانید کے موقعہ پر بطور استدلال پیش کیا جاتا ہے۔ اگر معاذاللہ حضرت امام کی ذات گرامی کسی درجے میں بھی محدثین کے نزدیک مجروح و مقدوح ہوتی یا کوئی بات جس میں آپ قابل گرفت ہوتی تو اصح الاسانید جیسے نازک ترین موقعہ پر نہ کوئی آپ کا نام لیتا اور نہ بلقینی، عراقی اور عسقلانی جیسے نکتہ رس محدثین حدیث ایسے مقام پر خاموش رہتے۔ دراصل یہ ان لوگوں کے لیے سرمہ چشم بصیرت ہے جو امام موصوف

کی شان جلالت پر حرف گیری ہی کو پروانہ محدثیت قرار دیتے ہیں۔

(54) امام مالک کی نظر میں امام اعظم کا مقام

اصل یہ ہے کہ امام مالک امام اعظم کا غایت درجہ اکرام کرتے تھے۔ چنانچہ محمد بن اسماعیل بن فدیک کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک اور امام اعظم دونوں کو مدینہ میں دیکھا ہے۔ دونوں باہم ہاتھ پکڑے جا رہے تھے جب دونوں مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچے تو امام مالک نے اوبا" امام اعظم کو آگے کر دیا۔ امام اعظم یہ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ بسم اللہ ھذا موضع الامان فآمنی من عذابک و نجنی من عذاب النار۔

حافظ ابن ابی العوام نے عبدالعزیز بن محمد دراوردی کے حوالہ سے بتایا ہے کہ امام اعظم نے فرمایا ہے کہ میں نے مدینہ طیبہ میں علم پھیلا ہوا دیکھا ہے اگر کوئی سمیٹ سکتا ہے تو یہ سرخ و سفید لڑکا ہے یعنی امام مالک۔

ظاہر ہے کہ یہ بات امام اعظم نے امام مالک کے بارے میں اس وقت کہی ہے جب کہ عمر چودہ پندرہ سال ہے۔ اس وقت لامحالہ امام اعظم کی عمر پچیس سال کی ہوتی ہے گویا یہ بات امام اعظم نے 105ھ میں فرمائی ہے اور میں پہلے بتا چکا ہوں کہ یہی سال امام اعظم کے اسفار طلبیہ کا پہلا سال ہے۔ خود امام مالک' امام ابو حنیفہ کا بے حد اکرام کرتے تھے اور اکرام اس لیے نہیں کرتے تھے کہ عمر حدیث میں امام اعظم کا نمایاں مقام :۔ امام اعظم کی علمی رحلتوں سے یہ بات روزروشن کی طرح واضح ہے کہ امام موصوف نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوام وافعال کی شیفتگی اور آپ کی حدیثوں کے فراہم کرنے میں محنت اور جانفشانی اس وقت کی جب کہ ابھی تدوین حدیث یعنی تاریخ سنت کی صبح صادق ہی ہوئی تھی اور اس کے لیے کوفہ' کوفہ سے باہر جو تگ و دو کی ہے اس کا اندازہ امام صاحب کے اساتذہ سے ہو سکتا ہے۔

امام اعظم کوفہ سے باہر تلاش حدیث کے لیے اس وقت تشریف لے گئے جب کہ پہلے اپنے گھر کی تمام حدیثیں سمیٹ چکے تھے اور کوفہ میں پھیلا ہوا سارا علمی سرمایہ آپ کی ذات گرامی میں جمع ہو چکا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن القیم الجوزی نے مشہور محدث یحیٰی بن آدم کے حوالے سے لکھا ہے۔

کان نعمان قد جمع حدیث بلدہ کلہ

اور علمی سفروں سے فراغت کے بعد بھی بایں وسعت نظر ہمیشہ اس بات کے متلاشی رہتے تھے کہ کوفہ میں کوئی نامور محدث آئے تو اس کی محدثانہ معلومات سے اپنے علم میں اضافہ کریں۔

چنانچہ مشہور محدث امام النضر بن محمد مروزی جو امام عبداللہ بن المبارک کے گہرے دوست ہیں فرماتے ہیں۔

لم ار رجلا الزم للاثر من ابی حنیفة قدم علینا یحیی بن سعید' ہشام بن عروة و سعید بن ابی عروبة فقال لنا ابو حنیفة انظروا اتجدون عند ھولاء شیئا نسمعه

"میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ حدیث سے وابستہ کوئی نہیں دیکھا ہے۔ ایک بار کوفہ میں یحییٰ بن سعید' ہشام بن عروہ اور سعید بن عروبہ تشریف لائے تو ہم سے امام صاحب نے فرمایا دیکھو ان حضرات کے پاس کوئی حدیث ایسی ہے جو ہم سنیں"۔[1]

اس کا مفہوم اس کے سوا اور کیا ہے کہ اگرچہ مستقل طور پر آپ تکمیل حدیث بصرہ' مکہ' مدینہ اور کوفہ کے اساتذہ سے کر چکے تھے اور تکمیل کے بعد مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے تھے لیکن گاہ گاہ دوسرے شیوخ حدیث بھی سے استفادہ اس خیال سے کرتے تھے کہ ممکن ہے ان کے علمی سرمایہ میں کوئی چیز ایسی ہو جو ہمیں معلوم نہ ہو۔ امام النضر بن محمد نے جو نام بتائے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی یہ تلاش و جستجو ان اساتذہ فن حدیث تک ہوتی تھی جو فن روایت اور جمع حدیث میں ممالک اسلامیہ کے اندر شہرت علمی کے مدارج طے کر چکے تھے۔ اس کا صحیح اندازہ حافظ عبدالعزیز بن ابی رزمہ کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے جو حافظ حارثی نے داؤد بن ابی العوام کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

"عبدالعزیز بن ابی رزمہ نے ایک بار امام ابو حنیفہ کے علم کا تذکرہ چھیڑا اور اسی سلسلے میں یہ بھی بتایا کہ ایک بار کوفہ میں محدث آئے تو امام ابو حنیفہ اپنے اصحاب سے فرمانے لگے دیکھو تو ان کے پاس حدیث میں کوئی ایسی چیز ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے عبدالعزیز فرماتے ہیں دوبارہ ایک اور محدث ہمارے پاس آئے آپ نے پھر اپنے اصحاب سے یہی فرمایا"۔[2]

حافظ ابن ابی العوام قاضی مصر نے امام ابو یوسف کے حوالہ سے امام اعظم کے دستور کا ضابطہ یہ بتایا ہے کہ:

"امام اعظم کے سامنے جب کوئی بھی مسئلہ درپیش آتا تو اپنے اصحاب سے سب سے پہلے یہ فرماتے بتاؤ اس موضوع پر احادیث و آثار کیا کہتی ہیں"۔[3]

ان تصریحات سے ایک معمولی فہم کا آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ امام اعظم نہ صرف حدیث کے وافر ذخیرے اور تاریخ السنۃ کے عظیم الشان ذخیرے کے مالک تھے بلکہ مقام اجتہاد پر فائز ہونے اور باوجود تمام علمی پہنائیوں کے آپ ارشادات کے جویا رہتے تھے اور اپنے اصحاب کو ہر نووارد محدث کے علوم سے خوشہ چینی کی ہدایت فرماتے تھے اور اس دعوے کے ساتھ فرماتے کہ دیکھو شاید ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہو جو ہمیں معلوم نہ ہو۔ اس سے اس طلب و جستجو کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جو قدرت کی بخشائشوں نے امام صاحب میں ودیعت فرمائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات گرامی کو اپنے زمانے میں ان تمام احادیث کے لیے جن کا تعلق احکام و فقہ اور اجتہاد سے ہے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ مشہور مورخ خطیب بغدادی حافظ اسرائیل بن یونس کے حوالہ سے رقمطراز ہیں۔

نعم الرجل نعمان ماکان احفظہ لکل حدیث فیہ فقہ۔

گویا وقت کے حفاظ حدیث اس معاملے میں امام اعظم کے علمی جلال کا لوہا مانتے تھے اور صرف اسرائیل بن یونس ہی نہیں بلکہ یگانے اور بیگانے امام صاحب کے بارے میں یہی تاثر رکھتے تھے حافظ محمد بن یوسف الصالحی شافعی مولف السیرۃ الکبری اپنی مشہور کتاب عقود الجمان میں رقمطراز ہیں:

"امام ابو حنیفہ کبار حفاظ اور ناموروں میں سے تھے اگر آپ کی علمی توجہ کا مرکز حدیث نہ ہوتی تو مسائل فقیہ کا استنباط ہی ممکن نہ تھا"۔

فی زمانہ جب کہ حدیث و رجال کی بے شمار کتابیں مرتب و مدون ہو چکی ہیں علمی کام کرنے والوں کے لئے جتنی دشواریاں پیش آتی ہیں ان کا اظہار لفظوں میں دشوار ہے ان مشکلات سے وہی بخوبی واقف ہیں جو اس راہ پر چلتے ہیں اور اس وقت جب کہ فن حدیث کا کوئی اصول مقرر نہیں ہوا تھا اور واضعین نے حدیثیں گھڑ گھڑ کر کرنا شروع کر دی تھیں اس وقت تدوین کا کام انتہائی دشوار تھا۔ عقیلی نے بالسند حماد بن زید سے روایت کیا ہے کہ زنادقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بارہ ہزار حدیثیں وضع کیں ابن عدی نے جعفر بن سلیمان سے روایت کیا ہے کہ مہدی کہا کرتا تھا کہ میرے سامنے ایک زندیق نے اقرار کیا ہے کہ اس نے چار سو حدیثیں وضع کی ہیں جو لوگوں میں رائج ہیں۔ ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ ہارون الرشید کے سامنے ایک زندیق لایا گیا اس نے اس کے قتل کا حکم دیا اس نے کہا اے امیر المومنین آپ ان چار ہزار حدیث کا کیا کریں گے جو میں نے وضع کیا ہیں اور جس میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام کہا ہے حالانکہ ان میں حضورؐ کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ رشید نے جواب دیا' اے زندیق کیا تو عبداللہ بن

مبارک اور ابن اسحق النواری کو بھول گیا وہ اس کا ایک ایک حرف نکال کر پھینک دیں گے۔

یہ واضعین حدیث محض دنیاوی منفعت کے لیے بے سروپا باتیں ہانکا کرتے تھے جس طرح ہمارے زمانہ کے واعظ قسم کے علماء خدا اور خوف آخرت سے نڈر ہو کر بے سروپا باتیں کہا کرتے ہیں۔ اس قسم کی دیدہ دلیری کے عجیب غریب واقعات قرون ماضیہ میں بکثرت ملتے ہیں۔ موضوعات کبیر میں ملا علی قاری نے بیان کیا ہے۔

"امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے مسجد رصافہ میں نماز پڑھی ایک قصہ گو ان کے سامنے کھڑا ہوا اور کہنے لگا ہم سے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے عبدالرزاق عن معمر عن قتادہ کے واسطے سے انس سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جو شخص لاالہ الااللہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہر کلمہ سے ایک پرندہ پیدا فرماتا ہے جس کی چونچ سونے کی اور پر مرجان کے ہوتے ہیں پھر اس نے ایک لمبا قصہ بیس ورق کے قریب بیان کیا احمد بن حنبل یحییٰ بن معین کی طرف دیکھنے لگے یحییٰ بن معین نے احمد بن حنبل سے دریافت کیا' کیا تم نے یہ حدیث بیان کی ہے؟ امام احمد نے جواب دیا۔ خدا کی قسم میں نے یہ حدیث سنی بھی اسی وقت ہے جب وہ قصہ گو فارغ ہو چکا تو یحییٰ بن معین نے اشارہ سے بلایا اور دریافت کیا' تم نے یہ حدیث کس سے سنی ہے اس نے کہا یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل سے' یحییٰ بن معین نے کہا۔ میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں کہیں یہ حدیث نہیں سنی۔ اگر تجھے جھوٹ بولنا تھا تو ہمارے علاوہ کسی اور پر جھوٹ بولتا اس نے کہا کیا تم یحییٰ بن معین ہو؟ یحییٰ نے جواب دیا ہاں! وہ بولا کہ میں ہمیشہ سنا کرتا تھا کہ یحییٰ بن معین احمق ہیں اور اس وقت اس کی تصدیق ہو گئی یحییٰ نے کہا تو نے کیسے سمجھ لیا کہ میں احمق ہوں اس نے جواب دیا۔ گویا دنیا میں کوئی تمہارے علاوہ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل نہیں ہے میں نے تو سترہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے روایت لکھی ہے۔"

اس قسم کی بے باکی اور دیدہ دلیری دنیا دار واعظوں کے یہاں اس وقت بھی بکثرت ہے اور پہلے زمانہ میں بھی بکثرت تھی' لیکن اسی ماحول میں دین کا کام ہوا سب سے پہلے عمرو بن عبدالعزیز نے باقاعدہ تدوین حدیث کی مہم کو چلایا تھا۔ اس وقت ایک مجتہد کے لیے جو قانون اسلام مدون کرنے جا رہا ہو کتنی دشواریاں پیش آئی ہوں گی اس کو ان کا دل و جگر ہی

خوب جانتا ہو گا۔ اصول مقرر کرنا، پھر ان اصولوں کا اجراء ایک طرف کتاب اللہ اور دوسری طرف سنت نبوی کا ذخیرہ، تیسری طرف قیامت تک کے لیے اسلامی قانون کی تدوین اور وہ بھی کسی ایک خطہ یا ملک کے لیے نہیں پوری دنیا کے لیے مہد سے لحد تک کے قانون کو مرتب کرنا واقعی کار شیشہ و آہن کی حکایت ہے ان حالات میں امام صاحب نے اعلان کیا تھا:

"میں پہلے کتاب اللہ اور سنت نبوی پر عمل کرتا ہوں جب کوئی مسئلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی میں نہ ملے تو میں صحابہ کرام کے اقوال پر عمل کرتا ہوں اس کے بعد دوسروں کے فتاوی اور اقوال میرے نزدیک ہرگز قابل اعتنا نہ ہوں گے اس لیے کہ وہ بھی رجال ہیں اور ہم بھی آپ نے فرمایا حتی کہ امام شعبی، ابراہیم نخعی، ابن سیرین، عطاء، سعید بن مسیب یہ سب اجتہاد کرتے تھے ہم بھی اجتہاد کریں گے"۔

اس بیان میں امام صاحب نے وہی بات بیان فرمائی ہے جو معاذ بن جبل نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کی تھی۔ امام صاحب نے فرمایا:

"میرے قول کو حدیث شریف اور قول صحابہ کے سامنے رد کر دو اور جو حدیث ثابت ہے وہی میرا مسلک ہے"۔

لہذا یہ غلط ہے کہ امام صاحب صرف قیاس یا رائے سے ہی کام لیتے تھے بلکہ وہ بحد ممکن احادیث اور نصوص شرعیہ سے استفادہ کرتے تھے۔

كان ابوحنيفة شديد الفحص عن الناسخ وللمنسوخ من الحديث فيعمل بالحديث اذاثبت عنده عن النبى صلى الله عليه وسلم و عن اصحابه و كان عارفا بحديث اهل الكوفة۔

"امام صاحب حدیث میں ناسخ و منسوخ کی بہت چھان بین کیا کرتے تھے اس کے بعد جب کوئی حدیث رسول اللہ صلعم اور آپ کے اصحاب سے ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تو اس پر عمل کرتے تھے وہ اہل کوفہ کی احادیث سے بخوبی واقف تھے۔

ایک مجتہد کے لیے یہی لازم ہے کہ وہ آیات و احادیث میں ناسخ و منسوخ کا اعتبار کرے اگر کسی نے احادیث کے

قوت و ضعف کو نظر انداز کر دیا تو وہ احکامات شرعیہ کو متصادم کر دے گا۔ احادیث کے متعلق یہ اصول تو ائمہ حدیث کے یہاں بھی ملتا ہے صحاح ستہ کے مصنفین نے اپنے اپنے اصول کے مطابق احادیث کو قبول کیا ہے ان میں سے بعض متشدد ہیں اور بعض میں نرمی ہے امام بخاری اس راوی کی حدیث کو نہیں قبول کرتے جو ایمان میں زیادتی اور نقصان کا عقیدہ نہ رکھتا ہو اسی طرح امام نسائی سب سے زیادہ متشدد ہیں غرض کہ اختیار حدیث کے معاملہ میں محدثین خود آپس میں مختلف ہیں۔ امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد امام نسائی سب مختلف ہیں اور محدث ابن الجوزی کی راہ تو ان سب سے علیحدہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں

ربما ادرج فیھا الحسن و الصحیح مما احد الصحیحین فضلا عن غیرھما۔

ترجمہ:۔ ابن الجوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری و مسلم میں موجود ہیں موضوعات میں شمار کر لیا ہے دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

لہٰذا امام صاحب نے بھی اختیار حدیث کے لیے جو ضابطے مقرر فرمائے ہیں ان سے کیوں چراغ پا ہوا جاتا ہے جب کہ امام صاحب اتنے متشدد بھی نہیں ہیں بلکہ انہوں نے نہایت واضح طور پر فرما دیا ہے۔

"یہ ہماری رائے ہے ہم کسی کو اس پر مجبور نہیں کرتے اور نہ ہی کہتے ہیں کہ اس کا قبول کرنا واجب ہے"۔۔۔"

(55) مرجوعات ابی حنیفہ

یہ امر مسلم ہے کہ انسان کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے چنانچہ سائنس دانوں نے زمین و آسمان اور خلا' عدم خلا نیز اجرام فلکیہ کے متعلق جو رائے اب سے چند سال پہلے ظاہر کی تھی وہ اب نہیں ہے اسی طرح مسند افتاء پر کام کرنے والوں کے متعلق عوارضات پیش آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے انہیں اپنے آراء اور فتاوی کو بدلنا پڑتا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اب سے چند سال پیشتر فرنگیوں کے ابتدائے دور حکومت میں ان کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے انگریزی تعلیم حاصل کرنا حرام تھا لیکن بعد میں جائز قرار دے دیا گیا ایسے ہی تحریک آزادی اور ترک موالات کے ایام میں سرکاری ملازمتوں کو حرام قرار دے دیا گیا تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا گیا ایسے

ہی شاہی دور حکومت میں اردو میں قرآن پاک کا ترجمہ کرنا جائز نہیں تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا گیا۔ ایسے ہی پہلے لاؤڈ اسپیکر پر اذان' نماز وغیرہ پڑھنا جائز نہیں تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا۔ پہلے ریڈیو کی خبر پر رویت ہلال تسلیم نہیں کی جاتی تھی مگر اب تسلیم کرنے لگے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آئندہ کیا کیا تبدیلیاں ہوں۔

ان تمام چیزوں کا پس منظر اگر ملاحظہ فرمایا جائے گا تو چند چیزیں سامنے آئیں گی (1) بدلتے ہوئے حالات (2) بدلتے ہوئے عادات (عرف) (3) علوم نبوت کی معلومات میں اضافہ (4) ضروریات انسانیہ و حوائج اور عموم بلوی وغیرہ ذالک

ان ہی چیزوں سے امام صاحب کو بھی واسطہ پڑا' پھر تدوین فقہ کا کام ایک دن کا تو تھا نہیں کہ جس کا نزول یکبارگی ہو جاتا بلکہ برسوں جاری رہا اور اسی کام کے ساتھ تتبع و تلاش جدوجہد کی وجہ سے معلومات روایات و اصول شرعیہ میں بھی اضافہ ہوا اور اسی کے ساتھ ساتھ حالات اور عادات انسانیہ میں بھی تبدیلی ہوئی جس کی وجہ سے امام صاحب سے مختلف مسائل میں متعدد اقوال مروی ہیں اور امام شافعی صاحب کا تو یہ عالم ہے کہ ان کا پورا فقہ دو قول (قول جدید اور قول قدیم) سے بھرا پڑا ہے اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

سطور ذیل میں ایک نقشہ کے ذریعہ حضرت امام اعظم کے مرجوعات کے جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اگرچہ تمام مرجوعات کا احصار میرے حد امکان سے باہر رہا ہے تاہم جو کچھ بھی ہے حاضر ہے ان مرجوعات سے جہاں امام صاحب کے ارتقائے حیات' زہد و تقویٰ اور محتاط روی کا اندازہ ہو گا وہاں میرے معاصرین اور آنے والے اہل افتاء کے لیے بھی راہ کھلے گی اور اس سے روشنی پائیں گے اور روایت مرجوع پر فتویٰ دینے سے محفوظ رہیں گے۔ انشاء اللہ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

فہرست مرجوعات ابی حنیفہ

نمبر شمار	عنوان	اقوال قدیم	ما رجع الیہ	کس کے قول کیطرف رجوع کیا	ماخذ
۱	طہارت	ربع داڑھی کا مسح واجب	کل داڑھی کا مسح واجب	امام محمد صاحب	البدائع و فتح القدیر
۲	״	جراب پر مسح جائز نہیں	جائز ہے	صاحبین	״ ״
۳	״	جبیرہ پر مسح مستحب	واجب	چنانچہ مرض وفات میں خود بھی مسح کیا	الدر المختار، خلاصہ، فتح القدیر، البدائع
۴	״	نبیذ تمر سے وضو جائز ہے	جائز نہیں تیمم کرنا چاہیے	صاحبین	البدائع و فتح القدیر
۵	صلوۃ	فارسی میں قرأۃ جائز ہے	جائز نہیں ہے	صاحبین	ہدایہ
۶	״	میت کی ام ولد اس کو غسل دے سکتی ہے	نہیں دے سکتی	امام زفر	البدائع
۷	زکوٰۃ	مضارب سے عاشر زکوٰۃ لے سکتا ہے	نہیں لے سکتا	صاحبین	ہدایہ
۸	״	عبد ماذون سے عاشر زکوٰۃ لے سکتا ہے	״ ״	״	فتح القدیر
۹	صوم	اکرہ حتی الجماع پر قضا اور کفارہ ہے	صرف قضا ہے	صاحبین	فتح القدیر
۱۰	״	صرف [illegible] نذر منعقد ہو جائیگی لیکن کفارہ نہیں ہوگا	کفارہ ہوگا	وفات سے سات دن پیشتر رجوع کیا	״
۱۱	طلاق	انکار حمل سے لعان نہیں	لعان ہے بشرطیکہ بوقت وضع حمل ۶ ماہ مہینے سے کم ہو	امام محمد صاحب	فتح القدیر
۱۲	یمین	کسی نے قسم کھائی کہ سری نہ کھائیگا تو اسکا اطلاق گائے اور بکری کی سری پر ہوگا	صرف بکری کے سر پر ہوگا۔ یہ اختلاف زمان کی وجہ سے ہوا اب بھی عرف کو دیکھا جائے گا	صاحبین	فتح القدیر

نمبر شمار	عنوان	اقوال قدیم	ما رجع الیہ	کس کے قول کی طرف رجوع کیا	ماخذ
۱۳	عتق	اگر باپ (غلام) کو خریدا اور خریدتے وقت کفارہ کی نیت کی تو کفارہ ادا نہ ہوگا	کفارہ ادا ہو جائیگا	صاحبین	ہدایہ
۱۴	حد	مکرہ پر حد زنا جاری ہوگی	جاری نہ ہوگی	صاحبین	البدائع
۱۵	"	اگر کسی پر چار گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے فلاں غائبہ سے زنا کیا ہے تو حد زنا جاری نہ ہوگی۔	جاری ہوگی	"	فتح القدیر
۱۶	"	حربی جو امن لیکر دار الاسلام میں آیا اور اسنے کسی مسلمان پر قذف کیا تو اس پر حد قذف جاری نہ ہوگی	"	"	ہدایہ
۱۷	"	دو آدمیوں نے چوری کی اور اس پر شہادت قائم ہوگئی لیکن ایک غائب تھا تو دوسرے آدمی پر حد سرقہ جاری نہ ہوگی۔	"	"	فتح القدیر
۱۸	حج	صدقہ نفلی حج سے افضل ہے	حج افضل ہے	"	الاشباہ
۱۹	مضاربت	اگر راس المال میں اختلاف ہو تو قول رب المال کا معتبر ہے	مضارب کا معتبر ہے	"	ہدایہ
۲۰	اجارہ	اجرت کا مستحق منزل مقصود پر پہنچانے کے بعد ہوگا۔	ہر منزل پر ہوگا	"	"
۲۱	بیع	بیع مالم یرمیں بائع کا اختیار باقی رہتا ہے	ختم ہو جاتا ہے	"	"

تلاش بسیار کے بعد یہ چند مرجوعات پیش ہیں کل کا احصار میری قدرت سے باہر ہے اگر اور بھی ہوں تو اس سے انکار نہیں۔

(56) فقہ حنفی کے ثبوت میں احادیث و آثار

جماعت اہل حدیث کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ فقہ حنفی کے بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے نہیں ہے اور نہ ان مسائل کو ثابت کرنے کے لیے احناف کے پاس کوئی حدیث ہے۔ اس لیے ہم ان مسائل کے متعلق احادیث بیان کرتے ہیں' جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے ثبوت میں کوئی حدیث نہیں ہے' تاکہ یہ امر واضح ہو جائے کہ فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کے ثبوت میں حدیث نہ ہو اور کوئی ایک مسئلہ بھی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

ہمارا ہرگز یہ دعوی نہیں کہ دوسری جانب حدیث نہیں ہے اور نہ ہم اس جگہ راجح مرجوح سے بحث کریں گے بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ احناف ہرگز غلط راہ پر نہیں ہیں۔ ان کے پاس مسائل کو ثابت کرنے کے لیے احادیث اور آثار صحابہؓ ہیں۔

مسئلہ نمبر1:- امام کے پیچھے مقتدی کسی نماز میں بھی خواہ جہری ہو یا سری نہ الحمد پڑھے اور نہ سورت۔

حدیث نمبر1:-

عن ابی موسی و ابی ہریرۃ قال' قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیوتم بہ فاذاکبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا واذاقال سمع اللّٰہ لمن حمدہ فقولوا اللهم ربنا لک الحمد۔۔۔"

"حضرت ابوموسی اشعری اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ پس جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرات کرے تو تم خاموش رہا کرو اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہا کرو۔" اس حدیث کو مسلم' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

حدیث نمبر2:-

عن جابر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من کان له امام فقراءة الامام له قراءة۔

"حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی قرات گویا اس شخص کی قرات ہے۔" روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

حدیث نمبر3:۔

عن حارث عن علی قال سئال رجل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اقرا خلف الامام او انصت قال لابل انصت فانه یکفیک۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ امام کے پیچھے میں قرات کروں یا خاموش رہوں؟ آپؐ نے فرمایا خاموش رہو۔" روایت کیا اس کو بیہقی نے۔

حدیث نمبر4:۔

عن ابی حمزۃ قال قلت لابن عباسؓ اقراء والامام بین یدی فقال لا۔

"ابو حمزہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ امام کے پیچھے کچھ پڑھوں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔" روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

حدیث نمبر5:۔

عن زرارہ بن اوفی عن عمران بن حصین قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینھی عن القراۃ خلف الامام۔

"حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرات خلف الامام سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (روایت کیا بیہقی نے۔ کتاب القراۃ میں)

حدیث نمبر6:۔

عن عبداللّٰہ بن زید بن اسلم عن ابیه قال کان عشرۃ من اصحاب رسول اللّٰہ صلی

اللہ علیہ وسلم ینھون عن القراۃ خلف الامام اشد النھی ابوبکر الصدیق و عمر الفاروق و عثمان بن عفان وعلی بن ابی طالب و عبدالرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص و عبداللہ بن مسعود و زید بن ثابت و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم

زید بن اسلم سے مروی ہے کہ دس بڑے صحابہ جن کے نام حسب ذیل ہیں :۔

"ابوبکر صدیق و عمر الفاروق و عثمان بن عفان و علی بن ابی طالب و عبدالرحمان بن عوف و سعد بن ابی وقاص و عبداللہ بن مسعود و زید بن ثابت و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم"۔

"قرات خلف الامام سے سختی سے منع فرماتے تھے اس کو شارح عینی نے کتاب الاسرار سے نقل کیا ہے"۔(۱۰)

اب رہی حدیث :

لاصلوۃ لمن لم یقراء بفاتحۃ الکتاب (۱۱)

"بغیر فاتحہ الکتاب (الحمد) کے نماز نہیں ہوتی۔

یہ اس شخص کے لیے ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو نہ مقتدی کے لئے۔ چنانچہ ابوداؤد نے حضرت سفیان سے جو بہت بڑے محدث ہیں یہی معنی نقل کئے ہیں۔ قال سفیان ھذا لمن یصلی وحدہ(۱۲) یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو تنہا نماز پڑھے اور اس کی تائید اس حدیث ترمذی سے بھی ہوتی ہے :۔

عن ابی نعیم وھب بن کیسان انہ سمع جابر بن عبداللہ یقول من صلی رکعتہ لم یقرأفیھا بام القران فلم یصل الاوراء الامام۔ (ھذا حدیث حسن صحیح ترمذی)(۱۳)

"ابونعیم وہب بن کیسان سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ صحابی سے سنا کہ جو کوئی ایک رکعت بھی ایسی پڑھے جس میں الحمد نہ پڑھی ہو تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ بجز اس صورت کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔" اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر2:۔ رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ میں کرے پھر نہ کرے۔

حدیث نمبر1:۔

عن علقمہ قال' قال عبداللہ بن مسعود الااصلی بکم صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الااول مرۃ و فی الباب عن براء بن عاذب حدیث ابن مسعود حدیث حسن

"حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھاؤں' پھر نماز پڑھائی اور صرف اول بار میں یعنی تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کیا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس حدیث کو حسن کہا ہے۔"

حدیث نمبر2:۔

عن براء ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود

"حضرت براء بن عاذب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک رفع یدین کرتے اور پھر نہ کرتے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

مسئلہ نمبر3:۔ آمین جہری نماز میں بھی آہستہ کہے۔

عن علقمہ ابن وائل عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قراء غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقال آمین خفض بہا صوتہ

"علقمہ ابن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیہم و لا الضالین پڑھ کر پست آواز سے آمین فرمائی۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

اور عینی میں ہے کہ اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد طیالسی اور ابو یعلی موصلی اپنے مسانید میں اور طبرانی اپنے معجم میں اور دار قطنی اپنے سنن میں اور حاکم اپنے مستدرک میں ان لفظوں سے لائے ہیں۔ واخفی بہا صوتہ یعنی پوشیدہ آواز سے آمین فرمائی اور حاکم کتاب القراۃ میں لفظ خفض لائے ہیں اور حاکم نے اس حدیث کی نسبت یہ بھی کہا

ہے کہ صحیح الاسناد ولم یخرجاہ یعنی اس کی سند صحیح ہے اور پھر بھی بخاری و مسلم اس کو نہیں لائے۔

مسئلہ نمبر4:۔ قیام میں ہاتھ زیر ناف باندھے

حدیث نمبر1:۔

عن ابی حجیفة ان علیا قال من السنة وضع الکف علی الکف فی الصلوة تحت السرة۔

"ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہتھیلی پر ہتھیلی رکھی جائے۔" (ابوداؤد)

ابووائل سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ ہاتھ کا پکڑنا ہاتھ سے نماز کے اندر ناف کے نیچے ہے۔ (ابوداؤد)

حدیث نمبر2:۔

عن ابی حجیفه ان علیا قال السنت وضع الکف فی الصلوة ولیضعهاتحت السرة۔

"حضرت ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ سنت طریقہ نماز میں ہاتھ باندھنا ہے اور اس کو ناف کے نیچے رکھا جائے۔ (روایت رزین ص 216 کتاب الصلوۃ)

مسئلہ نمبر5:۔ عدم جلسہ استراحت یعنی پہلی اور تیسری رکعت سے جب اٹھنے لگے تو سیدھا کھڑا ہو جائے بیٹھے نہیں۔

حدیث نمبر1:۔

عن ابی ہریرة قال کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ینهض فی الصلوة علی صدور قدمیه قال ابوعیسیٰ حدیث ابی ہریرہ علیه العمل عنداہل العلم۔

"حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں پر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا کہ اہل علم کا اس پر عمل ہے۔"

مسئلہ نمبر6:۔ جماعت میں شامل ہونے سے جس شخص کی سنت فجر رہ جائے وہ آفتاب نکلنے کے بعد پڑھے۔

حدیث :-7

عن ابی ہریرۃ قال قال رسو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھما بعد ماتطلع الشمس۔

"حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دو رکعت سنت نہ پڑھی وہ ان دونوں کو بعد آفتاب نکلنے کے پڑھے۔ ترمذی)

مسئلہ نمبر7:- وتر میں تین رکعت ہیں اور دو رکعت پر سلام نہ پھیرے لیکن دو رکعت پر التحیات کے لئے قعدہ کرے اور دعاء قنوت رکوع سے قبل پڑھے اور قنوت سے پہلے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر اللہ اکبر کہے۔

حدیث نمبر1:-

عن ابی بن کعب قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقراء فی الوتر بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیۃ بقل یاایھا الکافرون و فی الثالثۃ بقل ھواللہ احد ولا یسلم الافی اخرھن۔

"ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم دوسری میں قل یا ایہا کافرون تیسری میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے اور دو رکعت پر سلام نہ پھیرتے تھے بالکل اخیر میں پھیرتے تھے۔"

حدیث نمبر2:-

عن ابی بن کعب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر بثلث رکعات و فیہ و یقنت قبل الرکوع۔

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعت پڑھتے تھے اور قنوت قبل رکوع پڑھتے تھے۔"

حدیث نمبر3۔ عن عائشہ فی حدیث طویل کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی کل رکعتین التحیۃ۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے تھے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

صحیح مسلم کی روایت میں لفظ فی کل رکعتین اپنے عموم کے اعتبار سے وتر کی رکعتیں کو شامل ہونے میں نص صریح ہے۔

حدیث نمبر 4:۔

اخرج بیہقی وغیرہ عن ابن عمرو ابن مسعود رفع الیدین مع التکبیر فی القنوت۔(4)

"بیہقی وغیرہ نے حضرت ابن عمر اور ابن مسعود سے قنوت میں اللہ اکبر کے ساتھ رفع یدین کرنا روایت کیا ہے۔" (عمدۃ الرعایا)

مسئلہ نمبر 8:۔ تین طلاقیں ایک ساتھ دی جائیں تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی اور عورت مغلظہ مغلظہ ہو جائے گی۔

حدیث نمبر 1:۔

عن ابن عمر فقلت یا رسول اللہ ارایت لو طلقتها ثلاثه اکان یحل لی ان ارجعها فقال له کانت تبین منک و کانت معصیة۔(1)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں اپنی عورت کو تین طلاق دوں تو رجوع جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں عورت تجھ سے الگ ہو جائے گی اور تو گناہگار ہو گا۔"

حدیث نمبر 2:۔ عویمر عجلانی کی طویل حدیث جس کو امام بخاری نے باب من جوز الطلاق الثلاث میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے اخیر میں ہے۔

فلما فرغا قال عویمر کذبت علیها یا رسول اللہ ان امسکتها فطلقها ثلاثه قبل ان یامره رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیه وسلم۔(2)

"پس جب دونوں عویمر اور ان کی بیوی لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر نے کہا کہ اگر میں اس کو

اپنے پاس روک لوں تو جھوٹا ہوں پھر انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس سے پہلے کہ رسول اللہ اس کو حکم دیں۔"

حضرت عویمرؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں۔ آپؐ نے اس پر نہ انکار کیا اور نہ یہ فرمایا کہ تین طلاقیں دینا لغو ہے بلکہ آپؐ نے تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

حدیث نمبر3:۔

عن ابن شهاب عن سهل قال و طلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فانفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (62)

یعنی حضرت سہل نے کہا جب عویمر نے تین طلاقیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیں تو حضور اقدس نے ان کو نافذ فرما دیا۔ (ابوداؤد)

حدیث نمبر 4:۔

عن عائشه ان رجلا طلق امراته ثلاثه فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللہ علیه وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول۔ (63)

"حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر اس نے دوسرے مرد سے نکاح کیا۔ پھر اس نے بھی (قبل جماع) طلاق دے دی۔ پھر حضورؐ سے پوچھا گیا اب یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہے آپؐ نے فرمایا نہیں جب تک دوسرا بھی اس طرح کا مزہ نہ چکھ لے جس طرح پہلے نے چکھا تھا۔"

حدیث نمبر5:۔

ان رجلا جاء الی عبدالله بن مسعود فقال انی طلقت امراتی ثمانی تطلیقات فقال ابن مسعود فماقیل لک قال قیل لی انها قد بانت منک فقال ابن مسعود صدقوا هو مثل مایقولون۔ (64)

"ایک شخص حضرت عبداللہ ابن مسعود کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دی ہیں۔ ابن مسعود نے فرمایا اس کے بارے میں تم سے کیا کہا گیا ہے اس نے جواب دیا مجھ سے کہا گیا کہ وہ عورت تجھ سے جدا ہو گئی۔ انہوں نے فرمایا لوگوں نے سچ کہا یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسا لوگ کہتے ہیں۔"

اس حدیث سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود کا فتویٰ یہی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت تمام اہل کوفہ یہی فتوے دیتے تھے۔

حدیث نمبر6:۔ نعمان بن ابی عیاش انصاری عطا بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے اس شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھنے کے لئے آئے جو اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے چکے تھے:

حضرت عطا کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر میں نے کہا کہ باکرہ کی طلاق تو ایک ہے۔

فقال لی عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص انما انت قاص الواحدۃ تبینہا والثلاث تحریمہا حتی تنکح۔ زوجا غیرہ

"پس عبداللہ بن عمرو بن العاص نے مجھ سے کہا کہ تم محض قصہ گو ہو۔ ایک طلاق اس کو جدا کر دے گی اور تین طلاقیں اس کو حرام کر دیں گی جب تک کہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے"۔

حدیث نمبر7:۔ محمد بن ایاس بکر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے دیں پھر اس کی رائے ہوئی کہ اس سے نکاح کر لے وہ فتویٰ لینے کے لیے آیا اور میں اس کے ساتھ گیا۔

فسئل عبداللّٰہ بن عباسؓ ابا ھریرۃ عن ذالک فقالا لانری ان تنکح زوجا غیرک قال فانما کان طلاقی واحدۃ فقال ابن عباس انک ارسلت ماکان لک من فضل۔

"پس حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ نے کہا تم اس سے اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتے جب تک وہ تمہارے سوا کسی دوسرے سے نکاح کرے اس نے کہا میں نے دراصل اس کو ایک طلاق دی تھی۔ ابن عباس نے کہا نہیں جو اختیار تھا تم نے اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔"

حدیث نمبر 8:-

ان رجلا قال لعبد اللہ بن عباس انی طلقت امراتی مائۃ تطلیقۃ فما ذا تری علی
فقال لہ ابن عباس طلقت' منک بثلاث سبع و تسعون اتخذت بھا ایات اللہ
ھزوا۔

"ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں' آپ
کے خیال میں مجھ پر کیا چیز عائد ہوتی ہے؟ آپ نے کہا وہ تین طلاقوں کے ذریعہ تجھ سے آزاد ہو
گئی اور ستانویں طلاقوں کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیتوں سے استہزا کیا۔

حدیث نمبر 9:-

عن مالک بن الحارث قال جاء رجل الی ابن عباس فقال ان عمی طلق امراتہ ثلاثہ
فقال ان عمک عصی اللہ فاثم اللہ واطاع الشیطان فلم یجعل لہ مخرجا۔

"حضرت مالک ابن حارث نے کہا ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آئے اور کہا کہ میرے چچا
نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں' کہا کہ تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت
کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی۔ (طحاوی)

حدیث نمبر 10:-

عن انس قال لاتحل لہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ

"حضرت انس نے تین یکجائی طلاقوں کے بارے میں فرمایا اس کے لیے حلال نہیں ہے جب تک
وہ دوسرے سے نکاح نہ کرے۔"

حدیث نمبر 11:-

روی وکیع عن الاعمش عن ابی حبیب عن ابی ثابت قال جاء رجل الی علی ابن
ابی طالب فقال انی طلقت امراتی الفا فقال لہ علی بانت منک بثلاث۔

"حضرت ابو ثابت سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی

بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں آپ نے فرمایا وہ تین طلاقوں سے بائن ہو گئی۔ (معانی الآثار طحاوی)

حدیث نمبر12:-

روی وکیع ایضا عن معاویه ابن ابی یحیی قال جاء رجل الی عثمان بن عفان فقال طلقت الفا فقال بانت منک بثلاث۔

"حضرت وکیع نے معاویہ بن یحیٰی سے یہ بھی روایت کیا ہے ایک شخص حضرت عثمان بن عفان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ انہوں نے کہا وہ تین طلاقوں سے جدا ہو گئی۔" (معانی الآثار طحاوی)

حدیث نمبر13:-

قال اللیث عن نافع کان ابن عمر اذا سئل عن طلق ثلاثا قال لو طلقت مرة او مرتین فان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم امرنی بهذا فان طلقتها ثلثا حرمت حتی تنکح زوجا غیرک۔

"حضرت ابن عمر سے جب تین طلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک یا دو طلاق دینی چاہیے' کیونکہ آنحضرتؐ نے مجھ کو ایسا ہی حکم دیا تھا اور جب تم نے تین طلاق دیں تو وہ عورت اب حرام ہو گئی جب تک کہ دوسرے سے نکاح نہ کرے۔" (بخاری شریف)

حدیث نمبر14:-

وکان عبداللّٰہ اذا سئل عن ذالک قال لاحدهم اما انت طلقت امراتک مرة او مرتین فان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم امرنی بهذا وان کنت طلقتها ثلاثا فقد حرمت علیک حتی تنکح زوجا غیرک وعصیت اللّٰہ فیما امرک من طلاق امراتک۔

"جب کوئی شخص تین طلاقیں دے کر ابن عمر سے پوچھتا تو فرماتے کہ ایک یا دو طلاق دینا چاہیئے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسا ہی حکم دیا تھا۔ اگر تم نے تین طلاقیں دی ہیں تو وہ

عورت تم پر حرام ہو گئی جب تک کہ دوسرا نکاح نہ کرے اور تم نے اللہ کی نافرمانی کی۔ (صحیح مسلم شریف)

حدیث نمبر15:-

عن مجاهد قال كنت عند ابن عباس فجاء رجل فقال انه طلق امراته ثلاثا قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ثم قال ينطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس! يا ابن عباس! وان الله قال ومن يتق الله يجعل له مخرجا عصيت ربك و بانت منك امراتك۔

"حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کے پاس تھا ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ حضرت ابن عباس خاموش رہے' میں نے خیال کیا کہ شاید رجعت کا حکم دیں گے۔ پھر انہوں نے فرمایا۔ حماقت پر سوار ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں اے ابن عباس! اے ابن عباس! بے شک خدا نے فرمایا ہے کہ جو خدا سے ڈرے اس کے لیے چھٹکارے کی صورت ہوتی ہے اور تو نے خدا کا خوف نہیں کیا اس لیے تیرے واسطے کوئی مخلص نہیں ہے' تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی۔(ابوداؤد)

کتاب الآثار (امام محمد) میں باب من طلق ثلاثا (تین طلاقیں دینے کے بیان میں) ہے۔

حدیث 16:-

محمد قال اخبرنا ابو حنيفه عن عبدالله بن عبدالرحمن ابن ابى حسين عن عمرو بن دينار' عن عطاء ان رجلا جاء عند ابن عباس فقال طلقت امراتى ثلاثه قال يذهب احدكم فيتلطخ بالاثم فياتى بعده عندنا اذهب انت عصيت ربك فقد حرمت امراتك لاتحل لك حتى تنكح زوجا غيرك قال محمد وبه ناخذ و هو قول ابى حنيفة و قول العامة من اہل العلم لااختلاف فيه

حدیث نمبر 17:- "امام محمد فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ عبداللہ ابن عبدالرحمن اور حضرت عمرو بن دینار کے واسطہ سے حضرت عطا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ابن عباس کے پاس آیا اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ ابن

عباس نے فرمایا تم جیسے لوگوں کا طریقہ ہے کہ گندگی سے پوری طرح آلودہ ہو جاتے ہو پھر ہمارے
پاس آتے ہو' چلے جاؤ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تم پر تمہاری بیوی حرام ہو گئی' تاوقتیکہ وہ
دوسرے سے نکاح نہ کر لے اور اس کی صحبت سے متمتع نہ ہو پھر طلاق دے دے یا مر جائے پھر
عدت کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کر لے تب حلال ہو سکتی ہے۔ امام احمد نے کہا ہم اسی کو لیتے
ہیں اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ کا اور عام اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضرت امام حسن نے اپنی بیوی کی کسی بات سے آزردہ ہو کر کہہ دیا اذهبی فانت طالق ثلاثا۔ یعنی تو چلی جا
تجھ کو تین طلاق'۔ بعد میں حضرت امام حسن کو معلوم ہوا کہ بیوی کو جدائی کا بہت صدمہ ہے آپ رونے لگے پھر
فرمایا۔

لولانی سمعت جدی اوحدثنی ابی انه سمع جدی یقول ایما رجل طلق امراته
ثلاثا عند الاقرا او ثلاثا مبهمة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره لرجعتها۔(1)
"اگر میں نے اپنے نانا سے نہ سنا ہوتا یا یہ فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے یہ سنا وہ فرماتے تھے کہ
انہوں نے اگر میرے نانا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہ سنا ہوتا کہ جو شخص اپنی عورت
کو تین طلاقیں طہروں میں دے دے تو جب تک وہ عورت دوسرے سے نکاح نہ کرے پہلے شوہر
کے لئے حلال نہیں ہوتی تو میں عورت کو ضرور واپس لے آتا۔" (دار قطنی و سنن کبری)

ان احادیث نبوی اور آثار صحابہ نے پورے طور پر واضح کر دیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں یا بیک کلمہ تین
طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

اب رہی حدیث رکانہ جس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہو گا۔ اگر تین طلاق
بول کر بھی ایک کی نیت کی گئی ہے تو ایک ہی طلاق واقع ہو گی۔

حدیث ابن رکانہ :-

عن عبداللّٰہ بن یزید بن رکانه عن ابیه عن جده قال اتیت النبی صلی اللّٰہ علیه
وسلم فقلت یا رسول اللّٰہ انی طلقت امراتی البته فقال ماردت بها قلت واحدة قال
واللّٰہ قلت واللّٰہ قال فهو ما اردت۔(2)

"حضرت رکانہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اپنی عورت کو طلاق البتہ دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا تم نے کیا ارادہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا ایک طلاق کا" آپؐ نے فرمایا ہی ایک کا ارادہ کیا ہے؟ میں نے کہا بخدا ایک کی نیت کی تھی۔ تب آپؐ نے فرمایا ارادہ کے مطابق ایک طلاق ہوئی"۔

حدیث نمبر19:-

عن عبداللّٰہ بن علی بن یزید بن رکانہ عن ابیہ عن جدہ انہ طلق امراتہ البتۃ فاتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فسالہ فقال ما اردت بہا قال وحدۃ قال واللّٰہ ما اردت بہا الا واحدۃ قال واللّٰہ ما اردت بہا الا واحدۃ قال فردھا علیہ۔

"حضرت رکانہ کہتے ہیں میں نے اپنی عورت کو طلاق البتہ دی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری مراد کیا تھی؟ میں نے عرض کیا ایک طلاق آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم! میں نے عرض کیا بخدا ایک کی نیت تھی تب آپؐ نے ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا یعنی اس کو ایک طلاق رجعی قرار دیا۔ (ابن ماجہ شریف اور ابوداؤد نے اس کو روایت کیا)

مذکورہ بالا حدیث رکانہ سے ہرگز یہ بات نہیں نکلتی کہ لفظ ثلاثہ کے کہنے سے بھی نیت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ خود حضرت رکانہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی عورت کو لفظ البتہ کے ساتھ طلاق دی (جس میں سے ایک سے تین تک کی گنجائش ہوتی ہے۔ ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک اور تین طلاق کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوتی ہیں) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور کہا واللہ ما اردت الا واحدہ (خدا کی قسم! میں نے ایک ہی طلاق کی نیت کی ہے۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللّٰہ ما اردت الا واحدۃ اللّٰہ کی قسم تو نے ایک ہی کی نیت کی تھی تو رکانہ نے کہا واللّٰہ ما اردت الا واحدۃ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے جو نیت کی ہے اسی کا اعتبار ہے۔

غور فرمایئے! اگر ایک ہی واقع ہوتی تو قسم دے کر ایک طلاق کی نیت متعین کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ فرما دیتے

کہ ایک کی نیت ہو یا تین کی ایک ہی شمار ہو گی۔ لہذا یہ بات قطعاً غلط ہے کہ تین طلاق دینے کے ارادہ سے تین دے
تب بھی ایک ہی واقع ہوتی ہے تین نہیں ہوتیں۔

مسئلہ نمبر9:۔ تراویح کی بیس رکعات ہیں۔

حدیث نمبر1:۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی شھر رمضان فی غیر جماعتہ عشرین رکعتہ والوتر

"حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔"

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کو طبرانی نے کبیر میں، ابن عدی نے مسند میں اور بغوی نے مجمع صحابہ میں بیان کیا ہے:۔

حدیث نمبر2:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر۔

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

حدیث نمبر3:۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام رافعی کے واسطہ سے نقل کیا ہے:

انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس عشرین رکعتہ لیلتین فلما کان فی اللیلۃ الثالثہ اجتمع الناس فلم یخرج الیھم ثم قال من الغدلتی خشیت ان تفرض علیکم فلا تطیقونھا متفق علی صحتہ دون عدد الرکعات۔ (65)

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیس رکعت دو راتیں پڑھائیں۔ پھر تیسری رات کو لوگ جمع ہو گئے۔ مگر آپؐ باہر تشریف نہیں لائے پھر دوسرے روز فرمایا مجھے اندیشہ تھا کہ یہ تمہارے اوپر فرض نہ ہو جائے اور تم اس کو ادا نہ کر سکو گے اس لیے باہر نہیں آیا۔"

حدیث نمبر4:۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شہر رمضان عشرین رکعۃ

"حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ رمضان میں بیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔"[4]

حدیث نمبر5:- حضرت عمر بن خطاب نے حضرت ابی بن کعب کو اور لوگوں کو بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا فصلی بھم عشرین رکعۃ بس انہوں نے لوگوں کو (صحابہ اور تابعین کو) بیس رکعات پڑھائیں۔[5]

حدیث نمبر6:-

عن یحیی بن سعید عن عمر بن الخطاب امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔ رواہ ابوبکر بن ابی شیبہ فی مصنفہ واسنادہ مرسل۔[6]

"یحیی بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ایک آدمی (ابن کعب) کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائیں۔ اس روایت کی سند مرسل اور قوی ہے۔"

حدیث نمبر7:-

عن عبدالعزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ و یوتر بثلاث۔[7]

"حضرت ابی ابن کعب مدینہ منورہ میں بیس رکعات رمضان المبارک میں لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے اور تین وتر پڑھا کرتے تھے"۔ (اس کی سند قوی و مرسل ہے)

حدیث نمبر8:-

عن یزید بن حفصہ عن السائب بن یزید قال کان یقومون علی عھد عمر فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ[8]

"یزید بن حفصہ روایت کرتے ہیں۔ سائب بن یزید سے کہ حضرت عمر کے زمانے میں بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔"

حدیث نمبر9:-

عن يزيد بن رومان انه قال كان الناس يقومون فی زمان عمر بن خطاب فی رمضان
بثلاث و عشرين رکعة[63]

"یزید بن رومان کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ماہ رمضان المبارک میں لوگ
تئیس رکعات پڑھا کرتے تھے"۔

حدیث نمبر 10:۔

عن عبدالرحمن السلمی ان علیاء دعاالقراء فی رمضان فامر رجلا ان یصلی
بالناس عشرين رکعة و کان علی یوتر بهم[64]

"حضرت عبدالرحمن سلمیؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا اور حکم
دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں اور حضرت علیؓ ان کو وتر پڑھایا کرتے تھے۔"

ان روایات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں صحابہ بلا کسی اختلاف کے ان کے حکم سے بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اب اس بارے میں اسلاف کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔

محدث ابن قدامہ اپنی کتاب المغنی میں رقمطراز ہیں کہ بیس رکعت تراویح پر اجماع صحابہ ہوا ہے۔[65]

مشہور حافظ حدیث ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے صحابہ کرام حضرات عمر فاروق اعظم کے دور میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔[66]

حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاوی ابن تیمیہ میں فرماتے ہیں۔

فلما کان ذالک یشق علی الناس قام بهم ابی بن کعب فی زمن عمر بن الخطاب
عشرين رکعة یوتر بعدها[67]

"جب لوگوں پر یہ بات شاق گزری تب حضرت ابی بن کعب نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان کو
بیس رکعات پڑھائیں اور بعد میں وتر پڑھائے۔"

آگے چل کر اور زیادہ صراحت سے فرماتے ہیں:۔

فانه قدثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرين رکعة

"یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حضرت ابی بن کعب لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات فی

رمضان و یوتر بثلاث فرائی کثیر من العلماء ان ذالک ھو السنة تراویح اور تین رکعات وتر پڑھاتے تھے۔ پس بہت سے علماء کے نزدیک سنت یہی ہے کیونکہ لانه قام بین المهاجرة والانصار ولم ینکره منکر۔

یہ عمل مہاجرین اور انصار کے سامنے ہوا اور کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی۔"

یہ ہے ان کا فتویٰ جن کو غیر مقلد اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ اس فتویٰ میں تصریح ہے کہ بیس رکعت ہی سنت ہے۔

قطب العارفین امام شعرانی فرماتے ہیں:۔

ثم ان عمر امر بفعلها ثلاثا و عشرین رکعة ثلاث منها وتر واستقر حضرت عمرؓ نے تیئس رکعات پڑھانے کا حکم دیا۔ اس میں تین رکعات وتر ہیں اور تمام الامر علی ذالک فی الامصار۔664

شہروں میں یہی امر قرار پایا۔

مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن مرحوم بھوپالی کا ارشاد ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعات کا ہوا اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے۔665

علامہ عینی شارح بخاری فرماتے ہیں:۔

کانوا یقومون علی عهد عمر بعشرین رکعة و علی عهد عثمانؓ و علی مثله666

"حضرت عمرؓ و عثمانؓ اور علیؓ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی (غوث اعظم) فرماتے ہیں:۔

وهی عشرون رکعة یجلس عقب کل رکعتین ویسلم وینوی فی

"تراویح کی بیس رکعات ہیں ہر دو رکعت پر قاعدہ کیا جائے اور سلام پھیرا جائے اور

کل رکعتین اصلی رکعتی التراویح المسنونة667

"اس طرح نیت کرے' میں دو رکعت تراویح مسنونہ پڑھتا ہوں۔"

امام غزالی فرماتے ہیں:۔

۸ التراویح وهی عشرون رکعة و کیفیتها مشهورة و سنة موکدة668

"تراویح کی بیس رکعات ہیں اور اس کی کیفیت مشہور اور معروف ہے۔"
قطب الدین خان دہلوی فرماتے ہیں۔ "بیس تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے۔"
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعات مقرر ہوئی تھیں۔ فرماتے ہیں۔

وزادت الصحابه و من بعدهم فی قیام رمضان ثلاثة اشیاء
"صحابہ و من بعد ہم نے قیام رمضان میں تین چیزیں زیادہ کی ہیں۔ مسجدوں میں جمع
الاجتماع له فی مساجدهم و ذالک لانه یفید التیسیر علی خاصهم
ہونا کیونکہ اس سے عوام و خواص پر آسانی ہوتی ہے اور اس کو شروع رات میں ادا
وعامتهم واداءه فی اول اللیل مع القول بان صلوة اخر اللیل
کرنا حالانکہ اخیر رات میں نماز کا پڑھنا زیادہ افضل ہے جیسا کہ حضرت عمر
مشهورة وهی افضل کمانبه عمرؓ لهذ التیسیر الذی اشرنا الیه
رضی اللہ عنہ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے اور تعداد تراویح کی
وعدده عشرون رکعة
بیس رکعات ہے۔"

اب رہی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حدیث نمبر 11:-

عن ابی سلمة بن عبدالرحمن انه اخبره سال عائشه کیف کانت صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان فقالت ماکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة یصلی اربعا فلاتسئلنی عن حسنهن و طولهن ثم یصلی اربعا فلاتسئل عن حسنهن و طولهن ثم یصلی ثلاثه قالت عائشة فقلت یارسول الله صلی الله علیه وسلم تنام قبل ان توتر فقال یا عائشة ان عینی تنامان ولا ینام قلبی

"حضرت ابو سلمہ" سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسی ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ نہ رمضان میں گیارہ رکعات سے سے بڑھاتے تھے نہ غیر رمضان میں۔ چار رکعت پڑھتے تھے ان کی خوبی اور طوالت کا حال نہ پوچھو' پھر تین رکعت وتر پڑھتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔"

یہ حدیث نماز تہجد کے بارے میں ہے نہ کہ تراویح کے بارے میں۔ اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں جو رمضان المبارک کے علاوہ باقی مہینوں میں بھی سال بھر پڑھی جاتی ہے' وہ تراویح نہیں بلکہ تہجد کی نماز ہے۔ چنانچہ حاملین حدیث اور علماء کبار نے تصریح کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نماز تہجد کے متعلق یہ تصریح فرمائی ہے۔

علامہ شمس الدین کرمانی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ "المراد بها صلوة الوتر والسوال والجواب وارداں علیہ" یعنی حدیث میں تہجد مراد ہے اور حضرت ابو سلمہ کا مذکورہ بالا سوال اور حضرت عائشہ کا جواب تہجد کے متعلق تھا۔

حضرت شاہ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں "و صحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزار دہمہ تہجد بود کہ یازدہ رکعت باشد" یعنی اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات (وتر کے ساتھ) پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں روایت محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان و غیر رمضان یکساں بود۔ یعنی وہ نماز تہجد پر محمول ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی۔ (7)

پھر یہ بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ ائمہ حدیث نے اس حدیث عائشہ کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے نہ کہ باب تراویح میں (ملاحظہ ہو مسلم شریف ص 154 ج 1۔

سنن ابوداؤد ص 196 ج 1 ترمذی شریف ص 58 ج 1 نسائی شریف ص 154 ج 1' موطا امام مالک ص 42۔)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات کے نزدیک یہ حدیث تہجد سے متعلق ہے نہ کہ تراویح سے۔

امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی مشہور کتاب "قیام اللیل" میں قیام رمضان کا باب باندھ کر بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں مگر مذکورہ بالا حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا نقل نہیں فرمائی اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں، دیکھئے قیام اللیل ص 92، 91 حافظ حدیث ابن قیم نے بھی زادالمعاد ص 86 میں قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبی کا یہ قول بھی نظرانداز نہ ہونا چاہیے کہ بہت سے اہل علم اس روایت کو مضطرب مانتے ہیں۔ (عینی شرح بخاری ص 187 ج 7) مختصر یہ ہے کہ مذکورہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آٹھ رکعت تراویح کے لیے کسی طرح قابل حجت نہیں۔ اس کے برخلاف حضرت ابن عباسؓ کی بیس رکعت والی حدیث کی موافقت پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور جمہور امت نے اس کو "عملاً" قبول کر لیا ہے۔

مسئلہ نمبر 10:۔ عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد چھ ہیں۔

حدیث نمبر ۱:۔

عن عبدالرحمن بن ثوبان عن ابیه عن مکحول قال اخبرنی ابو عائشه جلیس لابی ہریرة ان سعید بن العاص سئال ابا موسی الاشعری و حذیفة بن الیمان کیف کان یکبر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی الاضحی والفطر فقال ابو موسی کان یکبر اربعا تکبیره علی الجنائز، فقال حذیفة صدق فقال ابو موسی کذالک کنت اکبر فی البصرة حیث کنت علیهم و قال ابوعائشه وانا حاضر سعید بن العاص (۱/۱)

"حضرت مکحول سے روایت ہے کہ مجھ کو ابو عائشہ رضی اللہ عنہا مصاحب ابوہریرہ نے خبر دی کہ حضرت سعید بن العاص نے ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالضحیٰ اور عیدالفطر میں کس طرح تکبیریں کہا کرتے تھے؟ تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا جس طرح جنازے میں چار تکبیریں کہی جاتی ہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید میں بھی چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا آپ سچ کہتے ہیں۔ اس

پر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا اسی طرح میں بصرہ میں تکبیر کہا کرتا تھا جب میں وہاں تھا۔ ابوعائشہ کہتے ہیں کہ میں اس وقت سعید بن العاص کے پاس موجود تھا۔"

حدیث نمبر2:-

محمد قال اخبرنا ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراہیم عن عبداللّٰہ بن مسعود انہ کان قاعد فی مسجد الکوفۃ و معہ حذیفۃ بن الیمان و ابو موسی الاشعری فخرج علیھم الولید بن عقبۃ بن ابی معیط و ھوامیر الکوفۃ یومئذ فقال ان ھذا عیدکم فکیف اصنع فقال اخبرہ یا اباعبدالرحمان کیف یصنع فامرہ عبداللّٰہ بن مسعود ان یعلی بغیر اذان والا اقامۃ وان یکبر فی الاولی خمسا والثانیۃ اربعا ویوالی بین القراتین و یخطب بعدالصلوۃ علی راحلۃ کتاب الاثار الامام محمد و مصنف عبدالرزاق۔

"حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ وہ مسجد کوفہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ حضرت حذیفہؓ ابوموسیٰ اشعری بھی تھے کوفہ کا حاکم ولید بن عقبہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کل عید ہے میں کس طرح کروں؟ حضرت حذیفہ نے کہا اے ابو عبدالرحمن (یہ کنیت ہے ابن مسعود کی) آپ ان کو بتلائیے تب حضرت ابن مسعود نے اس کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھے بغیر اذان و اقامت کے اور یہ کہ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں (ایک تکبیر تحریمہ تین تکبیر زوائد اور ایک تکبیر رکوع) اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں کہے۔ (تین تکبیرات زوائد ایک تکبیر رکوع) اور نماز کے بعد خطبہ پڑھے اپنی راحلہ پر اور قرات میں اتصال ہو یعنی تکبیرات پہلی رکعت میں قبل القراۃ اور دوسری رکعت میں بعدالقراۃ۔ روایت کیا اس کو کتاب الاثار للامام محمد اور مصنف عبدالرزاق نے۔

حدیث نمبر3:-

حدثنا حشیم اخبرنا خالد عن الشعبی عن مسروق قال عبداللّٰہ بن مسعود یعلمنا التکبیر فی العیدین تسع تکبیرات خمس فی الاولی واربع فی الاخرای

ویوالی بین القراتین ویخطب بعدالصلوۃ علی راحلۃ والمراد بالخمس تکبیرۃ الافتتاح والرکوع و ثلث زوائد و بالاربع ثلث زوائد و تکبیرۃ الرکوع۔[7]

''حضرت مسروق سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ہمیں عید کی نو تکبیریں سکھلائیں پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری میں اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود دونوں رکعتوں کی قراۃ کے درمیان تکبیر زوائد نہیں کہتے تھے اور نماز کے بعد اپنی راحلہ پر خطبہ پڑھتے تھے اور پہلی رکعت میں پانچ تکبیروں سے مراد ایک تکبیر تحریمہ اور ایک تکبیر رکوع اور تین تکبیرات عید ہیں۔ دوسری رکعت کی چار تکبیروں سے مراد تین تکبیرات عید اور ایک تکبیر رکوع۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی نو تکبیروں کی یہ تفصیل حضرت مسروق ان کے شاگرد فرما رہے ہیں۔

حدیث نمبر4:-

عن علقمه والاسود قالا کان ابن مسعود جالسا وعنده حذیفة و ابوموسی الاشعری فسئالهم سعید بن العاص عن التکبیر فی الصلوة فقال حذیفه سئل الاشعری فقال الاشعری سئل عبدالله فانه اقدمنا واعلمنا فسئاله فقال ابن مسعود کان یکبر اربعاثم یقرا ثم یکبر فیرکع ثم یقوم فی الثانیه فیقراء ثم یکبر اربعا بعدالقراۃ۔[7]

''حضرت علقمہ اور حضرت اسود فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کے پاس حضرت حذیفہ اور ابو موسی اشعری تشریف فرما تھے' حضرت سعید بن العاص نے نماز عید کی تکبیرات کے بارے میں سوال کیا تو حضرت حذیفہ نے کہا حضرت ابو موسی اشعری سے دریافت کرو۔ حضرت ابو موسی اشعری نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے دریافت کرو کیونکہ وہ ہمارے بزرگ ہیں اور ہم سب سے بڑے عالم تب انہوں نے ان سے سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ پہلی رکعت میں چار تکبیریں (ایک تکبیر افتتاح اور تین تکبیرات عید کہتے پھر قرات کرتے پھر دوسری کے لیے کھڑے ہو جاتے اور قرات کرتے پھر چار تکبیریں (تین تکبیرات عید اور ایک تکبیر رکوع کہتے

تھے)۔

مسئلہ نمبر 11:۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے یعنی دعا میں اس طرح کہنا کہ اے اللہ فلاں بزرگ کے وسیلہ سے یا بحق فلاں یا بحرمت فلاں بزرگ میری فلاں حاجت پوری کر دے جائز بلکہ مستحسن ہے اور اقرب للاجابہ ہے۔

حدیث نمبر 1:۔

عن عثمان بن حنیف قال ان رجلا ضریر البصر اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع اللہ ان یعافینی فقال ان شئت دعوت وان شئت صبرت فھو خیر لک قال فادعہ قال فامرہ ان یتوضا فیحسن الوضوء و یدعو بھذا الدعاء

اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ انی اتوجہ بک الی ربی لیقضی لی فی حاجتی ھذہ اللھم فشفعہ فی

"حضرت عثمان بن حنیف کہتے ہیں ایک شخص کی نظر میں کچھ نقصان تھا وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ اللہ سے میری صحت کے لیے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا چاہو تو دعا کر دوں اور چاہو تو صبر کر لو کیونکہ (یہ رضا بقضا کا مقام ہے) تمہارے لیے بہتر ہے اس نے عرض کیا آپ دعا ہی فرما دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا تو اچھی طرح وضو کرو، پھر اس طرح دعا کرو اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نبی رحمت ہیں تیرے دربار میں وسیلہ اختیار کرتا ہوں۔ اے نبی! میں نے اپنے رب کے دربار میں آپؐ کا وسیلہ اس لیے اختیار کیا تاکہ وہ میری ضرورت پوری فرما دے۔ اللہ تو ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔"

اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح اور غریب ہے۔ نیز اس حدیث کو حصن حصین نے جامع ترمذی، سنن نسائی و ابن ماجہ اور حاکم سے نقل کیا ہے۔ بروایت حاکم آپؐ کی دعا سے ان کی بینائی واپس ہو گئی۔

حدیث نمبر 2:۔

عن انس ان عمر بن خطاب کان اذا قحطو استسقی بالعباس بن عبدالمطلب فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقوا۔

"حضرت انسؓ سے روایت ہے جب لوگ قحط میں مبتلا ہوئے تو حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے دعا مانگتے اور کہتے اے اللہ! پہلے ہم تیرے دربار میں اپنے نبی کا وسیلہ اختیار کیا کرتے تھے اور تو بارش برساتا تھا اب ہم آپ کے چچا کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں تو بارش برسا دے چنانچہ بارش ہو جاتی تھی۔"

حدیث نمبر3:۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہو گئی تب انہوں نے کہا اے ہمارے پالنے والے میں تجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو بخش دے۔

محدث حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے اور دلائل نبوت میں امام بیہقی اور طبرانی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

امام تقی الدین نے اس حدیث عمرؓ کے تحت میں شفاء السقام میں انبیاء علیہم السلام کی ذات سے وسیلہ پکڑنے میں علامہ ابن تیمیہ کے سوال کسی کا اختلاف سلف و خلف سے نہ ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے۔

حدیث نمبر4:۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی شخص اپنے گھر سے باہر نماز کے لیے نہ نکلا مگر یہ کہتا ہوا کہ اے اللہ! میں ان سوال کرنے والوں کے حق کے بدلے جو تجھ پر ہے اور میں اس نماز کی طرف جانے کے حق کے بدلے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ بے شک میں برائی چاہنے اور نافرمانی کرنے اور دکھانے سنانے کے واسطے باہر نہیں ہوا ہوں۔ بلکہ تیری خوشنودی چاہ کر اور تیری عذاب سے ڈر کر تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے دوزخ کی آگ سے نجات دے دے اور ہمارے کل گناہوں کو بخش دے حق یہ ہے کہ تیرے سوا کوئی ہمارے گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے تو اس کی دعا قبول ہو گی اور بخشا جائے گا۔

اس روایت کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے اپنے مکتوب ص 38 مکتوبات شیخ الاسلام جلد 4 میں نقل کیا ہے۔

حدیث نمبر5:- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ دعا تعلیم فرمائی کہ اس طرح کہو، اے ہمارے اللہ! میں تجھ سے طلب کرتا ہوں حضرت محمدؐ کے طفیل، حضرت ابراہیم کے طفیل، حضرت عیسیٰ کے طفیل اور توریت وانجیل و زبور اور قرآن مجید کے طفیل اور ہر اس وحی کے بدلے جو تو نے کسی پر بھیجی ہے اور ہر عبادت کے وسیلہ سے جس کو تو نے پورا کیا ہے اور ہر اس سائل کے وسیلہ سے جس کو تو نے عطا فرمایا۔ اس روایت کو صاحب قوت القلوب اور ملا علی قاری نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

حدیث نمبر6:- حافظ بدرالدین عینی حضرت کعب احبار سے روایت بیان کرتے ہیں کہ اپنے نبی کے اہل بیت کے وسیلہ سے بارش مانگنا بنی اسرائیل میں بھی رائج تھا۔ ان روایات سے بلاغبار ثابت ہے کہ دعا بحق فلاں نبی یا بوسیلہ فلاں نبی یا بطفیل فلاں نبی قطعاً جائز اور اسلم طریقہ ہے۔ نیز صالحین کی ذات یا ان کے آثار اور ملبوسات وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں وسیلہ پکڑے اور طفیل بنائے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔

حدیث نمبر7:- صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ یعنی حضرت اسماء ایک جبہ سبز منقش کسروانیہ جس کے دامن و گریبان و آستین میں ریشمی سنجاف لگے تھے نکال کر میرے پاس لائیں اور کہا یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی وفات کے زمانہ میں تھا۔ ان کی وفات کے بعد میں نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنا کرتے تھے میں اس کو دھو کر بیماروں کو پلاتی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس جبہ کی برکت و توسل سے شفاء چاہتی ہوں۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ صلحاء کے ملبوسات توسل اور برکت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہ ہمارا فیصلہ نہیں بلکہ سنن اور آثار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقت شناس شارحین حدیث کا بے لاگ فیصلہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی بخاری کی شرح فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

وھو اصل فی التبرک باثار الصالحین یعنی یہ حدیث آثار الصالحین سے برکت حاصل کرنے میں سند ہے۔

علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری جلد 4 میں فرماتے ہیں:-

و ھو اصل فی التبرک بآثار الصالحین

شیخ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

فضیلة التبرک بآثار الصالحین والباسھم یعنی آثار الصالحین اور ان کے لباس سے برکت ڈھونڈنے کی سند اس حدیث کے اندر موجود ہے۔

صاحب تیسیر القاری شیخ الاسلام اور علامہ زرقانی بھی اس کے قائل ہیں حتی کہ نواب صدیق حسن خان مرحوم و مغفور تک شرح بلوغ المرام میں رقم طراز ہیں :-

"دریں جا دلیل است برجواز استشفا۔ ملبوسات بزرگان و بودن آں بابرکت بسبب مماسات بدن ایشاں۔" (68)

مسئلہ نمبر 12:- ایک مثل پر ظہر کا وقت رہتا ہے؟

حدیث نمبر 1:-

عن ابی ذرؓ قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فاراد المؤذن یوذن فقال له ابرد ثم اراد ان یوذن فقال له ابرد ثم اراد ان یوذن فقال له ابرد حتی ساری الظل التلول فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان شدۃ الحر من فیح جھنم۔

ترجمہ:- ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے موذن نے ارادہ کیا کہ اذان کہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ذرا ٹھنڈا وقت ہونے دے۔ پھر موذن نے ارادہ کیا آپؐ نے فرمایا اور ٹھنڈا ہونے دے۔ پھر موذن نے ارادہ کیا آپؐ نے پھر فرمایا اور ٹھنڈا ہونے دے یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہے روایت کیا اس کو بخاری نے"۔

ف:- وجہ استدلال ظاہر ہے کہ مشاہدہ سے معلوم ہے کہ ٹیلہ کا سایہ جس وقت اس کے برابر ہو گا تو اور چیزوں کا سایہ ایک مثل سے بہت زیادہ معلوم ہو گا۔ جب اس وقت اذان ہو گی تو ظاہر ہے کہ عادت نماز سے فارغ ہونے سے قبل ایک مثل مصطلح سے سایہ تجاوز کر جاوے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ایک مثل کے بعد وقت باقی رہتا ہے اور ایک

استدلال حدیث قیراط سے مشہور ہے۔

مسئلہ نمبر13:۔ وضو کرکے اپنے اندام نہانی کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا؟

حدیث نمبر1:۔

عن طلق بن علی قال مسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن مس الرجل ذکرہ بعد مایتوضاء قال وھل ھوالا بضعۃ منہ۔

ترجمہ:۔ "طلق بن علی سے روایت ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھا کہ کوئی شخص بعد وضو کے اپنے اندام نہانی کو ہاتھ لگادے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ بھی آدمی ہی کا ایک پارہ گوشت ہے (یعنی ہاتھ لگانے سے کیا ہوگیا) روایت کیا اس کو ابوداؤد' ترمذی نسائی نے اور ابن ماجہ نے اس کے قریب قریب۔

ف:۔ دلالت حدیث کی مسئلہ پر ظاہر ہے۔

مسئلہ نمبر14:۔ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

حدیث نمبر 1:۔ عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقبل بعض ازواجہ ثم یصلی ولا یتوضاء

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیبیوں کا بوسہ لے لیتے تھے پھر بدون تجدید وضو نماز پڑھ لیتے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے۔

حدیث 2:۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت کنت انام بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجلائی فی قبلتہ فاذاسجد غمزنی فقبضت رجلی و اذا قام بسطتھما فقالت والبیوت یومئذ لیس فیھا مصابیح متفق علیہ

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

روبرو سوتی رہا کرتی اور میرے پاؤں آپ کی نماز کے رخ ہوتے تھے۔ جب آپؐ سجدہ کرتے تو میرا بدن ہاتھ سے
دبتے میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپؐ کھڑے ہوتے میں پاؤں پھیلا دیتی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں
کہ ان دنوں میں گھروں میں چراغ کی عادت نہ تھی۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

ف:- پہلی حدیث سے قبلہ اور دوسری حدیث سے لمس کا غیر ناقض وضو ہونا ظاہر ہے۔

مسئلہ نمبر 15:- وضو میں چوتھائی سر پر مسح کرنے سے فرض وضو ادا ہو جاتا ہے البتہ سنت پورے سر کا مسح ہے۔

حدیث:-

عن المغيرة بن شعبة قال ان النبى صلى الله عليه وسلم توضاء فمسح بناصية
الحديث رواه مسلم۔

ترجمہ:- مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے
سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا۔

ف:- اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آپؐ نے پورے سر کا مسح نہیں کیا بلکہ صرف اگلے حصہ کا کیا اور مسح کے معنی
ہیں پھیرنا اور اگر ہاتھ سر پر پھیرنے کے لئے رکھا جائے تو بقدر ربع سر کے ہاتھ کے نیچے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ
اتنے مسح سے بھی وضو کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔

فقہ حنفی کے مسائل کے حدیثی ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل کتب کے مطالعہ کی سفارش کی جاتی ہے۔

1- اعلاء السنن۔ ظفر احمد عثمانی
2- معارف السنن۔ محمد یوسف بنوری
3- فتح الملہم شرح مسلم۔ شبیر احمد عثمانی۔
4- بذل المجہود شرح ابو داود۔ خلیل احمد سہارنپوری
5- نصب الرایہ شرح ہدایہ۔ زیلعی
6- شرح معانی الآثار۔ طحاوی
7- فتح القدیر۔ کمال الدین ابن الہمام
8- عمدۃ القاری بدر الدین عینی۔

9- الجواہر النقی۔ ماردینی
10- صحیح ابن حبان
11- ثقات ابن حبان
12- سنن نسائی
13- معاجم طبرانی
14- مستدرک حاکم
15- مصنف ابن ابی شیبہ
16- مصنفات ابن مبارک
17- مسند وکیع بن جراح
18- مصنف عبدالرزاق
19- سنن دار قطنی
20- اوجز المسالک۔ مولانا زکریا کاندھلوی

و

باب ہشتم

1. تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 42' ج 1 دار العلم' بیروت 1957ء
2. نظامی شرح حسامی۔ ص 6 طبع لکھنؤ۔ 1936ء
3. شرح القاری۔ ص 16 آرام باغ کراچی۔ 1958ء
4. تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 43' 184' ج 1 دار العلم' بیروت 1957ء
5. ایضاً۔ ص 185
6. مقدمہ نزھۃ النظر احلق عزیز شرح نخبۃ الفکر ابن حجر عسقلانی۔ ص 8' آرام باغ کراچی' 1985ء
7. مرفوع یعنی حضور علیہ السلام تک پہنچ جائے۔ متصل ہونے کا مطلب ہے کہ تمام ناقلین کے نام مذکور ہوں
8. تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 42 تا 46 دار العلم' بیروت 1957ء
9. مصطلح الحدیث صبحی صالح۔ ص 16 مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد۔ 1985ء
10. تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 45 تا 48' ج 1 دار العلم' بیروت 1957ء
11. ایضاً۔ ص 45
12. تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 48' ج 1 دار العلم' بیروت 1957ء
13. قواعد فی علوم الحدیث۔ ظفر احمد عثمانی۔ ص 21' 22 مطبع نشر القرآن کراچی' 1985ء
14. منہج النقد فی علوم الحدیث۔ ص 77' شاطبی دار الفکر بیروت' 1979ء
15. تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 399' ج 2' دار العلم' بیروت 1957ء
16. اصول التخریج محمود طحان۔ ص 75' طبع مصر' 1983ء
17. اسماء الرجال تقی الدین ندوی۔ ص 87 فلاح دارین مطبوعہ گجرات ہندوستان' 1981ء
17. (الف) سورۃ بنی اسرائیل آیت 71 -
18. تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 171' ج 3 دار العلم' بیروت 1957ء
19. فتح المغیث سخاوی۔ ص 74' 75' 76 مطبع اعظمی' اعظم گڑھ' 1978ء
20. بخاری کتاب السلم۔ بروایت ابن عباس۔
21. تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 172 دار العلم' بیروت 1957ء
22. ایضاً۔ ص 73
23. ایضاً۔ ص 78

ب

ایضاً۔ ص 79 تا 112

تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 182 نیز فتح المغیث سخاوی۔ ص 92' ج 3' دار العلم' بیروت 1957ء

ایضاً۔ ص 183

27 التذکرہ زرکشی ۔ 28 ابن ماجہ باب العشر ۔ 29 بخاری باب الاعمال ۔ 30 مسلم باب العلم ۔ 31 ترمذی باب الوتر ۔ 32 بخاری ۔ 33 بخاری کتاب الایمان

مقدمہ ابن صلاح۔ ص 223 مطبوعہ مصر' 1941ء

34 الف ترمذی ۔ 34 ب ترمذی ۔ 36 ترمذی

ایضاً۔ ص 131 مطبوعہ قاہرہ 1937

ایضاً۔ ص 132

مقدمہ ابن صلاح۔ ص 34' 35 مطبوعہ مصر' 1956ء

بخاری باب فضائل مدینہ ۔ ترمذی باب الدعوات

فتح المغیث سخاوی۔ ص 12 مطبوعہ مصر۔ 1944ء

ایضاً۔ ص 139' نیز فتح المغیث سخاوی۔ ص 15' 16' ج 4 مطبوعہ مصر' 1932ء

ترمذی بروایت مصادیہ

مقدمہ ابن صلاح۔ ص 244 مطبوعہ مصر' 1956ء ۔ 44 بخاری کتاب الصلوٰۃ بروایت ابو جحیفہ

ایضاً۔ ص 145

نسائی باب الطہارہ ۔ بروایت عبداللہ بن مسعود

فتح المغیث سخاوی۔ ص 25' ج 4 مطبوعہ مصر' 1944ء

یہ زیادہ معروف ہے۔ ورنہ اصطلاحاً یہ لفظ دوسرے مفہوم کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

مسند احمد ج 4 کتاب الصلوٰۃ بروایت ابو قتادہ ۔ ترمذی باب الایمان

تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 4 تا 6' ج 2 دار العلم' بیروت 1957ء

ایضاً۔ ص 106' ج 2

اگر اتفاقاً حدیث بیان کی جائے تو اس وقت قال لی اور ذکر لی کا استعمال کیا جائے گا۔ تدریب الراوی۔ ص 8 تا 11 ج 2 دار العلم' بیروت 1957ء

تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 44 تا 55' ج 2' دار العلم' بیروت 1957ء

ایضاً۔ ص 55 تا 58

ایضاً۔ ص 58 تا 59

ایضاً۔ ص 59 تا 60

ایضاً۔ ص 60 تا 63

موضوعات کبیر ملا علی قاری۔ ص 75 مطبوعہ قاہرہ مصر' 1940ء

61- مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم شبیر احمد عثمانی مطبوعہ کراچی 1970ء

62- ایضاً- ص 78 نیز تانیب الخطیب زاہد الکوثری- ص 152 طبع مصر 1981ء

63- توضیح الافکار - ص 395 ج 2 حیدر آباد دکن 1988ء

64- تقریب نووی- ص 239 مطبوعہ مصر 1941ء

65- توضیح الافکار - ص 297 ج 2 حیدر آباد دکن 1990ء

66- اختصار علوم الحدیث حافظ ابن کثیر- ص 73 مطبوعہ مصر 1946ء

67- تدریب الراوی جلال الدین سیوطی- ص 244 دار العلم بیروت 1957ء

68- الکفایہ فی علوم الراویہ خطیب بغدادی- ص 276 مطبوعہ مصر 1977ء

69- اختصار علوم الحدیث ابن کثیر- ص 110 مطبوعہ قاہرہ 1981ء

70- تقریب نووی- ص 244 مطبوعہ مصر 1935ء

71- مقدمہ فتح الملہم شبیر احمد عثمانی- ص 52 مطبوعہ آرام باغ کراچی- 1985ء

72- الفیہ زین الدین عراقی- ص 62 طبع مصر 1983ء

73- الکفایہ فی علوم [illegible] 305 مطبوعہ مصر [illegible]

74- الکفایہ فی علوم الراویہ خطیب بغدادی- ص 307 مطبوعہ مصر 1977ء

75- الکفایہ فی علوم الراویہ خطیب بغدادی- ص 307 مطبوعہ مصر 1977

76- تقریب نووی- ص 245 مطبوعہ مصر 1935

77- ایضاً- ص 245

78- احکام الاحکام آمدی- ص 192 ج 2 مطبوعہ بیروت 1943ء

79- مقدمہ ابن صلاح- ص 48 مطبوعہ مصر 1980ء

80- معرفت علوم الحدیث عبدالرشید نعمانی- ص 206 معارف اسلامیہ حیدر آباد دکن 1986ء

81- جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبر مالکی- ص 163 دار العلم بیروت 1957ء

82- مناقب موفق- ص 315 دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

83- ما تمس الیہ الحاجہ عبدالرشید نعمانی- ص 88 ادارہ نشر القرآن کراچی- 1985ء

84- ایضاً ص 88

85- ایضاً- ص 90

ابو داؤد۔ ص 56 باب الطہارت۔

تہذیب السنن۔ ص 62، ج 1 مطبع انصاریہ مصر 1935ء

الانصاف فی سبب الاختلاف ولی اللہ۔ ص 29 شاہ ولی اللہ اکیڈمی لاہور 1977ء

92۔ تہذیب السنن شرح ابی داود۔ ص 439، ج 1 مطبوعہ مصر 1935ء

93۔ سنن دار قطنی۔ ص 127 مطبوعہ حیدر آباد دکن 1931ء

نیل الاوطار محمد علی شوکانی۔ ص 186 مطبوعہ مصر 1938ء

ایضاً۔ ص 157، ج 5

الانصاف فی سبب الاختلاف شاہ ولی اللہ۔ ص 30 مطبوعہ کراچی 1977ء

الکفایہ فی علوم الراویہ خطیب بغدادی۔ ص 114، طبع مصر 1981ء

موطا امام محمد۔ ص 341 مطبوعہ قرآن محل کراچی

موطا امام محمد۔ ص 342 مطبوعہ قرآن منزل کراچی۔

سنن ابن ماجہ باب الوضو مما غیرت النار۔

ثلاثیات وہ روایات ہیں جن کو صرف تین واسطوں سے حضور ﷺ سے نقل کیا جائے۔

104۔ شرح نزہۃ النظر ملا علی قاری۔ ص 58 دار الباز مکۃ المکرمہ، نیز تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 172، ج 2 دار العلم، بیروت 1957ء

105۔ الملل و النحل عبد الکریم شہرستانی۔ ص 82، ج 2 مطبوعہ مصر 1937ء

106۔ تقریب النووی۔ ص 182 مطبوعہ مصر 1947ء

107۔ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 183، دار العلم، بیروت 1957ء

108۔ تقریب النووی۔ ص 182، 1942ء

109۔ معرفت علوم الحدیث عبد الرشید نعمانی۔ ص 5 دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، 1985ء

110۔ ایضاً۔ ص 6

111۔ ترمذی بر حدیث

112۔ جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبد البر۔ ص 48 مطبوعہ مصر 1942ء

113۔ معرفت علوم الحدیث۔ ص 7 دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن 1985ء

مقدمہ ابن صلاح" ص 106 مطبوعہ مصر 1938ء

تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 111 دار العلم بیروت 1957ء

الروض الباسم حافظ محمد ابن ابراہیم الوزیر۔ ص 165 مطبوعہ بیروت 1942ء

الحطہ فی ذکر صحاح الستہ نواب صدیق حسن خان۔ ص 23 مطبوعہ لکھنؤ 1958ء

فتح المغیث سخاوی۔ ص 241 مطبوعہ مصر 1947ء

تانیب الخطیب زاہد الکوثری۔ ص 21 مطبوعہ مصر 1976ء

تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 363 دار العلم بیروت 1957ء

توجیہ النظر شرح نخبۃ الفکر الجزائری۔ ص 15 مطبوعہ مصر 1941ء

ایضاً"۔ ص 18

ایضاً"۔ ص 19

مناقب امام موفق مکی۔ ص 204 ج 1 دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

تذکرۃ الحفاظ ذہبی۔ ص 45 ج 1 قاہرہ دار العلم 1941ء

مناقب صدر الائمہ موفق مکی۔ ص 203 ج 1 دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

تذکرۃ الحفاظ ذہبی۔ ص 82 ج 1 مطبوعہ مصر قاہرہ دار العلم 1941ء

توجیہ النظر الجزائری۔ ص 93 مطبوعہ مصر 1942ء

ایضاً"۔ ص 94

الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ نواب صدیق حسن خان۔ ص 43 اسلامی کتب خانہ لکھنؤ۔ 1958ء

ایضاً"۔ ص 44

توضیح الافکار یمانی۔ ص 62 ج 1 مکتبہ عربیہ قاہرہ 1977ء

تنقیح الانظار (شرح) یمانی۔ ص 56 ج 1 مطبوعہ عزیزیہ قاہرہ 1972ء

التقریب نووی۔ ص 51 مطبوعہ مصر 1936ء

137. توضیح الافکار یمانی۔ ص 61، ج 1 مکتبہ عربیہ مصر، 1947ء

138. ایضاً۔ ص 62

139. ایضاً۔ ص 62

140. جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبر مالکی ص 33 مطبوعہ مصر، 1951ء

141. تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 45 قاہرہ، دار العلم، 1941ء

142. ایضاً۔ ص 45

143. ایضاً۔ ص 46

144. ایضاً۔ ص 46

145. تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 45، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

146. تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 37، دارالحدیث، قاہرہ، 1952ء

147. تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 371، ج 4 طبع مصر، دارالحدیث، قاہرہ، 1952?ء

148. ایضاً۔ ص 353، ج 8

149. جامع بیان العلم ابن عبدالبر۔ ص 18 مطبوعہ مصر، 1982ء

150. جامع بیان العلم ابن عبدالبر مالکی۔ ص 18، مطبوعہ مصر، 1982ء

151. تقریب نووی۔ ص 50 مطبوعہ مصر، 1936ء

152. توضیح الافکار یمانی۔ ص 45، 1947ء

153. معالم السنن خطابی۔ ص 15، ج 1، 1932ء

154. اعلام الموقعین ابن قیم ص 83، ج 1 مطبوعہ مصر، 1943ء

155. الاحکام الاحکام آمدی۔ ص 78 مطبوعہ مصر، 1977ء

156. اعلام الموقعین ابن القیم۔ ص 82، ج 1 مطبوعہ مصر، 1941ء

157. ایضاً۔ ص 47، ج 1

158. التوسل و الوسیلہ ابن تیمیہ۔ ص 78 مطبوعہ مصر، 1944ء

159. اعلام الموقعین ابن القیم۔ ص 31، ج 1 مطبوعہ مصر، 1943ء

160ـ شرح الاذکار۔ ابن العلان۔ ص 86' ج 1 مطبوعہ مصر' 1945ء

161ـ ایضاً"۔ ص 86

162ـ اعلام الموقعین۔ ابن قیم۔ ص 31' ج 1 مطبوعہ مصر' 1941ء

163ـ "اعتبار" ایک اصطلاح ہے کہ روایت کی سندوں کو جمع کر کے دیکھا جائے۔

164ـ قواعد التحدیث جمال الدین قاسمی۔ ص 115 مطبوعہ مصر' 1941ء

165ـ نصب الرایہ شرح ہدایہ۔ ص 48' ج 1' 1951ء

166ـ سنن دار قطنی۔ ص 59

167ـ اعلام الموقعین ابن القیم۔ ص 82' ج 1 مطبوعہ مصر' 1943ء

~~168ـ نصب الرایۃ۔ ص~~ 146 آرام باغ کراچی۔' 1951ء

169ـ معالم السنن خطابی۔ ص 83' ج 1 مطبوعہ مصر' 1932ء

170ـ عنایہ شرح ہدایہ۔ ص 80' ج 1 مطبوعہ مصر' 1926ء

171ـ فتح القدیر محمد علی شوکانی۔ ص 112' ج 1 مطبوعہ مصر' 1939ء

172ـ قواعد التحدیث جمال الدین قاسمی۔ ص 110' 1941ء

173ـ تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 82 دار العلم' بیروت 1957ء

174ـ قواعد التحدیث جمال الدین قاسمی۔ ص 114 مطبوعہ قاہرہ' 1941ء

175ـ شرح الفیہ زین الدین عراقی۔ ص 291 مطبوعہ بیروت' 1946ء

176ـ فتح القدیر محمد علی شوکانی۔ ص 467' ج 1 مطبوعہ مصر' 1941ء

177ـ ظفر الامانی شرح مختصر جرجانی عبدالحی لکھنوی۔ ص 98 مطبوعہ لکھنؤ۔ 1962ء

178ـ نسیم الریاض علامہ احمد خفاجی۔ ص 54' ج 1 مطبوعہ بیروت' 1926'

179ـ الاذکار النووی۔ ص 7 مطبوعہ حیدر آباد' 1958ء

180ـ فتح القدیر کتاب الجنائز ابن الہمام' مطبوعہ مصر' 1941ء

181ـ الاجوبہ الفاضلہ عبدالحی لکھنوی۔ ص 55 مطبوعہ لکھنؤ۔ 1962ء

182ـ الحطہ فی ذکر صحاح الستہ نواب صدیق حسن خان۔ ص 61 مطبوعہ لکھنؤ' 1982ء

سنن ابن ماجہ باب احکام المیت

سورۃ الانعام ... ترمذی

الجواہر المنیفہ عبدالقادر قرشی۔ ص 31' دار العلم' بیروت 1957ء

سیرت النعمان شبلی نعمانی۔ ص 90' 113 پنجاب پریس لاہور' 1985ء

ترمذی ... ایضاً

سیرت النعمان شبلی نعمانی۔ ص 83' 113 پنجاب پریس لاہور' 1985ء

~~مقدمہ فتح الملہم شبیر احمد عثمانی۔ ص 85 مطبوعہ کراچی' 1955ء~~

تقریب نووی۔ ص 311 مطبوعہ مصر' 1936ء

الکفایہ فی علم الروایہ خطیب بغدادی۔ ص 198' 1952ء

تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 311 دار العلم' بیروت 1957ء

تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 7' ج 1 مطبوع مصر' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

شرح مسند امام اعظم ابوالوفا افغانی۔ ص 3 دائرہ معارف' حیدر آباد دکن' 1982ء

تقریب النووی۔ ص 310' مطبوعہ مصر' 1936ء

الکفایہ فی علم الراویہ خطیب بغدادی۔ ص 241 مطبوعہ مصر' 1951ء

200 کشف الاسرار عبدالعزیز بخاری۔ ص 43' ج 2 مکتبہ دارالعلوم کراچی۔ 1972ء

201 المنار شرح کشف الاسرار عبدالعزیز بخاری۔ ص 42' ج 2 مطبوعہ دہلی پریس دہلی' 1977ء

202 احکام الاحکام آمدی۔ ص 205' ج 2 مطبوعہ کراچی' 1941ء

203 اختصار علوم الحدیث ابن کثیر۔ ص 141 مطبوعہ قران محل کراچی۔ 1958ء

204 الکفایہ فی علم الراویہ خطیب بغدادی۔ ص 198' مطبوعہ مصر' 1977ء

205 مقدمہ فتح الملہم شبیر احمد عثمانی۔ ص 58' 1986ء

206 تقریب نووی۔ ص 312 مطبوعہ مصر' 1936ء

207 توجیہ النظر الجزائری۔ ص 305 مطبوعہ قاہرہ' 1941ء

208 ایضاً۔ ص 305

209 احکام القران ابو بکر بن العربی۔ ص 10' ج 1 طبع بیروت' 1971ء

210 توجیہ النظر الجزائری۔ ص 313' مطبوعہ مصر' 1974ء

211 حجۃ اللہ البالغہ۔ ص 14، ج 1 مطبوعہ دہلی 1981ء

212 توجیہ النظر الجزائری۔ ص 313، مطبوعہ مصر، 197[illegible]ء

213 سورۃ البقرہ آیت [illegible] 14

214 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 15، ج 1 قاہرہ، دار العلم، 1941ء

215 ایضاً۔ ص 15

216 ایضاً۔ ص 224

217 شرح مسند الامام ابو الوفا افغانی۔ ص 3 دائرۃ معارف [illegible] آباد دکن، 1956ء

218 اصول البزدوی فخر الاسلام۔ ص 716، ج 2 مطبوعہ [illegible] آباد دکن، 1960ء

219 کتاب التحریر ابن الہمام۔ ص 97، ج 3 مصطفیٰ البابی حلب، 1962ء

220 الروض الباسم ابراہیم الوزیر یمنی۔ ص 158، ج 1 طبع بیروت، 1966

221 الاعلان بالتوبیخ سخاوی۔ ص 167، طبع قاہرہ، 1943ء

222 فتح المغیث سخاوی۔ ص 482 مطبوعہ مصر، 1942ء

223 الرفع والتکمیل عبدالحی لکھنوی۔ ص 33 مطبع اسلامیہ لکھنؤ، 1955ء

224 الروض الباسم ابراہیم الوزیر۔ ص 158، ج مطبوعہ مصر، 1966ء

225 الکفایہ فی علم الراویہ خطیب بغدادی۔ ص 88 مطبوعہ مصر، 1981ء

226 اصول البزدوی فخر الاسلام ص 18 مطبوعہ کانپور 1953ء

227 الروض الباسم محمد بن ابراہیم الوزیر۔ ص 182 مطبوعہ مصر، y1966

228 مقدمہ فتح الباری۔ ص 21[illegible]

229 ایضاً۔ ص 218

230 ایضاً۔ ص 218

231 الرد علی سیر الاوزاعی ابو یوسف۔ ص [illegible] مطبوعہ حیدرآباد دکن 195[illegible]ء

232 الروض الباسم محمد بن ابراہیم الوزیر۔ ص 169، ج [illegible] مصر، 1966ء

233 ایضاً۔ ص 169

234 [illegible] ابن القیم۔ ص 28 مطبوعہ [illegible]

235 توجیہ النظر الجزایری۔ ص 18' 1950ء

236 میزان الاعتدال ابن حجر۔ ص 20' ج 1' 1944ء

237 اعلان بالتوبیخ سخاوی۔ ص 110 مطبوعہ مصر' 1941ء

238 موضح اوہام الجمع والتفریق خطیب بغدادی۔ ص 8' ج 1' 1955ء

239 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی ترجمہ امام بخاری۔' 1961ء

240 موضح اوہام الجمع والتفریق خطیب بغدادی۔ ص 8 ج 1' 1955ء

241 تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 196 دار العلم' بیروت 1957ء

242 الرسالہ مستطرفہ ابو جعفر کتانی۔ ص 461 عیسیٰ حلبی مصر' 1941ء

243 نزہۃ النظر شرح نخبۃ ابن حجر عسقلانی۔ ص 41 مطبوعہ مکتبہ علمیہ بیروت' 1940ء

244 تدریب الراوی۔ ص 207' ج 1 دار العلم' بیروت 1957ء

245 ایضاً۔ ص 45

246 ابن ماجہ کتاب الجہاد۔ ص 925' ج 2

247 تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 205' ج 2' دار العلم' بیروت 1957ء

248 توضیح الافکار (محمد بن اسماعیل) یمانی۔ ص 291' ج 1 مطبوعہ مصر' 1951ء

249 تعلیقات علی شروط الائمہ الخمسہ حازمی۔ ص 45 مطبوعہ مصر' 1956ء

250 الروض الباسم حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر۔ ص 17 مطبوعہ مصر' 1966ء

251 الروض الباسم حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر۔ ص 17 مطبوعہ مصر' 1966ء

252 الانصاف فی سبب الاختلاف شاہ ولی اللہ۔ ص 34 مطبوعہ قرآن محل کراچی' 1970ء

253 نیل الاوطار محمد علی شوکانی۔ ص 241' ج 1 مطبوعہ مصر' 1941ء

254 ایضاً۔ ص 241

255 ایضاً۔ ص 241

256 ایضاً۔ ص 143

257 جامع التحصیل لاحکام المراسیل بحوالہ شروط الائمہ صلاح الدین علائی۔ ص 42' 1942ء

258۔ بخاری۔ ص 62، ج 1

259۔ مقدمہ صحیح مسلم النووی۔ ص 17

260۔ ایضاً۔ ص 284، 2

261۔ فتح الباری۔ ص 44، ج 1

262۔ الکفایہ فی علوم الراویہ خطیب بغدادی۔ ص 46 مطبوعہ مصر، 1952ء

263۔ صحیح مسلم۔ ص 10، ج 1

264۔ فتح الباری۔ ص 445، ج 1

265۔ صحیح مسلم۔ ص 364، ج 2

266۔ شرح مسلم نووی۔ ص 364، ج 2

267۔ ترمذی عن ابن مسعود۔ باب فضائل المحدثین

268۔ دارمی۔ ص 463 مطبوعہ مصر

269۔ منہاج السنہ ابن تیمیہ۔ ص 115، ج 4 مطبوعہ مصر، 1951ء

270۔ شرح مسند امام ابو الوفا افغانی۔ ص 19 مطبع محمدی لاہور، 1977ء

271۔ صحیح مسلم۔ ص 279، ج 2 مطبوعہ کراچی،

272۔ معرفت علوم الحدیث حاکم نیشاپوری۔ ص 113 مطبوعہ مصر، 1981ء

273۔ میزان الاعتدال ابن حجر۔ ص 4، ج 1، 1940ء

274۔ الرفع والتکمیل عبدالحی لکھنوی۔ ص 50 مطبوعہ لکھنؤ، 1986ء

275۔ العرف الشذی شرح ترمذی۔ ص 43

276۔ شروط الائمۃ الخمسہ حازمی۔ ص 45 مطبوعہ مصر، 1977ء

277۔ اختصار علوم الحدیث ابن کثیر۔ ص 57 مطبوعہ مصر، 1981ء

278۔ معرفت علوم الحدیث عبدالرشید نعمانی۔ ص 119 مطبوعہ کراچی۔ 1986ء

279۔ بخاری باب الاولی۔ بروایت عمر

280۔ موطا امام مالک باب القیمہ بروایت عبداللہ بن دینار۔

281۔ مقدمہ ابن صلاح۔ ص 30 مطبوعہ بیروت، 1951ء

282۔ تنقیح الانظار [illegible] ۔ ص 385، ج 1 مطبوعہ مصر، 1980ء

283 الانتقاء ابن عبدالبر۔ ص 42، 1944ء

284 الموافقات شاطبی۔ ص 21، ج 3، 1956ء

285 توضیح الافکار الجزائری۔ ص 377، ج 1، 1958ء

286 الرد علی سیر الاوزاعی امام ابو یوسف۔ ص 105 مطبوعہ مصر، 1940ء

287 الملل و النحل عبدالکریم شہرستانی۔ ص 24، ج 1 مطبوعہ مصر، 1932ء

288 جامع بیان العلم ابن عبدالبر مالکی۔ ص 55 مطبوعہ بیروت، 1949ء

289 اعلام الموقعین ابن القیم۔ ص 176، ج 1 مطبوعہ مصر، 1951ء

290 محمد بن احمد کنیت ابو بکر اور لقب شمس الائمہ 438ھ ان کی تاریخ وفات ہے۔ ان کی کتاب اصول مشہور ہے۔ جو خوارزم کے جیل میں لکھی گئی۔ آپ رہا ہو کر فرغانہ آئے۔ جس کا نام آج کل تاشقند ہے۔

291 اصول سرخسی۔ ص 118، 1932ء

292 ارشاد الفحول محمد علی شوکانی۔ ص 186 مطبوعہ مصر، 1958ء

293 جامع بیان العلم ابن عبدالبر مالکی۔ ص 317، ج 2 مطبوعہ مصر، 1940ء

294 تاریخ الفقہ اسلامی خضری بک۔ ص 244 مطبوعہ قاہرہ، 1962ء

295 کشف الاسرار عبدالعزیز بخاری۔ ص 16، ج 2 مطبوعہ دہلی، 1937ء

296 ایضاً۔ ص 14، ج 2

297 ایضاً۔ ص 15

298 تیسیر التحریر امیر بادشاہ محمد، ص 116، ج 3 قاہرہ، 1978ء

299 ایضاً۔ ص 116

سنت ہے ولا تمار بروایت ابوھریرہ

301 کشف الاسرار عبدالعزیز بخاری۔ ص 23، ج 2 مطبوعہ مصر، 1946ء

302 احکام الاحکام آمدی۔ ص 95، ج 1 مطبوعہ مصر، 1958ء

303 الانتقاء ابن عبدالبر۔ ص 144 مطبوعہ مصر، 1956ء

304 الکفایہ فی علوم الروایہ خطیب بغدادی۔ ص 31، 1942ء

305 ایضاً۔ ص 24

306 مقدمہ علوم الحدیث ابن صلاح ص 22 مطبوعہ مصر' 1938ء

307 توضیح الافکار - ص 24' ج 1' 1940ء

308 تنقیح الانظار - ص 25' ج 1' 1941ء

309 الاجوبہ الفاضلہ ذہبی۔ ص 30' 1932ء

310 عمدۃ الرعایہ شرح ھدایہ عبدالحی لکھنوی۔ ص 3 مطبوعہ لکھنؤ۔' 1977ء

311 الروض الباسم محمد بن ابراہیم الوزیر۔ ص 79' ج 1 مطبوعہ مصر' 1966ء

312 الباعث الحثیث احمد محمد شاکر۔ ص 165 مطبوعہ مصر' 1940ء

313 شروط الائمہ الخمسہ حازمی۔ ص 27 مطبوعہ مصر' 1946ء

314 معالم السنن خطابی۔ ص 706' ج 1 مطبوعہ قاہرہ' 1951ء

315 فتاوی عزیزی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔ ص 33' 1958ء

316 سورۃ المائدۃ آیت ...

317 التعلیقات علی الموافقات شاطبی۔ ص 260' ج 4' 1937ء

318 ایضاً"۔ ص 10' ج 3

319

320 سورۃ الانعام آیت 165 321 سورۃ الانعام آیت 164

322 ایضاً"۔ ص 19' ج 3

323 ایضاً"۔ ص 20' ج 3

324 معالم السنن خطابی۔ ص 113' ج 3 مطبوعہ مصر' 1951ء

325 ایضاً"۔ ص 113

326 فتح الباری شرح بخاری۔ ص 251' ج 4

327

328 حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ۔ ص 43 طبع لکھنؤ۔ 1945ء

329 ایضاً"۔ ص 43

330 الانتقاء ابن عبدالبر مالکی۔ ص 149 مطبوعہ مصر' 1961ء

331 شروط الائمہ الخمسہ حازمی۔ ص 52 مطبوعہ مصر' 1946ء

332 توجیہ النظر الجزائری۔ ص 266 مطبوعہ حیدر آباد' 1941ء

333 الانصاف فی سبب الاختلاف شاہ ولی اللہ۔ ص 30 مطبوعہ دہلی۔' 1942ء

334 المختصر۔ ص 466، 1932ء

335 الکفایہ فی علوم الراویہ خلیب بغدادی۔ ص 432 مطبوعہ مصر، 1956ء

336 الفقہ والمتفقہ بحوالہ التعلیق الرد علی سیر الاوزاعی ابو الوفا افغانی۔ ص 28 طبع حیدر آباد، 1986ء

337 احکام القرآن ابو بکر۔ ص 28، ج 2 مطبوعہ مصر، 1936ء

338 کشف الاسرار عبدالعزیز بخاری۔ ص 10، ج 3 مطبوعہ دہلی، 1932ء

339 الرد علی سیر الاوزاعی امام ابو یوسف۔ ص 40 مطبوعہ مصر، 1929ء

340 منتقی الاخبار شرح نیل الاوطار۔ ص 183، ج 5 طبع بیروت، 1937ء

341 سورۃ البقرۃ آیت۔ 194

342 سورۃ النحل آیت۔ 126

343 مشکوٰۃ باب [illegible] کتاب البیوع بروایت عائشہ رض

344 شرح معانی الآثار طحاوی۔ ص 207، ج 2 مطبوعہ مصر، 1941ء

345 معالم السنن خطابی۔ ص 86، ج 5 مطبوعہ مصر، 1946ء

346 احکام الاحکام آمدی۔ ص 127، ج 2 مطبوعہ مصر، 1935

347 نیل الاوطار محمد علی شوکانی۔ ص 185، ج 5، 1934ء

348 معالم السنن خطابی۔ ص 86، ج 5، 1946ء

349 فتح الباری۔ ص 291، ج 4

350 کتاب الجامع عبدالقادر قرشی۔ ص 417 مطبوعہ مصر، 1933ء

351 فتح الباری۔ ص 290، ج 5

352 کشف الاسرار عبدالعزیز بخاری۔ ص 702، ج 2، 1941ء

353 ایضاً۔ ص 702

354 منتقی الاخبار۔ محمد علی شوکانی۔ ص 140، ج 3 مطبوعہ مصر، 1934ء

355 قیام اللیل۔ محمد بن مروزی۔ ص 101 مطبوعہ حیدر آباد۔ دکن، 1947ء

356 نیل الاوطار محمد علی شوکانی۔ ص 140، ج 3 مطبوعہ مصر، 1934ء

357 منتقی الاخبار شرح نیل الاوطار محمد علی شوکانی۔ ص 144، ج 3 مطبوعہ مصر، 1934ء

358. المحلی ابن حزم۔ ص 218، ج 4، مطبعہ قرآن منزل کراچی۔ 1946ء
359. اعلام الموقعین ابن القیم۔ ص 96، ج 3 مطبوعہ مصر، 1941ء
360. ایضاً۔ ص 372، ج 2
361. ایضاً۔ ص 92، ج 3
362. کتاب الروح ابن القیم۔ ص 14 مطبوعہ بیروت، 1938ء
363. تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 247، ج 6 مطبوعہ مصر، 1957ء
364. سنن ابی داود۔ ص 48
365. فتح الباری۔ ص 88، ج 1
366. احکام القرآن ابو بکر جصاص۔ ص 17، ج 1 مطبوعہ مصر، 1977ء
367. الرد علی سیر الاوزاعی امام ابو یوسف۔ ص 311 مطبوعہ مصر، 1943ء
368. توجیہ النظر [illegible] قاہرہ
369. دراسات اللبیب محمد معین سندھی۔ ص 294، 1956ء
370. توجیہ النظر الجزائری۔ ص 267، 1955ء [illegible] قاہرہ
371. نصب الرایہ شرح ہدایہ زیلعی۔ ص 333، ج 1، 1936ء
372. فتاویٰ ابن تیمیہ۔ ص 78، ج 1، 1947ء
373. دراسات اللبیب محمد معین سندھی۔ ص 1956ء
374. طبرانی [illegible] باب [illegible] مشکوٰۃ
375. دراسات اللبیب محمد معین سندھی۔ ص 190 مطبوعہ کراچی، 1956ء
376. فیض الباری شرح بخاری۔ ص 260، ج 2
377. بدایۃ المجتہد لابن رشد۔ ص 88 مطبوعہ ریاض۔ 1988ء
378. التعقیبات علی الدراسات ابن رجب حنبلی۔ ص 273 مطبوعہ ریاض۔ 1990ء
379. دراسات اللبیب محمد معین سندھی۔ ص 272 مطبوعہ کراچی، 1956ء
380. ایضاً۔ ص 272
381. سورۃ الجاثیہ آیت۔ 18
382. شروط الائمہ الخمسہ حازمی۔ ص 27، 1981ء

383 التقریب نووی۔ ص [illegible] مطبوعہ مصر' 1934ء

384 تنقیح الانظار ابراہیم الوزیر ص 121' ج 2 مطبوعہ مصر' 1935ء

385 احکام الاحکام آمدی۔ ص 151 مطبوعہ قاہرہ' 1941ء

386 دراسات اللبیب محمد معین سندھی۔ ص 116 مطبوعہ کراچی' 1956ء

387 ترمذی [illegible]

388 تقریب نووی۔ ص 286 مطبوعہ مصر' 1934ء [illegible]

389 تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 386 دار العلم' بیروت 1957ء

390 شرح معانی الآثار طحاوی۔ ص 358' ج 2 مطبوعہ کراچی' 1947ء

391 الاجوبہ الفاضلہ' عبدالحی ص 197 مطبوعہ قاہرہ' y1932

392 البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ص 29' ج 3 حیدر آباد۔ 1951ء

393 بخاری باب [illegible] 394 ابوداؤد کتاب [illegible] 395 مسند احمد کتاب الصلوٰۃ

396 احکام الاحکام آمدی۔ ص 252' ج 1 مطبوعہ بیروت' 1956ء

397 ہدایہ مرغینانی۔ ص 82' ج 1 مطبوعہ کانپور' 1933ء

398 فتح القدیر ابن الہمام۔ ص 198' ج 1 مطبوعہ دہلی۔ 1936ء

399 ایضاً۔ ص 198

400 بخاری باب [illegible] 401 ابن ماجہ باب [illegible] 402 مصنف ابن ابی شیبہ باب الجمعہ 403 بخاری باب الطہارت

404 نصب الرایہ شرح ہدایہ زیلعی۔ ص 131' ج 1' 1932ء

405 ایضاً۔ ص 131

406 ایضاً۔ ص 131

407 ایضاً۔ ص 131

408 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 184 مطبوعہ مصر قاہرہ' دار العلم' 1941ء

409 فتح الباری ابن حجر عسقلانی باب الطہارت

410 نصب الرایہ شرح ہدایہ زیلعی [illegible] ج 1 مطبوعہ [illegible]

411 تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 395' ج 10 مطبوعہ مصر' دار العلم' بیروت 1957ء

412 بیہقی [illegible]

413 میزان الاعتدال ابن حجر۔ ص 339' ج 3 مطبوعہ مصر' 1963ء

414 تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 223' ج 10 مطبوعہ مصر' 1957ء

415 اعلام الموقعین ابن القیم۔ ص 18 مطبوعہ مصر' 1941ء

447 فواتح الرحموت بحوالہ الاجوبہ الفاضلہ ذ ہبی۔ ص 211 عبدالعلی بحرالعلوم۔ لکھنؤ' 1945ء
448 . ترمذی، باب ......
449 نیل الاوطار محمد علی شوکانی۔ ص 165' ج 3 مطبوعہ مصر' 1934ء
450 مستدرک حاکم۔ ص 419' ج 3 مطبوعہ مصر
451 الاستیعاب فی معرفہ اصحاب ابن عبدالبر مالکی۔ ص 359' ج 1 مطبوعہ مصر' 1935ء
452 الکفایہ فی علوم الراویہ خطیب بغدادی۔ ص 134 مطبوعہ مصر' 1957ء
453 ایضاً۔ ص 136
454 تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 218 مطبوعہ مصر' 1957ء
455 توضیح الافکار محمد بن اسماعیل یمانی۔ ص 104' ج 2 مطبوعہ مصر' 1941ء
456 اختصار علوم الحدیث ابن کثیر۔ ص 99 مطبوعہ مصر' 1946
457 تدریب الراوی جلال الدین سیوطی۔ ص 128 مطبوعہ مصر' 1957ء
458 ایضاً۔ ص 218
459 ایضاً۔ ص 218
460 الباعث الحثیث احمد محمد شاکر۔ ص 100 مطبوعہ قاہرہ' 1961ء
461 فتح الباری شرح بخاری ... ص 502' ج 3 ...
462 اعلام الموقعین ابن القیم۔ ص 16' ج 1 مطبوعہ مصر' 1960ء
463 الباعث الحثیث احمد محمد شاکر۔ ص 84 مطبوعہ مصر' 1961ء
464 نصب الرایہ شرح ھدایہ۔ ص 182' ج 1 ادارہ نشر القرآن کراچی' 1954ء
465 الانتقاء ابن عبدالبر۔ ص 142 مطبوعہ مصر' 1956
466 اعلام الموقعین ابن القیم۔ ص 120 تا 152' ج 4 کا مطالعہ کیا جائے۔
467 ارشاد الفحول الی تحقیق الحق فی علم الاصول محمد علی شوکانی۔ ص 214 مطبوعہ مصر۔ 1958ء
468 دراسات اللبیب محمد معین سندھی۔ ص 86 مطبوعہ کراچی' 1967ء
469 ایضاً۔ ص 293
470 اعلام الموقعین ابن القیم۔ ص 248' ج 4 مطبوعہ مصر' 1946ء
471 تذکرۃ الحفاظ ذہبی۔ ص 224' ج 1 مطبوعہ مصر' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

ص

472 جامع بیان العلم ابن عبدالبر۔ ص 69، ج 1 مطبوعہ مصر، 1949ء

473 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 206، ج 1 مطبوعہ مصر قاہرہ، دار العلم، 1941ء

474 ایضاً۔ ص 191

475 منھاج السنہ ابن تیمیہ۔ ص 58، ج 4 مطبوعہ مصر، 1946ء

476 الروض الباسم محمد بن ابراہیم الوزیر۔ ص 18، ج 1 مطبوعہ مصر، 1966ء

477 مسلم۔ ص 11، ج 1

478 مسند امام ابو حنیفہ خوارزمی۔ ص 22 مطبوعہ ادارہ نشر القرآن کراچی، 1977ء

479 بخاری باب الوضوء

480 الکفایہ فی علم الروایہ خطیب بغدادی۔ ص 206 مطبوعہ مصر، 1948ء

481 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 192، ج 1 مطبوعہ مصر، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

482 توجیہ النظر الجزائری۔ ص 224، 1944ء

483 حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ ص 156، ج 1 مطبوعہ کانپور، 1957ء

484 ایضاً۔ ص 156

485 ایضاً۔ ص 120

486 قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین شاہ ولی اللہ۔ ص 55 مطبوعہ دہلی، 1951ء

487 منھاج السنہ ابن تیمیہ۔ ص 57، ج 4 مطبوعہ مصر، 1944ء

488 البدایہ و النہایہ ابن کثیر۔ ص 340، ج 7 مطبوعہ مصر، 1934ء

489 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 102، ج 1 قاہرہ، دار العلم، 1941ء

490 البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ص 340، ج 7 1966ء

491 الکفایہ فی علوم الراویہ خطیب بغدادی۔ ص 397 مطبوعہ مصر، 1947ء

492 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 106، ج 1 مطبوعہ مصر، 1952ء

493 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 324، ج 8 مطبوعہ مصر، دارالحدیث، قاہرہ، 1952ء

494 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 91، ج 1 قاہرہ، دار العلم، 1941ء 1

ق

495 تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص ... ج 8 مطبوعہ مصر دار الحدیث قاہرہ 1952ء

496 ایضاً۔ ص 55 ج 1

497 تذکرۃ الحفاظ ذہبی۔ ص 147 ج 1 مطبوعہ مصر قاہرہ دار العلم 1941ء

498 ایضاً۔ ص 55 ج 1

499 ایضاً۔ ص 55 500 البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ص 344 ج 9 مطبوعہ مصر 1966ء

501 تذکرۃ الحفاظ ذہبی۔ ص 103 ج 1 مطبوعہ مصر قاہرہ دار العلم 1941ء

502 قاضی ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ان کے حنفی ہونے کی تصریح کی ہے۔ شرح معانی الآثار طحاوی۔ ص 18 1948ء

503 البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ص 344 ج 8 مطبوعہ مصر 1966ء
504 مذکرہ امام محمد ... موطا بن زکریا۔
505 جامع المسانید خوارزمی۔ ص 35 حیدر آباد دکن 1962ء

506 فتح الباری۔ ص 164 ج 1 مطبوعہ حیدر آباد دکن 1962ء

507 اصول البزدوی فخر الاسلام۔ ص 281 ج 2 مطبوعہ کراچی 1985ء

508 توجیہ النظر الجزائری۔ ص 82 مطبوعہ آرام باغ کراچی 1948ء

509 نزہۃ النظر ابن حجر۔ ص 8۔ مطبوعہ قرآن منزل کراچی 1947ء

510 ایضاً۔ ص 10

511 توضیح الافکار۔ ص 411 ج 2 مطبوعہ قاہرہ 1934ء

512 تنقیح الانظار یمانی۔ ابراہیم الوزیر۔ ص 412 ج 2 مطبوعہ قاہرہ 1936ء

513 فتح المغیث سخاوی۔ ص 120 مطبوعہ قاہرہ 1941ء
514 سورہ توبہ ... بیت ...
515 فتح الباری۔ ص 287 ج 5 مطبوعہ مصر

516 ایضاً۔ ص 287

517 التعلیقات علی الاجوبہ الفاضلہ ذہبی۔ ص 238 مطبوعہ مصر 1934

518 المیزان الکبری عبد الوہاب شعرانی۔ ص 62 ج 1 مطبوعہ دیوبند 1933ء
519 تذکرۃ الحفاظ ذہبی ص 415 ج 2 - 3 مطبوعہ قاہرہ دار العلم 1941ء
520 السنہ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی مصطفیٰ سباعی۔ ص 416 قاہرہ 1977ء

ل

21ک ایضاً۔ ص 411

22ک قواعد فی علوم الحدیث ظفر احمد عثمانی۔ ص 192 مطبوعہ ادارہ نشر القرآن کراچی، 1957

23ک ایضاً۔ ص 192

24ک عقود الجمان محمد بن یوسف دمشقی شافعی۔ ص 404 مطبوعہ حلب شام، 1957ء

25ک ایضاً۔ ص 404

26ک حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ۔ ص 151، ج 1 مطبوعہ کراچی، 1960ء

27ک ایضاً۔ ص 153

28ک قواعد فی علوم الحدیث ظفر احمد عثمانی۔ ص 193، 1980ء

29ک مسانید الامام خوارزمی۔ ص 160 مطبوعہ حیدر آباد دکن، 1962ء

30ک ایضاً۔ ص 22، 23

31ک معرفت علوم الحدیث عبد الرشید نعمانی۔ ص 303 کراچی، 1985ء

32ک تذکرۃ المحدثین۔ ص 100 مطبوعہ کراچی، 1971ء

33ک شروط الائمۃ الخمسہ حازمی۔ ص 15 مطبوعہ مصر، 1945ء

34ک توجیہ النظر الجزائری۔ ص 88 مطبوعہ مصر، 1934ء

35ک الانصاف فی سبب الاختلاف شاہ ولی اللہ۔ ص 82 مطبوعہ کراچی، 1954ء

36ک ایضاً۔ ص 83

37ک توضیح الافکار محمد بن اسماعیل یمانی۔ ص 89، ج 1 مطبوعہ مصر، 1934ء

38ک ترجمان القرآن ابو الکلام آزاد۔ ص 500، ج 2 مطبوعہ دہلی، 1955ء

39ک الروض الباسم محمد بن ابراہیم الوزیر۔ ص 77، ج 1 مطبوعہ مصر، 1944ء

40ک مجموعہ الرسائل والمسائل ابن تیمیہ۔ ص 21، ج 5 مطبوعہ مصر، 1941ء

41ک حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ۔ ص 161، ج 1 مطبوعہ کراچی، 1948ء

42ک ایضاً۔ ص 161

43ک توضیح الافکار محمد بن اسماعیل یمانی۔ ص 170، ج 1 مطبوعہ مصر، 1936ء

544 الجواہر المضیہ حافظ عبدالقادر قرشی۔ ص 401 دار العلم، بیروت 1957ء

545 تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ ص 419، ج 13، دار العلم، بیروت 1957ء

546 تقریب نووی۔ ص 307 مطبوعہ بیروت، 1934ء

547 مقدمہ ابن صلاح۔ ص 83 مطبوعہ قاہرہ، 1942ء

548 ایضاً ص 8

549 الکفایہ فی علوم الراویہ خطیب بغداد۔ ص 231 مطبوعہ مصر، 1936ء

550 اصول البزدوی فخر الاسلام۔ ص 716 ج 2 (برکشف الاسرار) 1946ء

551 الحطہ فی ذکر صحاح الستہ نواب صدیق حسن خان۔ ص 34 مطبوعہ لکھنؤ، 1958ء

552 المناقب صدر الائمہ موفق احمد مکی۔ ص 197، ج 1 مطبوعہ مصر، 1960ء

553 جامع المسانید خوارزمی۔ ص 308، ج 2، حیدر آباد، دکن، 1962ء

554 جامع بیان العلم ابن عبدالبر مالکی۔ ص 82، ج 1 مطبوعہ مصر، 1982ء

555 اختصار علوم الحدیث ابن کثیر۔ ص 92 مطبوعہ مصر، 1944ء

556 المیزان الکبری عبدالوہاب شعرانی۔ ص 62، ج 1 مطبوعہ مصر، 1936ء

557 مناقب ابی حنیفہ ذہبی۔ ص 60، حیدر آباد، دکن، 1962ء

558 شروط ائمہ الخمسہ حازمی۔ ص 22 مطبوعہ۔ مصر، 1945ء

559 ایضاً۔ ص 23

560 ایضاً۔ ص 2

561 ایضاً۔ ص 2

562 توضیح الافکار یمانی۔ ص 101، ج 1 مطبوعہ مصر، 1934ء

563 مناقب ابی حنیفہ ذہبی۔ ص 20 حیدر آباد، دکن، 1962ء

564 کشف الاسرار عبدالعزیز بخاری۔ ص 7، ج 2 مطبوعہ مصر، 1934ء

565 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 17، ج 2 قاہرہ، دار العلم، 1941ء

566 الانتقاء ابن عبدالبر۔ ص 177 مطبوعہ مصر، 1944ء

567 الروض الباسم محمد بن ابراہیم الوزیر۔ ص 166، ج 1 مطبوعہ مصر، 1966ء

68ک الرد علی البکری۔ ابن تیمیہ۔ ص 13' 14' 1936ء

69ک شروط الائمۃ الخمسۃ حازمی۔ ص 51 مطبوعہ مصر' 1935ء

70ک ازالۃ الخفاء عن سیرت الخلفاء شاہ ولی اللہ۔ ص 18 مطبوعہ لکھنؤ' 1957

71ک منصب امامت شاہ ولی اللہ۔ ص 53 مطبوعہ دہلی۔ 1960ء

72ک الموافقات شاطبی۔ ص 24' ج 1 مطبوعہ قاہرہ' 1932ء

73ک تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 303 ج 1 مطبوعہ مصر' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

74ک مسلم کتاب الصلوۃ باب التشہد

75ک الجواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 430 دار العلم' بیروت 1957ء

76ک حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ۔ ص 2' ج 1 مطبوعہ دہلی۔ 1957ء

77ک معالم السنن خطابی۔ ص 5' ج 1 مطبوعہ بیروت' 1946ء

78ک شروط الائمۃ الستۃ ابو بکر حازمی۔ ص 7 مطبوعہ قاہرہ' 1946ء

79ک مصفی شرح موطا شاہ ولی اللہ۔ ص 44' ج 1 مطبوعہ دہلی' 1958ء

80ک تزیین الممالک حافظ سیوطی۔ ص 58 مطبوعہ مصر' 1942ء

81ک اخرجہ ابن شاہین و دار قطنی

82ک [illegible]

83ک التعلیقات علی الانتقاء ابن عبدالبر۔ ص 33 مطبوعہ مصر' 1957ء

84ک میزان الاعتدال ابن حجر۔ ص 278' ج 2 مطبوعہ قاہرہ' 1940ء

85ک التعلیقات علی الانتقاء ابن عبدالبر مالکی۔ ص 33 مطبوعہ مصر' 1957ء

86ک تزیین الممالک سیوطی۔ ص 59 مطبوعہ مصر' 1942

87ک جامع المسانید خوارزمی۔ ص 226' ج 2 حیدر آباد' دکن' 1962ء

88ک اقوام المسالک۔ زاہد الکوثری۔ ص 7 مطبوعہ قاہرہ' 1977ء

89ک التعلیقات علی الانتقاء' ابن عبدالبر۔ ص 25 مطبوعہ مصر' 1957ء

90ک تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 97' ج 1 مطبوعہ مصر' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

91ک تقدمہ الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم۔ ص 3 مطبوعہ قاہرہ' 1941ء

592 عبداللہ بن وہب بن مسلم 190 (اتحاف البقاء)

593 عبداللہ بن سلمہ بن قعنبی الحارثی ثم المدنی البصری 220ھ راوی موطا ابن۔

594 التعلیق الممجد علی الموطا عبدالحی لکھنوی۔ ص 16 مطبوعہ لکھنؤ 1967ء

595 مقدمہ فتح الملہم شبیر احمد عثمانی۔ ص 32 مطبوعہ ادارہ نشر القرآن کراچی 1970ء

596 صدر الائمہ موفق احمد مکی۔ ص 34 ج 1 دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

597 التعلیقات علی الانتقاء ابن عبدالبر ص 12 مطبوعہ مصر 1957ء

598 الجواہر المضیہ عبدالقادر قرشی۔ ص 182 ج 2 مطبوعہ مصر دار العلم بیروت 1957ء

599 صدر الائمہ موفق احمد مکی۔ ص 83 ج 1 مطبوعہ مصر دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

600 تانیب الخطیب زاہد الکوثری۔ ص 152 مطبوعہ مصر 1958ء

601 تاریخ بغداد خطیب بغدادی ترجمہ امام اعظم۔ دار العلم بیروت 1957ء

602 تانیب الخطیب زاہد الکوثری۔ ص 156 مطبوعہ مصر 1958ء

603 موضوعات کبیر ملا علی قاری۔ ص 78 مطبوعہ حیدر آباد دکن 1957ء

604 حیات ابن القیم۔ ص 306 بحوالہ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ دار العلم بیروت 1957ء

605 بخاری باب بعث المعاذ۔

606 تفسیر مظہری ثناء اللہ پانی پتی۔ ص 64 ج 2 مطبوعہ دیوبند 1955ء

607 صدر الائمہ موفق احمد مکی۔ ص 22 ج 1 مطبوعہ مصر دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

608 اوشحۃ الجید شوق نیموی۔ ص 18 مطبوعہ دیوبند 1953ء

609 سیرت النعمان شبلی نعمانی۔ ص 118 پنجاب پریس لاہور 1985ء

610 سورۃ ہود آیت 80

611 مسلم۔ ص 174 ج 1 مشکوۃ۔ ص 73 ج 1

612 ابن ماجہ۔ باب صفت الصلوۃ

613 بیہقی۔ باب کتاب القرات

614 طحاوی۔ باب الصلوۃ

615 بیہقی۔ باب قرات الصلوۃ

616 کتاب الاسرار بدرالدین عینی۔ باب القرات
617 بخاری کتاب الصلوٰۃ
618 ابو داود۔ ص 119 باب الصلوۃ

619 ترمذی۔ ص 44، ج 1

620 ترمذی۔ ص 26، ج 1 باب الصلوۃ

621 ابو داود۔ ص 116، ج 1 باب الصلوۃ

622 ترمذی۔ ص 35، ج 1 باب الصلوۃ

623 ابو داود۔ ص 117، ج 1 کتاب الصلوۃ

624 ابن رزین۔ ص 216 کتاب الصلوۃ (مطبوعہ کلکتہ)

625 ترمذی۔ ص 35، ج 1 باب الصلوۃ

626 ترمذی۔ ص 59، ج 1
627 ایضاً ص 63
628 نسائی۔ ص 248، ج 1

629 مسلم۔ ص 194، ج 1

630 عمدۃ الرعایہ عبدالحی لکھنوی۔ ص 199 اصح المطابع لکھنؤ، 1957ء

631 مصنف ابن ابی شیبہ و دار قطنی و طبرانی۔ (بحوالہ تفسیر مظہری۔ ص 305، ج 1)، 1948ء

632 بخاری باب من جواز الطلاق الثلاث

633 ابو داود۔ باب الطلاق۔

634 بخاری باب من جواز الطلاق الثلاث

635 موطا امام مالک۔ باب الطلاق

637 موطا امام مالک۔ باب الطلاق

638 موطا امام مالک۔ باب الطلاق

639 معانی الاثار طحاوی باب الطلاق

640 معانی الاثار طحاوی۔ باب الطلاق

641 معانی الاثار طحاوی۔ باب الطلاق

ع

642 ایضاً۔ باب الطلاق

643 بخاری۔ ص 792، ج 2 باب الطلاق

644 مسلم۔ ص 476، ج 1 باب الطلاق

645 ابو د۔ ص 306، ج 1 باب الطلاق

646 کتاب الاثار امام محمد۔ ص 220 باب الطلاق

647 دار قطنی۔ ص 437، ج 2 باب الطلاق، نیز سنن کبری بیہقی۔ ص 336، ج 4 باب الطلاق

648 ترمذی۔ ص 140، ج 1 باب الطلاق

649 ابن ماجہ۔ ص 149، ج 1 باب الطلاق، نیز ابو داود۔ ص 306، ج 1 باب الطلاق

650 بیہقی۔ ص 466، ج 1 باب الصلوۃ

651 مشکوۃ المصابیح باب الصلوۃ (زجاجہ المصابیح)

652 فتاوی قاضی خان۔ ص 110، ج 1 مطبوعہ دہلی، 1971ء

653 کنز العمال علی متقی۔ ص 284، ج 2 مطبوعہ دیوبند، 1972ء

654 مصنف ابن ابی شیبہ۔ ص باب الصلوۃ

655 مصنف ابن ابی شیبہ، باب الصلوۃ

657 بیہقی۔ ص 496، ج 2 باب الصلوۃ

658 موطا امام مالک۔ ص 50 باب الصلوۃ

659 معرفہ السنہ بیہقی۔ ص 477، ج 1 باب الصلوۃ، نیز سنن الکبری بیہقی۔ ص 496، ج 2 باب الصلوۃ

660 کتاب المغنی ابن قدامہ۔ ص 803، ج 1 مطبوعہ بیروت، 1971ء

661 مرقات شرح مشکوۃ۔ ص 147، ج 1

662 فتاوی ابن تیمیہ۔ ص 140، ج 1

663 ایضاً ابن تیمیہ۔ ص 191، ج 1

664 عون الباری شرح البخاری نواب صدیق حسن خان۔ ص 317، ج 4 مطبوعہ لکھنؤ، 1970ء

665 عینی۔ ص 178، ج 7 مطبوعہ حیدر آباد دکن، 1964ء

667ح غنیۃ الطالبین عبد القادر بغدادی۔ (غوث اعظم) مطبوعہ کراچی' 1941ء

668ح احیاء العلوم امام غزالی۔ ص 209' ج 1' 1931ء

669ح مظاہر حق۔ ص 436' ج 12 سہارنپور' 1948ء

670ح حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ۔ ص 67' ج 2 مطبوعہ دہلی' 1957ء

671ح بخاری۔ ص 154' 296 کتاب الجمعہ ج 1

672ح الکوکب الدری شرح بخاری۔ ص 156' 155' ج 1 مطبوعہ کانپور' 1977ء

673ح فتاوی عزیزی شاہ عبدالعزیز۔ ص 125 مطبوعہ دیوبند' 1977ء

674ح ابو داؤد۔ ص 179' ج 1 باب الصلوۃ

675ح کتاب الآثار امام محمد' نیز مصنف عبدالرزاق (کتاب الصلوۃ)

676ح مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوۃ

677ح مصنف عبدالرزاق' باب الصلوۃ

678ح ترمذی' باب الصلوۃ

679ح بخاری' باب الصلوۃ

680ح بیہقی' باب [illegible]

681 [illegible] (اسلام) ص 88 [illegible] تیسیر الباری شرح بخاری ملا علی قاری [illegible] الوسیلۃ 683 غنیۃ [illegible]

684ح مسلم باب اللباس

[illegible] ضمن ص [illegible]

682ح بخاری۔ ص 87' ج 1

687ح ابو داود' ترمذی' ابن ماجہ' نسائی' مشکوۃ۔ ص 33' ج 1

688ح ایضاً" ص

689ح مشکوۃ المصابیح۔ ص 66' ج 1 بخاری باب الصلوۃ مسلم باب الصلوۃ۔

690ح ایضاً"۔ ص 38' ج 1 مسلم باب الصلوۃ۔۔

نواں
باب
محدثین کی تعریف
درشان امام اعظم

فہرست مضامین

باب نہم

مادحین امام الائمہ ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ
(امام صاحب کے لیے ائمہ حدیث کی توثیق)

امام صاحب کی سیرت لکھنے والوں نے ایک مستقل عنوان امام صاحب کی مدح و ثنا کرنے والوں کا بھی رکھا ہے۔ اسی لیے راقم الحروف نے بھی اس سلسلے کی کچھ چیزیں انتخاب و اختصار کر کے یک جا کر دی ہیں۔ اس میں اس امر کی رعایت کی ہے کہ ان ہی حضرات کے اقوال جمع کئے جائیں جن کی بلند پایہ شخصیات تمام محدثین کے یہاں مسلّم ہیں اور ان کا بھی احصاء نہیں کر سکا نہ یہاں اتنی گنجائش تھی اس لیے سینکڑوں اکابر کے اقوال اب بھی نقل نہیں ہو سکے پھر بھی جن کے اقوال پہلے ہیں ان کے بھی اختصار کی وجہ سے بیشتر اقوال چھوڑ دینے پڑے۔ تاہم بطور نمونہ اور بقدر ضرورت شاید یہ بھی کافی ہو۔ پھر ہم نے ان اقوال کا حوالہ لکھ دیا اور سند ترک کر دی ورنہ سند کے لیے اور مزید تحقیق کے لیے صدر الائمہ موفق اور حافظ الدین کردری اور سبط الجوزی نے اسناد کو درج کیا ہے۔ وہاں سے دیکھ لیا جائے۔

1- **محدث ابراہیم بن فیروزؒ:** اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ کو دیکھا کہ مسجد میں بیٹھے ہیں اور اہل مشرق و مغرب کا ہجوم ہے وہ مسائل پوچھتے ہیں اور آپ جواب دیتے ہیں۔ وہ پوچھنے والے بھی فقہاء وخیار الناس تھے۔[1]

2- **محدث ابراہیم بن طہمان:** امام ابو حنیفہ ہر بات کے امام ہیں۔[2]

3- **محدث اسمٰعیل بن حماد بن ابی سلیمان:** یہ حضرت حماد استاد امام اعظم کے صاحبزادے تھے ان کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ میرے والد ماجد کے خصوصی راز داروں میں سے تھے اور والد ماجد امام صاحب پر اپنی وہ خاص علمی چیزیں ظاہر کرتے تھے جو دوسروں پر نہیں کرتے تھے اس لیے میں بھی اپنے والد سے بہت سی علمی باتیں نہ سن سکا اور ان سے محروم رہا۔ اس کے بعد امام ابو حنیفہ ہی کے واسطہ سے مجھے اپنے والد ماجد کی خاص خاص چیزیں پہنچیں جو صرف ان کے پاس تھیں۔

اس خبر کے راوی یحییٰ بن آدم نے یہ بھی کہا ہے کہ اسمٰعیل بن حماد بڑی عمر کے تھے بہت سے بڑے لوگوں کا

زمانہ پایا تھا لیکن اپنے اور والد کے امام صاحب سے خصوصی تعلق کے باعث امام صاحب ہی سے سماع حدیث کیا۔ اس واقعہ سے بھی حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت حماد کے خصوصی علوم کے قابل امام صاحب ہی تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حصول علم کے لئے خاص تعلق و مناسبت بھی استاد سے ضروری ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ امام صاحب بذل علم کے اعتبار سے بھی بڑے سخی تھے وغیرہ۔ لے

4- **محدث امام اسحاق بن راہویہ :** میں نے کسی کو احکام وقضایا کا امام صاحب سے زیادہ جاننے والا نہیں پایا' قضا کے لئے مجبور کیا گیا اور مارا بھی گیا مگر قبول نہ کی۔ آپ کا محبوب مشغلہ یہ تھا کہ حسبۃ للہ تعلیم وارشاد کرتے رہیں۔

امام بخاریؒ کے اجلہ شیوخ میں سے تھے۔ کہا کہ میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا جو احکام اور قضایا کو امام ابو حنیفہ سے زیادہ جانتا ہو۔ ہر چند قبول قضا پر زبردستی اور سختی کی گئی مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ خالصاً" لوجہ اللہ تعلیم اور ارشاد کیا کرتے تھے۔ لے

5- **محدث امام احمد بن حنبل :** آپ صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں حدیث میں مقام رفیع کے مالک ہیں آپ کی جرح وتعدیل پر سب کا اتفاق ہے فرماتے ہیں۔

"امام ابو حنیفہ زہد تقویٰ اور علم میں اس جگہ ہیں کہ کوئی اس مقام کو نہیں پہنچ سکا"

امام احمد سے ابن حجر نے نقل کیا کہ ابو حنیفہ علم وتقویٰ' زہد واختیار آخرت میں اس جگہ تھے کہ کوئی ان کو نہیں پہنچ سکا۔ لے

آپ سے کسی نے مسئلہ پوچھا' فرمایا فقہاء سے پوچھو' ابو ثور سے پوچھو (جو مشہور فقیہ تھے)۔ لے

6- **محدث احمد بن محمد بن قاسم بن محرز :** امام یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ میں اصول جرح وتعدیل کی رو سے کوئی عیب نہیں تھا اور نہ وہ کبھی کسی برائی کے ساتھ متہم ہوئے۔ لے

7- **محدث اسرائیل بن یونس :** جس حدیث میں فقہ کا کوئی مسئلہ ہو اس کو امام ابو حنیفہ خوب یاد رکھتے تھے۔ لے یہ سرائیل وہ ہیں کہ "تہذیب التہذیب" میں حافظ ابن حجر نے کہا کہ خلق کثیر سے حدیث سنی اور ان کے حافظہ پر امام

احمدؒ تعجب کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کو فقہ وحدیث دونوں ہی کی شدید ضرورت تھی۔ تو گویا امام صاحبؒ کو دونوں میں امامؒ تسلیم کیا۔ چنانچہ یہی بات اعمش کہا کرتے تھے کہ آپ فقہ وحدیث دونوں کو خوب جانتے ہیں۔

اور یہ کہ نعمان اچھے آدمی تھے' ان سے زیادہ کسی کو وہ حدیثیں یاد نہ تھیں جن میں فقہ ہے' نہ ان سے زیادہ کسی نے کاوش کی تھی' نہ ان سے زیادہ حدیث کی فقہ کا کوئی جاننے والا تھا' انہوں نے حدیثیں حماؒد سے یاد کی تھیں اور خوب یاد کی تھیں' اسی لئے خلفاء وامراء وزراء نے ان کی عزت کی' جو شخص فقہ میں ان سے بحث کرتا اس کی جان مشکل میں پڑ جاتی' مسعرؒ کا قول ہے کہ جو کوئی اپنے اور اللہ کے درمیان ابو حنیفہ کو واسطہ کرے گا' مجھ کو امید ہے کہ اس کو خوف نہ ہو گا' اور اس نے احتیاط کا حق ادا کر دیا ہو گا۔

صحاح ستہ کے راوی ہیں جن کے متعلق امام احمدؒ نے فرمایا ہے ثقة ثبته

الخطيب عن اسرائيل بن يونس انه قال نعم الرجل نعمان كان احفظه لكل حديث فيه فقه واشد فحصاعنه واعلم بمافيه من الفقه

ترجمہ:- "خطیب نے اسرائیل بن یونس سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ نعمان (ابو حنیفہ) بہترین شخص تھے وہ خاص طور پر فقہی احادیث کے بہت بڑے حافظ تھے اور احادیث کے مسائل فقہ سے بہت زیادہ واقف تھے۔"[7]

8- محدث اعمش: اعمش نے ایک بار ابو یوسفؒ سے پوچھا تمہارے رفیق ابو حنیفہ' نے عبداللہ ﷺ کا قول عتق الامة طلاقها کیوں ترک کیا' جواب دیا کہ اس حدیث کی بنیاد پر جو آپ نے بواسطہ ابراہیم واسود عائشہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ بریرہ ﷺ جب آزاد کی گئیں تو ان کو اختیار دیا گیا اعمش یہ سن کر تعجب میں رہ گئے اور کہا ابو حنیفہ بہت زیرک ہیں' ان ابا حنيفة لفطن

کہتے ہیں کہ جب میں تحصیل حدیث سے فارغ ہوا تو فتوی دینے کے لئے مسجد میں بیٹھا' پہلا سوال ہوا تو اس کا جواب مجھ سے نہ بن سکا۔

ابو حنیفہ وہ مسائل جانتے ہیں کہ نہ حسن بصریؒ جانتے ہیں نہ ابن سیرین' نہ قتادہ' نہ بتی' نہ ان کے سوا کوئی اور (انتصار ومناقب کردری) کسی نے اعمش سے مسئلہ پوچھا کہا کہ اس کا جواب ابو حنیفہ خوب جانتے ہیں۔ میرا ظن غالب ہے کہ ان کے علم میں برکت دی گئی ہے۔[8]

اعمش نے امام صاحبؒ سے کہا تھا کہ اگر طلب سے فضیلت حاصل ہوتی تو میں تم سے افقہ ہو جاتا مگر وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عطاء ہے۔

9- ابو یوسفؒ: ابو یوسفؒ کا قول ہے، میں نے حدیث کے معنی یا حدیث کے فقہی نکات جاننے والا ابو حنیفہ سے زیادہ نہیں دیکھا، ان کا یہ بھی قول ہے کہ میں نے جس مسئلہ میں ابو حنیفہ سے مخالفت کی اور غور کیا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ ان کا مذہب آخرت کی نجات کے واسطے زیادہ کار آمد تھا۔ میں اکثر حدیث کی جانب جھکتا حال یہ تھا کہ وہ حدیث صحیح میں مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے، ان کا یہ بھی قول تھا کہ میں ابو حنیفہ کے لئے اپنے باپ سے پہلے دعا کرتا ہوں۔

ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ ابو حنیفہ ہر سائل کی حاجت پوری کرتے تھے، ابو حنیفہ دربار کے عطیوں سے ہمیشہ بچتے رہے۔ خلیفہ منصور نے ان کو تیس ہزار درہم دیئے، انکار میں برہمی کا اندیشہ تھا، کہا امیرالمومنین میں بغداد میں غریب الوطن ہوں، اجازت دیجئے کہ خزانہ شاہی میں یہ رقم میرے نام سے جمع ہوتی رہے، منصور نے منظور کیا، وفات تک یہ رقم خزانے میں رہی، بعد وفات جب منصور نے یہ حال سنا اور یہ بھی سنا کہ امام صاحبؒ کی حفاظت میں لوگوں کے پچاس ہزار درہم امانت کے تھے جو بعد وفات بجنسہ واپس دیئے گئے، تو اس نے کہا ابو حنیفہ میرے ساتھ چال چل گئے۔

امام ابو یوسفؒ علم حدیث میں امام احمدؒ علی بن المدینیؒ اور یحییٰؒ بن معین وغیرہم اکابر محدثین کے استاد ہیں جو امام بخاری وغیرہ محدثین کے شیوخ میں ہیں، انھوں نے امام ابو حنیفہ کو:

ابصر بالحديث الصحيح

ترجمہ:- حدیث صحیح کے بہت جاننے والے۔

کہا ہے۔

وكان ابصر بالحديث الصحيح فرماتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے زیادہ تفسیر وحدیث کا عالم نہیں دیکھا، ہمارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو امام صاحبؒ کے پاس حاضر ہوتے اور امام صاحبؒ فوراً ہی حل پیش کر کے ہماری تشفی فرما دیتے تھے۔

1- اصمعیؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم چند احباب بیٹھے ہوئے اپنی اپنی آرزوؤں کا ذکر کرنے لگے تو میں نے امام ابویوسفؒ سے کہا کہ اب تو آپ بڑے سے بڑے مرتبہ پر پہنچ گئے ہیں، (کیونکہ قاضی القضاۃ تھے اور وہ بھی اس شان سے کہ خلفاء ان کے فیصلوں کے سامنے سر جھکاتے تھے) تو کیا اس سے زیادہ کی بھی کوئی تمنا آپ کو ہے؟ تو فرمایا

کہ "ہاں میری تمنا ہے کہ کاش مجھے ابن ابی لیلیٰؒ کا جمل مسعر بن کدامؒ کا زہد اور امام ابو حنیفہ کا فقہ حاصل ہوتا۔" اصمعی کا بیان ہے کہ میں نے اس کا ذکر امیرالمومنین یعنی خلیفہ وقت سے کیا تو انہوں نے کہا کہ امام ابو یوسفؒ نے جو تمنا کی ہے وہ خلافت سے بھی اونچی چیز کی ہے۔

-2 ایک دفعہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا! "کاش مجھے امام ابو حنیفہ کی ایک مجلس میری آدھی دولت کے عوض نصیب ہو جاتی۔ اصمعی کہتے ہیں کہ اس وقت ان کی دولت بیس لاکھ روپیہ سے زیادہ تھی۔ میں نے کہا کہ یہ تمنا آپ کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کچھ مسائل کی تحقیق کے لئے دل میں خلش ہے امام صاحبؒ ہی سے تسلی ہو سکتی ہے ان سے دریافت کر لیتا۔

-3 عصام بن یوسفؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو یوسفؒ سے کہا علماء وقت کا اتفاق ہے کہ آپ سے بڑھ کر علم حدیث و فقہ میں کوئی نہیں ہے۔ تو فرمایا میرا علم امام صاحب رضی اللہ عنہ کے علم کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے ایسا سمجھو جیسے ایک چھوٹا نالہ بڑی نہر فرات کے مقابلہ میں۔

-4 ایک روز فرمایا کہ امام ابو حنیفہ بڑے عظیم البرکت تھے ان کی وجہ سے ہم پر دنیا و آخرت کے راستے کھل گئے۔

-5 فرمایا کہ میں نے امام صاحبؒ سے زیادہ تفسیر حدیث کا عالم نہیں دیکھا' ہمارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا تو امام صاحبؒ کے پاس حاضر ہوتے اور امام صاحبؒ اس کا فوراً ہی حل پیش کر کے ہماری تشفی کر دیتے تھے۔

-6 امام ابو یوسف علم حدیث میں امام احمد علی ابن المدینیؒ اور یحییٰ بن معینؒ وغیرہ اکابر محدثین کے استاد تھے جو امام بخاری وغیرہ محدثین کے شیوخ میں ہیں۔ ان کا تذکرہ مفصل آگے آئے گا۔ باوجود اس جلالت قدر کے امام ابو حنیفہ کے کس قدر مداح و قدردان ہیں۔ امام صاحبؒ کے مرتبہ عالی کا اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

-7 ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تفسیر حدیث کے معاملہ میں امام صاحبؒ سے زیادہ عالم نہیں دیکھا
قاضی ابو یوسف (جن کو یحییٰ بن معین صاحب الحدیث کہتے ہیں) فرماتے ہیں:۔
جب ان کی رائے قائم ہو جاتی تو میں حلقہ درس سے اٹھ کر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا اور ان سے اس

مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرتا اور آ کر امام صاحب کی خدمت میں پیش کرتا تو آپ بعض کو قبول کرتے اور بعض کے بارے میں فرماتے یہ صحیح نہیں ہے۔ میں کہتا کیوں؟ تو فرماتے کوفہ میں جس قدر علم ہے اس کا میں عالم ہوں

10- محدث ابو معاذ سلیمان بلخی: ابو حنیفہ سے افضل میں نے نہیں دیکھا۔[10]

11- محدث ابو عمرو بن علاء: علم اگر پوچھو تو امام ابو حنیفہ کا ہے۔ اور ہم لوگ جس علم میں مصروف ہیں وہ بہت آسان ہے۔[11]

12- محدث ابو ضمرہ: امام صاحب کا ذکر اچھائیوں کے ساتھ کرتے تھے اور فرماتے کہ بڑا تعجب اس سے ہے کہ اس قدر علمی مشاغل کے باوجود اتنی زیادہ عبادت کس طرح کرتے ہیں۔[12]

13- محدث ابو نعیم: لوگ طوعاً" وکرہاً" امام صاحب کے منقاد ہوتے جاتے تھے' آپ کے یہاں جو ہجوم رہتا تھا وہ دن و رات کے کسی حصہ میں منقطع نہیں ہوتا تھا خواہ آپ مسجد میں ہوں یا مکان میں۔[13]

(1) یہ امام بخاری کے استاد ہیں۔ امام صاحب کے شاگرد ہیں۔

فرمایا۔ امام ابو حنیفہ مسائل کی تہ اور حقیقت تک پہنچنے والے تھے۔

2- امام صاحب بڑے خدا ترس تھے اور بغیر جواب کے کلام نہ کرتے تھے اور نہ لایعنی باتوں میں پڑتے تھے۔

14- محدث ابو علقمہ: میں نے بہت سی حدیثیں جو اساتذہ سے سنی تھیں امام ابو حنیفہ پر پیش کیں انہوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کر دیا کہ فلاں لینے کے قابل ہے اور فلاں نہیں۔ اب مجھے افسوس آتا ہے کہ کل حدیثیں ان کو کیوں نہ سنائیں۔ معلوم ہوا کہ امام صاحب حدیث میں بھی امام تھے اور اسی لئے محدثین ابوداؤد وغیرہ نے آپ کو امام ہی کے لفظ سے سراہا ہے۔[14]

15- محدث ابو عاصم النبیل: امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے اور امام بخاریؒ وغیرہ کے شیوخ کبار میں سے تھے۔ کہا کرتے تھے۔ "مجھے امید ہے کہ امام ابو حنیفہ کے لئے ہر روز ایک صدیق کے برابر اعمال خدا کی بارگاہ عالی میں پہنچتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کیوں؟ تو کہا اس لیے کہ لوگ برابر ان کے علم واقوال سے نفع مند ہوتے رہتے ہیں۔ (لہذا ان سب کے صحیح علم و عمل کا سبب امام صاحب ہوئے۔"[15]

16- محدث ابو شیخ: میں نو سال اور کئی ماہ ابو حنیفہ کے ساتھ بیٹھا' اس مدت میں کوئی بات ایسی نہیں دیکھی جو قابل انکار ہو۔ وہ صاحب ورع صلوٰۃ و صدقہ تھے۔[1]

17- محدث ابو یحییٰ حمانی: میں نے ابو حنیفہ سے بہتر شخص کبھی نہیں دیکھا۔ ایک روز شریک اپنی مسجد میں بیٹھے تھے کہ قریش کی ایک قوم آئی اور ابو حنیفہ کا ذکر کر کے پوچھا کہ آپ کا کیا حال تھا؟ کہا وہ ایک اجنبی شخص تھے مگر ہم سب پر غالب آئے۔[2]

18- محدث ابو امیہ: ان سے پوچھا گیا کہ عراق سے جو علماء آپ کے پاس آئے ان میں افقہ کون ہے؟ کہا ابو حنیفہ اور وہی امام ہیں۔[3]

19- محدث ابو معاویہ ضریر: شریک' جہل و حسد کی وجہ سے امام ابو حنیفہ کے ساتھ دشمنی تو رکھتے تھے مگر جب ان کا کلام سنتے تو بیچارے سر نہ اٹھا سکتے چنانچہ خود فرماتے تھے کہ میں نے ابو حنیفہ کو کبھی مغلوب ہوتے نہیں دیکھا۔[4]

20- محدث ابو سفیان حمیری: امام ابو حنیفہ امت کے بہترین اشخاص سے ہیں سخت مشکل مسائل کا کشف اور احادیث مبہمہ کی تفسیر جو انہوں نے کی کسی سے نہ ہو سکی۔[5]

21- محدث ابوبکر بن عیاش: میں نے محمد بن السائب الکلبی سے بارہا سنا ہے کہ "ابو حنیفہ خدا کی رحمت ہیں"۔۔۔

ابو حنیفہ اپنے زمانہ کے لوگوں میں افضل تھے۔

ابوبکر بن عیاش" کا قول ہے کہ سفیان کے بھائی عمر بن سعید کا انتقال ہوا تو سفیان کے پاس ہم تعزیت کے لئے گئے' مجلس آدمیوں سے بھری ہوئی تھی' عبداللہ بن ادریس بھی وہاں تھے' اسی عرصہ میں ابو حنیفہ مع اپنی جماعت کے وہاں پہنچے' سفیان نے ان کو دیکھا تو اپنی جگہ خالی کی' کھڑے ہو کر ان سے معانقہ کیا' اپنی جگہ ان کو بٹھایا' خود سامنے بیٹھے' یہ دیکھ کر مجھ کو سخت غصہ آیا' ابن ادریس نے مجھ سے کہا' کمبخت دیکھتا نہیں' ہم یہاں تک بیٹھے رہے کہ آدمی متفرق ہو گئے' اب میں نے سفیان سے کہا کہ اے ابو عبداللہ! آج آپ نے ایک ایسا کام کیا جو مجھ کو برا معلوم ہوا' نیز ہمارے دوسروں ساتھیوں کو بھی۔ پوچھا کیا بات؟ میں نے کہا' آپ کے پاس ابو حنیفہ آئے ان کے لئے آپ کھڑے ہوئے'

اپنی جگہ بٹھایا' ان کے ادب میں مبالغہ کیا یہ ہم لوگوں کو ناپسند ہوا' کہا تم کو یہ کیوں ناپسند ہوا' وہ علم میں ذی مرتبہ شخص ہیں اگر میں ان کے علم کے لئے نہ اٹھتا تو ان کے سن وسال کے لئے اٹھتا' اور اگر ان کے سن وسال کے لئے نہ اٹھتا تو ان کی فقہ کے واسطے اٹھتا' اگر فقہ کے لئے نہ اٹھتا تو ان کے تقویٰ کے واسطے اٹھتا' راوی کا بیان ہے کہ انہوں نے مجھ کو ایسا ساکت کیا کہ جواب نہ بن آیا۔[1]

22- **محدث ابوالجویریہ :** کا قول ہے کہ صحبت حماد بن ابی سلیمان ومحارب بن دثار وعلقمہ بن مرثد وعون بن عبداللّٰہ وصحبت ابا حنیفة فما کان فی القوم رجل احسن لیلا من ابی حنیفة لقد صحبت اشھرا فما منھا لیلة وضع فیھا جنبه "میں حماد بن ابی سلیمان' محارب بن دثار' علقمہ بن مرثد اور عون بن عبداللہ کی صحبت میں بیٹھا ہوں اور ابو حنیفہ کی صحبت میں بھی رہا ہوں' میں نے اس جماعت میں کسی کو ابو حنیفہ سے بہتر شب گزار نہیں پایا' میں مہینوں ان کی صحبت میں رہا' اس تمام زمانے میں ایک رات بھی پہلو لگاتے نہیں دیکھا۔[2]

23- **محدث حافظ ابوالحجاج :** جو امام فن رجال ہیں انہوں نے امام ابو حنیفہ کی توثیق کی ہے۔

قال محمد بن سعید العوفی سمعت یحییٰ بن معین یقول کان ابو حنیفه ثقة فی الحدیث لایحدث الا بما یحفظه

وقال صالح بن الاسری الحافظ سمعت یحییٰ بن معین یقول ابو حنیفه ثقة فی الحدیث وعنه قال لا باس به وقال مرة کان ابو حنیفته عند نامن اہل الصدق

ترجمہ :- "محمد بن سعید عوفی نے فرمایا کہ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں ثقہ تھے۔ صرف اسی حدیث کو بیان کرتے تھے جو ان کو اچھی طرح محفوظ ہوتی تھی۔"

"صالح بن الاسری الحافظ نے فرمایا کہ یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں ثقہ ہیں' انہوں نے امام صاحبؒ کے لئے کہیں لا باس بہ (یعنی ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں) کا لفظ استعمال کیا اور کہیں فرمایا امام ابو حنیفہ ہمارے نزدیک اہل صدق میں سے ہیں۔"[3]

24- **محدث ابو مطیع :** کا قول ہے کہ قیام مکہ کے زمانے میں رات کی جس ساعت میں طواف کو گیا ابو حنیفہ اور

سفیان ثوریؒ کو طواف میں مصروف پایا' ابو عاصم کا قول ہے کہ کثرت نماز کی وجہ سے ابو حنیفہ کو لوگ میخ (وتد) کہنے لگے تھے۔

ابو مطیع کا قول ہے کہ میں نے کسی محدث کو سفیان ثوری سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا' ابو حنیفہ ان سے بھی زیادہ فقیہ تھے' یزید بن ہارون نے اس سوال کے جواب میں کہ دونوں میں کون زیادہ فقیہ ہے' کہا سفیان ثوری حفظ حدیث میں بڑھے ہوئے ہیں' ابو حنیفہ فقہ میں' ایسا ہی ایک قول ابو عاصم نبیل کا ہے۔

25- محدث اعظم: خود امام ابو حنیفہ نے اپنے جودت حفظ کی تعریف و توصیف کی ہے۔

فجلست الی حماد فکنت اسمع مسائله فاحفظه ثم یعیدها من الغدفا حفظها ثم یعیدها من الغد فاحفظها ویخطی اصحابه فقال لایجلس فی صدر الحلقة بحذائی غیر ابی حنیفة فصحبته عشر سنین۔

ترجمہ:۔ "میں حضرت حماد کے درس میں بیٹھتا اور ان کے بیان کردہ مسائل غور سے سن کر یاد کرلیتا تھا' وہ ان کو دوسرے دن دہراتے پھر یاد کرلیتا' اگلے دن بھی وہ ایسا ہی کرتے اور میں یاد کر لیتا تھا چونکہ ان کے دوسرے تلامذہ غلطیاں کرتے تھے اس لئے انھوں نے فرمایا کہ میرے سامنے صدر حلقہ میں ابو حنیفہ کے سوا کوئی نہ بیٹھا کرے' اس طرح میں ان کی خدمت میں دس سال رہا۔"

دیکھئے امام ابو حنیفہ کی جودت حافظہ نے آپ کے استاد حمادؒ کے دل میں ایسا گھر کرلیا کہ دس برس تک بجز آپ کے دوسرے شاگرد کو صدر حلقہ میں بیٹھنے کی آپ کے استاد نے اجازت ہی نہیں دی۔ اس سے انداز ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کس قدر جید الحافظ تھے۔

26- امام ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ نیشاپوری: اپنی کتاب مناقب "ابی حنیفہ" میں یحییٰ بن نصر بن حاجب سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس کئی صندوق حدیثوں کے ہیں ان میں سے بقدر ضرورت انتفاع کے لئے نکالتا ہوں

اور "کشف بزدوی" میں بھی روایت موجود ہے۔ آپ نے روایت حدیث کا کام تو رعا" اور بوجہ اشتغال فقہ نہیں کیا لیکن تدوین مجلس میں آپ سب سے فرمایا کرتے تھے کہ اپنے اپنے پاس جو آثار واحادیث ہوں بیان کرو۔ وہ سب

پیش کرتے تو آپ آخر میں اپنی صدارتی تقریر میں اپنے پاس کی احادیث پیش کرتے تھے۔ جس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے روایت سے اجتناب کیا مگر ضرورت کے خاص مواقع میں جب دوسروں کے پاس روایت نہ ہوتی تو آپ پیش کر دیا کرتے تھے۔

غرض بلاشدید ضرورت یہ دونوں روایت نہ کرتے تھے۔ اسی لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مرویات بھی بہت کم ہیں حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ سب صحابہ سے زیادہ آپ کو ہی حاصل تھی اور سب سے زیادہ روایت بھی کر سکتے تھے۔ کیا کوئی کمی روایت کی بناء پر کہہ سکتا ہے کہ ان کے پاس احادیث کم تھیں۔ امام صاحب نے بھی چار ہزار تابعین و تبع تابعین محدثین کبار سے حدیثیں حاصل کیں۔ 26

27-ابن عبدالبر مالکی : انہوں نے امام ابو حنیفہ کی توثیق نقل کی ہے اور تمام عیوب سے آپ کی تبری ظاہر کی ہے۔

اور عقود الجواہر المنیفہ ص 10 میں ہے:۔

قال ابو عمرو یوسف بن عبدالبر والذین رووا عن ابی حنیفہ ووثقوہ واثنوا علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ والذین تکلموا فیہ من اہل الحدیث اکثر ما عابوا علیہ الاغراق فی الرای والقیاس وقدمر ذالک لیس بعیب

ترجمہ:۔ "ابو عمرو یوسف بن عبدالبر نے فرمایا" جن لوگوں نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی اور ان کی تعریف و توثیق کی ہے ان کی تعداد ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جنہوں نے امام صاحب پر کچھ کلام کیا ہے اور انہوں نے بھی امام صاحب پر زیادہ سے زیادہ اغراق فی الرائے اور قیاس کا الزام لگایا ہے جو عیب نہیں ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

قال الحافظ ابو عمرو یوسف ابن عبدالبر بعد کلام ذکرہ و اہل الفقہ لایلتفتون من طعن علیہ ولا یصدقون بشئی من السوء ینسب الیہ

ترجمہ:۔ "حافظ ابو عمرو یوسف بن عبدالبر نے امام صاحب کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ فقہاء ان لوگوں کی جانب بالکل التفات نہیں فرماتے جنہوں نے امام صاحب پر کوئی طعن کیا ہے وہ امام صاحب کی جانب منسوب کی جانے والی (کسی برائی) کی تصدیق نہیں کرتے۔"

ملاحظہ فرمایئے ابن عبدالبر صاف لفظوں میں امام صاحب کی توثیق نقل فرما رہے ہیں اور تمام عیوب سے ان کی تبری ظاہر کرتے ہیں اور حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں یحییٰ بن معین، شعبہ اور حافظ موصلی ازدی اور علی بن المدینی وغیرہم سے امام صاحب کی توثیق وتعدیل نقل کر کے یہ عبارت یعنی الذین رو واعن ابی حنیفہ ووثقو لکھی ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن عبدالبر کے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ثقہ ہیں۔۔

حافظ ابن عبدالبر نے انتقاء میں نقل کیا ہے کہ امام محمدؒ نے ایک دفعہ امام مالکؒ کے تلامذہ واصحاب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "تمہارے شیخ پر ضروری نہیں کہ کچھ فرمائیں اور ہمارے استاد (امام ابو حنیفہ) کے لئے خاموش رہنا درست نہیں تھا۔" مطلب یہ کہ امام مالک حدیث کے امام ہیں مگر فقہ وافتاء میں کمی ہے اس لئے اگر کچھ نہ فرمائیں تو بہتر ہے، دوسرے اس فن میں ان سے بہتر موجود ہیں وہ جواب دے سکیں گے۔ اور امام ابو حنیفہ چونکہ فقہ کے بھی امام تھے اس لیے ان کو ہر سوال کا جواب دینا چاہیے تھا کیونکہ ان سے اونچا مقام ان کے زمانہ میں کسی کو حاصل نہ تھا اور ان کے سکوت وخاموشی سے علمی استفادہ رک جاتا۔

جو شخص فضائل صحابہ کرام ﷺ و فضائل تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے فضائل ومناقب کا مطالعہ غور وفکر سے کرے گا اور ان کی بہترین سیرت وکردار سے واقف ہو گا تو وہ اس کو اپنا برگزیدہ عمل پائے گا، خدا ہم سب کو ان نفوس قدسیہ کی محبت سے نفع اندوز کرے۔

امام ثوری فرمایا کرتے تھے کہ ذکر صالحین کے وقت رحمت الٰہیہ متوجہ ہوتی ہے اور جس شخص نے ان حضرات کے حالات میں سے صرف ان باتوں کو یاد کیا جو حسد، غصہ، خواہشات نفسانی یا کسی غلطی یا غلط فہمی سے ایک دوسرے کو کہی گئی ہیں اور ان کے فضائل ومناقب کو نظر انداز کیا وہ شخص توفیق الٰہی سے محروم ہوا۔ غیبت میں داخل ہوا اور صحیح راستہ سے بھٹک گیا۔ خدا ہمیں اور تمہیں ان لوگوں میں سے کرے جو باتیں سب کی سنتے ہیں مگر اتباع صرف اچھی باتوں کا کرتے ہیں۔ ہم نے اس باب کو حدیث صحیح دب الیکم داء الامم قبلکم الحسد والبغضاء سے شروع کیا تھا جس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے اندر بھی پہلی امتوں کی بیماری ضرور گھس کر رہیگی جو حسد وبغض ہے۔

28- محدث ابن مزاحم: کا قول ہے، ابوحنیفہ، اکثر یہ کہا کرتے تھے، اللھم من ضاق بنا صدرہ فان قلوبنا قد اتسعت لہ، بار الٰہا جو لوگ ہماری طرف سے تنگ دل ہیں، ہمارے دل ان کے لئے کشادہ ہیں۔"

29- محدث ابن عیینہ: کا قول ہے کہ میری آنکھ نے ابو حنیفہ کا مثل نہیں دیکھا۔

30- محدث ابن صہیب: کا قول ہے کہ ابو حنیفہ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:۔

عطاء ذی العرش خیر من عطائکم وسیبہ واسع یرجی وینتظر

انتم یکدر ماتعطون منکم واللّٰہ یعطی بلامن ولا کدر

عرش کے مالک کی بخشش تمہاری بخشش سے بہتر ہے اور اس کا وجود بہت وسیع ہے کہ سب اس کے امیدوار و منتظر ہیں، تمہاری بخشش کو تمہارا احسان جتانا مکدر کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عطاء میں نہ احسان رکھتا ہے نہ کدورت۔

31- محدث علامہ ابن سیرین: مشہور و معروف عابد وزاہد اور علم تعبیر خواب کے زبردست عالم تھے، تاریخ ابن خلکان میں خطیب کی تاریخ سے نقل کیا ہے کہ جب امام ابو حنیفہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کھودنے کا خواب دیکھا تب ایک شخص کو امام صاحب نے ابن سیرین کے پاس تعبیر دریافت کرنے کو بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ اس خواب کو دیکھنے والا اس حد تک علوم نبوی روشن اور واضح کریگا کہ اس سے پہلے کسی نے سبقت نہیں کی ہو گی۔

32- محدث قاضی ابن ابی لیلیٰ: ابو یوسف سے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کو مت چھوڑنا فقہ اور علم میں ان کا مثل نہیں ہے۔

33- محدث ابن داؤد: امام ابو حنیفہ پر طعن دو قسم کے لوگوں نے کیا ہے، ایک ان لوگوں نے جوان سے ناواقف تھے اور دوسرے وہ جن کو ان سے حسد ہے وہ کہا کرتے تھے کہ بصرہ والوں کا فخر چار کتابیں ہیں۔ جاحظ کی کتاب البیان والتبیین کتاب الحیوان، سیبویہ کی کتاب اور خلیل کی کتاب العین، لیکن ہمارا فخر حلال و حرام کے ستائیس ہزار مسائل پر ہے جو ایک کوئی محمد بن حسن کی کوشش کا نتیجہ ہیں وہ ایسے قیاسی و عقلی ہیں کہ کسی انسان کو ان کا نہ جاننا روا نہیں۔

2- جب کوئی آثار یا حدیث کا قصد کرے تو اس کے لئے سفیان ہیں اور جب آثار یا حدیث کی باریکیوں کو معلوم کرنا چاہے تو امام ابو حنیفہ ہیں۔

3- اہل اسلام پر نماز میں امام ابو حنیفہ کے لئے دعا کرنی ضروری ہے کیونکہ انہوں نے دوسرے کے واسطے سنن و آثار کو محفوظ کر دیا ہے۔ یعنی بصورت احادیث و آثار مرویہ وبصورت احکام و مسائل۔

34- محدث ابن جریج : نعمان فقیہ اہل کوفہ کے حالات معلوم ہوئے ہیں کہ وہ ورع میں کامل اور دین و علم کی حفاظت کرنے والے تھے اہل آخرت کے مقابلہ میں اہل دنیا کو اختیار نہیں کرتے تھے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ قریب میں ان کے علم کی عجیب شان ہو گی۔

ائمہ صحاح کے اعلی شیوخ سے ہیں' ابن عیینہ نے بیان کیا کہ ابن جریج کو جب امام ابو حنیفہ کے علم و ورع اور استقامت دین کا علم ہوا تو کہنے لگے عنقریب اس شخص کے علمی کمالات کا حیرت انگیز چرچا ہو گا۔

ایک روز کسی نے ان کے سامنے امام صاحبؒ کا کسی قدر برائی سے ذکر کیا تو فرمایا' خاموش رہو وہ تو بہت بڑے فقیہ ہیں' بہت بڑے فقیہ ہیں' بہت بڑے فقیہ ہیں۔

خطیب نے روح بن عبادہ سے روایت کی کہ میں ابن جریج کے پاس تھا' جب امام اعظمؒ کی خبر وفات ان کو دی گئی تو سن کر اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور افسوس سے فرمایا کہ کیسا علم جاتا رہا۔[1]

35- محدث ابن سماک : کوفہ کے استاد چار ہیں۔ سفیان ثوری' مالک بن مغول' داؤد طائی' ابوبکر نہشلی اور یہ سب ابو حنیفہ کے حلقہ میں بیٹھے ہیں۔

کوفہ کے کبار اہل علم و واعظین سے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کوفہ کے استاد چار ہیں۔ سفیان ثوری' مالک بن مغول' داؤد طائی (صاحب ابی حنیفہ) اور ابوبکر نہشلی اور یہ سب امام صاحب کی مجلس علمی میں بیٹھنے والے تھے اور سب نے امام صاحب سے حدیث کی روایت کی ہے۔

حضرت ابن سماک بڑا پر اثر وعظ کہا کرتے تھے جس سے تمام سامعین روتے تھے اور رقت قلب وخوف وخشیت الہی کے اثرات لیکر ان کی مجلس وعظ سے اٹھا کرتے تھے اور ان کا طریقہ تھا کہ وعظ کے بعد امام صاحب کے لئے دعاء کرتے تھے اور سب حاضرین سے آمین کہلاتے تھے اور ان کو امام صاحب کی مجالست کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔ یہ ہارون رشید کے زمانہ تک زندہ رہے ہیں ایک دفعہ خلیفہ مذکور کو بھی نصیحت اور تذکیر آخرت کی وہ بہت متاثر ہوا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔[2]

36- محدث علامہ ابن الاثیر جزری : اگر ہم امام ابو حنیفہ کے فضائل و کمالات بیان کرنا چاہیں تو وہ اتنے ہیں کہ ہم سب کو بیان نہیں کر سکتے بات بہت لمبی ہو جائے گی اور غرض پھر بھی پوری نہ ہو گی' مختصر یہ کہ وہ عالم باعمل' زاہد' عابد

متقی پرہیزگار اور علوم شریعت کے مسلم وپسندیدہ امام تھے۔

37- علامہ تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحکیم بن عبدالسلام بن تیمیہ : اپنی تالیفات میں امام اعظم ابو حنیفہ کا نام اہمیت وعظمت کے ساتھ لیتے ہیں اور جب کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں تو ائمہ متبوعین کے مذاہب ذکر کرتے ہیں اور اکثر وبیشتر امام اعظم کا مذہب اول ذکر کرتے ہیں ان کے بعد امام مالک وشافعی واحمد کا بہت سی جگہ امام صاحب کے مذہب کو قرآن وحدیث کی روشنی میں ترجیح بھی دیتے ہیں۔

نہ صرف امام صاحبؒ کے اقوال نقل کرتے ہیں بلکہ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ وسفیانؒ بن عیینہ وغیرہ اصحاب وتلامذہ امام اعظمؒ کے کے اقوال وآراء بھی بطور استناد واستشہاد پیش کرتے ہیں۔(ملاحظہ ہو مجموعہ رسائل کبری مطبوعہ عادہ شرقیہ مصر ص 425 و ص 436) نیز یہ بھی بتلایا کہ امام محمد نے ان عقائد کو امام ابو حنیفہ وامام مالک اور ان کے طبقہ کے دوسرے علماء سے اخذ کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے کتاب مذکور کے پہلے رسالہ الفرقان بین الحق والباطل' میں فرق باطل خوارج' شیعہ' معتزلہ' قدریہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے' پھر مرجیہ کا ذکر کیا اور کہا کہ اس فرقہ کے لوگ اکثر اہل کوفہ تھے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کے اصحاب وتلامذہ کا اس فرقہ مرجیہ سے کوئی تعلق نہیں تھا البتہ معتزلہ وخوارج کے مقابلہ میں ان حضرات نے اعمال کو جزوایمان قرار دینے کے خلاف زور دیا۔ کیونکہ خوارج مرتکب کبائر اہل اسلام کی تکفیر کرتے تھے اور ان کو مخلد فی النار کہتے تھے' معتزلہ نے کہا کہ ایسے لوگ آخرت میں مخلد فی النار تو ہوں گے مگر دنیا میں ان کو کافر نہ کہا جائے گا اگرچہ اسلام وایمان ان میں نہیں رہا۔ گویا معتزلہ نے ایک میانہ روی کا راستہ نکالا کہ ایسے لوگ نہ مومن ہیں نہ کافر' اس لئے خوارج کی طرح وہ ایسے مسلمانوں کو قتل کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

غرض ان دونوں باطل فرقوں کے مقابلہ میں مرجیہ اہل سنت نے کہا کہ اہل کبائر کو آخرت میں عذاب ہو گا لیکن وہ مخلد فی النار نہ ہوں گے بلکہ وہ شفاعت سے دوزخ سے نجات حاصل کر لیں گے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اس جگہ یہ بھی تصریح کی کہ ان فرق باطلہ کی وجہ سے اس نظریہ کو کسی قدر نئے قالب میں پیش کیا گیا' لہذا یہ بہت ہلکی بدعت تھی بلکہ اس کے خلاف جن لوگوں نے کہا ان دونوں میں اختلاف اسمی ولفظی تھا' حکمی وحقیقی نہ تھا کیونکہ جن فقہاء کی طرف قول مذکور منسوب ہے مثلاً امام حماد بن ابی سلیمان (استاد امام اعظمؒ) اور امام ابو حنیفہ وغیرہ وہ سب اہل سنت کے عقائد کے ساتھ پوری طرح متفق ہیں ان کی رائے درحقیقت لاگ نہیں ہے۔

وہ حضرات بھی دوسرے تمام اہل حق کی طرح یہ کہتے ہیں کہ اہل کبائر کو عذاب غیر مخلد ہو گا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ایمان صرف فعل قلبی نہیں بلکہ زبان سے بھی اقرار ضروری ہے۔ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اعمال مفروضہ کی ادائیگی واجب ولازم ہے اور ان کا ترک کرنے والا دنیا میں ملامت اور آخرت میں عذاب کا مستحق بنتا ہے۔

غرض اعمال جزو ایمان ہیں یا نہیں یا استثناء وغیرہ کے مسائل میں جو کچھ بھی اختلاف ہے وہ نزاع لفظی ہے۔ پھر ایک صفحہ کے بعد علامہ نے فرمایا کہ خلاصہ بحث یہ ہے کہ جن اکابر پر ارجاء کی تہمت لگی ہے ان کا ارجاء اسی نوع کا ہے۔

البتہ ایک فرقہ مرجیہ اہل بدعت کا بھی تھا جو اس امر کا قائل تھا کہ اعمال مفروضہ کے ترک سے ایمان کو کوئی ضرر لاحق نہیں ہوتا۔ ان کا قول غیر مقبول ہے۔ نہ وہ لوگ اہل سنت تھے۔

ص 35 پر فرمایا کہ "اوپر جو نزاع ذکر ہوا وہ اہل علم ودین میں اسی قسم کا ہے جیسے بہت سے احکام میں ہوا ہے حالانکہ وہ سب ہی اہل ایمان واہل قرآن ہیں۔"

یہاں ہم نے علامہ ابن تیمیہ کی عبارات اس لیے پیش کی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ بعض محدثین امام بخاریؒ وغیرہ نے جو امام صاحبؒ وغیرہ کو مرجیہ کہہ کر تضعیف کی' یا امام بخاریؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنی کتاب میں ایسے رواۃ سے روایت نہیں کی جو اعمال کو جزو ایمان نہیں کہتے تھے۔ یہ ان کا محض تشدد یا تعصب تھا یا بقول علامہ ابن تیمیہ ایک اسمی ولفظی نزاع کو حقیقی وحکمی نزاع بنا دیا تھا جس سے اہل سنت' اہل ایمان وقرآن ہی بے وجہ دوٹولی بن گئے' اسی طرح امام بخاری نے امام محمد کو جہمی کہدیا اور علامہ ابن تیمیہ نے اسی مجموعہ رسائل کے ص 436 جلد 1 میں امام محمد سے ہی روایت پیش کی ہے کہ وہ جہمی عقائد والے کو خارج ملت قرار دیتے تھے۔

افسوس آج علامہ ابن تیمیہ کے خاص متبعین اہل حدیث حضرات امام بخاریؒ وغیرہ کے اقوال کو شائع کر کے امام صاحبؒ وغیرہ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ نے مجموعہ رسائل مذکورہ کے ص 173 جلد 2 و ص 174 ج 2 میں یہ بحث بھی صاف کر دی ہے کہ مشہور اختلافی مسائل ہیں اختلاف صرف افضلیت واستحباب یا راجح مرجوح کا ہے۔ مثال کے طور پر بتلایا کہ:۔

1- قرات فاتحہ نماز جنازہ میں بہت سے سلف سے ماثور نہیں ہے اور یہی مذہب امام ابو حنیفہ ومالک کا بھی

ہے۔ پھر قائلین میں سے بعض وجوب کے قائل ہوئے اور بعض صرف استحباب کے اور یہی استحباب کا قول اعدل الاقوال ہے کیونکہ سلف سے پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں ہی منقول ہیں۔

2- پھر بسم اللہ بھی اسی طرح ہے کہ سلف میں نماز جہر بسم اللہ کے ساتھ بھی تھی اور بغیر جہر کے بھی۔

3- رفع یدین بھی بعض سلف سے منقول ہے اور بغیر رفع کے بھی سلف میں نماز پڑھتے تھے۔

4- امام کے پیچھے قرات کرتے بھی تھے اور نہیں بھی کرتے تھے۔

5- نماز جنازہ میں کئی تکبیر کہتے تھے پانچ اور چار بھی ثابت ہیں۔

6- اذان میں بھی ترجیع اور غیر ترجیع دونوں ثابت ہیں' جس طرح اقامت میں شفع اور وتر دونوں ثابت ہیں۔ یہ سب امور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ماثور ہیں۔ اور ان میں سے ہر امر کو مصلحت راجحہ کی وجہ سے راجح اور خلاف کو مرجوح کہہ سکتے ہیں اور جس پر بھی کوئی عمل کریگا اس کو بلا نکیر درست کہا جائے گا۔

یہاں آپ نے دیکھا کہ علامہ ابن تیمیہ نے اس قسم کے تمام مسائل میں اختلاف کو معمولی اختلاف فضیلت واستحباب کا قرار دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے جیسا کہ ہمارے اکابر واسلاف نے تصریحات کی ہیں اور حضرت الاستاذ الامام الانور شاہ صاحبؒ قدس سرہ کا رسالہ فصل الخطاب اور نیل الفرقدین پڑھ کر بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ مگر غیر مقلدین ایسے مسائل میں امام بخاریؒ وغیرہ کی آڑ لیکر اپنی عدم تقلید کے لئے فضا ہموار کرتے رہتے ہیں۔ ان کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ حقائق کیا ہیں یا خود ان کے مسلم اکابر علامہ ابن تیمیہ وغیرہ نے کیا تحقیق کی ہے۔

کتاب مذکور ص 230 ج 2 میں استحاضہ سے طہارت نجاست کے مسئلہ میں علامہ نے فرمایا کہ اس میں اختلاف مشہور ہے امام مالک وامام احمد سے دو قول ہیں طہارت بھی اور عدم طہارت بھی۔ امام شافعی عدم طہارت کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہ طہارت کے قائل ہیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ نجاست جب نمک یا راکھ بن گئی تو اس کی حقیقت' نام' صفت وغیرہ سب چیزیں بدل گئیں پھر حکم کیوں نہ بدلے گا۔ آگے اس کی مزید وضاحت کی ہے۔ ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید ۔ سنت 37 (الف)

آج کل تو امام ابن تیمیہ کو عالم اسلام میں جو مقام حاصل ہے وہ محتاج تعارف نہیں پاکستان اور بیرون پاکستان میں ان کو شیخ الاسلام کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے ابتداء میں امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے لیکن تیزی طبع کی وجہ

سے ان کی تقلید کے قلادے کو گردن سے اتار دیا اور آزاد روش اختیار کی۔ اس آزادی طبع کی بناء پر آج کل یہ ہندوستان، پاکستان اور خصوصاً" مصر میں بہت مقبول نظر آتے ہیں امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

> امام ابو حنیفہ سے اگرچہ بعض لوگوں کو اختلاف رہا ہے لیکن ان کی فہم اور فقہ میں کوئی شک نہیں کر سکتا کچھ لوگوں نے ان کی تذلیل کے لئے ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو بالکل جھوٹ ہیں۔ (ب)

38۔ علامہ ابن حجر مکی شافعی: یہ وہم بھی نہ کرنا چاہیے کہ امام ابو حنیفہ علم فقہ کے سوا اور علوم نہیں جانتے تھے۔ اعوذباللہ! وہ علوم شرعیہ تفسیر، حدیث اور علوم عالیہ ادبیہ، قیاس وعلوم حکمیہ کا ایک سمندر تھے۔ ان کے بعض مخالفوں کا قول اس کے خلاف ہے مگر ان کا منشاء محض حسد اور اپنی برتری کی خواہش ہے۔

علامہ موصوف کی کتاب "الخیرات الحسان فی مناقب النعمان" باوجود اختصار کے اعلیٰ ترین معلومات کا خزینہ ہے۔ امام صاحبؒ کے علمی و عملی کمالات کے ہر قسم کے نمونے اس میں یک جا مل جاتے ہیں۔ تھوڑے وقت میں امام صاحبؒ کے تعارف کے لئے یہ مختصر کتاب بے نظیر ولاجواب ہے

ابن حجر مکی شافعی، انہوں نے بڑے زور سے امام ابو حنیفہ کی تعدیل کی ہے اور ایک مستقل فصل اس طرح منعقد کی ہے۔

الفصل الثانی والثلاثون فی ردما قیل فیہ من الجرح

اس فصل میں حافظ ابن عبدالبرؒ یحییٰ بن معینؒ، علی بن المدینیؒ شعبہ، حجاج اور تاج الدین سبکی وغیرہم کے اقوال سے امام ابو حنیفہ کی بسط کے ساتھ تعدیل کی ہے اور معترضین کے اعتراضات کا نہایت معقول جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ وہم بھی نہ کرنا چاہیے کہ امام ابو حنیفہ علم فقہ کے ما سوا اور دوسرے علوم نہیں جانتے تھے ماشاء اللہ وہ علوم شرعیہ تفسیر، حدیث اور علوم عالیہ ادبیہ قیاس اور علوم حکمیہ کا ایک سمندر تھے۔ ان کے بعض مخالفین کا قول اس کے خلاف ہے۔ مگر ان کا منشاء محض حسد اور اپنی برتری کی خواہش ہے۔

حافظ ابن حجر مکی الہیثمی شافعیؒ نے حضرت سفیان ثوریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "امام ابو حنیفہ حدیث وفقہ دونوں میں ثقہ وصدوق ہیں۔"

حافظ ابن حجر مکی نے نقل کیا کہ ابن مدینی نے فرمایا "امام ابو حنیفہ سے ثوریؒ، ابن المبارکؒ، حماد بن زیدؒ، ہشامؒ

وکیعؒ، عباد بن العوامؒ اور جعفر بن عونؒ نے روایت کی ہے۔ یعنی یہ سب ائمہ حدیث ہیں امام صاحبؒ کے شاگرد ہیں اور فرمایا کہ امام صاحبؒ ثقہ ہیں ان میں کوئی عیب نہیں اور امام شعبہ بھی ان کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے تھے۔ اور حضرت یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ ہمارے کچھ لوگ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے متعلق تفریط میں مبتلا تھے اور ان کی تنقیص کرتے تھے۔

پھر کسی نے سوال کیا کہ کیا امام صاحبؒ کی طرف بیان حدیث و مسائل میں کسی مسامحت یا کذب وغلط بیانی کی نسبت صحیح ہے؟ تو فرمایا "ہرگز نہیں۔"

39- محدث ابن ندیم :- اپنی مشہور و معروف کتاب "الفہرست" میں امام اعظمؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھا کہ مشرق سے مغرب تک زمین کے تمام خشکی و تری کے حصوں میں دور و نزدیک جو کچھ علم کی روشنی پھیلی وہ امام صاحبؒ ہی کی تدوین کا صدقہ ہے۔

40- محدث حافظ ابن حجر عسقلانی :- نعمان بن ثابت امام ابو حنیفہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی کی زیارت کی ہے اور عطاء، عاصم، علقمہ، حماد، حکم، سلمہ، ابو جعفر، علی، زیاد، عطیہ، ابو سفیان، عبدالکریم، یحییٰ اور ہشام سے حدیث پڑھی اور روایت کی ہے اور امام صاحب سے حماد، ابراہیم، حمزہ، زفر، قاضی ابو یوسف، ابو یحییٰ، عیسیٰ، وکیع، یزید، اسد، حکام، خارجہ، عبدالمجید، علی، محمد، عبدالرزاق، محمد بن حسن، یحییٰ بن یمان، ابو عصمہ نوح، ابو عبدالرحمان، ابو نعیم، ابو عاصم اور دوسروں نے روایت کی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:-

قال محمد بن سعد سمعت یحیی بن معین یقول کان ابو حنیفه ثقة لایحدث بالحدیث الابما یحفظه وقال صالح بن محمد الاسری عن ابن معین کان ابو حنیفه ثقةفی الحدیث

ترجمہ :- "محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں ثقہ ہیں۔ صرف اسی حدیث کو بیان فرماتے تھے جو ان کو اچھی طرح محفوظ ہوتی تھی اور صالح بن محمد اسری نے امام صاحب کے بارے میں ابن معین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں ثقہ ہیں۔

نوٹ : تہذیب التہذیب نہایت معتبر کتاب ہے اور تہذیب الکمال کا مختصر اور خلاصہ ہے۔ چنانچہ خود حافظ ابن حجر نے تعجیل المنفعہ ص 3 میں لکھا ہے:۔

وکنت قد لخصت تہذیب الکمال وزدت علیہ فوائد کثیرۃ و سمیتہ تہذیب التہذیب و جاء نحو ثلث الاصل ونحو ذالک فی ابتدائیہ تہذیب التہذیب ص 3

ترجمہ :۔ "میں نے تہذیب الکمال کو مختصر کیا اور اس میں بہت سارے فوائد کا اضافہ کیا اور اس کا نام تہذیب التہذیب رکھا۔ یہ خلاصہ اصل کتاب کے تہائی کے برابر ہو گیا۔ تہذیب التہذیب کے دیباچہ ص 3 میں بھی یہی لکھا ہے۔"[114]

41- محدث علامہ ابن سیرین : مشہور و معروف عابد وزاہد اور علم تعبیر خواب کے زبردست عالم تھے' تاریخ ابن خلکان میں خطیب کی تاریخ سے نقل کیا ہے کہ جب امام ابو حنیفہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کھودنے کا خواب دیکھا تب ایک شخص کو امام صاحب نے ابن سیرین کے پاس تعبیر دریافت کرنے کو بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ اس خواب کو دیکھنے والا اس حد تک علوم نبوت روشن اور واضح کریگا کہ اس سے پہلے کسی نے سبقت نہیں کی ہو گی۔[115]

42- محدث بحر السقاء : بصرہ کے اکابر ائمہ حدیث میں سے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں امام ابو حنیفہ سے علمی مذاکرات کیا کرتا تھا وہ فرمایا کرتے تھے کہ اے بحر! تم تو واقعی اسم باسمی یعنی علم کے سمندر ہو۔ تو میں عرض کرتا تھا حضرت میں تو صرف ایک بحر ہوں۔[116]

43- محدث بجیر بن معروف : جس نے ابو حنیفہ کو دیکھا اس کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اعلی درجہ کے فقیہ اور صاحب معرفت اور پرہیز گار کیسے ہوا کرتے ہیں اور ان کو دیکھنے والے پر یہ ثابت ہو جاتا تھا کہ وہ خیر ہی کے لئے مخلوق ہیں۔[117]

44- محدث حافظ بدر الدین عینیؒ : فرماتے ہیں کہ امام یحیٰی بن معین سے امام صاحبؒ کے بار میں سوال کیا گیا تو فرمایا۔ "ثقہ ہیں' میں نے سنا ہی نہیں کہ امام ابو حنیفہ کو کسی نے ضعیف کہا ہو۔ (معلوم ہوا کہ اس دور کے اکابر واصاغر میں سے کسی نے بھی آپ پر جرح نہیں کی) اور شعبہ

ابن الحجاج امام صاحب کو لکھا کرتے تھے کہ احادیث کی روایت ہمارے لئے کریں' اور فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ ثقہ تھے اور سچے لوگوں میں سے تھے کہ کبھی بھی ان کو جھوٹ کی تہمت نہیں لگی اور اللہ کے دین میں مامون و معتمد تھے۔ احادیث صحیحہ بیان فرماتے تھے۔

حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، حضرت سفیان بن عیینہؒ، حضرت اعمشؒ، حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت عبدالرزاقؒ، حضرت حماد بن زید وغیرہ بڑے بڑے ائمہ وحفاظ نے امام صاحب کی تعریف کی ہے اور حضرت وکیع مدح کرتے تھے اور امام صاحب کی رائے کے موافق بھی دیا کرتے تھے۔

45- محدث سقا: میں امام ابو حنیفہ سے علمی مسائل میں بحث کیا کرتا تھا۔ ایک روز انہوں نے کہا کہ تم نام کی طرح بحر ہو۔ میں نے کہا کہ اگر میں بحر ہوں تو آپ بحور ہیں۔۔۔

46- محدث تاج الدین سبکی: نے امام ابو حنیفہ کی تعدیل کی ہے' چنانچہ طبقات شافعیہ ص 39 ج 2 میں جرح وتعدیل کے اصول پر ایک نفیس بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

وَحینئذٍ لایلتفت لکلام الثوری وغیرہ فی ابی حنیفہ

ترجمہ:۔ "اور اب امام ابو حنیفہ کے بارے میں امام ثوریؒ وغیرہ کا کلام بالکل قابل التفات نہیں ہے۔"

محدث توبہ بن سعد: اہل مرو کے امام تھے' بقول ابن مبارک مومن قوی القلب تھے اور امام مالک کہا کرتے تھے کہ کاش! ان جیسا ایک شخص ہمارے یہاں ہوتا۔ یہ توبہ مذکور امام صاحب کے حلقہ میں بیٹھتے تھے' استفادہ کرتے تھے اور قضاء میں امام صاحب کے قول پر فیصلہ کرتے اور کہتے تھے کہ امام ابو حنیفہ میرے اور میرے رب کے درمیان ہیں۔

47- محدث امام ترمذی: فقہاء نے اس طرح تشریح کی ہے اور وہ معانی حدیث کو زیادہ جانتے ہیں۔

48- محدث جریر بن عبداللہ: نے کہا کہ مجھ سے مغیرہ نے کہا کہ ابو حنیفہ کے حلقہ میں رہا کرو گے تو فقیہ ہو جاؤ گے۔ اگر ابراہیم نخعی ہوتے تو وہ بھی ان کے حلقہ میں بیٹھتے۔

49- محدث جعفر صادق: ابو حنیفہ کل فقہائے کوفہ سے افقہ ہیں۔

50- محدث جعفر بن الربیع: کا قول ہے' پانچ سال میں ابو حنیفہ کے پاس رہا' ان سے زیادہ خاموش آدمی میں نے نہیں دیکھا' جب کوئی مسئلہ پیش آتا اس وقت کھلتے اور سیل دریا کی طرح رواں ہوتے۔

51- محدث حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ خاص اور محدثین کے شیوخ کبار میں تھے۔ فرماتے تھے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے ان کی کتابیں پڑھیں اور ان کے آثار مرویہ سنے میں نے ان سے زیادہ پاک باطن اور باب احکام میں فاسد و صحیح کا علم رکھنے والا نہیں دیکھا۔

ایک دفعہ فرمایا کہ امام ابو حنیفہ یکتائے روزگار تھے۔ ان کی جیسی فہم و نظر کا کوئی شخص میں نے نہیں سنا۔ امام ابو حنیفہ جیسا عالم ان احادیث کا میں نے نہیں دیکھا جو احکام میں مفید و صحیح ہوں۔

52- محدث حفص بن عبدالرحمن: آپ امام نسائی اور ابوداؤد کے استاد ہیں فرماتے ہیں۔
میں ہر قسم کے علماء فقہا اور زاہدوں کے پاس بیٹھا' لیکن ان میں سب اوصاف کو جامع امام ابو حنیفہ کے علاوہ کسی کو نہیں پایا۔

53- محدث حارث بن عمیر: جب امام ابو حنیفہ مکہ معظمہ جاتے تو ابن جریج اور عبدالعزیز بن ابی رواد ان کے ساتھ بیٹھتے اور ابن جریج ان کی مدح کرتے عبدالعزیز سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مل کر معلوم کر کے بتاتے۔

54- محدث حسن بن زیاد : امام ابو حنیفہ چار ہزار احادیث روایت کرتے تھے' دو ہزار حماد سے اور دو ہزار باقی شیوخ سے۔

55-محدث حسن بن صالح کوفی : ائمہ صحاح کے اعلی رواۃ سے ہیں۔ کہا کہ امام ابو حنیفہ ناسخ ومنسوخ حدیث کی سخت تلاش میں مصروف رہتے تھے اور اسی حدیث پر عمل کرتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے ان کو ثابت ہوتی تھی اور حدیث وفقہ اہل کوفہ کے صرف عارف ہی نہیں تھے بلکہ اپنے شہر کے لوگوں کی معمول بہا احادیث کا سختی سے اتباع کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح کتاب اللہ میں ناسخ ومنسوخ آیات ہیں اسی طرح احادیث میں بھی ناسخ ومنسوخ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخیر زندگی کے اعمال کے حافظ تھے۔

56- محدث حسن بن زیاد لولوی : امام ابو حنیفہ ایک دریائے بے پایاں تھے ان کے علم کی انتہا ہمیں معلوم نہ ہو سکی۔ اس زمانہ میں لوگ جن چیزوں کے محتاج تھے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔

57- محدث حسن بن عمارہ رحمۃ اللہ علیہ : ایک دفعہ امیر کوفہ نے علماء کوفہ کو جمع کیا اور ایک مسئلہ میں سب سے سوال کیا سب نے جوابات دیئے اور سب نے بالاتفاق مان لیا کہ امام ابو حنیفہ کا جواب زیادہ صحیح ہے۔ امیر نے بھی اس کو تسلیم کر لیا اور حکم دیا کہ اسی کو لکھ لیا جائے لیکن امام صاحب نے فرمایا کہ ہم سب کے جوابات وآراء میں کچھ نہ کچھ غلطی ہے اور میرے نزدیک سب سے بہتر اور صحیح تر جواب حسن بن عمارہ کا ہے۔

حسن بن عمارہ نے کہا کہ مجھے امام صاحب کے اس فرمانے سے بڑا تعجب ہوا کیونکہ وہ مجلس حاکم وقت تھی اور مجلس مفاخرت تھی ہر شخص چاہتا تھا کہ میری بات اونچی ہو اور امام صاحب اگر چاہتے تو اپنی قوت استدلال سے بھی میری بات کو گرا کر اپنی بات اونچی کر سکتے تھے مگر انہوں نے کسی چیز کی پروا نہ کی اور میری بات کو ایسے موقعہ پر حق بتلایا' اس سے مجھے یقین ہوا کہ ان سب میں وہی سب سے زیادہ باورع ہیں۔

اس سے پہلے حسن بن عمارہ بھی امام صاحب سے کچھ بدظن تھے اور کسی موقعہ پر کچھ برائی بھی کر دیا کرتے تھے۔ مگر اس واقعہ کے بعد ہمیشہ امام صاحب کی غیر معمولی مدح وثنا کرتے تھے۔

محمد بن خزیمہ نے کہا کہ اسی وجہ سے اصحاب حدیث حسن بن عمارہ کی تضعیف کرنے لگے کیونکہ وہ امام صاحب کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ اس واقعہ کے ساتھ یہ بھی نقل ہے کہ نہ صرف حسن بن عمارہ کے دل میں امام صاحب کی

عزت بڑھی بلکہ دوسرے لوگوں کا رجحان بھی ان کی طرف بڑھ گیا۔

حماد بن الامام کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے والد (امام صاحب) اور حسن بن عمارہ کہیں ساتھ جا رہے تھے پل پر پہنچے تو میرے والد نے ان سے کہا کہ آپ آگے بڑھیے! انہوں نے کہا کہ میں آگے نہیں بڑھوں گا۔ آپ ہی بڑھیں

کیونکہ آپ ہم سب سے زیادہ افقہ' اعلم' وافضل ہیں۔

58- محدث حسن بن سلیمان: حدیث لاتقوم لاساعة حتی یظهر العلم کی تفسیر میں حسن بن سلیمانؒ نے کہا ہے کہ وہ علم ابو حنیفہ ہے اور وہ شرح جو انہوں نے احادیث کی ہے' خلف بن ایوب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ سے علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا' آپؐ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہنچایا' صحابہ رضی اللہ عنہم نے تابعینؒ کو' تابعینؒ کے بعد ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کو ملا' اس پر کوئی خوش ہو یا ناراض ہو۔

59- محدث حسن بن صالح: حسن بن صالح صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔ امام معین اور امام نسائی نے لکھا ہے کہ حسن بن صالح ثقہ ہیں اور ابو زرعہ نے کہا ہے۔

اجتمع فیه حفظ و اتقان و فقه و عبادة

ترجمہ:- ان میں حسب ذیل صفات جمع تھیں حفظ' مہارت فی العلم' فقہ اور عبادت۔

یہ حسن بن صالح امام ابو حنیفہؒ کو حدیث میں اہل کوفہ کا عارف اور حافظ کہتے ہیں۔ خیرات الحسان میں 30 میں ہے

و عن الحسن بن صالح و ابا حنیفه کان شدید الاتباع لما کان الناس علیه حافظا لما وصل الی اهل بلده الخ

ترجمہ:- "حسن بن صالح سے مروی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ جمہور کے مسلک کی پیروی میں نہایت سخت اور ان کی احادیث کے حافظ تھے۔"

حسن بن صالح کوفی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ ناسخ و منسوخ حدیث کی تلاش میں بہت مصروف رہتے تھے اور اس حدیث پر عمل کرتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کو ثابت ہوتی تھی اور اہل کوفہ کی حدیث و فقہ کے صرف عارف ہی نہیں تھے بلکہ اپنے شہر کوفہ کے لوگوں کی معمول بہا احادیث کا نہایت سختی سے اتباع کرتے تھے

اور فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح قرآن و حدیث میں ناسخ و منسوخ آیات ہیں' اسی طرح حدیث میں بھی ناسخ و منسوخ ہیں اور رسول خدا ﷺ کی آخری زندگی کے اعمال کے حافظ تھے۔

60- محدث حماد بن زید :- کا قول ہے کہ میں نے حج کا ارادہ کیا' اور ایوب کے پاس رخصت ہونے گیا' انہوں نے کہا' میں نے سنا ہے کہ اہل کوفہ کے فقیہ' مرد صالح' یعنی ابو حنیفہؒ اس سال حج کو آئیں گے' جب ان سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہنا۔

61- محدث حماد بن زید کوفی کا قول ہے کہ حکم بن ہشام الثقفی سے کسی نے ابو حنیفہؒ کی نسبت رائے پوچھی تو انہوں نے ابو حنیفہؒ کسی کو رسول اللہ ﷺ کے قبلے سے نہیں نکالتے تھے جب تک کہ وہ خود اسی دروازہ سے نہ نکل جائے' جس سے وہ داخل ہوا تھا' وہ بہت بڑے امین تھے' ہمارے سلطان نے چاہا کہ ان کو خریدیں۔ لیکن نہ خرید سکے۔ یعنی قاضی نہ بنا سکے۔

62- محدث خارجہ بن مصعب :- میں ایک ہزار سے زیادہ علماء سے ملا ہوں مگر علم و عقل میں میں نے ابو حنیفہؒ کا نظیر نہیں پایا۔ (علم سے مراد اس دور میں اکثر علم حدیث ہی ہوتا تھا) ان کے روبرو آتے ہی ان کے علم' زہد' ورع اور تقویٰ کی وجہ سے آدمی یہ حالت ہو جاتی تھی کہ اپنے نفس کو حقیر سمجھ کر متواضع ہو جاتا تھا۔

یہ خارجہ بن مصعب سرخس کے بڑے امام حدیث و فقہ تھے۔ امام صاحب سے بکثرت روایت حدیث کرتے تھے اور امام صاحب کا علم خراسان میں پھیلایا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک لاکھ روپے اپنی طلب علم پر صرف کئے اور ایک لاکھ لوگوں کی امداد پر صرف کئے اپنے والد سے بھی بکثرت حدیث سنی تھی۔ ان کے والد حضرت علی ؓ کے ساتھ جنگ جمل و صفین میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت علی ؓ' طلحہ ؓ' زبیر و اصحاب بدر سے احادیث سنی تھیں اور خارجہ نے امام صاحب کے مشائخ سے بھی حدیث سنی ہیں۔

63- محدث خالد بن صبیح :- امام ایک رات عشاء کی نماز پڑھ کر جا رہے تھے کہ امام زفر نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب دیا' اس میں دوسری بحث اور تیسری بحث نکلی اور صبح تک یہ سلسلہ چلتا رہے اور صبح کے بعد بھی یہ گفتگو رہی حتی کہ زفر کو شرح صدر ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے رات کے اوقات عبادت و نماز وغیرہ میں جب ہی گزرتے ہوں گے کہ آپ کے پاس طالبین کا ہجوم نہ ہو ورنہ درس و افادہ ہی مقدم رکھتے ہوں گے

جیساکہ واقعہ مذکور سے معلوم ہوا۔

بعض ائمہ حدیث نے لکھا ہے کہ جس قدر امام صاحب کے اصحاب و تلامذہ تھے کسی امام کو نصیب نہیں ہوئے' حافظ ابو المحاسن شافعی نے نو سو اٹھارہ علمائے کبار کے نام بقید نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے۔ غالباً یہ تعداد مشہور محدثین کی ہو گی یا ان محدثین و فقہاء کی جو اکثر ملازم حلقہ رہا کرتے تھے۔ اور اس کا ثبوت ردالمختار سے بھی ملا ہے' چنانچہ اس میں بحوالہ طحطاوی لکھا ہیکہ فقہ کے جمع کرتے وقت ایک ہزار عالم امام صاحب کے ساتھ تھے جن میں چالیس شخص درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔(2)

64- محدث خلف بن ایوب :- امام صاحب کے زمانہ میں ان سے بڑھا ہوا علم میں کوئی نہ تھا۔

امام ابو حنیفہؒ ایک نادر الوجود شخص ہیں۔ علم خدا کی طرف سے محمد ﷺ کے پاس آیا پھر صحابہ ؓ میں تقسیم ہوا پھر تابعین میں' ان کے بعد ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب میں آیا۔

(1) میں اکثر علماء کی مجلس میں جایا کرتا تھا اکثر ایسا ہوتا تھا کہ بعض باتوں کے معنی نہ سمجھ سکتا تھا۔ پھر امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں جاتا' ان سے دریافت کرتا' وہ مجھ سے ان کی تفسیر فرماتا اور اس تقریر و تفسیر سے میرے قلب میں ایک نور داخل ہو جاتا تھا۔(1)

65- امام ابو داؤد سجستانی :- (صاحب سنن) فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ امام شریعت تھے۔(1)

66- محدث علامہ ذہبی :- نقاد فن ہیں انہوں نے صاف لفظوں میں امام ابو حنیفہؒ کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:-

> قال صالح بن محمد جوزه وغيره سمعنا يحيى بن معين يقول ابو حنيفة ثقة في الحديث و روى محمد بن محرز عن ابن معين لاباس به
>
> ترجمہ :- "صالح بن محمد نے فرمایا کہ ہم نے یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ابو حنیفہؒ حدیث میں ثقہ ہیں اور محمد بن محرز نے امام صاحب کے بارے میں ابن معین کا قول لاباس بہ نقل کیا ہے۔"

ذہبی نے کاشف میں امام ابو حنیفہؒ کا طولانی ترجمہ لکھا ہے۔ توثیق و تعدیل میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔ ایک جملہ

بھی تضعیف کا نہیں نقل کیا بلکہ اخیر میں اپنی رائے ظاہر کر دی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

قلت قد احسن شیخنا ابو الحجاج حیث لم یورد شیئا یلزم منہ التضعیف

ترجمہ:۔ "میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ ابو الحجاج نے بہت ہی اچھا کیا کہ کوئی ایسا جملہ نہیں کہا جس سے امام صاحب کی تضعیف لازم آتی ہو۔"

علامہ ذہبیؒ:۔ تذکرۃ الحفاظ میں امام صاحب کو حفاظ حدیث میں شمار کیا اور آپ کا تذکرہ الامام الاعظم فقیہ العراق کے الفاظ سے شروع کیا اور لکھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی کوفہ میں تشریف لائے تو امام صاحب نے ان کو متعدد بار دیکھا اور امام صاحب نے عطاء، نافع، سلمہ بن کہیل، عمرو بن دینار اور خلق کثیر سے روایت حدیث کی اور امام صاحب سے فقہ حاصل کرنے والے بھی تھے، جیسے زفر، داؤد طائیؒ، قاضی ابو یوسف، محمد بن الحسن وغیرہ اور حدیث حاصل کرنے والے بھی تھے جیسے وکیع، یزید بن ہارون، سعد بن الصلت، ابو عاصم، عبدالرزاق (صاحب مصنف) عبداللہ بن موسیٰ، ابو عبدالرحمن المقری اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ تھے۔

امام صاحب عالم باعمل، عابد و زاہد اور بڑے عالی مرتبت انسان تھے۔ بادشاہوں کے نذرانے قبول نہیں کرتے تھے بلکہ خود تجارت کرتے تھے۔ بنی نوع انسان میں امام صاحب نہایت ذکی تھے۔

اس کے بعد علامہ ذہبی نے حضرت عبداللہ بن مبارک وغیرہ کبار محدثین کے اقوال امام صاحب کے مناقب نقل کئے ہیں جو ہم نے دوسری جگہ نقل کئے ہیں۔

حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں امام صاحب کو طبقہ خامسہ کے حفاظ حدیث میں ذکر کیا ہے۔ اصطلاح محدثین میں حافظ حدیث وہ ہوتا ہے جس کو کم از کم ایک لاکھ احادیث یاد ہوں اور تذکرۃ الحفاظ میں امام صاحب کی سند سے دو روایتیں بھی موجود ہیں[۸۸۸]

67- محدث زائدہ:۔ کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے ابو حنیفہؒ کے ساتھ عشاء کی نماز مسجد میں پڑھی۔ آدمی نماز پڑھ کر چلے گئے، ابو حنیفہؒ کو معلوم نہ ہوا کہ میں مسجد میں ہوں۔ حالانکہ تنہائی میں ایک مسئلہ میں ان سے پوچھنا چاہتا تھا، انہوں نے کھڑے ہو کر نماز میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ میں انتظار میں کھڑا سنتا رہا کہ فارغ ہوں تو مسئلہ پوچھوں۔ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہنچے فمن اللہ علینا ووقنا عذاب السموم [۸۸۹(الف)] تو اس کو بار بار پڑھنا شروع کیا۔ اسی آیت کی تکرار میں صبح ہو گئی، یہاں تک کہ موذن نے فجر کی اذان دے دی[۸۸۹] (ب)

68- زہیر بن معاویہؒ:- خدا کی قسم امام ابو حنیفہؒ کے پاس ایک روز بیٹھنا میرے پاس ایک مہینہ بیٹھنے سے زیادہ نفع بخش ہے"

یہ تھے اس خیرالقرون کے معاصرین، کیسے نیک نفس تھے۔ اس قول سے معاصرت کی چشمک کی کہیں بو بھی آ رہی ہے؟ اس کے بعد وہ زمانہ آیا کہ اپنے شیوخ کا احترام کرنے والے بھی کم رہ گئے۔

69- محدث امام زفرؒ:- فرمایا کہ بڑے بڑے محدثین امام صاحب کے پاس آتے جاتے تھے اور آپ سے مسائل مشکلہ میں حل طلب کرتے تھے اور جو احادیث ان پر مشتبہ المراد ہوتی تھیں ان کی تفسیر آپ سے کراتے تھے۔

70- محدث سوید بن سعید:- اگر امام ابو حنیفہؒ اور خدائے تعالیٰ کے درمیان کوئی امر نہ ہوتا تو ان کو اس قدر توفیق نہ ہوتی۔

71- محدث سعید بن ابی عروبہ:- سفیان بن عینیہ سے فرمایا کہ تمہارے شہروں سے ابو حنیفہؒ کی جو خبریں آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ افقہ کوئی نہیں ہے۔ مجھے آرزو ہے کہ جو علم خدائے تعالیٰ نے ان کو دیا ہے وہ تمام مسلمانوں کے دلوں میں ڈالا جائے۔ ان کو خدا نے فقہ میں فتح یاب کیا ہے گویا وہ اسی کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔

کئی مسائل میں امام صاحب سے گفتگو کی۔ آخر میں کہا کہ ہم نے جو متفرق اور مختلف مقامات سے حاصل کیا تھا وہ سب آپ کے پاس مجتمع ہے۔ (یعنی جو حدیثیں انہوں نے طلق کثیر سے بہ تصریح ذہبی حاصل کی تھیں وہ سب امام صاحب کے پاس جمع تھیں۔)

بصرہ کے امام جلیل، حفظ، فقہ، دیانت و زہد کے لحاظ سے وہاں کے مفاخر میں سے تھے۔ امام صاحب سے بہت محبت کرتے تھے اور امام صاحب ان کے پاس کوفہ سے ہدایا بھیجا کرتے تھے جن پر وہ فخر کیا کرتے تھے۔

کوفہ آتے تو امام ابو یوسف کہتے ہیں میں بھی ان سے ملتا تھا۔ ایک روز کہنے لگے کہ میں امام صاحب کے پاس آتا جاتا ہوں، علمی مذاکرات کرتا ہوں، ابو یعقوب! تم جو علمی و تحقیقی لحاظ سے ٹھوس پختہ باتیں کرتے ہو شاید یہ سب امام صاحب ہی سے استفادہ کے باعث ہیں؟ میں نے کہا ہاں ایسے ہی ہے۔ کہنے لگے ان کا طرز تحقیق کتنا اچھا ہے۔؟

پھر مجھے معلوم ہوا کہ وہ امام صاحب سے بہت سے اہم مسائل میں گفتگو کرتے رہے اور امام صاحب سے کہا کہ جو کچھ علمی تحقیقات ہم نے بہت سے لوگوں سے الگ الگ حاصل کی تھیں ان سب کو آپ کے پاس یکجا پایا۔

72۔ محدث سہل بن مزاحم نے۔ کا قول ہے کہ دنیا ابو حنیفہ کے قدموں پر گری' انہوں نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا' اس کے لینے پر کوڑوں کے ذریعہ سے مجبور کئے گئے مگر قبول نہ کیا۔

دو مرتبہ ابو حنیفہؒ نے حق کی حفاظت پر جسمانی تکلیفیں برداشت کیں' اول مرتبہ بنو امیہ کے زمانے میں' جب ابن ہبیرہ عامل کوفہ کی قضاء کا عہدہ قبول کرنے پر ان سے اصرار کیا' انکار پر سو کوڑے لگوائے۔ بالآخر چھوڑ دیا' ہر روز دس کوڑے مارے گئے۔ ایک دن کوڑے لگنے کے دوران روئے۔ رہائی کے بعد رونے کا سبب کسی نے پوچھا تو کہا کہ مجھے کو اپنی والدہ کے صدمہ کا خیال آیا جو کوڑوں سے زیادہ ایذارساں تھا۔ اس پر رویا' احمد بن حنبلؒ اپنی مصیبت کے بعد جب ابو حنیفہ کی مصیبت کا ذکر کرتے روتے اور ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے' دوسری مرتبہ خلیفہ منصور نے اسی عہدہ کے قبول کے لیے بغداد بلایا' اور اصرار کیا' ابو حنیفہ انکار کرتے رہے' خلیفہ نے قسم کھا کر کہا کہ کرنا ہو گا' انہوں نے انکار پر قسم کھائی' یہ بھی مکر رہا' حاجب ربیع نے موقع پا کر کہا کہ ابو حنیفہؒ امیر المومنین بار بار قسم کھاتے ہیں' پھر بھی تم انکار کئے جاتے ہو' جواب دیا' امیر المومنین کو قسم کا کفارہ دے دینا مجھ سے زیادہ آسان ہے۔ بالآخر منصور نے قید کا حکم دیدیا۔ دوران قید میں ایک دن بلا کر پھر فرمائش کی' انہوں نے کہا اصلح اللہ امیر المومنین ماانا اصلح للقضاء خدائے امیرالمومنین کا بھلا کرے' میں عہدہ قضاء کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ منصور نے کہا تم جھوٹے ہو' جواب دیا خود امیرالمومنین نے میری تصدیق کر دی' کہ مجھ کو جھوٹا کہا' اگر میں فی الواقع جھوٹا ہوں تو عہدہ قضاء کے قابل نہیں اور اگر سچا ہوں تو میں کہہ چکا کہ مجھ میں یہ صلاحیت نہیں۔ منصور نے یہ سن کر پھر قید خانے بھیج دیا۔ اسی قید خانہ میں چھ دن علیل رہ کر 150ھ میں وفات پائی۔ ستر برس کی عمر تھی۔ ابن جریجؒ نے خبر وفات سن کر اناللہ پڑھی اور کہا ای علم ذھب کیسا علم اٹھ گیا ہے[72]

73۔ محدث سفیان بن عیینہؒ نے۔ کا قول ہے کہ ہمارے وقت میں کوئی آدمی مکہ میں ابو حنیفہؒ سے زیادہ نماز پڑھنے والا نہیں آیا' ان کا یہ بھی قول ہے کہ وہ نماز اول وقت ادا کرتے تھے۔

آپ مشہور محدث' امام بخاری' امام حمیدی کے استاد ہیں اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں دو چیزیں ایسی تھیں کہ ابتداء میں جن کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ کوفہ کے پل سے آگے نہ بڑھ سکیں گی' حمزہ کی قرات اور امام ابو حنیفہؒ کا فقہ مگر یہ دونوں آفاق میں پہنچ چکی ہیں

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں امام ابو حنیفہؒ حدیث میں اعلم الناس ہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے عالم تھے' ان کے بعد بھی اپنے زمانہ کے عالم ہوئے' ان کے بعد ابو حنیفہؒ عظیم عالم ہوئے ہیں۔

74- محدث سلیمان بن مہران ابو محمد الاعمش الکوفی :۔ محدثین کے مشہور و معروف شیخ الشیوخ ہیں۔ مسند خوارزمی میں امام اعمش کا قول منقول ہے کہ :۔

1- ابوحنیفہ مواضع فقہ دقیقہ اور غوامض علم خفیہ کو بخوبی جانتے ہیں اور ان کو تاریک مقام میں بھی اپنے چراغ قلب کی وسیع نورانی روشنی سے اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میری امت کے چراغ ہیں۔

2- فرماتے کہ مسائل کا بہتر جواب ابوحنیفہ ہی دے سکتے ہیں اور میرے خیال میں خدا نے ان کے علم میں بڑی برکت بخشی ہے۔

3- ایک بار امام صاحب سے چند مسائل میں گفتگو کی۔ آپ نے جواب دیئے۔ پوچھا کہاں سے؟ امام صاحب نے احادیث بیان کرنی شروع کر دیں جو اعمش سے سنی تھیں۔ اعمش نے کہا کہ بس کافی ہے آپ نے تو حد کر دی۔ میں نے جو احادیث سو دن میں آپ سے بیان کی تھیں وہ آپ نے ایک ساعت میں سنا دیں۔ مجھے یہ علم نہ تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کر رہے ہیں۔ اے جماعت فقہاء! آپ لوگ طبیب ہیں اور ہم دوا فروش' اور آپ نے دونوں طرف (فقہ و حدیث) سے حصہ وافر حاصل کیا۔

75- محدث سفیان ثوری :۔ 1 بخدا امام ابو حنیفہؒ علم کے اخذ و تحصیل میں سخت مستعد اور منہیات کی روک تھام کرنے والے تھے' وہی حدیث لیتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پایہ صحت کو پہنچ چکی ہو' ناسخ و منسوخ کی پہچان میں قوی ملکہ رکھتے تھے۔ حق کی پیروی میں جس بات پر جمہور علماء کوفہ کو متفق پاتے تھے اس سے تمسک کرتے تھے اور اسی کو اپنا دین و مذہب قرار دیتے تھے۔

کچھ لوگوں نے آپ پر بے جا طعن و تشنیع کی اور ہم نے بھی ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جس کی نسبت ہم خدا سے استغفار کرتے ہیں بلکہ ہم سے بھی پہلے آپ کے حق میں کچھ الفاظ بیجا نکلے ہیں۔ ابن مبارک نے کہا مجھے امید ہے کہ خدا آپ کی اس خطا کو بخش دے گا۔

2- خطیب بغدادی نے محمد بن بشیر سے نقل کیا کہ میں ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوری کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ پس جب

ابو حنیفہؒ کے پاس جاتا تو وہ پوچھتے کہاں سے آئے ہو؟ میں کہتا کہ سفیان کے پاس سے۔ وہ فرماتے، تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ اگر علقمہ و اسود بھی موجود ہوتے تو اس کے محتاج ہوتے، اور جب میں سفیان کے پاس جاتا تو وہ پوچھتے کہاں سے آئے ہو؟ میں کہتا کہ ابو حنیفہؒ کے پاس سے وہ فرماتے کہ تم ایسے شخص کے پاس سے آ رہے ہو جو ساری دنیا کے فقہاء سے فقہ میں بڑھ کر ہے۔

3- عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز امام سفیان ثوری سے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ غیبت سے کس قدر محتاط ہیں؟ کہ میں نے کبھی کسی دشمن کو بھی غیبت کرتے ہوئے ان کو نہیں سنا۔ امام سفیان نے فرمایا، واللہ وہ تو بہت بڑے عاقل ہیں۔ وہ کس طرح ایسی بات کر سکتے ہیں جس سے ان کی نیکیاں دوسرے کے حوالے ہو جائیں۔

ابو حنیفہؒ کی مخالفت ایسا شخص کر سکتا ہے جو ان سے قدر اور علم میں بڑا ہو۔ اور ایسا شخص کون ہے (افسوس ہے کہ بعد کے دور میں ان سے کم مرتبہ لوگوں نے مخالفت کی)

آپ سے جب کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے کہ اس مسئلہ میں کوئی عمدہ تقریر نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جس پر ہم لوگ حسد کرتے ہیں۔ یعنی ابو حنیفہؒ پھر امام صاحب کے شاگردوں سے پوچھتے کہ اس مسئلہ پر آپ کے استاد کا کیا قول ہے؟ اور جو وہ جواب دیتے اسی کو یاد کر کے اسی کے موافق فتویٰ دیتے تھے۔

اگر سفیان ثوری کے پاس کوئی جاتا اور کہتا کہ میں امام ابو حنیفہؒ کے پاس سے آیا ہوں تو فرماتے کہ تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ روئے زمین پر اس جیسا فقیہ عالم نہیں ہے۔

سفیان ثوری، یہ نہایت عظیم المرتبت شخص ہیں جن کی شان میں شعبہ نے کہا ہے کہ الحفاظ مزی اور خطیب نے کہا ہے۔

کان الثوری اماما من ائمة المسلمین و علماء من اعلام الدین مجمعا علی امامة مع الاتفاق والضبط والحفظ والمعرفة والزهد والورع

ترجمہ:- "امام ثوریؒ مسلمانوں کے لیے ایک بڑے امام تھے اور دین کے نشانوں میں سے ایک نشان تھے، ان کی امامت پختگی، ضبط، حفظ، معرفت، زہد اور تقویٰ پر علماء کا اتفاق ہے۔"

خلاصہ:- انہوں نے امام صاحب کو صحیح حدیث کا سیکھنے والا، ثقات کی حدیثوں کو طلب کرنے والا، ناسخ و منسوخ کا بڑا پہچاننے والا فرمایا ہے، مناقب کردری ص 10 ج 2 اور خیرات الحسان ص 33 میں ہے۔

كان والله شديد الاخذ للعلم لا ياخذ الا ماصح عنه صلى الله عليه وسلم شديد المعرفة بالناسخ والمنسوخ وكان يطلب احاديث الثقات والاخر من فعله صلى الله عليه وسلم

وما ادرك عامة علماء الكوفه فى اتباع الحق اخذبه و جعله دينه

ترجمہ :- "امام سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم وہ علم کے بہت زیادہ حاصل کرنے والے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو روایت صحیح ہوتی صرف اسی کو اختیار فرماتے' وہ ناسخ و منسوخ کی پہچان میں قوی ملکہ رکھتے تھے اور وہ قابل اعتماد حضرات کی روایات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کے بہت زیادہ متلاشی رہا کرتے"۔

"اتباع حق میں اکثر علماء کوفہ کی رائے کو قبول کرتے اور ترجیح دیتے۔ (اپنا مسلک قرار دیتے تھے)۔"

باوجود یہ کہ سفیان ثوریؒ امام صاحب کے معاصر تھے اور باہم چھیڑ چھاڑ بھی رہا کرتی تھی مگر امام عالی مقام کے فضائل جو مثل آفتاب کے روشن تھے نہ چھپا سکے اور صاف لفظوں میں امام صاحب کے فضائل کا اقرار کر لیا اور حق پسند اہل انصاف لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

امام ابو سفیان ثوریؒ کہا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہؒ علم حدیث کے اخذ میں غیر معمولی طور پر محتاط تھے جن کو روایت کرنے والے ثقہ ہوتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو لیتے تھے۔ باوجود اس کے بعض لوگوں نے ان پر تشنیع کی' خدا تعالیٰ انھیں اور ہمیں بخش دے۔[76]

76۔ محدث سہل بن عبداللہ تستریؒ :- درمختار میں ہے کہ جرجانی نے مناقب نعمانیہ میں سہل تستری سے روایت کی "اگر حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کی امتوں میں امام ابو حنیفہؒ جیسا کوئی شخص غزیر العلم' ثاقب الفہم' قائم بالصدق اور عارف بالحق ہوتا تو وہ یہود یا نصرانی نہ ہوتے۔" اس آخری جملہ کی وضاحت علامہ شامی نے یہ کی ہے کہ اپنے مذہب صحیح کی تعلیمات میں تحریف کر کے جو یہودیت و نصرانیت بنا لی تھی اگر امام صاحب ایسے مجتہدان میں ہوتے تو وہ دین کے اصول و فروع کو ایسی طرح منضبط کر دیتے کہ تحریف نہ ہو سکتی۔

یہ قول بھی منقول ہے کہ اگر بنی اسرائیل میں ابو حنیفہؒ جیسا کوئی عالم ہوتا تو وہ گمراہ نہ ہوتے۔[77]

77- **محدث سعدان بن سعید حلمی** :- امام ابو حنیفہؒ اس امت کے طبیب ہیں اس لیے کہ جہل سے زیادہ کوئی بیماری نہیں اور علم ایسی دوا ہے کہ اس کی نظیر نہیں اور امام صاحب نے علم کی ایسی شافی تفسیر کی کہ جہل جاتا رہا۔

78- **محدث امام شمس الدین شافعیؒ** :- عقود الجواہر المنیفہ میں امینی کی خلاصۃ الاثر سے نقل کیا ہے کہ شمس الدین محمد بن علاء البابلی شافعی فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم سے افضل الائمہ کے بارے میں سوال ہوتا تھا تو ہم ابو حنیفہؒ ہی کو بتلایا کرتے تھے۔

79- **امام شافعیؒ** :- صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے شاگرد فرماتے ہیں -

1- سب کے سب فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کی عیال ہیں۔

2- جو شخص امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں کو نہ دیکھے وہ عالم متبحر نہیں ہو سکتا۔

جو شخص صرف حدیثوں کو جمع کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی رات کو لکڑیاں جمع کرے کبھی ایسا بھی ہو گا کہ سانپ کو لکڑی سمجھ کر اٹھائے گا اور تکلیف اٹھائے گا۔

جس کو فقہ کی معرفت منظور ہو وہ ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کو لازم پکڑے' کیونکہ فقہ میں سب ان کے عیال ہیں۔

امام شافعیؒ کے حسب ذیل اقوال فقہ حنفی کے متعلق نقل کئے ہیں۔

الناس عیال علی ابی حنیفۃ فی الفقہ مارایت افقہ من ابی حنیفۃ

ترجمہ :- "لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں' میں نے ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا۔"

جو شخص فقہ میں تبحر ہونے کا ارادہ کرے وہ ابو حنیفہؒ کا محتاج ہے۔

کان ابوحنیفۃ ممن وفق لہ الفقہ

ترجمہ :- "ابو حنیفہؒ ان لوگوں میں سے تھے جن کو فقہ میں حق کے ساتھ موافقت بخشی گئی ہے"۔

جو شخص فقہ سیکھنا چاہے اس کو ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کا دامن پکڑنا چاہیے' اس لیے کہ سارے انسان

فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

80- **شعبۃ بن الحجاج**ؒ :- ائمہ صحاح کے اعلیٰ رواۃ سے ہیں سفیان ثوریؒ ان کو امیرالمومنین فی الحدیث کہا کرتے تھے۔

1- جب ان سے امام ابو حنیفہؒ کا حال دریافت کیا جاتا تو وہ بہت تعریف ان کی کیا کرتے تھے اور ہر سال نیا تحفہ امام صاحب کو بھیجا کرتے تھے۔

2- امام صاحب کو حسن الفہم جید الحفظ فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان پر تشنیع کی ہے واللہ وہ خدا کے یہاں اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے کیونکہ خدا ان چیزوں سے پوری طرح واقف ہے۔

3- جب خبر وفات پہنچی تو اناللہ پڑھا اور کہا آج کوفہ کا چراغ علم گل ہو گیا اور اب اہل کوفہ کو قیامت تک اس کی نظیر نہ ملے گی۔

81- **محدث شداد بن حکیم** :- امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ علم والا ہم نے نہیں دیکھا۔ فرمایا کہ نوح بن مریم جب کوئی روایت سلف سے بیان کرتے تو اس کے آخر میں امام صاحب کا قول ضرور بیان کرتے اور کہتے کہ جس طرح امام صاحب نے اس کی تفسیر و تشریح کی ہے کسی نے نہیں کی۔

82- **امام شعرانیؒ** :- 1- میں نے امام ابو حنیفہؒ کے مسانید ثلاثہ کے صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا جن پر حفاظ کی تصدیق تھی، میں نے دیکھا کہ ہر حدیث بہترین عدول و ثقات تابعین سے مروی و منقول ہے۔ مثلاً اسود، علقمہ، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مکحول، حسن بصری وغیرہ وغیرہ سے۔ پس امام صاحب اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تمام راوی عدول، ثقہ، عالم اور بہترین بزرگ ہیں جن میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب نہیں۔

2- ہمارے لیے کسی طرح موزوں نہیں کہ ایسے امام اعظم پر اعتراض کریں جس کی جلالت قدر مسلم ہے۔

3- امام اعظم ابو حنیفہؒ کے کثرت علم، پرہیزگاری، عبادت، استنباط و سمجھ کی دقت و گہرائی پر سلف و خلف کا اتفاق و اجماع ہے۔

83- **محدث حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب** :- امام ابو حنیفہؒ اپنے زمانہ میں سب سے اعلم تھے۔ یہاں تک کہ امام شافعیؒ نے کہا کہ "سب لوگ فقہ میں ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔"

جس طرح امام سیوطی شافعیؒ اور علامہ ابن حجر کی شافعی وغیرہ بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ حدیث لو کان العلم بالثریا لتناولہ ناس من ابناء فارس کا اولین مصداق ابو حنیفہؒ ہی کی ذات گرامی ہے۔ اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس حدیث کا مصداق امام صاحب ہی کو قرار دیا ہے چنانچہ ان کے مکتوبات میں ہے کہ :-

ایک روز اس حدیث پر ہم نے گفتگو کی کہ ایمان اگر ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اہل فارس کے کچھ لوگ یا ان کا ایک شخص اس کو ضرور حاصل کر لیتا' فقیر (شاہ صاحب) نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ اس حکم میں داخل ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے علم فقہ کی اشاعت آپ ہی کے ذریعہ کرائی اور دولت دین کا سرمایہ یہی مذہب ہے۔ سارے ملکوں اور شہروں میں بادشاہ حنفی ہیں' قاضی حنفی ہیں' اکثر درس علوم دینے والے علماء اور اکثر عوام بھی حنفی ہیں۔"

حضرت شاہ صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں آج یورپ اور امریکہ بھی ان کے علوم و معارف کا لوہا مان رہا ہے فرماتے ہیں :-

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے اور وہ بہت موافق ہے اس طریقہ مسنونہ کے جو کہ مدون کیا گیا ہے۔ بخاری اور اس کے اصحاب کے زمانے میں ہے"۔

امام صاحب کے تذکرے اور سیرت کی مناسبت سے اس عنوان کے تحت صرف ان ہی اقوال کے اوپر اکتفا کیا ہے' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس قسم کی تمام اقوال کو جمع کیا جائے تو اس کے لیے مستقل ایک کتاب کو ترتیب دینا ہو گا یہ آراء حقیقت ہیں یا عقیدت جو کچھ بھی ہیں اس حدیث کی روشنی میں امام صاحب کے فضل و کمال پر ایک مستقل سند ہیں۔

من اثنیتم علیہ خیرا وجبت لہ الجنۃ و من اثنیتم علیہ شرا وجبت لہ النار انتم شہداء اللّٰہ فی الارض (...)

ترجمہ :- "جس کی تم تعریف کرو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے اور جس کی برائی کرو اس کے لیے دوزخ' تم زمین میں خدا کے گواہ ہو" ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی

توثیق و تعدیل اور توصیف و منقبت کی ہے۔ ہم یہاں پر اختصاراً اکتفا کرتے ہیں۔
ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت امام ابو حنیفہ ؒ کی شان میں توثیق و تعدیل کے کیسے کیسے کلمات محدثین اور نقاد فن سے منقول ہیں :۔

ثقة ثقة' عدل ثقة' ثقة صدوق' ثقة ماسمعت احداضعفه ثقة لاباس به' ثقةفی الحدیث' جیدالفظ' احسن الضبط' احفظ' حافظ و تقوة' البصر بالحدیث الصحیح' و ثقة ابن معین عدله ابن مبارک و وکیع' ابل من الکذب' عندنا من اہل الصدق' لاباس به' لم یکن یتهم ○

باوجود اس قدر توثیق و تعدیل کے اگر کوئی شخص حضرت امام ابو حنیفہ کو مجروح اور ضعیف کہے اور ان کی روایت کو قابل احتجاج نہ سمجھے تو اس سے زیادہ متعصب نفس پرست اور حق پوش اس زمانہ میں اور کون ہو گا؟

فائدہ :۔ اس مقام پر یہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ تعدیل کے مراتب میں امام ابو حنیفہ ؒ کی تعدیل کس مرتبہ کی ہو گی۔

اما الفاظ التعدیل فعلی مراتب الا ولی قال ابن حاتم اذا قیل للواحدانه ثقة او متقن فهو ممن یحتج بحدیثه

ترجمہ :۔ "کسی کی تعدیل کے لیے مختلف الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں' ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے لیے لفظ ثقہ اور متقن استعمال کیا جائے تو اس کی حدیث حجت ہے۔"

اما المرتبة التی زادها الذهبی والعراقی فانها اعلی من هذه و هو ماکرر احد هذه الالفاظ اما بعینه کثقة ثقة اولا کثقة ثبت و ثقة حجة و ثقة حافظ

ترجمہ :۔ "علامہ ذہبی اور عراقی نے ان کے علاوہ جو الفاظ بیان فرمائے ہیں وہ ان سے بھی اعلیٰ ہیں' وہ یہ کہ کوئی ان الفاظ کو بعینہ مکرر کر دے' جیسے ثقہ ثقہ' یا ہم معنی لفظ کے ساتھ تکرار ہو جیسے ثقہ ثبت' ثقہ حجۃ' ثقہ حافظ وغیرہ۔

فتح المغیث میں ہے :۔

قال الخطیب ابوبکر ارفع العبد فی احوال الرواة ان یقال حجة او ثقة

ترجمہ:۔ "خطیب ابوبکر نے فرمایا کہ راویوں میں سب سے اعلیٰ وہ ہے جس کے لیے لفظ حجت یا ثقہ استعمال کیا جائے۔"

فارفع التعدیل ماکررته کثقة ثبت والواعدته

ترجمہ:۔ "سب سے اعلیٰ تعدیل یہ ہے کہ دو الفاظ تعدیل کو مکرر بیان کرے جیسے ثقہ ثبت۔"

اور تدریب الراوی ص 126 میں ہے:۔

المرتبة التی زادها شیخ الاسلام اعلیٰ من مرتبة التکرار وهی الوصف بالفعل کاوثق الناس واثبت الناس اونحوه

ترجمہ:۔ "شیخ الاسلام نے تکرار سے بھی اعلیٰ جو مرتبہ بیان فرمایا ہے وہ اسم تفضیل کا استعمال کرنا ہے جیسے اوثق الناس' اثبت الناس وغیرہ۔"

چونکہ امام ابو حنیفہؒ کی شان میں تعدیل کے کلمات ہر قسم کے جیسے ثقة او ثقة ثقة و عدل ثقة بتکرار اور احفظ صیغہ اسم تفضیل منقول ہیں اس وجہ سے تمام اقوال کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے ثقہ اور عادل ثابت ہوتے ہیں اور آپ کی روایت یقیناً جملہ اقوال کے لحاظ سے قابل احتجاج کہی جائے گی۔

ذالک فضل الله یوتیه من یشاء

ترجمہ:۔ "یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔"

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ امام المحدثین یحییٰ بن معین سے تعدیل کے کلمات مختلف مروی ہے۔ ازاں جملہ لاباس بھی ہے اور یہ خاص اصطلاح ہے ابن معین کی کہ لفظ لاباس سے وہ ثقہ مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ خود ابن معین نے اس کی تصریح کر دی ہے۔

عن ابی خیشبة قال قلت لیحی بن معین انت تقول فلان لیس به باس وفلان ضعیف قال اذا قلت لک لیس به باس فهو ثقة و اذا قلت لک هو ضعیف لیس هو ثبت لاتکتب حدیثه

ترجمہ:۔ "خیشبہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے کہا کہ آپ بعض کے لیے کہتے ہیں'

(لیس بہ باس) اور بعض کے لیے ضعیف کا لفظ استعمال فرماتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا جس کے لیے میں لیس بہ باس کہوں سمجھ لو کہ وہ ثقہ ہے اور جس کے لیے ضعیف کہوں وہ قابل حجت نہیں اس کی حدیث نہ لکھ' یہی تدریب الراوی اور فتح المغیث میں ہے۔"

84- **محدث شقیق بلخی :-** عبدالوہاب مروزی نے نقل کیا کہ جب شقیق مکہ معظمہ آئے تو ہم ان کی مجلس میں اکثر جایا کرتے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ امام ابو حنیفہؒ کی تعریفیں کثرت سے کیا کرتے تھے۔ ایک بار ہم نے کہا حضرت! کب تک آپ ان کی تعریف د توصیف کریں گے۔ ایسی باتیں بیان کیجئے جن سے ہمیں کچھ نفع ہو' فرمایا افسوس ہے کہ تم لوگ ابو حنیفہؒ کے ذکر کو اور ان کے مناقب کو سنتے ہی حسد کرنے لگتے ہو۔

امام ابو حنیفہؒ اعلم الناس' اعبدالناس' اکرم الناس اور دین میں بڑی احتیاط کرنے والے تھے۔

85- **محدث صالح بن محمد اسدی :-** نے بیان کیا کہ امام اب معین نے فرمایا "امام ابو حنیفہؒ حدیث میں ثقہ تھے۔

86- **محدث صفی الدین :-** فرماتے ہیں۔ ابن معین نے امام ابو حنیفہؒ کی توثیق کی ہے ان سے بڑھ کر کس کی توثیق چاہتے ہو۔ ابو حنیفہ ثقہ ہیں۔

87- محدث علامہ صفی الدین:۔ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ امام العراق' فقیہ الامت نے عطاء' اعرج اور ایک جماعت محدثین سے حدیث پڑھی۔ اور روایت کی۔ انہوں نے کہا۔

و ثقہ ابن معین و قال مکی ابو حنیفہ اعلم اہل زمانہ۔

ترجمہ :۔ ابن معین نے ان کو توثیق کی ہے۔ اور مکی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے۔

88- محدث عبداللہ بن داؤد:۔ آپ نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے حفظ سنن و فقہ کی تعریف کی ہے۔

روی محمد بن سعد الکاتب قال سمعت عبداللہ بن داود الخریبی یقول یجب علی اہل اسلام ان یدعوا اللہ لابی حنیفہ فی صلاتھم قال و ذکر حفظہ علیھم السنن و الفقہ

ترجمہ :۔ محمد بن سعد کاتب نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن داؤد الخریبی کو فرماتے ہوئے سنا کہ اہل السلام پر واجب ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کریں اور نیز انہوں نے اپ کے ضبط حدیث و فقہ کا ذکر کیا۔ ایسا ہی مضمون خیرات الحسان فرماتے ہیں جب کوئی آثار یا احادیث کا قصد کرے تو اس کے لئے سفیان رضی اللہ عنہ ہیں اور جب آثار یا احادیث کو معلوم کرنا چاہے تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

عبداللہ بن داود الخریبی کا قول ہے کہ اہل اسلام پر واجب ہے کہ نماز کے بعد ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اس خدمت کے صلہ میں جو انہوں نے سنت اور فقہ کی کی ہے' دعائے خیر کریں۔

89- محدث عبداللہ بن یزید المقری:۔ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ امام احمد رضی اللہ عنہ اور اسحاق بن راہویہ رضی اللہ عنہ نے بھی انہی سے روایت کی ہے۔ امام نسائی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

حافظ ذہبی نے تذکرہ میں ان کو امام المحدثین شیخ الاسلام لکھا ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حدیثہ عادل فی القطیعات۔

انہوں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تعریف کی ہے وہ اپنے تلامذہ کو امام صاحب رضی اللہ عنہ کی حدیث سننے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ عن عبداللہ بن یزید قال حدثنا ابو حنیفہ ۔ نیز فرماتے تھے جو لوگ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے

فضل و تقدم کو نہیں جانتے وہ زندہ نہیں مردہ ہیں۔

90- **محدث علی بن عاصمؒ:-** علم حدیث' فقہ و دیگر انواع علوم میں علی بن عاصم امام اہل واسط تھے۔ امام صاحب ؒ سے حدیث و فقہ کی روایت بہ کثرت کی ہے۔ جب آپ کے اصحاب و تلامذہ چاہتے کہ آپ سے زیادہ احادیث سنیں تو امام ابو حنیفہ ؒ اور مغیرہ کا ذکر چھیڑ دیتے تھے۔

1- آدمی دنیا کی عقل ترازو کے ایک پلہ میں اور ابو حنیفہ ؒ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو ابو حنیفہ ؒ کا پلہ بھاری رہتا۔

2- اگر امام ابو حنیفہ ؒ کے علم کو ان کے زمانہ کے علماء کے علم کے ساتھ تولا جائے تو امام صاحب ہی کا علم بڑھ جائے گا۔

3- معروف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں علی بن عاصم کی مجلس میں تھا' فرمانے لگے کہ تمہیں علم حاصل کرنا چاہیے۔ فقہ حاصل کرنا چاہیے' ہم نے کہا جو کچھ ہم آپ سے حاصل کرتے ہیں کیا وہ علم نہیں ہے۔ کہا نہیں علم تو در حقیقت امام ابو حنیفہ ؒ کا ہی ہے۔

4- فرمایا کہ امام صاحب کے اقوال علم صحیح کی تفسیر ہیں۔ جو شخص ان کے اقوال پر مطلع نہیں ہو گا وہ اپنے جہل کی وجہ سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام سمجھ لے گا اور سیدھے راستے سے بھٹک جائے گا۔

91- **علی بن ہاشمؒ:-** امام ابو حنیفہ ؒ علم کے خزانہ تھے' جو مسائل اعلیٰ درجہ کے عالم پر سخت ہوں وہ ان پر آسان تھے۔

92- **سیدنا علی الخواص شافعی ؒ:-** اولیاء کاملین میں سے اور امام شعرانی شافعی کے شیخ اعظم تھے۔ فرمایا کہ امام اعظم ابو حنیفہ ؒ کے مدارک اجتہاد اس قدر دقیق ہیں کہ اولیاء اللہ میں سے بھی صرف اہل کشف و مشاہدہ ہی ان کو اچھی طرح جان سکتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے اور امام ابو یوسف نے ماء مستعمل کو نجس قرار دیا ہے۔ امام صاحب ؒ وضوء کے مستعمل پانی میں صاحب ؒ وضو کے گناہوں کی نجاست ملاحظہ فرماتے تھے۔ اور ہر ایک کے گناہ کو ممتاز دیکھتے اور تنبیہہ کرتے تھے' توبہ کی تلقین فرماتے تھے۔

93- **محدث علی بن المدینیؒ:-** امام بخاری ؒ کے استاد ہیں فرمایا کہ ابو حنیفہ ؒ سے سفیان ثوری ؒ ابن

مبارک رحمۃ اللہ علیہ حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ ہشام رحمۃ اللہ علیہ وکیع رحمۃ اللہ علیہ عباد بن العوام رحمۃ اللہ علیہ اور جعفر بن عون رحمۃ اللہ علیہ نے (جو سب کے سب پیشوائے محدثین اور ائمہ صحاح ستہ کے روات ہیں) روایت حدیث کی ہے اور وہ ثقہ ہیں اور کوئی عیب ان میں نہیں ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا کہ ابن المدینی کہتے تھے کہ تفقہ معانی حدیث یعنی فہم معنی حدیث نصف علم ہے اور معرفت رجال نصف علم ہے۔

علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے امام فن ہیں کہ جن کی شاگردی' امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے کبار محدثین نے کی ہے۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے' ابو حاتم نے کہا ہے

کان علی بن المدینی عالما" فی الناس فی معرفته الحدیث و العلل

ترجمہ:- علی ابن المدینی فن حدیث اور علل میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق فرماتے ہیں:-

مااستصغرت نفسی عند احد الا عند علی بن المدینی

ترجمہ:- میں نے علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی کے سامنے اپنے کو کمتر نہیں جانا۔

قال ابن المدینی ابو حنیفه روی عنه الثوری و ابن المبارک و حماد بن زید و جعفر بن عون و هو ثقه لا باس به

ترجمہ:- یعنی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ' عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ' حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ' عباد بن العوام رحمۃ اللہ علیہ اور جعفر بن العون رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے اور وہ ثقہ ہیں ان میں کوئی عیب نہیں۔ یہ سب کے سب مقتدائے محدثین اور ائمہ صحاح ستہ کے رواۃ ہیں[۱۱]

94- محدث علی بن الجعد:- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ مشہور محدث علی بن الجعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ جب کبھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوئی حدیث لاتے ہیں تو موتی کی طرح صاف لاتے ہیں۔

غرض یہ امام صاحب کی کتاب الآثار علم حدیث کی سب سے پہلی تصنیف ہے جس میں امام صاحب نے احادیث صحاح اور اقوال صحابہ رحمۃ اللہ علیہ و تابعین رحمۃ اللہ علیہ ترتیب فقہی پر جمع کئے۔ پھر آپ کے بعد امام مالک کی موطاء اور امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی جامع مرتب ہوئی اور ان تینوں کے نقش قدم پر بعد کے محدثین نے کتب حدیث تالیف کیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں بھی یہی تحقیق ذکر کی ہے اور کہا ہے امام صاحب کے مناقب میں سے یہ بھی ہے کہ علم شریعت کو سب سے پہلے امام صاحب نے ہی مدون کیا اور ترتیب ابواب سے مرتب کیا۔ پھر ان کی اتباع میں امام مالک رحمہ اللہ نے موطاء ترتیب دی اور امام صاحب سے اس بارے میں کوئی سابق نہیں ہوا۔

امام مسعود بن شیبہ رحمہ اللہ نے امام طحاوی کے حوالہ سے نقل کیا کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے علی بن مسہر کے ذریعہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ حاصل کی اور ان کے ساتھ مذاکرات کرتے تھے اور ان ہی علوم کی مدد سے انہوں نے "جامع" تالیف کی۔[24]

95- عبدالرحمن بن عبداللہ مسعودی:- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فقہ اور فتوی میں موید من اللہ تھے۔ ابو عبدالغفار نے کہا کہ امام صاحب رحمہ اللہ ہمارے زمانہ کے فقیہ ہیں۔ قیس بن الربیع نے کہا کہ مسعودی نے سچ کہا۔[25]

96- محدث عبدالرحمن بن مہدی:- ابو حنیفہ رحمہ اللہ علماء کے قاضی القضاۃ ہیں (یعنی ان کے فیصلہ کو کوئی توڑ نہیں سکتا)۔[26]

بصرہ کے قابل فخر فقہاء و حفاظ حدیث میں سے تھے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کے معاصر تھے کہتے ہیں کہ میں حدیثیں نقل کرتا تھا میری رائے علی وجہ البصیرۃ یہ ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ علماء کے امیرالمومنین تھے' سفیان بن عیینہ امیر العلماء تھے' شعبہ حدیث کی کسوٹی تھے۔ عبداللہ بن مبارک صراف حدیث تھے۔ یحییٰ بن سعید قطان قاضی العلماء تھے اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ قاضی قضاۃ العلماء تھے۔ جو شخص تم سے اس کے سوا کوئی بات کہے اس کو بنی سلیم کی کوڑی پر پھینک دو۔

97- محدث عمر بن دینار:- کہتے ہیں کہ نعمان بن ثابت بہت اچھے آدمی ہیں جس حدیث میں فقہ ہوتا ہے اس کو اچھی طرح یاد رکھتے ہیں۔[27]

98- محدث عمر بن ذر:- ہم جب بھی کہیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ سفر میں جاتے تھے۔ دیکھتے تھے کہ امام صاحب رحمہ اللہ وہاں کے تمام اہل علم پر فقہ' علم و ورع میں غالب رہتے تھے۔[28]

99- محدث عمرو بن دینار المکی رحمہ اللہ:- کبار تابعین سے ہیں' صحاح ستہ کے راوی' امام صاحب کی ابتدائی حالت کا

بیان حماد بن زید نے کیا ہے کہ ہم عمرو بن دینار کے پاس آتے جاتے تھے۔ پس جب امام صاحب آتے تو آپ ان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور ہمیں چھوڑ دیتے کہ امام صاحب سے ہم مسائل پوچھیں گے ان سے مسائل پوچھتے اور امام صاحب جواب دیتے اور احادیث بیان کرتے تھے۔

100- محدث عمرو بن حماد بن طلحہ ؒ:۔ جس مجلس میں امام ابو حنیفہ ؒ ہوتے تھے' بات کرنے کا حق ان ہی کا سمجھا جاتا تھا اس لئے جب تک آپ موجود رہتے تھے کوئی دوسرا بات نہ کرتا تھا۔

101- محدث عبدالوہاب بن ہمام ؒ:۔ جتنے مشائخ عدن طلب حدیث کے لئے کوفہ گئے تھے وہ بالاتفاق کہتے تھے کہ ابو حنیفہ ؒ کے زمانہ میں ان سے بڑا فقیہ اور اورع کوفہ میں ہم نے نہیں دیکھا۔

102- محدث عبداللہ بن یزید مقری ؒ:۔ جو لوگ امام ابو حنیفہ ؒ کے فضل و تقدم کو نہیں جانتے وہ زندہ نہیں مردہ ہیں' اور عبداللہ بن مبارک ایسے لوگوں کو بے وقوف کہا کرتے تھے۔

103 محدث عبید بن اسباط ؒ:۔ ترمذی و ابن ماجہ ؒ کے شیوخ میں ہیں۔ کہا کہ امام ابو حنیفہ ؒ سید الفقہاء تھے اور ان کے دین میں جو نکتہ چینی کرے وہ حاسد یا شریر ہو گا۔

104- محدث عبید بن اسحاق ؒ:۔ امام ابو حنیفہ ؒ سید الفقہاء تھے ان کے دین و دیانت پر حرف گیری کرنے والے یا حاسد تھے یا شرپسند۔

امام ابو حنیفہ ؒ سید الفقہاء ہیں اور جو ان پر تہمت لگاتا ہے وہ حاسد ہے یا شریر شخص ہے۔

105- محدث عثمان المدنی ؒ:۔ فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ اپنے استاد حماد سے افقہ تھے بلکہ ابراہیم' علقمہ و اسود سے بھی زیادہ افقہ تھے۔

حماد ؒ' ابراہیم ؒ' علقمہ ؒ اور ابن اسود ؒ سے ابو حنیفہ ؒ فقیہ تھے۔

106- محدث عبدالعزیز بن ابی سلمہ الماجشون:۔ مدینہ طیبہ کے فقہاء محدثین کبار میں سے تھے۔ امام زہری کے تلامذہ میں تھے اور ان کے تلامذہ لیث و ابن مہدی وغیرہ تھے۔ ابن سعد و ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ امام ابو حنیفہ ؒ مدینہ طیبہ آئے تو ہم نے ان کے مسائل میں ان سے علمی مذاکرات کئے۔ اچھے دلائل

سے استدلال کرتے تھے اور ان کی رائے پر ہم عیب نہیں لگا سکتے کیونکہ ہم سب بھی تو رائے سے استفادہ و استدلال کرتے ہیں۔[105]

107- عبدالعزیز بن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ:۔ امام بخاری اور سنن اربعہ کے اعلیٰ شیوخ میں ہیں' کہا کہ جو شخص امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے محبت رکھتا ہو وہ سنی ہے اور جو بغض رکھتا ہو وہ مبتدع ہے۔ ایک دفعہ کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اور لوگوں کے درمیان ہیں جو ان سے محبت کرے گا ہم اس کو اہل سنت سمجھتے ہیں اور جو ان سے بغض رکھتا ہے ہم اس کو اہل بدعت قرار دیں گے۔[106]

108- محدث عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ:۔ یہ یحییٰ ابن معین اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں' جن کو امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ نے

لم یکن فی زمانہ اطلب العلم منہ

ترجمہ:۔ ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کا طلبگار کوئی نہیں تھا۔[107]

فرمایا ہے۔ یہ تمام محدثین کے شیخ اعظم ہیں۔ ان کی تعریف میں محدثین نے دفتر کے دفتر لکھے ہیں۔ بالاتفاق مورخین اس شیخ اعظم نے دنیائے حدیث کے گوشہ گوشہ میں جا کر لاکھوں روپیہ سفر پر خرچ کر کے اس دور خیرا القرون کے ایک محدث سے حدیثیں حاصل کی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاکھوں حدیثیں ان کو زبانی یاد تھیں۔ وہ جب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تو آخر تک آپ سے جدا نہ ہوئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے ان ہی عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں یاد کی تھیں۔ آپ (عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ) امیر المومنین فی الحدیث فن حدیث کے رکن اعظم اور ائمہ کبار میں سے ایک امام ہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ان کی روایات سے سینکڑوں احادیث موجود ہیں۔ امام صاحب کے مخصوص شاگردوں میں ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ رفع یدین میں فرمایا ہے کہ ابن مبارک اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ یہ ہیں امام عبداللہ بن مبارک جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تعدیل فرماتے ہیں۔

و ذکر الامام النسفی باسنادہ عن احمد بن محمد البغدادی قال سالت یحیی بن معین عنہ فقال عدل ثقہ ما ظنک من عدلہ ابن المبارک و وکیع۔۔

ترجمہ:۔ "امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے احمد بن محمد بغدادی سے سند کے ساتھ ذکر کیا کہ میں نے یحییٰ بن

معین سے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ وہ سچے اور ثقہ تھے' ان کے متعلق ہمارا کیا خیال ہے جن کی تعدیل ابن مبارک اور وکیع نے کی ہو"۔

من یحیٰی بن معین قال کان وکیع جید الرای فیہ (ای فی ابی حنیفہ) و ایضا فیہ عن ابن مبارک قال غلب علی الناس بالحفظ و الفقۃ و العلم و الصیانۃ و الدیانۃ و شدۃ الورع

ترجمہ:- یحیٰی بن معین نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں وکیع رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بہت عمدہ تھی' نیز ابن مبارک نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حفظ' فقہ' علم' احتیاط' دیانت اور اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کی وجہ سے سب پر غلبہ پا لیا۔

اور حافظ وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ جن کی مدح میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ما رایت اورع منہ و لا احفظ

ترجمہ:- میں نے ان سے زیادہ پرہیزگار اور احفظ کسی کو نہیں دیکھا۔

اور عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں جو امام سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے

دم یکن فی زمانہ اطلب العلم منہ

ترجمہ:- ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کا طالب کوئی نہیں تھا۔

فرمایا ہے۔

پس جب ایسے ایسے اعلیٰ درجہ کے حافظ ثقہ ماہرین فن حدیث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حافظ فرماتے ہیں اور ان کی تعدیل کرتے ہیں تو اب کسی معترض حاسد کو اعتراض کا کیا موقع ہے؟

عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں اوزاعی سے ملنے شام گیا۔ بیروت میں ان سے ملاقات ہوئی۔ مجھ سے کہا کہ اے خراسانی کوفہ میں یہ کون بدعتی پیدا ہوا ہے' یہ سن کر میں مکان پر آیا' ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں نکالیں اور ان میں سے چیدہ چیدہ مسائل چھانٹ کر نکالے۔ اس میں تین دن لگ گئے۔ تیسرے دن ان کے پاس پھر گیا۔ وہ مسجد کے موذن بھی تھے' امام بھی' میرے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر کہا یہ کیا ہے؟ میں نے ہاتھ بڑھا کر حوالہ کر دی۔ انہوں نے

ایک مسئلہ پر نظر ڈالی جس پر لکھا تھا۔ قال نعم۔ اس اذان کہہ کر کھڑے کھڑے پہلا حصہ پڑھ لیا' پڑھ کر کتاب آستین میں رکھ لی' پھر تکبیر کہہ کر نماز پڑھی' نماز پڑھ کر کتاب نکالی اور سب پڑھ لی' دیکھ کر کہا یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا ایک شیخ ہیں' جن سے عراق میں ملاقات ہوئی تھی' کہا بڑی شان کے شیخ ہیں' جاؤ اور ان سے بہت سا فیض حاصل کرو' میں نے کہا یہ وہی ابو حنیفہ ؒ ہیں۔ جن سے مجھ کو آپ نے روکا تھا۔

ایک موقع پر عبداللہ بن مبارک ؒ نے کہا ابو حنیفہ ؒ اللہ تعالٰی کی ایک نشانی (آیت) تھے' کسی نے کہا خیر کی یا شر کی' کہا خاموش' شر کے واسطے غایت اور خیر کے واسطے آیت کا لفظ استعمال ہوتا ہے' یہ کہہ کر یہ آیت پڑھی۔ و جعلنا ابن مریم و امه آية ابن مبارک ؒ کا یہ قول بھی ہے۔ کوئی مجلس ابو حنیفہ ؒ سے زیادہ باوقار نہ تھی' ان کی شان فقہاء نیک طریقہ' خوبصورت' خوش لباس تھے' ہم ایک روز جامع مسجد میں تھے' ایک سانپ ابو حنیفہ ؒ کی گود میں آ پڑا' لوگ ڈر کر بھاگ گئے' ان کو میں نے دیکھا کہ بدستور بیٹھے رہے' سانپ کو جھٹک کر پھینک دیا' ان کا یہ قول بھی ہے کہ اگر اللہ تعالٰی نے میری مدد ابو حنیفہ ؒ اور سفیان ؒ کے ذریعے سے نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں کی طرح ہوتا۔ لو لا ان اللہ اغاثنی بابی حنیفة و سفیان کنت کسائر الناس۔

عبداللہ بن المبارک ؒ کا قول ہے کہ میں نے کوفہ پہنچ کر پوچھا کہ کوفہ والوں میں سے زیادہ پارسا کون ہے؟ لوگوں نے کہا ابو حنیفہ ؒ' ان کا یہ بھی قول ہے کہ میں نے ابو حنیفہ ؒ سے زیادہ کوئی پارسا نہیں دیکھا۔ اورع من ابی حنیفة تیسرا قول ہے کہ میں نے کسی کو ابو حنیفہ ؒ سے زیادہ پارسا نہیں پایا' حالانکہ دُرّوں سے' مال و دولت سے ان کی آزمائش کی گئی (اپنے زمانہ میں امام صاحب ؒ کے سب سے زیادہ عابد و پارسا ہونے کی تائید میں اور بھی متعدد قول خطیب نے نقل کئے ہیں)

ابو حنیفہ ؒ افقہ الناس تھے میں نے فقہ میں ان کا مثل نہیں دیکھا۔

کسی نے امام صاحب کا ذکر بے ادبی سے کیا تو فرمایا' "تمام علماء میں سے ایک تو ابو حنیفہ ؒ کا مثل پیش کرو' ورنہ ہمارا پیچھا چھوڑو اور ہم کو عذاب میں مت ڈالو۔ میں ان کی مجلس میں اکابر کو دیکھتا تھا کہ صغیر معلوم ہوتے تھے' ان کی مجلس میں میں اپنے آپ کو جس قدر ذلیل پاتا تھا اور کسی مجلس میں نہیں پاتا۔ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ افراط کی نسبت میری طرف کی جائے گی تو امام ابو حنیفہ ؒ پر کسی کو مقدم نہ کرتا۔

محدثین کی آراء۔ عبداللہ بن المبارک ؒ فرماتے ہیں خدا کی قسم امام ابو حنیفہ ؒ سوائے حدیث کے رائے کو

اختیار کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

فرماتے ہیں اس کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نہ کہو بلکہ حدیث کی تفسیر کہو۔

فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ امام اعظم کی نسبت یہ کیونکر کہہ سکتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام اعظم کا لقب بھی امام صاحب کو "امیر المومنین فی الحدیث" ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ہی دیا تھا جس کی اتباع سب محدثین کو کرنی چاہیے' چنانچہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ میں امام صاحب کے ترجمہ کی ابتداء الامام الاعظم ہی کے لفظ سے کی ہے۔

جب میں کوفہ پہنچا' لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کے علماء میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ سب نے کہا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ! پھر پوچھا کہ زہد میں سب سے زیادہ کون ہے؟ کہا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ! پوچھا ورع و پارسائی میں سب سے زیادہ کون ہے؟ کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔

اگر میں سفہاء کی بات سنتا (جو حسد و عداوت کی وجہ سے امام صاحب کے پاس آنے سے روکتے تھے) تو ابو حنیفہ کی ملاقات فوت ہو جاتی۔ جس سے میری مشقت اور خرچ جو تحصیل علم میں ہوا تھا سب ضائع ہو جاتا' اگر میں ان سے ملاقات نہ کرتا تو ان کی صحبت نصیب نہ ہوتی تو میں علم میں مفلس رہ جاتا اور فرمایا کرتے تھے کہ آثار و احادیث کو لازم پکڑو مگر ان کے لئے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ضرورت ہے۔

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں بہت سے شہروں میں رہا' علم حاصل کیا مگر جب تک امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات نہ ہوئی حلال و حرام کے اصول مجھے معلوم نہ ہوئے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر نقد و جرح کرنے والوں کے بارے میں ایک مشہور شعر پڑھا کرتے تھے کہ جب کسی شخص کے علم و فضل کے غیر معمولی مرتبہ تک لوگوں کو پہنچنا دشوار ہوتا ہے تو اس پر حسد کرنے لگتے ہیں اور حسد کی وجہ سے جرح کیا کرتے ہیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے مت کہو بلکہ حدیث کی تفسیر کہو۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور حماد رحمۃ اللہ علیہ نے مرتے وقت اپنا خلیفہ چھوڑا تھا' خدا آپ پر رحم کرے کہ آپ نے اپنا خلیفہ نہیں چھوڑا' یہ کہ کر دیر تک زار زار روتے رہے۔

یہ ہیں تمام محدثین کے شیخ اعظم جن کی تعریف میں محدثین نے دفتر کے دفتر لکھے ہیں لیکن آپ نے دیکھا کہ

وہ خود کس جوہر قابل کی یاد میں مرمست رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے ایسی باتیں گھڑی ہیں کہ ابن مبارک نے کہا کہ ہم شروع زمانہ میں امام صاحب کے پاس غلط فہمی میں گئے مگر پھر ترک کر دیا۔

بالاتفاق سب مورخین نے لکھا ہے کہ یہ شیخ اعظم جس نے دنیائے حدیث کے گوشہ گوشہ میں جا کر لاکھوں روپے سفر پر صرف کر کے اس دور خیرالقرون کے ایک ایک محدث سے حدیثیں حاصل کی تھیں اور اپنے سینے سے لاکھوں احادیث لگائے پھرتے تھے وہ جب امام صاحب کے پاس آئے تو آخر تک آپ سے جدا نہ ہوئے اور انتقال کے بعد بھی ان کی قبر مبارک پر کھڑے ہوئے کیا فرما رہے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ جھوٹی باتیں چلتی کرنے میں فرقہ روافض کے بعد امام صاحب کے حاسدین اہل حدیث کا نمبر معلوم ہوتا ہے یہ بات حد درجہ افسوس ناک ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے۔

بعض محدثین نے یہ بھی کہا ہے کہ ابن مبارکؒ امام صاحب سے علم میں بڑھے ہوئے تھے اسی پر ابو سعید بن معاذ۔ مشہور محدث نے کہا تھا کہ ان لوگوں کی مثال رافضیوں کی سی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا امام بنا لیا لیکن خود حضرت علیؓ نے جن کو اپنا امام بنایا تھا یعنی ابو بکرؓ و عمرؓ ان کو امام نہیں سمجھتے اور طرح طرح سے ان میں عیب نکالتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ بھی ابن مبارک کو اپنا امام قرار دیتے ہیں اور خود انہوں نے جن امام اعظم کو اپنا امام و پیشوا بنایا تھا ان کو کوئی درجہ دینے کو تیار نہیں۔

حالانکہ امام صاحب کے فضل و علم کا اعتراف ان کے معاصرین تک نے بھی کیا ہے۔ مشہور ہے کہ امام سفیان ثوریؒ کے بھائی کا انتقال ہوا۔ امام صاحبؒ تعزیت کو گئے تو حضرت سفیانؒ ان کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ معانقہ کر کے اپنی جگہ بٹھایا اور خود روبرو بیٹھ گئے۔ امام صاحب کے جانے کے بعد ابو بکر بن عیاشؒ نے کہا کہ آپ کے طرز عمل سے ہم سب اہل مجلس کو تکلیف ہوئی۔ فرمایا کیا بات ہے؟ کہا کہ آپ ابو حنیفہؒ کے لئے اٹھے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھا کر خود سامنے شاگردوں کی طرح بیٹھ گئے۔

فرمایا' اعتراض کی کیا بات ہے؟ میں ایسے شخص کے لئے اٹھا جو علم میں اعلیٰ درجہ پر ہے۔ اور اگر فرض کرو کہ علم کی وجہ سے نہ بھی اٹھتا تو عمر کے لحاظ سے اٹھتا اگر عمر کی وجہ سے بھی نہ اٹھتا تو ان کے فقہ کی وجہ سے اٹھنے کی ضرورت تھی' ابو بکر کہتے ہیں کہ اس کا جواب مجھ سے نہ ہو سکا۔

ایسے واقعات ایک دو نہیں بیسیوں ہیں۔ مگر غیر مقلدین زمانہ نے رافضیوں۔ کی طرح امام صاحب کی برائیاں

تلاش کر کے پروپیگنڈا کیا ہے اور ہمارے صوفی صافی بزرگ حنفیوں نے اس کے مقابلہ میں امام صاحب کی خوبیوں کا
ذکر کچھ بھی نہیں کیا جس سے سادہ لوح ناواقف لوگ غیر مقلدوں کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔

امام صاحب کے خلاف جس قدر مواد جمع ہو سکتا تھا خطیب نے اپنی تاریخ میں اس کو یکجا جمع کیا ہے جس کو ہر
جگہ کے غیر مقلدوں نے بڑی مسرت کے ساتھ شائع کیا مگر علامہ کوثری کے درجات خدا بلند کرے تانیب الخطیب میں
ہر واقعہ کی سند پر کلام کر کے اس کی قلعی کھولی ہے اور امام صاحب ؒ و اصحاب امام کے بارے میں بھی جس قدر
جھوٹی حکایات گھڑی گئی تھیں اور کی گئیں سب کا جھوٹ نمایاں کر کے امت مرحومہ پر احسان عظیم کیا ہے۔

علامہ محدث ابن حجر مکی شافعی نے "الخیرات الحسان فی مناقب النعمان" میں لکھا ہے کہ ایک بار امام صاحب
ؒ اور سفیان ثوری ؒ کا سفر حج میں ساتھ ہو گیا تو سفیان ثوری ؒ نے یہ بات لازم کر لی تھی کہ ہر جگہ امام صاحب
کو آگے بڑھاتے اور خود پیچھے رہتے تھے اور جب کوئی مسئلہ ان سے پوچھا جاتا خاموش ہو جاتے تاکہ امام صاحب ہی
جواب دینے پر مجبور ہوں۔

کیا سفیان ثوری ؒ بھی تقیہ کیا کرتے تھے کہ ہمیشہ تعریفیں کرتے رہے اور انتقال کی خبر پہنچی تو بروایت نعیم
خزاعی امام صاحب کی وفات پر خوشی کا اظہار کیا کہ اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا اچھا ہوا چلا گیا۔

کچھ ٹھکانہ ہے اس جھوٹ کا اور اس کے پیر لگانے والے امام بخاری جیسے محتاط محدث، کسی طرح عقل باور
نہیں کرتی کہ امام بخاری ؒ جیسا بال کی کھال نکالنے والا شخص اور وہ جس نے سب سے پہلے وکیع اور ابن مبارک کی
کتابیں یاد کیں اور تحصیل علم کے لئے ہر ہر شہر پہنچے بار بار گئے اور کوفہ بغداد تو اتنی دفعہ گئے کہ خود کہتے ہیں کہ ان کا
شمار نہیں کر سکتا۔ کیا امام صاحب اور آپ کے خاص اصحاب کے صحیح حالات سے ان کو ایسی بے خبری ہو اور وکیع، ابن
مبارک، مکی بن ابراہیم اور دوسرے اپنے بیسیوں شیوخ سے جو امام صاحب اور صاحبین کے شاگرد تھے، ان حضرت کے
بارے میں اچھی باتیں نہ پہنچیں؟ ہاں پہنچیں تو نعیم سے اوپر جیسی خبریں، حالانکہ سب اکابر رجال لکھتے ہیں کہ نعیم ترویج
سنت کے لئے جھوٹی روایتیں کیا کرتے تھے اور امام صاحب پر طعن کرنے کے لئے جھوٹی حکایات گھڑا کرتے تھے۔

یا اپنی تاریخ ہی میں نقل کیا تو اپنے شیخ حمیدی کا قول کہ امام صاحب نے حج کے موقعہ پر ایک حجام سے تین
مسئلے سیکھے۔ بس اتنا علم تھا جس پر لوگوں نے ان کو قابل تقلید سمجھ لیا۔ "بسوخت جان زحیرت کہ ایں چہ بوالعجی
ست"۔

امام صاحب کے معاندین و حاسدین یا جن لوگوں نے غلط فہمی سے ان پر طعن کیا سب پر بحث دوسری جگہ مستقل آئے گی اس لئے یہاں ترک کرتا ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ سب سے زیادہ اس بارے میں امام بخاری کا رویہ قابل حیرت ہے اور کبھی کبھی تو دل کا میلان اس طرح بھی ہو جاتا ہے کہ کہیں یہ سب عبارتیں بھی امام بخاری کی تاریخ میں بعد کے لوگوں نے نہ داخل کر دی ہوں۔ واللہ اعلم۔

ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہی اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ آثار و احادیث کو لازم سمجھو مگر ان کے معانی کے لئے "امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ" کی ضرورت ہے کیونکہ وہ حدیث کے معنی جانتے ہیں۔[1]

عبداللہ بن مبارک ائمہ کبار سے ہیں اور فن حدیث کے رکن اعظم ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے سینکڑوں احادیث موجود ہیں۔ امام صاحب کے مخصوص شاگردوں میں سے ہیں۔ امام بخاری نے اپنے رسالہ رفع یدین میں فرمایا کہ "ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور لوگ اگر دوسرے کم علم لوگوں کے اتباع کے بجائے ان کا اتباع کرتے تو بہتر ہوتا"۔ اس کے بعد مطالعہ کیجئے کہ یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ الشیوخ امام اعظم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

1- فرمایا کہ "ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقہ میں سب علماء سے زیادہ (جاننے) تھے میں نے ان جیسا فقیہ نہیں دیکھا۔

2- ایک دفعہ فرمایا' "خدا کی قسم! ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علم حاصل کرنے میں بہت سخت تھے' محارم سے دور رہتے تھے' وہی کہتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ ناسخ و منسوخ حدیث کے بڑے ماہر تھے اور معتبر اور دوسری قسم کی احادیث کو نقل رسول اللہ سے تلاش کیا کرتے تھے"۔

3- "میں نے مسعر بن کدام کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں مستفید ہوتے دیکھا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے سبب سے میری فریاد رسی نہ کرتا تو میں بھی عام آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہوتا"۔

علامہ کردری نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ابن مبارک امام صاحب کی طرف سے مدافعت کرتے تھے ان کے مذہب کی تائید کیا کرتے تھے اور یہ بات مشہور و معروف تھی' اسی طرح امام صاحب کی طرف اپنی نسبت اور شاگردی پر بھی فخر کیا کرتے تھے"۔

4- یہ بھی بیان کیا کہ "جب میں کوفہ پہنچا تو وہاں کے علما سے سوال کیا کہ تمہارے شہر میں کون سب سے بڑا

عالم ہے سب نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ' پھر میں نے پوچھا کہ سب سے زیادہ پرہیز گار کون ہے؟ تو سب نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ' پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ زاہد کون ہے؟ سب نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ' پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ عابد اور علم کا شغل رکھنے والا کون ہے؟ تو سب نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ' غرض میں نے اخلاق محمودہ و حسنہ میں سے جس وصف کا بھی سوال کیا سب نے امام صاحب کو ہی افضل و برتر بتلایا"۔

5. حموی نے شرح اشباہ میں ذہبی سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "حدیث تو مشہور و معروف ہو گئی اب اگر اجتہاد کی ضرورت پڑے تو اجتہاد مالک' سفیان و ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لیکن ان میں سے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اجتہاد کے لحاظ سے احسن اور رسائی کی حیثیت سے ادق اور دونوں سے افقہ ہیں"۔

یہ سب کے نزدیک مسلم امیر المومنین فی الحدیث کا فیصلہ خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ "حدیث تو مشہور و معروف ہو گئی' یعنی جس قدر ذخیرہ احادیث صحاح کا موجود تھا وہ سب نہ صرف اس وقت سامنے آ گیا تھا بلکہ بدرجہ شہرت پہنچ گیا تھا۔ اس زمانہ کی احادیث بھی اکثر ثنائیات و ثلاثیات تھیں' زمانہ خیر القرون کا تھا' جھوٹ کا شیوع بھی نہ ہوا تھا' رواۃ عدول و ثقہ تھے اور خود حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے تو ہزاروں لاکھوں روپے صرف کر کے حدیث حاصل کرنے کے لئے دنیائے اسلام کا کونہ کونہ چھانا تھا۔ پھر آخر میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو ان کے تبحر علوم حدیث و فقہ کے ایسے گرویدہ ہو گئے کہ امام صاحب ہی کے ہو رہے۔

ظاہر ہے کہ جس قدر ذخیرہ احادیث صحاح کا اس وقت مدون ہو گیا تھا وہ بعد کو مدون ہونے والی کتب حدیث کے لئے بطور اصول و امہات تھا اور اصحیت کے لحاظ سے بھی ان ہی کا نمبر اول تھا۔ اسی لئے ہم نے امام بخاری کے حالات میں بہت سی کتب حدیث کے نام بھی لکھے ہیں جو پہلے سے موجود تھیں۔ افسوس ہے کہ کچھ لوگوں کی غلط رہنمائی سے اکابر شیوخ محدثین (جن میں سے اکثر شیوخ اصحاب صحاح ستہ تھے) کی مساعی جمع حدیث نمایاں مقام حاصل نہ کر سکیں اور جو بھی تعارف کرایا گیا صحاح ستہ اور ان کے بعد کی کتابوں کا تعارف کرایا گیا۔ ان کے اصول و امہات اور دوسرے ذخیرے ثانوی درجہ میں سمجھے گئے حالانکہ صحت روایت و علو سند کے اعتبار سے وہ اول فالاول تھے۔ اس سے ایک بڑا نقصان یہ بھی ہوا کہ بعد کے ذخیرہ

حدیث میں جو کچھ ضعیف رواۃ کی وجہ سے پیدا ہوا وہ غلطی سے پورے ذخیرہ حدیث کی طرف منسوب ہو گیا۔ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں۔

-6 میں تمام شہروں و بستیوں میں علم کی طلب کے لئے گیا ہوں لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات سے قبل تک حلال و حرام کے اصول سے واقف نہ ہو سکا (کیونکہ فقہ و اصول فقہ کے امام وہی تھے)

-7 اگر امام صاحبؒ تابعین کے شروع دور میں ہوتے تو وہ بھی ان کی طرف محتاج ہوتے' (یہ اس لئے کہا کہ امام صاحب تابعین کے آخری دور میں پیدا ہوئے اور امام صاحب کے علم و فضل کے ظہور کا زمانہ تابعین کے گزر جانے کے بعد کا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ امام صاحب خود بھی تابعی تھے)

-8 اکثر فرمایا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بلفظ مت کہو بلکہ تفسیر حدیث کہو' (جو حقیقت ہے)

-9 اگر مجھے افراط کا الزام دیئے جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں امام صاحب پر کسی کو بھی ترجیح نہ دیتا۔

-10 فرمایا امام صاحب مخ العلم تھے' یعنی مسائل کی گہرائیوں تک جاتے تھے۔

-11 فرمایا کہ علماء امام صاحب سے مستغنی نہیں ہو سکتے کم سے کم تفسیر حدیث کے لئے تو ان کی احتیاج ظاہر و باہر ہے۔

-12 اگر میں بعض بے وقوفوں کی بات پر رہتا تو میں امام صاحب سے محروم رہتا اور ان سے محروم ہوتا تو یوں کہنا چاہیے کہ طالب علم کی راہ میں میری ساری مشقت و تعب اور ہزاروں لاکھوں روپے کا صرف رائیگاں چلا جاتا۔

-13 اگر میں امام صاحب سے نہ ملتا تو علم کے لحاظ سے دیوالیہ ہوتا۔ ایک روایت ہے کہ میں بھی دوسرے حدیث کے نقالوں کی طرح ہوتا۔

-14 ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مبارک کی مجلس میں امام صاحب کا ذکر ہوا اور کچھ موافق کچھ مخالف باتیں ہوئیں تو ابن مبارکؒ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء میں سے کسی کو امام صاحب جیسا پیش کرو' ورنہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو اور ہمیں عذاب مت دو۔ (معلوم ہوا کہ امام صاحب سے عناد حسد و مخالفت کا بیج اس وقت بھی موجود تھا اور ایسے لوگ بڑے بڑے حضرات کو اپنی غیر ذمہ دارانہ روش سے تکلیف پہنچایا کرتے تھے۔)

-15 فرمایا کہ میں نے بڑے بڑوں کو دیکھا ہے کہ امام صاحب کی مجلس میں ان کی کوئی علمی حیثیت نہ تھی

اور میں نے خود کو کسی مجلس میں پہنچ کر کم علم نہیں پایا سوائے امام صاحب کی مجلس کے' اور میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا کہ اس نے امام صاحب سے کسی مسئلہ پر بحث کی ہو اور اس کی علمی بے بضاعتی پر مجھے رحم نہ آیا ہو۔

16- فرمایا کہ وہ شخص محروم ہے جس کو امام صاحب کے علم سے حصہ نہیں ملا۔

17- فرماتے تھے کہ خدا اس کا برا کرے جو ہمارے شیخ کا ذکر برائی کے ساتھ کرے یعنی امام صاحب کا۔

18- ایک دفعہ ایک شخص نے کوئی مسئلہ پوچھا ابن مبارک نے طاوس کا قول بھی نقل کر دیا اور امام صاحب کا بھی جو اس کے خلاف تھا۔ اس شخص نے کہا کہ ہم تو طاوس کے قول پر عمل کریں گے۔ اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو دیوار پر پھینک ماریں گے۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا' افسوس ہے تجھ پر کیا تو نے امام صاحب کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا واللہ! اگر تو ان کو دیکھ لیتا تو ایسی بات نہ کہتا اور وہ تیرے خلاف اتنے قوی دلائل لاتے کہ تو ان کے ہوتے ہوئے امام صاحب کے قول کو دیوار پر نہ مار سکتا۔

19- ایک دفعہ ابن مبارک نے حدیث امام صاحب سے روایت کر کے سنائی ایک شخص نے اس میں کچھ کلام کیا تو ابن مبارک نے غصہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کا اس سے کیا مقصد ہے؟ جس کو خدا نے بلند مرتبہ بنایا ہے وہی بلند ہو گا اور جس کو خدا نے برگزیدہ کر لیا ہے وہی برگزیدہ ہو گا۔

20- فرمایا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مسجد حرام مکہ معظمہ میں دیکھا ہے کہ مشرق و مغرب کے لوگوں کو فتویٰ دے رہے تھے اور لوگ اس زمانہ کے جیسے تھے ظاہر ہے یعنی بڑے بڑے فقہاء تھے اور بہترین علم کے لوگ حاضر رہتے تھے۔

راقم الحروف نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال اس لئے زیادہ نقل کئے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل میں ان کو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم تسلیم کیا ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں دوسروں کو بے علم تک کہہ دیا ہے۔ اور غالباً" پہلے اور محدثین بھی ایسے تھے جو ابن مبارک کو تو امیر المومنین فی الحدیث وغیرہ وغیرہ سب کچھ مانتے تھے مگر خود ابن مبارک جن کو اپنے بڑا اور سب کچھ سمجھتے تھے وہ ان کی نظر میں کچھ نہ تھے اس لئے محدث ابو عصمہ سعد بن معاذ جب محدثین سے یہ سنتے تھے کہ عبداللہ بن مبارک اعلم ہیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے' تو فرمایا کرتے تھے کہ "جو لوگ عبداللہ بن مبارک کو امام سمجھتے ہیں اور خود عبداللہ نے جس کو امام مانا تھا اس کو امام نہیں مانتے ان کی مثال

شیعہ حضرات کی ہے کہ حضرت علی ؓ کو تو امام مانتے ہیں لیکن جن کو حضرت علی ؓ نے اپنے لئے امام تسلیم کیا تھا ان کو امام ماننے کے لئے تیار نہیں یعنی حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم۔

109- محدث عطاء بن ابی رباح:۔ کبار تابعین سے ہیں۔ ائمہ صحاح کے اعلیٰ رواۃ ہیں' امام صاحب جب ان کے پاس آتے تو سب سے آگے اپنے قریب بٹھاتے تھے۔

110- محدث عیسیٰ بن یونس:۔ مشہور محدث تھے' امام صاحب ؒ کے حدیث و فقہ میں شاگرد تھے۔ علماء کوفہ میں سے امام صاحب ہی کا قول اختیار کرتے تھے اور اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔ اپنے شاگرد سلیمان بن شاذ کوفی کو یہ نصیحت فرمائی کہ امام ابو حنیفہ ؒ کے بارے میں ہرگز کوئی کلمہ برائی کا نہ کہنا' اور نہ کبھی کسی برائی بیان کرنے والے کی تصدیق کرنا' اس لئے کہ واللہ میں نے کسی کو ان سے افضل اور اورع نہیں دیکھا۔

محمد بن داؤد کا بیان ہے کہ ہم محدث عیسیٰ بن یونس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے امام ابو حنیفہ ؒ کی ایک کتاب نکالی تاکہ ہمیں اس سے سنائیں' کسی نے مجلس میں سے کہا کہ آپ ابو حنیفہ ؒ سے روایت حدیث کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کی زندگی میں ان کو اور ان کے علم فضل کو پسند کیا تو اب ان کی وفات کے بعد ان کو پسند نہ کروں گا۔

عیسیٰ بن یونس مشہور محدث تھے اور امام صاحب کے حدیث و فقہ میں شاگرد تھے' انہوں نے تمام عیوب سے امام صاحب کی برات ظاہر ہے کہ اور فرمایا

قال عیسی ما تکلم فی رای ابی حنیفة بسوء و لا نصدق احدا بسئی القول فیه و اللہ ما رایت افضل منه و لا اورع و نحو ذلک فی الخیرات

ترجمہ:۔ "عیسیٰ نے فرمایا کسی شخص نے بھی امام ابو حنیفہ ؒ کی رائے کو برا نہیں مانا اور ہم برائی کرنے والے کی تصدیق نہیں کرتے' اللہ کی قسم میں نے ان سے افضل اور متقی کسی کو نہیں دیکھا' یہی مضمون خیرات الحسان میں بھی ہے"

111- محدث فضیل بن عیاض:- کا قول ہے' ابو حنیفہ ؒ مرد فقیہ تھے' فقہ میں معروف' پارسائی میں مشہور' بڑے دولتمند' ہر آنے والے اور جانے والے کے ساتھ بہت سلوک کرنے والے' شب و روز صبر کے ساتھ تعلیم میں مصروف رہتے' رات اچھی گزارنے والے' خاموشی پسند' کم سخن' جب کوئی مسئلہ حلال یا حرام کا پیش آتا تو کلام کرتے' اور ہدایت کا حق ادا کر دیتے۔

فضیل بن عیاض ؒ کا یہ قول اور زیادہ کیا ہے' جس وقت کوئی مسئلہ ان کے سامنے آتا تو اس کے باب میں اگر کوئی صحیح حدیث ہوتی تو اس کی پیروی کرتے' اگرچہ وہ صحابہ ؓ یا تابعین ؒ کی حدیث ہوتی ورنہ قیاس کرتے اور بہت اچھا قیاس کرتے۔

یہ اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں۔ بڑے عابد' زاہد اور صاحب کرامات بزرگ تھے انہوں نے فرمایا' "کہ امام ابو حنیفہ ؒ بڑے فقیہ تھے۔ ورع و تقوی میں مشہور تھے' لوگوں پر جود و شفقت کرنے میں بڑے حریص تھے' رات و دن تعلیمی کاموں میں منہمک رہتے تھے۔ بہت خاموش اور کم گو تھے البتہ جب کوئی مسئلہ ان سے دریافت کیا جاتا تو خوب بولتے تھے" [111]

112- محدث فضل بن موسی سینانی:- ہم حجاز و عراق کے علماء کی مجلسوں میں پھرا کرتے تھے مگر جو برکت و نفع امام ابو حنیفہ ؒ کی مجلس میں تھا وہ کہیں نہ تھا۔

امام صاحب کے زمانہ میں بڑے مشہور و معروف حفاظ حدیث میں سے تھے۔ امام صاحب سے بکثرت روایت حدیث کی ہے۔ امام صاحب کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور مخالف علماء سے جھگڑتے تھے' لوگوں کو امام صاحب سے مذہب کی طرف ترغیب دیا کرتے تھے۔ [112]

وہ فرماتے ہیں کہ ہم حجاز و عراق کے مشائخ علم کی مجالس میں آیا جایا کرتے تھے لیکن کسی مجلس کو امام صاحب کی مجلس سے زیادہ عظیم البرکت اور کثیر المنفعت نہیں پایا۔

113- محدث القاسم بن معن:- کا بیان ہے کہ ایک رات ابو حنیفہ ؒ نے نماز میں یہ آیت پڑھی (بل الساعة موعدهم و الساعة ادهى و امر) [113] بلکہ ان کا وعدہ قیامت پر ہے' اور قیامت بڑی آفت اور بہت تلخ ہے' تمام رات اس کو دہراتے رہے اور شکستہ دلی سے روتے رہے۔

عبادت شب اور کلام اللہ کی تلاوت کے متعلق خطیب نے اور بھی بہت سی روایتیں لکھی ہیں'

نمونہ کے لئے اوپر کے بیان کافی ہیں' یہ بھی خیال ہے کہ ہم پست ہمت مردہ دل کو اپنے حال پر قیاس کر کے مبالغہ اور بے اصل تصور نہ کر بیٹھیں۔

114- قیس بن ربیع:۔ کا قول ہے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پرہیزگار' فقیہ' مسعود خلائق تھے' جو ان کے پاس آتا لے جاتا اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے' بھائیوں کے ساتھ بکثرت احسان کرتے' انہی کا قول ہے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مال تجارت بغداد بھیجتے' اس کی قیمت کا مال کوفہ منگواتے' سالانہ منافع جمع کر کے شیوخ محدثین کے لئے ضرورت کی چیزیں خریدتے' خوراک اور لباس غرض جملہ ضروریات کا انتظام کرتے' اس سے جو روپیہ بچتا وہ نقد جملہ سامان کے ساتھ یہ کہ کر ان کے پاس بھیجتے کہ "اس کو خرچ کرو اور سوائے اللہ کے کسی کی تعریف نہ کرو اس لئے کہ میں نے اپنے مال میں سے تم کو کچھ نہیں دیا' یہ اللہ کا تمہارے معاملہ میں مجھ پر فضل ہے' کہ تمہاری قسمت کا نفع ہوا' یہ وہ فیض ہے' جو اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے تم کو پہنچاتا ہے' یہ ظاہر ہے کہ جو اللہ بخشے اس میں دوسرے کی قوت کا کیا دخل ہو سکتا ہے"۔

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پرہیزگار' فقیہ اور مسعود خلائق تھے۔

115- محدث شیخ کنانہ:۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کل علم مفہوم و کار آمد ہے اور دوسروں کے علم میں کمی و زیادتی ہے۔ میں ان کی صحبت میں ایک مدت تک رہا مگر ایک بات بھی ان سے ایسی نہیں سنی جو قابل مواخذہ ہو' یا اس پر عیب لگایا جا سکے۔

116- محدث مقاتل بن سلیمان:۔ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو علم کی تفسیر کرتے دیکھا' وہ ایسی تفسیر و تشریح کرتے تھے کہ اس سے تسکین ہو جاتی تھی۔

میں نے تابعین اور تبع تابعین کو دیکھا مگر ان میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا نکتہ رس اور بصیرت والا شخص نہیں دیکھا۔

117- محدث مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ:۔ بلخ کے امام اور امام بخاری وغیرہ کے استاد تھے۔

(1) فرماتے تھے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم زاہد' راغب فی الآخرت اور احفظ اہل زمانہ تھے۔ اور عالم کی اصطلاح محدثین کے یہاں یہ ہے کہ اس کو احادیث کے متون و اسناد

دونوں حفظ ہوں۔

(2) مناقب موفق کردری میں ہے کہ اسماعیل بن بشر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم مکی کی مجلس میں تھے۔ انہوں نے فرمانا شروع کیا "یہ حدیث روایت کی ہم سے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے"۔ اتنا ہی کہا تھا کہ ایک مسافر اجنبی شخص چیخ پڑا کہ ہم سے ابن جریج کی حدیث روایت کرو۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مت کرو۔ مکی نے جواب دیا کہ ہم بے وقوفوں کو حدیث سنانا نہیں چاہتے۔ میں ہدایت کرتا ہوں کہ تم میری حدیث مت لکھو اور میری مجلس سے نکل جاؤ۔ چنانچہ جب تک وہ اٹھ کر چلا نہ گیا انہوں نے حدیث روایت نہ کی۔ اس کے جانے کے بعد پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہی حدیث روایت کی۔

(3) فرمایا میں علماء کوفہ کی مجالس میں بیٹھا ہوں میں نے ان میں کسی کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ متورع نہیں پایا۔

میں کوفہ کے تمام علماء کے ساتھ بیٹھا مگر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ اورع کسی کو نہیں دیکھا۔ تہذیب الکمال میں بھی یہ روایت موجود ہے مگر اس کا جو خلاصہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں کیا ہے، اس میں شوافع کے مناقب زیادہ نقل کئے اور حنفیہ کے کم کر دیئے۔ اسی طرح تہذیب الکمال میں مزی نے سینکڑوں محدثین کے متعلق لکھا ہے کہ وہ امام صاحب کے یا ان کے اصحاب کے شاگرد ہیں، مگر حافظ نے خلاصہ لکھا اور اس امر کا ذکر کم سے کم کر دیا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے علماء میں اعلم تھے یعنی علم میں سب سے زیادہ تھے۔ حالانکہ امام صاحب کے زمانہ کے علماء میں امام مالک، اوزاعی، سفیان ثوری، مسعر اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ صدہا محدثین تھے جن کے شاگردوں میں اصحاب صحاح ستہ کے معتمد اساتذہ تھے۔[22]

یہ مکی بن ابراہیم حدیث و فقہ میں امام صاحب کے شاگرد اور امام بخاری وغیرہ کے استاد ہیں۔ امام بخاری ان کی شاگردی پر جس قدر ناز کریں کم ہے کہ صحیح بخاری کو جو 22 ثلاثیات کا فخر حاصل ہے ان میں سے 11 حدیث ان ہی کے طفیل سے ملیں ہیں اور باقی میں سے ابو عاصم نبیل سے 6، محمد بن عبداللہ انصاری سے 3، خلاد بن یحییٰ سے 1، عصام بن خالد سے 1، یہ کل اکیس ہوئیں جو سارے حنفی ہیں اور صرف 1 غیر حنفی راوی ہے۔

آپ امام بخاری کے استاد ہیں فرماتے ہیں امام ابو حنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم زاہد تھے۔ میں کوفہ کے علماء کی مجلس میں بیٹھا ہوں میں نے ان میں سے کسی کو امام صاحب سے زیادہ متورع نہیں پایا[29]۔

118- محدث مسعر بن کدام۔ ائمہ صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں اور اہل حدیث کے پیشوا جن کی جلالت قدر پر شاہد شیخ المحدثین ابن مبارک جیسی ہیں امام اعظم کے خاص شاگرد تھے۔ سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کے استاد تھے۔

(1) ایک روز امام صاحب اور آپ کے اصحاب کی مجلس میں آئے دیکھا کہ مسائل فقہ کے مذاکرے کر رہے ہیں اور خوب بلند آواز سے بحث ہو رہی ہے کچھ دیر ٹھہر کر سنتے رہے پھر فرمایا کہ "یہ لوگ شہیدوں، عابدوں، تہجد پڑھنے والوں سے افضل ہیں یہ لوگ سنت رسول اکرم ﷺ کو زندہ کر رہے ہیں اور جاہلوں کو جہل سے نکالنے میں کوشش کر رہے ہیں[29]"

(2) فرمایا کہ ہم نے امام صاحب کے ساتھ تحصیل علم حدیث کی سعی کی مگر وہ ہم پر غالب ہو گئے۔ زہد میں سعی کی تو اس میں بھی وہ ہم سے بڑھ گئے۔ فقہ میں کوشش کی تو تم سب جانتے ہو کہ کیا کچھ ان کے کارنامے ہیں۔

(3) ایک روز فرمایا کہ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو وسیلہ بنائے گا اور ان کے مذہب پر چلے گا میں امید کرتا ہوں کہ اس کو کچھ خوف نہ ہو گا۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

حسبی من الخیرات ما اعددتہ یوم القیامۃ فی رضی الرحمٰن

دین النبی محمد خیر الوری ثم اعتقادی مذھب النعمان

کسی نے ان سے کہا کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دشمن کس قدر کثرت سے ہیں؟ یہ سن کر مسعر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور کہا دور ہوا میں نے جب کسی کو ان کے ساتھ مباحثہ کرتے دیکھا تو امام ہی کو غالب دیکھا۔

کوفہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فقیہ میں نے نہیں دیکھا۔ ان کی فقاہت پر مجھے رشک آتا ہے۔

امام صاحب کے حلقہ میں لوگوں کا ہجوم و ہنگامہ رہا کرتا تھا' کوئی سوال کر رہا ہے' کوئی بحث و مناظرہ کر رہا ہے' مگر اس گڑبڑ میں

جب امام صاحب تقریر شروع کرتے تو سب ساکت ہو جاتے تھے۔ لکھا ہے کہ اس وقت مسعر کہا کرتے تھے کہ اتنی بلند آواز میں نے کبھی نہیں سنی۔ [12]

مسعر بن کدام کا قول ہے کہ کوفہ میں صرف دو آدمیوں پر مجھ کو حسد (رشک) ہے' ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ان کے فقہ کی وجہ سے اور حسن بن صالح پر ان کے زہد کی وجہ سے' ابراہیم (بن زبرقان) سے روایت ہے کہ ایک بار ہم مسعر بن کدام کے پاس بیٹھے تھے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے گزرے' تھوڑی دیر ٹھہر کر مسعر کو سلام کیا اور چلے گئے' کسی نے کہا کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کس قدر جھگڑالو ہیں' یہ سن کے مسعر سنبھل کر بیٹھ گئے اور کہا سمجھ کر بات کرو میں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جس کسی سے بحث کرتے دیکھا' انھی کو غالب پایا۔

مسعر بن کدام کا قول ہے کہ میں ایک رات مسجد میں داخل ہوا کہ کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز کان میں آئی جس کی شیرینی دل میں اثر کر گئی' جب ایک منزل ختم ہوئی تو مجھ کو خیال ہوا کہ اب رکوع کریں گے' انہوں نے ایک تہائی قرآن پڑھ لیا' نصف کیا' اسی طرح پڑھتے رہے کہ کلام مجید ایک رکعت میں ختم ہو گیا' میں نے دیکھا تو وہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خارجہ بن مصعب کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں چار اماموں نے پورا قرآن پڑھا ہے۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ' تمیم داری رضی اللہ عنہ' سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔

محدثین میں نہایت اونچے مقام کے مالک ہیں صحاح ستہ میں آپ کی سند سے روایات موجود ہیں امام شعبہ اور امام سفیان ثوری آپ کو میزان عدل کہا کرتے تھے امام صاحب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:۔

ترجمہ:۔ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان امام صاحب کو وسیلہ بنائے گا اور ان کے مذہب پر چلے گا میں امید کرتا ہوں اس کو خوف نہ ہو گا"۔

امام مسعر کی مدح امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ:۔ چنانچہ مشہور حافظ حدیث مسعر بن کدام (جن کے بارے میں رامہرمزی نے "المحدث الفاصل" میں لکھا ہے کہ جب کبھی امام شعبہ اور امام سفیان میں کسی امر میں اختلاف ہوتا تھا تو دونوں کہتے تھے کہ چلو میزان عدل مسعر کے پاس چل کر ان سے فیصلہ کرائیں حالانکہ ان دونوں اماموں کو بھی امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا تھا' یہ مسعر کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حدیث کو حاصل کیا تو وہ ہم پر غالب آ گئے اور زہد و تقویٰ میں چلے تو اس میں بھی ہم سے فوقیت لے گئے اور فقہ میں بھی ان کے ساتھ ہوئے تو اس کا حال تم خود دیکھ رہے ہو (کہ اس میں ان کی فوقیت سب پر روشن ہے)۔ [13]

119- محدث امام علی بن مسہر:۔ یہ علی بن مسہر وہی ہیں جن کے بارے میں امام صیمری نے فرمایا کہ ان سے امام سفیان نے امام صاحب کے علوم حاصل کئے اور ان کے پاس سے امام صاحب کی کتابیں لکھیں' اور علامہ قرشی نے جواہر

المنیہ میں کہا کہ وہ امام وقت و حافظ حدیث تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے فقہ و حدیث کو جمع کیا اور اسی طرح تذکرہ الحفاظ میں ہے۔

یہ تصریح امام ذہبی و علامہ سیوطی تذکرہ الحفاظ اور تاریخ الخلفاء میں ہے کہ اسی زمانہ میں بڑے بڑے فقہاء و محدثین نے تدوین حدیث و آثار کا کام کیا اور کثرت سے تصانیف ہوئیں۔

دوسری صدی نصف آخر میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بڑے اصحاب و تلامذہ نے حدیث و فقہ میں بہت کثرت سے چھوٹی بڑی تصانیف کیں چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات تو غیر معمولی کثرت سے بتائی جاتی ہیں جن میں سے اکثر کا ذکر فہرست ابن ندیم میں ہے اور امالی ابی یوسف کا تذکرہ کشف الظنون میں ہے کہ وہ تین سو مجلّد میں تھیں۔ حافظ قرشی نے جواہر المنیہ میں کہا کہ جن لوگوں نے امام ابو یوسف کے امالی روایت کئے ہیں ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔133

120- محدث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:۔ محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا امام صاحب کا ہاتھ تھامے جا رہے تھے جب مسجد نبوی میں پہنچے تو امام صاحب کو آگے بڑھایا میں نے سنا کہ امام صاحب نے مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہوئے یہ دعا پڑھی۔ بسم اللّٰہ ھذا موضع الامان فآمنی من عذابک و نجنی من النار یعنی خدا کے نام کے ساتھ داخل ہوتا ہوں یہ امان کی جگہ ہے یااللہ! مجھ کو اپنے عذاب سے مامون کر اور عذاب جہنم سے نجات دے۔

امام شافعی نے فرمایا کہ میرے سامنے ایک شخص نے امام مالک سے پوچھا کہ کیا آپ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے؟ تو فرمایا ہاں میں نے ایسا شخص دیکھا ہے کہ اگر اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہے تو اس پر بھی دلیل قائم کر سکتا ہے۔

امام مالک اکثر اقوال امام صاحب کے اختیار کرتے تھے اور آپ کی آراء و اقوال کی تلاش میں رہتے تھے اکثر مسائل میں امام صاحب کے اقوال کو معتبر جانتے تھے۔ موسم حج و زیارت میں امام صاحب کا انتظار کیا کرتے تھے جب امام صاحب مدینہ طیبہ حاضر ہوتے تو کافی وقت امام صاحب کے ساتھ علمی مذاکرات میں گزارتے تھے۔

ایک دفعہ کوئی لمبی بحث چلی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب کی مجلس سے اٹھے تو پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ تلامذہ نے عرض کیا کہ آپ کو بہت پسینہ آیا! امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں! ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بحث میں ایسا ہوا اور تم

ان کو کیا سمجھتے ہو وہ تو بہت بڑے فقیہ ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مدح فرماتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے چند محدثین کا حال دریافت کیا اور پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا حال پوچھا تب انہوں نے فرمایا "سبحان اللہ" وہ عجیب شخص تھے ان کا مثل میں نے نہیں دیکھا۔[134]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ اہل عراق میں سے جو آپ کے یہاں آتے ہیں ان میں افقہ کون ہیں؟ فرمایا کون آتے ہیں؟ کہا گیا' ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ' ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ' سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام اخیر میں لیا۔ میں نے ان کو دیکھا کہ یہاں کے کسی فقیہ سے ان کا مناظرہ ہوا اور تین بار اس فقیہ کو اپنی رائے سے رجوع کرنا پڑا۔ پھر بھی اخیر میں امام صاحب نے فرمایا' یہ بھی خطا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں میں دریافت کیا گیا تو فرمایا' سبحان اللہ وہ تو ایسے شخص تھے کہ اگر تم سے کہہ دیتے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو پھر اس کو دلیل و حجت سے ثابت کر دکھاتے۔[135]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک سے کئی محدثین کا حال دریافت کر کے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا حال دریافت کیا تو فرمایا' "سبحان اللہ! وہ عجیب شخص تھے' ان کا مثل میں نے نہیں دیکھا"۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو فقہ کی توفیق دی گئی جس سے ان پر اس کی مشقت نہ رہی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:۔ صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں ان کی مؤطا بخاری شریف سے پہلے اصح الکتب شمار ہوتی تھی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

1- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی قوت استدلال سے پتھر کے ستون کو سونے کا ثابت کر سکتے ہیں۔

2- ایک دفعہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں علمی مذاکرہ ہوا جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مجلس سے اٹھے تو اپنے تلامذہ سے فرمایا' امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کیا سمجھتے ہو وہ تو بڑے فقیہ ہیں۔

امام مالک صاحب ہر سال جب موسم حج آتا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مدینہ منورہ میں آمد کا انتظار کیا کرتے تھے۔ جب امام صاحب پہنچتے تو ہمیشہ ان کے پیچھے چلا کرتے تھے۔[136]

121- محدث محمد انصاری رحمۃ اللہ علیہ:۔ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات

چیت، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے میں بھی دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا۔[13]

122- محدث محمد بن سعدان:۔ یزید بن ہارون کی مجلس میں یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، احمد بن حنبل، زہیر بن حرب اور ایک جماعت بیٹھی تھی کہ کسی شخص نے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ یزید بن ہارون نے کہا کہ "اہل علم کے پاس جاؤ" اس پر ابن المدینی نے کہا کہ کیا اہل علم حدیث آپ کے پاس نہیں بیٹھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اہل علم اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور تم تو عطار ہو۔[11]

123- محدث محمد بن سعد العوفی:۔ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابن معین سے سنا وہ فرماتے تھے کہ "امام حدیث ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں۔ کوئی حدیث اس وقت تک بیان نہ فرماتے جب تک کہ ان کو پوری طرح یاد نہ ہو۔ اور جو یاد نہ ہوتی اس کو بیان نہ فرماتے تھے۔"[31]

124- حافظ ابو حمزہ محمد بن میمون رحمۃ اللہ علیہ:۔ نے قسم کھا کر کہا کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سننے سے مجھے جس قدر خوشی ہوتی وہ لاکھ اشرفی کے ملنے سے بھی نہیں ہو سکتی

ائمہ صحاح ستہ کے اعلیٰ شیوخ میں سے ہیں۔ امام اعظم کے بارے میں فرمایا کہ امام صاحب کے زمانہ میں علم و ورع اور زہد میں کوئی شخص ان سے بڑھ کر نہ تھا اور نہ کوئی شخص علم و فطانت میں ان کا مساوی تھا۔ بخدا مجھے ان سے ایک حدیث سن لینے کی خوشی ایک لاکھ اشرفی کے مل جانے سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔[11]

125- محدث محمد بن طلحہ:۔ محدث ابو عبید کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم دونوں آپس میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں کر رہے تھے تو محمد بن طلحہ نے کہا کہ ابو عبید! اگر تمہیں امام صاحب کا کوئی قول معتبر ذریعہ سے مل جائے تو اس کو مضبوط پکڑ لینا، اس کی قدر کرنا، کیونکہ امام صاحب سے جو بات آتی ہے۔ وہ چھنی چھنائی صاف ہوتی ہے (یعنی کھرے سونے کی طرح بے کھوٹ ہوتی ہے)۔[1]

126- محدث معمر:۔ کہتے ہیں کہ شرح حدیث میں امام صاحب سے زیادہ عالم میں نے نہیں دیکھا۔[142]

127- محدث مسیب بن شریک:۔ اگر تمام شہروں کے لوگ اپنے اپنے علماء کو لائیں اور ہم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کریں تو وہ ہمارا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔[143]

128- محدث کبیر و شہیر حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ:۔ محدث جریر کا بیان ہے کہ حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ مجھے تاکید کیا کرتے تھے

کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسوں میں بیٹھا کرو اگر ابراہیم نخعی (امام صاحب کے استاد) بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی ان کی مجلس میں بیٹھتے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ امام صاحب کے حلقہ درس میں ضرور جایا کرو فقیہ بن جاؤ گے۔

ایک بار حضرت مغیرہ نے کوئی فتوی دیا۔ اس پر عمل کرنے میں لوگوں کو تامل ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ایسا ہی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے تھے۔ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ سے جب لوگ کوئی مسئلہ معلوم کرتے اور ان کے جواب پر معترض ہوتے تو حضرت مغیرہ فرما دیا کرتے تھے کہ یہی جواب تو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے' معلوم ہوا کہ امام صاحب کا قول اس زمانہ میں بھی بڑے بڑوں کے لئے سند ہوتا تھا۔

حضرت جریر بن عبد الحمید بھی کہتے تھے کہ اگر میں کبھی امام صاحب کی مجلس میں نہ جاتا تو حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ مجھے ملامت کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام صاحب کے ساتھ ہر وقت رہو اور ان کی مجلس سے کبھی غائب مت ہو کیونکہ ہم حضرت حماد کی مجلس میں بیٹھتے تھے تو ہم ان کے علوم سے اس قدر استفادہ نہ کر سکتے تھے جس قدر امام صاحب کر لیتے تھے۔

یہ وہی حماد ہیں جن کے اقوال سے امام بخاری استشہاد کرتے ہیں اور ان کی علمی عظمت و رفعت کے معترف ہیں۔ مگر آپ نے دیکھا کہ حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالی حوصلہ اور بے نفس عالم بھی اسی دنیا میں ہو گزرے ہیں۔ اتنے بڑے محدث و مفتی اور اپنے وقت کے مرجع انام و مقتدا ہو کر امام صاحب کے علم و فضل کا کس کس طرح اعتراف کر رہے ہیں' نہ معاصرت کی چشمک ہے نہ حسد و عناد' اور یہاں تک بھی کہہ دیا کہ امام حماد کے سب سے بڑے اور صحیح جانشین امام صاحب ہی تھے کہ ہمارے دوسرے شاگردوں کے لئے ان کے علوم کے وہ دروازے نہ کھل سکے جو ان کے لئے کھلے تھے۔

اس قسم کے اعتراف کی مثالیں خیرالقرون کے علماء میں بہ کثرت ملتی ہیں۔ دور مابعد میں بہت کم ملتی ہیں۔

129- محدث معروف بن عبداللہ نے فرمایا کہ میں ایک روز علی بن عاصم کی مجلس میں تھا انہوں نے سب سے فرمایا کہ تم لوگ علم سیکھو' ہم نے کہا کیا آپ سے جو کچھ ہم سیکھتے ہیں وہ علم نہیں ہے؟ فرمایا' علم وہ ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جانتے ہیں اگر امام صاحب کا علم ان کے زمانہ کے تمام علماء کے علم کے ساتھ وزن کیا جاتا تو ان ہی کا علم غالب ہوتا۔

سیانت نفس میں نہیں دیکھا۔[۱۴۰]

131- محدث معمر بن راشدؒ:۔ جو اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں اور رئیس اصحاب حدیث تھے۔ کہا کہ جن لوگوں نے فقہ میں کلام و کوشش کی ہے ان میں سے کسی کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بہتر نہیں جانتا۔[۱۴۱]

132- امام مزنیؒ:۔ مزنی سے کسی نے پوچھا کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں کیا کہتے ہو؟ کہا' سیدنا وہ ہمارے سردار ہیں۔ کہا اور ابو یوسف؟ کہا" اتبعهم للحديث ان میں حدیث کا سب سے زیادہ اتباع کرنے والے' کہا اور محمد بن حسن؟ کہا' اكثرهم تفريعا سب سے زیادہ مسائل نکالنے والے۔ کہا زفر؟ کہا' احسنهم قياسا" قیاس میں سب سے بہتر ہے[۱۴۲]

133- محدث مجدد الف ثانیؒ:۔ شیخ احمد سرہندی ہزار دوم کے مجدد فرماتے ہیں:۔

بانی فقہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ است و سہ حصہ از فقہ اورا مسلم داشتہ اندور ربع باقی ہمہ شرکت دارند' ور فقہ خانہ اوست و دیگراں ہمہ عیال وے[۱۴۳]

134- محدث مجدد الدین فیروز آبادیؒ:۔ قاموس کے باب الفاء میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بیس فقہاء کی کنیت ہے لیکن ان میں سے بہت زیادہ مشہور امام الفقہاء نعمان ہیں[۱۴۴]

135- مطلب بن زیادؒ:۔ جب کبھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی مسئلہ میں کسی کے ساتھ گفتگو کی تو وہ شخص ان کا مطیع ہو گیا[۱۴۵]

136- محدث محمد بن بشرؒ:۔ کا قول ہے کہ میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ دونوں کے پاس جاتا تھا' جب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاتا پوچھتے کہاں سے آئے' سفیان کا نام سن کے کہتے تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ اگر آج علقمہ اور اسود زندہ ہوتے تو سفیان کے محتاج ہوئے' جب سفیان سوال کا جواب سنتے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے آیا ہوں' تو کہتے تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو روئے زمین پر سب سے زیادہ فقیہ ہے[۱۴۶]

137- نضر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ:۔ میرا ظن غالب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو رحمت پیدا کیا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو بہت سا علم کم ہو جاتا[۱۴۷]

138- محدث نوح بن مریم:۔ اس امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت و حلقہ میں رہا ہوں ان کے بعد ان کا مثل نہیں دیکھا۔

139- محدث نضر بن شمیل:۔ کا قول ہے کہ لوگ علم فقہ سے غافل تھے' ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عقدہ کشائی' تشریح و تلخیص نے چونکا دیا۔

140- محدث وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ:۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ جن کی مدح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ما رایت اوعیٰ من وکیع لا احفظ مشہور محدث کبیر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ کبار میں سے تھے' انہوں نے امام صاحب کی تعدیل فرمائی ہے' ایک مرتبہ ان کی مجلس میں کوئی حدیث ہوئی جس کا مضمون بہت مشکل تھا' وہ کھڑے ہو گئے اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ اب ندامت سے کیا فائدہ؟ وہ شیخ (یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) اب کہاں ہیں جن سے یہ اشکال حل ہوتا۔

حدیث کے باب میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جس قدر ورع تھا کسی میں نہیں پایا گیا۔

محدثین سے کہا کرتے تھے کہ اے قوم! تم حدیثیں طلب کرتے ہو اور ان کے معانی طلب نہیں کرتے' اس میں تمہاری عمر اور دین ضائع ہو جائے گا۔ کاش! مجھے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کا دسواں حصہ ہی نصیب ہوتا۔ ایک روز فرمایا' لوگو! حدیث سننا بغیر فقہ کے تمہیں کچھ نفع نہ دے گا۔ اور نہ تم میں دین کی سمجھ پیدا ہو گی جب تک اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نہ بیٹھو گے اور وہ ان کے اقوال کی تفسیر نہ بیان کریں گے۔

امام وکیع کی شہادت:۔ امام حدیث وکیع نے کہا' "امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اس درجہ کی احتیاط و ورع پائی گئی جو اور کسی سے نہیں ہوئی۔ امام وکیع وغیرہ سے امام اعظم کی مدح و توصیف کے تفصیلی بیانات امام صاحب کے مستقل تذکرہ میں آئیں گے۔ اور امام صاحب کے بارے میں جو ترمذی میں وکیع کا قول نقل ہوا ہے اس پر بھی ہم مفصل بحث کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ وکیع وہ ہیں جن کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وکیع سے زیادہ علم جمع کرنے والا اور حدیثیں یاد کرنے والا میں نے نہیں دیکھا' اصحاب صحاح ستہ' امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کے شیوخ کبار میں ہیں۔

فرماتے ہیں میں کسی عالم سے نہیں ملا جو امام ابو حنیفہ سے زیادہ فقیہ ہو۔

حالانکہ امام وکیع بڑے بڑے محدثین سے ملے تھے مثلاً ہشام بن عروہ' اعمش' اسماعیل بن ابی خالد' ابن عون ابن جریج' سفیان اور اوزاعی۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے وکیع جیسا عالم نہیں دیکھا۔ حدیث و فقہ میں وہ بہت بڑے پایہ کے تھے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ فقہ کا مذاکرہ بڑی عمدگی سے کرتے تھے۔ یہ فقہ حنفی کی ہی طرف اشارہ ہے کیونکہ بتصریح ذہبی وہ امام صاحب کے قول پر فتوی دیتے تھے۔

واضح ہو کہ امام وکیع بھی اعمش اور اوزاعی کی طرح ابتداء میں امام صاحب کے مخالف تھے پھر صحیح حالات معلوم ہونے پر معتقد و مقلد ہو گئے تھے۔

اصحاب ستہ کے کبار شیوخ میں تھے' فرمایا کہ میں نے کسی شخص کو جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فقیہ اور ان سے بہتر طور پر نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا۔

امام یحیٰی بن معین نے فرمایا کہ وکیع امام صاحب کے متعلق بہت اچھی رائے رکھتے تھے اور ورع و صحت دین کے اعتبار سے ان کی تعریف کیا کرتے تھے۔[156]

وکیع کا قول ہے کہ ایک روز میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا تو وہ سر جھکائے ہوئے غور کر رہے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر کہا کہاں سے آئے' میں نے کہا شریک کے پاس سے' یہ سن کے سر اٹھایا اور یہ شعر پڑھے۔

ان یحسدونی فانی غیر لائمھم | قبلی من الناس اہل الفضل قد حسدوا

فدام لی ولھم مابی و ما بھم | و مات اکثرنا غیظا بما یجدوا

اور لوگ مجھ پر حسد کرتے ہیں تو کریں میں ان کو ملامت نہیں کرتا' مجھ سے پہلے بھی انسانوں میں سے اہل فضل پر حسد کیا گیا ہے۔ وہ اپنے حال پر قائم رہیں' میں اپنے حال پر' ہم میں سے اکثر حالات پر غصہ کھا کر مر گئے ہیں۔

یہ بیان کر کے وکیع نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ شریک کی طرف سے کوئی بات ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کان تک پہنچی تھی۔[157]

141- محدث وقبہ بن مسقلہ:- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم میں ایسا خوض کیا تھا کہ کسی نے اتنا نہیں کیا تھا۔ اس لئے جو وہ چاہتے تھے ان کو حاصل ہو گیا۔[158]

142- محدث ہیاج بن بسطام:- امام اہل ہرات صاحب کی خدمت میں 12 سال رہے۔ ان کا قول ہے کہ میں

نے کوئی فقیہ امام صاحب سے زیادہ عبادت گزار نہیں دیکھا۔ (59)

کہا کہ میں نے خواب دیکھا گویا قیامت قائم ہو گئی اور امام صاحب کو دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک جھنڈا ہے جس کو وہ اٹھائے ہوئے کھڑے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کیوں کھڑے ہیں۔ فرمایا اپنے ساتھیوں کا انتظار کر رہا ہوں ان کے ساتھ جاؤں گا۔ میں بھی کھڑا ہو گیا پھر دیکھا کہ ایک بہت بڑی تعداد لوگوں کی آپ کے پاس جمع ہو گئی اور آپ چلے گئے ہم بھی آپ کے پیچھے ہو لئے۔

کہتے ہیں کہ یہ خواب میں نے امام صاحب کی خدمت میں ذکر کیا تو آپ رو پڑے اور دعا کی کہ باری تعالیٰ سب کی عاقبت کی خیر ہو۔ (60)

143- محدث یحییٰ بن ایوب الزاہدؒ۔ کا قول ہے کہ کان ابو حنیفۃ لا ینام اللیل ابو حنیفہ رحمہ اللہ شب بیدار تھے۔ اسد بن عمرو کا قول ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ شب کی نماز میں ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے' ان کے گریہ و زاری کی آواز سن کر پڑوسیوں کو رحم آنے لگتا تھا۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ یہ روایت محفوظ ہے کہ انہوں نے جس مقام پر وفات پائی' وہاں سات ہزار کلام مجید ختم کئے تھے (61)

144- محدث یحییٰ بن معینؒ۔ کا قول ہے کہ میں نے یحی القطان کو کہتے سنا' ہم اللہ کا نام لے کر جھوٹ نہ بولیں کے ہم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے میں سے اکثر چیزیں اختیار کر لیتے ہیں' یہ بھی ان کا قول یحییٰ بن معین نے نقل کیا ہے کہ ہم خدا کا نام لے کر جھوٹ نہ بولیں گے۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بہتر رائے ہم نے کسی کی نہیں پائی اور ہم نے ان کے اکثر اقوال اختیار کر لئے ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید (قطان) فتویٰ میں کوفیوں کے قول کی جانب جاتے تھے' اور کوفیوں کے اقوال میں سے ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول لیتے تھے۔ اور ان کے معاصروں میں سے ان کی رائے کا اتباع کرتے تھے۔

مشہور محدث اور فن رجال کے متبحر عالم تھے' امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ کے استاد ہیں' جن کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو سوائے یحییٰ بن معین کے کسی کے سامنے حقیر نہیں سمجھا۔ انہوں نے امام صاحب کی اعلیٰ درجہ کی تعدیل و توثیق فرمائی ہے۔

ابو المؤید امام موفق بن احمد مکی نے "مناقب الامام الاعظم" ص 192 میں مع السند یہ روایت نقل کی ہے۔

انبا احمد سمعت یحیی بن معین یقول وھو یسئل عن ابی حنیفۃ اثقۃ ھو فی

الحدیث؟ فقال نعم ثقة ثقة کان واللہ اورع من ان یکذب و ھو اجل قدرا من ذلک۔

و قال احمد فی روایۃ احمد ابن عطیۃ عنہ و قد سئل ھل حدیث سفیان عن ابی حنیفۃ ثقۃ صدوقا فی الحدیث والفقۃ ماموناً علی دین اللہ و قال یحیٰی بن معین اصحابنا یفرطون فی ابی حنیفۃ فقیل لہ کان یکذب قال اجل من ذلک۔

ترجمہ:۔ "احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں نے یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا کہ ان سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے؟ تو جواباً" انہوں نے فرمایا کہ ہاں وہ ثقہ اور قابل اعتماد تھے' اللہ کی قسم وہ جھوٹ سے بالا تر تھے"۔

"احمد نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں احمد بن عطیہ کا قول نقل کیا کہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سفیان کی کوئی روایت ہے؟ فرمایا' ہاں! ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث و فقہ میں ثقہ اور سچے تھے اور اللہ کے دین پر قابل اعتماد تھے"۔

یحیٰی بن معین نے فرمایا کہ ہمارے آدمی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں زیادتی سے کام لیتے ہیں اور ان سے کسی نے کہا کہ کیا وہ جھوٹ بولتے تھے؟ فرمایا وہ اس سے بالاتر تھے۔ مختصر تاریخ خطیب بغدادی میں ابن جزلہ حکیم بغدادی لکھتے ہیں:۔

قیل لہ (ای لیحیٰی بن معین) افکان ابو حنیفۃ یکذب قال کان انبل فی نفسہ من الکذب و قال مرۃ" اخری ابو حنیفہ عندنا من اہل الصدوق و لم یتہم بالکذب و قال مرۃ کان ابو حنیفۃ" ثقہ لا یحدث بالحدیث الا ما یحفظ و عنہ ایضاً" و قد سئل عن ابی حنیفۃ اثقہ ھو فی الحدیث قال نعم ثقۃ ثقۃ واللہ لورع من ان یکذب و ھو اجل قدرا من ذلک و عنہ و قیل لہ بل حدیث سفیان عن ابی حنیفۃ قال نعم کان ابو حنیفۃ ثقہ صدوقا" فی الحدیث و الفقہ ماموناً" علی دین اللہ عز و جل۔

ترجمہ:۔ "یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ کیا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جھوٹ بولا کرتے تھے' فرمایا کہ

وہ جھوٹ سے بالا تر تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے نزدیک سچے تھے ان پر کبھی بھی جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی گئی۔ دوسری مرتبہ فرمایا کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تھے جب تک کوئی حدیث انہیں اچھی طرح محفوظ نہیں ہوتی تھی ہرگز بیان نہیں فرماتے تھے۔ ان سے ایک مرتبہ ابو حنیفہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے؟ فرمایا' ہاں! وہ معتبر اور ثقہ تھے' اللہ کی قسم! وہ جھوٹ سے بالا تر تھے"۔

"ان سے کہا گیا کہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ منقول ہے۔ فرمایا ہاں! ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث و فقہ میں ثقہ اور سچے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں قابل اعتماد تھے"۔

سئل ابن معین عنه فقال ثقه ما سمعت احدا" ضعفه

ترجمہ:۔ "ابن معین رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سوال کیا گیا' فرمایا' وہ ثقہ تھے میں نے کسی کو ان کی تضعیف کرتے نہیں سنا"۔

یعنی ابن معین کا یہ فرمانا کہ میں نے کسی سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تضعیف نہیں سنی اعلیٰ درجہ کی تعدیل اور توثیق ہے۔ جس کی تائید "تہذیب الکمال" ص 108 سے بخوبی ہوتی ہے۔ اس میں ہے۔

و قال ای یحیی بن معین مرة "کان ابو حنیفة عندنا من اہل الصدوق و ھکذا فی مختصر التاریخ الخطیب البغدادی

ترجمہ:۔ "ایک مرتبہ یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے نزدیک سچے ہیں' خطیب بغدادی کی مختصر التاریخ میں بھی یہی ہے"۔

چونکہ "عندنا" میں ضمیر جمع کی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ و صدوق ہیں' اسی وجہ سے حضرت امام یحییٰ بن معین نے فرمایا۔ ما سمعت احدا" ضعفه کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تھے؟ کہا ہاں ثقہ تھے' ثقہ تھے۔ پھر کہا خدا کی قسم ان کا رتبہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا کہ جھوٹ کہتے' ورع میں وہ سب سے زیادہ تھے اور کہا کہ جس کو ابن مبارک و وکیع نے عدول کہا اس کو تم کیا کہتے ہو؟

مشہور و معروف محدث اور رجال کے بڑے عالم تھے' امام بخاری وغیرہ کے استاد ہیں اور النجوم الزاہرہ کی روایت سے یہ بھی نقل ہے کہ امام بخاری فرماتے تھے کہ میں نے اپنے آپ کو سوائے یحییٰ بن معین کے کسی کے سامنے حقیر نہیں سمجھا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ کسی شخص کے پاس حدیث لکھی ہوئی ہے۔ مگر اب وہ اس کے حافظہ میں محفوظ نہیں رہی کیا اس تحریر پر بھروسہ کر کے اس کی روایت کر سکتا ہے؟

فرمایا' امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ صرف وہی حدیث تم بیان کر سکتے ہو جس کو اچھی طرح پہچانتے ہو اور وہ تمہارے حافظہ میں بھی اول سے آخر تک محفوظ رہے۔ (یعنی اگر درمیانی مدت میں کسی وقت میں حافظہ سے نکل گئی اور ذہول ہو گیا تو اس کو روایت کرنے کا حق نہیں رہا)

روایت حدیث میں امام صاحب کا یہ خاص ورع و تشدد تھا جو دوسرے محدثین کے یہاں نہیں تھا' پھر بھی امام یحییٰ امام صاحب ہی کے قول سے استناد کر رہے ہیں کیونکہ امام صاحب کے علم اور فضل و کمال سے غیر معمولی طور پر متاثر ہیں۔

فرمایا کہ میں نے وکیع سے زیادہ افضل کسی کو نہیں دیکھا اور وکیع امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور امام صاحب سے بہت سے علم حاصل کیا تھا۔[12]

145- امام یحییٰ بن سعید القطان:- بڑے محدث ہیں فن رجال کے سب سے اول لکھنے والے ہیں امام احمد، علی بن المدینی وغیرہ مؤدب کھڑے ہو کر ان سے حدیث کی تحقیق کیا کرتے تھے اور نماز عصر سے مغرب تک (جو ان کے درس کا وقت تھا) برابر کھڑے رہتے تھے۔ امام صاحب کے حلقہ درس میں شرکت کرتے تھے اور امام صاحب کے شاگرد ہونے پر فخر کرتے تھے۔ تمام کتب صحاح میں ان سے روایت ہے۔

فرماتے ہیں "خدا گواہ ہے ہم جھوٹ نہیں بول سکتے ہم نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کسی کو صائب الرائے نہیں پایا اور ہم نے ان کے اکثر اقوال اخذ کئے ہیں"۔

"واللہ ہم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں بیٹھے ہیں اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ اور واللہ جب بھی میں ان کے چہرے مبارک کی طرف نظر کرتا تھا تو مجھے یقین ہوتا تھا کہ وہ اللہ عزوجل کے خوف و خشیت سے پوری طرح متصف ہیں"۔

"لوگوں کو جو مسائل پیش آتے ہیں ان کو حل کرنے کے لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سوا دوسرا نہیں ہے پہلے پہلے امام صاحب کے علمی کمالات زیادہ نمایاں نہ تھے پھر یکدم بڑی تیزی سے ان کی قدر و منزلت اور عظمت ترقی کرتی گئی"۔

"خدائے برتر کی قسم کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس امت میں قرآن و حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے"۔

کہا کرتے تھے کہ جو واقعات لوگوں پر وقتاً فوقتاً پیش آتے ہیں ان میں حکم شرعی بیان کرنے والا سوائے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی نہیں۔

اس کو محدث شہیر مسعود بن سندی نے مقدمہ کتاب التعلیم میں امام طحاوی کی کتاب سے نقل کیا جس میں انہوں نے اصحاب حنفیہ کے مناقب جمع کئے ہیں۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ "مجلس علمی کراچی" میں موجود ہے خدا کرے اس کی طبع و اشاعت جلد ہو سکے۔

ان ہی یحییٰ القطان سے علی بن المدینی (شیخ اعظم بخاری) امام احمد اور یحییٰ بن معین دست بستہ حاضر خدمت رہ کر استفادہ علوم کیا کرتے تھے (۱)۔

146- محدث یحییٰ بن آدم:- تمام اہل فقہ اور اہل بینش کا اتفاق ہے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے افقہ کوئی نہیں، اس امر

میں انہوں نے ایسی کوشش کی کہ ان سے پہلے کسی نے نہیں کی تھی اسی لئے خدائے تعالیٰ نے ان کو راستہ دکھایا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کلام خالصۃً للہ تھا۔ اگر اس میں دنیوی اغراض کی آمیزش ہوتی تو ان کا کلام آفاق ہرگز نافذ نہ ہو سکتا کیونکہ ان کے حاسد اور کسرِشان کرنے والے لوگ بہت تھے۔

جس مجلس میں امام صاحب ہوتے تو کلام کا مدار ان پر ہی ہوتا اور جب تک وہ وہاں رہتے کوئی دوسرا بات نہ کر سکتا۔

یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے زمانے کے تمام محدثین کی حدیثوں کو یاد کر رکھا تھا لیکن انہوں نے حدیثوں کو اختیار کیا جن پر آخر زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا۔

امام علی بن المدینی (استاد امام بخاری) فرمایا کرتے تھے کہ یحییٰ بن آدم علماء اور ان کے اقاویل کے بڑے واقف تھے۔ حدیث و فقہ کے بڑے عالم تھے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف میلان شدید رکھتے تھے' معلوم ہوا کہ امام صاحب سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے مسلم محدثین تھے۔

اب سنئے! یہ محدث کبیر یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے فقہ میں وہ اجتہاد کیا جس کی سابق میں نظیر نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خصوصی رہنمائی فرمائی اور اجتہاد و فقہ کے دشوار راستے ان کے لئے سہل بنا دیئے۔ ان کے علم سے خواص و عوام دونوں طبقوں نے فائدہ اٹھایا۔

یہ بھی فرمایا کہ کوفہ فقہ کا مرکز تھا اس میں بڑی کثرت سے اکابر فقہاء موجود تھے جیسے ابن شبرمہ' ابن ابی لیلیٰ' حسن بن صالح' شریک وغیرہ لیکن امام صاحب کے اقاویل کے مقابلہ میں ان سب کے اقاویل بے قیمت ہو کر رہ گئے۔ امام صاحب کا علم ایک ایک شہر و بستی میں پہنچ گیا۔ خلفاء ائمہ اور حکام نے اس کے مطابق فیصلے کئے اور عملی دنیا کے لئے وہی مدار عمل ٹھہر گیا۔

147- **محدث یوسف بن خالد سمتی:-** کبار مشائخ حدیث میں سے تھے۔ امام اعظم کے شاگرد اور امام شافعی وغیرہ اکابر و محدثین کے استاد تھے ان کا بیان ہے کہ میں بصرہ میں تھا۔ عثمان سمتی کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ اپنے دل میں خیال کیا کرتا تھا کہ میں اب کمال کی انتہا تک پہنچ گیا اور علم سے حصہ وافر حاصل کر لیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے علم و فقہ کا شہرہ تھا۔ میں نے بھی سفر کیا اور ان کی خدمت میں پہنچا آپ کے اصحاب و تلامذہ بھی حاضر تھے' ان کی علمی موشگافیاں سنیں ایسا محسوس ہوا کہ میرے چہرہ پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا' وہ اٹھ گیا اور گویا ان سے پہلے میں نے علمی باتیں

سی ہی نہ تھیں' پھر تو میں نے اپنے آپ کو بہت حقیر سمجھا اور اپنے علم کا سابق غرور ختم ہو گیا۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ ؒ ایک سمندر تھے جس کا پانی ختم نہیں کیا جا سکتا اور ان کی عجیب شان تھی میں نے تو ان جیسا نہ دیکھا۔

148- یاسین بن معاذ زیات:۔ نے مکہ معظمہ میں ایک کثیر جماعت میں بلند آواز سے' جس طرح اذان دی جاتی ہے پکار کے کہا کہ لوگو! ابو حنیفہ ؒ کو غنیمت سمجھو' ان سے علم حاصل کرو' ان سے زیادہ حرام و حلال کو جاننے والا تمہیں کوئی نہیں ملے گا۔ یاسین مذکور کو ذہبی نے کبار فقہاء کوفہ میں سے لکھا ہے۔ مفتی کوفہ بھی تھے۔

یہ بھی منقول ہے کہ حضرت یاسین زیات امام صاحب کے بہت بڑے مداح تھے۔ اور جب امام صاحب کا ذکر شروع کر دیتے تو خاموش ہونا ان کا ذکر خیر ختم کرنا پسند نہ کرتے تھے۔

149- محدث حضرت شعبہ:۔ یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ شعبہ کے روبرو جب امام صاحب کا ذکر ہوتا تو ان کی تعریف و توصیف بہت کرتے تھے حالانکہ وہ امام صاحب کے دوستوں میں سے تھے۔

150- یزید بن ہارون:۔ میں نے علماء سے سنا ہے کہ ابو حنیفہ ؒ کے زمانہ میں ان کا نظیر تلاش کیا گیا مگر نہ ملا اور کہا کرتے تھے کہ امام صاحب اعظم الناس ہیں۔

میں نے ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا مگر خدا کی قسم ابو حنیفہ ؒ سے اورع کسی کو نہیں پایا۔

یزید بن ہارون' یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں اور علی ابن المدینی اور امام احمد بن حنبل ؒ کے استاد ہیں۔ امام احمد ؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں۔

کان حافظاً متقیناً

ترجمہ:۔ "وہ حدیث کے حافظ اور ماہر تھے"۔

اور امام عجلی نے کہا ہے ثقہ ثقہ

اور ابو حاتم نے کہا ہے لا یتمثل مثلہ یزید بن ہارون اپنے زمانہ کے امام کبیر اور ثقہ محدث تھے اور امام اعظم ؒ' امام مالک ؒ اور سفیان ثوری ؒ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ ؒ حافظ حدیث ہیں۔ ذہبی تذکرۃ الحفاظ ص 152 میں اور علامہ سیوطی تبییض الصحیفہ ص 13 میں لکھتے ہیں۔

سئل يزيد بن هارون ايما افقه الثوری اور ابو حنيفة فقال ابو حنيفة افقه وسفيان احفظ۔

ترجمہ:۔ "یزید بن ہارون سے کسی نے دریافت کیا کہ ثوری بڑے عالم تھے یا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ؟ جواب دیا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقہ کے بڑے عالم تھے اور ثوری حدیث کے"۔

افقہ اور احفظ اسم تفضیل کے صیغے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ دونوں فقیہ اور حافظ حدیث تھے مگر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ افقہ اور حافظ تھے اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فقیہ اور احفظ تھے۔ پس امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا حافظ حدیث ہونا یزید بن ہارون کے کلام سے بھی ثابت ہوا۔ یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ میں نے علماء سے سنا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ان کے نظیر تلاش کیا گیا مگر نہ ملا اور فرمایا کرتے تھے کہ امام صاحب اعلم الناس ہیں۔

اور فرماتے ہیں کہ میں نے ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا لیکن خدا کی قسم! میں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کسی کو ورع و حافظہ اور عقل میں نہیں پایا۔

ایک روز یزید بن ہارون کی مجلس میں یحییٰ بن معین' علی بن المدینی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ موجود تھے۔ کہ ایک شخص نے آکر ایک مسئلہ دریافت کیا۔ فرمایا کہ اہل علم کے پاس جاؤ اور اس سے معلوم کرو۔ اس پر علی بن المدینی نے کہا کہ کیا آپ اہل علم نہیں ہیں؟ آپ تو حدیث کے عالم ہیں۔ فرمایا نہیں' اہل علم اصحاب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں ہم تو عطار ہیں۔

اپنے زمانہ کے امام کبیر اور محدث ثقہ تھے۔ امام اعظم' امام مالک اور سفیان ثوری کے شاگرد اور یحییٰ بن معین و ابن المدینی وغیرہ شیوخ صحاح ستہ کے استاد تھے۔ فرمایا:۔

۱۔ کسی نے پوچھا کہ ایک عالم فتویٰ دینے کے قابل کب ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جب وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسا ہو جائے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ ایسی بات کہتے ہیں؟ فرمایا ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ مجھے کہنا چاہیے میں نے ان سے زیادہ کسی عالم کو فقیہ و متورع نہیں دیکھا۔ ایک روز میں نے ان کو دیکھا کہ ایک شخص کے دروازہ کے سامنے دھوپ میں بیٹھے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ سایہ میں ہو جاتے۔ فرمایا میرے اس گھر والے پر کچھ روپے قرض ہیں اس لئے اس کے گھر کے سایہ میں بیٹھنا مجھے ناپسند ہوا۔ محدث یزید نے یہ واقعہ بیان کر

کے فرمایا کہ بتاؤ! اس سے بڑا درجہ بھی ورع کا ہو سکتا ہے۔

151- محدث یزید بن الکمیت:۔ جو برگزیدہ لوگوں میں سے تھے وہ کان من خیار الناس کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف شدید تھا' ایک رات امام نے عشاء کی نماز میں سورۃ "اذا زلزلت الارض" پڑھی' ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جماعت میں تھے۔ جب نماز ختم کر کے آدمی چلے گئے۔ تو میں نے دیکھا کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فکر میں غرق ہیں۔ تنفس جاری ہے۔ میں نے دل میں کہا چپکے سے اٹھ چلو' ان کے شغل میں خلل انداز نہ ہو۔ چنانچہ قندیل روشن چھوڑ کر میں چلا آیا۔ اس میں تیل تھوڑا تھا' طلوع فجر کے وقت جب میں مسجد میں پھر آیا تو میں نے دیکھا کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی داڑھی پکڑے کھڑے ہیں' اور کہہ رہے ہیں یا من یجزی بمثقال ذرۃ خیر خیرا" و یا من یجزی بمثقال ذرۃ شر شرا" اجر النعمان عبدک من النار و ما یقرب منها من السوء و ادخله فی سعۃ رحمتک اے ذرہ بھر نیکی کا اچھا بدلہ دینے والے' اور اے ذرہ بھر برائی کا بدلہ دینے والے اپنے بندہ نعمان کو آگ سے اور اس کے لگ بھگ عذاب سے بچائیو' اور اپنی رحمت کی فضا میں داخل کیجیو۔ میں نے اذان دی۔ دیکھا تو قندیل روشن تھی اور وہ کھڑے ہوئے تھے' مجھ کو دیکھ کر کہا کیا قندیل لینا چاہتے ہو؟ میں نے کہا صبح کی اذان دے چکا ہوں' کہا جو دیکھا ہے اس کو چھپانا' یہ کہہ کر صبح کی سنتیں پڑھیں اور بیٹھ گئے۔ میں نے تکبیر کہی تو جماعت میں شریک ہوئے' ہمارے ساتھ صبح کی نماز اول شب کے وضوء سے پڑھی۔

یہاں تک 151 محدثین کی آراء پیش کی گئیں ہیں اور ان محدثین کی شہادت معمولی نہیں' اس میں کچھ مبالغہ نہیں کہ امام اعظم کی ذات گرامی محدث' حافظ' امام الحدیث' کثیر الروایت' امام متبوع' الامام النافذ' حامل العلم' ثبت' متقن' حجۃ' معدل' ابصر' فقیہ' امام' اورع' عامل' متعبد' کبیر الشان' معرض عن الدنیا' محتاج الیہ فی الفقہ' ثقہ' قائم بالحجۃ' اعلم الفقہ' حافظ سنن و آثار' حسن الرائے' مجاہد فی العبادہ' کثیر البکاء فی اللیل' اعقل' ذکی' سخی' موثر' تقی کثیر الخشوع' کثیر الصمت' دائم التفزع' صاحب الکرامات' عابد' زاہد' عارف باللہ ہونے کے ساتھ ساتھ مجتہد اور فقیہ تھے۔ اسی بنا پر حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر نے یہ کھلا اقرار کیا ہے۔

قد تواتر علمہ فضل' و اجمع علیہ

یعنی یہ ایک بنیادی حقیقت ہے جس کے لئے روایت و اسناد کے کسی بھی سہارے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تواتر سے ثابت ہے۔ اور اس موضوع پر امت کی پوری علمی طاقت میں کبھی دو رائیں نہیں ہوئی ہیں اور علم سے مراد

علم حدیث ہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

قد كان الحافظ المشهور بالعنايت في هذا الشان۔[1]

حافظ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی مولف السیر الشافعیہ الکبری عقود الجمان میں فرماتے ہیں:۔

كان ابو حنيفة من كبار حفاظ الحديث۔[2]

اسی بنا پر امام حاکم نے معرفۃ الحدیث کی نوع تاسع و الاربعین میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی دوسرے محدثین کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس نوع کو شروع کرتے ہوئے اس کی پیشانی پر لکھا ہے کہ:

ترجمہ:۔ "یہ نوع تابعین اور اتباع تابعین میں سے ان ائمہ حدیث کے تذکار پر مشتمل ہے جن کی حدیثوں کو حفظ، مذاکرہ اور تبرک کی خاطر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ ائمہ حدیث ثقات اور مشہور ہیں۔ اس کے بعد مختلف شہروں کے محدثین کا ذکر کا ہے۔ مدینہ، مکہ، مصر، شام، یمن، یمامہ، بصرہ، الجزیرہ اور کوفہ کے محدثین میں ابو حنیفہ النعمان بن ثابت التیمی رضی اللہ عنہ کا کھلے اور واشگاف الفاظ میں ذکر کیا ہے"۔

152 ۔ محدث نواب صدیق حسن خان:۔ برصغیر پاک و ہند کے مشہور اہل حدیث (غیر مقلد) کی شہادت پر یہ باب ختم کرتے ہیں چنانچہ اتحاف النبلاء میں لکھتے ہیں کہ واصل مرتبہ اجتہاد مطلق گردید اور ان کے تعارف میں نواب صاحب نے تین سطروں پر مشتمل القاب لکھے ہیں۔ اس لئے امام اعظم کی شان محدثانہ پر ان کی شہادت کسی عقیدت کے بوجھ سے دبی ہوئی نہیں بلکہ امر واقعہ اور حقیقت کا اظہار ہے۔ نواب صاحب نے جو القاب لکھے ہیں وہ یہ ہیں۔

السید السند، الامام العلامہ، المحدث الاصولی، المتکلم، الفقیہ، البلیغ الرحلہ، الحجۃ، فرید العصر، نادرۃ الدہر، خاتمہ النقاد، حامل لواء الاسناد، بقیہ اہل الاجتہاد، کشاف اصداف، الفرائد، خطاف ازہار الفوائد، فاتح المقفل اللطائف، مانح افضل الفرائف، مصیب شواکل المشکلات، مطبق مفاصل المعضلات، مفتک کمائم النکت، عز الدین، محی السنہ۔[174]

آخر میں مدح و مناقب کے سلسلہ میں حضرات محدثین نے اپنے اپنے زمانہ میں امام ابو حنیفہ کا ذکر خیر مستقل تصانیف کی شکل میں کیا ان کی ایک فہرست اگلے صفحہ پر لکھ دی جاتی ہے۔ تاکہ اندازہ ہو سکے کہ امام اعظم کے مادحین نے کاوش کیا تھی۔

کتب مناقب الامام الاعظم رضی اللہ عنہ

1- عقود المرجان:۔
2- قلائد عقود الدرر و العقیان:۔ یہ دونوں امام طحاوی 321ھ کی تصنیف ہیں۔
3- البستان فی مناقب النعمان:۔ علامہ محی الدین بن عبدالقادر بن ابی الوفا قرشی (صاحب جواہر المضیہ) کی تصنیف ہے۔
4- شقائق النعمان فی مناقب النعمان:۔ علامہ جار اللہ زمخشری کی تصنیف ہے۔ 538ھ
5- کشف الاسرار:۔ علامہ عبداللہ بن محمد حارثی نے لکھی۔
6- الانتصار الامام ائمہ الامصار:۔ علامہ یوسف سبط ابن الجوزی نے تالیف کی۔
7- تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ:۔ امام جلال الدین سیوطی شافعی نے لکھا۔
8- تحفہ السلطان فی مناقب النعمان:۔ علامہ ابن کاس نے تصنیف کیا۔
9- عقود الجمان فی مناقب النعمان:۔ علامہ محمد یوسف دمشقی شافعی نے تالیف کی۔
10- الابانہ فی رد المشنعین علی ابی حنیفہ:۔ علامہ احمد بن عبداللہ شیر آبادی نے لکھی۔
11- تنویر الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ:۔ علامہ یوسف بن عبدالہادی کی تصنیف ہے۔
12- الخیرات الحسان فی منقاب الامام الاعظم ابی حنیفہ النعمان:۔ شارح مشکوۃ علامہ حافظ ابن حجر مکی شافعی کی تالیف لطیف ہے۔
13- قلائد العقیان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ:۔ یہ بھی علامہ موصوف ہی کی تصنیف ہے۔
14- الفوائد المہمہ:۔ علامہ عمر بن عبدالوہاب عرضی شافعی نے لکھی۔

15- مراۃ الجنان فی مناقب النعمان:۔ علامہ یافعی شافعی کی تالیف ہے۔

16- مناقب الامام ابی حنیفہ و صاحبیہ ابی یوسف و محمد بن الحسن:۔ حافظ ذہبی (مصنف تذکرہ الحفاظ و میزان الاعتدال وغیرہ) کی تصنیف ہے۔

17- جامع الانوار:۔ علامہ محمد بن عبدالرحمن غزنوی کی تالیف ہے۔

18- الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمہ الفقہاء:۔ الامام الحافظ یوسف بن عبدالبر مالکی کی تصنیف ہے۔

19- مناقب الامام الاعظم:۔ علامہ صدر الائمہ موفق بن احمد مکی کی تالیف قیم ہے۔ 2 جلد مطبوعہ حیدر آباد

20- مناقب الامام الاعظم:۔ تالیف علامہ امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب کردری رحمۃ اللہ علیہ' 2 جلد مطبوعہ حیدر آباد

21- فتح المنان فی مناقب النعمان:۔ تالیف علامہ شیخ محدث دہلوی قدس سرہ۔

22- اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ:۔ تالیف ابی عبداللہ حسین بن علی صیمری (متوفی 404ھ)

23- مناقب الامام الاعظم:۔ تالیف ابی القاسم عبداللہ بن محمد بن احمد السعدی معروف بابن العوام

24- کشف الغمہ عن سراج الامہ (اردو):۔ تالیف علامہ مولانا السید مفتی محمد مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری دام فیضہم

25- سیرۃ النعمان (اردو):۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

26- تحفہ المنیفہ:۔ مناقب ابی حنیفہ۔ شمس الدین سخاوی

27- العزۃ المنیفہ:۔ فی مسائل ابی حنیفہ۔ عمر الحربی سراج الدین

28- اجوبہ المنیفہ:۔ عن اعتراضات ابن ابی شیبہ علی حنیفہ۔ حافظ قاسم قطلوبغا۔

29- الدر المنیفہ فی رد ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفہ:۔ حافظ عبدالقادر قرشی۔

30- التبیان فی مذھب نعمان:۔ عبدالحق سیف الدین دہلوی

31. عقود الجمان فی اولہ امام ابو حنیفہ:۔ سید مرتضیٰ زبیدی 1205

32. الاشباہ والنظائر علی مذہب ابو حنیفہ:۔ عبدالعزیز محمد التوکیل

33. لقط المرجان من مسند ابی حنیفہ النعمان:۔ ابو جعفر عمر بن احمد بن شجاع سلی 936ھ

34. تانیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمہ ابی حنیفہ من الاکاذیب:۔ زاہد کوثری۔

35. سہم المصیب فی کبد الخطیب:۔ عیسیٰ بن سیف الدین حنفی۔

36. النکت الطریفہ فی ترجیح مذہب ابی حنیفہ:۔ محمد بن محمود حنفی 786

37. النکت الطریفہ فی التحدث من ردود ابن ابی شیبہ علی حنیفہ:۔ زاہد الکوثری

38. الرد علی سیر الاوزاعی:۔ امام ابو یوسف

39. اختلاف ابی حنیفہ و ابی لیلیٰ:۔ امام ابو یوسف

40. تنویر الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ:۔ یوسف بن عبدالہادی حنبلی

41. المیزان الکبریٰ:۔ عبدالوہاب شعرانی

42. الاعلان بالتوبیخ:۔ شمس الدین سخاوی

43. جواہر البیان ترجمہ خیرات الحسان:۔ مفتی شجاعت علی قادری

44. تنسیق النظام شرح مسند الامام:۔ محمد حسن سنبھلی

45. تحصیل المرام تبویب مسند الامام:۔ ادریس بلگرامی ندوی

46. مرآۃ الزمان:۔ سبط ابن الجوزی

47. رفع الملام عن ائمہ الاعلام:۔ ابن تیمیہ

48. فتاویٰ عن ائمہ الاعلام:۔ ابن تیمیہ

49- الانتقاء للمذاهب العلماء:۔ ذہبی۔

50- البیان فی فضائل العلم و العلماء:۔ ذہبی۔

51- الاثار الجنیہ فی طبقات الحنفیہ:۔ ملا علی قاری۔

52- کشف الاثار فی مناقب ابی حنیفہ:۔ عبدالعزیز بخاری

53- عقود الجواہر المنفیہ فی طبقات الحنیفہ:۔ حافظ عبدالقادر قرشی 775ھ

54- انتخاب جواہر المفیہ:۔ ابراہیم بن محمد حلبی

55- الفوائد البہیہ فی تراجم الحنیفہ:۔ عبدالحی لکھنوی

56- حدائق الحنیفہ:۔ فقیر محمد جہلمی

57- طبقات السنیہ فی تراجم الحنیفہ:۔ تقی الدین بن عبدالقادر التیمی

58- الاقوال الصحیح فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ:۔ نور بخش توکلی

59- الجواہر المضیہ:۔ علامہ ابن ابی الوفا حافظ عبدالقادر قرشی

60- الانتصار و الترجیح للمذاہب الصحیح:۔ عمر بن محمد بن سید الموصلی

61- النظرۃ الطریفہ فی ترجیح المذہب ابو حنیفہ:۔ صمصام الدین ابراہیم

62- حفظ الرحمن لمذہب النعمان:۔ حفظ الرحمان

63- تذکرۃ النعمان:۔ محمد عبدالقدوس، بنگلوری

64- الرد علی الخطیب:۔ شرف الدین عیسیٰ بن عادل بن ابو بکر ایوب حنفی

نوٹ:۔ یہ کل 64 کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ جن کتابوں میں امام صاحب کا تذکرہ ہوا ہے وہ 100 سے اوپر تو راقم الحروف کے پاس یادداشت میں درج ہیں اور مستقل کتابیں بھی دوسری بہت ہیں۔ یہاں احصاء مقصود نہیں تھا۔ و اللہ

محل آخر ان شاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

باب پنجم

1. صدر الائمہ موفق بن احمد مکی۔ ص 33' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء
2. مناقب کردری حافظ الدین محمد بن احمد بن شہاب کردری۔ ص 10' 1946ء
3. ایضاً " " "
4. مناقب موفق بن احمد مکی۔ ص 18' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء
5. حدائق حنیفہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 88' نیز خیرات حسان ابن حجر مکی۔ ص 88' 1985ء
6. تذکرۃ الحفاظ' شمس الدین ذہبی شافعی۔ ص 1520' قاہرہ' دار العلم' 1941ء
7. تبییض الصحیفہ جلال الدین سیوطی۔ ص 50' نیز خیرات الحسان۔ ص 36' 1985ء
8. خیرات الحسان فی مناقب نعمان۔ ص 38' نیز کردری۔ ص 88' 1946ء
9. خیرات۔ ص 37' صدر الائمہ موفق بن احمد مکی۔ ص 43' ج 2 دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء
10. حافظ الدین محمد بن شہاب کردری مکی۔ ص 78 حیدر آباد' دکن' 1946ء
11. موفق بن احمد مکی۔ ص 75' 1945ء
12. ایضاً۔ ص 33
13. کردری۔ ص 21' نیز تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 24' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء
14. موفق۔ ص 20
15. ایضاً۔ ص 45
16. صدر الائمہ موفق بن احمد مکی۔ ص 33' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء
17. ایضاً۔ ص 34
18. مناقب حافظ الدین محمد بن محمد کردری۔ ص 35' حیدر آباد' دکن' 1946ء
19. ایضاً۔ ص 36
20. ایضاً۔ ص 25
21. موفق۔ ص 33
22. ایضاً۔ ص 55

23۔ تہذیب الکلام حافظ ابو الفضل۔ ص 180' حیدر آباد' دکن' 1942ء

نوٹ: کتاب تہذیب الکلام جس کا قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ یہ ایک معتبر اور مستند کتاب ہے۔ کہ صاحب کشف الظنون نے ص 330' ج 2 میں لکھا کہ ھو کتاب لم یولف مثلہ و لا یظن ان یستطاع

24۔ صدر الائمہ موفق بن احمد مکی۔ ص 36' ایضاً" کردری۔ ص 37' حیدر آباد' دکن' 1946ء

25۔ مناقب موفق۔ ص 55' نیز خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 26 دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

26۔ مناقب موفق۔ ص 43' نیز حافظ الدین محمد بن محمد کردری۔ ص 36 دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

27۔ خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 74' نیز جامع بیان العلم ابن عبد البر۔ ص 194' 1947ء

28۔ صدر الائمہ مناقب موافق بن احمد مکی۔ ص 78' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

29۔ ایضاً"۔ ص 17

30۔ مناقب حافظ الدین محمد بن محمد کردری۔ ص 25' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

31۔ حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 76' لاہور' 1985ء

32۔ مناقب صدر الائمہ موفق بن احمد مکی۔ ص 16' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

33۔ حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 75' لاہور' 1985ء

34۔ مناقب صدر الائمہ موفق۔ ص 31' نیز خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 33' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

35۔ ایضاً صدر الائمہ موفق بن احمد مکی۔ ص 98' نیز ص 39' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

36۔ جامع الانوار محمد بن عبد الرحمن غزنوی۔ ص 13' 1960ء

37۔ (ص) مجموعہ رسائل کبریٰ۔ ص 27' 28' 29' ج 1' ابن تیمیہ ابو العباس' مطبوعہ عامرہ مصر' 1934ء

38۔ خیرات الحسان فی مناقب نعمان بن حجر مکی۔ ص 96' ایضاً"۔ ص 13' 74' کراچی' 1985ء

39۔ فہرست ابن ندیم۔ ص 211' دار العلم' بیروت 1957ء

40۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 449' ج 10' ایضاً"۔ 212' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

ج

41 مناقب موفق احمد مکی ص 15

42 ایضا ص 18

43 ایضا ص 20

44 ایضا ص 21

45 ایضا ص 24

46 مناقب حافظ الدین محمد بن محمد کردری۔ ص 18' حیدر آباد' دکن' 1946ء

47 جامع ترمذی۔ ج 1

48 مناقب موفق بن احمد مکی۔ ص 10' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

49 ایضاً۔ ص 17

50 ایضاً

51 مناقب موفق بن احمد مکی۔ ص 41' ج 2' کردری۔ ص 37' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

52 مناقب موفق۔ ص 37' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

53 کردری۔ ص 167

54 ایضاً۔ ص 176

55 مناقب صدر الائمہ موفق بن احمد مکی۔ ص 89' ج 1

56 ایضاً۔ ص 48

57 ایضاً۔ ص 196' ج 1' نیز ص 37' ج 2

58 مناقب موافق بن احمد مکی۔ ص 91' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

59 ایضاً۔ ص 89

60 مناقب حافظ الدین محمد بن محمد کردری۔ ص 29' حیدر آباد' دکن' 1946ء

61 ایضاً۔ ص 36

62 ایضاً۔ ص 50' ایضاً مناقب موفق بن احمد مکی۔ ص 49' ج 2' 1957ء

63 ایضاً۔ ص 62

ک

64 مناقب کردری۔ ص 100' نیز تبییض الصحیفہ جلال الدین سیوطی۔ ص 45' حیدر آباد' دکن' 1946ء

65 مناقب کردری۔ ص 45' حیدر آباد' دکن' 1946ء

66 تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 151' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

67 مناقب موفق بن احمد مکی۔ ص 37' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

68 ایضاً۔ ص 11

69 ایضاً۔ ص 149' ج 2

70 ایضاً

71 ایضاً۔ ص 115' نیز کردری۔ ص 45' حیدر آباد' دکن' 1946ء

72 مناقب حافظ الدین محمد بن محمد کردری۔ ص 115' حیدر آباد' دکن' 1946ء

73 ایضاً۔ ص 118

بقیہ 73 انوار الباری شرح صحیح بخاری احمد رضا بجنوری۔ ص 103' نیز مناقب کردری۔ ص 78' حیدر آباد' دکن' 1946ء

74 خیرات الحسان ابن حجر مکی۔ ص 67' کراچی' 1985ء

75 طحاوی۔ ص 15' نیز حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 78 لاہور' 1985ء

76 حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 79' لاہور' 1985ء

77 مناقب موفق بن احمد مکی۔ ص 100' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

78 خیرات الحسان فی مناقب نعمان بن حجر مکی۔ ص 200' کراچی' 1985ء

79 انوار الباری شرح بخاری۔ احمد رضا بجنوری۔ ص 102' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

80 جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبر۔ ص 194' قرآن محل' کراچی' 1947ء

81 مناقب موفق بن احمد مکی۔ ص 216' نیز کردری۔ ص 161' حیدر آباد' دکن' 1946ء

82 حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 76' لاہور' 1985ء

83 مسند احمد۔ ص 296' ج 2' نیز کلمات طیبات (مجموعہ مکاتب) مطبوعہ مجتبائی۔ ص 168' دہلی' 1970ء

84 مناقب کردری۔ ص 83' نیز حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 76' لاہور' 1985ء

85۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 450 ج 10' دار الحدیث' قاہرہ' 1952ء

86۔ مناقب حافظ الدین کردری۔ ص 36' حیدر آباد' دکن' 1946ء

87۔ مناقب حافظ الدین محمد بن محمد کردری۔ ص 45' حیدر آباد' دکن' 1946ء

88۔ حدائق الحنفیہ۔ ص 36' نیز خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 26' کراچی' 1995ء

89۔ تذکرۃ الحفاظ' ذہبی۔ ص 337' ج 1' قاہرہ' دار العلم' 1941ء

90۔ مناقب صدر الائمہ موفق بن احمد مکی۔ ص 47' ج 2' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

91۔ ایضاً۔ ص 13

92۔ میزان الکبریٰ عبدالوہاب شعرانی۔ ص 75' دار العلم' بیروت 1942ء

93۔ خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 74' قرآن محل' 1985ء

94۔ شرح ابن ماجہ ما تمس بہ الیہ الحاجہ عبدالرشید نعمانی۔ ص 62' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1980ء

95۔ مناقب کردری۔ ص 315' حیدر آباد' دکن' 1946ء

96۔ ایضاً۔ ص 317' نیز مناقب موفق بن احمد مکی۔ ص 45' ج 2' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

97۔ ایضاً

98۔ ایضاً۔ ص 195' ج 1

99۔ خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 35' کراچی' 1985ء

100۔ مناقب موفق۔ ص 42' ج 2' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

101۔ ایضاً۔ ص 31

102۔ الانتصار للامام ائمہ الامصار سبط ابن الجوزی۔ ص 18' دار الحدیث' قاہرہ' 1946ء

103۔ مناقب موفق بن احمد مکی۔ ص 42' ج 2' دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

104۔ ایضاً۔ ص 41' ج 2

105۔ ایضاً۔ ص 37' ج 2

106۔ ایضاً۔ ص 34

107۔ ایضاً۔ ص 34

109 تذکرۃ الحفاظ، ذہبی۔ ص 218، قاہرہ، دار العلم، 1941ء

110 ایضاً۔ ص 218

سورۃ المومنون آیت 50

111 ایضاً۔ ص 218

112 ایضاً۔ ص 225

113 الانتصار الامام ائمہ الامصار سبط ابن الجوزی۔ ص 15، دار الحدیث، قاہرہ، 1952ء

114 مناقب صدر الائمہ موفق بن احمد مکی۔ ص 15، دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

115 ایضاً۔ ص 16

116 ایضاً۔ ص 17

117 مناقب صدر الائمہ موفق بن احمد مکی۔ ص 360، دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

118 صدر الائمہ موفق بن احمد مکی۔ ص 54، ج 2، دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

119 ایضاً۔ ص 67، ج 2

120 خیرات الحسان فی مناقب نعمان بن حجر مکی۔ ص 26، ادارہ نشر القرآن کراچی، 1995ء

121 تبییض الصحیفہ جلال الدین سیوطی۔ ص 13، دار النشر قاہرہ، 1945ء

122 مناقب موفق ابن احمد مکی۔ ص 50، دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

123 سورۃ البقرۃ آیت [illegible]

124 ایضاً۔ ص 75

125 مناقب موفق ابن احمد مکی۔ ص 78، دار الکتب العربیہ بیروت 1945ء

126 ایضاً۔ ص 78

127 ایضاً۔ ص 115

128 ایضاً۔ ص 193

129 خیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر مکی۔ ص 78، ادارہ نشر القرآن کراچی، 1995ء

130 مناقب موفق بن احمد مکی۔ ص 249

131 مناقب موفق۔ ص 76، نیز فقیر محمد جہلمی حدائق الحنفیہ۔ ص 79، لاہور، 1985ء

ذ

132۔ ایضاً۔ ص 71

133۔ مناقب حافظ الدین محمد بن محمد کردری۔ ص 76' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

134۔ مناقب موفق بن احمد کی۔ ص 34' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

135۔ الخیرات الحسان فی مناقب نعمان ابن حجر کی۔ ص 34' ادارہ نشر القرآن کراچی' 1995ء

136۔ انوار الباری شرح اردو صحیح بخاری سید احمد رضا بجنوری۔ 1960ء

137۔ مناقب کردری۔ ص 98' حیدر آباد' دکن' 1946ء

138۔ ایضاً۔ ص 98

139۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی۔ ص 450' ج 10' دارالحدیث' قاہرہ' 1952ء

140۔ مناقب موفق ابن احمد کی۔ ص 211' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

141۔ مناقب موفق ابن احمد کی۔ ص 40' ج 2

142۔ ایضاً۔ ص 41

143۔ مناقب حافظ الدین کردری۔ ص 311' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

144۔ مناقب موفق بن احمد کی۔ ص 35' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

145۔ ایضاً۔ ص 36

146۔ ایضاً۔ ص 45

147۔ حدائق الحنفیہ۔ فقیر محمد جہلمی۔ ص 78' لاہور' 1985ء

148۔ ایضاً۔ ص 92

149۔ مکتوب 55 جلد 2' (مکتوبات مجدد الف ثانی)

150۔ حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی۔ ص 78' لاہور' 1985ء

151۔ مناقب موافق بن احمد کی۔ ص 43

152۔ مناقب حافظ الدین محمد بن محمد کردی۔ ص 81' دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

153۔ ایضاً۔ ص 99

154۔ ایضاً۔ ص 111

ح

155 ایضاً - ص 211

156 (مناقب) کردری - ص 93؛ ایضاً - 115

157 بقیہ - ایضاً - 117، مناقب احمد مکی - ص 197، ایضاً - ص 197، ج 1، دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

158 مناقب موفق بن احمد مکی - ص 112، دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

159 ایضاً ص 112

160 بقیہ - مناقب حافظ الدین محمد بن محمد کردری - ص 114، حیدر آباد، دکن، 1946ء

161 ایضاً - ص 117

162 ایضاً - ص 116، (عمدۃ القاری) بدرالدین عینی - ص 563

163 مناقب صدر الائمہ موفق بن احمد مکی - ص 191، ج 1، ایضاً - ص 45، ج 2، دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

164 ایضاً - ص 77، 78، 92

165 ایضاً - ص 192، ج 2

166 (مناقب) صدر الائمہ موفق بن احمد مکی - ص 38، دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

167 ایضاً - ص 415

168 ایضاً - ص 118

169 مناقب صدر الائمہ موفق بن احمد مکی - ص 47، ج 2، دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

170 المیزان الکبریٰ، عبدالوہاب شعرانی - ص 31، ج 1، دارالکتب العربیہ بیروت 1945ء

171 الروض الباسم ابراہیم الوزیر - ص 144 تا 192، ج 1، دارالعلم، بیروت، 1966ء

172 ایضاً

173 تانیب الخطیب زاہد الکوثری - ص 156، دارالحدیث، قاہرہ، 1970ء

174 اتحاف النبلاء نواب صدیق حسن خان - ص 374، مطبع المحدیث، لکھنؤ، 1970ء

175 فہرست [illegible] عقود الجمان زیر بحث شافعی اور [illegible] [illegible] اور سیرت نعمان شبلی نعمانی [illegible]

رجال کا تقابل اور
محدثین سے علمی قرابت داری

فہرست مضامین

باب دہم

اصطلاحات اور کتب فن

جرح و تعدیل

تعریف:۔ راوی کے اندر شرائط مقبولیت کے وجود عدم وجود کے بیان کو "جرح و تعدیل" کہتے ہیں۔

الف) **جرح:۔** راوی کی عدالت یا ضبط پر ایسی تنقید جس سے اس کی حیثیت داغدار و مجروح ہو۔

ب) **تعدیل:۔** راوی کے اندر عدالت و ضبط کے وجود کا بیان۔

جواز و ثبوت و اہمیت:۔ "تعدیل" تو ظاہر ہے کہ راوی کی مدح و ثنا ہے اس کے جواز میں کیا شک ہے۔ البتہ "جرح" بظاہر برائی و غیبت ہے جسے شریعت عام انسانوں کے لئے پسند نہیں کرتی۔ چہ جائیکہ اہل علم کی زبان سے ہو اور "اہل اسلام و اہل علم" کے حق میں۔ مگر چونکہ اس کا تعلق دین کی ایک اہم ضرورت سے ہے۔ بلکہ "دین و احکام دین" کی حفاظت سے ہے' جیسا کہ "اسناد" کے ذکر و اہتمام سے متعلق ائمہ دین سے منقول ارشادات سے ظاہر ہے۔ ابن سیرین کا مقولہ ہے "یہ علم دین ہے لہذا خوب اچھی طرح غور کر لیا کرو کہ تم اپنا دین کن لوگوں سے حاصل کر رہے ہو" ابن مبارک کا قول ہے۔ "اسناد دین کا ایک جزء ہے۔ اگر یہ مبارک سلسلہ نہ ہوتا تو ہر شخص جو چاہتا کہتا" ابن سیرین ہی کا بیان ہے کہ "حضرات صحابہ و تابعین اسناد کے متعلق سوال نہیں کیا کرتے تھے مگر جب فتنوں کا دور دورہ ہوا تو یہ کہا جانے لگا کہ پہلے یہ بتاؤ کہ کس نے کہا اور کس سے سنا"۔1

اس لئے امت نہ صرف اس کے جواز کی بلکہ استحسان اور ضروری ہونے کی قائل رہی ہے۔ اور اس کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ مشہور آیت ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا 2 "اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے سامنے کوئی خبر و واقعہ بیان کرے تو چھان بین کر لیا کرو" اس کی اصل و بنیاد ہے' اور حضور ﷺ سے "تعدیل" بھی منقول ہے۔ اور جرح بھی حضرت عبداللہ بن عمرو کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ان عبد اللہ رجل صالح' ان کے حق میں تعدیل ہے۔ اور اپ ﷺ کا ارشاد بئس اخو العشیرہ' فلاں شخص جماعت کا بہت برا آدمی ہے۔ نیز "آخر کب تک تم بدکردار کے ذکر سے گریز کرو گے۔ اس کی برائیاں بیان کیا کرو تاکہ لوگ اس سے ہوشیار رہیں" جرح سے متعلق ہے۔ حضرات

صحابہ و تابعین کی ایک جماعت سے اس بارے میں بہت کچھ منقول ہے۔ 1

کتب جرح و تعدیل:۔ وہ کتابیں کہلاتی ہیں جن میں رواۃ کی عدالت و ضبط کا ذکر ہو' خواہ کسی درجہ میں اس اثبات ہو یا تنقید البتہ یہ کہ بعض کتابوں میں صرف عدالت و ضبط کے وجوہ کا تذکرہ ہے بعض میں ان پر جرح و تنقید اور بعض دونوں کی جامع ہیں۔

جیسے کہ ان کتابوں میں رواۃ کی عدالت و ضبط کے بیان کے ساتھ' ان کے ضروری حالات زندگی بھی مذکور ہیں: پیدائش و وفات' اسفار و جائے قیام' اساتذہ و شاگرد' زمانہ و معاصرین اور ان سے ملاقات و استفادہ۔

معتبر جرح و تعدیل:۔ (الف) جرح و تعدیل وہی معتبر جو ائمہ فن سے ہر قسم کے تعصب اور بے جا حمایت یا مخالفت کے جذبہ کے بغیر منقول ہو۔

(ب) بہتر یہ ہے کہ جرح ہو یا تعدیل صاف و واضح الفاظ کے ساتھ ہو۔

(ج) اگر تعدیل مبہم ہو یعنی عدالت کے وجوہ کو بیان کئے بغیر تو صحیح و مشہور قول کے مطابق معتبر ہے۔ اس لئے کہ عدالت کے اسباب بکثرت ہیں' کسی کی تعدیل کے لئے ان سب کا شمار کرنا کہ اس نے یہ نہیں کیا' وہ نہیں کیا' دشوار ہے۔7 البتہ کسی کے حق میں نام لئے بغیر عدالت و ضبط کے ثبوت کے کلمات معتبر نہیں نام کی تصریح کے ساتھ ہی اعتبار ہو گا' اس لئے کہ کسی راوی کا ایک آدمی کے نزدیک معتمد ہونا دوسرے کے نزدیک بھی معتمد ہونے کو لازم نہیں کرتا۔ لہٰذا کم از کم یوں کہئے "فلاں شخص ثقہ ہے' فلاں معتمد ہے" یہ نہیں کہ "ایک ثقہ' ایک معتمد" نے ایسا بیان کیا ہے۔

(د) اگر "جرح" مبہم یعنی بلا بیان سبب ہو تو معتبر نہیں مثلاً" یوں کہنا کہ "فلاں غیر ثقہ ہے' غیر معتمد ہے مجروح ہے" وغیرہ۔ اولاً" اس لئے کہ جرح کے اسباب اتنے زائد نہیں ہیں کہ ان کے شمار میں دشواری ہو اور ثانیاً" اس لئے کہ "اسباب جرح" کی بابت ائمہ کا اختلاف ہے' ہو سکتا ہے کہ ایک امام جس امر کی بنیاد پر جرح کر رہا ہے دوسرے ائمہ کے نزدیک وہ امر لائق جرح نہ ہو۔

بقول ابن صلاح فقہ و اصول میں یہی مقرر و طے شدہ ہے۔ اور بقول خطیب حفاظ حدیث میں ائمہ و نقاد کا یہی مذہب ہے اور اسی پر عمل ہے۔8

(ہ) جرح و تعدیل کے اعتبار کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ایک سے زائد اشخاص سے منقول ہو۔

(ر) اگر کسی راوی کے حق میں دونوں قسم کے کلمات منقول ہوں تو قول معتمد یہ ہے کہ اگر "جرح" کا بیان مفسر یعنی بیان سبب کے ساتھ ہو تو جرح مقدم ہو گی۔ ورنہ "تعدیل" اس لئے کہ "مبہم جرح" معتبر نہیں ہے۔

(ز) محض کسی معتمد و معتبر راوی و محدث کا کسی سے حدیث کا نقل کرنا اکثر حضرات کے نزدیک تعدیل کے لئے کافی نہیں، تعدیل کے الفاظ کا منقول ہونا ضروری ہے۔ الا یہ کہ اس محدث کا معمول ہی یہ ہو کہ وہ معتبر و ثقہ روات ہی سے حدیث نقل کرتا ہو۔ اور شاذ و نادر ہی اس معمول کی خلاف ورزی کرتا ہو جیسے امام احمد، شعبہ، ابن مهدی، امام مالک وغیرہ[1]۔

(ح) کسی عالم کا کسی حدیث کے خلاف عمل و فتوی اس حدیث کے روات کے حق میں جرح نہیں۔

(ط) جن علماء کو امت نے اپنا مقتدا بنالیا ہے ان پر کسی کی تنقید و جرح معتبر نہیں۔

مراتب جرح و تعدیل:۔ ظاہر ہے کہ کسی انسان کے اندر پایا جانے والا کوئی وصف اچھا ہو یا برا، یہ ضروری نہیں کہ آخری درجہ کا ہو، جیسے کہ چند کے اندر اگر وہ پایا جائے تو سب میں اس کا یکساں درجہ پر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ باہم فرق مراتب ہوتا ہے۔ یہ فرق مراتب "عدالت و ضبط" کے وجود و عدم وجود کے حق میں بھی ہے۔ اسی کے پیش نظر روات کی حدیث کو، صحیح، یا حسن، یا دوسرے القاب کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے۔

"جرح و تعدیل" میں سے ہر ایک کے چھ چھ درجات ہیں۔

(الف) **مراتب:۔** ادنی سے اعلی کی طرف ذکر کئے جا رہے ہیں۔ یعنی جو جتنا بعد میں مذکور ہے وہ اتنا ہی اعلی ہے، اور جو پہلے ہے وہ ادنی ہے، سب سے پہلا "ادنی ترین" مرتبہ ہے اور آخری "اعلی ترین" مرتبہ ہے۔

تفصیل:۔ (الف) وہ الفاظ جو نرمی و تساہل پر دلالت کریں جیسے فلان لین الحدیث، فیہ مقال وغیرہ۔

(ب) وہ الفاظ جن میں حجت و دلیل نہ بنانے یا اس سے ملتے جلتے مفہوم کی تصریح ہو جیسے فلان لا یحتج بہ ۔۔ ضعیف ۔۔ لہ مناکیر وغیرہ۔

(ج) وہ الفاظ جس میں کسی کی حدیث نہ لکھنے کی یا اس سے ملتی جلتی تصریح کی گئی ہو۔ جیسے فلان لا یکتب حدیثہ ۔۔ لا تحل الروایۃ عنہ ضعیف جدا" واہ بمرۃ" رد حدیثہ" طرحوا حدیثہ وغیرہ

(د) وہ الفاظ جس میں جھوٹ یا اس جیسی کسی چیز کے ساتھ اتہام کا ذکر یا اشارہ ہو، جیسے فلان متہم با لکذب،

متہم بالوضع' یسرق الحدیث' ساقط' متروک' لیس بثقہ' ذاھب الحدیث وغیرہ۔

(ھ) وہ الفاظ جن میں جھوٹ یا اس جیسی کسی چیز کے ساتھ انصاف کا تذکرہ ہو جیسے کذاب' دجال' وضاع' یکذب' یضع وغیرہ۔

(و) وہ الفاظ جو جھوٹ میں مبالغہ اور حد سے گزر جانے کو بتائیں جیسے فلان اکذب الناس' الیہ المنتھی فی الکذب' رکن الکذب وغیرہ

احکام:۔ یہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ مذکورہ چھ مراتب ہیں ہر نیچے والا اوپر والے سے جرح میں بڑھا ہوا ہے' البتہ احکام میں یہ مراتب دو حصوں میں ہیں۔

(الف) پہلے دو مراتب والے رواۃ کی احادیث لکھی تو جائیں گی مگر ان کو حجت و دلیل نہیں بنایا جائے گا۔ بلکہ ان سے اعتبار' یعنی متابع و شاہد' کی تحقیق کا کام لیا جائے گا۔

(ب) مراتب:۔ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ذکر کئے جا رہے ہیں یعنی ہر نیچے والا اوپر والے سے کمتر ہے۔ سے پہلا' سب سے اعلیٰ اور آخری سب سے ادنیٰ ہے۔

تفصیل:۔ (الف) وہ الفاظ جو ثقاہت و اعتماد میں مبالغہ پر دلالت کرتے ہوں جیسے فلان الیہ المنتھی فی التثبت' فلان اثبت الناس' لا احد اثبت وغیرہ

(ب) وہ الفاظ جو ثقاہت و اعتماد کے بیان میں مکرر لائے جائیں جیسے ثقہ ثقہ ثقہ' ثبت وغیرہ

(ج) وہ الفاظ جو طرف عدالت کے ثبوت کو بتائیں اور ان میں ضبط سے کوئی تعرض نہ ہو جیسے صدوق' محلہ الصدق' مامون' خیار وغیرہ۔

(ھ) وہ الفاظ جن میں نہ جرح کا کوئی بیان ہو اور نہ تعدیل کا جیسے فلان شیخ وغیرہ

(و) وہ الفاظ جو جرح سے قرب کو ظاہر کریں جیسے فلان صالح الحدیث یکتب حدیثہ وغیرہ

احکام:۔ کے اعتبار سے یہ مراتب تین حصوں میں ہیں۔

(الف) پہلے تین مراتب کی روایات کو حجت بنایا جائے گا۔

(ب) چوتھے و پانچویں مرتبے کی احادیث کو اوپر کے مراتب کے رواۃ کی احادیث کی روشنی میں پرکھا جائے گا

جو ان کے موافق ہوں وہ مقبول ہوں گی۔

(ج) چھٹے مرتبہ کی احادیث کو اعتبار کے لئے لکھا جائے گا' نہ حجت بنایا جائے گا اور نہ پر کھ و جانچ کر ان پر عمل کیا جائے گا۔1

بعض ائمہ فن کی مخصوص اصطلاحات:۔ مذکورہ تفصیل عام محدثین کے نزدیک ہے بعض ائمہ فن کی مخصوص اصطلاحات بھی ہیں طالب فن کے لئے ان سے بھی واقفیت ضروری ہے۔ مثلاً" ابن معین بخاری' ذہبی' ابو حاتم احمد بن حنبل ابن القطان وغیرہ۔2

متون و اسانید:۔ حدیث کی سب بڑی بڑی کتابیں صحاح ستہ ہوں یا مسند احمد' المصنف عبدالرزاق' المصنف لابن ابی شیبہ و شرح معانی آثار و مشکل الاثار للطحاوی' مستدرک حاکم' سنن کبریٰ بیہقی وغیرہ اور دیگر کئی سنن و مسانید اور معاجم وغیرہ صرف احادیث Text پر مشتمل نہیں۔ ان کی اسانید chain of transmittters کو بھی ساتھ لئے ہوئے ہیں۔ صاحب کتاب اپنے سے لے کر اوپر تک راویوں کا ایک سلسلہ بیان کرتا ہے۔ اور کہتا ہے ان رواۃ کے ذریعہ یہ حدیث مجھ تک پہنچی ہے۔ حدیث کے طلبہ اس سند سے گزرنے کے بعد ہی اصل حدیث تک رسائی پاتے ہیں۔ اگر یہ نقل کرنے والے ثقہ اور معتمد علیہ ہوں تو حدیث لائق اعتماد ہو جاتی ہے اور یہ کمزور ہوں تو روایت کمزور ٹھہرتی ہے۔

راویوں کا نام دینے میں ایک یہ حکمت بھی تھی کہ جن لوگوں پر ان راویوں کے حالات زیادہ کھلے ہوں ان کے لئے ان راویوں کی مزید جانچ پڑتال کا دروازہ کھلا رہے ہو سکتا ہے کہ کسی راوی حدیث کے حالات خود صاحب کتاب پر نہ کھلے ہوں یا کھلے ہوں مگر کچھ پہلو مخفی رہ گئے ہوں اور وہ کسی اور شخص پر کھل جائیں جسے اس سے کسی اور جہت سے بھی واسطہ پڑا ہو۔

ائمہ جرح و تعدیل:۔ وہ محدثین کرام جنہوں نے راویوں کے حالات جاننے اور ان کے مراتب پہچاننے میں وقت لگایا اور تحقیق حدیث میں تحقیق رواۃ ان کا خاص فن ٹھہرا انہیں ائمہ جرح و تعدیل کہا جاتا ہے۔ ان کا صحیح تعارف ائمہ حدیث کے عنوان کے تحت آئے گا۔ اس وقت صرف یہ کہنا کافی ہو گا کہ راویوں کے حالات میں زیادہ تر جن اماموں کے نام آتے ہیں ان میں یہ حضرات زیادہ معروف ہیں امام شعبہ (160 ھ)' امام وکیع (197 ھ)' عبدالرحمن بن مہدی

(198ھ)، سفیان ثوریؒ (198ھ)، یحییٰ بن سعید القطان (198ھ)، یحییٰ بن معین (233ھ)، علی بن المدینی (234ھ)، امام نسائی (303ھ)، بخاریؒ، ابن ابی حاتم، ابن حبانؒ، ابن عدی، دار قطنی وغیرہ

الفاظ الجرح و التعدیل:۔ محدثین میں راویوں کی جرح و تعدیل کے لئے مختلف الفاظ رائج تھے۔ اور ان الفاظ سے ہی ہر ایک کا وزن معلوم ہوتا تھا جس درجے میں کوئی راوی کمزور ہو۔ اس کے مطابق ہی اس کے لئے جرح کے الفاظ آتے ہیں پہلے ہم الفاظ تعدیل ایک تدریج سے نقل کرتے ہیں پھر الفاظ جرح ایک تدریج سے پیش کریں گے۔ جرح و تعدیل میں ائمہ کے اختلافات بھی ہیں سو ان سے استفادہ اس فن کو جاننے سے ہی ہو سکتا ہے۔

تعدیل کے مختلف درجات:۔

(1) ثبت حجۃ، ثبت حافظ، ثبت متقن، ثقہ ثقہ

(2) ثقہ، ثبت (3) صدوق، لا باس بہ

(4) محلہ الصدق، جید الحدیث، صالح الحدیث

جرح کے مختلف درجات:۔

(1) دجال، کذاب، وضاع، یضع الحدیث

(2) متہم بالکذب

(3) متروک، لیس بثقہ، سکتوا عنہ، ذاہب الحدیث، فیہ نظر

(4) ضعیف جداً، ضعفوہ، واہ

(5) لیس بالقوی، ضعیف، لیس بحجۃ، لیس بکذاب، لین، سئ الحفظ، لا یحتج بہ

ان درجات میں پہلے اعلیٰ درجے کی تعدیل اور سخت درجے کی جرح ہے۔ پھر آہستہ آہستہ ان میں تدریجی کمزوری آتی گئی ہے۔ جس راوی کے بارے میں دونوں طرف سے تعدیل اور جرح دونوں کے الفاظ وارد ہوں تو جرح و تعدیل دونوں کو سامنے لانا چاہیے۔ حافظ ابن کثیرؒ (774ھ) فرماتے ہیں۔

ظلم لاخیک ان تذکر سوء ما تعلم و تکتم خیرہ۔1

ترجمہ:۔ تیرے بھائی پر یہ تیرا ظلم ہو گا کہ اس کی کوئی بری بات جسے تو جانتا ہو اسے تو ذکر کرے

اور اس کی اچھی بات جو تجھے معلوم ہو اسے چھپا لے۔

لم یصح میں وضع نہیں:۔ اگر کسی حدیث کے بارے میں لم یصح کے الفاظ وارد ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے ہو سکتا ہے حسن ہو یا ضعیف ہو۔ من گھڑت (موضوع) نہ ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (852ھ) لکھتے ہیں۔

لا یلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون موضوعا[1]۔

ترجمہ:۔ کسی حدیث کے بارے میں لم یصح (یہ حدیث ثابت نہیں ہوئی) کہنے سے لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہو۔

ان قول السخاوی لا یصح لا ینافی الضعف والحسن۔

ترجمہ:۔ سخاوی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اس حدیث کے ضعیف یا حسن ہونے کے منافی نہیں۔

ہاں ایسی کتاب جس میں موضوع روایات کا بیان ہو۔ اس میں لم یصح کے الفاظ واقعی اس کے حسن اور ضعیف ہونے کی بھی نفی کر دیتے ہیں لم یصح کے بعد اگر اس کا اسی درجے میں اثبات نہ ہو تو اس کا مطلب واقعی یہ ہوتا ہے کہ وہ روایت موضوع ہو۔

جرح وہی لائق قبول ہے جس کا سبب معلوم ہو:۔ کسی کے بارے میں نیک گمان کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ لیکن بدگمانی کے لئے دلیل ہونے لازمی ہے۔ بغیر دلیل کے کسی مسلمان کو برا سمجھنا یا ناقابل شہادت سمجھنا گناہ ہے۔ جس راوی پر جرح کی گئی ہو اس جرح کا سبب بھی معلوم ہو اور وہ راوی واقعی اس سبب کا مورد ہو تو وہ جرح معتبر ہو گیا اور ایسے راوی کی روایت مسترد کی جا سکے گی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

التجریح لا یقبل ما لم یبین وجهه بخلاف التعدیل فانه یکفی فیه ان یقول عدل او ثقه مثلا[2]۔

ترجمہ:۔ وہ جرح جس کی وجہ واضح نہ ہو لائق قبول نہیں بخلاف تعدیل کے کہ اس میں راوی کو عادل یا ثقہ جیسے الفاظ سے ذکر کرنا ہی کافی ہے۔

صحیح بخاری میں صحیح مسلم کے کتنے راوی ہیں جن پر جرح کی گئی ہے۔ جیسے عکرمہ مولیٰ بن عباس، اسماعیل بن ابی

اویس، عاصم بن علی، عمرو بن مرزوق، سوید بن سعید وغیرہم۔ مگر چونکہ وہ جرح مفسر اور مبین السبب نہ تھی۔ اس لئے شیخین نے اسے قبول نہیں کیا۔ حافظ ابن صلاح (643ھ) لکھتے ہیں۔

و ھکذا فعل ابو داود السجستانی و ذالک دال علی انھم ذھبوا الی ان الجرح لا یثبت الا اذا فسر سببہ۔1۔

ترجمہ:۔ ابو داود السجستانی نے بھی ایسا ہی کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین اس طرف گئے ہیں کہ جب تک سبب جرح کی تفصیل نہ کی جائے جرح ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔

امام نووی لکھتے ہیں۔

لا یقبل الجرح الا مفسراً مبین السبب۔2۔

ترجمہ:۔ جرح لائق قبول نہیں جب تک کہ اس کی تشریح واضح نہ ہو اور سبب جرح واضح نہ ہو۔

حافظ ابن ہمام الاسکندری جن کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں کہ اجتہاد کے درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ لکھتے ہیں۔

اکثر الفقہاء ـــ و منھم الحنفیہ ـــ و المحدثین علی انہ لا یقبل الجرح الا مبیناً لا التعدیل۔3۔

ترجمہ:۔ اکثر فقہاء اور ان میں حنفیہ بھی ہیں اور محدثین سب اسی کے قائل ہیں کہ جرح جب تک واضح نہ ہو۔ لائق قبول نہیں۔ تعدیل کے بارے میں یہ قید نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ تعدیل کے لئے سبب کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ تعدیل کرنے والا کوئی عام آدمی نہ ہو۔ اس باب میں عالم معرفت رکھنے والا منصف اور ناصح قسم کا آدمی ہونا چاہیے۔ بحر العلوم (1225ھ) مسلم الثبوت کی شرح میں رقمطراز ہیں۔

لا بد للمزکی ان یکون عدلاً عارفاً باسباب الجرح و التعدیل وان یکون منصفاً ناصحاً۔4۔

ترجمہ:۔ تزکیہ اور تعدیل کے مدعی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عادل ہو اسباب جرح و تعدیل کو جاننے والا ہو اور انصاف پسند اور خیر خواہ قسم کا آدمی ہو۔

حافظ بدرالدین العینی (855ھ) شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں۔

الجرح المبہم غیر مقبول عند الحذاق من الاصولیین ۔

ترجمہ:۔ جرح مبہم سمجھ دار علمائے اصول کے ہاں مقبول نہیں۔

یاد رہے کہ جرح کی وجوہ وہیں تلاش کی جائیں گی جہاں اس کے مقابلے میں کوئی تعدیل موجود ہو۔ لیکن جس راوی کے بارے میں کوئی تعدیل نہ ملے اس کے بارے میں جرح مبہم بھی قبول کر لی جائے گی۔ اور جارح سے سبب کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

اذا اختلف العلماء فی جرح رجل و تعدیله فالصواب التفصیل فان کان الجرح و حالة هکذا مفسرا قبل و الا عمل بالتعدیل فاما من جهل و لم یعلم فیه سوی قول امام من ائمه الحدیث انه ضعیف او متروک او نحو ذلک فان القول قوله و لا نطالبه بتفسیر ذلک۔

ترجمہ:۔ علماء جب کسی شخص کی جرح و تعدیل کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہوں تو صحیح راہ یہ ہو گی کہ اس کی تفصیل کی جائے۔ اگر جرح کی وجہ معلوم ہو تو اسے قبول کیا جائے گا۔ بصورت دیگر تعدیل پر عمل ہو گا۔ ہاں جو راوی مجہول ہو اور اس کے برے میں کسی امام حدیث کے اس قول کے سوا کہ وہ ضعیف ہے یا متروک ہے یا اسی قسم کا اور کوئی لفظ ہو کوئی اور بات معلوم نہ ہو تو اس امام حدیث کی بات لائق تسلیم ہو گی اور ہم اس سے وجہ جرح کا مطالبہ نہ کریں گے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی ابو عبداللہ المروزی سے نقل کرتے ہیں۔

کل رجل ثبتت عدالته بروایه اہل العلم عنه و حملهم حدیثه فلن یقبل فیه تجریح احد جرحه حتی یثبت ذلک علیه بامره یجهل ان یکون جرحه فاما قولهم فلان کذاب فلیس مما یجب به جرح حتی یتبین ما قاله۔

ترجمہ:۔ ہر شخص جس کی عدالت اہل علم کے اس سے روایت لینے سے ثابت ہو اور وہ اس سے حدیث روایت کرتے ہوں تو اس کے بارے میں کسی کی جرح قبول نہ کی جائے گی جب تک

کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس کی وجہ جرح مخفی رہ گئی تھی۔ صرف یہ کہنا کہ فلاں شخص کذاب ہے تو اس سے جرح ثابت نہ ہوگی جب تک کہ دعوی جرح واضح نہ ہو۔

جرح تعدیل پر مقدم ہے:۔ تعدیل کے لئے بے شک نیک گمان کافی ہے لیکن جرح کے لئے سبب اور دلیل کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں جارح (جرح کرنے والے) کے پاس معلومات زیادہ ہوں گے۔ اگر وہ معلومات صحیح ہیں تو جرح تعدیل پر مقدم ہو گی۔ جرح کے وجوہ اگر معقول ہیں تو اسے ہر صورت میں تعدیل پر مقدم کیا جائے گا۔ گو معدلین کی تعداد زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ اکثریت کی تعدیل سے وجود جرح غلط نہیں ہو جاتے گو ان کے مدعی ایک ہی ہوں۔ بشرطیکہ اس کے پاس اس کی دلیل یا سبب موجود ہو۔

امام فخر الدین رازی (606ھ) حافظ ابن صلاح (643ھ)) علامہ آمدی اور علامہ ابن حاجب کی یہی رائے ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے۔

لیکن اگر جرح اس امام یا محدث سے منقول ہو۔ جو علماء فن کے ہاں جرح کرنے میں متشدد اور متعنت سمجھے جاتے ہوں تو فقط ان کی جرح سے ہم کسی راوی کو مجروح نہ کر سکیں گے۔ ضروری ہو گا کہ کوئی اور جارح بھی اس کا ہمنوا ہو اور ان جارحین کے پاس اس کا کوئی واقعی سبب موجود ہو۔ وہ کون کون سے امام ہیں جن کے ہاں جرح کی شدت ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

نوٹ:۔ کبھی جرح مفسر پر بھی تعدیل مقدم ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ جارح خود اس باب میں مجروح ہو یا اس وجہ سے کہ وہ جرح دوسرے وجوہ سے ہو چکی ہے۔ اس صورت میں تعدیل مقدم سمجھی جائے گی۔

متشدد کی جرح اکیلے کافی نہیں:۔ جن ائمہ کا جرح کرنے میں تشدد و تعنت ہو ان کی تعدیل و توثیق بہت وزن رکھتی ہے۔ لیکن ان کی جرح زیادہ وزن نہیں رکھتی ہے۔ سو کسی راوی پر محض ان کی جرح سے فیصلہ ضعف نہ کرلیا جائے۔ متشدد کی جرح اکیلے کافی نہیں ہوتی۔ جس راوی پر کسی متشدد کی جرح ہو۔ اس کی جرح کا حال دوسرے ائمہ سے معلوم کرنا چاہیے۔

ناقدین کے پہلے طبقے میں شعبہ (160ھ) اور سفیان ثوری (161ھ) کو لیجئے۔ شعبہ کو امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ مگر جرح میں ذرا سخت ہیں۔ پھر یحیٰی بن سعید القطان (198ھ) اور عبدالرحمن بن مہدی (198ھ) کو لیجئے۔ یحیٰی

میں سختی اور تشدد ملے گا۔ پھر یحییٰ بن معین (233ھ) اور امام احمد (241ھ) کو لیجئے۔ جو سختی یحییٰ بن معین کرتے ہیں امام احمد نہیں کرتے۔ پھر امام نسائی (303ھ) اور ابن حبان (354ھ) کو دیکھئے۔ امام نسائی ذرا سخت معلوم ہوں گے۔ ابو حاتم رازی اور امام بخاری (256ھ) میں ابو حاتم متشدد دکھائی دیں گے۔ ائمہ فن اسماء رجال کی بحث میں راویوں کا حال لکھتے ہیں تو کہیں کہیں متشددین کی سختی کا ذکر بھی کر جاتے ہیں۔ طلبہ حدیث کو چاہیے کہ صرف کسی راوی پر جرح کا نام سن کر اسے ناقابل اعتماد نہ سمجھنے لگ جائیں جب تک تحقیق نہ کر لیں۔ کہ جارحین کون کون ہیں اور کتنے ہیں۔ اسباب جرح واضح ہیں یا نہیں۔ اور یہ کہ کہیں کوئی متشدد جارح تو نہیں۔ ائمہ رجال کتب رجال میں کئی جگہ اس تشدد کا ذکر کر جاتے ہیں۔

امام نسائی (303ھ) نے حارث اعور سے استناد کیا۔ جسے بعض ائمہ ضعیف کہ چکے تھے تو امام نسائی کے اس احتجاج کو محض اس لئے اہمیت دی گئی کہ آپ جرح میں سخت واقع ہوئے تھے۔ سو اس روش کے محدثین جس سے روایت لیں اس کا کسی درجے میں اعتبار ضرور ہونا چاہیے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی حارث اعور کے بارے میں لکھتے ہیں۔

و النسائی مع تعنتہ فی الرجال فقد احتج بہ ۔

ترجمہ :- امام نسائی نے رجال میں اپنی سختی کے باوجود اس راوی سے احتجاج کیا ہے اس کی روایت قبول کی ہے۔

حافظ عسقلانی اپنے رسالہ بذل الماعون فی فضل الطاعون میں بھی ایک راوی کے بارے میں جسے امام نسائی اور ابو حاتم نے ثقہ کہا تھا اور کئی دوسروں نے ضعیف کہا لکھتے ہیں۔ توثیق النسائی و ابی حاتم مع تشددھما ابو حاتم کے متشدد ہونے کا آپ نے مقدمہ فتح الباری میں بھی ذکر کیا ہے ۔ ابو حاتم نے تو امام بخاری پر بھی جرح کر دی ہے۔

ابن حبان کے تشدد فی الرجال کا ذکر بھی سنئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ راویوں پر بھی جرح کر جاتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ کیا کہہ رہے ہیں سو اگر جرح کا لفظ دیکھتے ہی راوی سے جان چھڑا لی جائے تو پھر آخر کون بچے گا؟ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں۔

ابن حبان ربما جرح الثقہ حتی کانہ لا یدری ما یخرج من راسہ۔

ترجمہ :- ابن حبان کئی دفعہ ثقہ راویوں پر بھی جرح کر جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ان کا ذہن کس طرف جا رہا ہے۔

حافظ ذہبی بھی ابن حبان کے بارے میں کہتے ہیں ما اسرف و اجترا۔ ابن حبان نے بہت زیادتی کی ہے۔ اور بڑی جسارت کی ہے۔ (کہ ثقہ راویوں کو بھی ضعیف کر دیا) ایک اور جگہ پر کہتے ہیں تقعقع کعادتہ۔

شعبہ امیر المومنین فی الحدیث مانے جاتے ہیں۔ لیکن قبول روایت میں ان کی سختی دیکھئے آپ سے پوچھا گیا کہ تم فلاں راوی کی روایت کیوں نہیں لیتے؟ آپ نے کہا رایتہ یرکض علی برذون (میں نے اسے ترکی گھوڑے دوڑاتے ہوئے دیکھا تھا)۔

آپ منہال بن عمرو کے ہاں گئے۔ وہاں سے کوئی ساز کی آواز سنی۔ وہیں سے واپس آ گئے۔ اور صورت واقعہ کی کوئی تفصیل نہ پوچھی۔

حکم بن عتیبہ سے پوچھا گیا کہ تم زاذان سے روایت کیوں نہیں لیتے۔ تو انہوں نے کہا کان کثیر الکلام وہ باتیں بہت کرتے تھے۔

حافظ جریر بن عبدالحمید الضبی الکوفی نے سماک بن حرب کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو اس سے روایت چھوڑ دی۔

اب سوچئے اور غور کیجئے کیا یہ وجوہ جرح ہیں؟ جن کے باعث اتنے بڑے بڑے اماموں نے ان راویوں کو چھوڑ دیا۔ اگر اس قسم کی جروح سے راوی چھوڑے جا سکتے ہیں تو پھر آخر بچے گا کون؟ یہ سختی سب کے ہاں نہ تھی۔ سو طلبہ حدیث کو چاہیے کہ محض جرح دیکھ کر ہی نہ اچھل پڑیں۔ سمجھنے کی کوشش کریں۔ کہ جرح کی وجہ کوئی شرعی پہلو ہے یا صرف شدت احتیاط ہے اور پھر یاد رکھیں کہ متشدد کی جرح اکیلے کافی نہیں ہے۔ یہ مختصر قواعد حدیث ہر وقت ذہن میں رہنے چاہیں۔ انسانی بساط اور عام بشری سوچ کے تحت جو احتیاطی تدابیر ہو سکتی تھیں وہ محدثین کرام نے طے کیں اور یہ اصول بھی تقریباً استقرائی ہیں جو ائمہ فن نے قواعد شریعت کی روشنی میں طے کئے ہیں۔ ان میں کئی پہلو اختلافی بھی ہیں۔ جب میں ائمہ فن متفق رہے ہیں بلکہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے تحقیق روایات اور تنقیح اسناد میں دنیا کو ایک نئے علم سے آشنا کیا اور وہ اصول بتائے جن کی روشنی میں پچھلے پہلوں کی باتوں کے جائز طور پر وارث ہو سکیں اور اس کی صحت پر پوری طرح سے اعتماد کیا جا سکے۔

راویوں کی جرح و تعدیل سے کیا مراد ہے۔ راویوں کے حالات قابل اعتراض ہوں تو وہ روایت مجروح ہو جاتی ہے۔ جن الفاظ سے وہ اعتراضات سامنے آئیں۔ وہ الفاظ جرح سمجھے جاتے ہیں اور جو الفاظ ان کی اچھی اور لائق اعتماد

پوزیشن بتلائیں انہیں تعدیل کہا جاتا ہے۔

جرح کے معنی زخم کرنے کے ہیں جراح اپریشن کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ تعدیل کا لفظ عدل سے ہے۔ جو روایت کے معیار پر پورا اترنے کی خبر دیتا ہے۔ اور برابر کے معنی میں ہے۔ جرح و تعدیل سے راویوں کے حالات پہچانے جاتے ہیں راویوں کو پہچاننے میں سستی برتجائے اور ان کی جانچ پڑتال پر محنت نہ کی جائے تو پورے دین کے بگڑنے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

دین کی عظمت تقاضا کرتی ہے کہ اس کا کوئی مسئلہ پوری تحقیق و تنقیح اور پوری احتیاط کے بعد ہی طے ہونا چاہیے۔

جرح و تعدیل کے عام الفاظ: یوں تو الفاظ جرح و تعدیل بہت ہیں۔ انہیں اصطلاحات سے دور رہ کر عام الفاظ میں بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اس باب میں جو الفاظ اب تک زیادہ مشہور ہوئے وہ یہ ہیں۔ پھر ان الفاظ کے بارے میں بھی بعض ائمہ کے استعمالات مختلف ہیں۔ لیکن موضوع کے عمومی تعارف کے لئے ہم انہی الفاظ پر اکتفا کریں گے۔

الفاظ تعدیل:-

ثبت حجت اونچے درجے میں قائم ہے یہاں تک کہ دوسروں کے لئے سند ہے۔

ثبت حافظ " " " خوب یاد رکھنے والا ہے۔

ثبت متقن " " " اور بہت مضبوط ہے۔

ثقہ ثقہ " " " بہت ہی قابل اعتماد ہے۔

ثقہ ------ قابل وثوق اور قابل اعتماد ہے۔

ثبت ------ اکھڑنے والا نہیں قائم رہنے والا ہے۔

صدوق ------ بہت سچا ہے۔

لا باس بہ ------ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

محلہ الصدق ------ سچائی والا ہے۔

جید الحدیث ------ حدیث روایت کرنے میں بہت اچھا ہے۔

صالح الحدیث ---- روایت میں اچھا ہے۔

الفاظ جرح:۔

دجال ------------ سخت دھوکے باز ہے۔ دجل حق اور باطل کے ملانے کو کہتے ہیں۔

کذاب ---------- بہت جھوٹا ہے (یا غلط بات کہنے والا ہے۔

وضاع ---------- حدیثیں گھڑنے والا ہے۔

یضع الحدیث ---- حدیث گھڑتا ہے۔

متہم با لکذب --- غلط بیانی سے متہم ہے۔

متروک ---------- لائق ترک سمجھا گیا ہے۔

لیس بثقہ ---- قابل بھروسہ نہیں ہے۔

سکتوا عنہ ---- ان کے بارے میں خاموش ہیں۔

ذاہب الحدیث ۔ حدیث ضائع کرنے والا ہے۔

فیہ نظر -------- اس میں غور کی ضرورت ہے۔

ضعیف جدا" ---- بہت ہی کمزور ہے۔

ضعفوا ---------- اس کو کمزور ٹھہرایا ہے۔

واہ ---------- فضول ہے کمزور ہے۔

لیس بالقوی ---- روایت میں پختہ نہیں۔

ضعیف ---------- روایت میں کمزور ہے۔

لیس بحجۃ ---- حجت کے درجہ میں نہیں۔

لیس بذاک ---- ٹھیک نہیں ہے۔

لین ------------ یادداشت میں نرم ہے۔

سئی الحفظ ---- یادداشت اچھی نہیں۔

لا یحتج بہ ---- لائق حجت نہیں۔

جرح و تعدیل کے بڑے بڑے امام:۔ یوں تو بڑے بڑے محدثین نے مختلف راویوں پر بحث کی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جابر جعفی پر جرح کی ہے۔ لیکن جو حضرات اس موضوع میں زیادہ معروف ہوئے۔ انھیں جرح و تعدیل کے امام کہیں تو بہت مناسب ہو گا۔ یہ حضرات اس باب میں بہت معروف رہے ہیں۔

1- امیر المومنین فی الحدیث شعبہ (160ھ) 2- علی بن المدینی (234ھ)

3- یحییٰ بن سعید القطان (198ھ) 4- امام احمد بن حنبل (241ھ)

5- عبدالرحمن بن مہدی (198ھ) 6- امام نسائی (302ھ)

7- یحییٰ بن معین (223ھ) 8- دار قطنی (385ھ)

ان حضرات نے جرح و تعدیل کے قوانین وضع کئے۔ رواۃ حدیث کے درجات معلوم کئے اور ایک لاکھ کے قریب اشخاص کے حالات زندگی چھان مارے۔ یہی وہ حضرات ہیں جو علم نبی کو نکھار لائے۔ علماء اسلام کا ایسا عظیم علمی کارنامہ ہے۔ کہ اقوام عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مولانا حالی نے اسی لئے کہا تھا۔

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا

نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

کئے جرح و تعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو

سنا خازن علم دیں جس بشر کو لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو

پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر
دیا اور کو خود مزہ اس کا چکھ کر

ان حضرات کی محنتیں اب ہمارے سامنے فن رجال کی مستقل کتابوں کی صورت میں بڑی وسعت سے موجود ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مرکزی حیثیت امام یحییٰ بن معین کی ہے۔

1- قال احمد کان ابن معین اعلمنا بالرجال۔

2 صار علماء یقتدی به فی الأخبار و اماما یرجع الیه فی الآثار۔

حدثنی من لم تطلع الشمس علی أکبر منه۔

اور ان میں سب سے کمزور امام دار قطنی ہیں جو مخصوص فکر اور تعصب کے باعث بہت سے صحیح راویوں کو بھی ضعیف کہ جاتے ہیں علامہ بدرالدین العینی نے اس کی تصریح کی ہے۔ و قد روی فی سننه احادیث سقیمته و معلو له و منکره و غریبه و موضوعه۔

کتب اسماء الرجال:۔ پہلے دور کی اسماء الرجال کی کتابیں راویوں کے نہایت مختصر حالات کو لئے ہوئے تھیں۔ ابن عدی (365ھ) اور ابو نعیم اصفہانی (34ھ) نے سب سے پہلے معلومات زیادہ حاصل کرنے کی طرف توجہ کی۔ خطیب بغدادی (463ھ) ابن عبدالبر (462ھ) اور ابن عساکر دمشقی (571ھ) نے ضخیم جلدوں میں بغداد اور دمشق کی تاریخیں لکھیں تو ان میں تقریباً سب اعیان و رجال کے تذکرے آ گئے ہیں۔

جہاں تک فنی حیثیت کا تعلق ہے سب سے پہلے حافظ عبدالغنی المقدسی (600ھ) نے اس پر قلم اٹھایا اور الکمال فی اسماء الرجال لکھی۔ یہ اس باب میں سنگ میل کا حکم رکھتی ہے۔ بعد کے آنے والے مصنفین رجال نے اسی پر آگے تحقیق کیں۔ اضافے کئے۔ تلخیصات کیں۔ ترتیبیں بدلیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ اس کتاب کی مرکزی حیثیت سے کوئی نیا لکھنے والا مستغنی نہیں رہ سکا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اب ہم علم رجال پر لکھی گئیں چند اہم کتابوں کا یہاں ذکر کرتے ہیں زیادہ تر یہ وہی کتابیں ہیں جن سے ہمارے طلبہ کسی نہ کسی درجے میں پہلے سے مانوس ہیں۔

1- رجال — یحییٰ بن سعید القطان (198ھ)

2- طبقات ابن سعد — ابن سعد (230ھ)

3- معرفۃ الرجال — امام احمد بن حنبل (241ھ)

4- تاریخ — امام بخاری (256ھ)

نقد رجال کے یہ ابتدائی نقوش تھے۔ آگے ان میں کچھ وسعت پیدا ہوئی۔ اس دوسرے دور میں پانچ کتابیں زیادہ معروف ہوئیں۔

1- کامل — ابن عدی (365ھ)

2- تاریخ نیشاپور ابو نعیم اصفہانی (430ھ)

3- تاریخ بغداد خطیب بغدادی (463ھ) 14 جلدوں میں ہے۔

4- الاستیعاب ابن عبدالبر مالکی (463ھ)

5- تاریخ دمشق ابن عساکر (571ھ) 8 جلدوں میں ہے۔

ان کتابوں کی زیادہ حیثیت تاریخ کی ہے۔ گو ان میں سے بھی رجال حدیث کا ذکر مل جاتا ہے۔ اس کے بعد علم اسماء الرجال ایک مستقل فن کی حیثیت میں مرتب ہوا۔ اس باب میں حافظ عبدالغنی المقدسی (600ھ) سرفہرست ہیں۔

1- حافظ عبدالغنی المقدسی دمشق کے رہنے والے تھے اور حنبلی المسلک تھے۔ آپ نے الکمال فی اسماء الرجال لکھی اور انہی کے نقوش و خطوط پر آگے کام ہوتا رہا۔ انہوں نے ابتدائی اینٹیں چنیں اور آگے آنے والوں نے ان پر دیواریں کھڑی کریں۔

2- آپ کے بعد حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف بن عبدالرحمن المزی (742ھ) آئے۔ اور انہوں نے الکمال کو پھر سے بارہ جلدوں میں مرتب کیا اور اس کا نام تہذیب الکمال رکھا۔ آپ بھی دمشق کے رہنے والے تھے۔ لیکن مسلکاً شافعی تھے۔ آپ نے اس میں اور اہل فن سے بھی معلومات جمع فرمائیں۔

3- پھر حافظ المزی کے شاگرد جناب حافظ شمس الدین ذہبی (848ھ) اٹھے اور انہوں نے تہذیب الکمال کو مختصر کر کے تذہیب التہذیب لکھی ہے۔ اس کے علاوہ میزان الاعتدال اور سیر النبلاء اور تذکرۃ الحفاظ جیسی بلند پایہ کتابیں بھی لکھیں جو اپنے فن پر وقت کی لاجواب کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔

4- پھر شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے تذہیب التہذیب کو اپنے انداز میں مختصر کیا۔ اور تہذیب التہذیب لکھی جو بارہ جلدوں میں ہے۔ پھر خود ہی اس کا خلاصہ تقریب التہذیب کے نام سے لکھا۔ اس کے علاوہ آپ نے لسان المیزان بھی لکھی۔ جو چھ ضخیم جلدوں میں ہے اور حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔

5- پھر شیخ الاسلام حضرت علامہ بدرالدین عینی نے (855ھ) معانی الاخبار میں رجال شرح معانی الاثار لکھی ہے اور طحاوی کے رجال جمع کئے۔ تلخیص کشف الاستار کے نام سے علامہ ہاشم سندھی نے لکھی ہے جو دیوبند سے شائع ہو چکی ہے۔

6- ان کے بعد حافظ صفی الدین الخزرجی (913ھ) نے خلاصہ تذہیب التہذیب الکمال لکھی۔ یہ کتاب مطبع

کیرے بولاق سے (1301ھ) میں شائع ہوئی۔

ہمارے دور میں علمائے اہل سنت کے ہاں تحقیق رجال میں زیادہ تر یہی کتابیں رائج ہیں۔ ان کے علاوہ چند اور کتابیں بھی ہیں۔ جو گو خاص اسماء الرجال کے فن پر نہیں لکھی گئیں لیکن ان میں رجال حدیث کی بڑی تحقیقات مل جاتی ہیں۔ جیسے نصب الرایہ حافظ جمال الدین الزیلعی (743ھ)

جرح و تعدیل کی بعض کتابوں میں جرح و تعدیل دونوں کی بحث ہے اور ثقہ اور ضعیف دونوں قسم کے رواۃ کا تذکرہ ہے اور بعض کسی ایک کے ساتھ خاص ہیں اسی طرح بعض کتابوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان میں حدیث کی کسی ایک کتاب یا چند کتابوں کے رواۃ کا تذکرہ ہے اور بعض میں عام رواۃ کا ذکر ہے خواہ ان کی روایت کسی کتاب میں ہو۔

(الف) عام کتب:۔ 1- تاریخ بخاری م سنہ 256ھ معروف بہ "التاریخ الکبیر" اس کتاب میں بعض حضرات کے بقول چالیس ہزار افراد کے حالات مذکور ہیں ویسے مطبوعہ نسخے میں (12315) افراد کے حالات ہیں۔

2- تاریخ ابن خیثمہ م سنہ 279ھ- 3- ابن ابی حاتم م سنہ 327ھ اور امام احمد سنہ 241 کی "الجرح و التعدیل"۔ 4- طبقات ابن سعد م سنہ 230ھ- 5- تمییز النسائی م سنہ 303ھ وغیرہ ان میں سے دوسری کے متعلق نووی کا بیان ہے کہ نہایت قیمتی فوائد پر مشتمل ہے اور تیسری کے متعلق ہے "نہایت عظیم الشان کتاب ہے" نیز

6- "التکمیل فی معرفۃ الثقات و المجاہیل" جو مشہور مفسر ابن کثیر م سنہ 774ھ کی کتاب ہے وہ بھی نہایت اہم کتاب ہے۔

(ب) معتمد رواۃ سے متعلق:۔ 1- ثقات ابن حبان م سنہ 354ھ- 2- ثقات احمد بن عبداللہ عجلی م سنہ 261ھ کی۔ 3- شمس الدین ذہبی م سنہ 748ھ کی تذکرۃ الحفاظ۔ 4- قاسم بن قطلو بغا سنہ 879ھ کی کتاب الثقات۔

(ج) ضعفاء کے متعلق:۔ "الکامل" ابن عدی م سنہ 365ھ کی جس میں ضعفاء اور ان تمام لوگوں کا تذکرہ ہے جن پر جرح کی گئی ہے خواہ وہ جرح مقبول ہو یا غیر مقبول۔ 2- "الضعفاء" امام بخاری۔ 3- "تاریخ الضعفاء" نسائی کی۔ 4- "میزان الاعتدال" ذہبی کی۔ یہ بھی "الکامل" کے انداز پر ہے مگر اس میں صحابہ اور ائمہ اربعہ کو نہیں لیا گیا ہے۔ اگرچہ جرح کے کلمات ان حضرات کے حق میں بھی منقول ہیں اور ابن عدی نے سب کو جمع کیا ہے۔ 5- "لسان المیزان" ابن حجر کی، جس میں ذہبی کی میزان کو مع زوائد جمع کیا گیا ہے لیکن صحاح ستہ کے

رواۃ کو اور جن رواۃ کو انھوں نے اپنی کتاب "تہذیب الکمال" میں ذکر کیا ہے۔ ان سارے رواۃ کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

(د) مخصوص کتب کے رواۃ کے متعلق:۔ "الکمال فی اسماء الرجال" عبدالغنی مقدسی م سنہ 600ھ کو جو صحاح ستہ کے ثقہ و ضعیف تمام رواۃ سے متعلق ہے۔ 2 تہذیب الکمال، مصنف حافظ جمال الدین مزی م سنہ 743ھ۔ 3۔ تہذیب التہذیب ابن حجر کی جو دراصل مزی کی تہذیب الکمال کی تلخیص اور سلیقہ وار ترتیب کی صورت میں پیش کی گئی ہے۔[31]

(ہ) قواعد جرح و تعدیل سے متعلق کتب:۔ 1۔ مقدمہ کتاب الجرح و التعدیل مصنف ابن ابی الحاتم م سنہ 327ھ۔ 2۔ الرفع و التکمیل فی الجرح و التعدیل۔ مصنف مولانا عبدالحئی لکھنوی م سنہ 1303ھ نہایت اہم و مفید کتاب ہے جو حلب و بیروت سے بھی شائع ہوئی ہے۔

صف اول کے رجال الحدیث:۔ یوں تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رجال الحدیث ہیں لیکن یہ آٹھ حضرات ان میں سرفہرست ہیں ان کی روایات سب سے زیادہ ہیں۔

1۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (32ھ) آپ سے تقریباً 848 احادیث مروی ہیں۔
2۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (58ھ) آپ سے تقریباً 2210 احادیث مروی ہیں۔
3۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (59ھ) آپ سے تقریباً 5374 احادیث مروی ہیں۔
4۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (68ھ) آپ سے تقریباً 1660 احادیث مروی ہیں۔
5۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (73ھ) آپ سے تقریباً 2630 احادیث مروی ہیں۔
6۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (74ھ) آپ سے تقریباً 1170 احادیث مروی ہیں۔
7۔ حضرت جابر بن عبداللہ (انصاری رضی اللہ عنہ) (93ھ) آپ سے تقریباً 1540 احادیث مروی ہیں۔
8۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (93ھ) آپ سے تقریباً 2266 احادیث مروی ہیں۔

ان کے بعد جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ روایات ہیں ان میں حضرت ابو الدرداء (32ھ) حضرت عبداللہ بن عمر (73ھ) سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (59ھ) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (34ھ) عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ (32ھ) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (18ھ) ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ (52ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ (40ھ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (60ھ) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ

(32ھ) اور حضرت عثمان ذوالنورین ؓ (35ھ) سرفہرست ہیں۔

علمی حیثیت سے جو صحابہ ؓ اس دور میں زیادہ ممتاز رہے۔ وہ مشہور فقیہ تابعی شخص مکحول ؒ (101ھ) کے بیان کے مطابق یہ حضرات تھے۔

عن مسروق قال شاممت اصحاب محمد صلعم فوجدت علمهم انتهى الى ستة عمر و علی و عبدالله و معاذ و ابی الدرداء و زید بن ثابت۔

ترجمہ:۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کے اصحاب ؓ کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے میں نے ان کا علم چھ افراد میں ختم ہوتے پایا۔ عمر ؓ، علی ؓ، عبداللہ بن مسعود ؓ، معاذ ؓ، ابو الدرداء ؓ اور زید بن ثابت ؓ ہیں۔

دور ثانی کے رجال الحدیث:۔ تابعین کرام میں جو حضرات اس میدان میں زیادہ پیش پیش رہے۔ حضرت امام شافعی ؒ کے ایک بیان میں ان کا ذکر مختلف شہروں کے اعتبار سے اس طرح ملتا ہے۔ یہ بحث امام شافعی نے خبر واحد کی حجیت کے ذیل میں لکھی ہے۔

میں نے مدینہ منورہ و مکہ، یمن و شام و کوفہ کے حضرات ذیل کو دیکھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے تھے اور صرف اس ایک صحابی کی حدیث سے ایک سنت ثابت ہو جاتی تھی۔ اہل مدینہ کے چند نام یہ ہیں۔ محمد بن جبیر ؒ، نافع بن جبیر ؒ، یزید بن طلحہ ؒ، نافع بن جبیر ؒ، ابو سلمہ بن عبدالرحمن ؒ، حمید بن عبدالرحمن ؒ، خارجہ بن یزید ؒ، عبدالرحمن بن کعب ؒ، عبداللہ بن ابی قتادہ ؒ، سلیمان بن یسار ؒ، عطاء بن یسار ؒ وغیرہم اور اہل مکہ کے چند اسماء حسب ذیل ہیں۔ عطاء، طاؤس، مجاہد، ابن ابی ملیکہ، عکرمہ بن خالد، عبیداللہ بن ابی یزید، عبداللہ بن باباہ، ابن ابی عمار، محمد بن المنکدر وغیرہم اور اسی طرح یمن میں وہب بن منبہ اور شام میں مکحول اور بصرہ میں عبدالرحمن بن غنم، حسن اور محمد بن سیرین۔ کوفہ میں اسود، علقمہ اور شعبی۔

غرض تمام بلاد اسلامیہ اسی پر تھے۔ کہ خبر واحد حجت ہے۔ اگر بالفرض کسی خاص مسئلہ کے متعلق کسی کے لئے یہ کہنا جائز ہوتا کہ اس پر مسلمانوں کا ہمیشہ اجماع رہا ہے۔ تو خبر واحد کی

بیت کے متعلق بھی میں یہ لفظ لکھ دیتا۔ مگر احتیاط کے خلاف سمجھ کر اتنا پھر بھی کہتا ہوں کہ میرے علم میں فقہاء مسلمین میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔

ان کے علاوہ بھی اس دور کی عظیم تعداد ہے۔ جن سے ہزاروں روایات آگے چلیں۔ یہ سب حضرات رجال الحدیث تھے۔ جن کی سندیں آگے چلیں۔ یہاں تک فقہ حدیث اور علم کا تعلق ہے علامہ شعبی (103ھ) فرماتے ہیں کہ صحابہ کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے زیادہ دین کی سمجھ رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ حضرت ابو زرعہ الدمشقی لکھتے ہیں۔

سمعت الشعبی یقول لم یکن قوم بعد اصحاب محمد افقہ من اصحاب عبداللہ بن مسعود۔[2]

ترجمہ: میں نے علامہ شعبی کو کہتے سنا کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے بعد کوئی طبقہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے زیادہ فقیہ نہیں تھا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے اکابر مجتہدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فاذا انتہی الامر و جاء الامر الی ابراہیم و الشعبہ و ابن سیرین و الحسن و عطا و سعید بن المسیب و عدد رجالا فقوم اجتہد و انا اجتہد کما اجتہدوا۔[3]

ترجمہ: جب معاملہ ابراہیم نخعی، علامہ شعبی، امام محمد بن سیرین، حسن بصری، حضرت عطاء بن ابی رباح اور حضرت سعید بن المسیب تک پہنچے اور اپ نے کئی اور بھی نام لئے۔ تو یہ وہ لوگ تھے جو مجتہد تھے سو میں بھی اجتہاد سے کام لیتا ہوں جیسا کہ یہ اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

یہ حضرات اپنے دور کے ائمہ علم تھے۔ رجال الحدیث ان کے علاوہ ہزاروں وہ لوگ بھی تھے جو مجتہدین کے درجہ کے نہ تھے لیکن رواۃ حدیث میں خاصے معروف تھے۔ یہاں تک کہ آگے تبع تابعین میں ہزاروں رجال حدیث میدان علم میں آ گئے۔ یہی تین طبقے تھے جن کے اہل ہونے کی خود لسان شریعت نے خبر دی تھی۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم[4] ان خیر القرون کے بعد رجال حدیث محض زبانوں پر نہ رہے۔ کتابوں میں آنے لگے اور حدیث کی کتابیں متون احادیث اور ان کی اسانید کے ساتھ مرتب ہونے لگیں۔

اس دور میں صداقت و ثقاہت غالب تھی اور رجال الحدیث کی باضابطہ جانچ پڑتال کی چنداں ضرورت نہ پڑتی

تھی۔ لیکن جب فتنے پھیلنے شروع ہوئے اور بدعات کا شیوع ہوا تو اسانید پر باقاعدہ نظر کی ضرورت سمجھی گئی۔ یہاں تک کہ آگے چل کر اسماء الرجال کا علم ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر گیا۔

اسماء الرجال کا امتیاز:۔ یہ وہ علم ہے جس کے موجد خالصتاً" مسلمان ہیں اور دوسری کوئی قوم اپنے مذہبی علمی حلقوں میں اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر اسپنگر الاصابہ فی احوال الصحابہ کے سنہ 1882ء کے ایڈیشن کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔

"کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت پانچ لاکھ مسلمانوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے"۔

علم اسماء الرجال کی ضرورت:۔ مولانا عبدالقیوم جونپوری اس فن کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ تحقیق کی جائے کہ جو حضرات سلسلہ روایت میں ہیں وہ کون لوگ تھے کیسے تھے۔ ان کے مشاغل کیا تھے۔ ان کا چال چلن کیسا تھا۔ سمجھ بوجھ کیسی تھی۔ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس۔ عالم تھے یا جاہل۔ کس تخیل اور کس مشرب کے تھے۔ سن پیدائش اور سن وفات کیا تھا۔ شیوخ کون تھے۔ تاکہ ان کے ذریعہ سے حدیث کی صحت و سقم دریافت کی جا سکے۔ ان جزئی باتوں کا دریافت کرنا اور ان کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا۔ لیکن محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کیں اور ایک شہر کے راویوں سے ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کئے۔ انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسماالرجال کا ایک عظیم الشان فن ایجاد ہو گیا ہے۔ جس کے ایجاد کا شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ جو کتابیں اسماء الرجال میں لکھی گئی ہیں عام اس سے کہ وہ متقدمین کی ہوں یا متاخرین کی' ان میں تعصبات مذہبی کے علاوہ ذاتی مناقشات اور فروعی اور سیاسی اختلافات اور ہم عصری نوک جھوک کی بنا پر لوگوں کی جرح کی گئی ہے بعض حضرات نے تو ایسے امور کو بھی جرح کا باعث قرار دے دیا کہ جو نہ شرعی اور نہ اخلاقی طور نہ عرفی حیثیت سے قابل اعتراض ہیں جیسے کھنکار کر تھوکنا یا سیر و سیاحت میں گھوڑے دوڑانا یا مطلقاً" خوش طبعی یا مطلقاً" نو عمری یا قلت روایت یا مسائل فقیہ یا دیگر علوم میں مشغولیت وغیرہ۔

یہاں تک کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۷۴۸ھ) کا دامن بھی اس سے پاک نہیں ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر عسقلانی (852ھ) نے اس فن میں جو کتابیں لکھی ہیں وہ ایک بڑی حد تک افراط و تفریط سے پاک ہیں لہذا ان کتابوں کے مطالعہ کے وقت یاد رکھنا چاہیے کہ جو جرحیں امور متذکرہ بالا کے ماتحت کی گئی ہیں وہ عقلا" میرے نزدیک قابل التفات نہیں ہیں تنقید رجال کے اصول جنہوں نے سب سے پہلے قائم کئے وہ شعبہ بن الحجاج (160ھ) ہیں جو جرح و تعدیل کے امام کہلاتے ہیں لیکن ان سے بھی بعض دفعہ تشدد ہو جاتا ہے)"۔

"مختصر یہ کہ حدیث کی صحت و سقم دریافت کرنے کے لئے اصول حدیث کی اس قدر ضرورت تھی کہ اگر کوئی محدث اس علم سے غافل ہوتا تو اس کو بڑی دقتوں کا سامنا پیش آتا خصوصا" اس وقت جب کہ فتنوں کے دروازے کھل گئے بدعات کا شیوع ہوا۔ سیاسی انتشار کے علاوہ الحاد و زندقہ نے زور پکڑا عقائد میں فرقہ بندی شروع ہو گئی اور ہر شخص اپنے خیالات کی تائید میں حدیثیں پیش کرنے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رطب و یابس حدیثیں ان مجموعوں میں شامل ہو گئیں۔ جن کے جانچنے پرکھنے کے لئے اصول کی سخت ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ علامہ ابن سیرین سے "میزان الاعتدال" میں منقول ہے کہ اسناد کے جانچنے کی ضرورت واقعات فتن کے بعد ہوئی۔ سب سے پہلے اس موضوع پر بقول حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ قاضی ابو محمد الرامہرمزی (360ھ) نے قلم اٹھایا اور اصول حدیث میں ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام المحدث الفاصل ہے۔ لیکن یہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچی اور دوسرے حاکم ابو عبداللہ النیشاپوری نے خامہ فرسائی کی مگر ان کی کتاب کو پیش نظر رکھ کر اس میں بہت سے اضافے کئے۔ مگر وہ تشنہ کام رہی اور وہ بعد کے آنے والوں کے لئے کام چھوڑ گئے پھر خطیب بغدادی (463ھ) میں پیدا ہوئے جنہوں نے قوانین روایت میں ایک کتاب لکھی جس کا نام الکفایہ ہے اور طرق روایت میں دوسری کتاب لکھی جس کا نام الجامع الآداب الشیخ والسامع ہے۔ بلکہ فنون حدیث میں کوئی فن نہیں چھوڑا کہ جس میں انہوں نے کوئی مستقل کتاب نہ لکھی ہو"۔

لیکن ہم یہ ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خطیب سے بھی بعض امور میں سخت فروگذاشت ہوئی ہیں اگر ان میں

تعصب کا پہلو کارفرما نہ ہوتا تو وہ بے شک جلالت قدر کے آسمان پر مثل آفتاب تھے۔

اصول حدیث پر اہم کتابیں:۔ اصول حدیث میں مقدمہ ابن صلاح ایک بے مثل کتاب ہے۔ ابن صلاح سنہ 643ھ میں فوت ہوئے۔ علمائے حدیث نے مقدمہ ابن صلاح کی بڑی خدمت کی ہے۔ اور اس پر کئی شروح لکھی ہیں۔ امام نووی (676ھ) نے اس کی تلخیص کی جس کا نام تقریب رکھا۔ یہ تقریب نووی کے نام سے مشہور ہے۔ حافظ سیوطی نے اس کی شرح لکھی جس کا نام تدریب الراوی ہے۔ حافظ زین الدین عراقی (806ھ) نے مقدمہ ابن صلاح کو منظوم کیا ہے۔ جس کا نام الفیہ الحدیث ہے۔ پھر اس کی شرح حافظ شمس الدین سخاوی (902ھ) نے فتح المغیث کے نام سے بہت اہم، مفید اور جامع لکھی ہے۔ جو محدثین میں بہت متداول رہی ہے۔ مولانا عبدالقیوم جونپوری لکھتے ہیں۔

> "ابن صلاح کے ایک زمانہ بعد سید شریف (816ھ) نے اس فن میں ایک کتاب لکھی جس نام مختصر الجرجانی ہے جس کی شرح حضرت مولانا عبدالحی (1304ھ) نے بہت ہی شرح و بسط سے لکھی جس کا نام ظفر الامانی ہے۔ اور تحقیق اور تفصیل مذاہب کے اعتبار سے بے مثل ہے۔ اور سید شریف کے ہی لگ بھگ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس فن میں نخبۃ الفکر مع شرح لکھی جو درس میں بھی داخل ہے"[1]

علماء دیوبند نے بھی اس باب میں بھی بہت علمی خدمات سرانجام دی ہیں۔ فتح الملہم بشرح صحیح مسلم کا مقدمہ تقطیع کبیر کے صفحات 108 پر انہی ابواب پر مشتمل ہے۔ سماحۃ الشیخ ابو الفتاح ابو غدہ نے فتح الملہم کے اس مقدمہ پر بہت مفید تحقیقی کام کیا ہے۔ مقدمہ فتح الملہم کی یہ شرح دو ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔ لامع الدراری بشرح صحیح البخاری کی جلد اول اسی موضوع پر ہے۔ اور [illegible] صفحات پر [illegible] ہے۔ مولانا منظور الوحیدی نے شرح نخبۃ الفکر کی اردو شرح نام سے لکھی ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قواعد علوم الحدیث لکھ کر تمام دنیائے عرب سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے اسے بھی اپنے حواشی کے ساتھ بہت آب و تاب سے شائع کیا ہے۔

ان اصولوں اور جزئیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ راویات میں راویوں کی جانچ پڑتال کی ضرورت کیوں پڑی اور جانچ پڑتال کے لئے مستقل قواعد و ضوابط تھے جو علمائے تحقیق نے طے کئے اور وہ آئندہ آنے والے علماء کے لئے رہنما اصول بنے۔ قواعد حدیث کے عنوان میں اس پر تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے۔

علم رجال کے اہم مباحث:۔ آج کا موضوع گفتگو علم اسماء الرجال ہے۔ اس کے اہم مباحث یہ ہوں گے۔

1- اسلام میں تنقید و تبصرے کا درجہ کیا ہے؟ 2- علم اسناد کی دینی حیثیت کیا ہے؟ 3- فن اسماء الرجال کی تدوین کیسے ہوئی؟ 4- علم و حدیث کے لئے اس فن کا ساتھ ساتھ رہنا کیا ضروری ہے؟ 5- جرح و تعدیل سے کیا مراد ہے؟ 6- جرح و تعدیل کے عام الفاظ کیا کیا ہیں؟ 7- جرح و تعدیل کے بڑے بڑے امام کون تھے؟ 8- اسماء الرجال میں کن کن کتابوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ 9- شیعہ کی کتب اسماء الرجال کیا علیحدہ ہیں؟ 10- حدیث کے طلبہ اس فن سے کیسے استفادہ کریں؟

اسلام میں تنقید و تبصرہ:- پہلا اہم موضوع یہ ہے کہ اسلام میں تنقید و تبصرہ کا کیا حکم ہے؟ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید بدر عالم مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بہت مفید بحث لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمہ ترجمان السنۃ

خبر واحد کی حجیت کے سلسلہ میں یہاں دو غلط فہمیاں اور بھی ہیں ایک یہ کہ محدثین کا گروہ محض ایک جامد گروہ ہے جسے فن روایات سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ وہ دقیانوسی خبروں کو آنکھ میچ کر مان لینا علم اور دین سمجھتا ہے۔ اور نقد و تبصرہ کو بد دینی تصور کرتا ہے دوم یہ کہ ادیان سماویہ کا مبنی صرف روایت پر ہے۔ درایت کو یہاں کوئی دخل نہیں۔ دراصل پہلی غلط فہمی بھی اسی میں ایک فرع ہے۔ ان دو غلط فہمیوں کی وجہ سے بعض ناواقف تو حدیث کا رتبہ تاریخ سے بھی کمتر تصور کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل میں فن روایت کا فقدان:- بنو اسرائیل میں اعتدال کلیۃً مفقود تھا۔ جب وہ تحقیق پر آتے تو کوہ طور پر کلام باری بلا واسطہ سن کر بھی سو طرح کے شبہات نکالنے لگتے اور جب تقلید کرنے پر آمادہ ہوتے تو جو ان کے احبار و رہبان ان کے سامنے ڈالتے آنکھیں بند کئے اندھوں کی طرح نگلنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ غرض نقد و تبصرہ اور فہم و فکر کی ان میں کوئی استعداد نہ تھی۔ حضرت الشیخ مولانا بدر عالم مدنی مذکورہ بالا تبصرہ کے بعد لکھتے ہیں۔

"روایت اور درایت کے اس غیر متوازن دور میں اسلام آیا۔ اور اس نے ان دونوں کا توازن قائم کر کے صحیح تنقید کی راہ دکھلائی۔ اور اس کے لئے ایک ایسا معتدل آئین مرتب فرمایا جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط۔ اس نے بتایا کہ ہر کان پڑی خبر کی طرف دوڑ پڑنا بھی غلط ہے اور تحقیق و تفتیش کے سلسلہ میں بدگمانی کی حد تک پہنچ جانا بھی غلو اور وہم پرستی ہے۔ انسان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بے اعتمادی کی حالت میں آنکھ میچ کر تغلیط اور اعتماد کی صورت میں بے دلیل تصدیق کر لیا کرتے ہیں مگر قرآن نے یہاں دوست دشمن اپنے اور پرائے کا فرق ختم کر کے سب کے

لئے یکساں تحقیق و تبیین کا قانون مقرر کر دیا ہے"۔

قرآن نے یہ تعلیم کی کہ ہر خبر تحقیق و تبیین کر لیا کرو خواہ وہ فاسق شخص ہی کی خبر کیوں نہ ہو۔ ہر چند کہ فاسق آدمی کی خبر رد کر دینے میں بھی مضائقہ نہیں تھا۔ مگر قرآن کسی خبر کا رد کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ فاسق آدمی بھی صحیح خبر دے سکتا ہے۔ پس اس کی ہر خبر کا رد کر دینا بھی قرین مصلحت اور طور انصاف نہیں ہے۔

یاایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما" بجھالہ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین۔۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جب کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آیا کرے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بے تحقیق کسی قوم پر حملہ کر دو بعد میں اپنے کئے پر شرمندہ ہونا پڑے۔

دوسری طرف اس نے تجسس اور بد ظنی کی بھی ممانعت فرمائی کہ ایسی تحقیق سے بھی نظام عالم برباد ہوتا ہے۔

یاایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا" من الظن ان بعض الظن اثم و لا تجسسوا۔۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچا کرو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ کی حد تک ہوتی ہیں اور تجسس اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کے عیب بھی تلاش کرنے کی خصلت مت اختیار کرو۔

ہر چیز کی تحقیق کے لئے اس کی اہلیت چاہیے:۔ ہر خبر کی تفتیش کی سلیقہ ہر انسان نہیں رکھتا۔ بعض خبریں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی تفتیش خاص افراد ہی کر سکتے ہیں۔ یہ تفتیش کے محکمہ جات کی طرف اشارہ ہے۔ ہر خبر کی تحقیق کے لئے اس کے مناسب اہلیت درکار ہے۔

و اذا جاء ھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ و لو ردوہ الی الرسول و الی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔۔

ترجمہ:۔ جب ان کے پاس کوئی امن یا ڈر کی کوئی خبر آتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اگر اس کو رسول یا اپنے علماء و حکام تک پہنچا دیتے تو جو ان میں ملکہ استنباط رکھنے والے شخص تھے وہ اس کو پورے طور پر معلوم کر لیتے۔

روایتی پہلو میں جو چیز سب سے زیادہ حائل ہو سکتی ہے وہ مخبر اور شاہدوں کا بیان ہے اس لئے ان کو یہ تعلیم دی

گئی کہ اپنے بیان اور گواہی میں پوری احتیاط سے کام لیں۔ جھوٹ یا طرفداری کا شائبہ نہ آنے پائے۔ اس لئے جھوٹ بولنے یا ایک دوسرے پر جھوٹا الزام لگانے کی اتنی مذمت کی گئی کہ اس سے بدتر سوسائٹی کا کوئی عیب نہ رہا۔

ان بنیادی اصول کی روشنی میں مذہب اسلام جتنی ترقی کرتا رہا۔ اسی قدر اس کے بنیادی تنقید کے اصول بھی ساتھ ساتھ ترقی کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اسناد' جرح و تعدیل' احوال رواۃ ہر ایک کے لئے جدا جدا مستقل فن مرتب ہو گئے۔ علامہ جزائری نے توجیہ النظر میں حدیث کے سلسلہ میں 52 قسم کے علوم بالتفصیل بیان فرمائے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد احادیث کے مفید یقین ہونے میں ایک منٹ کے لئے بھی شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

علم اسناد کی دینی حیثیت:۔ حدیث کا متن Text حدیث کی سند Chain of transmitters پر موقوف ہے۔ سند صحیح متصل سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو اس کی تمام ذمہ داریاں لازم آ جاتی ہیں۔ حدیث اگر حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے تو اس کی سند معلوم کرنا اور اس کے راویوں کی جانچ پڑتال کرنا سب علم دین قرار پائے گا۔ یاد رکھئے واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا۔ (۱)

ترجمہ:۔ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی رو سے راوی کی بات کی تحقیق کرنا ایک عظیم دینی ذمہ داری ہے۔ جو سامع پر عائد ہوتی ہے۔ سو اسناد کو پہچاننا اور راویوں کو جاننا خود دین ہو گا۔ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (110ھ) فرماتے ہیں۔

ان هذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم۔ (۲)

ترجمہ:۔ بے شک یہ علم دین ہے سو دیکھ لیا کرو کہ کن لوگوں سے تم اپنا دین اخذ کر رہے ہو۔

امام نووی نے اس پر باب باندھا ہے۔

باب بیان ان الاسناد من الدین و ان الروایہ لا یکون الا عن الثقات و ان جرح الرواۃ بما ھو فیھم جائز بل واجب

ترجمہ:۔ سند لانا دین میں سے ہے روایت ثقہ راویوں سے ہو۔ راویوں پر اس پہلو سے جرح

کرنا جو ان میں ہو جائز ہے۔ بلکہ یہ واجب ہے۔

علم اسناد کی یہاں تک اہمیت ہو گئی کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (181ھ) نے اس کا سیکھنا دین قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

الاسناد من الدین ولو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔

ترجمہ:۔ علم اسناد بھی دین کا ہی ایک حصہ ہے۔ اور اگر سند ضروری نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا کہہ سکتا تھا۔ معیار آپ کے ہاں اتنا وقیع تھا کہ جو شخص سلف (پہلے بزرگوں) کو برا بھلا کہے۔ اس کی روایت نہ لینے کا حکم فرماتے تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

دعوا حدیث عمرو بن ثابت فانہ کان یسب السلف۔

ترجمہ:۔ عمرو بن ثابت کی روایت چھوڑ دو وہ تو سلف صالحین کو برا کہتا تھا۔

حافظ شمس الدین سخاوی (902ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں۔

و تاریخ الرواۃ و الوفیات فن عظیم الوقع من الدین قدیم النفع بہ للمسلمین لا یستغنی عنہ و لا یعتنی بہم منہ خصوصا ما ہو القدر الا عظم منہ و ہو البحث عن الرواۃ و الفحص عن احوالہم فی ابتدائہم و حالہم و استقبالہم لان الاحکام الاعتقادتہ و المسائل الفقہیہ ماخوذہ من کلام الہادی من الضلالہ و المبصر من العمی و الضلالہ۔

ترجمہ:۔ اور راویوں کی تاریخ اور ان کی وفات کے سنین کا جاننا دین کا ایک عظیم الوقعت فن ہے۔ مسلمان قدیم سے اس سے کام لیتے آئے ہیں۔ اس سے استغنا نہیں برتا جا سکتا۔ نہ اس سے زیادہ کوئی اور موضوع اہم ہو سکتا ہے۔ خصوصاً اس کی قدر اعظم ہے اور وہ راویوں کے حالات کو کھولنا اور ان کے حالات کی ان کے ماضی، حال اور استقبال کی تفصیل کے ساتھ تفتیش کرنا ہے۔ اعتقادی ابواب اور فقہی مسائل سے اس کلام سے ماخوذ ہیں۔ جو ضلالت سے بچ کر ہدایت دے اور گمراہی اور اندھا پن سے ہٹا کر راہ دکھائے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:۔ مشہور ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ انظروا الی ما قال و لا تنظروا الی من

قال۔ (اسے دیکھو جو کسی نے کہا ہے یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا ہے) معلوم ہوا کہ ہمیں متن سے غرض ہونی چاہیے سند سے نہیں؟

جواب:۔ حضرت علی ﷺ سے یہ ثابت بھی ہو تو اس کا موضوع دانائی اور حکمت کی باتیں ہیں۔ قانون اور تاریخ کی باتیں نہیں۔ حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ جہاں بھی ملے اس نے اپنی متاع پالی۔ وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ جو شخص کوئی بات نقل کرے یا کوئی قانون بیان کرے تو اسے بغیر جانے کہ کون کہ رہا ہے لے نہیں لیا جاتا۔ بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ شخص کہاں سے نقل کر رہا ہے۔ اور یہ کہ کون کیسا شخص ہے۔ دیانت دار ہے یا نہ؟ کس حکومت کا نمائندہ اور کس قانون کا ترجمان ہے اگر اس کے پاس اس بات کی جو وہ کہہ رہا ہے سند نہ ہو تو اس کا کوئی اعلان بھی قابل قبول نہ ہو گا۔

شریعت بھی قانون الٰہی ہے اور یہ نقل سے ہی پہچانی جاتی ہے۔ البتہ اس کے بعض پہلو استنباط سے کھلتے ہیں۔ شریعت کسی تجربے اور حکمت سے مرتب نہیں ہوتی۔ نہ یہ کبھی حکمت عملی کے نام سے ترتیب پاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

ان الامه اجمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفه الشریعه فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابه و تبع التابعین اعتمدوا و هکذا فی کل طبقه اعتمد العلماء علی من قبلهم و العقل یدل علی حسن ذلک لان الشرعه لا یعرف الا بالنقل و الاستنباط و النقل لا یستقیم الا بان یاخذ کل طبقه عمن قبلها بالاتصال[57]

ترجمہ:۔ امت نے اتفاق کیا ہے کہ وہ معرفت شریعت میں سلف پر اعتماد کریں۔ تابعین رحمہم اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر۔ تبع تابعین رحمہم اللہ نے تابعین رحمہم اللہ پر۔ اور اسی طرح ہر طبقہ کے علماء نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا ہے۔ اور عقل اس کی تحسین پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے کہ شریعت نقل اور استنباط سے ہی پہچانی جاتی ہے۔ اور نقل بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتی۔ کہ ہر طبقہ اسے اپنے پہلوں سے اتصال کے ساتھ لیتا رہے۔

اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر

پس علم شریعت کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ بات کہاں سے آ رہی ہے۔ اس کا ماخذ کیا ہے۔ بات کہاں سے ہے اور اسے آگے روایت کرنے والے کس قوم کے لوگ ہیں۔ کیا ان پر اعتماد کر کے آخرت کی تمام زندگی ان لوگوں کی نقل و روایت کے سپرد کی جا سکتی ہے؟ دنیوی امور کے کسی اہم فیصلے سے یہ فیصلہ کہیں زیادہ اہم ہے۔

اکرام مومن کی شرعی حیثیت:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان جو بھی خبر دے اکرام مومن کے طور پر اسے قبول کر لینا چاہیے یہ پڑتال نہ کی جائے کہ خبر دینے والا کیسا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اکرام مومن کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان کی طرف سے کسی مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو پر کوئی حرف نہ آئے اور وہ اس کے ساتھ عزت و مروت کا برتاؤ کرے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح اور مسلم ہے کہ دین کا تحفظ اور اکرام ایک مومن کے اکرام سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر کوئی مسلمان حضور ﷺ کی کوئی بات دین اور شریعت سمجھ کر زندگی بھر لیتا ہے۔ اور اپنے بعد والوں کے لئے بھی اسے سند بناتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی نقل و روایت میں اچھی طرح پڑتال کر لے۔ اب راویوں کے حالات معلوم کرنا اور ان کی صحت و سقم کو پہچاننا اکرام مومن کے شرعی تقاضے کے خلاف ہرگز نہیں ہے۔ اس باب میں اگر کسی مسلمان کی برائی اس کی عدم موجودگی میں کی جائے تو وہ شرعی غیبت نہ ہو گی۔ دین کی حفاظت کے لئے ایک قدم ہو گا۔

مومن کے بارے میں نیک گمان رکھنے کا مفہوم:۔ ظنوا بالمومنین خیرا (مومن کے بارے میں نیک گمان ہونا چاہیے) مشہور مقولہ حکمت ہے۔ اس کا موضوع اس کی اپنی ذات ہے۔ اس کی نقل و روایت نہیں۔ دین کا معاملہ اس سے کہیں اونچا ہے کہ محض نیک گمان کے سہارے قائم کر لیا جائے۔ اس باب میں اگر کسی گمان کو اہمیت دی جا سکتی ہے۔ تو وہ صرف اہل فن کا گمان اور اعتماد ہے۔ انہوں نے کسی شخص کی روایت قبول کر لی ہو۔ تو آپ ان پر نیک گمان کرتے ہوئے اسے قبول کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر کسی طرح اس کی غلطی ظاہر ہو گئی۔ تو پھر اس نیک گمان سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔ ہاں مومن کی کوئی اپنی بات جس کا تعلق اس کی ذات سے ہو۔ دین سے یا دوسروں سے نہ ہو۔ تو دوسرے مسلمانوں کی پوری کوشش ہونی چاہیے کہ اس پر نیک گمان کریں۔ اور اس کے وہی معنی مراد لیں جو اچھائی پر محمول ہوں۔ اس کی بات کی ایسی مراد نہ لیں جو ایک مسلمان سے توقع نہ کی جا سکتی ہو۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ

ترجمہ:۔ آپ خوشخبری دیں ان لوگوں کو جو سنیں بات پھر چلتے ہیں اس (پہلو) پر جو سب سے

اچھا دکھائی دے احسن ہو۔

حضور اکرم ﷺ نے بھی فرمایا۔

فظنوا بہ الذی ھو اھیا و الذی ھو اھدی و الذی ھو اتقی

ترجمہ:۔ سو اس کی نسبت گمان کرو جو زیادہ مناسب ہو' ہدایت کے زیادہ قریب ہو اور زیادہ خوف خدا پر مبنی ہو۔

فن اسماء الرجال کی تدوین کیسے ہوئی؟

ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ حدیث کے راوی جب تک صحابہ کرام ؓ تھے اس فن کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ وہ سب کے سب عادل' انصاف پسند اور محتاط تھے۔ کبار تابعین بھی اپنے علم و تقوے کی روشنی میں ہر جگہ لائق قبول سمجھے جاتے تھے۔ جب فتنے پھیلے اور بدعات شروع ہوئیں تو ضرورت محسوس ہوئی کہ راویوں کی جانچ پڑتال کی جائے۔ فتنے سب سے پہلے کوفہ اور بصرہ سے اٹھے۔ اس لئے علم کی تدوین و تنقیح پہلے یہیں ہونی ضروری تھی۔ کوفہ میں دو علمی مرکز تھے۔ 1۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ (32ھ) کا اور 2۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ (40ھ) کا۔ حضرت علی ؓ کے خلیفہ بنتے ہی مسلمانوں کا سیاسی اختلاف عراق میں اٹھ آیا اور اس سیاسی تشیع سے حضرت علی ؓ کے حلقے میں بہت سے غلط لوگ آ شامل ہوئے۔ حضرت علی ؓ کی زندگی میں وہ ان اختلافات کو دینی اختلاف نہ بنا سکے۔ لیکن آپ کے بعد انہوں نے حضرت علی ؓ کے نام سے بہت سی غلط باتیں کہنی شروع کر دی۔ اس درطہ شبہات میں انہوں نے دین کا بنیادی تصور تک بدل ڈالا۔ یہ اسلام میں فرقہ بندی کی طرف پہلا قدم تھا۔ اہل حق کے لئے اب صرف ایک ہی سلامتی کی راہ تھی۔ کہ حضرت علی ؓ کی وہی روایات قابل اعتماد سمجھی جائیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے شاگردوں کے واسطہ سے آئیں۔ کیونکہ کوفہ میں یہی ایک علمی حلقہ تھا جو بیرونی حکمت سے محفوظ اور بچا رہا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے شاگرد حضرت علی ؓ کے حلقہ درس میں بھی گاہے بگاہے حاضر ہوتے رہتے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ (50ھ) جو کوفہ میں رہے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

لم یکن یصدق علیٰ علی فی الحدیث منہ الا من اصحاب عبداللہ بن مسعود۔

ترجمہ:۔ حضرت علیؓ کی وہی روایات لائق قبول سمجھی جاتی تھیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے شاگردوں سے منقول ہوں۔

حضرت ابو اسحق السبیعی (129ھ) کہتے ہیں کہ بدعات کے ان شیوع پر خود حضرت علیؓ کے شاگردوں میں ... ایک نے کہا کہ ان لوگوں (بدعتیوں) کو خدا غارت کرے انہوں نے کتنا علم (حضرت علیؓ) کا ضائع کر دیا ہے۔

امام ابن سیرین ؒ (110ھ) کہتے ہیں جب یہ فتنے اٹھے تو علماء نے طے کیا۔

سموالنا رجالکم فینظر الی اہل السنہ فیوخذ حدیثہم و ینظر الی اہل البدع فلا یوخذ حدیثہم۔

ترجمہ:۔ اپنے رواۃ حدیث کے نام بتاؤ دیکھا جائے گا اہل سنت کون ہیں۔ انہی کی روایات لی جائیں گی۔ اہل بدعت کا بھی پتہ لگایا جائے گا اور ان کی احادیث نہ لی جائیں گی۔

یہ صحیح ہے کہ عراق کی سرزمین پہلے فتنوں کی آماجگاہ بنی۔ کوفہ کے بعد بصرہ عراق کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ کوفہ سے تشیع اٹھا تو بصرہ سے انکار قدر کی صدا اٹھی۔

عن یحیٰی بن یعمر قال کان اول من قال فی القدر بالبصرہ معبد الجہنی

ترجمہ:۔ سب سے پہلے بصرہ میں جس نے عقیدہ قدر میں بات چیت کی وہ معبد جہنی تھا۔

یحیٰی بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمن حمیری حج کے موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملے اور ان لوگوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا

و اذا لقیت اولئک فاخبرہم انی بری منہم وھم براء منی و الذی یحلف بہ عبداللہ بن عمر لو ان لاحدہم مثل احد ذھبا فانفقہ ما قبل اللہ منہ حتی یومن بالقدر

ترجمہ:۔ جب تم ان لوگوں کو ملو تو انہیں کہ دو کہ میں ان سے لاتعلق ہوں اور وہ مجھ سے لاتعلق ہیں میں قسم کہتا ہوں کہ یہ احد کے برابر سونا خیرات کریں اسے اللہ تعالیٰ ان سے قبول نہ کرے گا۔ اس سے پتہ چلا کہ ان دنوں صحابہ کی بات اہل حق کے ہاں حجت سمجھی جاتی تھی۔ تبھی تو یحیٰی بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمن نے صحابی رسول سے اس بارے میں پوچھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا جواب بھی اسی طرف رہنمائی کر رہا ہے۔ کہ صحابہ جس سے

لاتعلق ہوں وہ اس کے اہل باطل ہونے کا ایک کھلا نشان ہے۔ اور یہ کہ صرف اہل باطل ہی صحابہ سے بے تعلق رہتے ہیں اہل حق ہمیشہ ان کی پیروی کرتے آئے ہیں۔

علم اسماء الرجال کا احساس یہیں سے پیدا ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (68ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض سے مرویات کے بارے میں کہہ چکے ہیں تھے کہ یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی نہ کہی ہوگی۔ امام مسلم رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

فدعا بقضاء علی فجعل یکتب منه اشیاء و یمر به الشئی فیقول و اللہ ما قضی بهذا علیؓ الا ان یکون ضل۔

ترجمہ:۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے منگوائے ان سے کچھ باتیں نقل بھی فرمائیں اور ایسی چیزیں بھی آپ کے سامنے سے گزریں کہ آپ نے فرمایا کہ یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی نہ کہی ہوگی۔ مگر یہ کہ آپ راہ سے اتر جائیں۔

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ (279ھ) لکھتے ہیں۔

قد وجد غیر واحد من الائمه من التابعین قد تکلموا فی الرجال منهم الحسن البصری و طاوس تکلما فی معبد الجهنی و تکلم سعید بن جبیر فی طلق بن حبیب و تکلم ابراہیم النخعی و عامر الشعبی فی الحارث الاعور و هکذا روی عن ایوب السختیانی و عبداللہ بن عون و سلیمان التیمی و شعبه بن الحجاج و سفیان الثوری و مالک بن انس و الاوزاعی و عبداللہ بن مبارک و یحییٰ بن سعید القطان و وکیع بن الجراح و عبدالرحمن بن مهدی و غیرہم من اہل العلم تکلموا فی الرجال و ضعفوا فانما حملهم علی ذلک عندنا واللہ اعلم النصیحة للمسلمین لا یظن بهم ارادوا الطعن علی الناس و الغیبة انما ارادوا عندنا ان یبینوا ضعف هٰؤلاء لکی یعرفوا لان بعض الذین ضعفوا کان صاحب بدعة و بعضهم کان متهما فی الحدیث و بعضهم کانوا اصحاب غفلة و کثرة خطاء فاراد هٰؤلاء الائمة ان یبینوا احوالهم شفقه علی الدین و تثبیتا لان الشهاده فی الدین احق ان یتثبت فیها من الشهادة فی الحقوق و الاموال۔

ترجمہ:۔ تابعین میں کئی ائمہ گزرے۔ جنہوں نے اسماء الرجال (راویان حدیث) میں کلام کیا۔ ان میں حسن بصری (110ھ) اور طاوس (105ھ) نے معبد جہنی میں کلام کیا۔ سعید بن جبیر (95ھ) نے طلق بن حبیب میں کلام کیا۔ ابراہیم نخعی (95ھ) اور عامر الشعبی (103ھ) نے حارث الاعور میں کلام کیا ہے۔ اسی طرح ایوب سختیانی عبداللہ بن عون، سلیمان تیمی، شعبہ بن حجاج، سفیان الثوری، مالک بن انس، اوزاعی عبداللہ بن المبارک، یحییٰ بن سعید القطان، وکیع بن الجراح اور عبدالرحمن بن المہدی جیسے اہل نے بھی رجال میں کلام کیا ہے۔ اور کمزور راویوں کی تضعیف کی ہے۔ انہیں اس بات پر اللہ بہتر جانتا ہے۔ مسلمانوں کے خیر خواہی کے جذبہ نے آمادہ کیا۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کی غرض ان راویوں کا ضعف بیان کرنا تھا۔ تاکہ وہ پہچانے جائیں۔ بعض وہ راوی جن کی تضعیف کی گئی بدعتی تھے۔ بعض ان میں سے متہم فی الحدیث تھے۔ بعض بھولنے والے تھے۔ اور کثرت سے غلطی کرنے والے تھے۔ سو ان ائمہ نے چاہا کہ ان کے احوال بیان کر دیئے جائیں۔ اور اس سے دین کی خیر خواہی ملحوظ نظر تھی۔ اور دین میں ثابت قدمی پیش نظر تھی۔ حقوق و اموال کے بارے میں شہادت دینے سے دین کے بارے میں شہادت دینے کی زیادہ ضرورت ہے۔

طلق بن حبیب کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کلام کیا ہے کہ وہ تقدیر کا قائل نہ تھا۔ زید بن عیاش کے بارے میں کہا وہ مجہول ہے۔ جابر جعفی کے بارے میں کہا کہ میں نے اس سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں پایا۔ جابر (128ھ) سو یہ صحیح ہے۔ کہ ائمہ کرام نے راویوں کی جانچ پڑتال کو تحفظ دین کی خاطر جائز کہا ہے۔ نہ اسے غیبت سمجھا گیا نہ اکرام مومن کے خلاف یہ صرف تحفظ دین کا جذبہ تھا جو ان سے راویوں کی پڑتال کراتا رہا۔ اور اس سے دین کی پوری حفاظت ہوتی رہی۔

علم اسماء الرجال کی مشکل:۔ اس علم میں یادداشت اور ضبط ہی ضبط ہے۔ جن علوم میں قیاس اور درایت کو کچھ بھی دخل ہو یا اس میں کچھ ترتیب خود کار فرما ہو کہ اس کے ماقبل یا مابعد سے کچھ اندازہ ہو جائے۔ وہ علوم اپنے علماء کے لئے اس جہت سے کچھ سہل ہو جاتے ہیں لیکن یہاں تو حفظ ہی حفظ ہے۔ اور معرفت طبقات ہے۔ سو ناموں پر ضبط بہت اہتمام سے ہونا چاہیے۔ اس میں ذرا بھی اندازے سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ نہ انہیں اپنے اول اور آخر کی

ترتیب سے کیسے معین کیا جا سکتا ہے۔ ابو اسحٰق ابراہیم بن عبداللہ النیمری فرماتے ہیں۔

اولی الاشیاء بالضبط اسماء الناس لانہ شئی لا یدخلہ القیاس و لا قبلہ شئی و لا بعدہ شئی یدل علیہ۔ 70

ترجمہ:- سب سے زیادہ جس چیز پر ضبط ہونا چاہیے وہ (حدیث روایت کرنے والے) لوگوں کے نام ہیں۔ کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں جس میں قیاس کام کر سکے اور نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جو اس کا پتہ دے سکے۔

حافظ ذہبی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ طبقہ تابعین (صحابہ کے بعد جو لوگ ان کی پیروی میں چلے) میں انتہائی چھان بین کے باوجود مجھے ایک راوی بھی چھپا اور کذاب نہیں مل سکا۔ غلطی لگ جانا اور بات ہے۔ حافظے کا ضعف امر دیگر ہے۔ لیکن جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اس حد تک اس طبقے میں کوئی مجروح نہ تھا۔ کذب اپنی نمایاں صورت میں بعد میں نمودار ہوا ہے۔ تابعین اسی لئے تابعین تھے۔ کہ صحابہ ان کے متبوعین تھے۔ جو صحابہ کے نقش پا سے راہ تلاش نہ کرے۔ وہ تابعین میں سے کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارد گرد رہنے والے لوگ اگر ان پر جھوٹ باندھتے رہے تو وہ سبائی منافقین تھے تابعین ہرگز نہ تھے۔ وہ تابعین بغیر اتباع ہرگز نہ ہو سکتے تھے۔

اسماء الرجال میں پہلے لکھنے والے:- حضرت علی بن المدینی (234ھ) نے کتاب العلل میں، امام احمد بن حنبل (241ھ) نے کتاب العلل و معرفۃ الرجال میں، امام بخاری (256ھ) نے تاریخ میں، امام مسلم (261ھ) نے مقدمہ صحیح مسلم میں، امام ترمذی 279ھ) نے کتاب العلل میں، امام نسائی (313ھ) نے کتاب الضعفاء و المتروکین میں، ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی (327ھ) نے کتاب الجرح و التعدیل میں، دار قطنی (385ھ) نے اپنی کتاب العلل میں، اور امام طحاوی (321ھ) نے رجال پر بہت مفید بحثیں کی ہیں۔

ائمہ حدیث نے ایک ایک صحابی کے اصحاب کا جائزہ لیا۔ سب سے زیادہ کون کن کے قریب رہے۔ ان کو پہچانا اسی نسبت علم سے وہ حضرات فقیہ سمجھے گئے۔ اور اسی نسبت سے ان کے فیصلے حجت سمجھے گئے۔ یہ حضرات اپنے ضبط تثبیت اور فقہ و روایت میں اگلے لوگوں کے لئے امام ٹھہرے۔ حضرت امام طحاوی (321ھ) باب نکاح المحرم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واثبت اصحاب عبداللہ بن عباس سعید بن جبیر و عطاء و طاوس و مجاہد و

عکرمہ و جابر بن زید و ھولاء کلھم ائمہ فقھاء ویحتج بروایاتھم و آرائھم

ترجمہ :۔ "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سعید بن جبیر، عطا، طاؤس، مجاہد، عکرمہ اور جابر بن زید رحمہ اللہ علیہم سب سے زیادہ تثبت والے ہیں۔ اور یہ سب امام اور فقہاء ہیں کہ ان کی روایت بھی مستند سمجھی جاتی ہے اور ان کے فقہی فیصلے بھی حجت مانے جاتے ہیں۔

پھر جن لوگوں نے آگے ان سے دین نقل کیا وہ بھی اسی طرح معروف ہوئے۔ ان میں عمرو بن دینار، ایوب السختیانی اور عبداللہ بن ابی نجیح وغیرہم ہیں اور یہ سب ایسے امام تھے کہ روایت میں مقتدا ٹھہرے۔ امام طحاوی مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھتے ہیں۔

و الذین نقلوا عنھم فکذالک ایضاً منھم عمرو بن دینار و ایوب السختیانی و عبداللہ بن ابی نجیح فھولاء ایضاً ائمہ یقتدی بروایاتھم ..... ابو عوانہ عن مغیرہ عن ابی الضحیٰ عن مسروق فکل ھؤلاء ائمہ یحتج بروایاتھم فما رووا من ذلک اولی مما روی من لیس کمثلھم فی الضبط و الثبت و الفقہ و الامانہ۔

محدثین کی سلسلہ رواۃ پر کس درجے کی کڑی نظر رہی ہے۔ اور وہ ہر دو راویوں کے درمیان کس کس درجے کے تعلق و رابطے کے جویا رہے۔ امام طحاوی کا یہ بیان اس پر شاہد ناطق ہے۔ کون صاحب علم ہے جو محدثین کی ان خدمت کا انکار کر سکے۔

امام احمد کی کتاب کتاب العلل و معرفۃ الرجال انقرہ سے چھپ چکی ہے۔ دو جلدوں میں ہے ابن ابی حاتم الرازی کی کتاب الجرح و التعدیل نو جلدوں میں ہے۔ حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ یہ اساسی طور پر امام احمد کی کتاب کو بھی ساتھ لئے ہوئے ہے۔ دار قطنی اپنی کتاب کو مکمل نہ کر پائے تھے کہ وفات پائی۔ اسے ان کے شاگرد ابو بکر الخوارزمی البرقانی (425ھ) نے مکمل کیا۔ شمس الدین سخاوی (902ھ) نے اس کی تلخیص مرتب کی ہے۔ جس کا نام بلوغ الامل بتلخیص کتاب دار قطنی فی العلل ہے۔ ان کتابوں میں رجال کے علاوہ علل حدیث پر بھی بہت مفید مباحث موجود ہیں۔ اس سے اگلے دور میں وہ کتابیں لکھی گئیں جن میں اسماء الرجال ہی مستقل موضوع بنا ہے۔ ان میں راویوں کے حالات اور ان کے طبقات کا ذکر ہے۔ اور ساتھ راویوں کی جرح و تعدیل سے بھی بحث کی گئی ہے۔

علم حدیث اور علم رجال کا ساتھ ساتھ رہنا ضروری ہے؟:۔ احادیث جمع کرنے والے ائمہ حدیث اپنی پوری

احتیاط اور ضبط و عدالت کے باوجود آخر تھے تو انسان ہی۔ انہوں نے نہ چاہا کہ دین پیغمبر کی پوری ذمہ داری اپنے سر لیں۔ انہوں نے وہ روایات سنی تھیں۔ انہیں انہوں نے ان اساتذہ کا نام لے کر روایت کیا۔ جن سے انہوں نے وہ روایات سنی تھیں۔ اور پھر ان کی سند بھی پیش کر دی۔ جس سے وہ اس بات کو حضور ﷺ یا صحابہ کرام ؓ تک پہنچاتے رہے۔

جب حدیث کے ذکر میں سند آنے لگی تو ضروری تھا کہ پڑھنے والوں پر ان راویوں کا حال بھی کھلا ہو جو اس حدیث کو آگے لانے کی ذمہ داری لئے ہوئے ہیں۔ سو حدیث کے لئے جس طرح متن کو جاننا ضروری ہے سند کو پہچاننا بھی ضروری ہے۔ کہ اسماء الرجال کے علم کے بغیر علم حدیث میں کوئی شخص کامیاب نہیں ہو سکتا۔ امام علی بن المدینی (234ھ) کہتے ہیں۔

الفقه فی معانی الحدیث نصف العلم و معرفه الرجال نصف العلم۔

ترجمہ:۔ معانی حدیث میں غور کرنا نصف علم ہے تو معرفت رجال بھی نصف علم ہے۔

جرح و تعدیل رواۃ حدیث اور امام اعظمؒ:۔ علامہ جزائری نے توجیہ النظر میں حدیث کے سلسلے میں 52 قسم کے علوم کی نشاندہی کی ہے۔ ان ہی علوم کے (استنادادھم) پر کہا جاتا ہے کہ جو شخص بھی حدیث کے مختلف طرق و اسانید' ان کے راویوں کی راست گفتاری اور ان پر جرح و تعدیل کی داستان پڑھے گا۔ اس کو حدیث کی عظمت کا اقرار کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ یہ امر آخر ہے کہ کوئی شخص مطالعہ کی محنت سے پہلو تہی کر کے خواہ مخواہ انکار کر ڈالے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ محدث کی مثال ایک صراف کی سی ہے بسا اوقات روپیہ کی شکل و صورت اور آواز تک میں فرق نہیں ہوتا لیکن صراف کی چٹکی اس کا کھوٹ بتا دیتی ہے۔ یہ کھوٹ بتا دینے کا علم فن حدیث میں بہت اہمیت رکھتا ہے اسی کی مدد سے علماء نے صحیح احادیث کو غلط سے اور قوی کو ضعیف سے چھانٹ کر علیحدہ کیا اور اس سلسلے میں علماء نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ اسی کا نام علم جرح و تعدیل ہے۔ اسے ہی علم میزان رجال یا علم رجال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور راویوں کی امانت' ثقاہت' عدالت اور قوت ضبط کو بتایا جائے تو یہ علم التعدیل ہے۔ اور اگر اس کے برعکس ان کے کذب' غفلت یا نسیان وغیرہ سے بحث کی جائے تو یہ علم الجرح ہے۔ امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث میں لکھتے ہیں۔

وهما فی الاصل نوعان کل نوع منهما علم براسه[74]

ترجمہ:- اصل میں یہ دو قسمیں ہیں ان میں سے ہر قسم مستقل علم ہے۔

علم حدیث کے طفیل میں یہ عظیم الشان علم وجود میں آیا ہے اور اقوام عالم کی تاریخ میں اس طرح کے تنقیدی علم کی نظیر نہیں ملتی ہے۔ اس فن کی ابتداء کیں ہوئی؟ حافظ سیوطی الکاوی فی تاریخ السخاوی میں رقم طراز ہیں کہ:

چونکہ حدیث نبوی صدر اول میں سفینوں سے نہیں بلکہ لوگوں کے سینوں سے لی جاتی تھی اس لئے احادیث کی حفاظت اور ان کو غلطی سے بچانے اور مقبول میں تمیز کی خاطر جرح کو جائز کیا گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ

لوگوں نے یہ علم صحابہ سے لیا اس کے یاد کرنے اور اس کے پہنچانے میں اوقات لگائے اور جانیں کھپائیں۔ لیکن صحابہ کے بعد ہر دور میں ایسے لوگ اس میں داخل ہو گئے جن میں اس کی صلاحیت اور قابلیت نہ تھی۔ انہوں نے نقل روایات میں غلطیاں کیں اور کچھ نے عمداً خلاف واقعہ نقل میں دست اندازی کی۔ اس راہ سے حدیث ایک بڑی آفت سے دوچار ہو گئی۔ اللہ سبحانہ نے اس وقت ایسے ارباب فکر میدان میں رونما کئے جنہوں نے حدیث نبوت کی چھان بین اور اس کی مدافعت کا کام کیا۔ خیر خواہی کے جذبہ سے راویوں پر کلام کیا۔

حافظ سخاوی نے اس پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

پہلی صدر ہجری جو صحابہ و کبار تابعین کے دور میں گزری۔ اس دور میں حارث اور مختار کذاب جیسے اکا دکا شخص کو چھوڑ کر کسی ضعیف الروایہ شخص کا تقریباً وجود نہ تھا۔ پہلی صدی گزر کر جب دوسری صدی آئی تو اس کے اوائل میں اوساط تابعین میں ضعفاء کی ایک جماعت پیدا ہوئی جو زیادہ تر حدیث کو زبانی یاد رکھنے اور اپنے کوزہ ذہن میں اس کو محفوظ کرنے کے لحاظ سے ضعیف سمجھی گئی۔ چنانچہ آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ موقوف کو مرفوعاً نقل کر جاتے ہیں۔ کثرت سے ارسال کرتے ہیں اور ان سے روایت میں غلطیاں بھی ہوتی ہیں جیسے ابو ہارون عبدی وغیرہ۔ پھر جب تابعین کا آخری دور آیا۔ یعنی سنہ 150ھ کے قریب قریب۔ تو ائمہ کی ایک جماعت نے توثیق و تضعیف کے لئے زبان کھولی۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ ما رایت اکذب من جابر

الجعفی میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا نہیں دیکھا۔ اور امام اعمش نے ایک جماعت کی تضعیف اور دوسری کی توثیق کی۔ اور شعبہ کے رجال کے بارے میں غور و فکر سے کام لیا۔ یہ بڑے محتاط تھے اور بجز ثقہ کے تقریباً کسی سے روایت نہ کرتے تھے۔ امام مالک کا بھی یہی حال تھا اور اس دور کے ان لوگوں میں سے کہ جب وہ کسی کے بارے میں کچھ کہہ دیں تو ان کی بات مان لی جاتی ہے معمر' ہشام دستوائی' اوزاعی' سفیان ثوری' ابن الماجشون' حماد بن سلمہ اور لیث وغیرہ ہیں۔ پھر ان کے بعد دوسرا طبقہ ابن المبارک' ہیثم' ابو اسحاق فزاری' معافی بن عمران' بشیر بن المفضل اور ابن عیینہ وغیرہ کا ہے۔ پھر ان ہی کے ہم زبان ایک اور طبقہ ابن علیہ' ابن وہب اور وکیع جیسے حضرات کا ہے۔ بعد کو ان ہی کے دور میں دو ایسے شخص جو حدیث کے حافظ اور اس فن میں حجت گزرے ہیں تنقید رجال کے لئے اٹھے یہ یحییٰ بن سعید القطان اور عبدالرحمن بن مہدی ہیں۔[۶۶]

علامہ جزائری نے بھی اس پر تفصیلی تبصرہ فرمایا ہے۔[۶۷] اور حافظ شمس الدین السخاوی نے الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ میں علم الجرح و التعدیل کی ایک مورخانہ دستاویز ترتیب دی ہے۔ اس تاریخی ترتیب میں جب ائمہ جرح و تعدیل کا تذکرہ کیا ہے ان کے تعارف کے لئے حافظ موصوف نے یہ عنوان قائم کیا ہے۔

اما المتکلمون فی الرجال فخلق من نجوم الھدی و مصابیح الدجی المستضاء بھم۔

ان اکابر میں جن کو نجوم الہدی اور مصابیح الظلم کہا ہے۔ سب سے پہلے مقدمہ ابن عدی کے حوالہ سے اس فن کی امامت کے سلسلے میں صحابہ میں سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ' علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ' ابن عباس رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن سلام' عبادہ بن الصامت اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا ہے۔ پھر اکابر تابعین میں امام شعبی رحمہ اللہ' امام سیرین رحمہ اللہ' سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس کے بعد لکھا ہے۔

فلما کان عند آخرھم عصر التابعین و ھو حدود الخمسین و مائہ تکلم فی التوثیق والتجریح طائفہ من الائمہ فقال ابو حنیفہ ما رایت اکذب من جابر و ضعف الاعمش جماعۃ و وثق آخرین و نظر فی الرجال شعبہ۔[۶۸]

اور اس کے بعد ان سب کا تذکرہ کیا ہے جو آپ فتح المغیث کے حوالہ سے پہلے پڑھ چکے ہیں اور یہ بھی اضافہ فرمایا ہے۔

> پھر یحییٰ بن سعید القطان اور عبدالرحمن بن مہدی کے بعد امام شافعی، یزید بن ہارون، ابو داود الطیالسی، عبدالرزاق، الفریابی، ابو عاصم النبیل وغیرہ ہوئے ہیں اور ان کے بعد حمیدی، القعنبی، ابو عبید یحییٰ اور ابو الولید الطیالسی نے اس میں کام کیا ہے۔[20]

اس تاریخی دستاویز میں حافظ سخاوی نے صرف یہ نہیں بتایا ہے کہ آخر عصر تابعین میں جرح و تعدیل کے فن میں امامت کا مقام امام اعظم کو حاصل ہے۔ بلکہ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی ذات گرامی نا،جی ہونے کی حیثیت میں توثیق و تجریح کے میدان میں صرف تعارفی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان استدلالی شخصیت ہے۔ اور ائمہ جرح و تعدیل میں ان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ حافظ سخاوی کی یہ تصریح ہے۔

> تکلم فی التوثیق و التجریح طائفہ من الائمۃ فقال ابو حنیفہ
>
> ترجمہ :- راویوں کی توثیق و جرح پر ائمہ کی ایک جماعت نے لب کشائی کی۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا۔

اسی بنا پر امام ترمذی نے اپنی جامع میں جرح و تعدیل پر امام اعظم کے ان دو فقروں کو بالاسناد کتاب العلل میں روایت کیا ہے۔

> حدثنا محمود بن غیلان قال حدثنا ابو یحیٰی الحمانی قال سمعت ابا حنیفہ یقول ما رایت احداً اکذب من جابر الجعفی و لا افضل من عطاء
>
> ترجمہ :- امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا اور عطاء سے زیادہ فاضل کوئی نہیں دیکھا ہے۔[21]

اس روایت کا تعلق راویوں کی جرح و تعدیل سے ہے۔ اور امام ترمذی نے اسے سند کے طور پر پیش کیا ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک امام اعظم کا شمار ان ائمہ میں ہے جن کی بات جرح و تعدیل کے موضوع پر سند ہے۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب یہ ہے کہ امام اعظم کے منہ سے نکلے ہوئے تعدیل میں عطاء کے متعلق اور جرح میں جابر جعفر کے متعلق دو فقرے علم حدیث میں دو اہم فنون کی بنیادی اینٹ ہیں۔ پہلا فقرہ یعنی ما رایت

افضل من عطاء بن ابی رباح علم التعدیل کی اور دوسرا فقرہ یعنی ما رایت اکذب من جابر الجعفی علم الجرح کی۔ اور تعدیل بھی معمولی رواۃ کی نہیں بلکہ امام فن کی فرمائی ہے۔ اور صرف امام ترمذی نے نہیں بلکہ امام بیہقی نے بھی امام ابو حنیفہ کی اس موضوع پر استدلالی حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب المدخل میں بسند متصل عبدالحمید الحمانی کے حوالہ سے لکھا ہے۔

سمعت ابا سعد اصنعانی و قام الی ابی حنیفه فقال یا ابا حنیفه ما تقول فی الاخذ عن الثوری فقال اکتب عنه فانه ثقه ما خلا احادیث ابی اسحاق عن الحارث و حدیث جابر الجعفی۔

ترجمہ :۔ میں نے ابو سعد کو امام ابو حنیفہ سے یہ کہتے سنا ہے کہ آپ کی سفیان ثوری سے روایت کے بارے میں کیا رائے ہے؟ فرمایا ان سے حدیثیں لکھو کیونکہ وہ ثقہ ہیں لیکن ان کی وہ حدیثیں نہ لکھو جو بحوالہ ابو اسحٰق از حارث ہیں اور حدیث جابر جعفی بھی نہ لکھو۔

حافظ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان کی تعدیل کرتے ہوئے جہاں دوسرے اکابر نقاد کے تعدیلی کلمات درج کئے ہیں کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ ابو الزناد ربیعہ سے زیادہ عالم ہیں۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ ان سب سے پہلے امام اعظم کے یہ تعدیلی کلمات نقل کئے ہیں۔

رایت ربیعه و ابا الزناد و ابو الزناد افقه

ترجمہ :۔ میں نے ربیعہ اور ابو الزناد دونوں کو دیکھا ہے لیکن ابو الزناد زیادہ فقیہ ہیں۔

مشہور امام جعفر صادق سے کون واقف نہیں ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کی تعدیل کرتے ہوئے جہاں یحیٰی بن معین اور ابو حاتم سے ان کی توثیق نقل کی ہے وہاں امام اعظم کے یہ تعدیلی کلمات بھی نقل فرمائے ہیں۔

عن ابی حنیفه ما رایت افقه من جعفر بن محمد

اسی بنا پر ہمیشہ اس فن کے اماموں کو جرح و تعدیل کے موضوع پر امام اعظم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ حافظ عبدالقادر قرشی فرماتے ہیں۔

اعلم ان الامام ابا حنیفه قد قبل قوله فی الجرح و التعدیل و تلقوه عنه علماء هذا الفن و علموا به

ترجمہ:- جرح و تعدیل کے موضوع پر امام اعظم کی بات قبول کی گئی ہے اور اس فن کے علماء نے اسے اپنایا ہے اور اس پر عمل پیرا ہوئے ہیں۔

یہی جابر جعفی جن کے بارے میں امام ترمذی نے کتاب العلل میں امام اعظم سے یہ فیصلہ نقل کیا ہے کہ ما رایت اکذب من جابر۔ دوسرے ائمہ کی اس کی نسبت آراء کو پیش نظر رکھ کر امام ابو حنیفہ کی قوت فیصلہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ امام ثوری کہتے ہیں کہ ما رایت اورع فی الحدیث من جابر۔ میں نے جابر سے زیادہ حدیث میں محتاط نہیں دیکھا۔ امام شعبہ کہتے ہیں کہ جابر اگر حدیث میں سماع، تحدیث اور انباء کی تصریح کر دے تو قابل اعتبار ہے۔ ایک بار امام ثوری نے شعبہ سے کہا کہ تم جابر کے بارے میں کچھ کہو گے۔ تو پھر میں تمہارے متعلق کچھ کہوں گا۔

ذرا غور فرمایئے کہ جابر کی توثیق کون لوگ کر رہے ہیں اور یہ کس شان کے اجلہ فن ہیں۔ لیکن تحقیق کی سب لاگ عدالت نے جو فیصلہ دیا ہے وہ یہی ہے کہ جابر جعفی کی روایت قابل اعتبار نہیں ہے۔ لیث بن ابی سلیم فرماتے ہیں کہ کذاب ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ متروک ہے۔ امام ابو داود نے فیصلہ کیا ہے کہ میرے نزدیک قوی نہیں ہے۔ جریر بن عبدالحمید اور یحیٰی الحارثی کی رائے ہے کہ غالی قسم کا شیعہ تھا اور حضرت علی ﷜ کی رجعت کا معتقد تھا۔ سید الحفاظ یحیٰی بن معین کہتے ہیں کہ جابر کچھ نہیں قطعا" کذاب تھا۔ بلکہ بتانے والوں نے بتایا ہے کہ سبائی تھا اور رافضی یشتم اصحاب النبی ﷺ' رافضی حضور انور ﷺ کے صحابہ کا گستاخ ہے۔ صرف جابر جعفی نہیں بلکہ دوسرے راویوں کے متعلق بھی امام اعظم سے تنقیدات منقول ہیں جن کو محدثین کے یہاں شرف قبول حاصل ہے۔ مثلاً زید بن عیاش کے بارے میں امام اعظم اور امام مالک کے درمیان اختلاف ہے۔ امام اعظم اسے مجہول قرار دیتے ہیں لیکن امام مالک نے اس کے حوالہ سے مؤطا میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں حضور انور ﷺ نے کھجور اور چھوارے کو ملا کر بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

بعد کو اگرچہ بعض محدثین نے امام مالک کی تقلید میں اس روایت کو صحیح قرار دیا لیکن خود امام بخاری اور امام مسلم نے اس بارے میں امام ابو حنیفہ کے فیصلے سے موافقت کی ہے۔ چنانچہ محدث حاکم نے یہ حدیث درج کر کے امام بخاری اور امام مسلم کی جانب سے اس حدیث کی تخریج نہ کرنے پر معذرت اس طرح پیش کی ہے۔

والشیخان لم یخرجاہ لما خشیا من جہالہ زید بن عیاش۔

ترجمہ:- شیخین نے زید بن عیاش کے مجہول ہونے کے اندیشے سے اسے روایت نہیں کیا۔

حافظ ابن الہمام نے اسی موضوع پر ایک واقعہ لکھا ہے کہ

امام اعظم بغداد تشریف لائے وہاں کے ارباب روایت نے اس مسئلہ میں کہ رطب کی بیع تمر سے جائز ہے۔ یہ کہہ کر امام اعظم کے خلاف آواز اٹھائی کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے۔ ارباب روایت نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ بتائیے آپ کھجور کی بیر تمر سے کیسے جائز بتاتے ہیں؟ امام صاحب نے جواباً" فرمایا کہ دو حال سے خالی نہیں کہ رطب تمر ہے۔ یا نہیں اگر ہے تو بیع جائز ہے۔ التمر بالتمر حدیث میں اس کی اجازت ہے اور اگر تمر نہیں ہے تو پھر بھی اس کی بیع جائز ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم ارباب روایت نے لاجواب ہو کر حدیث سعد پیش کی۔ جس میں حضور نے بیع الرطب بالتمر سے منع فرمایا ہے۔ امام اعظم نے جواباً" فرمایا کہ اس حدیث کا مدار زید بن عیاش ہے۔ اس کی حدیث قابل پذیرائی نہیں ہے۔۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور فن جرح و تعدیل:۔ امام صاحب کی اس فن کے علماء نے اسی طرح تلقی بالقبول کی ہے۔ جس طرح امام احمد، امام بخاری، ابن معین اور ابن المدینی وغیرہ کے اقوال کی۔ یہ بھی آپ کی عظمت و سیادت اور وسعت علم پر بڑی شہادت ہے۔ اس سلسلہ میں چند نقول جواہر المنیفہ ص 30، 31، 32 سے پیش کی جاتی ہیں۔

1- امام ترمذی نے کتاب العلل جامع ترمذی میں امام صاحب کا قول فضل عطاء بن ابی رباح اور جرح جابر جعفی میں پیش کیا۔

2- مدخل المعرفہ دلائل النبوۃ للبیہقی میں ہے کہ ابو سعد صغانی نے امام صاحب کی خدمت میں کھڑے ہو کر پوچھا کہ امام ثوری سے حدیث لینے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا ثقہ ہیں ان کی احادیث لکھو بجز احادیث ابی اسحق عن الحارث اور احادیث جابر جعفی کے۔

3- امام صاحب نے فرمایا کہ طلق بن حبیب قدری عقیدہ رکھتے تھے۔

4- فرمایا کہ زید بن عیاش ضعیف ہیں۔

5- امام سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ میں کوفہ پہنچا تو امام صاحب سے میرا تعارف کرایا اور توثیق کی جس سے سب لوگوں نے میری حدیث سنی۔

6- حافظ حماد بن زید ایسے محدث جلیل نے فرمایا کہ حافظ عمر بن دینار کی کنیت ابو محمد سب سے پہلے ہمیں امام اعظم ہی سے معلوم ہوئی۔ ورنہ ہم صرف ان کو ان کے نام سے جانتے تھے۔

7- امام اعظم نے فرمایا کہ خدا عمرو بن عبید پر لعنت کرے کہ اس نے کلامی مسائل سے فتنوں کے دروازے کھولے۔

8- فرمایا خدا جہم بن صفوان اور مقاتل بن سلیمان کو ہلاک کرے ایک نے نفی میں افراط کی دوسرا تشبیہ میں حد سے بڑھ گیا۔

9- فرمایا کہ حدیث کی روایت کسی سے اسی وقت درست ہے کہ جس وقت سے سنی ہو روایت کرنے کے وقت تک برابر اس کو یاد رکھا ہو۔

10- امام اعظم سے سوال کیا گیا کہ اخبرنا وغیرہ سے روایت کیسی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں۔

11- ابو نعیم نے امام اعظم کا قول بطور سند پیش کیا کہ شیخ کو حدیث سنا کر بھی حدثنی سے روایت کر سکتے ہیں۔

12- امام اعظم نے فرمایا میرے نزدیک رسول اکرم ﷺ سے سراویل پہننے کی روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی ہے۔

اسماء الرجال اور امام اعظم:۔ محدثین لکھتے ہیں کہ اسماء الرجال کا علم حدیث کے علم کا نصف ہے۔ جیسا کہ حافظ عراقی نے شرح الالفیہ میں امام علی بن المدینی سے نقل کیا ہے۔ اور وجہ اس کی یہ بتائی ہے کہ حدیث متن اور سند کے مجموعے کا نام ہے۔ اور سند کا تعلق راویوں سے ہے۔ اور راویوں ہی کے حالات کی واقفیت علم اسماء الرجال ہے۔ اور راویوں پر جرح و تعدیل ایک نہیں بلکہ دو عظیم المرتبت اور جلیل القدر فنون کے مجموعے کا نام ہے۔ نقد و نظر اس کی جان ہے۔ اگر ایک شخص کی ذات کو اس فن میں استدلالی حیثیت سے مان لیا جاتا ہے تو اس کا واضح لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ اس کی رجال میں معرفت کی پختگی اور راویوں کے احوال سے واقفیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ علم الجرح میں جارح اور علم التعدیل میں معدل ہونے کی بنیادی شرط ہی یہی ہے۔ علماء نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ تاج الدین السبکی' علامہ بدر بن جماعہ اور حافظ ابن حجر نے اس کی تصریح کی ہے کہ جو شخص جرح و تعدیل کے اسباب و وسائل سے واقف نہ ہو اس کی کوئی رائے اس فن میں کسی درجہ میں قبول نہ کی جائے گی۔ اور حافظ ذہبی نے لکھا

ہے۔

وہ عالم و عارف جو حدیثوں کے راویوں کا تزکیہ یا ان پر جرح کرتا ہے۔ نقد خبیر اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تلاش و جستجو میں جان نہ کھپائے اور بہت زیادہ مذاکرہ، شب بیداری، تقویٰ اور فہم و فراست کے ساتھ دین داری، پارسائی اور انصاف سے ہم آغوش نہ ہو۔

دوسرے علماء نے بھی اسی قسم کی تصریحات پیش فرمائی ہیں۔

اہل فن کی یہ تصریحات بتا رہی ہیں کہ ناقد کے لئے راویوں کے حالات سے واقفیت ضروری ہے۔ ناقد کا فرض ہے۔ کہ جس پر تنقید کر رہا ہے یہ جانے کہ کون ہے کیا کرتا ہے۔ اس کا چال چلن کیسا ہے، اس کی سمجھ بوجھ کس درجہ کی ہے، ثقہ ہے یا غیر ثقہ، عالم ہے یا جاہل، ذہین ہے یا غبی، یادداشت کا کیا حال ہے؟ کہاں کا رہنے والا ہے۔ کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب تک ان بنیادی امور سے پوری واقفیت نہ ہو کوئی شخص ناقدین میں شمار نہیں ہو سکتا ہے۔ بلا ریب اگر امام اعظم کا شمار معدلین رجال میں ہے اور نہ ہونے کی وجہ ہی کیا ہے۔ جب کہ محدثین نے ان کے اس مقام کو تسلیم کیا ہے۔ تو اس کے باور کرنے میں کس کو تامل ہو سکتا ہے کہ امام اعظم کو اسماء الرجال میں اونچا مقام حاصل تھا۔ امام اعظم اس موضوع پر بھی بعد میں آنے والوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ حافظ عبدالقادر قرشی نے ابو سلیمان الجوزجانی کے حوالہ سے مشہور امام حدیث حماد بن زید جو عبدالرحمٰن بن مہدی اور علی بن المدینی کے استاد ہیں۔ ان کا جو بیان لکھا ہے اس سے امام اعظم کی رجال شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

سمعت حماد بن زید یقول ما عرفنا کنیہ عمرو بن دینار الابابی حنیفہ کنا فی المسجد الحرام و ابو حنیفہ مع عمرو بن دینار فقلنا له یا ابا حنیفہ کلمه یحدثنا فقال یا ابا محمد حدثہم

ترجمہ:۔ میں نے حماد بن زید سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہمیں عمرو بن دینار کی کنیت کا علم نہ تھا۔ ابو حنیفہ کے ذریعہ ہمیں ان کی کنیت کا علم ہوا ایک بار ہم مسجد حرام میں تھے ابو حنیفہ عمرو بن دینار کے پاس ہی کھڑے تھے ہم نے امام صاحب سے کہا کہ آپ ان سے کہیے کہ حدیث بیان کریں آپ نے ان سے فرمایا کہ اے ابو محمد ان کو حدیث سناؤ۔

امام حماد بن زید کی جلالت قدر کا اندازہ کرنا ہو تو عبدالرحمٰن بن مہدی کا یہ بیان پڑھئے۔ فرماتے ہیں کہ

میں نے ان سے زیادہ سنت کا جانکار کوئی نہیں دیکھا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے سلیمان بن حرب کے حوالہ سے جہاں ان کے متعلق یہ انکشاف کیا ہے کہ حماد کہتے ہیں کہ مجھے ابو حنیفہ سے محبت ہے۔ وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ

روی حماد بن زید عن ابی حنیفة حدیثا کثیرا۔

ان احادیث کثیرہ کی صحیح تعداد بھی سن لیجئے۔ امام عجلی فرماتے ہیں کہ حماد بن زید کو چار ہزار حدیثیں یاد تھی۔ اور یہ آپ پہلے امام حسن بن زیاد کی زبانی سن چکے ہیں کہ امام اعظم کی مجموعی مرویات کی تعداد چار ہزار ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوا کہ امام ابو حنیفہ کی ساری مرویات حماد بن زید روایت کرتے تھے واضح رہے کہ عمرو بن دینار ہی ہیں جب کے متعلق امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن دینار کی حدیثیں بیان کرنے کے لئے مجھے تحدیث کے لئے مقرر فرمانے والے بھی امام اعظم ہیں۔ حماد بن زید کہتے ہیں کہ ہم عمرو بن دینار کے پاس ہوتے جب امام اعظم تشریف لاتے تو عمرو بن دینار ہمیں چھوڑ کر ان کی طرف سراپا توجہ ہو جاتے ہم امام اعظم سے پوچھتے وہ ہم سے حدیثیں بیان کرتے۔

تاریخ رجال میں امام اعظم کی مہارت اور برتری کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جو داود بن المحبر نے بتایا ہے کہ امام اعظم سے پوچھا گیا کہ احرام والے کو اگر تہ بند نہ ملے تو کیا شلوار پہن سکتا ہے فرمایا ہرگز نہیں بلکہ اسے تہ بند باندھنا چاہیے۔ پوچھا اگر اس کے پاس تہ بند نہ ہو تو کیا کرے؟ فرمایا شلوار فروخت کرے اور تہ بند خرید لے۔

پوچھنے والے نے کہا کہ حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے۔

المحرم يلبس السراويل اذا لم يجد الازار

ترجمہ:۔ احرام والا شلوار پہنے جب اسے تہ بند دستیاب نہ ہو۔

امام اعظم نے جواب میں فرمایا کہ

لم يصح فی هذا عندی عن رسول الله صلى الله عليه وسلم شئی

ترجمہ:۔ میرے نزدیک اس موضوع پر حضور انور ﷺ سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

اور فرمایا کہ ہمارے نزدیک تو حضور انور ﷺ سے صحیح روایت یہی ثابت ہے کہ حضور انور ﷺ نے احرام والے

کو شلوار پہننے سے منع فرمایا۔

کسی حدیث کے بارے میں یہ فیصلہ کہ یہ صحیح ہے یا غلط۔ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کی راویوں پر نظر ہو اور اسانید و طرق کا پتہ ہو اس لئے امام اعظم کا یہ فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے' اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ امام اعظم تاریخ رجال سے پوری طرح واقف تھے۔ امام مالک سے جب اس حدیث کے بارے میں یہی سوال کیا گیا تو امام مالک کا جواب یہ تھا۔

لم اسمع بهذا ولا ارى ان يلبس المحرم سراويل

ترجمہ:- میں نے یہ حدیث نہیں سنی ہے اور احرام والے کے لئے میری رائے میں شلوار پہننے کی گنجائش نہیں ہے۔

الغرض امام مالک اور امام ابو حنیفہ دونوں ہی احرام والے کے لئے شلوار پہننے کے جواز کے قائل نہیں ہیں لیکن حدیث کی حد تک ایک باریک سا فرق ہے اور وہ یہ کہ امام مالک حدیث کے بارے میں یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے یہ حدیث سنی نہیں۔ اور نہ سننا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں اسی لئے حافظ ابن حجر عسقلانی کو امام مالک کی جانب سے یہ معذرت پیش کرنے کا خیال آگیا۔

كان حديث ابن عباس لم يبلغه

ترجمہ:- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کو یہ حدیث نہیں پہنچی ہے۔

بر خلاف امام اعظم کے کہ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے یہ حدیث سنی نہیں ہے بلکہ فرمایا

لم يصح في هذا عندي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

اور دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ ایک میں بے خبری اور دوسری میں باخبری کا پتہ ان کے لم یصح کہنے سے پتہ چلتا ہے۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ حدیث تو موجود ہے لیکن اس کی صحت کا جو معیاری پیمانہ مقرر ہے اس پر پوری نہیں اترتی ہے۔ کیونکہ محدثین کے یہاں عدم صحت اس کو مستلزم نہیں ہے کہ گھڑی ہوئی اور موضوع ہے۔ علامہ زرکشی نے نکت علی ابن الصلاح میں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے القول المسدد اور نتائج الافکار میں اور ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں تصریح کی ہے۔ اور باخبر ہو کر روایت کی عدم صحت کا اعلان فنکار ہونے کی نشانی ہے۔ اسی بنا پر اس حدیث پر علی الاطلاق امام احمد کے سوا کسی نے عمل نہیں کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

قال القرطبی اخذ بظاہر ھذا الحدیث احمد فاجاز لبس الخف والسراویل المحرم الذی لا یجد النعلین و الازار علی ما لہما واشترط الجمہور قطع الخف و فتق السراویل

ترجمہ:۔ قرطبی فرماتے ہیں اس حدیث کے ظاہر پر امام احمد نے عمل کیا ہے انہوں نے خف اور شلوار کے پہننے کو جیسے بھی ہوں جائز سمجھا ہے لیکن جمہور نے خف کے لئے قطع اور شلوار کے لئے فتق کی شرط لگائی ہے۔

بہرحال امام اعظم ابو حنیفہ علم الجرح و التعدیل کی طرح اسماء الرجال کے فن میں یکتائے روزگار تھے۔ موطا امام محمد، مسند امام اعظم اور کتاب الآثار امام محمد تینوں کتابوں میں مذکور حدیث کے راویوں کی مکمل فہرست پیش کرنے کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے راویوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

امام بخاری، امام مسلم اور امام اعظم کے راویوں کا تقابلی مطالعہ

ناظرین کرام کو اس فہرست کے ملاحظہ فرمانے کے بعد ان حضرات محدثین کے دعوٰی کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی جو امام صاحب کو حافظ الحدیث نہیں مانتے یا آپ کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ تعجب ہے اگر معترض جس راوی سے حدیث روایت کرے تو صحیح اور امام صاحب اسی راوی سے حدیث روایت کریں تو ضعیف، یہ بات تو انصاف کی نہیں ہے۔ بلکہ اس نقطہ نظر کے پس منظر میں کوئی دوسرا جذبہ کار فرما نظر آتا ہے اس جگہ ہم ناظرین کو ذرا تقابلی مطالعہ کرانا چاہتے ہیں۔

رواۃ صحیحین:۔

1- منصور بن المعتمر 2- حکم بن عتیبہ

3- زہری 4- نافع

5- طاوس 6- شیبان بن عبدالرحمن

7- یحیٰی بن سعید 8- زیاد بن علاقہ

9- عبداللہ بن دینار　10- عمرو بن دینار

11- شعبی　12- ابراہیم نخعی

13- مجاہد بن جبیر　14- عطاء بن ابی رباح

15- ابن یسار　16- محارب بن دثار

17- ابو اسحاق السبیعی　18- محمد الباقر

19- ربیعہ بن عبدالرحمن　20- مخول بن راشد

21- ابراہیم بن محمد المنتشر　22- الحسن البصری

23- سالم بن عبداللہ　24- مکحول الشامی

25- ایوب السختیانی　26- مکی بن ابراہیم

27- یزید بن الفقیر بن المسیب　28- ذر بن عبداللہ

29- عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج　30- القاسم بن محمد بن ابی بکر

31- قتادہ بن دعامہ　32- مقسم مولی ابن عباس

33- سلیمان بن یسار　34- محمد بن المنکدر

35- عبدالمالک بن عمیر　36- علی بن الاقمر

37- ابو بردہ　38- موسی بن عائشہ

39- عبدالعزیز بن رفیع　40- قیس بن مسلم

41- ابو حصین　42- عثمان بن العاصم

43- سعید بن مسروق　44- الثوری

45- سلمہ بن کہیل　46- ابو یعفور

47- اسماعیل بن ابی خالد

صرف مسلم کے رواۃ:۔ مندرجہ ذیل وہ رواۃ ہیں جن کی روایت صرف امام مسلم نے نقل کی ہے۔

1- عطاء بن السائب　2- عاصم بن کلیب

3- ابو زبیر مکی   4- حماد بن ابی سلیمان

صرف بخاری کے رواۃ:۔ حضرت عکرمہ بن عبداللہ وغیرہ کی روایت کو صرف بخاری نے لیا ہے۔

رواۃ کی مندرجہ بالا یہ وہ فہرست ہے کہ جن کی روایتیں بخاری و مسلم یا صرف بخاری یا صرف مسلم میں موجود ہیں اور صحیح سمجھی جاتی ہیں لیکن امام صاحب جب بلا توسط ان ہی رواۃ سے روایت اپنی مسند میں ذکر فرماتے ہیں تو ضعیف قرار دی جاتی ہے۔

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

انصاف یہی ہے کہ جس طرح بخاری کا شمار اس سے قبل موطا کا شمار اصح الکتب میں ہوتا ہے مسند امام اعظم بھی اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالیٰ ہے۔ ہاں اگر کسی حدیث پر اعتراض ہو سکتا ہے تو اس کے لئے نشانہ بخاری اور مسلم کو بنا چاہیے کہ اس میں واسطوں کی کثرت ہے نہ کہ مسند امام اعظم کو جب کہ اس میں حضرات صحابہ ؓ اور مندرجہ بالا رواۃ کے درمیان صرف ایک یا دو واسطے ہیں۔

عبدالکریم پر اعتراض:۔ لے دے کر امام صاحب کے اساتذہ میں سے عبدالکریم ابن ابی المخارق کو ضعف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور ان کی روایات کو ضعیف بتلایا جاتا ہے لیکن یہ غلط فہمی ہے یا مغالطہ کیونکہ عبدالکریم دو ہیں۔ دوسرے کا نام عبدالکریم الجزری ہے اور اتفاق سے دونوں بعض مشائخ میں شریک ہیں۔ اس شرکت کی وجہ سے ناقدین فرق نہیں کر پائے ورنہ عبدالکریم بن ابی المخارق کے روایات بخاری شریف میں "تعلیقا" موجود ہیں جن کا درجہ موصول ہی کے برابر تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان کی روایات موطا امام مالک میں بھی موجود ہیں۔ اور امام مالک کے بارے میں یہ بات مسلم ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب میں ان ہی رواۃ سے روایت نقل کی ہیں جو ان کے نزدیک ثقہ ہیں۔ امام نووی مقدمہ مسلم میں تحریر فرماتے ہیں۔

هذا تصريح من مالک بان من ادخله فی کتابه فهو ثقه

ترجمہ:۔ امام مالک کی یہ تصریح ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب میں جس کو داخل کیا ہے وہ ثقہ ہے۔

اس لئے امام مالک کے اختیار اور اس پر امام نووی کی مزید تصدیق کے بعد عبدالکریم بن ابی المخارق کو ضعیف قرار دینا دیانت داری کا خون ہے۔

مسند امام اعظم کے اسماء الرجال حسب ذیل ہیں

نمبر شمار	نام الراوی	تعداد حدیث	نمبر شمار	نام راوی	تعداد حدیث	نمبر شمار	نام راوی	تعداد حدیث
-1	ابی زبیر مکی	(24)	-2	ابی مالک	(2)	-3	اسماعیل بن ابی خالد☆	(12)
-4	ابی بکر بن ابی الجہم☆	(1)	-5	ابی اسحاق☆	(9)	-6	ابی سفیان	(5)
-7	ابی یعفور☆	(3)	-8	ابی نضرہ	(1)	-9	ابراہیم بن المنتشر☆	(
-10	ابی جعفر	(1)	-11	احمد بن محمد	(1)	12	ابی سوار	(1)
-13	ابی الہیثم	(1)	-14	ابی المنہال	(1)	-15	ایوب سختیانی☆	(1)
-16	ابی محمد	(1)	-17	ابی حصین☆	(1)	-18	ابو حمزہ نصاری	(1)
-19	ابی بردہ☆	(3)	-20	ابی فروہ	(2)	-21	ابی عون	(1)
-22	انس بن مالک	(2)	-23	ابی صالح	(1)	-24	بہلہ بن حکیم	(2)
-25	جابر	(1)	-26	حملو	(94)	-27	حارث	(2)
-28	حکم☆	(9)	-29	حمید الاعرج	(1)	-30	حسن بن عبیداللہ	(4)
-31	خالد بن علقمہ	(3)	-32	داود بن ابی الہند	(1)	-33	ربیعہ☆	(1)
-34	زہری☆	(6)	-35	زبیر بن حارث	(1)	-36	زیاد☆	(71)
-37	زر☆	(1)	-38	سعید☆	(3)	-39	سماک	(7)
-40	سلمان بن عبدالرحمن	(1)	-41	سلمہ بن .بیط 42 شعبی☆	(6) (6)			
-43	شیبان☆	(7)	-44	طلحہ بن نافع	(1)	-45	طریف	(1)
-46	طاوس☆	(2)	-47	علقمہ	(34)	-48	عطا بن سائب	(33)
-49	عبدالرحمٰن بن حزم	(1 (3)	-50	بدالکریم	بتا	(5)	-51	عبداللہ☆
-52	عبداللہ بن انیس	(1)	-53	عبداللہ بن حارث	(1)	-54	عبدالعزیز بن ربیع☆	(4)

	نام راوی			نام راوی				
-55	عطیہ	(15)	56	عبدالمالک☆	(11)	-57	علی ابن الاقمر☆	[illegible]
-58	علی بن حسین	(1)	-59	عدی	(5)	-60	عاصم	[illegible]
-61	عیینہ	(1)	-62	عکرمہ	(2)	-63	عمرو ابن دینار☆	[illegible]
-64	عون	(3)	-65	عائشہ بن عجرد	(1)	-66	قاسم☆	(8)
-67	قیس بن مسلم☆	(4)	-68	مسعر	(4)	-69	محمد ابن منصور	(1)
-70	محارب☆	(7)	-71	منصور☆	(4)	-72	موسیٰ☆	(1)
-73	محمد بن المنکدر☆	(9)	-74	مسلم	(5)	-75	معن	(3)
-76	محمد بن زبیر	(2)	-77	مقسم☆	(2)	-78	محمد بن قیس	(2)
-79	مخول بن راشد	(1)	-80	مکی بن ابراہیم☆	(1)	-81	محمد بن سائب	(1)
-82	نافع☆	(27)	-83	ناسخ بن عبداللہ	(3)	-84	واثلہ بن اسقع	(1)
-85	ہیثم	(28)	-86	یحییٰ ★	(10)	-87	یزید بن صہیب★	(2)
-88	یونس بن عبداللہ	(1)						

نوٹ :- کل احادیث 524 ہیں۔

صحیحین کے رجال= 47/191/32 ان سے 191 حدیثین مسند امام اعظم میں ہیں۔

صرف مسلم کے رجال= 9/4 میں 4 راوی مسند امام اعظم کے راوی ہیں۔

صرف بخاری کے رجال= 4/1 یہ راوی مسند امام اعظم میں بھی ہے۔

اس جدول سے معلوم ہوا کہ بخاری و مسلم دونوں کے صرف 47 راویوں سے ہیں اور باقی 47 میں سے 32 راوی وہی ہیں جو مسند امام اعظم ہیں۔ جن سے 191 احادیث مسند امام اعظم میں مروی ہیں۔

نوٹ:- جن رجال کی تعداد حدیث میں ستارہ کا نشان ہے وہ رجال بخاری اور مسلم کے بھی ہیں۔

ان راویوں سے مسند امام اعظم میں روایت شدہ حدیثوں کی تعداد۔ ۱۹۱ ہے ۔

امام اعظم کے رجال کے نمبر شمار		رواۃ صحیحین کے نمبر شمار
71	1- منصور بن المعتمر	4
28	2- حکم بن عتیبہ	9
34	3- زہری	6
82	4- نافع	27
46	5- طاوس	2
43	6- شیبان بن عبدالرحمن	7
86	7- یحییٰ بن سعید	10
36	8- زیاد بن علاقہ	6
51	9- عبداللہ بن دینار	14
63	10- عمرو بن دینار	2
42	11- شعبی	5
	12- ابراہیم نخعی	
	13- مجاہد بن جبیر	
	14- عطاء ابن ابی رباح	
	15- ابن یسار	
70	16- محارب بن دثار	7
5	17- ابو اسحاق السبیعی	9
	18- محمد الباقر	
33	19- ربیعہ بن عبدالرحمن	1
	20- مخول بن راشد	
9	21- ابراہیم بن محمد المنتشر	11

	22-	حسن بصری
	23-	سالم بن عبداللہ
	24-	مکحول شامی
15 ----	25-	ایوب السختیانی --- 1
80 -----	26-	مکی بن ابراہیم --- 1
87 -----	27-	یزید بن فقیر بن صہیب فقیر --- 2
37 -----	28-	زر بن عبداللہ ---- 1
	29-	عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج
66 ----	30-	قاسم بن محمد بن ابی بکر ----- 8
	31-	قتادہ بن دعامہ
77 ----	32-	مقسم مولی ابن عباس ------ 2
	33-	سلیمان بن یسار
73 ----	34-	محمد بن المنکدر --- 9
56 -----	35-	عبدالمالک بن عمر ----- 11
57 ------	36-	علی بن الاقمر ----- 5
19 -----	37-	ابو بردہ ----- 3
72 ------	38-	موسی بن عائشہ ----- 1
54 -----	39-	عبدالعزیز بن ربیع ----- 4
67 ------	40-	قیس بن مسلم ----- 4
17 -----	41-	ابو حصین --- 1
	42-	عثمان بن العاصم
38 ----	43-	سعید بن مسروق ------ 3

44- الثوری

45- مسلمہ بن کہیل

46- ابو حفور ---- 3   7 ----

47- اسماعیل بن ابی خالد ---- 12   3 ----

کل راوی = 32   کل روایت 191

باقی روای جو بخاری مسلم کے ہیں۔ 15

اسماء الرجال

جملہ رواۃ

موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

الف:۔

ابو — نام راوی

1- ابو ایوب انصاری

2- ابو بکر بن سلیمان بن ابی حثمہ

3- ابو بکر صدیق

4- ابو بکر بن حارث بن ہشام

5- ابو بکر بن عبداللہ نہشلی

6- ابو بکر بن عبیداللہ

7- ابو بکر بن عبدالرحمن بن حارث

8- ابو بکر بن عمر بن الرحمن بن ابن عمر

9- ابو بکر بن محمد بن حزم

10- ابو بکرہ نفیع بن حارث بن کلدہ ثقفی

11- ابو ادریس خولانی

12- ابو اسحق شیبانی

13- ابو اسحق سبیعی

14- ابو اسحق حسبی

نمبر شمار   نام راوی

15- ابو امامہ بن سہل بن حنیف
16- ابو البداح بن عاصم عدی
17- ابو ثعلبہ خشنی
18- ابو جعفر قاری
19- ابو جعفر محمد بن علی
20- ابو حسن مازنی
21- امام ابو حنیفہ
22- ابو حازم بن دینار
23- ابو حمزہ
24- ابو حمید بن ساعدی
25- ابو الدرداء
26- ابو رافع
27- ابو الرجال محمد بن عبدالرحمن
28- ابو الزناد
29- ابو الزبیر مکی
30- ابو السائب مولیٰ ہشام بن زہرہ
31- ابو سعید خدری
33- ابو سفیان مولیٰ بن ابی احمد
34- ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف
35- ابو سہیل بن مالک بن ابی عامر اصبحی
36- ابو شریح کعبی
37- ابو صالح بن عبید مولیٰ سفاح

نام (راوی)

38- ابو طلحہ

39- ابو طیبان

40- ابو العوام بصری

41- ابو العاص بن ربیع

42- ابو غطفان بن طریف

43- ابو قتادہ سلمی

44- ابو قیس عبدالرحمن

45- ابو الحسن موسی بن ابی عائشہ

46- ابو ماجر

47- ابو مرہ مولی عقیل بن ابی طالب

48- ابو المثنی جہنی

49- ابو موسی الاشعری

50- ابو معاویہ مکفوف۔

51- ابو محرز

52- ابو النضر سالم مولی بن عمر

53- ابو نعیم وہب بن کیسان

54- ابو وائل

55- ابو وہلہ مصری

56- ابو ہریرہ

57- ابو یربوع مخزومی

58- ابویوسف قاضی

59- ابو یعلی بن عبدالرحمن

نمبر شمار   نام (راوی)

60- ابو یونس مولی عائشہ صدیقہ

61- ابی بن ابی کعب

ابن:۔

62- ابن ام مکتوم

63- ابن ابی ملیکہ

64- ابن ابی ذویب 65- ابن اکیمہ لیثی

66- ابن بحینہ

67- ابن بجید انصاری

68- ابن جریج

69- ابن حنین عبید

70- ابن سلیم زرقی

71- ابن سیرین

72- ابن سباق

73- ابن شہاب زہری

74- ابن عباس (عبداللہ)

75- ابن عباس ہمدانی

76- ابن عمر (عبداللہ)

77- ابن مسعود (عبداللہ)

78- ابن موسی مولی قریش

ام:۔

79- الاعرج (ہرمز الاعرج)

80- ام بکر اسلمیہ

نمبر شمار نام راوی

81- ام حبیبہ

82- ام حکیم بنت حارث بن ہشام

83- ام سلمہ زوج النبی ﷺ

84- ام سلیم اسود بن زید

85- ام سلیم بنت ملحان

86- ام علقمہ (مرجانہ)

87- ام قیس بنت محصن،

88- ام کلثوم بنت زید بن ثابت

89- ام ولد ابی ایوب انصاری

90- ام ولد ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف

91- ام ہانی بنت ابی طالب۔

ب تابعی:۔

92- ابان بن صالح

93- ابان بن عثمان

94- اباد بن لقیط

95- ابی بن کعب

96- ابراہیم بن عقبہ

97- ابراہیم بن عبداللہ بن حنین

98- ابراہیم بن محمد مدنی

99- ابراہیم نخعی

100- احمد

101- ادریس خولانی

نمبر شمار   نام راوی

102- ارقم بن شرجیل

103- اسامہ بن زید مدنی

104- اسامہ بن سہل حنیف

105- اسحق بن راشد

106- اسحق بن عبداللہ بن ابی طلحہ انصاری

107- اسرائیل بن یونس بن اسحق سبیعی

108- اسلم مولی عمر فاروق رضی اللہ عنہ

109- اسماء بنت عمیس زوجہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

110- اسماعیل بن ابی خالد

111- اسماعیل بن ابی صالح

112- اسماعیل بن ابراہیم

113- اسماعیل بن حکیم

114- اسماعیل بن علیہ

115- اسماعیل بن عیاش

116- اسمٰعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص

117- اسود بن حفیر

118- اسود بن یزید

119- اعمش

120- امامہ بنت زینب بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

121- امامہ بن سہل بن حنیف

122- انس بن مالک

123- انس بن سیرین

نمبر شمار — نام راوی

124- ایوب بن حبیب مولی سعید بن وقاص رضی اللہ عنہ

125- ایوب سختیانی

126- ایوب بن عتبہ تمیمی

127- ایوب بن موسیٰ

ب:-

128- براء بن عازب

129- براء بن قیس

130- بسر بن سعید

131- بسر بن محجن

132- بشر

133- بشیر بن یسار مولی بن حارثہ

134- بکیر بن عامر

135- بکیر بن عبداللہ بن الاشجر

ث:- 136- ثابت بن ضحاک انصاری

137- ثور بن زید دیلمی

138- ثوری

139- ثعلبہ بن ابی مالک

ج:-

140- جابر بن عبداللہ انصاری

141- جابر بن عبداللہ خزاعی

142- جابر بن عتیق

نمبر شمار   نام راوی

143- جابر بن یزید

144- جراح مولی ام حبیبہ ﷞

145- جعفر قاری

146- جعفر بن محمد بن علی

147- جمیل موذن

148- جہان مولی اسلمی

ح:-

149- حارث بن ابی ذباب

150- حبیب بن عبید

151- حجاج بن عمر بن عزیہ

152- حذیفہ بن یمان

153- حریز بن عثمان

154- حزام بن سعید بن محیصہ

155- حسن بصری

156- حسن بن عمارہ

157- حسن بن محمد بن علی

158- حصین بن عبدالرحمن

159- حصین بن محصن

160- حفصہ ﷝ ام المومنین

161- حکم بن عتیبہ

162- حکیم بن حزام

163- حکیم بن عتبہ

نمبر شمار — نام راوی

164 حماد بن ابی سلیمان

165 حمید بن عبدالرحمن بن عوف

-166 حمید بن قیس مکی

-167 حمید بن مالک بن الخثیم

-168 حمید الطویل

-169 حمیدہ بنت عبید بن رفاعہ

-170 حنظلہ انصاری

خ:-

-171 خارجہ بن زید بن ثابت

-172 خالد بن عبداللہ

-173 خالد بن ولید بن مغیرہ

-174 خفرہ بن سعید مازنی

-175 خلاد بن سائب انصاری

-176 خنساء بنت خدام

د:-

-177 داود بن حصین

-178 داود بن قیس مدنی

ر:-

-179 رافع بن خدیج

-180 ربیع بن صبیح

-181 ربیعہ بن ابی عبدالرحمن

182- ربیعہ بن عبداللہ بن ہدیر

183- رجاء بن حیاہ

184- رقیہ مولاۃ عمرہ بنت عبدالرحمن

ز:

185- زبراء مولاۃ بنی عدی کعب

186- زبیر بن عوام

187- زیاد بن ابی سفیان

188- زید بن اسلم مولی عمر فاروق

189- زید بن ثابت

190- زید بن طلحہ

191- زید بن خالد جہنی

192- زید بن عبداللہ بن عمر

193- زینب بنت ابی سلمہ

194- زینب بنت کعب بن عجرہ

195- زہری (ابن شہاب)

س:

196- سالم بن عبداللہ بن عمر

197- سالم ابو النضر مولی عمر بن عبیداللہ تیمی

198- سائب بن یزید

199- سدوسی

200- سعد بن ابی وقاص

201- سعد بن عبادہ

نمبر شمار   نام راوی

225- سمی مولی ابو بکر بن عبدالرحمن

226- سوید بن لقمان

227- سہل بن حنیف

228- سہل بن ابی حثمہ

229- سہل بن سعد سعدی

230- سہل بن عباس ترمذی

ش:-

231- شریح

232- شریک بن عبداللہ بن ابی نمیر

233- شعبہ بن حجاج

234- شعبہ

235- شقیق بن سلمہ بن وائل اسدی

236- الشیخ ابو علی

ص:-

237- صالح بن کیسان

238- صالح مولی توامہ

239- صدقہ بن یسار مکی

240- سعد بن ہشامہ لیثی

241- صفوان بن عبداللہ بن امیہ

242- صفیہ ام المومنین

243- صفیہ بنت ابی عبید

244- صفیہ بنت حی

202- سعد بن معاذ 203- سعید بن اسحٰق بن کعب بن عجرہ

204- سعید بن ابی عروبہ

205- سعید بن ابی ہند

206- سعید بن سلمہ بن ارزق

207- سعید بن سعید مقبری

208- سعید بن جبیر

209- سعید بن عمر

210- سعید بن مسیب

211- سعید بن عبدالرحمٰن بن رقیش

212- سعید بن یسار

213- سعید بن ہشام

214- سعید جاری بن جار

215- سعید مقبری

216- سعید وقاشی

217- سفیان ثوری

218- سفیان بن عیینہ

219- سلام بن سلیم حنفی

220- سلیمان بن یسار

221- سلیمان بن ابی خیثمہ

222- سلمہ بن عبدالرحمٰن

223- سلمہ بن صفوان زرقی

224- سمی مولی ابی صالح

نام راوی

245- صفیہ زوجہ عمر رضی اللہ عنہ

246- صفوان بن سلیم

247- صلت بن زبید

248- صلہ بن زمران

ض:۔

249- ضحاک بن خلیفہ

250- ضحاک بن قیس

251- ضمرہ بن سعید مازنی

ط:۔

252- طاؤس

253- طفیل بن ابی بن کعب

254- طلحہ بن عمرو کمی

255- طلحہ بن عبدالملک

256- طلق

ع:۔

257- عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المومنین

258- عائشہ بنت طلحہ

259- عائشہ بنت قدامہ بن مظعون

260- عاصم بن عدی

261- عاصم بن کلیب جرمی

262- عامر عدوی

نمبر شمار   نام راوی

263- عامر بن عبداللہ بن زبیر

264- عامرؓ بن سعد بن ابی وقاص

265- عامر شعبی

266- عباد بن زیاد

267- عباد بن تمیم مازنی

268- عباد بن عوام

269- عبادہ بن صامت

عبدالرحمن:-

270- عبدالرحمن اعرج

271- عبدالرحمن بن اسود بن عبد یغوث

272- عبدالرحمن بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

273- عبدالرحمن بن ابی سعید خدری

274- عبدالرحمن بن ابی عمرہ انصاری

275- عبدالرحمن بن ابی لیلی

276- عبدالرحمن بن افلح مولی ابو ایوب انصاری

277- عبدالرحمن بن ثروان

278- عبدالرحمن بن خباب اسلمی

279- عبدالرحمن بن حنظلہ بن عجلان

280- عبدالرحمن بن عبدالقاری

281- عبدالرحمن بن عمر بن خطاب

282- عبدالرحمن بن عبداللہ مسعودی

283- عبدالرحمن بن عبداللہ بن ابی صعصعہ

نمبر شمار　نام راویان

284- عبدالرحمن بن عوف

285- عبدالرحمن بن عبد یغوث

286- عبدالرحمن بن قاسم بن محمد

287- عبدالرحمن بن محمد قاری

288- عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج

289- عبدالرحمن بن یزید بن جاریہ

290- عبدالرحمن بن یزید بن مولی اسود

291- عبدالرحمن بن سفیان

292- عبدالرحمن بن یعقوب

عبداللہ:-

293- عبداللہ الصنابحی

294- عبداللہ المجمر

295- عبداللہ بن ابی امیہ

296- عبداللہ بن ابی حبیبہ

297- عبداللہ بن ابی ملیکہ

298- عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمر

299- عبداللہ بن ابی صعصعہ

300- عبداللہ بن ثابت

301- عبداللہ بن دینار

302- عبداللہ بن رافع

303- عبداللہ بن زید بن عاصم

304- عبداللہ بن زید انصاری

نمبر شمار نام راوی

305- عبداللہ بن زید مازنی

306- عبداللہ بن زبیر

307- عبداللہ بن سفیان (اباماعز)

308- عبداللہ بن شداد

309- عبداللہ بن عامر بن ربیعہ

310- عبداللہ بن عتبہ

311- عبداللہ بن عبدالرحمن بن معمد

312- عبداللہ بن عبدالرحمن بن معمر

313- عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی حسین

314- عبداللہ بن عبدالرحمن بن یعلی ثقفی

315- عبداللہ بن عباس

316- عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ

317- عبداللہ بن عمرو بن عاص

318- عبداللہ بم عمر بن حفص بن عاصم

319- عبداللہ بن عمر حضری

320- عبداللہ بن عبداللہ بن جابر

321- عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ

322- عبداللہ بن قیس بن مخرمہ

323- عبداللہ بن کعب مولی عثمان غنی رضی اللہ عنہ

324- عبداللہ بن فضل

325- عبداللہ بن محمد بن علی

326- عبداللہ بن مسعود

نام راوی

327- عبداللہ بن واقد

328- عبداللہ بن یزید مولی اسود بن سفیان

عبد:۔

329- عبدالعزیز بن حکم

330- عبدالکریم بن ابی المخارق

331- عبدالکریم جزری

332- عبدالمجید بن سہل

333- عبدالملک بن ابی بکر بن حارث

334- عبدالملک بن میسرہ

335- عبدالملک بن مروان

عبید:۔

336- عبید بن حنین

337- عبید بن جراح

338- عبید بن جریج

339- عبید بن فیروز

340- عبید خولانی

341- عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر

342- عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ

343- عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعود

344- عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم

345- عبیداللہ بن عمر فاروق

346- عثمان بن اسحٰق بن خرسہ

نام راوی

347- عثمان بن عفان

348- عثمان بن عبدالرحمن

349- عدی بن ثابت انصاری

350- عروہ بن اذینہ

351- عروہ بن زبیر

352- عراک بن مالک غفاری

353- عزیز بن مرثد

354- عطاء بن ابی رباح

355- عطا بن یسار

356- عطا بن یزید لیثی

357- عطا خراسانی

358- عفیف بن عمر بن مسیب

359- عقیل بن ابی طالب سہمی

360- علاء بن عبدالرحمن بن یعقوب مولی حرقہ

361- علقمہ بن قیس

362- علقمہ بن ابی وقاص

363- علقمہ بن ابی العلقمہ

364- علقمہ بن وائل حضرمی

365- علی بن ابی طالب

366- علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

367- علی بن عبدالرحمن معاوی

368- عمار بن یاسر

نمبر شمار　　نام راوی

369- عمارہ بن ابی الحسن مازنی

370- عمارہ بن صیاد

عمر:-

371- عمر بن ابی سلمہ مخزومی

372- عمر بن حسین

373- عمر بن خطاب

374- عمر بن السید بن سوید

375- عمر بن عبدالعزیز

376- عمر بن عبیداللہ انصاری

377- عمر بن عبداللہ بن کعب سلمی

378- عمر بن ضر

379- عمر بن محمد بن زید

380- عمر بن مرہ

381- عمرہ بنت عبدالرحمن

عمرو:-

382- عمرو بن حارث

383- عمرو بن حزم عامل نجران

384- عمرو بن شرید

385- عمرو بن سلیم زرقی

386- عمرو بن شعیب

387- عمرو بن العاص

388- عمرو بن یحییٰ

نام راوی

389 عمیر بن سعد تخعی

390- عمیر مولی بن عباس

391- عیسیٰ بن ابی عیسیٰ خیاط

392- عیسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ

غ:-

393- غطفان بن طریف مری

ف:-

394- فاطمہ الزہرا ؓ

395- فریعہ بنت مالک بن سنان

396- فریعہ (اخت ابو سعید خدری)

397- فضل بن غزوان

ق:-

398- قابوس

399- قاسم بن محمد

400- قیسہ بن ذویب

401- قدامہ بن مظعون

402- قعقاع بن حکیم

403- قیس بن ابی حازم

404- قیس بن ابی ربیع اسدی

405- قیس بن طلق

ک:-

نمبر شمار   نام راوی

406- کبشہ بنت کعب بن مالک (ابو قتادہ کی بہو)

407- کریب مولی ابن عباس

408- کعب احبار

409- کعب بن عجرہ

410- کلیب جرمی

ل:-

411- لیث

م:-

412- امام مالک بن انس

413- مالک اصبحی

414- مالک بن ابی عامر انصاری

415- مالک بن اوس بن حدثان

416- مالک بن حارث

417- مبارک بن فضالہ

418- مجاہد

419- مجبر

420- مجمع بن یزید بن جاریہ انصاری

421- محل

422- محل بن محرز ضبی

423- محمود بن محمد مروزی

424- محمود بن لبید انصاری

محمد:-

شمار نام راوی

425- امام محمد

426- محمد بن ابان بن صالح قرشی

427- محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی

428- محمد بن ابی بکر ثقفی

429- محمد بن ابی بکر صدیق

430- محمد بن ابی بکر بن عمر بن حزم

431- محمد بن ایاس بن بکیر

432- محمد بن زید تیمی

433- محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان

434- محمد بن عبدالرحمن بن نوفل اسدی

435- محمد بن عبدالرحمن ابو الرجال

436- محمد بن عبداللہ بن زید انصاری

437- محمد بن عبداللہ بن نوفل

438- محمد بن عبداللہ بن صعصعہ

439- محمد بن عقبہ مولی زبیر

440- محمد بن علی ابو جعفر

441- محمد بن عمارہ بن عامر بن عمرو بن حزم

442- محمد بن عمر بن حلحلہ

443- محمد بن منکدر

444- محمد بن نعمان بن بشیر

445- محمد بن لبید

446- محمد بن یحییٰ بن حبان

447- مرثد بن سلیمان

448- مرجانہ ام علقمہ بن علقمہ

449- مرجانہ مولاہ عائشہ صدیقہ

450- مروان بن حکم

451- مسروق

452- مسعر بن کدام

453- مسلم بن ابی مریم

454- مسور بن رفاعہ قرظی

455- مسور بن مخرمہ

546- مطلب بن ابی وداعہ سہمی

457- مطلب بن عبداللہ مخزومی

548- معاذ بن جبل

549- معاذ بن سعد بن معاذ

460- مصعب بن سعد

461- معاویہ بن ابی سفیان

462- معوذ بن الحکم

463- مغیرہ ضبی

464- مغیرہ بن ابی بردہ

465- مغیرہ بن حکیم

466- مغیرہ بن شعبہ

467- مقداد بن اسود

468- منصور بن معتمر

نمبر شمار نام راوی

469- موسیٰ بن ابی تمیم

470- موسیٰ بن ابی عائشہ (ابو الحسن)

471- موسیٰ بن سعد بن زید بن ثابت

472- موسیٰ بن میسرہ

473- موسیٰ بن عقبہ

474- میمونہ ام المومنین رضی اللہ عنہا

ن:-

475- نافع بن جبیر بن مطعم

476- نافع مولیٰ ابی قتادہ

477- نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر

478- نبیہ بن وہب (اخی عبدالدار)

479- نعمان بن بشیر

480- نعیم المجمر مولیٰ عمر فاروق

481- نفیع بن حارث ابو بکرہ

و:-

482- واسع بن حبان

483- واقد بن سعید بن معاذ انصاری

484- وائل حضرمی

485- ولید بن عبداللہ بن یسار

486- وہب بن کیسان ابو نعیم

ی:-

نمبر شمار   نام راوی

487- ہبار بن اسود

488- ہشام بن اسماعیل

489- ہشام بن عروہ بن زبیر

490- ہرمز الاعرج

ی:-

491- یحییٰ بن حیان

492- یحییٰ بن سعید

493- یحییٰ بن عمارہ مازنی

494- یحییٰ بن محمد بن طحلاء

495- یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب بن ابی بلتعہ

496- یحییٰ بن مہلب

497- یرفا مولی عمر خطاب

498- یزید بن خصیفہ

499- یزید بن طلحہ رکانی

500- یزید بن عبداللہ بن ہاد

501- یزید بن عبداللہ بن قسیط لیثی

502- یزید بن زیاد

503- یسار بن نمیر

504- یعقوب بن زید

505- یونس

احوال مصادر رواۃ موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

(صحابہ، صحابیات، تابعین، تابعات، تبع تابعین کے حوالے سے)

83- مسور رضی اللہ عنہ بن مخرمہ صحابی 5/3 87- نافع رضی اللہ عنہ مولی ابن عمر تابعی

84- معاذ بن جبل

نوٹ:۔ قارئین محترم آپ نے گذشتہ صفحات میں موطا امام محمد کے 505 راویوں کے اسماء گرامی پڑھ لئے ہیں۔ فہرست ہذا میں آپ 87 راویوں کے مصادر کے احوال ملاحظہ کئے۔ جس کا اختصار کچھ یوں ہے۔

کل صحابہ کرام = 38، جن میں چار خلفاء راشدین بھی شامل ہیں۔

کل صحابیات = 09، جن میں چار ام المومنین بھی شامل ہیں۔

کل تابعی = 38

کل تابعیہ = 01

کل تبع تابعی = 01

87

تقابلی مطالعہ، رواۃ صحیحین کے ساتھ:۔

448- منصور بن معتمر

163- حکم بن عتیبہ

195- زہری

475- نافع بن جبیر

252- طاؤس

492- یحیٰی بن سعید

234- شعبی

99- ابراہیم نخعی

418- مجاہد بن جبیر

354- عطا بن ابی رباح

13- ابو اسحق سبیعی

181- ربیعہ بن عبدالرحمن

155- حسن بصری

196- سالم بن عبداللہ

125- ایوب سختیانی

288- عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج

399- قاسم بن محمد

220- سلیمان بن یسار

443- محمد بن المنکدر

270- موسیٰ بن عائشہ

138- ثوری

100- اسماعیل بن ابی خالد

نوٹ:- بخاری اور مسلم دونوں کے 47 راویوں میں سے 22 راویوں سے موطا میں روایت لی گئی ہے۔ بات پھر وہیں ہے کہ اگر امام بخاری اور امام مسلم ان راویوں کی روایت قبول کرتے ہیں تو یہی راوی جب موطا امام محمد میں روایت کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ چونکہ یہ حدیث بخاری اور مسلم میں نہیں اس لئے موطا کی روایت قبول نہیں۔

اسماء الرجال جملہ رواۃ کتاب الآثار امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

حرف الف:-

1- ابان ابن ابی عیاش
2- ابراہیم ابن محمد ابن المنتشر
3- ابراہیم بن مسلم
4- ابراہیم بن ابی موسیٰ الاشعری
5- ابراہیم بن یزید المکی
6- ابراہیم بن یزید نخعیؒ
7- ابی بن کعب الانصاری
8- اسحاق بن ثابت
9- اسماء بنت عمیر
10- اسماعیل بن امیہ
11- اسماعیل بن عبدالملک
12- اسماعیل بن مسلم المکی
13- اسود بن زید النخعی
14- افلح بن ابی القیس
15- انس بن سیرین البصری
16- انس بن مالک بن نضر الانصاری
17- ایوب بن ابی تیمیہ
18- ایوب بن عائذ الطائی

نمبر شمار نام راوی

19- ایوب بن عتبہ

حرف ب:۔

20- بریدہ بن حصیب اسلمی

21- بروع بنت واشق

22- بشر الباقر

23- بکر بن عبداللہ المزنی

24- بلال بن رباح (المؤذن)

25- بلال بن مرداس الفزاری

26- تمام بن عباس بن عبد المطلب

حرف ث:۔

27- ثابت والد اسحاق

حرف ج:۔

28- جابر بن زید

29- جابر بن عبداللہ

30- جامع بن شداد ابو صخرہ

31- الجراح ابن منہال

32- جریر بن عبداللہ البجلی

33- جعفر ابن ابی طالب

34- جعفر بن تمام بن عباس

35- جندب بن عبداللہ

36- جواب ابن عبداللہ التیمی الکوفی

نمبر شمار   نام راوی

حرف ح:۔

37- حارث بن ابی ربیعہ

38- حارث بن زیاد

39- حارث بن عبدالرحمن

40- حبیب بن ابی ثابت الکوفی

41- حذیفہ بن الیمان العبرنی

42- حرقوص بن بشیر العنی الکوفی

43- حسن بن ابی الحسن بصری

44- حسن بن محمد بن علی

45- حسین بن علی بن ابی طالب

حرف ص:۔

46- حصین بن واقد

47- حصین بن عبدالرحمن

48- حفصہ بنت عمر بن الخطاب

49- حماد بن ابی سلیمان کوفی

50- حمران مولیٰ ابن ابی عبلہ

51- حکم بن زیاد

52- حکم بن عتیبہ الکوفی

53- حملہ بن عبدالرحمن

54- حمید الاعرج المکی

55- حنظلہ بن نباتہ بعفی

حرف خ:۔

نمبر شمار نام راوی

56- خارجہ بن عبداللہ

57- خثیم بن عراک

58- خلاس بن عمرو

حرف ذ:۔

59- ذر بن عبداللہ

حرف ر:۔

60- رافع بن خدیج انصاری

61- ربعی بن حراش عبسی

62- ربیع بن سبرہ

63- ربیع بن صبیح بصری

حرف ز:۔

64- زبید بن حارث الیامی

65- زبیر بن عوام بن خویلد اسدی

66- زر بن حبیش اسدی

67- زفر بن ھذیل عنبری

68- زہیر بن عبداللہ ازدی

69- زیاد بن حدیر الاسدی

70- زیاد بن علاقہ ثعلبی

71- زیاد بن کلیب

72- زید بن ابی انیسہ

73- زید بن ثابت انصاری

نمبر شمار نام راوی

74- زید بن خویلد البکری

75- زید بن عمر بن خطاب

76- زینب زوجہ ابن مسعود

حرف س :-

77- سالم بن ابی جعد

78- سالم بن عبداللہ بن عمر

79- سالم الافطس بن عجلان

80- سائب بن یزید

81- سبرہ بن معبد الجہنی

82- سراقہ بن مالک المدلجی

83- سعد بن مالک

84- سعد بن ابی وقاص

85- سعید بن مالک

86- سعید بن عبید

87- سعید بن جمیل

88- سعید بن ابی عروبہ بصری

89- سعید بن عمرو

90- سعید بن مرزبان

91- سعید بن مسروق

92- سعید بن مسیب

93- سفیان بن سعید

94- سفیان بن عیینہ

نمبر شمار نام راوی

95- سلامہ جاریہ سوداء
96- سلمہ ابن کہیل کوفی
97- سلمان بن بریدہ
98- سلیمان شیبانی ابو اسحاق
99- سلیمان بن ابی مغیرہ کوفی
100- سماک ابن حرب
101- سودہ بنت زمعہ (ام المومنین)
102- سیرین ام ولد ابن مسعود

حرف ش:۔

103- شداد بن عبدالرحمن
104- شریح بن حارث کوفی
105- شعبہ بن حجاج کوفی
106- شقیق بن سلمہ کوفی
107- شیبہ بن مساور مکی

حرف ص تا ع:۔

108- صفیہ بنت عبدالمطلب
109- صلت بن بھرام کوفی
110- صلت بن حنین
111- ضحاک بن مزاحم
112- طارق بن شہاب
113- طاوس بن کیسان
114- طریف بن شہاب

نمبر شمار نام راوی

115- طلحہ بن عبیداللہ

116- طلحہ بن مصرف یامی

حرف ع:- 117- عاصم بن عبیداللہ

118- عاصم بن سلیمان

119- عاصم بن کلیب

120- عامر بن شراحیل

121- عامر بن واہلہ

122- عائشہ بنت ابی بکر ام المومنین

123- عبایہ بن رفاعہ

124- عبداللہ بن ادریس

125- عبداللہ بن انس جہنی

126- عبداللہ بن حارث

127- عبداللہ بن ابی حبیبہ

128- عبداللہ بن حسن

129- عبداللہ بن خباب بن الارت

130- عبداللہ بن داود

131- عبداللہ بن رواحہ انصاری

132- عبداللہ بن سعید

133- عبداللہ بن سلمہ

134- عبداللہ بن شداد

135- عبداللہ بن عباس

136- عبداللہ بن عبدالرحمن

نام راوی

137- عبداللہ بن عتبہ

138- عبداللہ بن عثمان بن عامر

139- عبداللہ بن عثمان بن خیثم

140- عبداللہ بن عمر بن خطاب

141- عبداللہ بن عمرو بن عاص

142- عبداللہ بن عون بصری

143- عبداللہ بن مسعود

144- عبداللہ بن مغفل

145- عبدالاعلیٰ التیمی

146- عبدالرحمن بن زاذان

147- عبدالرحمن بن سابط

148- عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود

149- عبدالرحمن بن محمود اوزاعی

150- عبدالرحمن بن عوف زہری

151- عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ

152- عبدالعزیز بن رفیع

153- عبدالکریم بن ابی المخارق بصری

154- عبدالحمید بن عبدالرحمن بن زید

155- عبدالملک بن ابی بکر

156- عبدالملک بن عمیر تابعی

157- عبیداللہ بن ابی زیادہ مکی

158- عبداللہ القداح

نمبر شمار — نام راوی

159- عبیداللہ بن عمر

160- عبید بن سلمان

161- عتاب بن اسید صحابی

162- عتریس بن عرقوب کوفی

163- عثمان بن اسود مکی

164- عثمان بن عبداللہ التیمی

165- عثمان بن محمد

166- عدی بن ارطات الفزاری

167- عدی بن حاتم طائی

168- عراک بن مالک تابعی

169- عروہ بن زبیر

170- عروہ بن مغیرہ

171- عطاء ابن ابی رباح

172- عطاء بن سائب

173- عطیہ بن سعد کوفی

174- عکرمہ مولی ابن عباس

175- عطاء بن زہیر کوفی

176- علقمہ بن قیس

177- علقمہ بن مرثد کوفی

178- علی ابن ابی طالب

179- علی عطاء الخراسانی

180- علی بن الاقمر۔

نمبر شمار نام راوی

181- علی بن ربیعہ

182- عمار بن عبداللہ الجہنی

183- عمر بن خطاب

184- عمر بن جبیر

185- عمرو بن حارث

186- عمرو بن ذر ہمدانی

187- عمرو بن سلمہ ہمدانی

188- عمرو بن عبداللہ ابو اسحاق

189- عمرو بن مرہ الجملی

190- عمرو بن عبسہ تابعی

191- عمران بن حصین

192- عمران بن عمیر کوفی

193- عمیر بن سعید نخعی

194- عمیر والد عمران

195- عوف بن مالک جشمی

196- عون بن عبداللہ

197- عیسی بن عبداللہ بن موہب

حرف غ:-

198- غیلان بن جامع کوفی

حرف ق:-

199- قاسم بن عبدالرحمن

200- قتادہ بن دعامہ

شمار نام راوی

201- قدعہ بن یحییٰ ابو غادیہ

202- قیس بن مسلم جدلی

حرف ک:۔

203- کثیر بن عثمان

204- کثیر الاصم الرماح بن عبداللہ

205- کدام بن عبدالرحمن سلمی

206- کعب بن مالک انصاری

حرف ل:۔

207- لیث بن ابی سلیم

حرف م:۔

208- مالک بن انس

209- مالک بن زبید ہمدانی

210- مالک بن مغول

211- مبارک بن فضالہ بصری

212- مجالد بن سعید ہمدانی

213- مجاہد بن سعید ہمدانی

214- محمد بن حسن بن فرقد شیبانی

215- محمد بن حنیفہ بن علی

216- محمد بن زبیر بصری

217- محمد بن سوقہ بصری

218- محمد بن عبید اللہ جہنی

نمبر شمار   نام راوی

219- محمد ابن علی ابن ابی طالب مشہور ابن حنیفہ

220- محمد بن علی بن حسین بن علی

221- محمد بن علی بن حسین بن واقد

222- محمد بن عمر بن قارث

223- محمد بن قیس ہمدانی

224- محمد بن کعب قرظی

225- محمد بن مالک بن زبید

226- محمد بن المنتشر

227- محمد بن المنکدر

228- مروان بن حکم بن ابی العاص

229- مرزدق ابو بکر تیمی

230- مزاحم بن زفر

231- مسروق بن اجدع کوفی

232- مسعود بن مالک سدی

233- مسلم بن سالم

234- مسلم بن عبداللہ شامی

235- مسلم بن کیسان کوفی

236- مسعود بن مخرمہ زہری

237- مصعب بن سعد بن ابی وقاص

238- معاذ بن جبل انصاری

239- معاویہ بن اسحاق قرشی

240- معبد بن صبیح

1239

نمبر شمار ― نام راوی

241- معن بن عبدالرحمن بن عبداللہ

242- معقل بن سنان صحابی

243- معقل بن مقرن صحابی

244- مغیرہ بن شعبہ ثقفی

245- مغیرہ بن مقسم کوفی

246- مکحول شامی

247- منذر بن محمد

248- منذر بن مالک ابو نضرہ

249- منصور بن زاذان

250- منصور بن المعتمر

251- موسیٰ بن ابی عائشہ

252- موسیٰ بن مسلم

253- میمونہ بنت حارث (ام المومنین)

254- میمون بن سیاہ

حرف ن:-

255- نافع بن علاء

256- نافع بن عبداللہ

257- ہشام بن عروہ

258- ہشام بن عیزہ

259- ہیثم بن بدر

260- ہیثم بن حبیب

حرف و:-

نمبر شمار ۔ نام (ر و ل)

261- واصل بن ابی جبل شامی

262- واقد بن عبداللہ

263- ولید بن سریع

264- ولید بن عثمان

265- ولید بن عقبہ

266- وہب بن کیسان مدنی

حرف ی:-

267- یحیٰی بن عمرو

268- یحیٰی بن عامر

269- یحیٰی بن ابی کثیر بصری

270- یحیٰی بن عمر بصری

271- یزید بن صہیب فقیر

272- یزید بن عبدالرحمن

273- یزید بن ابی کبشہ

274- یزید بن مکنف

275- یزید بن عبداللہ بن مغفل

276- یعقوب بن قعقاع

277- یوسف بن ماہک مکی

278- یونس ابن عمرو

نوٹ:- حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الاثار ۔ معرفہ رواہ الاثار عربی سے فہرست مرتب کی گئی ہے۔

کتاب الاثار کے راوی جن سے صحیحین نے روایت لی ہے۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

1- منصور بن المعتمر
2- حکم بن عتبہ
3- نافع بن عبداللہ
4- طاوس
5- زید بن علاقہ
6- محمد بن المنکدر
7- عبدالعزیز بن رفیع
8- سعید بن مسروق
9- ابراہیم نخعی
10- مجاہد بن جبیر
11- عطاء بن ابی رباح
12- ابو اسحاق السبیعی
13- عبدالمالک بن عمیر
14- علی ابن الاقمر
15- سلمہ ابن کہیل
16- ابراہیم بن المنتشر
17- حسن بصری
18- سالم بن عبداللہ
19- مکحول شامی
20- ایوب السختیانی
21- یزید ابن صہیب

22- قتادہ بن دعامہ

23- موسیٰ ابن عائشہ

24- قیس بن مسلم

25- ابو حصین

26- ذر بن عبداللہ

صرف 21 راوی صحیحین کے اور ہیں۔ اور 26 راوی کتاب الاثار کے ہیں کتاب الاثار کے راوی جن سے امام مسلم نے روایت لی مندرجہ ذیل ہیں۔

1- ابو زبیر مکی، 2- عاصم بن کلیب، 3- حماد بن ابی سلیمان

صرف مسلم کے انفرادی کل 4 راوی ہیں۔ جن میں سے تین راوی وہی ہیں جو کتاب الآثار کے ہیں۔ صرف ایک راوی مسلم کا کتاب الآثار سے زیادہ ہے۔ اور وہ عطاء بن السائب ہے۔ صرف بخاری کے رواۃ حضرت عکرمہ بن عبداللہ کی روایت کو صرف بخاری نے لیا ہے۔

تلامذہ محدثین کے راویوں کا تقابلی مطالعہ

امام بخاری جس راوی سے حدیث روایت کرے بالکل صحیح سلامت، بلکہ انتہائی اونچے درجے کی تصور ہو اور امام ابو حنیفہ اسی راوی سے حدیث روایت کریں تو ضعیف بلکہ انتہائی نچلے درجے تصور ہو۔ جہاں واقعی یہ تصور موجود ہو تو کیا یہ انصاف ہے؟

یہاں ناظرین اور قارئین کرام کو تقابلی مطالعہ کی دعوت دی جاتی ہے تاکہ یہ تصور بھی صاف ہو جائے۔

رواۃ صحیحین:-

نمبر شمار	نام راوی	نمبر شمار	نام راوی
1-	منصور بن المعتمر	24-	مکحول شامی
2-	حکم بن عتیبہ	25-	ایوب السختیانی

نام راوی — نام راوی

3- زہری
4- نافع بن عبداللہ
5- طاوس
6- شیبان بن عبدالرحمن
7- یحییٰ بن سعید
8- زید بن علاقہ
9- عبداللہ بن دینار
10- عمرو بن دینار
11- شعبی
12- ابراہیم نخعی
13- مجاہد بن جبیر
14- عطاء بن ابی رباح
15- ابن یسار
16- محارب بن دثار
17- ابو اسحاق السبیعی
18- محمد الباقر
19- ربیعہ بن عبدالرحمن
20- مکحول بن راشد
21- ابراہیم بن محمد المنتشر
22- حسن بصری
23- سالم بن عبداللہ
47- اسماعیل بن ابی خالد

26- علی بن ابراہیم
27- یزید بن الفقیر المسیب
28- ذر بن عبداللہ
29- عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج
30- القاسم بن محمد ابی بکر
31- قتادہ بن دعامہ
32- مقسم مولی ابن عباس
33- سلیمان بن یسار
34- محمد بن المنکدر
35- عبدالمالک
36- علی بن الاقمر
37- ابو بردہ
38- موسی ابن عائشہ
39- عبدالعزیز بن رفیع
40- قیس بن مسلم
41- ابو حصین
42- عثمان عاصم
43- سعید بن مسروق
44- الثوری
45- سلمہ بن کہیل
46- ابو جعفر

صرف مسلم کے رواۃ:۔ 1- عطاء بن السائب 2- ابو زبیر مکی 3- عاصم بن کلیب 4- حماد بن ابی سلیمان

صرف بخاری کے راوۃ:۔ 1- عکرمہ بن عبداللہ

نوٹ:۔ امام صاحب ان میں سے کسی راوی سے روایت اپنی مسند میں ذکر کرتے ہیں تو وہ ضعیف قرار دی جاتی ہے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ تعصب کیا ہوتا ہے؟

امام صاحب تمام اصحاب کتب حدیث کے استاد ہیں

(11) روایات حدیث میں تقریباً" تمام اصحاب کتب حدیث امام صاحب کے واسطۃً شاگرد ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں امام صاحب کے ترجمہ میں نسائی و ترمذی کی علامت لگائی ہے کہ امام ترمذی و نسائی نے امام صاحب کی روایات کی تخریج کی ہے۔ اور تہذیب التہذیب میں ان روایتوں کو ذکر بھی کیا ہے۔

صاحب مجمع البحار نے بھی ترمذی و نسائی کا حوالہ دیا ہے۔

صاحب خلاصہ نے امام کے ترجمہ میں شمائل ترمذی، نسائی اور جزء البخاری کی علامت لگائی ہے۔

مسند ابی داود طیالسی میں امام صاحب کی ایک روایت موجود ہے۔

معجم صغیر طبرانی میں دو روایتیں موجود ہیں۔

مستدرک حاکم جلد دوم میں امام صاحب کی ایک حدیث شہادت میں پیش کی ہے اور جلد سوم میں بھی ایک روایت موجود ہے۔

امام دار قطنی نے اپنی سنن میں 33 جگہ امام صاحب کے طرق سے احادیث روایت کیں (حالانکہ وہ امام صاحب سے تعصب بھی رکھتے تھے)۔

12- مشہور محدث کبیر ابو حمزہ سکری نے بیان کیا میں نے امام صاحب سے سنا فرماتے تھے "ہمیں جب کوئی حدیث صحیح الاسناد مل جاتی ہے تو اسی کو لیتے ہیں اور جب صحابہ کے اقوال و آثار ملتے ہیں تو ان میں کسی ایک قول کو